تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

تفسیرِ قرآن

تفسیرِ ماجدی

جلد دوم

سُورَۃُ الاَنعام — تا — سُورَۃُ النَّحل

از

مولانا عبد الماجد دریابادی

مجلسِ نشریاتِ قرآن

فہرست

عرضِ ناشر

(پاکستانی ایڈیشن)

مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ، جہاں ایک صاحب طرز ادیب اور انشاء پرداز کی حیثیت سے مشہور ہیں دوسری طرف اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان سے ایک عظیم کام تفسیر قرآن کا لیا جس کے لئے انہوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصّہ وقف کردیا۔ اور ایک ایسی تفسیر لکھی جو قدیم علوم و اصول تفسیر کے تمام محاسن سے مالامال ہونے کے ساتھ ساتھ عہد حاضر کے علوم اور تقاضوں کو بھی اپنے دامن میں رکھتی ہے اور اسی کے ساتھ نئے اذہان کے شکوک و شبہات بھی دور کرتی ہے۔

الحمدللہ ہم نظرثانی شدہ تفسیر ماجدی پاکستان میں پہلی بار شائع کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم کو اپنے انعامات خاص سے نوازے اور اس حقیر کی اس خدمتِ قرآن کو قبول فرماکر آخرت میں ذریعہ نجات بنائے۔ اس کے لئے یہ عاجز مخدومی و مرشدی مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی اور مخدومی حضرت مولانا سیّد محمّد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ کا شکر گذار ہے۔ جنھوں نے اس احقر کو پاکستان میں تفسیر ماجدی کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

خادم

فضلِ ربّی ندوی

مدیر مجلس نشریات قرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمد للہ تفسیر ماجدی کے ترمیم و اضافے والے نسخہ کی دوسری جلد بھی جو تقریباً نصف قرآن مجید تک پہونچتی ہے طباعت کے مرحلہ تک پہونچ گئی، کتاب کو طباعت کے لئے تیار کرنے میں مسودہ کی تبییض، علمی مراجعت، محتاط کتابت، پروف ریڈنگ وغیرہ، موضوع کی اہمیت اور اس کے مقام کو سامنے رکھتے ہوئے خصوصی توجہ و فکر کی متقاضی تھی اس کی وجہ سے طباعت کے مرحلہ میں تاخیر کا ہونا ناگزیر تھا چنانچہ پہلی جلد کے بعد دوسری جلد کی تیاری میں پورا ایک سال صرف ہوگیا حالانکہ اندازہ اس سے کم وقت صرف ہونے کا تھا، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی شائع کردہ دیگر کتب کی طرح تفسیر ماجدی کی کتابت بھی اس کے خاص کاتب ظہیر احمد کاکوروی کر رہے تھے، ان کی کتابت سے دوسری جلد اپنے اختتام کی منزل تک پہونچ رہی تھی کہ ان کی عمر نے وفا نہ کی اور گذشتہ رمضان میں انھوں نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی یہ امر بھی کتابت کی تکمیل میں تاخیر کا باعث بنا، ہم ان کی خدمات پر اپنی قدر کا اظہار کرتے ہیں اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

مجلس کے دیگر کارکنان جنھوں نے شب و روز اس جلد کی تیاری میں وقت اور توجہ صرف کی ان میں سرفہرست مجلس کے معاون سکریٹری مولانا سید محمد غفران ندوی اور مجلس کے کارکن مولوی انیس احمد ندوی ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بہتر جزائے خیر عطا کرے۔ صاحب تفسیر حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی رحمۃ اللہ علیہ کے برادر زادہ محترم جناب عبد العلیم صاحب قدوائی اور نواسے مولوی نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی نے بھی مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مسودہ کے بعض اشکالات کے حل میں مدد کی ہم ان کے بھی شکر گزار ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ کتاب کی بقیہ جلدیں بھی شائقین کو ہم جلد پیش کر سکیں اور مجلس اس عظیم فرض کی ادائیگی سے جلد فارغ ہو سکے۔ وما توفیق الا باللہ العلی العظیم۔

(مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی

سکریٹری
مجلس تحقیقات و نشریات اسلام
ندوہ، لکھنؤ

۷؍ صفر ۱۴۱۷ھ
۲۳؍ جون ۱۹۹۶ء

(۶)

آیاتھا ۱۶۵

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ

رکوعاتھا ۲۰

سورۂ انعام مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ بے انتہا رحمت کرنے والے بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ

ہر تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور روشنی کو بنایا اس پر بھی

وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ①

جو کافر ہیں وہ اپنے پروردگار کے برابر (دوسروں کو) ٹھہرا رہے ہیں لے

لہ جیسے عیسائی قومیں مسیح کو، روح القدس کو، مریم صدیقہ کو، اور مشرک قومیں اپنے اپنے دیوی دیوتاؤں کو۔
خلق۔ خلق یہاں ایجاد و ابداع یعنی نیست سے ہست کرنے کے معنی میں ہے۔

اے اخترع واوجد وانشأ وابتدع (قرطبی)

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ یہ دو نام ان چیزوں کے لئے دیئے گئے ہیں جنھیں اصطلاح فلسفۂ قدیم میں جوہر کہتے ہیں
الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ۔ یہ دو نام ان چیزوں کے لئے دیئے گئے جنھیں اصطلاح فلسفۂ قدیم میں عرض کہتے ہیں۔
مطلب یہ ہوا کہ اس کائنات میں جوہر ہو یا عرض ہر چیز کا بلا استثناء خالق و فاطر وہی ایک ہے، کوئی شے اس کے لئے غیر مخلوق نہیں
خلق السمٰوٰت والارض۔ بیسیوں مشرک قوموں نے آسمان اور زمین کو دیوی دیوتا تسلیم کیا ہے۔
جعل الظلمٰت والنور۔ ثنویہ خصوصاً مجوس نے نور و ظلمت کو مظہر الوہیت مانا ہے، اور ان کے خالق الگ الگ تسلیم کئے ہیں۔
جعل یہاں خلق یا تکوین و ایجاد کے مرادف ہے، اور اسی لئے صرف ایک مفعول کے ساتھ آیا ہے۔

قال النحاس جعل بمعنی خلق واذا کانت بمعنی خلق لم تتعد الّا الی مفعول واحد (قرطبی) جعل یجری مجری اوجد فیتعدی الی مفعول واحد (راغب) جعل یتعدی الی مفعول واحد اذا کان بمعنی احدث وانشأ والی مفعولین اذا کان بمعنی صیّر (کشاف) الجعل هو الانشاء والابداع کالخلق خلا ان ذلك مختص بالانشاء التکوینی وفیه معنی التقدیر والتسویة وهذا عام له (ابو مسعود)

الظلمٰت کے صیغۂ جمع اور النّور کے صیغۂ واحد میں اشارہ اس طرف ہے کہ گمراہیاں ایک نہیں، بہت سی ہو سکتی ہیں، اور راہِ حق صرف ایک ہی ہے ۔۔۔ دو نقطوں کے درمیان خطوط منحنی بے شمار ہو سکتی ہیں، خطِ مستقیم

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى

وہ (اللہ) وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر ایک وقت مقرر کیا، اور متعین وقت اسی کے علم میں ہے پھر بھی

عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝۲ وَ هُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ فِی الْاَرْضِ ؕ

تم شک رکھتے ہو ٢ اور وہی (ایک) اللہ آسمانوں میں ہے اور زمین میں (بھی) ٣

ایک ہی ممکن ہے' اور یہ نکتہ بہت قابلِ غور ہے کہ قرآن مجید میں "نور" جہاں بھی آیا ہے، مفرد ہی آیا ہے "انوار" کہیں بھی نہیں آیا ہے' اور ظلمات جہاں بھی آیا ہے صیغۂ جمع ہی میں آیا ہے "ظلمۃ" کہیں بھی نہیں آیا ہے۔

ثم۔ یہاں "اس کے باوجود" یا "اس پر بھی" کے معنی میں ہے۔

قال ابن عطیة ثم دالة علی قبح فعل الکافرین (قرطبی) الفائدة فیه استبعاد ان یعدلوا به بعد وضوح آیات قدرته (کبیر)

الحمد۔ حمد پر مفصل حاشیہ شروع سورۂ فاتحہ میں گزر چکا۔

امام رازیؒ نے اس ذیل میں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ خود ستائی بندوں کے حق میں عیب ہے لیکن جس نے حمد الٰہی کے حکم کو اللہ کے حق میں عیب سمجھا، اس نے اللہ کو بندوں پر قیاس کیا، اور معتزلہ کے اکثر خیالات کی بنیادی اساسی غلطی یہی ہے

دل هذا علی انه لا یمکن قیاس الحق علی الخلق فکما ان هذا قبیح من الخلق مع انه لا یقبح من الحق فکذلک لیس کل ما یقبح من الخلق وجب ان یقبح من الحق وبهذا الطریق وجب ان یبطل کلمات المعتزلة فی ان ما قبح منا وجب ان یقبح من الله (کبیر)

اسی ضمن میں امام موصوفؒ نے یہ اصل بھی درج کی ہے کہ جس طرح افعالِ خلق پر افعالِ حق کو نہیں قیاس کیا جا سکتا، اسی طرح صفاتِ خلق پر صفاتِ حق کو اور ذواتِ خلق پر ذاتِ حق کو نہیں قیاس کیا جا سکتا (کبیر)

الله اسم ذات ہے اور خالق، جاعل، رب، اسماء صفات۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ حمد کو پہلے اسم ذات کے ساتھ متعلق کرنے اور پھر صفاتِ خاصہ کے ساتھ موصوف کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ حمد کا استحقاق حق تعالیٰ کو بہ حیثیت ذات بھی ہے اور بہ حیثیت صفات بھی (من حیث الذات کے معنی نفی صفات کے نہیں، بلکہ صرف یہ کہ اس وقت صفات کی طرف التفات نہیں)

٢ (مسئلہ بعث بعد الموت میں)

خلقکم۔ ضمیر مخاطب نوعِ انسانی کی جانب ہے۔

ثم انتم۔ یعنی اتنے کھلے ہوئے دلائل کے باوجود بھی۔

معناه ان بعد ظهور مثل هذه الحجة الباهرة انتم تمترون (کبیر)

قضی اجلا۔ وقت مقرر کیا سب کی موت کا۔

بقضاء الدنیا قاله ابن عباس ومجاهد (قرطبی) قال الضحاک اجلا فی الموت (قرطبی)

يَعۡلَمُ سِرَّكُمۡ وَجَهۡرَكُمۡ وَيَعۡلَمُ مَا تَكۡسِبُوۡنَ ﴿۳﴾ وَمَا تَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ اٰيَةٍ

وہ تمہارے پوشیدہ (حال) کو بھی جانتا ہے اور ظاہر (حال) کو بھی اور جو کچھ تم کرتے رہتے ہو اسے بھی وہ جانتا ہے۔[۴] اور جو

مِّنۡ اٰيٰتِ رَبِّهِمۡ اِلَّا كَانُوۡا عَنۡهَا مُعۡرِضِيۡنَ ﴿۴﴾ فَقَدۡ كَذَّبُوۡا

نشانی بھی ان کے پاس ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے آتی ہے وہ اس سے اعراض کرتے رہتے ہیں۔[۵] سو انھوں نے (کلام) حق کو

بِالۡحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمۡ‌ؕ فَسَوۡفَ يَاۡتِيۡهِمۡ اَنۡۢبٰٓؤُا مَا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۵﴾

بھی جھٹلایا جب وہ ان کے پاس آیا[۶] سو عنقریب ہی انھیں خبر معلوم ہو جائے گی اس چیز کی جس کے بارے میں وہ تمسخر کیا کرتے تھے[۷]

اجل مسمّٰی عندہ۔ یعنی یہ دوسرا معیّن وقت اسی کو معلوم ہے، اس سے مراد وقتِ بعثت ہے۔

قال ابن عباس ومجاھد لابتداء الاخرۃ (قرطبی) قال الضحاک لاجل القیامۃ (قرطبی)

تمترون۔ یعنی وہم پیدا کرکے کج بحثی کیا کرتے ہو۔ التماری المجادلۃ علی مذھب الشک (قرطبی)

۳ (نہ یہ کہ کچھ زمین کے دیوتا ہوں اور کچھ آسمان کے)

اس میں رد آگیا بہت سی مشرک قوموں کی اس بنیادی گمراہی کا کہ ہر عالم کے خدا یا دیوتا الگ الگ ہیں۔ امام رازیؒ نے یہاں یہ شبہ نقل کرکے کہ اس سے حق تعالٰی کی تجسیم ثابت ہوتی ہے، اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں، جوابات اپنی جگہ پر بالکل کافی بلکہ شافی ہیں، لیکن جو بنیادی حقیقت یہاں عرض کی گئی، یہ پیشِ نظر رہے تو آگے کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

فی السموات اور فی الارض میں فی سے یہ مراد نہیں۔ کہ اللہ آسمانوں یا زمین "میں" کہیں بیٹھا ہوا ہے۔ بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین سب کا خدا وہی ایک ہے نہ یہ کہ ہر عالَم کے دیوتا الگ الگ ہوں

فی کا ترجمہ آیت میں اگر بجائے "میں"، "کے" "کا" سے کیا جائے تو شبہہ کی بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے۔

۴ (اور اسی علم پر مدارِ جزا ہے)

یعلم سرکم وجھرکم۔ یعنی اس کا علم محیط و کامل تمہارے ظاہر و باطن سب کو شامل ہے۔

اس میں رد آگیا اس مشرکانہ عقیدہ کا کہ بہت سے مخفیات خدا کے علم سے بھی باہر رہ جاتے ہیں۔

۵ ان نشانیوں میں تشریعی اور تکوینی دونوں قسم کے آیاتِ الٰہی آگئے، یعنی ایک طرف ہادیانِ حق کا ظہور اور ان کے پیام و تعلیمات، اور دوسری طرف ان کے معجزات اور قحط و زلزلہ وغیرہ تخویفی آیات۔

معرضون۔ اعراض کے معنی ہیں ترکِ التفات کے۔

وما تاتیھم۔ ضمیر جمع غائب کافروں اور منکروں کی جانب ہے۔

من اٰیۃ۔ من استغراقِ جنس کے لئے ہے، یعنی کوئی سی بھی نشانی ہو۔ من لاستغراق الجنس (قرطبی)

من اٰیات ربھم۔ من تبعیض کے لئے ہے۔ من للتبعیض (قرطبی)

۶ الحق سے مراد قرآن مجید ہے، صاحبِ قرآن بھی مراد ہو سکتی ہے۔

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ مَا لَمْ

کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان کے قبل کتنی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جنھیں ہم نے روئے زمین پر وہ قوت

نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِىْ

دے رکھی تھی جو تمھیں نہیں دی ہے ۵۸ اور ہم نے ان پر خوب کثرت سے بارش برسائی۔ اور ہم نے ان کے نیچے ندیاں

مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۶﴾

بہائیں پھر ہم نے انھیں ان کے گناہوں کے باعث ہلاک کر ڈالا اور ہم نے ان کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا ۵۹

یعنی القرآن و قبل محمد علیہ السلام (قرطبی)

یعنی خدا کی نشانیوں کی تکذیب تو ان کا شعار ہی ہو چکی ہے اس لئے حسب عادت انھوں نے قرآن کو بھی جھٹلایا۔

۵۷ یعنی عذاب الٰہی ان پر واقع ہو کر رہے گا۔

والمراد بالانباء وھی الاخبار العذاب (قرطبی) المراد بالانباء لا نفس الانباء بل العذاب الذی انبأ اللہ تعالیٰ به (کبیر)

عذاب سے مراد جنگ بدر میں شکست وغیرہ ہے، جو مشرکین عرب کو دنیا ہی میں نصیب ہوئی۔

والمراد ما نالھم یوم بدر ونحوہ (قرطبی) یحتمل ان یکون عذاب الدنیا وھو الذی ظھر یوم بدر (کبیر)

عذاب آخرت بھی مراد ہو سکتی ہے۔

قیل یوم القیامۃ (قرطبی) ویحتمل ان یکون عذاب الاخرۃ (کبیر)

۵۸ (اے اہل عرب!)

مراد قرآن کے مخاطبین اول ہیں۔

کم اھلکنا۔ یعنی اپنے عذاب سے ہلاک کر دیا۔

مکّنّٰھم فی الارض۔ تمکین فی الارض۔ کے تحت میں ہر قسم کا اقتدار و غلبہ شامل ہے۔

۵۹ اس نص نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ کوئی قوم اگر سرکشی کے مرض میں مبتلا ہے تو اس کی ظاہری خوش حالی اور مادی فارغ البالی اسے ہلاکت کے انجام سے نہیں روک سکتی۔

السماء۔ یہاں بارش کے معنی میں ہے۔

یرید المطر الکثیر (قرطبی) ای المطر او السحاب (بیضاوی) ای المطر کما روی عن ھرون التیمی ونسب الی ابن عباسؓ (روح) یرید الغیث والمطر (کبیر)

ارسلنا۔ ارسال کا ترجمہ یہاں "برسانے" ہی سے صحیح ہوگا۔

الارسال والانزال متقاربان فی المعنی (بحر)

تحتھم۔ یعنی ان کے باغوں اور کھیتوں میں ۔ مطلب یہ ہوا کہ ان کی سرزمین خوب گل و گلزار اور خوب

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِىْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ

اور ہم اگر آپ پر کوئی نوشتہ کاغذ پر (لکھا ہوا) نازل کرتے اور اس کو یہ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے جب بھی جن لوگوں نے کفر اختیار

كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ

کر رکھا ہے یہی کہتے کہ یہ تو بس ایک کھلا ہوا جادو ہے ١٠ اور یہ کہتے ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا ١١

شاداب و سرسبز ہیں۔

ای من تحت اشجارھم ومنازلھم (قرطبی) والمراد منہ کثرۃ البساتین (کبیر)

مدرارًا۔ یعنی خوب کثرت سے، یا لگاتار۔

دالۃ علی التکثیر کمذکار للمرأۃ التی کثرت ولادتھا للذکور (قرطبی) ھو للمبالغۃ فی اتصال المطر ودوامہ وقت الحاجۃ (بحر) المدرار الکثیر الدر یقال سحاب مدرار اذا تتابع امطارہ (کبیر)

١٠ (تو یہ حالت ان کے شدتِ ضد و عناد کی ہے!)

مطلب یہ ہوا کہ ان کو تو قرآن و اسلام سے اس قدر ضد و عداوت ہے کہ قرآن مجید بذریعہ وحی قلبی نہیں، بلکہ ایک لکھی لکھائی، مادی کتاب کی شکل میں آسمان سے اتر آئے، اور یہ لوگ اپنی آنکھ سے اسے اترتا ہوا دیکھ بھی لیں، بلکہ اسے ہاتھ سے چھو کر، ٹٹول کر اپنا پورا اطمینان کر لیں، جب بھی یہ اس کی تصدیق نہ کریں گے، بلکہ یہی کہنے لگیں گے کہ یہ تو نظربندی وغیرہ سے ہم کو فریب میں مبتلا کیا جا رہا ہے ــــ انسان جب قبول حق کا ارادہ ہی نہ کرے بلکہ اس کی مخالفت کو اپنے دل میں اتار لے تو پھر دلیل اس کے سامنے بیکار و غیر مؤثر ہی رہے گی۔ سچ فرمایا ہے عارف رومیؒ صاحبِ "مثنوی" نے ؎

یک کس نامستمع ز ستیز و رد ۔۔۔ صد کس گوینده را عاجز کند

كتٰبًا۔ کہا گیا ہے کہ کتاب سے یہاں مراد نفس صحیفہ نہیں، بلکہ جو کچھ اس میں مکتوب ہے وہ مراد ہے۔

والکتٰب ھنا المکتوب فی الصحیفۃ لا نفس الصحیفۃ (عکبری)

قرطاس لغت میں علاوہ بالکسر کے بالفتح بھی آیا ہے یعنی قَرطاس، اور یہاں قرأتیں بھی دونوں طرح آئی ہیں۔

والقرطاس بکسر القاف وبفتحھا لغتان وقرئ بھما۔ (عکبری)

لمسوہ ضمیر ہ کتاب کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے، اور قرطاس کی طرف بھی۔

ویجوز ان ترجع الی کتاب وان ترجع الی قرطاس (عکبری)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں معاند کے حال کا بیان ہے کہ وہ کسی طرح منتفع نہیں ہوتا، اسی لئے اہلِ طریق اس کے درپے نہیں ہوتے۔

١١ بشر محض کا رسول ہونا منکرین کی سمجھ میں نہ آتا، یہ اوتار مان سکتے تھے، مظہر خدا مان سکتے تھے، فرزند خدا مان سکتے تھے، دیویوں دیوتاؤں کے، خدا کی بیٹیوں کے وجود کے قائل ہو سکتے تھے لیکن بشر کی رسالت کو ان کا دماغ کسی طرح

وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ⑧ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا

حالانکہ اگر ہم کوئی فرشتہ اتار دیتے تو قصہ ہی ختم ہو جاتا اور ان کو ذرا مہلت نہ ملتی ۱۲ اور اگر ہم اس کو فرشتہ ہی

لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ⑨

تجویز کرتے تو اسے بھی آدمی ہی بناتے اور ان پر (پھر) وہی اشتباہ ڈالتے جس اشتباہ میں وہ اب (پڑے ہوئے) ہیں ۱۳

قبول کرنے کو تیار نہ تھا ان کی طرف سے مطالبہ "مافوق البشریت" کا "خارق عادت" کا ہوتا رہتا تھا، کوئی آسمانی فرشتہ ان پیمبر کے ساتھ ساتھ لگا رہے، جب جا کر یہ ان کی پیمبری کے قائل ہوں ــــ حالانکہ قائل جب بھی نہ ہوتے!

قالوا۔ یہ کہنے والے کون تھے؟ مشرکین قریش ہی کا کوئی گروہ تھا۔

وظاهر الآية يقتضى انها فى كفار العرب (بحر)

ابن عباسؓ کی روایت میں نام بھی تین قریشیوں کے آتے ہیں نضر بن حرث، عبداللہ بن ابی امیہ، نوفل بن خالد۔

۱۲ یعنی فرشتہ کا نزول دنیا میں اس طرح کہ وہ کافروں تک کو آنکھ سے نظر آجائے، یہ تو دستور الٰہی میں عین وقوع عذاب کے وقت ہوتا ہے، اس کے بعد پھر مہلت کا امکان ہی کہاں رہ جاتا ہے؟

"آیت قاہرہ اور پھر وہ بھی فرمائشی نازل ہونے کے وقت نہ ماننا حسب عادت الٰہیہ موجب ہلاک فوری ہے"۔ (تھانویؒ)

ان سنة الله جارية بان عند ظهور الآية القاهرة ان لم يومنوا جاءهم عذاب الاستيصال۔ (کبیر)

قضى الامر۔ قضاء امر سے مراد عذاب الٰہی کا واقع ہو جانا ہے۔

قال الحسن وقتادة لاهلكوا بعذاب الاستيصال (قرطبی) اى لاتم امر اهلاكهم (روح) قال ابن عباس وقتادہ والسدى لقضى الامر بعذابهم۔ (بحر)

اس احقر کے خیال میں یہ بات آتی ہے کہ ایسے کھلے ہوئے معجزات کے بعد تو اس عالم ناسوت کے گویا حجابات اٹھ جاتے ہیں، اور غیبت کے پردہ کے بجائے مواجہہ گویا شہود کے میدان کا ہو جاتا ہے جو عالم برزخ ہی کا دوسرا نام ہے عالم برزخ کشف حقائق کا محل ہے، اور کافروں کی اصل حقیقت چونکہ معذب ہی ہونا ہے، اس لئے اس طاری شدہ عالم برزخ کے وجود میں آتے ہی اس حقیقت کا ظہور، اور عذاب کا ترتب لازمی ہو جاتا ہے۔

ثم لا ينظرون۔ ثم یہاں اظہار شدت کے لئے ہے، یعنی عذاب تو واقع ہو ہی گا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ مہلت بھی ذرا نہ ملے گی، فی الفور واقع ہو جائے گا، گویا شدت عذاب سے بھی بڑھ کر اس کا فوری وقوع ہے۔

ومعنى ثم بعد ما بين الامرين قضاء الامر وعدم الانظار جعل عدم الانظار اشد من قضاء الامر لان مفاجاة الشدة اشد من نفس الشدة (کشاف)

۱۳ اور یہ لوگ اس انسان نما فرشتہ کے باب میں بھی وہی اشکالات و احتمالات اور وہی کج بحثیاں پیدا کرتے اور وہی کٹھ حجتی نکالتے، جو آج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے متعلق کر رہے ہیں۔

ولو جعلنہ "اس کو" یعنی اس بھیجی ہوئی ہستی کو۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا

اور آپ سے پہلے بھی پیمبروں کے ساتھ تمسخر کیا گیا، پھر ان لوگوں کو جو ان (پیمبروں) کی ہنسی اڑاتے تھے اسی

كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿١٠﴾

(عذاب) نے آگھیرا جس پر وہ تمسخر کیا کرتے تھے ١٤٧

ای لجعلنا الرسول ملکا (بحر) الضمیر الأول للنذیر المحدث للناس (روح)

ملکا۔ فرشتہ، یعنی وہ نورانی ہستی جسے انسان نہ اپنے عام و معروف حواس سے دیکھ سکتا، اور نہ ان کے ملکات کے لحاظ سے ان کا اتباع کر سکتا ہے۔

لجعلنہ رجلا۔ یعنی اسے بھی شکل و جسم کے لحاظ سے انسان ہی بناتے کہ تم اسے اپنی ان آنکھوں سے دیکھ تو سکتے

للبسنا علیھم۔ اشتباہ کا اسناد حق تعالیٰ کی جانب محض تکوینی طور پر، اور بہ طور مسبب الاسباب کے ہے اسی معنی میں اللہ تعالیٰ سانپ کے زہر کا بھی خالق ہے، بیماری کا بھی خالق ہے، ہر دکھ درد کا خالق ہے، یہاں تک کہ شیطان کا بھی خالق ہے

قال لبسنا بالاضافة الی نفسه علی جهة الخلق (قرطبی)

ایمان نام ہے قلب کی ایک کیفیت اختیاری کا، باقی کوئی ایسا معجزہ قوی کا سامنے آجانا جس سے انسان ایمان لے آنے پر مجبور ہو جائے، جیسے کہ فرشتہ کو اس کی اصلی شکل پر دیکھ لینا تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ایمان اختیاری باقی کہاں رہا؟ ایمان تو معتبر جبھی تک ہے، جب تک ایمان بالغیب ہے، جب انکشاف و شہود شروع ہو گیا، تو ایمان مطلوب کا سوال ہی نہ رہا۔

رجلا۔ رجل کے معنی مطلق انسان کے نہیں، بلکہ مرد یا جنس مذکر کے ہیں، اور یہیں سے بعض مفسرین نے یہ نکالا ہے کہ رسالت عورت کے لئے نہیں، صرف مرد کے لئے مخصوص ہے۔

وفیه اشعار کما قال عصام الدین وغیرہ بان الرسول لا یکون امرأة وھو متفق علیه (روح)

١٤٧ (تو آپ اپنے زمانہ کے منکرین و مستہزئین کی مخالفت و استہزاء سے مغموم و متفکر کیوں ہوں؟ یہ لوگ تو خود ہی اپنے کو دنیوی و اخروی عذاب کا مستحق بناتے جا رہے ہیں)

انبیاء قدیم کے ساتھ استہزاء اور اس کی سزا کا ذکر توریت میں بھی جا بجا ہے۔ مثلاً:-

"اور حزقیاہ نے سارے اسرائیل اور یہوداہ کو کہلا بھیجا اور افرائیم اور منسی کے پاس بھی نامے لکھ بھیجے ... سو قاصد افرائیم اور منسی کے ملک میں زبلون تک شہر بہ شہر گزرتے پھرے لیکن وہ ان پر ہنسے اور انھیں ٹھٹھے میں اڑایا" (٢۔ تواریخ ٣٠ : ١٠)

"لیکن انھوں نے خدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھے میں اڑایا اور اس کی باتوں کو ناچیز جانا اور اس کے نبیوں سے بدسلوکی کی، یہاں تک کہ خداوند کا غضب اپنے بزرگوں پر ایسا بھڑکا یا کہ کوئی چارہ نہ رہا" (٢۔ تواریخ ٣٦۔ ١٦)

"انھوں نے ہم کو ٹھٹھے میں اڑایا اور ہماری حقارت کی، اور کہا یہ کیا کام ہے کہ تم کرتے ہو" (نحمیاہ ٢ : ١٩)

سخروا۔ یستھزءون۔ سخریہ اور استہزاء۔ دونوں ایک ہی معنی میں آتے ہیں۔

ھما متحدان معنیً واستعمالا (روح)

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ⑪ قُلْ

آپ کہئے کہ زمین پر چلو پھرو، پھر دیکھ لو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا ۱۵؎ آپ کہئے کہ آسمانوں اور زمین میں

لِمَنْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُلْ لِلّٰهِ ۚ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ

جو کچھ ہے یہ (سب) کس کی ملک ہے؟ کہہ دیجئے کہ اللہ (ہی) کی ہے ۱۶؎ اس نے اپنے اوپر رحمت لازم کرلی ہے ۱۷؎ وہ یقیناً

إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ⑫

تمھیں اکٹھا کرے گا قیامت کے دن، اس کے باب میں کوئی شک نہیں جن لوگوں نے اپنے کو گھاٹے میں کر رکھا ہے وہ ایمان نہیں لانے کے ۱۸؎

۱۵؎ اس میں تعلیم وترغیب ہے اس کی کہ انسان پچھلی تباہ شدہ قوموں کے حالات سے عبرت ونصیحت حاصل کرے، اور بڑی بڑی مہذب وباقبال سلطنتوں کے آثار اور مٹے ہوئے کھنڈروں سے سبق لے۔ نقطۂ نظر صحیح اور توحیدی ہو جائے تو مسلمان طالب علم کے لئے جغرافیہ تاریخ اور اثریات، ان سارے علوم کا مطالعہ عبادت بن سکتا ہے۔

ھذا السفر مندوب الیه اذا کان علی سبیل الاعتبار بآثار من خلا الامم واھل الدیار (قرطبی)

ثم انظروا۔ امام رازیؒ کی نکتہ رسی نے یہاں ایک عجیب نکتہ پیدا کیا ہے، فرماتے ہیں کہ اگر یہاں فانظروا ہوتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ اسی عبرت پذیری کی غرض سے سفر کرو لیکن ثم انظروا نے سفر کا دار ومدار اس نظر عبرت پر نہ رکھا، بلکہ زیادہ گنجائش پیدا کر دی، اب سفر ہر جائز غرض کے لئے مباح ہے اور عبرت پذیری کی غرض سے واجب۔

اما قوله سیروا فی الارض ثم انظروا فمعناه اباحة السیر فی الارض للتجارة وغیرها من المنافع وایجاب النظر فی آثار الھالکین۔ (کبیر)

۱۶؎ (کہ اس جواب سے ان مشرکوں کو بھی مجالِ انکار نہیں یہ تو جو کچھ گھبرا رہے ہیں، وہ اس اقرارِ توحید کے مضمرات اور تفریعات سے)

مافی السمٰوٰت والارض۔ یعنی ساری فضائے کائنات کے اندر۔

ای لمن الکائنات جمیعا۔ (روح)

۱۷؎ (سو مشرکوں اور منکروں کو اب بھی موقع ہے کہ تائب ہو کر اس کے دامنِ رحمت کی پناہ میں آجائیں)

الرحمة لمن ترك التكذيب بالرسل وتاب وانا ب (کبیر)

خدائے اسلام کی صفتِ ذاتی تو یہی رحیمیت ورحمانیت ہے، باقی قہر وغضب جو کچھ ہے اس کا ظہور تو محض عادی مجرموں کی جرم شعاری کی بنا پر ہوگا، کیسے ظالم وناخدا ترس ہیں وہ مسیحی پادری جنھوں نے قرآن کے خدا کو مہیب اور ڈراؤنا بنا کر پیش کیا ہے۔

نفسه۔ نفس سے یہاں مقصود نفس وجود ہے، اور وعدہ کی تاکید، اور بجائے وسائط کے براہ راست واصالۃً اپنی ہی طرف توجہ دلانا۔

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ

اور اسی کی ملک ہے جو کوئی بھی رات اور دن میں رہتا ہے اور وہ بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا ہے [۱۹] آپ کہئے کہ کیا میں اللہ کے

اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ

سوا جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ (سب کو) کھلاتا ہے (خود) اس کو کھلایا نہیں جاتا کسی (اور) کو کارساز قرار دے لوں [۲۰]

وذکر النفس هنا عبارة عن وجوده وتاکید وعده وارتفاع الوسائط دونه (قرطبی)

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت اپنے اطلاق سے اس پر دال ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت سب کو عام اور شامل ہے چنانچہ کوئی غضب ایسا نہیں جس میں کچھ رحمت نہ شامل ہو اور رحمتیں بہت سی ایسی ہیں جن میں ذرا غضب نہیں۔

۱۸ یہ پیش خبری ان کے حق میں ہے جنھوں نے اپنی صلاحیتِ ایمان تک کو ضائع کر دیا ہے۔

الذین خسروا انفسهم۔ یعنی وہ لوگ جنھوں نے قبولِ حق سے قصداً انکار کر کے اپنی صلاحیتوں کو اپنے ہاتھوں سوخت کر دیا ہے۔

بتضییع رأس مالهم وهو الفطرة الاصلیة والعقل السلیم (بیضاوی)

الی۔ یہاں فی کے معنی میں ہے۔

قیل الی بمعنی فی (قرطبی۔ کبیر)

لیجمعنکم الی یوم القیٰمة۔ یعنی جمع تو کرے گا قیامت کے دن، اور زندگی بھر اپنی اسی رحمت کے اقتضاء سے تمھیں مہلت دے رکھی ہے۔

ل قسم کا ہے اور ن تاکید کا۔

لاریب فیه۔ ضمیر یوم کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور اس یوم میں جمع کئے جانے کی طرف بھی۔

فی الیوم او الجمع (بیضاوی) ای جمعا لاریب فیه (روح)

فهم لا یؤمنون۔ ف نے اسے صاف کر دیا کہ ان کا یہ عدم ایمان نتیجہ ہو گا خود ان کی ارادی غفلت و اعراض عن الحق کا۔

والفاء للدلالة علی ان عدم ایمانهم مسبب عن خسرانهم فان ابطال العقل باتباع الحواس والوهم والانهماك فی التقلید واغفال النظر ادی بهم الی الاصرار علی الکفر والامتناع عن الایمان (بیضاوی)

۱۹ صفت السمیع کا تعلق انسان کے ظاہر اور اقوال سے ہے، صفت العلیم کا تعلق انسان کے باطن اور احوالِ قلب سے ہے اسم السمیع پر ملاحظہ ہو حاشیہ ۳۲، پ ۱۵ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱ کے تحت)

ما سکن فی اللیل والنهار۔ ابھی اوپر مافی السمٰوٰت والارض میں سارے موجودات کائنات کا ذکر وجود مکانی کے اعتبار سے آچکا ہے اب کہ وجود زمانی کے اعتبار سے ہے، موجودات کے لئے ظرف دو ہی ہیں ظرفِ مکان و ظرفِ زمان ظرفیتِ مکانی کا ذکر ابھی آچکا تھا ظرفیتِ زمانی کا ذکر اب آگیا اور اس طرح ظرفیت کے لحاظ سے احاطۂ کامل ہو گیا

ذکر فی الآیة الاولی السموات والارض اذ لا مکان سواهما وفی هذه الآیة ذکر اللیل والنهار اذ لا زمان

(١٤)

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

آپ کہہ دیجئے کہ مجھے تو یہ حکم ملا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام قبول کروں اور (یہ کہ) تم کہیں مشرکوں میں نہ ہو جانا [٢١]

سواهما فاخبر سبحانه انه مالك للمكان والمكانيات ومالك للزمان الزمانيات وهذا بيان فى غاية الجلالة (كبير عن ابى مسلم)

یہ سکون حرکت کی ضد نہیں بلکہ حرکت کو شامل ہے، اور محض استقرار کے معنی میں ہے۔

معناه هدأ واستقر والمراد ماسكن وماتحرك فليس المراد بالسكون ضد الحركة بل المراد الخلق (قرطبی)

ليس المراد من هذا السكون ماهو ضد الحركة بل المراد السكون بمعنى الحلول كما يقال فلان يسكن بلد كذا اذا كان محله فيه (كبير)

٢٠ (جیسا کہ بدبخت مشرکوں نے قرار دے لیا ہے)

فاطر السمٰوٰت والارض۔ آسمان و زمین اور ساری کائنات کو محض اپنے ارادہ سے بغیر روح، مادہ ہیولیٰ کے سہارے کے نیست سے ہست میں لانے والا۔ فاطر کا لفظ ان ساری مشرک قوموں کی تردید کر رہا ہے جو اللہ کو محض ایک صانع کی حیثیت دیتے ہیں۔

فاطر کے معنی مبدع کے ہیں، اور فعل فطر ابتدا کرنے کے لئے آتا ہے۔

فطر اى ابدع وفطرنا اى ابدعنا واوجدنا (راغب) عن ابن عباس قال ما عرفت فاطر السمٰوٰت حتى اتانى اعرابيان يختصمان فى بئر فقال احدهما انا فطرتها اى ابتدأتها (كبير) اى خالقهما ومبدعهما ومنشئهما (معالم)

السمٰوٰت والارض۔ آسمان و زمین کا خصوصیت سے نام لینے کی ایک وجہ تو ظاہر ہی ہے کہ بادی النظر میں کائنات کی عظیم ترین مخلوقات یہی ہیں، دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی مشرک قوموں نے انھیں دیوتا ضرور تسلیم کیا ہے، یہاں گویا مشرکوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ تم جنھیں معبود مان رہے ہو، اللہ ان کا بھی خالق، انھیں نیست سے ہست میں لانے والا ہے، ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

ھو یُطعِمُ۔ ساری مخلوق کے لئے، ساری کائنات حیات کے لئے رزق کا سامان وہی اللہ بہم پہونچاتا ہے۔

ولا یُطعَمُ۔ یہ بھی ضرب ہے عقیدۂ شرک پر۔ مشرک قوموں کے عقیدہ میں بڑے بڑے دیوتا بھی کھانے پینے کے محتاج ہیں، ان کے نام پر جو چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں، انھیں کھا پی کر وہ زندگی بسر کرتے ہیں، اور مسیحیوں نے تو اس سے بھی بڑھ کر کمال ہی کر دیا کہ نعوذ باللہ اپنے معبود ابن اللہ کا گوشت اور خون خود کھانا پینا شروع کر دیا، چنانچہ مقدس عشائے ربانی (EHCHARIST) کے تہوار کے موقع پر ہر سال ایک بار یا تین بار اس رسم کو تازہ کرتے رہتے ہیں، ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

٢١ ایمان اور مقتضیاتِ ایمان سے پیمبر مستثنیٰ نہیں ہوتا، سب سے پہلے تو اسی کو فرمانبردار بننے کا حکم ملتا ہے اور پیمبر تو اپنی امت کے لئے نمونہ اور پیشوا دونوں کا کام دیتا ہے، اسے تو اہل ایمان کی صف میں سب سے آگے ہونا ہی چاہئے۔

وهو امام امته ومقتدا هم وينبغى لكل آمر ان يكون هو العامل اولا بما امر به (روح)

اول من اسلم۔ یہ اوّلیت اپنے ملک اور قوم اور اپنے زمانہ کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

اول من اخلص اى من قومى وامتى عن الحسن وغيره (قرطبی) لان النبى صلى الله عليه وسلم

قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ یُّصْرَفْ

کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ۲۲ جس کسی پر سے وہ

عَنْهُ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۶﴾ وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ

(عذاب) اس روز ہٹا لیا جائے گا اس پر اللہ نے بڑی رحمت کی، اور یہی کھلی کامیابی ہے ۲۳ اور اگر اللہ تجھے کوئی دکھ پہنچائے تو

فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۷﴾

اس کا دور کرنے والا (بھی کوئی) نہیں بجز (خود) اسی کے، اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والا ہے ۲۴

سابق امته فی الدین (بیضاوی)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ تکالیفِ شرعیہ کسی سے بھی ساقط نہیں ہوئیں، یہاں تک کہ انبیاء سے۔

۲۲ یعنی مجھ جیسا نبی معصوم بھی قانون الٰہی کی ہمہ گیری سے باہر نہیں۔

عذاب یوم عظیم۔ روز قیامت کو روز عظیم ان واقعاتِ عظیم کے لحاظ سے کہا ہے جو اس روز واقع ہو کر رہیں گے۔

ای عذاب یوم القیامة وعظمه لعظم مایقع فیه۔ (روح)

۲۳ ذلك۔ یعنی یہی نجاتِ کامل، یا دفع عذاب یا رحم الٰہی۔

ای النجاة البینة (قرطبی) ای الصرف او الرحمة (بیضاوی)

۲۴ آفرینش کا مسئلہ تو طے ہو چکا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک و سہیم نہیں، یہاں بیان اس کا ہو رہا ہے کہ علاوہ آفرینش کے اور سارے تصرفات و اختیارات بھی ہر وقت کے نفع و ضرر، تکلیف و راحت کے تمام تر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں، کوئی اس کے ارادہ میں حائل نہیں ہو سکتا، اور نہ کسی کو کوئی دخل و تصرف واقعاتِ کائنات و حوادثِ دہر میں ہے، بڑے چھوٹے دیوتاؤں، خدائی کے سارے شریکوں کی نفی اس میں آ گئی۔

ان یمسسك الله بضر۔ یہ امساس ضرر اپنے مطلق معنی میں ہے، دنیا میں ہو خواہ آخرت میں، بطور جزا ہو یا تکوینی مصلحت سے۔

یمسسك، کاشف، "امساس" اور "کشف" دونوں یہاں حق تعالیٰ کے سلسلہ میں اپنے مجازی معنی میں ہیں، ورنہ اصلاً دونوں کا تعلق مادیات و جسمانیات سے ہے۔

المس والکشف من صفات الاجسام وهو هنا مجاز وتوسع۔ (قرطبی)

یہیں سے ہے کہ صوفیہ محققین نے سب سے زیادہ زور توحید پر، اور ہر طرح سے انقطاع تعلق کر کے اللہ ہی پر اعتماد پر دیا ہے، شیخ اعظم حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ کی "فتوح الغیب" میں ہے:۔

من اراد السلامة فی الدنیا والآخرة فعلیه — جس کسی کو دنیا و آخرت میں عافیت مقصود ہو اسے چاہئے کہ

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ⑱ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ

وہ غالب ہے اپنے بندوں کے اوپر اور وہ ہی صاحب حکمت ہے بڑا باخبر ہے ۲۵ آپ کہئے کہ شہادت سب سے بڑھ کر کس کی

شَهَادَةً ۭ قُلِ اللّٰهُ ۭ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۣ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ

ہے؟ کہہ دیجئے کہ اللہ کی، کہ وہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے ۲۶ اور میرے پاس یہ قرآن بطور وحی بھیجا گیا ہے کہ میں

بالصبر والرضاء وترك الشكوى الى خلقه وانزال حوائجه بربه وانتظار الفرج منه سبحانه وتعالى والانقطاع اليه.

صبر و تسلیم کی عادت ڈال لے اور خلق خدا سے شکوہ و شکایت کو ترک کردے اور اپنی حاجتوں کو اپنے رب ہی کے حوالہ کردیا کرے اور کشائش کی امید صرف اسی سے رکھے اور سب سے ٹوٹ کر اسی کا ہو رہے۔

اور مرشد تھانوی رح نے فرمایا کہ آیت میں نفی ہے غیر اللہ سے تصرفِ مستقل کی، یہاں تک کہ مقبولین سے بھی۔

۲۵ ربوبیت کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے، وہ سب صرف اسی کی ذات میں جمع ہیں، یہ کیسی شدید حماقت ہے کہ ایسی ذات کامل الصفات کے ساتھ کسی کی بھی شرکت روا رکھی جائے۔

وھو القاھر یفید الحصر ومعناہ انه لاموصوف بکمال القدرۃ وکمال العلم الا الحق سبحانه وتعالیٰ (کبیر)

ھو القاھر فوق عبادہ۔ قدرت و قوت کے لحاظ سے وہی ساری مخلوقات پر غالب ہے قہر کے معنی غلبۂ حاکمانہ کے ہیں۔

القهر الغلبة والقاهر الغالب وفي القهر معنى زائد ليس في القدرة وهو منع غيره عن بلوغ المراد (قرطبی)

القاهر مشعر بكمال القدرة وتمام المكنة (كبير) وفي اسماء الله تعالى القاهر هو الغالب جميع الخلائق (نهايه)

فوق کا تعلق یہاں "اوپر کی سمت سے" نہیں، بلکہ مرتبہ و حکومت کی بلندی سے ہے۔

فوقية الاستعلاء بالقهر والغلبة عليهم اى هم تحت تسخيره لا فوقية مكان (قرطبی) وجب حمل تلك الفوقية على فوقية القدرة لا على فوقية الجهة۔ (كبير)

الحکیم۔ قدرت کے علاوہ حکمت میں بھی وہی کامل ہے۔

الخبیر۔ قدرت حکمت کے علاوہ علم و اطلاع میں بھی کامل وہی ہے۔

۲۶ (میری رسالت اور قرآن کے برحق ہونے کے باب میں)

اللہ کی شہادت زبان حال سے خود اس قرآن کا معجز و بے نظیر ہونا ہے اپنی تعلیمات کے لحاظ سے۔

شیٔ کا یہاں لفظی ترجمہ "چیز" سے کرنا مناسب نہیں۔ شیٔ یہاں ذات حق کے لئے ہے۔

لفظ شيء هنا واقع موقع اسم الله تعالى المعنى الله اكبر شهادة اى انفراده بالربوبية وقيام البراهين على توحيده اكبر شهادة واعظم (قرطبی)

بینکم۔ بین کی تکرار تاکید کیلئے ہے، ورنہ اصل ترکیب بیننا کی تھی۔

تكرير للتاكيد والاصل شهيد بيننا (عكبری)

متکلمین کے ہاں یہ ایک معرکہ کی بحث ہے کہ شیٔ کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر جائز ہے یا نہیں جمہور کا

لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ

اس کے ذریعہ سے تمہیں ڈراؤں اور اس کو جسے یہ پہنچے ۲۷ تو کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود شریک ہیں ۲۸

قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ؁ ۱۹

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو گواہی نہیں دیتا، کہہ دیجئے کہ وہ تو بس ایک ہی معبود ہے اور میں اس سے بری ہوں جو شرک تم کرتے ہو ۲۹

فیصلہ ہے کہ جائز ہے اور اس فیصلہ کی سند یہی آیت ہے۔

واحتج الجمهور على تسمية الله تعالىٰ بالشئ بهذه الآية (كبير) وفى المواقف وشرحه الشئ عند الاشاعرة يطلق على الموجود فقط وكل شئ عندهم موجود وكل موجود شئ (روح)

اى شئ اكبر شهادة۔ یعنی کس کی شہادت سب سے زیادہ معتبر باوزن و باوقعت ہے؟

۲۷ (اس کے احکام و ہدایات کی مخالفت سے)

مَن بلغ کی تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے من بلغه القرآن حذفِ ضمیر طوالت سے بچنے کے لئے ہے۔

اى من بلغه القرآن فحذف الهاء لطول الكلام (قرطبى) اى لوانذر من بلغه القرآن (عكبرى)

وَمَن بلغ۔ اس ذرا سے ٹکڑے سے دو باتیں اور نکل آئیں، ایک یہ کہ قرآن کا دائرہ صرف اس کے براہ راست اور اولین مخاطبین تک محدود نہیں رہے گا۔

اى كل من بلغه القرآن من العرب والعجم وقيل من الثقلين (كبير) من بلغه القرآن من العجم وغيرهم من الامم الى يوم القيامة (معالم)

دوسرے یہ کہ انذار کا تعلق بھی انھیں لوگوں سے ہے جن کو قرآن پہنچ چکا ہے۔

هو نذير لكل من بلغه (ابن كثير) من لم يبلغه القرآن غير مواخذ بترك الاحكام الشرعية (روح)

۲۸ (دیویوں، دیوتاؤں، اوتاروں، خدا کے بیٹوں اور بیٹیوں کے نام سے)

سوال کے مخاطب مشرکوں اور منکروں کے مختلف گروہ ہیں۔

۲۹ اثبات توحید کے ساتھ ہر پہلو سے نفی شرک بھی قبول اسلام کے لئے شرط ہے، چنانچہ بعض فقہاء اس کے قائل ہوئے ہیں کہ نومسلم کو اسلام لاتے وقت علاوہ اقرار شہادتین کے شرک سے تبری بھی کرنا چاہیے۔

قال العلماء المستحب لمن اسلم ابتداء ان ياتى بالشهادتين ويتبرأ من كل دين سوى دين الاسلام ونصّ الشافعیؒ على استحباب ضم التبرى الى الشهادة (جصاص)

قل لّآ اشهد۔ ایسے کھلے ہوئے امر باطل کی گواہی میں کیسے دے سکتا ہوں۔

انما هو اله واحد۔ وہ خدائے واحد اپنی ذات و صفات ہر لحاظ سے واحد ہی ہے، انما کلمہ حصر کا ہے

كلمة انما تفيد الحصر ولفظ واحد صريح فى التوحيد ونفى الشركاء (كبير)

واحد۔ یعنی عدد کے لحاظ سے بھی ایک، اس کے اندر گنجائش نہ تنویت کی، نہ تثلیث کی، نہ کسی اور قسم کے تعدد کی

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دے رکھی ہے وہ ان (صاحب) کو پہچانتے ہیں جس طرح اپنے لڑکوں کو پہچانتے ہیں ۳۰ جن لوگوں نے

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۲۰ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى

اپنے کو گھاٹے میں کر رکھا ہے وہ ایمان نہیں لاتے کے ۳۱ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو جھوٹ بہتان

اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۱

اللہ پر لگائے یا اس کی نشانیوں کو جھٹلائے، بے شک وہ ظالموں کو فلاح نہیں دیتا ۳۲

۳۰ یعنی جس طرح اپنے ابناء قوم کو، فرزندان اسرائیل کو پہچانتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ رسول اسلام اور نبی آخر الزماں کی بھی شناخت کی ایسی ہی علامتیں ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں، جیسی خود انھیں کے ہم قوم ہم نسل انبیاء کی۔

ابناء ھم۔ سے مراد صلبی بیٹے نہیں، بلکہ ابنائے قوم ہیں۔

الکتاب۔ جنس کتاب آسمانی، خصوصاً توریت۔

والمراد من الکتاب جنسه الصادق علی التوریة والانجیل۔ (روح)

یعرفونه۔ ضمیر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔

ای یعرفون النبی صلی اللہ علیه وسلم عن الحسن قتادة وھو قول الزجاج (قرطبی) انھم یعرفونه بالنبوة والرسالة۔ (کبیر)

یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر الکتاب کی طرف لی جائے۔

وقیل الضمیر للکتاب واختارہ ابو البقا (روح) قیل یعود علی الکتاب (قرطبی)

حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔

ذکر آیت میں یہود کا من حیث القوم اور مشترکاً ومجموعاً ہو رہا ہے نہ کہ افراد کا، اسی قسم کا مضمون سورۂ بقرہ آیت ۱۴۶ میں گزر چکا ہے، اس کے حاشیے ملاحظہ کر لئے جائیں۔

۳۱ (اسی لئے کہ انھوں نے اپنی فکر و نظر کو معطل کر رکھا ہے)

آیت کا یہ ٹکڑا ابھی اوپر گزر چکا ہے، ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۸ آیت ۱۲ کے تحت۔

۳۲ یہ فلاح کی نفی آخرت میں تو مادی و معنوی ہر حیثیت سے ہو کر رہے گی، باقی دنیا میں بھی اہل کفر مومن کی سی حقیقی راحتِ قلب و سکونِ ضمیر سے محروم ہی رہتے ہیں۔

افتری علی اللہ کذبا۔ اللہ پر افتراء کذب یہ کہ جن چیزوں سے نفی و انکار واجب ہے ان کا اقرار و اثبات کرنے لگے مثلاً دیویوں دیوتاؤں کی خدائی، روح یا مادہ کی قدامت، آواگون کا چکر، اوتاروں کا وجود۔

کذب بآیٰته۔ تکذیب آیاتِ الٰہی یہ کہ جن باتوں کا اقرار و اثبات واجب ہے ان سے انکار کرنے لگے

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ

اور (وہ دن یاد رکھو) جس دن ہم ان سب کو اکٹھے کریں گے، پھر جو لوگ شرک کرتے رہے ان سے کہیں گے کہ

الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا

تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جن کے لئے تم دعویٰ کیا کرتے تھے؟ ۳۳ پھر اس کا انجام اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ وہ یوں

وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾ انظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ

کہیں گے کہ قسم اللہ اپنے پروردگار کی کہ ہم مشرک نہ تھے ۳۴ دیکھ تو یہ کیسا اپنے متعلق جھوٹ بول گئے اور ان سے

وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ

وہ (سب) چیزیں ضائع ہو گئیں جنھیں یہ گڑھا کرتے تھے ۳۵ اور ان میں ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں ۳۶

مثلاً توحید، رسالت، یوم جزا، حقانیتِ قرآن وغیرہ۔

۳۳ (کہ یہ خدائی میں شریک ہیں)

سوال ظاہر ہے کہ حصولِ جواب کی غرض سے نہیں بلکہ تفضیح کے لئے ہوگا۔

المقصود منه التقریع والتبکیت لا السؤال (کبیر)

یوم نحشرهم۔ تقدیر کلام یوں ہے واذکر یوم نحشرهم۔

علی معنی واذکر یوم نحشرهم (قرطبی)

۳۴ یعنی وہاں کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کرکے بدحواسی میں یوں ہی پکار اٹھیں گے۔

لم تکن فتنتهم۔ یعنی ان کے کفر و شرک کا وبال یہی ہوتا ہے، فتنہ کے معنی اس سیاق میں انجام کفر کے کئے گئے ہیں

والمعنی ثم لم تکن عاقبة کفرهم (کشاف) قال الحسن ومعنی فتنتهم عاقبة فتنتهم ای کفرهم (قرطبی)

دوسرے معنی عذر و جواب کے بھی کئے گئے ہیں۔

ای عذرهم وجوابهم (ابن عباسؓ) ویجوز ان یراد ثم لم یکن جوابهم (کشاف) الفتنة الاختبار

ای لم یکن جوابهم حین اختبروا بهذا السؤال (قرطبی) قال قتادہ معناہ معذرتهم (قرطبی)

۳۵ یعنی جو جو باطل امیدیں اور آرزوئیں وہ دل میں لئے ہوئے تھے، وہ عین وقت پر انھیں کیسا جواب دے گئیں! اور ان کے معبود اور شافعین کچھ بھی ان کے کام نہ آئے!

۳۶ (لیکن یہ ظاہری استماع چونکہ قبول حق کے ارادہ سے بالکل خالی ہوتا ہے اس لئے نافع نہیں ہوتا اور یہ محروم کے محروم ہی رہ جاتے ہیں۔)

من یستمع میں من لفظاً واحد ہے لیکن معنیً جمع کا کام دیتا ہے اور مرادف ہے من یستمعون کے (عکبری)

وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ

اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اس کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے ۳۷ اور اگر

يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓی اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ

وہ ساری (کی ساری) نشانیاں دیکھ لیں (جب بھی) ان پر ایمان نہ لائیں ۳۸ یہاں تک کہ یہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ

آپ سے جھگڑتے ہیں، جنھوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ تو نری اگلوں کی خرافات ہیں ۳۹ اور یہ اس سے (دوسروں کو)

عَنْهُ وَيَنْــــَٔـوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

روکتے ہیں اور (خود بھی) اس سے الگ رہتے ہیں اور یہ (لوگ کسی اور کو نہیں) اپنے ہی کو تباہ کر رہے ہیں اور (اس کی بھی) خبر نہیں رکھتے

۳۷ یہ سب نتائج تکوینی طور پر ان کے ارادی انکارِ حق و شدتِ عناد پر مرتب ہو جاتے ہیں۔

اے جعلنا ذالك بهم مجازاة علی كفرهم (قرطبی)

ان یفقهوه۔ معنی نفی کے ہیں، یعنی جس سے وہ نہ سمجھ سکیں۔

المعنی كراهية ان يفهموه او لئلا يفهموه (قرطبی) مفعول من اجله اے كراهية ان يفقهوه (عكبری)

۳۸ یہ بیان ان کی شدتِ عناد و تعصب کا ہو رہا ہے کہ کوئی دلیل، کوئی ثبوت، کوئی شہادت انھیں قبول حق کی جانب نہ لا سکے گی۔

قال ابن عباس وان يروا كل دليل وحجة لا يؤمنوا بها (كبير) اے مما راوا من الايات والدلالات والحجج البينات والبراهين لم يؤمنوا بها فلا فهم عندهم ولا انصاف۔ (ابن كثير)

۳۹ قرآن مجید کی نسبت کچھ اسی قسم کی رائے جاہلیت جدید یا جاہلیت فرنگ کے پجاریوں کی بھی ہے ان کے بڑے بڑے فاضل محققین بہ کمال سنجیدگی فرماتے رہتے ہیں کہ "محمد چونکہ بے علم تھے یہود و نصرانیوں سے سن سن کر کچھ قصے اپنے ہاں جمع کر دیئے ہیں!"

اساطیر۔ اسطورة کی جمع ہے اور اس کے معنی پرانی دھرانی خرافاتی داستان یا جعلی تحریر کے ہیں۔

اے ما سطره الاولون فی الكتاب۔ قال الجوهری وغيره الاساطير الاباطيل والترهات (قرطبی)

اے شئ كتبوه كذبا ومينا فيما زعموا (راغب)

حتیٰ سے مقصود کفر و عناد میں ان کی انتہائی شدت کا اظہار ہے کہ ان کی تکذیبِ آیات اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ آپ تک کے پاس مجادلہ کے لئے آتے ہیں۔

والمعنی انه بلغ تكذيبهم الآيات الی انهم يجادلونك ويناكرون (كشاف)

یجادلونك۔ ان کا مجادلہ یہی ہے کہ قرآن مجید جیسی روشن حقیقت کو خرافات و اکاذیب کے درجہ میں

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا

اور اگر آپ ان کو اس وقت دیکھیں جب یہ دوزخ پر کھڑے کئے جائیں گے اور کہیں گے کہ کاش ہم پھر واپس بھیج دیئے جائیں تو ہم اپنے

وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ

پروردگار کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں ۱۴۲ہ ہاں اب ان پر وہ چیز کھل پڑی جسے اس کے قبل چھپایا کرتے تھے ۱۴۳ہ

رکھتے ہیں، اور یہ ان کی تکذیب کی انتہا ہے۔

اے یجعلون کلام اللہ واصدق الحدیث خرافات واکاذیب وھی الغایۃ فی التکذیب (کشاف)

۱۴۰ہ کیا ٹھکانا ہے ان کی حماقت وغباوت کا!

وما یشعرون۔ اہل علم نے کہا ہے کہ نفی شعور کا درجہ نفی علم سے بھی بڑھا ہوا ہے گویا ذرا سا بھی احساس نہیں رکھتے، حالانکہ احساس تو جانور تک رکھتے ہیں۔

ونفی الشعور عنھم باھلاکھم انفسھم ابلغ فی نفی العلم اذ البھائم تشعر وتحس (بحر) ونفی الشعور ابلغ من نفی العلم کانہ قیل وما یدرکون ذلک اصلا (روح)

وھم ینھون عنہ وینئون عنہ۔ یعنی قرآن مجید سے دوسروں کو روکتے ہیں اور خود بھی اس سے رکے رہتے ہیں، عنہ کی ضمیر دونوں موقعوں پر قرآن کی جانب ہوگی۔

والضمیر علی قول قتادۃ للقرآن (قرطبی) ھؤلاء المشرکون المکذبون بآیات اللہ ینھون الناس عن اتباع محمد صلی اللہ علیہ وسلم والقبول منہ ویتباعدون عنہ (ابن جریر) الضمیر المرفوع للمشرکین والمجرور للقرآن (روح)

ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ "دوسروں کے ضرر کو رسول اللہؐ سے روکتے ہیں مگر خود بھی آپ سے رکے رہتے ہیں، یعنی آپ پر ایمان نہیں لاتے ہیں" اور آیت سے اشارہ خواجہ ابو طالب اور ان کے پیروؤں کی جانب سمجھا گیا ہے جو خود دشمنوں سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے تھے لیکن خود ایمان بھی نہیں لاتے تھے۔

قیل ھو خاص بابی طالب ینھی الکفار عن اذایۃ محمد علیہ السلام ویتباعد عن الایمان بہ (قرطبی و عن ابن عباسؓ) قال عطاء ومقاتل نزلت فی ابی طالب کان ینھی قریشا عن ایذاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یتباعد عنہ ولا یتبعہ علی دینہ (کبیر)

ہمارے زمانے میں کئی اہل قلم ایسے پیدا ہوئے جنھوں نے انگریزی زبان میں خوب اسلام کی تائید میں لکھا اور اہل فرنگ کے اعتراضات کے جواب میں اسلام کی طرف سے دفاع کا حق ادا کر دیا لیکن یہ امر بہت ہی مشتبہ ہے کہ خود ان لکھنے والوں کے دل و دماغ کس حد تک رسول اسلامؐ کی صداقت سے متاثر رہے ہیں بلکہ آیت کا آخری ٹکڑا تو زیادہ تر چسپاں ایسے ہی اشخاص کے حال پر معلوم ہوتا ہے۔

مرشد تھانویؒ نے اس تفسیر کی بنا پر فرمایا کہ اہل اللہ کے ساتھ حب طبعی اور نصرت قومی بدون حب عقلی کے نافع نہیں۔

۱۴۱ہ یہ سب حسرتیں جہنم کے ہول و ہیبت کے بعد ہی ان کی زبان پر آنے لگیں گی۔

وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ وَاِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوۡۤا اِنۡ هِىَ

اور اگر یہ واپس بھیج دیئے جائیں، جب بھی یہ پھر وہی کریں جس سے یہ روکے گئے تھے اور یقیناً یہ (بالکل) جھوٹے (پاڑیئے) ہیں ۴۳

اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنۡيَا وَمَا نَحۡنُ بِمَبۡعُوۡثِيۡنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوۡ تَرٰٓى اِذۡ وُقِفُوۡا عَلٰى

اور کہتے ہیں کہ زندگی تو بس ہماری اسی دنیا کی زندگی ہے، اور ہم زندہ اٹھائے جانے والے نہیں ۴۴ اور اگر آپ اس وقت دیکھئے

رَبِّهِمۡ‌ؕ قَالَ اَلَيۡسَ هٰذَا بِالۡحَـقِّ‌ؕ قَالُوۡا بَلٰى وَرَبِّنَا‌ؕ

ہوں جب یہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے ۴۵ اور وہ ان سے ارشاد کرے گا کیا یہ (قیامت) امر واقعی نہیں؟ کہیں گے بیشک ہے

ولو تری۔ یعنی اگر آپ دیکھیں تو آپ کو بڑا ہولناک منظر نظر آئے۔
لو کا جواب عربی اسلوب میں اظہارِ عظمت و اہمیت کے لئے یا علم مخاطب کی بنا پر اکثر حذف کر دیا جاتا ہے۔
قد حذف تفخیما للامر و تعظیما للشان وجاز حذفه لعلم المخاطب به واشباهه کثیرة فی القرآن والشعر (کبیر)
علی النار میں علی کے معنی ب کے بھی لئے گئے ہیں، اور فی کے بھی یعنی دوزخ کے قریب بھی اور دوزخ کے اندر کے بھی۔
قیل علی بمعنی الباء ای وقفوا بقربها وهم یعاینونها (قرطبی) علی بمعنی فی ای وقفوا فی النار (قرطبی)
یعنی فی النار فوضعت علی موضع فی (ابن جریر)

۴۲ یعنی ان کے اعمال کی زشتی و کراہت جو دنیا میں ان پر چھپی رہتی تھی، اب علانیہ و بے نقاب نظر آنے لگے گی۔
من قبائحهم وفضائحهم فی صحفهم وبشهادة جوارحهم علیهم۔ (کشاف)
مبرّد لغوی سے منقول ہے کہ مضاف وبال یہاں محذوف ہے۔
قال المبرد بدا لهم وبال عقائدهم واعمالهم وسوء عاقبتها وذلك لان کفرهم ما کان بادیا ظاهرا لهم لان مضار کفرهم کانت خفیة (کبیر)

۴۳ یعنی مشاہدۂ عذاب پر بھی ان کی توبہ صادق و مخلصانہ نہیں، محض جان بچانے کو ہے۔
لکاذبون میں ل تاکید کا ہے، ترجمہ میں اسی اشدّیت کے اظہار کے لئے "پاڑیئے" بھی بڑھا دیا گیا ہے۔

۴۴ عرب میں جہاں شرک بکثرت پھیلا ہوا تھا، وہاں الحاد بھی اس معنی میں شائع تھا کہ لوگ علی العموم جزا و سزا، حشر و نشر کے قائل ہی نہ تھے، آج کل کے مادیئین کی طرح اسی دنیا کو سب کچھ جانتے تھے، ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔
حکومت و سیاست کا "سیکولر" تخیل خود اسی ذہنیت کی پیداوار ہے "سیکولرزم" کا کھلا ہوا منشا یہ ہے کہ ہمیں عاقبت و آخرت سے کوئی تعلق نہیں، ہم تو صرف اسی دنیا کے انجام کار کو پیش نظر رکھتے ہیں۔
هی ضمیر حیاة کی طرف ہے۔
الضمیر للحیاة (بیضاوی) هی کنایة عن الحیاة (عکبری)

۴۵ (تو آپ کو ایک بڑا عجیب منظر نظر آئے)

قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٠﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا

قسم ہے ہمیں اپنے پروردگار کی! وہ ارشاد کرے گا اچھا تو عذاب کا مزہ چکھو اس کفر کے بدلہ میں جو تم کیا کرتے تھے ۴۴۷ یقیناً وہ لوگ گھاٹے میں

بِلِقَاءِ اللَّهِ حَتَّى إِذَا جَاءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا يَا حَسْرَتَنَا عَلَى

آ گئے جنہوں نے اللہ سے ملنے کو جھٹلایا یہاں تک کہ جب وہ (مقرر) گھڑی ان پر یک بیک آ پہنچے گی ۴۴۸ تو بول اٹھیں گے ہائے افسوس

مَا فَرَّطْنَا فِيهَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَى ظُهُورِهِمْ

ہماری کوتاہی پر جو ہم اس کے بارے میں کرتے رہے ۴۴۹ اس حال میں کہ وہ اپنے گناہ اپنی پشتوں پر لادے ہوں گے کیسی بُری ہے

عربی اسلوب بیان میں ایسے موقع پر لَو کا جواب محذوف کرنے سے اس کی عظمت و اہمیت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

وجواب لو محذوف لعظم شان الوقوف (قرطبی)

علی ربهم علی یہاں عند کے معنی میں لیا گیا ہے اور رب سے مراد ملائکہ رب سے لی گئی ہے اور حکم الٰہی بھی مراد لی گئی ہے۔

قیل علی بمعنی عند ای عند ملائکته وجزائه (قرطبی) یعنی علی حکم الله وقضائه (ابن جریر) ای علی حکمه وقضائه ومشیئته (معالم)

وقفوا کے معنی عرضوا کے ہیں یعنی پیش کئے جائیں گے اب یہ پیشی میدان حشر میں جس صورت سے ساتھ ہو۔

وقیل عرضوا علی ربهم (معالم)

۴۴۶ (یا اب بھی اس کی واقعیت سے انکار کئے جاؤ گے، جیسا کہ دنیا میں کرتے رہے ہو؟)

ظاہر ہے کہ یہ سوال آخرت میں منکرین آخرت سے ان کی مزید تہویل کے لئے ہوگا۔

۴۴۷ بما کنتم تکفرون۔ یہ عذاب کفر کے بدلہ میں ہوگا۔

ای بسبب کفرکم (کبیر)

قرآن مجید اس کی بار بار تصریح کرتا گیا ہے کہ عذاب جب بھی ہوگا ہمیشہ پاداش عمل میں ہوگا خود بخود عذاب ہونے کی کوئی صورت نہیں بخلاف اس کے رحمت خود بخود بھی ہو سکتی ہے، اور ہوتی رہتی ہے نزول رحمت کے لئے موجبات رحمت ہرگز ضروری نہیں۔

۴۴۸ الساعة سے مراد قیامت ہونا بالکل ظاہر ہے۔

سمیت القیامة ساعة لسرعة الحساب فیها (قرطبی) المراد بالساعة القیامة (کبیر)

لیکن موت بھی مقدمات قیامت میں سے ہے، بلکہ من وجہ اس میں شامل اس لئے وہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔

لما کان الموت وقوعا فی احوال الآخرة ومقدماتها جعل من جنس الساعة وسمی باسمها (کشاف)

فسر بعضهم ههنا بوقت الموت۔ (روح)

بلقاء الله۔ لقاء اللہ سے مراد ہے بعث بعد الموت اور جزاء اعمال۔

قیل بالبعث بعد الموت وبالجزاء (قرطبی)

اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿٣١﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ

وہ چیز جسے وہ لادے ہوں گے ۵۰ے اور دُنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں بجز کھیل تماشہ کے اور تقویٰ رکھنے والوں

وَ لَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٣٢﴾

کے حق میں یقیناً آخرت کا گھر کہیں بہتر ہے۔ تو کیا تم عقل سے کام ہی نہیں لیتے؟ ۵۱ے

حتیٰ کا تعلق تکذیب سے ہے، خسران سے نہیں۔

حتی غاية لكذبوا لا لخسر لأن خسرانهم لاغاية له (کشاف)

۴۹ے اس کے لئے ہم نے کوئی تیاری نہیں کی، یا یہ کہ دنیوی زندگی میں ہم نے ادائے فرائض میں غفلت برتی۔

فرطنا فیہا۔ ضمیر قیامت یا الساعۃ کی طرف ہے الحیاۃ الدنیا کی جانب بھی سمجھی جاسکتی ہے۔

اے فی الساعة اے فی التقدمة لها عن الحسن (قرطبی) الضمیر للحیاة الدنیا (کشاف)

یاحسرتنا۔ ترکیب یہاں ندا و منادی کی نہیں، بلکہ یہ اسلوب شدتِ تحسر کے اظہار کا ہے۔

وضع النداء على الحسرة وليست بمنادى فى الحقيقة ولكنه يدل على كثرة التحسر (قرطبی) والعرب

تعبر عن تعظيم امثال هذه الامور بهذه اللفظة (کبیر)

۵۰ے یحملون اوزارھم علی ظہورھم۔ اوزار کے معنی ذنوب سب کو مسلّم ہیں۔

اے ذنوبهم (قرطبی) آثامهم وذنوبهم (ابن جریر) قال ابن عباسؓ الأثام والخطايا (کبیر)

وِزر جو اوزار کا واحد ہے اس کے معنی ثقل و حمل کے بھی لئے گئے ہیں لیکن امام ابن جریر نے جو عربیت کے بھی امام ہیں اس پر سخت جرح کی ہے اور "وزر" کے معنی گناہ ہی رکھے ہیں۔

فقد زعم بعضهم ان الوزر الثقل والحمل ولست اعرف ذلك كذلك فى شاهد ولامن رواية ثقة عن العرب (ابن جریر)

سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ گناہ تو ایک غیر مادی شے ہے گناہ پیٹھ پر کیسے لدیں گے؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں مجاز اور محض محاورۂ زبان مراد ہے۔

مجاز وتوسع وتشبيه بمن يحمل ثقلا (قرطبی) والمعنى انهم لزمتهم الآثام فصاروا مثقلين بها (قرطبی)

لیکن خود یہ ماننے میں آخر کیا عقلی یا شرعی دشواری ہے کہ آخرت میں مجردات بھی مادّیات ہی کی طرح باوزن ہوں گے اور اعمال بھی وزن رکھیں گے یا اعمال بہ شکل اجسام متشکل ہوجائیں گے؟ اکابر اہلِ سنت میں سے متعدد حضرات عقیدۂ تجسیم اعمال کے قائل ہوئے ہیں، غرض یہ کہ جب حقیقی معنی لینے ممکن ہیں تو یہاں بھی انھیں مجاز کے لئے ترک نہ کیا جائے گا۔

ولا مانع من الحمل على الحقيقة واجراء الكلام على ظاهره وقد قال كثير من اهل السنة بتجسيم الاعمال فى تلك الدار وهو الذى يقتضيه ظاهر الوزن (روح) والظاهر ان هذا الحمل حقيقة وهو قول عمير بن هانى وعمرو بن قيس الملائى والسدى واختاره الطبرى (بحر)

۵۱ے (اور فکرِ آخرت چھوڑ کر اسی سامانِ دُنیوی میں منہمک ہو)

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِىْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ

بے شک ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں وہ آپ کو رنج پہنچاتا ہے، تو یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے

وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾

بلکہ یہ ظالم تو اللہ کی نشانیوں ہی سے انکار (ہٹ دھرمی سے) کر رہے ہیں۔[۵۲]

جس دنیا کی یہ مذمت ہے وہ وہی دنیا ہے جو مقصود بالذات ہو جیسی کہ ملحدوں اور مادّہ پرستوں کو ہوتی ہے وہی لوگ جن کا قول ابھی اوپر نقل ہو چکا ہے' ان ھی الاحیاتنا الدنیا۔

فالمقصد بالآیۃ تکذیب الکفار فی قولھم ان ھی الاحیاتنا الدنیا (قرطبی) قال ابن عباس ھذہ حیٰوۃ الکافر لانہ یزجیھا فی غرور وباطل (قرطبی) المراد منہ حیاۃ الکافر قال ابن عباس یرید حیاۃ اھل الشرک والنفاق والسبب فی وصف حیاۃ ھولاء بھذہ الصفۃ ان حیاۃ المومن یحصل فیھا اعمال صالحۃ فلاتکون لعبا ولھوا

ورنہ وہ دنیا جو آخرت کی تیاری کے لئے ہوتی ہے، جیسی ہر مومن کی ہونی چاہئے، وہ مذمت کے قابل نہیں، وہ تو عین مطلوب ہے (کبیر)

لیس من اللھو واللعب ما کان من امور الاخرۃ فان حقیقۃ اللعب ما لا ینتفع بہ واللھو ما یلتھی بہ (قرطبی) قال ابن عباس فاما حیاۃ المومن فتنطوی علی اعمال صالحۃ فلاتکون لھوا ولعبا (قرطبی) جعل اعمال الدنیا لعبا ولھوا واشتغالا بما لا یعنی ولا یعقب منفعۃ کما تعقب اعمال الآخرۃ المنافع العظیمۃ (کشاف)

للذین یتقون۔ تقویٰ میں تو معاصی سے بھی پرہیز آگیا، لیکن یہاں خاص طور پر مراد شرک و الحاد سے پرہیز ہے۔

لعب ولھو۔ اردو میں لہو و لعب ساتھ آتے ہیں لیکن عربی میں دونوں کے مفہوم میں فرق ہے لعب میں پہلو کسی عمل کی لاحاصلی، بے مقصدی کا زائد ہے، جیسے بچوں کے اکثر عمل ہوتے ہیں، یہ شعوری طور پر حصول منفعت یا دفع مضرت سے خالی رہتے ہیں۔

اللعب ھو الفعل الذی لا یقصد بہ فاعلہ مقصدًا صحیحًا من تحصیل منفعۃ او دفع مضرۃ کافعال الاولاد الصغار التی یتلذذون بھا لذاتھا (المنار)

اور لہو وہ عمل ہے جو انسان کے سنجیدہ مقصدوں کے منافی ہو اور مقصود اس سے محض عیش و طرب ہو۔

واللھو ما یشغل الانسان عما یعنیہ ویھمہ ویعبر عن کل ما بہ استمتاع باللھو (المنار)

۵۲ (سو آپ غم و حزن میں زیادہ نہ پڑیئے، بلکہ ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ کیجئے)

مطلب یہ ہے کہ منکرین، مکذّبین آپ کی ذاتی صداقت و امانت سے کچھ تھوڑے ہی انکار کر رہے ہیں انہیں تو ضد اس پیامِ الٰہی سے ہے جو آپ انہیں پہنچا رہے ہیں، سو ان کا معاملہ آپ سے نہیں براہ راست حق تعالیٰ سے ہے، حدیث و سیر کی روایتوں میں صراحۃً آتا ہے کہ سرگروہ مکذبین ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہم کچھ آپ کو تھوڑے ہی جھوٹا کہتے ہیں، ہم تو اس پیام کو جھوٹ کہتے ہیں جس کا لانا آپ بیان کرتے ہیں۔

قال ابو جھل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم انا لا نکذبک ولکن نکذب ما جئت بہ (ابن کثیر عن علیؓ)

قال ابو میسرۃ ان رسول اللہ صلعم مر بابی جھل واصحابہ فقالوا یا محمد واللہ ما نکذبک وانک

وَلَقَدۡ كُذِّبَتۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَصَبَرُوۡا عَلٰى مَا كُذِّبُوۡا وَاُوۡذُوۡا حَتّٰٓى

اور آپ کے قبل پیمبر خوب جھٹلائے جا چکے ہیں، سو انھوں نے اس پر صبر کیا کہ ان کی تکذیب کی گئی اور انھیں ایذاء دی گئی یہاں تک

اَتٰٮهُمۡ نَصۡرُنَا ‌ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ‌ ۚ وَلَقَدۡ جَآءَكَ مِنۡ نَّبَاِى

کہ انھیں ہماری نصرت آپہنچی، اور اللہ کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا اور پیمبروں کے کچھ قصے تو آپ کو پہنچ ہی چکے

الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنۡ كَانَ كَبُرَ عَلَيۡكَ اِعۡرَاضُهُمۡ فَاِنِ اسۡتَطَعۡتَ

ہیں ۵۳ اور آپ پر اگر ان کا اعراض گراں گزرتا ہے ۵۴ تو اگر آپ کے بس میں ہو کہ زمین (میں جانے)

اَنۡ تَبۡتَغِىَ نَفَقًا فِى الۡاَرۡضِ اَوۡ سُلَّمًا فِى السَّمَآءِ فَتَاۡتِيَهُمۡ بِاٰيَةٍ‌ ؕ

کے لئے کوئی سرنگ یا آسمان (پر جانے) کے لئے کوئی زینہ ڈھونڈھ لیں تو ضرور کوئی نشان ان کے لئے لے آئیں ۵۵

عندنا الصادق ولکن نکذب ما جئت به (قرطبی)

قد نعلم، صیغۂ مستقبل بہ معنی ماضی ہے۔

ای قد علمنا فالمستقبل بمعنی الماضی (عکبری)

یجحدون۔ جحود ایسے انکار کو کہتے ہیں کہ انسان کا دل تو قائل ہو جائے لیکن زبان ہٹ دھرمی سے انکار کئے جائے

الجحود نفی ما فی القلب اثباته واثبات ما فی القلب نفیه۔ (راغب)

منکرین و مکذبین رسول میں بہت سے ایسے بھی تھے۔

قد کان فیهم الصادق فی جحود نبوته صلی الله علیه وسلم مع علم منهم به وصحة نبوته (ابن جریر)

وکان بعضهم قد تبین امره وعلم صحة نبوته وهو فی ذلک یعاند ویجحد نبوته حسدا له وبغیا۔ (ابن جریر)

قد نعلم میں قد کا ترجمہ اردو میں "خوب" ہی سے مناسب ہے۔

قد بمعنی ربما الذی یجیء لزیادۃ الفعل وکثرته (کشاف)

مفسر ابن حیان نے اگرچہ زمخشری کے اس قول سے اختلاف کیا ہے، اور اسے قول غیر مشہور للنحاۃ قرار دیا ہے، تاہم تحقیق و تاکید کے معنی انھوں نے بھی تسلیم کئے ہیں۔

تکون حینئذ للتحقیق والتوکید (بحر)

۵۳ (جن سے نصرت الٰہی کی تحقیق و تصدیق آپ کو ہو ہی چکی ہے اس لئے آپ بھی صبر سے کام لیجئے۔ نصرت الٰہی کا آپ تک بھی پہنچنا یقینی ہے)

کلمات اللہ سے یہاں مراد اللہ کا وعدۂ نصرت ہے۔

ای مواعیده (کشاف) قال ابن عباسؓ ای مواعید الله (بحر)

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ إِنَّمَا

اور اگر اللہ چاہتا تو ان (سب) کو ہدایت پر جمع کر دیتا ۵٦ تو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جایئے ۵۷ قبول تو

يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؔ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳٦﴾

بس وہی لوگ کرتے ہیں جو سنتے ہیں ۵۸ اور مردوں کو اللہ لا کھڑا کرے گا، پھر وہ اس کی طرف واپس لائے جائیں گے ۵۹

من نباء میں من تبعیض کا ہے، ترجمہ اسی لئے "کچھ" سے کیا گیا ہے یا نبا کو جنس نبا سے سمجھا گیا ہے۔

من ھھنا للتبعیض (کبیر) والنقدیر امر من جنس نباء المرسلین (عکبری)

۵۴ (اور اس لئے آپ چاہتے ہیں کہ ان کے فرمائشی معجزے بھی کسی نہ کسی طرح پورے ہو کر رہیں)

اعراض وہی جس کا ذکر اوپر ہو چکا۔

۵۵ مطلب یہ ہوا کہ ہم تو ان کی فرمائشیں بہ وجہ عدم ضرورت ولزوم ضرر پوری کرنے کے نہیں ہاں آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ یہ کسی نہ کسی طرح مسلمان ہو ہی جائیں تو آپ ہی یہ انتظامات کیجئے (تھانویؒ)

فتاتیھم بایۃ یعنی آپ کے بس میں ہو تو آپ یہ کر دکھایئے، مقصود اس امر کا اظہار ہے کہ آپ کو ان کافروں کے حال پر شفقت اور ان کے اسلام لے آنے کی حرص اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ آپ کے اختیار میں ہو تو آپ تو ہر فرمائشی معجزہ کر دکھانے کو تیار رہیں کہ کسی طرح یہ مسلمان ہو تو جائیں۔

فافعل یعنی انک لاتستطیع ذلک والمراد بیان حرصہ علی اسلام قومہ وتہالکہ علیہ وانہ لو استطاع ان یاتیھم بایۃ من تحت الارض او من فوق السماء لاتی بھا رجاء ایمانھم (کشاف)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت نص ہے اس باب میں کہ ارادۂ عبد حصول مراد کے لئے قطعی ولازمی نہیں یہاں تک کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارادہ بھی پھر کسی بزرگ سے متعلق اہلِ غلو کا یہ عقیدہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ اس کی دعا کا قبول ہونا لازمی ہے

۵٦ یعنی اگر مصالح تکوینی کے اعتبار سے ہماری مشیت یہی ہوتی کہ چھوٹے بڑے سب کو بلا استثناء راہ ہدایت ہی دکھا دی جائے تو پھر ایسا ہو ہی نہ جاتا، اس میں مانع کون اور کیا ہو سکتا تھا، اور دنیا میں اختلاف مسلک وعقیدہ کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی، طلبِ معجزات وغیرہ کا کوئی سوال ہی نہ پیدا ہوتا۔

ای لاراھم ایۃ تضطرھم الی الایمان ولکنہ اراد عزوجل ان یثیب منھم من امن ومن احسن۔ (قرطبی)

۵۷ (کہ ایسی اَن ہونی بات کی توقع کرنے لگیں)

مطلب یہ ہوا کہ انسان کو جو اختیار دیا گیا، اور ارادہ کی قوت سونپی گئی، اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ گنجائشِ اختلاف باقی رہے، جبری ہدایت تو اس بنیادی ومرکزی نقطۂ تکوینی ہی کے منافی ہے اور ایسی روشن وبنیادی حقیقت سے بے خبر رہنا عین جہالت ہے۔

والمقصود من تغلیظ الخطاب التبعید والزجر لہ عن مثل ھذہ الحالۃ (کبیر)

۵۸ (کلامِ حق وپیامِ حق کو بہ قصد قبول حق)

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ

اور یہ کہتے ہیں کہ ان (صاحب) پر کوئی معجزہ ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہ اتارا گیا ۶۰ آپ کہدیجئے کہ اللہ

يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۷ وَمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ فِي الْاَرْضِ

بے شک قادر ہے (ایسا) معجزہ اتارنے پر لیکن ان میں سے زیادہ تر (ایسے ہیں جو خود ہی) علم نہیں رکھتے ۶۱ اور جو بھی جانور زمین

وَلَا طٰۗىِٕرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ

پر چلنے والا ہے اور جو بھی پرند اپنے دونوں بازوؤں سے اڑنے والا ہے، وہ سب تمہارے ہی طرح کے گروہ ہیں،

مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝۳۸

ہم نے اپنے رجسٹر میں کوئی چیز نہیں چھوڑ رکھی ہے، پھر یہ (سب) اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جائیں گے ۶۲

قبولِ حق کی پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ پیامِ حق کو بلا عناد و قصدِ مخالفت، خلوصِ ذہن کے ساتھ سنا تو جائے۔

اے سماع اصغاء وتفھم وارادۃ الحق (قرطبی) والمراد بالسماع سماع الفھم والتدبر (روح)

۵۹ (حساب کے لئے)

اس وقت پوری حقیقت کھل کر رہے گی، دنیا میں پوری سزا اعراض و انکار کی اگر نہ بھی ملی تو کیا ہوا؟

۶۰ (ہمارے فرمائشی معجزوں میں سے جو ایمان پر مجبور کر دے)۔

یہ فرمائش کرنے والے وہ جاہلی منکرین تھے، جن کے نزدیک حقانیت و صداقت کا ثبوت صرف مادی خوارق اور حسی معجزات تھے۔

ملجئۃ للایمان (روح) کما نقترح (مدارک) اے خارق علی مقتضی ما کانوا یریدون ومما یتعنتون (ابن کثیر)

۶۱ یعنی علم صحیح سے محروم ہیں، اور عقل سلیم سے کام لینا جانتے نہیں۔

یہ اس حقیقت سے بھی خبردار نہیں کہ پیمبر کی تعلیماتِ صحیح اور ہدایاتِ صادق کے لئے (مثلاً عقیدۂ توحید و عقیدۂ آخرت کے لئے) کسی معجزۂ حسی اور خارقِ مادی کی سرے سے ضرورت ہی کیا ہے اور بالفرض ہے تو معجزات تو پہلے سے موجود چلے آتے ہیں، پھر ان سے حاصل کیا ہوا، جو نئے معجزات طلب کئے جا رہے ہیں؟

فرمائشی معجزات طلب کرنے والوں پر انجیل میں بھی بڑی لتاڑ آئی ہے:

"اس زمانے کے بُرے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یونس کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائیگا" (متی ۱۶: ۴)

"پھر فریسی نکل کر اس سے بحث کرنے لگے اور اسے آزمانے کے لئے اس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا، اس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا، اس زمانے کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں! میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا" (مرقس ۸: ۱۱-۱۳)

۶۲ مقصود حکمِ حشر کی تعمیم ہے سارے خلائق کے لئے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ۗ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۗ

اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں وہ بہرے اور گونگے ہیں (طرح طرح کی) تاریکیوں ہیں (گرفتار) اللہ جسے چاہے اسے

وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٩﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ

بے راہ کردے اور جسے چاہے وہ سیدھی راہ پر لگادے ٦٣ آپ کہئے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب

عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٠﴾

آپڑے یا (قیامت کی) گھڑی آپڑے، تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکاروگے؟ (بتاؤ) اگر سچے ہو ٦٤

اے للجزاء (قرطبی) دل بهذا علی ان البهائم تحشر یوم القیامة وهذا قول ابی ذر وابی هریرة والحسن وغیرهم (قرطبی)

دَابَّۃ طٰٓئِرٍ دونوں صورۃً مفرد ہیں لیکن معنی میں جنس دابّہ اور جنس طائر کا کام دیتے ہیں۔

مفرد اللفظ یراد به الجنس اللغوی (المنار)

امم امثالکم۔ قیامت میں محشور ہونے کے لحاظ سے۔

اے فی الخلق والرزق والموت والبعث والاقتصاص هذا اختیار الزجاج (قرطبی) قیل فی الخلق والموت والبعث (معالم) فی انهم یحشرون والمقصود بیان ان الحشر والبعث کما هو حاصل فی حق الناس فهو ایضا حاصل فی حق البهائم (کبیر) اراد تعالیٰ انها امثالنا فی انها تحشر یوم القیامة بوصل الیها حقوقها (کبیر)

یہ التزام وانتظام جب غیر مکلفین کے لئے ہے تو انسان جو پوری طرح مکلف و ذمہ دار ہے کیوں کر اس سے بچ سکتا ہے؟

ما فرطنا فی الکتاب من شیٔ۔ چوپائے، چرند، پرند، ہر قسم کے جانور خدائی رجسٹر میں حساب و کتاب کے لئے سب مندرج و منضبط ہیں۔

الکتاب۔ سے مراد لوح محفوظ کا خدائی رجسٹر ہے، جس میں جزئی سے جزئی معلومات بھی درج ہیں۔

عن الحسن و قتادة ان المراد بالکتاب الکتاب الذی عند اللہ تعالیٰ وهو مشتمل علی ما کان و یکون و هو اللوح المحفوظ (روح)

٦٣ غرض ہدایت وگمراہی دونوں ہی مشیت کے قانونِ تکوینی کے پابند ہیں۔

صمٌّ۔ یعنی سماعِ حق سے بہرے۔

بکمٌ۔ یعنی کلامِ حق سے گونگے۔

فی الظلمٰت۔ صیغۂ جمع اس لئے کہ ہر اعراض بجائے خود ایک تاریکی ہے اور ہر تاریکی کفر ہے۔

من یشاء اللہ
من یشاء
} دونوں جگہ قانونِ مشیتِ تکوینی کا بیان ہے۔

یضلله۔ یہ اضلال حق کی طرف سے، بندوں کے اعراضِ ارادی پر لازماً مرتب ہو جائے گا جس طرح اور تکوینی معلومات اپنی علتوں پر مرتب ہو جاتے ہیں۔

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَ

نہیں بلکہ خاص اسی کو پکارو گے پھر جس (مصیبت کے ہٹانے) کے لئے اسے پکارتے ہو وہ چاہے تو اسے دور بھی کر دے

تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ

اور تم ان سب کو بھول بھال بھی جاؤ جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو ۶۵ اور بلاشبہ ہم نے آپ سے قبل (اور بھی) اُمتوں کی طرف

فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾

(پیمبر) بھیجے، پھر ہم نے انھیں تنگدستی اور تکلیف میں مبتلا کیا، تاکہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں ۶۶

۱۱ ع ۱۰

۶۴ (اپنے دعویٰ شرک میں)
یعنی اگر تم واقعی خلوص دل کے ساتھ دوسرے معبودوں کے بھی قائل ہو تو انتہائی نازک وقتوں پر انھیں کیوں نہیں پکارتے ہو؟
اَرَئَیْتَکُمْ۔ مرادف ہے اخبرونی کے۔

هو عند جمهور علماء العربية بمعنى اخبرونى. (المنار)

ان اتٰكم عذاب الله۔ اگر تم پر عذاب الٰہی یک بیک آپڑے، جیسا کہ پچھلی قوموں پر آچکا ہے، مراد عذابِ دنیوی کی کوئی شکل ہے۔

اتتكم الساعة۔ قیامت آجائے، جو مجموعہ ہو گی بہت سی ہولناکیوں کا، مراد عذابِ آخرت ہے۔
اغير الله تدعون۔ کیا کسی غیر اللہ کو بھی انتہائی مصیبتوں کو دور کرنے کو پکارو گے؟

۶۵ آیت میں مخاطبہ خالص ملحدوں سے نہیں، بلکہ اس نوع کے کافروں سے ہے جو قائل تو ایک صانع عالم کے تھے، لیکن اس کے ساتھ اعمال ربوبیت میں دوسروں کو بھی شریک سمجھتے تھے اور یہ عقیدہ بہت سی مشرک قوموں میں مشترک رہا ہے۔
ان شاء۔ یعنی اگر مصائب سے نجات دلانا اس کی مشیت تکوینی کے مطابق ہوا۔

۶۶ (اور اپنے کفر و تکذیب سے توبہ کرلیں)
یہاں صاف الفاظ میں ابتلاء کی غرض بھی بیان کر دی کہ مقصود اصلی ان سخت دل والوں کے دلوں میں نرمی، انابت و خشیت پیدا کرنا تھا۔
یتضرعون۔ تضرع کے معنی خشوع و خضوع، انابت و رجوع کے ہیں۔

معنى التضرع التخشع وهو عبارة عن الانقياد وترك التمرد (كبير)

پہلے صحیفوں میں بھی اس سے ملتا جلتا مضمون ملتا ہے، مثلاً:۔
"خداوند تیرا خدا بیابان کے بیچ میں چالیس برس تجھکو لئے پھرا، تاکہ تجھے عاجز کرے اور تجھے آزمائے، اور تیرے دل کی بات دریافت کرے کہ تو اس کے احکام مانے گا یا نہیں۔" (استثنا: ۸: ۲)
بالباساء والضراء۔ باساء۔ سے مراد فقر و فاقہ وغیرہ مالی مصائب سمجھے گئے ہیں اور ضراء سے

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَ لٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ زَيَّنَ لَهُمُ

سو جب انھیں ہماری طرف سے سزا پہنچی تو وہ کیوں نہ ڈھیلے پڑ گئے، بلکہ ان کے دل تو (ویسے ہی) سخت رہے ۶۷ اور جو کچھ

الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ

وہ کرتے رہے شیطان اسے ان کی نظر میں خوشنما کر کے دکھاتا رہا ۶۸ پھر جب وہ اس چیز کو جس کی انھیں نصیحت کی جاتی تھی

كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓي اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾

وہ بھلائے رہے تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ اس پر جو انھیں ملا تھا اترا گئے تو ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا اور وہ دھک سے رہ گئے ۶۹

بیماری وغیرہ جسمانی مصائب گو اس کے برعکس کا استعمال بھی صحیح ہے۔

ومعنی بالباساء بالمصائب فی الاموال والضراء فی الابدان ھذا قول الاکثر وقد یوضع کل واحد منھما موضع آخر (قرطبی) قال الحسن الباساء شدۃ الفقر من البؤس والضراء الامراض والاوجاع (کبیر)

۶۷ (بجائے نرم پڑنے کے)

ایسے قسی القلب مجرموں کا انجام سابق صحیفوں میں یوں درج ہے:۔

وہ جو باوجود بار بار تنبیہ کے سخت گردنی کرتا ہے، ناگہاں برباد کیا جائے گا اور اس کا کوئی چارہ نہ ہوگا" (امثال ۲۹-۱)

فلولا... تضرعوا۔ اور اس تضرع سے ان کا جرم معاف ہوجائے، فقرہ کے شروع میں لولا کے لے آنے سے اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ بجز عناد و قسوت قلب اور خود بینی کے اور کوئی مانع ان کے پاس تضرع سے تھا ہی نہیں۔

ذکر کلمۃ لولا لیفید انہ ماکان لھم عذر فی ترک التضرع الا عنادھم وقسوتھم واعجابھم باعمالھم التی زینھا الشیطان لھم۔ (کبیر)

قست قلوبھم۔ قساوت قلب یہ تھی کہ کفر اور اصرار معاصی پر قائم رہے۔

ھی عبارۃ عن الکفر والاصرار علی المعصیۃ (قرطبی)

۶۸ شیطان کا اصلی حربہ یہی تزئین معاصی ہے، ہر گندہ سے گندہ فسق و معصیت میں وہ کوئی نہ کوئی پہلو ظاہری زینت یا فوری لذت کا ضرور دکھا دیتا ہے اور انسان کا کمزور نفس اسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ شراب نوشی سود خواری، حرام کاری سے لے کر آج کی سینما بازی تک میں یہ خصوصیت سب میں مشترک نکلے گی، اور جس نے شیطان کی اس کی دکھتی ہوئی رگ کو پکڑ لیا، اس نے کہنا چاہیے کہ شیطان کو پچھاڑ کر اس پر قابو حاصل کر لیا۔

۶۹ (ہر طرح مایوس ہو کر)

یہاں اس حقیقت کا بیان ہے کہ جاہ و ثروت، خوشحالی اور اقبال مندی کو صداقت و حقانیت کی دلیل سمجھ لینا تمام تر حماقت و سفاہت ہے، اس کا لازمی تعلق حق و صداقت سے ہرگز نہیں، گو اکثر حالات میں مطیعین اور اہل حق کو یہ دنیوی سربلندیاں بھی بہ طور انعام مل جاتی ہیں۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٥﴾ قُلْ

اس طرح جڑ کاٹ دی گئی ان لوگوں کی جو ظلم کرتے تھے اور ساری حمد اللہ سارے جہانوں کے پروردگار ہی کے لئے ہے ۷۰

اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ

آپ کہہ دیجئے کہ اچھا یہ تو بتلاؤ کہ اللہ اگر تمہاری شنوائی اور تمہاری بینائی سلب کر لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو بجز اللہ

غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿٤٦﴾

اور کون معبود ہے جو یہ (چیزیں) تمہیں دے دے؟ آپ دیکھئے ہم کس کس طرح دلائل (توحید) بیان کرتے ہیں اور پھر بھی یہ بے رخی کئے ہوئے ہیں ۷۱

نسوا۔ نسیان سے یہاں وہ عدمِ حافظہ کا عمل مراد نہیں جو غیر اختیاری ہے بلکہ ترک اختیاری مراد ہے۔

نسوا بمعنی ترکوا عن ابن عباس وابن جریج و هو قول ابی علی۔ (قرطبی)

ماذکروا بہ۔ یعنی ایمان و اطاعت کے مطالبات جو بار بار پیمبروں کی طرف سے پیش ہوتے رہے۔

فتحنا علیهم ابواب کل شیئ۔ یعنی ہر قسم کے اسباب نعمت انہیں مہیا ہو گئے۔

ای من النعم والخیرات ای کثرنا لهم ذلک (قرطبی) من انواع سعة الرزق ورخاء العیش وصحة الاجسام والامن علی الانفس والاموال (المنار)

مطلب یہ ہوا کہ پہلے سختیوں میں اور اب آسانیوں میں، دونوں طرح ہم نے انہیں رکھ دیکھا کہ اب بھی وہ فطرتِ سلیم سے کام لے کر کسی طرح راہِ حق پر آتے ہیں، وہ کسی طرح بھی نہ آئے۔

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ انہیں استدراجی نعمتوں کی ایک نظیر اس شخص کا حال ہے جس کا ذوق و حال باوجود معصیت و فسق کے باقی رہے یہ اس کے حق میں استدراج ہے اور جاہل اس پر فخر کرتے ہیں کہ دیکھو ہماری نسبت کیسی قوی ہے؟

اذا فرحوا بما اوتوا۔ یعنی دنیوی جاہ و حشم کی غفلت و مستی میں پڑ کر ان کا کفر خوب بڑھ گیا۔

فاذا هم مبلسون۔ گویا اردو محاورہ میں ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، اور وہ غایتِ یاس میں مبتلا ہو گئے۔

ای ایسون من کل خیر قال الفراء المبلس الذی انقطع رجاءه وقال الزجاج المبلس شدید الحسرة الحزین (کبیر)

۷۰ یعنی اس خدا کے لئے جو محافظ ہے نظامِ تکوینی کا، اس سے ہر رخنہ اندازی کو دور کرتا رہتا ہے۔

الذین ظلموا۔ یہ ظلم وہ اپنی جانوں پر بھی کرتے رہے اور نظامِ کائنات پر بھی۔

۷۱ (اور جن مقدمات و مبادی سے توحید لازم آتی ہے، ان پر غور ہی نہیں کرتے، اور نتیجۂ توحید تک اپنے کو پہنچنے ہی نہیں دیتے ہیں)

یصدفون۔ صدف، اعراض کے مرادف ہے۔

ای یعرضون عن ابن عباس والحسن ومجاهد وقتادة والسدی۔ یقال صدف عن الشیء اذا اعرض عنه (قرطبی)

کیف نصرف الآیات۔ تصریفِ آیات یہ ہے کہ انہیں گھما کر بار بار لایا جائے اور مختلف اعتبارات سے پیش کیا جائے۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا

آپ کہہ دیجئے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارے اوپر اللہ کا عذاب اچانک یا خبرداری میں آپڑے تو کیا بجز ظالم لوگوں کے

الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ

کوئی اور بھی ہلاک کیا جائے گا ۷۲ اور ہم پیمبروں کو تو بشارت دینے والے اور ڈرانے والے ہی کی حیثیت سے بھیجتے ہیں

فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾

تو جو کوئی بھی ایمان لے آئے اور اپنی درستی کرلے تو ان لوگوں کے لئے نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ یہ لوگ غمگین ہوں گے ۷۳

وتصریف الآیات الاتیان بہا من جہات من اعذار وانذار وترغیب وترہیب ونحو ذلک (قرطبی) المراد من تصریف الآیات ایرادہا علی الوجوہ المختلفۃ المتکاثرۃ بحیث یکون کل واحد منہا یقوی ما قبلہ فی الایصال الی المطلوب (کبیر)

ان اخذ اللہ سمعکم وابصارکم۔ یعنی تمہاری سماعت وبصارت سے تمہیں اس طرح محروم کردے کہ تمہیں نہ کچھ سنائی دے نہ کچھ دکھائی دے۔ ابصار کا جمع ہونا تو ظاہر ہے سمع لفظاً واحد ہے لیکن چونکہ مصدر ہے اس لئے کام جمع کا دے رہا ہے۔

وحّد سمعکم لانہ مصدر یدل علی الجمع (قرطبی)

ختم علی قلوبکم۔ تمہارے دلوں پر ایسی مہر کردے کہ تمہاری عقلیں مخبوط ومعطل ہوجائیں۔

یہ دلوں پر مہر جو تکوینی طور پر لگ جائے اس مہر لگ جانے سے اس کا الگ ہونا ظاہر ہی ہے، جو کفر وفسق پر اصرار سے بطور نتیجۂ طبعی کے لگ جاتی ہے، اور جس کا ذکر محرومیٔ ایمان کے سلسلہ میں کئی بار آچکا ہے۔

یاتیکم بہ۔ بہ میں ضمیر واحد اس مذکور کی جانب ہے جو ابھی اوپر گزر چکا۔

ای باحد ھذہ المذکورات (قرطبی) جوزان یکون راجعا الی احد ھذہ المذکورات۔ (روح)

۷۲ عذاب الٰہی کی خصوصیت یہی یہ ہے کہ اس کا شکار صرف مجرمین ہوتے ہیں، اور مطیعین اس سے بچالئے جاتے ہیں حقًا علینا ننجی المومنین۔

عذاب اللہ بغتۃ او جھرۃ۔ بغتۃ۔ وہ عذاب ہے جو یک بیک اور اچانک بغیر کسی اطلاع کے آجائے، اور جھرۃ وہ عذاب ہے جو پورے طور پر اظہار علامات کے بعد آئے مقصود کلام یہ ہے کہ کوئی عذاب کسی قسم کا بھی ہو، اس کے دفع کرنے کی قوت وقدرت صرف اللہ ہی کو حاصل ہے۔

ھذا عام فی جمیع انواع العذاب والمعنی انہ لا دافع لنوع من انواع العذاب الا اللہ سبحانہ (کبیر)

الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ ظلم کے معنی یہاں شرک کے لئے گئے ہیں۔

ای ھل یھلک الا انتم لشرککم والظلم ھنا بمعنی الشرک۔ (قرطبی)

آیت میں تعلیم اسی مضمون کی ہے کہ ہلاکت و بربادی تو بہرحال کافروں ہی کے لئے ہے، باقی مومن کے لئے تو خوشحالی اور بدحالی دونوں یکساں نعمت ہی ہیں، خوشحالی کا نعمت ہونا ظاہر ہی ہے، بدحالی بھی اس معنی میں نعمت ہے کہ وہ کفارۂ سیئات یا رفع درجات کا کام دے گی

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ

اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں انہیں کو عذاب لگے گا، اس لئے کہ وہ (عبودیت سے) تجاوز کر جاتے ہیں ۷۴ آپ کہہ دیجئے

لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ

کہ میں تم سے یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں ۷۵

ذلک تنبیہ علی ان المومن المتقی النقی ھو السعید سواء کان فی البلاء او فی الآلاء والنعماء وان الفاسق الکافر ھو الشقی کیف دارت قضیتہ واختلفت احوالہ (کبیر)

۷۳ (قیامت کے دن)

لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔ خوف کا تعلق مستقبل سے ہے، اور حزن ماضی پر ہوتا ہے۔

لاخوف علیھم ۔ یہاں یہ نہیں ارشاد ہوا ہے کہ بہ اقتضائے ایمان، وہ اللہ کا طبعی خوف بھی نہ رکھتے ہوں گے بلکہ ارشاد صرف یہ ہے کہ واقعۃً ان کے لئے کوئی اندیشہ ناک بات نہ ہوگی۔

وما نرسل ... منذرین ۔ یعنی پیمبروں کی بعثت کی غرض ہی تمام تر یہ ترغیب و ترہیب ہوتی ہے یہ اپنی پوجا کرانے کے لئے نہیں آتے نہ اس لئے کہ خارق عادت عجائبات دکھایا کریں۔

والمقصود منھا ان الانبیاء والرسل بعثوا مبشرین ومنذرین ولا قدرۃ لھم علی اظہار الآیات وانزال المعجزات بل ذلک مفوض الی مشیۃ اللہ تعالیٰ وکلمتہ وحکمتہ ۔ (کبیر)

فمن اٰمن واصلح ۔ ایمان کا تعلق قلب سے ہے، اور اصلاح کا اعضاء ظاہری سے۔

الایمان الذی ھو عمل القلب والاصلاح الذی ھو عمل الجسد (کبیر)

۷۴ (اور کفر میں جا پڑتے ہیں) یفسقون ای یکفرون (قرطبی)

والذین کذبوا بآیٰتنا ۔ یعنی ان کا عمل تکذیب پیمبروں کی اسی تبشیر و انذار کے بعد بھی جاری ہے آیات کے تحت میں قرآن مجید اور معجزاتِ نبوی دونوں داخل ہیں۔ ای بالقرآن والمعجزات (قرطبی)

یمسھم العذاب ۔ یہ عذاب عام ہے، خواہ دنیا میں ہو، خواہ آخرت میں۔

یہ وعید جیسا کہ ظاہر ہے انہیں فاسقوں کے لئے ہے جو ساتھ ہی آیات اللہ کے مکذبین میں سے ہوں، اصطلاحی فاسق یعنی گنہگار مسلمان مراد نہیں۔

۷۵ (کہ لوازم بشریت سے منزہ ہوں)

قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ۔ یعنی نہ میری ملک و قدرت کامل کہ جس کو جو چاہوں عطا کردوں۔

ولا اعلم الغیب ۔ یعنی نہ میرا علم کامل و محیط کہ وہ خاصۂ حق تعالیٰ ہے۔

آیت کے ان تینوں فقروں میں مشرکوں کے تینوں عقیدوں کا رد تو ظاہر ہی ہے، لیکن اس کے علاوہ مسیحیت کا رد بھی اس میں آگیا ہے جس نے مسیح کو خدائے تعالیٰ کا ہم پلہ و ہمسر بنا کر پیش کیا ہے، ملاحظہ ہوں اناجیل

إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ

میں تو بس اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس آتی ہے آپ کہئے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر ہو سکتے ہیں؟

أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ﴿٥٠﴾ وَأَنذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَن يُحْشَرُوا إِلَىٰ

تو کیا تم غور نہیں کرتے ۷۶ اور آپ اس (وحی شدہ قرآن) کے ذریعہ سے انھیں ڈرائیے جو اندیشہ رکھتے ہیں

رَبِّهِمْ ۙ لَيْسَ لَهُم مِّن دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٥١﴾

اس امر کا کہ وہ اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جائیں گے اس حال میں کہ ان کے حق میں نہ کوئی مددگار ہوگا نہ کوئی شفیع، شاید کہ وہ ڈرنے لگیں ۷۷

رائج الوقت کی چند آیتیں:۔

"باپ بیٹے سے محبت رکھتا ہے، اور اس نے سب چیزیں اس کے ہاتھ میں دے دی ہیں"۔ (یوحنا ۳: ۳۵)

"میں اور باپ ایک ہیں" (یوحنا ۱۰: ۳۰) "جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے"۔ (یوحنا ۱۶: ۱۵)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں پیمبر کے لئے اثبات کیا گیا ہے دو صفات کا، پہلا اثبات عبدیت کا جس کے لوازم میں امتثال امر اور اتباع وحی ہے، دوسرا اثبات بشریت کا جس کے لوازم میں اکل و شرب، خوف و رجاء ہے۔ اسی طرح دو صفات کی نفی ہے، پہلی نفی عبد سے خواص الوہیت کی، مثلاً قدرت کاملہ و علم محیط کی، دوسری نفی بشر سے تنزہ عن البشریت کی ہے۔

لا اقول انی ملک۔ معتزلہ نے بعض دوسری آیتوں کی طرح اس آیت میں ملائکہ کی افضلیت کی دلیل ڈھونڈھ نکالی ہے

قال الجبائی الاٰیۃ دالۃ علی ان الملک افضل من الانبیاء (کبیر) المعتزلۃ استدلت بہا علی تفضیل الملئکۃ علی الانبیاء والرسل وناقشھم جمھور الاشاعرۃ فی ذلک لمخالفتہ لمذھبھم (المنار)

حالانکہ یہاں ملائکہ کا صرف تغائر انبیاء سے رکھا جائے، افضیلت اور فوقیت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

۷۶ (جو اتنی موٹی سی بات تمہاری سمجھ میں آجائے کہ کہیں نور وحی سے منور، صاحب بصیرت، اور کہیں فیضان نور سے محروم، بے بصر، دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟)

الاعمیٰ والبصیر۔ سے مراد کافر و مومن ہیں۔

ای الکافر والمومن عن مجاھد۔ (قرطبی)

ان اتبع الا ما یوحی الیّ۔ یہ ہے ایک مختصر سے فقرہ میں ساری حقیقت نبوت و رسالت کی، صاحب وحی کا ہر قدم وحی الٰہی ہی کی روشنی میں اٹھتا ہے، اور نبی تمام تر وحی الٰہی ہی کا اتباع کرتا رہتا ہے، نبی کو شریعت میں جو معصوم مانا گیا ہے، وہ تمام تر فرع ہے اسی اصل کی، جب رسول اپنے سارے فرائض رسالت میں احکام الٰہی کا پیرو ہو گیا تو اس میں خطا و غلطی کا امکان ہی کہاں باقی رہ گیا۔

آیت سے یہ مراد نہیں کہ پیمبر اجتہاد سے محروم ہوتا ہے اجتہاد و قیاس شرعی کے موقع جب اوروں کے لئے ہیں تو پیمبر کے لئے تو بدرجہا

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

اور ان لوگوں کو نہ نکالئے جو اپنے پروردگار کو صبح شام پکارتے ہیں ۷۸ خاص اسی کی رضا کا قصد کرتے ہوئے۔

زائد ہیں، مراد صرف یہ ہے کہ جو امور قابل اجتہاد نہیں، وہاں تمام تر وحی الٰہی ہی پیمبر کی زندگی کی رہنمائی کرتی رہتی ہے۔

۷۷ (اور ایمان وطاعت کی راہ اختیار کرلیں) الذین یخافون أن یحشروا الی ربھم۔ پیمبر اپنا وعظ سناتا تو سب کو ہے لیکن اس سے نفع اندوز بس وہی ہوتے ہیں جن کے دلوں میں خوفِ خدا وخوف عاقبت کسی درجہ میں موجود ہوتا ہے، یا جن کا ضمیر کسی حد تک زندہ ہوتا ہے

خص فی ھذہ الایة الذین یخافون الحشر لان انتفاعھم بذلك الانذار اکمل بسبب ان خوفھم یحملھم علی اعداد الزاد لیوم المعاد (کبیر)

لعلھم یتقون۔ کہ شاید آپ کے موعظ سے متاثر ہو کر وہ پوری طرح راہ ہدایت پا جائیں، یا راہ ایمان پر ثابت قدم ہو جائیں۔

ای فی المستقبل وھو الثبات علی الایمان (قرطبی)

وانذر بہ۔ ضمیر اسی وحی کی جانب ہے جس کا ذکر ابھی آچکا ہے۔

والضمیر لما یوحی الی (بیضاوی) ای انذر بما اوحی الیك (بحر) ای بالقرآن (قرطبی) قال ابن عباس و الزجاج بالقرآن (کبیر)

انذار۔ یوں تو پیمبر کے ذمہ مطلق وعام صورت میں بھی واجب ہے لیکن یہاں مقصود انذار خاص ہے جو وہیں ہوتا ہے جہاں نفع معتدبہ متوقع ہوتا ہے۔

انذار کے معنی یہاں اعلام بھی کئے گئے ہیں۔

الانذار الاعلام (قرطبی) الانذار الاعلام بموضع المخافة (کبیر)

ولیٌ ولا شفیع۔ یہ غیر اللہ کے متعلق دستگیری یا شفاعت کا عقیدہ بہت زیادہ پھیلا ہوا تھا اور مشرکین کے علاوہ یہود ونصاریٰ تک میں عام تھا، اسی لئے اس کی تردید بار بار اور شد ومد سے آئی ہے، اس سے اس شفاعت کی نفی نہیں ہوتی جو اہل سنت کے نزدیک انبیاء وملائکہ وصالحین کی طرف سے ثابت ہے اس لئے کہ یہ شفاعت مستقلاً واصالۃً نہیں، بلکہ حق تعالیٰ ہی کی طرف سے نیابۃً ہوگی من دونہ اور الا باذنہ کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے۔

قولہ لیس لھم من ولی ولا شفیع لا ینافی مذھبنا فی اثبات الشفاعة للمومنین لان شفاعة الملئکة والرسل للمومنین انما تکون باذن اللہ تعالیٰ لقولہ من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ فلما کانت تلك الشفاعة باذن اللہ کانت فی الحقیقة من اللہ تعالیٰ (کبیر)

الی ربھم۔ سے یہ مطلب نہیں کہ حضرت حق کسی سمت وجہت میں قائم ہیں، اور حشر وہاں ہوگا، بلکہ مراد صرف وہ مقام ہے جو پروردگار نے خلق کے اجتماع اور فیصلہ کے لئے مقرر کیا ہے۔

المراد المکان الذی جعلہ ربھم لاجتماعھم وقضاء ھم (کبیر) المراد الحشر الی المکان الذی جعلہ عزوجل محلا لاجتماعھم والقضاء علیھم۔ (روح)

۷۸ یعنی دن رات اپنے فرائض میں لگے رہتے ہیں، جانباز سپاہی کی طرح ہر وقت اپنی ڈیوٹی پر حاضر

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ

آپ کے ذمہ ان کا حساب ذرا بھی نہیں، اور نہ ان کے ذمہ آپ کا ذرا بھی حساب ہے جس سے آپ انہیں نکالنے لگیں

مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظّٰلِمِينَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ

اور جس سے آپ کا شمار بے انصافوں میں ہو جائے ۷۹ اور اسی طرح ہم نے ان میں سے ایک کو دوسرے کے

بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ

ذریعہ سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے جس سے یہ لوگ کہیں گے کہ کیا یہی لوگ ہمارے درمیان میں سے ہیں جن پر اللہ نے اپنا فضل کیا ہے ۸۰

رہتے ہیں الغداوۃ والعشی سے صبح و شام کے متعین ہی اوقات مراد نہیں بلکہ دوام مراد ہے۔

ذکر ھذین القسمین تنبیھا علی کونھم مواظبین علی الصلوات الخمس (کبیر) المراد بذکر الغدوۃ والعشی الدوام (کشاف) المراد بھما ھھنا الدوام (روح)

ید عون ربھم۔ کے تحت میں عبادت الٰہی اور ہر قسم کے فرائض آگئے۔

المراد بالدعاء المحافظۃ علی الصلاۃ المکتوبۃ فی الجماعۃ قال ابن عباس ومجاھد والحسن (قرطبی)

یواصلون دعاء ربھم ای عبادتہ و یواظبون علیھا (کشاف)

ولا تطرد۔ یعنی اپنی مجلس سے نہ نکالئے۔

عرب جاہلیت خصوصاً قریش کے امراء و رؤسا اسی طرح طبقاتی کبر و نخوت میں مبتلا تھے، جس کی مثالوں سے آج یورپ بھرا پڑا ہے، وہ اپنے عوام کے ساتھ ایک مجلس میں نشست کے روادار نہ تھے، چہ جائیکہ ایسے مجمع میں جس میں غیر عرب حبشی وغیرہ اور پھر ان میں بھی غلام تک موجود ہوں! انہیں رئیسوں اور سرداروں نے اس مصلح اعظم کے پاس کہلا بھیجا کہ ان عوام و اجلاف کو اپنے پاس سے ہٹائیے، تو ہم لوگوں کے لئے گنجائش نکلے، قرآن کو ان شعائر جاہلیت پر تو ضرب کاری ہی لگانا مقصود تھی، جواب ان آیات کے ذریعہ سے عطا ہوا۔

۷۹ آیت کے اس جزو سے یہ تعلیم نکل آئی کہ مطیعین اور فرمانبرداروں کو بلا عذر اپنی مجلس سے محروم کر دینا سخت ناانصافی کا برتاؤ ہے۔

یریدون وجھہ۔ یعنی یہ اطاعت و عبادت بھی تمام تر اخلاص کے رنگ سے رنگین ہے۔

یخلصون نیاتھم لہ فی عباداتھم (بحر) ای طاعتہ والاخلاص فیھا (قرطبی) ای مخلصین لہ سبحانہ فیہ (روح)

وجھہ سے محاورہ میں مراد کسی شے کی ذات یا حقیقت ہی ہوتی ہے یا پھر عظمت و تعظیم مقصود ہوتی ہے۔

الوجہ یعبر بہ عن ذات الشیء وحقیقتہ (کشاف) یذکرون لفظ الوجہ للتعظیم کما یقال ھذا وجہ الرای وھذا وجہ الدلیل (کبیر)

حسابھم۔ حسابک حساب سے مراد باطن کی تفتیش لی گئی ہے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

کیا اللہ شکرگزاروں سے خوب واقف نہیں ۵۸۱ اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری نشانیوں پر

بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ

ایمان رکھتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہو، تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت لازم کر رکھی ہے ۵۸۲

یعنی جس طرح ان کے باطن کی تفتیش آپ کے ذمہ ذرا بھی نہیں، اسی طرح آپ کے باطن کی تفتیش ان کے ذمہ بھی نہیں مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت میں مریدین کے بھی بعض حقوق کا بیان ہے کہ انھیں بلا مصلحت اپنے پاس سے مطرود نہ کرے۔

من حسابهم من شيء پہلا من تبعیض کے لئے ہے، اور دوسرا من زور و تاکید کے لئے ہے۔

من الاولى للتبعيض والثانية زائدة للتوكيد (قرطبی)

فقہاء نے آیت اور اس کے ہم مفہوم احادیث سے یہ استنباط کیا ہے کہ کسی شخص کی عزت و تعظیم اس کی خوش غلافی کی بنا پر اور کسی کی تحقیر اس کی بدلباسی کی بنا پر کرنا، دونوں ناجائز ہیں۔

وقد حصل من قوة الاٰية والحديث النهى عن ان يعظم احد لجاهه ولثوبه وعن ان يحتقر احد لخموله ولرثاثة ثوبه (قرطبی)

۵۸۰ شروع میں اسلام کے ماننے والوں میں ضعفاء و غرباء کثرت سے تھے، سرکش و شریر الطبع قریش ان بیچاروں کو دیکھ دیکھ کر طنز و تعریض سے کہتے تھے کہ اجی ان لوگوں کی بدحالی دیکھو، یہ تو اپنے دین کو اللہ کی نعمت بتلاتے ہیں، تو کیا یہی بدحالی اللہ کی نعمت ہے؟

وكذلك۔ یعنی امارت و افلاس کے درمیان فرق قائم کرکے۔

فتنا بعضهم ببعض۔ یعنی خوشحال کافروں کو بدحال مومنوں کے ذریعہ۔

المفتون بالغنى والفقر او بالشرف والوضاعة والقوة والضعف (بحر)

ليقولوا میں ل عاقبت کا ہے یعنی امارت و افلاس کی طبقاتی تقسیم سے ایک مقصود تکوینی امتحان بھی ہے، یہ کہنے والے امراء و رؤساء تھے، اور جن لوگوں کی طرف اشارہ تھا، وہ ضعفاء و فقراء تھے۔

يعنى الاشراف والاغنياء وهؤلاء يعنى الضعفاء والفقراء (قرطبی)

۵۸۱ چنانچہ ان غریبوں مسکینوں نے حق کو پہچانا، اور قدر کی، انھیں دولت ایمان سے سرفراز کر دیا گیا، رؤساء و امراء قریش کفران و انکار میں رہے، نعمت سے محروم رہ گئے۔

۵۸۲ رحمت و شفقت کل کائنات کے لئے عمومی، اور مطیعین و مومنین کے لئے خصوصی، اور اس قانون رحمت کی ایک دفعہ یہ ہے جو ابھی بیان ہو رہی ہے۔

كتب یہاں اوجب کے مرادف ہے یعنی حق تعالیٰ نے اپنے اوپر محض اپنے فضل و کرم سے بلا کسی اور واسطہ کے لازم یا واجب کر لیا ہے۔

ای اوجب ذلک بخبرہ الصدق ووعدہ الحق (قرطبی) ای اوجبہا علی ذاتہ المقدسۃ تفضّلا واحسانا بالذات لابتوسط شیء اصلا (روح) ای اوجب علی نفسہ الکریمۃ تفضّلا منہ واحسانا وامتنانا (ابن کثیر)

کتب میں خود ہی وجوب موجود ہے، اور پھر جب علیٰ اس کے ساتھ آگیا تو تاکید اور دہری ہو گئی۔

کتب کذا علی فلان یفید الایجاب وکلمۃ علی ایضا تفید الایجاب ومجموعھما مبالغۃ فی الایجاب (کبیر) معناہ وعدکم بالرحمۃ وعدا مؤکدا (مدارک)

علی نفسہ۔ نفس سے یہاں مراد ذات و حقیقت ہے نہ کہ جسم۔

النفس ھھنا بمعنی الذات والحقیقۃ واما بمعنی الجسم والدم فاللہ سبحانہ وتعالی مقدس عنہ (کبیر) نفسہ ذاتہ (راغب)

دوسری آیتوں کی طرح اس آیت سے بھی ثابت ہو گیا کہ ذات باری تعالیٰ کے لئے نفس کا استعمال جائز ہے۔

دلت ھذہ الآیۃ علی انہ لایمتنع تسمیۃ ذات اللہ تعالی بالنفس (کبیر)

سلام علیکم۔ السلام علیکم مسلمانوں کے یہاں کا اصطلاحی سلام جس سے ہر دوسرے فرقہ اور قوم کے طریق سلام و تحیت سے مغائر، نہ ڈنڈوت، نہ "پالاگن" نہ "گڈ مارننگ" نہ "جے رام جی کی" نہ "نمستے" نہ "آداب" و "بندگی" بلکہ صرف دعائے رحمت کہ اللہ تمہیں ہر طرح فلاح و سلامتی نصیب رکھے!— وہ جامع اور بے نظیر دعا، جو ہر موقع پر، ہر مرتبہ اور ہر سن کے انسان کو، دن اور رات کے ہر وقت بے تکلف دی جا سکتی ہے اور جس کے سامنے دنیا کی دوسری قوموں کے سلام ہیچ ہیں۔

اور یہاں سیاق میں سلام علیکم کے معنی ہوں گے کہ اللہ تمہیں ان تمام خرابیوں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھے، جو کفر و انکار کے لازمی نتیجہ کے طور پر دنیا اور آخرت میں پیش آئیں۔

سلام علیکم۔ ایک جامع ترین دعا ہے جس میں دنیوی اور اخروی ہر قسم کی سلامتی آگئی۔

معناہ سلمکم اللہ فی دینکم وانفسکم (قرطبی)

یومنون بایٰتنا۔ آیات سے مراد یہاں آیاتِ قرآنی ہو سکتی ہیں اور دلائل بھی۔

والمراد بالآیات الآیات القرآنیۃ او الحجج مطلقا (روح)

فخر المفسرین امام رازیؒ نے حسب معمول یہاں بھی نکتہ رسی سے کام لیا ہے ان کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے، سب پر اطلاق آیت اللہ کا ہو سکتا ہے، وہ سب آیات یا اس کی ذات و وجود کی ہیں، یا اس کی وحدانیت کی، اور یا اس کی صفاتِ عالیہ کی، اور اس معنی میں آیات الٰہی کی کوئی انتہا نہیں، ہر شخص جو معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے، اسے آیات کے کسی نہ کسی حصہ ہی پر قناعت کرنا ہوتی ہے، کل آیات الٰہی کا احاطہ حد بشر سے باہر ہے اور بندہ کی ترقی کی کوئی انتہا ہی اس طریق معرفت کے لحاظ سے نہیں، وہ برابر ترقی ہی کرتا جائے گا، تو اب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ملتا ہے کہ جس بندہ میں یہ صفت دیکھو، اسے سلامتی کی بشارت پہنچا دو۔

أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ

بے شک تم میں سے جو کوئی نادانی سے بُرائی کر بیٹھے پھر وہ اس کے بعد توبہ کرلے اور (اپنی حالت) درست کرلے تو وہ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْأٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾

بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۸۳ اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے رہتے ہیں نشانیوں کو تاکہ مجرموں کا طریقہ واضح ہو کر رہے ۸۴

قُلْ إِنِّيْ نُهِيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّآ

آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے رہتے ہو آپ کہہ دیجئے کہ

أَتَّبِعُ أَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَّمَآ أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

میں تمھاری خواہشوں کی پیروی نہیں کروں گا، ورنہ میں بھی بے راہ ہو جاؤں گا اور راہ پر چلنے والوں میں نہ رہوں گا ۸۵

۸۳ چنانچہ وہ شانِ غفر کے تقاضہ سے معاصی کی عقوبتوں سے بچالے گا، اور شانِ رحمت کے تقاضہ سے مزید نعمتوں سے بھی سرفراز کرے گا۔

غفور بسبب ازالۃ العقاب رحیم بسبب ایصال الثواب (کبیر)

مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوٓءًۢا بِجَهَالَةٍ۔ یعنی بدعملی کا وقوع اگر وقتی غلبۂ نفس سے جہل و غفلت کی بنا پر ہو جائے۔ اور بندۂ مومن سے تو جب کبھی کوئی لغزش ہوگی، وقتی غلبۂ نفس و نادانی ہی کی بنا پر ہوگی، نہ کہ عدوان و طغیان سے

تاب واصلح یعنی وقوعِ معصیت کے بعد نفس کو اس پر تنبیہ ہو جائے، اور اپنے امکان بھر ایک طرف ماضی کے کفارہ اور دوسری طرف حال و مستقبل میں بچنے کا اہتمام کرلیا جائے۔

تاب اشارۃ الی الندم علی الماضی واصلح اشارۃ الی کونہ اتیا بالاعمال الصالحۃ فی الزمان المستقبل (کبیر)

۸۴ (اور وہ اس سے مومنین صادقین کا طریقہ بھی ممتاز ہو کر خود بخود واضح ہو جائے گا۔)

والحق والباطل لا واسطۃ بینہما فمتی استبانت طریقۃ المجرمین فقد استبانت طریقۃ المحققین ایضا لا محالۃ (کبیر)

كذلك یعنی جیسے اس سورۃ میں ہم اور بھی دلائل مشرکین کے خلاف کھول کر بیان کرچکے ہیں۔

ای کما فصلنا لك فی ھذہ السورۃ دلائلنا ومحاجتنا مع المشرکین (قرطبی) کما فصلنا لك فی ھذہ السورۃ دلائلنا علی صحۃ التوحید والنبوۃ والقضاء والقدر (کبیر)

الاٰيٰت یعنی وہ احکام و دلائل جن کی ضرورت اقامتِ دین اور مقابلۂ اہلِ باطل کے لئے مومنین کو پڑ سکتی ہے

ای فی کل ما تحتاجون الیہ من امر الدین ونبین لکم ادلتنا وحججنا فی کل حق ینکرہ اھل الباطل (قرطبی) نمیز ونفصل لك دلائلنا وحججنا فی تقریر کل حق ینکرہ اھل الباطل (کبیر)

۸۵ آیت سے خدائی قانون کی ہر جہتی ہمہ گیری اور اس کے مقابلہ میں بندوں کی عقل آرائیوں کی انتہائی

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ

آپ کہہ دیجیئے کہ میرے پاس تو دلیل ہے میرے پروردگار کی طرف سے اور تم اسی کو جھٹلاتے ہو جس چیز کا تم تقاضہ کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ۵۸۶

یعنی وگندگی، دونوں پر یکساں روشنی پڑجاتی ہے، رسول جو پاک نفسوں اور قدسی سرشتوں کے سردار ہیں ان تک کی زبان سے کہلوایا جارہا ہے کہ تمھارے قاعدے اور ضابطے، تمھاری عبادتیں اور پوجا پاٹ اس درجہ گندے ہیں کہ میں ان کی پیروی کرنے لگوں تو اپنے مرتبہ سے کہیں گر جاؤں اور خود میرا شمار گمراہوں میں ہونے لگے!

الذین تدعون من دون اللہ ۔ یعنی تمھارے خودساختہ اور تراشیدہ معبود۔

اے تدعونھم فی امھات امورکم علی جھۃ العبادۃ اراد بذلک الاصنام (قرطبی)

اھواءکم۔ ھواء کا لفظ بہت عام ہے وحی الٰہی کے مقابلہ میں جو بھی عقل آرائی کام میں لائی جائے گی، وہ خواہش نفس ہی کی کوئی نہ کوئی شکل ہوگی، وطن پرستی، نسل پرستی، قوم پرستی، زبان پرستی، ساری نئی نئی "پرستیاں" اور (ISM) اس کے تحت میں آجاتی ہیں۔

۵۸۶ یعنی عذاب الٰہی۔

ای العذاب (قرطبی)

ما عندی ما تستعجلون بہ ۔ یعنی مجھ میں اس عذاب کے جلد یا بہ دیر لانے کی قدرت کہاں۔

لاقدرۃ لی علی تقدیمہ (وتاخیرہ ۔کبیر)

منکرین طنز کے لہجہ میں رسول اللہ صلعم سے بار بار کہتے تھے کہ سچے ہو تو ہم پر عذاب الٰہی لا دکھاؤ، یہ جواب اسی بیہودہ فرمائش کا دیا جارہا ہے۔

فانھم کانو الفرط تکذیبھم یستعجلون نزولہ استھزاءً (قرطبی)

علی بینۃ من ربی ۔ سب سے بڑا بینہ یہی قرآن مجید ہے، جو دنیا کا عظیم ترین ابدی و مستقل معجزہ ہے اپنی تعلیمات کے لحاظ سے جامع و کامل اپنی ہدایات و احکام کے لحاظ سے بے مثل اور اپنی انشاء و طرز بیان کے لحاظ سے بھی اپنا نظیر آپ۔

اے علی حجۃ من جھۃ ربی وھی القرآن (کشاف)

بینۃ کا صیغۂ نکرہ تنوین کے ساتھ اظہار عظمت کے لئے ہے یعنی بہت بڑی دلیل۔

التنوین للتفخیم اے بینۃ جلیل الشان (روح)

وکذبتم بہ ۔ یعنی تمھارا حال یہ کہ تم ایسی صاف روشنی کی طرف سے آنکھیں بند کئے ہو بہ ضمیر مذکر بینۃ کی جانب ہے، اس کے معنی بیان یا اس کے مفہوم و مراد "قرآن" کے لحاظ سے بعض نے اس کا مرجع ربی کو قرار دیا ہے۔

ای بالبینۃ لانھا فی معنی البیان وقیل بالقرآن (قرطبی) ذکر الضمیر علی تاویل البیان او القرآن (کشاف)

ای ما جئت بہ (معالم) تعود علی ربی ویجوزان تعود علی معنی البینۃ لانھا فی معنی البرھان والدلیل (عکبری)

بینۃ کے اصل معنی بیان کے ہیں، اور بیان و توضیح کے معنی میں یہ محاورہ عربی میں عام ہے۔

اے انی علی بیان و بینۃ وبرھان قد وضح لی من ربی وکذلک تقول العرب فلان علی بینۃ

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ

حکم (تو اور کسی کا) نہیں بجز اللہ کے۔ وہی حق کو بتلاتا ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ۵۸۷ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے

مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾

پاس وہ چیز ہوتی جس کا تم تقاضا کر رہے ہو تو (اب تک) میرے تمہارے درمیان قصہ فیصل ہو چکا ہوتا، اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو ۵۸۸

من هذا الامر اذ کان علی بیان منه (ابن جریر) ای علی بیان وبصیرۃ وبرهان (معالم)

۵۸۷ (چنانچہ اپنی حکمتِ مطلقہ کے مطابق وہ صحیح اور مناسب وقت پر اپنا عملی اور ناطق فیصلہ بھی صادر فرمائیگا)

والمراد ان ذلك العذاب ینزله الله تعالی فی الوقت الذی اراد انزاله فیه (کبیر)

یقص الحق۔ اللہ ہی حق کو بتلاتا ہے، چنانچہ اس وقت بھی اس نے حق کو روشن دلائل کے ساتھ قرآن کی صورت میں پیش کر دیا۔

ای یحکم بالحق بدلیل (معالم)

ان الحکم الا لله۔ یعنی اختیار و حکومت تو تمام تر اللہ کی ہے، کائنات میں حاکمانہ تصرف صرف وہی کر سکتا ہے، میں عذاب اپنے ارادہ و اختیار سے کب لا سکتا ہوں، اس کا انحصار تو ارادۂ الٰہی پر ہے۔

ای فی تاخیر العذاب وتعجیله (قرطبی) ای فی تاخیر عذابکم (کشاف) والمراد ههنا ان الحکم الا لله فقط فی تاخیر عذابهم (کبیر) فمعنی الکلام اذ انما الحکم فی ما تستعجلون به ایها المشرکون من عذاب الله وفی ما بینی وبینکم الا لله (ابن جریر) ای انما یرجع امر ذلك الی الله ان شاء عجل لکم ما سألتموه من ذلك وان شاء انظرکم واجلکم (ابن کثیر)

آیت کے اس جزو کو فرقۂ خوارج نے بار بار پیش کیا ہے اور اس سے اپنا بڑا کام نکالنا چاہا ہے یہاں تک کہ خلیفۂ راشد و برحق حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت اسی آیت کو پیش کر کر کے پھیلائی تھی، اور آج بھی ایک گروہ ہر انسانی مادی حکومت کو اسی آیت کے ماتحت "غیر اسلامی" حکومت قرار دے کر اس سے کسی قسم کا تعاون بھی ناجائز بلکہ حرام ٹھہرا رہا ہے — سیاق قرآنی پر ادنیٰ غور و تامل سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ آیت کو اس بحث سے ذرا بھی تعلق نہیں، سیاق تمام تر حکومتِ تکوینی و ارسالِ آیات و معجزات کا ہے۔

۵۸۸ (اور وہی ہمارا فیصلہ کرے گا جو جس کے مناسب حال و قرینِ حکمت ہو، خواہ عذاب دنیوی ہو یا اُخروی)

الله اعلم بالظالمین وبما یجب فی الحکمة من وقت عقابهم ومقداره (کبیر) یعنی انه هو العالم بکل شئ فهو یعجل ما تعجیله اصلح ویؤخر ما تاخیره اصلح (کبیر)

عندی۔ یعنی میرے قبضہ و اختیار میں۔

ای فی قدرتی (کشاف) ای فی قدرتی وامکانی (کبیر) ای لو کان مرجع ذلك الیّ (ابن کثیر)

لقضی الامر بینی وبینکم۔ یعنی احقاقِ حق کے واسطہ اس عذاب کو میں اب تک نازل کرا چکا ہوتا۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ

اور اس کے پاس ہی غیب کے خزانے ہیں، بجز اس کے انھیں کوئی نہیں جانتا ۸۹؎ اور وہی جانتا ہے

وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ

جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے۔ اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر یہ کہ وہ اُسے جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں

ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾

نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز مگر (یہ کہ سب) روشن کتاب میں (موجود) ہیں ۹۰؎

ای من العذاب لانزلته بکم حتی ینقضی الامر الی آخرہ (قرطبی) لاھلکتکم عاجلاً غضباً لربی (کشاف) لاوقعته لکم ما تستحقونه من ذلک (ابن کثیر)

اس فقرہ نے اور زیادہ صاف کر دیا کہ ان الحکم الا للہ سے مراد حکومتِ تکوینی ہی تھی۔

۸۹؎ یعنی قدرتِ کاملہ تو الگ رہی، علمِ کامل بھی بجز اللہ کے کسی کو حاصل نہیں۔

مشرکوں اور نیم مشرکوں کو حیات، قدرت، علم، انھیں تینوں صفاتِ الٰہی میں سخت ٹھوکریں لگی ہیں، قرآن مجید بھی اسی لئے انھیں تینوں صفات کے بارے میں کثرتِ تکرار اور تاکید کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

عندہ مفاتح الغیب۔ تو وہی جب اور جس قدر چاہے، جس چیز کو ظہور میں لے آئے، اور جتنے غیب پر جس کو چاہے مطلع کر دے۔

مفاتح۔ جمع مَفتح (بالفتح) کی بھی ہے اور مِفتح (بالکسر) کی بھی، مَفتح کے معنی خزانہ کے مُسَلَّم ہیں۔ مِفتح کے لفظی معنی کنجی کے ہیں، لیکن مراد اس سے بھی یہاں وسائل و اسباب ہی سے ہوگی، غرض معنی خواہ یہ لئے جائیں کہ غیب کے خزانے اس کے ہاتھ میں ہیں، یا غیب کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں، مراد دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے کہ غیب کا مالک صرف وہی ہے۔

اراد انه هو المتوصل الی المغیبات وحده لا یتوصل الیها غیره (کشاف) لفظ المفاتح یمکن ان یکون المراد منه المفاتیح ویمکن ان یراد منه الخزائن (کبیر) یعنی ما یتوصل به الی غیب (راغب)

۹۰؎ یعنی لوحِ محفوظ میں، جو علمِ الٰہی ہی کی متشکل صورت کا نام ہے یا کتاب مبین سے مجرد علمِ الٰہی ہی مراد لیا جائے، اور امام رازیؒ نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے۔

الکتاب المبین۔ علم اللہ تعالیٰ او اللوح (کشاف) ذلک الکتاب المبین هو علم الله تعالی ولا غیر وهذا هو الاصوب (کبیر) الا هو مثبت فی اللوح المحفوظ (ابن جریر)

مختلف عام فہم مثالوں کی مدد سے بتایا ہے کہ اللہ کا علم جزئیات، کلیات ہر شے پر محیط ہے، اس میں رد آ گیا ان مشرک فلاسفہ کا، جو علمِ الٰہی کو صرف کلیات پر محدود مانتے ہیں۔

آیت کی اہمیت و معنویت جب ہی پوری طرح سمجھ میں آ سکتی ہے جب مشرک قوموں کے ان عقائد کا پوری طرح علم ہو

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّىٰكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ

وہ وہی تو ہے جو رات میں تمہیں وفات دیدیتا ہے۔ اور جو کچھ تم دن میں کرتے رہتے ہو اسے جانتا ہے، پھر تمہیں اس سے

فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ

جگا اٹھاتا ہے کہ میعادِ معین تمام کردی جائے ۹۱ پھر اسی کی طرف تمہاری واپسی ہے پھر وہ بتادے گا جو کچھ تم کرتے

تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً

رہتے ہو ۹۲ اور وہ غالب ہے اپنے بندوں کے اوپر اور وہ تمہارے اوپر نگراں (فرشتے) بھیجتا ہے ۹۳

ع ۷ / ۱۳

۹۱ یعنی میعادِ معین تمہاری عمر کی، اسی طرح بیداری و خواب کے دوروں سے پوری کردی جائے گی اے انسانو!

باللیل۔ یعنی سونے کے وقت جو عموماً و عادۃً (نہ کہ کلیۃً ولازماً) رات ہی کا ہوتا ہے۔

ففی النوم (ابن جریر عن السدی) وتخصیص التوفی باللیل والجرح بالنہار للجری علی السنن المعتاد والا فقد یعکس (روح)

محاورۂ قرآنی میں ایسی مثالیں شاذ نہیں۔

باللیل۔ میں ب معنی میں فی کے ہے۔

الباء ھنا بمعنی فی (عکبری)

یتوفٰکم۔ یعنی تمہاری روحِ نفسیاتی کو حس سے احساس و ادراک متعلق ہیں، معطل کردیتا ہے، یا اسے قبض کرلیتا ہے، جدید نفسیات کی اصطلاحی بولی میں تمہارے شعور کو باطل کردیتا ہے، توفی کا اطلاق موت اور نیند دونوں پر ہوتا ہے۔

فیتوفی انفسکم التی بہا تقدرون علی الادراک والتمییز (کبیر) لاتخرج منہ الروح ولکن یخرج منہ الذھن (قرطبی) وقد عبر عن الموت والنوم بالتوفی۔ (راغب)

بالنہار۔ یعنی بیداری میں، جب شعور پوری طرح کام کرتا رہتا ہے۔

۹۲ (دنیا میں اور اسی کے مناسب جزا سزا جاری کرے گا)۔

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ موت و بعثت مجازی کے کرشمے تو تمہیں رات دن خواب و بیداری کے ذریعہ سے دکھاتا ہی رہتا ہے، ایسے کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ تمہیں آخری طور پر موت دے کر پھر حشر میں اٹھا کھڑا کرے

اجل مسمّٰی۔ ہر شخص کی مدتِ عمر۔

معین لکل فرد وھو اجل بقائہ فی الدنیا (روح) ای اعمارکم المکتوبۃ (کبیر) ای لیستوفی کل انسان اجلا ضرب لہ (قرطبی)

۹۳ یہ فرشتے اعمال کی کتابت کے لئے بھی ہوتے ہیں، اور جان کی حفاظت کے لئے بھی حَفَظَۃً میں دونوں مفہوم آگئے، گو حفظ و کتابتِ اعمال کا پہلو ظاہر ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾

یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آجاتی ہے تو اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) قبض کر لیتے ہیں اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے ۹۴

اتفقوا على ان المقصود من حضور هؤلاء الحفظة ضبط الاعمال (كبير) اى ملائكة حافظين لاعمالكم (كشاف)

عن قتادة يحفظون العمل والرزق والاجل (روح) ارسال الملئكة بما حملوا من الحفظ الذى أمروا به (قرطبى)

ھو القاھر فوق عبادہ۔ اس کا غلبہ اپنے بندوں پر اس کے علم و حکمت و قدرت کے لحاظ سے ہے نہ کہ سمت یا مکان کی بلندی کے اعتبار سے۔

لا يجوز ان يكون المراد من هذه الآية الفوقية بالمكان والجهة بل يجب ان يكون المراد منها الفوقية بالقهر والقدرة (كبير) يعنى فوقية المكانة والرتبة لا فوقية المكان والجهة (قرطبى)

مشرک قوموں نے بعض اشخاص کو بڑھاتے بڑھاتے ان کے ڈانڈے خدائی سے ملا دیئے ہیں، بلکہ بعض کو خدا سے بھی بڑھا دیا ہے، یہ تصریح ایسے مذہبوں کی تردید میں ہے، بندہ کتنا ہی بڑھ جائے بہرحال بندہ ہے اور حدِ بندگی سے آگے قدم نہیں رکھ سکتا۔

۹۴ (تعمیل احکام میں)

ان لا يقصرون فى ما امروا به (كبير) اى لا ينقصون مما امروا به ولا يزيدون فيه (كشاف)

رُسُلُنَا سے مراد وہ فرشتے ہیں جن کا کام ہی قبضِ روح کرنا ہے۔

وهم ملك الموت واعوانه (كشاف)

قبضِ روح کا عمل اصالۃً صرف قدرتِ حق تعالیٰ سے ہوتا ہے، ظاہری عمل ملک الموت کرتے ہیں، باقی دوسرے فرشتے اس کے ماتحت ہوتے ہیں، اور انھیں کے لئے یہاں صیغۂ جمع آیا ہے۔

التوفى فى الحقيقة يحصل بقدرة الله وهو فى عالم الظاهر مفوض الى ملك الموت وهو الرئيس المطلق فى هذا الباب وله اعوان وخدم وانصار (كبير)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بعض صوفیہ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ قبضِ ارواح کبھی حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں، کبھی ملک الموت اور کبھی دوسرے فرشتے (رُسُل) اور یہ متوفی کے احوال کے تفاوت پر ہے۔

آیت نے اسے بھی صاف کر دیا کہ اختیار اُن ملائکۂ موت کا کچھ بھی نہیں، ان کا کام محض تعمیل احکام ہے، جس میں یہ قصور کرتے ہی نہیں، یہیں سے رد نکل آیا ان مشرک قوموں کا جو خود فرشتۂ موت (یم دوت) کو فاعل مختار و متصرف بالذات سمجھ کر اس کی پوجا کرتے رہتے ہیں۔

آیت منجملہ ان قرآنی دلائل کے ہے، جو عصمتِ ملائکہ پر ناطق ہیں۔

دلت هذه الآية على ثبوت عصمة الملئكة على الاطلاق (ابن جرير)

رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ۔ الی سے یہاں یہ مراد نہیں کہ یہ واپسی کسی خاص سمت یا مکان کی جانب ہوگی کہ حق تعالیٰ ہر مکان و جہت سے منزّہ ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ مراجعت اللہ کے حکم سے ہوگی۔

يجب ان يكون ذلك الرد مفسرا بكونه منقادا لحكم الله مطيعا لقضاء الله (كبير) اى الى حكمه وجزائه (روح)

ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ

پھر وہ (سب) واپس لائے جائیں گے اپنے مالکِ حقیقی کے پاس سُن رکھو کہ فیصلہ اسی کا ہوگا اور بہت ہی جلد حساب

الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ

لے گا ۹۵ آپ کہئے کہ تمھیں کون نجات دیتا ہے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے (اور) اُسے تم پکارتے رہتے ہو

تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾

عاجزی سے اور چپکے چپکے کہ اگر وہ ہمیں نجات دے دے اِن (مصیبتوں) سے تو ہم یقیناً شکرگزاروں میں (داخل) ہو کر رہیں ۹۶

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾

آپ کہہ دیجئے اللہ ہی تمھیں نجات دیتا ہے ان سے اور ہر غم سے، اس کے بعد بھی تم شرک کرنے لگتے ہو ۹۷

مولٰهم الحق. مالکِ حقیقی وہی اللہ ہے، اِس کا انکشاف اُس روز خاص و عام، کافر و مومن سب کو ہو کر رہے گا
ورنہ دنیا میں تو کیسے کیسے مالکانِ باطل انسان پر حکمراں رہتے ہیں۔

۹۵ اس میں بھی رد ہے ان مشرک قوموں کا جو سمجھتی تھیں کہ خدا کو بھی دنیوی محاسبوں کی طرح کسی
بڑے طویل و پیچیدہ حساب میں الجھنا ہوگا۔
الا له الحکم. یہاں یہ یاد دلا دیا کہ فیصلہ صرف حق تعالٰے کا حق ہے نہ کہ مسیحؑ یا کسی اور ”شریک قدرت“ کا۔
یومئذ لاحکم فیه لغیرہ (کشاف) ای له الحکم وحدہ یوم القیامة القضاء والفصل (قرطبی)

۹۶ آیت کا مفہوم ظاہر ہے ہجومِ مصائب کے وقت اور شدتِ اضطرار میں جب تمام مادی و دنیوی
سہاروں سے مایوسی ہو جاتی ہے تو فطرتِ بشری خود بخود حق تعالٰے کی جانب متوجہ ہوتی اور دعا و زاری کرنے لگتی ہے
سوال کر کے فطرتِ بشری کے اِسی احساسِ توحید کو بیدار کیا گیا ہے۔
ظُلُمٰتِ البرِّ والبحر سے مراد مطلق شدائد بھی لی گئی ہے۔
ای من شدائدهما استعیرت الظلمة للشدة (بیضاوی) مجاز عن مخاوفهما واهوالهما (کشاف کبیر)
امام رازیؒ نے فرمایا ہے کہ آیت میں مصیبت زدہ انسان کے لئے چار صفات کا اثبات ہے:۔
(۱) دعا (۲) تضرع (۳) اخلاصِ قلب (وهو المراد من قوله خفیة) اور (۴) التزام شکر۔
مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے خفی و جلی قلبی و لسانی ہر قسم کے ذکر کی مشروعیت پر دال ہے

۹۷ عام نفسِ بشری کی خباثت کا بیان ہے کہ مصیبت کے وقت تو کم ظرف انسان رونے
گڑگڑانے چلانے لگتا ہے اور اُدھر مصیبت ختم ہوئی کہ اِدھر پھر وہی اکڑ پیدا ہو جاتی ہے۔
ومن کل کرب. یعنی ایک اسی مصیبت کی کیا تخصیص ہے نجات جس غم سے بھی ملتی ہے نجات

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِکُمْ اَوْ مِنْ

آپ کہہ دیجئے کہ وہ (اس پر بھی) قادر ہے کہ تمہارے اوپر کوئی عذاب مسلط کردے تمہارے اوپر سے یا تمہارے

تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ

پیروں کے نیچے سے یا تمھیں گروہ گروہ کرکے بھڑا دے اور تمھیں ایک دوسرے کو لڑائی (کا مزہ) چکھا دے

اُنْظُرْ کَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾

آپ دیکھئے ہم کس کس طرح دلائل کو الٹ پھیر کر بیان کرتے ہیں شاید کہ وہ لوگ سمجھ جائیں ۹۸

دینے والا ہر حال میں وہی ہوتا ہے۔

۹۸ یہاں دنیوی مصائب کی تین عام و متعارف صورتوں کی طرف توجہ دلائی ہے ایک عذابا من فوقکم یعنی اوپر سے آنے والا عذاب، جیسے پتھر، آندھی، طوفان وغیرہ ایک تفسیر ظالم حاکموں سے بھی آئی ہے۔

یحمل ھذا اللفظ علی مجازہ قال ابن عباس عذابا من فوقکم ای من الامراء (کبیر) ای السلاطین الظلمۃ (معالم) من قبل اکابرکم وسلاطینکم (کشاف)

دوسرے من تحت ارجلکم یعنی نیچے سے آنے والا عذاب زلزلہ، سیلاب وغیرہ اس کی کھلی ہوئی مثالیں ہیں مجازاً سرکش رعایا نافرمان غلام بھی مراد لئے گئے ہیں۔

قال ابن عباس من العبید والسفلۃ (کبیر) من قبل سفلتکم وعبیدکم (کشاف)

یذیق بعضکم باس بعض تیسری قسم عذاب الٰہی کی یہ بیان ہوئی ہے کہ گروہ کو گروہ سے بھڑا دیا جائے اور انسان کا ملک الموت انسان کو بنا دیا جائے یہ عذاب دوسرے آسمانی اور زمینی عذابوں سے گھٹ کر نہیں کچھ بڑھ ہی کر ہے اس کا تجربہ دنیا کو ادھر چھ سات سال (یعنی ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء) سے خوب ہو چکا ہے اور آج بھی جنگ ختم ہو جانے کے سال بھر بعد (۱۹۴۶ء ۱۳۶۵ھ) بھی جاری ہے بلکہ اب تو تفسیر کی طبع ثانی کے وقت ۱۹۶۸ء میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ خطرہ مستقل ہو گیا ہے اور ایک نیا فتنہ سرد جنگ یا جنگ اعصاب کے نام سے نکل آیا ہے۔

ای یجعلکم فرقا یقاتل بعضکم بعضا (قرطبی) ای بالحرب والقتل فی الفتنۃ (قرطبی)

ھو القادر یعنی وہ کامل القدرت ہے اور تم کو خود بھی اس کا اقرار ہے۔

ای ھو الذی عرفتموہ قادرا وھو الکامل القدرۃ (کشاف)

مفسرین کے درمیان ایک سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ آیت میں جس عذاب تفرقہ کا ذکر ہے او یلبسکم شیعا ویذیق بعضکم باس بعض میں اس کا تعلق صرف کافروں سے ہے یا مومنوں سے بھی؟ تو اگرچہ کہنے والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ کافروں کے ساتھ مخصوص ہے۔

قیل ھی فی الکفار خاصۃ (قرطبی)

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۚ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾

اور آپ کی قوم نے اس کی تکذیب کی ہے درانحالیکہ وہ برحق ہے آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے اوپر کچھ داروغہ نہیں ہوں ۹۹

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ

ہر خبر (کے وقوع) کا ایک وقت معین ہے اور تمہیں معلوم ہی ہو کر رہے گا ۱۰۰ اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری

فِیْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِیْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۚ

نشانیوں کو مشغلہ بناتے ہوں ۱۰۱ تو ان سے کنارہ کش ہو جا یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں۔

لیکن محققین اسی طرف گئے ہیں کہ یہ مومنین کے بارہ میں بھی ہے اور یہ کافروں اور مومنوں کے لئے عام ہے۔

قال الحسن هي في اهل الصلاة (قرطبی) عن مجاهد الآية عامة في المسلمين والكفار (قرطبی)

امام قرطبیؒ (اندلسی) پانچویں صدی ہجری کے آدمی ہیں، فرماتے ہیں کہ یہی آخری قول صحیح ہے اور صحیح ہونا کیا معنی یہ تو مشاہدہ میں آچکا ہے، ہمارے ہی بھائی بند دشمن بن کر ہم پر مستولی ہوئے، آپس میں تلوار چلی، جانیں گئیں، مال لٹا، اور ایک نے دوسرے کی جان و مال کو حلال سمجھا۔ انا للہ۔

قلت وهو الصحيح فانه المشاهد في الوجود فقد لبسنا العدو في ديارنا واستولى على انفسنا واموالنا مع الفتنة المستولية علينا بقتل بعضنا بعضا واستباحة بعضنا اموال بعض۔ (قرطبی)

لعلهم يفقهون۔ یعنی ہم دلائل و شواہد کو اس لئے واضح کر رہے ہیں کہ اب بھی یہ نادان شرک و معصیت کی قباحتوں کو سمجھ جائیں۔

يريد بطلان ما هم عليه من الشرك والمعاصي۔ (قرطبی)

۹۹ (کہ عذاب کے واقع کر دینے پر قادر ہوں، میں تو اس کی تفصیلات تک کا علم نہیں رکھتا)

کذب به۔ ضمیر عذابِ الٰہی کی طرف ہے۔

اي بالعذاب (بیضاوی) يجوز ان يكون المراد منه عذاب الآخرة ويجوز ان يكون المراد منه استيلاء المسلمين على الكفار بالحروب والقتال والقهر في الدنيا (کبیر) الضمير راجع الى العذاب المذكور في الآية السابقة (کبیر)

وهو الحق۔ یعنی واقع ہو کر رہنے والا ہے۔

الواقع لا محالة (بیضاوی) اي لا بد ان ينزل بهم (کشاف۔ کبیر)

۱۰۰ (کہ عذاب آخر آیا)

اس عذاب سے عذابِ آخرت بھی مراد ہو سکتا ہے، اور عذاب دنیوی بھی جو قرآن کے مخاطبینِ اول، قریش پر شدید و ذلیل شکست کی صورت میں مسلط ہو کر رہا۔

يجوز ان يكون المراد منه عذاب الآخرة ويجوز ان يكون المراد منه استيلاء المسلمين على الكفار بالحروب

۶۸ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ

اور اگر شیطان تجھے بھلادے تو بعد یاد آجانے کے (ایسے) ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھ ۱۰۲

وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّلٰکِنْ ذِکْرٰی

اور جو لوگ بچتے رہتے ہیں ان پر ان کی باز پرس کا کوئی اثر نہیں پہنچے گا، البتہ (ان کے ذمہ بھی) نصیحت ہے شاید کہ

والقتال والقهر فی الدنیا۔ (کبیر)

سوف یہاں تاکید کے لئے ہے۔

سوف للتاکید (روح)

مستقر کے لفظی معنی تو ہیں جائے وقوع واستقرار کے لیکن یہاں مراد وقت وقوع واستقرار ہے بعض نے دونوں معنی جائز رکھے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ جس واقعہ کی خبر دیدیتا ہے وہ اپنے وقت و مقام پر ضرور ہی واقع ہو کر رہتا ہے۔

والمعنی ان لکل خبر یخبرہ اللہ تعالیٰ وقتا ومکانا یحصل فیه من غیر خلف ولا تاخیر (کبیر)

قال ابن عباس وغیر واحد لکل نبأ حقیقة ای لکل خبر وقوع ولو بعد حین (ابن کثیر)

ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ہر عمل اپنی ایک جزا ضرور رکھتا ہے۔

قیل ای لکل عمل جزاء (قرطبی)

۱۰۱ (تکذیب، طنز، استہزاء کے ساتھ)

بالتکذیب والاستهزاء بها والطعن فیها۔ (بیضاوی)

اذا رأیت۔ خطاب یہاں عام ناظرین قرآن سے ہے۔

ای اذا رأیت ایها السامع (کبیر)

الذین یخوضون فی اٰیٰتنا۔ آیات میں یہاں معجزات، دلائل، احکام سب آگئے لیکن بالخصوص قرآن مراد ہے۔

اٰیات اللہ وهی القراٰن (جصاص) یعنی فی القراٰن (معالم)

خوض کے لفظی معنی بیہودہ گوئی، بیکار حجت نکالنے کے ہیں۔

لفظ الخوض فی اللغة عبارة عن المفاوضة علی وجه العبث واللعب۔ (کبیر)

خوض پر حاشیہ ۵ میں گزر چکا (سورۃ النساء، آیت ۱۴۰ کے تحت میں)

۱۰۲ یہاں اہل ایمان کو صاف حکم مل رہا ہے کہ جو لوگ دین مذہبی احکام و مسائل کے ساتھ مضحکہ و تمسخر کرتے ہیں ان کے پاس اتنی دیر تک بیٹھنا اٹھنا جائز نہیں بلکہ ایسے لوگوں سے کنارہ کشی واجب ہے۔

هذا یدل علی ان علینا ترک مجالسة الملحدین وسائر الکفار عند اظهارهم الکفر والشرک وما لا یجوز علی اللہ تعالیٰ (جصاص) هذا دلیل علی ان مجالسة اهل المنکر لا تحل (ابن العربی)

پھر جن قوموں نے وقتی و ہنگامی طور پر نہیں، بلکہ اپنا مستقل شغلہ ہی احکام اسلامی کے ساتھ طنز و تمسخر

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٦٩﴾ وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّ

وہ بچے رہیں ١٠٢ اور ان لوگوں کو چھوڑ دیجئے جنھوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشہ بنا رکھا ہے اور انھیں دنیا کی

بنا رکھا ہے ان کی صحبتوں سے کنارہ کشی، ان کی مجلسوں سے علحدگی کس درجہ اہم و ضروری ہوگی! اور بے دینوں اور
غیر مذہب والوں سے بلا ضرورت خلا ملا اور بلا کسی مصلحت کے مجالست و مخالطت سب اس حکم ممانعت کے تحت میں آگیا۔

فلا تقعد۔ یہاں "بیٹھنے" کے لفظی معنی لے کر یہ مراد نہیں کہ کھڑے ہونے یا لیٹنے کی اجازت ہے، بلکہ قعود اپنے
وسیع معنی میں ہے یعنی صحبت کے مرادف، اور بے دینوں سے بلا ضرورت صحبت و اختلاط کی ہر صورت ناجائز ہے۔

اما ینسینک الشیطٰن۔ یعنی اگر خیال نہ رہے، کسی اور شغل میں پڑ کر ان لوگوں سے صحبت و ہم نشینی رہے،
محض سہو و نسیان سے شریعت نے جو مواخذہ اٹھا دیا ہے، اس کی ایک نظیر یہ آیت بھی ہے۔
یفید ان التکلیف ساقط عن الناسی (کبیر)

الظالمین سے مراد اہل کفر کا ہونا ظاہر اور متفقہ ہے۔

مع القوم الظالمین۔ فقہائے مفسرین نے یہاں سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ اہل کفر سے مجالست و مخالطت علی العموم
ممنوع ہے، خواہ وہ اپنے کو کسی نام یا لقب سے یاد کرتے ہوں، اور خواہ وہ اس خاص وقت میں اپنی شرارت و خباثت کا اظہار کر رہے ہوں یا نہیں
ذلک عموم فی النہی عن مجالسۃ سائر الظالمین من اہل الشرک واہل الملۃ لوقوع الاسم علیہم جمیعا سواء
کانوا مظہرین فی تلک الحال للظلم والقبائح او غیر مظہرین لہ لان النہی عام عن مجالسۃ الظالمین۔ (جصاص)

آیت کے تحت میں ایک بحث اس کی بھی چھڑ گئی ہے کہ نسیان و سہو کا اطلاق خصوصاً جبکہ وہ احکام تبلیغی
سے متعلق نہ ہو انبیاء کے لئے جائز ہے یا نہیں ہے؟ محدثین مفسرین اور عموماً فقہاء کا مذہب ہے کہ جائز ہے، اور
اس پر صریح و واضح دلائل حدیث سے قائم کئے گئے ہیں۔
وقد ورد فی الصحیح اسناد النسیان الی النبی صلعم فی حدیث لیلۃ القدر فنسیت "وھو فی صحیح مسلم
وفی روایۃ "فانسیتہا" وثبت فی الصحیحین و السنن سہو النبی صلعم فی الصلاۃ (المنار) قال الحافظ فی شرحہ
لہ من الفتح وفیہ دلیل علی وقوع السہو من الانبیاء فی الافعال وقال ابن دقیق العید وھو قول عامۃ
العلماء والنظار (المنار) وقال النووی فی شرحہ للحدیث فی صحیح مسلم ما نصہ فیہ دلیل علی جواز النسیان
علیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی احکام الشرع وھو مذھب جمہور العلماء وھو ظاھر القرآن والحدیث (المنار)

١٠٣ (اور اس کوشش کا اجر تو ان یاددہانی کرنے والوں کو مل ہی جائے گا)
مطلب یہ ہے کہ بعض جگہ مومنین کو بالکل علحدگی سے تعذر ہوگا، مثلاً آغازِ اسلام ہی میں کہ جب مومنین
مسجد کعبہ میں مصروفِ طواف و عبادت ہوتے اور وہیں مشرکین بھی اول فول بکتے ہوتے، یا آج بھی اسکولوں میں
بازاروں میں، دفتروں میں، ریل پر، جہاز پر، لاری پر، غرض کثرت سے مواقع مسلمانوں اور بے دینوں کے اجتماع کے
پیش آسکتے ہیں تو ایسے سب موقعوں کے لئے مسلمانوں کو سمجھا دیا ہے کہ ان بے دینوں کی بک جھک کا کوئی اثر تمھارے
نامۂ اعمال پر تو پڑے گا نہیں، اپنی بے ہودہ گوئی کے ذمہ دار تمام تر وہ خود ہی ہیں، تم اس سے ذرا نہ گھبراؤ، ضرورت

غَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا وَ ذَكِّرۡ بِهٖۤ اَنۡ تُبۡسَلَ نَفۡسٌ ۢبِمَا كَسَبَتۡ

زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۱۰۵ اور اس (قرآن) کے ذریعے سے سمجھاتا بھی رہ تاکہ کوئی شخص اپنے کئے کے بدلے پھنس نہ جائے

کے وقت تم ان کے ساتھ رہ سکتے ہو البتہ اتنا تم پر بھی واجب ہے کہ اپنے امکان و وسعت بھر انھیں تلقین و تبلیغ کرتے رہو، ممکن ہے وہ راہ راست پر آہی جائیں، اور نہ بھی آئیں جب بھی تمھارا اجر تو کہیں گیا نہیں ہے۔

من شیٔ میں من استغراق کے لئے ہے یعنی کچھ بھی اثر نہ پہنچے گا۔

من زائدۃ للاستغراق (روح)

الذین یتقون۔ یعنی وہ لوگ جو کفر، بے دینی، معاصی سے بچے ہوئے ہیں۔

من حسابھم۔ ضمیر مشرکین اور بے دینوں، القوم الظالمین، الذین یخوضون فی ایٰتنا کی طرف ہے۔

ولٰکن ذکریٰ۔ یعنی تبلیغ و تفہیم میں لگے رہو، اپنی حسبِ قدرت و استطاعت۔

ای یذکرونھم و یفھمونھم (کبیر عن ابن عباس) لکن علیھم ان یذکروھم و یمنعوھم عما ھم فیہ (روح) ولکن علیھم تذکرۃ لھم و موعظۃ (جلالین)

ذکریٰ لعلھم یتقون۔ کہ اس موعظت سے شاید کہ وہ لوگ بھی تمسخر سے باز آجائیں۔

والمعنی لعل ذٰلک الذکری یمنعھم من الخوض (کبیر)

۱۰۴ یعنی ایسے بے دینوں سے مجالست و مخالطت ترک کئے رہو، یہ مراد نہیں کہ ان پر تبلیغ و تلقین کرنا چھوڑ دو۔

ومعنی ذرھم اعرض عنھم ولیس المراد ان یترک انذارھم (کبیر) المراد ترک معاشرتھم و ملاطفتھم ولا یترک انذارھم و تخویفھم (کبیر) اعرض عنھم ولا تشغل قلبک بھم (کشاف)

اتخذوا دینھم لعبا و لھوا۔ ایسے کون لوگ ہیں جنھوں نے اسلام کو نہیں، خود اپنے دین کو لہو و لعب یا مشغلۂ تفریح بنا لیا ہے؟ دین کو بھلا کوئی قوم بھی مشغلۂ تفریح بنا سکتی ہے؟ — مفسرین کو اسی لئے یہاں دین کے متعین کرنے میں دقت پیش آئی ہے، حالانکہ ہندی مسلمان اپنے گرد و پیش جو کچھ دیکھ رہا ہے، اس کے بعد کوئی دشواری باقی نہیں رہتی، یہ ہولی جیسے تہوار کو محض ناچ اور رنگ، فحش گوئی و شراب نوشی کا جلسہ بنا لینا، یہ دیوالی جیسے تہوار کو جوئے اور روشنی کا مستقل تماشہ بنا لینا، یہ دسہرہ کی حیثیت محض ایک سوانگ اور ناٹک کی رکھ لینا، یہ "بڑے دن" (کرسمس) کے دن کو شراب نوشیوں اور بدمستیوں کے لئے وقف کر دینا، یہ "نوروز" کے شاہانہ جلسے یہ سب مثالیں اور نظیریں اگر دین کو لہو و لعب اور مشغلۂ تفریح بنا لینے کی نہیں تو اور کیا ہیں؟ — اللہ اپنی نعمتوں سے سرفراز کرے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو کیسی گہری اور نکتہ رسی کی بات فرما گئے ہیں۔

قال ابن عباس جعل اللہ لکل قوم عیدا یعظمونہ و یصلون فیہ و یعمرونہ بذکر اللہ تعالیٰ ثم ان الناس اکثرھم من المشرکین واھل الکتاب اتخذوا عیدھم لھوا و لعبا غیر المسلمین (کبیر)

عبرت کے ساتھ ہمارے اہلِ اعراس غور کریں کہ خود ان کے ہاں کے عرس اور میلے جو بدعات اور منکرات کے مجموعے ہوتے ہیں، کہیں اس وعید کے تحت میں تو نہیں آئے جاتے ہیں!

وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ

لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ

اس سے قبول

اللہ کے سوا کوئی اس کا نہ کارساز ہے نہ سفارشی اور اگر وہ (ممکن) معاوضہ بھی دے ڈالے جب بھی)

لَا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ

اور

نہ کیا جائے گا ۱۰۵ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے کرتوت کے بدلے پھنسے ہیں ان کے لئے پینے کو تیز گرم پانی ہوگا،

حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

عذاب دردناک ہوگا بہ عوض اس کفر کے جو یہ کرتے رہے تھے ۱۰۶ آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم (مسلمان) اللہ کے

مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ

سوا ایسے کو پکاریں جو نہ ہم کو نفع پہنچا سکے اور نہ ہم کو نقصان پہنچا سکے (اور کیا) ہم الٹے پاؤں واپس پھر جائیں بعد اس کے کہ ہم کو اللہ

ركوع ١٤

ملاحظہ ہو پ، سورۃ الاعراف کی آیت (۵۱) الذین اتخذوا دینہم لھوًا۔ الخ کا حاشیہ۔
غرتھم الحیوٰۃ الدنیا۔ اور دنیا سے اسی گہری فریب خوردگی ہی کا یہ اثر ہے کہ انھیں اپنے تمسخر کا انجام کچھ نظر نہیں آتا۔

۱۰۵ (دنیوی زندگی میں)
تشریع قانون مجازات و مکافات کی ہو رہی ہے۔
وذکر بہ۔ ضمیر قرآن کی جانب ہے۔

ای ذکر بالقرآن (کبیر)
ان تبسل نفس بما کسبت۔ آیت سے ایک تو اس حقیقت پر روشنی پڑی کہ سزا جس کسی کو جو کچھ بھی ملے گی، وہ اپنے ہی ہاتھوں کے کرتوت کی ہوگی، دوسرے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تبلیغ و تذکیر کا جو حکم ہے اس کی تہ میں جذبۂ شفقت علی الخلق ہی کام کر رہا ہے۔

ای مخافۃ ان تسلم الی الھلکۃ والعذاب (کشاف)

لھا۔ تعدل۔ منھا۔ یہ سب مونث ضمیریں نفس کے لئے ہیں۔
لیس لھا من دون اللہ ولیّ ولا شفیع۔ اس میں تردید ہے اُس عالمگیر مشرکانہ و نیم مشرکانہ عقیدہ کی کہ جزا کے وقت فلاں اوتار یا فلاں دیوتا یا خود کارسازی کے لئے اور بگڑی ہوئی کے بنانے کے لئے کافی ہو جائیں گے، اور یا ان کی سفارش و مداخلت کام کر جائے گی۔
لایوخذ منھا۔ جاہلی مذہبوں میں یہ عقیدہ بھی عام رہا ہے کہ معاوضے اور فدیے دوسرے عالم میں بھی کام آجائیں گے۔
۱۰۶ یہ بیان ہو رہا ہے ان بدکرداروں بے دینوں کے انجام بد کے ظہور تام کا، جو آخرت میں واقع ہوگا۔

كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ

ہدایت دے چکا ہے جیسے کوئی شخص ہو کہ اسے شیطانوں نے (کہیں) زمین پر بے راہ کردیا ہو اور وہ بھٹکتا پھرتا ہو، اس کے

يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ

ساتھی ہوں کہ وہ اس کو ہدایت کی جانب بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آ (جا) آپ کہہ دیجیے کہ راہ تو بس اللہ کی (بتائی ہوئی)

وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۷۱ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۭ

راہ ہے اور ہم کو حکم ہوا ہے کہ (سارے) جہانوں کے پروردگار کے پورے مطیع ہو جائیں فـ۱۰۹ اور یہ کہ نماز کے پابند رہو اور اس سے ڈرتے رہو

بما کانوا یکفرون۔ اوپر جس طنز و تمسخر کا ذکر ہوا، وہ بھی اسی کفر کی ایک شاخ ہے ــــ عذاب جب کبھی اور جس کسی پر بھی ہوگا، بہ طور سزا ہی ہوگا، فضل و رحمت کا یہ قانون نہیں، فضل بالکل بلا معاوضہ اور خود بخود بھی ہو سکتا ہے۔

فـ۱۰۷ مقصود عقیدۂ شرک کی حماقت و سفاہت دکھانا ہے۔

قل۔ خطاب پیمبر سے ہے کہ آپ جملہ مومنین کی طرف سے مشرکین سے یہ کہیے۔

اندعوا۔ کیا ہم بھی پکاریں جیسے تم پکارتے ہو، اور جیسا کہ تم ہم سے چاہتے ہو۔

نرد۔۔۔۔ اللہ۔ شرک یوں ہی ایک تمام تر احمقانہ و سفیہانہ عقیدہ تھا، چہ جائیکہ اسلام کی روشنی پا جانے کے بعد پھر اسی کو اختیار کرنا۔

مشرکین نے مسلمانوں سے کہنا شروع کیا تھا، کہ تم اپنے قدیم اور آبائی دین کو چھوڑ کر کہاں اس نئے شخص محمد نامی کی دعوت پر بہک گئے، اب بھی واپس آ جاؤ، اور اپنے قومی و ملی دین کی تقویت کا باعث بنو، مسلمانوں کو تعلیم اسی جواب کی مل رہی ہے کہ کیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ ہم اسی طریق کی طرف واپس آ جائیں جسے دین کہنا ہی دین کی توہین ہے؟ یعنی جن میں کچھ بھی قدرت نہیں ہے انھیں قادر مطلق کی جگہ پر رکھ لیں؟ اور پھر وہ بھی اسلام کے بتائے اور دکھائے ہوئے حقائق کا مزہ چکھ چکنے کے بعد!

فـ۱۰۸ (مگر وہ ہکا بکا ہو کر کچھ سنتا سمجھتا نہ ہو)

تمثیل کے اس دوسرے جزو کا مطلب یہ ہوا کہ کیا تمہاری مرضی یہ ہے کہ ہم اپنی ایسی حالت بنا لیں کہ جس طرح ایک راہ گیر جنگل میں غول بیابانی کے ہاتھوں گرفتار ہو کر راہ اور رفیقانِ راہ سے جدا ہو گیا، اور اس کے رفیق اسے آواز پر آواز دیئے جا رہے ہیں اور وہ ہے کہ مخبوط و سرگرداں کچھ بھی سنتا سمجھتا نہیں، اسی طرح ہم گمراہوں کے پیچھے پڑ کر جادۂ حقیقت سے جدا ہو جائیں اور ہمارے ہادی اور پرانے رفیق پھر بھی خیر خواہی سے دعوتِ اسلام کیے جائیں، اور ہم گمراہی کو نہ چھوڑیں؟

فـ۱۰۹ (اور اس خداوند کائنات کے مکمل ہر جہتی ہمہ گیر و دائمی قانون کے پورے فرماں بردار ہو جائیں)

لنسلم لرب العلمین۔ رب العلمین کے لفظ میں یہ اشارہ آ گیا کہ دعوت ایسے قانون کی اطاعت کی دی جا رہی ہے جو کسی ملک، قوم، نسل، قبیلہ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ جس میں رعایتیں ساری دنیا کے انسانوں، حیوانوں، جملہ مخلوقات کی رکھی گئی ہیں۔

لنسلم میں ل تعلیل کا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ

اور وہ وہی ہے جس کے پاس تم (سب) جمع کئے جاؤ گے ۱۱۰ اور وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا

وَیَوْمَ یَقُوْلُ کُنْ فَیَكُوْنُ ۬ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ؕ

مقصد کے ساتھ، اور جس روز وہ کہے گا کہ ہو جا، بس وہ ہو جائے گا ۱۱۱ اسی کا قول با اثر ہے اور اسی کی حکومت ہوگی اس روز جب صور پھونکا جائے گا

ھی تعلیل للامر بمعنی امرنا وقیل لنا اسلموا لاجل ان نسلم (کشاف)

دوسری ترکیب یہ بھی جائز ہے کہ ل کو ان کا مرادف قرار دیا جائے عربی محاورہ میں دوسری ترکیبوں کے ساتھ یہ ترکیب بھی درست ہے

والعرب تقول امرتك لتفعل وان تفعل وبان تفعل (معالم)

ای ان نسلم

ان ھدی اللہ ھو الھدی۔ اس میں بتا دیا کہ جس راہ پر راہ کا اطلاق ہو سکے وہ تو بس وہی ہے جو

خداوند عالم کی بتائی ہوئی ہے، نہ کہ وہ جو محدود نظر رکھنے والے بندوں کی عقل یا جذبات کی سجھائی ہوئی ہے۔

ھو الھدی یعنی ھو الھدی الکامل النافع الشریف کما اذا قلت علم زید ھو العلم وملك عمرو ھو الملك (کبیر)

۱۱۰ (نہ کہ کسی دیوی دیوتا، پیر پیغمبر، جن و ملک کے حضور میں۔)

جملہ کی ترکیب حصر پر دلالت کر رہی ہے، یعنی حشر اسی کے حضور میں ہوگا نہ کہ کسی اور کے۔

وتقدیم المعمول لافادۃ الحصر مع رعایۃ الفواصل ای الیہ سبحانہ لا الی غیرہ تحشرون (روح)

ان یہاں باں کے معنی میں ہے اور جملہ کا عطف نسلم پر ہے۔

ان ای بان (جلالین) ای امرنا بالایمان واقامۃ الصلوۃ (روح)

حکم اقیموا الصلوۃ نیابت کر رہا ہے تمام ظاہری عبادتوں کی اور حکم اتقوہ ہر باطنی اصلاح کی واتقوہ میں

ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔

ای الرب فی مخالفۃ امرہ سبحانہ (روح)

۱۱۱ اشارہ حشر کی جانب ہے، جس وقت وہ حشر کو واقع ہو جانے کا حکم دے گا، وہ واقع ہو جائے گا یہ شبہ

محض عامیانہ ہے کہ کوئی شے جب ابھی سرے سے موجود ہی نہیں تو اسے حکم کیسے دیا جا سکے گا؟ — اول تو

اُس عالم کی وسعتوں اور پہنائیوں کو اس عالمِ آب و گِل کی قیدوں اور حد بندیوں پر قیاس کرنا خود سر تا سر جہل ہے

پھر حکم کا مخاطب بنانے کے لئے کسی شے کا وجود خارجی اس عالم میں بھی کب ضروری ہے اپنے ہر معدود ذہنی کو حکم دیتے

رہنا، مخاطب کرتے رہنا ہم میں سے ہر ایک کا آئے دن کا تجربہ ہے۔

التقدیر خلق یوم یقول کن فیکون والمراد من ھذا الیوم یوم القیامۃ (کبیر)

یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ واقعۃً کوئی حکم و خطاب نہ ہوگا، بلکہ فقرہ سے مقصود صرف اظہارِ قدرت و نفاذِ مشیت ہے

المراد منہ التنبیہ علی نفاذ قدرتہ ومشیتہ فی تکوین الکائنات وایجاد الموجودات (کبیر)

ھو الذی خلق السمٰوٰت والارض۔ وہ کوئی ناقص العلم، ناقص القدرۃ، ناقص القویٰ دیوی

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ

وہ غیب اور ظاہر (دونوں) کا علم رکھنے والا ہے اور وہ حکمت والا ہے خبر رکھنے والا ہے [۱۱۳]۔ اور (وہ وقت یاد کرو) جب

اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾

ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تم بتوں کو معبود قرار دیتے ہو؟ بیشک میں تو تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں (مبتلا) دیکھتا ہوں [۱۱۴]

دیوتا نہیں، ساری موجودات کا خالق، سب کو نیست سے ہست کرنے والا ہے، مخلوقات کے سارے مصالح کی رعایت اس کے سوا اور کرہی کون سکتا ہے؟ زمین و آسمان کا نام لے دینے سے مراد سارے سفلیات و علویات ہوتے ہیں۔

وعدم التصریح بذلک لظہور اشتمالہما علی جمیع العلویات والسفلیات (روح)

بالحق۔ یہ ساری تخلیق یوں ہی بغیر کسی غرض و مقصد کے نہیں ہوگئی ہے، بڑی بڑی گہری حکمتیں اور مصلحتیں اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔

ای قائما بالحق والحکمۃ (کشاف) ای بالعدل (ابن کثیر)

بالحق کو للحق کے معنی میں بھی لیا گیا ہے اور ب کو ل کا مرادف قرار دیا گیا ہے اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اس کی یہ کاریگری اور صناعی اس کی عظمت و حکمت و وحدانیت پر دلیل کا کام دینے کی غرض سے ہے

قیل الباء بمعنی اللام ای اظہارا للحق لانہ جعل صنعہ دلیلا علی وحدانیتہ (معالم)

۱۱۲ ذکر قیامت کا ہو رہا ہے، صفت حکمت کے تقاضہ سے وہ جزا ہر ایک کو بالکل مناسب و قرین مصلحت ہی دے گا اور صفت خبیریت کے لحاظ سے کسی امر کا انکار اس سے ممکن نہیں۔

عالم الغیب والشہادۃ۔ اُس کا قانون مجازات ظاہر و باطن اعلانیہ و مخفی سب پر یکساں جاری ہوگا

قولہ الحق۔ اس کا قول نہ خالی جا سکتا ہے نہ کسی کے ٹالے ٹل سکتا ہے۔

ای الصدق الواقع لامحالۃ یرید ان ما وعدہ حق کائن (معالم)

یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ اس کے قول کن فیکون سے جو کچھ بھی ہوتا ہے عین حکمت و صواب ہی ہوتا ہے۔

ای لایکون شیئا من السماوات والارض وسائر المکونات الاعن حکمۃ وصواب (کشاف)

ولہ الملک یوم ینفخ فی الصور۔ قیامت کے دن جو کشف حقائق کا دن ہوگا، اس کی حکومت ظاہرا اور علانیہ بھی سب کو ایسی ہی نظر آنے لگے گی جیسی وہ حقیقۃً اس وقت بھی ہے لہ الملک اپنی ترکیب کے لحاظ سے کلمۂ حصر ہے یعنی حکومت صرف اُسی کی ہوگی اور کسی کی نہیں اس میں بھی رد آگیا ان مشرک و نیم مشرک قوموں کا جو حشر میں اللہ تعالٰی کی فرماں روائی میں دوسروں کو بھی شریک سمجھتی ہیں۔

والامر للہ فی کل وقت ولکن لا امر فی ذلک الیوم لاحد مع امر اللہ (معالم)

۱۱۳ حضرت ابراہیمؑ پر حاشیے پہلے گزر چکے آپ ایک بت پرست و ستارہ پرست قوم کے درمیان اپنے آبائی ملک بابل یا کلدان (موجودہ عراق) میں بہ حیثیت مبلغ توحید دعوت اسلام و توحید سب سے پہلے اپنے

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ

اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو دکھادی آسمانوں اور زمین کی حکومت تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے

الْمُوْقِنِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ

ہو جائیں ۱۱۴ تو یوں ہوا کہ جب رات ابراہیم پر چھاگئی انھوں نے ایک تارے کو دیکھا، بولے یہی میرا پروردگار ہے

پیش کرتے ہیں۔

خاندان ہی کے رکن اعظم یعنی اپنے والد کے سامنے

آزر عربی توریت میں اس نام کا املا تارخ ملتا ہے اور انگریزی میں تیرا (TERAH) اور تالمود میں زارہ۔ جو لوگ علم اللسان کے مبادی سے بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک ہی نام مختلف زبانوں میں جاجا کر کیسے کیسے عجیب تلفظ اختیار کر لیتا ہے۔ فلسطین کے قدیم مسیحی مورخ یوسیبیس (۲۶۴ئ تا ۳۴۹ئ) کے ہاں "آتر" یا "اتھر" آیا ہے ان دونوں تلفظوں کی مشابہت و مماثلت آزر سے بالکل ظاہر ہے اور آزر و زارہ بھی اگر ایک ہی مادہ سے مشتق ہوں تو کچھ بعید نہیں، اور مفردات میں تو حضرت ابراہیمؑ کے ذکر میں صاف لکھا ہے:

قیل کان اسم ابیہ تارخ فعرب فجعل آزر (راغب)

ایک فرقہ اپنے مخصوص عقائد کے تحفظ کی خاطر شروع سے کہتا آرہا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم خلیلؑ کے والد کا نہیں بلکہ چچا کا نام تھا، اور نو پیدا فرقے والے بھی یہی کہہ رہے ہیں، لیکن ان میں سے کسی کے پاس بھی دلیل کی قسم کی کوئی چیز نہیں، رہے محض احتمالات و امکانات تو یہ تو ہر قطعی سے قطعی مسئلہ میں بھی پیدا کئے جا سکتے ہیں، اب کو اس کے کھلے ہوئے ظاہر معنی سے ہٹا کر مجازی استعمال کی طرف لے جانے کے لئے آخر کوئی معقول وجہ بھی تو ہو۔

اتتخذ اصناما الھۃ۔ تارخ (آزر) کی بت پرستی کا ذکر موجودہ توریت میں بھی ملتا ہے:۔

"خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تمھارے باپ دادے تارخ ابراہام کا باپ اور نحور کا باپ قدیم زمانہ میں نہر کے پار رہتے تھے، اور غیر معبودوں کی بندگی کرتے تھے"۔ (یشوع ۲۴: ۲)

اور یہود کی مستند کتاب جیوش انسائیکلوپیڈیا میں اتنا اور بھی ہے:۔

"وہ علاوہ بت پرست ہونے کے بت ساز اور بت فروش بھی تھا"۔ (جلد ۱۲ صـــ۱۰۷)

توریت میں یہ تصریحات بھی ہیں کہ اس کی اولاد میں علاوہ حضرت ابراہیمؑ کے دو لڑکے اور بھی تھے، نحور اور حاران نیز یہ کہ اس کی وفات شام کے شہر حران میں ۲۰۵ سال کی عمر میں ہوئی، توریت ہی میں یہ بھی ہے کہ تارخ کی عمر ۷۰ سال کی تھی جب حضرت ابراہیمؑ کی پیدائش ہوئی، اور حضرت کی پیدائش جدید ترین تخمینہ کے مطابق ۲۱۶۰ئ ق،م کی ہے آزر کا زمانہ اس حساب سے ۲۲۳۰ئ ق،م تا ۲۰۲۵ئ ق،م ٹھہرتا ہے۔

اسرائیلی نوشتوں میں یہ روایتیں بھی ملتی ہیں کہ آزر بادشاہ نمرود کی فوج کا ایک اعلیٰ افسر تھا جو جنگ کے وقت بادشاہ کے ساتھ ہی رہتا تھا، اور بادشاہ سے یہ مخبری اسی بنا پر کی تھی کہ ابراہیمؑ بتوں کو برا بھلا کہتے ہیں اور اسی الزام پر آپ کو آگ میں ڈالا گیا تھا۔ عرب مورخ ابن حبیب نے عمر ۲۵۰ سال لکھی ہے (کتاب المحبر صـــ۴)

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ

لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو بولے میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا ۱۱۴ پھر جب چاند کو دیکھا چمکتے ہوئے تو بولے یہی میرا پروردگار ہے

مرشد تھانوی رح نے فرمایا کہ مشغولی مع الحق اور مناظرہ اہلِ باطل میں کوئی تنافی نہیں بشرطیکہ حد سے تجاوز نہ ہو۔

۱۱۴ (چنانچہ اب وہ موحدِ کامل ہونے کے علاوہ خدمتِ تبلیغ پر بھی مامور تھے، اور اپنی قوم کو شرک سے توحید کی طرف بلا رہے اور لا رہے تھے)

لیکون من الموقنین۔ یعنی زمین و آسمان پر حق تعالیٰ کی حکومتِ قاہرہ کے مشاہدہ سے ان کے دل پر توحید کا نقشِ کامل بیٹھ گیا، اور ازدیادِ معرفت نے انھیں مرتبۂ ایقان تک پہونچا دیا۔

یستدل بھا لیکون من الموقنین (کبیر) انا اریناہ ھذہ الایات لیراھا ولاجل ان یکون من الموقنین (کبیر) الیقین عبارۃ عن علم یحصل بعد زوال الشبھۃ بسبب التأمل (کبیر) لیکون من الموقنین اشارۃ الی درجات انوار التجلی وشروق شمس المعرفۃ والتوحید (کبیر)

کذٰلك۔ یعنی جس طرح ہم نے ان پر ان کی قوم اور ان کے والد کی گمراہی روشن کر دی تھی۔

ای کما اریناہ اضلال ابیہ وقومہ (جلالین) المعنی ومثل ما اریناہ من قبح عبادۃ الاصنام نریہ ملکوت السماوات والارض (کبیر) ای کما اریتہ البصیرۃ فی دینہ والحق فی خلاف قومہ (معالم)

ملکوت۔ یعنی حکومتِ آسمانی کا کرشمہ۔ ملکوت اس ملک کے لئے مخصوص ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کا ہو۔

الملکوت مختص بملك اللہ تعالیٰ۔ (راغب)

ملکوت السماوات والارض۔ مراد یہ ہے کہ اپنی ربوبیت و مالکیت کے طریقے ہم نے ان کے دل میں اتار دیئے

ای آیات السماوات والارض (ابن جریر عن مجاھد) یعنی الربوبیۃ والالھیۃ وھدیناہ بطریق الاستدلال (کشاف) ای ربوبیتہ تعالیٰ ومالکیتہ لھما (روح)

ملکوت کی اضافت کی قدر، علاوہ ارض کے سماوات کی طرف ہونے کی اس وقت بہت بڑھ جاتی، اور معنویت سے لبریز ہو جاتی ہے، جب یہ یاد کر لیا جائے کہ اہل بابل (کلدان) محض بت پرستی کے زمینی شرک میں نہیں بلکہ ستارہ پرستی کے آسمانی شرک میں بھی مبتلا تھے۔

نُرِیْ۔ یہ اراءۃ کس طرح کی تھی؟ مادی آنکھوں سے یا چشمِ ہوش سے؟ دیدۂ بصارت سے یا دیدۂ بصیرت سے؟ محققین کا قول ہے کہ بصارتِ حسی سے نہیں بلکہ بصیرتِ عقلی سے۔

تلك الاراءۃ کانت اراءۃ بحسب بصیرۃ العقل لا بحسب البصر الظاھر (کبیر) نری ابراھیم ملکوت السموات والارض اشارۃ الی مراتب الدلائل والبینات (کبیر) ای نبین لہ وجہ الدلالۃ فی نظرہ الی خلقھما علی وحدانیۃ اللہ عزوجل فی ملکہ وخلقہ (ابن کثیر) ای نری بصیرتہ لطائف خلق السموات والارض (مدارك)

لیکن اگر کوئی دوسرا پہلو اختیار کرنا چاہے تو لفظِ قرآنی کے اندر گنجائش اس کے لئے بھی موجود ہے۔

۱۱۵ (اور نہ ایسوں کی الوہیت و معبودیت کا قائل ہو سکتا ہوں)

فلما یہ سارا مکالمہ جو آگے نقل ہو رہا ہے ہرگز ضروری نہیں کہ سب ایک ہی وقت میں ہوا ہو، بلکہ سورج کا اجتماع چاند اور ستاروں کے ساتھ ایک وقت میں ہو سکتا بھی کیونکر ہے یقیناً اس کے مختلف اجزاء مختلف ہی اوقات میں واقع ہوئے ہوں گے۔ فلما آیت ماسبق کی محض تفصیل و تشریح کے لئے ہے۔

جن علیه اللیل۔ یہ کسی موقع پر کسی رات ہی میں ہوا ہوگا۔

راکوکبا۔ حضرت ابراہیم کے ملک و قوم کی ستارہ پرستی و آفتاب پرستی کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی انگریزی تفسیر۔

کوکبا۔ لفظی معنی کے اعتبار سے کوئی بھی ستارہ مراد ہو سکتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ کوئی خاص طور پر اہم روشن ہی ستارہ ہوگا، موجودہ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ قدیم جاہلی قوموں میں سب سے زیادہ زوروں سے پرستش ان دو ستاروں مشتری (JUPITOR) اور زہرہ (VENUS) کی رہی ہے، ادھر ہمارے مفسرین کی صفائی قلب کا اثر دیکھئے کہ ان کے قلم سے بھی بالعموم انھیں دونوں ستاروں کے نام نکلے ہیں:۔

والمراد الکوکب الزهرة قاله ابن عباس وقتادة (مجد) او المشتری قاله مجاهد والسدی (مجد) عن قتادة انه قال ذکر لنا انه الزهرة (روح) بالکوکب فی ما روی عن ابن عباس المشتری (روح)

قال هذا ربی۔ آپ نے یہ اپنی ستارہ پرست قوم کو دکھا کر اور سنا کر ان پر حجت الزامی قائم کرنے کے لئے کہا۔ مخالف پر حجت الزامی قائم کرنا تبلیغ و مناظرہ علمی کے معمولات میں سے ہے بلکہ عام گفتگو میں دستور ہے کہ دوسرے کے خیال کو اپنی زبان سے بجنسہ دہرا دیتے ہیں اور سیاق و لہجہ سے ہمیشہ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مخاطب کا قول و خیال نقل ہو رہا ہے بغیر اس کے کہ متکلم اس کی تصریح کرے، اردو، عربی، فارسی، انگریزی ہر زبان میں یہ اسلوب بیان عام ہے خود قرآن مجید ہی میں ایک جگہ قیامت کے بیان میں ہے این شرکائی اللہ تعالے کہے گا کہ آج میرے شریک کہاں ہیں؟ اس کا مطلب بالکل واضح و ظاہر ہے کہ وہ کہاں ہیں جو تمہارے زعم و پندار میں میرے شریک تھے یہ مطلب کوئی احمق بھی نہیں لیتا کہ حق تعالے خود اپنے شریکوں کا وجود تسلیم کر کے انھیں بلا رہے ہیں۔

بیبین ان یستدرجهم بهذا القول ویعرفهم خطأهم وجهلهم فی تعظیمهم شان النجوم و قضائهم علی الامور (ابن قتیبه) ماجری بینه وبین قومه کان احتجاجا ولا اعتقادا (ابن العربی) تاول بعضهم ذلك علی اضمار القول وکثیرا ما یضمر تقدیره قال یقولون هذا ربی علی حکایة قولهم وتوبیخ فسادهم مما یظهر علیه من سمات الحدث ولا یحتاج هذا الی الاضمار بل یصح ان یکون هذا القول قال الزجاج الجواب عندی انه قال هذا ربی علی قولکم ونظیر تعالی این شرکائی ای علی زعمکم (مجد) المقصود منه حکایة قول الخصم ثم ذکر عقیبه ما یبطل مثل هذا قوله تعالی این شرکائی والمعنی این شرکائی علی قولکم (قرطبی) فساده معناه هذا الٰهی فی زعمکم واعتقادکم ونظیره قال تعالی وانظر الی الهك الذی ظلت علیه عاکفا۔ (کبیر)

لا احب الافلین۔ آپ نفی ان کی محبوبیت محض کی نہیں، محبوبیت عبودیت کی کر رہے ہیں آپ فرما رہے ہیں کہ جو ہستیاں خود ہی غیر ثابت اور تغیر پذیر ہیں ان کے لئے میرے دل میں کوئی جگہ عزت و وقعت کی کیسے ہو سکتی ہے؟ عدم محبت سیاق عبارت میں صاف عدم معبودیت کے مرادف ہے۔

لا احب عبادة ... بعدم المحبة عدم العبادة لانه یلزم من نفیها نفیها بالطریق الاولی (روح)

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ

لیکن جب وہ (بھی) غروب ہو گیا تو بولے کہ اگر میرا پروردگار مجھے ہدایت نہ کرتا رہے تو میں بھی گمراہ لوگوں میں سے

الضَّآلِّيْنَ ﴿٧٧﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ

ہو جاؤں ۱۱۶ پھر جب سورج کو چمکتے ہوئے دیکھا تو بولے یہی میرا پروردگار ہے، یہی سب سے بڑا ہے،

اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿٧٨﴾

لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو بولے اے لوگو میں اس شرک سے بری (اور بیزار) ہوں جو تم کیا کرتے ہو ۱۱۷

الارباب المتغيرين عن حال الى حال (کشاف)

سرآمدِ موحدین حضرت ابراہیمؑ کا یہ استدلال کہ جو تاثر پذیر ہے وہ کسی کا محکوم و مسخر ہے، اور اس قابل کب ہے کہ خدا مانا جائے، ظاہر ہے کہ خود اپنے لئے نہ تھا بلکہ اپنی مشرک ہم قوموں کو قائل کرنے کے لئے تھا۔

۱۱۶ (لیکن اس کی ہدایت تو اول روز سے میرے شامل حال ہے، اور اسی لئے میں توحید پر قائم ہوں) چاند کی عدم معبودیت پر تقریر ضروری نہیں کہ آپؑ نے اسی وقت کی ہو، ہو سکتا ہے کہ اس تارہ والی تقریر سے الگ یہ تقریر کسی اور موقع پر کی ہو۔

ھذا ربی۔ تارہ پرستی کی طرح قمر پرستی بھی مشرک اور جاہلی قوموں میں بہت عام رہی ہے، اور اہلِ بابل بھی اس کا شکار تھے تقدیر کلام اَھٰذا ربی بھی سمجھی گئی ہے یعنی بجائے خبر کے صیغۂ استفہام (عکبری)

لئن لم یھدنی۔ انبیاءؑ کبار تک اپنے کسی کمال کو اپنی جانب منسوب نہیں کرتے، بلکہ اسے تمام تر عطیۂ الٰہی سمجھتے اور کہتے ہیں، اور خلیل اللہؑ کا یہ قول تو تمام تر ان کی عبودیت اور کمالِ ادب کا مظہر ہے کہ اپنے کمال کی نسبت اپنی جانب ذرا نہیں کرتے، بلکہ اللہ ہی کے فضل سے اسے منسوب کر دیتے ہیں۔

ھذا یدل علی انحصار الخیر بید اللہ بیان ذلک انہ یقول لئن لم یھدنی ربی فاضل (مشکل)

۱۱۷ میں اس شرک میں شریک کیا ہوتا، الٹا اس سے بری اور بیزار ہوں۔

مما تشرکون۔ "جو شرک تم کیا کرتے ہو" یہ ارشاد نہیں ہوا کہ جس شرک میں میں اب تک مبتلا تھا، بحمد اللہ اب اس سے نکل آیا، بلکہ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ جس شرک میں تم لوگ میری قوم والو! مبتلا ہو، میں اس سے بری و بیزار ہوں۔

ھذا ربی ھذا اکبر۔ سورج دیوتا کی پوجا دنیا میں ہمیشہ بڑی دھوم دھام سے بڑے زوروں پر ہوا کی ہے، اور اہل کلدانیہ شمس پرستی میں امتیازِ خاص رکھتے تھے۔

ھذا ربی۔ تینوں موقعوں پر حضرت ابراہیم خلیلؑ کی زبان سے مشرکوں کی ترجمانی رب سے کرائی گئی ہے۔ اللہ یا اور کوئی لفظ وارد نہیں ہوا ہے، جاہلی قوموں کو سب سے زیادہ ٹھوکر صفتِ ربوبیت ہی میں لگی ہے اور یہی دھوکا آج تک چلا آرہا ہے سورج دیوتا یا زہرہ یا مشتری کو خالق کوئی بھی نہیں مانتا، مشرک بس یہی کہتے ہیں کہ

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ

یقیناً میں نے اپنا رخ یکسو ہو کر اس کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں

الْمُشْرِكِينَ ﴿۷۹﴾ وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ ۚ قَالَ أَتُحَاجُّونِّي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ

ہوں ۱۰ اور ان کی قوم ان سے جھگڑنے لگی، وہ بولے کہ کیا تم مجھ سے اللہ کے باب میں جھگڑتے ہو؟ درانحالیکہ وہ مجھے ہدایت کر چکا ہے ۱۱

ہماری عمر وزیں ان سے وابستہ ہیں، ہماری دعائیں یہی سنتے ہیں، ہماری آرزوئیں یہی پوری کرتے ہیں، ہماری زندگی و موت ہماری خوشحالی و بدحالی، ہماری صحت و بیماری سب انھیں کی مرضی سے وابستہ ہے، وقس علی ہذا ــــ رب کا لفظ معنویت سے لبریز ہے۔ ہماری خوشحالی و بدحالی ہماری صحت و بیماری اب ہو رہی ہے۔

۱۰ شرک بلکہ شائبۂ شرک سے مزید تبری اب ہو رہی ہے۔

وجهت وجهی۔ توجیہ وجہ یا رخ کے یکسو کرنے سے مراد طاعت ہے نہ کہ اس کے لفظی معنی۔

توجیه الوجه الیه کنایة عن الطاعة (کبیر) ای لعبادته ورضاه۔ (عکبری)

للذی۔ عام قاعدہ کا مقتضا تھا کہ یہاں الی الذی ہوتا، لیکن الی سے معنی سمت و جہت اور مادی مرکزیت کے پیدا ہوتے ہیں، اور حق تعالیٰ جسمیت اور جہت سے ماوراء و منزہ ہے اس لئے بجائے الی کے حرف ل لایا گیا۔

ترك كلمة الی هنا والاكتفاء بحرف اللام دلیل ظاهر علی كون المعبود متعالیا عن الحیز والجهة (كبیر)

فطر۔ یعنی انھیں عدم سے وجود میں لایا۔

ومعنی فطر اخرجهما الی الوجود (كبیر)

حنیفا۔ حنیف وہ ہے جو اور ہر معبود سے یکسو ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف جھک جائے، اور ہر گمراہی سے کٹ کر سیدھی راہ پر آ رہے۔

الحنف هو میل عن الضلال الی الاستقامة (راغب) والحنیف صفة من الحنف وهو المیل عن الضلال والعوج الی الاستقامة (المنار)

للذی فطر السمٰوٰت والارض۔ یہ گویا حضرت ابراہیمؑ اپنے دعوی پر دلیل بھی ساتھ ساتھ پیش کرتے جاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں تو اس خدا کا قائل ہوں جو تمھارے خودساختہ زمینی و آسمانی خداؤں اور دیوتاؤں کا خالق ہے، سارے مکالمہ میں آپؑ کوئی ایسی بات نہیں فرماتے، جس سے معلوم ہو کہ آپؑ پہلے کبھی مشرک تھے، اور اب پہلی بار مسلم و موحد ہوئے ہیں، دینِ ابراہیمی سے قبل عراق میں جو صورت شرک و بت پرستی کی رائج تھی، اس کی تفصیلی معلومات شیخ رشید رضا کی تفسیر المنار میں ملیں گی۔

۱۱ حضرت ابراہیمؑ کے اس مقولہ کو حیرت و استعجاب کے لہجہ میں پڑھا جائے جب مفہوم پوری طرح واضح ہوگا، آپؑ گویا یہ فرما رہے ہیں کہ اللہ کی شان! تم مجھ سے بحث و جدال کے لئے توحید کے مسئلہ میں چلے ہو جو میرے اوپر بالکل کھل چکا ہے اور مجھے ہدایت علم الیقین کیا معنی عین الیقین کے ساتھ مل چکی ہے!

حاجه قومه۔ بجائے اس کے قوم ابراہیمؑ حضرت کی صاف، سیدھی فطری تعلیم کو مان لیتی، الٹی آپ کے

وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْئًا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ

میں ان سے نہیں ڈرتا جنھیں تم (اللہ کا) شریک ٹھہرا رہے ہو ہاں البتہ اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے، میرا پروردگار

كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ

ہر چیز کو علم سے گھیرے ہوئے ہے، تو کیا تم خیال نہیں کرتے؟ ۱۲۰ اور میں اس سے کیوں ڈرنے لگا جس کو تم نے شریک

وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ

ٹھہرا رکھا ہے درانحالیکہ تم تو اس سے ڈرتے نہیں کہ تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا لیا ہے جن کے باب میں اس نے تم پر کوئی بھی دلیل نہیں اتاری ہے

سر ہوگئی، اور طرح طرح کی کج بحثیاں کرنے لگی، جیسا کہ ہر غبی، جاہل، مشرک قوم کا شیوہ ہے، حاجّ کے معنی علمی مناظرہ کے نہیں بلکہ لڑنے جھگڑنے کے بھی ہیں۔

حاجّه ای خاصمه وجادله۔ (معالم)

۱۲۰ (اتنا بھی کہ قادر اور عاجز کے درمیان فرق کرسکو۔)

الا ان یشاء ربی شیئا۔ یعنی ہاں میرا پروردگار ہی مجھے کچھ نقصان پہنچانا چاہے، تو وہ ہر آن اپنے ہر ارادہ پر قادر ہے، وہ تمھارے دیوتاؤں کی طرح ناقص القویٰ محدود القدرۃ نہیں۔

وسع ربی کل شیء علما۔ قدرتِ کامل کے ساتھ علمِ کامل و محیط بھی اسی ذات کا خاصہ ہے، اہلِ کلدانیہ اپنے دیوتاؤں کی قدرتِ کامل کے ساتھ علمِ کامل کے بھی قائل نہ تھے، حضرتؑ نے اپنی تقریر میں انھیں دو صفاتِ باری کا ذکر کرکے ان کے عقائد پر بھرپور ضرب لگا دی۔

ما تشرکون به۔ ما حرفِ موصول بے جان کے لئے آتا ہے، حضرتؑ نے یہ پیرایۂ بیان اختیار کرکے گویا ادھر اشارہ کردیا کہ تمھارے دیوتا تو صفتِ حیات اور قدرت تک سے یکسر محروم ہیں، وہ کیا کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، اور ان سے ڈرنے کے معنی ہی کیا؟ —— بہٖ میں ضمیر اللہ کی طرف ہے۔

ای بالله۔ (عکبری)

الا ان یشاء ربی۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مطلق لا اخاف سے ایک صورت دعوی کی پیدا ہوسکتی تھی حضرات انبیاءؑ سے بڑھ کر محتاط اور کون ہوسکتا ہے؟ معًا الا ان یشاء ربی بھی بڑھا دیا۔

لا اخاف ما تشرکون به۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جب آپؑ نے اثباتِ توحید پر یہ دلائل قائم کئے تو مذہبِ شرک کے پرستاروں سے اور کچھ تو نہ بنا، ہاں یہ ڈراوے اور دھمکیاں دینے لگے کہ اچھا ہمارے دیوتاؤں کو چھوڑتے ہو، مگر دیکھنا کہ وہ بھی تم سے سمجھ لیں گے، ان کی قوت و غضب سے واقف نہیں ہو، تمھیں تہس نہس کر ڈالیں گے —— وہی باتیں جو آج بھی ضعیف الاعتقاد وہم پرست گروہ اہلِ توحید کے مقابلہ میں کہتا رہتا ہے۔

وقد خوفوه ان معبوداتهم تصيبه بسوء (کشاف) ذلك انهم قالوا له احذر الاصنام

فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨١﴾ اَلَّذِيْنَ

سو دونوں گروہوں میں سے امن کا زیادہ حقدار کون ہے؟ اگر تم جانتے ہو ١٢١ جو لوگ ایمان لائے

اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ

اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے مخلوط نہیں کیا ایسوں ہی کے لئے تو امن ہے، اور وہی ہدایت یاب

مُّهْتَدُوْنَ ﴿٨٢﴾ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ

ہیں ١٢٢ یہ تھی ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ پر دی تھی۔

فانا نخاف ان تمسک بسوء من خبل او جنون لعیبک ایاہا۔ (معالم)

١٢١ اگر تم صاحب علم و صاحب ایمان ہو تو خود ہی بتاؤ کہ سلامتی اور بے خوفی کا مستحق ہم دونوں میں سے کون سا فریق ہے — اہل توحید یا اہل شرک؟

فای الفریقین۔ غایت تواضع و کسر نفس سے حضرت نے یہ نہ فرمایا کہ ہم دونوں میں سے کون مستحق امن ہے بلکہ یہ فرمایا کہ اہل توحید و اہل شرک ان دو میں سے کون مستحق امن ہے، ادب و احتیاط کوئی سیکھنا چاہے تو انہیں حضرات انبیاء سے سیکھے

ولم یقل فاینا احق بالامن انا ام انتم احترازا من تزکیۃ نفسہ فعدل عنہ (کشاف)

کیف.... سلطنا۔ ڈرنا مجھ کو چاہیے یا تم کو؟ میں جو حاکم یکتا کی یکتائی کا قائل ہوں یا تم جنھوں نے بے دلیل بے سند دیوتاؤں معبودوں کی فوج گڑھ رکھی ہے؟ کیسی الٹی بات کر رہے ہو کہ مجھے ڈرا رہے ہو! میں جو توحید پر قائم ہوں تو میں تو ڈر جاؤں اور تم جو اعظم ذنوب شرک میں مبتلا ہو، تو تم بے خوف بنے رہو؟

١٢٢ (اس دنیا میں بھی)

یعنی راست روی صرف اہل توحید کا حصہ ہے۔

بظلم۔ جو معصیت ایمان کے منافی ہے وہ شرک ہے — یوں بھی سب سے بڑا ظلم جو انسان اپنی جان پر، اپنی عقل و ضمیر پر اور اپنی روح پر کر سکتا ہے، یہی ہے کہ اللہ کے ساتھ ذات یا صفات میں کسی کو شریک ٹھہرائے، قرآن مجید میں بھی اسی کو ظلم عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے ان الشرک لظلم عظیم (سورۂ لقمان) اور یہاں بھی ظلم کے یہی معنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت سلمانؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت ابن عباسؓ وغیرہ جلیل القدر صحابیوں اور عکرمہ، نخعی، ضحاک، ابن زید، علقمہ، قتادہ، مجاہد وغیرہ بہ کثرت تابعین سے مروی ہیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ حدیث میں خود رسول اللہ صلعم سے یہی تفسیر منقول ہے:۔ انما ھو الشرک۔ یہ روایت صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی تینوں میں موجود ہے۔

اور تفسیر کے ائمۂ محققین اسی طرف گئے ہیں۔

واولی القولین بالصحۃ فی ذلک ما صح بہ الخبر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو الخبر الذی رواہ ابن مسعود عنہ انہ قال الظلم الذی ذکرہ اللہ تعالی فی ھذا الموقع ھو الشرک (ابن جریر) فالمراد ھھنا الذی

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾

ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں، بے شک آپ کا پروردگار بڑا حکمت والا ہے بڑا علم والا ہے ۱۲۳

امنوا باللہ ولم یثبتوا للہ شریکا فی المعبودیۃ والدلیل علی انہ ھذا المراد ان ھذہ القصۃ من اولھا الی اٰخرھا انما وردت فی نفی الشرکاء والاضداد والانداد ولیس فیھا ذکر الطاعات والعبادات (کبیر) ای یخلطوا ایمانھم بشرک (معالم)

مترجمین قرآن میں سے ایک قدیم ترین فارسی مترجم اور شاہ ولی اللہؒ اور تھانویؒ تینوں نے ظلم کا ترجمہ شرک ہی سے کیا ہے

۱۲۳ (اور اپنی انہیں صفات حکمتِ کامل و علم محیط کے ماتحت، جو کمال جس کے حال و استعداد کے مناسب ہوتا ہے وہی اس کو عطا کرتا ہے)

تلك۔ یعنی یہی مکالمۂ ابراہیمی جو اوپر گزر چکا۔

اشارۃ الی کلام تقدم (کبیر) اشارۃ الی جمیع ما احتج بہ ابراھیم علیہ السلام علی قومہ (کشاف)

علی قومہ۔ یہ نہیں ارشاد ہوا کہ ابراہیمؑ کو یہ دلیل خود ان کے مقابلہ میں سمجھائی گئی، بلکہ یہ ہے کہ ان کی قوم کے مقابلہ میں بتائی گئی، علی قومہ ہے علی نفسہ نہیں ہے، یہ بجائے خود اس امر کی تائید میں ہے کہ آپؑ شروع ہی سے موحّد تھے، شرک کے خلاف کسی دلیل کی ضرورت آپ کو نہیں، آپ کی قوم کو تھی۔

تلك حجتنا اٰتینٰھا۔ اس استدلالِ توحیدی کو اپنی جانب نسبت دے کر حق تعالیٰ نے اس میں شرف خصوصی اور امتیاز خاص پیدا کر دیا جیسے دنیوی بادشاہ موقعِ عظمت پر کہتے ہیں کہ یہ کام ہم نے کیا۔

لما ذکر نفسہ تعالیٰ ھھنا باللفظ الدال علی العظمۃ وجب ان تکون تلك العظمۃ عظمۃ کاملۃ رفیعۃ شریفۃ وذلك یدل علی ان ایتاء اللہ تعالیٰ ابراھیمؑ تلك الحجۃ من اشرف النعم ومن اجل مراتب العطایا والمواھب (کبیر)

نرفع درجات۔ یہ درجے علمی و عملی ہر قسم کے ہو سکتے ہیں، اور درجات کی تنوین سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ کوئی ایک مرتبہ نہیں بلکہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بہت سے مرتبے ہوں گے۔

والتنوین لیدل الاعلی الدرجات الکثیرۃ (کبیر)

من نشآء۔ سب کچھ مشیت تکوینی کے مطابق ہوتا ہے اور مشیت کبھی حکمتِ مطلقہ سے جدا نہیں ہوتی۔

نرفع درجات من نشآء۔ جو لوگ علم کلام میں مشغول رہتے اور اثباتِ توحید میں لگے رہتے ہیں ان کے شرفِ مرتبہ کا پورا ثبوت اس آیت سے مل گیا، اور یہیں سے ان لوگوں کا رد بھی نکل آیا، جو دلائلِ کلامی پیش کرتے رہنے کو لغو و لاحاصل بتاتے ہیں، فقہاء مفسرین نے اس استنباط پر بہت زور دیا ہے۔

لانہ تعالیٰ اثبت لابراھیمؑ حصول الرفعۃ والفوز بالدرجات العالیۃ لاجل انہ ذکر الحجۃ فی التوحید وقررھا وذب عنھا وذلك یدل علی انہ لا مرتبۃ بعد النبوۃ والرسالۃ اعلیٰ واشرف من ھذہ المرتبۃ (کبیر) اوضح دلالۃ علی وجوب الاستدلال علی التوحید (جصاص) فلما استدل ابراھیم علی توحید اللہ واحتج بہ علی قومہ ثبت بذلك ان علینا مثلہ (جصاص)

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ

اور ہم نے ابراہیمؑ کو عطا کئے اسحٰقؑ اور یعقوبؑ۔ ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی ۱۲۴ اور نوحؑ کو ہم ہدایت دے چکے

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ

تھے زمانۂ قبل میں اور ان کی نسل میں سے ۱۲۵ داؤدؑ اور سلیمانؑ اور ایوبؑ اور یوسفؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ کو

وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ

اور ہم نیک کاروں کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں ۱۲۶ اور (ہم نے ہدایت دی) زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو

۱۲۴ یہ سب کے سب راہ ہدایت پر تھے، مہتدی بھی اور ہادی بھی، اسحٰقؑ و یعقوبؑ کا نام لانے میں تعلیم ہے اہل عرب بنی اسماعیل کو کہ کم کہیں یہود بنی اسرائیل کی بدزبانیوں سے مشتعل ہو کر ان کے قبیلہ وخاندان کے بزرگوں ان دونوں پیمبروں کی شان میں کوئی گستاخی نہ کرنے لگنا۔

اسحٰقؑ۔ حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے صاحبزادہ حضرت سارہؑ کے بطن سے تھے ۲۰۶۰ سنہ ق، م تا ۱۸۸۰ سنہ ق، م وھبنا له اسحٰق ویعقوب۔ ہم نے ان کو اسحٰقؑ و یعقوبؑ عطا کئے، ایک کو بیٹا اور دوسرے کو پوتا بنا کر یعقوبؑ۔ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے اور حضرت اسحٰقؑ کے صاحبزادہ ہیں ۲۰۰۰ سنہ ق، م تا ۱۸۵۰ سنہ ق، م آپ کا دوسرا نام اسرائیل تھا، اور قوم بنی اسرائیل آپ ہی کی جانب منسوب ہے۔

۱۲۵ نوحؑ بن ملک حضرت ابراہیمؑ کے اجداد میں سے مشہور و معروف نبی ہیں توریت میں بھی آپ کا ذکر۔۔ تفصیل کے ساتھ ہے توریت میں جو نسب نامہ درج ہے اس کے اعتبار سے حضرت ابراہیمؑ خلیل حضرت نوحؑ کی گیارہویں پشت میں ہیں آپ کا وطن وہی تھا جو تاریخ کے اس ابتدائی دور میں نسل انسانی کا وطن تھا یعنی عراق کا دوآبہ دجلہ و فرات۔ ذریته میں ضمیر کس کی طرف ہے یعنی کس کی اولاد کا ذکر ہے؟ مراد حضرت نوحؑ ہو سکتے ہیں کہ اول تو آپ ہی کا ذکر سب سے قریب واقع ہوا ہے دوسرے یہ کہ آگے جن جن کا ذکر آ رہا ہے وہ سب آپ ہی کی اولاد میں تھے بھی

ای من ذریة نوح۔ (معالم)

لیکن بعض نے مراد حضرت ابراہیمؑ لی ہے اس لئے کہ اصلاً انھیں کے فضائل یہاں مقصود ہیں اس گروہ نے ذریۃ کے معنی وسیع کر کے لئے ہیں کہ اولادِ دختری و اولادِ معنوی بھی اس میں شامل ہو جائے۔

روی عن ابن عباس رض ان هولاء انبیاء علیهم السلام کلهم مضافون الی ذریة ابراهیمؑ وان کان منهم من لم یلحقه بولادة من قبل ام ولا اب (روح) الضمیر عند جمع لابراهیم لان مساق النظم الجلیل لبیان شؤنه (روح)

۱۲۶ (جیسے ابراہیمؑ کو دی کہ ان کی نسل میں ایک سلسلہ انبیاء اور خاصانِ خدا کا پیدا کر دیا) داؤدؑ بن یسی۔ نبی برحق اور بنی اسرائیل میں ایک بڑے شان و شوکت کے بادشاہ متوفی ۹۶۲ سنہ ق م

كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَ لُوْطًا ؕ وَكُلًّا

(یہ) سب صالحین میں سے تھے ١٢٧ اور (ہم نے ہدایت دی تھی) اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو اور

فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ

(ان میں سے) ہر ایک کو ہم نے جہان والوں پر فضیلت دی تھی ١٢٨ اور (ہم نے ہدایت دی تھی) ان کے کچھ باپ دادوں کو اور ان کی کچھ اولاد کو اور ان کے کچھ بھائیوں کو

سلیمانؑ بن داؤدؑ۔ طبقۂ انبیاءؑ میں سب سے بڑے بادشاہ۔ متوفی ۹۳۲ء ق۔ م

ایوبؑ۔ شہر عوص Uz کے رہنے والے تھے، جو فلسطین کے جنوب اور عرب کے شمال کا علاقہ تھا، اسرائیلی نوشتوں سے پایا جاتا ہے کہ آپ کی عمر ۲۱۰ سال کی ہوئی اور آپؑ فرزندانِ یعقوبؑ کے ہمعصر تھے، واللہ اعلم

یوسفؑ بن یعقوبؑ۔ پیدائش کنعان (لبنان) میں ہوئی۔ بعد کو مصر کے بادشاہ ہوگئے۔ ۱۹۱۰ء تا ۱۸۰۰ء ق۔ م

موسیٰؑ بن عمران۔ صاحب توریت، اسرائیلیوں کے مشہور ترین پیغمبر ۱۵۲۰ء ق۔ م تا ۱۴۰۰ء ق۔ م

ہارونؑ بن عمران۔ حضرت موسیٰؑ کے بھائی۔ عمر میں تین سال بڑے۔

ان سب میں ایک مشترک چیز یہ نظر آتی ہے کہ نبوت کے ساتھ ساتھ یہ دولت یا حکومت یا قبیلہ کی سرداری غرض وجاہتِ دنیوی سے بھی مشرف تھے۔

١٢٧ (نہ کہ محض پیش گوئی کرنے والے اور غیب کی خبریں سنانے والے)

یعنی سب کے سب اللہ کے یہاں معزز و مقرب تھے اور بڑے بلند اخلاق کے مالک۔ ان کی اگر دنیا میں بدنامی ہوئی، اور بعض گروہوں نے ان کی بدگوئی کو اپنا شعار بنالیا تو اس سے متاثر نہ ہوجانا، قرآن مجید تصدیق کرتا ہے کہ یہ سب صالح تھے ____ بائبل کے پڑھنے والوں پر برابر یہ اثر پڑتا ہے کہ نبوت مثل کہانت وغیرہ کے ایک مختلف و مستقل کمال ہے، صالحیت ہرگز اس کے لئے لازمی نہیں، قرآن مجید بار بار اس عقیدہ کی تردید کرتا ہے۔

زکریاؑ۔ انجیل میں ان کا اور ان کی زوجۂ محترمہ کا ذکرِ خیر موجود ہے مگر بہ حیثیت نبی کے نہیں۔

یحییٰؑ بن زکریاؑ۔ متوفی ۳۰ء عربی اور اردو انجیل میں ان کا نام یوحنا آیا ہے۔

عیسیٰؑ بن مریمؑ۔ مشہور و معروف نبی۔ مسیحی روایتوں کے مطابق ۲۹ء میں دنیا سے تشریف لے گئے۔ ایک فرقۂ جدید و قلیل کا دعویٰ ہے کہ صفحاتِ تاریخ سے روپوش ہوجانے کے بعد بھی مدتوں زندہ رہے، اور بقیہ عمر سیاحی میں بسر فرمائی، جمہور اہل سنت کا عقیدہ اس کے بالکل برعکس ہے۔

الیاسؑ۔ یہ غالباً وہ ہیں جن کا ذکر توریت کے بعض صحیفوں میں ایلیاہ نبی کے نام سے آیا ہے اور ان کے خوارقِ عادت بہت سے دیئے ہیں (۱۔ سلاطین وغیرہ) انگریزی تلفظ میں (ELIJAH)

اہلِ کتاب نے اپنے یہاں کے انبیاءؑ کی سیرتوں کو جی بھر کر داغدار کردیا تھا، قرآن مجید نے آکر از سر نو ان کی عصمت قائم کی الصالحین یعنی صالحیت میں کامل ترین۔ متقی و صالح ترین۔

الکاملین فی الصلاح (بیضاوی)

وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ

اور ہم نے ان (سب) کو برگزیدہ کیا اور ہم نے ان (سب) کو راہ راست کی ہدایت کی تھی ۱۲۹ یہ اللہ کی (راہ)

يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

ہدایت ہے، اس کی ہدایت وہ اپنے بندوں میں کردیتا ہے جس کو وہ چاہے، اور اگر وہ شرک کرتے تو جو کچھ وہ کرتے

يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ

رہے، سب ان سے اکارت جاتا ۱۳۰ یہ تو وہ لوگ ہیں جنھیں ہم نے عطا کی تھی کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی تھی

۱۲۸ (انھیں نبوت سے سرفراز کرکے)

ظاہر ہے کہ ہر نبی اپنے زمانہ کے تمام غیر انبیاءؑ سے افضل ہی ہوگا۔

قال القاضی ویمکن ان یقال المراد وکلا من الانبیاء یفضلون علی کل من سواھم من العالمین (کبیر)

اسمٰعیلؑ۔ حضرت ابراہیمؑ کے بڑے صاحبزادے حضرت ہاجرہ کے بطن سے ۲۰۰۷ ق م تا ۱۹۳۳ ق م

الیسعؑ بن سفط۔ توریت کے بعض صحیفوں میں ان کا ذکر بھی تفصیل سے آیا ہے حضرت الیاسؑ کے

جانشین تھے، انگریزی تلفظ میں (ELIJAH)

یونسؑ بن متی۔ نینوا (موجودہ نقشہ میں موصل) کے پیمبر تھے، ۷۸۱ ق م تا ۷۴۱ ق م

لوطؑ بن ہران۔ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے آپ کے شہروں کی بربادی کا اندازہ ۲۰۶۱ ق م کا کیا گیا ہے

۱۲۹ جتنے حضرات کا اوپر ذکر آچکا ہے یہ سب انبیاء صادقینؑ تھے۔ اللہ کے مقبول و برگزیدہ بندے۔ ان کے فسق اعتقادی و عملی سے متعلق جتنی بھی روایات شائع ہوں اگرچہ وہ بائبل کے ذریعہ سے ہوں سب کی سب موضوع و باطل ہیں۔

من اٰبائھم۔ میں من تبعیضیہ ہے "کچھ" کے معنی میں۔

من للتبعیض ای ھدینا بعض اٰبائھم وذریاتھم (قرطبی)

واجتبینٰھم وھدینٰھم۔ ھم کی ضمیر انھیں انبیاء علیہم السلام کی جانب ہے۔

واجتبینٰھم وھدینٰھم۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اجتباء کا حاصل جذب ہے اور ہدایت کا حاصل سلوک ہے۔

ومن اٰبائھم وذریٰتھم واخوانھم۔ میں حق تعالیٰ نے حضرات انبیاءؑ کے آباء اور اولاد اور اخوان یعنی اصول فروع و فروع اصول تینوں کا ذکر موقع شرف و مدح میں کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات انبیاءؑ سے ہر قسم کا رشتہ باعث شرف ہے۔

ذلک یدل علی انه تعالیٰ خص کل من تعلق بھولاء الانبیاء بنوع من الشرف والکرامة (کبیر)

۱۳۰ (اور ان کی بزرگ زادگی یا اور کوئی نسبت اضافی ذرا بھی کام نہ آئی)

یھدی بہ من یشاء من عبادہ۔ بہ کی ضمیر ھدی اللہ کی طرف ہے، اور ھدی اللہ سے یہاں مراد توحید و معرفت الٰہی ہے

فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾

سو اگر یہ لوگ اس سے انکار کردیں تو ہم نے اس کے (ماننے کے) لئے ایسے لوگ مقرر کردیئے ہیں جو اس کے منکر

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ

نہیں ہیں۔ ١٣١ یہی لوگ تھے جن کو اللہ نے ہدایت کی تھی سو آپ بھی ان کے طریق پر چلئے، آپ کہہ دیجئے میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا

یجب ان یکون المراد من ھذا الھدی ھو معرفۃ التوحید وتنزیہ اللہ تعالٰی من الشرک (کبیر)

ولو اشرکوا۔ یعنی بالفرض یہ شرک اعتقادی یا عملی میں مبتلا ہوئے ہوتے، جیسا کہ بائبل کے مختلف صحیفوں میں ان کے سر تھوپ دیا گیا ہے۔

من عبادہٖ۔ یہ بزرگ ترین ہستیاں بھی محض بندہ ہی تھیں، "فوق البشر" یا "نیم خدا" ان میں سے کوئی بھی نہ تھا۔

ولو اشرکوا۔ اس میں رد آگیا برہمنیت اور پیدائشی معصومیت کا، یعنی بزرگ ترین انسان بھی ایسا نہیں ہوتا کہ اس سے کفر و معصیت کا امکان ہی سرے سے سلب ہوجائے۔

لحبط ما کانوا یعملون۔ نبوت پر سرفراز و قائم رہنا کیا معنی، ایسی صورت میں تو وہ معمولی درجہ کے مومن بھی باقی نہیں رہ سکتے تھے، لیکن قرآن جب ان کے محسن و صالح و مہدی و افضلِ عالم و مجتبٰی و صاحب کتاب و نبی ہونے کا اثبات اس شد و مد سے کر رہا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے (معاذ اللہ) شرک سے متعلق جو کہانیاں گڑھی گئی ہیں، وہ سر تا سر باطل اور افتراءِ شدید ہیں۔

١٣١ یعنی گروہِ صحابہؓ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے معاصر مومنین صادقین، جو نہ رسول اللہ صلعم کی نبوت و رسالت کے منکر ہیں نہ اِن انبیاءؑ سابقین کے۔

قیل ھم اصحاب النبی صلعم وکل من اٰمن بہ (کشاف) قیل ھم اھل المدینۃ وقیل ھم المھاجرون والانصار (کبیر)

اولٰئک .... النبوۃ۔ ہم نے تو ان صالحین و ابرار کو کتاب اور حکمت اور نبوت سے سرفراز کیا اگرچہ بھی فسق پیشہ لوگ ان کے کمالات و فضائل سے انکار ہی کرتے رہے۔

فان یکفر بھا۔ ھا کی ضمیر توحید کی طرف لی گئی ہے، یا کتاب و حکم و نبوۃ کی جانب۔

والمراد فان یکفر بھذا التوحید (کبیر) ای بھذہ الثلاثۃ (بیضاوی) ای بالنبوۃ ویحتمل ان یکون الضمیر عائدا علی ھذہ الاشیاء الثلاثۃ (ابن کثیر)

ھؤلاء۔ یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے منکرین و مکذبین۔

ای کفار عصرک یا محمدؐ (قرطبی) کفار قریش (کبیر) یعنی اھل مکۃ قالہ ابن عباس وسعید بن المسیب والضحاک وقتادہ والسدی وغیر واحد (ابن کثیر)

بکفرین میں ب زائد ہے تاکید کے لئے۔

والباء زائدۃ للتاکید (قرطبی) وفی بکافرین تاکید النفی (کشاف)

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ ﴿٩٠﴾ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا

وہ (یعنی قرآن) تو بس ایک نصیحت ہے جہان والوں کے لئے ۱۳۲ اور انہوں نے اللہ کو نہیں پہچانا جو اسکے پہچاننے کا حق تھا جب انہوں نے یہ کہہ

أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ

دیا کہ خدا نے کسی بشر پر کوئی چیز نہیں اُتاری ۱۳۳ آپ کہئے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جسے لے کر موسیٰ آئے تھے،

۱۳۲ ؎ (خود انھیں کے نفع و مصلحت کے لئے)

اولئك۔ یعنی انبیاء سابقین۔

اقتدہ میں ہ ضمیر کی نہ سمجھی جائے کہ اصل امر تو اقتدِ ہے ہ وقف و وصل کی ہے۔

هاء السكت وقفا و وصلا (جلالین) الهاء للوقف (بیضاوی)

فبهداهم اقتده۔ ان حضرات کا وہ هدی (طریق) کیا تھا جس پر چلنے کا حکم رسول اللہ صلعم کو مل رہا ہے وہ ان کا طریقہ صبر و استقامت کا تھا۔ ان سب نے بھی اپنے اپنے معاصر منکرین کے ہاتھوں سخت سخت مصائب اٹھائے تھے، لیکن اس کے باوجود اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے تھے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تسلیۂ قلب کے لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ کی راہ میں بھی یہ سب کچھ پیش آتا ہے، سو آپ بھی انھیں کی طرح ثابت قدم رہیئے۔

المعنى اصبر كما صبروا (قرطبی) ای اقتد بهم في تحمل سفاهات الجهال في هذا الباب (کبیر)

هدی۔ کے دوسرے معنی توحید و اصولِ دین کے بھی کئے گئے ہیں۔

والمراد بهداهم طريقتهم في الايمان بالله وتوحيده واصول الدين دون الشرائع (کشاف)

ای اقتد بهم في نفي الشرك واثبات التوحيد۔ (کبیر)

لا اسئلکم علیه اجرا۔ علیه میں ضمیر قرآن کی جانب ہے، سنتِ انبیاءؑ ایک یہ بھی ہے کہ وہ تبلیغ دین کی کوئی فیس نہیں طلب کرتے، یہ تو ان کا عین مشن (مقصد زندگی) ہی ہوتا ہے۔

وكان من جملة هداهم ترك طلب الأجر في ايصال الدين وابلاغ الشريعة (کبیر)

بعض فقہاء نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ تعلیم قرآن، و روایتِ حدیث پر معاوضہ لینا درست نہیں۔

فيه دليل على ان اخذ الاجر على تعليم القرآن ورواية الحديث لا يجوز (مدارک)

ان هو الا ذکری۔ قرآن مجید کو کوئی قصہ کہانی کی کتاب، سائنس و فلسفہ کی کتاب، تاریخ و جغرافیہ کی کتاب، ادب و محاضرہ کی کتاب نہ سمجھو، یہ تو تمام تر ایک ہدایت نامہ ہے، ایک نصیحت نامہ ہے، ایک دستور العمل ہے۔

ذکریٰ للعالمین۔ ذکریٰ کے ساتھ للعرب نہیں للعالمین فرمایا ہے یعنی اس کی ہدایت اور اس کے قانون کسی ایک ملک و قوم کے ساتھ مخصوص نہیں، سارے عالم کے لئے ہیں — اور اس پہلو کو فخر المفسرین فخر رازی نے نظر انداز نہیں ہونے دیا ہے۔

يدل على انه صلى الله عليه وسلم مبعوث الى كل اهل الدنيا لا الى قوم دون قوم (کبیر) استدل بالآية على عموم بعثته صلعم (روح)

۱۳۳ ؎ یہ کہنے والے کون تھے؟ روایتوں میں آتا ہے کہ کوئی یہودی تھا، اور سیاقِ قرآنی خود بھی یہی کہہ رہا ہے کہ

نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ

(بجائے خود بھی) نور اور لوگوں کے لئے ہدایت بھی جس کو تم نے (مختلف) اوراق کر رکھا ہے کہ (کچھ) آیتیں ظاہر کر دیتے ہو اور بہت کچھ چھپا جاتے ہو

یہ قول کسی یہودی کی زبان سے نکلا تھا، بہ ظاہر یہ مقولہ یہودی عقائد کے بالکل منافی ہے لیکن جوشِ مخالفت ایسی چیز ہے کہ اس حالت میں اپنے خلافِ عقائد باتیں بھی زبان سے نکل جاتی ہیں، غلو کے وقت اپنے مسلک و اپنے مسلمات کی بھی پروا نہیں رہ جاتی، خوش قسمتی سے بعض روایات بھی اس خیال کی تائید میں موجود ہیں۔

قیل ان صدور هذا القول کان عن غضب وذهول عن حقیقة (روح)

یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اب کوئی کتاب نہیں اتاری، نہ یہ کہ کبھی کوئی کتاب نہیں اتاری — آیت میں جو اشکال ہے حیرت ہے کہ اس پر تفصیل کے ساتھ نظر بجز فخر المفسرین امام رازیؒ کے اور کسی کی نہ گئی، مشکل یہ ہے کہ یہ قول اگر کسی مشرک کا ٹھہرایا جاتا ہے تو مابعد اس کا جو جواب قرآن مجید میں درج ہے یعنی حضرت موسیٰؑ کے اوپر جو نزولِ توریت ہوا اس سے استدلال کیا جاتا ہے تو اس جواب کا کوئی ربط مشرک کے قول سے نہیں ٹھہرتا، قریشِ عرب مشرکین ہند کی طرح نفس نبوت اور سلسلۂ وحی ہی کے قائل نہ تھے

لان کفار قریش والبراهمة کما ینکرون رسالة محمد صلعم فکذلک ینکرون رسالة سائر الانبیاء (کبیر)

اور اگر یہود کا قول مانا جائے تو دشواری وہی آکر واقع ہوتی ہے کہ کوئی یہودی اپنے مسلمات کے خلاف ایسی بات زبان سے نکال کیونکر سکتا تھا، امامؒ نے اسی لئے صحیح فرمایا کہ:-

فی هذه الاٰیة بحث صعب — آیت کے اندر ایک سخت اشکال ہے۔

اور پھر اسے اپنی خداداد ذہانت سے حل یوں فرمایا ہے کہ اس یہودی کا مقصد صرف نبوت محمدیؐ کی تکذیب تھی، اس کی حق تعالیٰ کی طرف سے جواب یہ ملتا ہے کہ جب تو موسیٰؑ کے صاحبِ وحی ہونے کا قائل ہے تو یہ کہہ ہی نہیں سکتا کہ حق تعالیٰ کسی بندہ سے مخاطبہ نہیں کرتا، اس لئے محمد (صلعم) پر وحی آنا ناممکن ہے، زیادہ سے زیادہ تو اس سے ان کی صداقت کے ثبوت کا مطالبہ کر سکتا ہے

والمقصود منها انک لما سلمت ان الله تعالیٰ انزل التورٰة علی موسیٰ علیه السلام فحینئذ لا یمکنک الاصرار علی انه تعالیٰ ما انزل علی بشر من شیء لان موسیٰ بشر ایضا (کبیر)

ما قدروا الله حق قدره۔ قدر کی تفسیر عظمت سے بھی کی گئی ہے یعنی اللہ کا جو حقِ عظمت تھا وہ ان لوگوں نے ادا نہ کیا۔

قال الحسن ما عظموه حق عظمته ونسبوا الله عزوجل الی انه لا یقیم الحجة علی عباده (قرطبی)

لیکن دوسرے معنی جو سیاق کلام کے موافق تر ہیں یہ ہیں کہ ان لوگوں نے حق تعالیٰ کو پہچانا ہی نہیں، جو اس کی بابت یہ فرض کر لیا کہ وہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے رسول نہیں بھیجتا۔

قال ابو عبیدة ای ما عرفوا الله حق معرفته قال النحاس وهذا معنی حسن والمعنیان متقاربان (قرطبی) وما عرفوه حق معرفته فی الرحمة علی عباده واللطف بهم حین انکروا بعثة الرسل والوحی الیهم وذلک من اعظم رحمته واجل نعمته (کشاف) حیث انکروا النبوة والرسالة (کبیر)

اذ قالوا۔ یہ کہنے والا ایک یہودی تھا۔

وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ

اور تم سکھائے گئے وہ جو تم نہیں جانتے تھے نہ تم اور نہ تمہارے باپ دادا، آپ کہیے کہ اللہ نے پھر آپ انہیں ان کے مشغلوں میں بیہودگی سے پڑے

يَلْعَبُوْنَ ﴿٩١﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ

ہوئے رہنے دیجیے ۱۳۴ اور یہی کتاب ہے کہ ہم نے اس کو نازل کیا ہے برکت والی ہے تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو

وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

اس سے پہلے آچکی ہیں تاکہ آپ ڈرائیں ام القریٰ اور اس کے گرد والوں کو ۱۳۵ اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں

قال الحسن وسعید بن جبیر الذی قالہ احد الیھود (قرطبی) ھذہ الآیۃ فی حق الیھود وھو القول المشھور عند الجمھور (کشاف)

۱۳۴ حجت الزامی کا خلاصہ یہ ہے کہ جس خدا کو تم توریت کا نازل کرنے والا تسلیم کرتے ہو وہ تو آج بھی زندہ وقائم اور اس پر قادر ہے کہ کوئی دستورِ حیات اس سے بھی جامع تر و کامل تر نازل کردے۔

تجعلونہ قراطیس۔ تقدیر کلام فی القراطیس سمجھی گئی ہے اور معنی یہ کئے گئے ہیں کہ اسے پارہ پارہ کر دیا ہے۔

ای فی القراطیس (قرطبی) ای جعلوہ قراطیس مقطعۃ وورقات مفرقۃ (کشاف)

تبدونھا۔ یعنی ظاہر کرتے ہو اس کتابِ الٰہی کے بعض حصوں کو اپنی مصلحتوں کے موافق پا کر۔

تخفون کثیرا۔ اس کتاب کے بہت سے احکام کو چھپا جاتے ہو جنھیں اپنے مصالح کے خلاف سمجھتے ہو۔

عُلّمتم مالم تعلموا۔ تمہیں تعلیم دی گئی ہے اِسی کتاب کے ذریعہ سے اُن حقائق کی جن سے تم ناواقف تھے۔

انتم ولا اٰباؤکم۔ نسلوں پر نسلیں اور صدیوں پر صدیاں گزرتی چلی گئیں اور تمہاری اپنی بشری کوششوں سے اُن حقائق کا علم نہ ہو سکا۔

قل اللہ۔ اللہ ہی نے تو یہ سب کچھ کیا، اور وہی آج بھی سب کچھ کر ڈالنے پر قادر ہے۔

۱۳۵ یعنی ساری دنیا کو۔

مبارکٌ۔ پہلی صفت قرآن مجید کی یہ بیان ہوئی کہ یہ ایک مبارک کتاب ہے اس سے خلق جتنا چاہے بہ قدر اپنے ظرف وہمت کے استفادہ کرے۔

ای کثیر المنافع والفوائد (کشاف) قال اھل المعانی کتاب مبارک ای کثیر خیرہ دائم برکتہ ومنفعتہ یبشر بالثواب والمغفرۃ ویزجر عن القبیح والمعصیۃ (کبیر)

فخر رازی اس آیت کے ذیل میں جو اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہیں وہ بجنسہٖ نقل ہونے کے قابل ہے۔

یقول مصنف ھذا الکتاب محمد بن عمر الرازی: انا قد نقلت انواعا من العلوم النقلیۃ والعقلیۃ فلم یحصل لی بسبب شیء من العلوم من انواع السعادات

اس کتاب کا مصنف محمد بن عمر رازی کہتا ہے کہ میں نے بہت سے علوم حاصل کئے نقلی بھی اور عقلی بھی لیکن کسی علم سے بھی مجھے دین و دنیا میں وہ خیر و سعادت نہ محسوس ہوئی

بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿٩٢﴾

وہ اس (کتاب) پر بھی ایمان لے آتے ہیں، اور وہ اپنی نماز کی حفاظت رکھنے والے ہیں ١٣٦

فی الدین والدنیا مثل ما حصل لی بسبب خدمۃ ھذا العلم (کبیر) جو اس علم (قرآن) کی خدمت سے حاصل ہوئی۔

مصدق الذی بین یدیہ۔ دوسری صفت یہ بیان ہوئی کہ وہ اپنے سے سابق ہر وحی اور ہر رسالت کی تصدیق کرتی ہے۔

ولتنذر ام القری۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اہل یہاں محذوف ہے، اور ام القری سے مراد یہاں کے رہنے والے ہیں، اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس سے اشارہ شہر مکہ کی جانب ہے۔

اتفقوا علی ان ھھنا محذوفا والتقدیر ولتنذر اھل ام القری واتفقوا علی ان ام القری ھی مکۃ (کبیر)

اب سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ مکہ کا یہ نام ام القری (جس کے لفظی معنی بستیوں کے مرکز کے ہیں) پڑا کیوں؟ بعض نے کہا کہ اس لئے کہ ساری اقلیموں کی روحانی پرورش کا سامان یہیں سے ہوتا ہے، بعض نے کہا کہ اس لئے کہ قدیم جغرافیہ کے لحاظ سے یہ زمین کے عین وسط میں واقع تھا، کسی نے کہا، اس لئے کہ اس وقت حجاز، خصوصاً اس کا یہ شہر، دنیا کی تہذیبوں کا سنگم تھا، یعنی اس کے ایک بازو میں مصری، رومی، یونانی تہذیب تھی اور دوسرے بازو میں کلدانی، ایرانی اور ہندی تمدن، کسی نے کہا کہ اس لئے کہ آج بھی دنیا کے تین بڑے براعظموں ایشیا، افریقہ، یورپ کا سرا ٹھیک عین ساحل حجاز سے چھوٹتا ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ سب اسباب صحیح ہوں ــــ اور کیا عجب ہے کہ آگے چل کر کبھی یہ بھی ثابت ہو جائے کہ حجاز کی آب و ہوا ہمیشہ سے اتنی گرم و خشک نہ تھی، بلکہ کسی بہت ہی قدیم زمانہ میں معتدل یا سرد رہ چکی ہے اور اس وقت یہ بستی تہذیب و تمدن کا مرکز تھی، اور ساری دنیا کی تہذیبیں یہیں سے نکلی اور پھوٹی ہیں لفظ ام القری کا پورا اعجاز اس وقت کھلے گا۔

ومن حولھا۔ جب مکہ معظمہ ناف زمین یا مرکز بلاد قرار پایا، تو اس کے ہر طرف آبادی جہاں تک بھی پھیلی ہوگی، سب من حولھا ہی کے تحت میں آئے گی۔

یعنی جمیع الآفاق (قرطبی) ای اھل الشرق والغرب (مدارک۔ بیضاوی) تینا ول جمیع البلاد والقری المحیطۃ بھا فیدخل فیہ جمیع بلاد العالم (کبیر) من اھل المدر والوبر فی المشارق والمغارب لعموم بعثتہ صلی اللہ علیہ وسلم (روح)

١٣٦ یعنی اعتقاد صحیح کے ساتھ ساتھ عمل صحیح میں بھی پختہ و مستقیم ہو جاتے ہیں، صلوٰۃ یہاں بطور جملہ عبادات کے قائم مقام کے ہے۔

محققین نے کہا ہے کہ آیت سے صلوٰۃ کی انتہائی اہمیت و اشرفیت ظاہر ہوتی ہے کہ اسے گویا ایمان کے ہم رتبہ قرار دے دیا گیا ہے۔

المقصود منہ التنبیہ علی ان الصلوٰۃ اشرف العبادات بعد الایمان باللہ واعظمہا خطرا الاتری انہ لم یقع اسم الایمان علی شیٔ من العبادات الظاھرۃ الا علی الصلوٰۃ (کبیر)

والذین یؤمنون بالآخرۃ یؤمنون بہ۔ بہ کی ضمیر قرآن مجید کی جانب ہے، مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ خوف آخرت رکھتے ہیں، وہ مواخذۂ اخروی کے ڈر سے پوری ذمہ داری اور اہتمام کے ساتھ حق کی تلاش و طلب

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِىَ اِلَىَّ وَلَمْ يُوْحَ

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ تہمت گھڑ لے یا کہنے لگے کہ میرے اوپر وحی آتی ہے درانحالیکہ اس پر کچھ بھی

اِلَيْهِ شَىْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ

وحی نہیں کی گئی ہے اور (اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا) جو کہے کہ جیسا (کلام) خدا نے نازل کیا ہے میں بھی (ایسا ہی) نازل کروں گا [۱۳۷]

میں رہتے ہیں، اور اس لئے قرآن کی بھی صداقت وحقانیت کے قائل ہو جاتے ہیں۔

ذلك ان اصل الدين خوف العاقبة فمن خافها لم يزل به الخوف حتى يؤمن (كشاف) ان الذى يؤمن بالآخرة هو الذى يؤمن بالوعد والوعيد والثواب والعقاب ومن كان كذلك فانه يعظم رغبته فى تحصيل الثواب ورهبته عن حلول العقاب ويبالغ فى النظر والتأمل فى دلائل التوحيد والنبوة فيصل الى العلم والايمان (كبير)

۱۳۷ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے معاصرین میں، نزولِ وحی کے طویل عرصہ کے زمانہ میں بعض ایسے بدبخت بھی تھے جنھوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ ایسا کلام تو ہم بھی نازل کر سکتے ہیں، حدیث وسیر کی کتابوں میں ان کے نام نضر بن حارث اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح منقول ہیں۔

والمراد عبد الله بن ابى السرح الذى كان يكتب الوحى لرسول الله صلعم ثم ارتد ولحق بالمشركين (قرطبى) عن عكرمة ان هذه الآية نزلت فى النضر بن الحارث (قرطبى)

یہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح وہی ہیں، جو حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی تھے، کتابتِ وحی ہی کے سلسلہ میں مرتد ہو کر مشرکوں سے جا ملے، ایک مدت تک مرتد ومباح الدم رہنے کے بعد فتح مکہ کے دن اپنے واجب القتل ہونے کی خبر سن کر روپوش ہو گئے، پھر حضرت عثمانؓ کی سفارش کے ساتھ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس وقت سے پھر پختہ مسلمان ہو گئے، بڑے بڑے کارنامے ان کے ہاتھ سے انجام پائے، ان میں سے فتح مصر وتسخیر نوبیہ (موجودہ حبشہ) ہیں، وفات اپنی حسبِ دعا عین نماز میں فجر کا سلام پھیرتے ہوئے پائی، رضی اللہ عنہ۔

اُفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ مثلاً کوئی اسی کا قائل ہو جائے کہ خدا بندوں سے کبھی کوئی مخاطبہ ومکالمہ کرتا ہی نہیں۔

قَالَ اُوْحِىَ اِلَىَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَىْءٌ۔ اس کے تحت میں تمام جھوٹے مدعیانِ نبوت آ گئے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کوئی شخص کوئی خواب تراشے یا کسی وارد یا الہامِ کاذب کا دعویٰ کرے یا اپنے اوہام وخیالات کو فیضِ غیبی کہے، وہ بھی اسی ضمن میں آ جاتا ہے۔

بعض فقہاء مفسرین نے کہا ہے کہ جو فقہ وسنن اور آثارِ سلف سے اپنے کو مستغنی سمجھ کر خود رائی اختیار کرتا اور کہتا ہے کہ میری رائے فلاں مسئلہ میں یہ ہے اور عام احکام عوام کے لئے ہیں، مجھ جیسے خواص کے لئے نہیں، وہ بھی اسی وعید کے تحت میں آ جاتا ہے۔

ومن هذا النمط من اعرض عن الفقه والسنن وما كان عليه السلف من السنن فيقول وقع

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ

کاش آپ اس وقت دیکھیں جب (یہ) ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے، اور فرشتے اپنے ہاتھ (ان کی طرف)

اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى

بڑھا رہے ہوں کہ اپنی جانیں (جلدی) نکالو ۱۳۸ آج تمہیں ذلت کا عذاب ملے گا، بسبب اسکے کہ تم اللہ پر جھوٹ اور اللہ

اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى

کے ذمہ ناحق باتیں جوڑا کرتے تھے، اور تم اللہ کی نشانیوں کے مقابلہ میں تکبر کیا کرتے تھے ۱۳۹ اور اب تو تم ہمارے پاس

كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ

تنہا تنہا آئے جیسا کہ ہم نے تمہیں اول بار پیدا کیا تھا، اور اپنے پیچھے چھوڑ آئے جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا۔

فی خاطری کذا او لغیرنی قلبی بکذا (قرطبی)

۱۳۸ (جنہیں سو سو طرح بچاتے پھرتے ہو)

یہ کافر معاند کے احوالِ موت کا بیان ہو رہا ہے۔

اذ الظلمون۔ ظالم سے مراد اس سیاق میں ہر قسم کے کافر ہیں خصوصًا ان تینوں اقوال میں سے جو یہاں نقل ہوئے کسی کے بھی قائل۔

المراد بالظالمین ما یشمل الانواع الثلاثۃ من الافتراء (روح)

الملٰئکۃ۔ مراد ہے فرشتوں کی جنس، یا ملک الموت کے اعوان و انصار۔

اخرجوا انفسکم۔ یہ بطور امر نہیں، بطور زجر و تعریض ہے، کافروں کی شدائدِ نزع کو اور بڑھانے کے لئے ورنہ ظاہر ہے کہ جان تو فرشتے نکال رہے ہوں گے، اپنی جان خود نکالنا انسان کا کام نہیں۔

لیس بامر بل ھو وعید وتقریع کقول القائل امض الاٰن لتری ما یحل بک (کبیر)

آیت سے یہ بھی صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ انسان کی جان یا روح اس کے جسم سے الگ یا مغائر ایک چیز ہے۔

ھذا یدل علی ان النفس مغائرۃ للاجساد (کبیر)

آیت سے یہ بھی نکل رہا ہے کہ اس کے برعکس مومن مطیع کی روح کمالِ نشاط و شادمانی کے ساتھ جسم سے باہر آئے گی۔

اخرجوا ارواحکم کرھًا لان نفس المومن تنشط للقاء ربہ (معالم)

۱۳۹ (اور اپنی عقل و رائے کو خدائی قانون کے مقابلہ میں پیش کرتے رہتے تھے)

عذاب الھون۔ اور چند مقامات کی طرح یہاں بھی یہ تصریح سے بیان کر دیا کہ آخرت کے اس عذاب میں جسمانی آزار اور سختیوں کے ساتھ توہین و رسوائی کا جز بھی پوری طرح شامل ہوگا — دنیا کے استکبار کا

وَمَا نَرٰی مَعَکُمْ شُفَعَآءَکُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّھُمْ فِیْکُمْ شُرَکٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ

اور ہم تمہارے ہمراہ اُن شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعویٰ کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں

بَیْنَکُمْ وَضَلَّ عَنْکُمْ مَّا کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ۭ

(ہمارے) شریک ہیں، اب تو تمہارا آپس کا تعلق ٹوٹ کر رہا، اور تم سے گئے گزرے ہوئے وہ دعوے جو تم کرتے رہتے تھے۔ بے شک اللہ ہی

یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ۭ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ﴿۹۵﴾

دانہ اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے، وہی جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان کو جاندار سے نکالنے والا ہے، وہی تمہارا اللہ ہے، سو تم کہاں اُلٹے چلے جا رہے ہو

نتیجہ آخرت میں بہ تفضیح و رسوائی کی صورت میں ظاہر ہونا ہی تھا۔

المراد منه انه تعالٰی جمع هنالك بين الايلام وبين الاهانة (کبیر)

۱۴۰؎ یہ سارا مخاطبہ کافروں سے حشر کے دن ہوگا۔

لقد جئتمونا فرادیٰ . اب تمہارے ساتھ نہ وہ جتھے اور پارٹیاں ہیں، نہ بڑے بڑے لاؤ لشکر جن پر تمہیں گھمنڈ

رہا کرتا تھا، اور نہ خود تمہارے پاس کوئی لباس یا وردی ہے، خالی خولی اسی طرح آئے ہو جس طرح دنیا میں پیدا ہوئے تھے۔

والمعنی جئتمونا واحدا واحدا کل واحد منکم منفردا بلا اهل ولا مال ولا ولد ولا ناصر ممن

کان یصاحبکم فی الغی ولم ینفعکم ما عبدتم من دون الله (قرطبی) ای منفردین عن الاعوان

والاوثان التی زعمتم انها شفعاء کم او عن الاموال والاولاد وسائر ما آثرتموه من الدنیا (روح)

وترکتم ما خولنکم وراء ظهورکم . مال و دولت اور دنیوی "علوم" و "فنون" و صنائع جن پر دنیا

میں تم پھولے رہتے تھے، وہ سب تم کو وہیں چھوڑ آئے ہیں اور آخرت میں ان میں سے کوئی چیز کچھ کام نہ آئی۔

شفعاء کم ... شرکاء . وہ تمہارے خیالی دیوتا اور بزرگ جن کے متعلق تمہیں یہ دعویٰ تھا کہ وہ اپنے

دخل و تصرف سے تمہیں ہمارے مواخذۂ عدل سے بچالیں گے، وہ سب کدھر غائب ہو گئے، یہ مستقل شفعاء کا عقیدہ

یہود اہلِ توحید تک میں گھس گیا تھا، اور مسیحیت کی تو بنیاد ہی کہنا چاہیئے کہ کفارہ و شفاعت کے عقائد پر ہے۔

۱۴۱؎ مطلب یہ ہوا کہ جمادات، نباتات، حیوانات ہر صفتِ موجودات کا نظامِ تکوینی و تخلیقی سارے کا سارا

اسی کے ہاتھ میں ہے، اور چھوٹی بڑی ہر چیز کا دارومدار اسی پر ہے، اس کے ہوتے ہوئے کسی دیوی دیوتا کی طرف

متوجہ ہونا کسی مشرکانہ نظریہ یا وہمیہ کو قابلِ التفات سمجھنا کس درجہ حمق و بے دانشی ہے؟

ان الله فالق الحب والنوی . نباتات کا خدا کوئی اور دیوی دیوتا نہیں، جیسا کہ احمق مشرک

قوموں نے فرض کر لیا ہے، نہ یہ ہے کہ نباتات میں روئیدگی از خود ہو جاتی ہے، ہر بیج ہر گٹھلی میں پھٹنے پھوٹنے کی

صلاحیت پیدا کرنا، پھر وقتِ مناسب پر اس صلاحیت کو فعلیت میں لانا، یہ سب کام اسی پروردگارِ عالم کا ہے۔

یخرج الحی من المیت ومخرج المیت من الحی . بے جان سے جاندار کو نکالنے کی مثال جیسے

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ

وہ صبح کا برآمد کرنے والا ہے اور اسی نے رات کو راحت کی چیز بنائی، اور سورج اور چاند کو حساب سے رکھا ہے یہ ٹھہرایا

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا

ہوا ہے بڑے غلبہ والے کا بڑے علم والے کا ۱۴۲ اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعے

بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾

خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ پاؤ بے شک ہم نے دلائل کھول کر بیان کر دیئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو خبر رکھتے ہیں ۱۴۳

انڈے سے مرغی یا نطفہ سے انسان، جاندار سے بے جان کو نکالنے کی مثال جیسے مرغی سے انڈا یا انسان سے نطفہ ـــ اوپر مثال عالم نباتات کی آچکی، یہ ذکر جمادات وحیوانات کا ہو رہا ہے۔

۱۴۲ یہ سارا عظیم الشان کارخانۂ حیات، یہ نظام ارضی ونظام فلکی یوں ہی اٹکل پچو نہیں چل رہا ہے، اس کے قانون کے مطابق اور اس کے ضابطہ کے ماتحت چل رہا ہے، جو العزیز ہے ہر غالب پر غالب، ہر قادر پر قادر ہے جس کی راہ ہر رکاوٹ سے خالی ہے اور جو ساتھ ہی العلیم بھی ہے جس کی ہر جنبشِ تخلیقی وتکوینی بے انتہا حکمتوں اور مصلحتوں سے لبریز رہتی ہے، اور جو ہر علم وحکمت کا مبدأ بھی ہے اور منتہی بھی۔

والعزیز اشارۃ الی کمال قدرتہ والعلیم اشارۃ الی کمال علمہ (کبیر)

فالق الاصباح۔ وہ پردۂ شب سے صبح کا برآمد کرنے والا ہے، تقدیر کلام یوں ہے، ذلکم اللہ ربکم فالق الاصباح۔ پچھلی آیت میں ذکر نظامِ ارضی کا تھا، اب ذکر نظامِ فلکی کا ہے۔

جعل .... حسبانا۔ رات کی سکونی کیفیت، سورج اور چاند کی نپی تلی گردش، اس کی شرح رفتار ومقدار، یہ سب اسی قادر مطلق وحکیم برحق کے دست قدرت میں ہیں، جو ہر ہر شعبۂ موجودات کا اکیلا حاکم وناظم ہے، اس کے حضور میں کسی سورج دیوتا اور کسی چندرماں اور کسی رات کی دیوی کا وجود فرض کرنا خرافات کی انتہا ہے۔

حسبانا یعنی مصالحِ خلق کے بالکل متناسب، ایسے حساب کے مطابق جس میں نہ کمی کا احتمال ہے نہ زیادتی کا اعلیٰ سے اعلیٰ سائنسی قانونوں، ضابطوں کے ماتحت۔

ای بحساب یتعلق بہ مصالح العباد (قرطبی) ای جعل اللہ سیر الشمس والقمر بحساب لا یزید ولا ینقص (قرطبی)

ذلک۔ یعنی یہ اجرام سماوی کی یہ جکڑ بند اور ان کی تسخیر۔

اشارۃ الی جعلھما کذلک (روح)

۱۴۳ دلائل اپنی توحید اور قدرت اور حکمت کے۔

جعل .... البحر۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ ستارے تو خود ہی انسان کے نفع کی غرض سے اس کی خدمت کے لئے بنائے گئے ہیں، الٹے ان کی پرستش میں لگ جانا اور خادموں کو مخدوم سمجھ لینا جہل وحمق کی انتہا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ

اور وہ وہی تو ہے جس نے تم (انسانوں) کو پیدا کیا ایک ہی شخص سے پھر ایک جگہ زیادہ رہنے کی ہے اور ایک جگہ

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ

چندے رہنے کی ہے ہم نے دلائل خوب کھول کر بیان کر دیئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ اور وہ وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا

جعل۔ یہاں خلق کے معنی میں ہے۔

جعل ھنا بمعنی خلق (قرطبی)

لقوم یعلمون۔ یعنی اِن شواہد و دلائل سے نفع وہی اٹھائیں گے جو علم و خبر رکھتے ہیں۔

خصھم لانھم المنتفعون بھا (قرطبی)

یعلمون میں علم سے مراد یا تو عقل ہے، اور یا فکر و استدلال۔

المراد بالعلم ھھنا العقل (کبیر) المراد من قوله لقوم یعلمون لقوم یتفکرون ویتأملون ویستدلون بالمحسوس علی المعقول وینتقلون من الشاھد الی الغائب (کبیر)

۱۴۴ دلائل اپنی توحید، صنعت و حکمت کے۔

اَنشاکم۔ خطاب عام نسلِ انسانی سے ہے۔

من نفس واحدۃ۔ یعنی حضرت آدمؑ سے۔

یہاں وحدتِ انسانی کو بہ طور ایک حقیقت کے بیان کیا ہے، اور اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے کہ سب نوعِ انسانی کا مورثِ اعلیٰ ایک ہی ہوا ہے کئی نہیں ہوئے ہیں، جیسا کہ بعض ناقص فلسفیوں اور بعض باطل مذہب والوں نے خیال کیا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

اس ایک اصل کو مان لینے سے انسانیت جو آج "مہذب و غیر مہذب"، "کالی اور گوری"، صاحب اور "نیٹو"، "برہمن" اور "شودر"، "مشرقی" اور "مغربی" اور خدا جانے کتنی اور ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی ہے، پھر ایک بنی آدم کی وحدت میں تبدیل ہو سکتی ہے؟ اور دنیا کے کتنے جھگڑے اور خرخشے مٹ سکتے ہیں۔

مستقرٌّ و مستودع۔ دونوں میں فرق یہ کیا گیا ہے کہ مستودع بہت سریع الزوال کو کہتے ہیں، اور مستقر اتنا زود فنا نہیں۔

الفرق بین المستقر والمستودع ان المستقر اقرب الی الثبات من المستودع (کبیر)

مستقر۔ کی کئی تفسیریں منقول ہیں، لیکن اکثر نے اس سے مراد رحمِ مادری ہے، اکثر تابعین بلکہ بعض صحابہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔

والاکثر اھل التفسیر یقولون المستقر ما کان فی الرحم (قرطبی) عن ابن مسعود وابن عباس وابی عبد الرحمن السلمی وقیس بن ابی حازم ومجاھد وعطاء وابراھیم النخعی والضحاک

فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا

پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے ہر قسم کی روئیدگی کو نکالا ۱۴۵ پھر ہم نے اس سے سبز شاخ نکالی کہ ہم اس سے اوپر تلے چڑھے دانے نکالتے

وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ

ہیں اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے گچھوں کے خوشے (نکلتے ہیں) نیچے کو لٹکے ہوئے اور (ہم نے) باغ انگور اور زیتون اور انار کے

وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ

(پیدا کئے) باہم مشابہ اور غیر مشابہ ۱۴۶ اس کے پھل کو دیکھو جب وہ پھلتا ہے اور اس کے پکنے کو (دیکھو)

وقتادة والسدی وعطاء الخراسانی وغیرهم ای فی الارحام (ابن کثیر)

مستودع کی بھی کئی تفسیریں منقول ہیں لیکن اکثر نے مراد پشتِ پدر لی ہے اور مستقر کے سلسلہ میں جن جن تابعین و صحابہ کے نام درج ہوئے انھیں نے مستودع کی شرح یہی کی ہے۔

المستودع ما کان فی الصلب رواہ سعید بن جبیر عن ابن عباس وقاله النخعی (قرطبی) فالاول اکثرهم ای فی الاصلاب (ابن کثیر)

لقوم یفقهون۔ ابھی اوپر کی آیت میں لقوم یعلمون آچکا ہے اہلِ تحقیق نے کہا ہے کہ اس آیت میں دلالت واضح و صریح تھی اس لئے یعلمون کافی تھا، یہاں دلالت خفی و دقیق ہے اس لئے یفقهون لایا گیا۔

انما قیل یعلمون ثم و یفقهون هنا لان الدلالة ثم اظهر و هنا ادق (مدارک)

۱۴۵ پانی ایک ہی ہوتا ہے لیکن نباتات اس سے کیسی رنگا رنگ اور کتنی مختلف قسموں کی پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ سارے قوانینِ طبعی بس ایک ہی قادرِ مطلق، حکیمِ مطلق ذات کے مقرر کئے ہوئے ہیں، بارش کے یا زراعت کے کسی دیوی دیوتا کا خیال کرنا ہی حمق و نادانی ہے۔

من السماء۔ کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو آسمان کی سمت سے نازل ہو، سماء عربی میں سحاب (بادل) کے بلکہ ہر اوپر والی چیز کے بھی مرادف ہے۔

المراد من السماء انزال المطر من جانب السماء (کبیر) سمی الله تعالٰی السحاب السماء لان العرب تسمی کل ما فوقك سماء (کبیر) الکلام علی تقدیر مضاف ای من جانب السماء (روح)

نبات کل شیء۔ سے مراد ہے نباتات کی ہر قسم۔

ای کل صنف من النبات (قرطبی) ای کل صنف من اصناف النبات (روح)

۱۴۶ (صورت، شکل، رنگ، مزہ، وزن وغیرہ کے اعتبار سے)

یہ ساری مثالیں ایسی ہیں جو قرآن مجید کے مخاطبین اولین یعنی عرب کے لئے آسانی سے قابلِ فہم تھیں۔

جنت من اعناب۔ تقدیرِ کلام یوں ہے واخرجنا جنت من اعناب۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٩٩﴾ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ

بے شک ان سب میں دلائل ہیں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان کی طلب رکھتے ہیں ۱۴۷ے اور اُن لوگوں نے اللہ کا شریک جنات کو قرار دے دیا ہے ۱۴۸ے

وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿١٠٠﴾

درانحالیکہ اسی نے انھیں پیدا کیا ہے اور لوگوں نے اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں محض بے سند تراش رکھی ہیں، پاک و برتر ہے وہ اس سے جو کچھ یہ (اس کے باب میں) بیان کرتے ہیں ۱۴۹ے

۱۴۷ے (اور مصنوعات کی صناعی سے صانع کے کمال پر استدلال کرنا چاہتے ہیں)

انظروا الی ثمرہ اذا اثمر وینعہ پھل کا نفس پیدا ہونا ہی اپنی خام حالت میں کیسے کیسے حکیمانہ اور باریک کیمیاوی اور طبعی تغیرات کا نتیجہ ہوتا ہے اور چہ جائیکہ پھل کی خام حالت سے پختگی میں منتقلی جس میں رنگ مزہ، خوشبو، جسامت ہر چیز کیا سے کیا ہو جاتی اور کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہیں۔

انظروا سے مراد، رواروی میں نظر ڈال لینا نہیں، فکر و عبرت کی نظر سے دیکھنا ہے۔

ای نظر اعتبار لا نظر الابصار المجرد عن التفکر (قرطبی) ای انظروا الی حال نضجہ نظر اعتبار واستدلال علی قدرۃ مقدرہ ومدبرہ وناقلہ من حال الی حال (مدارک)

انظروا الی الخ مخلوقات کی طرف بار بار توجہ والتفات سے نظر کرنے کا جو یہ حکم قرآن مجید میں بار بار مل رہا ہے اس پر محققین نے لکھا ہے کہ خلق پر نظر جبکہ للحق ہو، مذموم نہیں بلکہ اگر مقصود میں اس کی احتیاج ہو تب تو مطلوب ہی ہے۔

لآیات۔ آیات یہاں دلائل کے معنی میں ہے، دلائل اللہ کے کمال قدرت پر۔

ای دلالات علی کمال قدرۃ خالق ھذہ الاشیاء وحکمتہ ورحمتہ (ابن کثیر)

لقوم یؤمنون۔ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان کی تلاش و طلب رکھتے ہوں تحقیق کی فکر میں لگے ہوئے ہوں۔

ای یطلبون الایمان باللہ تعالیٰ۔ (روح)

۱۴۸ے یہ کن لوگوں کا ذکر ہے؟ مشرکین عرب تو یقیناً مراد ہیں باقی دوسری جاہلی قومیں بھی مراد ہو سکتی ہیں جو انھیں عقائد کی ہوں۔ الجن۔ جنات۔ جو ناری مخلوق ہیں جو خاکی مخلوق انسان سے قبل اس پردۂ گیتی پر وجود میں آچکے تھے، عموماً و عادۃً یہ انسان کے لئے غیر مرئی رہتے ہیں ابلیس انھیں کی صنف کا مخلوق ہے۔

وجعلوا للہ شرکاء الجن۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے وجعلوا للہ الجن شرکاء۔

معناہ جعلوا الجن شرکاء للہ (کبیر)

وخلقھم۔ حالانکہ اسی اللہ نے ان مشرکوں کو پیدا کیا ہے، نہ کہ جنات نے، ابن مسعودؓ کی قرأت وھو خلقھم نے اسے اور صاف کر دیا ہے۔

والمعنی وقد علموا ان اللہ خالقھم دون الجن (بیضاوی)

مطلب یہ ہے کہ ان مشرکوں کو خود تسلیم ہے کہ ہمارا خالق محض اللہ ہے، اس پر بھی یہ کیسی کج رائی ہے کہ یہ لوگ معبودیت میں جنات کو بھی شریک سمجھ رہے ہیں۔

بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اَنّٰی یَکُوۡنُ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَمۡ تَکُنۡ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ ؕ

موجد ہے آسمانوں اور زمین کا، اس کے اولاد کہاں سے ہو سکتی ہے؟ درانحالیکہ اس کے بیوی ہی نہیں اور اسی نے ہر چیز

وَخَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ ۚ وَہُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ ۚ لَاۤ اِلٰہَ

کو پیدا کیا ہے، اور وہی ہر چیز کو خوب جانتا ہے ۱۴۹ یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار کوئی خدا

اِلَّا ہُوَ ۚ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ فَاعۡبُدُوۡہُ ۚ وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ وَّکِیۡلٌ ﴿۱۰۲﴾

نہیں بجز اس کے ہر چیز کا پیدا کرنے والا، پس اسی کی عبادت کرو، اور وہی ہر چیز کا کارساز ہے ۱۵۰

ھم کی ضمیر اگر جن کی جانب کی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ اسی خدا نے ان کو بھی پیدا کیا ہے، پس جنات مخلوق ہو کر معبود اور شریک خدائی کیونکر ہو گئے؟

یعنی وھو خلق الجن (معالم)

خرقوالہ بنین وبنات. خدا کا صاحبِ اولاد ہونا، اپنے کو دیوتاؤں کی اولاد سمجھنا، یہ مرض مشرک قوموں میں بہت زیادہ عام اور مشترک رہا ہے، ہندوستان کے برہمنوں اور چھتریوں کا اپنے کو سورج بنسی اور چندر بنسی کہلانا، یا اپنے کو سورج دیوتا اور چندرماں دیوتا کی اولاد قرار دینا، یونانی شرفاء کا اپنے کو خدا زادہ یا دیوتا زادہ مشہور کرنا، یہ سب اسی مشرکانہ و گستاخانہ ذہنیت کے کرشمے ہیں ــــ خود مسیحیوں کا عقیدۂ ابنیتِ الٰہی (حضرت مسیح کے متعلق) بھی اسی اصل کی ایک فرع ہے۔

بغیر علم. یعنی ان خرافاتی عقائد پر اہلِ شرک نہ کوئی عقلی دلیل رکھتے ہیں نہ نقلی۔

سبحٰنہ وتعالٰی عما یصفون. مشرکوں نے کیسے کیسے بہتان اس پر لگا رکھے ہیں، اس کی ذات والاصفات ہر نالائق انتساب سے بالاتر ہے۔

قولہ سبحانہ تنزیہ للہ عن کل مالایلیق بہ (کبیر) والمقصود ھھنا تنزیہ اللہ تعالٰی عن ھذہ الاقوال الفاسدۃ (کبیر)

سبحٰنہ اور تعالٰی مقصود دونوں سے اگرچہ اثباتِ تنزیہ ہی ہے، لیکن سبحانہ کا تعلق مخلوق کی زبان سے تسبیح پڑھنے یا اثباتِ تنزیہ سے ہے، برخلاف اس کے تعالٰی سے اشارہ اللہ کی ذاتی صفت تقدس و تعالٰی کی طرف نکل رہا ہے، عام اس سے کہ مخلوق تسبیح کرے یا نہ کرے۔

فالمراد بقولہ سبحانہ ان ھذا القائل یسبحہ وینزھہ عما لایلیق بہ والمراد بقولہ وتعالٰی کونہ فی ذاتہ متعالیا متقدسا عن ھذہ الصفات سواء سبحہ مسبح اولم یسبحہ فالتسبیح یرجع الی اقوال المسبحین والتعالی یرجع الی صفتہ الذاتیۃ التی حصلت لہ لذاتہ لا لغیرہ۔ (کبیر)

۱۴۹ ہر شے سے اس کا رشتہ خالقیت اور عالمیت کا ہے، وہ چھوٹی بڑی ہر شے کا خالق اور ہر شے کا

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٠٣﴾ قَدْ جَاءَكُم

اسے نگاہیں نہیں گھیر سکتیں، اور وہ نگاہوں کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ بڑا باریک بیں ہے بڑا باخبر ہے [اھلا] اب

بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ

تمہارے پاس روشن دلائل تمہارے پروردگار کے پاس سے پہنچ چکے ہیں، سو جو کوئی بصارت سے کام لے گا وہ اپنے ہی لئے، اور جو کوئی اندھا

علم کل رکھتا ہے، اس سے کوئی رشتۂ دنیوی اور مادی عزیزداریوں پر قیاس کر کے جوڑنا تمام تر اپنی سفاہت کا ثبوت دینا ہے، اس کی تنزیہ بھی کامل ہے، اور اس کی صفتِ علم و صفتِ خلق سب کامل ہیں۔

بدیع السمٰوٰت والارض۔ آسمان اور زمین سب اسی کی مخلوق ہیں، نہ کوئی آکاش دیوتا ہے نہ کوئی دھرتی ماتا۔ بدیع یعنی محض ترتیب و ترکیب دے دینے والا نہیں، بلکہ عدمِ محض سے ہست کرنے والا

بدیع پر حاشیہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے، پ۱ آیت ۱۱۷

الابداع عبارۃ عن تکوین الشی من غیر سبق مثال۔ (کبیر)

انی ... صاحبۃ۔ مشرکین پر حجت قائم کی ہے کہ تم جب خدا کے صاحبِ اولاد ہونے کے قائل ہو تو لازمی طور پر پہلے اس کے صاحبِ زوج ہونے کے قائل ہوئے، سو اسی کا ثبوت لاؤ، کیسی لغو بات اس کے لئے منہ سے نکال رہے ہو۔

ولم تکن لہ صاحبۃ۔ اس میں تردید آ گئی، ہند، مصر، کلدانیہ، یونان اور روما کی قدیم مشرک قوموں کی جنھوں نے اپنے ہر دیوتا کے ساتھ ایک ایک یا کئی کئی بیویاں بھی فرض کی ہیں۔

۱۵۰ الف سو رشتۂ عبدیت اس کے سوا کسی سے بھی جوڑنا درست نہیں۔

آیت میں حق تعالیٰ کی تو ذات و صفات کی یکتائی کا اثبات ہے، وہ اپنی ذات سے منفرد ہے، اور خالق و کارساز بھی ہر شے کا وہی ایک ہے۔

۱۵۱ الف وہ مشرکوں کے دیوتاؤں کی طرح ناقص القویٰ نہیں، اس کا علم ہر کلیہ و جزئیہ کو محیط ہے۔

لا ... یدرک الابصار۔ یعنی وہ کسی کے بھی حواسِ ظاہری کی گرفت میں اس دنیا میں نہیں آسکتا، درانحالیکہ اس کی گرفتِ علمی میں سب ہی ہیں، ادراک احاطہ و تحدید کے معنی میں ہے، اور آیت سے مقصود حق تعالیٰ کی تنزیہہ حدوث سے ہے۔

بین سبحانہ انہ منزہ عن سمات الحدوث وھنا الادراک بمعنی الاحاطۃ والتحدید (قرطبی)

قال الزجاج ای لایبلغ کنہ حقیقتہ (قرطبی) قال ابن عباس لاتدرکہ الابصار فی الدنیا ویراہ المومنون فی الآخرۃ (قرطبی) اعلم ان الادراک غیر الرویۃ لان الادراک ھو الوقوف علی کنہ الشی والاحاطۃ بہ (معالم)

لاتدرکہ الابصار۔ الفاظ پر یہ شبہ پیش کیا گیا ہے کہ جب انسانی آنکھیں حق تعالیٰ کی دید کر ہی نہیں سکتیں تو پھر جنت میں اس کی رؤیت مومنین کو کیسے ہوگی؟ نیز معراج میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کیسے ہوئی تھی؟۔ مفسرین محققین نے شبہ کو نقل کر کے مفصل و شافی جوابات دیئے ہیں، لیکن اس کم فہم کے نزدیک ایک مختصر اور سیدھی سی بات یہ ہے کہ یہاں ذکر تو اس مادی و ناسوتی دنیا کے قویٰ کا ہے، جنت میں تو قویٰ ہی دوسرے ہو گئے،

وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿١٠٤﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ

رہے گا سو اس پر (وبال) رہے گا، اور میں کوئی تمہارے اوپر نگراں تو ہوں نہیں ۱۵۲، اور اسی طرح ہم دلائل کو (خوب) ابیر پھیر کر بیان کرتے

وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿١٠٥﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ

ہیں تاکہ یہ (کافر) یوں کہیں کہ آپ نے پڑھ لیا ہے ۱۵۳، اور تاکہ ہم اس (قرآن) کو خوب کھول دیں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں آپ پیروی کئے جائیے

عالمِ ناسوت میں نفی دیدار سے جنّت کے دیدار کو تعلق ہی کیا؟ ــــ علی ہذا واقعۂ معراج میں رسول اللہ صلعم کی زیارت حق کا تعلق ہی ان قوائے ناسوتی سے بالکل نہیں، وہ واقعہ تو خود ہی عالمِ آخرت کا ہے جس کا تجربہ ومشاہدہ بہ طور معجزہ کے رسول کو اسی دنیا میں کرا دیا گیا۔

ابو اسحٰق کے حوالہ سے نقل ہوا ہے کہ آیت میں جس حقیقت کا اعلام ہے اس سے یہ بات بھی نکل آئی کہ خلق کو بصارت کی حقیقت و ماہیئت کا علم بالکل نہیں، اور نہ اس کا کہ ایسے جسم کے دوسرے اعضاء کے بجائے صرف آنکھوں ہی سے کیوں دکھائی دیتا ہے، اور مخلوق کو جب خلق ہی کی کنہ و ماہیئت کا ادراک نہیں ہو سکتا تو پھر اللہ تو لطیف و خبیر ہے، اس کا ادراک وہ کیونکر کر سکتی ہے۔

قال ابو اسحٰق اعلم اللہ انہ یدرک الابصار وفی ھذا الاعلام دلیل ان خلقہ لا یدرکون الابصار ای لا یعرفون کیف حقیقۃ البصر وما الشیٔ الذی بہ صار الانسان یبصر من عینیہ دون ان یبصر من غیرھما من سائر اعضائہ فاعلم ان خلقًا من خلقہ لا یدرک المخلوقون کنہہٗ ولا یحیطون بعلمہ فکیف بہ تعالٰی والابصار لا تحیط بہ وھو اللطیف الخبیر (لسان)

لا تدرکہ الابصار۔ محقق تھانویؒ نے فرمایا کہ بصر سے مراد اگر بصارت ہے تو نفی رؤیت اسی دنیا کے ساتھ محدود رہے گی، اور اگر بصارت و بصیرت دونوں مراد ہیں تو نفیِ ادراک کے معنی نفیِ ادراک بالکنہ کے کئے جائیں گے۔

۱۵۲ (کہ میرے اوپر تمہارے عقائد و اعمال کی ذمہ داری آتی ہو)

یہ خطاب پیمبرؐ کو ہے کہ آپ یوں کہہ دیجئے۔

بصائر من ربکم۔ قرآن کے دلائل، رسولؐ کے معجزات، سب بصائر کے تحت میں داخل ہیں۔

ای ایات وبراھین یبصر بھا ویستدل (قرطبی) یعنی بالبصیرۃ الحجۃ البینۃ الظاھرۃ (قرطبی)

البصائر ھی البینات والحجج التی اشتمل علیھا القراٰن وما جاء بہ الرسول (ابن کثیر)

فمن ابصر۔ یعنی دلائل سے توحید تک پہنچ جائے گا۔

وما انا علیکم بحفیظ۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس سے اہل طریق کے اس معمول کی طرف اشارہ نکلتا ہے کہ حقِ ارشاد ادا کر کے پھر کسی کے درپے نہیں ہوتے۔

۱۵۳ (ان مضامین کو کسی صاحبِ علم سے)

چنانچہ یہی ہوا، ایک اُمّی کی زبان سے بلند پایہ علوم، معارف و حقائق کو صحیح و شستہ پیرایۂ بیان میں

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا

اس کی جو آپ پر آپ کے پروردگار کی جانب سے وحی کیا گیا ہے، کوئی خدا نہیں بجز اس کے اور مشرکوں کی جانب سے بے التفات رہیے [١٥٤] اور اگر

وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٧﴾ وَلَا تَسُبُّوا

اللہ کی مشیت (یہی) ہوتی تو یہ (لوگ) شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کے اوپر کوئی نگران نہیں بنایا ہے اور نہ آپ ان پر مختار ہیں [١٥٥]

الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ

اور انہیں دشنام نہ دو جن کو یہ (لوگ) اللہ کے سوا پکارتے رہتے ہیں ورنہ یہ لوگ حد سے گزر کر براہِ جہل اللہ کو دشنام دیں گے [١٥٦]

سن کر ظالموں نے کہنا یہ شروع کیا کہ یقیناً یہ مضامینِ عالی انھوں نے کسی نصرانی یا یہودی سے خوب پڑھ کر یاد کر لیے ہیں — اور جاہلیت کے انہیں لال بجھکڑوں کی نقل آج بڑے بڑے "مستشرقین" اور فضلائے یورپ کر کے قرآن مجید کی اس پیش خبری کی توثیق کر رہے ہیں۔

لیقولوا میں ل لام عاقبت کا ہے لام علت کا نہیں۔

اللام لام العاقبة (بیضاوی۔ عکبری)

یعنی اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے نہ یہ کہ یہ نتیجہ ہونا چاہیئے، لام عاقبت جس کلام پر لایا جائے اس سے مراد ایسی چیز ہوتی ہے جو بہ طور نتیجہ نکل آئے لیکن مقصود نہ ہو۔

وھی اللام التی تدخل علی ما یترتب علی شئ ولیس مقصودا (گازرونی حاشیة بیضاوی)

ای ان امرھم یصیر الی ھذا (عکبری)

ولنبینه۔ ضمیر قرآن کی تعلیم و ہدایت کی جانب ہے۔

لقوم یعلمون۔ یعنی اس سے پورا فائدہ وہی اٹھائیں گے جو اپنی فہم و دانش سے کام لیں گے۔

١٥٤ ؎ یعنی فرطِ شفقت سے ان بدبختوں کے حال پر بہت زیادہ غم و حزن نہ کیجیے، اور اپنے التفات کامرکز قرآن و وحی الٰہی کو رکھیے، مشرکین کی طرف کچھ زیادہ توجہ ہی نہ کیجیے۔

ای لاتشغل قلبك وخاطرك بهم بل اشتغل بعبادة الله (قرطبی)

١٥٥ ؎ (ہماری طرف سے کہ جب چاہیں ان پر عذاب نازل کر دیں یا قبولِ ہدایت پر انہیں مجبور کر دیں)

ای قیّم بامورھم فی مصالحهم لدینهم ودنیاھم حتی تلطف لهم فی تناول ما یجب لهم (قرطبی)

ولو شآء اللہ ما اشرکوا۔ یعنی اگر مشیتِ تکوینی یہی ہوتی تو خلقت قبولِ ہدایت پر مجبور و مضطر ہوتی اور اپنا کوئی اختیار و ارادہ ہی اس باب میں نہ پاتی لیکن مشیتِ تکوینی نے یہ نظام ہی سرے سے نہیں رکھا ہے بلکہ ہر شخص کو قبولِ ہدایت میں انتخاب و اختیار کی آزادی دے رکھی ہے — شرک بھی مشیتِ تکوینی سے باہر نہیں جیسا کہ بعض گمراہ فرقوں نے سمجھ رکھا ہے، بلکہ اس کے تحت ہی میں ہے۔

نص علی ان الشرک بمشیتہ وھو ابطال لمذھب القدریۃ (قرطبی) مراعیاً لاعمالھم ماخوذا بالجرامھم (مدارک)

وما جعلنٰک علیھم حفیظا. آپ ان لوگوں پر کوئی نگراں تو ہیں نہیں کہ ان کی بے ہودگیوں کی ذمہ داری کسی درجہ میں بھی آپ پر آرہی ہو یا یہ کہ آپ انھیں عذاب الٰہی سے کسی درجہ میں بچا سکیں۔

ای لا یمکنک حفظھم من عذاب اللہ (قرطبی)

۱۵۶ فقہاء نے اسی اصل سے یہ قاعدہ مستنبط کیا ہے کہ جو طاعت درجۂ واجب میں نہ ہو، اور کسی معصیت کا سبب بن جاتی ہو تو اس طاعت کو ترک کر دیا جائے گا۔

قال العلماء حکمھا باق فی ھذہ الامۃ علی کل حال فمتی کان الکافر فی منعۃ وخیف ان یسب الاسلام او النبی علیہ السلام او اللہ عزوجل فلا یحل لمسلم ان یسب صلبانھم ولا دینھم ولا کنائسھم ولا یتعرض الی ما یؤدی الی ذلک لانہ بمنزلۃ البعث علی المعصیۃ (قرطبی) منع اللہ تعالیٰ فی کتابہ احداان یفعل فعلاً جائزاً یؤدی الی محظور ولاجل ھذا تعلق علماؤنا بھذہ الآیۃ فی سد الذرائع وھو کل عقد جائز فی الظاھر یؤول او یمکن ان یتوصل بہ الی محظور۔ (ابن العربی)

"بتوں کو برا کہنا فی نفسہ امر مباح ہے مگر جب وہ ذریعہ بن جائے ایک امر حرام یعنی گستاخی بجناب باری تعالےٰ کا وہ بھی منہی عنہ اور قبیح ہو جائے گا، اس سے بے تکلف یہ ایک قاعدۂ شرعیہ ثابت ہوا کہ مباح جب حرام کا سبب بن جائے وہ حرام ہو جاتا ہے"۔ (تھانویؒ)

فی ھذہ الآیۃ ایضا ضرب من الموادعۃ ودلیل علی وجوب الحکم بسد الذرائع وفیھا دلیل علی ان المحق قد یکف عن حق لہ اذا ادّی الی ضرر یکون فی الدین (قرطبی) فی ذلک دلیل علی ان المحق علیہ ان یکف عن سب السفھاء الذین یتسرعون الی سبہ علی وجہ المقابلۃ لہ لانہ بمنزلۃ البعث علی المعصیۃ (جصاص) ومن ھذا القبیل وھو ترک المصلحۃ لمفسدۃ ای منھا ما جاء فی الصحیح ان رسول اللہ صلعم قال ملعون من سب والدیہ۔ (ابن کثیر)

لیکن جو امر درجۂ واجب و فرض میں ہو، مثلاً اثباتِ توحید و رسالت یا ابطالِ شرک، فقہاء نے لکھا ہے کہ وہ ایسے مفاسد کے ترتب کی بنا پر ترک نہ کیا جائے گا۔

الحق ان کان واجبا فیاخذہ بکل حال وان کان جائزا ففیہ یکون ھذا القول۔ (ابن العربی)

الذین یدعون من دون اللہ. جنھیں یہ مشرکین بہ طور معبود پکارتے ہیں۔ مفسرین نے یہاں یہ شبہ نقل کیا ہے کہ مشرکین عرب جنھیں پکارتے تھے وہ تو بے جان بت تھے، پھر ان کے لئے الذین کیوں آیا، جو صیغۂ جاندار اور ذوی العقول کے لئے ہے، اور پھر خود ہی جواب دیا ہے کہ یہ مشرکین کے خیال کے مطابق ہے کہ وہ تو انھیں ذوی العقول میں شمار کرتے تھے

عبر عن الاصنام وھی لا تعقل بالذین علی معتقد الکفرۃ فیھا۔ (قرطبی)

لیکن اصلی جواب یہ ہے کہ الذین یدعون من دون اللہ سے مراد صرف بیجان بت ہی نہیں، بلکہ وہ تمام جاندار ہستیاں بھی ہیں، جن کے معتقد اہلِ شرک ہر قوم اور ہر دور میں رہے ہیں۔

عدوًا. یعنی زیادتی کر کے۔

كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ

اسی طرح ہم نے ہر طریق کے لوگوں کی نظر میں ان کا عمل خوشنما بنا رکھا ہے، پھر ان سب کی اپنے پروردگار کے پاس واپسی

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٨﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ

سو وہ انھیں جتلا دے گا جو کچھ بھی وہ کرتے رہے تھے ۱۵۷ اور انھوں نے اللہ کی قسم بڑے زور سے کھا کر کہا کہ اگر ان کے پاس کوئی نشان

اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ

آ جائے تو وہ ضرور ہی اس پر ایمان لے آئیں آپ کہہ دیجیے کہ نشانیاں تو (سب) اللہ ہی کے پاس ہیں اور تم خبر نہیں رکھتے

اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٩﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ

کہ جب وہ نشان آ جائے گا (جب بھی) یہ ایمان نہیں لائیں گے ۱۵۸ اور ہم بھی ان کے دلوں کو اور ان کی نظروں کو پھیر دیں گے

ای جھلًا واعتداءً (قرطبی)

۱۵۷ (اور وہیں اس کا بدلہ بھی مل جائے گا)

جس طرح یہ عالم عالمِ ابتلاء ہے اسی طرح عالمِ آخرت عالمِ جزا ہے جہاں کشفِ حقائق کے ساتھ ساتھ پورا پورا عدل بھی ہو کر رہے گا۔

کذٰلک.... یعملون یعنی اس پر حیرت مطلق نہ کی جائے کہ ایسی شدید گستاخی پر دنیا میں سزا فی الفور کیوں نہیں مل جاتی دنیا میں تو آزادیٔ عمل کا قاعدہ ہی ہم نے مقرر کر رکھا ہے اور اسی لئے تو اس عالم کا نام عالمِ ابتلاء ہے

کذٰلک یعنی جس طرح ہم نے ان لوگوں کی نظر میں ان کے یہ عمل خوشنما و پسندیدہ کر دکھائے ہیں اسی طرح ہر ہر طبقہ اور ہر ہر امت کی نظر میں اس کا اپنا عمل پسندیدہ کر دکھایا گیا ہے۔

ای کما زینا لھٰؤلاء اعمالھم کذٰلک زینا لکل امۃ عملھم (قرطبی) ای مثل ذٰلک التزئین (مدارک)

۱۵۸ یہ پیش خبری عالمُ الغیب والشہادۃ کی طرف سے ہے اور اسی کو یہ کہنے کا حق بھی پہنچتا ہے کہ ان کے فرمائشی معجزات بھی جتنے کے جتنے پورے ہو جائیں جب بھی غایتِ عناد سے یہ لوگ ایمان لانے کے نہیں۔

جھد ایمانھم۔ محاورہ میں مراد بڑی سخت اور غلیظ قسموں سے ہے اور مشرکین عرب ایسی قسمیں اپنے خدائے اعظم اللہ ہی کے نام کی کھاتے تھے۔

معناہ باغلظ الایمان عندھم (قرطبی) وجھد الایمان اشدھا و ھو باللہ (قرطبی)

لئن جاءتھم اٰیۃ لیؤمنن بھا۔ یعنی ہمارے فرمائشی معجزات میں سے کوئی معجزہ دکھا دیا جائے تو ہم اس پر ایمان لے آئیں اور صاحبِ معجزہ کی نبوت کے قائل ہو جائیں کوئی معجزہ سے مراد فلاں متعین معجزہ تھا۔

ای من مقترحاتھم۔ (بیضاوی۔ مدارک)

كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١٠﴾

جیسا کہ یہ لوگ اس کے اوپر پہلی بار ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑے رہیں گے ۱۵۹

روایتوں میں آتا ہے کہ خاص فرمائش اس معجزہ کی تھی کہ مکہ کا کوہ صفا سونے کا بن جائے۔

انما الأيت عند الله۔ یعنی معجزات وخوارق کا وقوع پیمبر یا کسی بندہ کے ہاتھ میں نہیں تمام تر اللہ کے ہاتھوں میں ہے اس لئے کہ معجزہ کی حقیقت ہے نظام کائنات کے کسی مستمر اور بندھے ہوئے معمول میں کچھ ترمیم کرنا، اور وہ فاطرِ کائنات ہی کے اختیار میں ہونا بالکل ظاہر ہے وہی قدرت بھی اس پر رکھتا اور وہی علم بھی اس کا رکھتا ہے کہ کس معجزہ کا وقوع موافق حکمت ہوگا، اور کس کا مخالف حکمت، پس کسی مخصوص ومتعین معجزہ کی فرمائش ہی سرے سے بے جا ہے، البتہ نفس معجزہ یا غیر معمولی نشان پیمبر کے دعوی کی تصدیق وتقویت کے لئے عین موافق حکمت ہے، اور ایسے نشانات ایک نہیں متعدد تصدیق رسالتِ محمدیؐ میں ظاہر ہو چکے تھے۔

ومایشعر.... لایومنون۔ بعض مسلمانوں کو قدرۃً یہ خیال گزر رہا تھا کہ کاش ان منکروں کی فرمائشیں پوری کردی جائیں، تو شاید کہ یہ لوگ اسی طرح مسلمان ہو جائیں، یہاں جواب اس کا مل رہا ہے اور ضمیر کم کے مخاطب مومنین معاصرین ہیں۔

یا معشر المسلمین (ابن عباسؓ) وقال الفراء وغیرہ الخطاب للمؤمنین لأن المومنین قالوا للنبی صلعم یارسول الله لونزلت الآیة لعلهم یومنون (قرطبی) وکان المومنون یطمعون فی ایمانهم (مدارک)

انها۔ یعنی وہی فرمائشی معجزات۔

ای الآیة المقترحة (مدارک)

۱۵۹ (ان کے ضد اور عناد کے نتیجہ کے طور پر)

یعنی حق کی طلب وتلاش چونکہ ان میں سرے سے ہے ہی نہیں، اس لئے ہزار معجزات دیکھ لیں ہدایت انھیں نصیب نہ ہوگی، اور یہ یوں ہی بدستور بھٹکتے ہی رہیں گے۔

نقلب افئدتهم وابصارهم۔ ان کی آنکھیں حق بینی کی طرف اور ان کے دل حق طلبی کے قصد کی طرف سے ہٹادئے جائیں گے ___ ضمیر جمع متکلم کا استعمال حق تعالی کی طرف یہاں صرف تکوینی سلسلۂ علل کے مسبب الاسباب کی حیثیت سے ہے۔

عن قبول الحق وعن رویة الحق عند الآیة التی اقترحوها (مدارک)

لم یؤمنوا به۔ ضمیر قرآن مجید کی جانب ہے۔

اول مرة۔ شروع میں، پہلے وہلہ میں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ خوارق کا طلب کرتے رہنا طریق ہدایت نہیں طریق ہدایت صرف اتباعِ بینات ہے پس سالک کو چاہئے کہ شیخ کے کرامات وخوارق کی تلاش میں نہ پڑے، بلکہ اس کے علم وعمل پر اطمینان کے بعد اس کی پیروی میں لگ جائے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى

اور خواہ ہم ان پر فرشتوں ہی کو اتار دیتے اور (خواہ) ان سے مُردے ہی باتیں کرنے لگتے اور (خواہ)

وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ

ہم ہر چیز کو ان کے پاس ان کے (آنکھوں کے) سامنے ہی لاکر موجود کر دیتے جب بھی یہ لوگ ایمان لانے کے نہ تھے ۱۶۰

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

ہاں اگر اللہ ہی چاہے لیکن ان میں سے زیادہ تر تو جہالت ہی سے کام لیتے ہیں ۱۶۱

۱۶۰ (اس لئے کہ فرطِ شرارت اور شدتِ عناد سے یہ طلبِ حق کا قصد ہی نہیں کرتے) بیان منکرین اسلام کی شدتِ عناد و قساوتِ قلب کا ہو رہا ہے کہ بالفرض ان کی ساری فرمائشیں پوری کر دی جائیں اور دنیا بھر کے خوارق انھیں دکھلا دیئے جائیں، جب بھی چونکہ یہ اپنے میں طلب صادق پیدا ہی نہیں کرتے اس لئے ہمیشہ کوئی نہ کوئی الٹی سیدھی تاویل کر ہی لیں گے اور ایمان بہرحال نہ لائیں گے۔

ولو اننا نزلنا الیھم الملائکۃ۔ جیسا کہ خود ان کی فرمائش تھی "لولا انزل علینا الملائکۃ"— اور اس صورت کے ساتھ نزولِ ملائکہ عام دستور عالمِ ناسوت کے منافی ہے۔

وکلمھم الموتی۔ جیسا کہ خود ان کی فرمائش تھی فاتوا باٰبائنا— یہ بھی عام عادت ناسوتی کی خارق ہے۔ وحشرنا علیھم کل شیٔ قبلا۔ یعنی ہر غیب ان پر مکشوف کر دیتے جیسی کہ ان کی فرمائش تھی— تاتی باللہ والملائکۃ قبلا— یہ بھی عام قوانینِ دنیا کے لحاظ سے ایک امرِ محال کی فرمائش تھی۔

غرض یہ کہ بالفرض ان کے سارے فرمائشی معجزات و خوارق ان کے سامنے پورے کر دکھائے جاتے۔

آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مشاہدۂ خوارق سے نفع ہرگز لازمی نہیں، اصل شئے طلبِ صادق ہے ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

اور صاحبِ مثنوی کی زبان میں ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست تا بجوید آبت از بالا و پست

امام المفسرین فخر رازیؒ نے لکھا ہے کہ کوئی ایک نیا معجزہ تو پیمبر کے لئے ضروری ہے کہ جس سے عوام صادق و کاذب کے درمیان فرق کر سکیں لیکن ایک سے زیادہ کا مطالبہ کرتے رہنا محض ہٹ دھرمی ہے ورنہ پھر ہر دوسرے کے بعد تیسرے اور تیسرے کے بعد چوتھے کی طلب برابر بڑھتی ہی جائے گی اور سلسلہ کبھی ختم ہی نہ ہوگا۔

المعجزۃ الواحدۃ لابد منھا لیتمیز الصادق عن الکاذب فاما الزیادۃ علیھا فتحکم محض ولا حاجۃ الیہ والا فلھم ان یطلبوا بعد ظھور المعجزۃ الثانیۃ ثالثۃ وبعد الثالثۃ رابعۃ ویلزم ان لا تستقر الحجۃ (کبیر)

حشرنا۔ حشر جمع کر دینے یا موجود کرانے کے معنی میں ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن شیطان، انسان اور جنات (دونوں) میں سے پیدا کر دیئے تھے، جو ایک

بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ط

دوسرے کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے دھوکے دینے کو۔ ۱۶۲

الحشر الجمع (قرطبی)

۱۶۱ جہالت یہی کہ ایمان کا تو سرے سے قصد ہی نہیں، اور فرمائشیں خوارق ومعجزات کی پھر بھی کیے جاتے ہیں، پیمبر کی اصل تعلیمات اور ایمان کے مقصد وغایت پر غور ہی نہیں کرتے، اور پیمبر کو گویا ساحر یا شعبدہ باز سمجھے ہوئے ہیں، ضد وعناد سے اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں، اور خلوئے ذہن کے ساتھ دلائل وشواہد پر نظر کر کے ایمان کا قصد ہی نہیں کرتے۔ یہ معنی بھی لئے گئے ہیں کہ اتنا نہیں سمجھتے کہ ہر معجزہ وخارقِ عادت تمام تر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

قال اصحابنا المراد یجھلون بان الکل من اللہ وبقضائہ وقدرہ (کبیر)

الا ان یشاء اللہ۔ یعنی بجز اس کے کہ اللہ اپنے قانونِ تکوینی تقدیری ہی کو بدل دے اور مشیت انھیں زبردستی راہِ ہدایت پر لے آئے ــــ قرآن مجید نے بار بار اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اللہ کا ارادہ یا مشیت ہرگز کسی اور قانون کے ماتحت ومحکوم نہیں، بلکہ خود ہی سب پر حاکم وغالب ہے۔

اکثرھم۔ کلھم کے بجائے اکثرھم اس لئے کہ آخر کچھ تو ان میں سے ایمان لے ہی آئے۔

۱۶۲ (تو اس لئے آپ سمجھے رہئے کہ یہ کوئی آپ کے ساتھ نیا اور انوکھا معاملہ نہیں، یہ انبیاءؑ کے ساتھ پیش آتا ہی رہا ہے)

یوحی ... غرورا۔ یعنی تاکہ لوگوں کو فریب میں مبتلا کریں، انسان شیطان کے فریب ہی میں آ کر کفر میں مبتلا ہوتا ہے، یہ اس حقیقت کا بیان ہے کہ ہر پیمبر کے دور میں شیاطین الانس وجن ہی دھوکے کا سبز باغ دکھا دکھا کر لوگوں کو گمراہ کیا کئے ہیں

کذلک۔ یعنی نبی وقت کے ساتھ عداوت سے پیش آتے رہنا۔

ای کما ابتلیناک بھولاء القوم (قرطبی) ای جعلنا لک عدوا کما جعلنا لمن قبلک من الانبیاء (کبیر)

شیٰطین الانس والجن۔ یہ اس باب میں نص ہے کہ قرآن مجید نے جنھیں اپنی اصطلاح میں شیاطین کہا ہے، وہ ہمیشہ جنات ہی نہیں ہوتے، جو بھی انسان شیطان کی نیابت انجام دینے لگے، وہ گویا شیطان بہ قالبِ انسان ہے۔ شیطان کا لفظ قرآن مجید میں ہر سرکش ونافرمان دشمنِ ایمان کے لئے عام ہے، خواہ وہ بنی آدم سے ہو یا بنی جان سے۔

المعنی مردۃ الانس والجن والشیطان کل عات متمرد من الانس والجن وھذا قول ابن عباس ومجاھد والحسن وقتادۃ (کبیر) قال مجاھد وقتادۃ والحسن ان من الانس شیاطین کما ان من الجن شیاطین، والشیطان العاتی المتمرد من کل شیء (معالم) والصواب ماروی عن مجاھد وقتادۃ والحسن وھو ان من الانس شیاطین ومن الجن شیاطین ورجحہ ابن جریر (المنار)

زخرف القول۔ زخرف کے معنی ملمع سازی کے ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١١٢﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ

اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو یہ ایسا نہ کر سکتے، سو آپ انھیں اور جو کچھ یہ افترا کر رہے ہیں اس کو چھوڑے رکھئے ١٦٣ تاکہ اس (فریب آمیز بات)

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿١١٣﴾

کی طرف ان لوگوں کے دل مائل ہو جائیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور تاکہ اس کو پسند کرنے لگیں اور تاکہ مرتکب ہونے لگیں اس کے جس کے مرتکب یہ ہو رہے ہیں ١٦٤

الزخرف الزينة المزوقة (راغب)

اس میں اشارہ ہے کہ شیطانی تلبیسات ہمیشہ کوئی نہ کوئی پہلو ظاہری خوشنمائی کا رکھتی ہیں اگر فوری لذت اور ظاہری آب و تاب ان میں نہ ہو تو کوئی ادھر کا رخ ہی کیوں کرے۔

اى المزوقات من الكلام (راغب) وهو الذى يكون باطنه باطلا وظاهره مزينا ظاهرًا۔ (کبیر)

جتنے جاہلی مذہب دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، غور کر لیجئے سب میں ملمع سازی کے پہلو اچھے خاصے موجود ہوں گے ہر باطل فرقہ کوئی نہ کوئی ظاہری کشش اپنے میں ضرور رکھتا ہے۔

آج اہلِ باطل کے جتنے مختلف نظریات مغرب یا مشرق سے آ رہے ہیں یا نئی نئی ازم (ISM) کے ساتھ، ان سب کے دعوے کیسے کیسے خوشنما اور ظاہر فریب ہیں! کوئی کہتا ہے کہ ہم روٹی کے سوال کو حل کئے دیتے ہیں، کوئی کہتا ہے ہم دنیا سے مفلسی اور محتاجی کو مٹائے دیتے ہیں، اور کوئی کہتا ہے کہ ہم مفلسی اور تونگری کے فرق کو مٹا کر سب کو ایک درجہ پر رکھ دیتے ہیں، وقس علیٰ ہذا، یہ سارے نمونے اسی زخرف القول کے ہیں۔

یوحی۔ وحی کے لفظی معنی اشارۂ سریعہ کے ہیں۔

اصل الوحى الاشارة السريعة (راغب) وهو عبارة عن الايماء والقول السريع (کبیر)

اس عملِ شیطانی کو وحی سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ یہ وسوسہ اندازی بالکل خفیہ خفیہ ہوتی ہے۔

سمى وحيا لانه انما يكون خفية (قرطبی)

غرورا۔ یعنی فریب میں مبتلا رکھنے کے لئے ___ خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے، ہر معصیت میں پڑنے کی آخری بنیاد کیا ہوتی ہے؟ یہی نہ کہ باطل کو حق اور زہر کو تریاق سمجھ لیا گیا۔

١٦٣ھ (ہمارے اوپر، اور خود زیادہ فکر و غم میں مبتلا نہ رہیے)

رسولِ اسلام ﷺ کی تسلی، اور آپ ﷺ کے اختیارات کی حد بندی، دونوں کی تعلیم اس ذرا سے فقرہ میں آ گئی۔

ذرھم۔ حکم تہدید کا پہلو لئے ہوئے ہے۔

امر فيه معنى التهديد (قرطبی)

ولو شاء ربك۔ یعنی اگر اس کی مشیتِ تکوینی یوں ہی ہوتی۔

ما فعلوه۔ یعنی یہ سب کے سب اضطراراً بھی مومن و متقی ہوتے، لیکن اس نے اپنے مصالحِ تکوینی سے انسان کو ایمان پر مضطر و مجبور نہیں بنایا ہے، بلکہ انھیں انتخاب و اختیار کی آزادی دے رکھی ہے۔

أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ

تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو میں بطور حاکم تلاش کروں درانحالیکہ اسی نے ہی تو تمہارے پاس کتاب مفصل نازل کی ہے ۱۶۵

مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِينَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّنْ

اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب (آسمانی) دی ہے، وہ جانتے ہیں کہ وہ (یعنی قرآن) واقعیت کے ساتھ آپ کے

رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ

پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے، سو آپ شک کرنے والوں میں نہ ہو جائیں ۱۶۶ اور آپ کے پروردگار کا (کلام)

ومایفترون۔ یعنی دین کے باب میں انھوں نے جو جو مسئلے اور عقیدے گڑھ رکھے ہیں۔

۱۶۴ شیطانی وسوسہ اندازی کا بیان ابھی اوپر ہو چکا ہے، اب شیطانی وسوسہ اندازیوں کی غرض و غایت کا بیان ہے

لتصغیٰ میں ل غرض و غایت کے اظہار کے لئے ہے۔

اللام لام کی (قرطبی)

الذین لایومنون بالاٰخرۃ۔ سرکشی و نافرمانی کے مقابلہ میں اصلی سپر یہی خوفِ آخرت ہے، اس بنیاد کا کمزور ہونا ہی شیطان کے آغوش میں جا پڑنا ہے۔

ولتصغیٰ الیہ افئدۃ۔ گمرہی کے سلسلہ میں پہلا درجہ اسی میلانِ نفس کا ہوتا ہے۔

ولیرضوہ۔ دوسرا درجہ میلانِ نفس کے بعد یہ ہوتا ہے کہ انسان ان گمراہانہ عقائد کو اعتقادِ قلب کے ساتھ پسند و اختیار کرنے لگتا ہے۔

ولیقترفوا۔ تیسری منزل عملاً معاصی میں مبتلا ہو جانے کی ہوتی ہے۔

۱۶۵ (جس میں اصولِ دین و عقائد کی تفصیل موجود ہے)

یہ قول رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا کرایا جا رہا ہے۔

شارع علیہ السلام کے توضیحی و تشریحی ارشادات، فقہاء کے استنباطی احکام وغیرہ قرآن مجید کے مفصل ہونے کے ذرا بھی منافی نہیں۔

حکما۔ یعنی میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ صادر کرنے والا حاکم۔

المعنی افغیر اللہ اطلب لکم حاکما وھو الذی کفاکم مئونۃ المسألۃ فی الاٰیات بما انزلہ الیکم (قرطبی) ای قل لھم یا محمد افغیر اللہ اطلب من یحکم بینی و بینکم (بیضاوی)

۱۶۶ یعنی شک و تردد اس باب میں کرنے لگیں کہ اہل کتاب پر وضوحِ حق پوری طرح ہو بھی چکا ہے یا نہیں، یاد رکھئے ان پر خوب اچھی طرح ہو چکا ہے۔

ای من الشاکین فی انھم یعلمون انہ منزل من عند اللہ (قرطبی) فی ان اھل الکتاب یعلمون انہ منزل

صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۱۵﴾

صدق و عدل کے لحاظ سے کامل ہے کوئی بدلنے والا نہیں سکتا اس کے کلام کو اور وہی خوب سننے والا ہے پورا علم رکھنے والا ہے ۶۷

ذٰلك الا انهم اهل منهم آثار العلوم احكام المعرفة (روح)

من ربك (كبير) اى المتحدد بين قالهم يعلمون

الذین اٰتینٰهم الکتاب ۔ یعنی یہود و نصاریٰ۔

یعنی الیہود و النصاریٰ (قرطبی)

یعلمون ۔ یعنی جانتے ہیں اور خوب یقینی طور پر جانتے ہیں ان پیشین گوئیوں کی بنا پر جو ان کی کتابوں میں درج ہیں

ایراد الطائفتین بعنوان ایتاء الکتاب الایذان بانهم علموا ما علموا من جهة كتابهم (روح)

بالحق ۔ صداقت و واقعیت کے ساتھ یا خاص غرض و غایت لئے ہوئے۔

۶۷ لے خوب سننے والا ان منکرین کے اقوال کا (السمیع) کوئی اسے غافل و بے خبر نہ سمجھ لے اور پورا علم رکھنے والا ان منکرین کے عقائد اور دلی خیالات کا (العلیم) کوئی اسے ناواقف نہ خیال کرے۔

کلمة ربك ۔ اہل معانی نے لکھا ہے کہ کلمۃ واحد ہے، لیکن اس کا اطلاق مجموعۂ کلام پر بھی ہوتا ہے جب وہ پورا کلام محکم واحد میں ہوتا ہے چنانچہ کلمۂ زہیر سے مراد قصیدۂ زہیر اور کلمتہ سے مراد خطبتہ عربی میں عام ہے۔

الكلمة قد يراد بها الكلمات الكثيرة اذا كانت مضبوطة بضابط واحد كقولهم قال زهير فى كلمته يعنى قصيدته وقال قس فى كلمته اى خطبته (كبير)

لا مبدل لكلمته ۔ کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اس کلام الٰہی میں کاٹ چھانٹ، گھٹ بڑھ سکے، یہ ترمیم و تغیر سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہے۔

قال قتادة الكلمات هى القرآن لا مبدل له لا يزيد فيه المفترون ولا ينقصون (قرطبی) المراد انها تبقى مصونة عن التحريف والتغيير ۔ (كبير)

دوسرے معنی امام رازیؒ نے یہ بھی کئے ہیں کہ ان دلائل قوی میں منکرین کے شکوک و شبہات ذرا بھی رخنہ نہیں پیدا کر سکتے

تلك الشبهات لا تاثير لها فى هذه الدلائل التى لا تقبل التبديل البتة ۔ (كبير)

تمت کلمت ربك صدقا و عدلا تمام تر صدق اپنے بیانات کے لحاظ سے ماضی کے جتنے واقعات اس نے بیان کئے ہیں، دنیا میں تاریخی و اثری تحقیقات جتنی بھی بڑھتی جائیں گی، قرآن کی صداقت کو اس سے دھکا نہیں لگ سکتا وہ اور زیادہ ہی روشن ہوتی جائے گی۔

یکسر عدل اپنے احکام و ہدایات کے لحاظ سے دنیا کے بڑے سے بڑے پیچیدہ انفرادی و اجتماعی مسائل میں تجربہ کر لیا جائے، قرآن کے قائم کردہ نقطۂ عدل و اعتدال اور درجۂ توازن کی قدر اور نکھرتی ہی آئے گی۔

امام رازیؒ نے کل مضامین قرآن کو خبر (روایت) اور تکلیف (احکام) کے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، اور یہاں صفاتِ صدق و عدل کو انہیں دونوں سے متعلق کیا ہے۔

صدقا ان كان من باب الخبر و عدلا ان كان من باب التكاليف (كبير) الصدق فى الاخبار

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

اور جو لوگ سطح زمین پر (آباد) ہیں ان میں سے اکثر کا کہنا اگر آپ ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بھٹکا کر رہیں ١٦٨ ف

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ

یہ تو بس اٹکل ہی کی پیروی کرتے ہیں اور محض گمان میں پڑے رہتے ہیں ١٦٩ ف بے شک آپ کا پروردگار ہی خوب

هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

واقف ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہی راہ پائے ہوؤں کو بھی خوب جانتا ہے ١٧٠ ف

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

سو اس (جانور) میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا جائے اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو ١٧١ ف

والمواعيد والعدل فى الاقضية والاحكام (روح)

فقہاء مفسرین نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ تصریحاتِ قرآنی کی طرح مدلولاتِ قرآنی بھی واجب الاتباع ہیں

دلت الآية على وجوب اتباع دلالات القرآن لانه حق لايمكن تبديله بمايناقضه (قرطبی)

١٦٨ ف (کہ دنیا کی اکثریت تو منکروں اور گمراہوں ہی پر شامل ہے)

مطلق "اکثریت" قرآن کی نظر میں ہرگز کسی سند یا دلیل کے قائم مقام نہیں جیسا کہ سیاسیات حاضرہ میں فرض کر لیا گیا ہے

١٦٩ ف وحی الٰہی کے نور مبین اور علم قطعی کے علاوہ دنیا میں "عقل" اور "علوم" کے نام سے جو کچھ بھی ہے، چاہے وہ ارسطو کی منطق ہو چاہے کانٹ کے مقولات (CATAGORIES) سب ظن و تخرص ہی کے حکم میں داخل ہیں، ظن یہاں بہت وسیع معنی میں ہے، یعنی تیقین کی ضد۔

ان هم۔ ان يتبعون۔ ان یہاں دونوں جگہ ما کے مرادف ہے۔

ان بمعنى ما (قرطبی)

مرشد تھانوی رح نے فرمایا کہ باب احکام میں کشف و الہام حجت نہیں، اور ان پر جزم کرنا تو بالکل ہی باطل ہے

١٧٠ ف سو اس کے اس علم کامل و محیط کے لحاظ سے نافرمانوں کی سزا اور فرمانبرداری کا انجام دونوں یقینی ہیں

مَن یہاں اَیّ کے مرادف ہے۔

من بمعنى اى (قرطبی)

١٧١ ف آیت کے آخری ٹکڑے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حلال کو حرام قرار دے لینا ایمان کے منافی ہے۔

فکلوا میں ف کا تعلق آیت ١١٦ سے سمجھا گیا ہے جہاں اتباعِ ظن و تخرص یعنی وحی الٰہی کے سوا اور کسی چیز کے تابع فرمان ہونے کی صریح ممانعت وارد ہے۔

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا

اور تمہارے لئے آخر کیا وجہ ہے کہ تم ایسے (جانور) میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا جا چکا ہے، جبکہ (اللہ) نے

حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ

تمہیں تفصیل بتا دی ہے ان (جانوروں) کی جنہیں اس نے تم پر حرام کیا ہے[۱۷۲] سوا اس کے کہ اس کے لئے تم مضطر ہو جاؤ اور یقیناً

بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿١١٩﴾

بہت سے لوگ اپنی خواہشات کی بنا پر گمراہ کرتے رہتے ہیں بلا کسی علم کے، بے شک آپ کا پروردگار ہی خوب جانتا ہے حد سے نکل جانے والوں کو[۱۷۳]

مسیحی انکار اتباع المضلین الذین یحلون الحرام ویحرمون الحلال (کبیر)

ذکر اسم اللہ علیہ۔ یہ تسمیہ الٰہی ذبح کے وقت ہونا چاہیئے اور بلا شرکت غیرے ہونا چاہیئے اور خود جانور کا حلال جانوروں میں سے ہونا تو بہر حال ظاہر ہی ہے۔

کلوا صورۃً صیغۂ امر ہے مراد یہاں حکم نہیں صرف اجازت واباحت ہے۔

ظاہرہ امر ومعناہ الاباحۃ (جصاص)

محققین نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ محض مباح تو اس صورت میں ہے جب اپنے ذائقہ کے لئے کھائے باقی اگر یہ نیت ہو کہ اس سے طاعتِ الٰہی کے لئے قوت آئے گی تو یہی چیز باعثِ اجر بھی بن جائے گی۔

ھذا اذا ارادبا کلہ لتلذذ فھو اباحۃ ویحتمل الترغیب فی اعتقاد صحۃ الاذن فیہ فی اکلہ للاستعانۃ بہ علی طاعۃ اللہ تعالیٰ فیکون اکلہ فی ھذہ الحال ماجورا (جصاص)

آیاتہ۔ آیات یہاں احکام کے معنی میں ہے۔

ای باحکامہ واوامرہ (قرطبی)

۱۷۲ (اور یہ تفصیل یا تو قرآن مجید ہی کی دوسری آیتوں میں مل جائے گی یا پھر حاملِ وحی رسول اللہ صلعم کے ارشادات سے) آیت کے اس جزء سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی خفی پر بھی استدلال ہو گیا۔

ذکر اسم اللہ علیہ۔ یہ تسمیہ حلال جانور پر ذبح کے وقت اور بلا شرکت غیرے ہونا چاہیئے یہ نہیں کہ اللہ کا نام تو لیا جائے لیکن اس کے ساتھ شریک دوسروں کو بھی کر دیا جائے۔

الاتا کلوا۔ یعنی ایسے جانور کو حرام سمجھنے لگو۔

حرام جانوروں کی فہرست مختصر سی ہے جو قرآن کے بعد رسول اللہ ؐ کے فرمانے سے معلوم ہو گئی اب اس کے بعد حلال وجائز جانوروں کے استعمال کو قربِ الٰہی کے منافی سمجھنا تمام تر نفسِ انسانی کی گڑھی ہوئی بدعت ہے مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے غلو فی الزہد کی ممانعت نکلتی ہے جیسے بعض جاہل صوفی کیا کرتے ہیں۔

۱۷۳ اور یہاں معتدین (حد سے نکل جانے والوں) سے مراد وہ لوگ ہیں جو اشیاء کی تحلیل وتحریم اپنے اختیار پر سمجھے

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ

اور چھوڑ دو گناہ کے ظاہر کو (بھی) اور اس کے باطن کو (بھی) بے شک جو لوگ گناہ کما رہے ہیں انھیں عنقریب بدلہ مل جائے گا

بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ

اس کا جو کچھ کہ وہ کرتے رہتے ہیں ۱۷۴ الف اور اس (جانور) میں سے مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو بے شک یہ بے حکمی ہے

ای الذین یجاوزون الحلال الی الحرام (معالم)

الا ما اضطررتم الیہ۔ یعنی جب بھوک کی شدت سے مجبور ہو جاؤ، اور کوئی حلال غذا نہ مل رہی ہو تو ایسی حالت میں حرام بھی حلال کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے، اور جو چیزیں بھی حرام ہیں ان میں سے کھانے کی اجازت ہو جائے گی۔

یبین من جمیع ما حرم کالمیتۃ وغیرھا (قرطبی) ای دعتکم الضرورۃ الی اکلہ بسبب شدۃ المجاعۃ (کبیر)

لیضلون باھوائھم بغیر علم۔ یعنی اپنی خواہشات کی پیروی میں دوسروں کو بلا کسی علم صحیح کے جو سند کا کام دے سکے گمراہ کرتے رہتے ہیں، مشرکین و ملحدین کے پاس اپنی بات کی حمایت کے لئے کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی، بس یوں ہی ایک بات بک دیتے ہیں، ذبیحہ اور مردار جانور کے گوشت کے درمیان طبی حیثیت سے جو عظیم الشان فرق ہے اس تک کا بھی تو ادراک نہیں رکھتے تو اللہ کی سی ہمہ دانی اور پیمبر کی سی باریک نظری یہ کہاں سے لا سکتے ہیں۔

انما یتبعون فیہ الھوی والشھوۃ ولا بصیرۃ عندھم ولا علم (کبیر)

بغیر علم۔ علم سے مراد ایسے سیاق میں ہمیشہ دلیلِ شرعی ہوتی ہے نہ کہ دنیا کے "علوم" و "فنون"۔

ھو اعلم بالمعتدین۔ اور وہ جب ان ظالموں کے اسرارِ قلب تک کا پتہ رکھتا ہے تو انھیں سزا بھی پوری پوری دے گا، مقصود اس فقرہ سے تخویف و تہدید ہے۔

اذا کان عالما باحوالھم وکان قادرا علی مجازاتھم فھو تعالیٰ یجازیھم علیھا والمقصود من ھذہ الکلمۃ التھدید والتخویف (کبیر)

۱۷۴ الف (سو مکافاتِ عمل سے غافل کوئی بھی نہ رہے۔)

سیجزون۔ عنقریب، یعنی قیامت میں بدلہ مل کر رہے گا۔

یکسبون۔ یقترفون۔ ان سب الفاظ سے ثابت و ظاہر ہے کہ گناہ بندہ کی اختیاری چیز ہے، ایسی چیز نہیں جو بندہ کے اختیار سے کچھ بھی باہر ہو، گو خود یہ اختیار اللہ ہی کی عطا کی ہوئی ایک قوت ہے۔

ذروا ظاھر الاثم و باطنہ۔ گناہ کے ظاہر و باطن سے مراد کیا ہے؟ جن دونوں کے چھوڑ دینے کا یکساں حکم ہے؟ بعض نے کہا کہ گناہ کے ظاہر سے مراد اس کی عملی شکل اور اس کے باطن سے مراد غلط اعتقاد، اعتقادی گناہ ہے

الظاھر ما کان عملا بالبدن مما نھی اللہ عنہ وباطنہ ما عقد بالقلب من مخالفۃ امر اللہ فی ما امر و نھی

(قرطبی) قال مجاھد ظاھرہ ما یعملہ الانسان بالجوارح من الذنوب وباطنہ ما ینویہ ویقصدہ بقلبہ

(معالم) قیل ما عملتم وما نویتم۔ (کبیر)

وَإِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ إِلٰٓى أَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَإِنْ

اور بے شک شیاطین اور اپنے دوستوں کو پٹی پڑھا رہے ہیں، تاکہ وہ تم سے حجت کریں، اور اگر تم ان کا

أَطَعْتُمُوْهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿١٢١﴾ ع

کہا ماننے لگو تو یقیناً تم (بھی) مشرک ہو جاؤ گے ١٧٥

بعض نے ظاہر سے قلیل اور باطن سے کثیر مراد لی ہے۔

اے قلیلہ وکثیرہ (ابن جریر عن قتادہ)

لیکن بہترین تفسیر یہ ہے کہ ظاہر الاثم سے وہ گناہ مراد لئے جائیں جو خلق کی نظر کے سامنے علانیہ کئے جائیں اور باطن الاثم سے مراد وہ گناہ سمجھے جائیں، جو خلق کی نظر سے چھپا کر پوشیدہ کئے جاتے ہیں —— جاہلی تہذیبوں میں فسق ومعصیت کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں کہ بجائے خود وہ ذرا بھی معیوب نہیں ہیں صرف ان کا کھل جانا گناہ ہے، یونان قدیم میں چوری بجائے خود کوئی جرم نہ تھی، البتہ چوری کا کھل جانا جرم تھا، آج فرنگی تہذیب میں حرامکاری بجائے خود کوئی عیب نہیں، صرف اس کا منظر عام پر آجانا، عام رسوائی وتفضیح پیدا ہو جانا اس کا SCANDLE). بن جانا، بس صرف یہ جرم ہے —— عرب کی جاہلی تہذیب میں بھی یہی صورت تھی، یہ خصوصیت اسلام ہی کی ہے کہ اس نے پوشیدہ وعلانیہ ہر حرامکاری کو جرم ہی قرار دیا۔

كان اهل الجاهلية يستتر بالزنا ويرون ذلك حلالا ما كان سرا فحرم الله السر منه والعلانية ما ظهر منها (ابن جرير عن الضحاك) قيل هو ما كان عليه الجاهلية من الزنا الظاهر واتخاذ الحلائل في الباطن (قرطبي) قال الضحاك كان اهل الجاهلية يرون اعلان الزنا اثما والاستسرار به غير اثم (جصاص) اكثر المفسرين على ان ظاهر الاثم الاعلان بالزنا وهم اصحاب الرايات وباطنه الاستسرار به وذلك ان العرب كانوا يحبون الزنا وكان الشريف منهم يتشرف فيسر به وغير الشريف لايبالي به فيظهره (معالم)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ گناہ کی اس قرآنی تقسیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ گناہ جس طرح اعضاء وجوارح سے ہوتے ہیں اسی طرح قلب سے بھی ہوتے ہیں۔

١٧٥ (اے مسلمانو!)

ولاتاکلوا..... لفسق۔ بشرک وملحد تو بہر حال اللہ کا نام نہ لے گا، اس کا ذبیحہ تو کھلا ہوا حرام ہے، سوال صرف مسلمان کے ترکِ کے باب میں رہ جاتا ہے سو مسلم کے بھی ذبح کرتے یا شکاری جانور چھوڑتے وقت ترکِ تکبیر کی دو صورتیں ممکن ہیں، یا عمداً ودانستہ ہو اور یا محض سہو ونسیان سے ہو، امام ابو حنیفہؒ اور بہت سے دوسرے فقہاء اور بعض تابعین کا مذہب یہ ہے کہ یہ ممانعت وحرمت صرف اس صورت کے لئے ہے جب ترکِ تسمیہ دانستہ وعمداً ہو۔

ان تركها عمدا لم يوكل قاله مالك وابن القاسم وهو قول ابي حنيفة واصحابه والثوري والحسن بن حي وعيسى واصبغ وقاله سعيد بن جبير وعطاء واختاره النحاس وقال هذا احسن لانه لايسمى فاسقا اذا كان

ناسیا (قرطبی) قال اصحابنا ومالک والحسن بن صالح ان ترک المسلم التسمیة عمدا لم توکل وان ترکھا ناسیا اکل۔ (جصاص)

اور مفسر ابن کثیر نے اس مذہب کی تائید میں حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ جیسے صحابیوں اور سعید بن المسیب اور طاؤس اور عطاء اور حسن بصری جیسے تابعین اور ابو حنیفہ اور مالک اور احمد بن حنبل اور ابو یوسف جیسے ائمہ فقہ کے نام گنائے ہیں

المذھب الثالث فی المسئلة ان ترک البسملة علی الذبیحة نسیانا لم یضر وان ترکھا عمدا لم تحل ھذا ھو المشھور من مذھب الامام مالک واحمد بن حنبل وبه یقول ابو حنیفة واصحابه واسحاق ابن راھویه وھو محکی عن علی وابن عباس وسعید بن المسیب وعطاء وطاؤس والحسن البصری وابی مالک وعبد الرحمٰن ابن ابی لیلی وجعفر بن محمد وربیعة بن ابی عبد الرحمٰن (ابن کثیر)

اور اسی حکم حرمت کے تحت میں وہ ذبیحے بھی آجاتے ہیں، جن پر اللہ کے بجائے کسی اور کا نام لے دیا جائے یا اللہ کے ساتھ ملا کر بھی کسی اور کا نام لیا جائے۔

ویدخل فیه ما ذکر علیه غیر اسم اللہ بعموم انه لم یذکر علیه اسم اللہ وبزیادة ذکر غیر اسم اللہ سبحانه علیه الذی یقتضی تحریمه نصا (قرطبی)

ان الشیاطین ...... لیجادلوکم۔ مشرکین اپنے شیطانوں سے تعلیم پا کر مسلمانوں کے سامنے آکر طرح طرح کی بحثیں اور حجتیں نکالا کرتے تھے، مثلاً ایک چلا ہوا فقرہ یہ تھا کہ یہ کیا کہ انسان مار ڈالے جب تو جانور حلال ہو جائے لیکن جس جانور کو خدا مارے یعنی وہ اپنے آپ سے مرجائے وہ حرام ہوا۔ ہزارہا سیدھے سادے بھولے بھالے مسلمان پہلے بھی اس طرح کے لفظی دھوکوں اور مغالطوں میں آجاتے تھے، اور آج بھی ایسے ہی ظاہر فریب دل خوش کن فقروں میں برابر آتے رہتے ہیں، خود اُمت کے اندر جتنے باطل فرقے نکلے ہیں، سب کی بنیاد کسی نہ کسی ایسے ہی مغالطے پر ہے۔

لیوحون۔ وحی کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۶۳ سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۱۲ کے تحت۔

انه لفسق۔ یہاں فسق یا نافرمانی ان دونوں چیزوں کو کہا گیا ہے، ترک تسمیہ کو بھی اور ایسے ذبیحہ کے کھانے کو بھی۔

ھو راجع الی الامرین یعنی ترک التسمیة ومن الاکل (جصاص) الضمیر قیل عائد علی الاکل وقیل عائد علی الذبح لغیر اللہ (ابن کثیر)

وان اطعتموھم۔ یعنی ان کے کہنے میں آکر تم بھی مردار کو حلال سمجھنے لگو۔

ای فی تحلیل المیتة (قرطبی)

انکم لمشرکون۔ آیت سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال ٹھہرالینا انسان کو مشرک بنا دیتا ہے۔

دلت الآیة علی ان من استحل شیئا مما حرم اللہ تعالیٰ صار به مشرکا (قرطبی) قال الزجاج وفیه دلیل علی ان من احل شیئا مما حرم اللہ او حرم ما احل اللہ فھو مشرک (معالم)

لیکن یہ تفصیل بھی فقہاء ہی نے کر دی ہے کہ مشرک بنا دینے والی وہ اطاعت ہے جو عقیدۂ قلب کے ساتھ ہو، ورنہ محض عملی تقلید درجۂ معصیت تک رکھے گی، منزلِ کفر تک نہ پہنچا دے گی۔

انما یکون المومن بطاعة المشرک مشرکا اذا اطاعه فی الاعتقاد وان اطاعه فی الفعل وعقدہ

اَوَمَنۡ كَانَ مَيۡتًا فَاَحۡيَيۡنٰهُ وَجَعَلۡنَا لَهٗ نُوۡرًا يَّمۡشِىۡ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنۡ

کیا جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اس کے لئے ایک نور بنا دیا کہ اس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا

مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيۡسَ بِخَارِجٍ مِّنۡهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ مَا كَانُوۡا

پھرتا ہے وہ اس کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہے (اور) ان سے نکلنے نہیں پاتا ١٧٦ اسی طرح کافروں کی نظر

يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنَا فِىۡ كُلِّ قَرۡيَةٍ اَكٰبِرَ مُجۡرِمِيۡهَا لِيَمۡكُرُوۡا فِيۡهَا ؕ

میں خوشنما کر دیا گیا ہے جو کچھ وہ کرتے رہتے ہیں ١٧٧ اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے سرداروں ہی کو جرائم کا مرتکب

وَمَا يَمۡكُرُوۡنَ اِلَّا بِاَنۡفُسِهِمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾

بنایا تاکہ وہ وہاں چالیں چلا کریں، حالانکہ وہ چال بس اپنے ہی خلاف چلتے ہیں اور (اس کو) بھی نہیں سمجھتے ١٧٨

سلیم مستمر علی التوحید والتصدیق فهو عاص (ابن العربی)

آیت سے یہ بھی نکالا گیا ہے کہ ایمان کا اطلاق جمیع طاعات پر ہوتا ہے، جس طرح شرک کے مفہوم میں ہر مخالفتِ امرالٰہی داخل ہے۔

قال الکعبی الآیة حجة علی ان الایمان اسم لجمیع الطاعات کما جعل تعالی الشرك اسما لکل ما کان مخالفا لله تعالی (کبیر)

١٧٦ یعنی وہ مومن جسے ہدایت اور کفر سے نجات مل گئی ہے اور کافر جو کفر کے اندھیروں میں پڑا ہے کہیں دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

التفسیر الماثور عن ابن عباس ان المراد بالمیت الکافر الضال و بالاحیاء الهدایة و بالنور القرآن و بالظلمات الکفر والضلالة (روح)

وجعلنا.... الناس۔ یعنی وہ نورِ ایمان ہر وقت اس کے ساتھ ہے اور وہ اسے تمام گمراہیوں سے محفوظ رکھے ہوئے ہے۔

ای ایمانا یهتدی به سبل الخیر والنجاة (ابن قتیبه)

فی الظلمت۔ مراد وہ شخص ہے جو کفر کی تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے۔

ای فی الکفر (ابن قتیبه) ای الجهالات والاهواء والضلالات المتفرقة (ابن کثیر)

نورا یمشی به۔ ضمیر اسی نور کی طرف ہے اور نور سے مراد نورِ ایمان و نورِ ہدایت ہے۔

النور عبارة عن الهدی والایمان (قرطبی) یمشی به ای بالنور (قرطبی)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ صوفیہ عارفین کے ہاں معرفت طریق حق کو جو نور سے تعبیر کرتے ہیں اس کی سند اس آیت سے مل جاتی ہے۔

١٧٧ اس عالم ابتلاء کے قیام و بقاء کا تو سارا راز ہی اسی ظاہری خوشنمائی میں ہے۔ ہر کفر، ہر نافرمانی میں اگر کوئی نہ کوئی لگاؤ ظاہری لذت اور عارضی راحت کا نہ ہو تو دنیا کا کوئی بھی انسان اس راہ کو اختیار ہی کیوں کرے۔

کذلك یعنی جس طرح مومن نورِ ایمان سے حیاتِ تازہ پا جاتا ہے کافر اسی طرح اپنی بداعمالیوں میں مگن رہتا ہے

الاشارة بذلك الی احیاء المومن۔ (بحر)

١٧٨ یہ سرکش مجرمین چالاک جتنے بھی ہوں، بہرحال دانا و صاحبِ فہم نہیں ہوتے۔ قرآن مجید چالاکی اور

وَإِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ

اور جب انھیں کوئی نشان پہنچتا ہے ۱۷۹ تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہم کو بھی ویسی نہ ملے جو اللہ کے پیمبروں

اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ

کو مل چکی ہے ۱۸۰ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی رسالت کا اہل ہے ۱۸۱ جو لوگ مجرم ہیں ضرور انھیں اللہ کے پاس (پہنچ کر) ذلت پہنچے گی

دانائی کے اس فرق کو بار بار واضح کرتا جاتا ہے۔

کذلك یعنی جس طرح آج سردارانِ مکہ آپ کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کر رہے اور منصوبے باندھ رہے ہیں

یعنی وکما جعلنا فی مکۃ صنادیدھا لیمکروا فیھا (کشاف)

جعلنا میں فعل کی نسبت اپنی جانب حق تعالیٰ نے محض علت العلل تکوینی کی حیثیت سے کی ہے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کی رضا بھی اس میں شامل ہے۔

جعلنا ..... مجرمیھا۔ ذکر پرانی امتوں کا ہو رہا ہے کہ ان میں بھی اول اول رئیسوں اور سرداروں ہی نے پیمبرانہ تحریکِ اصلاح کی مخالفت میں قدم اٹھایا، اور قرآن مجید اس کی تصریح بار بار کرتا ہے۔

خص الاکابر لانھم ھم الحاملون علی الضلال والماکرون بالناس (کشاف) لانھم لاجل ریاستھم اقدر علی الغدر والمکر وترویج الاباطیل علی الناس من غیرھم۔ (کبیر عن الزجاج)

لیمکروا فیھا۔ یعنی وہ یہ چالیں پیمبروں کی مخالفت میں اپنے ملک میں چلیں گے جن سے ان کا مستحقِ سزا ہونا خوب ثابت ہو جائے گا، ل لام عاقبت کا ہے یعنی اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔

قیل لام العاقبۃ والصیرورۃ (بحر)

وما یمکرون الا بانفسھم۔ یعنی ان چالوں کا وبال آخرکار خود انھیں پر پڑتا ہے۔

ای وبال مکرھم راجع الیھم (قرطبی) لان مکرھم یحیق بھم (کشاف)

۱۷۹ (اور وہ تصدیقِ نبوت کے لئے بالکل کافی ہوتا ہے)

آیۃ۔ کے معنی آیت تکوینی یا معجزہ بالکل ظاہر ہیں، بعض نے مراد آیت قرآنی بھی لی ہے۔

۱۸۰ یعنی معجزات مادی یا مرتبۂ مخاطبۂ الٰہی، فرطِ جہالت و عناد سے کافروں کے بعض سرغنہ کہتے تھے کہ ہم تو ایمان جب لائیں گے جب ہم خود مرتبۂ نبوت پر فائز کر دیئے جائیں اور فرشتوں کو ہم دیکھنے لگیں اور معجزات ہم سے بھی صادر ہونے لگیں

قالوا لن نومن حتی نکون انبیاء فنوتی مثل ما اوتی موسیٰ وعیسیٰ من الایات (قرطبی) وقال ابوجہل واللہ لا نرضی بہ ولا نتبعہ ابدا الا ان یاتینا وحی کما یاتیہ (قرطبی) قالوا لن نومن حتی یحصل لنا مثل ھذا المنصب من عند اللہ (کبیر)

۱۸۱ یعنی شرفِ رسالت کا اہل ہر کس و ناکس نہیں ہو سکتا، مرتبۂ رسالت کے ظرف و اہلیت کا فیصلہ تمام تر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، ان کافروں کا یہ مطالبہ کیسا احمقانہ ہے کہ انھیں بھی وہی سرفرازیاں حاصل ہو جائیں!

عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿١٢٤﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ

اور عذاب سخت (بھی) اس شرارت کی پاداش میں جو وہ کیا کرتے تھے ۱۸۲ الله جس کسی کے لئے ارادہ کرلیتا ہے کہ

اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ

اسے ہدایت نصیب کردے اس کا سینہ وہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے ۱۸۳ اور جس کے لئے وہ ارادہ کرلیتا ہے کہ

صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ

اسے گمراہ رکھے اس کے سینہ کو وہ تنگ (اور) بہت تنگ کردیتا ہے جیسے اسے آسمان پر چڑھنا پڑ رہا ہو ۱۸۴

آیت نے عقائد کے اس مسئلہ کو بھی صاف کردیا کہ ملکۂ رسالت کسبی نہیں وہبی ہے۔

حیث۔ یہاں بطور ظرف کے "موضع و موقع" کے معنی میں نہیں بطور اسم کے "اہل" کے معنی میں ہے رضی نحوی نے بھی اسی ترکیب کو قبول کیا ہے۔

وحیث لیس ظرفا ھنا بل ھو اسم نصب المفعول به علی الاتساع ای الله اعلم اھل الرسالة (قرطبی) وقال الرضی الاولی ان حیث مضافة ولا مانع من اضافتھا وھی اسم الی الجملة (روح)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے یہ بھی ثابت ہے کہ استعداد ذات حصول فیضان کی شرط عادی ہے۔

۱۸۲ (دنیا میں حضرات انبیاءؑ کے مقابلہ میں)

الذین اجرموا۔ یہ جرم یہی تھا کہ پیمبروں کی تکذیب کرتے تھے اور اپنے کو ان کا ہمسر بلکہ ان سے کہیں بڑھ کر سمجھتے تھے۔

عند الله۔ سے مراد ہے حشر میں۔

ای یوم القیامة (بیضاوی۔ روح)

سیصیب میں س تاکید و تیقن کا ہے۔

السین للتاکید۔ (روح)

صغار عند الله وعذاب شدید۔ یعنی ایسے سرکشوں کو حشر میں ذلت تو نصیب ہو ہی گی اور اس کے علاوہ بھی عذاب شدید دنیا و آخرت دونوں میں حاصل رہے گا۔

عذاب شدید فی الدارین من الاسر والقتل وعذاب النار (کشاف) فحصل بھذا الکلام انه تعالی اعد لھم الخزی العظیم والعذاب الشدید ثم بین ان ذلك انما یصیبھم لاجل مکرھم وکذبھم وحسدھم (کبیر)

۱۸۳ (چنانچہ وہ شخص قبول اسلام میں کوئی پس و پیش نہیں کرتا۔)

فمن یرد الله۔ ارادۂ الٰہی سے مراد اس کی مشیت تکوینی ہے۔

۱۸۴ (اور چڑھ نہ پاتا ہو تو ظاہر ہے کہ اسے کس درجہ مشقت اٹھانی پڑ رہی ہوگی اور اس کی سانس کیسی پھول رہی ہوگی)

فی السماء یہاں الی السماء کے مترادف ہے۔

كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢٥﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ

اسی طرح اللہ گندگی ڈالے رکھتا ہے ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے ۱۸۵ اور یہی تیرے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے ۱۸۶ ہم نے آیتوں

رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾ لَهُمْ دَارُ

کو خوب کھول کر بیان کر دیا ہے ان لوگوں کے لئے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں ۱۸۷ ان کے واسطے سلامتی کا گھر ہے ان کے پروردگار کے پاس

السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٧﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ

اور وہی ان کا دوست ہے بسبب اس کے کہ جو کچھ وہ کرتے رہتے ہیں ۱۸۸ اور وہ دن (یاد کرنے کے قابل ہے) جب (اللہ) ان سب کو جمع کرے گا

تشبیہ سے مقصود اس تکلیفِ شدید کا اظہار ہے جو کافر کو ایمان لانے کے خیال سے ہوتی ہے۔

شبہ اللہ الکافر فی نفورہ من الایمان وثقلہ علیہ بمنزلۃ من تکلف مالا یطیقہ کما ان صعود السماء لا یطاق (قرطبی) کانما یزاول امرا غیر ممکن لان صعود السماء مثل فی ما یمتنع ویبعد من الاستطاعۃ وتضیق عنہ المقدرۃ (کشاف) والمراد المبالغۃ فی ضیق صدرہ (روح)

ومن یُّرد ان یُّضلہ۔ یہ ارادۂ الٰہی محض مشیتِ تکوینی و تقدیری کے معنی میں ہے رضائے الٰہی سے اس کا کوئی تعلق نہیں مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے اصل نکل آئی صوفیہ محققین کے اصطلاحات بسط و قبض عقلی کی۔

۱۸۵ یہاں بھی فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب محض تکوینی حیثیت سے یا محض بطور مسبب الاسباب کے ہے اور مقصود کلام یہ ہے کہ ان کے ارادی کفر و شرارت کے ثمرات بھی مرتب ہوتے رہتے ہیں اور انہیں راہِ ہدایت کی توفیق ہی نہیں نصیب ہوتی۔

کذلک۔ یعنی جس طرح کافر ایمان لانے میں تنگیٔ صدر محسوس کرتا ہے۔

کجعلہ ضیق الصدر فی اجسادھم (قرطبی)

الرجس۔ رجس کے لفظی معنی گندگی کے ہیں، یہاں مراد ہے محرومی و بے توفیقی۔

یعنی الخذلان ومنع التوفیق (کشاف) ای العذاب او الخذلان۔ (روح)

۱۸۶ (اے مخاطب)

ھذا۔ یعنی دین اسلام۔

ای ھذا الذی انت علیہ یا محمد والمومنون (قرطبی) اشارۃ الی البیان الذی جاء بہ القرآن او الی الاسلام (بیضاوی)

مستقیما۔ تاکید کے لئے ہے ورنہ صراطِ رب تو ظاہر ہے کہ مستقیم ہی ہوگا، یہ تاکید ایسی ہے جیسے حق کے ساتھ مصدّق قرآن میں آتا ہے۔

وھو حال مؤکدۃ کقولہ وھو الحق مصدقا (بیضاوی)

۱۸۷ آیتیں مفصل تو سب ہی کے لئے ہیں البتہ نفع ان سے وہی لوگ حاصل کریں گے جن کے دلوں میں نصیحت و ہدایت کی طلب ہے۔

۱۸۸ اللہ کا اپنے صالح بندوں کے ساتھ جو یہ علاقۂ قرب و ولایت ہے یہ ان بندوں کے حسنِ عمل کا نتیجہ ہے۔

يٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ قَدِ اسۡتَكۡثَرۡتُمۡ مِّنَ الۡاِنۡسِ‌ۚ وَقَالَ اَوۡلِيٰٓـؤُهُمۡ مِّنَ الۡاِنۡسِ

(اور کہا جائیگا) اے جماعت جنات! تم نے بڑا حصہ لیا انسانوں (کی گمراہی) میں۔[۱۸۹] اور انسانوں میں سے ان کے دوست (بھی) کہیں گے اے ہمارے

رَبَّنَا اسۡتَمۡتَعَ بَعۡضُنَا بِبَعۡضٍ وَّبَلَغۡنَاۤ اَجَلَنَا الَّذِىۡۤ اَجَّلۡتَ لَنَا‌ ؕ

پروردگار (واقعی) ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا اور ہم آپہنچے اپنی میعاد متعین تک جو تو نے ہمارے لئے متعین کی تھی۔[۱۹۰]

وھو ولیھم۔ ولی کے معنی قریب کے ہیں اور اسی سے مفسرینؒ نے استدلال کیا ہے کہ آیت سے بندگان صالح کا انتہائی شرف ظاہر ہوتا ہے۔ عند ربھم اللہ سے بندوں کی قربت کا ترجمان ہے اور ولیھم بندوں سے اللہ کی قربت کا مظہر

والولی معناہ القریب فقولہ عند ربھم یدل علی قربھم من اللہ تعالیٰ وقولہ ھو ولیھم یدل علی قرب اللہ منھم ولا نری فی العقل درجۃ للعبد اعلیٰ من ھذہ الدرجۃ (کبیر)

وھو ولیھم۔ کی ترکیب حصر پر بھی دلالت کر رہی ہے یعنی اللہ ہی اس کا دوست وکارساز ہے نہ کہ کوئی اور۔

یفید الحصر ای لا ولی لھم الا ھو (کبیر)

بما کانوا یعملون۔ اس میں گویا یہ بتا دیا کہ یہ مرتبۂ ولایت الٰہی اعمال ہی سے حاصل ہوتا ہے بلا اعمال نہیں

دار السلام یعنی دار السلامۃ، وہ مکان جو ہر قسم کی آفات سے محفوظ ہو اور ظاہر ہے کہ وہ جنت ہے۔

ای التی یسلم فیھا من الآفات (قرطبی) المعنی دار السلامۃ والعرب تلحق ھذہ التاء فی کثیر من المصادر وتحذفھا (کبیر) ای دار السلامۃ من المکارہ (بیضاوی)

لھم دار السلام۔ کی ترکیب حصر کے لئے ہے یعنی سلامتی کا ٹھکانا ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے نہ کہ دوسروں کے لئے۔

ھذا یوجب الحصر فمعناہ لھم دار السلام لا لغیرھم (کبیر)

۱۸۹ یعنی انسانوں کو خوب بہکایا۔

ای من الاستمتاع بالانس (قرطبی) قد استکثرتم من الدعاء الی الضلال (کبیر) ای من اغوائھم واضلالھم (بیضاوی)

یحشرھم جمیعا۔ سارے خلائق کے حشر کئے جانے کی طرف اشارہ ہے۔

والمراد حشر جمیع الخلق فی موقف القیامۃ (قرطبی) الضمیر یعود الی المعلوم لا الی المذکور وھو الثقلان وجمیع المکلفین الذین علم ان اللہ یبعثھم (کبیر)

یٰمعشر الجن۔ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے فیقال لھم یٰمعشر الجن بہ صیغۂ مجہول اس لئے کہ یہ بہت بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں سے براہ راست کلام کرے۔

قال الزجاج التقدیر فیقال لھم یا معشر الجن لانہ یبعد ان یتکلم اللہ تعالیٰ بنفسہ مع الکفار۔ (کبیر)

۱۹۰ یعنی قیامت آگئی، اور ہم نے شیطانی وعدوں کا جھوٹ مشاہدہ کر لیا۔

اولیاءھم من الانس۔ یعنی وہ انسان جو اس دنیا میں ان شیاطین جن سے دوستی کا علاقہ رکھتے تھے، اور ان کی باتوں میں آجایا کرتے تھے۔

قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ

(اللہ) فرمائے گا تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اس میں (ہمیشہ) رہو گے سوا اس کے کہ اللہ ہی (نکالنا) چاہے بیشک آپ کا پروردگار

عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

بڑا حکمت والا ہے بڑا علم والا ہے ۱۹۱ اور اسی طرح ہم ظالموں کو ایک دوسرے کے قریب رکھیں گے بہ سبب ان اعمال کے جو وہ کرتے رہے تھے ۱۹۲

حصل من الجن الدعاء ومن الانس القبول والمشارکة حاصلة بین الفریقین (کبیر) ای الذین اطاعوھم (بیضاوی)

استمتع بعضنا ببعض۔ چنانچہ ایک طرف گمراہ انسانوں کو اپنے ان عقائد کفر و شرک میں لذت ملتی ہے، دوسری طرف ان شیطانوں کو اس میں مزا آتا ہے کہ ہمارا جادو خوب چلا۔

ای انتفع الانس بالجن بان دلوھم علی الشھوات وما یتوصل به الیها والجن بالانس بان اطاعوھم وحصلوا مرادھم (بیضاوی)

اجلنا.... لنا۔ علم الٰہی میں ہر واقعہ کا ایک وقت مقرر و معین رہتا ہے اجل کے لفظی معنی مدّتِ مقرر کے ہیں اور پھر حیاتِ دنیوی کی مدّت مقرر کے۔

الاجل المدة المضروبة ویقال للمدة المضروبة لحیاة الانسان اجل (راغب)

۱۹۱ (اس حکیم کی دی ہوئی نہ کوئی سزا نہ کوئی معافی نامناسب و خلافِ مصلحت ہو سکتی ہے اور نہ کسی کا جرم یا بے جرمی یا علم سے باہر رہ سکتا ہے)

مثوٰکم۔ اب مخاطبہ میں کفار جن وانس ہر قسم کے کفار شامل ہیں۔

الا ما شاء اللہ۔ ارادۂ الٰہی ہی سب سے برتر اور آخری قانون ہے وہی سب پر حاکم و غالب ہے اور مشیتِ الٰہی کسی دوسرے قانون کی پابند و محکوم نہیں۔

ما شاء اللہ۔ میں ما کو من میں بھی لیا گیا ہے اور الا سے استثناء اہل ایمان کا کیا گیا ہے۔

قال ابن عباس الا مستثنٰو لاھل الایمان فما علی ھذا بمعنی من (قرطبی)

اور اس تقدیر پر توقف ہر مرنے والے کے باب میں کیا جائے گا کہ ممکن ہے کہ اس کافر کا خاتمہ ایمان ہی پر ہو۔

عن ابن عباس انه قال ھذه الآیة توجب الوقف فی جمیع الکفار ومعنی ذلك انها توجب الوقف فیمن لم یمت اذ قد یسلم (قرطبی)

۱۹۲ یہ ٹھیک ٹھیک بدلہ ان کے اعمال کا ہو گا، کوئی ظلم و زیادتی ہرگز ہرگز نہ ہو گی۔ ارواح میں باہم مشابہت و ہم جنسی ہوتی ہے، خبیث روحیں جن وانس کی ایک جگہ رہیں گی، اور طاہر روحیں جن وانس کی یکجا۔

لان الجنسیة علة الضم فالارواح الخبیثة تنضم الی ما یشاکلها فی الخبث (کبیر)

کذٰلك یعنی جس طرح دنیا میں ایک دوسرے سے علاقۂ قرب و ولایت تھا۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ

اے جماعت جن وانس! کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیمبر نہیں آئے تھے (جو) میرے احکام تمہیں

اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا

سناتے تھے اور تمہیں اسی آج کے دن کے وقوع سے ڈرایا کرتے تھے بولیں گے (بے شک) ہم اپنے خلاف خود گواہی

وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے

دیتے ہیں ۱۹۳ ان کو (آج)

قرناءھم فی العذاب کما کانوا فی الدنیا (بیضاوی)

نولی بعض الظالمین بعضا۔ میں نولی کے معنی "ہم مسلط کر دیں گے" کے بھی کئے گئے ہیں۔

قال ابن زید تسلط ظلمة الجن علی ظلمة الانس (قرطبی)

اور یہ معنی لے کر محققین نے کہا ہے کہ ظلم کے تحت میں ہر قسم کا ظلم داخل ہے، خواہ چوری کے ذریعہ سے ہو یا تاجرانہ دغا بازی سے یا کسی اور طریقہ سے۔

یدخل فی الآیة جمیع من یظلم نفسہ او یظلم الرعیة او التاجر یظلم الناس فی تجارتہ او السارق وغیرھم (قرطبی)

مزید استنباط یہ بھی کیا گیا ہے کہ جب رعایا ظالم ہوتی ہے تو ان پر حاکم بھی ظالم ہی مسلط کر دیا جاتا ہے۔

الآیة تدل علی ان الرعیة متی کانوا ظالمین فاللہ تعالیٰ یسلط علیھم ظالما مثلھم (کبیر)

بما کانوا یکسبون۔ تولیت کے تسلط کی بنیاد وہی ہم جنسی ہوگی۔

ای بسبب کون ذلک البعض مکتسبا للظلم والمراد منہ ما بینا ان الجنسیة علة للضم (کبیر)

۱۹۳ (اور اپنے جرم کا اقرار کرتے ہیں، بے شک ہمارے پاس کوئی عذر و جواب نہیں)

یہ مخاطبہ قیامت میں ہوگا، اور سوال ظاہر ہے کہ مزید توبیخ کے لئے ہوگا۔

یامعشر الجن والانس۔ معشر کے معنی اس جماعت کے ہیں جو حکم واحد میں ہو، اور ان کے افراد کے درمیان معاشرت و مخالطت ہو۔

قال اھل اللغة المعشر کل جماعة امرھم واحد ویحصل بینھم معاشرة ومخالطة۔ (کبیر)

رسل منکم نے ایک بڑی بحث یہ پیدا کر دی ہے کہ آیا جنات کے درمیان بھی سلسلۂ نبوت قائم رہا ہے؟ ضحاک تابعی سے سوال کا جواب اثبات میں نقل ہوا ہے، ان سے کسی نے سوال کیا کہ آیا ہمارے رسولؐ سے قبل جنات میں بھی نبی گزرے ہیں؟ انھوں نے جواب میں یہی آیت پڑھی، اور فرمایا!

یعنی بذلك رسلا من الجن ورسلا من الانس (ابن جریر عن الضحاك)

ایک اور قول بھی اسی مضمون کا نقل ہوا ہے کہ جن وانس کے درمیان پیمبر انھیں کے ہم جنس آتے رہے ہیں۔

وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿١٣٠﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ

اور وہ اپنے خلاف خود گواہی دیں گے کہ بے شک ہم کافر رہے ۱۹۴ یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کا پروردگار

رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿١٣١﴾

بستیوں کو ظلم کی پاداش میں اس حال میں ہلاک نہیں کر دیتا کہ وہاں کے باشندے بے خبر ہوں ۱۹۵

وتعلق بظاهره قوم وقالوا بعث الى كل من الثقلين رسل من جنسهم (بيضاوى) وعليه ظاهر النص (مدارك)

لیکن اکابر کا بڑا گروہ اسی جانب گیا ہے کہ منکم سے مراد مجموعہ جن وانس ہے نہ کہ دونوں فریق فرداً فرداً۔

والرسل من احد الفريقين كما قال مرج البحرين يلتقيان ثم قال يخرج منهما اللؤلؤ والمرجان وانما معنى ذلك يخرج من بعضهما او من احدهما (ابن جرير) معنى منكم اى من احدكم (قرطبی)

اور جمہور کا فیصلہ یہ ہے کہ مستقل انبیاءؑ صرف انسانوں میں پیدا ہوئے ہیں جنّات میں صرف ان کے نائب یا نذیر ہوتے رہے ہیں۔

وانما الرسل من الانس خاصة فاما من لم يرسل منهم اليهم رسول ولم يكن له من الجن قط رسول مرسل وانما الرسل من الانس خاصة فاما من الجن فالنذر (ابن جرير) ومعنى منكم في الخلق والتكليف والمخاطبة ولما كانت الجن ممن يخاطب ويعقل قال منكم وان كانت الرسل من الانس وغلب الانس فى الخطاب كما يغلب المذكر على المونث (قرطبی) الرسل من الانس خاصة لكن لما جمعوا مع الجن فى الخطاب صح ذلك (بيضاوى) قال مجاهد الرسل من الانس والنذر من الجن (معالم) الرسل من الانس خاصة وانما قيل رسل منكم لانه لما جمع الثقلين فى الخطاب صح ذلك وان كان من احدهما (مدارك) اى من جملتكم والرسل من الانس فقط وليس من الجن رسل كما قد نص على ذلك مجاهد وابن جريج وغير واحد من الائمة من السلف والخلف (ابن كثير)

البتہ اجماع اس قول پر بھی نہیں، اور نہ اس پر کوئی حجتِ قطعی قائم ہے۔

القول الثانى وهو قول الاكثرين انه ما كان من الجن رسول البتة وانما كان الرسل من الانس وما رايت فى تقرير هذا القول حجة الا ادعاء الاجماع وهو بعيد لانه كيف ينعقد الاجماع مع حصول الاختلاف (كبير)

اس نا مرسیاہ کے خیال میں آتا ہے کہ رسل کو اگر محض لفظی و وسیع معنی میں لیا جائے اور مخصوص اصطلاحی معنی نہ سمجھے جائیں تو کوئی سوال ہی سرے سے نہیں پیدا ہوتا، جو کوئی بھی پیامِ ہدایت پھیلائے لفظی معنی میں وہی رسول ہے اور اس معنی میں ہر عالم، ہر مبلغ، ہر نائبِ رسول رسول ہی ہے اور جنّات میں ان کے مبعوث ہونے سے کسی کو بھی انکار نہیں۔

اٰیٰتی۔ اٰیات کا لفظ یہاں عام ہے، احکام، کتبِ الٰہی، سب پر شامل۔

۱۹۴ (دنیا میں)

شهدوا علی انفسهم۔ یہ اپنے خلاف گواہی منکرین قیامت میں دیں گے۔

غرتهم الحيوة الدنيا۔ یہاں یہ بتا دیا کہ دنیوی لذتوں کو مقصودِ اعظم سمجھ کر ان میں منہمک ہو جانا یہی راز ہے آخرت سے غفلت اور کفر کا، آج دنیا میں جتنے ملحد افراد یا ملحد جماعتیں ہیں، غور کر کے دیکھ لیا جائے

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور ہر ایک کے لئے درجے ہیں جیسے اس نے عمل کئے ہیں اور جو کچھ یہ کرتے رہتے ہیں آپ کا پروردگار اس سے بے خبر نہیں ۱۹۶

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ

اور آپ کا پروردگار غنی ہے صاحب رحمت ہے ۱۹۷ وہ چاہے تو تم (سب) کو اٹھا لے اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہاری جگہ لا بسائے

سب کے کفر و الحاد کی تہ میں کوئی نہ کوئی مادی انہماک ہی نکلے گا۔

۱۹۵ یہاں یہ صراحت کردی ہے کہ پیمبروں کا بھیجنا تو اسی لئے ہوتا ہے کہ منکروں پر خوب اتمام حجت ہو جائے ان پر تبلیغ عقائد پوری طرح ہو جائے کیونکہ ان مراتب کے پورے ہوئے بغیر منکروں اور بد مذہبوں کو بے خبری میں پکڑ لینا سنتِ الٰہی ہے ہی نہیں۔

ذٰلك۔ یعنی یہ رسولوں کا بھیجنا۔

اشارۃ الی ما تقدم من بعثۃ الرسل الیھم (مدارک) اشارۃ الی ارسال الرسل (بیضاوی)

مھلك القری بظلم۔ یہاں یہ سنتِ الٰہی بیان کردی کہ آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی گرفت بے خبری میں اور بلا اتمامِ حجت نہیں کی جاتی۔

واھلھا غافلون۔ یعنی وہ لوگ احکام الٰہی سے بے خبر ہوں اور ان پر ان احکام کی تبلیغ نہ ہو چکی ہو۔

ای دون ان یتقدم الیھم بالنذارۃ (بحر) لم ینبھوا برسول (بیضاوی)

۱۹۶ وہاں تو ایک ایک کے اعمال کے ہر ہر جزئیہ کی پوری روئداد موجود ہے اسے سب کو ان کے مناسبِ حال جزا و سزا دینا کیا مشکل ہے۔

ولکل درجٰت۔ ہر ایک کے لئے الگ الگ درجے ہیں جزا و سزا کے۔

ای لکل عامل بطاعۃ درجات فی الثواب ولکل عامل بمعصیۃ درکات فی العقاب (قرطبی)

۱۹۷ صفت غنا لا کر یہ یاد دلا دیا کہ وہ جو بار بار پیمبر بھیجتا رہا ہے تو کچھ اس لئے نہیں کہ وہ بندوں کی عبادت کا محتاج ہے یہ تو مشرکوں ہی کے دیوتا ہوتے ہیں جو اپنے پجاریوں کی پوجا پاٹ کے محتاج رہتے ہیں اللہ تعالٰی ہر احتیاج و شائبۂ احتیاج سے پاک ہے۔

اور صفت رحمت لا کر یہ یاد دلا دیا کہ اس کا یہ بار بار پیمبروں کو بھیجتے رہنا اسی رحمت کے تقاضہ سے ہے تاکہ بندے مرضیاتِ الٰہی سے آگاہ و باخبر ہو کر اپنا نفع زیادہ سے زیادہ حاصل کرتے رہیں۔

وربك الغنی ذو الرحمۃ۔ کی ترکیب حصر کے معنی پیدا کر رہی ہے مراد یہ ٹھہرتی ہے کہ غنی بھی کوئی اس کے سوا نہیں اور صاحب رحمت بھی کوئی اور اس کے سوا نہیں۔

اعلم ان قولہ وربك الغنی ذو الرحمۃ یفید الحصر (کبیر) فثبت انہ لا غنی الا ھو فثبت انہ لا رحیم الا ھو (کبیر)

امام المفسرین امام رازیؒ نے آیت کے ذیل میں مذہبِ اہلِ سنت اور مسلکِ معتزلہ پر بحث کر کے آخر میں اپنے والد ماجد

بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

جس طرح تم کو پیدا کیا ایک دوسری قوم کی نسل سے ۱۹۸ھ

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا

وہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، وہ بے شک آکر رہے گا، اور تم (اللہ کو) ہرا نہیں سکتے ۱۹۹ھ آپ کہہ دیجیے

عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ

اے میری قوم والو! عمل کرتے رہو اپنے طریقہ پر، میں (اپنے طور پر) عمل کر رہا ہوں، عنقریب ہی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ

عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

انجام کار کس کے حق میں (نافع) ہے یقیناً ظالموں کو فلاح نہیں ہونے کی ۲۰۰ھ

کے حوالہ سے شیخ ابوالقاسم سلیمان بن ناصر انصاری کا یہ بالکل صحیح فیصلہ نقل کیا ہے کہ اہل سنت کی نظر حق تعالیٰ کی قدرت و مشیت پر زیادہ رہتی ہے اور معتزلہ کی نظر تنزیہ و صفتِ عدل پر، اور دونوں کی تشفی و توقع اجر کے لئے یہی کلمہ ربک الغنی ذوالرحمۃ کافی ہے۔

اعلم یا اخی ان الکل لایحاولون الا التقدیس والتعظیم وسمعت الشیخ الامام الوالد ضیاء الدین عمر بن الحسین قال سمعت الشیخ اباالقاسم سلیمان بن ناصر الانصاری یقول نظر اھل السنۃ علی تعظیم اللہ فی جانب القدرۃ ونفاذ المشیۃ ونظر المعتزلۃ علی تعظیم اللہ فی جانب العدل والبراءۃ عن فعل ما لا ینبغی فاذا تاملت علمت ان احدا لم یصف اللہ الا بالتعظیم والاجلال والتقدیس والتنزیہ ولکن منھم من اخطأ ومنھم من اصاب ورجاء الکل متعلق بھذہ الکلمۃ وھی قولہ وربک الغنی ذوالرحمۃ (کبیر)

۱۹۸ھ یعنی جس طرح پرانی نسلیں معدوم ہو گئیں اور ان کی جگہ اب تم ہو، اسی طرح اللہ اگر چاہے تو یک بیک تم سب کو فنا کر کے ایک نئی نسل انسانی اٹھا کھڑا کرے۔

یذھبکم۔ یعنی تمھیں ہلاک کر دے، اذھاب یہاں اہلاک کے معنی میں ہے اماتۃ بھی مراد لی گئی ہے۔

الاقرب ان المراد بہ الاھلاک ویحتمل الاماتۃ ایضا (کبیر) بالاماتۃ (قرطبی) کنایۃ عن الموت (راغب)

خطاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے منکرین معاصرین سے ہے۔

من بعدکم۔ یعنی تمھاری ہلاکت کے بعد۔

یعنی من بعد اذھابکم (کبیر)

۱۹۹ھ (اپنے کسی حیلہ و تدبیر سے)۔

یعنی یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ تم اللہ کے ہاتھ نہ آؤ۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا

اور ان لوگوں نے کھیتی اور مویشیوں میں سے جو (اللہ ہی نے) پیدا کیے ہیں کچھ حصہ اللہ کا مقرر کر رکھا ہے اللہ اور کہتے ہیں اپنے

لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى

خیال کے مطابق کہ یہ (حصہ) اللہ کا ہے، اور یہ (حصہ) ہمارے دیوتاؤں کا، اور پھر جو (حصہ) ان کے دیوتاؤں کے لئے

اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿١٣٦﴾

ہوتا ہے وہ تو اللہ کی طرف پہنچتا نہیں اور جو حصہ اللہ کا ہوتا وہ ان کے دیوتاؤں کی طرف پہنچ جاتا، کیسا بُرا ہے ان کا فیصلہ ٢٠٢

ما توعدون. یعنی وعدۂ قیامت و وعدۂ عذاب۔

٢٠٠ (نہ آخرت میں، اور نہ دنیا میں آخر کار)

قل. اس میں حکم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مل رہا ہے بہ طور اتمام حجت کے، اور مقصود اس سے تہدید ہے، مقصود ان لوگوں کو ان کی گمراہی میں قائم و ثابت رہنے کی اجازت نہیں۔

هذا تهديد شديد ووعيد اكيد (ابن كثير) اى تفويض الامر اليهم على سبيل التهديد (كبير)

والتهديد بصيغة الامر مبالغة فى الوعيد (بيضاوى)

مكانة. کے معنی طور و طریقہ کے ہیں۔

المكانة الطريقة (قرطبى)

الظالمون. اور سب سے بڑھ کر ظالم وہی کافر و مشرک ہیں جو حق تعالیٰ کے باب میں سراسر ناانصافی کر رہے ہیں۔

٢٠١ جاہلیتِ عرب میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ یہ لوگ اپنی سالانہ پیداوار وغیرہ میں سے ایک حصہ بہ طور خیر و خیرات الگ نکال رکھتے، اس میں ایک جزء اللہ تعالیٰ کے نام کا رکھتے، اور اسے مسافروں، مسکینوں، مہمانوں پر خرچ کرتے اور ایک جزء اپنے دیوتاؤں کے لئے نامزد کر دیتے اسے مجاوروں، پنڈوں، پروہتوں کے ذریعہ مندروں میں بتوں اور مورتیوں پر چڑھاتے، اصولی اور نظری حیثیت سے تو یہی تقسیم تھی، لیکن عملاً یہ بھی تھا کہ دونوں حصوں میں اگر اتفاق سے کچھ غلط ہو جاتا، تو کل کا کل دیوتاؤں ہی کے چڑھاوے پر منتقل کر دیتے، یا اگر یہ دیکھتے کہ عمدہ مال اللہ والے حصہ میں چلا جا رہا ہے جب بھی اسے دیوتاؤں کی طرف کر دیتے —— یہاں ان کی اس دہری حماقت پر توجہ دلائی ہے۔

صرفوا من مالهم طائفة الى الله بزعمهم وطائفة الى اصنامهم قاله ابن عباس والحسن ومجاهد وقتادة (قرطبى)

جعلوا کا فاعل وہی مشرکینِ عرب ہیں، اور جعلوا لله نصيبا کے معنی یہ ہیں کہ ایک حصہ خدا کے لئے کر دیا اور ایک حصہ اپنے دیوتاؤں کے لئے۔

قال الزجاج وتقدير الكلام جعلوا لله نصيبا ولشركائهم نصيبا ودل على هذا الحذف تفصيله القسمين فى ما بعد (كبير)

ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ. میں یہ اشارہ کر دیا کہ نباتات ہوں یا حیوانات، بہرحال جو کچھ بھی وہ اپنے دیوتاؤں

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ

اور اسی طرح ان کے دیوتاؤں نے بہت سے مشرکوں کی نظر میں ان کی اولاد کے قتل کو خوشنما بنا رکھا ہے ۲۰۲ ۲۰۳ جس سے

لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ

وہ انھیں برباد کر ڈالیں اور ان کے دین کو ان پر مخبوط کر دیں، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتا تو آپ ان کو اور ان کی

فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿١٣٧﴾ وَقَالُوا هَٰذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ

گڑھنت کو ان کے حال پر چھوڑے رہیں ۲۰۴ اور کہتے ہیں اپنے خیال کے مطابق کہ یہ (فلاں فلاں) مواشی اور کھیت

کی نذر کر رہے ہیں' ان میں سے کوئی بھی چیز تو دیوی دیوتاؤں کی پیدا کی ہوئی نہیں، سب کچھ اللہ ہی کا تو پیدا کیا ہوا ہے۔

۲۰۲ ایک تو نفسِ تقسیم ہی اللہ اور دیوتاؤں کے درمیان کیسی حماقت و جہالت' اور پھر اللہ کے مقابلہ میں دیوتاؤں کی ترجیح کیسی حماقت در حماقت!

۲۰۳ (چنانچہ یہ احمق مشرکین ان دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے دھڑا دھڑ اپنی اولاد کو موت کے گھاٹ اتارتے جاتے ہیں) مفسرین کا خیال آیت کے الفاظ سے عرب جاہلی کی رسم دختر کشی کی طرف گیا ہے' یہ بھی ممکن ہے لیکن زیادہ لگتی ہوئی بات یہ ہے کہ اس مقام پر اشارہ دختر کشی کی جانب نہیں، بلکہ عام اولاد کشی کی جانب ہے— غریب مفسرین کو کیا خبر کہ بڑی بڑی "مہذب و شائستہ" لیکن جاہلی و مشرک قوموں میں کیسی کیسی ظالمانہ و وحشیانہ رسمیں موجود رہ چکی ہیں۔

اولاد کو دیوتاؤں کے استھانوں پر بے تکلف بھینٹ چڑھا دینے کا دستور سامی قوموں میں عام رہا ہے' اور خود ہندوستان میں مدتوں یہ رسم رہی ہے کہ بچوں کو گنگا مائی کی موجوں کے آغوش میں ڈال دیا جاتا تھا کہ گھڑیال اور مگرمچھ انھیں نگل لیں اور ان آبی درندوں میں الوہیت کی شان پیدا ہو جائے! تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

شرکاؤھم۔ شرکاء سے مراد پہلی نظر میں تو ان کے دیوتا اور معبودانِ باطل معلوم ہوتے ہیں کہ انھیں کا خیال ان مشرکوں کو اس طرف لاتا تھا۔

بعض نے اس کے معنی شیاطین کے کئے ہیں۔

قیل ھم الشیاطین وسمی الشیاطین شرکاء لانھم اطاعوھم فی معصیۃ اللہ فاشرکوھم مع اللہ فی وجوب طاعتھم (قرطبی) قال مجاھد شرکاؤھم شیاطینھم وسمیت الشیاطین شرکاء لانھم اطاعوھم فی معصیۃ اللہ (کبیر)

بعض اہلِ تحقیق نے صاف اس سے مراد مندروں کے پجاریوں پروہتوں سے لی ہے۔

قال الفراء والزجاج شرکاؤھم ھٰھنا ھم الذین کانوا یخدمون الاوثان (قرطبی) وقال الکلبی کان لآلھتھم سدنۃ وخدام وھم الذین کانوا یزینون للکفار قتل اولادھم وعلی ھذا القول الشرکاء ھم السدنۃ۔ (کبیر)

۲۰۴ (اور بہت زیادہ اس کی فکر اپنے سر نہ لیں)

لِيُرْدُوهُمْ کے فاعل پر وہ حاشیہ ملاحظہ ہو جو ابھی شرکاؤھم پر گزر چکا ہے لیردوھم میں ل

لَا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَنْ نَّشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ

ممنوع ہیں انھیں کوئی نہیں کھا سکتا سوا ان کے کہ جن کو ہم چاہیں، اور فلاں چوپائے ہیں کہ ان کی پشت حرام کردی گئی ہے اور

لَّا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيهِم بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۳۸﴾

فلاں چوپائے کہ ان پر اللہ کا نام نہیں لیتے ہیں (یہ سب) اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے ہے، اللہ انھیں ابھی بدلہ دئے دیتا ہے اس بہتان کا جو یہ باندھتے رہتے ہیں

لام عاقبت کا ہے، یعنی یہ ظاہر کرنے کو کہ اس عمل کا نتیجہ یہی ہونا تھا۔

اللام ههنا محمولة على لام العاقبة (کبیر) واللام للعاقبة ان کان من السدنة اذ ليس محط نظرهم ذلك لكنه عاقبته (روح)

دینھم۔ یہ واضح رہے کہ عرب یعنی بنی اسمٰعیل کا اصل دین توحیدِ خالص تھا۔

ولو شاء اللہ۔ یعنی اگر اس کی مشیتِ تکوینی یہی ہوتی۔

آیت بالا کو پڑھتے وقت ہمارے ملک کے ناظرین اپنے ہاں کی بھی مشرکانہ خرافات کو یاد کرلیں، شیخ سدو کا بکرا، اٹھلے کا مرغا وغیرہ۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جعلوا اللہ مما ذرأ سے لے کر آخر رکوع یعنی قد ضلوا وما کانوا مھتدین تک آیات میں ہمارے زمانہ کی بہت سی بدعات کا رد آگیا ہے، جو بدعات مذکور کے بہت مشابہ ہیں، اور یہ مشابہت و مطابقت ذرا غور کرنے سے نظر آجائے گی، اور غضب یہ ہے کہ آج کل کے رسمی شیوخ تک ان میں مبتلا ہیں۔

۲۰۵ یہ سب جاہلیتِ عرب کے مختلف دستوروں کا بیان ہو رہا ہے، اور ان سے ملتی ہوئی رسمیں دوسری مشرک قوموں میں بھی عام ہیں۔

افتراء علیه۔ کمالِ افترا و یہ ہے کہ ان مشرکانہ رسموں کو عبادت اور ذریعۂ تقربِ الٰہی مشہور کر رکھا ہے۔

حجر۔ یعنی عام استعمال کے لئے ممنوع اور ہمارے استعمال کے لئے مخصوص۔

یقال فلان فی حجر فلان ای فی منع منه عن التصرف فی ماله وکثیر من احواله (راغب) الحجر لفظ مشترك وهو هنا بمعنى الحرام واصله المنع (قرطبی) الحجر الممنوع منه بتحریمه (راغب) قال قتادة یعنی حراما واصله المنع (جصاص)

الا من نشاء۔ یہ کھانا مخصوص انھیں مندروں کے پجاریوں پروہتوں کے لئے تھا۔

وھم خدام الاصنام (قرطبی) یعنون خدم الاوثان والرجال دون النساء (کبیر)

حرمت ظھورھا۔ یہ تحریمِ ظہر سواری اور بار برداری سے متعلق تھی، عرب بعض جانوروں کو دیوتاؤں کے نام پر نامزد کرکے سانڈ بنا کر چھوڑ دیتے کہ پھر ان سے نہ سواری کا کام لیا جا سکتا نہ بار برداری کا۔

فلا یرکب ولا یحمل علیها۔ (روح)

ہندوستان کے مشرکوں میں بھی بیل، بھینس وغیرہ کو بھوانی دیوی کے نام پر چھوڑ دینے کا عام رواج ہے۔

۲۰۶ "ابھی" سے مراد موت کا وقت ہے، جو کچھ بھی دور نہیں، اور جزاء کا ابہام شدتِ تہویل کے لئے ہے۔

وابھم الجزاء للتھویل (روح) تھدید شدید ووعید (بحر)

یفترون۔ افتراء کا لفظ لانے سے مقصود وعید ہے۔

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ

اور کہتے ہیں کہ ان چوپایوں کے شکم میں جو کچھ ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری بیویوں کے

عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ

لئے حرام ہے ۲۰۷ اور اگر وہ مردہ ہو تو اس میں وہ سب شریک ہیں ابھی (اللہ) ان سے بدلہ لیتا

سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾

ہے ان کے (اس) بیان پر بے شک وہ بڑا حکمت والا ہے بڑا علم والا ہے ۲۰۸

المقصود منه الوعید (بحر)

سیجزیھم ۔ میں س یقین کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔

لا بُدَّ (روح)

۲۰۷ منجملہ اور وہم پرستیوں کے ایک ضعیف الاعتقادی یہ بھی پھیلی ہوئی تھی کہ فلاں فلاں چوپایوں کے شکم کے اندر کی چیزوں سے نفع اٹھانا صرف مردوں کے لئے جائز ہے اور عورتوں کے لئے ناجائز ۔۔۔ ہمارے ملک میں بھی اس قسم کی رسمیں ابھی کچھ روز قبل تک زور شور سے جاری تھیں کہ نیاز کے فلاں فلاں کھانے صرف عورتیں کھائیں، مرد نہ کھائیں، یا صرف بیاہی ہوئی کھائیں، کنواریاں نہ کھائیں وغیرہا۔

ما فی بطون ۔ اس کے تحت میں دودھ بھی آگیا، اور بچہ بھی، ائمہ تفسیر سے دونوں معنی منقول ہیں۔

قال ابن عباسؓ ھو اللبن وقیل الاجنّۃ (قرطبی) قال مجاھد والسدی یعنی بھا الاجنّۃ وقال

غیرھم اراد بھا الالبان والاجنۃ جمیعا ۔ (جصاص)

خالصۃ کی ۃ ائمہ نحو سے منقول ہے کہ لفظ کے معنی میں مبالغہ اور قوت پیدا کرنے کے لئے ہے جیسے علام سے علامہ یا نساب سے نسابہ

والھاء فی خالصۃ للمبالغۃ فی الخلوص ومثلہ رجل علامۃ ونسابۃ عن الکسائی والاخفش (قرطبی) قال

الکسائی معنی خالص وخالصۃ واحد الا ان الھاء للمبالغۃ (قرطبی) انما انث خالصۃ علی المبالغۃ فی الصفۃ (جصاص)

۲۰۸ سو وہ حکیم ہمیشہ ہر ایک کو سزا مناسبِ حال ہی دے گا، اور وہ علیم کسی مجرم سے کبھی بے خبر نہیں رہ سکتا۔

ان یکن میتۃ ۔ یہ مردہ کون سی چیز ہے؟ وہی جو ان چوپایوں کے شکم میں تھی، یعنی بچہ۔

ای ان یکن ما فی البطون میتۃ (قرطبی)

فیہ ۔ یعنی اس مردے سے نفع اٹھانے کے باب میں۔

ھم ۔ یعنی مرد و عورت سب۔

ای الرجال والنساء (قرطبی)

ایک جاہلی دستور یہ تھا کہ بچہ اگر زندہ ہے جب تو اس سے انتفاع مردوں کے لئے مخصوص ہے اور اگر مردہ پیدا ہوا ہے

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا مَا

بڑے ہی گھاٹے میں وہ لوگ آگئے جنھوں نے اپنی اولاد کو قتل کردیا از راہ حماقت بغیر کسی بنیاد کے ۲۰۹ اور جو کچھ انھیں اللہ

رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ ۚ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٤٠﴾

نے نصیب کر رکھا تھا اسے (اپنے اوپر) حرام کرلیا اللہ پر افتراء کرتے ہوئے (یہ لوگ) خوب ہی بھٹکے اور (کسی طرح) راہ یاب نہ ہوئے ۲۱۰

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ

اور وہی (اللہ) تو ہے جس نے باغ پیدا کئے (ٹٹیوں پر) چڑھائے ہوئے اور بغیر چڑھائے ہوئے اور کھجور کے درخت

تو پھر اس میں سب شریک ہو سکتے ہیں۔

یعنی اجنۃ الانعام اذا کانت میتۃ استوی ذکرھم واناثھم فیھا فاکلوھا جمیعا (جصاص)

مشرکین عرب نے ان سب مسائل کو اپنے دین کا جزء بنا رکھا تھا۔

اصولیین نے آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ عالم کو چاہئے کہ اپنے مخالف پر اطلاع تو حاصل کرے اس کے رد کرنے کی غرض سے، چاہے اس پر رد بلا ضرورت نہ شروع کردے۔

وفی الآیۃ دلیل علی ان العالم ینبغی لہ ان یتعلم قول من خالفہ وان لم یاخذ بہ حتی یعرف فساد قولہ ویعلم کیف یرد علیہ (قرطبی)

۲۰۹ اولاد کشی کی رسم کسی ایک قوم یا ملک تک محدود نہ تھی، عرب و ہندوستان، یونان، روم سب اس بلا میں مبتلا رہے ہیں اسلام نے آکر اور اس دستور کو مٹا کر محض قومی یا ملکی نہیں بلکہ ایک عالمی اور کائناتی اصلاح انجام دی — ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن

سفہا بغیر علم۔ یہ لاکر صاف بتا دیا ہے کہ اس جاہلی گو "مہذب" دستور کی بنیاد ہرگز نہ کسی وحی الٰہی پر ہے نہ کسی دلیل عقلی و تجربی پر، بلکہ یہ تمام تر جہل و نادانی کا ثمرہ ہے، علم کا مفہوم اس سیاق میں "تحقیق" کا ہوتا ہے۔

قد۔ اردو محاورہ کی رعایت سے قد خسر کا ترجمہ "بڑے ہی گھاٹے میں آگئے" سے کیا گیا ہے۔

۲۱۰ ما رزقھم اللہ۔ عام طور پر مفسرین نے اس فقرہ سے مراد کھانے پینے کی چیزیں لی ہیں، لیکن ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد وہ مقتول اولاد بھی ہو جس کا ذکر چل رہا تھا، یعنی ملتی ہوئی اولاد سے ہاتھ دھو بیٹھے آج "منع حمل" اور "ضبط تولید" وغیرہ کے خوشنما القاب سے جو تحریک دجل و تزویر کی پوری توانائیوں کے ساتھ چل رہی ہے وہ پوری طرح اس کے تحت میں آجاتی ہے

افتراء علی اللہ۔ جس طرح احکام شریعت میں حک و اضافہ کھلا ہوا افتراء علی اللہ ہے اسی طرح اللہ کے قوانین تکوینی میں بھی "ایجاد بندہ" کو دخل دینا، اور لمبے لمبے دعوی ہانکتے رہنا کہ ہمارے اس مجوزہ نظام میں فلاں فلاں اجتماعی مصالح ہیں، یہ بھی ایک قسم افتراء علی اللہ ہی کی ہے۔

قد ضلوا وما کانوا مھتدین۔ تاکید و تصریح کے لئے ہے کہ یہ لوگ خوب جی بھر کر گمراہ ہوئے ہیں اور انھیں صحیح فلسفہ کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔

وَ الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ غَيْرَ

اور کھیتی کو اس کے کھانے کی چیزیں مختلف ہوتی ہیں، اور زیتون اور انار باہم مشابہ (بھی) اور غیر مشابہ

مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَ لَا

(بھی) ۲۱۱ اس کے پھلوں میں سے کھاؤ جب وہ نکل آئے اور اس کا حق (شرعی) اس کے کاٹنے کے دن ادا کر دیا کرو ۲۱۲

تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَ مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ؕ

اور اسراف مت کرو بے شک اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۲۱۳۔ اور چوپایوں میں بڑے قد کے (بھی) ہیں اور چھوٹے قد کے (بھی)

۲۱۱ ان سارے نباتات، اشجار و اثمار کا پیدا کرنے والا وہی ایک خالق بے ہمتا ہے، نہ کہ زراعت کا کوئی دیوتا، بارش کی کوئی دیوی وغیرہا، مثالوں میں نام قدرۃً انہیں چیزوں کے آئے جن سے مخاطبین اول یعنی عرب خوب مانوس و واقف تھے۔

والزیتون۔ زیتون عرب و شام کا مشہور درخت ہے فلسطین و مصر کے علاوہ اور بھی اکثر گرم ملکوں میں پیدا ہوتا ہے، اور پاکستان کے بعض پہاڑی مقامات میں تو اس کے جنگل کے جنگل پائے گئے ہیں۔ بلندی میں یہ ۲۵ سے ۴۰ فٹ تک ہوتا ہے اس کے پھول چمکیلے اور سفیدی مائل ہوتے ہیں اور اس کے پھل گٹھلی دار بیضاوی مائل ارغوانی رنگ کے ہوتے ہیں، جنگلی زیتون کے پھل کھانے کے قابل نہیں ہوتے، باغوں میں جو درخت لگائے جاتے ہیں ان میں کانٹے نہیں ہوتے درخت کی لکڑی چوبینہ میں بہت کام آتی ہے، اور پھل کچے اور پکے دونوں کھائے جاتے ہیں، ذائقہ تلخ ہوتا ہے، اسے بعض ترکیبوں سے خوشگوار بنا لیا جاتا ہے درخت کی قلمیں لگائی جاتی ہیں، روغنِ زیتون جو خاص طور پر شہرت رکھتا ہے الگ بھی کھایا جاتا ہے اور سالنوں میں ڈال کر بھی، ملیّن و دافعِ قبض ہے اور اور بھی بہت طبّی فوائد رکھتا ہے اون کے چکنا کرنے میں کام آتا ہے، اور صابن اور مرہم میں بھی پڑتا ہے، نیز ملاحظہ ہو۔ حاشیہ تفسیر انگریزی۔

والرمان۔ انار مغربی سرحد پاکستان کا مشہور میوہ ہے، ہندوستان، پاکستان، افغانستان، ایران سب کہیں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا اور ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے، چین، جاپان، یونان، عرب، شام، مصر، اسپین، پرتگال میں بھی پیدا ہوتا ہے، اور یورپ کے علاوہ اب امریکہ بھی پہنچ گیا ہے، میٹھا انار اپنی خوشنمائی اور لذت دونوں کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے، اس کی چھال اور پتیاں تک سب طبّی ضرورتوں میں کام آتی ہیں، اور اس کا شربت خوشگواری، تفریحِ قلب، تقویت، خوش رنگی کے لحاظ سے سارے شربتوں کا سرتاج تسلیم کیا گیا ہے۔

متشابه وغیر متشابه۔ یہ مماثلت و عدم مماثلت رنگ، مزہ، خوشبو، جسامت، ہر اعتبار سے ہو سکتی ہے

۲۱۲ (مسکینوں اور اہل حاجت کو دے دلا کر)

حقه۔ فقہاء حنفیہ نے تصریح کر دی ہے کہ یہاں حق شرعی سے مراد خیر و خیرات ہیں، عشر مراد نہیں، جو زمین کی زکوٰۃ ہے، اور بہت سے تابعین اور بعض صحابہؓ کا بھی یہی قول ہے۔

قال علی بن الحسین وعطاء والحکم وحماد وسعید بن جبیر ومجاهد هو حق فی المال سوی الزکاۃ

كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾

اللہ نے جو کچھ تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے کھاؤ (پیو) اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو ۲۱۳ؗ وہ تو تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

امر اللہ بہ ندبا وروی عن ابن عمرو محمد بن الحنفیۃ ایضاً (قرطبی) عن الشعبی ان ھذا احق فی المال سوی الزکوٰۃ۔ (روح)

من ثمرہ۔ میں ضمیر مندرجہ بالا اثمار میں سے ہر ایک کی جانب ہے۔

ای من ثمر کل واحد من ذالک (بیضاوی)

۲۱۳ؗ اور سب سے بڑا اسراف یہ تھا کہ پیداوار میں سے ایک حصہ بتوں، دیوتاؤں کے نام کا نکالا جاتا تھا۔

ولا تسرفوا۔ اسراف کے لفظی معنی کسی انسانی فعل میں حد سے تجاوز کر جانے کے ہیں۔

السرف تجاوز الحد فی کل فعل یفعلہ الانسان (راغب) قال ابن الاعرابی السرف تجاوز ما حد للہ (کبیر)

قرآن مجید کا ایک اعجاز بیان یہ ہے کہ احکام کے جزئیات بلکہ بعض اوقات تو جزئیات در جزئیات کے ضمن میں وہ ایسے حکیمانہ کلیات و اصول بیان کر جاتا ہے، جو زندگی کے سارے ہی شعبوں پر یکساں منطبق ہو جاتے ہیں، چنانچہ یہاں بھی چلتے چلتے ایک ایسا چٹکلا بیان کر دیا کہ انسان اگر اسی ایک پر عمل کرنے تو اخلاق، معاملات، سیاسیات، معاشرت غرض کیا انفرادی اور کیا اجتماعی ہر قسم کی زندگی کے سارے شعبوں کی مشکلات دور ہو جائیں اور سخت سے سخت پتھر پانی بن جائیں۔

انہ لایحب المسرفین۔ فخر المفسرین امام رازیؒ نے یہاں بھی ایک نکتۂ منطقی خوب پیدا کیا ہے فرماتے ہیں، کہ آیت کریمہ وقالت الیھود والنصاری نحن ابناء اللہ واحباؤہ قل فلم یعذبکم بذنوبکم سے معلوم ہوا کہ جو اللہ کے محب و محبوب ہیں، وہ اہلِ نار و مبتلائے عذاب نہیں ہو سکتے، اور جب یہ ثابت ہے تو اس کا عکس بھی صحیح ہے کہ جو اللہ کے غیر محب و محبوب ہیں بعض ان ہی میں کے اہلِ نار ہیں۔

۲۱۴ؗ (کہ جس چیز کو چاہا اپنے دل سے حرام کر ڈالا، اپنے دل سے حلال ٹھہرا لیا)

ای فی التحلیل والتحریم من عند انفسکم کما فعلہ اھل الجاھلیۃ (کبیر)

تصریحاً ذکر شرک کی ان ہی صورتوں کا کیا گیا ہے، جو عرب میں عام طور پر رائج تھیں۔

مما رزقکم اللہ۔ اشارہ یہ کر دیا کہ یہ جانور بھی صرف اللہ ہی کے پیدا کئے ہوئے اللہ ہی کے عطیہ ہیں کسی دیوی دیوتا کے نہیں، جو تم انھیں خواہ مخواہ شریک کئے لیتے ہو۔

رزق سے مراد حلال ہی جانور ہیں۔

یرید ما احلھا لکم (کبیر)

جانوروں کا معاملہ بھی اسی طرح کا ہے، جیسا باغ اور زراعت کا تھا — قرآن مجید کی اسی قسم کی تصریحات سے یہ حقیقت خوب واضح ہو جاتی ہے کہ حیوانات و نباتات جو کچھ بھی ہیں، سارے کے سارے اصلاً انسان ہی کے کام میں آنے کے ہیں، خواہ غذاء خواہ اور کسی طریقہ سے بجز اس کے کہ اللہ ہی ان میں سے بعض موجودات سے کام لینا انسان کے لئے ممنوع قرار دیدے۔

حمولۃ وفرشا۔ تقدیر کلام یوں بھی گئی ہے وانشا حمولۃ وفرشا من الانعام (قرطبی) وھو الذی انشا لکم من الانعام حمولۃ وفرشا (جصاص)

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ

(اللہ نے) آٹھ جوڑے (پیدا کئے) ۲۱۵ دو قسمیں بھیڑ میں سے اور دو قسمیں بکری میں سے۔ آپ کہئے کہ (اللہ نے)

حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّــُٔوْنِيْ

آیا دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادوں کو یا اس (بچہ) کو جس کو دونوں مادائیں اپنے رحم میں لئے ہوئے ہیں،

بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ

مجھے تبلاؤ تو دلیل کے ساتھ اگر تم سچے ہو ۲۱۶ اور (اسی طرح) دو قسمیں ہیں اونٹ میں (بھی) اور دو قسمیں ہیں گائے میں

قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ

(بھی) آپ کہئے کہ (اللہ نے) آیا دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادوں کو یا اس (بچہ) کو جسے دونوں مادہ اپنے رحموں میں لئے ہوئے ہیں

زمخشری اور رازی دونوں نے لکھا ہے کہ ومن الانعام کا دا آیت کا عطف آیت ما قبل وھو الذی انشاء جنٰت سے کرایا ہے
حمولۃ کے معنی بڑے اور قدآور جانور کے گئے ہیں، جیسے اونٹ جو بوجھ اٹھانے اور سواری اور محنت کے قابل ہوں۔
الحمولۃ ما اطاق الحمل والعمل (قرطبی) ما تحمل الاثقال (کشاف کبیر) صالحۃ للحمل علیھا کالابل الکبائر (جلالین)
فرشا اور فرش وہ چھوٹے قد کے جانور ہیں، جو گوشت اور دودھ کے لئے استعمال میں آتے ہیں جیسے بکری۔
قال ابن زید الحمولۃ ما یرکب والفرش ما یوکل لحمہ ویحلب (قرطبی) ما یفرش للذبح (کشاف کبیر) لا تصلح للحمل کالابل الصغار والغنم سمیت فرشا لانھا کالفرش للارض لدنوھا منھا (جلالین)

۲۱۵ (ان چوپایوں کے جن کی حلت وحرمت میں تم اپنی تراش خراش سے کام لے رہے ہو۔)

ثمانیۃ ازواج۔ کی تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے وانشأ ثمانیۃ ازواج (قرطبی)

انہ لکم عدو مبین۔ شیطان کا کام یہی انسان کو ایسے راستوں پر چلنے کی ترغیب دینا اور ان عقیدوں کی پٹی پڑھانا ہے، جو وحی الٰہی سے ماخوذ نہ ہوں، بلکہ تمام تر انسان کے اپنے طبع زاد ہوں۔

ازواج سے مراد جانوروں کی قدرتی تقسیم نر و مادہ میں ہے۔

ثمانیۃ ازواج یعنی ثمانیۃ افراد وکل فرد عند العرب یحتاج الی اخر یسمی زوجا (قرطبی)

اور یہی مراد آگے چل کر انثیین سے بھی ہے۔

ای الذکر والانثی (قرطبی)

۲۱۶ (اپنے اس دعوی میں کہ فلاں فلاں حرام ہے)

قرآن دوسرے مشرکانہ عقائد کی طرح اس عقیدہ کے باب میں بھی مشرکوں کو چیلنج کرتا اور انھیں سے مطالبۂ دلیل کرتا ہے۔ اُن سے صاف صاف کہتا ہے کہ تم اپنے مزعومات پر عقلی و نقلی وحی و تجربہ سے کوئی دلیل قائم کرکے دکھاؤ تو؟

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى

کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا تھا ۲۱۷ تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر

اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

جھوٹ بہتان باندھے بغیر علم کے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے اللہ تو ہٹ دھرم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ۲۱۸

۲۱۷ ابھی اوپر آچکا ہے نَبِّئُونِی بِعِلْمٍ یعنی کسی نبی کی سند دعوئے حرمت پر لاؤ، اب یہ سوال ہو رہا ہے کہ جب نبی کی سند نہیں پیش کر سکتے ہو تو کیا حق تعالٰے نے براہ راست تم کو مخاطب کر کے ان ان چیزوں کو حرام کیا ہے؟

بِھٰذَا۔ یعنی تمہارے قول وزعم کے مطابق اس تحلیل وتحریم کا حکم۔

مِنَ الْبَقَرِ۔ بقر ہی کے تحت میں بھینس بھی آجاتی ہے۔

اصولیین نے آیت سے، تحقیق میں مناظرہ کا حکم بھی نکالا ہے، چنانچہ یہاں پیمبر کو مخالفین سے مناظرہ کا حکم مل رہا ہے اور آیت سے قیاس واستنباط کا بھی اثبات ہو رہا ہے۔

قال العلماء الآية دلت على اثبات المناظرة فی العلم لان الله تعالٰی امر نبیه علیه السلام بان یناظرهم ویبین لهم فساد قولهم وفیها اثبات القول بالنظر والقیاس (قرطبی)

۲۱۸ یعنی ایسے لوگوں کو جو افتراء علی اللہ میں دلیر ہوں۔

مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ اور ایک بڑا افتراء علی اللہ یہی ہے کہ تحلیل وتحریم ماکولات کا مسئلہ بندہ اپنے ہاتھ میں لے لے، اور اسے خدائی تعلیم سمجھے۔

بِغَیْرِ عِلْمٍ۔ اس کا نحوی تعلق افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ سے ہے، یعنی بغیر یہ علم حاصل کئے ہوئے کہ اس کی حرمت خدائے تعالٰے کے ہاں سے ہوئی ہے، اسے اپنے دل سے گڑھ کر حرام ٹھہراتا ہے۔

ای افتری علیه سبحانه جاهلا بصدور التحریم عنه جل شانه (روح)

بعض محققین نے لکھا ہے کہ جب قرآن مجید محض بے علم وتحقیق تحریم اشیاء کر دینے والوں کو ظالم ترین (وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى) ٹھہرا رہا ہے، تو ظاہر ہے کہ ان مجرموں کا کیا درجہ ہوگا، جو عدم علم وبے تحقیقی کے ساتھ نہیں بلکہ دانستہ تحریف کی جسارت کے ساتھ تحلیلِ حرام یا تحریمِ حلال کرتے رہتے ہیں۔

فاذا من افتری علیه سبحانه بغیر علم بصدوره عنه جل جلاله مع احتمال صدوره اذا کان فی تلك الغایة من الظلم فما الظن بمن افتری وهو یعلم عدم الصدور (روح)

عِلْمٍ۔ خوب غور کر کے دیکھا جائے کہ قرآن مجید نے جہاں جہاں استعمال کیا ہے، علم حقیقی وتحقیقی ہی کے معنی میں استعمال کیا ہے، اور اسی علم کے سیکھنے سکھانے کا حکم دیا ہے، باقی "علم" علوم ظنی وفنون تخمینی کے معنی میں تمام تر

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ

آپ کہہ دیجئے مجھ پر جو وحی آتی ہے اس میں تو میں (اور) کچھ نہیں حرام پاتا کسی کھانے والے کے لئے جو اسے کھائے سوا

اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ

اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو کیونکہ وہ (بالکل) گندہ ہے ۲۱۹ٍ

اہل باطل کی گڑھی ہوئی اصطلاح ہے۔

۲۱۹ (اور اسی لئے اس کے گوشت کے علاوہ بھی دوسرے اجزاء مثلاً کھال، چربی وغیرہ نجس اور حرام ہیں)

فانه میں ضمیر خنزیر کی طرف ہے۔

ای اللحم او الخنزیر لانه الاقرب ذکرا (روح) واستدل الشافعیة بقوله سبحانه فانه رجس علی نجاسة الخنزیر بناء علی عود الضمیر علی خنزیر لانه اقرب مذکور (روح) اذا احتمل الضمیر العود الی شیئین کان عوده علی الاقرب ارجح (بحر)

فی ما اوحی الی۔ یعنی ان جانور کے سلسلہ میں جو وحی مجھ پر آئی ہے، جن کی حلت و حرمت پر یہاں گفتگو ہو رہی ہے یہاں جن حرام چیزوں کا حصر کیا گیا ہے ان سے مراد یہی ہے کہ تم اور چیزوں کو اپنی رائے و تجویز سے کہاں سے حرام ٹھہرائے لیتے ہو، وحی الٰہی نے تو ابھی تک حرام بس یہی چیزیں کی ہیں، یہ مراد نہیں کہ کل محرمات کی یہ مکمل فہرست ہے آیت کی ہے، اس سے زیادہ چیزیں تو مدنی سورہ مائدہ ہی میں مل جائیں گی، شراب اور گردن مروڑا ہوا جانور وغیرہ اور متعدد جانوروں کی حرمت جو حدیث میں آئی ہے، وہ اس کے علاوہ۔

هذه الآیة مکیة وکل محرم حرمه رسول الله صلعم اوجاء فی الکتاب مضموم الیها فهو زیادة حکم من الله عزوجل علی لسان نبیه صلی الله علیه وسلم ونظیره نکاح المراة علی عمتها وعلی خالتها مع قوله واحل لکم ما وراء ذلکم وکحکمه بالیمین مع الشاهد مع قوله فان لم یکونا رجلین فرجل وامراتان (قرطبی) علی هذا اکثر اهل العلم من اهل النظر والفقه والاثر (قرطبی) ذلک مخصوص بالاتفاق لاتفاق الجمیع من الفقهاء علی تحریم اشیاء غیر مذکورة فی الآیة کالخمر ولحم القردة والنجاسات وغیرها (جصاص) فیه ایذان بان طریق التحریم لیس الا التنصیص من الله تعالٰی دون التشهی والهوی (روح)

علی طاعم یطعمه۔ عام ہے ہر کھانے والے کے لئے، مرد و عورت کوئی بھی ہو۔

ای طاعم کان من ذکر او انثی ردا علی قولهم محرم علی ازواجنا (روح)

میتة۔ دم مسفوح۔ لحم خنزیر۔ سب پر حاشیے سورۂ بقرہ پ ۲ میں گزر چکے۔

فانه رجس۔ یعنی سور چونکہ نجس ہے اس لئے حرام ہے اس ذرا سے فقرہ سے ایک بڑی اصل ہاتھ آ گئی یعنی نجاست کا سبب حرمت ہونا نص قرآنی سے ثابت ہو گیا، تو اب جہاں جہاں نجاست پائی جائے گی وہاں حرمت کا حکم بھی نص قرآنی ہی کے ماتحت لگا دیا جائے گا۔

اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ

یا جو فسق کا ذریعہ ہو جو غیر اللہ کے لئے نامزد کیا گیا ہو ٢٢٠ لیکن جو کوئی بیقرار ہو جائے اور طالب لذت نہ ہو نہ حد سے تجاوز کرے تو بیشک

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤٥﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ

آپ کا پروردگار بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ٢٢١ اور جو لوگ کہ یہودی ہوئے ان پر ہم نے کھر والے کل جانور حرام کر دیئے تھے ٢٢٢

فهل ايقتضى ان النجاسة علة لتحريم الاكل فوجب ان يكون كل نجس يحرم اكله (کبیر)

٢٢٠ (بہ قصد تقرب و عبادت)

یہ وہ جانور ہیں جو بجائے خود حلال و طیب ہیں، لیکن ذابح کی نیتِ فاسد نے انھیں حرام بنا دیا ہے۔ ہر قسم کی بھینٹ اور چڑھاوے کے جانور اس تصریح کے بعد قطعی حرام ٹھہر جاتے ہیں۔

اھل لغیر اللہ بہ۔ پر حاشیہ سورۂ بقرہ پ٢ میں گزر چکا۔

فسقًا۔ ذریعہ فسق کو خود فسق سے تعبیر کرنا تاکید و اظہارِ اہمیت کے لئے ہے۔

سمی ما اهل لغیر الله به فسقا لتوغله فی باب الفسق (کبیر)

٢٢١ (اور انھیں صفات غفر و رحمت کے تقاضہ سے اس نے ایسی حالت میں بندوں پر حرام چیزیں حلال کر دیں اور گناہ کی چیزوں سے گناہ اٹھا لیا)

شریعت اسلامی کو جن لوگوں نے سخت کہا ہے انھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے، ہر موقع و محل کے لئے بشری کمزوریوں کی رعایت کس درجہ رکھی ہے۔

فمن اضطر۔ یعنی جو کوئی بھوک کی شدت سے بے قرار ہو رہا ہو اور اسے حلال غذا نہ مل رہی ہو۔

غیر باغ۔ یعنی اس حرام جانور کو لذت و ذائقہ کے لئے نہ کھائے۔

ولا عاد۔ یعنی شدتِ گرسنگی کی اصل ضرورت سے زائد کھانے والا نہ ہو۔

ان سب فقروں پر حاشیے سورۂ بقرہ پ٢ میں گزر چکے ہیں۔

٢٢٢ ذی ظفر۔ ظفر کا اردو ترجمہ ایک لفظ سے کرنا مشکل ہے، پرندوں میں تو اس میں کل وہ پرند آجاتے ہیں، جن کے بجائے انگلیوں کے پنجے ہوتے ہیں، جیسے چیل، گدھ، باز، شکرا وغیرہ اور چرندوں میں وہ سارے جانور شامل ہیں جن کے سُم ہوتے ہیں، مثلاً گھوڑا، گدھا، خچر، اونٹ وغیرہ۔

وهو من البهائم والطير ما لم يكن مشقوق الاصابع (ابن جرير) قال عبد الله بن مسلم انه كل ذی مخلب من الطير وكل ذی حافر من الدواب ثم قال كذالك قال المفسرون (كبير) قال مجاهد وقتادة ذی ظفر ما ليس بمنفرج الاصابع من البهائم والطير (قرطبی) قال ابن عباس وسعيد بن جبير وقتادة والسدی ومجاهد هو كل ما ليس بمفتوح الاصابع (جصاص)

الذين هادوا۔ یعنی جنھوں نے شریعت یہود کو قبول کر لیا ہے، عام اس سے کہ وہ نسلاً اسرائیلی ہوں یا نہ ہوں،

وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ

اور گائے اور بکری میں سے ہم نے ان پر ان دونوں کی چربیاں حرام کی تھیں بجز اس (چربی) کے جو ان کی

ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ

پشتوں پر یا ان کی انتڑیوں میں لگی ہوئی ہو یا جو ہڈی سے ملی ہوئی ہو یہ سزا دی تھی ہم نے ان کو ان کی شرارت پر،

وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿١٤٦﴾ فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ

اور ہم ہی یقیناً سچے ہیں ۲۲۳ سو اگر یہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تمہارا پروردگار بڑی وسیع

وَاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٤٧﴾

رحمت والا ہے، اور اس کا عذاب مجرم لوگوں سے ٹل نہیں سکتا ۲۲۴

موجودہ توریت محرّف میں حلت و حرمتِ حیوانات کے احکام متفاً ذیل میں ملیں گے کتاب احبار، باب ۱۱ کتاب استثناء، باب ۱۴

۲۲۳ (چنانچہ اس بیان کے خلاف کوئی چیز اگر توریت محرّف وغیرہ میں ملے تو وہ ہرگز قابل اعتناء نہیں)

ذلك جزينهم ببغيهم۔ یعنی ان چیزوں کی حرمت فی نفسہٖ مقصود نہ تھی، بلکہ یہ حکم بہ طور سزا تھا،

اور یہیں سے یہ قاعدہ ہاتھ آتا ہے کہ حرمتِ اشیاء کبھی کبھی گناہوں کے باعث بھی ہو جاتی ہے۔

وفی هذا دلیل علی ان التحریم انما یکون بذنب لانه ضیق (قرطبی)

اوالحوایا۔ تقدیر کلام یوں ہے اوما حملت حوایاهما

والالف واللام بدل من الاضافة (قرطبی)

۲۲۴ (جب اس عذاب کا وقت حکمتِ الٰہی اور مصلحتِ تکوینی کے ماتحت آجاتا ہے)

توریت اور انجیل کے حوالوں کے لئے ملاحظہ ہوں انگریزی کی تفسیر القرآن کے حاشیے۔

فان کذبوك۔ یہ اشارہ کن لوگوں کی طرف ہے؟ سیاق سے یہود ہی مراد معلوم ہوتے ہیں اور اکثر محققین بھی اسی طرف گئے ہیں۔

ای الیهود کما قال مجاهد والسدی وهو الذی یقتضیه الظاهر (روح) الظاهر عود الضمیر علی اقرب مذکور وهم الیهود (بحر)

لیکن اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ اشارہ تمام مخالفین و معاندین کے حق میں عام سمجھا جائے، اور یہود و مشرکین اور ان کے اشباہ و امثال سب ہی مراد لئے جائیں۔

ای فان کذبك یا محمد مخالفوك من المشرکین والیهود ومن شابههم (ابن کثیر)

فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ۔ اور اسی رحمتِ وسیع کے اقتضاء سے وہ مہلت اور گنجائش

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا

جو لوگ شرک کرتے ہیں اب کہیں گے کہ اللہ اگر چاہتا تو شرک نہ ہم کرتے نہ ہمارے باپ دادا کرتے اور نہ ہم کسی چیز کو حرام

مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ

کر سکتے ۲۲۵ اسی طرح جھٹلایا تھا ان لوگوں نے بھی جو ان سے قبل ہوئے ہیں یہاں تک کہ انھوں نے ہمارے عذاب کو چکھا ۲۲۶

بھی بہت زیادہ دیتا رہتا ہے۔

یہ جواب یہود کے اس اعتراض کا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اگر سچے ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا ہے؟

۲۲۵ خلاصہ اہلِ شرک و ضلالت کے اس استدلال کا یہ ہے کہ خدا جب ہر چیز پر قادر ہے اور باوجود قدرت اس نے ہمیں شرک و تحریم حلال سے طبعاً و تکویناً نہ روک دے تو اس سے معلوم ہوا کہ شرک و تحریم حلال اسے ناپسند ہی نہیں، بلکہ عین اس کی مرضی سے ہو رہے ہیں۔

مغالطہ استدلال کے اندر یہ ہے کہ مشیتِ تکوینی اور پسند و رضا کو مرادف سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ رضائے الٰہی تشریعی کا قانون دوسرا ہے اور مشیت الٰہی تکوینی کا دوسرا، دونوں اپنی اپنی جگہ کارفرما ہیں، دونوں کے درمیان کوئی تصادم و تزاحم نہیں، قانونِ مشیت نے انسان کو آزادی ہر طرح کی دے رکھی ہے، انسان اپنے طریق عمل کے انتخاب میں آزاد ہے، وہ اپنے ارادہ کا مالک و مختار ہے، اچھی بری جو راہ چاہے اختیار کرے، لیکن رضائے الٰہی کا حکم یہ ہے کہ وہ بدی کی راہ سے بچے، اور نیکی کی راہ پر چلے — بہ حیثیتِ خالق و قادرِ مطلق اس نے پیدا زہر کو بھی کر رکھا ہے اور بیماری کو بھی لیکن بہ حیثیتِ حاکم و آمر اس کا حکم یہی ہے کہ بیماری کا علاج کیا جائے، اور زہر کا توڑ تریاق سے کیا جائے، جو کج فہم خدا کی قدرت اور اپنی مجبوریوں کو اپنی بے دینی اور بدکرداری کے لئے حیلہ اور آڑ بناتے ہیں، وہ آخر بیماری میں اپنا علاج کیوں کرتے ہیں؟ روحانیت کی طرح جسمانیات کے ہر آزار میں اپنے کو معذور و مجبور کیوں نہیں سمجھتے؟

الذین اشرکوا کا مفہوم قرآن مجید کے اصطلاحی المشرکین سے وسیع تر ہے، المشرکین سے مراد مشرکین عرب ہی ہوتے ہیں، بخلاف اس کے الذین اشرکوا کے عموم میں ہر قوم ہر ملک، ہر زمانہ کے اہلِ شرک داخل ہیں۔

سیقول بطور پیش گوئی کے ہے اور س مستقبل کے لئے ہے۔

اخبار من مستقبل (بیضاوی) اخبر اللہ عزوجل بالغیب عما سیقولون (قرطبی)

معتزلہ نے یہ کہہ کر کہ شرک کا تابع مشیت ہونا موقعِ ذم میں وارد ہوا ہے، اپنے مسلک کی تائید اور تقویت آیت سے نکالنا چاہی ہے حالانکہ اگر وہ مزید غور و تدبر سے کام لیتے تو خود ان پر ظاہر ہو جاتا کہ مذمت نفس اس عقیدہ کی نہیں ہو رہی ہے، بلکہ اس کی ہو رہی ہے کہ مشرکین اس عقیدہ کی آڑ میں اپنے کو بری الذمہ اور بے قصور قرار دے رہے تھے، اور مشیت اور شرک کے درمیان خلط کر رہے تھے۔

۲۲۶ (خواہ زندگی میں خواہ بعد موت)

کذلک۔ منکرین و مکذبین کا یہ لنگڑا لولا استدلال کچھ نیا اور اس امت کے ساتھ مخصوص نہیں پرانی امتوں

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ

آپ کہیے کہ آیا تمہارے پاس ہے کوئی دلیل (علم) تو اسے ہمارے سامنے ظاہر کرو ۲۲۷؎ تم تو نری گمان کی پیروی کرتے ہو

اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ

اور محض اٹکل سے کام لیتے ہو ۲۲۸؎ آپ کہہ دیجیے کہ پوری حجت تو اللہ ہی کی رہی اور اگر (اللہ) چاہتا تو

اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ

تم سب کو ضرور ہدایت دے دیتا ۲۲۹؎ آپ کہیے کہ اپنے گواہوں کو لاؤ جو اس پر گواہی دیں کہ اللہ نے ان (چیزوں) کو

هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

حرام کیا ہے ۲۳۰؎ اور اگر وہ جھوٹی گواہی دے بھی دیں تو آپ نہ ان کے ساتھ گواہی دیجیے، اور نہ ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی

بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

کیجیے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اپنے پروردگار کے برابر (دوسروں کو) ٹھہراتے رہتے ہیں ۲۳۱؎

کا بھی یہی شیوہ چلا آیا ہے۔

۲۲۷؎ مکذبین کی دلیلِ عقلی کی لغویت ابھی اوپر کے حاشیہ سے ظاہر ہو چکی ہے اب مطالبہ ان سے دلیلِ نقلی کا ہو رہا ہے یعنی کس پیمبر کی یہ تعلیم رہی ہے جو تم پیش کر رہے ہو؟

من علم یعنی دلیل تمہارے اس گڑھے ہوئے مقدمہ پر کہ فعل پر قدرت دینا اس فعل سے رضا کو مستلزم ہے۔

۲۲۸؎ یعنی علم و تحقیق سے قطعی معریٰ ہو، تمہارے پاس نہ کوئی دلیلِ عقلی ہے نہ کوئی دلیلِ نقلی، آج بھی ملحدوں اور مشرکوں دونوں کا یہی حال ہے بس چند مفروضات و مزعومات ہیں، جو ان کی ساری عمارت کی بنیاد ہیں۔

۲۲۹؎ یعنی اگر اس کی مشیتِ تکوینی یہی ہوتی، تو تم سب لوگ محرومُ الارادہ و مسلوبُ الاختیار ہو کر بس ایک ہی ڈھرے پر اضطراراً چلتے، لیکن اس نے اجر و صلہ تو ایمانِ اختیاری پر رکھا ہے نہ کہ ایمان اضطراری پر۔

انه قد شاء منهم الايمان اختيارا ولو شاء الله الايمان منهم قسرًا لكان عليه قادرا ولكنهم كانوا لا يستحقون به الثواب والمدح (جصاص)

فللّٰه الحجة البالغة۔ اللہ کی حجت پوری کی پوری رہی اور تمہاری حجت باطل ہو گئی۔

۲۳۰؎ (اور شہادت قبول وہی ہو گی، جو مشاہدہ یا مثل مشاہدہ پر مبنی ہو) کوئی عقلی دلیل تو شرک پر قائم ہی نہیں، اب مطالبہ یہ ہو رہا ہے کہ کسی پیمبر کی تعلیم سے کسی آسمانی کتاب سے اس کی نقلی، روایتی، تاریخی ہی شہادت پیش کرو۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ

آپ کہئے کہ آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں وہ چیزیں جو تم پر تمہارے پروردگار نے حرام کی ہیں یعنی یہ کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک بمت ٹھہراؤ

اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ

اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو ۲۳۲ اور اپنی اولاد کو افلاس (کے خیال) سے ہلاک مت کر دیا کرو ہم ہی تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی ۲۳۳

(اور ان کی یہی شرک پسندی اور آخرت انکاری ان کے دلوں میں طلبِ حق نہیں پیدا ہونے دیتی)

۲۳۱ (اور ان کی یہی شرک پسندی اور آخرت انکاری ان کے دلوں میں طلبِ حق نہیں پیدا ہونے دیتی) یعنی آپ ان کی گواہی کی تصدیق نہ کیجئے بلکہ ان کی غلطی ان پر ظاہر کیجئے۔

فلا تشهد معهم۔ یعنی آپ ان کی گواہی کی تصدیق نہ کیجئے بلکہ ان کی غلطی ان پر ظاہر کیجئے۔

ای فلا تصدقهم فیه و بیّن لهم فساده (بیضاوی)

ولا تتبع ...... یعدلون۔ آج بھی دنیا کی "مہذب" و "متمدن" قوموں میں یہ آخرت فراموشی بلکہ آخرت بیزاری اور عملی شرک دونوں چیزیں کتنی عام ہیں، اور امتِ اسلامی کے لئے کتنا تاکیدی حکم ان کے نظریات، مزعومات، تخیلات مفروضات (سب کے لئے جامع لفظ "اھواء") سے بچے رہنے کا ہے۔

۲۳۲ بنیادی اور مرکزی عقیدہ (توحید) کی تصحیح کے معًا بعد اب عملی زندگی کی ہدایات شروع ہو جاتی ہیں، اور ان میں سب سے پہلا حکم ماں باپ کی خدمت کا ملتا ہے۔

احسانًا۔ احسان کا لفظ یاد رہے، حکم والدین کی محض اطاعت کا نہیں ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا ہو رہا ہے، جو لوگ خدمتِ والدین کو کوئی خاص اہمیت دین میں نہیں دیتے، کاش وہ اس قسم کی آیتوں پر غور کریں!

ای احسانًا کاملًا لا اساءة معه (روح) عن ابن عباس یرید البر بهما مع اللطف ولین الجانب (روح)

قل تعالوا۔ خطاب آیت میں یہود، مشرکین، بلکہ ساری نوعِ انسانی کے لئے عام ہے۔

اَلَّا مرکب ہے اَن اور لا کا۔ اور اَن مفسرہ ہے، اردو کے "یعنی" کے مرادف۔

ان مفسرة بمعنی ای (مغنی) والظاهر ان تفسیریة ولا ناهیة (بحر)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ لا یہاں نافیہ یا ناہیہ نہیں، بلکہ زائدہ ہے جو نفی یا نہی نہیں بلکہ اور زور و تاکید حکم میں پیدا کر دیتا ہے۔

لا الزائدة الداخلة فی الکلام لمجرد تقویته وتوکیده (مغنی)

تاج العروس میں ان دونوں ترکیبوں کو جائز قرار دیا گیا ہے بلکہ ان کے علاوہ ایک تیسری ترکیب کو بھی۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الا تشرکوا سے قبل اوصاکم محذوف مانا جائے، جیسا کہ آیت کے آخر میں ذٰلکم وصّٰکم به موجود بھی ہے اور کلامِ عرب میں اس طرزِ کلام کی نظیریں ملتی ہیں۔

وکان فی الکلام حذف دل علیه السیاق وتقدیره اوصاکم الا تشرکوا وتقول العرب امرتک ان لا تقوم (ابن کثیر)

۲۳۳ یہاں ارشاد یہ فرمایا گیا کہ وہ معاشی نظریہ بہت ہی غلط قسم کا ہے جو نسل کو گھٹانے اور محدود کرنے کی طرف لے جاتا ہے، معاشیات کے صحیح قوانین ہی دوسرے ہیں۔

ولا تقتلوا اولادکم من املاق۔ یہ قتلِ اولاد کی ملعون رسم، دختر کشی کے دستور کے علاوہ ہے، مقصود اس سے تمام تر

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ

اور بے حیائیوں کے پاس بھی نہ جاؤ (خواہ) وہ علانیہ ہوں اور (خواہ) پوشیدہ ۲۳۴ اور جس جان کو اللہ نے محفوظ کر رکھا ہے

الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٥١﴾

اسے قتل مت کرو بجز حق (شرعی) کے ۲۳۵ اس (سب) کا اللہ نے تمہیں حکم دے رکھا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو ۲۳۶

روکتا ہے۔ افلاس کا ذکر اس لئے فرمادیا ہے کہ فلاسفۂ مادیئین اور مفکرین جاہلیت اپنے نظریہ کی عقلی توجیہ عموماً یہی کرتے ہیں۔ چنانچہ آج جاہلیت فرنگ کے زیر سایہ جو شاندار تحریک قتلِ اولاد کی مخفی و باریک صورتوں کی منع حمل کے نام سے جاری ہے اس کا محرک بھی یہی خوفِ افلاس ہے۔ مالتھس نامی ایک ماہر معاشیات جو برطانیہ میں انیسویں صدی کی ابتداء میں ہوا ہے اور یہ قتلِ اولاد یا منعِ حمل کی تحریک اصلاً اسی کی چلائی ہوئی ہے۔ اس کے سارے نظریہ کی بنیاد بھی خوفِ افلاس ملکی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

ولاتقتلوا اولادکم۔ اور بعض علماء سلف نے آیت کے ان الفاظ سے عزل (یعنی منع حمل بلا آلات منع حمل) کے عدم جواز پر بھی استدلال کیا ہے۔

وقد یستدل بھذا من یمنع العزل لان الوأد یرفع الموجود والنسل والعزل منع اصل النسل فتشابھا الا ان قتل النفس اعظم وزرا واقبح فعلا (قرطبی) (ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر قرآن)

۲۳۴ الفواحش کے معنی بہت وسیع ہیں، تنہا زناکاری کے نہیں، بدکاری، بے حیائی، فحاشی کی تمام صورتیں اس کے اندر آگئیں، پھر "لاتقربوا" کی تعمیم یعنی "اس کے قریب بھی نہ جاؤ" اور پھر ماظھر منھا وما بطن نے تعمیم کی حد ہی کردی۔ بے حجابی، لباس میں بے ستری وغیرہ کی تمام مخفی صورتیں، خواہ پبلک میں ہوں یا پرائیوٹ میں، یکساں حرام قرار پاگئیں۔ چہرہ پر پوڈر، لپ اسٹک وغیرہ لگاکر، بن سنور کر، نیم برہنہ لباس پہن کر خوشبوئیں لگاکر عورتوں کا آزادی کے ساتھ بے تکلف باہر نکلنا، مردوں کے مجمع میں بے تکلف چلنا پھرنا، ہنسنا بولنا، سنیما اور تھیٹر میں شہوانی نظاروں سے لطف اندوز ہونا، آرٹ گیلری میں برہنہ تصویریں دیکھنا، غرض تہذیب جدید کے سارے جاہلی عنصر اس آیت کی رو سے حرام ٹھہر جاتے ہیں۔ اخلاق کی پاکیزگی اور پاکیزہ خیالی جو فرد و جماعت دونوں کی حقیقی ترقی کا پہلا زینہ ہے، اس کی جو نظیر شریعتِ اسلام نے قائم کردی ہے وہ کہیں تلاش سے بھی نہ ملے گی۔

والاولی ان لایخصص ھذا النھی بنوع معین بل یجری علی عمومہ فی جمیع الفواحش ظاھرھا وباطنھا۔ (کبیر)

۲۳۵ مثلاً جہاد میں، قصاص میں، رجم میں۔

النفس التی حرم اللہ۔ اور وہ جس کو اللہ کے قانون نے محفوظ کر رکھا ہے، وہ ہر انسانی جان ہے، تاوقتیکہ وہ کسی جرمِ شرعی میں واجب القتل نہ قرار پاجائے۔

وھذہ الآیۃ نھی عن قتل النفس المحرمۃ مومنۃ کانت او معاھدۃ الا بالحق الذی یوجب قتلھا (قرطبی)

۲۳۶ (اور ان ہدایات پر عمل کرو)

قرآن مجید میں یوں تو متعدد آیات ایسی ملتی ہیں جو تہذیبِ فرنگ کی پھیلائی ہوئی فضائے حاضر پر خاص طور سے چسپاں ہیں، لیکن یہ آیت ان خاص آیتوں میں بھی اخص ہے۔ آیت کے ایک ایک جزء کو لے کر خوب غور سے دیکھئے:۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ

اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر اس طریق پر کہ جو مستحسن ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی پختگی کو پہنچ جائے ۵۲۳۷

(۱) ممانعتِ شرک۔ آج کے "روشن خیال" کتنے مختلف قسموں کے شرک میں مبتلا رہتے ہیں ان کی تہذیب اور ان کے علوم کی بنیاد ہی ترکِ توحید پر ہے۔

(۲) تعظیمِ والدین۔ اخلاقیاتِ جدید میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی کوئی دفعہ ہی نہیں۔

(۳) اولادکشی سے ممانعت۔ "منع حمل" "ضبط تولید" "خاندانی منصوبہ بندی" وغیرہ تو تمدنِ جدید کے خاص مفاخر میں سے ہیں، وہ بھی معاشیات کا نقاب منہ پر ڈالے ہوئے، بلکہ اب تو اس فہرست میں جواز اسقاطِ حمل کا بھی اضافہ ہو رہا ہے۔

(۴) منع فواحش۔ تمدن جدید کی تو ساری رونق ہی علانیہ و مخفی فواحش کی گرم بازاری سے ہے۔

(۵) انسانی زندگی کا احترام۔ اس ہدایت پر کہیں عمل ہوتا تو جنگِ چین و جاپان، جنگ جرمنی و فرانس، جنگِ جرمنی و برطانیہ، جنگِ جرمنی و روس، جنگ جاپان و امریکا وغیرہا کا وجود ہی سرے سے نہ ہوا ہوتا، اور دنیا کو ناقابلِ پیمائش مصیبتوں سے نجات مل گئی ہوتی۔

کاش اب بھی ہماری آنکھیں کھلیں، اور دنیا کی سمجھ میں آئے کہ قرآن نسخۂ شفا صرف چھٹی اور ساتویں صدی مسیحی کے عرب کے لئے نہیں، بلکہ بیسویں صدی اور اکیسویں صدی اور ہر مابعد صدی کی کل دنیا کے لئے ہے۔

ذٰلکم۔ یعنی یہی اوپر کے محرمات۔ کم خطاب کا ہے۔

اشارۃ الی ھذہ المحرمات والکاف والمیم للخطاب (قرطبی)

۵۲۳۷ (اور سن بلوغ پر جب یتیم پہنچ جائے گا تو اس کی جائداد خود اس کے حوالہ کردی جائے گی، اور کوئی سوال ہی تولیت و سربراہ کاری کا باقی نہ رہ جائے گا)

ولا تقربوا مال الیتیم۔ یعنی یتیم کی جائداد میں کسی قسم کا تصرف روا نہ رکھو۔

یبلغ اشدّہ۔ یعنی یتیم اپنی پوری قوت کو پہنچ جائے، اور قوت میں قوت جسمانی اور قوت عقل و تجربہ دونوں آگئیں، گویا وہ پوری طرح عاقل و بالغ ہو جائے۔

یعنی قوتہ وقد تکون فی البدن وقد تکون فی المعرفۃ بالتجربۃ ولابد من حصول الوجہین فان الاشد وقعت ھھنا مطلقۃ (قرطبی) الاشد واحد ھا شد وھو قوۃ الشباب عند ارتفاعہ (جصاص) ولم یشرط البلوغ فدل علی انہ بعد البلوغ یجوز ان یحفظ علیہ مالہ اذا لم یکن مانوس الرشد ولا یدفعہ الیہ (جصاص)

کون سا سن پختگی کا کہلائے گا؟ فقہاء اس باب میں مختلف ہیں، امام ابو حنیفہؒ سے ۲۵ سال کا سن منقول ہے۔

وقد اختلف فی بلوغ الاشد فقال عامر بن ربیعۃ و زید بن اسلم ھو بلوغ الحلم وقال السدی ھو ثلاثون سنۃ وقیل ثمانی عشرۃ سنۃ وجعلہ ابو حنیفۃ خمسا و عشرین سنۃ (جصاص)

الا بالتی ھی احسن۔ اور شریعت میں مستحسن صورتِ تصرف وہی ہے، جس سے خود یتیم کا نفع متصور ہو۔ اسلام کے معاند فرنگیوں نے بھی تسلیم کیا ہے کہ یتیموں کے حقوق کی محافظت اسلام کا ایک خاص اور روشن کارنامہ ہے، ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا

اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کرو ۲۳۸ ہم کسی شخص پر اس کے تحمل سے زائد بار نہیں ڈالتے ۲۳۹

قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ

اور جب بولو تو عدل (کا خیال) رکھو، اگرچہ وہ (شخص) قرابت دار ہی ہو ۲۴۰ اور اللہ سے جو عہد کیا ہے اسے پورا کرو اس (سب)

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا

کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم یاد رکھو ۲۴۱ اور (یہ بھی کہہ دیجئے) کہ یہی میری سیدھی شاہراہ ہے، سو اسی پر چلو، اور (دوسری

تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

دوسری) راہوں پر نہ چلو کہ وہ تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی، اس (سب) کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ ۲۴۲

۲۳۸ (دغا فریب کی ہر آمیزش سے پاک، کہ کسی کا حق مار لیا یا اپنے ذمہ باقی رہنے دیا۔)
اس بظاہر چھوٹی سی ہدایت کے اندر تجارتی اخلاق کے سارے ابواب آگئے ــــ شخصی اخلاق و کردار کی بلندی کے ساتھ ساتھ تجارتی کاروبار میں اخلاق کی پاکیزگی مسلمانوں کے لئے لوازم میں سے ہے۔

ای بالاعتدال فی الاخذ والعطاء عند البیع والشراء (قرطبی) فیہ امر بایفاء الحقوق علی الکمال (جصاص)

۲۳۹ اس لئے ان احکام کی پابندی میں بھی دشواری کچھ بھی نہیں ــــ ضرورت صرف تھوڑی سی توجہ و صرفِ ہمت کی ہے، اور جو ایسے موقع پیش آجائیں جو حد بشری سے باہر ہوں، وہاں کچھ مواخذہ کا ڈر نہیں، جزئیات کے ضمن میں کلیات اور عمومی قانون بیان کر جانا عام اسلوبِ قرآنی ہے، اور اسی دستور کے مطابق قرآن نے بیان بھی یہاں ایک عام عادتِ الٰہی کا کر دیا۔

۲۴۰ (اور کسی کی قرابت یا عزیزداری تمہیں اس کے معاملہ میں نہ منصفانہ فیصلہ کرنے سے روکے نہ سچی گواہی دینے سے)
واذا قلتم۔ یعنی جب تم کسی کے مقدمہ میں زبان کھولو۔

یتضمن الاحکام والشہادات (قرطبی)
سچی اور بے لاگ شہادت کا یہ قانون اگر عام ہو جائے، تو دنیا کو مقدمہ بازی کی لعنت سے کس بڑی حد تک نجات مل جائے اور معاشرہ کتنا صالح و پاکیزہ بن جائے۔

۲۴۱ (ان احکام کو اپنی روزانہ زندگی میں یاد رکھو، اور ان پر عمل کرتے رہو)
بعھد اللہ۔ اس کے تحت میں ہر وہ عہد آجاتا ہے جو بجائے خود جائز ہو، اور اللہ کو حاضر و ناظر جان کر باندھا گیا ہو، اس معاملاتی تعلیم پر عملاً اگر عام ہو جائے، اور وعدہ شکنی کا دستور اگر دنیا سے مٹ جائے، تو دنیا کو کتنی راحت اور سچی خوشی میسر آنے لگے۔

۲۴۲ غرض و غایت ساری تعلیماتِ اسلامی کی بس اسی قدر ہے کہ امت بہ حیثیت مجموعی بھی اور اس امت کا ایک ایک فرد بھی ذاتی طور پر، ہر قسم کے اخلاقی کمالات سے آراستہ، اللہ کی فوج کا سپاہی، اور کائناتِ انسانی کے لئے ایک نمونہ بن جائے۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَ تَفْصِيْلًا

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں پر (نعمت) پوری ہو، اور ہر (ضروری) چیز کی تفصیل (اس کے

لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

ذریعہ سے ہو جائے) اور (باعث) ہدایت ہو اور (ذریعہ) رحمت ہو تاکہ وہ لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات پر ایمان لائیں ۲۴۳

محذوف ہے۔

وانّ. عطف بیاناتِ مقدم پر ہے اور د کے بعد اتل

عطفھا علی ما تقدم وان فی موضع نصب ای واتل ان ھذا صراطی عن الفراء والکسائی (قرطبی)

ہذا. یعنی وہ مکمل نظامِ حیات و دستورِ زندگی جس کی چند اہم مدیں اوپر بیان ہوئیں۔

السبل. ان ٹیڑھی پگڈنڈیوں میں اسلام کے باہر کُل دوسرے مذاہب آگئے، اور اسلام کے اندر بھی اہلِ

بدعت وضلالت کے فرقے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقِ مستقیم سے الگ ہیں۔

وھذہ السبل تعم الیھودیة والنصرانیة والمجوسیة وسائر اھل الملل واھل البدع والضلالات

من اھل الاھواء قالہ ابن عطیة (قرطبی) قال مجاھد السبل البدع (قرطبی)

ولا تتبعوا.... سبیلہ. اس میں رد آگیا اس مغالطہ پرور خیال کا کہ ہر مذہب اپنی اپنی جگہ سچا ہے اور اسلام بھی انھیں مذہبوں

جیسا ہے یہ غلط، بے عقل اور غیر فطری رواداری مشرکوں ہی کو مبارک رہے اسلام ایسی خطرناک و مفسدانگیز مصالحت پسندی سے بیزار ہے

وان.... السبل. قرآن مجید کس دعوی اور تحدی سے کہتا ہے کہ فلاح اگر مقصود ہے تو سب طرف سے قطع نظر

کرکے بس میری ہی پیش کی ہوئی شاہراہ پر چلو — کاش مسلمان اسے سمجھ لیتے!

۲۴۳ بنی اسرائیل کے تمام امراض کا سرچشمہ یہی تھا کہ ان کا اعتقادِ آخرت ڈھیلا ہو کر برائے نام رہ گیا تھا، مذہب

کو جس حد تک مانتے بھی تھے محض دنیوی بہبود و ترقی کی خاطر — ٹھیک یہی نقطۂ نظر جو آج بھی یورپ زادوں کا ہو گیا

ہے مذہب کے ان پہلوؤں سے انھیں بحث ہی نہیں کہ اس میں ذات وصفاتِ باری کا ذکر کتنا اعلیٰ اور مفصل ہے،

نجات کی کیسی کیسی تشفی بخش صورتیں اس نے بتائی ہیں، غرض یہ کہ دائمی راحت کے حصول میں وہ کہاں تک معین

ہے، بلکہ تلاش صرف ان مسئلوں کی رہ گئی ہے، جن سے اس دنیا میں فوری سکھ حاصل ہو سکے۔

ثم. اوپر اثباتِ توحید و ابطالِ شرک کا مضمون مع فروع کے تھا، اب اس کے ختم ہونے پر نبی و نبوت کا مضمون شروع

ہوتا ہے ثم اسی اظہار کے لئے ہے (تھانوی) یہ بھی کہا گیا ہے کہ ثم کے بعد قل محذوف ہے اور ثم کا عطف سابق کے قل تعالوا پر ہے

قیل عطف علی قل وفیہ حذف ای قل تعالوا ثم قل اٰتینا موسیٰ (روح) معناہ ثم قل اٰتینا

موسی لانہ عطف علی قل تعالوا (جصاص) ثم لترتیب الاخبار لا لتراخی الزمان (کمالین)

ثم جب جملہ پر آتا ہے تو واو عطف کے معنی بھی دے دیتا ہے اور یہ معنی بھی یہاں جائز قرار دیئے گئے ہیں۔

ثم مع الجملة تاتی بمعنی الواو (مدارک)

موسی الکتاب. حضرت موسیٰؑ اور ان کی کتاب کا ذکر خاص طور پر شاید اس مناسبت سے ہو کہ ان کے نام اور

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿١٥٥﴾

اور یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا ہے (خیر و) برکت والی ہے سو (اب) اس کی پیروی کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے ۲۴۴

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا

(اور اس لئے بھی) کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ کتاب تو بس ان دو گروہوں پر اتاری گئی جو ہم سے پہلے تھے اور ہم تو ان کے

عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿١٥٦﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ

پڑھنے پڑھانے سے نرے بے خبر ہی رہے ۲۴۵ یا یوں کہنے لگو کہ اگر ہم پر کتاب نازل ہوئی ہوتی تو ہم ان سے بھی

شہرت ہے، اختلاط یہود کے باعث مشرکین عرب خوب واقف تھے، اور بنی اسمٰعیل بنی اسرائیل کے چچازاد بھائی بھی تھے

الذی ۔ بہ طور اسم جنس آیا ہے، اس لئے جمع کے معنی دیتا ہے۔

یرید جنس المحسنین (مدارک)

تفصیلا لکل شیٔ ۔ یعنی صحیفۂ موسیٰ میں محض اجمالاً کچھ اصول و عقائد نہیں بتا دیئے گئے، بلکہ احکام کی ضروری تفصیل بھی کردی گئی تھی۔

ای بیانا مفصلا لکل ما یحتاج الیه فی الدین (روح) بیانا مفصلا لکل ما یحتاجون الیه فی دینهم (مدارک)

ھدی ۔ یعنی وہ باعث ہدایت ہو اپنے مخاطبین کے لئے۔

رحمة ۔ یعنی وہ ذریعۂ رحمت ہو اپنے ماننے والوں کے حق میں۔

۲۴۴ جلب رحمت یا کسب خیر و فلاح کا ذریعہ صرف اتباع قرآن و تقویٰ ہے ۔ دنیا جب چاہے اس کا تجربہ کرکے دیکھ لے

فاتبعوہ ۔ اتباع کے تحت میں عقائد، اعمال، سب کا اتباع حسب مراتب آگیا۔

ھو امر باتباع الکتاب علی حسب ما تضمنه من فرض او نفل او اباحة واعتقاد کل منه علی مقتضاہ۔ (جصاص)

ھذا کتاب مبارک ۔ یعنی یہی قرآن جس کی برکتیں قیامت تک منقطع ہونے والی نہیں، اور برکت کے تحت میں خیر دینی و خیر دنیوی دونوں آگئیں۔

ای کثیر الخیر دینا و دنیا (روح) ای القرآن کثیر الخیر (مدارک)

۲۴۵ خطاب اب مشرکین عرب سے ہے۔

والخطاب متوجه الی کفار قریش باثبات الحجة علیهم۔ (بحر)

ان تقولوا ۔ یعنی قیامت کے دن کہیں بہ طور عذر و جواب یہ نہ کہنے لگو، ان لئلا کے معنی میں ہے۔

قال الکوفیون لئلا تقولوا وقال البصریون انزلناہ کراهیة ان تقولوا (قرطبی) ای لِ ان لا (جلالین)

طائفتین ۔ یعنی گروہ یہود و نصاریٰ، تابعینؒ و صحابہؓ سے یہی تفسیر منقول ہے۔

قال ابن عباس والحسن ومجاهد وقتادة والسدی وابن جریج ارادبهما الیهود والنصاریٰ (جصاص)

لَكُنَّآ أَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ

بڑھ کر راہ یاب ہوتے سو اب تو آچکی تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل ۲۴۶ اور ہدایت و

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۗ سَنَجْزِي

رحمت سو اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جو اللہ کی نشانیوں کو جھٹلائے اور اس سے (دوسروں کو) روکے ہم ابھی برے

الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

عذاب کے ساتھ ان لوگوں کو سزا دیں گے جو (دوسروں کو) روکتے ہیں بہ سبب ان کے (اس) روکنے کے ۲۴۷

والکتاب ھنا جنس والطائفتان ھما اھل التوراۃ والانجیل الیھود والنصاریٰ بلاخلاف (بحر)

حنفیہ نے لفظ طائفتین سے یہ استنباط کیا ہے کہ اہل کتاب یہی دو گروہ ہوئے ہیں، ورنہ اگر مجوسی بھی اہل کتاب ہوتے، تو بجائے تثنیہ کے جمع کا صیغہ ہوتا۔

وفی ذلک دلیل علی ان اھل الکتاب ھم الیھود والنصاریٰ وان المجوس لیسوا اھل الکتاب لانھم لو کانوا اھل کتاب لکانوا ثلاث طوائف (جصاص) ھذا دلیل علی ان المجوس لیسوا باھل الکتاب (مدارک)

اور اس پر یہ شبہ ضعیف ہے کہ یہ تو قول مشرکین کا نقل ہوا ہے، قرآن مجید میں کسی کا بھی قول بلا تردید نقل ہونا بجائے خود ایک وزن رکھتا ہے۔

دراستھم۔ ضمیر بجائے تثنیہ کے جمع کی اس لئے لائی گئی ہے کہ ہر طائفہ خود حکم جمع میں ہے۔

ولم یقل عن دراستھما لان کل طائفۃ جماعۃ (قرطبی) واعاد الضمیر جمعا لان کل طائفۃ منھم جمع (بحر)

طائفتین من قبلنا۔ قرآن نے یہود و نصرانیوں کو ہر جگہ جو امتیازی مرتبہ دے رکھا ہے اس کا ایک نظیر آیت بھی ہے

۲۴۶ یعنی یہی معجز کتاب خود تمہاری زبان میں، جو اپنے دعوؤں پر دلیلِ روشن ہے۔

بینۃ کا لفظ بہت معنی خیز ہے، کتاب محض دعوی نہیں، دلائل بھی اپنے ساتھ رکھتی ہے۔

لکنا اھدی منھم۔ ضمیر ھم قدیم قوموں کے مومنین کی جانب ہے، یعنی ہم تو ان سے بھی بڑھ کر راہِ حق پر ہوتے، عربوں کو دعویٰ اپنی ذہانت و شرافتِ طبع کا تھا، یہ قول اسی سے ناشی ہوا ہے۔

لحدۃ اذھاننا وثقابۃ افھامنا وغزارۃ حفظنا لایام العرب ووقائعھا وخطبھا واشعارھا و اسجاعھا وامثالھا علی انا امیون (کشاف)

فقد جاءکم۔ سو کتاب تو اپنے تمام اعجازی خصوصیات کے ساتھ آگئی، اور اس نے تمہاری حجت تمام تر قطع کر دی۔

او تقولوا۔ یہ آیت سابق کے ان تقولوا پر عطف ہے۔

عطف علی ان تقولوا (قرطبی)

۲۴۷ یہاں گویا یہ بتلا دیا کہ نفسِ سزا تو تکذیب پر بھی انہیں ملتی، اب دوسروں کو روکنے کے باعث یہ سزا انہیں زیادہ بڑھ کر ملے گی

هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِيَهُمُ الۡمَلٰۤٮِٕكَةُ اَوۡ يَاۡتِىَ رَبُّكَ اَوۡ يَاۡتِىَ بَعۡضُ اٰيٰتِ

یہ لوگ (گویا) صرف اس کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپ کا پروردگار خود آئے، یا آپ کے پروردگار کی کوئی بڑی

رَبِّكَ ؕ يَوۡمَ يَاۡتِىۡ بَعۡضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنۡفَعُ نَفۡسًا اِيۡمَانُهَا لَمۡ تَكُنۡ اٰمَنَتۡ

نشانی آجائے ۲۴۸ (حالانکہ) جس روز آپ کے پروردگار کی کوئی بڑی نشانی آپہنچے گی کسی شخص کو اس کا ایمان نفع نہ دیگا

ھدی ورحمۃ ظاہر ہے کہ یہ دونوں صفات قرآن ہی کے بیان ہوئے ہیں ـــــ وہ ہدایت نامہ ہے سارے دنیا کے لئے، اور رحمت نامہ ہے ان کے حق میں جو اس کے پیام کو قبول کرکے اس سے مستفید ہوتے ہیں۔

۲۴۸ منکرین کی تفسیت کا بیان ہو رہا ہے۔

ھل ینظرون۔ ھل یہاں ما کے معنی میں ہے۔

ای ما ینظرون (بیضاوی) ھل استفھام معناہ النفی (کبیر)

فقرہ بطور تعریض کے ہے یعنی یہ لوگ جو اتنے وضوحِ حق کے بعد بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے اور ایمان لانے کی کوئی فکر و اہتمام نہیں کرتے تو ان کی بے فکری سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ قیامت کے انتظار میں ہیں۔

ان تاتیھم الملائکۃ۔ فرشتوں کے ورود کے انتظار میں ہیں جیسا کہ وہ موت کے وقت اور قیامت کے دن ہوگا۔

یاتی ربک۔ پروردگار کا ان کا آمنا سامنا ہو جائے جیسا کہ قیامت میں حساب کے وقت واقع ہوگا، مشرکانہ اور جاہلی عقیدہ کے مطابق یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ دنیا میں ربِ اکبر کے ظاہر ظہور آجانے کے منتظر ہیں!

اتیانِ رب کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اہل سنت کے عقیدہ میں حق تعالیٰ کے حق میں فعل "آنا" کا اطلاق بالکل جائز ہے، اگرچہ اس کے آنے کی کیفیت نامعلوم ہے اور اس کی آمد جسمانی حرکت و انتقال سے بری و منزہ ہے۔

لیس مجیئہ تعالیٰ حرکۃ ولا انتقالا ولا زوالا لان ذلک انما یکون اذا کان الجائی جسماً او جوھراً والذی علیہ جمھور ائمۃ اھل السنۃ انھم یقولون یجیٔ وینزل ویاتی ولا یکیفون (قرطبی)

یاتی بعض آیات ربک۔ یعنی کوئی عظیم الشان نشانی آجائے، جیسا کہ قیامت کے قریب میں یقیناً آئے گی مشرکانہ اور جاہلی نقطۂ خیال کے مطابق یہ لوگ گویا کسی عظیم الشان اور مجبور کن معجزہ کے منتظر ہیں، حالانکہ مجبور کن معجزہ کے بعد تو ایمان بالغیب رہتا ہی نہیں، شہود کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے۔

آیت کا ایک سہل و بے تکلف مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ منکرین تو بس اس وقت کے منتظر معلوم ہوتے ہیں، جب فرشتے ان کی روح قبض کرنے کو آجائیں یا عذاب الٰہی ان پر نازل ہو رہے۔

یاتی ربک ای امرہ بمعنی عذابہ (جلالین)

یا قیامت کی ہولناک نشانیوں کا ظہور شروع ہو جائے۔

یاتی ربک۔ کو متعدد اہلِ تفسیر نے یاتی امر ربک کے معنی میں لیا ہے۔

مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۭ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

جو پہلے سے ایمان نہ لا چکا ہو یا اپنے ایمان کے ذریعہ سے اس نے کوئی نیکی نہ کر لی ہو۔ آپ کہہ دیجئے تم انتظار کرتے جاؤ ہم بھی منتظر ہیں ۲۵۰

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ

بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے آپ پر ان کی کچھ بھی (ذمہ داری) نہیں ان کا معاملہ بس

اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

اللہ ہی کے حوالہ ہے ۲۵۱ پھر وہی انھیں جتلا دے گا جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں ۲۵۲

شاہدہ عالم غیب کا شروع ۲۴۹ اس لئے کہ نزع وسکرات کے وقت جب عالم برزخ کا یا خود احوالِ قیامت سے مشاہدہ عالم غیب کا شروع

ہوگیا، تو ایمانِ اختیاری اب باقی ہی کہاں رہا؟ ایمان اضطراری کا نام ایمان نہیں۔

او کسبت فی ایمانہا خیرا۔ یعنی ایمان کو پہلے سے بھی رکھتا ہو لیکن ایمان کی برکت سے ذرا بھی نفع نہ حاصل

کیا ہو، بلکہ سرتاسر نادانیوں اور خباثتوں میں مبتلا رہا ہو، اور آج سے توبہ کرکے کوئی نیک عمل شروع کرنا چاہے،

تو اب مقدماتِ قیامت شروع ہو جانے کے بعد توبہ بھی نہ قبول ہوگی۔

یوم یاتی بعض آیات ربک۔ مراد ہیں قربِ قیامت کی نشانیاں مثلاً آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا،

مغرب سے طلوع آفتاب کو ہیئت وفلکیات کے کسی قاعدہ کے ماتحت محال قرار دینا بجائے خود ایک جہالت ہے،

ہیئت وفلکیات کے تو جتنے بھی قوانین ہیں، سب موجودہ نظامِ تکوینی ہی کے ماتحت ہیں لیکن جب خود یہ نظام ہی

شکست ہو جائے گا، تو اس کے کسی مخصوص جزئیہ کے باقی رہ جانے پر اصرار سراسر بے معنی ہے۔

۲۵۰ (تم خود ہی دیکھ لوگے کہ نجات کسے نصیب ہوتی ہے، تم منکروں کو یا ہم مومنوں کو)

قل۔ یعنی اے پیغمبر آپ جماعتِ مومنین کی طرف سے کہہ دیجئے۔

انتظروا۔ یہ بہ طور آخری تہدید کے ہے، جیسا کہ ایسے موقع پر ہر زبان کے محاورہ میں عام وشائع ہے،

یہ مراد نہیں کہ پیمبر انھیں انتظار کی اجازت دے رہے ہیں۔

۲۵۱ (کہ وہی خوب سب دیکھ بھال رہا ہے)

ان الذین فرقوا دینھم۔ یعنی دین حق کو تمام قبول نہ کیا، خواہ سب کو چھوڑ دیا، خواہ اس کے بعض حصوں کو۔

دینھم۔ مراد وہ دین ہے جس کے وہ مکلف تھے۔

واما دینھم فقد قیل الذی امرھم اللہ بہ وجعلہ دینا لھم (جصاص)

وکانوا شیعا۔ یعنی کفر وشرک یا بدعت کے طریقوں کو اختیار کرکرکے ٹکڑیوں میں سب بٹ گئے، اس کا

مصداق کون گروہ ہوا ہے؟ عموماً مراد یہود ونصاریٰ سے لی گئی ہے۔

من الیھود والنصاری (ابن جریر عن قتادۃ) ھولاء الیھود والنصاری (ابن جریر عن السدی)

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ

جو کوئی نیکی لے کر آئے گا اس کو اس کے دس (نیکیاں) ملیں گی ۲۵۳ اور جو کوئی بدی لے کر آئے گا اس کو بس اس کے

فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

برابر ہی بدلہ ملے گا ۲۵۴ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ۲۵۵

یعنی الیھود والنصاری (ابن جریر عن الضحاک)

مشرکین بھی مراد لئے گئے ہیں۔

یرید المشرکین (کبیر عن ابن عباسؓ) قال الحسن ھم جمیع المشرکین (قرطبی)

اس امت کے اہلِ بدعت واہلِ ضلالت سے بھی مراد لی گئی ہے۔

ھم اھل البدع واھل الشبہات واھل الضلالۃ من ھذہ الامۃ (ابن جریر عن ابی ھریرہؓ) ھم اھل البدع والشبہات (ابن جریر عن مجاھد) انما ھم اصحاب البدع واصحاب الاھواء واصحاب الضلالۃ من ھذہ الامۃ (قرطبی عن عمرؓ)

الفاظِ قرآنی میں گنجائش یقیناً ان سب تفسیروں کی ہے لیکن اگر قرائن اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صرف معاصرین پیش نظر رکھے جائیں تو اس تعارف کے مصداق سب سے بڑھ کر مسیحی ہی نکلیں گے، ان کے اندر فرقوں اور گروہوں کی تقسیم اور تقسیم کے اندر تقسیم سب سے بڑھی چڑھی ہوئی تھی، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ آیت کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وحدتِ کلمہ کے قائم و برقرار رکھنے کی اسلام میں کس قدر تاکید ہے اور امت کا تفرق و تشتت حق تعالے کو کس درجہ مبغوض ہے۔

اعلم ان المراد من الآیۃ الحث علی ان تکون کلمۃ المسلمین واحدۃ وان لا یتفرقوا فی الدین (کبیر)

ھو تحذیر من تفرق الکلمۃ ودعاء الی الاجتماع والالفۃ علی الدین (جصاص)

۲۵۲ (اور یہ جتلا دینا قیامت میں ہوگا)

"چونکہ لفظ من تو اسب کو شامل ہو سکتا ہے اس لئے عام مراد لینا انسب ہے، البتہ مراتبِ وعید کے متفاوت ہوں گے یعنی کفار کو عذاب مخلد ہوگا اور مبتدعین کو بہ وجہ وجود ایمان کے بعد سزائے عقائدِ فاسدہ کے نجات ہوگی" (تھانویؒ)

۲۵۳ یعنی ہر نیکی پر دس گنا اجر ملے گا، گویا اس نے وہ نیکی دس بار کی ہے اور یہ تو مرتبۂ اقل میں ہے ورنہ بعض نیکیوں کا تو اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر اجر دوسرے نصوص سے ثابت ہے ــــ یہ نمونہ ہے فضلِ خداوندی کا صوفیہ صافیہ نے یہاں سے یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ جب ہر نیکی پر اجر کم از کم دس گنا موعود ہے اور یہ مسلّم ہے کہ محبت الٰہی اور شوق لقاءِ خداوندی سے بڑھ کر کوئی دوسری نیکی نہیں، تو جن بندوں نے اپنے کو لقاءِ حق کا منتظر و مشتاق بنا رکھا ہے انھیں یقین رکھنا چاہئے کہ محبوبِ حقیقی تو خود ان کی لقا کا مشتاق ان سے کم از کم دس گنا ہوگا۔

۲۵۴ یعنی سزا اس سے زیادہ نہ ملے گی ــــ یہ نمونہ ہے عدلِ خداوندی کا!

جن عوام نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اللہ تعالے جس طرح نکتہ نواز ہے اسی طرح (نعوذ باللہ) نکتہ گیر بھی ہے ان کے

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ

آپ کہہ دیجیے کہ مجھ کو میرے پروردگار نے ایک سیدھا راستہ بتا دیا ہے۔ ایک دین مستحکم طریقہ ابراہیمؑ راست رو کا۔

اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ

اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے ۲۵۶ آپ کہہ دیجیے کہ میری نماز اور میری

وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ

(ساری) عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت (سب) جہانوں کے پروردگار اللہ ہی کے لئے ہیں ۲۵۷۔ (کوئی) اس کا

وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

شریک نہیں۔ اور مجھے اسی کا حکم ملا ہے اور میں مسلموں میں سب سے پہلا ہوں ۲۵۸

خیال کی تردید میں اس قسم کی صراحتیں قرآن مجید میں جابجا موجود ہیں۔

۲۵۵ (انسانی معیار سے بھی)

مثلاً یہ کہ کوئی نیکی درج ہونے سے رہ جائے، یا کوئی بدی زیادہ لکھ جائے، اللہ تعالیٰ جب مطلق الاختیار ہیں، تو حقیقتہً تو ان کی کوئی سختی ظلم کے تحت میں آ ہی نہیں سکتی، یہاں تردید اس ظلم کی مقصود ہے، جو بشری معیار سے بھی ظلم کہا جا سکے۔

۲۵۶ خود ابراہیم علیہ السلام پر، ملة پر، حنیفا پر حاشیے سورۂ بقرہ ع ۱۵ (پ ۱) میں اور اور مقامات پر گزر چکے۔

حنیف کے معنی ہیں، ہر قسم کی کجی اور کج روی سے پاک اور بری۔

ای مائلا عن جمیع ما سواہ من الشرك والباطل والعوج والضلال مستقیما علیه (المنار)

۲۵۷ آیت لبِ لباب ہے سارے دین اسلام کا، اور عطر یا مغز کل ملتِ ابراہیمی کا۔

صلوٰۃ یعنی نماز اور نسك یعنی عام عبادتوں کا تعلق نظامِ تشریعیات سے اور محیا یعنی زندگی اور ممات یعنی موت کا تعلق نظامِ تکوینیات سے ہونا بالکل ظاہر ہے۔

تو گویا اقرار اس کا ہو رہا ہے کہ الوہیت میں بھی وہی رب برحق منفرد ہے، اور ربوبیت میں بھی وہی۔

نُسك سے مراد یہاں جمیعِ عبادات ہیں۔

قال قوم النسك فی هذه الایة جمیع اعمال الطاعات (قرطبی)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت توحیدِ کامل کی تعلیم پر دال ہے، یعنی جمیع حالات تشریعی و تکوینی میں تسلیم و تفویض عمل و اطاعت سے بھی اور رضا بالقضاء سے بھی۔

ربّ العٰلمین۔ آیت میں سب سے زیادہ زور اسی لفظ پر ہے وہ خدا جسے قرآن و اسلام پیش کر رہا ہے، اور جسے ابراہیم خلیل اللہؑ اور محمد رسول اللہؐ نے دنیا کو دیا وہ کسی مخصوص قبیلہ کا، کسی مخصوص نسل کا، کسی مخصوص

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ

آپ کہئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی کو بہ طور پروردگار تلاش کروں، درانحالیکہ وہی پروردگار ہے ہر چیز کا ۲۵۹

كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى

اور جو شخص کچھ بھی حاصل کرتا ہے وہ اسی پر رہتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھاوے گا۔

رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

پھر تم (سب) کی واپسی تمہارے پروردگار (ہی) کے پاس ہے سو وہی تم کو جتلائے گا جس جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے ۲۶۰

خطۂ زمین کا ہرگز نہیں، ساری مخلوقات ساری موجودات ساری کائنات کا ہے۔

۲۵۸ یعنی اپنی اس دعوت پر خود ہی سب سے پہلا ایمان لانے والا۔

اسلام میں نبی کی حیثیت محض ایک پیشین گو یا مخبر کی یا زیادہ سے زیادہ ایک داعی کی نہیں ہے جیسا کہ بعض باطل مذاہب نے فرض کر رکھا ہے بلکہ سب سے پہلے خود ایک صاحبِ عمل انسان کی ہے جو دوسروں کے لئے مثال اور نمونہ کا کام دے سکے۔

لاشریك له یعنی اس کا کوئی شریک نہیں، نہ ذات میں نہ صفات میں، نہ بہ حیثیت اقنوم نہ بہ حیثیت مظہر، نہ اور کسی حیثیت سے۔

وبذلك امرت۔ مجھے اس کا حکم ملا ہے کہ بہ حیثیت فرد بھی اور بہ حیثیت نبی بھی یعنی اس دین کو میں خود بھی اختیار کروں، اور اسی کی دعوت بھی دوسروں کو دوں۔

۲۵۹ سب کا رب، سب کا آخری سہارا تو وہی ایک ہے اب اسے چھوڑ کر میں اور کس کا سہارا ڈھونڈھوں؟ اور کس کو اپنا رب تجویز کروں؟

قل۔ یعنی آپ ان منکرینِ توحید اور اہلِ باطل کے سامنے یہ کہئے۔

وھورب کل شیء۔ نہ اس کی ربوبیت جزئی و ناقص ہے اور نہ کوئی صنفِ کائنات یا کوئی شعبہ موجودات اس کی ربوبیت سے خارج ہے۔ بعض جاہلی مذہبوں اور یونان وغیرہ کے جاہلی فلسفیوں کی تردید میں اس حقیقت کے اظہار کی بار بار ضرورت تھی۔

۲۶۰ (اور اسی کے مطابق جزا و سزا ہوگی۔)

علم بھی اسی کا کامل ہے اور قدرت و حکومت بھی اسی کی کامل۔

تکسب۔ جو کچھ بھی حاصل کرتا ہے بہ طور گناہ یا ثواب کے۔

ولاتزر وازرۃ وزر اخری۔ چنانچہ مسیحیوں کا عقیدۂ کفارہ تمام تر مہمل و باطل ہے اسی طرح ان کا یہ عقیدہ بھی کہ آدمؑ کی معصیت کی سزا نسلاً بعد نسلٍ ساری اولادِ آدم کو ملتی رہے گی، یا مشرکوں کا یہ عقیدہ کہ خدا جرم کے بجائے جس کو چاہے سزا دے دے۔

اخبار بان اللّٰہ تعالٰی لایواخذ احد ابذنب غیرہ وانہ لایعذب الابناء بذنب الآباء۔ (جصاص)

ثم الی ربکم مرجعکم۔ سب کی آخری واپسی پروردگارِ عالم ہی کے حضور میں ہوگی نہ کہ کسی ابن اللہ وغیرہ کے پاس

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓىِٕفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ

اور وہ وہی ہے جس نے تمھیں زمین پر خلیفہ بنایا اور تم میں سے ایک کا رتبہ دوسرے پر بلند کیا، تاکہ تمھیں ان چیزوں

دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖ

میں آزمائے جو اس نے تم کو دے رکھی ہیں ۲۶۱ بے شک آپ کا پروردگار بہت جلد سزا دینے والا ہے۔

وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۵﴾

اور بے شک وہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے ۲۶۲

۲۶۱ (کہ کون ان نعمتوں کا حق کہاں تک ادا کرتا ہے، اور اس آزمائش کے بعد روحانی اور حقیقی مرتبہ متعین کرے)
جعلکم خلٰئف الارض۔ خطاب پوری نسل آدم کو ہے، خلافت کی دولت ادنیٰ و اعلیٰ ہر ہر انسان کو عطا ہوئی ہے، یہ اور بات ہے کہ عالم انسانی کی کثیر آبادی نے اپنے کو نااہل خلافت الٰہی کا ثابت کیا ہو۔
رفع بعضکم فوق بعض۔ یہاں مراد طبعی اور تکوینی فرق مراتب سے ہے، کوئی تندرست ہے، کوئی بیمار، کوئی قوی کوئی کمزور، کوئی حاکم کوئی محکوم، کوئی مرد کوئی عورت، کوئی زردار کوئی نادار۔

فی الخلق والرزق والقوۃ والبسطۃ والفضل والعلم (قرطبی)

معاشرہ کو سرے سے "بے طبقاتی" بنا دینے کی کوشش کرنا فطرت سے لڑنا ہے، انسانی آبادی کا یہ اختلاف و تنوع تو جزء فطرت ہے۔
لیبلوکم۔ یہ آزمائش ایک کی دوسرے کے ذریعہ ہی سے ہوتی رہتی ہے۔

ای بعضکم ببعض۔ (قرطبی)

۲۶۲ یہاں تین صفتیں بیان ہوئیں ہیں، اور تینوں کا تعلق تین مختلف طبقات سے ہے۔
سریع العقاب۔ بہت جلد سزا کو پہنچا دینے والا ہے مجرموں اور نافرمانوں کے حق میں — سریع العقاب کا یہ مطلب نہیں کہ مجرم کو مہلت نہیں دی جاتی، اور ہر جرم پر گرفت معاً اور فی الفور ہو جاتی ہے، بلکہ یہ مراد ہے کہ اللہ جب کسی کو سزا دینے کا ارادہ کر ہی لیتا ہے، تو پھر اس کے نفاذ میں کچھ دیر نہیں لگتی، اللہ تعالیٰ کو اس کے عواقب اور تدابیر پر سوچتے رہنے کی مطلق حاجت نہیں۔
غفور۔ غفور وہ ان کے لئے ہے، جو نافرمانی سے فرمانبرداری کی طرف واپس آجائیں۔
رحیم۔ اس کی رحمتِ کاملہ فرمانبرداروں کے حق میں ہے۔

(۷)

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ

اٰیاتھا ۲۰۶ — ۲۰۶ آیتیں

رکوعاتھا ۲۴ — ۲۴ رکوع

سورۂ اعراف مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ بے انتہا رحمت والے باربار رحمت کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ

الف۔ لام میم صاد ؎۱ (یہ) ایک کتاب ہے، آپ پر نازل کی گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعہ سے (لوگوں کو) ڈرائیں

لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾

سو آپ کے دل میں اس سے (بالکل) تنگی نہ ہو اور (یہ) نصیحت ہے ایمان والوں کے لئے ؎۲

؎۱ حروف مقطّعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔

یہاں ابن عباسؓ سے ان حروف کے دو معنی منقول ہیں، ایک انا اللہ افضل۔ دوسرے انا اللہ اعلم وافضل (کبیر)

شیخ رشید رضا مصری نے لکھا ہے کہ یہ حروف بہ طور کلمۂ تنبیہ 'الا یا ھا' سامعین کو مخاطب کرنے اور حاضرین کو چونکانے کے لئے ہوتے ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ نزول کے وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سورتوں کو بہ طور خطبہ زبانی ہی سناتے تھے، بہ طور کتاب پڑھنے کی صورت تو بہت بعد کو پیدا ہوئی، شیخ موصوف نے یہ بھی کہا ہے کہ حروف مقطعات سے شروع ہونے والی سورتیں مکّی ہی ہیں، جن میں مشرکین کو دعوتِ توحید دی گئی ہے اور وہ مدنی سورتیں (البقرۃ آل عمران) جو ان حروف سے شروع ہوئی ہیں، ان میں بھی اہل کتاب کے لئے دعوتی پہلو غالب ہے۔

كِتٰبٌ۔ قرآن کے لئے قرآن ہی میں کتاب کا لفظ بار بار آنا اس امر کی ایک صریح دلیل ہے کہ آیات قرآنی کا متفرق نزول کے وقت ہی سے اس کا ایک مکمل کتابی صورت میں جمع ہونا متصوّر تھا۔

؎۲ یعنی اس کی نصیحتوں سے نفع تو اہل ایمان ہی اٹھائیں گے۔

فلا یکن فی صدرك حرج منه۔ یعنی یہ خیال کرکے اپنا دل نہ کڑھائیے کہ بہت سے لوگ اس سے انکار و تکذیب کے بھی مرتکب ہوں گے۔

ای یضیق صدرك الا یومنوا به (قرطبی)

لتنذر به وذکری للمومنین۔ انذار کافروں کے لئے ہے اور ذکری مومنین کے حق میں ہے۔

الانذار للکافرین والذکری للمومنین لانھم المنتفعون به۔ (قرطبی)

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ

جو کچھ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اللہ کو چھوڑ کر (دوسرے) رفیقوں کی پیروی مت کرو ؔ

قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا

کم ہی تم لوگ نصیحت قبول کرتے ہو ؑ اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے انھیں تباہ کر دیا اور ان پر ہمارا عذاب

بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ④

رات کو پہنچا یا وہ دوپہر کو آرام میں تھے ۵ؔ

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں شیخ کے لئے اشارہ ہے کہ مخاطب اگر اس کی بات نہ قبول کرے تو شیخ نہ تو بالکل ہی مستغنی رہے، اور نہ زیادہ فکر و تردد میں پڑے۔

ؔ۳ یہ رفیق وہی ہیں جنھیں دوسری جگہ قرآن ہی میں شیاطین الجن والانس سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ای یضلونکم من الجن والانس (بیضاوی)

انزل الیکم من ربکم۔ یعنی جو کچھ تمہارے اوپر تمہارے پیمبر کے واسطہ سے نازل ہوا ہے۔
ابھی انزل الیک خطاب پیمبر سے براہ راست تھا، اب خطاب مومنین سے ہے جن کا ذکر ذکری للمومنین کے تحت میں ابھی آچکا ہے، اور انزل الیکم سے مراد نزول بہ واسطہ پیمبر ہے، دونوں طرز تعبیر اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔
ما انزل الیکم کے عموم میں محققین نے قرآن کے ساتھ سنت کو بھی شامل کیا ہے کہ وہ بھی وحی خفی ہی کی ایک صورت ہے
یعنی الکتاب والسنۃ (قرطبی) یتناول الکتاب والسنۃ (کبیر) ای القران والسنۃ (مدارک) والجمھور علی ان الاحکام الشرعیۃ الواردۃ فی السنۃ موحی بھا وان الوحی لیس محصوراً فی القرآن (المنار)
لیکن خود خبر واحد کے قبول کا معیار یہی ہے کہ وہ کسی نص قرآنی کے مخالف نہ ہو، اور حنفیہ نے اس پر خاص طور سے زور دیا ہے
دلیل علی وجوب اتباع القرآن فی کل حال وانہ غیر جائز الاعتراض علی حکمہ باخبار الاحاد لان الامر باتباعہ قد ثبت بنص التنزیل وقبول خبر الواحد غیر ثابت بنص التنزیل وھذا یدل علی صحۃ قول اصحابنا فی ان قول من خالف القرآن فی اخبار الاحاد غیر مقبول (جصاص)
من دونہ میں ضمیر ربکم کی طرف ہے یعنی اللہ کے ساتھ ساتھ دوسروں کو اپنا مطاع مت قرار دو۔
والھاء تعود علی الرب سبحانہ والمعنی لاتعبد وامعہ (قرطبی) ای من دون اللہ (مدارک)
آیت سے صاف ظاہر ہے کہ نص کے ہوتے ہوئے رائے کی پیروی ممنوع ہے۔
ودلت الآیۃ علی ترک اتباع الآراء مع وجود النص (قرطبی)

ؔ۴ چنانچہ گمراہی اور گمراہوں دونوں کی کثرت ظاہر ہے۔
اصل ترکیب کلام یوں ہے تذکرون تذکرا قلیلا۔

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾

تو ان کی پکار جب ان پر ہمارا عذاب پہنچا سوا اس کے اور کچھ نہ تھی کہ بے شک ہم ہی ظالم (وخطاکار) تھے ۶

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾ فَلَنَقُصَّنَّ

سو ہم ان لوگوں سے بھی ضرور پوچھیں گے جن کے پاس (پیغمبر) بھیجے گئے تھے اور پیغمبروں سے (بھی) ہم ضرور پوچھیں گے ۷ پھر ہم

عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿۷﴾ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِۨالْحَقُّ

ان کے روبرو (سب) بیان کردیں گے علم کے ساتھ اور ہم کہیں غائب تو تھے نہیں ۸ اور اس روز وزن (ہونا) برحق ہے ۹

ما تذکرون میں ما زائدہ قلت تذکر کی تاکید کے لئے ہے۔

ما مزید لتوکید القلۃ (کشاف۔ بیضاوی)

۵ یعنی عموماً ایسے وقت جب وہ غفلت اور بے فکری میں پڑے تھے ان دو وقتوں کی تصریح اس لئے کی گئی کہ یہی دو وقت عموماً غفلت و بے خبری کے ہوتے ہیں۔

نص ھذان الوقتان لانھما وقتا الغفلۃ (مدارک) ومعنی الآیۃ انھم جاءھم باسنا وھم غیر متوقعین له اما لیلا وھم نائمون او نھارا وھم قائلون والمقصود انھم جاءھم العذاب علی حین غفلۃ منھم (کبیر)

وھم قائلون۔ قائل قیلولہ کرنے والے کے معنی میں ہے اور قیلولہ کہتے ہیں دوپہر میں آرام کرنے کو۔

من القائلۃ وھی القیلولۃ وھی نوم نصف النھار وقیل الاستراحۃ نصف النھار اذا اشتد الحر وان لم یکن معھا نوم (قرطبی) قال اللیث القیلولۃ نومۃ نصف النھار وقال الازھری القیلولۃ عند العرب الاستراحۃ نصف النھار اذا اشتد الحر وان لم یکن مع ذلک نوم (کبیر)

۶ دنیا میں بھی جب کوئی قوم اپنے مسلسل جرائم سے ہلاکت پر پہنچ لیتی ہے تو خود اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا اقرار کرنے لگتی ہے

۷ ان امتوں سے تو یہ کہ کیا رسول تمہارے پاس نہیں آئے تھے؟ اور پیغمبروں سے یہ کہ تمہاری دعوت کہاں تک قبول کی گئی؟ ۔ قرآن نے خود ہی دوسری جگہ یہ سوالات نقل کردیئے ہیں۔ امتوں سے الم یاتکم نذیر۔ الم یاتکم رسل منکم اور پیغمبروں سے ماذا اُجِبْتُمْ۔

۸ اس میں اثبات ہے حق تعالیٰ کے علم کامل و علم صادق کا، ابھی اوپر حشر میں سوالات کا ذکر تھا، اب یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ پوچھ گچھ اس لئے تو ہوگی نہیں کہ ہم کچھ ناواقف تھے علم وتحقیق کا مصدر و مخزن تو خود ہماری ذات ہے ہر کیفیت ہم پر خود روشن ہے، پورے پورے حالات تحقیق کے ساتھ تو ہم خود ہی بیان کردیں گے اور کیوں نہ بیان کریں کیا ہم کہیں کچھ دیر کے لئے چلے گئے یا غائب ہوگئے تھے؟ ہمہ وقت تو ہم خود ہی حاضر موجود رہے ہیں۔

اس میں رد آگیا، ان احمق جاہلی فلسفیوں کا جو سمجھتے تھے کہ حق تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں۔

۹ الفاظ میں "وزن" ہونا، لائے میں "وزن" ہونا، معانی میں "وزن" ہونا، یہ تو ہم لوگ گفتگو میں روزمرہ بولتے اور مجازی حیثیت سے برابر تسلیم ہی کرتے ہیں، یوم حشر کشف حقائق کا دن ہوگا یہی مجاز عین حقیقت بن جائے گا

فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۸﴾ وَمَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ بِمَا كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۹﴾

جس کسی کا وزن بھاری ہوگا وہی لوگ (پورے) کامیاب ہوں گے اور جس کا وزن ہلکا ہوگا سو وہ وہی لوگ ہوں گے جنھوں نے (خود) اپنے کو نقصان میں کر رکھا ہے، بسبب اس کے کہ ہماری نشانیوں کے ساتھ ناانصافی کرتے تھے۔ ۱۰

وزن کے لئے جسمیت کی شرط تو مخصوص اس عالمِ ناسوت کے ساتھ ہے اس عالم میں تو مجردات بھی محسوسات کے لباس میں ملبوس ہوں گے۔

الوزن کے مجازی معنی بھی کئے گئے ہیں یعنی یہ کہ حساب کتاب کے وقت کمالِ عدل ملحوظ رکھنے کا یہ ایک اشارہ ہے۔

اشارہ ہے ای العدل فی محاسبۃ الناس۔ (راغب)

مضاء العدل السوی (بیضاوی)

عن مجاهد والضحاک والاعمش ان المراد من المیزان العدل والقضاء وکثیر من المتاخرین ذهبوا الی هذا القول وقالوا حمل لفظ الوزن علی هذا المعنی سائغ فی اللغۃ (کبیر) قیل هو عبارۃ عن القضاء السوی (مدارک)

لیکن اکابر اہلِ سنت کے ہاں بلاضرورت ظاہر کو چھوڑ کر مجاز ماننا درست نہیں۔

وقد اجمعت الامۃ فی الصدر الاول علی الاخذ بهذه الظواهر من غیر تاویل واذ اجمعوا علی منع التاویل وجب الاخذ بالظاهر وصارت هذه الظواهر نصوصا۔ (قرطبی)

یومئذٍ سے مراد قیامت کا دن ہونا ظاہر ہی ہے۔

وہ دن تو کشفِ حقائق کا ہوگا، کیا یہ ممکن نہیں کہ اعمال میں وزن تو آج بھی ہو لیکن آج ہمارے قویٰ کے لئے غیر مدرک ہو اور اس روز جب ہمارا ادراک خود ہی سو گنا اور ہزار گنا بڑھ چکے گا، اعمال کی یہ کیفیت بھی ہمارے علم و شعور میں آنے لگے۔ بارکلے برطانیہ کے مشہور فلسفی نے ثابت کیا ہے کہ مادہ کے جتنے بھی اعراض تسلیم کئے گئے ہیں ان کی اصل تو ان کی محسوسیت ہی ہے اگر وہ ہم سے کسی کو محسوس ہی نہ ہوں تو ان کے وجود ہی کے کوئی معنی نہیں، اعمال کی صفتِ وزن آج ہمارے موجودہ قویٰ کے لئے غیر محسوس ہے، کل ہمارے ترقی یافتہ قویٰ کے لئے محسوس و مدرک ہو جائے گی۔

الوزن۔ عقائد و اعمال کا وزن مراد ہے اور یہ معنی صحابہؓ و تابعینؒ سے مروی ہے۔

ای وزن الاعمال (مدارک) والمراد بالوزن وزن اعمال العباد بالمیزان (قرطبی) والذی یوضع فی المیزان یوم القیامۃ قیل الاعمال وان کانت اعراضا الا ان اللہ تعالیٰ یقلبها یوم القیامۃ اجساما (ابن کثیر)

امام رازیؒ نے ایک روایت حدیثِ رسولؐ کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ مفسرینؒ کا عام مذہب اس باب میں وزنِ صحائفِ اعمال کا ہے۔

سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عما یوزن یوم القیامۃ فقال الصحف وهذا القول مذهب عامۃ المفسرین فی هذه الایۃ (کبیر) والجمهور علی ان صحائف الاعمال توزن بمیزان۔ (بیضاوی)

الوزن یومئذ الحق۔ حشر میں وزن کا برحق اور واقع ہونے کا اثبات عجب نہیں کہ ان سطح بینوں کے جواب میں ہو جو عالمِ آخرت کو تمام تر عالمِ ناسوت پر قیاس کئے ہوئے ہیں اور یہاں کے غیر مرئی غیر مشاہد،

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا

اور بالیقین ہم نے تمھیں زمین پر رہنے کو جگہ دی اور ہم نے تمھارے لئے اس میں سامانِ زندگی پیدا کیا، بہت ہی کم تم لوگ

مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ

شکر کرتے ہو ؁ اور ہم ہی نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے تمھاری صورت بنائی ؁۱۲ پھر ہم نے فرشتوں سے

غیر محسوس کو وہاں بھی غیر مرئی، غیر مشاہد، غیر محسوس سمجھنے پر اصرار کر رہے ہیں۔

؁۱۰ دینِ حق کو نہ قبول کرنا، نظامِ خداوندی سے انکار و بغاوت کئے جانا یہی آیاتِ الٰہی کے حق میں ظلم و بے انصافی کرنا ہے۔ اصلی زندگی، اصلی جان، اصلی حسن، اصلی وزن طاعتوں یا نیکیوں میں ہے، جو یہاں سے کہیں بڑھ کر وہاں روشن اور نمایاں ہوگا، اور ہر معصیت و بدی کی زندگی عارضی و نمائشی ہے، اس کا کھوکھلا پن بھی حشر ہی میں جو کشفِ حقائق کا مقام ہے، خوب نمایاں ہوگا۔

موازین جمع میزان کی ہے اور عربی میں ایسے موقع پر واحد کی جگہ جمع کا استعمال عام ہے، چنانچہ بولتے ہیں سافر فلان علی البغال چاہے سفر ایک ہی خچر یا بغلہ پر ہوا ہو (المنار)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ان دونوں آیتوں کے ملانے سے دنیا میں لوگوں کے ساتھ معاملت کرنے کا ایک دستور العمل ہاتھ آجاتا ہے، جن لوگوں کی غالب حالت صلاح کی ہو انھیں صالح ہی سمجھا جائے گا، اگرچہ ان میں خفیف جزءِ نقص کا بھی ہو، البتہ خود ایسے شخص پر واجب ہوگا کہ اپنے نفس کی اصلاح کرے۔

؁ (اے انسانو!)

خطاب عام عالمِ انسانی کو ہے۔

معایش۔ عیش کے معنی حیاتِ حیوانی یا حیاتِ جسمانی کے ہیں۔

العیش الحیاۃ المختصۃ بالحیوان (راغب)

معیشۃ۔ اسم ہے، اور اس کے معنی ہیں حیاتِ دنیوی یا حیاتِ جسمانی کا سامان۔

ویشتق منه المعیشة لما یتعیش منه (راغب) ای مکاسب واسبابا یکسبون بها (ابن کثیر)

ای اسبابا یتعیشون بها ایام حیاتکم من التجارات والمکاسب والمآکل والمشارب (معالم)

غرض اس محلِ امتنان پر ذکر تمام تر مادی و جسمانی نعمتوں کا ہے، یہ رہنے سہنے، کھانے پینے، پہننے اوڑھنے سونے بچھانے کی نعمتیں قابلِ تحقیر نہیں۔

ولقد.... معایش۔ زمین پر سکھ کے ساتھ رہنے سہنے کی جگہ ملنا، سامانِ معیشت بہ افراط ملنا، خاص طور پر محرکاتِ شکر ہیں ــــ ان نعمتوں سے صحیح و مناسب کام لینا عین ادائے شکر ہے، ان سے تمام تر مجتنب دست بردار رہنا ہرگز کوئی صورت شکر گزاری کی نہیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں جن دو نعمتوں کا ذکر ہے، ان میں سے اول کا حاصل جاہ ہے اور دوسرے کا

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖۗ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ⑪

کہ آدم کے روبرو جھکو سو (سب) جھکے بجز ابلیس کے وہ جھکنے والوں میں شامل نہ ہوا ۱۳ؔ

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ

(اللہ نے) فرمایا تجھے کیا مانع ہوا اس سے کہ تو جھکے جب میں تجھے حکم دے چکا ۱۴ؔ بولا میں اس سے بہتر ہوں۔

خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ⑫ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا

مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ۱۵ؔ (اللہ نے) فرمایا تو تو اتر اس (جنت) سے

خلاصہ مال تو جاہ و مال کا ذکر موقع منت پر آنے سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں چیزیں مطلق صورت میں مذموم نہیں بلکہ قابل شکر ہیں، البتہ ان میں انہماک مذموم ہے۔

۱۲ؔ یعنی پہلے تمہاری قوم کا سلسلہ قائم کرنے کو مادہ بنایا، پھر اس مادہ کو صورت بشری دی اور آدم وجود میں آگئے۔

۱۳ؔ (از راہ استکبار)

قلنا للملٰئکۃ۔ یہ حکم جب ملائکہ کو ملا تو جو مخلوق (مثلاً جن) ان سے ادنیٰ تھی، اس کو تو یہ حکم بدرجہ اولیٰ ملا، ملاحظہ ہوں سورۂ بقرہ کے حواشی ۱۲۳-۱۲۸ متعلق آیت ۳۴

اسجدوا۔ سجدہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اصطلاحی فقہی سجدہ ہیئت متعارف و مخصوص کے ساتھ ہو سجود کے لفظی معنی تو اضع و تذلل کے ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ حاشیہ ۱۲۵

لاٰدم۔ ل یہاں الی کا مرادف ہے یعنی آدم کی سمت میں (جیسے آج بھی کعبہ کی سمت میں ہوتا ہے) نہ کہ آدم کو، ملاحظہ ہو، سورۂ بقرہ حواشی آیات ۳۴-۳۶

ابلیس۔ ایک ناری مخلوق یعنی جن تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں تصریح کے ساتھ آیا ہے نہ کہ نوری مخلوق یا فرشتہ جیسا کہ عوام کا عقیدہ ہے جو مسیحیت کے اثر سے پیدا ہو گیا ہے، ملاحظہ ہو سورہ بقرہ حواشی آیت ۳۴

۱۴ؔ ارشاد الٰہی کا کوئی اور جواب بجز تعمیل کے ممکن ہی نہیں پھر تجھے آخر نافرمانی کی کیا سوجھی؟ کون سی چیز تجھے اس پر لائی؟

اَلَّا۔ یہاں لا نافیہ یا ناہیہ نہیں، بلکہ زائدہ ہے، اور زائدہ اصطلاح نحو میں حشو کے مرادف نہیں بلکہ یہ لا جو مضمون بیان ہو رہا ہو اس میں اور زور و تاکید پیدا کر دیتا ہے۔

زایدۃ ای لتاکید معنی النفی فی منعك (جمل)

۱۵ؔ (اور یہ دلیل ہے میری افضلیت کی)

ابلیس کے اس دعویٰ اور دلیل کو منطقی شکل میں اگر مرتب کیا جائے تو مقدمات و نتائج کی صورت حسب ذیل ہو گی

(۱) آگ خاک سے افضل ہے۔

فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾

تو اس لائق نہیں کہ اس (جنت) میں رہ کر بڑائی کرتا رہے پس تو نکل بے شک تو اپنے ہاتھوں ذلیل ہونے والوں میں سے ہے ۱۶

(۲) افضل غیر افضل کے آگے نہیں جھک سکتی۔

لہٰذا آگ خاک کے آگے نہیں جھک سکتی۔

(۱) افضل کی فرع بھی غیر افضل کی فرع کے آگے نہیں جھک سکتی۔

(۲) میں فرع ہوں آگ کی، اور آدم فرع ہیں خاک کی۔

اس لئے میں آدم کے آگے نہیں جھک سکتا۔

ابلیس کو اپنی عقل و ذہانت پر بڑا ناز ہے، لیکن یہ استدلال تو مغالطوں کی ایک پوٹ ہے اول تو یہ بنیادی دعوی ہی غلط ہے کہ آگ خاک سے افضل ہے، آگ اور خاک دونوں کے الگ الگ خصوصیات ہیں کسی لحاظ سے یہ افضل اور کسی اعتبار سے وہ، پھر یہ دعوی بھی تمام تر باطل ہے کہ ہمیشہ غیر افضل ہی کو افضل کے آگے جھکنا چاہئے بہت سے موقع اعلی کے لئے بھی ادنی کے آگے جھکنے کے ہوتے ہیں، اور پھر یہ مفروضہ تو اور بھی جاہل ہے کہ افضل کی فرع ہر حال میں غیر افضل کی فرع سے افضل ہوتی ہے۔ ابلیس اب نافرمانی و کفر اختیار کر چکا تھا، اور کافر و نافرمان کی عقل میں نورانیت کہاں؟ وہ تو تمام تر ظلمانیت سے بھر جاتی ہے۔

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ ہر ایسا شخص شیطان کا وارث ہے جو اپنی رائے اور رویت کو چاہے وہ کشف پر مبنی ہو یا وجدان و ذوق پر، شریعت کے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہے۔

خیر، عربی محاورہ میں دوسرے کے مقابلہ میں بھی آتا ہے اور معنی افعل التفضیل کے دیتا ہے "اخیر" کے بجائے۔

فاذا اردت معنی التفضیل فقلت فلان خیر الناس ولا تقل اخیر ولا یثنی ولا یجمع لانه فی معنی افعل (جوهری)

تنبیہ۔ اللہ تعالی سے متعلق جہاں ضمیر واحد حاضر آئی ہے حکیم الامت تھانوی کی تقلید میں اس کا ترجمہ بجائے "تو" کے "آپ" سے کیا گیا ہے، البتہ جہاں ابلیس کی زبان ہے ترجمہ "تو" ہی رکھا گیا ہے۔

خیر اپنے مفہوم میں مطلق ہے، یہ ضرور نہیں کہ اخلاقی و روحانی ہی برتری کے موقع پر آئے، جسمانی، مادی عقلی ہر قسم کی برتری کا کے اظہار کے لئے آتا ہے۔

الخیر ما یرغب فیه الکل کالعقل مثلاً والعدل والفضل والشئ النافع (راغب)

۱۶ یعنی یہ جگہ تو خاشعین اور فرمانبرداروں کے لئے ہے، تجھ بڑائی ہانکنے والے کا یہاں کیا کام، تو نکل یہاں سے حقیر و خوار ہو کر، اور ہزاروں ذلیلوں کا ایک ذلیل ہو کر۔

فما.... فیها۔ فیها سے مراد فی الجنۃ ہے اہل تکبر کا گزر جنت میں کہاں ہو سکتا ہے، اور آیت میں اس کی تعلیم بھی آ گئی، کہ شیطان کے اخراج کا سبب تنہا اس کی نافرمانی نہیں ہوئی بلکہ اس کا ایک سبب تکبر بھی ہوا۔

وفیه تنبیه علی ان التکبر لا یلیق باهل الجنة وانه سبحانه وتعالی طرده واهبطه للتکبر لا لمجرد عصیانه (بیضاوی)

انک من الصاغرین۔ صاغر کے معنی محض ذلیل کے نہیں (اور اردو میں اس کے لئے کوئی مفرد

قَالَ اَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ ﴿۱۵﴾

بولا تو مجھے اس دن تک کی مہلت دے جب سب اٹھائے جائیں گے ۱۷ (اللہ نے) فرمایا بیشک تجھے مہلت دی گئی ۱۸

قَالَ فَبِمَاۤ اَغۡوَیۡتَنِیۡ لَاَقۡعُدَنَّ لَہُمۡ صِرَاطَکَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ﴿۱۶﴾

بولا کہ چونکہ تو نے مجھے گمراہ کردیا ہے میں بھی لوگوں کے لئے تیری سیدھی راہ پر بیٹھ کر رہوں گا ۱۹

لفظ نہیں) بلکہ ایسے ذلیل کے ہیں، جو اپنی ذلت اور خواری پر خود راضی ہو۔

الصاغر الراضی بالمنزلة الدنیة (راغب) الراضی بالذل والضیم (تاج۔ لسان) الراضی بالضیم (جوہری)

فقہاء مفسرین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ معصیت و نافرمانی میں بندہ کی ذلت ہے۔

دل هذا ان من عصا مولاہ فهو ذلیل (قرطبی)

فاهبط منها۔ یہ نکلنے اور نیچے اترنے کا حکم کہاں سے ہو رہا ہے؟ ہبوط آسمان سے زمین کی طرف بھی مراد ہو سکتا ہے

قیل من السماء الی الارض (معالم) ای من السماء (قرطبی)

لیکن اکثر نے ضمیر ھا جنت کی جانب سمجھی ہے اور قول اصح یہی ہے کہ حکم جنت سے نکل جانے کا مل رہا ہے۔

قال کثیر من المفسرین الضمیر عائد الی الجنة (ابن کثیر) ای من الجنة (معالم) قال ابن عباس یرید من الجنة (کبیر)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کبر کی بنا پر درگاہ الٰہی سے نکالا جانا اس کی دلیل ہے کہ کبر وصول حق سے مانع ہے۔

۱۷ مہلت کس چیز سے؟ موت اور عذاب سے۔

سأل النظرة والامهال الی یوم البعث والحساب (قرطبی)

الی یوم یبعثون۔ یعنی قیامت تک۔

شیطان کا صاحب کشف ہونا اسی درخواست سے ظاہر ہے، جانتا تھا کہ ضرور منظور ہو جائے گی، باوجود عتاب شدید کے موقع کے پیش کردی۔

۱۸ کیا ٹھکانا ہے حق تعالیٰ کی رحمت بے پایاں کا، عین انتہائی عتاب کے وقت ایسے موذی نافرمان کی درخواست قبول کر لینا بس حضرت حق ہی کا حصہ تھا۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ دعا کا قبول ہو جانا مقبولیت کی کافی دلیل نہیں، دعا تو شیطان کی بھی قبول ہو گئی لیکن شیطان بدستور مردود ہی رہا۔

۱۹ (آدمؑ و ذریت آدمؑ کی رہزنی کرنے کے لئے، اور انھیں راہ حق سے بے راہ کرکے رہوں گا)

بما اغویتنی۔ ابلیس کے دوسرے باطل اور مغالطہ پرور دعووں کی طرح یہ بھی ایک تمام تر شیطانی مغالطہ ہی ہے۔ تکوینی حیثیت سے خدا جس طرح ہر شے کا آخری سبب اور بیماری، بدکاری ہر سب کا خالق ہے، غوایت ابلیس کا بھی آخری سبب وہی ہے، لیکن ابلیس نے اسے یہاں جس معنی میں استعمال کیا ہے یعنی گویا گمراہی کی ترغیب بھی اللہ ہی نے دی یا شیطان کو اس پر مجبور کیا ـــــ اس معنی میں یہ تمام تر حقیقت و صداقت سے معریٰ ہے۔

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ

پھران کو ان کے سامنے سے بھی آؤں گا اور ان کے پیچھے سے بھی اور ان کے داہنے سے بھی اور ان کے بائیں سے بھی

شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا

اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا ۲۰۔ (اللہ نے) فرمایا یہاں سے تو نکل ذلیل وخوار ہو کر،

مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾

ان میں سے جو کوئی تیری پیروی کرے گا سو میں تم سب سے جہنم کو بھر کر رہوں گا ۲۱۔

بما میں ب سببیہ ہے۔

ای بسبب اغوائك ایای (کبیر۔ مدارك) ای لاجل انك اغویتنی (معالم)

لاقعدن لهم۔ فعل قعد کا صلہ جب لام کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی گھات میں بیٹھ جانے کے ہوتے ہیں۔

عبربه عن الترصد للشئ عن القعود له (راغب)

۲۰۔ (اس لئے میں ان اکثر کو اپنی راہ پر لگا لوں گا)

ثم لاتینهم ...... شمائلهم۔ یعنی ان پر ہر طرف سے حملہ کروں گا، انھیں ہر سمت سے گھیر لوں گا، کوشش کا کوئی دقیقہ ان کے گمراہ کرنے میں اٹھا نہ رکھوں گا۔

باقی ان چاروں فقروں کی الگ الگ تفسیریں بھی مختلف مفسرین وحکماءِ اسلام سے منقول ہیں۔

من بین ایدیهم سے مراد دنیا لی گئی ہے، اور من خلفهم سے دین، گویا ابلیس یہ کہہ رہا ہے کہ میں ان پر دنیا کی راہ سے بھی حملہ کروں گا اور دین کے راستہ سے بھی ـــ حکماءِ اسلام نے اول الذکر سے مراد انسان کی قوتِ خیالی لی ہے اور آخر الذکر سے قوتِ وہمی۔

عن ایمانهم۔ سے مراد نیکی سے روکنا، اور عن شمائلهم سے مراد بدی پر جرأت دلانا لیا گیا ہے، گویا ابلیس یہ اعلان کر رہا ہے کہ میں انھیں نیکیوں سے روکوں گا بھی اور بدی پر آمادہ بھی کروں گا ـــ حکماءِ اسلام نے پہلے فقرہ سے مراد قوتِ شہوی لی ہے اور دوسرے سے قوتِ غضبی۔

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اس قسم کے اقوال کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔

ولاتجد اکثرهم شٰکرین۔ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ محض کشف اگر مقبولیت کی دلیل ہوتا تو شیطان کے مقبول ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنے کشف سے قیامت تک کے لئے یہ نقشہ کھینچ دیا۔

آیت کے اس جزء سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اسلام نام ہی شکر گزاری کے اعلیٰ فرد کا ہے۔

۲۱۔ (سو اے مردود تو یہ ڈرانا اور دھمکانا کسے ہے؟ تیری ان دھمکیوں سے ہوتا کیا ہے؟ ساری مخلوق میں ایک متنفس بھی اگر ہماری عبادت نہ کرے تو ہمارا کیا حرج؟)

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا

اور اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور کھاؤ (پیو) جس جگہ سے چاہو اور اس (خاص) درخت کے پاس

هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ

مت جانا ورنہ تم دونوں بھی بے انصافوں میں (شامل) ہو جاؤ گے ۲۲ پھر دونوں (کے دل) میں شیطان نے وسوسہ

لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا

ڈالا تو اس سے جو کچھ ان کے پردہ کے بدن میں ان سے چھپایا گیا تھا وہ دونوں کے روبرو بے پردہ کر دیا ۲۳ اور کہنے لگا کہ تمہارے پروردگار نے

کثرت سے جاہلی اور شرکیہ مذاہب میں خود معبود کو ایک بڑی حد تک بندوں کی عبادت کا محتاج مانا گیا ہے ۔ قرآن مجید ضمناً ان عقائد باطل کی بھی اصلاح کرتا جاتا ہے ۔

قال اخرج ...... اجمعین ۔ مکالمہ کا سارا لب ولہجہ مجوس کی ثنویت کی قطعی تردید میں ہے جنھوں نے شیطان (اہرمن) کو بھی خدائی کا درجہ دے رکھا ہے اور یہی گمراہی ذرا ہلکی صورت میں مسیحیت اور یہودیت میں بھی سرایت کئے ہوئے ہے ۔ قرآن میں شیطان کا درجہ اللہ کے مقابلہ میں، ایک مد مقابل ہمسر و حریف، یا کسی چھوٹے موٹے دیوتا کا نہیں، وہ اللہ کی مخلوق ہے اور تمام تر حقیر و خوار ۔

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ محض مکالمت و مخاطبت ہرگز مقبولیت کے مرادف نہیں ۔

۲۲ ان سب واقعات پر مفصل حاشیے پ سورۂ بقرہ رکوع ۴ میں گزر چکے ۔

فکلا من حیث شئتما ۔ کھانے پینے کی یہ عام اجازت مل رہی ہے جہاں سے اور جو کچھ جی چاہے ۔

الظلمین اپنے حق میں زیادتی اور ظلم کرنے والے، نافرمان ۔

۲۳ (اس درخت کا پھل کھا کر)

معلوم ہوتا ہے کہ اس شجر ممنوع کے پھل میں یہ تاثیر بالذات تھی ۔

لیبدی میں ل عاقبت کا ہے، یعنی ایسا عمل جس کا نتیجہ یہ ہونا تھا ۔

اللام لام العاقبۃ (قرطبی)

فوسوس لھما الشیطن ۔ اس تصریح نے صاف کر دیا کہ معصیت کا خیال آدمؑ کے اندر سے اور طبعی طور پر پیدا نہیں ہوا بلکہ تمام تر باہر سے ڈالا گیا، اور یہ ڈالنے والا وہی موذی شیطان تھا، وسوسہ چونکہ ایک تصرف نفسیاتی وخیالی کا نام ہے اس لئے اتصال مادی یا قرب مکانی اس کی شرط نہیں اور یہ بالکل ہی ضروری نہیں کہ شیطان اصالۃً بھی آدمؑ و حواؑ سے ملا ہو، بہ آسانی ہو سکتا ہے کہ اس نے زمین ہی پر رہ کر ان کے دلوں میں آسمان پر وسوسہ ڈال دیا ہو، بلکہ عجب نہیں جو آدم علیہ السلام کو وسوسہ ہونے ہی کا احساس نہ ہوا ہو ۔

قال الحسن کان یوسوس من الارض الی السماء (کبیر)

عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۳۰﴾

تم کو اس درخت سے تو صرف اس لئے روکا تھا کہ کہیں تم دونوں فرشتہ (نہ) بن جاؤ یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں نہ ہو جاؤ ۲۴

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ

اور دونوں کے روبرو قسم بھی کھائی کہ میں تو تم دونوں کا خیر خواہ ہوں ۲۵ غرض دونوں کو فریب سے نیچے لے آیا

بائبل میں اغواء آدمؑ کے سلسلہ میں ذکر شیطان کا نہیں، بلکہ سانپ کا ہے، اور عجب نہیں جو ان ہی یہودی ومسیحی روایتوں سے متاثر ہو کر ہمارے یہاں بھی ایک عام روایت شیطان کے سانپ کے جسم میں حلول کر کے داخلِ جنت ہونے کی چل پڑی ہو، محققین کے نزدیک یہ قصہ بالکل لغو ہے:۔

فتلک القصۃ الرکیکۃ مشھورۃ (کبیر)

فوسوس لھما نے ذمہ داری آدمؑ اور زوج آدمؑ (حوا علیہا السلام) پر یکساں رکھ دی ہے، یہ خلاف بائبل کے جو اصلی ذمہ دار حضرت حواؑ ہی کو ٹھہراتی ہے:۔

"اور عورت نے جو دیکھا کہ درخت کھانے میں اچھا اور دیکھنے میں خوشنما اور عقل بخشنے میں خوب ہے تو اس کے پھل میں سے لیا اور کھایا اور اپنے خصم کو بھی دیا۔" (پیدائش۔ ۳: ۶)

لیبدی۔۔۔۔ سوآتھما۔ اس تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمؑ وحواؑ کے جسم اس وقت تک لباس نور سے ڈھکے ہوئے تھے، اور ان کے جسم کے قابلِ ستر حصے خود ان کی نظروں سے پوشیدہ تھے، اس سے تردید ہو گئی بائبل کے اس بیان کی کہ:۔

"اور وہ دونوں آدم اور اس کی جورو ننگے تھے، اور شرماتے نہ تھے۔" (پیدائش۔ ۲: ۲۵)

فقہاء مفسرین نے اس قرآنی تصریح سے یہ نتیجہ بھی نکالا ہے کہ کشفِ ستر اہم ممنوعات میں سے ہے۔

وفیہ دلیل علی ان کشف العورۃ من عظائم الامور (مدارک) دل ھذا علی قبح کشفھا (قرطبی)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس قصۂ آدمؑ سے معلوم ہوا کہ عصمت کے ساتھ بھی تصرف شیطانی اس حد تک جمع ہو سکتا ہے جو درجہ معصیت کو نہ پہنچے، اس لئے کہ آدم علیہ السلام سے جو کچھ واقع ہوا وہ محض اجتہادی غلطی اور معصیتِ لغوی تھی معصیت بہ اصطلاح شرعی نہ تھی

۲۴ (اور یہ دونوں باتیں یعنی ملکیت اور حیات ابدی آپ کے لئے اس وقت کے حالات کے اعتبار سے مناسب تھیں بھی نہیں لیکن اب آپ کی استعداد ترقی کر گئی ہے اس لئے وہ ممانعت کا حکم باقی بھی نہیں رہا۔)

بائبل میں اس کے بالکل برعکس امتناع خداوندی کی علت ہی یہ بیان کی گئی ہے کہ شجرِ ممنوع کے پھل کھانے سے موت طاری ہو جائے گی۔

"کیونکہ جس دن تو اس سے کھائے گا تو ضرور مرے گا۔" (پیدائش۔ ۲: ۱۷)

الا ان تکونا۔ یعنی کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ۔

بمعنی الاکراھیۃ ان (قرطبی)

۲۵ (دل وجان سے، اور جو کچھ بھی کہوں گا ایک مخلص ہی کی حیثیت سے)

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا

پھر جب دونوں نے درخت (کا پھل) چکھا بے پردہ ہوگیا دونوں کے روبرو ان کے پردہ کا بدن اور دونوں لگے

مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا

اپنے اوپر جنت کے (درختوں کے) پتے جوڑنے ۲۶ اور دونوں کو پکار کر ان کے پروردگار نے فرمایا کہ کیا میں نے

یعنی قسمیں کھا کھا کر خوب باتیں بنائیں، اور اپنے اخلاص و خیر خواہی کا خوب یقین دلایا، آدم اور حوا جنتی بندے اپنے اوپر قیاس کرکے یہ خیال ہی نہیں کرسکتے کہ کوئی اللہ کا نام جھوٹی قسم کے سلسلہ میں لے سکتا ہے۔ یہ قیاس قسمی بھی اسی وسوسۂ شیطانی کا ایک جزو تھی

من النّٰصحین۔ نُصح عربی میں، اردو کی نصیحت و موعظت کے مرادف نہیں، اس کے معنی خیر خواہی کے ہیں، اور ناصح عربی میں مخلص و خیر خواہ کو کہتے ہیں، نہ کہ پند گو کو۔

۲۶ (اپنا پوشیدہ بدن چھپانے کے لئے)

اس سے معلوم ہوا کہ شرم و حجاب انسان کے لئے بالکل فطری و طبعی ہے اور بے شرمی اور بے حجابی کی جتنی کوششیں آج مختلف خوشنما ناموں سے کی جارہی ہیں، سب آدمی کو آدمیت کی بلندی سے ابلیسیت کی پستی ہی کی طرف لے جانے والی ہیں۔

دلت هذه الآية على ان كشف العورة من المنكرات، وانه لم يزل مستهجنا في الطباع مستقبحًا في العقول (كبير) وفي الآية دليل على قبح كشف العورة وان الله اوجب عليهما الستر (قرطبی)

فيه دليل على ان كشف العورة قبيح من لدن آدم (كبير)

ملاحظہ ہو اوپر کا حاشیہ ۲۳

بدت لهما سواتهما۔ گویا ان کے سب سے پہلے گناہ کا ثمرہ ان کی عریانی کی شکل میں ظاہر ہوا۔

طفقا ...... الجنة۔ بائبل میں اس موقع پر ہے:۔

"تب دونوں کی آنکھیں کھل گئیں، اور انھیں معلوم ہوا کہ ہم ننگے ہیں، اور انھوں نے انجیر کے پتوں کو سی کر اپنے لئے لنگیاں بنائیں"۔ (پیدائش ۳:۷)

ان پتوں کے نام ہمارے ہاں کی بھی بعض تفسیری روایتوں میں انجیر اور زیتون اور کیلے کے درختوں کے لئے گئے ہیں، لیکن حق یہ ہے کہ قرآن مجید اور حدیث صحیح دونوں اس باب میں بالکل خاموش ہیں۔

ولم يثبت تعيينها لا في القرآن ولا في الحديث الصحيح (بحر)

علیهما۔ میں ضمیر تثنیہ۔ اہل نحو نے لکھا ہے کہ آدمؑ و حواؑ کی جانب نہیں بلکہ بدن یا عورۃ کی جانب ہے، اور تقدیر کلام یوں ہے علی عورتیهما۔

وتقديره يخصفان على بدنيهما (بحر) ولا يجوز ان يعود الضمير على ادم وحواء (بحر)

دلّٰهما بغرور۔ ادلاء کے معنی اوپر سے نیچے لانے کے ہیں، یہ اتار اور تنزل مرتبہ و حیثیت کے اعتبار سے بھی ہوسکتا ہے، اور مکانِ مادی کے اعتبار سے بھی۔

عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾

تمھیں منع نہیں کر دیا تھا فلاں درخت اور کہہ نہ دیا تھا تم دونوں کو کہ شیطان تم دونوں کا کھلا ہوا دشمن ہے ۲۷ے

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا عـــه وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا

دونوں بولے اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر (بڑا) ظلم کیا ۲۸ے اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ فرمائیں گے

لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ

اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو یقیناً ہم تو بڑے گھاٹے میں آجائیں گے ۲۹ے (اللہ نے) فرمایا اترو تم (سب) کوئی کسی کا دشمن (ہو کر)

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾

اور زمین میں تمھارے لئے ٹھکانا (رکھا گیا) ہے اور نفع (حاصل کرنا) ایک وقت (معلوم) تک ۳۰ے

خلاصہ یہ کہ اس فریبیے کے دھوکے میں آکر آدمؑ اپنی رائے عالی سے اس کی رائے سافل کی طرف مائل ہو گئے۔ جس سے جنت سے اسفل کی طرف اتار دیئے گئے۔

بغرور نے اسے بالکل صاف کر دیا کہ آپؑ سے لغزش جو کچھ بھی ہوئی ایک مکار کے کہے میں آجانے سے ہوئی، نہ کسی قصد نافرمانی سے

۲۷ے (اس لئے اس کے کہے سنے میں نہ آجانا)

بنی آدم کے ساتھ معصیت و نافرمانی کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا جو دستور پیش آگاہی کا ہے یہ ابو البشر آدم علیہ السلام کے عہد سے چلا آتا ہے۔

الم انھکما۔ استفہام عتاب آمیز ہے۔

وھو استفہام معناہ العتاب علی ما صدر منھما (بحر)

تلکما الشجرۃ۔ تلکما میں اشارہ بعد و انذار کا آگیا، جیسا کہ اس سے قبل ھذہ الشجرۃ میں اشارہ قریب کی جانب تھا

أشیر الی الشجرۃ باللفظ الدال علی البعد والانذار (بحر)

۲۸ے (کہ بلا تحقیق و تامل شیطان کی بات کو مان گئے)

مقبولین و خاصان خدا کی ایک خاص شناخت یہ ہے کہ وہ غلبۂ خشیت سے اپنی ہر معمولی لغزش کو بھی سخت ترین قصور سمجھتے رہتے اور اس پر انتہائی ندامت و استغفار کے لئے تیار رہتے ہیں۔

۲۹ے بائبل، آدمؑ و زوج آدمؑ کی اس مؤثر مناجات سے یکسر خالی ہے

ابو البشرؑ اور ام البشرؑ کی اس مناجات میں ادب و استغفار کی تعلیم سارے آدم زادوں کے لئے قیامت تک ہے ۔۔۔ آدم علیہ السلام پیغمبر ہیں اور ابو البشر ہیں، پھر بھی اپنی غلطی کوتاہی لغزش کا اعتراف کس درجہ احساس محبوبیت کر رہے ہیں۔

۳۰ے یعنی وقت موت تک۔

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿۲۵﴾

(اللہ نے) فرمایا اسی میں تمہیں جینا ہے اور اسی میں تمہیں مرنا ہے اور اسی سے نکلنا ہے ۳۱ف

گویا حکم یہ ملا کہ اب بجائے جنتی اور آسمانی زندگی کے مدۃ العمر زمینی زندگی پر گزر بسر کرنا ہوگی۔

اھبطوا یعنی جنت سے اترو۔ خطاب اب محض آدمؑ و حواؑ سے نہیں، ذریت آدم و ذریت ابلیس سے بھی ہے۔ اسی لئے اب خطاب میں صیغہ تثنیہ کا نہیں، جمع ہے۔

یہ ہبوط دنیا میں کہاں ہوا تھا؟ قرآن اس باب میں خاموش ہے اور تفسیروں میں جو روایتیں منقول ہیں ان میں سے کوئی حدیث صحیح کے درجہ کی نہیں بلکہ سب کا ماخذ اسرائیلیات ہی ہیں، اس لئے مسلمان کے لئے سکوت ہی اولیٰ ہے۔

وقد ذکر المفسرون الاماکن التی ھبط فیھا کل منھم ویرجع حاصل تلک الاخبار الی الاسرائیلیات واللہ اعلم بصحتھا (ابن کثیر)

اور مفسر ابن کثیر نے ایک بات یہاں بڑے پتہ کی کہہ دی ہے، جو صرف اسی موقع کے لئے نہیں، بلکہ ہر ایسے موقع کے لئے کارآمد ہے، وہ یہ کہ جب قرآن و حدیث دونوں اس تعیین سے خاموش ہیں تو اس کے معنی یہی ہیں کہ خدا اور رسول کے نزدیک اس کا علم دین و دنیا کی ضروریات میں داخل ہی نہیں۔

ولو کان فی تعیین تلک البقاع فائدۃ تعود علی المکلفین فی امر دینھم او دنیاھم لذکرھا اللہ تعالیٰ فی کتابہ او رسولہ صلعم۔ (ابن کثیر)

بعضکم لبعض عدو۔ دنیا میں انسان بھی انسان کا دشمن ہے لیکن اصلی دشمنی ذریت آدم سے تو ذریت ابلیس ہی کو ہے۔

یعنی العداوۃ ثابتۃ بین الجن والانس لا تزول البتۃ (کبیر)

ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین یعنی اب زمین ہی تمہارا مسکن ہوگی، وہیں تم آباد ہوگے، اور وہیں تمہیں اسباب معیشت موجود ملیں گے۔

بائبل نے آدمؑ کی جنت کو آسمان پر نہیں، اسی روئے زمین پر مانا ہے، اور ہمارے یہاں کے جو مفسرین زمینی جنت کے قائل ہو گئے ہیں، وہ عجب نہیں، جو بائبل ہی سے تاثر کا نتیجہ ہو، ورنہ قرآن مجید کے الفاظ ولکم فی الارض مستقر تو اس باب میں صریح ہیں کہ آدمؑ (مع اپنی آیندہ ذریت کے) زمین پر پہلی بار بھیجے جا رہے ہیں۔

متاعٌ الیٰ حین۔ متاع کا لفظ خود ہی عارضیت کی طرف مشیر ہے اور پھر الیٰ حین کے اضافہ نے اور تاکید پیدا کر دی کہ یہ زمینی زندگی ہرگز مستقل نہیں، اور آدم زاد کو اسی کو اپنا قطعی مستقر نہ سمجھ لینا چاہئے۔

۳۱ف (قیامت کے دن)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا کسی دوسرے نبی کے بطور خرق عادت آسمان پر جانے کے امکان کو اس آیت کی رو سے جھٹلانا، اور یہ دعویٰ کر بیٹھنا کہ "حضرت عیسیٰؑ کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا اس آیتِ قرآنی کے خلاف ہے" محض سطحیت کا مظاہرہ ہے ـــــ یہاں بیان محض ایک عام حالت اور عمومی دستور کا ہے اور معمولاتِ عام کے خلاف مستثنیات و عجائبات تو ہر روز مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں، چہ جائیکہ جو خرقِ عادت بطور معجزہ کے ہو، اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ

اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا ہے (جو) تمہارے پردہ والے بدن کو چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے ۳۲ف

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور تقویٰ کا لباس (اس سے بھی) بڑھ کر ہے، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ یاد رکھیں ۳۳ف

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ

اے اولاد آدم! ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں کسی خرابی میں ڈال دے جیسا کہ اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوا دیا، اس طرح

عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ

کہ دونوں سے ان کا لباس بھی اتروا دیا تھا جس سے ان دونوں کو ان کے پردہ کا بدن دکھائی دینے لگے ۳۴ف

کی دائمی یا ابدی زندگی کا قائل تو مسلمانوں میں سے کوئی بے بھی نہیں، جمہور کا عقیدہ صرف اس قدر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اس وقت آسمان پر اٹھا لئے گئے تھے، یہ عقیدہ نہیں کہ بعد میں بھی کبھی موت ان پر طاری نہیں ہوگی۔

۳۲ف آیت سے پھر ایک بار یہ حقیقت ظاہر ہو رہی ہے کہ لباس و حجاب مقاصدِ شرعی میں سے ہیں، اور برہنگی اور نیم برہنگی کا فلسفہ خواہ اس کی تبلیغ یورپ اور امریکا سے ہو رہی ہو یا اس کی ترویج ایشیا اور افریقہ کے وحشی وغیر مہذب قوموں میں ہو، بہرحال ایک شیطانی فلسفہ ہے ــــ آج کل کے فلسفۂ عریانی کے داعیوں اور مبلغوں کو معلوم ہو کہ قرآن مجید نے انسان کی اولین معصیت کا پہلا ثمرہ جو بتایا ہے وہ یہی لعنت عریانی ہے۔

قال کثیر من العلماء هذه الآية دليل على وجوب ستر العورة (قرطبی) يدل على فرض ستر العورة لاخباره انه انزل علينا لباسا يواری سوأتنا (جصاص) وقد اتفقت الامة على معنى ما دلت عليه الآية من لزوم فرض ستر العورة (جصاص)

قد انزلنا عليكم لباسا۔ تمہارے لئے لباس پیدا کیا ہے بطور اپنے ایک انعام خاص کے۔ انزال کے لفظی معنی تو اتارنے کے ہیں، یہاں انزلنا کو خلقنا کا مرادف قرار دیا گیا ہے، لفظ انزال میں اس کی برکتوں کی طرف اشارہ ہے کہ گویا وہ آسمان سے اترا ہوا ہے۔

قيل انه وصفه بالانزال لان البركات تنسب الى انها تاتى من السماء (جصاص)

غور کیا جائے تو ہر لباس اپنی تیاری کے لئے اسباب آسمانی ہی کا محتاج نظر آئے گا، ریشم، اون، سوت سب کی پیداوار کے آخری ظاہری اسباب جا کر بارش ہی پر ٹھہرتے ہیں۔

وریشا۔ ہربرٹ اسپنسر، ویسٹر مارک وغیرہ مغربی فلسفیوں نے بھی لباس کی ایک فطری غایت زینت و آرائش ہی بتائی ہے

۳۳ف (اس انعام الٰہی کو، اور ادائے حقِ نعمت کرتے رہیں۔)

إِنَّهُ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ إِنَّا جَعَلْنَا

بے شک وہ خود اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم انھیں نہیں دیکھتے ۳۵ ہم نے شیطانوں کو

الشَّيٰطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۲۷﴾ وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً

رفیق انھیں لوگوں کا بنے دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے ۳۶ اور جب یہ لوگ کوئی بیہودگی کرگزرتے ہیں تو کہتے

قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللّٰهُ أَمَرَنَا بِهَا ۗ

ہیں کہ ہم نے تو اسی طریق پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور خدا نے ہم کو یہی بتایا ہے ۳۷

ولباس التقوىٰ ذٰلك خير۔ یعنی وہ دینداری کا معنوی لباس اس ظاہری لباس سے بھی بڑھ کر ضروری ہے۔

ذٰلك من آيٰت الله۔ یعنی یہ لباس کا پیدا کرنا جس سے سترِ جسم اور زینت دونوں مقاصد حاصل ہوتے رہیں، اللہ کے فضل وکرم کی نشانیوں میں سے ہے۔

ذٰلك۔ يذكرون۔ یعنی نعمتِ لباس۔

اے انزال اللباس (بیضاوی)

۳۴ حجاب اور ستر پوشی کی جو اہمیت اسلام میں ہے اس سے ظاہر ہے کہ قصۂ آدم کے ضمن میں یہ ذکر کس تکرار وتاکید کے ساتھ آرہا ہے۔

وفی ھذا ایضا دلیل علی وجوب ستر العورۃ (قرطبی)

لا یفتننکم۔ یعنی اب جبکہ تمھیں شیطان کی موروثی عداوت کا حال بخوبی معلوم ہو چکا ہرگز اس کے پھندے میں نہ آجانا

انما معناہ التحذیر من فتنۃ الشیطان والزام التحرز منہ (جصاص)

اخرج ابویکم من الجنۃ۔ یعنی ان سے ایسا عمل صادر کرایا جس سے انھیں جنت چھوڑنا پڑی۔

ای اغواھما حتی فعلا ما استحقا بہ الاخراج منہا (جصاص)

۳۵ (عموماً وعادۃً)

اور چونکہ وہ مخلوق تمھارے لئے غیر مرئی ہے اس لئے اس کے مخفی کید سے بچنے کے لئے بھی بڑی احتیاط اور ہر وقت چوکنے رہنے کی ضرورت ہے۔

مفسر تھانوی رح نے کہا ہے کہ انسان کا جنات کو دیکھنا عادت عامہ کے خلاف ہے لیکن دیکھنے کی قطعاً نفی بھی نہیں ہے چنانچہ بعض اوقات انبیاء علیہم السلام یا غیر انبیاء بلکہ عوام سے بھی جو جنات کا دیکھنا مروی ہے وہ اس آیت کے خلاف نہیں

ورؤیتھم ایانا من حیث لا نراھم فی الجملۃ لا تقتضی امتناع رؤیتھم وتمثلھم لنا (بیضاوی)

انہ ..... ترونھم۔ آیت اس باب میں نصِ صریح ہے کہ شیطان اور ذریاتِ شیطان کو دیکھنے کی کچھ ایسی قوتیں دی گئی ہیں جو بشر کو حاصل نہیں۔

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

آپ کہہ دیجئے اللہ ہرگز بے ہودگی نہیں بتلاتا ہے، کیا اللہ کے ذمہ ایسا جھوٹ لگاتے ہو جس کی (کوئی) سند نہیں رکھتے ہو ۳۸

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۗ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

آپ کہہ دیجئے میرے پروردگار نے تو عدل (و اعتدال) بتلایا ہے ۳۹ اور تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو اور

وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ ۴۰

اسے (یعنی اللہ) کو پکارا کرو، دین کو اسی کے واسطے خالص کر کے اس نے جس طرح تمھیں پہلے بنایا (اسی طرح) تم لوٹ کر آؤ گے

ھو و قبیلہ۔ مراد جن و شیاطین سمجھے گئے ہیں، یا ابلیس کے ذریاتِ جنی۔

قال مجاھد یعنی الجن والشیاطین (قرطبی) والمراد بھم ھنا جنودہ من الجن (روح)

۳۶ (چنانچہ جو مومن کامل ہیں ان پر شیطان کا زور نہیں چل پاتا، اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تم جس قدر شیطان کے کہنے میں آؤ گے معلوم ہو گا کہ اسی قدر ایمان میں کچے اور کمزور ہو)

آیت میں بڑی تسلی مومنین صادقین کے لئے ہے، شیطان کو پوری دست اندازی کا موقع تو بس وہیں ملتا ہے جہاں ایمان کا فقدان ہے۔

۳۷ آج بھی اہل باطل اور فسق پیشہ گروہ کے پاس عموماً یہی جواب اپنی ہر بے ہودگی کی حمایت میں رہتا ہے پہلے تو خاندانی رواج، برادری کے دستور، اور ملکی رسم کو سند میں پیش کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہم کیا کریں خدا نے ہم کو رکھا ہی اسی حال میں اور اسی طریق پر ہے یہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اگر اس کی مرضی نہ ہوتی تو ہم کرتے کیسے؟

واذا فعلوا فاحشۃ۔ فاحشۃ کے تحت میں اعتقادی، عملی، ہر قسم کی بیہودگی آگئی۔

۳۸ یہ کیسا جہل مرکب ہے کہ اللہ نے جو تمھیں آزادیِ عمل کی دے رکھی ہے اس سے غلط کام لینے کو خدا کی مرضی قرار دے رہے ہو؟ اور جو طرزِ زندگی سر تا سر قانونِ الٰہی کے منافی ہے اسے اس کا منظور شدہ بتا رہے ہو۔

۳۹ یعنی ہر امر میں توسط و توازن کا طریقہ جو مغز شریعت ہے اور اصلِ اصول ہے عبادات، معاملات و اخلاق میں اس کو کسی قسم کے الفاحشۃ (بیہودگی) سے نسبت کیا؟

ای بالعدل وھو الوسط من کل امر المتجافی عن طرفی الافراط والتفریط (بیضاوی)

۴۰ (اپنے وقت مقرر پر یعنی حشر میں)

کما بدأکم۔ یعنی جس طرح اول بار تمھیں محض اپنی قدرت سے پیدا کر دیا تھا۔

تعودون۔ یہ واپسی اسی طرح جزء فطرت ہے جس طرح پیدائش، اور یہ معاودت الی اللہ ہرگز بجائے خود کوئی ہولناک چیز اور نتیجۂ قہر نہیں، جیسا کہ مسیحیت اور اور مذہبوں نے سمجھ رکھا ہے۔

وادعوہ مخلصین لہ الدین یعنی اس کی عبادت میں ہرگز کسی اور کی شرکت یا آمیزش نہ ہونے پائے۔

فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا

ایک گروہ کو اس نے راہ دکھادی اور ایک گروہ ہے کہ ان پر گمراہی ثابت ہو چکی، انھوں نے شیطانوں کو (اپنا) رفیق

الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۳۰

بنایا، اللہ کو چھوڑ کر اور (اپنی نسبت) گمان رکھتے ہیں کہ وہ راہ پائے ہوئے ہیں ۵۴۱

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا

اے اولاد آدمؑ ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو، اور کھاؤ پیو، لیکن اسراف سے کام نہ لو۔

تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۳۱ ع

بے شک وہ (اللہ) مسرفوں کو پسند نہیں کرتا ۵۴۲

واقیموا وجوھکم۔ یعنی ہر عبادت کے وقت اپنی توجہ اللہ ہی کی طرف رکھو۔

قال الربیع بن انس توجھوا بالاخلاص للہ تعالیٰ لا لوثن ولا لغیرہ (جصاص)

عند یہاں فی کے معنی میں ہے۔

عند بمعنی فی (روح)

عند کل مسجد۔ مسجد ظرف زمان ومکان دونوں ہے اس کے معنی سجدہ کے وقت کے بھی ہیں، اور سجدہ کی جگہ کے بھی، یہاں مراد اول الذکر یعنی سجدہ کے وقت سے لی گئی ہے۔

فی کل وقت سجود او فی کل مکان سجود (کشاف) واختلفوا فی ان المراد منہ زمان الصلوۃ اومکانہا والاقرب ھو الاول (کبیر) ای فی وقت کل سجود (روح)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت جامع ہے اصلاحِ ظاہر وباطن کی۔ اقیموا وجوھکم سے طاعتِ ظاہری اور مخلصین سے طاعتِ باطنی کی جانب اشارہ ہے۔

۵۴۱ جیسا کہ آج بھی تمام اہل باطل اپنے لئے یہی حسن ظن رکھے ہوئے ہیں۔

فریقا ھدیٰ۔ یہ ہدایت یاب گروہ وہ ہے جس نے اپنی قوتِ اختیار وانتخاب سے صحیح کام لیا۔

فریقا حق علیھم الضلالۃ۔ یہ گمراہ گروہ وہ ہے جس نے اپنی قوتِ اختیار وانتخاب سے غلط کام لیا۔

۵۴۲ (اس لئے اسراف کے قریب بھی نہ جاؤ)

اسراف نام ہے صرفِ بے اندازہ یا صرفِ بے محل کا۔

الاسراف ھو مجاوزۃ حد الاستواء فتارۃ یکون بمجاوزۃ الحلال الی الحرام وتارۃ یکون بمجاوزۃ الحد فی الانفاق (جصاص)

اور اندازۂ معتبر اندازۂ شرعی ہے اور اس کے بعد اندازۂ عقلی، نہ کہ اندازۂ نفسیاتی یا جذباتی، اسی لئے

لاتسرفوا کے معنی یہ لئے گئے ہیں کہ کھانے پینے میں حدود سے تجاوز نہ کرو، نہ کیفیت کے لحاظ سے نہ کمیت کے لحاظ سے

لاتسرفوا ای بالافراط فی الطعام والشراب کما ذھب الیہ کثیرٌ (روح)

کلوا واشربوا کے مطلق صورت میں آنے سے امام رازیؒ نے یہ نکتہ خوب پیدا کیا ہے کہ مطعومات و مشروبات

میں اصل حلت ہی ہے، صرف حرمت کے لئے کسی مستقل دلیل کی ضرورت ہے اور تقاضائے عقل بھی یہی ہے کہ

اباحت کے لئے کسی مستقل دلیل کی ضرورت نہ ہو۔

یتناول جمیع المطعومات والمشروبات فوجب ان یکون الاصل فیھا ھو الحل فی کل الاوقات وفی

کل المطعومات والمشروبات الا ما خصہ الدلیل المنفصل والعقل ایضا مؤکد لہ لان الاصل فی المنافع الحل والاباحۃ (کبیر)

اور حدیث صحیح بخاری میں ابن عباسؓ صحابی کے حوالہ سے صاف اجازت ہے کہ جو چاہو کھاؤ اور پہنو، بس

صرف اسراف و نمائش سے بچو۔

کل ما شئت والبس مما شئت ما اخطاتک خصلتان سرفٌ ومخیلۃ (ابن کثیر۔ معالم)

زینتکم۔ زینت یہاں لباس یا لباسِ زینت کے معنی میں ہے۔

ای ریشکم ولباس زینتکم (کشاف) یعنی الثیاب قال مجاھد ما یواری عورتک (معالم) المراد

من الزینۃ لبس الثیاب (کبیر) والمراد بھا ھنا الثیاب الحسنۃ المعتادۃ (المنار)

عند کل مسجد۔ مسجد یہاں نماز و طواف کے معنی میں ہے۔

ای کلما صلیتم او طفتم (کشاف) ای طواف او صلوٰۃ والی ذلک ذھب مجاھد وابو الشیخ وغیرھما (روح)

خذوا زینتکم عند کل مسجد۔ مشرکین عرب طوافِ کعبہ کے برہنہ ہو کر کرنے کے قائل تھے، وجوب

اس کے برعکس کا مسلمانوں کو تعلیم ہو رہا ہے۔

روی عن ابن عباس وابراھیم ومجاھد وطاؤس والزھری ان المشرکین کانوا یطوفون البیت عراۃ (جصاص)

مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ستر پوشی تو دوسرے اوقات میں بھی واجب ہے، اس وقت کے ذکر کرنے کی

وجہ یہی ہے کہ وہ لوگ اس وقت برہنہ ہو جایا کرتے تھے، نیز اس وقت وجوب اور زیادہ مؤکد ہوتا ہے،

فقہاء مفسرین نے اس سے نماز میں ستر پوشی کی فرضیت پر استدلال کیا ہے۔

ھذہ الآیۃ تدل علی فرض ستر العورۃ فی الصلوٰۃ (جصاص) یدل علی ان حکم الآیۃ غیر مقصور

علی الطواف وان المراد بھا الصلوٰۃ (جصاص) خذوا زینتکم امر وظاھر الامر للوجوب فھذا یدل علی

وجوب ستر العورۃ عند اقامۃ کل صلوٰۃ (کبیر)

انہ لایحب المسرفین۔ اس کے تحت میں امام رازی نے یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ کوئی مکلف بندہ ایسا نہیں جو

کسی حال میں ثواب و عقاب دونوں سے خالی ہو، اب جب ثواب کی اس کے نفی ہو رہی ہے تو لازم ہے کہ وہ مستوجبِ عقاب ہو۔

لان معنی محبۃ اللہ تعالیٰ للعبد ایصالہ الثواب الیہ فعدم ھذہ المحبۃ عبارۃ من عدم حصول الثواب

ومتی لم یحصل الثواب فقد حصل العقاب لانعقاد الاجماع علی انہ لیس فی الوجود مکلف لایثاب ولایعاقب (کبیر)

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ط

آپ کہئے اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے بنائی ہے کس نے حرام کر دیا ہے اور کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو؟ ۲۴۳

قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ط

آپ کہہ دیجئے کہ یہ اشیاء ایمان والوں کے لئے دنیا کی زندگی میں ہیں (اور) قیامت کے دن تو خالص (انھیں کے لئے)

۲۴۳ یعنی اللہ کی جائز کی ہوئی نعمتوں کو حرام کر دینے کا حق کس مخلوق کو حاصل ہے؟ ظاہر ہے کہ کسی کو نہیں اور جو لوگ اس میں مبتلا ہیں، وہ گناہ ہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

من حرم۔ استفہام انکاری ہے اور اس سے انکار میں زور اور تاکید مقصود ہے۔

المراد منه تقرير الانكار والمبالغة في تقرير ذلك الانكار (کبیر)

زينة الله۔ زینتِ خداداد سے یہاں مراد کیا ہے؟ لباسِ فاخرہ کا مراد ہونا تو سب کے نزدیک مسلّم ہے۔

الزينة هنا الملبس الحسن اذا قدر عليه صاحبه (قرطبی)

لیکن اکثر نے اسے وسعت دے کر جملہ سامان آرائش اس میں شامل رکھے ہیں۔

اى من الثياب وكل الملبس يتجمل به (کشاف۔ بیضاوی)

امام المفسرین امام رازیؒ نے مزید دقتِ نظر سے کام لے کر اس کے اندر سواری، زیور، وغیرہ سارے مرغوبات داخل کئے ہیں بجز ان کے جو کسی نص سے حرام قرار پا چکے ہیں زینت سے مراد انھوں نے جمیع انواع زینت لی ہے۔

انه يتناول جميع انواع الزينة فيدخل تحت الزينة جميع انواع التزئين، ويدخل تحتها تنظيف البدن من جميع الوجوه ويدخل تحتها ايضا انواع الحلى لأن كل ذلك لازينة ولولا النص الوارد في تحريم الذهب والفضة والابريسم على الرجال لكان ذلك داخلا تحت هذا العموم۔ (کبیر)

زينة۔ لغوی معنی میں بھی بڑا وسیع مفہوم رکھتی ہے، راغبؒ نے اس کی تین قسمیں کی ہیں، نفسی، بدنی اور خارجی، اور خارجی میں جاہ و مال کو بھی شامل کیا ہے۔ والزينة ثلاث زينة نفسية زينة بدنية وزينة خارجية۔

والطيبٰت من الرزق۔ یعنی کھانے پینے کی جائز و پاکیزہ و لذیذ اشیاء۔

الطيبات اسم عام لما طاب كسبا وطعما (قرطبی) قيل هى كل مستلذ من الطعام (قرطبی) كل ما يستلذ ويشتهى من انواع الماكولات والمشروبات (کبیر)

امام رازیؒ نے اسے وسعت دے کر دوسرے مرغوبات و لذات بھی اس کے اندر ملا لئے ہیں، مثلاً خوشبو یا حسنِ نسوانی۔

يدخل ايضا تحته التمتع بالنساء والطيب (کبیر)

آیت سے ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں سے کچھ جائز و حلال ہیں، اور کچھ ناجائز و حرام اور یہیں سے تردید ہو گئی اس مسیحی عقیدہ کی کہ:۔

"کوئی چیز باہر سے آدمی میں داخل ہو کر اسے ناپاک نہیں کر سکتی"۔ (مرقس ۷۔ ۱۵)

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ

ہم اسی طرح کھول کر آیتوں کو بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔ ۴۴۴ آپ کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے

مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا

تو بس بے ہودگیوں کو حرام کیا ہے ان میں سے جو ظاہر ہوں (ان کو بھی) اور جو پوشیدہ ہوں (ان کو بھی) اور گناہ کو اور ناحق کسی پر

بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

زیادتی کو اور اس کو کہ تم اللہ کے ساتھ شریک کرو جس کے لئے (اللہ نے) کوئی دلیل نہیں اتاری اور اس کو کہ تم اللہ کے ذمہ ایسی بات جھوٹ لگا دو جس کا تم کوئی سند نہیں رکھتے ۴۴۵

فقہاء مفسرین نے آیت سے عید اور دعوت وغیرہ کے موقعوں پر خوش لباسی کے استحباب پر استدلال کیا ہے۔

دلت الآية على لباس الرفيع من الثياب في التجمل بها في الجمع والاعياد وعند لقاء الناس و مزاورة الاخوان (قرطبی)

محققین نے اسی آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ ذائقہ دار کھانے بجائے خود ہرگز قابل ترک نہیں چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے محض لذت کی بنا پر کسی بھی لذیذ غذا سے نہیں روکا ہے البتہ ان کے شوق کی زیادتی اور لت کو جو فکر آخرت سے روک دینے والی ہوتی ہے منع کیا ہے۔

قال ابو الحسن علی بن المفضل المقدسی شیخ اشیاخنا وهو الصحيح انشاء الله عزوجل فانه لم ينقل عن النبی صلعم انه امتنع من طعام لاجل طيبه قط بل كان ياكل الحلوى والعسل والبطيخ والرطب وانما يكره التكلف لما فيه من التشاغل بشهوات الدنيا عن مهمات الآخرة (قرطبی)

۴۴۴ (اور اپنی قوت علمیہ سے صحیح کام لیتے رہتے ہیں)

هي للذين ۔۔۔۔ يوم القيمة۔ یعنی ہماری نعمتیں اہل ایمان کا حصہ دنیا میں بھی ہیں اور آخرت میں تو خاص الخاص انہی کے لئے ہوں گی ہی، بغیر کسی غیر مومن کی شرکت کے۔

تم الكلام على الحيوة الدنيا ثم قال خالصة يوم القيمة اى يخلص الله الطيبات فى الآخرة للذين آمنوا وليس للمشركين فيها شئ كما كان لهم فى الدنيا من الاشتراك فيها (قرطبی) وهى خالصة لهم دون المشركين (جصاص)

ابن عباس صحابیؓ اور متعدد تابعین سے یہی تفسیر منقول ہے۔

هذا قول ابن عباس والضحاك والحسن وقتادة والسدى وابن جريج وابن زيد (قرطبی)

زمخشری نے کہا کہ صرف هي للذين آمنوا اور ولغيرهم کی تصریح نہ کرنے میں نکتۂ بلاغت یہ ہے کہ اصالۃً تو ان نعمتوں کے حقدار مومنین ہی ہیں، کافروں کو بھی یہ نعمتیں دنیا میں اگر مل رہی ہیں تو محض تبعاً۔

لينبه على انها خلقت للذين آمنوا على طريق الاصالة وان الكفرة تبع لهم (کشاف)

دوسری تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ایسی نعمتیں جو دنیا میں جان کو لگیں اور آخرت میں وبال بن کر سامنے نہ آئیں، خاص اہل ایمان ہی کا حصہ ہیں۔

(۳۴) وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ

اور ہر امت کے لئے ایک میعاد معین ہے۴۲۶ سو جب ان کی میعاد معین آجاتی ہے تو وہ ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔

وقیل المعنی ان ھذہ الطیبات الموجودات فی الدنیا ھی خالصۃ یوم القیامۃ للمومنین فی الدنیا وخلوصھا انھم لایعاقبون علیھا ولایعذبون (قرطبی) ھی خالصۃ یوم القیمۃ لھم من شوائب التنغیص والتکدیر (جمل)

۴۲۵ یعنی اس سے کہ تم اس کی ذات وصفات سے متعلق مشرکانہ وملحدانہ عقیدے گڑھ گڑھ کر بیان کرتے رہو یا جو احکام وہدایات اس کی طرف سے نہیں، انھیں اس کی جانب منسوب کرتے رہو۔

انما حرم ربی۔ مطلب یہ ہوا کہ تم اپنے وہم وظن سے یا تقوی کے جوش میں چیزوں کو حرام ٹھہرانے والے کون؟ حقیقۃً حرام چیزیں تو عقائد واعمال کے دائرہ میں غلاں اور فلاں ہیں۔

مفسر تھانوی نے لکھا ہے جس طرح امر ربی بالقسط الخ میں تمام مامورات داخل ہوگئے اسی طرح اب انما حرم ربی میں تمام منہیات آگئے۔

الفواحش ما ظہر منھا وما بطن۔ کی تصریح وتاکید سے ظاہر ہے کہ اسلام جس چیز کو روکنا چاہتا ہے وہ محض وہ تفضیحے ہی نہیں جو منظر عام پر آچکے ہوں، بلکہ وہ بدی کا فی نفسہٖ استیصال کرنا چاہتا ہے، خواہ اس کا ارتکاب اس خاموشی سے کیا جائے کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہونے پائے ـــــ پاک نفسوں اور پاکیزہ طینتوں کی سوسائٹی اسلام ہی کی ہدایات پر عمل کرنے سے میسر آسکتی ہے نہ کہ ان جاہلی تہذیبوں کے قانون پر عمل کرنے سے جو اخلاقیات کی دنیا میں صرف ظاہر کی لیپ پوت کرتے رہنا چاہتے ہیں۔

الفواحش۔ وہ اعمال جو اپنی بیہودگی میں بہت بڑھے ہوئے ہیں اور جن کا بیہودہ پن خود فطرت سلیم پر ظاہر ہو۔

الاعمال المفرطۃ فی القبح (قرطبی) ما تفاحش قبحہ ای تزاید (کشاف) ھی الفعلۃ او الخصلۃ التی فحش قبحھا فی الفطر السلیمۃ.... وکانوا یطلقونھا علی الزنا واللواط والبخل الشدید وعلی القذف بالفحشاء (المنار)

الاثم۔ اس کے تحت میں جملہ معاصی آگئے۔

الاثم اسم للافعال المبطئۃ عن الثواب (راغب) عام لکل ذنب (کشاف)

البغی۔ اس میں معاملات کی ساری خرابیاں آگئیں، یعنی معاصی متعدی۔

ای الظلم وتجاوز الحد فیہ (قرطبی) ای الظلم والکبر (کشاف)

روح المعانی کے اشارات میں ہے کہ الفواحش سے اشارہ رذائل قوت بہیمیہ کی جانب ہے اور البغی سے رذائل قوت سبعیہ کی جانب، اور ان تقولوا سے رذائل قوت نطقیہ کی جانب۔

مالم ینزل بہ سلطنا۔ یعنی کوئی دلیل نہیں اتاری نہ جزوی نہ کلی، نہ عقلی نہ نقلی۔

۴۲۶ (بلکہ علم الٰہی میں جو وقت بہ تقاضائے حکمت اس سزا کے لئے معین ہے، بجز اس کے آتے ہی وہ سزا جاری ہوجائے گی)

لکل امۃ اجل یعنی ہر قوم کی زندگی کی ایک مدت متعین علم الٰہی میں ہے اور اس مدت کے ختم ہوتے ہی فرد کی طرح امت کی بھی یہ مادی، ظاہری زندگی ختم کردی جاتی ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ

اے اولادِ آدم اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آئیں (جو) تم سے میرے احکام بیان کریں سو جو کوئی تقویٰ اختیار کرے اور (اپنی)

اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

اصلاح کرے تو ان لوگوں پر نہ کوئی خوف واقع ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۴۷؎ اور جو لوگ جھٹلائیں گے ہمارے

بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

احکام کو اور ان سے تکبر کریں گے وہی لوگ تو دوزخ والے ہیں، اس میں (ہمیشہ) پڑے رہیں گے ۴۸؎

ساعة۔ ساعت کا لفظ اس لئے لایا گیا ہے کہ عرفِ عام میں وقت کے چھوٹے سے چھوٹے حصہ کے اظہار کے لئے بھی مستعمل ہے، ساعتِ اصطلاحی و فلکی مراد نہیں۔

لانها اقل الاوقات فی استعمال الناس یقول المستعجل لصاحبه فی ساعة یرید اقصر وقت واقربه (کشاف) ذکر الساعة لان هذا اللفظ اقل اسماء الاوقات (کبیر) قطعة من الزمان فی غایة القلة ولیس المراد بها الساعة فی مصطلح المنجمین۔ (روح)

۴۷؎ (سو اے آدم زادوں کو اپنی اصلی میراث یعنی جنت حاصل کر لینا کچھ بھی دشوار نہیں)

یا بنی آدم۔ یہ ذکر عالمِ ارواح کا ہے، یہ مخاطبہ انسان سے اس وقت ہوا تھا جب اس کی آفرینش ابھی عالمِ ناسوت میں ہوئی بھی نہ تھی، اور ابھی وہ عالمِ ارواح ہی میں تھا۔

ضمناً اس سے یہ بھی نکل آیا کہ ابن آدم کا اطلاق مجردِ روح پر بھی ہو سکتا ہے نہ کہ مجرد جسم پر۔

اما۔ ان شرطیہ ہے اور ما صلہ کا تاکید کے لئے۔

ان شرطية ضمت اليها ما موكدة لمعنى الشرط (کشاف) ان الشرطية ضمت اليها ما التاكيد معنى الشرط فهي مزيدة للتاكيد (روح)

رُسُلٌ منکم۔ نوعِ انسانی پر حجت وہی رسول قائم کریں گے جو خود بھی انسان ہوں گے، ملائکہ جنات وغیرہ منکم کی صفت سے نکل گئے۔

آیاتی۔ یعنی میرے احکام و ہدایات۔

ای فرائضی واحکامی۔ (ابن عباس)

جن علماء محققین کا مسلک یہ ہے کہ قیامت میں مومنین مطیعین کو کوئی خوف و غم نہ ہوگا وہ اسی آیت سے استنباط کرتے ہیں کہ فمن اتقی واصلح خود اس تقویٰ و اصلاحِ نفس کا معیار شریعت اسلامی اور تقویٰ سب سے بڑا تقویٰ شرک سے ہے۔

۴۸؎ کیسے صاف لفظوں میں دو گروہ الگ الگ بتا دیئے ہیں، ایک طرف اہلِ صلاح و تقویٰ کا گروہ ہے، اور دوسری طرف ان منکرین متکبرین کا۔

هم۔ آیت میں موقع حصر پر آیا ہے، اور اس سے اہلِ سنت نے استدلال کیا ہے کہ گنہگار مومن آخر عذاب سے

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ

سو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے،

اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا

ان کے نصیب کا جو کچھ حصہ ہے وہ انہیں مل کر رہے گا ۴۹ چنانچہ جب ان کے پاس ہمارے قاصد

يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا

ان کی جان قبض کرنے آئیں گے تو (ان سے) کہیں گے اب وہ کہاں گئے جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے تھے؟

ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

وہ کہیں گے (واقعی) ہم سے (سب) غائب ہوگئے اور گواہی دیں گے اپنے ہی خلاف کہ بے شک وہ کافر ہی تھے ۵۰

نجات پا جائے گا، عذاب دائمی میں رہنے والے صرف مکذبین و منکرین ہوں گے۔

وقد تمسك اصحابنا بهذه الآية على ان الفاسق من اهل الصلاة لا يبقى مخلدا في النار لانه تعالى بين ان المكذبين بآيات الله والمستكبرين عن قبولها هم الذين يبقون مخلدين في النار وكلمة هم تفيد الحصر (کبیر)

استکبروا عنها. یعنی ہمارے آیات و احکام کے قبول کرنے سے تکبر کریں گے اپنی عقل کو وحی الٰہی سے بڑھ چڑھ کر سمجھیں گے۔

۴۹ (اسی دنیا میں)

فمن افتری علی اللہ کذبا. افتراء علی اللہ کی شکل یہ ہے کہ جو احکام خدائی نہ ہوں بلکہ انسانی ہوں انھیں خدا کی جانب منسوب کر دینا۔

کذّب بآیتہ. تکذیب بآیات اللہ کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ اللہ کا فرمان ہے اسے اس کا فرمان نہ مانا جائے۔

نصیبھم من الکتاب. یعنی رزق، عمر، اعمال وغیرہ جو کچھ ان کے لئے مقدر ہو چکے ہیں۔

ای ما کتب لھم من رزق وعمر وعمل (قرطبی)

۵۰ (لیکن اس وقت کا اقرار جبکہ عالم برزخ کا انکشاف شروع ہو چکے گا، سرتاسر لاحاصل رہے گا)

رسلنا. رسل. یہاں ظاہر ہے کہ فرشتوں کے معنی میں ہے، پیمبر کے اصطلاحی معنی میں نہیں۔

ای ملائکۃ العذاب (کبیر)

حتی یہاں "یہاں تک" کے معنی میں نہیں، "چنانچہ" کے معنی میں ہے۔

حتی لیست غایۃ بل ھی ابتداء خبر عنھم (قرطبی)

قالوا.... اللہ. وہ وقت انتہائی بے کسی کا ہوگا، اور انسان اللہ کے سوا سارے سہاروں کو ٹوٹتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیگا

قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ

(اللہ) کہے گا شامل ہو جاؤ دوزخ میں جنات اور انسانوں کے ان گروہوں کے ساتھ جو تم سے قبل گزر چکے ہیں جس وقت

كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ

بھی کوئی (نئی) جماعت (دوزخ میں) داخل ہوگی اس کی ہم رنگ دوسری جماعت اس پر لعنت کرے گی ۱۵۱

قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا

یہاں تک کہ جب سب ہی اس میں جمع ہو جائیں گے تو (اس وقت) ان کے پچھلے اپنے اگلوں کی نسبت کہیں گے کہ اے ہمارے

ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

پروردگار انھیں نے تو ہم کو گمراہ کیا تھا تو انھیں دوزخ کا عذاب زیادہ دے (اللہ) کہے گا زیادہ تو سب ہی کا (عذاب) ہے لیکن تمھیں علم نہیں ۱۵۲

۱۵۱ مصیبت اور پھر ایسی شدید اور انتہائی مصیبت کے وقت کچھ تھوڑی بہت تسکین اگر ہو سکتی تھی تو باہمی ہمدردی سے لیکن بدبخت اہل دوزخ اس آخری اور بڑے نام راحت سے بھی محروم ہوں گے وہ عالم انکشاف حقائق کا ہوگا، ہر بدکار دوسرے بدکار کو نہایت درجہ مبغوض رکھے گا۔

فی امم۔ فی یہاں مع کے معنی میں ہے بعض نے فی ما بینھم کے معنی میں بھی لیا ہے۔

ای مع امم ففی بمعنی مع (قرطبی) ومعنی الدخول فی الامم الدخول فی ما بینھم (کبیر)

اختھا۔ یعنی اس کی ہم عقیدہ وہم مسلک۔

ای اختھا فی الدین والملۃ (قرطبی)

۱۵۲ (کہ عذاب کی زیادتی تمھاری ہی طرح دوسرے بھی محسوس کر رہے ہیں) اس لاعلمی و بے خبری میں بھی ایک حکمت ہے، اگر دوسروں کے عذاب کی زیادتی کا علم انھیں ہو جاتا تو کچھ تو تسلی ان کی ہو جاتی، اس لئے انھیں ان کے حال کی خبر ہی سرے سے نہ دی گئی۔

ای لا یعلم کل فریق ما بالفریق الآخر اذ لو علم بعض من فی النار ان عذاب احد فوق عذابہ کان نوع سلوۃ لہ (قرطبی)

ربنا ھؤلاء اضلونا اے پروردگار انھیں نے تو گمراہ کیا تھا اور ہم اپنے کفر و ضلالت میں تو بس انھیں کے تابع اور پیرو تھے۔

عذابا ضعفا لکل ضعف ضعف کے عام و مشہور معنی تو دوگنے کے ہیں لیکن دوسرے معنی مطلق زیادتی و کثرت کے ہیں، کوئی متعین درجہ و مقدار مراد نہیں ہوتی۔

قال الازھری الضعف فی کلام العرب المثل الی ما زاد ولیس بمقصور علی المثلین (کبیر) والضعف فی الاصل زیادۃ غیر محصورۃ (کبیر) جائز فی کلام العرب ان یقال لک ضعفہ یریدون مثلیہ وثلاثۃ امثالہ لانہ ای الضعف فی الاصل زیادۃ غیر محصورۃ (تاج)

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ

اور ان کے اگلے اپنے پچھلوں سے کہیں گے، پھر تم کو ہم پر کوئی ترجیح نہیں، سو تم عذاب کا مزہ چکھو ان

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

حرکتوں کے عوض میں جو تم کرتے رہے ہو ۵۳ بے شک جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور ان سے

وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ

تکبر کیا، ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے، جب تک کہ

حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

اونٹ سوئی کے ناکے میں نہ سما جائے اور ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں مجرموں کو ۵۴

خود قرآن مجید میں بھی ایک دوسری جگہ ہے فاولئك لهم جزاء الضعف بما عملوا۔ کہ یہاں کوئی متعین نسبت نہیں بلکہ مطلق زیادتی مراد ہے اور یہی مفہوم یہاں بھی ہے۔

ضعفا ای زائدا علی عذابنا (بحر) والختارہ هنا غیر واحد (روح)

اور اگر معنی دو گنے ہی کے سمجھے جائیں، تو توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ دوزخ کا عذاب ہر ساعت بڑھتا ہی جائے گا، اس لئے ہر دوزخی کو اپنا عذاب پہلے سے دوگنا ہی محسوس ہوگا — اور ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ عذاب ظاہری و باطنی دونوں ہوگا، ظاہری تو ہر دیکھنے والے کو نظر آئے گا، اور باطنی دوسروں کو نہ معلوم ہوگا، دوسرے اس کا ایک ہی عذاب سمجھیں گے، حالانکہ خود صاحب عذاب اپنے کو دوسرے عذاب میں بھی مبتلا پائے گا، راغب نے ایک معنی یہی نقل کئے ہیں۔

لاولهم میں ل اجل کا ہے، یعنی ان کی بابت کہیں گے، نہ یہ کہ "ان سے" کہیں گے۔

اللام لام اجل لانهم لم يخاطبوا اولاهم ولكن قالوا فی حق اولاهم (قرطبی) ای لاجل اولاهم (بیضاوی)

واللام للتعليل لا للتبليغ لان خطابهم مع الله تعالىٰ لا معهم (روح)

اخراهم۔ کے معنی پیرؤں، مقتدیوں، اور کم درجہ والوں کے بھی ہو سکتے ہیں، اور اولهم کے معنی سرداروں، مقتداؤں اور بڑے درجہ والوں کے، چنانچہ زمخشری، بیضاوی وغیرہ نے یہی مفہوم لیا ہے۔

۵۳ متاخرین کا جرم متقدمین سے کچھ ہلکا تو ہوگا نہیں، بلکہ پچھلوں پر یہ گرفت تو کھلی ہوئی رکھی ہے کہ انھوں نے اگلوں کے حال سے عبرت کیوں نہ حاصل کی۔

قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ۔ اگلوں کا یہ خطاب اپنے بعد والوں سے حق تعالیٰ کا یہ جواب سننے کے بعد ہوگا۔ ل یہاں تبلیغ کا ہے۔

واللام هنا يعين ان تكون للتبليغ لان خطابهم لهم (روح)

ما کان لکم علینا من فضل یعنی تخفیف عذاب کے بارہ میں تم ہم سے کچھ بھی بہتر نہیں، تخفیف سے کسی طرح

(۴۱) لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ

ان کے لئے دوزخ ہی کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر (اسی کا) اوڑھنا ہوگا اور ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں سرکشوں کو ۵۵

ہم محروم ہیں، تم بھی محروم رہو۔

۵۴ یہ عام ضابطہ اور قانون ہمارے ہاں کا ہے، جو جیسا کرے گا بھگتے گا، ہمیں کسی بندہ کے ساتھ کوئی کد تو ہے نہیں۔

لا تفتح لهم ابواب السماء۔ براء بن عازب صحابیؓ کی روایت سے حدیث میں آتا ہے کہ بعد وفات جب کافر کی روح آسمان کی طرف لے جائی جانے لگتی ہے تو اس سے ایسی سخت بدبو نکلتی ہے، جیسی دنیا میں مردار کی ہوتی ہے اس پر آسمان کے فرشتے اسے راستہ دینے اور اس کے لئے درِ آسمان کھولنے سے انکار کر دیتے ہیں۔

قال السدی وغیرہ لا تفتح لارواحهم ابواب السماء وتفتح لارواح المومنين (کبیر) ذکروا فی صعود الروحين الى السماء الاذن لروح المومن و روح الكافر احاديث وذلك عند موتهما (بحر)

آسمان کے دروازوں کا کھلنا اور بند ہونا بھی متشابہاتِ کلام الٰہی ہے، تفصیلی کیفیت اس کی جو بھی ہو، مومن کے لئے یہی مجمل اعتقاد کافی ہے۔

دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ مکذبین و منکرین کے اعمال برکت و مقبولیت سے محروم رہیں گے، اور آسمان کی طرف بلند نہ کئے جائیں گے۔

ای لا یصعد لهم عمل صالح (کشاف) وقیل لا تنزل علیهم البرکة ولا یغاثون (کشاف)

حتى يلج الجمل في سم الخياط۔ محاورۂ زبان میں اس سے مراد مطلقاً ایک امر محال عادی کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے، یعنی نہ اونٹ سوئی کے ناکہ سے نکل سکے گا، اور نہ فلاں فعل واقع ہوگا۔

وقد کثر فی کلامهم مثل هذه الغاية ومرادهم لا فعل كذ ابدا (روح) هذا النفی مغیا بالمستحیل (بحر) وذالك لا يكون، فالمراد تاكيد النفی وتابيده (المنار)

اصطلاح میں اس کو تعلیق بالمحال کہتے ہیں، یعنی کسی امر کے وجود کو کسی امر محال پر تعلق کو مشروط کر دینا۔

انجیل میں بھی اس محاورہ کا استعمال ایک ایسے ہی موقع پر ہوا ہے:۔

"اور یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکہ سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو" (متی ۱۹: ۲۳، ۲۴)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اسی طرح ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں بھی ابوابِ ملکوت کشادہ نہیں ہوتے۔

۵۵ (جو اپنے نفس پر ظلم کرتے رہتے ہیں)

یہ الظٰلمین یا اپنے اوپر ظلم کرنے والے وہی ہیں جن کا ذکر اوپر فمن اظلم سے شروع ہوا ہے اور انہی کھلی ہوئی مراد کافروں سے ہے۔

قال ابن عباس یرید الذین اشرکوا باللہ واتخذوا من دونہ الهاً علی هذا التقدیر فالظلمون هٰهنا الکافرون (کبیر)

مھاد کی تنوین بڑائی کے اظہار کے لئے ہے۔

تنوین للتفخیم (روح)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰٓئِكَ

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے، ہم کسی شخص کے ذمہ کام نہیں ڈالتے مگر اس کی وسعت کے موافق

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ

ہی ایسی لوگ تو جنت والے ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے ۵۶ اور ہم دور کردیں گے جو کچھ ان کے دلوں میں غبار رہا ہو

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا

ہوگا ۵۷ ان کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی اور وہ کہیں گے کہ (ساری) تعریف اللہ کے لئے جس نے ہم کو اس (مقام) تک پہنچا دیا۔

لهم.... غواش. عذاب ہی کا اوڑھنا، عذاب ہی کا بچھونا، غرض ہر طرف عذاب ہی عذاب ہوگا معاذاللہ! کیا حالت ہوگی! ــــ رحمت وراحت کی آیتوں کی طرح عذاب والم کی آیتوں کو بھی بہ غور پڑھنا چاہئے، سرسری طور پر گزرتے ہوئے چلے نہ جانا چاہیے۔

۵۶ بندوں کی ہمت افزائی اور تسلی قلب کے لئے قرآن مجید کا ایک عام دستور رہا ہے کہ اہل جہنم کی وعیدوں کے بعد اور ان کے مقابل اہل جنت کی بشارتوں کا بھی ذکر کردیتا ہے۔

هم فيها خالدون. جنت کی نعمتوں کا کتنا بڑا وصف، علاوہ ان کے دوسرے اوصاف کے ان کی ابدیت ہوگا۔

لا نكلف نفسا الا وسعها. یہاں ذکر جنت کے ضمن میں یہ جملہ معترضہ لاکر یہ بتادیا کہ جنت تک رسائی کچھ دشوار نہیں، اس کا ذریعہ عمل صالح ہے، اور عمل صالح انھیں احکام کی تعمیل کا نام ہے جو ہر بندہ کو اس کی وسعت وطاقت کے اندر ہی دئے جاتے ہیں، جنت کے نام سے کوئی یہ خیال کرکے نہ گھبرائے کہ وہاں تک رسائی کے لئے خدا معلوم کیسی کیسی ناقابل تحمل دشواریوں سے ہوکر گزرنا ہوگا ــــ دوسری طرف کافروں کے حق میں بھی تنبیہ ہے کہ جنت جو ایسی آسانی سے حاصل ہوسکتی ہے اسے یہ اپنے ہاتھوں چھوڑے بیٹھے ہیں ــــ آیت کا یہ جزء کلیدی آیتوں میں سے ہے، کسی متنفس پر بھی بار اس کی طاقت سے زیادہ نہیں ڈالا جاتا، ہر شخص سے سوال اس کی صلاحیتوں اور توانائیوں ہی کی مناسبت سے ہوگا۔

ينبه الله تعالىٰ على ان الايمان والعمل به سهل (ابن كثير) وفيه تنبيه للكفار على ان الجنة مع عظم محالها يوصل اليها بالعمل السهل من غير مشقة (بحر)

وسع کے معنی خود ایسی چیز کے ہیں جو انسان کو آسانی اور معمولی کوشش سے حاصل ہوسکے، سخت کوشش کے لئے لفظ جهد کا آتا ہے وسع کا نہیں۔

معنى الوسع ما يقدر الانسان عليه فى حال السعة والسهولة لا فى حال الضيق والشدة (كبير) واما اقصى الطاقة يسمى جهد الا وسعا (كبير) اى ما تقدر عليه بسهولة دون ما تضيق به ذرعا (روح)

۵۷ (اور اس رنج کدورت کے بعد وہ ایک دوسرے کے ساتھ کامل لطف وانبساط کے ساتھ ہنسی خوشی رہ رہے ہیں گے)

ابھی اوپر ذکر تھا اہل جہنم کے باہمی بغض ونفرت کا، اب اس کے مقابل اہل جنت کے سلسلہ میں ذکر ہو رہا ہے ان کے باہمی

وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ ۚ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ

اور ہم تو کبھی بھی (یہاں تک) راہ نہ پاتے اگر اللہ نے ہم کو نہ پہنچا دیا ہوتا، واقعی ہمارے پروردگار کے پیمبر سچائی کے ساتھ آئے تھے ۵۸

وَنُودُوا أَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۴۳﴾

اور انہیں منادی کی جائے گی کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم اب وارث ہو گئے ہو بہ عوض اس کے کہ جو تم کرتے رہے تھے ۵۹

رفق والفت کا — خوش دل دوستوں کی یکجائی، ہر شخص دنیا میں تجربہ رکھتا ہے کہ بجائے خود کتنی بڑی نعمت ہے۔
حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ ان شاء اللہ میرا اور عثمانؓ و طلحہؓ و زبیرؓ کا معاملہ ایسا ہی ہوگا (کبیر، مدارک وغیرہ)
آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دنیا میں اہل حق کے درمیان بھی مخالفت و عداوت کی نوبت پہنچ سکتی ہے خواہ رنجش کی بنیاد محض طبعی ہو — کتنے اسباب ہلا منشیں بیگانگی کے ایک صالح کو دوسرے صالح کے خلاف دنیا میں برابر موجود رہتے ہیں، حالانکہ عند اللہ دونوں فریق یکساں مقبول ہوتے ہیں۔
مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جو کینہ طبعی غیر اختیاری ہو وہ دخول جنت سے مانع نہیں۔
۵۸ھ (چنانچہ انہوں نے جن اعمال پر جنت کا وعدہ کیا تھا وہ وعدہ بالکل سچ نکلا)
من تحتھم "ان کے نیچے" سے مراد ہے ان کے محلوں اور بالاخانوں کے نیچے۔
والمراد تجری من تحت غرفھا میاہ الانھار (روح)
وما کنا لنھتدی۔ اہل حق کی تواضع و بےنفسی و عبدیت کی یہی شان ہوتی ہے، حسن و خوبی و کمال کا کوئی انتساب اپنی ذات کی جانب آنے ہی نہیں دیتے، تمام تر اسے عطیہ الٰہی ہی کہتے اور سمجھتے رہتے ہیں۔
لنھتدی میں ل تاکید نفی کے لئے ہے۔ واللام لتاکید النفی (بیضاوی، روح)
الحمد ... اللّٰہ۔ عبدیت تو اہل جنت کے رگ و ریشہ میں رچی ہوگی، وہاں پہونچ کر بھی زبان تمام تر حمد الٰہی اور اپنی عبدیت ہی کے اقرار پر کھلے گی۔
لقد جاءت رسل ربنا بالحق۔ پیمبران برحق کی دی ہوئی خبروں کا جب اہل ایمان کو آخرت میں عین الیقین ہو جائے گا، تو ایسے فقرے ان کی زبانوں پر فرط مسرت سے بے اختیار آجائیں گے۔
اہل سنت نے آیت کے اس جزء سے قدریہ کا رد خوب نکالا ہے۔
لا یخفی ما فی ھذہ الآیۃ من الرد الواضح علی القدریۃ الزاعمین ان کل مھتد خلق لنفسہ الھدی ولم یخلق اللّٰہ تعالیٰ لہ ذلک (روح)
لھذا میں ھذا کا اشارہ مقام یعنی جنت کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور مرتبہ یعنی درجہ قدر و منزلت کی جانب بھی اور خود ایمان کی جانب بھی، مآل سب صورتوں کا ایک ہے۔
ای الی ھذا الفوز العظیم وھو الایمان (مدارک)
ھدانا اللّٰہ۔ چنانچہ پہلے ایمان و اعمال کا وہ طریقہ بتا دیا جو جنت تک پہنچاتا ہے، اور اس پر چلنے کی بھی توفیق دے دی۔

وَنَادٰۤى اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ اَصۡحٰبَ النَّارِ اَنۡ قَدۡ وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا

اور جنت والے ندا دیں گے دوزخ والوں کو کہ ہم سے تو جو ہمارے پروردگار نے وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو سچ پا لیا ۶۰

رَبُّنَا حَقًّا فَهَلۡ وَجَدْتُّمۡ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمۡ حَقًّا ؕ قَالُوۡا نَـعَمۡ ۚ

اب (تم بتلاؤ) تم نے بھی سچ پایا اس وعدہ کو جو (تم سے) تمہارے پروردگار نے کیا تھا؟ ۶۱ وہ کہیں گے کہ ہاں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ وصول الی المقصود وہبی ہے کسبی نہیں اور جس کسب کا ظاہراً کچھ دخل ہے خود وہ کسب بھی وہبی ہے۔

۵۹ (اور جنت تو تمہاری اصل میراث اور تمہارے مورث اعلیٰ آدمؑ کی جگہ تھی ہی)

تلکم۔ تلک۔ جو اشارۂ بعید کے لئے آتا ہے یہاں ھذہ کے معنی میں اشارۂ قریب کے لئے ہے۔

تلکم بمعنی ھذہ (قرطبی)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اشارۂ بعید بلندئ مرتبہ اور بُعد منزلت کے اظہار کے لئے ہے۔

ومعنى البعد فی اسم الاشارۃ اما لرفع منزلتها وبعد مرتبتها۔ (روح)

ونودوا۔ یہ ندا دینے والا ایک فرشتہ ہوگا۔

ای نادتهم الملائکة۔ (روح)

اورثتموھا۔ اس لفظ میں کمالِ تعظیم واحترام اور مزید تقویت ہے اہلِ جنت کے لئے، یعنی اب تم تو اسے جیت چکے ہی ہو اب کوئی تمھیں یہاں سے بے دخل نہ کر سکے گا۔

معناہ صارت الیکم کما یصیر المیراث الی اھلہ (کبیر)

بما کنتم تعملون۔ اور اس سے ظاہراً دخولِ جنت کا سبب اعمال معلوم ہوتے ہیں، اور معتزلہ کا یہی مذہب ہے لیکن حدیث صحیح میں آچکا ہے کہ جنت میں کوئی بھی اپنے اعمال کے سبب سے نہیں، بلکہ رحمتِ الٰہی سے جائے گا۔ مفسر تھانویؒ نے خوب کہا ہے کہ قرآن مجید میں ذکر سبب ظاہری اور قریبی کا ہے، اور حدیث میں سبب حقیقی کو بیان کیا گیا ہے، دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، اور دونوں میں کوئی تناقض نہیں ـــ انسان سے اعمالِ حسنہ کا صدور کہاں سے ہوتا ہے؟ یہ خود بھی تو آخر توفیق الٰہی اور رحمت ایزدی کا نتیجہ ہے۔

امام رازیؒ نے جو تشریح کی ہے، وہ بھی اسی سے ملتی جلتی ہوئی ہے۔

۶۰ (اور ان ہی کے وعدہ کے مطابق ایمان و عمل صالح سے جنت کے حقدار ہو گئے)

ونادی اصحب الجنة اصحب النار۔ اہلِ جنت کی زبان پر یہ کلمات فرطِ فرحت و سرور میں بے ساختہ آجائیں گے بعض نے سوال یہ پیدا کیا ہے کہ جنت تو آسمان کی بلندی پر ہوگی، اور دوزخ تحت الثریٰ میں، تو اہلِ جنت کی آواز اہلِ جہنم تک پہنچے گی؟ سوال تمام تر سطحی ہے، سائل نے عالمِ آخرت کے قویٰ کو ناسوتی قویٰ پر اور آخرت کی مسافتوں کو ناسوتی مسافتوں پر قیاس کیا ہے۔

نادی اصحب الجنة۔ ظاہر ہے کہ اس گفتگو کا تعلق زمانہ مستقبل سے ہے، قرآن مجید میں بھی یہی صیغہ ماضی کا لایا گیا ہے، اور اسے غایت تیقن و تحقق کے موقع پر لانا قرآن مجید کا عام اسلوبِ بیان ہے۔

فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ

پھر ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان پکارے گا کہ اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر ۶۲ جو اللہ کی راہ سے اعراض کیا کرتے

عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور اس میں کجی تلاش کیا کرتے اور وہ آخرت کے منکر تھے ۶۳ اور ان دونوں کے درمیان

وَ بَیْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَ عَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ یَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِیْمٰىهُمْ ۚ

ایک آڑ ہوگی ۶۴ اور اعراف کے اوپر (بہت سے) اشخاص ہوں گے وہ ہر ایک کو ان کے قیافہ سے پہچانیں گے

۶۱ (اگر کفر کے باعث دوزخ میں پڑ گئے اور اب تو حقیقت اللہ و رسول کے صدق کی اور اپنی گمراہی کی ظاہر ہو کر رہی؟)

ما وعد ربکم۔ اللہ کے وعدے وہی جو امتوں کو پیمبروں کے ذریعہ موصول ہوئے۔

۶۲ (جنھوں نے دعوتِ حق سے انکار کر کے اپنے اوپر ظلم کیا)۔

الظّٰلمین۔ کھلی ہوئی مراد کافروں سے ہے۔

ای الکافرین (معالم)

اذن مؤذن۔ یہ پکارنے والا ایک فرشتہ ہوگا۔

یعنی من الملائکۃ (قرطبی) وھو ملک یسمع اھل الجنۃ والنار (مدارک)

۶۳ وھم بالآخرۃ کافرون۔ معنی ماضی ہے اور کانوا محذوف ہے۔

ای کانوا بھا کافرین فحذف وھو کثیر فی الکلام (قرطبی)

یبغونھا عوجا۔ یعنی دینِ حق میں عیب و اعتراض تلاش کیا کرتے تھے، اور دوسروں میں شکوک و شبہات پیدا کرتے رہتے تھے

المراد لقاء الشکوک والشبھات فی دلائل دین الحق (کبیر)

یصدّون۔ جس طرح متعدی ہے، لازمی بھی ہے اور یہاں اسی معنی میں ہے۔

ای یعرضون (قرطبی)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ انھیں کے مشابہ وہ لوگ بھی ہیں جو طریق سلوک کو اس رنگ میں ظاہر کرتے ہیں جس سے طالبِ صادق کو اس سے نفرت ہو جائے، مثلاً اہلِ بدعت و اہلِ ریا۔

۶۴ (بطور دیوار کے جس کا خاصہ یہ ہوگا کہ نہ جنت کی لذتوں اور نعمتوں کا اثر دوزخ تک پہنچ سکے اور نہ دوزخ کی ہولناکیوں کا اثر جنت تک)

اس پر یہ سوال پیش کرنا کہ پھر اس دیوار کے ہوتے اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے درمیان مخاطبت کیونکر ہو سکے گی، عالمِ آخرت کی فضا کو اس عالمِ عنصری کے مادی قوانین کا پابند و محکوم سمجھ لینا ہے۔ یہ حجاب تو صرف اسی لئے ہوگا کہ ایک مقام کی راحت یا اذیت دوسرے مقام تک نہ پہنچ سکے، نظر کی حائلی نہ ہوگی، حجاب ایسا نہ ہوگا کہ ایک جگہ کا حال دوسری جگہ دکھائی نہ دے سکے

وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ

اور اہل جنت کو پکار کر کہیں گے کہ اللہ کی رحمت ہو تم پر، اور (ابھی) یہ لوگ اس میں داخل نہ ہوئے ہوں گے

يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَاۗءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ

اور وہ (اسکے) آرزو مند ہوں گے ۶۵ اور جب ان کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف جا پھریں گی تو بول اٹھیں گے کہ اے ہمارے

لیس یعنی بہ ما یحجب البصر وانما یعنی ما یمنع عن وصول لذۃ اہل الجنۃ الی اہل النار واذیۃ اہل النار الی اہل الجنۃ (راغب)

بینہما۔ ہمارے مراد دونوں فریق بھی ہو سکتے ہیں، اور دونوں مقام بھی۔

ای بین النار والجنۃ (قرطبی) بین الجنۃ والنار او بین الفریقین (کشاف۔ مدارک)

۶۵ (چنانچہ ان کی یہ آرزو پوری کر دی جائے گی، اور یہ جنت میں داخل ہو جائیں گے)

الاعراف۔ لفظی معنی بلند چیز کے ہیں۔

الاعراف فی اللغۃ المکان المشرف (قرطبی) عن ابن عباس انہ قال الاعراف الشیٔ المشرف (قرطبی) وکل مرتفع من الارض عند العرب یسمی عرفا (ابن کثیر)

یہاں مراد جنت و جہنم کی اسی درمیانی دیوار سے ہے جس کا ذکر ابھی آچکا ہے۔

وھو الذی علیہ الاکثرون ان المراد من الاعراف اعالی ذلک السور المضروب بین الجنۃ والنار وھذا قال ابن عباس (کبیر) وھو السور الذی ذکرہ اللہ فی قولہ فضرب بینھم بسور (قرطبی) سور بین الجنۃ والنار (راغب)

علی الاعراف رجال۔ یہ اہل اعراف کون لوگ ہوں گے؟ صحابہؓ اور تابعین سے متفقہ طور پر منقول ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے، جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر برابر ہوں گی۔

قال عبد اللہ بن مسعود وحذیفۃ بن الیمان وابن عباس والشعبی والضحاک وابن جبیر ھم قوم استوت حسناتھم وسیأتھم (قرطبی) واختلفت عبارات المفسرین فی اصحاب الاعراف من ھم وکلھا قریبۃ ترجع الی معنی واحد وھو انھم قوم استوت حسناتھم وسیأتھم نص علیہ حذیفۃ وابن عباس وابن مسعود وغیر واحد من السلف والخلف (ابن کثیر)

بلکہ یہ معنی تو خود ایک حدیث مرفوع میں آچکے ہیں۔

وقد جاء فی حدیث مرفوع رواہ الحافظ ابوبکر ابن مردویہ ... قال سئل رسول اللہ صلعم عمن استوت حسناتہ وسیأتہ فقال اولئک اصحاب الاعراف لم یدخلوھا وھم یطمعون (ابن کثیر)

اور ابن کثیر نے اور بھی روایات حدیث نقل کر کے ان پر گفتگو بھی کی ہے۔

یعرفون کلا بسیماھم۔ علاوہ اس کے کہ جنتی اور دوزخی دونوں اپنے اپنے مقام پر ہوں گے اور اس لئے بھی پہچان لئے جائیں گے کہ جنتی کون ہیں، اور دوزخی کون، ان کی پیشانیاں اور چہرہ بھی ذریعہ

قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ

پروردگار ہم کو شامل نہ کر ان ظالم لوگوں کے ساتھ ۶۶۶ اور اعراف والے پکاریں گے (بہت سے) اشخاص کو

رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ

جنھیں وہ ان کے قیافہ سے پہچانیں گے (اور) کہیں گے کہ تمہارے کچھ کام نہ آیا تمہارا جتھا اور تمہارا اپنے کو

تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ

بڑا سمجھنا ۶۶۷ یہی وہ لوگ ہیں نا جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ان پر اللہ رحمت نہ کرے گا ۶۶۸

شناخت ہوں گے، اہلِ جنت کے بشرہ پر نورانیت برس رہی ہوگی، اور اہلِ دوزخ کے چہرہ پر ظلمت و کدورت۔

ای بعلامتھم التی اعلمھم اللہ بھا کبیاض الوجہ وسوادہ (بیضاوی) ای بعلاماتھم وھی بیاض الوجوہ وحسنھا فی اھل الجنۃ وسوادھا و قبحھا فی اھل النار الی غیر ذلک من معرفۃ حیز ھؤلاء وحیز ھؤلاء (قرطبی)

ونادوا اصحٰب الجنۃ۔ یہ اہلِ جنت کو پکارنے والے بھی وہی اصحابِ اعراف ہوں گے۔

وھم یطمعون۔ طمع کے ایک معنی علم کے بھی آتے ہیں، اس لحاظ سے مفہوم یہ ہوگا کہ وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے، لیکن جانتے ہوں گے کہ اب داخل ہوں گے۔

بمعنی وھم یعلمون انھم یدخلونھا وذلک معروف فی اللغۃ ان یکون طمع بمعنی علم (قرطبی) فسر الطمع بالیقین الحسن وابو علی (روح)

۶۶۶ یہ مناجات فرطِ خشیت و عبودیت سے ہوگی، ورنہ اہلِ اعراف تو جانتے ہی ہوں گے کہ ان کا شمار اہلِ جہنم میں نہیں ہو سکتا۔

وقد علموا انہ لا یجعلھم معھم فھذا علی سبیل التذلل (قرطبی)

قالوا۔ یہ بول اٹھنا فرطِ خشیت و دہشت سے ہوگا۔

الظّٰلمین۔ ظالم یہاں بھی حسب سیاقِ سابق کافر ہی کے مرادف ہے۔

۶۶۷ (اور اپنی اپنی قوت و جمعیت کی بنا پر انبیاءؑ کی راہ کا اتباع نہ کرنا۔)

رجالا یعرفونھم بسیمٰھم۔ ظاہر ہے کہ یہ اشخاص اہلِ دوزخ میں سے ہوں گے۔

ما اغنی.... تستکبرون۔ جمع و استکبار کے اسباب جیسے پرانی قوموں میں جمع ہو جاتے تھے، آج کی مہذب و متمدن قوموں میں ان سے بھی زیادہ جمع ملتے ہیں، اپنی جمعیت و قوت و کثرت پر فخر، اور اپنے کمالاتِ علمی و حربی پر ناز، اور اپنے آلاتِ احراق و پرواز پر تکیہ وغیرہ۔

۶۶۸ (اور تمہارے خیال میں یہ ہر طرح حقیر و ذلیل اور مستحقِ حقارت و ذلت تھے)

اھٰؤلاء الذین یعنی یہی لوگ جو آج جنت میں عیش کر رہے ہیں، اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو باوجود دولتِ ایمان سے مالا مال ہونے کے، مادی دولت و وجاہت سے دنیا میں تہی دامن تھے، اور اس لئے اہلِ کبر و ضلال

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰٓى

(ان کو تو یہ حکم ہوگیا کہ) جنت میں داخل ہو جاؤ (جہاں) تم پر نہ کوئی خوف واقع ہوگا اور نہ تم غمگین ہوگے ۶۹ اور دوزخ

اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ

والے پکاریں گے جنت والوں کو کہ ہمارے اوپر کرم کرو کچھ پانی ہی سے یا اس سے جو تمھیں اللہ نے کھانے کو دے رکھا ہے

اللّٰهُ ؕ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾

وہ کہیں گے کہ اللہ نے تو ان دونوں چیزوں کو کافروں پر حرام کر رکھا ہے ۷۰

کی نظروں میں حقیر و ذلیل، جیسے حضرات صحابہؓ میں بلال حبشیؓ و سلمان فارسیؓ و خبابؓ وغیرہم تھے۔

اشارۃ الی قوم من المومنین الفقراء کبلال و سلمان و خباب وغیرھم (قرطبی) الاشارۃ الی

ضعفاء اھل الجنۃ الذین کان الکفرۃ یحتقرونھم فی الدنیا (روح)

اور اب تو اس کی مثالیں بڑی ہی کثرت سے ملیں گی۔

۶۹ قول ان ہی اہل اعراف کا اہل دوزخ کو مخاطب کر کے چل رہا ہے کہ تم تو دنیا میں اہل ایمان کو ہر طرح حقیر و ذلیل سمجھتے تھے، مگر یہاں تو دیکھو انھیں اس اعزاز و تکریم کا مقام مل گیا۔

لاخوف۔۔۔ تحزنون جنت میں داخل ہو جانے کے بعد پھر کسی خوف (بہ سلسلۂ مستقبل) اور کسی حزن (بہ سلسلۂ ماضی) کا کیا امکان؟

۷۰ (اس کے حکم کے خلاف ہم دیں کیسے؟ اور ہم دیں بھی تو تمھیں نفع کیا ہو؟ تم نے اپنے قویٰ کو ان سے لطف اٹھانے کے قابل رکھا ہی کب ہے؟ پس تمھاری مسخ شدہ اور قہر زدہ حلق اور منہ میں پہنچ کر یہی نعمتیں اور آگ لگا دیں گی)

حرمھما علی الکافرین۔ تحریم سے مراد دارالجزاء میں حرمتِ شرعی تو ہو نہیں سکتی، مراد یہی ہے کہ یہاں کے کھانے پینے تو تمھارے حلق سے اتریں گے ہی نہیں۔

مولانا جلال الدین رومیؒ کی ملفوظ فیہ ما فیہ گو فنِ تصوف و سلوک میں ہے لیکن بعض تفسیری نکتے بھی اس میں خوب آگئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:۔ "اہل دوزخ با اہل بہشت، فغان کنند کہ آخر: کرم شما ازاں عطا ہا و بخششہا کہ حق تعالیٰ بہ شما کردہ است از روئے صدقہ، بندہ نوازی بہر ما نیز اگر چیزے ریزید ایثار کنید چہ شود؟ وللارض من کأس الکرام نصیب کہ ما دریں آتش می سوزیم و می گدازیم، ازاں میوہ یا دانہ آں آبہائے زلال قطرۂ بر جان ما ریزید چہ شود، بہشتیان جواب دہند کہ آں را خدا بر شما حرام کردہ است تخم ایں نعمت در دار دنیا بود چوں آنجا نہ کشتید و نورزید آں ایمان و صدق بود و عمل صالح اینجا چہ گیرید، و اگر ما از روئے کرم بر شما ایثار کنیم چوں خدا آں را بر شما حرام کردہ است حلقہا را بسوزاند و بہ گلو فرو نہ رود۔ و اگر در کیسہ نہید دریدہ شود و بیفتد (فیہ ما فیہ ص۷۷ و ۷۸، معارف پریس اعظم گڑھ)۔

نادی اصحٰب النار اصحٰب الجنۃ۔ اہلِ دوزخ کی یہ فریاد اہلِ جنت سے محض فرطِ اضطرار و شدتِ اضطراب ہوگی

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ

(وہ کافر) جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشہ بنا رکھا تھا اور ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا سو آج ہم (بھی) انھیں بھلائے

نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ (۵۱)

رہیں گے جیسا کہ وہ آج کے دن کا پیش آنا بھلائے رہے تھے اور جیسا کہ وہ ہماری آیتوں سے دانستہ انکار کرتے رہے تھے ۷۱

ان افیضوا علینا.... اللہ. کہ شاید اسی سے کچھ ہماری تسکین ہو جائے، ورنہ ہم تو بھوک اور پیاس اور گرمی سے مرے پھنکے جا رہے ہیں، بھوک اور پیاس کی شدت سے اہل دوزخ کی تڑپ آیت سے بالکل عیاں ہے۔

ویکون فی الآیۃ دلیل علی نہایۃ عطشھم وشدۃ جوعھم (روح)

حرمھما. ضمیر تثنیہ سے مراد جنت کا کھانا پانی ہے۔

یعنی طعام الجنۃ وشرابھا (قرطبی)

بعض فقہاء نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ پانی پلانا بہترین اعمال میں سے ہے۔

فی ھذہ الآیۃ دلیل علی ان سقی الماء من افضل الاعمال (قرطبی)

۷۱ (تو جب دار العمل میں انھوں نے اپنے حق میں کوئی صلاحیت ہی نہیں رکھی تو اب دار الجزاء میں اس کی کوشش کیسی؟) یجحدون. جحد کے معنی جیسا کہ ایک پچھلے حاشیہ میں گزر چکا ہے مطلق انکار یا کسی غلط فہمی کی بنا پر انکار کے نہیں، بلکہ دل سے حق کے قائل ہو کر بھی ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی سے انکار کئے چلے جاتے کے ہیں۔

الجحود نفی ما فی القلب اثباتہ واثبات ما فی القلب نفیہ (راغب)

ما کانوا میں ما مصدری ہے، یعنی جیسا کہ انھوں نے بھلا دیا تھا۔

ما مصدریۃ ای کنسیھم۔ (قرطبی)

دینھم سے مراد مفسرین نے لی ہے وہ دین جس کا قبول کرنا ان لوگوں پر واجب تھا۔

الذی امرھم اللہ تعالیٰ بہ (روح)

لیکن دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ خود وہی دین جسے وہ اختیار کئے ہوئے ہیں، اسی کو انھوں نے بجائے زاد آخرت بنانے کے محض ایک کھیل تماشہ یا سوانگ کی حیثیت دے رکھی ہے، عبادتیں ہیں تو ان میں ناچ گانا، روشنی باجا، یہاں تک کہ کہیں کہیں فحش کاری کا پیوند بھی، عقائد ہیں تو ان میں دیوی دیوتاؤں کے ساتھ ملعب، ساری ساری عمر بس میلے ٹھیلے میں گزار دیتے ہیں اور ان کے بڑوں نے جب جب اپنا دماغ لڑایا تو سائنس پر، فلسفہ پر، معاشیات پر، طبیعیات پر، سیاسیات پر، فنون لطیفہ پر، دینی حقائق کو سنجیدگی سے غور و فکر کے قابل ہی کب سمجھے۔

اتخذوا.... لعبا. اپنے دین کی حقیقت پر یہ گمراہان ازلی کبھی سنجیدگی سے غور ہی نہیں کرتے، ایک کھیل تماشہ کی سی چیز سمجھ کر سرسری نظر سے گزر جاتے ہیں، اگر عقل سلیم کی روشنی میں سنجیدگی سے غور کریں تو اقرار توحید و تصدیق رسالت کئے بغیر چارہ نہ رہے۔ ملاحظہ ہو سورۃ الانعام کی آیت (۷۰) الذین اتخذوا دینھم الخ کا حاشیہ۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور ہم نے ان کے پاس (ایسی) کتاب پہنچا دی ہے جسے ہم نے علم کے ساتھ خوب کھول دیا ہے ان لوگوں کے حق میں بطور ہدایت

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ

ورحمت کے جو ایمان رکھتے ہیں۔ وہ بس اس کے مصداق ہی کا انتظار کر رہے ہیں (سو جس روز اس کا مصداق پیش آجائے گا، تو وہ لوگ

نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ

جو اس کو پیشتر سے بھولے ہوئے تھے بول اٹھیں گے کہ واقعی ہمارے پروردگار کے پیغمبر سچ ہی لے کر آئے تھے ۷۳ سو اب

شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ

ہیں کوئی ہمارے سفارشی جو ہماری سفارش کر دیں؟ آیا ہم پھر واپس جا سکتے ہیں تاکہ جو ہم کیا کرتے تھے اس کے برخلاف کچھ اور کریں؟

غرتہم الحیوۃ الدنیا چونکہ دنیوی زندگی میں کوئی صریح اور معین وبال ان پر نہیں آتا، بلکہ اکثر تو یہ دنیوی ترقی وخوش حالی میں گزر بسر کرتے رہتے ہیں، یہ دھوکے میں آجاتے اور اپنے ان ہی عقائد باطلہ پر اور جم جاتے ہیں ـــ آج بھی سارے گمراہوں کو غور کر کے دیکھ لیا جائے، سب میں یہ چیز مشترک ملے گی کہ دنیا میں مست و غافل پڑے ہوئے اور آخرت کو بھولے ہوئے ہیں۔

ننساھم۔ انساء الٰہی سے جو ظاہر ہے کہ بالکل ارادی و اختیاری ہوگا، مراد اللہ کا ان لوگوں کو رحمت کے ساتھ یاد نہ فرمانا ہے، محاورۂ عرب میں نسیان و انساء کا یہ استعمال نامعلوم نہیں۔

وقد جاء النسیان بمعنی الترک کثیرا (روح)

۷۲ (اور جس کتاب میں کسی خطا و غلطی کا امکان نہیں)

علی علم منا بہ لم یقع فیہ سہو ولا غلط (قرطبی)

کتٰب۔ سے مراد قرآن مجید ہے، اور اس کا صیغہ نکرہ اس کے اظہارِ عظمت کے لئے ہے۔

والکتاب ھو القرآن وتنوینہ للتفخیم۔ (روح)

۷۳ (اور اب تو ہمیں ان حقائق کا مشاہدہ ہو رہا ہے)

ھل ینظرون یعنی منکرین یا اتمام حجت و وضوح حق کے بعد بھی انکار کئے جانے والے تو بس اسی کے منتظر ہیں۔

ھل یہاں استفہامیہ نہیں۔ ما نافیہ کے معنی میں ہے۔

ای ما ینتظرون ھؤلاء الکفرۃ (روح)

نسوہ۔ نسیان یہاں ارادی غفلت و اعراض کے معنی میں ہے۔

تاویلہ یعنی وعدۂ سزا کے عملی ظہور اور قرآن کے بتائے ہوئے مصداق کے۔

قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ

یقیناً انھوں نے اپنے کو خسارہ میں ڈال دیا اور ان سے گم ہوگیا جو کچھ وہ گڑھا کرتے تھے ۷۴ بے شک تمہارا پروردگار

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ

وہی اللہ ہے جس نے پیدا کر دیا آسمانوں اور زمین کو چھ زمانوں میں پھر قائم ہوگیا عرش پر ۷۵

تاویل۔ سے مراد وعید قرآنی کے آخری نتیجہ کے ہیں۔

عاقبة ما وعد لهم في القرآن (ابن عباس) اى الاعاقبة امره ما يؤول اليه من تبيّن صدقه (کشاف)

یوم یاتی تاویلہ۔ یعنی ان آخری نتائج اور حقائق کے ظہور کا وقت، یوم آخرت۔

اى تبد واعواقبه يوم القيامة (قرطبی)

۷۴ یعنی یہ اقرار واعتراف اب سب بے اثر رہے گا، اور کوئی ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔

و نرد یعنی ہم اس دنیا میں جو دار العمل ہے ایک بار پھر واپس جائیں۔

فنعمل..... نعمل یعنی دنیا میں جاکر ان اعمالِ کفر وفسق کے برعکس اچھے ایمان اعمالِ صالحہ اختیار کریں

حقائق کے شہود کے وقت بڑے سے بڑے ہیکڑ اور شیخی باز بھی خوشامد اور اظہار عجز پر مجبور ہو جائیں گے۔

۷۵ یعنی عزت وجلال کے تخت پر۔

خلق السماوات والارض۔ خلق یعنی عدم محض سے انھیں وجود میں لے آیا، یہ نہیں کہ مادہ سب پہلے سے خود بخود یا خود آپ بخود موجود تھا، اور خدا نے چھ دن میں صرف ترکیب وترتیب پیدا کر دی جیسا کہ بعض مشرک قوموں نے فرض کر رکھا ہے۔

السمٰوٰت والارض۔ یہ پُرعظمت وہیبتناک آسمان جن کی پرستش بہ طور دیوتا یا خدائے اعظم کے کلدانی اور مصری رومی اور یونانی، سب اپنے اپنے اوج تمدن کے وقت کرتے آئے ہیں، اور یہ زمین جو دھرتی مائی کی حیثیت سے دنیا میں بہ کثرت پوجی گئی ہے ان کا معبود ومسجود ہونا تو الگ رہا، یہ خود اپنے کو وجود میں لانے پر بھی قادر نہیں رہے ہیں، بلکہ یہ ساری دوسری موجودات کی طرح اللہ کی مخلوق ہی ہیں ـــ اللہ جو کرۂ ارض کا خالق وموجد ہے، وہی دوسرے کرات سماوی کا بھی خالق وموجد ہے۔

ستۃ ایام۔ یوم سے مراد ظاہر ہے کہ یہ متعارف یوم چوبیس گھنٹوں والا تو ہو نہیں سکتا کہ یہ خود نتیجہ ہے حرکتِ ارضی کا، اور یہاں بیان اس وقت کا ہو رہا ہے، جب یہ چاند، سورج، زمین، آسمان سرے سے موجود ہی نہ تھے، بلکہ مراد یہاں مطلق زمانہ ہے یعنی چھ مختلف زمانوں میں، چھ مرحلوں میں یا چھ مراتب وجود کے ساتھ، پرانے مفسروں نے بھی یہ تشریح تسلیم کی ہے۔

اى فى ستة اوقات (بیضاوی۔ روح)

اور یوم کے معنی مطلق مدت کے محاورۂ عرب میں برابر مستعمل ہیں۔

قد يعبّر به عن مدة من الزمان اى مدة كانت (راغب) المراد باليوم الوقت مطلقًا (اقرب۔ مجمع البحار)

البتہ توریت (کتاب پیدائش۔ باب اول) میں صبح وشام کی تصریح بار بار آئی ہے۔

استوىٰ علی العرش یعنی پہلا مرتبہ خلق کائنات کا تھا، اب اس کے بعد اس نے حکومت وتدبیر کے احکام جاری کرنے

يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ

ڈھانپ لیتا ہے رات سے دن کو وہ (رات) اسے (دن کو) لپکتی ہوئی آلیتی ہے اور سورج اور چاند اور تاروں کو (اسی نے پیدا کیا) سب

مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾

اس کے حکم کے تابع، یاد رکھو اسی کے لئے خاص ہے آفرینش (بھی) اور حکومت (بھی) برکت سے بھرا ہوا ہے اللہ سارے جہانوں کا پروردگار۔ ۷۶

شروع کر دیئے، عرش کے لفظی معنی "تخت" کے ہیں اور "العرش" سے مراد تخت حکومت الٰہی ہوتا ہے جو ہر قسم کے مادی تعینات سے ماوراء ہے۔

وکنی بالعرش عن العز والسلطان والمملکۃ (راغب) والمراد بالاستواء علی العرش نفاذ القدرۃ وجریان المشیئۃ وکبیر

واذا استقام لہ ملکہ واطرد امرہ وحکمہ قالوا استوی علی عرشہ ھذا ما قالہ القفال واقول ان الذی قالہ حق وصدق وصواب (کبیر)

محققین نے کہا ہے کہ عرش الٰہی کی ماہیت و حقیقت کا علم انسان کو نہیں، اور یہ معنی تو اس کے بہرحال نہیں ہو سکتے (جیسا کہ عوام نے سمجھ رکھا ہے) کہ اللہ تعالیٰ کسی تخت پر متمکن ہے۔

وعرش اللہ ما لا یعلمہ البشر علی الحقیقۃ الا بالاسم ولیس کما تذھب الیہ اوھام العامۃ فانہ لو کان کذلک لکان حاملا لہ تعالی عن ذلک لا محمولا (راغب)

۷۶ یعنی وہ پروردگار عالم ہر قسم کے کمالات کا جامع ہے۔

یغشی الیل النھار۔ اس میں یہ بتا دیا کہ رات اور دن کوئی صاحب ارادہ ہستیاں نہیں (جیسا کہ بعض جاہلی قوموں نے سمجھ رکھا ہے) کہ اپنے قصد و خواہش سے اپنا ظہور و نمود کرتی رہیں اور نہ مشین کی طرح اضطراراً ان میں یہ ادل بدل ہوتا رہتا ہے (جیسا کہ ملحدوں نے فرض کر رکھا ہے) بلکہ دونوں اپنے ظہور، نمود، وجود میں ہر مخلوق کی طرح تمام تر ارادۂ الٰہی کی تابع و محکوم ہیں۔

یطلبہ حثیثا۔ دن آناً فاناً گزرتا معلوم ہوتا ہے حتیٰ کہ دفعتہً رات آجاتی ہے (تھانویؒ)

یطلبہ۔ میں ضمیر فاعلی و ضمیر مفعولی دونوں مذکر ہیں، اور ترکیب کلام یوں سمجھی گئی ہے۔

یطلب کل واحد منھما الآخر طلبا (جلالین)

حث کے عام معنی جلدی و تیزی کے ہیں، الحث الاعجال والسرعۃ، یعنی "از پے در آمدن شب بعد روز شتابہ آنست کہ گویا کسے رادواں شتابان می طلبد" (شاہ ولی اللہؒ) اردو میں ایک لفظ ایسے موقع کے لئے "پاشنہ کوب" بھی مستعمل ہے لیکن حثیثا کے دوسرے معنی لازمی کے بھی کئے گئے ہیں۔

ای یطلبہ دائما من غیر فتور (قرطبی)

والشمس۔۔۔۔ بامرہ۔ چاند، سورج، تارے ان میں سے کوئی بھی صاحب ارادہ صاحب تصرف دیوی دیوتا نہیں، بلکہ اپنی ایجاد میں، آثار میں، رفتار میں، ہر شے میں مجبور و محکوم ہے اللہ ہی جو اور جس طرح چاہے ان میں تصرف کرے۔ سورج اور چاند اور تارے کس کثرت سے دنیا کے شرک میں پج چکے ہیں اور اب بھی پج رہے ہیں، قرآن مجید کی اس تکرار کے ساتھ ان کی معبودیت کی تردید خواہ مخواہ اور بے ضرورت نہیں۔

بامرہ۔ میں امر سے مراد احکام تکوینی ہیں کہ چاند، سورج، تارے احکام تشریعی کے مکلف نہیں۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۞۵۵

اپنے پروردگار سے دعا کرو عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے، بے شک وہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا ۲۷۷

لہ الخلق والامر یعنی کوئی اس کا مطلقاً شریک نہیں، نہ خالق ہونے میں نہ حاکم ہونے میں۔ شرک کی عموماً دو ہی صورتیں رائج رہی ہیں، ایک یہ کہ کائنات کی تخلیق ہی میں دوسروں کو شریک سمجھا جائے، دوسرے یہ کہ خالق تو تنہا اللہ کو تسلیم کرکے انتظاماتِ خلق دوسروں کے ذمہ سمجھے جائیں۔ خلق اور امر دو لفظ لانے سے دونوں شقوں کی کلی نفی و تردید مقصود ہے۔

ای الا ان للہ الخلق فھو الخالق المالک لذوات المخلوقات ولہ فیھا الامر ھو التشریع والتکوین والتصرف والتدبیر فھو المالک والملک لا شریک لہ (المنار)

۲۷۷ (اور دعا میں آدابِ دعا و عبودیت کا لحاظ نہ رکھنا بھی ایک صورت حد سے نکل جانے ہی کی ہے) آدابِ دعا میں یہ بھی داخل ہے کہ دعا نہ محالاتِ عقلیہ و عادیہ کی مانگی جائے اور نہ معاصی کی طلب و تمنا یش کی جائے۔

ادعوا ربکم۔ یہ دعا مانگنے کی دعوت ہر حال میں اور بڑی چھوٹی ہر حاجت کے لئے دی جا رہی ہے۔ ربکم۔ کے لفظ نے بندوں کو یاد دلا دیا کہ جس سے دعا مانگ رہے ہو، وہ کوئی ظالم و سخت گیر حاکم نہیں، وہ تو تمہارا شفیق پروردگار ہے، وہی تو تمہاری مادی و روحانی ہر طرح کی ترقیوں کا ضامن ہے۔

تضرعا دعا تو خود ایک عبادت ہی ہے، چاہیئے کہ حسب شانِ عبودیت لجاجت کے لہجہ میں اور خشوعِ قلب کے ساتھ ہو، بطور حکومت کے نہ ہو کہ جیسے موکلوں، جنات یا شیاطین کے لئے منتر، عملیات وغیرہ پڑھے جاتے ہیں۔

خفیۃ۔ اور دعا چلا چلا کر بھی نہ مانگو کہ (نعوذ باللہ) جیسے تمہارا پروردگار اونچا سنتا ہے۔ انجیل میں ہے:۔
"اور دعا مانگتے وقت غیر قوموں کے لوگوں کی طرح بک بک نہ کرو، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بہت بولنے کے سبب ہماری سنی جائے گی" (متی۔ ۶: ۷)

اور دوسری بات یہ ہے کہ دعا کے چپکے چپکے مانگنے میں ریا و نمائش کا بھی احتمال نہیں رہتا، حدیث میں ایسی ہی دعا کی بڑی فضیلت آئی ہے، صحیح بخاری، صحیح مسلم، دونوں میں یہ روایت آتی ہے کہ لوگ دعا چلا چلا کر مانگ رہے تھے، اس پر آپؐ نے فرمایا کہ تم جسے پکار رہے ہو وہ نہ گراں گوش ہے اور نہ کہیں دور ہے، وہ تو قریب بھی ہے اور خوب سنتا بھی ہے۔

عن ابی موسیٰ الاشعری قال رفع الناس اصواتھم بالدعاء فقال رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایھا الناس اربعوا علی انفسکم فانکم لا تدعون اصم ولا غائبا ان الذی تدعون سمیع قریب۔

اور حنفیہ نے یہیں سے استدلال کیا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد آمین بھی، جو دعا ہی کی ایک شکل ہے آہستہ کہنی چاہیئے۔

وقد استدل اصحاب ابی حنیفۃ بھذا علی ان اخفاء آمین اولی من الجھر بھا لانہ دعاء (قرطبی)

وفی ذلک دلیل علی ان اخفاء آمین بعد قرأۃ فاتحۃ الکتاب فی الصلوٰۃ افضل من اظھارہ لانہ دعاء۔ (جصاص)

ان اللہ لا یحب المعتدین اردو محاورہ میں اس مفہوم کو یوں ادا کیا جائے گا کہ اللہ تجاوز کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے، اردو میں "ناپسند کرنے" میں کہیں زیادہ زور "پسند نہ کرنے" سے ہے۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ

اور ملک میں اس کی درستی کے بعد فساد نہ مچاؤ اور اللہ کو پکارتے رہو ڈر کے ساتھ (بھی) اور آرزو کے ساتھ (بھی)

رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

بے شک اللہ کی رحمت نیکوکاروں سے بہت نزدیک ہے ۷۵

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں اشارہ ہے طریق جلوت وخلوت یا عبادات جوارح وعبادات قلب کی طرف۔

۷۵ (اس لئے اکیلا اجر ہی نہیں، بلکہ اس کا جلد ملنا بھی یقینی ہے)

قریب کے لفظ سے ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ اس رحمة کو کہیں باہر سے نہیں لانا ہوگا، بلکہ وہ تو محسنوں کے ساتھ ہی ساتھ لگی ہی ہوئی ہے۔

ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها۔ کائنات کی اصلاح و درستی قانون اسلام کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے ہی سے ہوتی ہے' اور اس مکمل دستور العمل سے انکار ہی پہلے فساد عقائد' اور پھر فساد اعمال' فساد اخلاق' جرائم و معاصی قتل وخون ریزی' ہر قسم کے فسادات کا باعث ہوتا ہے۔

وادعوه خوفا وطمعا۔ خوف تو اس لحاظ سے کہ شرائط قبول دعا میں سے کوئی چیز چھوٹ نہ گئی ہو اور آرزو اس کی کہ کوئی شرط چھوٹنے نہ پائی ہو۔

ای مع الخوف من وقوع التقصیر فی بعض الشرائط المعتبرة فی قبول ذلك الدعاء ومع الطمع فی حصول تلك الشرائط باسرها (کبیر)

یا خوف اپنے عمل کی کوتاہیوں پر نظر کرکے اور طمع اللہ کے فضل و رحمت کی وسعت و عموم پر نظر کرکے۔ ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر کہیں اس نے عدل شروع کر دیا تو ہمارے اعمال کس قابل ہیں' ہمیں تو ڈرتے ہی رہنا چاہیے' البتہ آرزو اس کے فضل ہی کی رکھنا چاہیے۔

قال ابن جریج خوف العدل وطمع الفضل۔ (معالم)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ خوف کا لفظ ناز' عجب و پندار کی تردید میں ہے اور آرزو کی تاکید یاس کے مقابلہ میں ہے۔

رحمة الله قریب۔ رحمة لفظ مؤنث ہے' اس لئے قاعدہ سے قریب کے بجائے قریبة ہونا تھا' لیکن رحمة کو جو مؤنث غیر حقیقی ہے' یہاں رحم یا ثواب کے مرادف قرار دیا گیا ہے اور خبر مذکر قریب اسی مناسبت سے لائی گئی ہے۔

انما ذکر قریب علی تاویل الرحمة بالرحم او للترحم (کشاف) او لان تانیث الرحمة غیر حقیقی (کشاف) قال سعید بن جبیر الرحمة ههنا الثواب فرجع النعت الی المعنی دون اللفظ (معالم) قال الزجاج انما قیل قریب لان الرحمة والغفران فی معنی واحد وکذلك کل تانیث لیس بحقیقی (امالی ابن الشجری جلد ۲ ص ۲۵۶) قال النضر بن شمیل الرحمة مصدر ومن حق المصادر التذکیر کقوله فمن جاءه موعظة (کبیر)

المحسنین۔ عربی کا احسان اردو کے احسان سے بالکل مختلف ہے' محسنین کے مصداق وہ لوگ ہیں

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی

اور وہ وہی (خدا) ہے جو ہواؤں کو قبل اپنی رحمت (یعنی بارش) کے خوش خبری کے لئے بھیجتا ہے ۷۹ چنانچہ

اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ

جب وہ (ہوائیں) بھاری بادل کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم اسے کسی خشک بستی کی طرف ہانک لے جاتے ہیں پھر ہم اس کے ذریعہ

فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰی لَعَلَّكُمْ

پانی نازل کرتے ہیں پھر ہم اس کے ذریعہ سے ہر طرح کے پھل نکالتے ہیں، اسی طرح ہم مُردوں کو نکال کھڑا کریں گے شاید کہ

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ الْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ

تم (اس سے) نصیحت حاصل کرو ۸۰ اور بہترین بستی میں پیداوار اپنے پروردگار کے حکم سے (خوب) ہوتی ہے

جو نیکی کر گزرتے اور کر ڈالتے ہی نہیں بلکہ اسے پوری حُسن کاری کے ساتھ کرتے رہتے ہیں۔

۷۹ (عموماً و عادۃً)

قرآن مجید کی اس قسم کی آیتوں میں اور ان کی تعداد دو ایک کی نہیں پچاسوں کی ہے یہ خوب یاد رکھا جائے کہ بیان واقعاتِ تکوینی کی صرف غالب اور عمومی حالت کا ہوتا ہے، حصر و کلیت کہیں بھی مقصود نہیں ہوتی ورنہ پھر معجزات یا خوارق کا تو سرے سے سدباب ہی ہو جائے ــــ خارق کے معنی ہی ایک عمومی دستور میں فرق ہو جانے کے ہیں۔

۸۰ یعنی یہ تکوینی داستان تمہارے سامنے اس لئے دہرائی گئی کہ تم اس شاہدۂ فطرت سے توحید الٰہی اور مُردوں کے زندہ اٹھا کرنے کی قدرت پر استدلال کر سکو ــــ اسباب نزولِ بارش کی تحقیق اور ان کے سارے مراتب کی تفصیل اگر کی جائے تو یہ تفسیر خود ایک سائنسی مقالہ بن جائے لیکن قرآن مجید کا مقصود کسی درجہ میں بھی مسائلِ طبیعات کی تعلیم نہیں، بلکہ اجمالی طور پر محض ایک روزمرہ کے شاہدۂ مرئی و واقعہ کی طرف توجہ دلا دینا، اور اس کی مماثلت سے بعث بعد الموت پر استدلال کرنا ہے۔

اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا۔ یعنی ہوا بادل کے اجزاء کو باہم ملائے رہتی اور انھیں فضا میں معلق رکھتی ہے۔

سُقْنٰهُ۔ فَاَنْزَلْنَا بِهٖ۔ دونوں میں ضمیر بادل کی طرف ہے، بعض نے بستی بھی مراد لی ہے۔

ای بالبلد او السحاب (بحر)

فَاَخْرَجْنَا بِهٖ۔ ضمیر پانی کی طرف ہے۔

یحتمل ان یرد الضمیر الی الماء وھو الظاھر (روح)

كُلِّ الثَّمَرٰتِ۔ کل سے مراد فرداً فرداً ہر پھل نہیں بلکہ صرف "طرح طرح کے پھل" یا "قسم قسم کے پھل" مراد ہیں۔

ای من کل انواعھا لان الاستغراق غیر مراد ولا واقع (روح)

وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ

اور جو (بستی) خراب ہے وہ پیداوار دیتی بھی ہے تو بہت کم، ہم اسی طرح دلائل پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں، ان لوگوں کے

یَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا

لیے جو شکر گزار ہیں ۵۸۱ بالیقین ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انھوں نے کہا اے میری قوم والو تم (صرف)

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۵۹﴾

اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، مجھے تمھارے لئے ایک بڑے (سخت) دن کے عذاب کا اندیشہ ہے ۵۸۲

لعلکم تذکرون۔ قرآن کتاب نہ تاریخ کی ہے نہ طبیعیات کی، نہ اور کسی علم وفن کی، اس کا مقصود تو ہر تذکرہ سے بھی تذکیر ہی ہوتی ہے۔

۵۸۱ یعنی یہ دلائل اور واقعاتِ فطرت کام انھیں لوگوں کے آسکتے ہیں، جو اس تکوینی نظام ربوبیت کی قدر کرتے اور اس کے شکر گزار رہتے ہیں۔

البلد الطیب۔۔۔۔نکدا۔ سعدی نے اسی مفہوم کو یوں ادا کیا ہے ؎

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست — در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

رحمتِ الٰہی کی بارش سب جگہ یکساں ہوتی رہتی ہے، خوش طینت اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، بدطینت پر وہ سارا لطف وکرم ضائع جاتا ہے۔

باذن ربه۔ یہ ٹکڑا بڑھا کر یاد دلا دیا کہ یہ جو کچھ بھی ہوتا ہے، آپ ہی آپ مشین کی طرح نہیں ہوتا رہتا، بلکہ کوئی اس نظام فطرت کا ناظم ومنتظم بھی ہے، سب کچھ اسی کی مشیت تکوینی سے ہوتا ہے۔ متکلمین نے بھی یہ استدلال کیا ہے کہ مومن خیر وطاعت کی قسم سے جو کچھ بھی کرتا ہے، سب توفیق الٰہی ہی سے انجام دیتا ہے۔

ذلك یدل علی ان کل ما یعمله المومن من خیر وطاعة لا یکون الا بتوفیق الله (کبیر)

البلد الطیب۔ مراد زمین کے زرخیز ہونے سے ہے۔

اشارة الی الارض الزکیة (راغب)

اور زمین کی زرخیزی قدرتی ہی ہوتی ہے، اور انسانی کوشش وحسن انتظام سے بھی پیدا کی جاسکتی ہے۔

والذی خبث۔ مراد زمین کے خراب اور بنجر ہونے سے ہے، اور زمین کی خرابی قدرتی بھی ہوسکتی ہے، اور غفلت وبدانتظامی کا نتیجہ بھی۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں دلیل ہے مسئلہ استعداد کی یعنی اس میں مثال آئی ہے ایسے شخص کی جس میں وعظ مؤثر ہوتا ہے، اور ایسے کی جس میں مؤثر نہیں ہوتا، شخص طیب الاستعداد اور شخص فاسد الاستعداد کی۔

۵۸۲ نوحًا۔ حضرت نوح علیہ السلام بن لامک قدیم ترین انبیاءؑ میں سے ہیں، زمانہ کی تعیین دشوار ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۞ قَالَ یٰقَوْمِ

ان کی قوم کے زوردار لوگ بولے ہم تو تم کو کھلی ہوئی گمراہی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں ۵۸۳ (نوحؑ نے) کہا اے میری

لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۞

قوم والو مجھ میں تو (کوئی) گمراہی نہیں بلکہ میں تو سارے جہانوں کے پروردگار کی طرف سے رسول ہوں ۵۸۴

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا

میں تمہیں اپنے پروردگار کے پیامات پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں

تَعْلَمُوْنَ ۞ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

جو تم نہیں جانتے ۵۸۵ کیا تم اس پر حیرت کرتے ہو کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے تم ہی

بعض اندازوں کے مطابق ان کا زمانہ ۲۹۴۸ ق، م تا ۱۹۵۸ ق، م سمجھئے۔
توریت کی کتاب پیدائش میں ان کا مفصل ذکر باب ۵ سے باب ۹ تک آتا ہے البتہ اس میں مناقب کے ساتھ ساتھ مثالب بھی موجود ہیں، جو ہر ایک نبی برحق کیا معنی کسی مومن صالح کی بھی زندگی سے بھی جوڑ نہیں۔
قومہ۔ یہ لوگ ملک عراق میں آباد تھے، اور دنیا کی ہر جاہلی گو بہ ظاہر مہذب قوم کی طرح شرک و بت پرستی میں مبتلا تھے، حضرت نوحؑ کا فاصلہ حضرت آدمؑ سے صرف چند پشتوں کا تھا (حسب روایت توریت کل نو پشتوں کا) اس پر بھی دنیا پر شرک و بت پرستی کی حکومت اچھی طرح مسلط ہو چکی تھی۔
عذاب یوم عظیم۔ سے مراد دونوں عذاب ہو سکتے ہیں، عذاب قیامت بھی اور دنیا کا عذاب طوفان بھی۔
ولاشك ان المراد منه اما عذاب يوم القيامة او عذاب يوم الطوفان (کبیر)
۵۸۳ (کہ آبائی دین سے باغی و منحرف ہو کر ایک نئے عقیدۂ توحید کی دعوت دے رہے ہو)
الملأ من قومہ۔ ہر صحیح اور سچی اصلاحی تحریک کی مخالفت میں سب سے پیش پیش قوم کے امراء اور اہل دولت ہی ہوتے ہیں، یہی تاریخ کا تجربہ ہے اور اسی کو قرآن مجید نے بھی ہر جگہ نمایاں کیا ہے۔
الملأ اشراف القوم ورؤساءهم (قرطبی)
یہ اہل ضلالت قائل تو کیا ہوتے الٹے اپنے ناصح و مصلح ہی پر ضلالت کی بوچھار کرنے لگے۔
۵۸۴ رسول۔ نظام شرک پر بڑی ضرب لگانے والا یہی لفظ "رسول" ہے، اسلام یہ بتاتا ہے کہ مصلح و ہادی بن کر جو دنیا کے سامنے آتا ہے وہ خود خدا، یا مظہر خدا، یا فرزند خدا نہیں ہوتا بلکہ ایک بندہ خدا کا بھیجا ہوا ہوتا ہے۔
رب العٰلمین۔ شرک کے پورے فلسفہ پر ضرب کاری لگانے والا لفظ یہی رب العٰلمین ہے، شرک نظام کائنات کو منتشر و متفرق صورت میں دیکھنے کا عادی ہوتا ہے وہ یہ تو سمجھ سکتا ہے کہ فلاں دیوی اور فلاں دیوتا فلاں فلاں شعبہ کے

عَلٰی رَجُلٍ مِّنۡکُمۡ لِیُنۡذِرَکُمۡ وَ لِتَتَّقُوۡا وَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۶۳﴾

میں سے ایک مرد کے ذریعہ سے نصیحت پہنچی ہے تاکہ وہ تمھیں ڈرائے اور تاکہ تم ڈرو عجب کیا جو تم پر رحم کیا جائے ۵۸۶

فَکَذَّبُوۡہُ فَاَنۡجَیۡنٰہُ وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗ فِی الۡفُلۡکِ وَ اَغۡرَقۡنَا الَّذِیۡنَ

پھر ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا تو ہم نے نوح کو بچا لیا اور ان لوگوں کو بھی جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے اور ہم نے ان لوگوں کو ڈبو دیا

مالک ہیں، لیکن یہ اس کی سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ کوئی مالک الملک سارے عالموں کا تاجدار اور پروردگار بھی ہے۔

۵۸۵ (چنانچہ میں جانتا ہوں کہ دعوت توحید سے انکار کا وبال تم پر ضرور پڑ کر رہے گا)

ابلغکم رسلت ربی۔ پیغمبر خدا کا مظہر یا اوتار نہیں ہوتا صرف مبلغ و داعی ہوتا ہے رسول من رب العلمین میں یہ بات ابھی پہلے بھی آچکی ہے اور اب دوبارہ مزید تصریح و تاکید کے لئے ہے مشرک قوموں کی سمجھ میں جس طرح توحید نہیں آتی اسی طرح رسالت کا تصور بھی ان کے ذہن کی گرفت سے باہر ہی رہتا ہے اور وہ ہمیشہ اوتار وغیرہ کے مشرکانہ تخیل کے پھیر میں پھنسے رہتے ہیں

انصح لکم شفقت و خیر خواہی تو گویا پیمبر کے خمیر ہی میں داخل ہوتی ہے وہ امت اجابت تو خیر امت دعوت کے ساتھ بھی جو کچھ معاملہ کرتا ہے اس کی بنیاد اخلاص و شفقت ہی پر ہوتی ہے جس میں خود غرضی کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔

النصح اخلاص النیة من شوائب الفساد فی المعاملة (قرطبی)

اعلم من اللہ۔ پیمبر کا یہ علم اس کا اپنا کسب کیا ہوا نہیں، اللہ ہی کی طرف سے عطا کیا ہوا ہوتا ہے۔

۵۸۶ (باوجود تمھارے انبار معاصی کے)

اَوَعَجِبۡتُمۡ ..... منکم مشرک، جاہلی قوموں کی الٹی سمجھ میں اوتار کا عقیدہ تو آجاتا ہے یعنی یہ کہ خالق کائنات خود کسی انسان یا کسی دوسری مخلوق کے قالب میں جلوہ گر ہو کر آگیا لیکن یہ کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کسی اعلیٰ ظرف و کمالات والے انسان کے ذریعہ سے اپنے احکام و ہدایات دنیا کو بھیج سکتا ہے۔

علی رجل منکم۔ منکم سے مراد من جنسکم ہے اور علی رجل سے مراد منزل علی رجل ہے۔

المعنی ان جاءکم ذکر من ربکم منزل علی رجل منکم (قرطبی)

علی رجل۔ رجل کا لفظ بھی خیال کر لیا جائے، بشر یا اس کا کوئی اور مرادف نہیں آیا ہے، جو مرد و عورت دونوں کے لئے عام ہو، بلکہ رجل آیا ہے جو مردوں کے لئے مخصوص ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اپنے ہمعصر اولیاء سے محض ان کی معاصرت کی بنا پر نفرت و حقارت کا برتاؤ جو چلا ہوا تھا آج تک چلا جا رہا ہے۔

لینذرکم ولتتقوا۔ ل دونوں میں تعلیلیہ ہے اور پورے فقرے میں سببیت کی ایک خاص ترتیب پائی جاتی ہے یعنی پیمبر کا آنا تو انذار کے لئے ہوتا ہے اور یہی انذار سبب ہو جاتا ہے تقویٰ کا اور تقویٰ سبب بن جاتا ہے جلب رحمت کا۔

لعلکم ترحمون۔ سارے سلسلۂ ہدایت کی غایت یہی ہوتی ہے کہ انسان میں مغفوریت و مرحومیت کی صلاحیت کامل پیدا ہو جائے۔

كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَ اِلٰى عَادٍ

جنھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا، بے شک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے ۵۸۷ اور عاد کی طرف ہم نے ان کے

اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ

بھائی ہود کو (بھیجا) ۵۸۸ انھوں نے کہا اے میری قوم والو اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے

۵۸۷ (اپنی فرط جہالت سے، اور انھیں حق و باطل، نفع و نقصان کچھ نہیں سوجھتا تھا)

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ۔ اس نجات کا تعلق عذاب طوفان سے ہے، یعنی نوحؑ اور ان کے متعلقین و متوسلین کو ہمہ گیر غرقابی سے صاف بچا لیا۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا۔ یہ الفاظ خود اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ طوفان صرف مکذبین و منکرین کے لئے بہ طور سزا کے آیا تھا، ساری دنیا سے اس کا تعلق نہ تھا، عراق کی سرزمین خصوصاً کوہ ارارات کی وادیوں میں اب تک ایک مہیب طوفان کے نشانات ماہرین اثریات کو ملتے رہتے ہیں۔

توریت میں اس طوفان کے سلسلہ میں تصریحات ذیل ملتی ہیں:۔

"اور نوحؑ چھ سو برس کا تھا جب طوفان کا پانی زمین پر آیا"۔ (پیدائش ۷: ۶)

"جب نوحؑ کی عمر چھ سو برس کی ہوئی، دوسرے مہینہ کی سترہویں تاریخ کو اسی دن بڑے سمندر کے سب سوتے پھوٹ نکلے اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں اور ۴۰ دن اور ۴۰ رات زمین پر پانی کی جھڑی لگی رہی"۔ (پیدائش ۷: ۱۱ و ۱۲)

فِي الْفُلْكِ۔ کشتی کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ یہ کوئی چھوٹی موٹی ڈونگیا ناؤ تھی، محققین اثریات کا خیال ہے کہ یہ خاصہ بڑا جہاز اوپر نیچے تین درجوں کا تھا، اور اس کی پیمائش توریت میں حسب ذیل دی ہوئی ہے "اس کی لمبائی ۳۰۰ ہاتھ اور اس کی چوڑائی ۵۰ ہاتھ اور اس کی اونچائی ۳۰ ہاتھ کی"۔ (پیدائش ۶: ۱۵)

ایک ہاتھ اگر کم از کم ۱½ فٹ کا ہی فرض کیا جائے، تو یہ جہاز ۴۵۰ فٹ لمبا، ۷۵ فٹ چوڑا، اور ۴۵ فٹ اونچا تھا اور اگر ایک ہاتھ ۲ فٹ کے مساوی سمجھا جائے تو جہاز اس سے بھی کہیں بڑا ٹھہرے گا، گویا اتنا بڑا مسافر بردار جہاز (LINER) جو برطانیہ و امریکہ کے درمیان عموماً چلتے رہتے ہیں۔ حسب روایت توریت یہ جہاز ۱۵۰ دن (یا پانچ مہینوں) تک چلتا رہا۔

۵۸۸ (بہ طور پیغمبر کے)

ہود۔ سامی نسل کے قدیم ترین پیمبروں میں سے ہوئے ہیں، عرب آپ سے خوب واقف تھے، جنوبی عرب میں آج بھی قبر نبی ہود کے نام سے ایک مقام مرجع خلائق و زیارت گاہ ہے، جس کا ذکر انگریز سیاح بھی برابر کرتے ہیں، بعض اہل علم کا خیال ہے کہ آپ ہی کا نام توریت (کتاب پیدائش) میں عبر کر کے آیا ہے۔

عاد ایک قدیم عرب قوم کا نام ہے، جو جنوبی عرب میں آباد تھی، اور اس کے حدود مشرق میں خلیج فارس کے شمال سے مغرب میں بحر قلزم کے جنوب تک وسیع تھے ـــــ گویا آج کے یمن، عمان وغیرہ سب اس میں شامل تھے، اور ان کا پایہ تخت یمنی شہر حضر موت تھا۔

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ

سو کیا تم ڈرتے نہیں؟ ۸۸ ان کی قوم میں جو زوردار لوگ کفر کر رہے تھے بولے ہم تو تم کو حماقت میں (مبتلا)

فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ

دیکھتے ہیں، اور ہم تو تم کو جھوٹوں میں خیال کرتے ہیں ۹۰ (ہودؑ نے) کہا اے میری قوم والو مجھ میں

بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ

تو (کوئی بھی) حماقت نہیں بلکہ میں تو رسول ہوں (سارے) جہانوں کے پروردگار کی طرف سے پہنچاتا ہوں تم کو

رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ

اپنے پروردگار کے بیانات اور میں تمہارا سچا خیرخواہ ہوں ۹۱ کیا تمہیں حیرت اس پر ہے کہ تمہارے

جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ

پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد کے واسطہ سے نصیحت آئی تاکہ وہ تمہیں ڈرائے

قوم کا نام اپنے مورث اعلیٰ کے نام پر ہے۔ اور ان کا مشہور نسب نامہ یہ ہے عاد بن عوص بن ارم بن سام
بن نوح، اپنے زمانہ کی متمدن ترین قوم تھی، اپنے لمبے لمبے سفروں کے لئے ضرب المثل۔
اخاھم۔ اَخ سے مقصود ہے اشتراکِ وطنیت یا اشتراکِ قومیت کا اظہار، یہ ایک عام سنّتِ الٰہی
رہی ہے کہ قوم کی ہدایت کے لئے پیمبر اسی کا ہم قوم و ہم وطن بھیجا جاتا۔
ای اخاھم فی القبیلۃ (قرطبی) ومعنی کونہ علیہ السلام اخاھم انہ منھم نسبًا وھو قول
الکثیر من النسابین (روح) والعرب تسمی صاحب القوم اخا القوم (کبیر)

۸۸ (شرک کے دنیوی واخروی وبال سے)
شرک کی تردید اور توحید کی دعوت بس یہی سارے انبیاءؑ کی تبلیغ کا لبّ لباب رہی ہے۔
تتقون۔ میں اشارہ ادھر بھی ہو سکتا ہے کہ قوم نوحؑ کے انجام عبرتناک سے بھی تم نہیں ڈرتے۔
اعبدوا.... غیرہ۔ یہ پیام توحید تو ہر نبی کی دعوت میں مشترک ملے گا۔

۹۰ داعیانِ حق کو جواب بھی ہر قوم کے "روشن خیالوں" کی طرف سے یکساں ہی ملا ہے۔
مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ عقلاء دین کو سفیہ کہنے کا طریقہ سفہاء قدیم سے آج تک چلا آ رہا ہے۔

۹۱ (جس کی بات کا ماننا عقلاً بھی تم پر واجب ہے)
رب العٰلمین۔ رسول۔ رسٰلٰت ربی۔ ناصح وغیرہ پر حاشیے ابھی اوپر گزر چکے ہیں۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي

اور وہ وقت یاد کرو جب تمہیں (اللہ نے) قوم نوحؑ کے بعد آباد کیا، اور ڈیل ڈول میں تمہیں پھیلاؤ بھی زیادہ دیا سو

الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۶۹ قَالُوْٓا

اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ (ہر طرح) فلاح پاؤ ۹۲ وہ بولے کیا تم ہمارے پاس اس لئے

اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا ۚ

آئے ہو کہ ہم اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں اور انہیں چھوڑ بیٹھیں جن کی عبادت ہمارے باپ (دادا)

فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۷۰ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ

کرتے آئے ہیں؟ سو اگر تم سچے ہو تو جس (عذاب) کی دھمکی دیتے ہو اسے لے آؤ ہمارے پاس ۹۳ (پیغمبر نے) کہا (تو اچھا)

مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ

اب تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے عذاب اور غضب آہی پڑا ۹۴ کیا تم مجھ سے بحثا بحثی ناموں کے بارے میں لگائے ہوئے ہو

۹۲ (کہ یہی فلاح دنیوی و اُخروی ہر پیمبر کی تبلیغ و دعوت کا اصل مقصود رہی ہے)

جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح۔ یعنی بعد قوم نوحؑ کے بہ حیثیت ایک زبردست و پُرقوت قوم کے تمھیں کو زمین پر آباد کیا۔ خلفاء سے مراد زمین پر نفس آبادی کی جانشینی مراد ہے یہ مراد نہیں کہ قوم نوحؑ کے وطن و ملک ہی میں آباد کیا ہو، چنانچہ قوم ہود، قوم نوح (عراق) سے بہت ہٹ کر جنوبی عرب میں آباد تھی۔

من علیھم بان جعلھم سکان الارض بعد قوم نوح (قرطبی)

وزادکم فی الخلق بصطۃ۔ قوم عاد کے لوگ جسمانی حیثیت سے بڑے قد آور و قوی ہیکل تھے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے معلوم ہوا کہ قوت و جسامت میں زیادتی بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، تو دنیوی نعمتوں کی تحقیر زہد میں داخل نہیں، جیسا کہ بعض اہل تقشف و تشدد کا مذاق ہے۔

فاذکروا الاء اللہ۔ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو، اور اس کے احسانات یاد کرکے اس کی شکر گزاری پر زیادہ راغب و مائل ہو۔

او…… لینذرکم۔ خدائے واحد کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کے لئے ایک انسان ہی کا آنا، منصب کے لئے ایک بالکل سیدھی اور موٹی سی بات ہے، لیکن اہل شرک کو سب سے زبردست ٹھوکر اسی میں لگی ہے، اتنی صاف حقیقت ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتی۔

۹۳ (ابھی اور فی الفور)

دور انبیاءؑ میں مشرکوں کو یہ مغالطہ بھی ہمیشہ ہی رہا ہے جب پیمبروں کا وعظ سنتے اور دلائل کے جواب میں کچھ بن نہ پڑتا، تو یہی کہنے لگتے کہ لے آؤ نہ اپنا عذاب، دیکھیں تو وہ کیسا ہے؟ ــ گویا پیمبروں کا وعدہ فی الفور عذاب کا تھا،

سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُكُمۡ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ‌ؕ فَانْتَظِرُوۡۤا

جو تم نے اور تمھارے باپ (دادوں) نے ٹھہرا رکھے ہیں، اللہ نے تو ان پر کوئی دلیل اتاری نہیں، سو تم بھی انتظار کرو اور میں بھی

اِنِّىۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِيۡنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ

تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ۹۵ پھر ہم نے اپنی رحمت سے بچا لیا (پیمبر ہود کو اور) ان لوگوں کو جو ان کے

مِّنَّا وَقَطَعۡنَا دَابِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا‌ وَمَا كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۷۲﴾

ساتھ تھے اور ان لوگوں کی جڑ ہی کاٹ دی جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان والے تھے ہی نہیں ۹۶

ع ۹

اور گویا عذاب الٰہی کا لانا پیمبروں کے اختیار کی چیز ہے؟

اجئتنا ... اباؤنا۔ اسے وہ بڑے استعجاب کے لہجہ میں اور ایک انتہائی عجیب و غریب بات سمجھ کر کہتے، مشرکوں کو اصلی چڑھ ہمیشہ توحید سے رہی ہے، انکار انھیں نفس وجود باری سے نہیں، وہ ملحد اور دہری نہیں ہوتے صرف مشرک ہوتے ہیں یعنی نام خدا کا جتنی بار چاہے لیجئے، مگر جب بھی لیجئے بطور خدائے واحد نہ لیجئے، دوسروں کے ساتھ ملا جلا کر لیجئے

ماکان یعبد اٰباؤنا۔ سلف پرستی اپنی مطلق صورت میں بڑی ڈرنے کی چیز ہے۔

۹۴ یعنی مستحق عقوبت تو تم اپنے قول و کردار سے ہو ہی چکے اب نزولِ عذاب جس وقت بھی ہو جائے۔

یمعنی وقع ای وجب (قرطبی) ای حق علیکم و وجب (کشاف)

۹۵ (عذاب آلٰہی کے)

اسماء سمیتموھا انتم واٰباؤکم یعنی تمھارے ان دیوتاؤں اور منھ بولے خداؤں کی حقیقت اور حیثیت اور ہے کیا بجز چند گھڑے ہوئے ناموں اور اصطلاحوں کے؟ معنویت اور حقیقت سے معرّی۔

بھا۔ یعنی ان کی معبودیت پر۔

ای فی عبادتھا (قرطبی)

مانزّل اللہ بھا من سلطٰن۔ یعنی کوئی شہادت، کوئی ثبوت تمھارے ان گھڑے ہوئے دیوی دیوتاؤں کے وجود کا نہ تو عقل سلیم کو اور فطرت بشری کو ملتا ہے، اور نہ کوئی قدیم آسمانی نوشتہ ہی اس کی تائید میں ہے، نہ دلیل عقلی نہ دلیل نقلی قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ حقیقت خوب واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں اثبات توحید کے بے شمار دلائل و شواہد ہیں، اثبات شرک پر ایک بھی دلیل قائم نہیں۔

۹۶ یعنی ایمان کا ان میں گزر ہی نہ تھا، ایمان اگر موجود ہوتا تو یہ نوبت ہی کیوں آتی۔

تنبیہ علی ان الفارق بین من نجا و بین من ھلک ھو الایمان (بیضاوی)

الذین معہ۔ معیت سے مراد رفاقتِ ایمانی ہے، یعنی جو لوگ ان پر ایمان لے آئے تھے۔

ای من اٰمن بہ (مدارک)

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

(اور ہم نے) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (کو بھیجا) ۹۷ (صالح نے) کہا اے میری قوم والو اللہ ہی کی عبادت کرو ۹۸ کوئی

اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً

سوا کوئی (اور) تمہارا خدا نہیں ہے ۹۹ اب تو تمہارے پاس ایک کھلا ہوا نشان بھی تمہارے پروردگار کے پاس سے پہنچا

فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۷۳

یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے حق میں ایک نشان، سو اسے چھوڑے رہو اللہ کی زمین پر کھاتی پھرے، اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں عذاب دردناک آپکڑے گا

عذابِ الٰہی کی ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ اس سے صرف نافرمان ہی ہلاک ہوتے ہیں، اور اہلِ ایمان اس سے محفوظ رہتے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہر نبی کے قصہ سے ظاہر ہوتا ہے، اور اسی سے ظاہر ہو گیا کہ موجودہ زمانہ کے ہولناک واقعات طبعی و تکوینی، قحط، زلزلہ، جنگ، سیلاب، وبا وغیرہ جس سے فاسق و زاہد، کافر و مومن بلا امتیاز یکساں ہلاک ہوتے رہے ہیں، یہ عذابِ الٰہی نہیں، زیادہ سے زیادہ عذابِ الٰہی کے نمونے کہے جا سکتے ہیں، یہ عذابِ الٰہی ایک طوفانی آندھی کی شکل میں آیا تھا

۹۷ قوم کے مورثِ اعلیٰ کا نام ثمود تھا، اور مشہور نسب نامہ یہ ہے۔

ثمود بن جثر بن ارم بن سام بن نوح، عاد جس طرح عرب جنوبی و مشرقی کے مالک تھے، ثمود اس کے مقابل عرب مغربی و شمالی پر قابض تھے، ان کے دار الحکومت کا نام حجر تھا، یہ شہر حجاز سے شام کو جانے والے قدیم راستہ پر واقع تھا، اب عموماً اس شہر کو مدائنِ صالح کہتے ہیں، یہ شمالی عرب کی ایک زبردست قوم تھی، فنِ تعمیر میں عاد کی طرح اس کو بھی کمال حاصل تھا، پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بنانا، پتھروں کی عمارتیں اور مقبرے تیار کرنا اس قوم کا خاص پیشہ تھا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ریاضیات، ہندسہ اور انجینئری کے فنون میں اس قوم کو کمال حاصل تھا، یہ یادگاریں کھنڈروں کی صورت میں اب تک باقی ہیں، ان پر ارامی اور ثمودی خط میں کتبے منقوش ہیں۔ (ارض القرآن)

لخاھم۔ یعنی قوم ثمود کے ہم وطن یا ہم قوم۔

صالح۔ توریت میں ان سے ملتا جلتا ایک نام سلح آتا ہے، اگر انھیں کو حضرت صالح فرض کیا جائے تو شجرۂ نسب یہ ٹھہرتا ہے صالح بن ارفخشد بن سام بن نوح، ایک نسب نامہ یوں بھی منقول ہے صالح بن عبید بن آصف بن ماشخ بن عبید بن جادر بن ثمود (خطبات احمدیہ از سید احمد خاں)

آپ کا مزارِ مبارک جزیرہ نمائے سینا کے مشرقی کنارہ پر آج بھی زیارت گاہ خلائق ہے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن

۹۸ وہی پیامِ توحید جو سارے انبیاءؑ کی دعوتوں کا خلاصہ اور سب میں مشترک رہا ہے۔ حضرت ہودؑ کی تبلیغ کے سلسلہ میں یہ فقرہ ابھی اوپر گزر چکا ہے۔

۹۹ قد جاءتکم بینۃ من ربکم۔ یعنی میری صداقت کا کھلا ہوا مادی نشان، وہ بھی تمہاری خواہش و فرمائش کے مطابق، مشرک و جاہلی قوم نے فرمائش کی تھی، کہ کوئی خارق عادت ہمیں دکھاؤ تو ہم تمھیں سچا سمجھیں، ایک خاص قسم کی اونٹنی کا ظہور اسی فرمائش کا نتیجہ تھا۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِي

اور (وہ وقت) یاد کرو جب (اللہ نے) تم کو آباد کیا (قوم) عاد کے بعد اور تمہیں زمین پر ٹھکانا دیا، تم اس

الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ

(زمین) کے نرم حصوں پر محل بناتے ہو، اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو سو اللہ کی

بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾

نعمتوں کو یاد کرو اور زمین پر فساد مت پھیلاتے پھرو ۔ ۱۰۲

ناقۃ۔ ناقہ کی اضافت یہاں اللہ کی جانب اسی طرح کی ہے جیسے بیت اللہ میں گھر کی اضافت اللہ کی جانب یعنی تشریف و تعظیم و تخصیص کے لئے۔

واضيفت الناقة الى الله على جهة اضافة الخلق الى الخالق وفيه معنى التشريف والتخصيص (قرطبی) اضيفت الى اسم الله تعظيما لها وتفخيما لشانها (کشاف)

اللہ نے قوم کی درخواستِ معجزہ قبول کر کے ایک اونٹنی کسی عجیب طریقہ سے پیدا کر دی تھی، اور پیمبر کے ذریعہ سے حکم یہ دے دیا تھا کہ کوئی اسے چھیڑے نہیں یہ اپنے آزاد گھومتی پھرے گی، اور جس وقت کوئی اسے نقصان پہنچائے گا بس وہی گھڑی عذاب الٰہی کی ہوگی۔

انگریز مترجم قرآن سیل نے فرنگی سیاحوں کے مشاہدات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جس پہاڑ سے وہ اونٹنی بطورِ خارقِ عادت برآمد ہوئی تھی، اس میں اب تک ایک شگاف ۶۰ فٹ کا موجود ہے اور جزیرہ نمائے سینا میں جبل موسیٰ کے قریب "ناقۃ النبی" کا نقشِ قدم آج بھی زیارت گاہِ خلائق ہے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

۱۰۲ جعلكم خلفآء من بعد عاد۔ یعنی قوم عاد جیسی متمدن، سرسبز، ترقی یافتہ قوم کے بعد تہذیب و تمدن کا مالک تمہیں بنایا، یہ مطلب نہیں کہ انہیں کا ملک تمہیں دیا ـــــ عاد و ثمود دونوں کے مرکز بالکل جداگانہ تھے، عاد کا مستقر جنوبی مشرقی عرب تھا، اور ثمود کا جولانگاہ ترقی شمالی و مغربی عرب۔

تتخذون ۔۔۔۔ بیوتا۔ عادیوں کی طرح ثمودی بھی بڑے صناع، سنگتراش اور اپنی تعمیرات کے لئے مشہور ہوئے ہیں، اور جب ان صنعتوں اور صناعیوں میں اتنے بڑھے ہوئے تھے، تو لازمی ہے کہ جن علوم و فنون پر یہ صنعتیں مبنی ہیں، یعنی ریاضی، ہندسہ، انجینیری، ان میں بھی نہایت ممتاز و بلند پایہ ہوں۔

فاذكروا الاء الله۔ اس جزء سے معلوم ہوا کہ دنیوی علوم و فنون میں کمال کا بھی شمار اللہ کی نعمتوں میں ہے اور انہیں مطلقاً حرام یا ناجائز سمجھ لینا بہت زیادتی ہے۔

بعض نے اس جزء سے یہ بھی نکالا ہے کہ کافر بھی محلِ نعمت ہوتے ہیں۔

وهذا يدل على ان الكفار منعم عليهم (قرطبی)

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا

ان کی قوم کے جو متکبر رُودار لوگ تھے وہ ان کمزور لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے

لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ

بولے، کیا تمھیں یقین ہے کہ صالح اپنے رب کے فرستادہ (پیمبر) ہیں؟

قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾

وہ بولے کہ ہم تو اس (پیام) پر ایمان ہی لے آئے ہیں جسے دے کر انھیں بھیجا گیا ہے [۱۱۰]

ولا تعثوا فی الارض مفسدین۔ تہذیب و تمدن کی پیدا کی ہوئی عیش پرستیوں میں پڑ کر خوفِ آخرت سے بے نیاز ہو جانا، قانونِ شریعت کے حدود کو توڑ کر اپنے کو فسق و فجور میں ڈال دینا، اللہ کی عظمت اور اپنی عبدیت کو فراموش کر جانا، یہ سب فساد فی الارض ہی میں داخل ہے۔ فقہاء کے ایک گروہ نے آیت سے نکالا ہے کہ بڑے بڑے محلوں کی تعمیرات بالکل جائز ہے۔

استدل بهذه الآية من اجاز جواز البناء الرفيع كالقصور ونحوها (قرطبی)

[۱۱۰] یہ لوگ بولے کہ صالح کو سچا نبی سمجھنا کیا معنی، ہم تو ان کے لائے ہوئے پیاموں کو بھی سچا اور برحق سمجھ رہے ہیں، ان کی پیمبری کا مسئلہ تو قابلِ بحث ہی نہیں، سوال صرف یہ ہے کہ ان کی تصدیق کون کون کرتا ہے سو ہم کو تو ان کی تصدیق کی توفیق ہو گئی ہے۔

كأنهم قالوا العلم بارساله وبما ارسل به مما لا كلام فيه ولا شبهة تدخله لوضوحه وانارته وانما الكلام فی وجوب الایمان به فنخبركم انا به مومنون (کشاف) تنبيها على ان ارساله اظهر من ان يشك فيه عاقل ويخفى على ذی رای وانما الكلام فی من آمن به ومن كفر (بیضاوی)

الذین استکبروا کے صیغہ کا معروف اور الذین استضعفوا کے صیغہ کا مجہول ہونا بہت معنی خیز ہے۔ رؤسا و منکرین تو متکبر و نخوت پرست تھے، قرآن مجید نے یہ صاف و بے تکلف کہہ دیا، مومنین صادقین بجائے خود ضعیف و حقیر تھے یا نہیں، یہ قرآن مجید کچھ نہیں بتاتا، وہ صرف یہ کہتا ہے کہ وہ لوگ ضعیف قرار دیئے گئے تھے حقیر سمجھ لئے گئے تھے —— اور تعبیر کے ان دو طرزوں کے درمیان کتنا فرق ہے؟ مستکبرین میں تو ذم خود اہلِ استکبار کی ہے، اور مستضعفین میں ذم حقیروں کی نہیں، انھیں حقیر سمجھنے والوں کی ہے۔

للذین استضعفوا ای للذین استضعفهم رؤساء الكفار واستذلوهم (کشاف) كونهم مستكبرين فعل استوجبوا به الذم وكون المومنين مستضعفين معناه ان غيرهم يستضعفهم ويستحقرهم وهذا ليس فعلا صادرا عنهم بل عن غيرهم فهو لا يكون صفة ذم فی حقهم بل الذم عائد الى الذين يستحقرونهم ويستضعفونهم (کبیر)

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ

وہ متکبر لوگ کہنے لگے ہم تو اس چیز کے منکر ہیں، جس پر تم ایمان لاچکے ہو ۱۰۲ غرض انھوں نے اونٹنی کو

وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ

(بھی) مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کی، اور کہنے لگے اے صالح اگر پیمبر ہو تو اس (عذاب) کو

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾

لے آؤ جس کی ہمیں دھمکی دیتے ہو ۱۰۳ پس انھیں زلزلے نے آپکڑا سو وہ اپنے گھر میں اوندھے پڑے رہ گئے ۱۰۴

ضمناً یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تکبر شعار ہے اہل کفر و فسق کا، اور مومنین کو حقیر و ضعیف سمجھنا بھی انھیں کا شیوہ ہے اور یہیں سے یہ اصل بھی ہاتھ آجاتی ہے کہ غنی سے فقر بہتر ہے۔

بین اللہ تعالیٰ ان کثرۃ المال والجاہ حملھم علی التمرد والاباء والانکار والکفر و قلۃ المال والجاہ حملھم علی الایمان والتصدیق والانقیاد و ذلک یدل علی ان الفقر خیر من الغنی (کبیر)

۱۰۲ قوم کے "خواص" اور "روشن خیالوں" کی ذہنیت کا کیسا صحیح نقشہ یہ مکالمہ پیش کررہا ہے۔

۱۰۳ گویا پیمبر کا کام فرمائشی عذاب کی فی الفور تعمیل کرنا ہے۔

فعقروا الناقۃ۔ عقر کے معنی کونچیں کاٹ ڈالنے کے ہیں، مراد اس سے اونٹ کو ہلاک کر ڈالنا ہے، فعل عقر کا اسناد قرآن مجید ساری قوم کی جانب کررہا ہے، حالانکہ اونٹنی کے مارنے میں ظاہر ہے کہ گنتی کے چند افراد شریک ہوں گے، لیکن یہ عمل ساری قوم کی رضامندی و اتفاق رائے سے ہوا، اس لئے اسے منسوب بھی قوم کی جانب کیا گیا۔

اسند العقر الی جمیعھم لانہ کان برضاھم وان لم یباشرہ الا بعضھم (قرطبی) نسب العقر الی الجمیع وان کان صادرا عن بعضھم لما کان عقرھا عن تمالئ واتفاق (بحر)

امر ربھم۔ یہ امر پروردگار کیا تھا؟ یہ حکم اعتقاد توحید و رسالت کا تھا۔

ای ما امر بہ علی لسان صالحؑ ...... او شان ربھم وھو دینہ (کشاف)

۱۰۴ قوم ثمود کی زلزلے سے ہلاکت تو زمانۂ قبل تاریخ کی ہے یعنی اس زمانہ میں ہوئی جس کی تاریخ اس وقت محفوظ نہیں، لیکن اٹلی کے مشہور اور گل و گلزار شہر پامپیائی کی زلزلے سے بربادی عہد تاریخ کی بات ہے، ۶۳ء تھا جب ایک زلزلے سے یہاں کے فسق پیشہ باشندے تباہ و ہلاک ہوکر رہ گئے اور جو کچھ بچ رہے تھے انھیں ۷۹ء میں ایک کوہ آتش فشاں کی آتش باری نے بھون ڈالا۔

دارھم میں دار بہ طور اسم جنس کے آیا ہے۔

قیل وحد علی طریق الجنس (قرطبی)

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّىْ وَنَصَحْتُ

تب (صالحؑ) ان سے منہ موڑ کر چلے اور بولے اے میری قوم والو! میں نے تو تمہیں اپنے پروردگار کا پیام پہنچا دیا تھا

لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ

اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی، لیکن تم تو خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے ۱۰۵ اور ہم نے لوطؑ (کو بھی بھیجا) جب کہ

اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾

انہوں نے اپنی قوم سے کہا ۱۰۶ کہ ارے! تم تو ایسا بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے اسے دنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا تھا ۱۰۷

دار کو بلد کے معنی میں لیا گیا ہے۔

اى بلدهم (قرطبی) يعنى فى بلدهم ولذلك وحد الدار كما يقال دار الحرب (کبیر)

۱۰۵ (بلکہ ناقدری کے ساتھ ان کی بات ٹھکراتے رہے، جبھی تو یہ دن دیکھنا نصیب ہوا)

ونصحت لکم۔ یعنی کس کس شفقت سے تمہیں سمجھایا بجھایا۔

وقال یٰقوم۔ ہلاک شدہ افرادِ امت سے یہ فرضی خطاب بے ساختہ اظہارِ قلق و حسرت کے لئے ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس خطاب سے سماعِ موتیٰ ثابت ہوتا ہے تاوقتیکہ کوئی دلیل قوی اس کے رد میں نہ ہو۔

۱۰۶ حضرت لوط بن حاران بن تارخ (آزر) حضرت ابراہیم خلیلؑ کے حقیقی بھتیجے تھے، توریت میں ان کا ذکر بڑی تفصیل سے ہے، ملاحظہ ہو کتاب پیدائش باب ۱۱ تا باب ۱۹۔ البتہ محرفینِ توریت نے اپنے حسبِ معمول بعض بہت ہی گندی حرکتیں بھی حضرت کی جانب منسوب کر دی ہیں۔ باب ۱۹۔

آپ نے جس ملک کو اپنا وطن بنا لیا تھا، وہ شرقِ اردن یعنی شام کا جنوبی علاقہ تھا، جو دریائے اردن کے ارد گرد ہے۔

لقومہ۔ عربی کا لفظ "قوم" یہاں اردو کے لفظ "اُمت" کے مفہوم میں ہے۔

عام قاعدہ اس سلسلۂ سیاق میں امت اور نبی کے درمیان "بھائی" کا رشتہ بیان کرنے کا ہے لیکن حضرت لوطؑ کی بعثت اپنی برادری یا وطن والوں کی جانب نہیں، بلکہ ایک دوسری قوم کی جانب ہوئی تھی، اس لئے وہ عام طرزِ بیان یہاں حذف کر دیا گیا ۔۔۔ قرآن سے زیادہ ان نازک تاریخی دقائق کی رعایت اور کون کر سکتا ہے؟

آپ جس قوم کی جانب بھیجے گئے تھے، یہ لوگ ملک شام کے جنوب میں دریائے اردن کی وادی میں آباد تھے، سدوم وعمورہ کا یہ علاقہ خوب سر سبز و شاداب تھا۔

"یردن کی ساری ترائی ۔۔۔۔ خداوند کے باغ اور مصر کے ملک کی مانند خوب سیراب تھی"۔ (پیدائش ۱۳: ۱۰)

۱۰۷ مراد اغلام جیسے گندے عمل سے ہے، اس کی طرف رغبت وکشش ہونا تو درکنار، تصور ہی سے ہر فطرتِ سلیم رکھنے والے کو ایک طبعی کراہت پیدا ہوتی ہے، جو جگہ تمام تر گندہ فضلہ کے لئے ہو اور جو عضو بجز اخراج فضلات کے اور کسی

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ

تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو اصل یہ ہے کہ تم ہی حد سے گزر رہے

مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ

ہوئے لوگ ہو ۱۰۸ ان کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا بجز اس کے کہ کہنے لگے (آپس میں) کہنے لگے انہیں

مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾

اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں ۱۰۹

ضرورت سے اندر کی جانب کھلتا بھی نہیں، اسے محلِ شہوت سمجھ لینا اور اسے لطف و نشاط کا آلہ بنا لینا اپنی حد درجہ غلاظت پسندی اور گھناؤنے پن کا ثبوت دینا ہے۔

ما سبقکم بھا من احد من العالمین۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ گو بعد کو (مثلاً یونانی تہذیب کی ترقی کے زمانہ میں) اس شیطانی حرکت کو بھی بڑی ترقی ہوئی، اور آج تو یہ یورپی و امریکی تہذیب کا جزء لاینفک ہے اور پورا زور کتابوں اور رسالوں کے ذریعہ سے لگایا جا رہا ہے کہ اسے بجائے غیر طبعی کے ایک طبعی تحریک قرار دیا جائے، لیکن قوم لوطؑ سے قبل اس کے وجود کا تاریخ سے بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

حضرت لوطؑ کے قول میں دہری دہری ملامت اپنی قوم پر آ گئی، یعنی ایک تو یہ کہ ایسی شدید بدکاری میں مبتلا ہو اور پھر یہ کہ اس کے موجد بھی تم ہی ہو، یہ بھی تو نہیں کہ کسی اور کو دیکھ کر تم نے سیکھا ہو۔

کانہ وبخھم اولاً باتیان الفاحشۃ ثم باختراعھا فانہ اسواء (بیضاوی)

من احد من العٰلمین۔ پہلا من زائد ہے، تاکید نفی واستغراق معنی کے لئے، اور دوسرا من تبعیض کے لئے ہے۔

من الاولی زائدۃ لتوکید النفی وافادتھا معنی الاستغراق والثانیۃ للتبعیض (کشاف) من لاستغراق الجنس (قرطبی)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ قوم لوطؑ کی بدکاری کے ساتھ اس کی عدم مسبوقیت کو لانا دلیل ہے اس پر کہ منکرات پر محض عمل سے کہیں بڑھا ہوا درجہ ایجادِ منکرات کا ہے، تو اسی پر بدعت کے درجۂ شناعت کا قیاس کر لیا جائے۔

۱۰۸ (چنانچہ ایک اسی عادت پر کیا موقوف ہے ہر معاملہ میں ایسے ہی حدود سے گزرنے والے)

ای انتم مسرفون فی کل الاعمال (کبیر)

توریت میں اس مقام پر ہے۔

"اور سدوم کے لوگ خداوند کی نظر میں نہایت بدکار اور گنہگار تھے"۔ (پیدائش ۱۳: ۱۳)

۱۰۹ (اور ہم کو گندہ بتاتے ہیں، تو ہم گندوں پاپیوں میں ان پاکوں پاکبازوں کا کیا کام، یہ نکلیں ہمارے شہر سے)

فَاَنۡجَیۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗۤ اِلَّا امۡرَاَتَهٗ ۖ كَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِیۡنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمۡطَرۡنَا

پھر ہم نے بچا لیا لوطؑ کو اور ان کے گھر والوں کو بجز ان کی بیوی کے، وہ پیچھے رہ جانے والوں میں رہ گئی ۱۲۰ اور ہم نے

عَلَیۡهِمۡ مَّطَرًا ؕ فَانۡظُرۡ كَیۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۸۴﴾ ع

ع ۱۲ / ۱۷

ان پر (ایک انوکھا) مینہ برسا دیا، سو تو دیکھ لے مجرموں کا کیسا انجام ہوا ۱۲۱

اخرجوھم۔ میں ضمیر جمع غائب اتباعِ حضرت لوطؑ کی جانب ہے۔

ای لوطا ومن آمن معه (مدارک)

یتطهرون۔ یعنی بڑی پاکبازی بگھارتے ہیں، بڑے اپنی پاکبازی کے مدعی ہیں — یہ سارا قول بطور طنز و تمسخر تھا۔

ای یدعون الطهارة (مدارک) ومقصود الاشقیاء بهذا الوصف السخریه بلوط ومن معه (روح)

۱۲۰ توریت کی روایت میں ہے کہ وہ نافرمان عورت نمک کا ستون بن گئی :-

"مگر اس کی جورو نے اس کے پیچھے سے پھر کر دیکھا اور وہ نمک کا کھمبا بن گئی"۔ (پیدائش ۱۹ : ۲۶)

انجینه۔ یعنی اپنے عذاب سے انھیں بچا دیا۔

اهله۔ اہل کی تخصیص خاندان والوں کے ساتھ نہیں، اس کے تحت میں نبی کے صرف معتقدین مومنین شامل ہیں، خواہ وہ کوئی بھی ہوں۔

ای انصاره واتباعه الذین قبلوا دینه (کبیر) ای من اختص به واتبعه من المومنین سواء کانوا من ذوی قرابته علیه السلام ام لا (روح)

اہل کے لفظی معنی بہت وسیع اور عام ہیں۔

اهل الرجل من یجمعه وایاهم نسب او دین او ما یجری مجراهما من صناعة وبیت وبلد (راغب)

امرأته۔ ان کی بیوی جو ایمان سے بھی خالی تھیں۔

کانت کافرة موالیة لاهل سدوم (مدارک)

اس سے معلوم ہوا کہ عذاب الٰہی کا سببِ مشترک علاوہ فسقِ عملی کے کفر اعتقادی بھی تھا، اس عورت کا نام تفسیروں میں لاہلہ نقل ہوا ہے۔

۱۲۱ خطاب یہاں عام مخاطبِ قرآنی سے ہے۔

وامطرنا علیهم مطرا۔ یعنی ان پر پتھراؤ کیا، یہ انوکھی بارش آگ اور پتھروں کی تھی، جیسے کسی آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے کے وقت ہوتی ہے۔

مطرًا۔ ایک انوکھی قسم کی بارش۔

ای نوعًا من المطر عجیبا (روح)

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور مدین کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی شعیبؑ کو (بھیجا) ۱۱۲ انھوں نے کہا اے میری قوم والو! اللہ ہی کی پرستش

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ

کرو بجز اس کے تمہارا کوئی معبود نہیں، اب تو تمہارے پاس کھلا نشان بھی تمہارے پروردگار کی طرف سے آچکا ۱۱۳

وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ

سو تم ناپ اور تول پوری کیا کرو، اور لوگوں کا نقصان ان کی چیزوں میں مت کیا کرو، اور ملک میں فساد نہ مچاؤ

بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

اس کی درستی کے بعد، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے، اگر تم ایمان والے ہو ۱۱۴

علاقہ سدوم کی تباہی کا زمانہ ماہرین فن کے تازہ ترین تخمینہ کے مطابق ۲۰۶۱ ق، م کا ہے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

ہماری تفسیروں میں آتا ہے کہ چار یا پانچ شہر تھے، جو اس طرح برباد کئے گئے ہیں، اور ان کی آبادی کا مجموعہ ۴ لاکھ تھا۔

۱۱۲ ان پیمبر شعیبؑ بن میکیل کا نام توریت میں کہیں تو تیرو آیا ہے (مثلاً خروج ۳: ۱ میں) اور کہیں حوباب (مثلاً گنتی ۱۰: ۲۹ میں) نسب نامہ ہماری تفسیروں میں یوں درج ہے شعیب بن میکیل بن یشجر بن مدین بن ابراہیمؑ۔

مدین۔ اس شہر کا محل وقوع بحر احمر کا ساحل عرب تھا، کوہ طور کے جنوب و مشرق میں، شمالاً و جنوباً عرض البلد ۲۹ درجہ ۲۹ دقیقہ اور ۲۷ درجہ ۳۹ دقیقہ کے درمیان۔

حضرت ابراہیم خلیلؑ کی ایک زوجۂ محترمہ بیوی قطورہ تھیں، ان کے بطن سے ایک صاحبزادہ مدین نامی تھے، شہر جب آباد ہوا تو قدیم دستور کے مطابق انھیں کے نام سے موسوم ہوا۔

۱۱۳ ممکن ہے کوئی خاص معجزہ مراد ہو جس کی صراحت قرآن مجید میں نہیں۔

ای معجزة وان لم تذکر فی القرآن (مدارک) ای معجزة مشاهدة بصحة نبوتی (کشاف) یجب ان یکون المراد من البینة ههنا المعجزة (کبیر)

اور ممکن ہے پیمبر کا نفس آنا ہی مراد ہو۔

وهو مجیٔ شعیبؑ بالرسالة (قرطبی)

۱۱۴ (اور میری تصدیق پر آمادہ ہو)

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ

اور سڑک پر مت بیٹھا کرو، اس طرح کر دھمکیاں دے رہے ہو، اور اللہ کی راہ سے ان لوگوں کو روک

اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ

رہے ہو جو اس پر ایمان لا چکے ہیں، اور اس (راہ) میں کجی تلاش کر رہے ہو ۱۱۵ اور وہ وقت یاد کرو جب تم

قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠

تھوڑے تھے اور پھر اللہ نے تمہیں بڑھا دیا۔

فاوفوا.... اشیاء ھم۔ اہل مدین ایک تجارت پیشہ قوم تھی، ان کا اصلی فسق معاملات تجارت میں بدمعاملگی اور بددیانتی تھی، اسی لئے پیمبر وقت بعد عام دعوت توحید کے سب سے پہلا سبق تجارتی اخلاق کی اصلاح کا دے رہا ہے۔

اوفوا الکیل۔ کیل سے مراد آلۂ کیل یعنی مکیال ہے، یا وہ چیز جو ناپی جائے۔

ارید بالکیل آلۃ الکیل وھو المکیال او سمی ما یکال بہ بالکیل (کشاف)

ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا۔ اصلاحی نظام یعنی شریعت خداوندی کو جزاءً و کلاً قبول کرنے سے انکار کرنا اور بندوں کے ادائے حقوق میں کمی کرتے رہنا، یہ سب صورتیں فساد فی الارض ہی کی ہیں۔

ولا تبخسوا کے اطلاق و عموم کے ماتحت خیانت و بددیانتی کی ہر صنف آگئی، چوری، ڈکیتی، رشوت، غصب وغیرہ۔

والمراد من البخس والتنقیص بجمیع الوجوہ ویدخل فیہ المنع من الغصب والسرقۃ واخذ الرشوۃ وقطع الطریق وانتزاع الاموال بطریق الحیل (کبیر)

ولا تبخسوا الناس اشیاء ھم۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ مدلول نص پر قیاس کر کے صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ جو اہل علم اپنے معاصر فضلاء کی تعظیم و توقیر کا حقِ واجب نہیں ادا کرتے وہ بھی اس آیت کی زد میں آجاتے ہیں۔

ذلکم خیر لکم۔ اشارہ ان پانچ چیزوں کی طرف ہے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، یعنی دو چیزیں عقائد میں سے ایک اقرار توحید، دوسرے اقرار رسالت، اور تین چیزیں اعمال میں سے، ایک شفقت علی خلق اللہ، دوسرے ترک بخس، تیسرے ترکِ افساد (کبیر)

فاوفوا.... اشیاء ھم۔ امانت، دیانت، غبن فاحش (یا آج کی اصطلاح میں نفع اندوزی) سے اجتناب وغیرہ تجارتی اخلاق کے سارے جزئیات اس مختصر سی بنیادی ہدایت کے اندر آگئے، اور جس قوم کا اس پر عمل ہو جائے، وہ دنیا کے سامنے ایک نظیر و نمونہ کا کام دے سکتی ہے۔

۱۱۵ (اعتراض و اعراض کی نیت سے)

توعدون۔ یہ لوگ ایمان والوں کو طرح طرح کی دھمکیاں دیتے رہتے تھے، جیسا کہ ہر سرکش بدراہ قوم کا قاعدہ ہے۔

وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَإِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ

اور دیکھ رکھو اہل فساد کا کیسا انجام ہوا ۱۱۶ اور اگر تم میں سے ایک گروہ

مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا

اس پر ایمان لا چکا ہے، جسے لے کر مجھے بھیجا گیا ہے اور ایک گروہ ایمان نہیں لایا ہے ۱۱۷ تو صبر کئے رہو یہاں تک کے

حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٨٧﴾

اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ۱۱۸

کانوا یوعدون العذاب من آمن (قرطبی)

من آمن بہ۔ ضمیر اللہ کی طرف ہے، اور شعیبؑ کی طرف بھی جائز ہے۔

یحتمل ان یعود الی اسم اللہ وان یعود الی شعیب (قرطبی) ای باللہ (مدارک)

قوم کے امراض خبیثہ ایک ایک کرکے بیان ہو رہے ہیں۔

امام قرطبی آیت کی تفسیر کے ذیل میں اپنے زمانہ کا حال تأسف وقلق کے ساتھ لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں بھی خلاف شرع، جبر ستانی اور ظلم وزیادتی کے طریقے جاری ہو گئے ہیں، اور اسلام بجز نام اور رسم کے اب باقی ہی کہاں رہ گیا ہے، لم یبق من الاسلام الا رسمہ ولا من الدین الا اسمہ۔

۱۱۶ یعنی ان مکذب و منکرِ حق قوموں کا انجام جو تم سے قبل ہو چکی ہیں، کس کس طرح تباہ و برباد ہو کر رہی ہیں، اور ان کے علوم و فنون، ان کی صنعتیں اور حرفتیں، ان کی دولت و تمول ان کی تہذیب و تمدن، ان کی ترقیاں کوئی چیز بھی انہیں ہلاکت سے نہ بچا سکی۔

واذکروا.... فکثرکم۔ کسی قوم کی کثرت آبادی کا ذکر موقع مدح و امتنان میں آنا خود اس کی دلیل ہے کہ کسی قوم کی کثرت تعداد بھی ایک نعمت ہے۔

۱۱۷ (اور دونوں فریقوں کی حالت بظاہر یکساں ہے، اس ظاہری یکسانی ہی نے تمھیں تردد میں ڈال رکھا ہے)

دو گروہوں کی ظاہری یکسانی بھی دھوکے اور مغالطہ کا ایک بڑا سبب ان لوگوں کے لئے ہو جاتی ہے، جو غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔

۱۱۸ (اور اس کا فیصلہ وقت مناسب پر عذاب ہی کے ذریعہ سے ہوگا)

فاصبروا۔ وعید و تہدید کے مفہوم میں ہے، یہ مراد نہیں کہ آپؑ انھیں کفر پر قائم رہنے کی اجازت دے رہے ہیں۔

لیس ھذا امرا بالمقام علی الکفر ولکنہ وعید وتھدید (قرطبی) فھو وعد للمومنین ووعید للکافرین (بیضاوی)

قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ لَـنُخۡرِجَنَّكَ

ان کی قوم کے متکبروں کے رودار لوگ بولے کہ اے شعیبؑ ہم تم کو اور جو لوگ تمہارے

يٰشُعَيۡبُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَكَ مِنۡ قَرۡيَتِنَاۤ اَوۡ لَـتَعُوۡدُنَّ فِىۡ

ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال کر رہیں گے ورنہ تم ہمارے مذہب میں پھر آجاؤ ۱۱۹

مِلَّتِنَا‌ ؕ قَالَ اَوَلَوۡ كُنَّا كٰرِهِيۡنَ ۞ۚ قَدِ افۡتَرَيۡنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

(شعیبؑ نے) کہا کہ اگر ہم (اس سے) بیزار ہی ہوں؟ ۱۲۰ ہم تو اللہ پر جھوٹ تہمت لگانے والے ہوئے

۱۱۹ گفتگو میں لاجواب ہو کر اب رؤساء قوم شعیبؑ ظالموں اور جابروں کے عام دستور کے مطابق جبر و تشدد پر اتر آئے ہیں اور پیمبر اور اُن کے رفیقوں کو جلاوطنی کی دھمکی دے رہے ہیں۔ پیمبروں سے ردّ و انکار کی تحریک عوام کی طرف سے نہیں بلکہ ہمیشہ رؤساء قوم کی طرف سے شروع ہوتی ہے۔ پیمبروں کی تعلیم کی زد اصلاً اور براہ راست انھیں پر پڑتی ہے۔ اپنے کو بڑا نہ بناؤ، اپنے کو اللہ کے دوسرے بندوں کے برابر بنا کر رکھو، اپنی نفس پرستیوں پر پابندیاں عائد کرو، بھوک، نیند وغیرہ کی ضروری آزمائشوں سے ہو کر گزرو، ہر قسم کے دینی اور رُوحانی مطالبے سب سے زیادہ طبقۂ اُمراء ہی کو شاق گزرتے ہیں۔ عوام صرف اُن کا ساتھ دینے لگتے ہیں، بعض طوعاً اور رغبت سے اور بعض کرہاً اور جبر و دباؤ سے۔ یہی راز ہے کہ قرآن ہر جگہ قال الملأ الذین استکبروا سے ان معاندین کا تعارف کراتا ہے۔

لتعودنّ فی ملّتنا۔ عاد کے ایک معنی توصار کے ہیں۔

قال غیر واحد ان تعود بمعنی تصیر کما اثبته بعض النحاۃ واللّغویین (روح) ای لتصیرن الی ملتنا وقال الزجاج یجوز ان یکون العود بمعنی الابتداء (قرطبی)

یہ معنی لے کر فقرہ کا مطلب صرف اس قدر ہوا کہ تم ہمارے مذہب میں آجاؤ یا ہمارے دین میں شامل ہو جاؤ اور اس پر کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا، لیکن عود کے معنی لوٹ آنے، پلٹ آنے کے ہیں۔

العود الرجوع الی الشیٔ بعد الانصراف عنہ (راغب)

اس پر یہ فقیہانہ اشکال پیش کیا گیا ہے کہ حضرت شعیبؑ بہ حیثیت نبی ہونے کے ہمیشہ ہی سے مومن تھے، پھر ان سے ملت کفر کی طرف واپس آنے کی فرمائش کے کیا معنی؟

لیکن یہ کوئی دقیق اشکال نہیں، پیمبر یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ بعثت سے قبل اپنے ہاں کے موروثی مذہب کی مخالفت نہیں کرتا اور اس لئے وہ قدرتاً اسی میں سمجھا ہی جاتا ہے، یہ تو جب جا کر اس کا شعور بیدار ہوتا جاتا ہے وہ گرد و پیش کی خرابیوں پر توجہ کرتا جاتا ہے، یہاں تک کہ منصب نبوت پر آجانے کے بعد علانیہ مخالفت اپنے آبائی مذہب کی کرنے لگتا ہے۔

بعض اکابر تفسیر نے بھی شعیبؑ کے قبل بعثت کے مذہب کی تعبیر سکوت سے کی۔

یراد بعود شعیبؑ فی الملۃ حال سکوتہ عنہم قبل ان یبعث (بحر)

اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِکُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا یَکُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ

اگر ہم تمہارے مذہب میں آجائیں بعد اس کے کہ اللہ ہم کو اس سے بچا چکا ۱۲۱ اور ہم سے تو ممکن نہیں کہ ہم اس میں پھر

فِیْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَکَّلْنَا ؕ

آئیں سوائے اس کے کہ ہمارے پروردگار اللہ ہی کی یہ مشیت ہو ۱۲۲ ہمارا پروردگار ہر شے کو اپنے علم سے گھیرے ہوئے ہے اللہ (ہی) پر ہم نے بھروسہ کر لیا ہے ۱۲۳

لنخرجنك من قريتنا. جلاوطنی کی سزا پرانی قوموں میں عام تھی، اور بجائے خود بڑی سخت سزا تھی، جس کا تصور بھی آج انٹرنیشنل ریاستوں کی آسانیوں کے اندر نہیں کیا جا سکتا۔

فی ملتنا. فرمائش دین آبائی کے بجائے ملت آبائی میں واپس آجانے کی ہو رہی ہے، یعنی زور الہیاتی عقیدوں پر اتنا نہیں جتنا جاہلی معاشرت و اخلاق و آداب پر ہے۔

۱۲۰ یعنی جب ہم بربنائے دلیل اور علیٰ وجہ البصیرۃ مذہب جاہلی کو غلط و باطل سمجھ کر ترک کر چکے، اور اس سے ہمارا ذوق و وجدان اور ہمارا عقیدہ سب بیزار ہیں، تو اب اسے ہم اختیار کر ہی کیسے سکتے ہیں؟

۱۲۱ حضرت شعیبؑ فرماتے ہیں کہ اللہ نے تو ہم پر مذہب جاہلی کی حماقتیں اور قباحتیں واضح کر دیں، اور ہم پھر اس کو اختیار کر لیں تو اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ تنزیہ و توحید باری سے متعلق ہم قصداً افتراء و اختراع کرتے رہے۔

عدنا. یہ لفظ حضرت نے انھیں لوگوں کا کہا ہوا دہرایا ہے، عود پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا ہے۔

۱۲۲ (کسی مصلحتِ تکوینی کے اعتبار سے)

عارف ہمیشہ تقدیر الٰہی کے سامنے لرزاں و ترساں رہتا ہے، پہلے تو اپنا ارادہ مضبوطی کے ساتھ ظاہر کر دیا کہ ہم ہرگز کفر نہیں اختیار کرنے کے لیکن یہ ایک صورت دعوے اور اثبات خودی کی تھی، اس لئے معاً یہ جز و بھی اضافہ کر دیا، عام مومنین کے لئے تو اس کا دھڑکا اور احتمال ہر وقت لگا ہی ہوا ہے باقی خود پیمبر کا اپنے لئے یہ کہنا اظہار عبدیت کے لئے ہے جو کمالات نبوت کے لوازم میں سے ہے، اور اکابر انبیاءؑ سے ایسے ہی کلمات برابر منقول ہیں۔

قال الواحدی لم تزل الانبیاء والاکابر یخافون العاقبة وانقلاب الامر الاتری الیٰ قول الخلیل واجنبنی وبنیؑ ان نعبد الاصنام وکثیراً ما کان محمد صلعم یقول یا مقلب القلوب والابصار ثبت قلوبنا علیٰ دینك وطاعتك وقال یوسف توفنی مسلماً (کبیر) قال الزجاج ای الا بمشیة الله عزوجل قال وهکذا قول اهل السنة (قرطبی)

ان .... ربنا اس سے اہلِ سنت کو اپنے اس مسئلہ کی بھی دلیل ہاتھ آگئی کہ کفر بھی اللہ کی مشیّت تکوینی تقدیری کے ماتحت ہوتا ہے

انها دلیل علیٰ ان الکفر بمشیة الله (بیضاوی)

۱۲۳ (اور وہ ہم کو دین حق سے کسی منزل میں بھی متزلزل نہ ہونے دے گا)

علی الله توکلنا فقرہ کی ترکیب حصر کے معنی دیتی ہے، یعنی بھروسہ صرف اللہ پر ہے، نہ کسی اور پر، نہ کیہ اسباب پر نہیں، مسبب الاسباب پر ہے۔

فهذا یفید الحصر ای علیه توکلنا لا علیٰ غیره وکانه فی هذا المقام عزل الاسباب وارتقیٰ عنها الیٰ مسبب الاسباب (کبیر)

رَبَّنَا افۡتَحۡ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَ قَوۡمِنَا بِالۡحَقِّ وَاَنۡتَ خَيۡرُ الۡفٰتِحِيۡنَ ﴿٨٩﴾ وَقَالَ

اے ہمارے پروردگار تو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو ہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ١٢٤ اور شعیبؑ کی

الۡمَلَاُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعۡتُمۡ شُعَيۡبًا اِنَّكُمۡ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ ﴿٩٠﴾

قوم میں کافروں میں جو سردار لوگ تھے وہ کہنے لگے کہ اگر تم شعیبؑ کی پیروی کرنے لگے تو چوپٹ ہی ہو جاؤ گے ١٢٥

فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ ﴿٩١﴾ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا

پھر انہیں زلزلہ نے آ پکڑا سو وہ اپنے اپنے گھر میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے ١٢٦ جن لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا

شُعَيۡبًا كَاَنۡ لَّمۡ يَغۡنَوۡا فِيۡهَا ۚ اَلَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا شُعَيۡبًا كَانُوۡا هُمُ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿٩٢﴾

تھا وہ ایسے مٹے کہ گویا ان (گھروں) میں کبھی بسے ہی نہ تھے، جن لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا تھا، گھاٹے میں وہی رہے ١٢٧

١٢٤ یہ دعا ہے اس کی کہ اب آپ عملی و مشاہد طور پر حق کا حق ہونا ظاہر کر دیجئے۔

والمراد منه ان ينزل عليهم عذابا يدل على كونهم مبطلين وعلى كون شعيب وقومه محقين (کبیر)

١٢٥ (دنیوی، مادی، معاشی، مالی اعتبار سے)

قوم شعیبؑ ایک تجارت پیشہ جاہلی قوم تھی، اور ایسی قوموں کو دھڑکا اسی کا لگا رہتا ہے کہ اگر ہم نے تقوے اور مقتضیات دیانت پر پورا عمل شروع کر دیا اور ربا وغیرہ ہر ناجائز آمدنی سے بچنے لگے تو ہماری معاشی و مالی زندگی تو بالکل ہی برباد ہو جائے گی۔ حضرت شعیبؑ کی تبلیغ میں خاص زور مالی احتیاط اور معاشی تقوے پر تھا، جاہلی قومیں اس احتیاط و تقوے کو اپنی مالی بربادی و تباہ حالی کا پیش خیمہ سمجھتی رہی ہیں، چنانچہ آج بھی "ترقی یافتہ" قومیں پس ماندہ قوموں سے کہتی ہیں کہ اگر ہم تمہارا سیدھا سادہ، قدیمی طرز تمدن اختیار کر لیں تو ساری ہی تجارتی کاروباری ترقیوں کا ناس ہو جائے گا۔

اِنَّكُمۡ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ جملہ کی ترکیب خاص زور دینے کے لئے ہے جیسے اردو میں کہیں کہ "بس تم بالکل ہی چوپٹ ہو کر رہے"

١٢٦ (اور مدین کی بستی تباہ اور آبادی ہلاک ہو کر رہ گئی)

قدیم قوموں کے طریقہ کے مطابق یہ قوم شعیبؑ بھی شدید مادی تباہی کی نذر ہو گئی۔ توریت میں بھی ذکر اہل مدین کی بیہودگی اور پھر اسرائیلیوں کے ہاتھوں ان کے قتل و ہلاک ہونے کا مفصل آیا ہے (گنتی باب ٢٥ و باب ٣١) لیکن قرآن مجید یہ حال اس زمانہ سے قبل کا بیان کر رہا ہے۔

دارهم مرادف مسكنهم کے ہے یا ان کے فلاں شہر کے۔

فى دارهم اى فى مسكنهم (کبیر) اى مدينتهم (بیضاوی)

١٢٧ منکرین و متکبرین دعوے کے ساتھ پیشگوئی مومنین کے نقصان اٹھانے کی کر رہے تھے، واقعۃً و عملاً خود ہی سب سے زیادہ نقصان میں رہے، اور دنیا نے اس کا مشاہدہ کر لیا۔

فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ

اُس وقت وہ اُن سے منھ موڑ کر چلے اور بولے اے میری قوم والو! میں نے تو تمہیں اپنے پروردگار کے پیام پہونچا دیے تھے اور تمہاری

فَكَیْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿۹۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ

خیر خواہی کی تھی تو اب میں کیونکر غم کروں کافر لوگوں پر؟ ۱۲۸ اور ہم نے جس کسی بستی میں بھی کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اس کے

نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾

باشندوں کو ہم نے تنگ دستی اور بیماری میں مبتلا کیا تاکہ وہ ڈھیلے پڑیں ۱۲۹

یہی حال آخر کار، اور ایک مدت کے مقابلہ کے بعد، ہر سرکش و خدا فراموش قوم کا ہوتا رہا ہے۔

فیہا میں ضمیر دارھم کی طرف ہے (روح)

لم یغنوا فیہا۔ غنی فی مکان کے معنی محاورہ میں یہ آتے ہیں کہ کوئی شخص فلاں مکان میں اپنے دوسرے مکانات سے بے نیاز ہو گیا۔ اس سے ایک مجازی معنی بسنے اور آباد ہونے کے بھی پیدا ہو گئے، اور وہی یہاں مُراد ہیں۔

ای لم یقیموا فیہا یقال غنیا بمکان کذا ای اقمنا فیہ (ابن قتیبہ)

آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہلاکت دنیا میں صرف ظاہری و مادّی ہی اسباب سے نہیں آتی بلکہ نافرمانی بھی اس کا سبب خفی بن جاتی ہے جب کہ ٹکراؤ پیمبر وقت سے ہو جائے۔

الذین کذبوا کی تکرار اور کانوا ھم الخسرین کی ترکیب واقعہ کی اظہار اہمیت اور ڈانٹ کی سختی کے لئے ہیں۔

وللتنبیہ علٰی ھٰذا والمبالغۃ فیہ کرّر الموصول (بیضاوی) العرب تکرر مثل ھٰذا فی التعظیم والتفخیم (کبیر) وفیہ معنی الاختصاص ای ھم المخصوصون بالخسران العظیم دون اتباعہم (کشاف)

وھو مبالغۃ فی الذم والتوبیخ واعادۃ لتعظیم الامر وتفخیمہ (قرطبی)

۱۲۸ تم پر یہ مصیبت تو اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہے اور میرے ہر طرح سمجھانے کے بعد سے تم اپنے اوپر لائے ہو، سو اب تم میری ہمدردی کے مستحق ہی کب باقی رہے۔

فتولّٰی عنھم وقال۔ یہ ذکر اُس وقت کا ہے جب قوم مبتلائے عذاب ہو چکی تھی۔

ابلغتکم رسٰلٰت ربّی۔ یعنی میں پیام رسانی کا حق ادا کر چکا۔

نصحت لکم۔ یعنی فرط شفقت سے تمہیں ہر طرح سمجھا بجھا کر دیکھ چکا۔ پیمبر اپنی اُمّت کے حق میں مجسمہ شفقت ہوتا ہے۔

علٰی قوم کٰفرین۔ بجائے علیھم کے قوم کٰفرین کی تصریح نے اسے صاف کر دیا کہ تاسّف و ہمدردی کے فقدان کا تحقق کفر اختیاری ہی کی بنا پر تھا۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مبغوضین مستحق ترحّم نہیں ہوتے۔

۱۲۹ (اور استکبار، قساوت و خود بینی چھوڑ کر عاجزی، ملائمت و فروتنی اختیار کر لیں)

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّ قَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا

اس کے بعد ہم نے بدحالی کی جگہ خوش حالی پھیلا دی چنانچہ انہیں خوب ترقی ہوئی اور وہ کہنے لگے کہ تنگی اور

الضَّرَّآءُ وَ السَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾

راحت تو ہمارے باپ دادوں کو بھی پیش آتی رہی تھی اس پر ہم نے اُن کو یک بیک پکڑ لیا اور وہ (اس کا) گمان (بھی) نہیں رکھتے تھے ۱۳۰

بلاؤں کا نزول اصلاً اسی لئے ہوتا ہے کہ لوگ اپنی گمراہیوں پر متنبہ اور اُن سے تائب ہو کر خدا پرستی کی راہ اختیار کرلیں۔

الباساء والضراء۔ باساء کے معنی تنگدستی اور ضراء کے معنی بیماری لئے گئے ہیں اور عبداللہ بن مسعودؓ صحابی سے منقول ہیں۔

بالباساء ای بالبؤس والفقر والضراء بالضر والمرض، وبذلك فسرهما ابن مسعود (روح)

التضرع هو الخضوع والانقياد لله تعالى (كبير)

آیت نے واضح کر دیا کہ قوموں کا یہ ابتلاء خواہ معاشی ہو یا جسمانی یعنی خواہ وہ افلاس و گرانی کے رنگ میں ہو یا وبائی بیماریوں کے، تنبیہ ہی کی غرض سے ہوتا ہے۔

وما ارسلنا فی قریۃ من نبی۔ اس تفصیل کے اضافہ سے یہ اشارہ ہو گیا کہ ایسی سخت اخذ اور پکڑ کے لئے ضروری ہے کہ مقابلہ براہ راست پیمبر وقت سے ہو چکا ہے۔

۱۳۰ یعنی اس قدر غفلت، اور بدہوشی میں پڑے ہوئے تھے۔

حتی عفوا۔ یعنی خوب بڑھے، خوب پھلے، خوب پھولے، دولت، صحت، کثرت آبادی، ہر طرح انہیں ترقی ہی ترقی ہوئی۔

كثروا ونموا في انفسهم واموالهم (كشاف) عن ابن زيد كثرت اموالهم واولادهم وعفا من الاضداد (قرطبی)

قالوا.... السراء۔ یعنی یہ رنج و راحت اور ادل بدل کر واقعات خارجی و تکوینی تو ہمیشہ سب کو پیش آتے ہی رہتے ہیں، اُتار چڑھاؤ، مدوجزر، ترقی و تنزل، بس محض مادی ظاہری اسباب کے تابع و ماتحت ہوتے رہتے ہیں، انہیں عقائد کی صحت و گمراہی اور حق و باطل کی بحث سے کوئی تعلق نہیں۔

ای وما ذلك الا من عادة الدهر يعاقب فی الناس بين الضراء والسراء وبين اولهما بينهم (روح)

یہ مادیت میں مبتلا اور ظاہر پرست قومیں چونکہ سرے سے حکومت الٰہی ہی کی منکر ہوتی ہیں، اسی لئے کسی حال میں بھی طاعت و عبودیت کے قریب نہیں آتیں، نہ نعمت پر شکر کرنا جانتی ہیں اور نہ تنگی سے کوئی سبق و عبرت حاصل کرتی ہیں۔

فاخذنهم بغتة۔ یعنی اس پر ہم نے انہیں کسی نہ کسی عذاب شدید میں دفعۃً پکڑ لیا۔ اس پر ف ترجیب کی مفہومی دلالت کا کیا گیا ہے۔ بعض محققین نے لکھا ہے کہ حضرات انبیاءؑ کے معاندین کو دنیا میں بھی سزا ضروری ہے تاکہ حجت الٰہی ظاہر ہو جائے اور امر نبوت مخفی نہ رہے۔ ایسی علانیہ نصرت و اعانت اولیاء و صالحین کے لئے بھی ہوتی ہے مگر لازمی نہیں۔

الضراء والسراء۔ محققین نے لکھا ہے کہ جس نعمت کے بعد شکر اور مصیبت کے بعد صبر و رجوع حاصل ہو وہ حالت محمود ہے اور جس نعمت کے بعد غفلت و غرور اور مصیبت کے بعد شکایت یا انکار ظاہر ہو وہ حالت سرتاسر مذموم ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ

اور اگر بستیوں والے ایمان لے آئے ہوتے اور پرہیزگاری اختیار کی ہوتی تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے

السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

لیکن انھوں نے تو جھٹلایا، سو ہم نے اُن کے کرتوتوں کے پاداش میں اُن کو پکڑ لیا ۱۳۱ لے

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾

تو کیا بستی والے اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب شب کے وقت آپڑے اس حال میں کہ وہ سوتے ہوں! ۱۳۲ لے

۱۳۱ لے (اور ہلاک کر دیا)

اخذ کے معنی ہی اس سیاق میں کسی شدید سزا کے ہوتے ہیں۔

اھل القری سے آبادیاں مراد ہیں، جن کی طرف پیمبر بھیجے گئے تھے، اور جو اُن کی تکذیب کے پاداش میں ہلاک کر دی گئیں۔

واتقوا کے معنی شرک سے بچنے کے بھی لئے گئے ہیں اور دوسرے ممنوعاتِ شرعیہ سے بھی بچنے کے۔

واتقوا۔ ای الشرك (قرطبی) ای ماحرم اللہ تعالیٰ علیهم (روح)

لوان..... الارض۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مومنین متقین کے لئے غیب سے کارسازیاں ہوتی رہتی ہیں، اور برکاتِ سماوی و ارضی سے مراد بھی وہ کل چیزیں ہیں، جو انجام کار کے لحاظ سے مبارک و مفید ہوتی ہیں۔

قیل المراد بالبرکات السماویة والارضیة الاشیاء التی تحمد عواقبها ویسعد فی الدارین صاحبها...... ولا یفتح ذلك الا للمؤمن (روح)

لفتحنا.... الارض ہر طرح کی برکتیں ان پر نازل کرتے اور بلاؤں سے مصیبتوں سے انھیں محفوظ رکھتے آسمان و زمین کی برکتوں سے مراد ہر قسم کی برکات ہیں، اور "فتح برکات" سے مراد ہر امر میں آسانیاں پیدا کر دینا ہے۔

منهما یحصل جمیع المنافع والخیرات (کبیر) ای لاتیناهم بالخیر من کل وجه (کشاف) ومعنی فتح البرکات علیهم تیسیرها علیهم کما یتیسر امر الابواب المستغلقة بفتحها (کشاف) ای یسرنا علیهم الخیر من کل جانب (روح)

ولکن کذبوا یعنی اتنے واقعاتِ عبرت کے باوجود بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے اور آیاتِ الٰہی کی تکذیب میں لگے رہے۔

فاخذنهم بما کانوا یکسبون۔ ایک اور قرآنی وضاحت اس حقیقت کی کہ قوموں پر عذاب ان کے کفرِ اختیاری ہی کی بنا پر آتا ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ دنیوی نعمتوں میں طاعت کو اور دنیوی مصیبتوں میں معصیت کو بھی دخل ہوتا ہے خواہ وہ نعمت یا مصیبت حسی ہو یا معنوی۔

۱۳۲ لے یعنی خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے ہوں۔

نائمون۔ نوم سے یہاں مراد غفلت بھی لی گئی ہے۔

اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا

یا کیا بستی والے اس سے بے خوف ہوگئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آپڑے اس حال میں کہ وہ کھیل میں لگے ہوں ۱۳۳ کیا (یہ لوگ) اللہ

مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ

کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہوگئے ہیں سو اللہ کی خفیہ تدبیر سے کوئی بھی بے خوف نہیں ہوتا بجز ان لوگوں کے جو گھاٹے میں آچکے ہیں ۱۳۴ کیا ان لوگوں پر

يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ

جو ملک کے وارث ہیں بعد اس کے (سابق) باشندوں کے یہ بات واضح نہیں ہوئی ہے کہ اگر ہم چاہتے تو انہیں بھی مصیبت میں مبتلا کردیتے ان کے گناہوں کے عوض میں ۱۳۵

ای غافلون عن ذلک (ابن عباسؓ)

اہل القریٰ. مراد رسول اللہ صلعم کے معاصرین، منکرین اہل مکہ ہیں۔

ای اہل مکۃ (ابن عباسؓ) والمراد بالقریٰ مکۃ وما حولہا (قرطبی) قیل المراد بہم اہل مکۃ وما حوالیہا وہو الاولیٰ عندی والیٰ ذلک ذہب محی السنۃ۔ (روح)

۱۳۳ یعنی خدا اور آخرت کو بھولے، دنیا کی غفلتوں اور بدمستیوں میں پڑے ہوں۔

اہل القریٰ. مراد یہاں بھی وہی مکہ والے ہیں، جیسا کہ ابھی پچھلی آیت کے تحت میں گزر چکا ہے۔

ان یأتیہم بأسنا. یعنی ان پر ہمارا عذاب آپڑے، جیسا کہ منکرین سابقین پر آچکا ہے۔

۱۳۴ (اور گھاٹے میں آنے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جو اپنے کو اللہ کی رضا اور ناخوشی دونوں سے بے نیاز کرچکے ہیں)

مکر اللہ سے مراد عذاب الٰہی ہے جس کی گرفت مجرموں پر عموماً بالکل اچانک ہوتی ہے اور قرآن مجید کی ایک اصطلاح ہے مکر. بمعنی فریب یوں بھی عربی کے مکر سے مختلف ہے اور قرآنی مکر اللہ اس سے بالکل ہی غیر متعلق ہے۔

ای عذابہ وجزاءہ علی مکرہم (قرطبی) ان اخذہ العبد من حیث لا یشعر (مدارک)

اور مکر اللہ کی تعبیر دنیا میں ڈھیل مل جانے سے کی گئی ہے۔

مکر اللہ امہال العبد وتمکینہ من اعراض الدنیا (راغب)

الخٰسرون. خٰسرون کو کافروں کے معنی میں لیا گیا ہے آیت سے حنفیہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ عذاب الٰہی کی طرف سے قطعاً بے خوف ہوجانا کفر ہے اور شافعیہ کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ ہے۔

واستدلت الحنفیۃ علی ان الامن من مکر اللہ اتکالاً علی عفو اللہ تعالیٰ کفر وذہب الشافعیۃ الی انہ من الکبائر (روح)

فعل امن تین مسلسل آیتوں میں اہل غفلت، اہل انسکبار کے لئے آیا ہے اور تینوں جگہ مراد بے فکر ہوجانے و بے پروا ہوجانے سے ہے۔

۱۳۵ یعنی منکرین مکذبین سابق کا انجام دیکھ کر بھی کیا یہ حقیقت ابھی کفار معاصرین پر منکشف نہیں ہوئی ہے؟

وَ نَطۡبَعُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ فَہُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلۡکَ الۡقُرٰی نَقُصُّ عَلَیۡکَ

اور ہم بند لگائے ہوئے ہیں ان کے دلوں پر سو وہ سنتے ہی نہیں ۱۳۶ یہ وہ بستیاں ہیں جن کے کچھ قصے ہم آپ سے بیان

مِنۡ اَنۡۢبَآئِہَا ۚ وَ لَقَدۡ جَآءَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا کَانُوۡا لِیُؤۡمِنُوۡا

کر رہے ہیں، اور ان (سب) کے پاس ان کے پیمبر کھلے ہوئے نشان لے کر آئے، پھر بھی ان سے یہ نہ ہوا کہ

بِمَا کَذَّبُوۡا مِنۡ قَبۡلُ ؕ کَذٰلِکَ یَطۡبَعُ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۱۰۱﴾

جس چیز کو پہلے جھٹلا دیا تھا، اس پر ایمان لے آتے ۱۳۷ اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتا ہے ۱۳۸

اولم یھد للذین۔ ھدایۃ کا تعدیہ جب ل کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں تبیین کے یعنی روشن یا واضح ہو جانے کے۔

انما عدی یھد باللام لانہ بمعنی یبین (بیضاوی) وتعدیۃ فعل الھدایۃ باللام لانھا کما روی عن ابن عباس ومجاھد للتبیین (روح)

الذین ...... اصلاحھا۔ مراد کفار عرب، رسول اللہ ؐ کے معاصرین ہیں۔

یرید کفار مکۃ ومن حولھم (قرطبی)

الارض۔ مراد ساری زمین نہیں، ارض کے معنی "ملک" کے بھی بلا تکلف آتے ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں۔

۱۳۶ (کلام حق و پیام حق کو توجہ والتفات یا ارادۂ قبول سے)

قلوبھم۔ ضمیر جمع غائب انھیں کافروں کی طرف ہے جو عدم ایمان پر جمے ہوئے اور ارادۃً اپنے اوپر غفلت طاری کئے ہوئے تھے

ای علی قلب من لم یرد منہ الایمان (روح)

۱۳۷ یہ بیان ہو رہا ہے کافروں کے کمال قساوتِ قلب اور شدتِ عناد کا کہ جس چیز سے ایک بار پہلے وہ لوگ انکار کر بیٹھے، اس پر انھیں پھر ایمان لانے کی توفیق نہ ہوئی، اور ہر دلیل، ہر ثبوت، ہر معجزہ ان کے لئے بیکار ہی رہا۔

فما کانوا لیومنوا۔ فقرہ کی ترکیب عدم ایمان کا استمرار ظاہر کرتی ہے نہ کہ ایمان کا عدمِ استمرار۔

بیان لاستمرار عدم ایمانھم الزمان الماضی لا لعدم استمرار الایمان (روح)

البیّنات۔ دلائل و معجزات سب پر حاوی ہے۔

ای الحجج علی صدقھم (ابن کثیر) ای الآیات والمعجزات والعجائب (معالم)

لیومنوا۔ ل یہاں تاکید نفی کے لئے ہے۔

واللام لتاکید النفی (روح)

۱۳۸ (ان کے کفر اختیاری کی بنا پر)

اس اصل کا بیان قرآن مجید میں بار بار آچکا ہے کہ جب بندہ اپنے قصد سے کفر کی راہ اختیار کئے رہتا ہے، تو حق تعالٰی اُسے اسی راہ پر جما دیتا ہے، اور اُس کے دل پر مُہر لگا دیتا ہے۔

وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِم مِّنْ عَهْدٍ ۖ وَإِن وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ﴿١٠٢﴾

اور ہم نے پاس (عہد) ان میں سے اکثر میں نہ پایا، اور ہم نے ان میں سے اکثر کو بس نافرمان ہی پایا ۱۳۹ ف

ثُمَّ بَعَثْنَا مِن بَعْدِهِم مُّوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَلَمُوا بِهَا ۖ

پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰؑ کو اپنے نشانوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا، پر ان لوگوں نے

فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٠٣﴾

ان (نشانوں) کا حق ادا نہ کیا، سو دیکھئے مفسدوں کا کیسا (برا) انجام ہوا! ۱۴۰ ف

علم منہم انہم یختارون الثبات علی الکفر (مدارک)

۱۳۹ ف خطاب پیغمبر سے ہے کہ نافرمانوں کی سرشت اور ذہنیت ہمیشہ سے یہی رہی ہے سو آپ ان پر زیادہ غم نہ کریں۔

اکثرھم۔ میں ضمیر الناس لوگوں کی طرف ہے یا پہلی امتوں کی طرف۔

الضمیر للناس علی الاطلاق یعنی ان اکثر الناس نقضوا عہد اللہ (مدارک) ای لاکثر الامم الماضیۃ (ابن کثیر) ای اکثر الامم او اکثر الناس (روح)

من عھد۔ عہد یہاں وفاء العہد کے معنی میں ہے اور حذف مضاف کی مثالیں قرآن مجید میں بکثرت ملتی ہیں

ای من وفاء عہد (بیضاوی)

لیکن خود عہد سے یہاں مراد کیا ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ مراد عہد یوم میثاق ہے۔

قال ابن عباس یرید الوفاء بالعہد الذی عاہدہم اللہ وہم فی صلب اٰدم (کبیر) قال ابن مسعود العہد ھنا عہد الایمان (کبیر)

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لوگ مبتلائے مصیبت ہو کر ایمان لانے کا عہد کرتے تھے لیکن مصیبت دور ہو جانے پر پھر اسے بھلا دیتے تھے

ای ماعاھدوا الیہ حین کانوا فی ضر ومخافۃ (بیضاوی)

رشید رضا مصری نے لکھا ہے کہ بہتر ہے کہ یہاں عہدٌ صیغہ نکرہ کو اس کے وسیع تر معنی میں لیا جائے اور اس کے عموم کے تحت میں عہدِ فطری، عہد شرعی، عہد عرفی، عہد خداوندی اور آپس کے عہد معاہد وغیرہ غرض ہر قسم کے عہد کو لیا جائے

العہد یعم ھنا کل ما یصلح لہ من عہد فطری وشرعی وعرفی مما یلتزمہ الناس بعضہم مع بعض فی تعاہدہم وتعاقدہم لانہ جاء نکرۃ فی سیاق النفی مع تاکید النفی بمن (المنار)

من عھد۔ میں من زائد ہے جنس پر دلالت کرنے کے لئے۔

من زائدۃ وھی تدل علی معنی الجنس (قرطبی)

۱۴۰ ف (اسی دنیا میں، چنانچہ وہ غرق و ہلاک ہو کر رہے)

من بعدھم میں ھم کی ضمیر رسل کی طرف ہے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، یا پھر امم کی طرف۔

وَقَالَ مُوسٰى يٰفِرۡعَوۡنُ اِنِّىۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيۡقٌ

اور موسیٰؑ نے کہا کہ اے فرعون! میں پروردگارِ عالم کی طرف سے پیمبر (ہو کر آیا) ہوں ۱۴۱ قائم ہوں اس پر کہ

عَلٰٓى اَنۡ لَّاۤ اَقُوۡلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَقَّ ؕ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِبَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ

میں کوئی بات اللہ پر گڑھ کر نہ کہوں البتہ حق ہی (کہوں گا)، میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلا نشان لیکر آیا ہوں ۱۴۲

الضمیر للرسل فی قولہ ولقد جاء تہم رسلہم او للامم (مدارک، بیضاوی) ای الرسل المتقدم ذکرھم (ابن کثیر)

پیمبر معروف حضرت موسیٰؑ کا زمانہ ان انبیاءؑ مذکور کے بعد ہوا ہے اور قوم فرعون ان سابق اُمتوں کے بعد گزری ہے، قرآن مجید نے حضرات انبیاءؑ کا ذکر ہمیشہ تاریخی ترتیب کے ساتھ نہیں کیا ہے۔

فظلموا بھا یعنی ان نشانیوں کا حق ادا نہ کیا، بلکہ برابر انکار و تکذیب ہی کرتے رہے — ان نشانیوں کا حق ادا کرنا یہی تھا کہ ان پر ایمان لے آتے۔

ظلم۔ یہاں اپنے لفظی معنی میں ہے۔

وضع الشیء فی غیر موضعہ (قرطبی)

ظلموا بھا۔ فعل ظلم کا تعدیہ جب ب کے ساتھ آتا ہے تو ظلم کے معنی کفر کے ہو جاتے ہیں۔

بھا میں ضمیر آیات کی طرف ہے، جو دلائل و معجزات سب کی جامع ہے۔

بھا میں ب سببیہ ہے۔

للسببیۃ ای فظلموا انفسھم وقومھم بسبب ھذہ الآیات (المنار)

بآیتنا ای بمعجزاتنا ودلائلنا البینۃ (ابن کثیر) بآیتنا ای بادلتنا (معالم)

یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ انھوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ان نشانوں سے کفر و انکار کر کے۔

ای فظلموا انفسھم وقومھم بالکفر بھا کبرًا وجحودًا۔ (المنار)

فرعون۔ فرعون پر حاشیے سورہ بقرہ رکوع ۶ میں گزر چکے، آیات ۴۹ و ۵۰ کے تحت۔

آیت سے متکلمین نے استدلال کیا ہے کہ نبی کے لئے کسی امتیازی اور روشن نشان کا ہونا لازمی ہے۔

ھذہ الآیۃ تدل علی ان النبی لابد لہ من آیۃ ومعجزۃ بھا یمتاز عن غیرہ۔ (کبیر)

۱۴۱ مصر کا یہ فرعون قاہر تو خود ہی الوہیت اور مظہریت کا مدعی تھا، وہ نہ عقیدۂ توحید اور وجود رب العٰلمین ہی کے ماننے کے لئے تیار تھا، اور نہ عقیدۂ رسالت کے، یعنی اُس ذات مطلق کی طرف سے کسی انسان کے پیامبر ہونے کے، عقیدۂ ہستی رب العٰلمین اور عقیدۂ رسول دونوں سے بالکل بیگانہ تھا، وہ تو بس اس کا قائل تھا کہ خدا جو ہے، وہ ملک مصر و قوم قبط کا ہے اور میں اسکا مظہر یا اوتار ہوں، الوہیت عالم، رسالت یا پیمبری ان دونوں سے وہ اجنبی محض اور ان کا قطعی منکر تھا۔

۱۴۲ یعنی ایسا معجزہ جو تمہاری سمجھ میں بھی آجائے۔

فَاَرۡسِلۡ مَعِیَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۱۰۵﴾ؕ قَالَ اِنۡ كُنۡتَ جِئۡتَ بِاٰيَةٍ فَاۡتِ

سو تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے ۱۴۳؎ (فرعون) بولا اگر تم کوئی نشان لے کر آئے ہو تو اُسے پیش کرو اگر تم

بِهَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلۡقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعۡبَانٌ

(اپنے دعوے میں) سچے ہو ۱۴۴؎ اس پر (موسیٰ نے) اپنا عصا ڈال دیا سو وہ دفعۃً ایک صاف

مُّبِيۡنٌ ﴿۱۰۷﴾ۚۖ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيۡضَآءُ لِلنّٰظِرِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾ع

اژدہا بن گیا ۱۴۵؎ اور (موسیٰ نے) اپنا ہاتھ باہر نکالا سو وہ دیکھنے والوں کے روبرو یک بیک خوب روشن تھا ۱۴۶؎

حقیق علٰی۔ حق پیمبر کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا وصف اس کی غیر متزلزل، غیر مشتبہ، دیانت، امانت وراستبازی ہوتا ہے، اس لئے موسیٰ علیہ السلام اپنے متعلق سب سے پہلے اسی کا اعلان کرتے ہیں۔

حقیق قیل معناہ جدیر وقیل واجب (راغب)

قول علی اللہ۔ کے معنی ہوتے ہیں اللہ پر کچھ گھڑ کر لانے کے اور افترا کر کے لانے کے۔

قد جئتکم۔ صیغۂ جمع مخاطب سے مراد کل فرعونی ہیں، بادشاہ وقت اس کے درباری اس کی سپاہ و لشکر اس کی رعایا سبکے سب۔

بینۃ۔ کا صیغۂ نکرہ اظہار عظمت و تفخیم کے لئے ہے، اور بطور اسم جنس یہ معجزات و دلائل کے سارے اقسام کو شامل ہے۔

تنکیر البینۃ للتفخیم (المنار)

من ربکم۔ یہ کہہ کر گویا حضرت موسیٰ نے صاف صاف بتا دیا کہ یہ دلائل و شواہد میری اپنی تخلیق نہیں محض عطیہ الٰہی ہیں۔

۱۴۳؎ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کی قوم، اصلاً ایک موحد قوم تھی، اور اس وقت ایک مشرک تاجدار کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنی ہوئی تھی، اس لئے موسیٰ علیہ السّلام کا پہلا مطالبہ قدرۃً یہی ہے کہ میں ان موحدوں کو اس مشرکانہ و جاہلی فضا سے دور اور الگ لے جا کر ایک الگ خطۂ زمین میں آباد کروں گا ___ گویا اس شرک کی دنیا سے کٹ کر، ایک الگ اور صحیح معنی میں "پاکستان" بنانے کا ارادہ و مطالبہ!

۱۴۴؎ مشرکوں کی سمجھ میں بجائے عقلی دلائل اور نظم و نظام کائنات اور شہادت ضمیر و وجدان کے مادی معجزات ہی زیادہ آسانی سے آجاتے ہیں، اور وہ فرمائشیں ہمیشہ مادی معجزہ و خارق عادت ہی کی سب سے بڑھ کر کرتے رہتے ہیں۔

۱۴۵؎ یہ خیال رہے کہ مصر قدیم میں سانپ ایک مقدس جانور سمجھا جاتا تھا جیسے ہندوستان میں گائے، بلکہ سانپ تو خود ہندوستان میں بھی مقدس سمجھا جاتا ہے، اور ہندوؤں میں سانپ کی پوجا کا دن، ناگ پنچمی ہر برس بڑی دھوم سے منایا جاتا ہے۔

ثعبان۔ کہتے ہیں ایک بڑے اور موٹے قسم کے سانپ یا اژدہا کو۔

الحیۃ الضخم الذکر وھو اعظم الحیات (قرطبی) الثعبان الحیۃ الضخمۃ الذکر فی قول جمیع اھل اللغۃ (کبیر)

عصائے موسوی جسامت کے لحاظ سے ایسا ہی ہوگا، باقی جہاں اس کی تیز رفتاری کا اظہار مقصود ہے وہاں قرآن مجید اس کے لئے جانّ لایا ہے ___ امکان اس کا بھی ہے کہ وہی عصا کبھی ثعبان بن جاتا ہو اور کبھی جانّ۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ ھٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۹﴾ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۱۱۱﴾

قوم فرعون کے سرداروں نے (یہ دیکھ کر) کہا کہ واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے ۱۴۷ چاہتا ہے کہ تمھیں تمھاری سرزمین سے نکال دے ۱۴۸ سو بتاؤ تمھاری کیا صلاح ہے؟ بولے اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دیجئے اور شہروں میں ہرکارے بھیجئے کہ وہ

توریت میں یہ واقعات درج ہیں، مگر حسب معمول بڑے خلط ملط کے ساتھ، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

ثعبان مبین۔ یعنی اژدھا بھی ایسا جس کے اژدھا ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔

ای حیۃ لا لبس فیھا (قرطبی) لا یشک فیہ انہ ثعبان (کشاف)

یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ تبدیل حقیقت ہو جاتی تھی، خیالی قصہ نہ تھا۔ (تھانویؒ)

لکڑی واقعی سانپ میں تبدیل ہو جاتی تھی، یا محض دیکھنے والوں کو سانپ نظر آتی تھی، مآل و ماحصل دونوں کا ایک ہی ہے، مومن کے لئے واقعہ حقیقی دونوں میں یکساں ہے، واقعہ کی واقعیت میں شبہہ ذرا نہ ہونا چاہئے تفصیلی بحث میں سرے سے پڑنا ہی غیر ضروری ہے۔

۱۴۶ (جس میں کسی شبہہ و اشتباہ کی گنجائش نہ تھی)

للناظرین۔ سے کوئی نظر بندی کا شبہہ نہ کرے کیونکہ یہ تاکید ہے اس کے واقعی بیاض کی، جیسے کہا کرتے ہیں کہ کھلی آنکھوں لوگوں نے دیکھا، اور انقلاب حقائق کا محال ہونا جو فلاسفۂ قدیم میں مشہور ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ حقائق ثلاثہ یعنی وجوب و امتناع و امکان ایک دوسرے کی طرف منقلب نہیں ہوتے، ورنہ عناصر کا استحالہ کون نہیں دیکھتا۔ (تھانویؒ)

نزع یدہ۔ یعنی اپنا ہاتھ گریبان سے باہر نکالا۔

۱۴۷ مصر کا جادو قدیم سے مشہور چلا آتا ہے، اس وقت مصر علوم سحر و کہانت کا مرکز تھا، اس وقت کی تہذیب و تمدن کے ساتھ اب یہ اُس وقت کے عالی قدر علوم و فنون بھی مٹ ہی گئے ہیں، اور آج ویسے ہی بے قدر ہو گئے ہیں جیسے اُس وقت کے گرانقدر سکّے۔

فرعون حضرت موسیٰؑ کے پیام و دعوت کا تو شدید منکر رہا مگر ان کے کمال فن میں شبہہ نہ کر سکا۔

۱۴۸ (اور خود اپنی حکومت یہاں قائم کر دے)

دنیا پرستوں کی یہ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ کوئی اہل حق، اغراض دنیوی سے بالا ہو کر خالصۃً لِلّٰہ بھی کام کر سکتا ہے، یہ بھی خیال رہے کہ فرعون اور اس کے اُمراء دربار اپیل بار بار وطن کی سرزمین چھین جانے سے کرتے ہیں، جیسے آج بھی مرکزی اپیل جاہلی تہذیب و تمدن والوں کے ہاں وطنیت سے رہتی ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے طریق حق کو ایک باطل کی صورت میں ظاہر کیا، یہی حال اہل باطل کا ہے کہ عوام کو اہل حق سے نفرت دلانے کے لئے ان کے حق کو بُرے بُرے عنوان سے ظاہر کرتے ہیں۔

يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَٰحِرٍ عَلِيمٍ ﴿١١٢﴾ وَجَآءَ ٱلسَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوٓاْ إِنَّ لَنَا

آپ کے پاس سارے ماہر جادوگر لے آئیں ۱۴۹ اور جادوگر آگئے فرعون کے پاس (اور) بولے ہم کو کوئی (بڑا) انعام تو

لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ ٱلْغَٰلِبِينَ ﴿١١٣﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ ٱلْمُقَرَّبِينَ ﴿١١٤﴾ قَالُواْ

ضرور ہی ملے گا اگر ہم غالب آگئے ۱۵۰ (فرعون نے) کہا ہاں (ضرور) اور تم (ہمارے) مقربوں میں (داخل) ہو جاؤ گے ۱۵۱

يَٰمُوسَىٰٓ إِمَّآ أَن تُلْقِيَ وَإِمَّآ أَن نَّكُونَ نَحْنُ ٱلْمُلْقِينَ ﴿١١٥﴾ قَالَ أَلْقُواْ

وہ ساحر بولے اے موسیٰ یا تو تم (پہلے) ڈالو یا ہم ہی ڈال چلیں ۱۵۲ (موسیٰ نے) کہا تم ہی ڈالو ۱۵۳

فَلَمَّآ أَلْقَوْاْ سَحَرُوٓاْ أَعْيُنَ ٱلنَّاسِ وَٱسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَآءُو بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ﴿١١٦﴾

پھر جب انھوں نے ڈالا، لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان پر ہیبت غالب کر دی اور بڑا جادو کر دکھایا ۱۵۴

۱۴۹ ارکان دربار و مشیران سلطنت نے مشورہ یہ پیش کیا کہ موسیٰؑ و ہارونؑ کے چیلنج کو سر دست ٹال جائیے اور اس درمیان میں قلمرو سرکار میں پیادوں اور ہرکاروں کے ذریعہ سے منادی کرا کے ماہرین فن جادوگروں کو جمع کر لیا جائے۔

ارجہ۔ یعنی موسیٰؑ کو سر دست روکے رکھئے، ٹالے رکھئے۔

یقال ارجأته وارجيته ای اخرته وقال ابن عباس اخره (قرطبی)

۱۵۰ مشورہ پر عمل ہوا، اور اب بیان اس کے نتائج کا ہو رہا ہے ــــ ماہرین سحر، دنیوی علوم و فنون کے دوسرے ماہروں کی طرح، قدرۃً سب سے بڑھ کر طالب "فیس" اور "معاوضہ" کے نکلے۔

لاجرا۔ تنوین اجرا (فیس) کی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

التنکیر للتعظیم (کشاف) ای اجرا وجزاء عظیما۔ (روح)

۱۵۱ یعنی انعام نقد و مال کے علاوہ ہر طرح کے جاہ و اعزاز سے بھی سرفراز کئے جاؤ گے۔ حکومت کی طرف سے خطابات و القاب سے بھی سرفراز کرتے رہنا سرکاروں کا عموماً دستور رہا ہے۔

۱۵۲ اب بیان ایک دوسرے منظر کا ہو رہا ہے۔ مقابلہ کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے، اس تاریخ پر سب میدان میں جمع ہوئے ہیں، قرآن مجید، شعر بلیغ کی طرح، درمیانی مضامین کی، جو از خود سمجھ میں آسکتے ہیں، صراحت نہیں کرتا ــ انھیں چھوڑ کر دوسری منزل بیان کرتا ہے۔

ساحر اُس وقت تک موسیٰ نبیؑ کو بھی اپنے ہی طرح کا ایک ماہر فن سحر سمجھ کر گویا کہہ رہے ہیں کہ مقابلہ ہمارے تمہارے فن کا تو اب ہو ہی رہا ہے اب یہ بتلاؤ کہ شروع کون کرے گا؟ کرکٹ کی اصطلاح میں پہلی اننگز کس کی ہوگی اور ٹاس کون کرے گا؟

۱۵۳ اخفاقِ حق کے لئے مقابلہ معجزہ سے سحر کا تو بہر حال ناگزیر تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قدرۃً وہ شق اختیار کی جس میں احقاقِ حق کا پہلو زیادہ قوی و نمایاں تھا۔

وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور ہم نے وحی کی موسیٰؑ کو کہ تم اپنا عصا (زمین پر) ڈال دو، سو یک بیک اُس نے ان کے گڑھے ہوئے (شعبدہ) کو نگلنا شروع کر دیا۔ ۱۵۵

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کا مقصود اس سے خود اذن نہیں، بلکہ اذن کو ان کے کفر کے ابطال اور اپنے معجزہ کے اثبات کا ذریعہ بنانا تھا، ایسی ہی مصلحت سے بعض اوقات شیوخ ایسے امر میں اذن دے دیتے ہیں کہ اس کا ظاہر معصیت ہوتا ہے مگر اخیر میں اس میں کوئی مصلحت دینی ہوتی ہے، اور وہی مصلحت ان کو مقصود ہوتی ہے۔

۱۵۴ ساحر اپنے فن کے ماہر تھے، اور انھوں نے پورا ثبوت اپنے کمال فن کا دے دیا۔

فلما القوا۔ یعنی جب ساحروں نے زمین پر اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو ڈال دیا۔

سحروا اعین الناس۔ اور اس اثر سے وہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپوں کی طرح لہراتی دکھائی دینے لگیں

یہ نظر بندی اور آنکھوں کی مسحوریت سحر ہی کی ایک قسم ہے۔

قرآن ساحروں کے کرتب کے سلسلہ میں تبدیلی حقیقت کا مدعی نہیں، اور یہ دعوے کہ یہ لاٹھیاں یا رسیاں واقعی سانپ بن گئی تھیں، اور سحر نے بھی وہی کر دکھایا جو معجزہ کا حاصل تھا، قرآن کا نہیں، البتہ توریت کا ہے:۔

"چنانچہ مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادوؤں سے ایسا ہی کیا کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا عصا پھینکا اور وہ سانپ ہو گیا" (خروج۔ ۷: ۱۱ و ۱۲)

قرآن کے شارحین تو سب اسے خیال بندی ہی کے معنی میں لیتے ہیں۔

ای خیلوا الی الابصار ان ما فعلوہ له حقیقة فی الخارج ولم یکن الا مجرد صنعة وخیال (ابن کثیر) ای خیلوا الیهم وقلبوها عن صحة ادراکها (قرطبی) اروها بالحیل والشعوذة وخیلوا الیها ما الحقیقة بخلافه (کشاف)

ای صرفوا اعینهم عن ادراک حقیقة ما فعلوہ من التمویه والتخییل وهذا هو السحر (معالم)

اور معجزۂ حق دیکھئے کہ بائبل کے محققین کا فیصلہ آج توریت کی روایت کے حق میں نہیں، قرآنی بیان کی تائید میں ہے، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ الناس کے تحت میں موسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہیں، چنانچہ انھیں بھی دھوکا لگا، جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ہے یُخَیَّلُ اِلَیْهِ تو اس سے امور ذیل مستنبط ہوئے:۔

(۱) سحر کی ایک قسم خیال بندی بھی ہے (اور اسی کی جدید قسمیں مسمریزم، ہپناٹزم وغیرہ ہیں) (۲) ایسے نظارہ سے متاثر ہو جانا کمال باطنی کے منافی نہیں، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام بھی خائف ہوئے (۳) اہل حق کا ایسے امور پر یا ان کے ابطال پر قادر رہنا ضروری نہیں۔

۱۵۵ (اژدہا بن کر)

ما یافکون کا فاعل السحرۃ (جادوگر) ہے۔

ان الق عصاک۔ یعنی اپنا عصا ڈال دیجئے، جیسا کہ اس سے پیشتر بھی کئی موقعوں پر ڈال چکے ہیں۔

اذا ھی۔ یعنی معاً۔ یک بیک۔

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوا

سو حق (کا حق ہونا) ظاہر ہوگیا اور جو کچھ وہ (فرعونی) کرتے رہے تھے نابود ہو کر رہا ۱۵۶ سو وہ لوگ وہیں ہار گئے اور

صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾

ذلیل ہو کر رہے ۱۵۷ اور ساحر سجدہ میں گر پڑے (اور) بولے کہ ہم تو ایمان لے آئے (سارے) جہانوں کے

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ

پروردگار پر (وہی جو) پروردگار ہے موسیٰ اور ہارون کا ۱۵۸ فرعون بولا تم ایمان لے آئے بغیر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں

اذا للمفاجاۃ (بیضاوی)

آیت کا جو ترجمہ اوپر درج ہوا وہ جمہور مفسرین و مترجمین کے مذاق کے مطابق ہے، ورنہ اصل لفظ قرآن کے تحت تو بہت کچھ قیل و قال کی گنجائش ہے، یلقف کے ساتھ جب تک الطعام کی صراحت موجود نہ ہو اس کے لغوی معنی منہ یا حلق سے نگل لینے کے نہیں بلکہ جلد ہی پا لینے کے ہیں، خواہ منہ سے ہو یا ہاتھ سے یا محض تیزی سے اُچک لینا۔

سواء فیه تناوله بالفم والید (راغب) تناوله بسرعة (جوهری، قاموس) اللقف تناول الشئ یرمی الیك (تاج) وفی حکم اللقف الاخذ لما یرمی الیك بالید او باللسان (تاج) واللقف سرعة الاخذ لما یرمی الیك بالید او باللسان..... والتلقف الابتلاع۔ (لسان)

غرض یہ کہ عصائے موسوی نے ساحروں کے شعبدہ کو ملیامیٹ اور بے اثر کر دیا، اتنا تو قرآن سے یقینی طور پر نکلتا ہے، باقی یہ کہ رسّی کی متعین صورت کیا ہوئی، آیا وہ اژدہا بن کر ساحروں کے خیالی سانپوں کو نگل گیا یا کوئی اور صورت پیش آئی، قرآن مجید اس صراحت سے خاموش ہے۔

۱۵۶ (جیسا کہ اکثر دنیا میں حق و باطل کے تصادم کے موقعوں پر ہوتا رہتا ہے)

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو حق تھا، وہ ظاہر بھی حق ہو کر، اور جو باطل تھا، اس کے بھی بطلان کا عملی ظہور ہو کر رہا۔

ماکانوا یعملون۔ ضمیر جمع فرعون اور فرعونیوں کی جانب ہے۔

ضمیر لفرعون وقومه (بیضاوی)

سحرۃ بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

۱۵۷ یہ مغلوبیت اور ذلت ظاہر ہے کہ علاوہ ساحروں کے ساری فرعونی پارٹی کے حصہ میں آئی تھی۔

انقلبوا صاغرین۔ انقلب ہمیشہ رجع ہی کا مترادف نہیں ہوتا صار کے معنی میں بھی آتا ہے، اور یہاں یہی مراد ہے۔

ای صاروا اذلاء (روح)

صاروا ذلیلین (جلالین)

۱۵۸ یعنی ہم تو شرک و مخلوق پرستی کے گورکھ دھندوں سے نکل آئے، ہم نے دین توحید اختیار کر لیا، اور

إِنَّ هَٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوهُ فِي الْمَدِينَةِ لِتُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا ۖ فَسَوْفَ

ہو نہ ہو یہ ایک چال ہے جو شہر میں تم چلے ہو تاکہ تم اس (شہر) سے یہاں والوں کو نکال دو ۱۵۹ سو تم کو ابھی (حال)

تَعْلَمُونَ ﴿۱۲۳﴾ لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۱۲۴﴾

معلوم ہوا جاتا ہے، میں تمہارے ہاتھ اور تمہارے پیر الٹی طرف سے کاٹے ڈالتا ہوں پھر تم سب کو سولی پر ٹانگ کر رہوں گا ۱۶۰

موسیٰؑ کی رسالت کی ہم تصدیق کررہے ہیں۔

القی کو مجہول لاکر یہ تنبیہ کردی ہے کہ ساحر جیسے بے خود ہوگئے تھے اس کے سوا انھیں کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔

راغب نے عنوان لقی کے آخر میں لکھا ہے فانما قال القی تنبیھا علی انہ وھمھم وجعلھم فی حکم غیر المختارین

ساحروں کو اب اس کا احساس ہوگیا تھا کہ موسیٰؑ کے پاس جو کچھ ہے وہ سحر و طلسم سے کہیں بلند تر کوئی اور ہی چیز ہے، اور اسی احساس نے انھیں سجدہ میں گرادیا۔

سٰجدین یہ لازمی نہیں کہ سجدہ یہاں اصطلاحی معنی میں ہوا ہو سکتا ہے کہ جادوگروں کا محض جھک جانا اور اطاعت اختیار کرلینا مراد ہو۔

وحمل السجود علی الخضوع انھم خضعوا (روح)

رب العٰلمین رب موسیٰ وھٰرون۔ مشرک قومیں جو ایک طرف دیوتا پرستی اور دوسری طرف ملک پرستی نسل پرستی، وطن پرستی یا قبیلہ پرستی کے چکر میں پڑی رہتی ہیں، رب العالمین کا کوئی تخیل ہی نہیں رکھتیں، یہ تخیل خالص اسلامی اور پیمبرانہ ہے، اور اُس عہد میں موسیٰؑ و ہارونؑ ہی کا پیدا کیا ہوا ہو سکتا تھا۔

۱۵۹ (اور موسیٰؑ و ہارونؑ سے سازش کرکے اپنی حکومت قائم کرلو)

لتخرجوا منھا اھلھا۔ فرعونی حکومت نے وہی سیاسی اپیل پھر کی یعنی داعیانِ حق کے لئے یہ کہا کہ یہ انھیں ملک سے بے دخل کرکے خود اس پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔

قبل سے مراد ہمیشہ "پیشتر" ہی نہیں ہوتی "بغیر" بھی مراد ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید ہی کی متعدد آیتوں میں آیا ہے، مثلاً لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی (الکھف) ان انذر قومک من قبل ان یاتیھم عذاب الیم (نوح) وغیرہا یا مثلاً اس حدیث میں اللھم ارزقنی عینین ھطالتین تسقیان القلب بذروف الدمع من خشیتک قبل ان تکون الدموع دما اور مفسرین بھی اس طرف گئے ہیں۔

تنبیھا علی ان الحق بھرھم واضطرھم الی السجود بحیث لم یبق لھم تمالک (بیضاوی۔ روح)

۱۶۰ سولی کی سزا قدیم قوموں خصوصاً قدیم مصریوں میں عام تھی، ملاحظہ ہو (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۶ ص ۹۳، تیرہواں ایڈیشن)

من خلاف۔ مثلاً داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں یا بایاں ہاتھ اور داہنا پاؤں، ایسی سزائیں مہذب سے مہذب قدیم حکومتوں میں وحشیانہ اور انوکھی نہیں شائستہ اور عام سمجھی جاتی تھیں۔

گویا حضرت موسیٰؑ نے دُہرا دُہرا چیلنج فرعون کو دیدیا تھا، سیاسی بھی اور دینی بھی، اس کی حکومت سے بغاوت بھی

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا

وہ بولے (خیر) ہم اپنے پروردگار کے پاس تو لوٹیں گے ہی ۱۶۱ اور تو آخر ہمیں کس قصور کی سزا دے رہا ہے بجز اس کے کہ ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں

لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ

پر ایمان لے آئے جب وہ ہم تک پہنچیں اے ہمارے پروردگار ہمارے اوپر صبر کے مشکیزے انڈیل دے اور ہماری جان اسلام (ہی) پر نکال ۱۶۲ اور قوم

مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ

فرعون کے سرداروں نے کہا کیا آپ موسیٰ اور ان کی قوم کو (یوں ہی) چھوڑے رہیں گے کہ وہ ملک میں فساد پھیلاتے پھریں اور (موسیٰ) آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑے

وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

رہیں ۱۶۳ وہ بولا (نہیں جی) ہم ابھی ان کے لڑکوں کو قتل کئے دیتے ہیں اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم ان پر ہر طرح قادر ہی ہیں ۱۶۴

اس کی خدائی سے انکار بھی۔

۱۶۱ؔ (تو تو اس سزا اور موت سے ہمیں ڈرا رہا ہے)۔

اللہ اللہ! ایمان باللہ بھی ذہن کے اندر کیسا انقلاب برپا کر دیتا ہے! یہ ساحر وہی ہیں کہ کہاں تو ابھی اپنا کمال فن دکھانے کے لئے مال وجاہ، انعام واکرام کے طالب تھے، اور کہاں اب سر کٹانے پر بے تکلف آمادہ ہو گئے!

۱۶۲ؔ یہ خاتمہ بالخیر کی دعا بھی مومنین کو کتنی عزیز ومحبوب رہتی ہے!

ربنا افرغ علینا صبرًا عربی کا محاورہ ہے یعنی ہم کو صبر سے اتنا بہرہ ور کر دیجئے کہ ہم ہر سختی کے باوجود ثابت قدم رہیں ۔۔۔ باوجود کمال عزم وہمت اپنے عزم وہمت پر تکیہ نہ کرنا اور اللہ ہی سے مدد چاہے جانا خاص شعار مومنین ہے۔

۱۶۳ؔ یعنی کیا آپ موسیٰؑ کو اس کی آزادی برابر دیتے رہیں گے کہ وہ خود آپ کی، آپ کے دین کی، آپ کے دیوتاؤں کی جتنی چاہیں توہین کریں، اور قوم اسرائیل سلطنت میں انقلاب، شورش وبغاوت پھیلاتی رہے!

یذرک۔ ابھی ابھی ضمیر لیفسدوا میں ضمیر جمع غائب کی گزر چکی ہے، اب یذرک میں ضمیر واحد غائب کی ہے، جو حضرت موسیٰؑ کی طرف راجع ہے ۔۔۔ گویا اشارہ ادھر ہو گیا کہ مکمل انقلاب میں تو ساری قوم اسرائیل شریک اور مجرم ہے، باقی مذہبی بغاوت کے کرتا دھرتا موسیٰؑ ہیں۔

الھتک۔ فرعون خود تو سورج دیوتا کا اوتار تھا ہی، اور اس کے علاوہ بھی مصر کے دین شرک میں بہت سے دیوی دیوتا، اونچے نیچے، بڑے چھوٹے موجود تھے، مشرک مذہبوں کا نظام ایسا ہی پیچیدہ تھا۔

۱۶۴ؔ (سو جو انتظام ہم کرنا چاہیں، بے تکلف کر سکتے ہیں)

سنقتل ... نساءھم۔ یعنی ہم پھر وہی طریقہ انسداد شر وفساد اختیار کریں گے جو ولادت موسیٰؑ کے وقت کر چکے ہیں۔ ولادت حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں نجومیوں، جوتشیوں کاہنوں کے کہنے میں آ کر فرعون نے یہی قانون نافذ کر رکھا تھا کہ جو بچہ قوم اسرائیل

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ (ہی) کا سہارا رکھو اور صبر کیے رہو، زمین اللہ ہی کی ہے وہ جس کو چاہے

يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا

اپنے بندوں میں سے اس کا مالک بنادے۔ اور حسن انجام اللہ سے ڈرنے والوں ہی کے ہاتھ رہتا ہے ۱۶۵ (وہ لوگ)

اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ

کہنے لگے ہم تو تمہارے آنے سے قبل بھی مصیبت میں رہے اور تمہارے آنے کے بعد بھی ۱۶۶ (موسیٰ نے) کہا کہ عنقریب

اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع

تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کردے گا، اور تم کو ملک کا حاکم بنادے گا، پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسا عمل کرتے ہو ۱۶۷

۱۵ ع ۳ ۵

میں پیدا ہو، وہ اُسی وقت مار ڈالا جائے، اور جو بچی پیدا ہو اُسے زندہ رہنے دیا جائے، ملاحظہ ہوں سورۂ بقرہ، آیت ۴۹ کے حاشیے

۱۶۵ (سو دنیوی عارضی حاکمیت و غلبہ ہرگز کوئی معیار مقبولیت کا نہیں)

یہاں یہ اہم حقیقت صاف ہوگئی کہ حکومت کا کوئی لازمی تعلق مقبولیت سے نہیں، بلکہ وہ مصالح تکوینی کے تابع ہے، نہ یہ ضرور ہے کہ جو حاکم ہے وہ مقبول ہی ہو، اور نہ یہ ضرور ہے کہ جو مقبول ہے وہ حاکم ہی ہو، محکومیت مقبولیت کے ساتھ جمع بھی ہوسکتی ہے اور اس سے الگ بھی، دونوں کے درمیان نہ تناقض ہے نہ عینیت۔

واستعینوا باللہ۔ پیمبر وقت کی پہلی تعلیم اپنی اُمت کو یہی ہے کہ امداد ساری کی ساری اللہ ہی سے طلب کرو۔

واصبروا۔ صبر کے اندر جملہ اقسام صبر کی آگئیں۔ بھوک پیاس، نقصان جان و مال، ہر طبعی تکلیف پر صبر، دشمن کی طرف سے اذیت پر صبر وغیرہا۔

والعاقبۃ للمتقین۔ دو لفظی فقرہ ایک مستقل و کلیدی حیثیت رکھتا ہے، معاملہ چھوٹا یا بڑا کوئی سا بھی ہو اس میں فوز و فلاح پرہیزگاروں و متقیوں ہی کے ہاتھ میں آتی ہے۔

۱۶۶ بنی اسرائیل کے اس شکوہ کے متعلق ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

قالوا۔ کے فاعل یعنی یہ کہنے والے بنی اسرائیل ہی تھے۔

۱۶۷ (اور اپنے فرائض خلافتِ ارض کہاں تک انجام دیتے ہو)

سو دیکھنے اور فکر رکھنے کی اصل چیز انسان کے اپنے اعمال ہیں نہ کہ انسان کا موقف تکوینی۔

فی الارض۔ ارض کا لفظ عام ہے بخصوص ارض مصر ہی مراد نہیں، شام، فلسطین، کہیں بھی بنی اسرائیل کا آزاد و خود مختار حاکم ہو جانا اس عہد کے ایفاء کے لئے کافی ہے۔

قیل الارض ارض الدنیا وھی علی العموم (بحر) یجوز ان تکون للجنس (کشاف و مدارک) تحتمل من العھد والجنس (بیضاوی)

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ

اور ہم نے فرعون والوں کو قحط سالی میں اور پھلوں (کی پیداوار) کی کمی میں دھر پکڑا تاکہ وہ تنبیہ

يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ

حاصل کریں ۱۶۸؎ لیکن جب ان پر خوش حالی آتی تو کہتے یہ تو ہمارے لئے ہئی ہے، اور اگر انھیں بدحالی

تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ

پیش آتی تو موسیٰ اور اُن کے ساتھیوں کی نحوست بتاتے ۱۶۹؎ سُنو سُنو! ان کی نحوست تو بس اللہ ہی کے علم

عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ

میں ہے لیکن ان میں سے اکثر (اتنی موٹی بات بھی) نہ جانتے ۱۷۰؎ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ تم کیسا ہی نشان ہمارے سامنے لاؤ جس سے

عسیٰ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی میں شک و احتمال نہیں رہتا۔ یقین اور وعدہ پیدا ہو جاتا ہے

عسیٰ من اللہ واجبٌ (قرطبی) عن ابن عباس کل عسیٰ فی القراٰن فھی واجبة الا فی موضعین (ابوالبقاء)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت اس پر دلالت کر رہی ہے کہ کافروں کا مغلوب اور مومنوں کا غالب ہونا ایک نعمت عظیم

ہے پس ترک دنیا کے یہ معنی نہیں کہ مومن کافروں کے ہاتھ میں، بلا کسی عذر و مجبوری کے ذلت و خواری کے ساتھ پڑا رہے۔

فینظر کیف تعملون۔ آیت کا یہ جزو بھی بہت قابل غور ہے، موحد قوم کو بھی حکومت مفت انعام یا جاگیر کی طرح نہیں مل رہی ہے

بلکہ امتحان اس کا بھی لیا جائے گا، اور یہ برابر دیکھا جائے گا کہ وہ موحد قوم بھی اس امانت کے حقوق کہاں تک ادا کر رہی ہے

۱۶۸؎ یہ گرفت اُس وقت ہوئی جب فرعون اور فرعونی حکومت کی طرف سے اسرائیلیوں کی مخالفت اور ان پر سختی بڑھتی ہی گئی

بالسنین۔ سنین۔ سنة۔ کی جمع ہے جس کے لفظی معنی محض سال کے ہیں لیکن محاورۂ زبان میں اس کا اطلاق

قحط والے ہی سال پر ہوتا ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔

یعنی الجدوب وھذا معروف فی اللغة (قرطبی) عبارة عن الجدب و اکثر ما تستعمل السنة فی الحول الذی فیہ الجدب (راغب)

لعلھم یذکرون۔ غایت اس نافرمان و سرکش قوم کے ابتلاء کی بھی اس کی اصلاح ہی تھی۔

آل فرعون سے مراد یا قوم فرعون ہے یا فرعون کے ارکان دولت۔

وال فرعون وقومه کما اطلقه المفسرون او خاصته واعوانه فی امور الدولة (المنار)

اور مصر کی عام آبادی پر یہ عذاب اس لئے آیا کہ وہ فرعون ہی کی رعایا اور اُس کی مطیع و منقاد تھی جنگی اور

مالی ہر اعتبار سے فرعون کی قوت بازو بنی ہوئی تھی۔

فالمراد باله قومه وھم اھل مصر فی عهدہ فھم مواخذون بظلمه وطغیانه لان قوته المالیة والجندیة منھم (المنار)

۱۶۹؎ (بجائے اس کے کہ اسے اپنی تکذیب و بدعملی کا نتیجہ سمجھ کر تائب ہوتے اور ان واقعات و حوادث سے

لِتَسۡحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحۡنُ لَکَ بِمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمُ الطُّوۡفَانَ

ہم کو مسحور کرنا چاہو، ہم تو تم پر ایمان لانے کے نہیں ۱۷۱ پھر ہم نے ان پر بلا نازل کی اور ٹڈیاں

وَالۡجَرَادَ وَالۡقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ

اور جوئیں اور مینڈک اور خون (یہ سب) جدا جدا نشان تھے ۱۷۲

عبرت کا سبق حاصل کر کے اپنی اصلاح کرتے)

فاذا.... ھٰذہٖ، یعنی اسے تمام تر اپنی خوش تدبیری اور خوش بختی پر محمول کرتے بجائے اس کے کہ اسے اللہ کی طرف سے نعمت سمجھ کر توحید و طاعت کی راہ اختیار کرتے۔

۱۷۰ یعنی یہ بدبخت اپنی بدنصیبیوں اور محرومیوں کو موسیٰ علیہ السّلام کے سر تھوپتے، حالانکہ یہ موٹی سی بات ہے کہ ان کے اعمال کفریہ اللہ پر روشن تھے اور ان کی دنیوی محرومیاں انھیں اعمال کفریہ کا وبال تھیں۔

انما سبب شؤمھم عند اللّٰہ وھو عملھم المکتوب عندہٗ (کشاف)

۱۷۱ جب حق کے مقابلہ میں ضد و عناد حد سے بڑھ جاتا ہے اور انسان ہر صورت میں مخالفت ہی کی ٹھان لیتا ہے تو اس مریض اور مسخ شدہ ذہنیت میں مبتلا ہو کر وہ ہر سیدھی سی سیدھی بات اور صاف سی صاف دلیل سے اسی طرح انکار کرنے لگتا ہے، بجنسہٖ یہی ذہنیت جاہلین عرب کی دینِ محمدی کے عناد میں رہی اور جاہلین فرنگ کی آج تک چلی آرہی ہے۔ سیرت نبوی کے روشن سے روشن اور پاکیزہ سے پاکیزہ واقعات کو اس طرح توڑ مروڑ کر کے پیش کرنا، اُلٹے سے اُلٹے نتیجہ نکالنا، یہ خاص الخاص جوہر آج کے روشن خیال محققین فرنگ کے ہیں۔

مھما اصل میں ما کمر ہ مرکب ہے پہلا ما شرطیہ اور دوسرا ما تاکید کے لئے، پھر تکرار کے ثقل سے بچنے کے لئے پہلے ما کا الف ہ سے بدل دیا گیا۔

اصلھا ما الشرطیۃ ضمت الیھا ما المزیدۃ للتاکید ثم قلبت الفھا ھاءً استثقالاً للتکریر (بیضاوی)

خلیل نحوی اور نحویین بصرہ کی تحقیق یہی ہے۔

ھٰذا قول الخلیل والبصریین (کبیر)

۱۷۲ (قہر خداوندی کے بھی اور صداقت موسوی کے بھی)

توریت کی کتاب خروج۔ باب ۷، ۸، ۹ کی مختلف آیتوں میں ان میں سے اکثر عذابوں کا ذکر موجود ہے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

الجراد ٹڈی دل نے مصریوں کی زراعت کو برباد کر دیا، عرب ملکوں کا مشہور پر دار کیڑا ہے اور وہاں اس کی کئی قسمیں ہیں، اس خاص عذاب کا ذکر توریت میں ان الفاظ میں ہے:-

"جب صبح ہوئی تو پروا ہوا ٹڈیاں لائی، اور ٹڈیاں تمام مصر پر آئیں، اور مصر کی تمام اطراف پر بیٹھیں، وہ ایسی بے شمار تھیں کہ اس سے پیشتر نہ ایسی ٹڈیاں آئی تھیں، نہ ان کے بعد پھر آئیں گی کہ سارا روئے زمین ان سے

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ

سو وہ تکبر ہی کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی (عادی) مجرم ۱۷۳ اور جب ان پر کوئی عذاب آپڑتا تو

قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ

کہتے کہ اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دعا کرو جس کا اس نے تم سے وعدہ کر رکھا ہے ۱۷۴

چھپ گیا، ایسا کہ ملک میں اندھیرا ہو گیا، انھوں نے اُس زمین کی ہر سبزی کو اور درختوں کے میووں کو جو اُن سے بچ گئے تھے چاٹ لیا، اور تمام ملک مصر میں کسی درخت پر اور میدان کی گھاس پر سبزی نہ چھوٹی (خروج ۱۰: ۱۴۔۱۵)"

اور توریت کے شارحوں کا بیان ہے کہ فرعونیوں پر عذاب پے درپے نازل ہوتے رہے اُن میں یہ ٹڈیوں کا عذاب بھی شامل تھا، ٹڈیاں ان کی ساری کھیتی ناس کر گئیں، غلہ، میوہ، پھل ترکاری کے لہلہاتے ہوئے کھیت اور ہرے بھرے باغ اور پودے صاف کر گئیں، سبزی کے نام گھاس تک نہ چھوڑی، مصر کے سے زرعی ملک کے لئے یہ عذاب ناقابلِ برداشت تھا، اہل مصر اس سے بلبلا اٹھے۔

القمل۔ مصریوں کے کپڑوں اور جسموں میں یہ گندے کیڑے لپٹ گئے۔

الضفادع۔ مینڈکوں کی کثرت نے مصریوں پر کھانا پانی سب حرام کر دیا۔

الدم۔ دریائے نیل مصریوں کے حق میں خون ہو گیا۔

الطوفان۔ عربی میں طوفان ہر شدید و ملک گیر حادثہ وابتلاء کو کہتے ہیں۔

الطوفان کل حادثة تحیط بالانسان (راغب) قال الزجاج الطوفان من کل شیء ماکان کثیرا محیطا مطبقا بالقوم کلھم۔ (کبیر)

طوفان آبی کے معنی محض مجازاً پیدا ہوئے ہیں۔

توریت میں ذکر آتشیں ژالہ باری (اولوں میں لپٹی ہوئی آگ) کا آتا ہے (خروج۔ ۹: ۲۳۔۲۷) ہو سکتا ہے کہ الطوفان سے اشارہ اسی جانب ہو، عام طور پر مفسرین نے اس سے مراد موت یا وبائی مرض لیا ہے۔

الطوفان ھو الموت (کبیر عن ابن عباسؓ) قیل الجدری وقیل الطاعون (بیضاوی) وجاء من عطاء ومجاھد تفسیرہ بالموت (روح)

۱۷۳ (کہ اتنے کھلے عجائب قدرت دیکھ کر بھی قائل نہ ہوئے)

تاریخ بنی اسرائیل اور خود توریت ان تفصیلات سے بھری پڑی ہے، مصر قدیم کی مستند تاریخیں ملتی کہاں ہیں، جتنی بھی ملی ہیں، اسی کی تائید میں ہیں۔

توریت (کتاب خروج) میں ان سب عذابوں کا ذکر، قرآن مجید کے بیان سے کسی قدر مختلف لیکن بڑی تفصیل سے آیا ہے۔

۱۷۴ (کہ ہمارے تائب ہو جانے پر وہ اپنے قہر کو ہم سے ہٹالے گا۔)

بما میں ما، الذی کے معنی میں ہے۔

لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾

اگر تم ہم پر سے (اس) عذاب کو ہٹا دو تو ہم ضرور تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور ہم تمہارے ہمراہ بنی اسرائیل کو کر دیں گے ۱۷۴

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا

پھر جب ہم ان سے عذاب کو اسی مدت تک کے لئے ہٹا دیتے جس تک انھیں پہونچنا تھا تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے ۱۷۶ غرض ہم نے

مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

انھیں سزا دے دی اور انھیں پاداش کو پہونچا دیا اس لیے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان کی طرف سے (بالکل ہی) غفلت میں پڑے رہتے تھے ۱۷۷

ما بمعنی الذی اے بما استودعك من العلم (قرطبی)

۱۷۵ یہ مضمون توریت کی متعدد آیتوں میں ملتا ہے، مثلاً:۔

”تب فرعون نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بلایا اور کہا کہ خداوند سے شفاعت کرو کہ مینڈکوں کو مجھ سے اور میری رعیت سے دفع کرے اور میں ان لوگوں کو جانے دوں گا تاکہ وہ خداوند کے لئے قربانی کریں“۔ (خروج ۸ : ۸)

”تب فرعون نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بلوایا اور انھیں کہا کہ اس دفعہ میں نے گناہ کیا ہے خداوند عادل ہے میں اور میری قوم گنہگار ہیں، خداوند سے شفاعت کرو (کہ بس) آگے کو اس طرح سے نہ گرجے اور اولے نہ گریں تب میں تمھیں جانے دوں گا، اور تم اس سے آگے یہاں نہیں رہنے کے“۔ (خروج ۹ : ۲۷، ۲۸)

”تب فرعون نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو جلد بلایا اور کہا کہ میں خداوند تمہارے خدا کا اور تمہارا گنہگار ہوں، سو اب میں تمہاری منت کرتا ہوں، فقط اس مرتبہ میرا گناہ بخشو اور خداوند اپنے خدا سے شفاعت کرو کہ فقط اس موت کو مجھ سے دور کرے“۔ (خروج ۱۰ : ۱۶ و ۱۷)

فرعونی گورنمنٹ جب اپنے کو کسی آفتِ ارضی و سماوی سے دوچار پاتی، تو جھٹ آزادی کا وعدہ بنی اسرائیل سے کر لیتی۔ اور یہ شیوہ دنیا کی ظالم حکومتوں میں عام ہے۔

صیغے جمع غائب اور جمع متکلم کے اس لئے آئے ہیں کہ یہ کہنے والے فرعون کے ساتھ اُس کے ارکان حکومت بھی تھے۔

۱۷۶ یعنی جب جب وہ عذاب عارضی طور پر ان سے ٹل جاتا، تو معاً ان کی وہ سرکشی و نافرمانی پھر لوٹ آتی، توریت میں بھی یہ مضمون بار بار آیا ہے، مثلاً:۔

”جب فرعون نے دیکھا کہ مہلت ملی تو اس نے اپنا دل سخت کیا اور جیسا خداوند نے کہا تھا ان کی نہ سنی“۔ (خروج ۸ : ۱۵)

”فرعون نے اس بار بھی اپنا دل سخت کیا ان لوگوں کو ہرگز جانے کی رخصت نہ دی“۔ (خروج ۸ : ۳۲)

اس مضمون کی آیتیں کتاب خروج کے باب ۷، ۸ و ۹ میں بار بار آئی ہیں، باب ۱۱ میں آتا ہے:۔

”اور موسیٰؑ اور ہارونؑ نے یہ عجائب فرعون کو دکھائے اور خداوند نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا کہ اس نے اپنے ملک سے بنی اسرائیل کو جانے نہ دیا“۔ (خروج ۱۱ : ۱۰)

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ

اور ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھ لئے گئے تھے اس سرزمین کے پچھم اور پورب کا مالک بنادیا جس میں ہم نے برکت رکھ دی

بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا

ہے ۱۷۸ اور آپ کے پروردگار کا نیک وعدہ (جو بنی اسرائیل کا حق تھا) اُن کے صبر کی بنا پر پورا ہو کر رہا، اور جو کچھ

صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

فرعون اور اس کی قوم نے تیار کیا تھا اور جو جو انھوں نے اونچی (عمارتیں) بنائی تھیں ان (سب) کو ہم نے ملیا میٹ کر دیا ۱۷۹

الیٰ اجل ھم بالغوہ۔ یعنی اُس وقت کے لئے جو علم الٰہی میں اُن کی ہلاکت کے لئے مقرر تھا۔

الیٰ اجل معین (کبیر)

غرق فرعون پر مفصل حاشیے سورۂ بقر پارۂ اول رکوع ۶ کی تفسیر میں گزر چکے۔

۱۷۷ اس میں تصریح کر دی کہ سزا کی بنا ان لوگوں کی تکذیب آیات الٰہی اور اُن کی طرف سے اعراض تھا۔

عنھا میں ضمیر ایات کی طرف بھی ہو سکتی ہے، اور نقمت کی طرف بھی جو فانتقمنا کا مدلول ہے۔

الکنایۃ عائدۃ الی الأیات وھو اختیار الزجاج (کبیر) قیل انھا عائدۃ الی النقمۃ (کبیر)

غٰفلین۔ غفلت سے یہاں وہ کیفیتِ قلب مراد نہیں، جو انسان کے اختیار سے باہر ہے، بلکہ یہ اعراضِ اختیاری مراد ہے۔

المراد بالغفلۃ ھنا الاعراض عن الأیات وعدم الالتفات الیھا فھم اعرضوا عنھا حتی صاروا کالغافلین (کبیر)

فانتقمنا میں ف اس پر دلالت کر رہی ہے کہ یہ سزا انھیں مسلسل گستاخانہ عہد شکنیوں کے بعد دی گئی۔

انتقمنا۔ انتقام کے معنی محاورۂ عرب میں ہمیشہ بدلہ ہی لینے کے نہیں آتے، بلکہ عذاب سے کسی نعمت کو سلب کر لینے کے بھی ہیں، اور نقم کے معنی مطلق سزا کے ہیں۔

الانتقام فی اللغۃ سلب النعمۃ بالعذاب (کبیر) والنقمۃ العقوبۃ (راغب)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ عقوبت دنیوی کبھی معصیت پر بھی مرتب ہو جاتی ہے۔

۱۷۸ (ظاہری و باطنی، مادّی و روحانی دونوں قسم کی)

یعنی وہ سرزمین انبیاءؑ بھی ہے، آب و ہوا لطیف اور پھلوں، میووں وغیرہ کے لحاظ سے بھی ہر طرح سرسبز و شاداب۔

مشارق.... بٰرکنا فیھا۔ یعنی سرزمین شام مع اپنے نواح و مضافات کے، تابعینؒ نے عموماً اس سے مراد سرزمین شام ہی لی ہے۔

ای جمیع جہاتھا والمراد بھا علی، روی عن الحسن وقتادۃ وزید بن اسلم ارض شام (روح) وذلک لایلیق الا بارض الشام (کبیر) والارض ھی ارض الشام ومصر ومشارقھا ومغاربھا جھات الشرق والغرب بھا۔ (قرطبی)

کسائی نحوی اور فراء نحوی کے نزدیک اصل عبارت فی مشارق الارض ومغاربھا (قرطبی)

القوم.... یستضعفون، ظاہر ہے کہ مراد بنی اسرائیل ہیں، وہی مصر میں ذلیل سمجھ لئے گئے تھے۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار اتار دیا پھر وہ ایسے لوگوں پر گزرے جو اپنے بتوں کو لئے بیٹھے تھے (اس پر بنی اسرائیل) کہنے لگے

قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک دیوتا ایسا ہی ٹھہرا دیجئے جیسے ان کے (یہ) دیوتا ہیں (موسیٰؑ نے) کہا واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے ۱۸۰

شام کے وسیع، سرسبز، زرخیز علاقہ اور اس کے ملحقات پر بنی اسرائیل کا قبضہ چند نسلوں بعد حضرت داؤدؑ و حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں ہو گیا۔

۱۷۹ (اور فرعون کی بربادی مکمل ہو گئی۔)

ماکان یصنع ۔ مُراد عمارتیں ہیں۔

یرید المصانع (کبیر عن ابن عباسؓ) ماکانوا یعملون ویسوون من العمارات وبناء القصور (کشاف)

وماکانوا یعرشون سے بھی مُراد وہی اونچی عمارتیں ہیں۔

قال ابوعبیدۃ یبنون (راغب) یرفعون الأبنیۃ المشیدۃ فی السماء (کبیر)

یہ فرعونِ مغروق اپنے شوقِ تعمیرات کے لئے تاریخ میں مشہور بھی ہوا ہے۔

وماکانوا یعرشون کے دوسرے معنی فرعونیوں کے لگائے ہوئے باغ اور چمن بھی ہو سکتے ہیں۔

ای ماکانوا یعرشون من الجنّات (کبیر)

کلمت ربك الحسنیٰ ۔ یہ وعدۂ نیک فرعون کی غلامی سے آزادی حاصل ہونے اور خود مختاری کا تھا۔

ومعنی تمام الکلمۃ الحسنیٰ انجاز الوعد الذی تقدم باھلاك عدوھم واستخلافھم فی الارض۔ (کبیر)

بما صبروا ۔ یعنی یہ مرتبہ جو کچھ حاصل ہوا ہے صبر کی بنا پر نصیب ہوا ہے۔

انما حصل ذلك المقام بسبب صبرھم (کبیر)

اور صبر فرعون کے ظلم و ستم پر بھی کرنا پڑا تھا، نیز احکام الٰہی کی پابندی پر۔

۱۸۰ (کہ توحید جیسی بے نظیر نعمت سے مشرف ہو کر بت پرستی جیسی لعنت پر گرتے ہو)

وجاوزنا ببنی اسرائیل البحر یعنی جب بنی اسرائیل نے بحرِ احمر کے شمالی سرے کو عبور کر کے جزیرہ نمائے سینا میں قدم رکھا، اور شمال سے جنوب کی طرف سمندر کے کنارے کنارے راہی ہوئے اس پر حاشیہ سورۂ بقرہ رکوع ۶ میں گزر چکا

قوم یعکفون علی اصنام لھم بنی اسرائیل چونکہ جزیرہ نمائے سینا کے جنوبی علاقہ کی طرف قدم بڑھا رہے تھے اس لئے اس کا تو قرینہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کا سابقہ عمالقہ سے پڑا ہو بعض اہل قلم نے نقل کیا ہے کہ بت پرست قوم بنی لخم تھی بہر حال تھی کوئی بڑی بت پرست قوم جس کی تعیین نہ قرآن و حدیث میں آئی ہے اور نہ تاریخ ہی سے اب ممکن ہو سکی ہے

ولم یبین لنا کتاب اللہ تعالیٰ ولا رسولہ شیئاً یبین امر القوم الذین اتی علیھم بنو اسرائیل عقب خروجھم والظاھر انھم من العرب الذین کانوا یقیمون بقرب حدود مصر، روی عن قتادۃ انھم من عرب لخم وعن ابن عمران الجونی لخم وجذام (المنار)

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ أَغَيْرَ اللَّهِ

یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ تباہ ہو کر رہے گا اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں یہ بھی (بالکل) باطل ہے ۱۸۱ (موسیٰؑ نے) کہا

أَبْغِيكُمْ إِلَٰهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۱۴۰﴾ وَإِذْ أَنجَيْنَاكُم مِّنْ

کیا میں اللہ کے سوا کسی (اور) کو تمہارا معبود تجویز کردوں درآنحالیکہ وہ تم کو دنیا جہان والوں پر فضیلت دے چکا ہے ۱۸۲ اور (وہ

آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۖ يُقَتِّلُونَ أَبْنَاءَكُمْ

وقت یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات دی تھی جو تم کو سخت عذاب میں ڈالے ہوئے تھے تمہارے لڑکوں کو ہلاک

وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۱۴۱﴾

کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے لئے تمہارے پروردگار کی طرف سے سخت آزمائش تھی ۱۸۳

وَوَاعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتْمَمْنَاهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۚ

اور ہم نے موسیٰؑ سے تیس شبوں کا وعدہ کیا پھر ان کا تکملہ دس (اور راتوں) سے کیا سو موسیٰؑ کے پروردگار کی مدت چالیس شب کی پوری ہوئی ۱۸۴

ع ۱۶/۱۲/۶

اجعل لنا الٰھًا بنی اسرائیل کی اس بیہودہ فرمائش سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید ان کے دل میں بالکل ہی نہیں اُتری تھی اور جیسے وہ سمجھ رہے تھے کہ معبود سازی کوئی اپنے اختیار و انتخاب کے اندر ہے، یا قوم کے سردار و رہبر کے بس میں ہے کہ وہ جب اور جسے چاہے اپنی قوم کے لئے معبود قرار دے لے! عجب نہیں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے جواب انکم قوم تجھلون میں اس جانب بھی اشارہ ہو کہ تمہاری سمجھ میں اتنی موٹی سی بات بھی نہیں آتی! کیا معبود ٹھہرا دینا میرے یا کسی کے اختیار کی بات ہے؟ تمہارے دماغ سے بوئے جاہلیت اب تک نہیں گئی ہے! — آیئے اس کی مثال ہم پہونچا دی کہ مشرک ملحد قوم کی تقلید کی ہوس میں اس برائی سے موحد قوم بھی خالی نہ رہی اور وہ بھی اپنے پیغمبر جلیل کی موجودگی میں۔

۱۸۱ یعنی اُن کا یہ شغل بُت پرستی بجائے خود بھی باطل ہے اور انجام کار اس کے حق میں خدائے قادر و قدوس کی طرف سے تباہی و بربادی بھی ہے، تم ایسوں کی تقلید کی طرف آخر کیسے جا رہے ہو؟

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اہل باطل کے ساتھ تشبہ تو دنیوی عادات میں بھی مذموم ہے چہ جائیکہ رسوم عبادت وغیرہ میں!

۱۸۲ (بہ حیثیت علمبردار توحید کے)

حضرتؑ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ شرک تو کسی قوم کے لئے کسی حال میں بھی جائز نہیں، چہ جائیکہ تمہارے لئے جو شروع سے توحید کے حامل و علمبردار رہے ہو! ایسے قابل رشک مرتبہ پر پہونچ کر یہ کیسی پستی میں گر رہے ہو! نعمت توحید من حیث القوم پرانی قوموں میں بنی اسرائیل ہی کو ملی تھی، یہی خود اُن کی اصل فضیلت تھی۔

افضلیت بنی اسرائیل پر حاشیے پ۱ سورۂ بقرہ، رکوع ۵ و ۶ میں گزر چکے۔

وَقَالَ مُوسٰى لِاَخِيهِ هٰرُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ

اور موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہا کہ میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور اصلاح کرتے رہنا اور مفسدوں کی

سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا جَاءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ

روش پر نہ چلنے لگنا ۱۸۵ اور جب موسیٰؑ ہمارے وقت (موعود) پر آگئے، اور ان سے ان کا پروردگار ہم کلام ہوا ۱۸۶

۱۸۳ تاریخ کے ان سب واقعات پر حاشیے پ سورۂ بقرہ، رکوع ۶ میں گزر چکے۔

۱۸۴ ان چالیس شبوں پر حاشیے پ سورۂ بقرہ رکوع ۶ میں گزر چکے۔
اب وقت وہ ہے کہ قوم بنی اسرائیل مصر سے نکل کر آزاد و خود مختار ہو چکی ہے اور اب اس قوم کے لئے ایک دستور شریعت نازل ہونے کو ہے اور حضرت موسیٰؑ اسی کو لینے کے لئے کوہ طور پر طلب کئے گئے ہیں، پہاڑ پر ایک چلہ کی مدت کے لئے حضرت موسیٰؑ نے خاص ریاضتوں کے ساتھ قیام کیا

لیلۃً میں حسب محاورۂ عرب دن اور رات دونوں شامل ہیں۔

والمراد بالليلة ما يشمل الليل والنهار في عرف العرب عند الاطلاق (المنار)

اور لفظ لیلۃ ہی سے استنباط یہ کیا گیا ہے کہ شریعت میں معتبر تاریخ کا وہی حساب ہے جو بجائے دن کے رات سے کیا جائے۔

دلت الآية على ان التاريخ يكون بالليالي دون الايام (قرطبی)

اور جو تقویم قمری حساب سے قائم ہوگی اس میں رات کی یہ اہمیت ویسی ہی قدرتی ہے، جیسی تقویم شمسی میں دن کی اہمیت۔

اربعین لیلۃً۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہی عدد اصل ہے صوفیہ کے ہاں کے چلہ کی، جس کی برکتیں مشاہد ہیں۔

۱۸۵ (جیسا کہ مجھے اپنے وسیع تر تجربہ کی بنا پر حق حاصل ہے کہ تمہیں اپنی غیر حاضری کے زمانہ کے لئے انتظامی امور میں مفصل احکام و ہدایات دے جاؤں)

اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي۔ حضرت ہارونؑ تو خود نبی تھے پھر یہ ایک دوسرے نبی کی جانشینی کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ یہ جانشینی بہ حیثیت نبی نہیں بہ حیثیت اعلیٰ سردار قوم تھی، حضرت موسیٰؑ محض نبی ہی نہیں اعلیٰ سردار قوم بھی تو تھے اور جو جانشینی وہ اس وقت سونپ کر جا رہے ہیں، وہ صرف انتظامی و سیاسی نوعیت کی تھی، اور اسی کے متعلق وہ ہدایات بھی دے رہے ہیں، یہ نیابت و خلافت اسی طرح کی تھی، جیسے نبی کریم صلعم جب مدینہ سے باہر کسی غزوہ وغیرہ میں جاتے تو انتظامی امور کی باگ کبھی حضرت علیؓ کے، کبھی حضرت ابن ام مکتومؓ کے اور کبھی کسی اور صحابی کے ہاتھ میں دے جاتے، اس کو خلافت و نبوت سے کوئی تعلق نہیں۔

اخلفنی فی قومی۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں اصل ہے شیوخ کے اس عمل کی کہ مریدوں کو اپنے خلفاء کے سپرد کر دیتے ہیں

۱۸۶ (براہِ راست اور بلا واسطۂ ملک وغیرہ)

وهو بلا واسطة (جلالين) من غير وسيط (بيضاوی) كلمة بلا واسطة وكيفية (مدارك)

ہم کلامی جناب باری سے مشرف ہونے کا حضرت موسیٰؑ کے لئے یہ دوسرا موقع ہے، پہلی بار یہ شرف عطائے نبوت کے وقت حاصل ہوا تھا، گو اس وقت مخاطبہ شاید اتنا براہ راست و بلا حجاب نہ تھا جیسا کہ لفظ نودی سے نودی من شاطئ الواد الایمن میں اشارہ ہو رہا ہے

قَالَ رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ ؕ قَالَ لَنۡ تَرٰىنِیۡ وَلٰـكِنِ انۡظُرۡ اِلَی

موسیٰ بولے اے میرے پروردگار! مجھے اپنے کو دکھلا دے (کہ) میں تجھ کو ایک نظر دیکھ لوں ۱۸۷؎ (اللہ نے) فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے ۱۸۸؎ (الف)

الۡجَبَلِ فَاِنِ اسۡتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوۡفَ تَرٰىنِیۡ ۚ

البتہ تم (اس) پہاڑ کی طرف دیکھو سو اگر یہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی دیکھ سکو گے ۱۸۸؎ (ب)

لمیقاتنا میں ل اختصاص کا ہے۔

ای لوقتنا الذی وقتناہ واللام للاختصاص (روح) ومعنی اللام الاختصاص ای اختص بمجیئہ لمیقاتنا (مدارک)

۱۸۷؎ (اپنی انہیں مادی آنکھوں سے)

ایک پیمبر جلیل القدر کی زبان سے یہ درخواست بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ رویت باری مادی آنکھوں سے عقلاً محال و ممتنع نہیں ارنی انظر الیک۔ حضرت موسیٰؑ کا یہ قول فرط اشتیاق سے مغلوب ہو کر تھا، جیسا کہ اس کے قریب قریب ایک دوسرے پیمبر جلیل حضرت خلیلؑ کی بھی زبان سے ادا ہوا تھا۔

۱۸۸؎ (الف) (عالم ناسوت میں اپنی مادی آنکھوں سے)

ارشاد باری کے الفاظ ذہن میں رہیں' ارشاد یہ نہیں ہوا ہے کہ لن اُرٰی (میں دیکھا نہیں جا سکتا ہوں) صرف یہ ہوا ہے کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے (لن ترانی) یعنی تمہارے موجودہ حواس اس کی قوتِ برداشت نہیں رکھتے، مذہب اہل سنت یہی ہے' ملاحظہ ہو پ ۱ سورۂ بقرہ آیہ قالوا یٰموسیٰ لن نؤمن لک حتی نری اللہ جھرۃ۔ پر حاشیے۔

قال لن ترانی ای لا تقدر علی رؤیتی والتعبیر بہ دون لن اُریٰ یفید امکان رویتہ (جلالین) ای لا قابلیۃ لک لرؤیتی (روح) واستدل اھل السنۃ المجوزون لرویتہ سبحانہ بھٰذہ الآیۃ علی جوازھا فی الجملۃ (روح) وھو دلیل لاھل السنۃ لجواز الرؤیۃ (مدارک) وھو دلیل ان رؤیتہ تعالیٰ جائزۃ (بیضاوی) قال اصحابنا ھٰذہ الآیۃ تدل علی انہ سبحانہ یجوز ان یریٰ (کبیر) قال ابن عطیۃ ورؤیۃ اللہ عند الاشعریۃ واھل السنۃ جائزۃ عقلاً (بحر)

صرف معتزلہ نے لن سے دھوکا کھا کر امکان رویت باری کی نفی سرے سے کر دی ہے۔

قد اشکل حرف لن ھٰھنا علی کثیر من العلماء لانھا موضوعۃ لنفی التابید فاستدل بہ المعتزلۃ علی نفی الرؤیۃ فی الدنیا والآخرۃ وھٰذا اضعف الاقوال (ابن کثیر)

۱۸۸؎ (ب) اصل درخواست کا جواب لن ترانی پر ختم ہو گیا، یعنی اس ناسوتی دنیا میں اپنی مادی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے ہو اور یہ جواب اس ناسوت میں رویت باری کے امتناع شرعی کی دلیل ہے گویا بہ طور اصول کے یہ حقیقت بتا دی گئی کہ انسان اپنی ترکیب جسمانی کے اعتبار سے ضعیف البنیان ہے' اس کے قوائے ظاہری اس عالم عنصری میں رویتِ جمالِ باری کی تاب نہیں لا سکتے۔

اصل جواب تو وہیں ختم ہو گیا، آگے مزید شفقت و کرم سے ایک موقع حضرت موسیٰؑ کو عملی تجربہ اور اطمینانِ قلب کا اور دیا جا رہا ہے' اور ارشاد ہو رہا ہے کہ اچھا دیکھو' پہاڑ جو ظاہری و مادی اعتبار سے انسان سے کہیں زیادہ

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ

پھر جب ان کے پروردگار نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی تو (تجلی) نے (پہاڑ) کو ریزہ ریزہ کر دیا ۱۸۹ اور موسیٰؑ بے ہوش ہو کر

اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ

گر پڑے ۱۹۰ پھر جب انہیں افاقہ ہوا تو بولے تو پاک ہے میں تجھ سے معذرت کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں ۱۹۱

يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ

(اللہ نے) فرمایا اے موسیٰؑ میں نے تمہیں انسانوں پر اپنی پیامبری اور اپنے کلام کے ذریعہ سے ممتاز کیا ۱۹۲

قوت رکھتا ہے اس پر ہم اپنی تجلی کی ایک جھلک ڈالے دیتے ہیں، اگر وہ اسے برداشت کرے گیا، تو تمہارے لئے بھی برداشت کرنا ممکن ہوگا ــــــ پیمبر بھی تو آخر جسمانی قوتیں وہی رکھتا ہے جو دوسرے انسان رکھتے ہیں۔

الجبل۔ یہ پہاڑ کون سا تھا اس کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ الطور پر سورۂ بقرہ آیت ۶۳ کے تحت اور الوادالایمن پر سورۂ مریم و سورۃ القصص میں۔

۱۸۹ (اور اس سے یہ عیاناً ظاہر ہو گیا کہ بصر بشری میں رویت جمال باری کا تحمل نہیں)

جعلہ دکا۔ ضمیر ہٗ سے مراد پہاڑ کا وہ خاص حصہ ہے جس پر بہ اختیار خود تجلی فرمائی گئی تھی۔

تجلی ربہ للجبل۔ یعنی جو حجابات نور خداوندی کو بہ ارادۂ خداوندی آج تک نظر خلائق سے محجوب کئے ہوئے ہیں وہ پہاڑ کے حق میں کسی قدر اور کسی حد تک دور کر دیے گئے۔

۱۹۰ (اپنے سے جسماً قوی تر پہاڑ کی یہ حالت مشاہدہ کر کے)

حضرت کی غشی کی وجہ اغلباً یہ ہوئی کہ محل تجلی (پہاڑ) سے آپؑ بھی گونہ تعلق و تلبس رکھے ہوئے تھے۔

۱۹۱ (ذاتی تجربہ کے بعد تیرے اس ارشاد پر کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ لن ترانی)

بانک لاتریٰ فی الدنیا الوعدک السابق فی ذلک (قرطبی)

لما افاق۔ یعنی جب آپؑ کے ہوش بجا ہوئے۔

الافاقۃ رجوع العقل والفہم الی الانسان بعد ذھابھما عنہ (روح)

سبحنک۔ یعنی تو پاک اور منزہ ہے اس سے کہ عالم ناسوت میں انسانی حاسۃ البصر کی گرفت میں آسکے۔

تبت الیک۔ یعنی اپنی اس مشتاقانہ و بیتابانہ درخواست پر معذرت کرتا ہوں۔

قال مجاھد من مسألۃ الرؤیۃ فی الدنیا (قرطبی)

توبہ ہمیشہ معصیت ہی سے نہیں ہوتی، ہر نامناسب درخواست سے بھی ہو سکتی ہے، اور وہی یہاں مراد ہے۔

واجمعت الامۃ علی ان ھذہ التوبۃ ماکانت عن معصیۃ (قرطبی)

توبہ کے معنی تو مطلق رجوع و رجعت کے ہیں، معصیت کا صدور اس کے لئے ہرگز لازمی نہیں۔

فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ

سو اب تو جو کچھ میں نے تم کو عطا کیا ہے اور شکر گزاروں میں سے رہو ۱۹۳ اور ہم نے ان کو تختیوں پر ہر چیز لکھ دی

مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ

نصیحت اور تفصیل ہر چیز سے متعلق ۱۹۴ تو انھیں قوت کے ساتھ پکڑ لو اور اپنی قوم کو

وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

حکم دو کہ اس کے اچھے اچھے (احکام) کو لازم کرلیں ۱۹۵ عنقریب میں تم لوگوں کو نافرمانوں کا مقام دکھا دوں گا ۱۹۶

لان التوبة قد تطلق بمعنی الرجوع وان لم يتقدمها ذنب (روح)

مذہب اہل سنت میں رویت باری اس دنیا میں عقلاً بالکل جائز ہے، صرف شرعاً ممتنع ہے۔

۱۹۲ (سو تمہارے لئے یہ امتیازات خاصہ کیا کچھ کم ہیں؟)

برسٰلٰتی وبکلامی۔ دونوں کے درمیان عطف مغائرت لاکر گویا ادھر بھی اشارہ کردیا کہ رسول اور کلیم دو مختلف منصبوں کے نام ہیں، اور ہر رسول کے لئے کلیم ہونا لازمی نہیں۔

۱۹۳ (برخلاف اپنی ناشکری قوم کے)

ما اٰتیتک۔ کے عموم میں رسالت، ہم کلامی اور شریعت توریت سب آگئے۔

۱۹۴ یعنی مسائل واحکام دین سے متعلق ہر ضروری تفصیل ان میں درج کردی گئی۔

من کل شیءٍ۔ سے ساری دنیا کی چیزیں متعلق وغیر متعلق مراد نہیں ہوتیں بلکہ دینی متعلقہ احکام ومسائل ہی مراد ہیں

ای مما یحتاج الیه فی دینه من الاحکام (قرطبی) ولاشبهة فيه انه ليس على العموم بل المراد من كل ما يحتاج اليه موسٰى وقومه فی دينهم (كبير) مما يحتاجون اليه من الحلال والحرام والمحاسن والقبائح على ما قال الرازی وغيره (روح)

کُلّ۔ کا استعمال ہمیشہ اطلاق واستغراق کے لئے ہونا بھی نہیں، کہیں صرف تکثیر کے لئے ہوتا ہے جس کی اور مثالیں بھی قرآن ہی میں موجود ہیں۔

وقد تستعمل للتكثير والمبالغة نحو تدمر كل شيءٍ بامر ربها (اقرب) وقد يستعمل كلّ فی الخصوص عند القرينة كما تقول دخلت السوق فاشتريت كل شيءٍ وعليه قوله تعالىٰ ولقد اريناه اٰيٰتنا كلها (ابوالبقاء)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں کُلّ سے مقصود محض اظہار تفخیم ہے نہ کہ تعمیم۔

وقيل هو لفظ يذكر تفخيما ولا يراد به التعميم (قرطبی)

من یہاں مزید ہے نہ کہ تبعیضیہ۔ من مزيدة لا تبعيضية (روح)

لهٗ۔ یعنی حضرت موسیٰؑ کے لئے۔

الالواح۔ انھیں لکھی ہوئی تختیوں کا نام توریت پڑا، اجمال کی کسی قدر تفصیل خود توریت میں ہے:-

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَكَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ وَ اِنْ یَّرَوْا

میں اپنی نشانیوں سے ان لوگوں کو پھرا ہوا ہی رکھوں گا جو روئے زمین پر تکبر کرتے رہتے ہیں ناحق ۱۹۷ اور اگر

كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَ اِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ۚ

یہ ساری نشانیاں (بھی) دیکھ لیں جب بھی ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھ لیں تو اسے (اپنا) راستہ نہ بنائیں

"اور موسیٰؑ پھر کر پہاڑ سے اُتر گیا، اور شہادت کے دونوں تختے اس کے ہاتھ میں تھے، وہ تختے لکھے ہوئے تھے، دونوں طرف اِدھر اُدھر لکھے ہوئے تھے، اور وہ تختے خدا کے کلام سے تھے اور جو لکھا ہوا سو خدا کا لکھا ہوا اور ان پر کندہ کیا ہوا تھا"۔ (خروج ۲۰: ۱۵)

موعظة وتفصيلاً لكل شيء۔ جار مجرور سے بدل ہے یعنی مواعظ و تفصیل احکام میں سے ہر چیز۔

بدل من الجار والمجرور اى كتبنا له كل شيء من المواعظ وتفصيل الاحكام والى هذا ذهب غير واحد من المعربين۔ (روح)

۱۹۵ یعنی اس کے سارے احکام کو اگر اچھے تو اس کے سب ہی احکام ہیں۔

وقال قطرب كما نقله عنه محى السنة المعنى ياخذ وا بحسنها وكلها حسن (روح)

خذها بقوة۔ یعنی اے موسیٰؑ کوشش و اہتمام کے ساتھ ان پر عمل کرو۔

پیمبر جو قانون الٰہی لے کر آتا ہے خود اُس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہوتا، سب سے پہلے خود ہی اُسے اُس قانون پر عملدر آمد کرنا ہوتا ہے، اور پھر اُسے ساری اُمت پر اُس قانون کا اجرا کرانا ہوتا ہے۔

۱۹۶ (اے قوم بنی اسرائیل)

خطاب ابھی صیغۂ واحد میں حضرت موسیٰؑ سے تھا، اس صیغۂ جمع میں اُمت موسوی سے ہو رہا ہے۔

الفاسقین سے مراد وہ سرکش و بے دین عمالقہ ہیں جو اس وقت تک ارض کنعان پر قابض تھے۔

آیت کو بشارت کے معنی میں بھی لیا جا سکتا ہے کہ عنقریب تمھیں تمھارے دشمنوں کے ملک پر قابض و مالک کر دیا جائے گا۔

اى سيورثهم ارض اعدائهم وديارهم۔ (کبیر)

اور عبرت کا پہلو بھی نکل سکتا ہے کہ تم اپنے دشمنوں کے ملک میں داخل ہو گے اور اُن کے انجام سے عبرت حاصل کرو گے، چنانچہ قتادہ تابعی سے بھی یہی معنی مروی ہیں۔

فادخلكم الشام واريكم منازل الكافرين الذين كانوا متوطنين فيها من الجبابرة والعمالقة لتعتبروا بها۔ (کبیر)

۱۹۷ (اور دنیا میں تکبر کا حق کسی کو بھی نہیں پہونچتا، اس لئے کہ تکبر جہاں کہیں بھی ہوگا ناحق ہی ہوگا)

یعنی ایسے لوگ جو قصداً راہ کبر و انانیت اختیار کئے ہوئے ہیں، انھیں کبھی بھی قبول حق کی توفیق نہ ہوگی، اور یہ برابر راہ حق سے برگشتہ ہی رہیں گے یہ نہ ہوگا کہ ایسے لوگوں کو تکوینی طور پر قبول حق پر مجبور کر دیا جائے۔

بغیر الحق یعنی یہ راہ کبر و گردن کشی خود ان گردن کشوں کے معیار سے بھی سر تا سر مہمل و باطل ہے ہو سکتا ہے کہ

وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا

اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ پائیں تو اُسے (اپنا) راستہ بنا لیں، یہ ساری (شامت) اس سبب سے ہے کہ انھوں نے

وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ

ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور ان کی طرف سے اپنے کو غافل رکھا ۱۹۸ اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو اور آخرت کے پیش

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَاتَّخَذَ

آنے کو جھٹلایا اُن کے اعمال اکارت گئے۔ اور اُن کو بدلہ اُسی کا ملے گا جو کچھ کہ وہ کرتے رہے ہیں ۱۹۹ اور موسیٰ کی

قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ

قوم نے ان کے (جانے کے) بعد ایک بچھڑا اپنے زیوروں سے بنایا (یعنی) ایک قالب جس کے اندر ایک آواز تھی ۲۰۰

بغیر الحق کا اضافہ اُن لوگوں کے تکبرِ ناحق پر زور اور تاکید کے لئے ہو۔

۱۹۸ معاندین حق کی یہ ذہنیت آج تک برابر چلی آرہی ہے، نیک سے نیک نمونے ان کے لئے بے اثر رہتے ہیں، اور بدی کی ہر مثال ان کے لئے ایک سند اور نظیر کا کام دینے لگتی ہے، ساری آیت ان کے قساوتِ قلب کی ترجمان ہے۔

ذلك .... غفلین۔ آخر میں اس حقیقت کو اور زیادہ صراحت سے بیان کر دیا کہ ان گردن کشوں پر یہ خدائی پھٹکار آپ ہی آپ نہیں ہے، بلکہ یہ سارا وبال خود انھیں کی ارادی عدول حکمیوں، کج اندیشیوں اور نخوت پسندیوں کا ہے۔

ذلك مجازاة من تكبرهم (قرطبی)

کذبوا بایتنا۔ یعنی ہمارے تکوینی نشانوں اور تشریعی احکام کی انھوں نے بالقصد اپنے عناد سے تکذیب کی۔

کانوا عنها غفلین۔ یعنی ہمارے ان نشانوں پر غور سے کام ہی نہ لیا، اور قصداً ان سے اعراض کئے رہے غفلت یہاں نادانستہ، بے خبری ولاعلمی کے معنی میں نہیں، دانستہ اعراض کے معنی میں ہے۔

۱۹۹ یعنی یہ سزا ان کو خواہ مخواہ ہرگز نہ ملے گی، تمام تر ان کا کفر ہی اس کا مقتضی ہوگا۔

حبطت اعمالهم۔ یہ سزا انھیں قیامت میں پہونچ کر ملے گی، یعنی ان کے جو اعمال دنیا میں بڑے خوشنما تھے اور جن پر انھیں دُنیا میں بھروسہ اور ناز تھا، قیامت میں دیکھیں گے تو وہ سب کے سب صفر محض! ان کی کوئی وقعت کوئی قیمت ہی نہیں، ایمان سے خالی اس لئے ہر اجر سے خالی، مقصد صحیح تو ان کا تھا ہی نہیں، پھر نتیجہ بھی نیک کیسے نکلتا، تکذیب آیاتِ الٰہی یعنی تکذیب توحید اور انکار آخرت تو اُن کے بنیادی اور کلیدی جرم ٹھہرے، اب اس کے بعد اُن کے اعمال میں جو کچھ بھی خوش فعلی ہوگی، وہ محض ظاہری، سطحی اور نمائشی ہوگی، تو بازار آخرت میں اُن کی کوئی قدر و قیمت کیسی؟

۲۰۰ اس نئے معبود زریں کی کیفیت یہ تھی کہ وہ محض ایک جسد تھا بے جان ایک قالب تھا بے رُوح، ایک جسم تھا حیات سے عُری، بس اس سے ایک آواز نکلتی تھی جیسے گوسالہ بھیں بھیں کرتا ہے ــــ اور ایسی آوازیں تو مٹی کے کھلونوں

ع ۱۷ / ۶

اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُكَلِّمُهُمْ وَ لَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَ كَانُوْا

کیا اُن کو یہ تک نہ سوجھا کہ وہ نہ تو ان سے بات کر سکتا تھا) اور نہ انھیں کوئی راہ بتلا سکتا تھا اس کو انھوں نے (معبود)

ظٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَ لَمَّا سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ وَ رَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ

بنا لیا اور بڑا ہی ظلم (اپنے حق میں) کر بیٹھے ۲۰۱ اور جب نادم ہوئے اور محسوس کیا کہ وہ تو بڑی گمراہی میں پڑ گئے۔

تک میں معمولی صنعت گری سے پیدا ہو جاتی ہیں، گراموفون وغیرہ اعلیٰ آلات صنّاعی کا ذکر ہی نہیں، یہ بچھڑا واقعی جاندار نہیں بن گیا تھا، بس ایک مورتی چاندی سونے ہی کی رہی تھی، جیسا کہ بعض محققین سلف نے بھی تصریح کر دی ہے۔

کان جسدًا من ذهب لا روح فیها کان یسمع منه صوت (معالم) والمراد هنا ما هو علیٰ صورة العجل (روح)

ایک بحث بعض پرانے مفسرین کے ہاں خواہ مخواہ یہ چھڑ گئی کہ یہ بچھڑا حرکت بھی کرتا تھا یا نہیں، اللہ جزائے خیر دے صاحب روح المعانی کو کہ اُنھوں نے یہ خوب لکھ دیا کہ لیست هذه المسئلة من المهمات یہ سرے سے کوئی اہم بحث نہیں۔

من بعده۔ یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر توریت لینے کو تشریف لے گئے ہیں تو اُن کی چہل روزہ غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر اسرائیلیوں نے پہلے تو ایک بچھڑے کی سُنہری مورت بنائی، جس کے اندر کسی شعبدے سے آواز بھی نکلتی تھی، اور پھر اس کی پرستش شروع کر دی۔

من حلیهم۔ یہ زیور وہ تھے جو اسرائیلیوں نے مصر سے اپنے کوچ سے قبل قبطیوں سے حاصل کئے تھے توریت ہی میں ہے:۔ "اور انھوں نے مصریوں سے روپیہ کے جوشن اور سونے کے برتن اور کپڑے عاریت لئے، اور خداوند نے ان لوگوں کو مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخشی کہ انھوں نے انھیں عاریت دی۔" (خروج ۱۲ : ۳۵ و ۳۶)

یہ زیور تو اصلاً قبطیوں یا فرعونیوں کے تھے، اور قرآن مجید یہاں اُن کی نسبت اسرائیلیوں کی جانب کر رہا ہے، اس سے بعض فقہاء مفسرین نے استدلال کیا ہے کہ کافر حربی کا مال جب مسلم کے قبضہ میں آجائے، تو اس سے کافر کا حق ملکیت زائل ہو جاتا ہے۔

فیه دلیل علیٰ ان الاستیلاء علیٰ اموال الکفار یوجب زوال ملکهم عنها (مدارک)

واتخذ قوم موسیٰ۔ قوم موسیٰؑ کی یہ تصریح موجودہ توریت مُحرّف کی تردید میں ہے، جس نے گوسالہ سازی کی ساری ذمہ داری حضرت ہارونؑ کے سر ڈال دی ہے (خروج، باب ۳۲)

۲۰۱ کیسی شدید حماقت وجہالت تھی ایسے بے بس اور بے قدرت مصنوع کو اپنا معبود بنا لینا!

اتخذوه۔ توریت میں ہے:۔ "اور اُنھوں نے کہا کہ اے اسرائیل یہ تمھارا معبود ہے جو تمھیں مصر کے ملک سے نکال لایا۔" (خروج ۳۲ : ۴) "اُنھوں نے اپنے لئے ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا اور اُسے پُوجا اور اس کے لئے قربانی ذبح کر کے کہا کہ اے اسرائیل یہ تمھارا معبود ہے جو تمھیں مصر کے ملک سے چھڑا لایا۔" (خروج ۳۲ : ۸)

گویا مجسمہ پرستی اور توہم پرستی اُس وقت قوم اسرائیل میں درجۂ کمال پر پہونچی ہوئی تھی۔

الم یروا ۔۔۔۔۔ سبیلا۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ حجت شرعی کے سامنے خوارق سے دھوکا کھانا سفاہت ہے۔

قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ يَرۡحَمۡنَا رَبُّنَا وَيَغۡفِرۡ لَنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ (۱۴۹) وَلَمَّا رَجَعَ

تو بولے کہ اگر ہمارا پروردگار ہم پر رحمت نہ کرے اور ہماری مغفرت نہ کرے تو ہم تو بالکل گئے گزرے ہوئے ۲۰۲ اور جب

مُوۡسٰۤى اِلٰى قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئۡسَمَا خَلَفۡتُمُوۡنِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ

موسیٰ غصہ اور رنج سے بھرے ہوئے اپنی قوم کے پاس واپس آئے تو بولے تم (لوگوں) نے میرے پیچھے بہت ہی بُری حرکت کی کیا تم

اَعَجِلۡتُمۡ اَمۡرَ رَبِّكُمۡ ۚ وَاَلۡقَى الۡاَلۡوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاۡسِ اَخِيۡهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيۡهِ ؕ

نے اپنے پروردگار کے حکم (آنے) سے پہلے ہی جلد بازی کر لی ۲۰۳۔ اور تختیاں تو (ایک طرف) ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر (کے بال) پکڑ کر لگے انھیں اپنی طرف گھسیٹنے ۲۰۴

۲۰۲ یہ ندامت و استغفار کا واقعہ حضرت موسیٰؑ کی واپسی کے بعد کا ہے جس کا ذکر ابھی آگے آتا ہے۔ آیت ۱۴۸ کے بعد متصل سلسلۂ بیان کے لحاظ سے آیت ۱۵۰ کو پڑھا جائے، یہ آیت ۱۴۹ بہ طور جملہ معترضہ کے ہے، اور قرآن مجید کا عام اسلوب بلاغت یہی ہے کہ واقعات کی تاریخی ترتیب تقدیم و تاخیر کا اعتبار کئے بغیر وہ نتائج اور عبرتوں کو درمیان کلام میں لے آتا ہے۔

سقط فی ایدیھم۔ محاورہ میں اس کے معنی نادم ہونے کے ہیں:۔

یعنی الندم (راغب) ای ندموا (جوھری) تقول العرب لکل نادم علی امر قد سقط فی یدیه (معالم)

قال ابو عبیدة یقال لمن ندم علی امر و عجز عنه سقط فی یدہ (بحر) یقال للنادم المتحیر قد سقط فی یدہ (قرطبی) سقط الندم قاله الازھری والنحاس وغیرھما (قرطبی)

۲۰۳ یعنی میں تو احکام شریعت ہی لینے گیا تھا کم از کم انھیں احکام کا انتظار کر لیا ہوتا!

رجع غضبان اسفا۔ حضرت موسیٰ ابھی طور ہی پر تھے کہ آپ کو وحی الٰہی سے یہ حال معلوم ہو گیا، جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں مذکور ہے۔

پیمبر غم و غصہ کے جذبات سے بلند تر نہیں ہوتا ــــ اسے غصہ بھی آتا ہے، اور رنج بھی ہوتا ہے، طبعی جذبات سب ہی اپنے موقع پر طاری ہونے اس کے لئے جائز ہوتے ہیں، اور پھر یہ موقع حرارت دینی و اشتعال کا تو جائز ہی نہیں، واجب بھی تھا، اسلامی پیمبر تربے "مہاتما" نہیں ہوتے۔

اعجلتم امر ربکم۔ یعنی قبل اس کے کہ تمھارے پروردگار کا حکم تمھیں پہونچے، تم جلد بازی کر بیٹھے۔

ای اعجلتم عن امر ربکم۔ (المنار)

بئسما خلفتمونی من بعدی۔ یعنی یہی کہ توحید چھوڑ کر شرک میں مبتلا ہو گئے!

۲۰۴ (کہ تم نے یہ کیا غضب کیا، اور اس بیہودگی کو کیسے روا رکھا)

والقی الالواح۔ توریت میں ذکر تختیوں کے "توڑ ڈالنے" کا بھی ہے:۔

"اور یوں ہوا کہ جب وہ لشکر گاہ کے پاس آیا اور بچھڑا اور ناچ رنگ دیکھا تب موسیٰ کا غضب بھڑکا اور اس نے تختے اپنے ہاتھ سے پھینک دیئے اور پہاڑ کے نیچے توڑ ڈالے۔" (خروج ۳۲=۱۹)

قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَکَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ

(ہارونؑ نے) کہا اے میرے ماں جائے! مجھے لوگوں نے بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ہی ڈالیں ۲۰۵

حضرت موسیٰ علیہ السلام غیرت توحید کے جوش اور غلبہ میں حضرت ہارون کی نہ پیمبری کا لحاظ کرتے ہیں نہ ان کے بھائی ہونے کا، اور اس میں بڑا سبق ہے امتِ موسوی اور امتِ محمدی دونوں کے لئے۔

بعض جاہل صوفیہ نے ان اعمال موسوی کو اپنے حالت تواجد میں کپڑے پھاڑ ڈالنے کو سند ونظیر بنانا چاہا ہے محققین نے لکھ دیا ہے کہ یہ قیاس مع الفارق سرتاسر لغو وباطل ہے۔

کیف تقاس احوال الانبیاء علی احوال ھؤلاء السفہاء وقد سئل ابن عقیل عن تواجدھم وتخریق ثیابھم فقال خطاء وحرام۔ (قرطبی)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ نے یہ معاملہ حضرت ہارونؑ سے اپنے اس اجتہاد کی بنا پر کیا کہ حضرت ہارونؑ سے کوتاہی واقع ہوئی تھی، حالانکہ کوتاہی واقع نہیں ہوئی تھی، تو جب پیمبر برحق کے اجتہاد کا مطابق واقعہ ہونا ضروری نہیں، تو شیوخ غیر معصومین سے غلطی کا صدور کیوں ممکن نہیں۔

ابن جریر طبری کا شمار اکابر ومشاہیر میں ہے لیکن غلطی سے محفوظ بہرحال وہ بھی نہیں، اپنی تفسیر میں ایک طویل روایت قتادہ تابعی کے حوالہ سے اس مفہوم کی بھی نقل کردی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو (معاذ اللہ) اتنا غصہ اس پر آیا کہ ان الواح میں مدح وستائش ان کی امت کی نہیں بلکہ ایک دوسری امت (امت محمدیؐ) کی درج تھی — ایسی روایت ایک معمولی صاحب دینی انسان کے متعلق بھی قابل قبول نہیں ہوسکتی، چہ جائیکہ کلیم اللہؑ جیسے جلیل القدر واولوالعزم پیمبر کے متعلق! اور مقام مسرت ہے کہ دوسرے محققین نے ایسی بے اصل روایت کی پوری طرح پردہ دری کردی ہے چنانچہ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

ظاھر السیاق انہ انما القی الالواح غضبا علی قومہ وھذا قول جمھور العلماء سلفا وخلفا وروی ابن جریر عن قتادۃ فی ھذا قولا غریبا لایصح اسنادہ الی حکایۃ قتادۃ وقد ردہ ابن عطیۃ وغیر واحد من العلماء وھو جدیر بالرد وکانہ تلقاہ قتادۃ عن بعض اھل الکتاب وفیھم کذابون ووضاعون وافاکون وزنادقۃ۔

سیاقِ کلام کھلا ہوا کہہ رہا ہے کہ آپ نے جو تختیوں کو پھینکا ہے تو اپنی قوم پر غضبناک ہو کر پھینکا ہے اور یہ قول جدید وقدیم اہل علم کا متفقہ ہے اور وہ جو ابن جریر نے اس سلسلہ میں قتادہ سے ایک عجیب سا قول نقل کیا ہے اس کی سند ہی قتادہ تک نہیں پہونچتی اور ابن عطیہ اور دوسرے علما نے اس کی پوری طرح تردید کردی ہے اور وہ تردید ہی کا مستحق ہے عجب نہیں وہ جو روایت قتادہ کو اہل کتاب سے پہونچی ہو جن میں بڑے بڑے زندیق اور جھوٹے لپاٹئے پڑے ہوئے تھے۔

اور علامہ قرطبی نے لکھا ہے:-

ولا التفات لما روی عن قتادۃ ان صح منہ ولا یصح وھذا قول ردیٔ لاینبغی ان یضاف الی موسیٰ علیہ السلام

یعنی قتادہ کے حوالہ سے جو روایت بیان کی گئی ہے وہ صحیح ہو بھی تو قابل التفات نہیں لیکن وہ صحیح ہے ہی نہیں، وہ روایت بالکل لغو ہے اس قابل بھی نہیں کہ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب منسوب کیا جائے۔

۲۰۵ حضرت ہارون علیہ السلام اپنی صفائی میں کہتے ہیں کہ اے میرے پیارے بھائی! میری بات تو سن لیجیے،

فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

سو میرے اوپر دشمنوں کو نہ ہنسوائیے اور مجھے (ان) ظالم لوگوں کے زمرہ میں نہ داخل کر لیجئے ۲۰۶

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِأَخِيْ وَأَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَأَنْتَ أَرْحَمُ

(موسیٰ نے اب) کہا کہ اے پروردگار مجھ سے اور میرے بھائی سے درگزر کر اور ہم دونوں کو اپنی رحمت (خاص) میں داخل کر دے

الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ

اور تو سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے ۲۰۷ بے شک جن لوگوں نے گوسالہ کو (اپنا معبود) بنا لیا ہے ان پر ان کے پروردگار کی

رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

طرف سے غضب اور ذلت بہت جلد پڑے گی (اسی) دنیا کی زندگی میں اور ہم تہمت گڑھنے والوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں ۲۰۸

میں نے اپنی والی بہت کوشش کی لیکن یہ ظالم و سرکش جب خدا کے خلاف گردن کشی میں باک نہیں رکھتے تو میری کیا پروا کرتے، میری ایک نہ چلنے پائی، بلکہ جب میں نے زیادہ روک ٹوک کرنا چاہی تو مجھ سے بغاوت پر آمادہ ہو گئے میری جان بچ گئی یہی بہت ہے ـــ کہاں عصمتِ انبیاؑ کا یہ قرآنی مقام اور کہاں توریت کی یہ تصریحات کہ اس بت پرستی کے بانی و باعث ہی معاذ اللہ حضرت ہارونؑ تھے ـــ کتنا فرق دونوں کتابوں میں ہے، بلکہ قرآن کی زبان سے تو یہ تفصیلات بھی کچھ غیر ضروری سی معلوم ہوں گی جب تک کہ توریت میں درج کی ہوئی فردِ جرم سامنے نہ ہو۔

ابن ام۔ محاورۂ عرب میں انتہائی شفقت دلانے کے موقع پر آتا ہے۔

کلمة لین وعطف (قرطبی) وتخصیص الام بالذکر للترقیق۔ (روح)

۲۰۶ توریت کے بیانات کے پیش نظر اور ان کی تردید کے لئے ان سب فقروں کا اضافہ آخری مستند کتاب اللہ میں ضروری تھا۔

القوم الظالمین۔ ظالمین یہاں کھلے طور پر مجرمین کے معنی میں ہے۔

فلا تشمت بی الاعداء۔ یعنی آپ جو میرے اوپر بلا قصور اتنی سختی کر رہے ہیں، اس سے دشمنوں کو اور زیادہ ہنسنے اور طعنہ زنی ہی کا موقع ملے گا۔

۲۰۷ حضرات انبیاء سے بڑھ کر رحمتِ الٰہی کا قدر شناس اور اندازہ داں اور کون ہو سکتا ہے، صحیح صورت حال کا علم ہوتے ہی معاً حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ استغفار و مناجات میں مشغول ہو گئے۔

پیمبر عالم الغیب نہیں ہوتے حضرت موسیٰؑ کو واقعات کا علم جبھی ہوا جب آپؑ نے حضرت ہارونؑ کا بیان سن لیا۔ اس کا اندازہ اس جاہلانہ خوش عقیدگی کی گہرائی کا کیا جائے جس سے ہر شیخ طریقت عملاً عالم الغیب کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے۔

رب اغفرلی ولاخی۔ درخواست مغفرت اپنے ہی لئے نہیں اپنے ان بھائی کے لئے بھی ہے جن پر ابھی ابھی تشدد ہو رہا تھا۔ اپنے لئے تو استغفار اس امر پر کہ غیرتِ توحید سے بے خود ہو کر قبل تحقیق ہارون نبیؑ پر اتنی سخت گیری کیوں شروع کر دی تھی

وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْۤا٘ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا

اور جن لوگوں نے گناہوں کے کام کئے پھر اس کے بعد انھوں نے توبہ کرلی اور ایمان لے آئے (تو) بیشک تمہارا پروردگار

لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖۚ

اس کے بعد (ان کے حق میں) بڑا مغفرت والا بڑا رحمت والا ہے ۲۰۹. اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو انھوں نے تختیوں کو

وَفِیْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

اٹھالیا، اور اس نسخۂ (توریت) میں ہدایت و رحمت تھی اُن لوگوں کے لئے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ۲۱۰

ای فی ما قدمت علیه من هذا الغضب والحدة (کبیر) بما صنعت باخی (بیضاوی)

اور حضرت ہارونؑ کے لئے استغفار اس امر پر کہ دفع فتنہ پر کامیاب نہ ہوسکے۔

ای فی ترکه التشدید العظیم علی عبدة العجل (کبیر) ان فرط فی کفهم (بیضاوی)

بھائی کو اپنی دعاء مغفرت کے ساتھ ملالینا اس لئے بھی تھا کہ وہ ان سے خوش ہوجائیں اور اس لئے بھی کہ ان پر سے شماتت دفع ہوجائے۔

ضم الیه نفسه فی الاستغفار ترضیة له ودفعا للشماتة عنه (بیضاوی)

۲۰۸ اسی گوسالہ پرستی کے سلسلہ میں سارا کلام حق تعالیٰ کا حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ہوا۔

کذٰلك نجزی المفترین۔ یعنی مفتری دنیا میں بھی مغضوب و ذلیل ہو کر رہتے ہیں گو کسی خاص حکمت سے کسی خاص عارض کے باعث اس کا ظہور دیر میں ہو یا بالکل نہ ہو۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ دنیا میں ذلت کبھی سزائے معصیت کے طور پر بھی ہوتی ہے۔

۲۰۹ یہ عام قاعدہ عفو و رحمت کا بیان کردیا کہ گنہگار و منکر کو زندگی بھر مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں، خدائے اسلام ان بے رحم و خونخوار دیوتاؤں کی طرح نہیں جو معاف کرنا کسی حال میں جانتے ہی نہیں۔

تابوا من بعدها۔ یعنی جن لوگوں نے معصیتوں کا ارتکاب کیا، اور پھر ان معصیتوں سے توبہ کی۔

تابوا عنها من بعد عملها (روح)

من بعدها۔ یعنی توبہ مقرون بالایمان کے بعد۔

ای من بعد التوبة المقرونة بما لا تقبل بدونه وهو الایمان (روح)

۲۱۰ (اور اس خوفِ خدا کی بنا پر اس نسخۂ ہدایت سے فائدہ اٹھانا بھی جانتے ہیں)

سکت عن موسی الغضب۔ حضرت ہارونؑ کا عذر معقول سُن کر قدرۃً حضرت موسیٰؑ کا جوشِ غضب فرو ہوجاتا ہے۔۔۔ پیمبر بھی اپنے جذباتِ بشری میں عام قانونِ فطرتِ بشری ہی کے پابند ہوتے ہیں، اور قرآن مجید کتنے سبق عبدیت و بشریت کے پیمبروں کے قصوں سے دیتا رہتا ہے۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

اور موسیٰ نے اپنی قوم سے ستّر مرد انتخاب کئے ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت کے لئے ۲۱۱؎ پھر جب انھیں زلزلہ نے آپکڑا ۲۱۲؎

قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ

تو (موسیٰ نے) کہا کہ اے میرے پروردگار اگر تجھے (یہی) منظور تھا تو تو نے اس کے قبل ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کر دیا ہوتا، تو کیا تو ہمیں اس

السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ

(حرکت) پر ہلاک کر دے گا جو ہم میں سے (ان چند) بیوقوفوں کی ۲۱۳؎ یہ تو بس تیری طرف سے ایک آزمائش ہے ان (آزمائشوں) سے جس کو تو چاہے گمراہی میں ڈال دے

اخذ الالواح۔ لفظ قرآنی الواح ہے یعنی نفس تختیاں، نہ کہ ان کے ٹوٹے ٹکڑے، اس سے ضمناً یہ بھی نکل آیا کہ تختیاں سالم تھیں، ٹوٹ نہیں گئی تھیں۔

وظاہر ھذا یدل علی ان شیئًا منھا لم ینکسر ولم یبطل (کبیر)

فی نسختھا ھدًی ورحمۃ۔ یعنی اس نسخہ کے مضامین ہدایت سے بھرے ہوئے تھے اور رحمت کی طرف لے جانے والے۔

۲۱۱؎ یعنی وقت معیّن پر اپنے ہمراہ کوہ طور پر لے جانے کے لئے۔

یہ حاضری دوبارہ تھی؟ یا یہ اسی پہلی حاضری کی مزید تشریحات ہیں؟ توریت میں ذکر کسی دوسری میقات کا نہیں، اور ہمارے ہاں کے عام مفسرین کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ کوئی دوسرا واقعہ نہیں، بلکہ نزول توریت کے وقت کی اسی حاضری کا ذکر ہے، لیکن قرآن پاک ہی میں ایک دوسری آیت فاخذتھم الصاعقۃ بظلمھم ثم اتخذوا العجل (سورۃ النساء) نیز خود اسی رکوع کی ترتیب مضامین ظاہراً اس خیال کی منافی ہے ـــــ واللہ اعلم۔

۲۱۲؎ (اور وہ ستّر کے ستّر مُردہ یا نیم مُردہ ہو کر رہ گئے)

حاشیہ پ سورۂ بقرہ رکوع ۶ میں گزر چکا۔

قول جمہور یہ ہے کہ یہ لوگ واقعۃً مر گئے تھے، پھر دوبارہ زندہ کئے گئے۔

والکثیر علی انھم ماتوا جمیعًا ثم احیاھم اللہ تعالٰی (روح)

لیکن ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ صرف بیہوش ہو گئے تھے، پھر ہوش میں لائے گئے۔

قیل غشی علیھم ثم افاقوا (روح)

۲۱۳؎ یعنی گستاخی کا، اور تجھے عیاناً دیکھنے ہوئے اصرار کا جرم تو ہم میں سے ایک محدود جماعت نے کیا ہے، کہیں یہ تھوڑے ہی ہو سکتا ہے کہ تو اس کی پاداش میں ہم سب کو ہلاک کر دے!

اتھلکنا۔ یہ استفہام، استفہام استعظام کہلاتا ہے، مفہوم یہ ہے کہ تو ہرگز ایسا نہ کرے گا۔

قال المبرد المراد بالاستفھام استفھام استعظام کانہ یقول لا تھلکنا (قرطبی)

لوشئت۔ یعنی اگر تجھے مصالح تکوینی کے اعتبار سے یہی منظور ہوتا۔

مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾

اور جس کو چاہے ہدایت پر قائم رکھے۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے ہماری مغفرت کر ہم پر رحم کر اور تو ہی بہترین مغفرت کرنے والا ہے ۲۱۵

وَاکْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَیْكَ ؕ

اور ہمارے حق میں بھلائی لازم کر دے اس دنیا میں (بھی) اور آخرت میں (بھی) ہم تو تیرے آگے جھک گئے ہیں ۲۱۶

قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ

(اللہ نے) فرمایا اپنا عذاب میں اس پر واقع کرتا ہوں جس کے لئے چاہتا ہوں اور میری رحمت تو ہر چیز پر پھیلی ہوئی ہے ۲۱۷

اهلكتهم من قبل وایای۔ یعنی میری اور ان لوگوں کی ہلاکت سے قصہ ہی ختم ہو گیا ہوتا، نہ میری بدنامی ہوتی، نہ قوم مجھ سے بدگمان ہو کر مجھ سے انتقام لینے کی فکر میں پڑتی، لیکن تو نے ایسا نہیں کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا ہلاک بالذات مقصود نہیں۔

۲۱۴ (اور وہ تیری حکمتوں اور مصلحتوں کے اور زیادہ قائل ہو جاتے)

تضل بها من تشاء۔ تو جسے اپنی مشیت تکوینی کے لحاظ سے چاہے گمراہ کر دے اور وہ تیرے شکوہ و شکایت اور ناشکری میں لگ جائے۔

ان هی الا فتنتك۔ یہ تو تیری طرف سے ایک آزمائش ہے جس سے مقصود مجرموں کو سزا دینا ہے نہ کہ ساری قوم کو ہلاک کر دینا۔ ایسا مناجاتی شکوہ تو حضرت موسیٰ کے سے عارف کامل ہی کی زبان سے ادا ہو سکتا تھا۔

۲۱۵ (سو تو اگر مجرموں اور خطا کاروں پر بھی مغفرت و رحمت کی نظر کر دے تو کیا بعید ہے)

انت ولینا۔ تو ہی ہمارا کارساز و کفیل ہے اور ہمیں تیری ہی کارسازی اور چارہ سازی پر بھروسہ ہے۔ پیمبران برحق کی زبان سے اس لجاجت کے ساتھ اپنے حق میں دعائے مغفرت و رحمت اور اللہ کی کارسازی کا اعتراف و اقرار کس درجہ سبق آموز ہے۔

۲۱۶ (اخلاص و اطاعت کے ساتھ)

واکتب لنا۔ کے معنی لازمی طور پر یہ نہیں کہ قید کتابت میں لے آ، یا ہمارے لئے تحریر کر دے بلکہ یہ ہیں کہ ہمارے حق میں لازم و مقرر کر دے، محاورۂ عرب میں کتابۃ کے یہ معنی عام ہیں۔

ای اوجب لنا والکتابة تذکر بمعنی الایجاب (کبیر) واثبت لنا (کشاف) ویعبر عن الاثبات والتقدیر والایجاب والفرض والعزم بالکتابة (راغب)

واکتب لنا ... فی الاخرة۔ خوب غور کر لیا جائے، مومن کا کام صرف آخرت ہی میں طلب عافیت کرنا نہیں، بلکہ اس دنیا میں بھی حسنہ طلب کرنا ہے، ایمان نام ترک دنیا کا نہیں، دنیا کو آخرت کے ماتحت کر لینے، اور دنیا کو حسن عمل کے ساتھ برتنے کا ہے۔

هدنا الیك۔ یعنی ہم تیرے آگے رجوع و توبہ کے ساتھ حاضر ہو رہے ہیں۔

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ

سو اُسے اُن لوگوں کے لئے تو ضرور ہی لازم کردوں گا جو خوفِ خدا رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری

بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ

نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں ۲۱۸ جو لوگ اس اُمّی رسول و نبی کی پیروی کرتے ہیں ۲۱۹ جسے وہ

الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ز

اپنے ہاں لکھا ہوا پاتے ہیں ۲۲۰ توریت اور انجیل میں ۲۲۱

قال المفسرون ای تبنا ورجعنا الیک (کبیر)

۲۱۷ یعنی میرے قانونِ رحمت کے ماتحت معاملہ تو مجرم و غیر مجرم، نیک و بد سب ہی کے ساتھ ہو رہا ہے، البتہ قانونِ مکافات و مجازات کا عمل خاص خاص افراد کے ساتھ ہوتا ہے۔

آیت میں صاف اس حقیقت کا اثبات ہے کہ قانونِ فضل تو عام ہے مجرم و مومن سب ہی کے لئے ہے اس سے فائدہ، ہر مخلوق اُٹھا رہی ہے، البتہ قانونِ جزا و عدل کا عمل مخصوص ہے جرائم پیشہ افراد کے ساتھ۔

۲۱۸ مناجاتِ موسوی کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ میری رحمت تو بطور ایک کلیہ اور اصول کے ہر ایک کے لئے عام ہے تو اس کا تحقق ان لوگوں کے حق میں کیسے نہ ہوگا (ہوگا اور ضرور ہوگا) جو عقائد و اعمال میں صفاتِ ایمان و تقویٰ سے آراستہ ہیں۔

فساکتبھا میں ضمیر رحمۃ کی طرف ہے اور س تاکید کے لئے ہے کتابۃ بہ معنی لازم کرنے پر حاشیہ ابھی ذرا قبل گزرا ہے۔

الذین یتقون۔ تقویٰ سے اشارہ اعمالِ قلب کی طرف ہے (تھانویؒ)

یؤتون الزکوٰۃ۔ اس سے اشارہ اعمالِ جوارح و عبادات کی طرف ہے، (تھانویؒ)

یؤمنون۔ یہ اشارہ عقائد کی جانب ہے (تھانویؒ)

۲۱۹ الذین کا لفظ سب نسانوں کے لئے عام ہے، یہاں خاص اشارہ اہلِ کتاب کی جانب ہے۔

اُمّی سے مراد اَن پڑھ بھی ہو سکتا ہے جیسے کہ ہمارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم تھے اور اُمّ القریٰ والا یعنی مکی بھی، اور اُمّت عرب والا بھی اور حاصل ان دونوں آخری نسبتوں کا بھی وہی ہے، یعنی اَن پڑھ ہونا۔

قیل منسوب الی الامۃ الذین لم یکتبوا لکونہ علی عادتھم وقیل سمی بذلک لانہ لم یکن یکتب ولا یقرأ من کتاب وقیل سمی بذلک لنسبتہ الی اُمّ القریٰ (راغب) قال الزجاج معنی الامی الذی ھو علی صفۃ امۃ العرب فالعرب اکثرھم ما کانوا یکتبون ولا یقرأون والنبی علیہ الصلاۃ والسلام کان کذلک (کبیر) ای الذی لا یکتب ولا یقرأ (روح)

۲۲۰ جسے یعنی جس کی صفات و علامات کو وہ بالکل واضح اور غیر مشتبہ طور پر پاتے ہیں۔

ای یجد نعتہ (کشاف) باسمہ ونعوتہ الشریفۃ بحیث لا یشکون انہ ھو (روح) والنبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کان کذلک (کبیر) ای الذی لا یکتب ولا یقرأ (روح)

یہاں تک کہ اتنی تحریف و تصحیف کے بعد بھی یہ حوالے مروجہ توریت و انجیل سے اب تک بالکل نہ ڈھل سکے چنانچہ موجودہ توریت میں ہے:
"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اُس کی طرف کان دھرلو۔" (استثناء ۱۸=۱۵)

"اور خداوند نے مجھے کہا کہ انھوں نے جو کچھ کیا سو اچھا کیا، میں اُن کے لئے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منھ میں ڈالوں گا۔" (استثناء ۱۸=۱۸)

دونوں آیتوں میں بنی اسرائیل کے بھائیوں سے مراد ظاہر ہے کہ بنی اسمٰعیل ہی ہو سکتے ہیں۔

"خداوند سینا سے آیا، اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا، فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا، اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت اُن کے لئے تھی۔" (استثناء ۳۳=۲)

آتشیں شریعت بھی ہمارے ہی رسولؐ کی تھی، فتح مکہ کے وقت آپؐ ہی داخل بھی ہوئے شہر میں، دس ہزار پاک نفس صحابہ (قدوسیوں) کے جلو میں، اور سینا (حضرت موسیٰؑ) اور شعیر (حضرت عیسیٰؑ) کی نبوتوں کے بعد فاران سے جلوۂ نبوت جلوہ گر ہوا، وہ بھی ہمارے ہی نبیؐ کا تھا۔ (فاران، مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔)

"اور اسمٰعیلؑ کے حق میں میں نے تیری سُنی، دیکھ میں اُسے برکت دوں گا، اور اُسے برومند کروں گا، اور اُسے بہت بڑھاؤں گا، اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔" (پیدائش ۔ ۱۷=۲۱)

حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل کے حق میں یہ سارے وعدے ہمارے رسول اکرمؐ کی ذات سے جا کر پورے ہوئے ہیں۔

"یہوداہ سے ریاست کا عصا جدا نہ ہوگا اور نہ حاکم اس کے پاؤں کے درمیان سے جاتا رہے گا جب تک کہ وہ نہ آیا جو بھیجا جانے والا ہے اور قومیں اس کے پاس اکٹھی ہوں گی۔" (پیدائش ۴۹=۱۰)

زیر خط عبارت کا ترجمہ رومن کیتھولک بائبل یعنی (DOWREY VERSON). کے مطابق ہے دنیا کی مختلف قومیں ہمارے رسولؐ ہی کے علَم کے نیچے جمع ہوئیں، وہی نبی مرسل تھے انھیں کے بعد سے یہود کا اقتدار مستقل طور پر ختم ہو گیا۔

اور داؤدؑ کے ایک نغمہ میں ہے، "میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا بس سارے لوگ ابدالآباد تیری ستائش کریں گے۔"
(زبور ۔ ۴۵=۱۷)

ستائش ہی کو عبری میں "محمدت" کہتے ہیں، اور اسم محمدؐ، صاف ترجمہ ہے "ستودہ" کا۔

"دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے، میں نے اپنی روح اس پر رکھی، وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائیگا، اس کا زوال نہ ہوگا، اور نہ مسلا جائے گا، جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے اور بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں۔" (یسعیاہ ۔ ۴۲=۱-۴)

"یہ میرا بندہ" (عبدہٗ و رسولہٗ) اور "میرا برگزیدہ" (مصطفےٰ) "جس کا زوال نہ ہوگا۔" (خاتم النبیین)
صاف ہمارے ہی رسول اکرمؐ ہیں جن کی شریعت بحری ممالک تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور انجیل میں ہے:

"یسوعؑ نے ان سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا، یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی اور اُس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی، اور جو اس پتھر پر گرے گا اُس کے ٹکڑے ٹکڑے

يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ

انھیں وہ نیک کرداری کا حکم دیتا ہے اور انھیں بدکرداری سے روکتا ہے اور ان کے لئے پاکیزہ چیزیں جائز بتاتا ہے اور ان پر گندی

عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ

چیزیں حرام رکھتا ہے اور اُن پر سے بوجھ اور قیدیں جو اُن پر (اب تک) تھیں اُتار دیتا ہے ۲۲۲

ہو جائیں گے، مگر جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالے گا۔" (متی۔ ۲۱: ۴۲۔۴۴)

جس پتھر کو اسرائیلیوں (معماروں) نے ہمیشہ رد کیا تھا، وہ اسمٰعیلی تھے آخر میں اسی اسمٰعیلی نسل کے ایک فرد کو نبوت ملی اور نبوت بھی اس شان کی کہ یہود و نصاریٰ جو بھی اس سے ٹکرائے چور چور ہو کر رہ گئے۔

یسوع مسیح شہر یروشلم کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں: "جب تک عالم بالا پر سے تم کو قوت کا لباس نہ ملے اس شہر میں ٹھہرے رہو۔" (لوقا۔ ۲۴: ۴۹)

جب تک ہمارے حضور کا نزول اجلال نہ ہو لیا، تقدس شہر یروشلم ہی کا قائم رہا، اور اس کے بعد کعبہ (واقع شہر مکہ) کی جانب منتقل ہوا۔ حضرت یحییٰؑ کے ظہور کے بعد جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لیوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اُس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا، بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں، اُنھوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اُس نے کہا میں نہیں ہوں، کیا تو وہ نبی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ نہیں۔" (یوحنا۔ ۱: ۱۹۔۲۱) انھوں نے اُس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ، نہ وہ نبی، تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟" (یوحنا۔ ۱: ۲۵)

یہ صاف اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ علاوہ مسیحؑ کے ایک اور نبی 'وہ نبی' (النبی) کی معلوم و معروف ہستی کا انتظار یہود کو عرصے سے تھا۔ "پس بھیڑ میں سے بعض نے یہ باتیں سُن کر کہا، بے شک یہی وہ نبی ہے اوروں نے کہا، یہ مسیح ہے۔" (یوحنا۔ ۷: ۴۰)

ثبوت مزید اس امر کا کہ علاوہ مسیحؑ کے ایک اور نبی موعود (النبی۔ وہ نبی) کا انتظار ہو رہا تھا، اور میں باپ سے درخواست کروں گا، تو وہ تمھیں دوسرا مددگار (یا وکیل یا شفیع) بخشے گا کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے (۱۴: ۱۶) "جب وہ مددگار (یا وکیل یا شفیع) آئے گا جس کو میں تمھارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔" (۱۵: ۲۶) "تا ابد تک ساتھ دینے والا" اور "حضرت مسیحؑ کی تصدیق کرنے والا" بجز خاتم المرسلین کے جنھوں نے آکر حضرت مسیحؑ کی تصدیق کی اور کون ہو سکتا ہے؟ یہ حوالے ان نام نہاد "اناجیل" اربعہ کے تھے، جو مسیحی کلیسا میں آج بھی مُسلّم ہیں۔

۲۲۱ باقی رہی انجیل برنابا تو وہ اس سے کہیں زیادہ اور بالکل کھلی ہوئی تصریحات سے لبریز ہے یہ اناجیل برنابا عربی زبان میں (مصر) کے مطبع المنار میں ۱۹۰۷ء میں شائع ہو چکی ہے اور انگریزی ایڈیشن بھی ———— (GOSPEL OF BARNABA) نامی ۱۹۰۷ء ہی میں آکسفرڈ کے کلرنڈن پریس سے نکل چکا ہے اٹھارھویں صدی عیسوی میں اس کے دو مخطوطے ہسپانوی اور اطالوی زبان میں دریافت ہو چکے تھے برنابا کا شمار حواریانِ مسیحؑ میں ہے۔ اور پولوس (POUL) کے وطن کا ہے مسیحیوں کی انجیل کو اپنے عقائد اسلاف سے بالکل مختلف پا کر اسے قبول کرنے ہی سے انکار کر دیا

۲۲۲ یعنی اس کی شریعت تمام رسم و رواج اور سابق شریعتوں کی ناسخ اور ان پر حاکم ہے۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ

سو جو لوگ اس (نبی) پر ایمان لائے اور اس کا ساتھ دیا، اور اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے

اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ

ساتھ اُتارا گیا ہے، سو یہی لوگ تو ہیں (پوری) فلاح پانے والے ۲۲۳ آپ کہہ دیجئے کہ اے انسانو!

للمعروف۔ اس کے تحت میں ہر قسم کی نیکی اور ہر وہ پاکیزہ عمل آگیا، جو دنیوی و اُخروی فلاح میں معین ہو۔
المنکر۔ اس کے تحت میں ہر قسم کی بدی اور بدکاری آگئی، جو دنیوی وبال اور اُخروی عتاب کی طرف لے جائے۔
یامرھم.... بالمنکر۔ شریعت اسلامی جامع ہے، تمدن، معاشرت، اخلاق، سیاست، ہر شعبۂ حیات میں فلاح انفرادی و اجتماعی کی۔
اسلام نے جن چیزوں کو المعروف اور المنکر سے تعبیر کیا ہے، وہ تقریباً سب ہی جانی بوجھی چیزیں ہیں، اور اُن کی شناخت کے لئے کسی بڑی باریک بینی اور بہت گہری نظر کی ضرورت نہیں، جھوٹ، چوری، دغابازی، جعل سازی، نشہ بازی، رشوت، مکر، سازش، شرک، مخلوق پرستی، قتل و ایذا، شقاوت، بدکرداری وغیرہ المنکر میں داخل ہیں، اور المعروف میں خدمتِ خلق، نرم خوئی، سلوک و احسان، ایثار، سچائی اور توحید، نیکی، بھلائی و شرافت شامل ہیں۔
الطیبات۔ پاکیزہ و لطیف غذاؤں کے علاوہ ہر قسم کی اچھی، سُتھری، عادتیں اُس میں آگئیں۔
الخبائث۔ کفر و شرک، شک و بدعقیدگی، اور مادی و روحانی ہر قسم کی گندگی، اس کے اندر آگئی۔
اصر۔ والاغلال۔ یعنی غلط قسم کے اور جاہلی رسم و رواج کے بندھن۔
ظالمانہ رواج و دستور، مثلاً ہندوستان کی غیر انسانی چھوت چھات پر اگر نظر ہو تب تو جا کر اسلام کی بخشی ہوئی آزادیوں کی پوری قدر ہوگی ــ اصرا اگرچہ لفظاً واحد ہے لیکن چونکہ صیغہ مصدر کا ہے اس لئے اس کا اطلاق جمع کے مفہوم میں بکثرت استعمال ہوتا ہے اس لئے اس کا عطف الاغلال (صیغۂ جمع) پر لانے میں کوئی مضائقہ نہیں (قرطبی)، اور قرآن مجید میں اس کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں کہ لفظ مفرد لا کر مُراد اُس سے جمع کی لی ہے۔
الاصر مصدر یقع فی الکثرۃ۔ (قرطبی)

۲۲۳ (دنیا و آخرت دونوں میں)
یعنی دنیا میں بہترین دستورِ حیات و نظام عمل کے مالک، اور آخرت میں ہر طرح کی آسائش و فراغت سے مالا مال۔
ای ھم الفائزون بالمطلوب فی الدنیا والاٰخرۃ۔ (کبیر)
اٰمنوا بہ۔ فلاح کی ابتدائی و بنیادی شرط یہ ہے کہ پیمبر کے لائے ہوئے پیام پر ایمان لایا جائے۔
وعزروہ ونصروہ۔ اگر فلاح کامل مقصود ہے تو پیمبر پر صرف ایمان لے آنا کافی نہیں، خدمت و نصرت بھی لازمی ہے۔
النور الذی انزل معہ۔ اس نازل شدہ نور سے مُراد ہے قرآن و سنّت۔
ھو القراٰن وقیل الھدی والبیان والرسالۃ (کبیر) والنور القراٰن والفلاح (قرطبی)
معہ میں مع، علی کے معنی میں بھی لیا گیا ہے اور عند کے معنی میں بھی۔

إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ

بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف ۲۲۴ اُسی (اللہ) کا جس کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں ۲۲۵

لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ

سوائے اس کے کوئی معبود نہیں، وہی جلاتا اور وہی مارتا ہے ۲۲۶ سو ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے اُمّی رسول و نبی پر

الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٨﴾

جو خود ایمان رکھتا ہے اللہ اور اس کے کلاموں پر اور اس کی پیروی کرتے رہو تاکہ تم راہ پا جاؤ ۲۲۷

وفی مجمع البیان ان مع بمعنی علی وقال بعضهم هی هنا مرادفة لعند (روح)

۲۲۴ (جس میں استثناء نہ کسی قوم و نسل کا ہے، نہ کسی ملک و زمانہ کا)

آیت ایک محکم و روشن دلیل رسول اللہ صلعم کی بعثت عامہ پر ہے یعنی قرآن کی دعوت عالمگیر ہے اس کی مخاطب ساری دنیا ہے نہ کہ صرف قوم عرب، یا صرف چھٹی اور ساتویں صدی مسیحی کی دنیا۔

یایها الناس۔ اس طرز خطاب نے صراحت کردی کہ قرآن کے مخاطب سارے آدم زاد ہیں نہ کہ ان کا کوئی خاص ٹکڑا، آفاقیت اور عالمگیری قرآن مجید کی نمایاں خصوصیات میں سے ہے، وطن ملک قوم نسل و رنگ کے ہر تنگ و محدود تخیل سے کہیں بالاتر و وسیع تر جن قوموں کا منتہائے نظر وطنی نیشنلزم ہے وہ اس انٹرنیشنلزم کی قدر ہی کیا کر سکتی ہیں!

رسول اللہ الیکم۔ اس نے ایک بار اور صراحت کردی کہ محمد صلعم اللہ تعالٰی کے بھیجے ہوئے ایک قاصد و پیغمبر ہیں اور بس، نہ کہ اُس کے مظہر یا اوتار، یا اُس کے فرزند و رشتہ دار۔

جمیعًا۔ پیام اسلام کی عالمگیری و آفاقیت کے لئے یایها الناس کے بعد انی رسول اللہ الیکم ہی بالکل کافی تھا، جمیعًا کے اضافہ نے اس آفاقیت کو اور زیادہ مؤکد و محکم کردیا۔

۲۲۵ (نہ کوئی جگہ اور مقام اس کی حکومت سے باہر اور نہ کوئی اُس کی حکومت میں سہیم و شریک)

اللہ کی الوہیت و حاکمیت کی ہمہ گیری کو یاد دلا کر گویا ایک لطیف اشارہ ادھر بھی کردیا کہ جس طرح اس کی الوہیت و ربوبیت، حکومت عام ہے، اسی طرح اس کے رسول ؐ کی بھی دعوت عالم گیر و ہمہ ملکی ہے۔

۲۲۶ یہ نہیں کہ بقاء و حیات کے دیوتا کوئی ایک وشنو جی ہوں اور موت و ہلاک کے دیوتا کوئی دوسرے شیو جی ہوں، بڑی ٹھوکریں اس میں دوسرے مذہبوں نے کھائی ہیں، بقاء حیات، صحت کا خالق کوئی اور سمجھا گیا ہے، بربادی ہلاکت موت کا خدا کوئی اور۔

لا الہ الا هو۔ یہ نہیں کہ معبود اعظم تو وہی ہے، اور چھوٹے بڑے دیوی دیوتا اس کے ماتحت و محکوم ہیں نہیں، بلکہ کسی دوسرے اور تیسرے درجہ کے معبود یا دیوتا کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں معبود تو صرف وہی ایک اور اکیلا ہے۔

۲۲۷ (اور انفرادی، اجتماعی، معاشی، معادی، ہر قسم و نوعیت کی فلاح حاصل کرلو۔ قرآن کی صراحت

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ

اور موسیٰ کی قوم میں ایک جماعت ایسی بھی ہے کہ (وہ لوگ) حق کے مطابق (دوسروں کی) ہدایت کرتے ہیں اور (خود بھی) اسی کے موافق انصاف

اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ

کرتے ہیں ۲۲۸ اور ہم نے انھیں بارہ خاندانوں، جماعتوں میں تقسیم کر دیا ۲۲۹ الف اور ہم نے موسیٰ کو جب کہ اُن کی قوم

اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ

نے اُن سے پانی طلب کیا (وحی کی کہ اپنے اس) عصا کو (فلاں پتھر پر مارو تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے،

ہے کہ اھتداء (راہ یابی) اتباع (پیروی) ہی میں ہے۔

الامی۔ پر حاشیہ ابھی گزر چکا۔ بعض اہل کتاب آج تک زور اس پر لگا رہے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کو پڑھا لکھا ثابت کر دکھائیں، قرآن مجید ایک بار پھر آپؐ کی اُمّیت کا اعلان کر رہا ہے۔

رسوله النبی۔ رسول اور نبی دُہری صفت لانے سے مقصود تاکید اور زور کلام ہے۔

رسول اور نبی کے درمیان فرق بھی متعدد بتائے گئے ہیں، اور ان میں سے ایک فرق یہ ہے کہ نبی کا منصب بشر کے لئے مخصوص ہے اور رسول ملائکہ کے لئے بھی عام ہے، یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ذاتی تقدس و تقرب کی پوری شان تو نبی میں موجود ہے اور تبلیغ اور پیام رسانی کی پوری امتیازی شان لقب رسولؐ میں ہے۔

اسمان لمعنیین فان الرسول اخص من النبی وقدم الرسول اهتماما لمعنی الرسالة والافمعنی النبوة هو المتقدم (قرطبی)

الذی یومن باللہ وکلمتہ۔ یہاں یہ بتا دیا کہ خود اس رسول اکرم و اشرف کے لئے یہ امر باعث شرف و اکرام ہے کہ اس کا ایمان اللہ اور اس کے سارے کلاموں پر کامل و محکم ہے۔

کلمتہ۔ یعنی جو وحی خود اُن پر نازل ہوئی اُس پر اور ساری سابق وحیوں پر۔

ای ما انزل علیه وعلی سائر الرسل علیهم السلام من کتبه ووحیه (روح)

واتبعوہ لعلکم تھتدون۔ ضمیر ہٗ، رسوله النبی الامی کی جانب ہے، راہ یابی، فلاح یابی، کامرانی جو کچھ بھی ہے اسی رسول اُمّی کی پیروی و اتباع میں ہے۔ ایک شاعر محمد مصطفےٰ صلعم کی مدح میں ایک بہترین قصیدہ لکھ کر لاتا ہے، جس میں دنیا بھر کے کمالات و محاسن آپ کی ذات میں جمع کر دیتا ہے، لیکن شاعر کا دل آپؐ کی رسالت کے اعتراف اور آپ کے اتباع کے قصد سے یکسر خالی ہے تو وہ شاعر ہرگز اہل ایمان میں شمار نہ ہوگا اسی طرح اگر کوئی افراط عقیدت سے مست ہو کر آپ کو مسجود و معبود سمجھ رہا ہے تو وہ بھی قطعاً دائرۂ اسلام سے خارج ہی رہے گا، مقصود و مطلوب صرف آپ کا اتباع ہے۔

۲۲۸ یہود میں یہ وہی اہل حق و اہل انصاف ہیں جو آگے چل کر ایمان لے آئے۔

قیل هم الیهود الذین کانوا فی زمان الرسول علیه الصلوٰة والسلام واسلموا۔ (کبیر)

ومن قوم موسیٰ، قوم موسیٰ سے مُراد وہی بنی اسرائیل ہیں۔

قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْهِمُ

(اور) ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا مقام معلوم کر لیا ۲۲۹ب اور ہم نے ان پر ابر کا سایہ کر دیا اور ہم نے اُن پر مَن و سلویٰ

الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۚ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوا

اُتارا (اور کہا کہ) پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دے رکھی ہیں ۲۳۰ اور انھوں نے (کوئی) ظلم ہم پر نہیں کیا بلکہ وہ

أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١٦٠﴾ وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ اسْكُنُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا

اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہے ۲۳۱ اور وہ وقت یاد کرو جب ان سے کہا گیا کہ (فلاں) بستی میں جا کر سکونت اختیار کرو

حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا حِطَّةٌ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَاتِكُمْ ۚ

اور وہاں کھاؤ جہاں سے بھی تم چاہو اور کہتے جاؤ کہ توبہ ہے اور (شہر کے) دروازہ میں (عاجزی سے) جھکے جھکے داخل ہو اور ہم تمہاری خطائیں

بہ یعدلون ضمیر الحق کی طرف ہے اور یعدلون یعنی حکم و فیصلہ میں انصاف کرتے ہیں۔
بہ ای بالحق و یعدلون بینھم فی الحکم (بیضاوی) قال الزجاج العدل الحکم بالحق (کبیر)
یھدون بالحق۔ یعنی دوسروں کو راہ ہدایت کی طرف بلاتے ہیں۔
ای یدعون الناس الی الھدایۃ (قرطبی)

۲۲۹ الف (اور ہر جماعت کا نگراں ایک ایک سردار کو مقرر کر دیا)
یہی مضمون سورۂ مائدہ میں بھی آیا ہے وبعثنا منھم اثنی عشر نقیبا وہاں کے حاشیے بھی ملاحظہ کر لئے جائیں۔
توریت میں اسی سلسلہ میں ہے:۔
"یہ سب اسرائیل کے بارہ فرقے ہیں اور یہی ہے جو ان کے باپ نے انھیں کہہ کے برکت دی" (پیدائش۔ ۴۹: ۲۸ نیز خروج ۲۸: ۲۱)
اسباطا امما۔ اسباط یہاں بدل ہے اثنتی عشرۃ سے اور امما صفت ہے اسباط کی۔
اسباطا بدل من اثنتی عشرۃ امما نعت للاسباط (قرطبی) امما بدل بعد بدل او نعت اسباطا (بیضاوی)
قطعنھم۔ یعنی انھیں اتنے گروہوں میں تقسیم کر دیا۔
ای صیرناھم قطعا ای فرقا و میزنا بعضھم من بعض (کبیر)

۲۲۹ ب حاشیے پ سورۂ بقرہ رکوع ۷ کے تحت میں گزر چکے۔
انبجست بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ یہ انفجرت کے معنی میں ہے اور انبجاس و انفجار مرادف ہے اس قول پر آگے کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔
فقال بجس الماء یبجس وانبجس وتبجس اذا تفجر ھذا قول اہل اللغۃ (کبیر) ای انفجرت کما قال ابن عباس (روح)
لیکن بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ انبجاس پانی کے تھوڑے تھوڑے نکلنے کو اور انفجار پانی کے جوش سے نکلنے کو کہتے ہیں،

سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٦١﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي

بخش معاف کر دیں گے ہم نیک کاروں کو اور زیادہ ہی دیتے رہیں گے ۲۳۲ لیکن پھر ان میں سے ظالموں نے کلمہ بدل ڈالا جائے

قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿١٦٢﴾

اس کے کہ ان سے کہا گیا تھا، تو ہم نے بھی ان پر آسمان سے ایک آفت بھیجی اس لئے کہ وہ (اپنے اوپر) ظلم کرتے رہے تھے ۲۳۳

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ م

اور آپ ان سے اس بستی (والوں) کی بابت دریافت کیجئے جو سمندر کے کنارہ تھی ۲۳۴

ایسی صورت میں وجہ تطبیق یہ ہوگی کہ قرآن مجید نے یہاں جو انبجست کہا ہے یہ پانی نکلنے کی ابتدا کا ذکر ہے، اور سورۃ البقرۃ میں جو انفجرت ارشاد ہوا ہے، وہاں آخر میں جوش وخروش سے جاری ہونے کا بیان ہے۔

قال ابو عمرو الانبجاس خروج الماء بقلۃ والانفجار خروجہ بکثرۃ وطریق الجمع ان الماء ابتداء بالخروج قلیلا ثم صار کثیرا وھذا الفرق روی عن ابی عمرو بن العلاء (کبیر)

۲۳۰ غمام اور من اور سلوی سب پر حاشیے سورہ بقرہ رکوع ۶ کے تحت میں گزر چکے۔

من طیبٰت۔ طیبٰت کا ترجمہ علاوہ "پاکیزہ" کے "مزہ دار" بھی ہو سکتا ہے۔

ای من مستلذاتھا۔ (روح)

۲۳۱ (احکام الٰہی کی نافرمانی کر کے)

مشرک جاہل قوموں میں خدا سے بغاوت خود خدا کے لئے باعث مصیبت سمجھی گئی ہے، یہ اسی کی تردید ہے، اور اس حقیقت کا بیان ہے کہ قانون الٰہی کے توڑنے سے خدا کا کیا نقصان؟ نقصان تو انسان کا اپنا ہوتا ہے، یہ بات مسلمانوں کو بہت موٹی سی معلوم ہوگی لیکن بہت سی جاہلی قومیں اتنی موٹی بات بھی نہ سمجھ سکیں۔

آیت کا ترجمہ یوں بھی کیا جا سکتا ہے" اور انھوں نے کوئی نقصان ہمارا نہیں کیا، اپنا ہی نقصان کرتے رہے"!

۲۳۲ ھذہ القریۃ۔ اس آیت کے کل مضمون پر حاشیے پ ۱ سورۃ البقرۃ رکوع ۶ میں گزر چکے۔

قریہ کا نام یروشلم (بیت المقدس) بھی روایتوں میں آیا ہے اور اریحا (JERIKO) بھی۔ پہلا مقام تو فرط شہرت سے کسی مزید تعارف کا محتاج نہیں، اور اریحا بھی تاریخ اسرائیل میں بڑی اہمیت رکھتا ہے کنعان کا یہ پہلا شہر ساحل یردن پر، وادی یردن میں یروشلم سے ۱۵ میل شمال و مشرق میں واقع ہے اپنی تاریخ میں یہ شہر بار بار برباد ہوا اور از سر نو آباد ہوا ہے، شہر خوشبودار درختوں اور میووں اور پھلوں کے باغات سے لبریز ہے، اور عہد عتیق میں اس کا ذکر متعدد بار آیا ہے، مورخین کا بیان ہے کہ اس شہر کا تمدن مصر و عراق کے تمدنوں سے کہیں پرانا ہے اور اس کی اہمیت علاوہ کنعانیوں اور اسرائیلیوں کے رومیوں کے زمانہ تک قائم رہی ہے لفظی معنی اس کے (CITY OF THE MAN) بیان کئے گئے ہیں جس کا اردو میں ترجمہ "چندر نگر" ہوگا۔

۲۳۳ آیت کے سارے مضمون پر حاشیے پ ۱ سورۃ البقرۃ رکوع ۶ میں گزر چکے۔

إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ

جب کہ وہ لوگ سبت کے بارہ میں (احکام سے) تجاوز کر رہے تھے (اور) جب کہ ان کے سبت کے روز تو ان کی مچھلیاں ظاہر ہوتی تھیں اور

لَا يَسْبِتُونَ ۙ لَا تَأْتِيهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ ۚ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٣﴾

جب سبت نہ ہوتا تو نہ آتیں ۲۳۵ ہم نے ان کی آزمائش اس طرح کی اس لئے کہ وہ نافرمانی کر رہے تھے ۲۳۶

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ

اور جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے کہا تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کئے جاتے ہو جنھیں اللہ یا ہلاک کرنے والا ہے یا انھیں (کسی اور)

عَذَابًا شَدِيدًا ۖ قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٦٤﴾

سخت عذاب میں گرفتار کرنے والا ہے ۲۳۷ وہ بولے اپنے پروردگار کے روبرو عذر کرنے کے لئے اور شاید کہ یہ لوگ تقویٰ اختیار کر لیں ۲۳۸

۲۳۴ (اے پیغمبر)

واسئلھم میں ضمیر عہدِ رسولؐ کے معاصر یہود کی طرف ہے۔

ای واسئل الیھود الذین ھم جیرانک عن اخبار اسلافھم (قرطبی)

القریۃ التی کانت حاضرۃ البحر۔ یہ مقام کون سا تھا، اور کس دریا یا سمندر کے کنارہ پر؟ اس کے حاشیے پ۱ سورۃ البقرۃ رکوع ۶ میں گزر چکے۔

عن القریۃ۔ القریۃ سے مُراد اھل القریۃ ہے، جیسا کہ قرآن مجید کا عام محاورہ ہے۔

ای عن اھل القریۃ (قرطبی)

۲۳۵ (بلکہ وہاں سے کہیں اور نکل جاتیں)

حیتانھم۔ یعنی ان کے سمندر کی مچھلیاں۔

تاتیھم شرّعًا۔ یعنی وہ مچھلیاں پانی سے سر نکال نکال کر سطح آب پر نمودار ہو جاتی تھیں۔

ای شوارع ظاھرۃ علی الماء کثیرۃ (قرطبی) ظاھرۃ علی وجہ الماء (کشاف) معنی شرعا مقبلۃ الیھم مصطفۃ (بحر)

السبت پر حاشیہ پ۱ سورۃ البقرۃ رکوع ۸ میں گزر چکا۔

۲۳۶ یعنی اس سخت آزمائش میں وہ اسی لئے ڈالے گئے کہ وہ نافرمانیاں پہلے سے کرتے آرہے تھے۔ آزمائشیں حق تعالیٰ کے ہاں سے تو نافرمانوں اور فرماں برداروں دونوں کی ہوا کرتی ہیں، لیکن جیسا کہ مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے اہل طاعت کی آزمائش لطف اور تائید اور توفیق سے مقرون ہوا کرتی ہے۔

بعض اہل علم نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ احکام شریعت سے بچنے کے لئے حیلہ کرنا حرام ہے۔

واستدل بعض اھل العلم بقصّۃ ھٰؤلاء المعتدین علی حرمۃ الحیل فی الدین (روح)

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا

پھر جب وہ بھولے ہی رہے اس چیز کو جو انھیں یاد دلائی گئی تھی تو ہم نے اُن لوگوں کو بچا لیا جو بُری بات سے روکا کرتے رہتے

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَـِٔيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا

تھے، اور جو لوگ ظلم کرتے تھے، انھیں ہم نے ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے رہتے تھے ۲۳۹ؒ پھر جب

عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِذْ تَاَذَّنَ

وہ اس چیز سے حد سے نکل گئے جس سے روکے گئے تھے ہم نے اُن سے کہہ دیا کہ ذلیل بندر بن جاؤ ۲۴۰ؒ اور (وہ وقت یاد

رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۭ

کر لیجئے) جب آپ کے پروردگار نے یہ جتلا دیا کہ وہ ان (یہود) پر قیامت کے دن تک کسی ایسے کو مسلط رکھے گا جو انھیں سزائے شدید میں مبتلا رکھے گا

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جن حیلوں کا مشروع ہونا فقہاء و حکماء امت سے وارد ہوا ہے وہ احکام شرعی کی تسہیل کے لئے ہیں نہ کہ اُن سے بچنے کے لئے۔

۲۳۷ؒ (ان کے مسلسل جرائم کی پاداش میں۔)

اذقالت امة۔ یہ کہنے والے وہ لوگ تھے، جو خود نیک کار تھے، لیکن مجرموں کی اصلاح کی طرف سے مایوس ہو گئے تھے، اور یہ کہا انھوں نے ان نیک کاروں سے جو اب تک وعظ و نصیحت میں لگے ہوئے تھے۔

۲۳۸ؒ (اور اس خشیتِ الٰہی سے اپنی اصلاح کر لیں)

معذرة الی ربکم یعنی کم از کم اپنی صفائی تو ہم پیش ہی کر دیں کہ ہم نے اپنی والی پند و نصیحت تو بہت کچھ کر ڈالی تھی، غرض یہ کہ ان مصلحین نے جواب دو دیے، ایک یہ کہ اپنے اوپر تو تلقین و اتمامِ حجت کا بار نہ رہے، دوسرے یہ کہ شاید اب بھی یہ لوگ اصلاح قبول کر لیں۔

مفسر تھانویؒ نے فرمایا کہ جب نصیحت کے مؤثر ہونے کی اُمید بالکل نہ رہے تو نصیحت کرنا واجب نہیں رہتا، گو دلیل عالی ہمتی ہے، چنانچہ اہلِ حق میں سے جنھوں نے لم تعظون کا سوال کیا، انھوں نے بوجہ یاس فتویٔ عدم وجوب پر عمل کیا، اور جنھوں نے معذرة الی ربکم سے جواب دیا، انھیں یا تو یاس ہی نہیں ہوئی، اور یا انھوں نے عالی ہمتی سے کام لیا ـــــ اور دونوں فریقوں نے پورا پورا اجر پایا۔

۲۳۹ؒ عذابِ الٰہی کی یہ خصوصیت بار بار بیان کرنے کے قابل ہے (بار بار اس لئے کہ لوگ اسے بھول بھول جاتے ہیں) کہ اس میں گنہگار اور بے گناہ سب نہیں صرف گناہگار ہی مبتلا کئے جاتے ہیں۔

انجینا الذین ینھون عن السوٓء یعنی جو لوگ راہ ہدایت پر قائم رہے اور اُس کی تلقین دوسروں کو کرتے رہے، وہ عذابِ الٰہی سے محفوظ رہے۔

إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٦٧﴾ وَقَطَّعْنَاهُمْ

بے شک آپ کا پروردگار بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۲۴۲ اور زمین پر

فِي الْأَرْضِ أُمَمًا ۖ مِّنْهُمُ الصَّالِحُونَ وَمِنْهُمْ دُونَ ذَٰلِكَ ۖ وَبَلَوْنَاهُم

ہم نے انھیں مختلف جماعتوں میں تقسیم کر دیا، ان میں سے (بعض) نیک بھی تھے اور انھیں سے (بعض) اس کے علاوہ

بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٦٨﴾

بھی، اور ہم انھیں خوش حالیوں اور بد حالیوں سے آزماتے رہے کہ شاید وہ باز آجائیں ۲۴۳

۲۴۰ پھر وہ بندر بن بھی گئے، یا آخر میں معاف کر دیے گئے، اور اگر بندر بنے تو صورۃً بھی یا صرف معنیً قرآن اور حدیث صحیح ان تفصیلات سے خاموش ہیں، جمہور مفسرین کا مسلک، اور مجاہد تابعی کا اس سے اختلاف، اس پر حاشیہ پ۱ سورۃ البقرۃ رکوع ۸ میں گزر چکا۔

ومسخهم مسخ خلق وبدن فكانوا قردة بالفعل او مسخ خلق ونفس فكانوا كالقردة في طيشها وشرها وافسادها لما تصل اليه ايديها والاول قول الجمهور والثاني قول مجاهد (المنار)

۲۴۱ (اور یہ سزا دنیا میں اس قوم کی مسلسل نافرمانیوں اور گستاخیوں کی پاداش میں مقرر ہوئی ہے)

الیٰ یوم القیامۃ۔ یہ قید بڑی اہم ہے، سزا کا تعلق اسی دنیا سے ہے، سزائے آخرت سے اس آیت کا کوئی تعلق نہیں

اى الى انتهاء الدنيا (روح)

توریت کے بھی بعض بیانات قوم یہود کے مغضوب و معذّب ہونے سے متعلق ملاحظہ ہوں:۔

"ایسا ہی کروں گا۔۔۔ اور میرا چہرہ تمہارے برخلاف ہوگا، اور تم اپنے دشمنوں کے سامنے قتل کیے جاؤ گے، وہ جو تم پر کینہ رکھتے ہیں تم پر حکومت کریں گے" (احبار۔ ۲۶: ۱۴۔ ۱۷)

"تیرے بیٹے اور تیری بیٹیاں دوسری قوم کو دی جائیں گی اور تیری آنکھیں دیکھیں گی اور سارے دن ان کی راہ تکتے تکتے تھک جائیں گی اور تیرے ہاتھ میں کچھ زور نہ ہوگا" (استثناء۔ ۲۸: ۳۲)

علیھم ضمیر ھم کس کی جانب ہے؟ قولِ محقق یہ ہے کہ صرف اُن یہود کی جانب جو قرآن کریم و رسول کریم کے معاصر تھے

قال الاكثرون هذه الأية في اليهود الذين ادركهم الرسول صلعم ودعاهم الى شريعته وهذا اقرب (كبير) وقيل يهود خيبر وقريظة والنضير (بحر)

اور اگر وعید کو عام و مطلق قوم یہود کے لئے سمجھا جائے تو بھی صدہا سال تک تو یہی صورت دنیوی مغضوبیت کی ان کے ساتھ قائم رہی، اور دفع مغضوبیت دنیوی کی صورت صرف ۱۹۴۸ء سے نکلی ہے۔

۲۴۲ (اس لئے اے نافرمانو! دنیوی فلاح سے ہمیشہ کے لئے مایوس تم کبھی نہ ہو جاؤ)

لسریع العقاب۔ اس کی اس صفتِ عدل کا ظہور صرف مجرموں، اور عادی مجرموں کے حق میں ہوتا ہے۔

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ وَّرِثُوا الۡكِتٰبَ يَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ هٰذَا

پھر ان کے بعد ان کے جانشین ہوئے ایسے نالائق (لوگ) کہ کتاب (الٰہی) کو تو ان سے حاصل کیا (لیکن) اس دنیا کا مال

الۡاَدۡنٰى وَيَقُوۡلُوۡنَ سَيُغۡفَرُ لَنَا ۚ وَاِنۡ يَّاۡتِهِمۡ عَرَضٌ مِّثۡلُهٗ يَاۡخُذُوۡهُ ؕ

لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری تو ضرور مغفرت ہو جائے گی اور اگر ان کے پاس ویسا ہی مال (پھر) آجائے تو اسے (بھی) لے لیں ۲۴۴

انہ لغفور رحیم۔ وعید شدید کے معاً بعد ان صفاتِ جمال کا یاد دلانا بے معنی نہیں، اشارہ صاف نکل رہا ہے کہ وعید مؤبد قطعی اور غیر مشروط نہیں، اصلاحِ حال و دفعِ وبال کی گنجائش ابھی خاصی باقی ہے، چنانچہ ۱۹۴۸ء کے بعد سے جب سے یہود کو دنیوی اعتبار سے آزادی، خودمختاری اور خوش حالی نصیب ہونے لگی ہے آیت کے اس جز کا تحقق پوری طرح ہو رہا ہے۔ نزولِ آیت سے ۱۳،۱۴ صدیوں تک مسلسل جس قہر و عذابِ دنیوی میں یہود مبتلا رہے اُسے دیکھتے ہوئے کون یہ گمان کر سکتا تھا کہ انھیں کہیں علو و اقتدار بھی نصیب ہوگا، تمام ظاہری آثار و علامات کے برعکس ایسے قوی اشارات کر دینا، اُسی مالک الملک کے کلام میں ممکن ہے جو ہمہ بیں، ہمہ تواں، ہمہ داں ہے، اور جس پر حال و مستقبل سب یکساں عیاں ہے۔

۲۴۳ (اپنی مجرمانہ حرکتوں سے ایمان و اطاعت کی طرف لوٹ آئیں)

ای لیرجعوا من کفرھم (قرطبی) یرید کی یتوبوا (کبیر)

بلونٰھم۔ ضمیرِ جمع افراد کی طرف نہیں، بلکہ مجموعاً قوم یا امت کی طرف ہے، قومی خوش حالی کی مثالیں یہ ہیں کہ قوم معزز ہو، دولتمند ہو، صحیح و تندرست ہو، قومی بدحالی کی مثالیں یہ ہیں کہ قوم محکوم و ماتحت ہو، ذلیل و ضعیف ہو، مفلس و تنگدست ہو۔

بلونٰھم بالحسنات والسیّاٰت۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں مراد تو ظاہری و مادی تنگی و فراخی ہے لیکن بندہ کا ابتلاء کبھی حسناتِ باطنی سے بھی کیا جاتا ہے، مثلاً معاصی کے ہوتے ہوئے بھی ذوق و وجد حاصل ہو جاتا ہے اس سے بندہ کو دھوکا ہوتا ہے کہ میں حق پر ہوں، حالانکہ وہ باطل پر ہوتا ہے تو اگر معصیت کے ساتھ بسط جمع ہو جائے تو وہ استدراج ہے اس سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔

لعلھم یرجعون۔ اس میں اس کا اشارہ آگیا کہ یہ ابتلاء بھی اصلاح ہی کی غرض سے تھی۔

قال اھل المعانی وکل واحد من الحسنات والسیاٰت یدعوا الی الطاعۃ اما النعم فلاجل الترغیب واما النقم فلاجل الترھیب۔ (کبیر)

قطعنٰھم فی الارض اُممًا۔ یعنی وہ قوم منتشر و متفرق ہو کر زمین پر پھیل گئی اور مختلف حصوں میں آباد ہو گئی۔

ای فرقناھم فی البلاد (قرطبی) ای فرقناھم تفریقًا شدیدًا۔ (کبیر)

۲۴۴ (اس کتاب آسمانی کے مضامین کے عوض میں)

یہ بیان ہو رہا ہے یہود کے "حبِّ مال" رشوت خوری، اور بددیانتی کا، پیسہ کے ایسے حریص ہیں کہ اپنی ہدایاتِ آسمانی تک اس کے عوض میں بیچ ڈالتے ہیں، حالانکہ ان کی شریعت اس باب میں اتنی سخت ہے کہ رشوت و خیانت تو الگ رہی، ہدیہ تک اس میں ممنوع ہے۔

اَلَمۡ یُؤۡخَذۡ عَلَیۡہِمۡ مِّیۡثَاقُ الۡکِتٰبِ اَنۡ لَّا یَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الۡحَقَّ

کیا ان سے کتاب میں اس کا عہد نہیں لیا جا چکا ہے کہ اللہ پر کوئی بات نہ گڑھیں، ہاں صرف حق کہیں ۲۴۵ء

"تو ہدیہ نہ لینا، کیونکہ ہدیہ دانشمندوں کو اندھا کر دیتا ہے اور صادقوں کی باتوں کو پھیر دیتا ہے" (خروج ۲۳: ۸)

خَلۡفٌ۔ بہ سکون لام کے معنی نالائق وارث کے ہیں۔

المتأخر لقصور منزلته يقال له خلْفٌ (راغب) قال ابن الاعرابي الخلف بالفتح الصالح وبالجزم الطالح (قرطبی) فخَلْف فی الذم بالاسکان وخلَف بالفتح فی المدح هذا هو المستعمل المشهور (قرطبی) قیل ان الاغلب فی خلْف بتسکین العین انه للذم (جصاص)

عَرَضَ هٰذَا الۡاَدۡنٰی۔ عرض کے لفظ سے مال کے مفہوم میں پہلوئے بے ثباتی اور زود فنائی کا بھی آگیا، اور یہاں مراد رشوت لی گئی ہے، جو انہیں احکام دین میں تحریف پر ملتی تھی۔

وروی ان معناه الرشوة علی الحکم (جصاص) المراد ما کانوا یاخذونه من الرشا فی الاحکام علی تحریف الکلام (کبیر)

وان یاتہم عرض مثلہ یاخذوہ۔ یہ اشارہ یہود کی طمع غلیظ اور رشوت خوری وغیرہ کی جانب ہے۔

والاشارۃ فی ہذہ الآیۃ الی الرشا والمکاسب الخبیثۃ (قرطبی)

یاخذون عرض ھذا الادنی۔ یعنی اپنی طمعِ غلیظ کے آگے ہر سامانِ دنیوی پر گرے پڑتے ہیں۔

العرض متاع الدنیا اخبر عنہم انہم یاخذون ما یعرض لہم من متاع الدنیا لشدۃ حرصہم ونہمہم (قرطبی)

یأتہم میں ضمیر یہود مدینہ معاصرین رسول کی جانب ہے، یعنی جیسے ان کے اسلاف مال حرام کے حریص تھے ایسے ہی یہ بھی ہیں

ای ان یات یہود یثرب الذین کانوا علی عہد النبی صلعم عرض مثلہ یاخذوہ کما اخذہ اسلافہم (قرطبی)

یقولون سیغفر لنا۔ یہود کو اپنی نجات و مغفوریت پر گھمنڈ اپنے اسی غرورِ نسب و فخرِ نسل کی بنا پر تھا، پارۂ اول کی آیت لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ اور دوسری متقارب المعنی آیتوں کے ماتحت حاشیے گزر چکے۔

مفسر آلوسی بغدادیؒ نے اس موقع پر جو کچھ لکھا ہے، وہ اس قابل ہے کہ اس کو عبرت کے لئے آج کے اہل ہند و پاکستان کے سامنے بجنسہٖ پیش کر دیا جائے:۔

ھذا الحال کثیر من متصوفۃ زماننا فانہم یتھافتون علی الشہوات تہافۃ الفراش علی النار ویقولون ان ذلک لا یضرنا لانا واصلون وحکی عن بعضہم انہ یاکل الحرام الصرف ویقول ان النفی والاثبات رافع ضررہ وھو خطأ فاحش وضلال بیّن اعاذنا اللہ تعالی من ذلک (روح)	یہی حال ہمارے زمانہ کے بہ کثرت صوفیہ کا ہے شہوات ولذاتِ دنیوی پر پروانوں کی طرح گرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم کو مضر نہیں اس لئے کہ ہم واصل ہیں، اور کسی کی بابت تو یہ بھی سنا گیا ہے کہ وہ خالص حرام کھاتا تھا اور کہتا تھا کہ ذکر نفی و اثبات اس کے ضرر کو رفع کر دیتا ہے! یہ کھلی ہوئی گمراہی ہے، اللہ اس سے محفوظ رکھے!

۲۴۵ء توریت موجودہ کے صرف چند حوالے ملاحظہ ہوں:۔

"تو ہر ایک بات جس کا حکم میں تمہیں دیتا ہوں دھیان رکھ کے عمل کیجیو تو اس سے زیادہ نہ کرنا نہ اس سے کم کرنا" (استثناء ۱۲: ۳۲)

وَدَرَسُوا مَا فِيهِ ۗ وَالدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۗ أَفَلَا

اور انھوں نے پڑھ بھی لیا جو کچھ اس میں ہے، اور آخرت ہی کا گھر ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو ڈرتے رہتے ہیں، سو کیا وہ عقل سے کام ہی

تَعْقِلُونَ ﴿١٦٩﴾ وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ

نہیں لیتے؟ ۲۴۶ اور جو لوگ کتاب (الٰہی) لئے ہوئے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں (سو) ہم ان لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے

أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ﴿١٧٠﴾ وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ

جو اپنی اصلاح کرچکے ہوتے ہیں ۲۴۷ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے ان کے اوپر پہاڑ معلق کردیا تھا اس طرح کہ گویا وہ سائبان ہے اور انھیں

وَاقِعٌ بِهِمْ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٧١﴾

یقین ہوگیا تھا کہ وہ ان کے اوپر گرا ہی چاہتا ہے (اور فرمایا تھا کہ) جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے اسے مضبوطی کے ساتھ اختیار کرو، اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ ۲۴۸

ع ۲۱ / ۱۱

"تم اس کلام میں جو تمھیں فرماتا ہوں کچھ زیادہ کیجیو اور نہ اس میں کم کیجیو" (استثناء ۴ : ۲)

"فقط تو مضبوط ہو اور خوب دلاوری کرنا تاکہ تو اس سب شریعت کے موافق جس کا میرے بندہ موسیٰ نے تجھ کو حکم کیا دھیان کرکے عمل کرے اس سے دہنے یا بائیں کو مت پھرنا تو ہر جگہ جہاں جہاں تو جائے کامیاب ہو" (یشوع ۱ : ۷)

میثاق الکتٰب۔ اس ترکیب اضافی میں اضافت فی کے قائم مقام ہے۔

ای المیثاق المذکور فی الکتٰب (کشاف) الاضافۃ بمعنی فی (جلالین) فالاضافۃ علی معنی فی (روح)

۲۴۶ (اس لئے کہ عقل سے ذرا بھی کام لیں تو یہ حقائق خود ان پر روشن ہو کر رہیں)

ودرسوا ما فیہ یعنی یہ لوگ اس مضمون سے خوب واقف ہوچکے ہیں، اور اس لئے ناواقفیت کا عذر بھی نہیں پیش کرسکتے۔

الذین یتقون۔ یعنی جو لوگ اللہ سے تقویٰ اور خشیت اختیار کئے رہتے ہیں اور عقائدِ کفر و اعمالِ فسق سے پرہیز کئے رہتے ہیں۔

۲۴۷ (چنانچہ جو لوگ اس معیار پر پورے اُتر جاتے ہیں وہ یقیناً اپنا صلہ دنیا و آخرت دونوں عالموں میں پاکر رہتے ہیں)

یہاں یہ بتلادیا کہ اپنی اصلاح کے اہم ترین اجزاء یہ دو ہیں، پہلی چیز کتاب الٰہی کو سند ماننا، دوسرے نماز کی پابندی ــــ تو جس قوم میں یہ دونوں باتیں جمع ہوجائیں گی، اُس پر اطلاق "مصلحین" کا ہوجائے گا۔

الذین یمسکون بالکتٰب۔ اور "کتاب" میں رسول اسلام پر ایمان لانے کا حکم بھی درج ہے، تو تمسک بالکتاب بغیر اسلام کی حلقہ بگوشی کے ممکن نہیں ــــ تمسک بالکتاب میں خلاصہ عقائدِ صحیح کا آگیا۔

الکتٰب۔ سے اس سیاق میں کھلی ہوئی مراد توریت سے ہے۔

ای بالتورٰۃ (قرطبی)

اقاموا الصلوٰۃ۔ اقامتِ صلوٰۃ کا حکم تو تمسک بالکتاب میں شامل ہی ہے، پھر الگ سے جو اس کا تصریحاً ذکر ہے، تو وہ حکم کی عظمت خاص و امتیاز کے اظہار کے لئے ہے۔

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ

(اور اس واقعہ کا ذکر کیجیے) جب آپ کے پروردگار نے نکالا اولاد آدم کی پشت سے ان کی نسل کو پیدا کیا اور خود انھیں کو اُن کی

عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ

جانوں پر گواہ کیا ۲۴۹ (اور کہا) کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں؟ بولے ضرور ہیں، ہم گواہی دیتے ہیں۔

اظہارا لعلو مرتبۃ الصلٰوۃ وانہا اعظم العبادات بعد الایمان (کبیر)

اقامتِ صلوٰۃ میں خلاصہ اُن کے اعمال و عبادات کا آگیا۔

۲۴۸ (جیسا کہ ہر صالح موحد قوم کو ہونا چاہیے)

اس واقعہ رفع جبل پر حاشیے پ سورۃ البقرۃ رکوع ۸ میں گزر چکے۔

واذکروا ما فیہ۔ اور اہم ترین تعلیم توریت میں توحید ہی کی تھی۔

ظنوا۔ ظن یہاں گمان و خیال کے معنی میں نہیں، علم و یقین کے معنی میں ہے۔

قال المفسرون ای علموا وایقنوا (کبیر) ای تیقنوا (بیضاوی)

کانّہ اور ظنّوا دونوں لفظ آیت میں قابل غور و اہم ہیں۔ کانّہ ظلّۃ وہ سائبان واقعی نہ تھا، شل سائبان کے تھا، سائبان کا سا معلوم ہو رہا تھا، دوسری بات یہ کہ ظنوا اُنھیں ایسا یقین ہوا، اثبات واقعہ کا نہیں، بیان صرف ان لوگوں کے یقین کا ہو رہا ہے۔

۲۴۹ (بہ قدر ضرورت انھیں سمجھ عطا کرکے)

واقعہ عالمِ ارواح کا بیان ہو رہا ہے۔

اوپر ذکر بنی اسرائیل کے میثاقِ توحید کا تھا، اور اس سے پہلے بھی بنی اسرائیل کو بار بار ان کا میثاقِ توحید یاد دلایا جا چکا ہے اس پر سوال ہو سکتا تھا کہ اسرائیلی میثاق، دنیا کی غیر اسرائیلی آبادی کے لئے کیونکر حجت بن سکتا ہے؟ اب بیان اس کا ہو رہا ہے کہ توحید کا عہد تو ساری نسلِ انسانی سے لیا جا چکا ہے اور توحید شناسی، توحید پرستی انسان کی فطرت میں راسخ کی جا چکی ہے اور بشر کی سرشت میں داخل کی جا چکی ہے، فطرت اگر مسخ نہیں ہو چکی ہے تو ایک خالق و مربی کا اعتراف ہر فطرتِ سلیم بشری کا جزو ہے

ھی عامۃ لجمیع الناس لان کل احد یعلم انہ کان طفلاً فغذی وربی۔ وان لہ مدبرا وخالقا۔ (قرطبی)

من ظھورھم ذریتھم۔ یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب پہلے پشتِ آدم سے نسلِ آدم وجود میں آچکی ہے، من ظھورھم ترکیب میں من بنی ادم سے بدلِ اشتمال ہے۔

بدل اشتمال من قولہ من بنی ادم والفاظ الآیۃ تقتضی ان الاخذ انما کان من بنی ادم (قرطبی)

یہ ضرور نہیں کہ یہ سارا مکالمہ لفظ و صوت کی مدد سے ہوا ہو، ہو سکتا ہے کہ بجائے زبانِ قال کے، محض زبانِ حال سے ہوا ہو، اور اُس مرتبہ وجود کے لئے وہی بالکل کافی ہے۔

فالاقوال ارادۃ وتکوین لا قول وحی وتلقین الست بربکم فقالوا کذلک بلغۃ الاستعداد ولسان الحال لا بلسان المقال (المنار)

اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ

(یہ اس لئے ہوا) کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔ ۲۵۰ یا یوں کہنے لگو کہ شرک

اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا

تو ہمارے باپ دادا پہلے ہی سے کرتے آئے اور ہم تو ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے تو کیا تو ہمیں ہلاک کردے گا

فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

ہمیں (اگلے) اہل باطل کے کرتوت کی پاداش میں ۲۵۱ اور ہم اس طرح نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ (لوگ) لوٹ آئیں ۲۵۲

۲۵۰ (اور ہم پر اس کی ذمہ داری ہی نہیں عائد ہوتی)

عن ھٰذا یعنی اس عقیدۂ ربوبیت وعقیدۂ توحید سے ۔ مطلب بہر صورت یہ ہے کہ اقرارِ توحید وربوبیت سرشتِ انسانی کا ایک جزو ہے۔

شھدنا۔ یہ قول بلیٰ کے تسلسل میں ذریت آدم ہی کی زبان سے ہے۔

شھدنا من بقیۃ کلام الذریۃ (کبیر) قال ابن عباس وابی بن کعب قولہ شھدنا ھو من قول بنی آدم۔ (قرطبی)

معنی یہ ہوئے کہ اعترافِ توحید ان کے دل میں اتر گیا، اور یہ نقش ان کی فطرت میں جم گیا۔

نصب لھم دلائل ربوبیتہ ورکب فی عقولھم ما یدعوھم الی الاقرار بھا حتی صاروا بمنزلۃ من قیل لھم الست بربکم قالوا بلیٰ فنزل تمکینھم من العلم بھا وتمکنھم منہ منزلۃ الاشھاد والاعتراف علیٰ طریقۃ التمثیل (بیضاوی)

اور روح المعانی میں گفتگو اور زیادہ شرح وبسط سے ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ لفظی سوال وجواب مقصود نہیں، بلکہ جس حقیقت کو مکالمہ کی صورت دی گئی ہے، وہ صرف یہ ہے کہ توحید واقرارِ عبودیت کے دلائل آفاقی وانفسی فطرتِ بشری میں جمادیے گئے ہیں۔ اس تمثیلی طرز مکالمہ کی مثالیں خود قرآن مجید میں بھی موجود ہیں اور فصحاء عرب کے کلام میں بھی۔

فھو من قبیل قولہ تعالیٰ بعد ذکر خلق السماء (فقال لھا وللارض ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین)

وھٰذا النوع من التعبیر والبیان یسمی فی عرف علماء البلاغۃ بالتمثیل وھو اعلیٰ اسالیب البلاغۃ وشواھدہ فی القرآن وکلام البلغاء کثیرۃ (المنار)

ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ شھدنا کلام باری تعالیٰ ہے اور بلیٰ کا تتمہ نہیں، بلکہ مستقل عبارت ہے یعنی بنی آدم کے اس میثاقِ توحید پر حق تعالیٰ کی شہادت۔

ھو خبر من اللہ عن نفسہ وملائکتہ (ابن جریر عن السدی) وقد قیل ان قولہ شھدنا من قول اللہ تعالیٰ والملائکۃ، والمعنی شھدنا علیٰ اقرارکم قالہ ابو مالک وروی عن السدی ایضا (قرطبی)

قالوا بلیٰ۔ یہ اقرارِ خالق گویا ان پر واجب ہوگیا۔

ای ان ذالک واجب علیھم (قرطبی)

وَاتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَاَ الَّذِىۡۤ اٰتَيۡنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانۡسَلَخَ مِنۡهَا

اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیے جس کو ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں، پھر اس نے وہ کینچلی

فَاَتۡبَعَهُ الشَّيۡطٰنُ فَكَانَ مِنَ الۡغٰوِيۡنَ ﴿۱۷۵﴾

اُتار دی سو شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور وہ گمراہوں میں داخل ہو گیا ۲۵۳

ان تقولوا۔ یعنی تاکہ کہیں یہ کہنے لگو۔

ای کراھۃ ان تقولوا (بیضاوی)

۲۵۱ یہاں قرآن نے گویا تصریح کر دی کہ نسلِ انسانی کا اصل اور ابتدائی دین توحید ہے، اور شرک بہت بعد کی پیداوار ہے" دانایانِ فرنگ ابھی چند سال اوپر کی بات ہے کہ زور دے دے کر اس کے برعکس کہہ رہے تھے کہ نسلِ انسانی کا ابتدائی دین شرک ہے، اور توحید تک تو انسان بہت بعد کو رفتہ رفتہ پہونچا ہے، لیکن اب ان کے ماہرین علم الاقوام (ETHLOGIST) کی آنکھیں کھلی ہیں، اور اب علانیہ اقرار ہونے لگا ہے کہ انسان کا ابتدائی دین توحید ہی تھا، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

۲۵۲ (دین توحید کی طرف، اور باز آجائیں کفر و شرک سے)

قرآن نے بار بار اس حقیقت کا اعلان کیا ہے کہ انسان کا اصل، ابتدائی، فطری عقیدہ توحید کا ہے، شرک صرف خارجی گمراہیوں سے پیدا ہوتا ہے۔

۲۵۳ (تاکہ اس کا ذکر سن کر یہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔)

نبا۔ نبا کے معنی خبرِ اہم کے ہوتے ہیں۔

النبأ خبرٌ ذو فائدۃٍ عظیمۃ (راغب) خبرٌ لہ شانٌ (المنار)

اہلِ تحقیق کا اس پر اتفاق ہے کہ مثال عام ہے اور ہر شخص پر صادق آتی ہے جسے دینِ حق کی نعمت ملی ہے اور وہ اس کا تارک ہو جائے۔ باقی اس میں اختلاف ہے کہ ایسی کوئی شخصیت تاریخ میں ہوئی بھی ہے؟ اور اگر ہوئی بھی ہے تو کب؟ اور کہاں؟ ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ رسول اللہ کا معاصر، قبیلۂ ثقیف کا شاعر، رئیس و حکیم امیہ ابن ابی الصلت تھا۔

وھو حاکم امیۃ ابن ابی الصلت (ابن جریر عن ابن عمرؓ) واخرج ابن عساکر عن الی شہاب انہ امیۃ بن ابی الصلت (در منثور)

یہ اپنی رئیسانہ فیاضی کے علاوہ شاعری و حکمت کے لئے بھی مشہور تھا، اور اس بنا پر عرب میں ایک نبی کی بعثت کی پیشگوئیاں اور بشارتیں بھی پڑھ لی تھیں، ابوحیان غرناطی لکھتے ہیں کہ ان بشارتوں سے اُسے اپنی جگہ امید یہ بندھ گئی تھی کہ وہ نبی کہیں یہی خود ہی نہ ہوں، پھر جب اُس کو رسول اللہ کے دعوے کی خبر پہونچی تو اُسے سخت مایوسی ہوئی، اور یہ کسی بادشاہ کے دربار میں چلا گیا، بلکہ ایک روایت میں ہے کہ اُس نے اسلام قبول بھی کر لیا تھا، لیکن جب غزوۂ بدر کے بعد یہاں پہونچا اور مقتولین کے متعلق سوال کیا کہ یہ کس کے حکم سے مارے گئے؟ اور جب اس نے سنا کہ رسول اللہ کے حکم سے تو اسی وقت مرتد ہو گیا، اور شراب جسے اپنے اوپر حرام کر چکا تھا، اُسی وقت سے پھر شروع کر دی، اور شاہانِ عجم کے پاس چلا گیا، اور

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ

اور اگر ہم چاہتے تو ہم اس کا مرتبہ ان (اپنی نشانیوں) کے ذریعہ سے اونچا کر دیتے ۲۵۴ لیکن وہ زمین کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کی پیروی کرنے لگا ۲۵۵

انھیں کی مصاحبت میں عمر بسر کر دی، اس کے بعد اس کی بہن فارعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آنحضرت ﷺ کو اس کے بہت سے اشعار سنائے آپ نے کلام سن کر فرمایا کہ اس کا کلام تو مسلمان ہے گو اس کا قلب کافر ہے۔

اور ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ اس سے اشارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آخر زمانہ کے ایک عراقی یا کنعانی زاہد بلعم باعور کی جانب ہے

هو بلعم بن باعور (ابن جریر عن ابن عباسؓ) قال ابن مسعود وابن عباس هو بلعام بن باعوراء (قرطبی)

اس بلعم باعور کا ذکر توریت میں تفصیل سے آیا ہے گنتی باب ۲۲، باب ۲۳، باب ۲۴۔ اس کا قصہ عجائب و خوارق سے بھرپور درج ہے اور انجیل میں بھی جابجا اس کے حوالے ہیں، اور بعض اسرائیلی روایتوں سے جو جیوش انسائیکلوپیڈیا میں تالمود وغیرہ کے حوالہ سے درج ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص عابد و زاہد سے زیادہ کہانت اور عملیات کا ماہر تھا۔

اور ایک گروہ کی رائے ہے کہ اس سے مراد خود قریش ہیں جنھیں اتنی بڑی نعمت نبوت کی ملی، اور پھر انھوں نے اسے قبول نہ کیا۔

قال عبادة بن الصامت هم قريش اتتهم اوامر الله ونواهيه والمعجزات فانسلخوا من الآيات ولم يقبلوها. (بحر)

واتل عليهم الخ۔ یعنی ایک ایسے شخص کا حال بطور مثال و نظیر پڑھ کر سنائیے۔

الذی اٰتینٰه اٰیٰتنا۔ یعنی اسے اپنے احکام کے علم کی نعمت ہم نے عطا کی تھی شعر و حکمت کی دولت سے ممتاز کیا تھا۔

نبأ۔ کے معنی خبر اہم و مہتم بالشان کے ہیں۔

النبأ خبر ذو فائدة عظيمة (راغب) لم يرد في القرآن الا لما له وقع وشان عظيم (اقرب: ابوالبقاء) الخبر الذی له شان (المنار)

فانسلخ منها۔ یعنی اس نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی، بلکہ تمرد و سرکشی پر آمادہ ہو گیا۔ ضمیر ھا، اٰیات کی طرف ہے جن سے وہ غایت بعید پڑ گیا

ای من معرفة الله تعالىٰ ای نزع منه العلم الذی كان يعلمه (قرطبی) فانسلخ من الآيات (مدارک)

والانسلاخ من الآيات بالغة فی التبری منها والبعد (بحر)

فاتبعه الشیطٰن۔ سو شیطان اس پر مسلط ہو گیا، انسان جب اپنے ارادہ سے فسق اختیار کرتا ہے تو شیطان لازمی طور پر اس سے مستقل رفاقت پیدا کر لیتا ہے۔

محدث طیبی نے لکھا ہے کہ جو شخص اس مثال میں غور کرے گا اس پر روشن ہو جائے گا کہ علماءِ سوء اس سے بھی ابتر حالت میں ہیں، مال و جاہ دنیوی اور اس کی لذتوں میں پھنسے ہوئے۔

عن الطيبی ان من تفكر فی هٰذا المثل تحقق له ان علماء السوء اسوءُ واقبح من ذٰلك (روح)

اٰتینا، اٰیٰتنا، اور فانسلخ منها۔ کے صیغوں پر خوب غور کر لیا جائے، عطائے آیاتِ الٰہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب منسوب کیا ہے، اور اس انعام سے انسلاخ (نکل بھاگنے) کو بندہ کے فعلِ اختیاری کی جانب۔

۲۵۴ یعنی بہر حال و بہر صورت اسے ان آیات پر عمل کی توفیق دیتے ہی رہتے۔

لو شئنا۔ یعنی اگر ہماری مشیتِ تکوینی یہی ہوتی کہ ہم بندہ کے ارادہ میں دخل دے کر اسے بہ جبر سیدھی راہ پر ڈال دیا کرتے

لرفعناه بها۔ بها کے معنی بالعمل بها کے کئے گئے ہیں۔

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ

سو اس کی مثال کتے کی سی ہوگئی کہ اگر تو اُسے کھدیڑ دے (جب بھی) زبان لٹکائے رہے یا اُسے چھوڑے رہے (جب بھی) زبان لٹکائے رہے^{۲۵۶} یہ مثال ہے ان (سب) لوگوں کی جنھوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو، سو آپ (یہ) حالات

ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ

يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلَا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ

بیان کیجئے تاکہ لوگ سوچیں^{۲۵۷} کیسی بُری مثال ہے اُن لوگوں کی جو ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے رہے اور اپنی ہی جانوں

ای بالعمل بہا (قرطبی)

۲۵۵ یعنی عقیدہ و عمل کا معیار بجائے وحی الٰہی کے اپنی ہوائے نفس کو بنا لیا۔

لکنّہٗ یعنی یہ قانونِ تکوینی تو ہم نے رکھا ہی نہیں۔

اخلد الی الارض۔ اخلد کا صلہ جب الی کے ساتھ آتا ہے تو معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اس طرف جھک گیا، اُسے اپنے اوپر لازم کر لیا، چنانچہ یہاں مُراد یہ ہے کہ وہ شخص اپنے قصد و اختیار سے دُنیا کی پستیوں کی طرف جھک پڑا، یا یہ سمجھا کہ یہ عیشِ دنیا اُس کے ساتھ وفا کر جائے گی۔

اخلدت الی الفلان ای رکنت الیہ۔ (جوھری)

ای رکن الیھا ظاناً انّہ یخلد فیھا (راغب) ای مال الی زینۃ الحیٰوۃ الدنیا وزھرتھا (ابن کثیر)
ای الی شھوات الدنیا ورغب فیھا (بحر)

۲۵۶ تشبیہ پریشانی و پریشاں خاطری کے لحاظ سے ہے، یعنی ایسے شخص کو راحت کسی حال میں بھی نہیں، پریشانی و ذلت اس کے نصیب میں دائمی طور پر آگئی۔

یلھث۔ لہث کہتے ہیں، گرمی یا پیاس سے زبان لٹک آنے کو۔

ھو ان یدلع لسانہ من العطش (راغب) لھث ای اخرج لسانہ من التنفس الشدید عطشاً او تعباً (اقرب) لھث الکلب اذا اخرج لسانہ من شدۃ العطش والحر (نھایہ)

کفر و ارتداد پر جو یہاں ذلت و پریشانی کو مرتب فرمایا گیا ہے تو آخرت میں تو اس کا تحقق ظاہر ہی ہے دنیا میں بھی اگر قلب کو ٹٹولا جائے تو اہلِ حق کی سی عزت و راحت نصیب نہیں ہوتی، خصوصاً ارتداد کی حالت میں۔

ھذا المثل فی قول کثیر من اھل العلم بالتاویل عام فی کل من اوتی القرآن فلم یعمل بہ وقیل ھو فی کل منافق (قرطبی)

۲۵۷ یہاں یہ صاف کر دیا کہ مقصود کسی فردِ متعین کی تاریخِ سیرت کو سُنانا نہیں، بلکہ کل منکرین مکذبین مرتدین کی حالت پر آگاہ کرنا ہے، اور اس سے عبرت دلانا ہے۔

ای ھو مثل جمیع الکفار۔ (قرطبی)

كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿١٧٧﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ

ظلم کرتے رہتے ہیں ۲۵۸ جسے اللہ ہی راہِ ہدایت دکھائے بس وہی راہ پانے والا ہوتا ہے اور جسے وہ بے راہ کرے سو وہی

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٧٨﴾ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ

لوگ گھاٹے میں آجانے والے ہیں ۲۵۹ اور بے شک ہم نے دوزخ کے لئے بہت سے جنات اور انسان پیدا کئے ہیں ۲۶۰

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ

ان کے دل ہیں (مگر) یہ ان سے سوچتے سمجھتے نہیں، اور ان کی آنکھیں ہیں (مگر) ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے

اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ

کان ہیں (مگر) ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں، بلکہ یہ ان سے بھی بڑھ کر بے راہ ہیں۔

آیت سے امثال و نظائر کی قوت اور تفکر و عبرت پذیری کی عظمت بھی ظاہر ہو رہی ہے۔

والاٰية تدل على تعظيم شان ضرب الامثال فى تاثير الكلام وكونه اقوىٰ من سوق الدلائل والحجج المجردة ويدل على تعظيم شان التفكر۔ (المنار)

۲۵۸ انسان کو ایک بار پھر جتایا ہے کہ راہِ ہدایت نہ قبول کرنے سے نقصان تمام تر اس کا اپنا ہی ہوتا ہے نہ کسی پیمبر کا یا اللہ کا

۲۵۹ اور اللہ کا کسی کو بے راہ کرنا خود نہیں ہوگا، بلکہ بندہ کے قصدِ ضلالت پر محض نتیجہ کے طور پر مرتب ہوگا۔

۲۶۰ یعنی ایسے لوگ پیدا کئے ہیں، جو نہ قصد اور طلب ہدایت کی کریں گے اور نہ ہدایت انھیں نصیب ہوگی، اس لئے لامحالہ ان کا ٹھکانا دوزخ ہی ہوگا۔

حق تعالٰے کی طرف اس فعل کا انتساب محض تکوینی حیثیت سے ہے یعنی بہ طور علت العلل کے ہے نہ یہ کہ نعوذ باللہ اللہ تعالٰے کی مرضی ہی یہ ہے۔

لجھنم میں ل عاقبت کا ہے یعنی ان کی غرضِ آفرینش یہ نہیں، بلکہ وہ اعمال ایسے اختیار کریں گے، جس کا نتیجہ یہ ہو کر رہے گا۔

واللام للعاقبة عند الكثير (روح)

توریت و انجیل دونوں میں یہ مضمون وارد ہوا ہے:۔

"شریر ہلاکت کے دن کے لئے رکھ چھوڑا گیا ہے۔" (ایوب۔ ۲۱: ۲۳)

"خداوند نے ہر ایک چیز اپنے لئے بنائی، ہاں شریروں کو بھی اُسی نے برے دن کے لئے بنایا۔" (امثال ۱۶: ۴)

"یہ لوگ بے عقل جانوروں کے مانند ہیں جو پکڑے جانے اور ہلاک ہونے کے لئے حیوان مطلق پیدا ہوئے ہیں، اپنی خرابی میں خود خراب کئے جائیں گے۔" (۲ پطرس ۲=۱۲)

أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿١٧٩﴾ وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ۖ

یہی لوگ تو غافل ہیں ۵۲۶۱ اور اللہ ہی کے لئے اچھے اچھے نام ہیں سو انہیں سے اسے پکارو۔

وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٨٠﴾

اور ان لوگوں کو چھوڑے رہو جو اس کی صفات میں کجروی کرتے رہتے ہیں ضرور انھیں اس کا بدلہ ملے گا جو وہ کرتے رہتے ہیں ۵۲۶۲

۵۲۶۱ یعنی عقل سے کام نہیں لیتے ہیں، اور فکر آخرت سے بے پروا رہتے ہیں۔

بل هم اضل۔ کیونکہ چوپائے تو ہدایت کے مکلف ہی نہیں، یہ مکلف ہونے پر بھی اس قدر بے توجہ ہیں۔

جو لوگ انسان انسان کو، بلاقیدِ کفر و اسلام مساوی سمجھتے ہیں وہ دیکھیں کہ قرآن نے کافر کا درجہ مراتبِ انسانیت میں کتنا پست رکھا ہے، کہنا چاہئے کہ اسے دائرۂ انسانیت ہی سے خارج کر دیا ہے۔

لهم۔۔۔ یسمعون بها۔ یعنی یہ لوگ دل، آنکھ اور کان سے حق کے سوچنے سمجھنے، حق کے دیکھنے بھالنے، حق کے سننے سنانے کا کام ہی نہیں لیتے۔

اولئک کا لانعام۔ ایک مضمون توریت میں اسی سے ملتا جلتا ہوا ملتا ہے:۔

"بیل اپنے مالک کو پہچانتا ہے اور گدھا اپنے صاحب کی چرنی کو، بنی اسرائیل نہیں جانتے، یہ لوگ کچھ نہیں سوچتے" (یسعیاہ۔ ۱: ۳)

هم الغفلون۔ غفلت سے مراد اس سیاق میں ہمیشہ ارادی بے پروائی و بے التفاتی ہوتی ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت کا مدلول لفظی تو یہ ہے کہ غفلت عن اللہ سبب ہوتی ہے دوزخ کی، لیکن مدلول قیاسی یہ ہے کہ غفلت عن اللہ سبب بن جاتی ہے، شہوات و حرص دنیا کے جہنم کی، جیسا کہ ذکر الٰہی سبب بن جاتا ہے دنیا میں جنتِ قناعت و انوار کا، اور یہ دونوں مشاہدات دنیا میں برابر ہوتے رہتے ہیں۔

۵۲۶۲ (خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں)

وذروا الذین یلحدون فی اسمائه۔ یعنی جو لوگ اللہ کے اسماء و صفات میں الحاد سے کام لیتے رہتے ہیں، انھیں چھوڑے رہو، ایسوں سے بالکل بے تعلق رہو، لیکن خود الحاد فی الاسماء کیا چیز ہے۔

الحد کے لفظی معنی ہیں کجروی کی یا انحراف کیا، اور یلحدون فی اسمائه کے دو پہلو ہیں، ایک یہ کہ جو صفات موصوف میں نہ موجود ہوں یا جو اس کے مرتبہ کے خلاف ہوں، انھیں اس کی جانب منسوب کر دیا جائے، دوسرے یہ کہ جو صفات اس موصوف میں ہوں، اُن میں خواہ مخواہ دوسروں کو شریک کر لیا جائے۔

والالحاد فی اسمائه علی وجهین احدهما ان یوصف بما لا یصح وصفه به والثانی ان یتاول اوصافه علی ما لا یلیق به۔ (راغب)

یہاں ممانعت دونوں چیزوں کی ہے، نہ اللہ تعالیٰ کو اس کے کمالات سے خالی سمجھو اور نہ اُس کے کمالات میں دیوی دیوتاؤں، اپنے من گھڑت معبودوں کو شریک کرو۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ أُمَّةٌ يَّهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُونَ ﴿۱۸۱﴾

اور ہم نے جن کو پیدا کیا ہے ان میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو حق کے مطابق (لوگوں کو) ہدایت کرتے رہتے ہیں اور اسی کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں ۲۶۳

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ

اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں انھیں ہم رفتہ رفتہ لئے جا رہے ہیں اس طرح کہ انھیں خبر

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِىْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِىْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾

ہی نہیں ہوتی ۲۶۴ اور میں انھیں مہلت دیتا رہتا ہوں بے شک میرا داؤ بڑا مضبوط ہے۔ ۲۶۵

للہ الاسمآء الحسنیٰ۔ اللہ کے الاسماء الحسنیٰ وہی ہیں جو اُس کے صفات کامل کے حامل ہیں، اور یہ وہ مخصوص نام ہیں جن کا اسماء الٰہی ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے، اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ ہی کی ذات، صفات کمال کی حامل و جامع ہے۔

وللہ دون غیرہ جمیع الاسماء الدالۃ علی احسن المعانی واکمل الصفات (المنار)

یونان وغیرہ کے بعض مشرک فلسفیوں کا قول تھا کہ ذاتِ الٰہی کی نہ کوئی صفت ہے اور نہ کوئی اس کا نام، اکابر یہود بھی اسی مہمل فلسفہ سے متاثر ہو گئے تھے، یہاں ان کی تردید بھی مدنظر ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

الاسماء الحسنیٰ سے مراد صفاتِ کمالیہ بھی ہیں۔

المراد بہا الالفاظ وقیل الصفات (بیضاوی) قال ابن عطیۃ والاسماء ھٰھنا بمعنی المسمیات اجماعا من غیر

قیل المراد بالاسماء الصفات (روح)

اسماء کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ پ ۱، سورۃ البقرۃ، رکوع ۴ میں۔

۲۶۳ یعنی ہماری مخلوق میں سے سب ہی گمراہ نہیں ایک جماعت اہلِ حق کی بھی ہے، جو دوسروں کو دینِ حق کے مطابق ہدایت کرتی رہتی ہے، اور خود بھی بندوں کے ساتھ معاملات میں اسی قانونِ حق کے ماتحت برتاؤ کرتی رہتی ہے۔

۲۶۴ پھر جب ان لوگوں کی آخری منزل جہنم معلوم ہو گئی، تو اب ان کی ظاہری فلاح سے یا اُن کی مادی چمک دمک سے دھوکا کھانا ہی کیا معنی؟

سنستدرجھم۔ یعنی چپکے چپکے انھیں جہنم کی طرف لئے جا رہے ہیں۔

من حیث لایعلمون۔ یعنی انھیں اصل منزلِ مقصود کا احساس کبھی نہیں ہوتا، اور اپنی شامت سے ہمیشہ دوسرے اسباب کے الجھاوے میں پڑے رہتے ہیں۔

۲۶۵ اور خدائی داؤں کی مضبوطی یہی ہے کہ کافروں کو ڈھیل ملتی چلی جاتی ہے، اعمال موجبِ عذاب پر عذاب دنیوی معاً نہیں نازل ہو جاتا، اور گرفت فوراً نہیں ہوتی، مجرم کو یہ غرّہ ہو جاتا ہے کہ کوئی گرفت کرنے والا نہیں، اور اس لئے جرأتِ عصیان اور بڑھتی جاتی ہے ــــ ماضی اور حال کی تاریخ کے اوراق اس خدائی کید متین کی عملی مثالوں سے بھرے پڑے ہیں، کوئی کہاں تک اُن کا شمار کر سکے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۗ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (۱۸۴)

کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا، ان کے ساتھی کو ذرا بھی جنون نہیں، وہ تو بس ایک صاف صاف ڈرانے والے ہیں ۲۶۶

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ

کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کی حکومت پر نظر نہیں کی نیز اس سب پر جو کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے ۲۶۷

وَّاَنْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ (۱۸۵)

اور اس بات پر کہ ممکن ہے ان کی اجل قریب ہی آپہونچی ہو ۲۶۸ غرض یہ کہ اس (قرآن) کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے بھلا ۲۶۹

۲۶۶ (منکروں کو، کہ جو قانون الٰہی کی نافرمانی کریں گے وہ عذابِ الٰہی کے مستحق قرار پائیں گے)

مبین۔ جن کے انذار میں کوئی پہلو خفاء و پوشیدگی کا موجود نہیں۔

اولم یتفکروا۔ اشارہ رسول اللہ صلعم کے معاصر منکرین کی طرف ہے۔

صاحبھم۔ یعنی یہ ان کے ہر وقت کے ساتھی، انھیں کے درمیان رہنے سہنے والے رسول اللہ صلعم جن کے مزاج و سیرت، اوضاع و اطوار، اخلاق و معاملات کی یہ لوگ ہر وقت ہر طرح جانچ پڑتال کر سکتے ہیں ــــ لفظ "صاحب" اس موقع کے لئے نہایت ہی بلیغ ہے، جن کے درمیان رسول اللہ صلعم ہر وقت رہتے سہتے تھے، اُن کے لئے آپ صلعم کی بصیرت و کردار کی طرف پورا اشارہ اس میں آگیا۔

ما بصاحبھم من جنۃ۔ یعنی شائبہ جنون ہونا تو کجا، وہ تو ایسے ایسے کارناموں اور کمالات کے مالک ہیں کہ ایک دنیا ان پر دنگ رہ جائے گی، کیسے غضب کی بات ہے کہ ایسے کامل العقل انسان میں کوئی شائبہ بھی جنون کا سمجھا جائے۔

۲۶۷ (کہ اس غور و فکر سے انھیں توحید کا علمِ استدلالی حاصل ہو جاتا)

ینظروا۔ نظر سے مُراد نظرِ غور و فکر و نظرِ تدبر ہے۔

السمٰوٰت والارض۔ آسمانوں اور زمین کا ساری کائنات میں عظیم الشان ہونا ظاہر ہی ہے صراحت کے ساتھ اسی لئے ان کا نام لیا گیا۔

ماخلق.... شیء۔ اس اضافہ سے اشارہ ادھر ہو گیا کہ مخلوقات میں سے ہر چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی استدلالِ توحید کے لئے کافی ہے۔

وفی ذلک تنبیہ علی ان الدلالۃ علی التوحید غیر مقصورۃ علی السمٰوٰت والارض بل کل ذرۃ من ذرات العالم دلیل علی توحیدہ (روح)

۲۶۸ (کہ استحضارِ موت کے اس مراقبہ سے احتمالِ عذاب سے ڈرنے لگتے اور اپنے بچنے کی فکر کرنے لگتے)

۲۶۹ (کہ سب سے زیادہ موثر و بلیغ کلام تو یہی ہے)

بعدہ۔ ہ میں ضمیر قرآن ہی کی جانب سمجھی گئی ہے۔

مَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ ۚ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ (۱۸۶)

جسے اللہ گمراہ کردے اس کے لئے کوئی راہ دکھانے والا نہیں، اور وہ انھیں ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑے رکھتا ہے ۲۷۰

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي ۖ

یہ لوگ آپ سے قیامت کی بابت دریافت کرتے ہیں ۲۷۱ کہ اس کا وقوع کب ہوگا، آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم تو بس میرے پروردگار

لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ۚ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ

ہی کو ہے اس کے وقت پر اسے کوئی نہ ظاہر کرے گا بجز اسی (اللہ) کے ۲۷۲ بھاری (حادثہ) ہے وہ آسمانوں اور زمین میں

وضمیر یعید لا للقرآن علی ما ذھب الیه غالب المفسرین وھو معلوم من السیاق (روح)

۲۷۰ (اور گرفت ہمیشہ فوراً ہی نہیں کرتا)

ومن یضلل اللہ۔ اللہ کی طرف سے یہ اضلال، جیسا کہ بارہا پہلے آچکا ہے بندہ کے عدم طلب ہدایت کے نتیجے کے طور پر ہوتا ہے۔

۲۷۱ (علم و واقفیت کے لئے نہیں، بلکہ تمسخر و استہزاء کی راہ سے)

منکرین کے اس سوال میں سنجیدگی ذرا بھی نہ ہوتی، محض تمسخر مقصود ہوتا۔

کانوا یسئلون عن وقت الساعة استبعادا لوقوعھا وتکذیبا بوجودھا (ابن کثیر)

الساعة۔ سے مراد اصطلاحِ قرآنی میں، عموماً وہ وقت ہے جب قیامت کا آغاز ہوگا یعنی ہر مخلوق کی موت وفنا۔ قیامت کے دوسرے رُخ کے لئے عموماً الفاظ "یوم البعث" و "حشر" کے آئے ہیں۔

فالساعة ھی المبدأ والقیامة ھی الغایة ففی الاولیٰ الموت والھلاک وفی الاخرة البعث والجزاء (اللہ)

۲۷۲ اور وہ ظاہر کرنا یہی ہے کہ قیامت واقع ہو کر رہے گی۔

التجلیة اظھار الشیء (قرطبی)

علمھا۔ یعنی اس کے وقت وقوع کا تفصیلی علم۔

انما۔ اس کلمۂ حصر نے صاف کر دیا کہ اس علم میں کوئی ایسی مخلوق نبی مرسل ہو یا فرشتہ مقرب باری تعالیٰ کا شریک نہیں

ومعنی کون ذلک عندہ عزوجل خاصة انه استأثر به حیث لم یخبر احدا به من ملك مقرب ولا نبی مرسل (روح)

انجیل تک میں یہ قول موجود ہے:۔

• اس دن اور اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا، نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا، مگر صرف باپ" (متی ۲۴: ۳۶)

ایان۔ متی کے معنی میں ہے۔

ای متی ارساؤھا (المنار۔ بیضاوی) واشتقاق ایان من ای لان معناہ ای وقت (بیضاوی)

لوقتھا۔ ل توقیت کا ہے، اور یہاں فی کا مرادف ہے۔

ای فی وقتھا (قرطبی) واللام لام التوقیت و فسرھا ھنا غیر واحد بفی (روح)

نصف منزل ربع الاول

لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۗ يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا

وہ تم پر محض اچانک ہی آپڑے گی، آپ سے دریافت کرتے بھی ہیں تو (اس طرح کہ) گویا آپ اس کی تحقیق کرچکے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ

عِنْدَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٧﴾ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا

اس کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ (یہ بھی) نہیں جانتے ۲۷۳ آپ کہہ دیجیے کہ میں اپنی ہی ذات کے لئے کسی نفع کا

وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ

اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی جتنا اللہ چاہے ۲۷۴ اور اگر میں غیب کو جانتا رہتا تو (اپنے لئے) بہت سا نفع حاصل کر لیتا ۲۷۵

اللام للتاقيت كاللام فى قوله اقم الصلوٰة لدلوك الشمس (بیضاوی)

نبی کا کام تو اُس کی آمد سے محض ڈرانا اور خبردار کرنا ہے نہ کہ اُس کا وقت بتانا۔

فلا وساطة بينه وبين عباده فى اظهارها ولا الاعلام بميقاتها وانما وساطة الرسل فى الانذار بها (المنار)

۲۷۳ جاہل منکرینِ حشر کے استدلال میں ترتیبِ مقدمات یہ ہیں کہ جب آپ پیمبر رسالت کے مدعی ہیں تو علم غیب بھی آپ کو ضرور ہی ہوگا، اور جب علم غیب ہے تو وقوعِ قیامت کا تفصیلی علم بھی آپ کے لئے لازمی ہے اس لئے اگر یہ علم نہیں رکھتے تو آپ کا دعوئے رسالت بھی صحیح نہیں۔ کھلی ہوئی غلطی اس استدلال میں یہ تھی کہ اسلام نے غیب دانی کو کوئی جزو منصبِ رسالت کا کبھی تسلیم ہی نہیں کیا ہے۔

لكن اكثر الناس لا يعلمون۔ اکثر لوگ اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے۔ رسول بہر حال بندہ و مخلوق ہوتا ہے اور اُس کو کسی بھی صفت میں اللہ کا شریک سمجھنا جہلِ محض و الحادِ محض ہے اور رسول اللہ کو عالم الغیب کہنا ایسا ہی مضحکہ خیز ہے جیسے قادرِ مطلق کہنا، اور قرآن مجید نے علاوہ اصولی قاعدہ کی صراحت کے ساتھ اس عقیدہ کا رد کیا ہے اور منجملہ دوسری آیتوں کے ایک آیت یہ بھی ہے۔

كانك حفى عنها۔ وقوعِ وقتِ قیامت کے علم کی یہ مکرر اور تاکیدی نفی ان تمام ظنی اور تخمینی معلومات کی تردید و تغلیط کر رہی ہے، جو دنیا کی مدتِ عمر سے متعلق عوام میں کبھی کسی کے حوالہ سے مشہور ہوتے رہے ہیں۔

وفى هٰذه الاٰية دليل على بطلان قول من يدعى العلم ببقاء مدة الدنيا (جصاص)

عنها۔ عن یہاں ب کے مُرادف ہے۔ وجوّز ابو البقاء ان تكون عن بمعنى الباء (روح)

قل انما علمها عند الله۔ تکرار تاکید کے لئے ہے۔

هٰذا تكرار للجواب فى اثر تكرار السوال للمبالغة فى التاكيد (المنار)

ثقلت فى السمٰوٰت والارض۔ یعنی وہ ایسا پُرہیبت و عظیم الشان واقعہ ہے کہ آسمان و زمین کوئی بھی اس کی برداشت کی قوت نہیں رکھتے، سب اُس وقت ٹوٹ پھوٹ کر رہیں گے۔

قال قتادة وغيره المعنى لا تطيقها السمٰوات والارض لعظمها۔ (قرطبی)

۲۷۴ (اور جب امر میں اُس کی مشیت مجھے اختیار دینے کی مقتضی نہیں ہوئی اُس میں پیمبر بشر کی طرح میں بھی بالکل عاجز و بے بس ہوں)

وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

اور کوئی مضرت مجھ پر واقع نہ ہوتی ۲۷۶ میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں ۲۷۷

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا

وہ وہی (پروردگار) ہے جس نے تمہیں ایک جان واحد سے پیدا کیا ۲۷۸ اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا ۲۷۹

پیمبر کی بشریت وعبدیت پر قرآن مجید نے انتہائی زور دیا ہے، اور کامل وضاحت وقطعیت سے کام لیا ہے! چنانچہ یہ آیت بھی اس موضوع کی اُن آیتوں میں ہے جنھوں نے الوہیت ورسالت کے حدود بالکل الگ کرکے رسالت کے مرتبہ وحیثیت کو آفتاب کی طرح روشن کردیا۔

ھٰذہ الآیۃ من اعظم اصول الدین وقواعد عقائدہ بیانہا لحقیقۃ الرسالۃ والفصل بینہا وبین الربوبیۃ والالوھیۃ (المنار)

۲۷۵ (لیکن چونکہ میرا علم کامل ومحیط نہیں، اس لئے نفعِ تکوینی کے بہتیرے موقع ہاتھ سے جاتے بھی رہتے ہیں)

اسی مضمون کی ایک آیت (۴۹) سورۂ یونس میں ہے، ایک سورۃ الانعام (آیت ۵۰) میں اور ایک سورۃ ہود (آیت ۳۱) میں ملے گی۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ نص ہے اس باب میں کہ قدرتِ مستقل اور علمِ محیط مقبولین سے بھی منفی ہیں، اور اور جہلاء اپنے مشائخ سے کس کس طرح اس کا گمان رکھتے ہیں!

۲۷۶ (حالانکہ تکوینی حیثیت سے مجھے بھی مضرتیں حسبِ مشیّتِ الٰہی واقع ہوتی رہتی ہیں)

پیمبر بھی بیمار پڑتے ہیں، کبھی مالی نقصان اٹھاتے ہیں، کبھی جہاد میں ناکام رہتے ہیں، کبھی عزیزوں قریبوں کی طرف سے بے وفائی کے صدمے اٹھاتے ہیں، اور کبھی ایسے اجتہادات سے کام لیتے ہیں، جن پر بعد کو وحیِ الٰہی سے تنبیہ ہوتی رہتی ہے، اور یہ امور ان کے کمالِ نبوت میں ذرا بھی قادح نہیں ہوتے۔

ومن امثلتہ فی الادارۃ وسیاسۃ الحرب ما عاتبہ اللہ تعالیٰ علیہ من الاعراض عن الاعمیٰ والتصدی للاغنیاء ومن اخذ الفداء من اُسریٰ بدر ومن الاذن بتخلف المنافقین فی غزوۃ تبوک فی سنۃ العسرۃ (المنار)

اور باب تدبر وسیاست کی ان مثالوں سے قطع نظر، شیخ رشید رضا مصری نے بعض مثالیں باب عبادات سے بھی دی ہیں۔

۲۷۷ (تو اس لئے میں علوم شرعی اور احکامِ تشریعی سے تو خوب بہرہ ور کردیا گیا ہوں، باقی امورِ تکوینی کے علمِ کامل کی توقع ہی مجھ سے کیوں کی جاتی ہے؟)

پیمبر سے اپنے فرائضِ دوگانہ (انذار وتبشیر) کے ادا کرنے میں کبھی غلطی نہیں ہوتی، باقی اور تمام امور میں وہ محض بشر ہوتا ہے، قرآن مجید میں اس مضمون کی آیتیں کثرت سے ملیں گی، مثلاً ھَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا۔ فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ۔ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا۔

۲۷۸ (اے انسانو!)

من نفس واحدۃ۔ یعنی حضرت آدمؑ سے، نہ کہ متعدد مورثوں سے۔

لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ۖ فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ ۖ فَلَمَّا

تاکہ وہ اس (جوڑے) سے تسکین حاصل کرے ۲۸۰ پھر جب وہ (یعنی مرد) اُسے ڈھانک لیتا ہے تو اسے ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے پھر وہ اسے لیے ہوئے چلتی پھرتی ہے ۲۸۱ پھر جب

أَثْقَلَتْ دَعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ (۱۸۹)

وہ بوجھل ہو جاتی ہے تو وہ دونوں (میاں بیوی) اپنے پروردگار اللہ سے دعا مانگنے لگتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں صحیح و سالم (اولاد) دیدی تو ہم ضرور تیرے شکرگزاروں میں سے ہوں گے ۲۸۲

قال جمھور المفسرین المراد بالنفس الواحدۃ آدم (قرطبی)

آیت میں زور آدمؑ کے نام پر نہیں، بلکہ نام تو سرے سے مذکور ہی نہیں، زور اُس ہستی کے صرف ایک ہونے پر ہے یعنی نوعِ بشر کا مورثِ اعلیٰ بس ایک ہی ہے، متعدد نہیں، یہ نہیں کہ گوروں کسی کی اولاد ہوں، کالے کسی کی، چھتریوں کا شجرۂ نسب کسی پر ختم ہوتا ہے، اور شودروں کا کسی اور پر۔

خلقکم میں ضمیر نوعِ انسان کی جانب ہے، یعنی کل نسلِ انسانی ایک ہی ابوالبشر کی اولاد میں ہے، یہ نہیں کہ مختلف قوموں، نسلوں، قبیلوں کے مورثِ اعلیٰ بھی الگ الگ ہوں۔

وحدتِ بشری پر نصِ قطعی اسلام کے خصوصیات میں سے ہے، نوعِ انسانی کا جس طرح خالق واحد ہے، اسی طرح نوعِ انسانی کا مورثِ اعلیٰ بھی ایک ہی ہوا ہے، یہ وحدتِ انسانی کی تعلیم اسلام کی ایک بنیادی تعلیم ہر نسلی نسبی عقیدہ پر ضرب لگانے والی اور ہندوازم کی نسل پرستی کی تردید علی الخصوص کرنے والی۔

دینِ اسلام جس طرح توحیدِ الٰہی پر زور دینے میں یکتا و یگانہ ہے اسی طرح وحدتِ نسل کی تبلیغ و تلقین میں بھی اپنی نظیر آپ ہے، حکومتِ آفاقی (یونیورسل گورنمنٹ) قائم کرنے کے قابل اگر کوئی دین ہو سکتا ہے تو وہ بلاشائبۂ اختلاف اسلام ہی ہے۔

۲۷۹ یعنی حضرت حواؑ کو پیدا کیا۔

منھا۔ ضمیر نفس واحدۃ کی طرف بالکل ظاہر ہے لیکن خود نفس سے مراد جنس بھی لی جا سکتی ہے اور لی گئی ہے۔

قیل یرید بہ النفس (جصاص) والمراد خلق من النوع الانسان زوجۃ آدم والمقصود التنبیہ علی انہ تعالیٰ جعل زوج آدم انسانا مثلہ (کبیر) ای من جنسھا (روح)

ملاحظہ ہو پ۴ سورۃ النساء آیت اول۔

۲۸۰ گویا عورت کی پیدائش کی غرض ہی یہ ہے کہ مرد اس سے راحت و سکون حاصل کرے، اور لیسکن الیھا کے عموم کے تحت میں، مادی، روحانی، دماغی، جسمانی ہر قسم کی راحتیں آگئیں اور عورت کے اس مقصدِ آفرینش کے بیان کرنے میں قرآن اپنی جگہ فرد ہے، دنیا کا اور کوئی مذہب عورت کو اس بلند و مناسب مرتبہ پر نہیں رکھتا، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔ ضمناً یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ مقصودِ آفرینش اصلاً و مستقلاً مرد ہے، اور عورت تو گویا مرد کی دلبستگی کے لئے ہے، اور ایک تبعی حیثیت رکھتی ہے۔

۲۸۱ اب ابوالبشر اور اُم البشر کے قصہ سے گزر کر مرد و زن کی عام خلقت کا بیان شروع ہو گیا۔ خاص سے عام کی جانب التفات قرآن مجید کا ایک عام اور پسندیدہ اسلوب بیان ہے۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ

لیکن جب (اللہ) انھیں جیتی جاگتی (اولاد) دے دیتا ہے تو وہ لوگ (اللہ کی) دی ہوئی چیز میں (اللہ کے) شریک قرار

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾

دینے لگتے ہیں تو پاک ہے اللہ ان کے شرک سے ۲۸۳۔ کیا (اللہ کے ساتھ) یہ انھیں شریک کرتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہ کر سکیں (بلکہ) خود ہی

وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾

پیدا کئے گئے ہیں ۲۸۴۔ وہ انھیں کسی قسم کی مدد بھی نہیں دے سکتے (بلکہ) خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے ۲۸۵۔

فلمّا تغشّٰھا۔ کنایہ مباشرت سے ہے۔

کنایۃ عن الوقاع (قرطبی) ای جامعھا والغشیان اتیان الرجل المرأۃ (کبیر)

حملًا خفیفًا۔ حمل قرار پانے کے وقت اُس کا ہلکا پھلکا ہونا بالکل ظاہر ہے۔

۲۸۲ (اور حقوقِ توحید ادا کرتے رہیں گے)

فلما اثقلت۔ یعنی جب عورت کا پیٹ بھاری ہونے لگتا ہے، اور جس کے بڑھنے کے ساتھ طرح طرح کے مشکلات وخطرات کا سامنا شروع ہو جاتا ہے۔

۲۸۳ آیت کے اندر شرک کی ساری قسمیں آ گئیں۔

جعلا۔ کی ضمیرِ تثنیہ کس کی جانب ہے؟ بعض اس طرف گئے ہیں کہ آدمؑ وحواؑ مراد ہیں لیکن قولِ محقق یہ ہے کہ بنی آدم میں سے ہر نفس اور زوج نفس مراد ہیں بعض تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔

قال الحسن وقتادۃ الضمیر فی جعلا عائد الی النفس وزوجہ من ولد آدم لا الی آدمؑ وحواؑ (جصاص) جعل الزوج والزوجۃ للہ شرکاء (کبیر۔ عن القفال)

امام رازیؒ نے قفال کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ قصہ بہ طور تمثیل کے مشرکین کی عام حالت کو بیان کر رہا ہے، اور اس تفسیر کو بہت ہی پسند فرمایا ہے ھٰذا جواب فی غایۃ الصحۃ والسداد (کبیر)

اور محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ آیت میں ضمیر کو آدمؑ وحواؑ کی طرف راجع کرنے کی کوئی تائید نہ قرآن سے ملتی ہے نہ حدیثِ صحیح سے، اور نہ ایسے قصے پیمبروں کے لائق ہیں۔

لم تثبت فی قرآن ولا حدیث صحیح فاطرحت ذکرھا (بحر) وامثال ذٰلک لا تلیق بالانبیاء (بیضاوی)

۲۸۴ اس میں مورتیاں، بت، عناصرِ طبعی وغیرہ، سارے ہی معبودانِ باطل آ گئے۔

۲۸۵ مشرکوں کی کمالِ حماقت دکھائی ہے کہ یہ ایسوں کے آگے جھکتے اور گرتے ہیں جو کسی کو پیدا تو کیا کرتے، خود اپنے کے پیدا کرنے پر بھی قادر نہیں، بلکہ اپنی پیدائش تک کے لئے کسی دوسرے ہی کے تمام تر محتاج ہیں ــــ دوسری آیت میں ترقی کر کے ارشاد ہوا ہے کہ اتنا ہی نہیں بلکہ تخلیق الگ رہی وہ تو امداد تک پر قادر نہیں، نہ کسی دوسرے کی، اور نہ خود اپنی ہی!

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ

اور اگر تم انھیں کوئی بات بتلانے کو پکارو تو تمھاری پیروی نہ کرسکیں، برابر ہیں (دونوں امر) تمھارے

اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ

اعتبار سے کہ خواہ انھیں پکارو خواہ خاموش رہو ۲۸۶ بے شک جنھیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ تمھارے

اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

ہی طرح بندے ہیں، سو تم انھیں پکارو وہ تمھیں جواب دیں گے! اگر تم سچے ہو ۲۸۷

حیرت اور کمالِ حیرت ہے کہ ایسی بے بس ہستیوں کو معبود کے درجہ پر رکھا جائے۔

۲۸۶ تدعوهم الی الهدیٰ کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ اگر تم انھیں اس غرض سے پکارو کہ یہ تمھیں کوئی راہ بتلائیں تو تمھارا کہنا یہ نہ کرسکیں، یعنی راہ نہ بتلاسکیں۔

اور دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ اگر تم انھیں اس لئے پکارو کہ تم انھیں راہ دکھاؤ تو یہ تمھارے کہنے پر نہ چلیں یعنی ہدایت پر عمل نہ کرسکیں۔

تدعوهم میں خطاب مشرکین سے ہے اور ضمیر هم اصنام کی جانب ہے۔

قیل الخطاب للمشرکین وهم ضمیر للاصنام (بیضاوی)

۲۸۷ (لیکن وہ جواب کہاں دے پاتے ہیں؟ اور یہی ایک بات تمھارے دعوے کے بطلان کو واضح کردینے کے لئے کافی ہے)
عبادٌ امثالکم۔ یہ تمثیلیت و مشابہت انسان اور ان دیوتاؤں کے درمیان مخلوق ہونے اور بے بس و بے اختیار ہونے میں ہے
قال الحسن فی کونها مملوکة لله وقال التبریزی فی کونها مخلوقة (بحر) ای مماثلة لکم من حیث انها مملوکة لله تعالیٰ مسخرة لامره عاجزة عن النفع والضر (روح) من حیث انها مملوکة مسخرة (بیضاوی)
اشارہ ہے جاہلی قوموں کے دیوتاؤں سورج، چاند، زہرہ، مشتری، آکاش دیوتا وغیرہ کی جانب۔
ان کنتم صدقین۔ اگر تم سچے ہو ان کے معبود و رب ہونے کے باب میں۔
توریت میں بعل پرستوں اور بعل کے نبیوں کے سلسلۂ ذکر میں ہے:۔
"انھوں نے وہ بیل جو انھیں دیا گیا تھا لیا اور اُسے تیار کیا، اور صبح سے دوپہر تک بعل کا نام لیا کئے کہ اے بعل ہماری سُن، پر کچھ آواز نہ ہوئی، اور نہ کوئی جواب دینے والا تھا، اور وہ اس مذبح پر جو بنا تھا کودا کئے اور دوپہر کو ایسا ہوا کہ ایلیاہ اُن پر ہنسا، اور بولا بلند آواز سے پکارو کیونکہ وہ تو ایک خدا ہے شاید وہ باتیں کر رہا ہے یا خلوت میں ہے یا کہیں سفر میں ہے اور شاید کہ وہ سوتا ہے، سو ضرور ہے کہ وہ جگایا جائے"۔ (۱۔سلاطین ۱۸: ۲۶ و ۲۷)
تدعون میں دعاء سے مراد اُن بتوں کو معبود قرار دینا اور فادعوهم میں دعاء سے مراد ان سے طلب نفع و دفع ضر چاہنا ہے
عنی بالدعاء الاول تسمیتهم الاصنام الهة، والدعاء الثانی طلب المنافع وکشف المضار من جهتهم (جصاص)

أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَآ ۖ أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَآ ۖ أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ

کیا ان کے پیر ہیں جن سے وہ چلتے ہیں؟ کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ (کسی چیز کو) پکڑتے ہیں؟ کیا اُن کے آنکھیں

يُبْصِرُونَ بِهَآ ۖ أَمْ لَهُمْ ءَاذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۗ قُلِ ادْعُوا شُرَكَآءَكُمْ

ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں؟ کیا اُن کے کان ہیں جن سے وہ سُنتے ہیں؟ آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنے (سب) شریکوں

ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنظِرُونِ ﴿١٩٥﴾ إِنَّ وَلِـِّۧىَ اللَّهُ الَّذِى نَزَّلَ الْكِتَٰبَ ۖ

کو بلا لو پھر میرے خلاف چال چلو اور مجھے مہلت نہ دو ۲۸۸ یقیناً میرا کارساز اللہ ہے جس نے (مجھ پر یہ) کتاب نازل کی ہے

وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّٰلِحِينَ ﴿١٩٦﴾ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِۦ لَا يَسْتَطِيعُونَ

اور وہ صالحین کی کارسازی کرتا ہی رہتا ہے ۲۸۹ اور جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ نہ تو تمھاری ہی

نَصْرَكُمْ وَلَآ أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ﴿١٩٧﴾

مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں ۲۹۰

تدعون ای تعبدونهم وتسمونهم الهة (بیضاوی)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ نداء غیر اللہ بہ طور استغاثہ آیت کی رو سے ناجائز ثابت ہو رہی ہے۔

۲۸۸ یعنی تم مع اپنے گونگے بہرے معبودوں کے سب مل کر اپنے دل کا ارمان نکال لو، اور میری مخالفت پر اڑی چوٹی کا زور لگا کر دیکھ لو کہ مجھے کہاں تک نقصان پہونچا سکتے ہو ـــ سورۂ اعراف کے نزول کا زمانہ ذہن میں رہے، سورہ مکی ہے جب کہ اسلام و رسولِ اسلام کی مخالفت شباب پر تھی بجز خدائی کلام کے اور کس کے لئے ممکن تھا کہ کسی ظاہری سامان کے بغیر، قیاسِ ظاہری کے برخلاف اس زور اور تحدی کے ساتھ رسول کی محفوظیت کا اعلان کر دے؟ قل الخ خطاب پیغمبر سے ہے کہ آپ اُن بت پرستوں سے ان پر ان کے معبودوں کی بے کسی اور بے بسی واضح کرنے کو یوں فرمائیے الهم... یسمعون بها جسمانیات میں کمال کا تحقق انھیں آلات و اعضا پر موقوف ہے اس لئے ان پر جرح تفصیل سے فرمائی گئی، آیت میں یہ پہلو بھی آ گیا ہے کہ انسان میں قوت و قدرت کے ظاہری آلات پیر، ہاتھ، آنکھ، کان، تو کم سے کم ہیں ہی، یہ بے جان و بے حس بت تو ان سے بھی محروم ہیں، پھر یہ مشرک انسان کی کیا شامت ہے کہ وہ ان کی پرستش میں لگا ہوا ہے جو خود اس سے بھی ابتر و کمتر ہیں!

المقصود من هٰذه الآية بيان ان الانسان افضل واكمل حالا من الصنم واشتغال الافضل الاكمل بعبادة الاخس الادون جهل (كبير)

۲۸۹ (تو پھر اپنے نبی اور نبی بھی کیسا، افضل الانبیاء، کی کارسازی کیوں نہ کرے گا؟)

وَاِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى لَا يَسۡمَعُوۡا ؕ وَتَرٰٮهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ وَهُمۡ

اور اگر انھیں کوئی بات بتلانے کو پکارو تو وہ سن نہ سکیں ۲۹۱ اور آپ انھیں دیکھیں گے کہ گویا آپ کی طرف

لَا يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الۡعَفۡوَ وَاۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰهِلِيۡنَ ﴿۱۹۹﴾

نظر کر رہے ہیں درآنحالیکہ انھیں کچھ نہیں سوجھ رہا ہے ۲۹۲ درگزر اختیار کیجئے اور نیک کام کا حکم دیتے رہئے اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جایا کیجئے ۲۹۳

یہاں اکیلے اور سچے معبود کے دو وصف بیان کر دیے ہیں، ایک یہ کہ اُس نے کتاب نازل کی ہے جو دنیا و آخرت میں نافع اور سارے علوم کی جامع ہے دوسرے یہ کہ وہ صالح بندوں کی نصرت و کارسازی کرتا ہے ۔۔۔ دیوی دیوتا نام کے معبود، ان دونوں ہی وصفوں سے عاجز و عاری۔

ای ومن عادته تعالیٰ ان یتولی الصالحین من عباده فضلاً عن انبیائه۔ (بیضاوی)

وھو یتولی الصالحین۔ کتنا بڑا پیام تسکین ان الفاظ سے ہر زمانہ کے مومنین صالحین کو مل جاتا ہے۔

۲۹۰ اصل مقصود ان معبودوں کا کمال عجز دکھانا تھا، اس لئے اس پر توجہ اس آیت میں دلائی گئی ۔۔۔ ابوسفیان و ابوجہل، ابولہب و عاص بن وائل، مکہ کے شہری مملکت کے بڑے بڑے ذی اقتدار لیڈروں نے پورا زور لگا کر دیکھ لیا کہ ہبل اور عزیٰ، منات و لات، سب مل کر بھی ایک بے ناصر و بے یار و ہاشمی کا کچھ نہ بگاڑ سکے، پھر رفتہ رفتہ جن روحوں میں کوئی شائبہ بھی سعادت و صلاحیت کا تھا، آخر ایمان لے ہی آئیں، ملاحظہ ہو اسی سورہ کا حاشیہ ۲۸۵ آیت ۱۹۲ کے تحت

۲۹۱ لا یسمعوا۔ ابھی اوپر کی ایک آیت میں اسی مضمون کے خاتمہ پر لا یتبعوکم وارد ہوا ہے، یہاں اس سے ترقی کر کے لا یسمعوا ہے، عدم اسماع یقیناً عدم اتباع سے بھی بڑھ کر انتہ وصف ہے ۔۔۔ یہ معبودانِ باطل اتباع تو کیا کرتے سننے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے

ھٰذا ابلغ من نفی الاتباع۔ (روح)

ملاحظہ ہو اسی سورہ کا حاشیہ ۲۸۶ آیت ۱۹۳ کے تحت۔

بعض تابعین نے ضمیر جمع غائب کفار کی جانب سمجھی ہے، اور ضمیرِ مخاطب مسلمانوں کی جانب، اور بعض مفسرین نے اس ترکیب کلام کو پسند کیا ہے۔

وقال مجاھد والحسن والسدی الضمیر المنصوب فی تدعوھم یعود علی الکفار وھٰذا تاویل حسن (بحر)

۲۹۲ ضمیر جمع غائب انھیں معبودانِ باطل کی طرف ہے، آج کی مشرک و جاہلی قومیں اپنی صناعی کے زور سے جیسی "جاندار" مورتیں تراش لیتی ہیں، اُن کے اوپر قرآن مجید کا یہ بیان کس قدر صادق آتا ہے!

ضمیرِ غائب کفار کی طرف مانی جائے تو ضمیر مخاطب رسول اللہ کی طرف مانی جائے گی۔

۲۹۳ (اور بہت زیادہ ان کے درپے نہ ہو جیے)

خطاب براہِ راست رسول اللہ صلعم کو ہے، لیکن شامل ہے ساری اُمت کو۔

ویعم جمیع امته (بحر۔ نھر)

خذ العفو۔ یعنی ان لوگوں کی جاہلی اور اشتعال انگیز حماقتوں سے درگزر ہی کرتے رہیئے۔

وَاِمَّا يَنۡزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ‌ؕ اِنَّهٗ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۰۰﴾

اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو (فوراً) اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے وہ خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے ۲۹۴

ای خذ العفو عن المذنبین والمراد اعف عنهم والی هٰذا ذهب جمع من السلف ویشهد له ما اخرجه ابن جریر وابن المنذر وغیرهما عن الشعبی۔ (روح)

وامر بالعرف۔ عُرف، اصطلاحِ فقہ میں تو کسی قوم کے معمولاتِ عام کا نام ہے "عادة جمهور قوم فی قولٍ او عملٍ"۔ لیکن عام لغت میں جانی پہچانی ہوئی نیکی کا نام ہے۔

العرف المعروف من الاحسان (راغب) العرف المعروف الجمیل (کشاف) المعروف المستحسن من الافعال (بیضاوی) او هو کل خصلة یرتضیها العقل ویقبلها الشرع (مدارک) ای المعروف المستحسن من الافعال فان ذالك الی قبول الناس من غیر نکیر (روح) وهی امر بجمیع مکارم الاخلاق (بحر)

اور معروف وہ ہے، جسے شریعت کے علاوہ، عام عقولِ انسانی بھی مستحسن سمجھیں۔

المعروف اسم لکل فعل یعرف بالعقل او الشرع حسنه (راغب)

راستی، امانت، دیانت، پاک دامنی، حلم، فیاضی، مہمان نوازی، عدل، خدمت والدین وغیرہ بیسیوں نیکیاں ایسی ہیں، جو کہنا چاہیے کہ سارے عالم کو مسلّم ہیں، یہ سب "معروف" کے حکم میں داخل ہیں۔
آیت سے محققین نے طرح طرح کے سبق حاصل کئے ہیں مثلاً تحصیل علم، اعراض اہلِ ظلم، ترکِ مجادلہ سفہا وغیرہا۔

الحض علی التخلق بالعلم والاعراض عن اهل الظلم والتنزه عن منازعة السفهاء (قرطبی)

اور جعفر صادقؒ سے منقول ہے کہ قرآن میں اس سے زیادہ کوئی آیت اخلاق کی جامع نہیں (کبیر، قرطبی، المنار) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں لوگوں کے ساتھ تسامح و تشفقت کے برتاؤ کی اور جاہلوں کے ساتھ حلم سے پیش آنے کی تعلیم ہے الجاهلین۔ جو لوگ نہ پیمبر کے قول کی تصدیق کریں، نہ عقل، مشاہدہ و تجربہ سے کام لے کر خود شرک کو ترک کریں، ان کے لئے قرآن نے جامع لفظ "جاہلین" کا استعمال کیا ہے۔
یہ حکمِ اعراض اپنے موقع و محل پر ہے، اور حکمِ قتال و جہاد اپنے موقع و محل پر، دونوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں اور نہ یہاں کوئی ضرورت آیت کو منسوخ قرار دینے کی ہے ـــــ امام رازیؒ نے کہا ہے کہ مفسرین ظاہر کا گروہ خواہ مخواہ اور بلا ضرورت بھی آیتوں کو دوسری آیتوں سے منسوخ قرار دیتا، اور ان کی تعداد بڑھاتا رہتا ہے۔

۲۹۴ (اس لئے آپ کے استعاذہ کو خوب سنے گا، اور آپ کے مقصود کو خوب سمجھے گا۔)
من الشیطٰن نزغ۔ "نزغۂ شیطانی" سے یہاں مراد طبیعت میں اس غصہ و اشتعال کا پیدا ہونا اور اس کے مقتضا پر عمل کرنا ہے جس کا مشرکوں اور جاہلوں کی پیہم اشتعال انگیزیوں سے پیدا ہو جانا تقریباً ایک امرِ طبعی تھا، لیکن اس پر عمل کرنے سے مصالحِ انتظامی میں فرق پڑنے کا بھی احتمال تھا۔

نزغ الشیطان وساوسه (قرطبی) الاغواء بالوسوسة واکثر ما یکون عند الغضب (جصاص)

اما ینزغنك من الشیطٰن۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا پیمبر کے لئے نزغۂ شیطانی ممکن بھی ہے؟

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطَٰنِ تَذَكَّرُوا

یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب انہیں کوئی خطرۂ شیطانی لاحق ہوتا ہے تو وہ یاد (الٰہی) میں لگ جاتے ہیں جس سے

فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ﴿٢٠١﴾

یکایک انہیں سوجھ آجاتی ہے ۲۹۵

سیدھا اور صاف جواب یہ ہے کہ ممکن کیوں نہیں، پیمبر سے ممتنع صرف صدورِ معصیت ہے، گناہ کی رائے و تجویز کا پیمبر کے سامنے پیش ہونا، چاہے وہ انسان کی طرف سے ہو یا شیطان کی طرف سے، یہ تو کسی درجہ میں بھی ممتنع نہیں، اور نزغ شیطانی کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں کہ شیطان نے ایک رائے آپ کے سامنے پیش کی — اور قرآن مجید ہر بُری تحریک کو شیطان ہی کی جانب منسوب کرتا ہے۔

فاستعذ باللہ۔ آپ اللہ سے پناہ مانگئے، وہ فوراً آپ کو پناہ دے دیگا یعنی اس عارضی وسوسہ کو آپ سے دور کر دے گا — اس قسم کی آیاتِ تادیبی میں خطاب ہر مکلف سے ہوتا ہے، اور ان میں سب سے پہلے مرتبہ پر خود رسول ہوتے ہیں

والخطاب فی ھذہ الآیۃ وامثالھا من آیات التشریع والتادیب موجہ الی کل مکلف یبلغہ واولھم رسول اللہ (المنار)

مفسر تھانوی رح نے یہاں یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ حضور صلعم کی لطافتِ قلب اسی سے ظاہر ہے کہ جو وسوسۂ شیطانی محض مس کے درجہ میں ہوتا تھا (چنانچہ اگلی آیت میں ایسے ہی موقع کے لئے لفظ مس آیا ہے اور وہاں ذکر صالحین اور متقین امت کا ہے) تو حضور کے قلبِ مبارک کو اس کی اذیت مثلِ نزغ کے محسوس ہوتی تھی۔

ایراد النزغ فی موضع والمس فی اخر لعلہ للاشارۃ الی ان لطافۃ قلبہ صلعم ازید من غیرہ حیث یکون الوسوسۃ التی لایکون ورودہ اکثر من المس نزغاً ایذاءً شدیداً فی حقہ ولذا اکد باسنادہ الی النزغ نفسہ مبالغۃ (تھانوی)

پیمبر کے مقامِ عصمت کا کیا پوچھنا جب اس لطیف ترین و بلند ترین ہستی کے لئے ایسی ہدایتوں کی ضرورت پڑی تو امت کے کسی بھی بڑے بزرگ کو ہر شیطانی و نفسانی تحریک کے اثر سے بالکل بالا سمجھ لینا بجز عقیدت میں غلو کے اور کچھ نہیں۔

۲۹۵ یعنی حقیقتِ امر اُن پر منکشف ہو جاتی ہے، مکایدِ شیطانی اُن پر واضح ہو جاتے ہیں اور شیطانی خطرہ اُن پر اثر نہیں کرتا۔

تذکروا۔ یادِ الٰہی میں لگ جاتے ہیں یعنی دعا، استعاذہ وغیرہ کے ذریعہ سے اللہ کی عظمت کا استحضار کرکے اپنے ایمان کو تازہ کر لیتے ہیں۔

طٰئف من الشیطان یعنی شیطان کی تحریک پر ان کے دلوں میں غصہ و اشتعال یا اور کسی امر ناجائز و ناپسندیدہ کا جذبہ بھڑکنے لگتا ہے۔

الشیطٰن سے یہاں مراد جنسِ شیاطین ہے، نہ کہ ذاتِ ابلیس۔

والمراد بالشیطان الجنس ولذلک جمع ضمیرہ (بیضاوی) انما جمع الضمیر فی اخوانھم والشیطان مفرد لان المراد بہ جنس (مدارک)

وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

اور جو شیطان کے بھائی ہیں شیطان انھیں گمراہی میں کھینچتے رہتے ہیں سو وہ باز نہیں آتے ۲۹۶

محققین نے لکھا ہے کہ وسوسۂ شیطانی سے تقوے میں کوئی نقصان نہیں آتا، اور اس سے محفوظیت کے تین درجے ہیں، درجۂ اعلیٰ یہ کہ وسوسہ کا اثر ہی سرے سے نہ ہو، جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اور حضرت اسمٰعیل ذبیح کے واقعہ میں منقول ہے اور درجۂ اوسط یہ کہ وسوسہ اثر دکھائے اگر معاً تنبیہ بھی ہو جائے اور وسوسہ کے شر سے حفاظت رہے یہ مقام صدیقین کا ہے، اور قصۂ یوسف و زلیخا میں اس کی نظیر موجود ہے اور درجۂ ادنیٰ محفوظیت کا یہ ہے کہ پھسلے مگر معاً سنبھل جائے ڈرے جھجکے اور باز آجائے یہ مقام تائبین کا ہوتا ہے۔

اور ان تینوں مقامات کا صاحب، عارف، متقی، ولی وصاحب دل ہوتا ہے۔

مکائد شیطانی کی تفصیل اگر کسی کو دیکھنا ہو تو غزالی کی احیاء علوم الدین اور ابن جوزی کی تلبیس ابلیس اور ابن قیم کی اغاثۃ اللہفان قابل مطالعہ ہیں۔

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت میں کاملوں کو وسوسہ آنے کے امکان کی مع اُس کے علاج یعنی استعاذہ اور تذکر امر و نہی کی تصریح ہے۔

لیکن اب شیطان نے "آرٹ" "تہذیب" "تمدن" اور "کلچر" کی آڑ میں ہر شیطانی تحریک میں جو تزئین اور خوشنمائی پیدا کردی ہے اُس نے اب استعاذہ اور تذکر کے موقع ہی کہاں باقی رہنے دیے ہیں سوا اس کے کہ خود اس تہذیب سے تعلق بالکل واجبی سا رکھا جائے۔

۲۹۶ (گمراہیوں سے)

اور باز آئیں بھی تو کیسے؟ نہ اس کا ارادہ کرتے ہیں، نہ شیطان کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔

لا یکفون عن الغی ولا یقصرون کالمتقین (بیضاوی) لا ینتوبون ولا یرجعون (قرطبی)

اخوانهم یعنی مشرکین واہل جاہلیت جو اہل طاعت وتقویٰ نہیں بلکہ اپنی حرکتوں کے باعث گویا شیطانی برادری کے لوگ ہیں، ضمیر ھم الشیطٰن (اسم جنس) کی جانب ہے۔

المعنی اخوان الشیاطین وهم الفجار من ضلال الانس (قرطبی) قال الحسن وقتادة والسدی لاخوان الشیاطین فی الضلال یمدهم الشیطٰن (جصاص) ای اخوان الشیاطین من شیاطین الانس (مدارک)

یمدونهم فی الغی۔ ضمیر ھم انھیں اخوان کی طرف ہے۔

وهم الفجار من ضلال الانس تمدهم الشیاطین فی الغی (قرطبی)

یمدونهم۔ مدّ اور امدّ دو قریب المعنی لفظ ہیں، قرآن مجید میں دونوں آئے ہیں، امدّ عموماً موقع مدح پر مدّ عموماً محل ذم میں۔

واکثر ما جاء الامداد فی المحبوب والمدّ فی المکروه (راغب) قال الواحدی عامة ما جاء فی التنزیل مما یحمد ویستحب امددت علیٰ افعلت وما کان بخلافه فانه یجیٔ علیٰ مددت (کبیر)

اور روح المعانی میں بھی قول ابو علی کے حوالہ سے نقل ہوا ہے۔

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى

اور جب آپ ان کے سامنے کوئی نشان نہیں لاتے تو وہ کہتے ہیں کہ آپ اسے کیوں نہ چھانٹ لائے ۲۹۷؎ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو بس اسی کی پیروی کرتا ہوں

اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ

جو مجھ پر میرے پروردگار کی طرف سے وحی ہوتا ہے ۲۹۸؎ یہ (خود بہت سی) دلیلیں ہیں تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت اُن

يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں ۲۹۹؎ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگایا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے ۳۰۰؎

۲۹۷؎ (کہ جب تم نبی ٹھہرے تو سب ہی کچھ تمہارے اختیار میں ہوگا)

اٰیۃ کے معنی اس سیاق میں معجزہ ہی کے ہیں۔

المعجزۃ المقترحۃ من قبل المشرکین کما روی عن مجاهد وقتادة (المنار)

لم تاتهم باٰية۔ یعنی ہمارے فرمائشی معجزوں میں سے کوئی معجزہ کیوں نہیں لاتے؟

کانوا یطلبون اٰیات معینة ومعجزات مخصوصة علی سبیل التعنت (کبیر)

۲۹۸؎ یعنی میرا کام تو صرف فرائضِ رسالت کو انجام دینا ہے نہ کہ تمہارے فرمائشی معجزات با اختیارِ خود لانا۔ — جاہلی مشرک قوموں کو سمجھانے کے لئے، جو نبوت کو الوہیت کی کوئی شاخ قرار دینے پر مصر رہتے ہیں قرآن مجید نے اس حقیقت کو بیسیوں ہی مختلف طریقوں سے ادا کیا ہے — ہمارے خوش عقیدہ حضرات تو سیرتِ نبوی میں معجزات و خوارق کی کثرت کی فکر میں رہا کرتے ہیں، اگر قرآن مجید کو ذرا غور سے پڑھیں تو قرآن مجید اس رجحانِ تکثیر کی تائید میں نہیں، یہ روش مشرکین کی تھی وہی ہر بات پر فرمائش معجزات و خوارق کی کیا کرتے تھے ہمارے پیغمبر برحق علیہ السلام کی زندگی میں اگر معجزات کی تعداد زیادہ ہوتی تو یہ بات عین مشرکین کے مذاق کی ہوتی اور آپؐ کی زندگی مشرکین کے دیوی دیوتاؤں سے ملتی جلتی ہوتی، قرآن مجید نے کس کس طرح اس پہلو کو بچایا ہے زیادہ سے زیادہ موقعوں پر اس مطالبہ کی تردید ہی کی ہے۔

عارفوں نے یہیں سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ نبوت نام ہے کمالِ عبدیت و عبودیت کا۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں تصریح ہے اس کی کہ امورِ غیبی غیر اختیاری ہیں، اس لئے وہ کمال کی علامت بھی نہیں، کمال کی بڑی علامت بس اتباعِ وحی ہے۔

۲۹۹؎ یعنی قرآن تو اپنے اعجازِ لفظی و اعجازِ معنوی کے اعتبار سے خود ہی بہت سے معجزات و دلائل کا قائم مقام ہے۔

هٰذا یعنی القراٰن (قرطبی)

۳۰۰؎ حکم کے مخاطب ظاہر ہے کہ کفار و منکرین ہیں، اور مقصودِ اصلی یہ ہے کہ جب قرآن بہ غرضِ تبلیغ پڑھ کر تم کو سنایا جائے تو اُسے توجہ و خاموشی کے ساتھ سُنا کرو، تاکہ اس کا معجز ہونا اور اس کی تعلیمات کی خوبیاں تمہاری سمجھ میں آجائیں اور تم ایمان لاکر مستحقِ رحمت ہو جاؤ۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ

اور اپنے پروردگار کو اپنے دل میں یاد کیا کر عاجزی اور خوف کے ساتھ نہ کہ چلّانے کی آواز سے

الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِينَ ﴿۲۰۵﴾

صبح اور شام کو اور اہل غفلت میں نہ شامل ہو جانا ۳۰۱ے

فاستمعوا لہ۔ لہ، للہ کے معنی میں لیا گیا ہے، یعنی اللہ کے واسطے۔

یجوز ان تکون اللام بمعنی للہ ای لاجلہ (عکبری)

اصل حکم تو اسی قدر تھا، لیکن علماء حنفیہ نے اس کے مفہوم میں توسع پیدا کرکے اس سے حالت نماز میں مقتدی کے لئے قرأۃ سورۂ فاتحہ کی ممانعت بھی نکالی ہے اور اس باب میں علماء امت کے درمیان طویل مباحثے ہیں، جن کے اعادہ کا یہاں محل نہیں۔

ظاھرہ وجوب الاستماع والانصات وقت قرأۃ القراٰن فی الصلوٰۃ وغیرھا۔ (مدارک)

وظاھر اللفظ یقتضی وجوبھما حیث یقرأ القراٰن مطلقا۔ (بیضاوی)

فاستمعوا لہ وانصتوا۔ دونوں فعل صیغۂ امر میں ہیں، لیکن امر سے مقصود یہاں وجوب ہے یا محض استحباب؟ فقہاء نے جواب یہ دیا ہے کہ بسبب حرج اور اختلافِ مجتہدین کے اولیٰ اور اصح یہ ہے کہ نماز سے باہر قرأتِ قرآن میں صیغۂ امر کو استحباب کے لئے سمجھا جائے۔

عامۃ العلماء علی استحبابھما خارج الصلوٰۃ (بیضاوی)

انصتوا۔ انصات ایسی خاموشی کو کہتے ہیں، جو سننے ہی کی غرض سے اور بہ طور ادب کے ہو۔

الانصات السکوت للاستماع والاصغاء والمراعاۃ (قرطبی) قال اھل اللغۃ الانصات الامساک عن الکلام والسکوت لاستماع القراٰن (جصاص)

۳۰۱ے (کہ ذکر الٰہی سے غفلت سے بڑھ کر اور کون غفلت ہوگی)

دون الجھر۔ جو جہر ممنوع ہے وہ جہرِ مفرط ہے، ورنہ جہرِ مطلق یا جہرِ معتدل ممنوع نہیں۔

المراد منہ ان یقع ذالک الذکر بحیث یکون متوسطا بین الجھر والمخافتۃ (کبیر)

ملاحظہ ہوں اسی سورۃ کی آیت ۵۵ پر حاشیہ ۲۰۰ے

واذکر۔۔۔۔ خیفۃ۔ مقصود تعلیم ادب ہے، ہیئت، آواز ہر شے سے تذلّل کا اظہار ہونا چاہیئے۔

بالغدو والاٰصال۔ صبح، شام، ہمیشہ۔ مقصود انھیں دو وقتوں کا حصر نہیں۔

الاٰصال جمع ہے اصل کی اور جمع الجمع ہے اصیل کی۔

جمع الجمع لان الواحد اصیل۔ (عکبری)

المراد مداومۃ الذکر والمواظبۃ علیہ بقدر الامکان (کبیر) قیل المراد ادامۃ الذکر باستقامۃ الفکر۔ (مدارک)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ولاتکن من الغفلین سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ غفلت نہ ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ

بے شک جو تیرے پروردگار کے قریب ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان

وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ۩ ﴿٢٠٦﴾

کرتے رہتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں ۳۰۲

یعنی فکر ہو اگرچہ اس میں زبان کی حرکت اصلاً نہ ہو، نہ جلی نہ خفی۔

۳۰۲ (نہ کہ کسی اور کو)

یعنی دل سے، زبان سے، جوارح سے سب طرح اُسی کی عبادت میں لگے رہتے اور اپنی عبدیت کا ثبوت دیتے رہتے ہیں، اور ان میں سے کوئی بھی اپنے کو کسی صفتِ باری میں شریک نہیں سمجھتا۔

ان الذین عند ربك۔ مرادِ اصلی تو فرشتے ہیں۔

یعنی الملائکۃ بالاجماع (قرطبی) ھم ملائکۃ الملاء الاعلیٰ۔ (روح)

توسع کر کے انبیاءؑ و اولیاءِ مقربین بھی اس میں داخل کیے جا سکتے ہیں۔

عند سے مُراد قربِ منزلت و مرتبت ہے نہ کہ قربِ مکانی۔

ھو عبارۃ عن قربھم فی الکرامۃ لا فی المسافۃ (قرطبی) مکانۃ ومنزلۃ لا مکانا ومنزلا (مدارک)

القرب المعتبر ھو القرب بالشرف لا القرب بالجھۃ۔ (کبیر)

فالمراد من العندیۃ القرب من اللہ تعالیٰ بالزلفی والرضا لا المکانیۃ لتنزہ اللہ تعالیٰ عن ذلك (روح)

وله یسجدون۔ ترتیبِ الفاظ نے معنی حصر کے پیدا کر دیئے، یعنی سجدہ صرف اُسی اللہ کا کرتے ہیں، کسی اور کو اس میں شریک نہیں کرتے۔

یہ آیت آیتِ سجدہ کہلاتی ہے، اور اس طرح کی آیتیں قرآن مجید میں بہ قولِ اصح چودہ [۱۴] ہیں، اور بعض کے شمار میں پندرہ [۱۵] (اختلاف سورۂ حج کے دوسرے سجدہ سے متعلق ہے) سجدۂ تلاوت، آیتِ سجدہ کی تلاوت کے وقت حنفیہ کے ہاں واجب ہے، تفصیلی احکام کتبِ فقہ میں ملیں گے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب ملائکہ باایں شرف و عظمت ہر وقت عباداتِ الٰہی و تسبیح میں لگے ہوئے ہیں، تو انسان کو اپنی ناسوتی آلائشوں کے لحاظ سے اور زیادہ اس پر مستعد رہنا چاہیئے۔

والمعنی ان الملائکۃ مع نھایۃ شرفھم وغایۃ طھارتھم لما کانوا مواظبین علی العبودیۃ والسجود والخضوع والخشوع فالانسان مع کونه مبتلی بظلمات عالم الجسمانیات اولیٰ بالمواظبۃ علی الطاعۃ (کبیر)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ لا یستکبرون یعنی تکبّر سے بری ہونے کو دوسری طاعتوں پر مقدم رکھنے سے یہ نکلتا ہے کہ زوالِ کبر اصلاح کی باقی صورتوں کے لئے بمنزلہ شرط ہے۔

اور امام رازیؒ نے الفاظِ آیت کی ترتیب سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اعمالِ قلوب اعمالِ جوارح پر مقدم ہیں۔

(۸)

آیاتہا ۷۵ — ۷۵ آیتیں

سُورَۃُ الْاَنْفَالِ مَدَنِیَّۃٌ

رکوعاتہا ۱۰ — ۱۰ رکوع

سورۃ انفال مدنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ بے انتہا رحمت والے بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

(یہ لوگ) آپ سے غنیمتوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں [۱] آپ کہہ دیجئے کہ غنیمتیں اللہ کی ملک ہیں (اصلاً) اور رسول کی (تبعاً) [۲] سو تم اللہ سے ڈرتے رہو

---

[۱] (کہ یہ ملک کس کی ہیں، اور انھیں تقسیم کس طرح کیا جائے)

تقسیم مالِ غنیمت کے قدیم دستوروں کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

جب معرکۂ بدر کے بعد مسلمانوں کو کافروں پر پہلی بار بہ حیثیت ایک جماعت کے فتح پائے ہوئے شکست خوردہ کافروں سے مال ہاتھ آیا تو قدرۃً یہ سوال پیدا ہوا کہ یہ (STATE PROPERTY) (حکومت کی آمدنی یا سرکاری آمدنی) ملک کس کی ہے اور اسے سرکاری خزانہ میں داخل کس ترتیب سے کیا جائے؟ — سورۃ کے نزول کا زمانہ ہجرت کا سال دوم ہے جب غزوۂ بدر ہو چکا تھا۔

اَلْاَنْفَالُ جمع ہے نَفَل (بہ حرکت فا) کی۔ نَفْل (بہ سکون فا) کے معنی زائد یا اُس چیز کے ہیں جو واجب کے علاوہ ہو۔

النفل ای الزِّیادۃُ علی الواجب (راغب)

نَفَلٌ (بہ حرکت فا) سے اصطلاحِ شریعت میں مراد وہ مال ہوتا ہے جو جنگ کے بعد دشمن سے حاصل ہو، اور اس کا اطلاق مالِ غنیمت قبلِ تقسیم پر ہوتا ہے۔

النفل ما یُحصل للانسان قَبْلَ القِسمۃ من جملۃ الغنیمۃ (راغب)

لیکن عموماً اسے مطلق غنیمت کا مرادف مانا گیا ہے۔

قال ابن عباس ومجاھد والضحاک وقتادۃ وعکرمۃ وعطاء الانفال الغنائم (جصاص) سمیت الغنائم انفالا لان المسلمین فضلوا بھا علی سائر الامم (کبیر) ھو الاموال الماخوذۃ من الکفار قھرا (کبیر)

یہ سوال کرنے والے ظاہر ہے کہ حضراتِ صحابہؓ ہی میں سے تھے۔ انھیں میں آپس میں یہ سوال اٹھا تھا کہ مالِ غنیمت، مہاجرین و انصار وغیرہ میں سے حق کس کا ہے، اور تقسیم کی بنیاد کیا ہونی چاہیئے۔

ولاشک انھم کانوا اقواما لھم تعلق بالغنائم والانفال وھم اقوام من الصحابۃ (کبیر) ولقد وقع اختلاف بین المسلمین فی غنائم بدر فی قسمتھا فسألوا رسول اللہ صلعم کیف تقسم ولمن الحکم فی قسمتھا (مدارک)

[۲] (اور وہی دونوں مالک و مختار ہیں کہ جس طرح بھی چاہیں ان کی تقسیم کا حکم جاری کر دیں)

وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

اور اپنے آپس کی اصلاح کرتے رہو اور اطاعت کرو اللہ اور اُس کے رسول کی اگر تم ایمان رکھتے ہو ۳ے

اس میں تردید آگئی اس خیال کی کہ مالِ غنیمت اصلی حق غازیوں، مجاہدوں اور لشکرِ اسلامی کے سپاہیوں کا ہے — ان سے وعدہ تو اجرِ آخرت کا ہے، ان کا صلۂ موعود تو صرف جنت اور وہاں کی نعمتیں ہیں، وہ اللہ کی راہ میں قتال ہرگز ہرگز اس نیت سے نہ کریں کہ مالِ غنیمت کے وہ مالک و متصرف ہوں گے۔

دنیا میں ظہورِ اسلام سے قبل بھی بڑی بڑی متمدن و مہذب پُرقوت و شوکت سلطنتیں موجود تھیں عظیم الشان جنگیں بھی آپس میں ہوچکی تھیں، اور ہوتی رہتی تھیں، مصر، ہند، ایران، یونان، رومہ، سب میں بڑے بڑے سیاسی و معاشی مفکرین پیدا ہوچکے تھے، جنھوں نے غنائمِ جنگ سے متعلق بھی مختلف نظریے رواج دے رکھے تھے قرآن مجید نے آکر دنیا میں پہلی بار ان سارے نظریات کو چیلنج کردیا، اور بتلایا کہ مالِ غنیمت نہ بادشاہ کی ملک ہے، نہ فوج کے افسروں اور سپاہیوں کی، اور نہ ملک و قوم کی، بلکہ اصلاً و حقیقۃً صرف اللہ کی ملک ہے! — سپاہیوں اور مجاہدوں میں اخلاص کامل پیدا کرنے کی کوئی صورت اس سے بڑھ کر نہیں۔

آج دنیا کے سامنے اس سبق کو تازہ کرنے کی ضرورت تھی، اور امتِ قرآنی کے ذمہ یہ واجب تھا کہ وہ دنیا کو بتاتی کہ دنیا کے سارے رائج و مانوس معیاروں کے علاوہ ایک بالکل نیا معیار، غنیمت اور تقسیم غنیمت کا ہے اور ایک بالکل نیا مقصودِ جہاد و قتال کا، اپنی شامت و خفتہ بختی کی انتہا یہ ہے کہ الٹے ہم یورپ اور امریکا اور ایشیا کی دوسری قدیم و جدید قوموں کے آگے گرے جھک رہے ہیں اور اُن سے سبق سیکھ رہے ہیں پہلے تو جنگ کو نسل، قوم، زبان اور سب سے بڑھ کر "وطن" ملک کے لیے مخصوص کردینے کا، اور پھر ہاتھ آئی ہوئی دولت کو بجائے مالک الملک کی طرف منسوب کرنے کے طرح طرح کی اندھی حسابی تقسیم کے ماتحت لانے کے!

لِلّٰهِ۔ سوال کا جواب کتنا بلیغ و حکیمانہ ملا، کہ اس کا بھی مالک وہی ہے جو جان اور مال ہر چیز کا مالک ہے، گویا ارشاد ہوا کہ جس طرح ربوبیت اُس ذاتِ پاک کی صفتِ خاصہ ہے، مالکیت بھی تمام تر اسی کا وصف مخصوص ہے، ہر جان کا مالک بھی وہی، ہر مال کا مالک بھی وہی، اسلامی نظامِ حکومت میں قانون اُسی کا، اقتدارِ اعلیٰ اُسی کا، زمین اُسی کی، اور ٹھیک اسی طرح دشمن سے حاصل کیا ہوا ہر مال بھی اُسی کا! — اُسی کو اختیار ہے کہ تقسیم کا حکم جس طرح چاہے دے یا جو کچھ چاہے کرے۔

وَالرَّسُوْلِ۔ کہ رسول ہی کی معرفت اس حکمِ الٰہی کا اعلان اور بیان ہوگا کہ وہی اس دنیا میں اس مالک و مختار کی مرضی و اقتدار کے نمائندہ ہیں۔

ومعنى الجمع بين ذكر الله والرسول ان حكمها مختص بالله ورسوله يامر الله بقسمتها على ما تقتضيه حكمته ويمتثل الرسول امر الله فيها وليس الامر في قسمتها مفوضا الى راى احد۔ (مدارک)

خوب خیال کرلیا جائے کہ ایسے کسی موقع پر بھی رسول کا نام نہیں آیا ہے، بلکہ ہر جگہ آپ کے عہدہ (الرسول) ہی کا ذکر آیا ہے۔

۳ے (کہ یہ اطاعت ہی ایمان کا معیار ہے، اللہ کی اطاعت اصالۃً کہ وہی حاکمِ مطلق ہے، اور رسول کی نیابۃً کہ وہی احکامِ الٰہی کا لانے والا، اور اُن کی پوری شرح و توضیح کرنے والا ہے)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ

ایمان والے تو بس وہ ہوتے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ہل جاتے ہیں۔[۴] اور جب انھیں اس کی

آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝٢ الَّذِينَ يُقِيمُونَ

آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں۔[۵] اور وہ اپنے پروردگار پر توکل رکھتے ہیں[۶] (اور) نماز کی

الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝٣ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ

پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں[۷] یہی لوگ تو سچے (اور پکے)[۸] مومن ہیں

فاللہ تعالیٰ یطاع لذاتہ لانہ رب العالمین ومالک امرھم والرسول یطاع فی امر الدین لانہ مبلغ لہ عن اللہ ومبین لوحیہ فیہ بالقول والفعل والحکم (المنار)

ان الفاظ سے توجہ اس طرف بھی دلا دی کہ طالب بہر صورت آخرت کے رہو نہ یہ کہ دنیا کی حرص میں مبتلا ہو کر اپنی رائے و تجویز سے مالِ غنیمت کے حصے بخرے کرنے لگو اور یہ اطاعتِ خدا و رسول صرف مسئلہ جہاد و قتال و تقسیم غنائم تک محدود نہیں بلکہ چھوٹے بڑے ہر مسئلہ تک اس کا دائرہ وسیع ہے۔

فی الغنائم وفی کل امر ونہی وقضاء وحکم۔ (المنار)

فاتقوا اللہ میں سارے حقوق اللہ کی نگہداشت آگئی۔ جنگ کا شعبہ بظاہر تمام تر دنیوی و مادی نظر آتا ہے لیکن قرآن مجید نے دیکھئے اسے کس طرح کس کس کر اور اس پر ہر طرف سے کس قدر قیدیں لگا کر اسے سو فی صدی ایک شعبہ دین و روحانیت ہی کا بنا دیا ہے۔ واصلحوا ذات بینکم۔ اپنے آپس کے سابقہ کو ایسا سنبھالو، سنوارو، کہ باہمی رشک و مسابقت کا نام و نشان نہ رہے اور بندوں کے حقوق پوری طرح ادا کرو۔

گویا تقوےٰ اور اصلاحِ نفس کی جامعیت کا حکم آیت میں آگیا۔

خیال کر لیا جائے، سورۃ جہاد و قتال کی ہے اور ان کے احکام ابھی آگے آرہے ہیں، باوجود اس کے سورہ کا آغاز کن عنوانات سے ہوتا ہے؟ تقویٰ الٰہی، سعی اصلاح، اطاعتِ خدا و رسول، پختگی ایمان وغیرہ سے۔ ایسے با خدا اور سرتاپا عبودیت کے سانچہ میں ڈھلے ہوئے مجاہدین سے کوئی بھی نسبت، قومی و نسلی منافرت میں گرفتار، وطنی تعصب کے بحران میں مبتلا یا پھر ذاتی حرص، ہوس اور نفس پرستی کی آگ میں جلتے ہوئے جباروں، کشور کشاؤں، ملک گیروں کو ہو سکتی ہے؟ ع کوئی نسبت بھی ان آنکھوں سے ہے پیمانہ کو!

دنیا کی موجودہ متمدن اور سیکولر حکومتوں کو کوئی تصور بھی ان روحانی بلندیوں کا ہو سکتا ہے!

[۴] (عظمتِ الٰہی کے استحضار سے)

والمراد بذکر اللہ ذکر القلب لعظمتہ وسلطانہ وجلالہ او لوعیدہ ووعدہ (المنار)

اور یہی حاصل ہے تقویٰ کا، خوفِ خدا و خشیت کی تاکید اگلے صحیفوں میں بھی آئی ہے۔

توریت میں ایک مقام پر ہے:۔

لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴ كَمَا

بڑے بڑے درجات ہیں ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس اور مغفرت (بھی) اور عزت کی روزی (بھی) ہے۔

اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ

آپ کے پروردگار نے آپ کو حکمت کے ساتھ آپ کے گھر سے باہر نکالا۔

"خداوند کہتا ہے کیا تم مجھ سے نہیں ڈرتے؟ کیا تم میرے حضور میں نہیں تھرتھراتے؟ (یرمیاہ ۵-۲۲)
اور انجیل میں ہے جو سرتاسر رحمت و شفقت ہی کی کتاب سمجھی جاتی ہے:-
"اے خداوند کون تجھ سے نہ ڈرے گا اور کون تیرے نام کی بڑائی نہ کرے گا کیونکہ صرف تو ہی قدوس ہے" (مکاشفہ ۱۵:۴)

۵ (قوت اور تازگی کے لحاظ سے)
یہ بیان کاملین کے صفائے باطنی کا ہوا۔

۶ یہ بیان ہو رہا ہے مومنین کے عملی کردار کا۔۔۔ مومنین مجاہدین کا اصل بھروسہ اپنے سامان جنگ پر، اپنے چمچماتے ہوئے ہتھیاروں پر، اپنی شاندار کلغیوں اور وردیوں پر نہیں ہوتا ہے، بلکہ پروردگار ہی پر ہوتا ہے۔
توکل پر حاشیہ پارہ ۴ سورۂ آل عمران میں آیت فاذا عزمت فتوکل علی اللہ کے تحت گزر چکا۔

۷ یعنی حقوق اللہ میں سے شعبۂ بدنی اور شعبۂ مالی دونوں کی ادائی کا پورا اہتمام رکھتے ہیں۔
محققین نے لکھا ہے کہ اعمال باطنی میں توکل اور اعمال ظاہری میں صلوٰۃ وزکوٰۃ کے تصریحی ذکر سے اشارہ اس طرف ہے کہ باطنی اور ظاہری زندگی میں یہی اعمال سب سے اہم اور قابل اہتمام ہیں۔
خص من الصفات الباطنۃ التوکل بالذکر علی التعیین ومن الاعمال الظاھرۃ الصلوٰۃ والزکوٰۃ علی التعیین تنبیھا علی ان اشرف الاحوال الباطنۃ التوکل واشرف الاعمال الظاھرۃ الصلوٰۃ والزکوٰۃ (کبیر)
مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت اوصاف سالکین کی جامع ہے، یعنی اس میں حال بھی ہے وجل کے لفظ سے، اور عقائد بھی ہیں ایمان کے واسطے، اور عمل باطنی بھی توکل کے ذریعہ سے اور عمل ظاہر بھی صلوٰۃ وانفاق کے واسطوں سے، اور آیت کاملِ اس پر نص ہے کہ ایمان کامل ان سب اوصاف کو جمع کرتا ہے، اور صوفیہ چونکہ ان سب اوصاف کے جامع ہوتے ہیں، ان کا ایمان بھی کامل ہوتا ہے۔

۸ یعنی جیسا کامل ان کا ایمان ہے ویسے ہی اجر انھیں ہر اعتبار سے کامل ہی ملے گی۔

۹ یعنی مال غنیمت کا یہ خدائی طرز تقسیم گو بعض طبائع کو اپنے خلاف مرضی ہونے کی بنا پر ناگوار گزرے، لیکن حقیقۃً یہ حکم ایسا ہی پُر مصلحت ہے، جیسا وہ واقعہ جس کا ذکر اب شروع ہو رہا ہے۔
کما۔ اس لفظ کی ترکیب قرآن مجید کی مشکل ترین ترکیبات نحوی میں سے ہے۔
اضطرب المفسرون فی قولہ کما۔ (بحر)
چنانچہ صاحب بحر نے پندرہ مختلف اقوال نقل کئے ہیں، ان میں ایک دلنشیں قول زجاج لغوی کا ہے۔

الانفال ثابتۃ للہ ثباتاً کما اخرجک ربک (بحر)

زمخشری جیسے امامِ ادب نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، اور تقدیر کلام یوں رکھی ہے۔

الانفال استقرت للہ والرسول وثبتت مع کراھتہم ثباتاً مثل ثبات اخراج ربک ایاک من بیتک وھم کارھون (کشاف)

صاحب بحر نے لکھا ہے کہ میں اسی غور و فکر میں ایک روز سوگیا، تو میں نے خواب بھی اسی ترکیب سے متعلق دیکھا۔ چنانچہ اسی خواب کے نتیجہ کے طور پر انھوں نے کما کے معنی میں محض تشبیہ ہی کو نہیں لیا، بلکہ تعلیل کو بھی شامل کیا ہے۔

الکاف لیست لمحض التشبیہ بل فیہا معنی التعلیل (بحر)

لیکن امام رازیؒ نے جو تقدیر کلام اختیار اور پسند کی ہے، وہ اس سے بہتر ہے۔

کان التقدیر انہم رضوا بھذا الحکم فی الانفال وان کانوا کارھین لہ کما اخرجک ربک من بیتک بالحق الی القتال وان کانوا کارھین لہ (کبیر)

۱۰ (معرکۂ بدر کے لئے)

رسول اللہ صلعم کو مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کیے ہوئے یعنی وطن سے بہ حکمِ الٰہی جلاوطن ہوئے، دوسرا سال ہو چکا تھا، مگر مکہ کے مشرکوں کی اذیت رسانیوں کا سلسلہ اب تک جاری تھا کہ اتنے میں خبر ملی کہ ان موذی دشمنوں کا قافلۂ تجارت پچاس ہزار اشرفیوں کے مالِ تجارت سے لدا ہوا ایک مشہور مکی سردار ابوسفیان صخر بن حرب اموی کی قیادت میں شام سے مکہ کو واپس ہو رہا ہے، اور حسبِ معمول شہر یثرب کے متصل (جو اب مدینۃ النبی تھا) ہو کر گزرے گا، رسول اللہ صلعم کے رفیق اور صحابی رسولؐ سے ان کے ظلم و ستم کے ہدف بنے ہوئے تھے، قدرۃً خیال گزرا کہ موقع اچھا ہے، دشمن کی اس شہ رگ کو کاٹ دینا چاہیئے، مکہ کوئی زراعتی ملک تو تھا نہیں، اس شہری مملکت کے باشندوں کی آمدنی کا دار و مدار اسی بیرونی تجارت پر تھا، آپؐ اپنے تین سو تیرہ رفیقوں یا صحابیوں کے ہمراہ روانہ ہو گئے، یہ نہ کوئی باضابطہ فوج تھی اور نہ فوجی سامان و سلاح سے آراستہ، اتنے پیادوں کے ساتھ کل ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے، ادھر یہ ہو رہا تھا، ادھر یہ خبر قافلہ والوں کو بھی لگ گئی، انھوں نے فوراً اپنے آدمی کمک کے لئے مکہ کو دوڑائے اور خود راستہ کترا کر سمندر کے کنارہ کنارہ نکل گئے، جمہوریت مکہ کا ایک سردار ابوجہل عمرو بن ہشام اپنی ماتحتی میں چھوٹے چھوٹے سرداروں اور عام مسلح سپاہی نو سو پچاس کی تعداد میں جوش و خروش کے ساتھ مدینہ والوں پر چڑھ بیٹھا، اور بدر کی منزل پہ آکر دم لیا، یہ مقام مدینہ سے صرف بیس میل کے فاصلہ پر اور اس کے جنوب و مغرب میں واقع تھا۔ یہ واقعہ رمضان ۲ھ کا ہے۔

ادھر رسولؐ پر وحی آئی کہ قریشی قافلے یا قریشی لشکر دونوں میں سے کسی ایک پر آپ کی فتح یقینی ہے، لیکن صحابہؓ تو بہر حال صاحبِ وحی نہ تھے، انھوں نے تو یہ دیکھا کہ اب مقابلہ آن پڑا ہے تجارتی قافلہ یا فوج کے مالی مخزن سے نہیں، بلکہ خود لشکرِ جرار سے اور لشکر بھی کیسا، اپنے سے تعداد اور سامان دونوں میں کئی گنا زائد، قدرۃً ایک گروہ کو اب تذبذب، تامل، تردد پیدا ہوا، رسول اللہ صلعم کو اس کم ہمتی پر تاسف ہوا، لیکن خود صحابہؓ ہی کے گروہ میں سے مہاجرین میں ابوبکرؓ و عمرؓ اور انصار میں مقداد بن عمرؓ و سعد بن معاذؓ نے جوشِ اطاعت سے لبریز تقریریں کیں، جب آپؐ بدر کی طرف روانہ ہوئے، واقعات تمام تر احادیث و سیر کی کتابوں میں مذکور ہیں، آیتِ بالا میں انھیں واقعات کی طرف اشارے ہیں۔

معرکہ کے آئینی اور قانونی پہلو پر زمانۂ حال کے ایک ماہر فن "قانون بین الممالک" (انٹرنیشنل لا) کے خیالات سننے کے قابل ہیں:-

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ﴿٥﴾ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ

اور مومنوں کا ایک گروہ (اس کو) گراں سمجھ رہا تھا[۱۱] وہ آپ سے اس حقیقت کے باب میں بعد اس کے کہ اس کا ظہور

بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿٦﴾

ہو چکا تھا، اس طرح ردّ و قدح کر رہے تھے کہ گویا وہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہوں اور وہ دیکھ رہے ہوں[۱۲]

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ

اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا دو جماعتوں میں سے ایک کے لئے کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی[۱۳] اور تم یہ

"ایک طرف تو قریش کا مسلمانوں پر مظالم توڑ کر انھیں جلا وطنی پر مجبور کرنا، جلا وطنی پر ان کی جائدادوں کا ضبط کر لینا، اور ان کے نئے مسکن (حبشہ اور پھر مدینہ) میں وہاں کے حکمرانوں اور بااثر لوگوں کو ان تارکینِ وطن کو پناہ نہ دینے کی ترغیب دینا، دوسری طرف ان ناانصافیوں کا بدلہ لینے کے لئے مدینہ کے مسلمانوں کا قریش پر معاشی دباؤ ڈالنا اور بزور قریشی قافلوں کی آمد و رفت کو اپنے زیرِ اثر علاقہ میں روک دینا، یہی بدر کی لڑائی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ قریشی قافلوں کو لوٹ لینا ڈاکہ اس وقت سمجھا جائے جب یہ بے قصور ہوں، اور لوٹنے والے، حکومت نہیں بلکہ خانگی افراد ہوں، ورنہ دو سلطنتوں میں کشیدگی پر نہ صرف جان بلکہ مال و آبرو کے خلاف بھی ہر فریق دوسرے فریق کو نقصان پہنچانے کا پورا حق رکھتا ہے۔" (از ڈاکٹر حمید اللہ عہد نبوی کے میدانِ جنگ ص۱۷)

بالحق یعنی مقصد صحیح و صالح و پر حکمت کے ساتھ یا اعزاز دین و توقیر شریعت کے لئے یوں ہی اور بلا وجہ نہیں۔

ای اخراجا متلبسا بالحکمة والصواب (کبیر) ای بسبب اظهار دین الله واعزاز شریعته (بحر)

بالحق میں ب ملابست کی بھی سمجھی گئی ہے اور سببیہ بھی۔

ای اخراجا متلبسا به وقیل هی سببیة ای بسبب الحق الذی وجب علیك۔ (روح)

من بیتك یعنی شہر مدینہ سے جو اب آپ کا وطنِ اختیاری تھا۔

یرید بیته بالمدینة او المدینة نفسها لانها موضع هجرته وسکناه (کبیر) المراد بالبیت مسکنه صلعم بالمدینة او المدینة نفسها (روح) هو مقام سکناه وقیل المدینة (بحر)

[۱۱] کہاں تین سو تیرہ اور وہ بھی بے سر و سامان کہاں نو سو پچاس اور پھر ہر طرح مسلح و باساز و سامان خوف و اندیشہ بالکل قدرتی تھا، اور یہ طبعی کیفیت ہرگز موردِ عتاب نہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی متقی و صالح شخص، سانپ یا شیر کا اچانک سامنا ہو جانے پر ڈر جائے، خوف، حزن وغیرہ کے طبعی جذبات سے تو حضراتِ انبیاء ع۔ تک مستثنیٰ نہیں رکھے گئے، چہ جائیکہ غیر انبیاء، اور شرفِ صحابیت کا جو مرتبہ بھی فرض کیا جائے بہرحال بشریت کے ماتحت ہی رہے گا، پھر قرینۃً سے اشارۃً یہ بھی نکل رہا ہے کہ یہ خوف و تردد بھی سب کو نہ تھا۔

ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ

چاہ رہے تھے کہ غیر مسلح جماعت تمہارے ہاتھ آجائے اور درآنحالیکہ اللہ کو منظور یہ تھا کہ حق کا حق ہونا ثابت کر دے

بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ

اپنے احکام سے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے ۱۴ؔ تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے ۱۵ؔ

وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ

اگرچہ مجرموں کو ناگوار ہی ہوتا رہے (اور اس وقت کو یاد کرو) جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے ۱۶ؔ پھر اس نے

اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝۹

تمہاری سن لی (اور فرمایا) کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے بعد دیگرے آنے والوں سے تمہاری امداد کروں گا ۱۷ؔ

۱۱ؔ یہ تفصیل بیان ہوئی اُسی کراہتِ طبعی کی، ملاحظہ ہوں اوپر کے بھی دونوں حاشیے۔

یجادلونک۔ جدال، محاورۂ قرآنی میں ہمیشہ موقعِ ذم ہی پر نہیں آتا، بلکہ اس کے معنی کبھی صرف زور دے کر کہنے کے آتے ہیں اور اس لفظ کا استعمال کبھی پیمبرانِ معصوم تک کے حق میں آیا ہے مثلاً حضرت ابراہیم خلیلؑ کے لئے یجادلنا فی قوم لوطٍ

فی الحق یعنی لشکرِ مکہ سے قتال کے بارہ میں درآنحالیکہ وہ صرف قافلہ پر حملہ کے لئے تیار ہو کر آئے تھے۔

والحق الذی جادلوا فیہ رسول اللہ صلعم تلقی النفیر (کبیر) فی القتال (قرطبی) الذی ہو تلقی النفیر (روح)

بعد ما تبین۔ یعنی بعد اس کے کہ اس عمل کا خیر ہونا انھیں رسول اللہ صلعم کے ارشاد سے معلوم ہو چکا تھا۔

ای بعد ما تبین لہم انک لاتامر بشیٔ الا باذن اللہ (قرطبی)

۱۳ؔ یعنی وہ مغلوب ہو جائے گی اور تم اُس پر غالب آجاؤ گے۔

اذ یعدکم اللہ۔ یہ وعدۂ الٰہی رسول اللہ صلعم کے واسطے سے تھا۔

احدی الطائفتین۔ دو جماعتوں (یعنی قافلہ و لشکر) میں سے ایک یعنی لشکر۔

۱۴ؔ مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ جنگ بدر ایک فیصلہ کن جنگ تھی جمہوریہ مکہ کی قسمت کا پانسہ ہمیشہ کے لئے پلٹ دیا، اور نئے دین کی جڑ جما دی، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

مسلمانوں کی خواہش طبعی طور پر یہی تھی کہ سابقہ صرف تجارتی قافلہ سے پڑے جس پر انھیں فتح بلا حرب و قتال حاصل ہو جائے

غیر ذات الشوکۃ یعنی وہی غیر مسلح تجارتی قافلہ۔

شوکۃ کے لفظی معنی چبھنے والے کانٹے کے ہیں، مجازاً قوت، شدت اور ہتھیار مراد ہوتے ہیں۔

یعبر بالشوکۃ والشکۃ عن السلاح والشدۃ (راغب) استعیرت للحدۃ والشدۃ وتطلق علی السلاح (روح)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کبھی مضر بہ صورت نفع ہوتا ہے اور عارفین کو ہر وقت اس کا مشاہدہ اپنے حالات و معاملات میں ہوتا رہتا ہے،

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ

اور اللہ نے یہ بس اس لئے کیا کہ (تمہیں) بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دلوں کو اس سے اطمینان ہو جائے ورنہ امداد

اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ ع

نصرت تو بس اللہ ہی کے پاس سے ہے بے شک اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے ۱۸

ان یحق الحق۔ حق کا حق ہونا عیاناً و شاہدۃً ظاہر کردے۔

بکلمتہ۔ کلمات سے مراد احکام شرعی بھی ہو سکتے ہیں مثلاً رسول اللہ صلعم کا بدر کی طرف روانہ ہونا، لشکر سے مقابلہ کے لئے حکم فرمانا وغیرہ، اور احکام تکوینی بھی مثلاً رؤساء مکہ کا اتنی تیاریاں کرکے آنا اور اس کے باوجود بھی مغلوب و مقہور ہونا وغیرہ۔

۱۵ یہاں بھی وہی احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا عیاناً و شاہدۃً واقع ہونا مراد ہے اور یحق الحق میں تکرار صرف لفظی ہے معنوی نہیں اس لئے کہ ایک جگہ تو احقاقِ حق خود مقصود ہے اور دوسری جگہ وہ ایک مقصود قطع دابر کا واسطہ ہے

۱۶ (اپنی قلتِ تعداد اور بے سروسامانی اور دشمن کی کثرتِ تعداد و سازوسامان پر نظر کرکے)

مومن تو یوں بھی راحت و غم کے ہر حال میں اللہ کو پکارتا رہتا، اور خشوع و تضرع کا تعلق اس کے حضور میں قائم رکھتا ہے پھر یہ موقع تو علی الخصوص اظہارِ عجز و نیاز کا تھا۔

۱۷ یہی مضمون سورۂ آل عمران پارۂ چہارم میں آیا ہے اور حاشیے وہاں گزر چکے۔

مردفین سے مراد شاید یہ ہو کہ جس طرح میدانِ جنگ میں باقاعدہ فوجوں کے جنگی دستے ترتیب کے ساتھ ایک کے بعد ایک آتے رہتے ہیں اسی جنگی نظام و ترتیب کے ساتھ فرشتوں کے بھی دستوں کا نزول ہوتا رہا، اور مشرکین مکہ پر ہیبت اسی سے زیادہ طاری رہی۔

المردف المتقدم الذی اردف غیرہ (راغب) ای متتابعین تاتی فرقۃ بعد فرقۃ وذلک اھیب فی العیون۔ (قرطبی)

فاستجاب لکم۔ یہ وعدہ امدادِ الٰہی پیمبر کے ذریعہ سے ہوا۔

۱۸ چنانچہ بہ تقاضائے اسم عزیز وہ بالکل براہ راست اور بلاکسی واسطہ کے بھی امداد پر قادر ہے لیکن بہ تقاضائے اسم حکیم وہ رعایتِ اسباب بھی رکھتا ہے اور اس لئے مدد واسطوں اور ذریعوں سے پہونچاتا ہے۔

وماجعلہ۔ ضمیر اسی وعدۂ امداد بذریعۂ ملائکہ کی جانب ہے۔

والضمیر عائد علی الامداد المنبئ من انی ممدکم۔ (بحر)

الابشری۔ یعنی توقعِ فتح و غلبہ سے دل خوش ہو جائے۔

لتطمئن بہ قلوبکم۔ اس میں اس حقیقت کی جانب اشارہ ہے کہ طبعاً تسلی اسباب ظاہری سے ہوتی ہے۔

"حق تعالیٰ نے اول بارانِ رحمت نازل فرمایا جس سے پانی کی افراط ہو گئی، پیا بھی وضو غسل بھی کیا، اور اس سے ریت جم گیا اور دھنس جاتی رہی، برخلاف اس کے کفار نرم زمین میں تھے وہاں کیچڑ ہو گئی، جس سے چلنے پھرنے میں تکلیف ہونے لگی، غرض سب وساوس و تشویشات دفع ہو گئے اس کے بعد ان پر اونگھ کا غلبہ ہوا جس سے پوری راحت ہو گئی اور سب بے چینی جاتی رہی" (تھانوی)

طبقات ابن سعد میں ہے کہ "وہ وادی پولی تھی، اللہ تعالیٰ نے ابر کو بھیجا جس نے اُسے تر کر دیا، مسلمان چلنے سے

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً

(اور وہ وقت بھی یاد کرو) جب (اللہ نے) اپنی طرف سے چین دینے کو تم پر غنودگی کو طاری کر دیا تھا اور آسمان سے تمہارے اوپر

لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ

پانی اتار رہا تھا کہ اس کے ذریعے سے تمھیں پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے اور تاکہ مضبوط کر دے

وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ⑪ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي

تمہارے دلوں کو اور اس کے باعث (تمہارے) قدم جمادے ۱۹ (اور اس وقت کو یاد کرو) جب آپ کا پروردگار وحی کر رہا

مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا

تھا فرشتوں کی جانب کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو ایمان والوں کو جمائے رکھو ۲۰ میں ابھی کافروں کے دلوں میں

الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ⑫

رعب ڈالے دیتا ہوں سو تم (کافروں کی) گردنوں کے اوپر مارو اور ان کے پور پور پر ضرب لگاؤ ۲۱

نہ تو کے مشرکین کے ہاں اس قدر بارش ہوئی کہ وہ چلنے کے قابل نہ رہے حالانکہ ان کے درمیان صرف ایک ریت کا ٹیلہ تھا، اس شب کو مسلمانوں پر غنودگی طاری ہوگئی۔ اور پھر چند صفحہ آگے چل کر ہے: مسلمان اڑتی ہوئی بالو پر اترے تھے بارش ہوئی جس سے وہ مثلِ کوہِ صفا کے ہوگئی، لوگ اس پر آسانی سے دوڑتے تھے۔

وما النصر الا من عند اللہ۔ یعنی کہیں وسائط و ذرائع پر زیادہ نظر کر کے انھیں میں نہ الجھ جانا حقیقتِ حال یہ ہے کہ امداد ساری کی ساری اللہ ہی کی طرف سے ہے، ملائکہ کا واسطہ نہایت لطیف بھی بہرحال واسطہ ہی ہے۔ کہیں مستقل متصرف ذوا در ملائکہ کو نہ سمجھ بیٹھنا، فاعلِ حقیقی اور ناصرِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

نبّہ علی ان النصر من عندہٖ عزوجل لا من الملائکۃ (قرطبی)

یہاں یہ حقیقت بھی خوب صاف ہوگئی کہ اصل تکیہ و اعتماد کے قابل ذات مسبب الاسباب ہے نہ کہ اسباب و وسائط۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت اس پر دال ہے کہ باوجود اسباب کے غیر مؤثر ہونے اور مسببات کے منجانب اللہ ہونے کے پھر بھی اسباب میں حکمتیں ہوتی ہیں۔

۱۹ امنۃ منہ، یعنی یہ غنودگی کا طاری ہونا بھی بلا سبب نہ تھا ایک خاص حکمت و مصلحت کا نتیجہ تھا۔

منہ میں ضمیر حق تعالیٰ کی جانب ہے۔

الھاء فی منہ للہ۔ (قرطبی)

لیطھرکم بہ۔ یعنی وضو، غسل وغیرہ کی سب ضرورتیں پوری ہو جائیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

یہ حکم قتال اس لئے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے پیغمبر کی مخالفت کی، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے

فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

سو اللہ سزا دینے میں سخت ہے ۲۲ سو یہ (سزا) چکھو اور (جان لو) کہ کافروں کے لئے جہنم کا عذاب ہے ۲۳

رجز الشیطٰن۔ وہ شیطانی وسوسہ مومنین کے دل میں یہ تھا کہ کہیں ہم ہی تو مخذول و غیر مقبول نہیں ہیں،
جب ہی تو پانی سے محروم ہیں ۔۔ قوتِ ارادی میں ضعف وسوسۂ شیطانی ہی پیدا کرتا ہے اس کا ازالہ مقدم ہے۔
لیربط علیٰ قلوبکم۔ خطرناک موقعوں پر شجاعت و ثابت قدمی اسی قوتِ یقینی سے پیدا ہوتی ہے۔
یثبّت بہٖ۔ میں ضمیر پانی کی طرف ہے۔
الضمیر فی بہ عائد علی الماء (قرطبی) والضمیر فی بہ عائد علی المطر (بحر)
یثبت بہ الاقدام۔ ثباتِ اقدام کے لفظی معنی تو ظاہر ہی ہیں بعض نے مراد مجازی ثابت قدمی استقامت قلب لی ہے۔
۲۰ یعنی اپنے تصرفات ملکی سے ان کی ہمت بڑھائے رکھو۔
ذکر الزجاج انھم یثبتونھم باشیاء یلقونھا فی قلوبھم تقوی بھا (بحر)
الی الملائکۃ۔ یعنی انھیں فرشتوں کی جانب جو امداد مومنین کے لئے نازل ہوئے تھے۔
انی معکم۔ یعنی تم حسبِ ارشاد اپنا کام کئے جاؤ، اثر پیدا کرنا ہمارا کام ہے اور اصل شے بھی معیتِ الٰہی ہے۔
آیت سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑ گئی کہ ملائکہ بھی بندے ہوتے ہیں ایسے ہی بے بس اور بے اختیار ہیں جیسے کہ
انسان بذاتِ خود مطلق تصرف نہیں کرسکتے، اپنی ہر کارگزاری اور تصرف میں امرِ الٰہی ہی کے محتاج ہیں۔
۲۱ یہ سب بیان اور تفصیل ہے ثبّتوا کی۔
یہ بھی ممکن ہے کہ اس سارے کلام کے مخاطب مومنین ہوں، اور ملائکہ پر وحی الذین اٰمنوا پر ختم ہوگئی ہو۔
یحتمل ان یکون سالقی الی اٰخر الاٰیۃ خبرًا یخاطب بہ المومنین (بحر)
قیل ھٰذا خطاب مع المومنین (معالم)
فوق الاعناق میں فوق، علیٰ کے معنی میں لیا گیا ہے۔
فوق بمعنی علیٰ (معالم) وقال ابو عبیدۃ فوق بمعنی علیٰ وھٰذا اقول حسن (بحر)
بنان۔ کہتے ہیں انگلیوں اور اُن کے پوروں کو۔
البنان الاصابع (راغب) البنان الاصابع یرید الاطراف (کشاف)
واضربوا منھم کل بنان۔ جنگ ظاہر ہے کہ دست بدست تھی، تیروں اور تلواروں سے، ایسی جنگ
کے لئے (بلکہ کہنا چاہئے کہ ہر جنگ کے لئے) اس سے بڑھ کر حکیمانہ ہدایت اور کیا ہوسکتی ہے کہ دشمن کے سپاہیوں
کی انگلیوں پر وار کرو، اور ان کی جان لئے بغیر ہی انھیں لڑائی کے ناقابل بنا دو۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا لَقِيتُمُ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ

اے ایمان والو جب تمہارا سامنا ہو جائے کافروں کے لشکر کا تو اُن سے پشت مت

ٱلْأَدْبَارَ ﴿١٥﴾ وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُۥٓ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ

پھیرنا ۲۲ؐ اور جو کوئی اُن سے اپنی پشت اُس روز پھیرے گا، سوا اس کے کہ پینترا بدل رہا ہو

أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَمَأْوَىٰهُ جَهَنَّمُ

لڑائی کے لئے یا (اپنی) جماعت کی طرف پناہ لے رہا ہو، تو وہ اللہ کے غضب میں آجائے گا اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہے

وَبِئْسَ ٱلْمَصِيرُ ﴿١٦﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ قَتَلَهُمْ

اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے ۲۵ؐ سو ان (کافروں) کو قتل تم نے نہیں کیا بلکہ اللہ نے انھیں قتل کیا۔

خصہ لاجل انھم بھا تقاتل وتدافع (راغب۔ کبیر وغیرہ)

فاضربوا فوق الاعناق یعنی گردن کے اوپر کے حصہ پر وار کرو تاکہ حریف فوراً مر جائے، خواہ مخواہ اور بلاضرورت مدت تک تڑپتا اور موت و زندگی کے درمیان جھولتا نہ رہے۔

والمعنی فاضربوا المقاتل والشوی لان الضرب اما واقع علی مقتل او غیر مقتل فامرھم بان یجمعوا علیھم النوعین معاً (کشاف)

دونوں ہدایتیں فنِ حرب کے لحاظ سے بہترین اور اعلیٰ طریقِ حرب و ضرب کی جامع ہیں۔

۲۲ؐ (خواہ یہ سزا آخرت میں ہو یا دنیا میں، یا دونوں جگہ۔)

شاقوا اللہ سے مُراد شاقوا اولیاء اللہ ہی لی گئی ہے۔

ای اولیاءہ (قرطبی)

۲۳ؐ (کہ اصلی عذاب تو وہی ہے، اور دنیوی سزا سے اُس کا منسوخ ہو جانا لازم نہیں آتا۔)

۲۴ؐ جہاد سے بھاگنا حرام ہے، عام حکم یہی ہے، بہ طور استثنا اجازت خاص خاص صورتوں میں ہے، ان کی تفصیل کچھ تو یہیں قرآن مجید میں آرہی ہے، اور باقی فقہ کی کتابوں میں ملے گی۔

اذا لقیتم الذین کفروا۔ یعنی کافروں سے مُڈبھیڑ ہو حالتِ جہاد میں۔

زحفاً۔ زحف کے لفظی معنی چھوٹے بچہ کا گھسل گھسل کر چلنا ہے، مجازاً اس کا اطلاق لشکر پر بھی ہونے لگا، کہ اسے بھی ہجوم کے باعث رُک رُک کر ہی چلنا ہوتا ہے۔

کالعسکر اذا کثر فیعثر انبعاثہ (راغب) الزحف الدنو قلیلاً قلیلاً ثم سمی کل ماش فی الحرب الی اخر زاحفاً (قرطبی)

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ

اور آپ نے (ان پر) جب خاک کی مٹھی پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی ۲۶؎ تاکہ ایمان والوں کی اپنی طرف سے

بَلَاءً حَسَنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٧﴾ ذَٰلِكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ مُوهِنُ

خوب اچھی طرح آزمائش کرے، بے شک اللہ خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے ۲۷؎ یہ تو ہو چکا ۲۸؎ اور بے شک اللہ کمزور

كَيْدِ الْكَافِرِينَ ﴿١٨﴾ إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ

کر کے رہے گا کافروں کے داؤں کو ۲۹؎ اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو فیصلہ تمہارے سامنے آموجود ہوا ۳۰؎

۲۵؎ سپاہیوں کو اپنی جگہ چھوڑ دینے اور میدانِ جنگ سے ہٹ جانے کی اگر گنجائش رکھ لی جائے تو نظامِ عسکری تو فوراً ہی تشر بتر ہو جائے، اسی لئے دنیا کے کسی بھی حربی قانون میں اس کی اجازت ذرا بھی نہیں، بلکہ بزدلی ایک ناقابلِ عفو جرم ہے — اور پھر لشکرِ اسلام کا تو ہر سپاہی خدا کا سپاہی ہوتا ہے وہ اپنی جان بیچ کر، اور اُس کے عوض میں وعدۂ جنت لے کر تو قدم ہی میدان میں رکھتا ہے اس کے لئے بزدلی کی تو اتنی بھی گنجائش نہیں نکل سکتی جتنی کسی دنیوی لشکر میں ممکن ہے۔

الفرار کبیرۃ موبقۃ بظاھر القراٰن واجماع الاکثر من الائمۃ (قرطبی) وعن ابن عباسؓ الفرار من الزحف من اکبر الکبائر (روح) قال ابن القاسم لا یجوز شھادۃ من فر من الزحف ولا یجوز لھم الفرار وان فر امامھم (قرطبی)

یومئذٍ۔ جہاد کے دن، یعنی جہاد کے موقع پر۔

الا متحرفا لقتالٍ۔ اس استثنا کے اندر جنگی مصلحت کی وہ تمام صورتیں آجاتی ہیں، جن کا مقصد حریف کو غافل کر کے اس پر یکبارگی ٹوٹ پڑنا ہوتا ہے۔

متحیزا الی فئۃٍ۔ مثلاً سپاہی اپنے لشکر سے جدا ہو کر اکیلا پڑ گیا، اور اب بھاگنے سے اس کا مقصد اپنی جماعت سے مل کر اور ساز و سامان حاصل کر کے پھر سے حملہ کرنا ہے۔

ماوٰہ جھنم۔ محققین نے یہاں یہ یاد دلایا ہے کہ اس دخولِ جہنم سے خلودِ جہنم لازم نہیں آتا۔

وھذا لا یدل علی الخلود (قرطبی)

۲۶؎ (تاثیرِ حقیقی کے مرتبہ میں کہ مؤثرِ حقیقی صرف اسی کی قدرت ہے)

پیغمبرِ اعظم رسول اللہ صلعم نے حالتِ جہاد میں ایک مٹھی بھر کنکریاں یا مٹی اٹھا کر مشرکوں کے لشکر کی طرف پھینکی، وہ ریزے ان کی آنکھوں میں جا کر گھس گئے اور انھیں شکست ہوئی، حدیث میں روایت غزوۂ بدر و غزوۂ حنین دونوں کے سلسلہ میں آئی ہے، سیاقِ قرآن صاف غزوۂ بدر کے سلسلہ میں ہے۔

فلم تقتلوھم۔ ف سے غرض یہ ہے کہ جب تم تائیدِ غیبی کے ایسے ایسے عجائب و خوارق خود مشاہدہ کر چکے ہو تو اب یہ بھی سمجھ لو۔

فلم تقتلوھم۔ تاثیرِ حقیقی کے مرتبہ میں۔

وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ

اور اگر تم باز آجاؤ تو وہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے اور تمہاری جماعت

فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

تمہارے ذرا کام نہ آئے گی گو (گنتی میں) زائد ہو اور (جانے رہو) کہ اللہ تو ایمان والوں کے ساتھ ہے۔ اے ایمان والو اطاعت

اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾

کرتے رہو اللہ اور اس کے رسول کی اور اس سے روگردانی نہ کرو درآنحالیکہ تم سن رہے ہو ۳۲ے

آیت اس مضمون کو صاف کر رہی ہے کہ فاعلِ حقیقی و مؤثرِ اصلی صرف حق تعالیٰ ہے گو عالم اسباب میں وہ کام آلات و وسائط ہی کے ذریعہ لیتا رہتا ہے

نزلت الاٰیة اعلامًا بان اللہ تعالٰی ھو الممیتُ والمقدر لجمیع الاشیاء وان العبد انما یشارک بکسبه وقصده (قرطبی)

ای لیس بحولکم وقوتکم قتلتم اعداءکم مع کثرۃ عددھم وقلة عددکم ای بل ھو الذی اظفرکم علیھم (ابن کثیر)

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی یعنی یہ آپ کے یا کسی مخلوق کے بھی بس میں نہ تھا کہ خاک کے

وہ ذرّے ہر ہر کافر کی آنکھ تک پہونچا دیں، رمی کا یہ معجزانہ عمل تمام تر قدرتِ الٰہی کا کرشمہ تھا۔

عنی بذلک ان اللہ بلغ بذلک التراب وجوھھم وعیونھم اذ لم یکن فی وسع احد من المخلوقین ان یبلغ

ذلک التراب عیونھم من الموضع الذی کان فیه النبی صلعم (جصاص) وما رمیت یا محمد رمیًا توصله الی اعینھم ولم تقدر

علیه اذ رمیت ای اذ اتیت بصورۃ الرمی ولکن اللہ رمٰی ای اتٰی بما ھو غایة الرمی فاوصلھا الی اعینھم جمیعًا حتی انھزموا (بیضاوی)

۲۷ے اس پر بندوں کے الفاظ و اقوال بھی اور احوال و اعمال بھی سب یکساں روشن ہیں۔

ولیبلی المؤمنین منه بلاءً حسنًا۔ مومنین کی اس آزمائش کا مقصد یہ ہے کہ انھیں ان کے قصد سے

اختیار کئے ہوئے اعمال پر خوب اجر و صلہ دے۔

۲۸ے یعنی یہ ایک مصلحت تو پوری ہو چکی۔

۲۹ے (اور وہ بھی کمزور اور بے سر و سامان مسلمانوں کے ہاتھوں جس سے اس کی قدرت و حکمت اور زیادہ واضح ہو کر رہے)

۳۰ے (اور جو فریق حق پر تھا اُسے غلبہ حاصل ہو گیا)

خطاب مشرکینِ مکہ سے ہے روایتوں میں آتا ہے کہ جب مشرکین کا لشکر معرکۂ بدر کے لئے مکہ سے روانہ ہو رہا تھا

تو سردارِ قریش ابوجہل مخزومی نے غلافِ کعبہ پکڑ کر دعا کی تھی کہ اے اللہ کامیابی اُس لشکر کو عطا کر جو حق پر ہے۔

کان المشرکون حین خرجوا من مکة الی بدر اخذوا باستار الکعبة فاستنصروا اللہ وقالوا اللّٰھم انصر

اعلی الجندین واکرم الفئتین وخیر القبیلتین (ابن کثیر عن السدی) وقیل قاله ابوجھل وقت القتال (قرطبی)

جو دعا ان مشرکینِ مکہ نے غلافِ کعبہ پکڑ کر کی تھی، اُس کے الفاظ یہ نقل ہوئے ہیں۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿٢١﴾ إِنَّ

اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو کہتے تو ہیں کہ ہم نے سُن لیا حالانکہ وہ (کچھ بھی) سنتے (سناتے) نہیں ۳۳ بدترین

شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٢٢﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ

حیوانات اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے ہیں جو عقل سے (ذرا) کام نہیں لیتے ۳۳ اور اگر ان میں کسی خوبی کا

فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾

علم اللہ کو ہوتا تو وہ انھیں سُنوا دیتا، اور اگر (اب) وہ انھیں سُنوا دے تو ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے ۳۵

اللھم انصر اعلی الجندین واھدی الفئتین — اے اللہ غالب کر ان دونوں میں سے اعلیٰ لشکر کو

واکرم الحزبین۔ — اور ہدایت یاب تر جماعت کو اور معزز تر گروہ کو۔

۳۱ ف (اس لئے فتح و غلبہ اصلاً حق ہی کا ہے گو کسی خاص کی وجہ سے کسی مصلحتِ تکوینی سے اس کا ظہور بروقت نہ ہو)

وان تنتھوا۔ یعنی اتنی نمایاں وضوحِ حق کے بعد اگر اب بھی اسلام و رسولِ اسلام کی مخالفت سے باز آجاؤ

خیر لکم۔ یہ بہتری تمہارے حق میں دنیوی و اُخروی دونوں اعتبار سے ہوگی۔

ان تعودوا۔ یعنی اگر اسی طرح مخالفت و معاندت پر مُصر رہو گے۔

نعد۔ یعنی ہم بھی اسی طرح تمہارا زور توڑتے رہیں گے۔

۳۲ ف (اعتقاد کے ساتھ)

مسلمانوں کا کلامِ الٰہی کا سُننا تو ہمیشہ اعتقاد ہی کے ساتھ ہوگا، اور یہاں خطاب مسلمانوں ہی سے ہے،

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جیسے عقیدت سے سُن رہے ہو، ویسے عمل بھی کرو۔

اطیعوا اللہ ورسولہ۔ ساری دنیوی کامرانیوں اور اخروی کامیابیوں کی بنیاد یہی اطاعت ہے۔

ولا تولوا عنہ۔ اس سے، یعنی اطاعت سے، ضمیر حکمِ جہاد کی جانب ہے۔

الضمیر للجھاد او للامر الذی دل علیہ الطاعۃ (بیضاوی) وقیل الضمیر للجھاد (روح)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ لفظ بجائے عنھما (تثنی) کے عنہ (مفرد) اس لئے آیا ہے کہ مراد اس سے اطاعتِ رسولؐ

ہے کہ وہ تو شامل ہی ہوتی ہے اطاعت اللہ پر اور اس سے الگ کوئی چیز نہیں۔

وقال عنہ ولم یقل عنھما لان طاعۃ الرسول طاعتہ (قرطبی) ای عن الرسول واعید الضمیر الیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

لان المقصود طاعتہ (روح)

۳۳ ف مراد کفار و منافقین ہیں۔

مسلمانوں کو ہدایت ہو رہی ہے کہ عدم التفات اور نتیجۃً ترکِ اطاعت میں تم کافروں اور منافقوں کی طرح نہ ہو جاؤ

وھم لا یسمعون سے فقہاء مفسرین نے استنباط کیا ہے کہ مومن کی عملی زندگی پر ایمان کا اثر ہونا چاہئے، اور اگر

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱسْتَجِيبُوا۟ لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کو لبیک کہو جب کہ وہ (یعنی رسول ﷺ) تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف

لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ ٱلْمَرْءِ وَقَلْبِهِۦ وَأَنَّهُۥٓ

بلائیں ۳۶ اور جانے رہو کہ اللہ آڑ میں آجاتا ہے درمیان انسان کے اور اس کے قلب کے،

إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَٱتَّقُوا۟ فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ ٱلَّذِينَ

اور یہ کہ (سب کو) اسی کے پاس اکٹھا ہونا ہے ۳۷ اور ڈرتے رہو اس وبال سے جو (خاص) انہیں

ظَلَمُوا۟ مِنكُمْ خَآصَّةً ۖ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ﴿٢٥﴾

لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں ۳۸ اور جانے رہو کہ اللہ سخت سزا دیتا ہے،

کوئی اثر نہیں ملتا تو محض قول بیکار ہی ہے۔

دلت الاٰية على ان قول المومن سمعت واطعت لافائدة فيه مالم يظهر اثر ذالك عليه بامتثال فعله (قرطبی)

۳۴ (اور سن کر عمل نہ کرنا بھی مشابہ اُن لوگوں کے عمل کے ہے، جو بہرے اور گونگے ہیں)

شر الدواب۔ کفار و منافقین کے ذکر کے بعد یہ لفظ اُن کی تحقیر و اہانت کے لئے ہے۔

عنی به الاشرار الذين هم في الجهل بمنزلة الدواب (راغب)

۳۵ یعنی اگر ان کافروں اور منافقوں میں کوئی خوبی طلبِ حق کے سلسلہ میں موجود ہوتی تو اللہ انہیں اعتقاد کے ساتھ سُننے کی توفیق بھی دے دیتا۔

لاسمعهم۔ یعنی انہیں اعتقاد کے ساتھ سُنوا دیتا ہے۔

وعُبّر بالسماع عن التصديق (مشکل)

ولو اسمعهم۔ یعنی انہیں اسی بے طلبی کی حالت میں سُنوا دے، جیسا کہ ظاہری کانوں سے وہ اب بھی سُن ہی رہے ہیں۔

ولو علم الله فيهم خيرًا۔ اللہ کا علم تو ہمیشہ مطابقِ واقع ہوتا ہی ہے، اس لئے اللہ کے علم میں کسی شے کے نہ آنے کے معنی ہی اس شے کی نفی کے ہیں۔

وهم معرضون۔ یہ ٹکڑا ان کے عدمِ التفات کو اور نمایاں کرنے کے لئے ہے

۳۶ یعنی احکامِ شریعت کی طرف، یہاں صاف صاف بتا دیا کہ حیاتِ ابدی اور زندگی جاودانی بخشنے والی چیز یہی نظامِ دین ہے۔ خصوصیت کے ساتھ مراد جہاد سے ہے۔

للرسول۔ یہ بات لحاظ رکھنے والی ہے کہ قرآن مجید میں ایسے تمام موقعوں پر رسول اللہ صلعم کا ذکر بجائے آپ کے نام کے ہمیشہ رسول یا الرسول ہی آیا ہے۔ یہ آپ کی حیثیتِ رسالت کو نمایاں کرنے کے لئے ہے کہ آپ کا بلانا بھی فرستادۂ الٰہی کی حیثیت سے یعنی اللہ ہی کا بلانا ہوتا ہے

وَاذْكُرُوٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ

اور یاد کرو (اس حالت کو) جب تم تھوڑے تھے (اور) ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے، ڈرتے رہتے تھے کہ

اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ

کہیں لوگ تم کو اچانک کھسوٹ نہ لیں سو (اللہ نے) تمہیں رہنے کو جگہ دی اور اپنی نصرت سے تمہاری تائید کی اور تم کو

الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ

بہتیری نفیس ترین چیزیں عطا کیں تاکہ تم شکر گزار ہو ۵۳۹ اے ایمان والو خیانت نہ کرنا اللہ اور رسول کی اور نہ اپنی

وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَآ

امانتوں میں خیانت کرنا در آنحالیکہ تم جانتے ہو ۵۴۰ اور جان رکھو کہ تمہارے

اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ع

مال اور تمہاری اولاد ایک آزمائش ہیں۔ اور یہ بھی کہ بڑا اجر تو اللہ ہی کے پاس ہے ۵۴۱

ع ۳ ۹ ۱۷

استجیبوا۔ یہاں اجیبوا کے معنی میں ہے یعنی تعمیلِ ارشاد کرو۔

والاستجابة قیل ھی الاجابة وحقیقتھا ھی التحری للجواب والتھیؤ له لکن عُبّر به عن الاجابة لقلة انفکاکھا منھا (راغب)

قال البخاری ستجیبوا ای اجیبوا (ابن کثیر) قال ابو عبید والزجاج استجیبوا معناه اجیبوا (کبیر) یقول اجیبوھما بالطاعة (معالم)

۵۳۷ (اور سب کا سابقہ بالآخر اسی سے پڑتا ہے)

یحول بین المرء وقلبه۔ اللہ کا انسان اور اس کے قلب کے درمیان آڑ میں آجانا دو طرح سے ہوتا ہے ایک یہ کہ مومن کے قلب میں طاعت کی برکت سے کفر و معصیت کو نہیں آنے دیتا، دوسرے یوں کہ کافر کے قلب میں مخالفت کی نحوست سے ایمان و طاعت کو آنے نہیں دیتا۔

اور انسان اور اُس کے عمل کے درمیان اسبابِ عادی، مادی و طبعی و ظاہری کے علاوہ اور ان سے بالاتر ایک اور علاقہ جو ایک برتر و اعلیٰ قوتِ ارادی کا رہتا ہے اُس کی طرف بھی اشارہ اسی آیت میں آگیا۔

۵۳۸ (بلکہ ان گناہگاروں کے علاوہ ان لوگوں پر بھی اس کا وبال پڑے گا جنھوں نے باوجود کسی حد تک قدرت رکھنے کے ان گناہوں کو روکنے کی کوشش نہ کی، اور خود بھی اس طرح جرمِ مداہنت کے مرتکب ہوئے اور شریکِ جرم ہیں)

اسلام صالح و پاکیزہ صرف افراد ہی کو نہیں معاشرہ (سوسائٹی) کو بھی دیکھنا چاہتا ہے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر فردِ ملت نہ صرف بجائے خود صالح ہو بلکہ بقدرِ وسعت دوسروں کا بھی مصلح بنا رہے۔ جرم و مجرم سے مداہنت اور بے محل چشم پوشی اسی لئے اسلام میں بجائے خود ایک جرم ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِن تَتَّقُوا۟ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ

اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمھیں ایک فیصلہ کی چیز دے دے گا اور تم سے تمہارے گناہ

سَيِّـَٔاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَٱللَّهُ ذُو ٱلْفَضْلِ ٱلْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾ وَإِذْ

دور کردے گا اور تمھیں بخش دے گا، اور اللہ ہے ہی بڑے فضل والا ۴۲ (اور اس واقعہ کا ذکر

يَمْكُرُ بِكَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ

کیجئے) جب کہ کافر آپ کی نسبت تدبیر سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کریں یا آپ کو قتل کریں، یا آپ کو (وطن سے) خارج کردیں

"جس طرح اپنی اصلاح کے متعلق طاعت واجب ہے، اسی طرح یہ بھی طاعتِ واجبہ میں داخل ہے کہ بہ قدر وسع دوسروں کی اصلاح میں بطریقِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر بالید یا باللسان یا ترکِ اختلاط یا نفرت بالقلب جو کہ آخری درجہ ہے کوشش کا، ورنہ در صورتِ مداہنت ان منکرات کا وبال جیسا مرتکبینِ منکرات پر واقع ہوگا ایسا ہی کسی درجہ میں مداہنت کرنے والوں پر بھی واقع ہوگا"۔ (تھانوی)

۳۹ (اور طاعت واطاعت میں خوب مستعد ہو جاؤ)

اذ انتم قلیل. مسلمانوں کو ان کی مکّی زندگی قبلِ ہجرت کی یاد دلائی جارہی ہے۔

یتخطفکم. قید ہونا، قتل ہونا، محکوم بن کر رہنا، یہ سب تخطّف کے اندر آگیا۔

مستضعفون فی الارض یعنی تعداد میں کم ہونے کے علاوہ مکہ میں بہ لحاظ قوت بھی کمزور ہی شمار کئے جاتے تھے، الارض سے مراد اپنا ملک، اپنا شہر، اپنا وطن ہے۔

الناس. الناس سے مراد مخالفین و اعداء ہیں، بعض نے مراد قریش لی ہے، بعض نے یہود و نصاریٰ کی طرف اشارہ سمجھا ہے اور بعض کے قول میں مراد کفارِ ایران و روم ہیں لیکن قرآنی لفظ الناس عام ہے اور یہ سارے مفہوم اس میں شامل ہو سکتے ہیں

اٰوٰىكم. یعنی مدینہ میں اطمینان سے جگہ دی۔

ایدکم بنصرہٖ. یعنی تمھاری تعداد بھی بڑھ گئی اور بے سروسامانی بھی نہ رہی۔

رزقکم من الطیّبٰت یعنی تمھیں ہر طرح کی خوش حالی عنایت کی، ساری نعمتیں قرآن کے جامع لفظ الطیّبٰت میں آگئیں طیّبٰت. کے اصل معنی لذائذ یا انسان کی دل پسند چیزوں کے ہیں۔

۴۰ (کہ اعمال میں کوتاہیوں کے نتائج بد اور مضرتیں کیا کیا ہیں۔)

لا تخونوا اللہ والرسول. اللہ اور رسول کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں انھیں پوری طرح ادا نہ کرنا بھی ان میں خیانت کرنا ہے

وتخونوا امانٰتکم. امانت ہر وہ چیز ہے جو انسان کے سپرد کی گئی ہو، اور اس کے اندر سارے ہی تکلیفیاتِ ایمان آگئے۔

یؤمن علیه الانسان نحو قوله وتخونوا اماناتکم ای ما ائتمنتم علیه (راغب)

۴۱ (سو اپنے مال و اولاد کو ذریعہ بنالو اس اجرِ عظیم کے حصول کا)

وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ

اور وہ (اپنی) تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ (اپنی) تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر والا ہے ۴۳ اور جب ان کے

اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ

سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہنے لگتے ہیں بس ہم نے سن لیا ہم چاہیں تو اس کا سا ہم بھی کہہ لائیں یہ کچھ نہیں

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ

بجز اگلوں کی کہانیوں کے ۴۴ اور (وہ وقت بھی یاد دلائیے) جب (ان لوگوں نے) کہا تھا کہ اے اللہ اگر یہ (کلام) تیری

مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾

طرف سے واقعی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا (کوئی اور ہی) عذابِ دردناک ہم پر لے آ ۴۵

فتنة۔ آزمائش، ذریعۂ امتحان، مال و اولاد دونوں میں یہ علامت رکھ دی گئی ہے کہ یہ چیزیں ذریعۂ راحتِ ابدی و سرمدی کا بھی ہو سکتی ہیں، اور انتہائی اسباب عذاب کے بھی ثابت ہو سکتی ہیں۔

یہ مال و اولاد کی محبت ہی ایسی چیز ہے جس سے امتحان ہوتا رہتا ہے کہ کون ان کی محبت میں حد سے گزر کر اللہ اور رسول کے احکام کو بھلا دیتا ہے ــــ مال و اولاد کی محبت تو فطری و طبعی ہے، اور اگر اپنے حدود کے اندر ہے تو ہرگز قابلِ گرفت نہیں، لیکن اکثر ہوتا یہی ہے کہ انسان ان حدود سے تجاوز کر کے اسے اپنا بھی ذاتی نقصانِ آخرت کا کر لیتا ہے اور بادنیا میں مصالحِ ملی کو بھی ضرر پہونچا دیتا ہے

مال را گر بہرِ دیں باشد حمول   نعم مالٌ صالحٌ گفتہ رسول

ایک زہد مال ہمارے پیمبرؐ کے سچے رفیقوں طلحہؓ و زبیرؓ عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور خود بعض پیمبروں سلیمانؑ کا اور داؤدؑ کا ہوا ہے اور ایک یہ مال قارون کا بھی ہوا ہے جس نے بدنصیب کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا؟ اور یہی حال اولاد یا قوم کی کثرت تعداد کا بھی ہوا ہے

۴۳ (اور اس سے بڑے دانا کی ساری بخششیں اور نعمتیں تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی ہیں)

ان تتقوا اللّٰه۔ اور اس تقویٰ و خشیتِ الٰہی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ طاعت و اطاعت میں لگے رہو گے۔

فرقانا۔ فرقان کی تشریح اہلِ تفسیر نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق کی ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کی تعبیر اس اندرونی نور سے کی جائے، جو ہر مومن میں تقویٰ اختیار کرنے کے بعد پیدا ہو جاتا ہے، اور جو حق و باطل کے درمیان خود ہی فرق و امتیاز کرنے لگتا ہے

اى نورًا و توفيقًا على قلوبكم يفرق به بين الحق والباطل فكان الفرقان ههنا كالسكينة والروح فى غيره (راغب)

اى هداية ونورًا فى قلوبكم تفرقون به بين الحق والباطل كما روى عن ابن جريج وابن زيد (روح)

ويكفر عنكم سياٰتكم۔ متقی انسان معصوم نہ ہو جائے گا، سیئات کا صدور باقی رہے گا، البتہ تقویٰ اختیار کر لینے سے ان کا کفارہ برابر ہوتا رہے گا ــــ مذہب اہلِ سنت کے اس مرکزی و بنیادی عقیدہ کو خوب سمجھ لیا جائے، بخلاف خوارج

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ

حالانکہ اللہ ایسا نہیں کرنے کا کہ انہیں عذاب دے اس حال میں کہ آپ ان میں موجود ہوں اور نہ اللہ ان پر عذاب

وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ

لانے کا ہے اس حال میں کہ وہ استغفار کر رہے ہوں ۴۶۔ ہاں یہ بھی ان لوگوں کے لئے نہیں کہ اللہ ان پر عذاب (ہی سرے سے)

عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ

نہ لائے درآنحالیکہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں جب کہ وہ اس کے متولی بھی نہیں ۴۷

وغیرہ کے چنانچہ درجۂ عصمت پر مومن بے شبہ نہیں فائز ہو سکتا لیکن مرتبۂ قرب و قبول میں برابر ترقی کرتا رہے گا۔

۴۳ (جس کی تدبیر کے آگے ساری دنیا کے منصوبے اور تدبیریں ہیچ محض ہیں)

اذ یمکر بك۔ ذکر اُس وقت کا ہے، جب جمہوریۂ مکہ کے شیوخ واکابر اور قریش کے مختلف خیال کے سرداروں نے ٹاؤن ہال (دار الندوہ) میں بیٹھ کر نئے داعی حق کی قید، جلاوطنی، قتل سب تدبیروں پر غور کیا، اور آخر رائے قتل ہی کی قرار پائی، آپ کو وحی سے معلوم ہو گیا، آپ خاموشی سے نقل وطن کر کے پہلے غار ثور میں پوشیدہ ہو گئے، اور پھر بہ فراغ خاطر مدینہ منورہ پہونچ گئے، آیت میں انھیں واقعات کی طرف اشارہ ہے۔

مکر پر حاشیے سورۂ آل عمران، آیت ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین پر گزر چکے۔

یمکر اللہ میں مکر کا ترجمہ مکر کے اُلٹ دینے سے کیا گیا ہے۔

ای یرد مکرھم علیھم (بیضاوی۔ روح)

لیثبتوك۔ اثبات یہاں قید یا حبس کے معنی میں لیا گیا ہے۔

یثبتوك ای یثبطوك (راغب) الاثبات ھو الحبس (ابن جریر۔ عن السدی) ا لیسجنوك (ابن جریر عن عطاء وعبد اللہ ابن کثیر) ومعنی لیثبتوك لیحبسوك (قرطبی)

۴۴ (اور کلام حق ہرگز نہیں)

یہ کہنے والا کون تھا؟ اہل تاریخ وسیر کا بیان ہے کہ یہ کہنے والا نضر بن حارث بن کلدہ تھا جس کا شمار زنادقۂ قریش میں تھا اپنے زمانہ کا بڑا جہاں دیدہ اور روشن خیال، ایران جیسے مہذب و متمدن ملک کی سیر کئے ہوئے ۔۔۔ جیسے چند روز قبل کے ولایت پلٹ ہندوستانی!

قد قیل ان قائل لذالك ھو النضر بن الحارث کما قد نص علی ذالك سعید بن جبیر السدی وابن جریج وغیرھم فانہ لعنہ اللہ کان قد ذھب الی بلاد فارس وتعلم من اخبار ملوکھم رستم واسفندیار۔ (ابن کثیر)

ھذا سے اشارہ دونوں جگہ قرآن مجید کی طرف ہے۔

قالوا قد سمعنا۔ وہ بولے کہ بس ہم نے سُن لیا اور حال معلوم ہو گیا۔

اساطیر الاولین۔ وہی پُرانے قومی افسانے، اکثر منظوم جن کا دستور یونان، ایران، ہندوستان وغیرہ ہر قدیم

إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٤﴾

اس کے متولی تو بس متقی ہی (ہو سکتے) ہیں لیکن ان (لوگوں) میں اکثر تو علم (بھی) نہیں رکھتے ۴۸ؔ

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ

اور (خود) ان کی نماز (ہی) خانہ (کعبہ) کے پاس کیا تھی بجز سیٹی بجانے اور تالی بجانے کے۔

فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ

سو عذاب (کا مزہ) چکھو اپنے کفر کی پاداش میں ۴۹ؔ بے شک (یہ) جو لوگ کفر (اختیار) کئے

كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ

ہوئے ہیں اپنے مال کو اس لئے خرچ کر رہے ہیں کہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکیں۔

ملک میں تھا، اور جن کے نمونے یونان کے ایلیڈ، ایران کے شاہنامہ اور ہندوستان کی مہابھارت میں آج بھی موجود ہیں۔

۴۵ؔ (اسی طرح کا کوئی خارقِ عادت)

صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ اس قول کا قائل ابو جہل عمرو بن ہشام مخزومی تھا، اور طبرانی وغیرہ دوسری روایتوں میں نام نضر بن الحارث کا آتا ہے لیکن بہرحال ایک کا نام دوسرے کے منافی نہیں، اور جیسا کہ محدث حافظ ابن حجر نے فیصلہ کیا ہے، ممکن ہے دونوں ہی نے کہا ہو، لیکن ترجیح ابو جہل والی روایت کو ہے۔

ولاینافی ذالک ما فی الصحیح لاحتمال ان یکونا قالاہ ولکن نسبتہ الی ابی جہل اولی (فتح الباری)

یہ بھی بہ آسانی ممکن ہے کہ کہنے والا کوئی ایک ہو، اور اُس کے ہم زبان بہت سے قریش ہو گئے ہوں۔

قال الجمہور قائل ذالک کفار قریش (بحر) وان کان ھذا القول نسب الی جماعۃ فلعلہ بدأبہ ورضی الباقون فنسبت الیہم (فتح الباری)

قول کا قائل جو کوئی بھی ہو، بہرحال کوئی مشرک ہی تھا، ضمیر واحد حاضر کے ترجمہ میں اسی لئے بجائے "آپ" کے "تو" رکھا گیا ہے۔

ھذا ۔ یعنی وہ کلام جسے محمد بہ طور خدائی کلام کے پیش کر رہے ہیں۔

۴۶ؔ (گو وہ استغفار ایمان صحیح کی عام موجودگی کی بنا پر آخرت میں نجات کے لئے کافی نہ ہو)

یہاں یہ بتلایا کہ جس طرح کا خارقِ عادت عذاب یہ لوگ طلب کر رہے ہیں، اس کی راہ میں دو دو مانع موجود ہیں:

(۱) یہ کہ رسول اللہ صلعم ان کے درمیان زندہ سلامت موجود ہیں۔

(۲) یہ کہ باوجود ان کے کفر و شرک و معصیت شعاری کے اللہ سے ان کا استغفار کسی درجہ میں باقی ہے، چنانچہ طواف کے وقت، یہ اُس وقت بھی غفرانک کہتے جاتے تھے۔

۴۷ؔ (اور عبادتِ الٰہی تو ان مومنین عابدین کا ایسا حق ہے کہ اُس سے روکنے کا اختیار متولیوں کو بھی نہیں)

فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۥ وَالَّذِيْنَ

سو یہ لوگ تو خرچ کرتے ہی رہیں گے لیکن وہی (اموال) اُن کے حق میں حسرت بن جائیں گے پھر یہ لوگ مغلوب ہو جائیں گے،

كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿٣٦﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ

اور جو لوگ کفر اختیار کئے ہوئے ہیں انھیں دوزخ کی طرف اکٹھا کیا جائے گا ۵۰ تاکہ اللہ ناپاکوں کو الگ کر دے پاکوں سے،

وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ

اور ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا دے یعنی ان سب کو متصل کر دے، پھر اس (مجموعہ) کو دوزخ میں ڈال دے،

جَهَنَّمَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٣٧﴾

یہی لوگ تو ہیں (بھرپور) خسارہ میں پڑ جانے والے ۵۱

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ عذاب خارقِ عادت کے لئے تو موانع موجود ہیں لیکن نفسِ عذاب سے مانع تو کوئی بھی نہیں، بلکہ اس کا تو عین مقتضا موجود ہے۔

یصدون عن المسجد الحرام یعنی حرم شریف کے اندر داخلہ سے اس میں نماز پڑھنے سے اُس کے اندر طواف کرنے سے یہ ظالم لوگ مسلمانوں کو اور رسول اسلام صلعم کو برابر روک رہے ہیں۔

وما کانوا اولیاءہٗ۔ قریش کا ایک زعم باطل یہ بھی تھا کہ چونکہ ہمارے باپ دادا خانۂ کعبہ کے متولی رہ چکے ہیں، ہم میں اس کی تولیت آج تک چلی آرہی ہے، یہاں اسی عقیدہ کی تردید ہے۔

اولیاءہٗ میں ضمیر واحد غائب المسجد الحرام کی طرف ہے۔

۴۸ (کہ منصبِ تولیت کے سرے سے نااہل ہیں)

ان اولیاءہ الا المتقون۔ بیت اللہ کے متولی اور اللہ کے ولی ہونے کے لئے پہلی اور بنیادی شرط اسلام ہی نہیں، بلکہ مرتبۂ تقویٰ ہے، جا ایمانِ راسخ اور اخلاصِ کامل ہی سے حاصل ہوتا ہے، اور بہت سے لوگ اتنی موٹی اور کھلی ہوئی بات کا بھی علم نہیں رکھتے۔ مشرکوں کو تو چھوڑیئے اب تو صدیوں سے خود مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ ولایت کا معیار اُن کے نزدیک محض خوارق و عجائب رہ گئے ہیں، جو شخص بھی کوئی اعجوبہ کسی طرح دکھا سکتا ہے، بس وہ "مجذوب" ہے برگزیدۂ الٰہی ہے، اور متصرف فی الکائنات ہے!

۴۹ چنانچہ اس وعید کے مطابق عذابِ غیر خارقِ عادت غزواتِ نبوی کی شکل میں مسلمانوں کے ہاتھوں ان کافروں پر نازل ہو کر رہا۔

وما کان .... تصدیۃ۔ قریش اور دوسرے مشرکینِ عرب خانۂ کعبہ سے نفس تعلق قائم رکھے ہوئے تھے،

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ

آپ کہہ دیجئے (ان) کافروں سے کہ اگر یہ لوگ باز آجائیں گے تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے، وہ انھیں معاف

وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٨﴾

کر دیا جائے گا[٤٩] اور اگر وہی (عادت) دُہراتے رہیں گے تو (ہمارا) معاملہ بھی اگلوں کے ساتھ گزر چکا ہے[٥٠]۔

یہاں ان کی عبادت کی تحلیل کر کے بتایا ہے کہ بجز اس کے کہ منہ سے سیٹیاں بجائیں اور ہاتھ سے تالیاں، اور وہ عبادت تھی ہی کیا؟ — خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے کہ آج بھی عبادت کے جو غیر اسلامی اور جاہلی طریقے چلے ہوئے ہیں اُن کا جزوِ اعظم بھی باجا گاجا، تالیاں اور سیٹیاں ہیں یا نہیں!

فقہاء مفسرین نے آج سے صدیوں قبل لکھ دیا ہے کہ اس میں ان جاہل صوفیہ کے لئے وعید ہے جو وجد حال لا کر اُچھلتے کودتے تالیاں بجاتے اور ناچتے ہیں، اور اسے کمال روحانی سمجھتے ہیں، ایہ صاف تشبیہ اعمالِ مشرکین کے ساتھ ہے۔

فيه رد على الجهال من الصوفية الذين يرقصون ويصفقون وذلك كله منكر يتنزه عن مثله العقلاء ويتشبه فاعله بالمشركين فيما كانوا يفعلونه عند البيت (قرطبی)

٥٠ یہ سزائے آخرت دنیوی سزا و حسرت کے علاوہ ہے۔

ینفقون اموالهم۔ اعمال اور اعمالِ مخالفت کی تین ہی قسمیں ہو سکتی ہیں، قولی، بدنی اور مالی۔ قولی اور بدنی مخالفت اوپر بیان ہو چکی۔

اب بیان یہ ہو رہا ہے کہ ان معاندین کے مالی وسائل بھی مخالفت اسلام کے لئے وقف ہیں، اہلِ سیر نے کہا ہے کہ سردارانِ قریش نے بڑی اولوالعزمی اور فراخ دلی سے معرکۂ بدر کے لئے باہم چندہ جمع کیا تھا۔

عن سبيل الله۔ یعنی دینِ اسلام سے

ثم تكون عليهم حسرة۔ یہاں یہ پیشگوئی فرما دی گئی ہے کہ ان کی یہ مالی کوششیں بھی رائگاں رہیں گی اور آثارِ ناکامی محسوس ہونے کے بعد ان پر حسرت ہی کا غلبہ رہے گا۔

ثم يغلبون۔ یہ حسرت اُس وقت دُہری ہو گی، ایک حسرت تو اپنے مال و دولت کے ضائع ہونے پر، دوسری حسرت خود اپنی مغلوبیت پر۔

تقریباً ایک ہزار فوج اور پھر ان کے گھوڑوں اور اونٹوں کی روزانہ خوراک کا انتظام کوئی آسان نہ تھا، روایتوں میں آتا ہے کہ دس اونٹ روزانہ ذبح ہوتے تھے اور بارہ متموّل سردارانِ قریش میں سے ہر ایک نے ایک ایک دن کا خرچ اپنے ذمہ لے لیا تھا، ان کے نام حسبِ ذیل آئے ہیں۔ ابوجہل عمرو بن ہشام مخزومی، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، نبیہ بن حجاج سہمی، منبہ ابن حجاج سہمی، ابوالبختری عاص بن ہاشم، نضر بن حارث، حکیم بن حزام، حارث بن عامر، امیہ ابن خلف جمحی، زمعہ بن اسود، عباس بن عبدالمطلب علیٰ معرکہ کے دن عباس ابن عبدالمطلب کے میزبانی کی باری تھی۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ ۚ فَإِنِ انْتَهَوْا

اوران سے لڑو یہاں تک کہ فسادِ (عقیدہ) باقی نہ رہ جائے اور دین سارے کا سارا اللہ ہی کے لئے ہو جائے ۵۴

فَإِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣٩﴾ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا

لیکن اگر یہ باز آجائیں تو اللہ خوب دیکھنے والا ہے ان کے عملوں کا ۵۵ اور اگر یہ روگردانی کئے رہیں تو جانے رہو کہ

أَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰكُمْ ۚ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٤٠﴾

تمہارا رفیق اللہ ہی ہے، بہترین رفیق اور بہترین مددگار ۵۶

ابن حبیب نے کتاب المحبر میں جو فہرست دی ہے وہ اس سے کسی قدر مختلف ہے۔

۵۱ (اوراس سے ذرا نجات نہ پانے والے)

الکاملون فی الخسران (بیضاوی۔ روح)

یہ معاندین کا انجام پوری وضاحت سے بتادیا ہے۔

لیمیز اللہ الخبیث من الطیب۔ خبیث سے مراد کافر اور طیب سے مراد مومن ہیں۔

ای المومن من الکافر (قرطبی) فیرکمہ۔ میں ف تفریعی ہے۔

۵۲ (اوراب پچھلے گناہوں پر بازپرس نہ ہوگی)

اس مقام کی شرح حدیث میں ان الفاظ سے آئی ہے ان الاسلام یھدم ماکان قبلہ۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ مواخذۂ حقوقِ عباد (مثلاً قرضہ، قصاص وغیرہ) کا فرحربی سے تو ساقط ہو جائیں گے، اس لئے کہ وہ حالتِ کفر میں، ہماری شریعت کا معاملات میں پابند نہ تھا، لیکن کافر ذمی پر اسلام لانے کے بعد بھی باقی رہیں گے اس لئے کہ وہ ذمہ دار تھا، باقی حقوق اللہ سے متعلق دونوں کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔

قال ابوحنیفۃ ماکان للہ یسقط وماکان للآدمی لایسقط قال ابن العربی وھو قول علمائنا لان اللہ تعالیٰ مستغن عن حقہ والآدمی مفتقر الیہ (قرطبی) عام فی الحقوق التی للہ تعالیٰ۔ (قرطبی)

ان ینتھوا۔ باز آجانے سے مراد کفر سے باز آجانا ہے۔

یرید عن الکفر (قرطبی) ان انتھوا عن الکفر وعداوۃ الرسول ودخلوا الاسلام (کبیر)

ما قد سلف۔ کے عموم سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ زندیق کی بھی توبہ قبول ہو جائے گی، اس لئے کہ زندقہ بھی بہرحال کفر ہی کی ایک نوع ہے۔

فان قولہ یغفرلھم ما قد سلف یتناول جمیع انواع الکفر (کبیر)

۵۳ یعنی انبیاء کے منکرین و معاندین کے ساتھ جو خدائی تعزیر دنیا میں ہلاکت اور آخرت میں

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ

اور جانے رہو کہ جو کچھ تمہیں بہ طور غنیمت حاصل ہو ۵۷ سو اس کا پانچواں حصہ اللہ

وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ

اور رسول کے لئے اور (رسول کے) قرابت داروں کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے ہے ۵۸

عذاب کی پیش آتی رہی ہے، وہی انجام ان جدید منکرین و معاندین کا بھی رکھا ہوا ہے۔
عبارۃ تجمع الوعید والتھدید والتمثیل بمن ھلك من الامم فی سالف الدھر بعذاب اللہ (قرطبی) ای عادۃ اللہ الجاریۃ فی الذین تحزبوا علی الانبیاء من نصر المومنین علیھم وخذلانھم وتدمیرھم (روح)

۵۴ (اور یہ موقوف ہے قبولِ اسلام پر)
ای یضمحل عنھم کل دین باطل ویبقی فیھم دین الاسلام وحدہ (مدارک) ای تضمحل الادیان الباطلۃ کلھا اما بھلاك اھلھا جمیعا او برجوعھم عنھا خشیۃ القتل (روح)
اس پر حاشیے اسی مضمون کی آیت پر پارۂ دوم میں گزر چکے ہیں۔
قاتلوھم۔ ضمیر ھم مشرکین عرب معاصرِ رسول کی جانب ہے۔
حتی لاتکون فتنۃ۔ یعنی شرک باقی نہ رہ جائے۔
الی ان لایوجد فیھم شرك قط (مدارک) ای کفر (قرطبی) قال ابن عباس والحسن حتی لایکون شرك (جصاص)
یہ تفسیر فقہ حنفی کے مطابق ہے۔ بعض ائمہ نے فتنۃ سے مراد فساد و حرب لی ہے۔
ویکون الدین کلہ للہ۔ فقہاء حنفیہ نے آیت کے عموم سے جملہ اصنافِ کفار کے ساتھ قتال واجب ٹھہرایا ہے بجز ان کے جن کے استثنا کی دلیل کتاب و سنت سے مل جائے۔
یدل علی وجوب قتال سائر اصناف اھل الکفر الا ما خصہ الدلیل من الکتاب والسنۃ (جصاص)

۵۵ (اور وہی احتساب کے لئے کافی ہے بندوں کو بہت زیادہ ٹٹول اور کرید کی حاجت نہیں)
فان انتھوا۔ یہ باز آجانا کس چیز سے ہے؟ حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک مراد کفر سے باز آجانا، اور اسلام قبول کر لینا ہے
ای عن الکفر واسلموا (مدارک) یرید عن الکفر (قرطبی)
بعض دوسرے ائمہ نے قتال سے باز آجانا مراد لیا ہے۔
مفصل حاشیے پارۂ دوم میں گزر چکے۔

۵۶ (سو تم مقابلہ میں ان سے ہٹنے کا خیال ہی نہ کرو، اور اللہ کی رفاقت و نصرت پر بھروسہ رکھو)
وان تولوا۔ اس روگردانی سے فقہاء حنفیہ کے نزدیک، اسلام سے روگردانی مراد ہے۔
اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک ذمیت سے روگردانی مقصود ہوگی۔

نعم المولیٰ ونعم النصیر۔ ولایت یعنی رفاقت وکارسازی میں اور نصرت یعنی اعانت وامداد میں اُس سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا ہے۔

۵۷ سورۃ کی ابتدائی آیتوں میں مالِ غنیمت اور اس کی تقسیم کا ذکر تھا، اب پھر اسی مضمون کی طرف مراجعت ہے اور اب مصارفِ غنیمت کی تفصیل بیان ہورہی ہے۔

ماغنمتم۔ غنیمت کے لفظی معنی عام ووسیع ہیں یعنی ہر وہ شے جو انسان کوشش سے حاصل کرے۔

الغنیمۃ فی اللغۃ ماینالہ الرجل اوالجماعۃ بسعی (قرطبی)

لیکن اصطلاحِ فقہ میں اُس مال کو کہتے ہیں جو کافروں سے بزورِ قوت حالتِ جنگ میں حاصل ہو۔

الغنیمۃ مانیل من الکفار عنوۃ والحرب قائمۃ (المغرب) ثم استعمل فی کل مظفور بہ من جھۃ العدیٰ وغیرھم (راغب) الغنیمۃ فی الشریعۃ مادخلت فی ایدی المسلمین من اموال المشرکین علیٰ سبیل القھر بالخیل والرکاب (کبیر) مال الکفار اذا ظفر بہ المسلمون علیٰ وجہ الغلبۃ والقھر (قرطبی)

ما یہاں الذی کے معنی میں ہے اور تقدیرِ کلام یوں ہے الذی غنمتموہ۔

۵۸ یعنی کل مالِ غنیمت کا $\frac{4}{5}$ حصہ تو غازیوں میں تقسیم ہوجائے گا اور باقی $\frac{1}{5}$ اللہ کی نذر ہوگا، یعنی خالص رضائے الٰہی کے کاموں میں اور اشاعت واعانتِ دین میں صرف ہوگا۔

یصرف مایرضیہ من مصالح الدین العامۃ کالدعوۃ الی الاسلام وعمارۃ الکعبۃ وکسوتھا واقامۃ شعائرہ تعالیٰ۔ (المنار)

آج کل کی اصطلاح میں یہ حصہ اسلامی اسٹیٹ کا ہوگا، اور اسلامی سرکاری خزانہ میں جمع ہوگا۔

للّٰہ۔ فقہاءِ حنفیہ نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اللہ کا نام مصارفِ خمس کی ابتدا میں محض برکت کے لئے آیا ہے کہ حقیقۃً تو اللہ کی ملک ومملوک دنیا کی ہر چیز ہے۔

ذکرہ تعالیٰ للتبرک باسمہ فی ابتداء الکلام اذ الکل للہ (درمختار) فاما ذکر اللہ تعالیٰ فی الخمس فانہ لافتتاح الکلام تبرکاً باسمہ (ھدایہ) وعن الحسن بن محمد بن الحنفیۃ قال ھٰذا مفتاح الکلام لیس للہ نصیبٌ فی الدنیا والاٰخرۃ (جصاص) ذھب اکثر المفسّرین والفقھاء الی ان قولہ للہ افتتاح کلام علیٰ سبیل التبرک واضافۃ ھٰذا المال الی نفسہ لشرفہ ولیس المراد منہ ان سھما من الغنیمۃ للہ منفردا فان الدنیا والاٰخرۃ کلھا للہ عزوجل وھو قول الحسن وقتادۃ وعطاء وابراھیم والشعبی (معالم)

للرسول۔ اللہ اور رسول کے یہ دو حصے الگ الگ نہیں کل ایک ہی حصہ ہے جو رسول اللہ صلعم کو زمانۂ حیات میں ملتا تھا، نائبِ الٰہی اور خلیفۃ اللہ کی خدمت میں اسے پیش کردینا اللہ ہی کے حضور میں پیش کرنا تھا۔ سرکاری $\frac{1}{5}$ کا یہ پانچواں حصہ یعنی کل کا محض $\frac{1}{25}$ اُس کو مل رہا ہے جو ایک ہی وقت میں آمرِ حکومت بھی تھا، امیرِ لشکر بھی، حاملِ رسالت بھی! وفات شریف کے بعد یہ حصہ ساقط ہوگیا۔

وسھم النبی صلعم سقط بموتہ (ہدایہ) وسھم النبی صلعم انما کان لہ مادام حیا فلما توفی سقط سھمہ (جصاص)

شافعیہ کہتے ہیں کہ آپ کے بعد آپ کے خلیفہ کو یہ حصہ ملے گا، لیکن حنفیہ کا استدلال یہ ہے کہ آپ کا یہ حصہ تو منصبِ رسالت کی بنا پر تھا، اور رسالت آپ کے بعد رہی نہیں۔

لانه علیه السلام کان یستحقه برسالته ولا رسالة بعدہٗ (ھدایة)

خود خلفاء راشدین کا تعامل بھی حنفیہ ہی کی تائید میں ہے کہ انھوں نے کبھی رسول کا حصہ اپنی جانب منتقل نہیں کیا۔ لذی القربیٰ یہ دوسرا حصہ ہوا (پہلا حصہ اللہ اور رسول کا ملا کر ایک تھا) یہ خاص جاں نثاروں کا یعنی اقربائے رسول کا حصہ تھا۔ ایک سوال یہ بھی اُٹھایا گیا ہے کہ آیا غلام یا عورت کو بھی حصہ پورا یا کچھ ملے گا اگر وہ شریکِ جہاد ہو؟ اس سے انکار بھی کیا گیا ہے لیکن علما کے ایک بڑے گروہ نے ان کا ایک چھوٹا سا حصہ تسلیم کیا ہے۔

فاما العبید والنساء فمذھب الکتاب انه لا یسهم لهم ولا یرضخ وقیل یرضخ لهم وبه قال جمهور العلماء۔ (قرطبی)

ل۔ مصرف کے بیان کے لئے ہے، نہ کہ ملکیت و استحقاق کے لئے۔

لیست اللام لبیان الاستحقاق والملك وانما هی لبیان المصرف والمحل۔ (قرطبی)

یہ بھی جائز ہے کہ بجائے تینوں صنفوں کے کسی ایک ہی صنف کے مصرف میں لے آیا جائے۔ ان تینوں حصوں کے اندر کی تقسیم یوں ہوتی ہے کہ ایک ثلث یتیموں کو دیا جاتا ہے، ایک ثلث مسکینوں کو اور ایک ثلث مسافروں کو۔

الخمس الباقی یقسم اثلاثاً عندنا للیتیم والمسکین وابن السبیل (الدر المختار) سهم للیتامیٰ وسهم للمساکین، وسهم لابن السبیل۔ (ھدایه)

خاندانِ رسالت کے حاجتمند بھی اسی میں داخل سمجھے گئے ہیں بلکہ ان کا حق مقدم ہے البتہ خوشحال قرابت داروں کو کچھ نہ ملے گا۔

یدخل فقراء ذوی القربیٰ فیهم ویقدمون ولا یدفع الیٰ اغنیائهم (ھدایه) وقدم فقراء ذوی القربیٰ من بنی ھاشم ولا حق لاغنیائهم عندنا۔ (الدر المختار)

اس طرزِ تقسیم کو آج کی عینک سے خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے، سرکاری خزانہ کا ۳/۵ حصہ نہیں پورے کا پورا ۵/۵ آج بھی دنیا کی کسی بڑی سی بڑی غریب نواز اور عوامی سلطنت میں رعایا کے سب سے زیادہ مصیبت زدہ طبقوں (لاوارث یتیموں، محتاج مسکینوں، اور بے زادِ راہ مسافروں، پردیسیوں) کے لئے وقف ہے؟۔

ابن السبیل۔ مسافروں کی اس درجہ اہمیت شاید نظروں کو کچھ کھٹکے لیکن بے زادِ راہ مسافروں اور بھوکے پیاسے پیدل راہ گیروں پر آج بھی پردیس میں جو مصیبتیں پڑا کرتی ہیں اور چھوت چھات کے ماننے والوں کے درمیان دیہاتوں میں جس طرح گرمی کی چلچلاتی ہوئی دوپہریں اور سردی کی کڑکڑاتی راتیں گزارنی پڑتی ہیں، ان کا ہلکا اور سرسری اندازہ بھی جگمگاتے ہوئے ہوٹلوں میں ٹھہرنے والے اور ریل کے اعلیٰ درجوں میں سفر کرنے والے مسافر کر نہیں سکتے۔

۵۹ یعنی معرکۂ بدر کے دن، جب حق و باطل کے درمیان علمی اور حسی فیصلہ بھی سب کے مشاہدہ میں آ گیا، اور کفر اور اسلام کے درمیان اس پہلی اور مادی ٹکر نے دنیا کی تاریخ میں ایک کامیاب انقلاب کی دعوت کی بنیاد قائم کر دی۔

ای الیوم الذی فرقت فیه بین الحق والباطل وھو یوم بدر (قرطبی) ویوم الفرقان یوم بدر بلا خلاف فرق فیه بین الحق والباطل (بحر)

یعنی یوم جمعہ، ۱۷ رمضان سنہ ۲ھ ۶۲۴ء۔ مغربی مورخوں نے بھی اس معرکہ کی خصوصی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔

إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ

اگر تم اللہ پر اور اس چیز پر ایمان رکھتے ہو جسے ہم نے اپنے بندہ (محمدؐ) پر نازل کیا تھا فیصلہ کے دن ف۵۹

يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤١﴾

جس دن کہ دونوں جماعتیں (مشرکوں اور مسلمانوں کی) مقابل ہوئیں، اور اللہ ہی ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والا ہے ف۶۰

ما انزلنا علی عبدنا۔ یعنی نصرتِ غیبی جو ہر تفصیل کو جامع ہے۔

المراد منه ما انزل علیه من الآیات والملائکة والفتح فی ذالك الیوم (کبیر)

عبدنا۔ "عبد" سے عبدِ کامل، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مراد ہونا ظاہر ہی ہے۔ خوب خیال کر کے دیکھ لیا جائے کہ قرآن مجید اُن شاعرانہ تعبیرات سے کتنا الگ رہتا ہے، جو بعد کو شاعروں، واعظوں اور غیر محتاط علماء نے رسول اللہ صلعم کے لئے بہ طور اسماء صفاتی گڑھ لیں، قرآن جہاں کہیں بھی کمالِ تقرب و کمالِ خصوصیت ظاہر کرنا چاہتا ہے "عبد" ہی کا لفظ لاتا ہے، مثلاً نزولِ قرآن مجید کے سلسلے میں، وان کنتم فی ریب مما انزلنا علی عبدنا۔ یا واقعۂ معراج کے سلسلے میں، سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام یا پھر فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ اور بعض محققین تو یہ لکھ گئے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کی عبودیت آپ کی رسالت سے افضل ہے، اس لئے کہ عبودیت ہی تو آپ کو خلق سے حق کی طرف لے گئی، اور رسالت میں صورت اس کے برعکس ہے، اور اسی لئے کلمۂ شہادت میں بھی آپ کے عبد ہونے کو آپ کے رسول ہونے پر مقدم رکھا گیا ہے۔

وعبودیة النبی اشرف عن رسالته لانه بالعبودیة ینصرف من الخلق الی الحق وبالرسالة بالعکس ولهذا تقدم فی اشهد ان محمدًا عبدہٗ ورسولهٗ (ابو البقاء)

ف۶۰ (جنگ کرا دینے، تمہیں جتا دینے، تمہیں مالِ غنیمت دلا دینے پر، ہر حیثیت سے قادر) اس میں افرادِ اُمت کو تنبیہ ہے کہ یہ ہمہ جو تمہیں مل گیا ہے، اسے اپنی قوتِ بازو کا نہیں محض فضلِ الٰہی کا نتیجہ سمجھو

قدیر۔ وہ جو چھوٹی بڑی ہر چیز پر، ہر وقت ہر جگہ اپنی حکمتوں مصلحتوں کے لحاظ سے علی الاطلاق قادر ہے، یہ اسم صفت صرف اسمِ الٰہی کے لئے مخصوص ہے کسی دوسرے پر قدیر کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

ان.... عبدنا۔ جہادِ اسلامی کی پہلی شرط یہ ہے کہ کتاب اللہ پر ایمان کامل و راسخ ہو۔

الجمعٰن۔ یعنی ایک طرف لشکرِ قریش، اور دوسری طرف مسلمانوں کی سپاہ۔

ف۶۱ یعنی وہ تجارتی قافلہ جس کے تعاقب میں تم آئے تھے، وہ تم سے بچتا ہوا سمندر کے کنارہ کنارہ چلا جا رہا تھا۔ جو عظیم تجارتی قافلہ شام سے مکہ کو آ رہا تھا، وہ اموی لیڈر ابو سفیان صخر بن حرب کی سرداری میں تھا۔ ابو سفیان کو بدر کے قریب آ کر جب پتہ لگ گیا کہ مسلمانوں کا لشکر بھی قریب ہی میں ہے تو سیرۃ الرسول ابن ہشام میں ہے کہ وہ تیزی سے اپنے قافلہ کو واپس لاتا ہوا اور اس کا رُخ بدل کر بدر کو اپنی بائیں طرف چھوڑتا ہوا اور سمندر کے کنارہ ہوتا ہوا چل کھڑا ہوا

إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ

(یہ وہ وقت تھا) جب تم (میدان جنگ کے) نزدیک والے کنارے پر تھے اور وہ دُور والے کنارہ پر اور قافلہ تم سے نیچے (کی جانب)

مِنكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ

کو تھا [۶۱] اور اگر تم (اور وہ) وقت مقرر کرتے تو ضرور اس تقرر کے بارہ میں تم میں اختلاف ہو جاتا [۶۲]

العدوة الدنیا یعنی مدینہ سے قریب تر حصہ میں، شام سے جو شاہراہ مکہ کو آتی تھی، اُسی سے متصل قصبۂ بدر کے حدود سے ذرا پہلے شمال و مغرب کی سمت میں یہ پہاڑی پڑتی تھی۔

ابن ہشام کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خشک زمین پر جہاں پانی کا چشمہ تھا، وہاں مسلمانوں ہی نے لشکرِ قریش سے پہلے پہونچ کر اپنا قبضہ جما لیا تھا۔

فخرج رسول اللہ صلعم یبادرھم الی الماء حتیٰ اذا جاء ادنیٰ ماء من بدر نزل بہ۔

اور ابن ہشام ہی میں ہے کہ جب حباب بن منذر بن جموح نے آکر ایک اور بہتر جگہ کے لئے مشورہ دیا تو آپ نے اس مورچہ کو قبول فرمالیا، اور وہاں سے ہٹ کر ایسی جگہ مورچہ قائم فرمایا، جہاں پانی پر پورا قبضہ آپ ہی کا ہوگیا، اور مشرکین کا لشکر پانی سے محروم منہ دیکھتا رہ گیا۔

العدوة القصویٰ یعنی مدینہ سے بعید تر حصہ میں، یہ پہاڑی قصبۂ بدر کے جنوب و مشرق میں تھی سالارِ قریش ابوجہل مخزومی اپنی فوج لے کر یہیں مقیم تھا۔

میدان کا طول ۵ میل اور عرض ۲½ میل تھا، مقام بدر سمندر (بحر احمر) سے اونٹ پر ایک منزل کی راہ پر تھا، مدینہ سے چار منزل اور مکہ سے آٹھ منزل کی راہ پر، پانی کے چشمہ کی موجودگی نے اس کی خاص اہمیت بڑھا رکھی تھی، کیا بہ حیثیت تجارتی منڈی کے اور کیا بہ حیثیت جنگ کے، یہاں سال میں ایک بار عظیم الشان میلہ بھی لگتا تھا۔

وکانت بدر موسماً من مواسم الجاھلیۃ یجتمع بھا العرب (طبقات ابن سعد)

اسلامی فوج شمال و مشرق سے آئی تھی اور مشرکوں کا لشکر جنوب و مشرق سے۔

اس موضوع خاص کے محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:۔

"تاریخ عالم کا یہ ایک انقلاب انگیز معرکہ ہے، مکہ، مدینہ اور شام کے راستوں کے جنکشن ہونے سے قریشی قافلے کے آنے سے کچھ ہی پہلے آنحضرت صلعم مدینہ سے آکر شمالی مغربی درّے میں مقیم اور گھات میں رہے، ابوسفیان نے قافلہ کو کئی میل پہلے ہی روک کر ٹوہ لی اور اسلامی فوج کی بھنک ملنے سے بدر آئے بغیر راستہ کاٹ کر ساحل کے کنارے کنارے دو منزلہ کو یک منزلہ کر کے قافلہ کو بچا لیا، قافلہ کے بچ کر نکل جانے کی اطلاع کے باوجود آنحضرت صلعم بدر ہی میں کسی کام سے مقیم رہے تو مکہ سے ابوجہل کی قریشی فوج آپہونچی، پیشگی اطلاع ملنے پر آنحضرت صلعم نے پڑاؤ کی جگہ بدل کر پانی پر قبضہ کر لیا، صف بندی اور عمدہ فوج آرائی سے دشمن کی تگنی، چوگنی فوج کو شکست دی، مسلمانوں کے دس بارہ اور دشمن کے ستر آدمی مارے گئے"۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ

وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ

لیکن (لڑائی بدری نہیں گئی) تاکہ اللہ اس امر کو پورا کر دے جو ہو کر رہنا تھا ۶۳ (یعنی) تاکہ جسے برباد ہونا ہو وہ کھلے ہوئے

بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾

نشان آئے پیچھے برباد ہو، اور جس کو زندہ ہونا ہو وہ (بھی) کھلے ہوئے نشان آئے پیچھے زندہ ہو ۶۴ اور بےشک اللہ خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے ۶۵

"عہد نبوی کے میدان جنگ" از ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدرآبادی ثم فرانسوی سابق استاد جامعہ عثمانیہ (دکن)۔

الركب اسفل منكم۔ بدر کی زمین پہاڑی تھی اور اس لئے قدرۃً بلند اور ساحل سمندر کی زمین جہاں سے قافلہ کترا کر گزر رہا تھا نشیبی۔

۶۲ یعنی عام دستور و معمول تو یہ ہے کہ مقابلہ کے لئے فریقین اپنے قصد و مرضی سے کوئی میدان اور تاریخ مقرر کرتے ہیں، یہاں بھی اگر یہی صورت رہنے دی جاتی، تو کوئی نہ کوئی فریق کوئی عذر پیدا کر لیتا، جس سے مقابلہ و مقاتلہ کی نوبت ہی نہ آتی اور جو فائدے اس سے اب مشاہدے میں آ رہے ہیں، یہ ظہور ہی میں نہ آئے ہوتے، اسی لئے حالات تکوینی کا اجتماع ایسا کر دیا گیا کہ مسلمانوں کو قصد و ارادہ کے بغیر ہی لڑنا پڑ گیا، اور اس سے بہت سی مصلحتیں پوری ہو گئیں۔

۶۳ یعنی جس امر کے وقوع پر مسلمانوں کے مدارج روحانی کی ترقیاں وابستہ تھیں، تکوینی حالات ایسے جمع کر دیے گئے کہ مسلمانوں کی خواہش، قصد و ارادہ کے بغیر خود بخود اس کا ظہور ہو کر رہا۔

لیقضی میں ل متعلق ہے فعل محذوف جمعهم کے۔

واللام فی لیقضی متعلقة بمحذوف والمعنی جمعهم لیقضی (قرطبی) ای لیقضی امرًا کان واجبًا ان یفعل وهو نصر اولیائه وقهر اعدائه دبر ذلك (کشاف)

۶۴ مطلب یہ ہوا کہ حکمت الٰہی کو یہ جنگ اس لئے منظور ہو گئی کہ اس سے خاص طریق پر اسلام کا حق ہونا ظاہر ہو جائے، اور دنیا دیکھ لے کہ اس قلت عدد و کم سامانی کے باوجود مسلمان غالب آئے، جو ایک حد تک فارق اور دل میں یقین پیدا کرنے کے لئے کافی تھا کہ اسلام حق ہے اور اس سے حجت الٰہی قائم ہو گئی ــــ اس کے بعد جو گمراہ ہوگا، وہ وضوح حق کے بعد ہوگا، اس پر عذاب کا پورا استحقاق ہو جائے گا اور عذر کی گنجائش اسے باقی نہ رہے گی، اسی طرح جس کو ہدایت پانا ہوگا، وہ حق کو اتنے وضوح کے بعد قبول کرے گا۔

من هلك۔ من حیّ۔ ہلاکت اور حیات دونوں سے استعارہ کفر و ایمان کی طرف ہے۔

استعیر الهلاك والحیاة للکفر والاسلام (کشاف)

عن بیّنة۔ عن دونوں جگہ بعد کے مرادف ہے، اور بیّنة کے معنی اضاحت دلیل کے ہیں۔

ای بعد مشاهدة هٰذه المعجزة (کبیر) ای بعد حجة ظاهرة (جلالین) والبیّنة اضاحة الحجة والبرهان۔ (قرطبی)

لیقضی اور لیهلك۔ دونوں میں ل غرض و غایت کا ہے۔

اللام لام الغرض وظاهره یقتضی تعلیل افعال الله واحکامه بالاغراض والمصالح (کبیر)

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ

(اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب اللہ نے آپ کے خواب میں آپ کو وہ لوگ کم دکھلائے ۶۶ اور اگر (اللہ) انھیں آپ کو زیادہ دکھا دیتا تو تم لوگ

وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٤٣﴾

ہمت ہار جاتے اور آپس میں جھگڑنے لگتے اس باب میں ۶۷ لیکن اللہ نے (تم کو) بچا لیا، بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے ۶۸

۶۵ چنانچہ اس ظاہر کا بھی وہ علم رکھتا ہے کہ اس وضوح حق کے بعد کون کون زبان پر کلمہ اسلام لاتا ہے اور کون کون کلمۂ کفر کا تلفظ کئے جاتا ہے، اور اس باطنی حقیقت کا بھی کہ دل سے کون کون ایمان لایا، اور کون اب تک دل میں کفر کو جگہ دیے ہوئے ہے۔

جنگ ہو یا صلح، فتح ہو یا شکست، قرآن مجید ہر اہم موقع کے سلسلہ میں بنیادی صفات باری کا اثبات بہر حال کرتا جاتا ہے۔

۶۶ (اور آپ نے وہ خواب اپنے صحابیوں سے بیان کیا، جس سے اُن کے دل قوی ہو گئے)

یریکھم۔ میں ضمیر ظاہر ہے کہ دشمنوں یعنی لشکرِ قریش کی جانب ہے)

آیت سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ خواب کا اپنے ہر ہر جزئیہ کے ساتھ مطابق واقعہ ہونا پیمبر تک کے لئے ضروری نہیں، چہ جائیکہ عام صالحینِ امت کے خوابوں کا۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ بعض اوقات بعض واقعات کو نبی صلعم سے بھی مخفی فرما دیتے ہیں (جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ کفار تھے تو زیادہ مگر آنحضرتؐ پر کم منکشف ہوئے) تو پھر غیر نبی کا کیا ذکر ہے، اور اس شخص کا کیا کہنا جو اسے اپنے شیخ کے لئے جائز نہ سمجھے اور اس کے کشف و خواب پر جزم کرے، اور یہ واقعہ تو خواب کا ہے، لیکن ایسا ہی بیداری میں بھی ممکن ہے، جیسا کہ اس کے بعد والی آیت میں آرہا ہے۔

۶۷ یعنی اس قیل و قال، بحث و مباحثہ میں پڑ جاتے کہ ایسی حالت میں جنگ بھی کی جائے یا نہیں۔

لفشلتم اور لتنازعتم سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرات صحابہؓ باوجود اپنی قوتِ قدسی اور مقامِ عالی کے بہر حال بشر ہی تھے، اور بشری کمزوریوں سے محفوظ و مصئون نہیں کر دیے گئے تھے۔

۶۸ (اور اُس پر روشن تھا کہ ضعف کن تدبیروں سے پیدا ہو گا اور ہمت کن تدبیروں سے، چنانچہ ویسا ہی اُس نے انتظام کر دیا)

ایسے تمام موقعوں پر ذکر الٰہی صراحتہً لے آنے سے قرآن مجید یہ بھی یاد دلا دیتا ہے کہ ان کامیابیوں کو تمام تر رسول اعظمؐ کے لئے بے مثل قائدانہ کمالات اور خوش تدبیریوں، اور صحابہؓ کی بے پناہ جانبازی، شجاعت و ہمت ہی کا نتیجہ نہ سمجھ لیا جائے، نصرتِ غیبی بھی ہر جگہ دستگیری کر رہی تھی۔

سلّم۔ یعنی اس اختلاف و کم ہمتی کے مظاہرہ سے تم کو بچا لیا۔

۶۹ اب ذکر خواب کا نہیں عالم بیداری کا ہو رہا ہے، اور بیان اس کا ہو رہا ہے کہ یہ دونوں مکاشفے اور مشاہدے عین حکمت پر مبنی تھے۔

وَ اِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّ یُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ

اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جبکہ اُس نے ان لوگوں کو تمھاری نظروں میں کم کر کے دکھلایا اور ان کی نگاہ میں تمھیں کم کر کے۔

لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ یٰۤاَیُّهَا

تاکہ اللہ اس امر کو پورا کر دے جو ہو کر رہنا تھا۔ ۷۰ اور اللہ ہی کی طرف سارے امر رجوع ہوتے ہیں۔ اے ایمان

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾

والو! جب تم کسی جماعت (مخالف) کے مقابل ہوا کرو تو ثابت قدم رہا کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہا کرو تاکہ فلاح پاؤ۔ ۷۱

لیقضی اللہ امرا کان مفعولا۔ مراد دو چیزیں ہیں، ایک تو مشرکوں کے لشکروں سے مڈھ بھیڑ کرانا، دوسرے مشرکین کی ہلاکت وذلت اور مسلمانوں کی فتح وسربلندی، تکرار مفہوم، تاکید واظہار اہمیت کے لئے ہے۔

تکرر ھذا لان المعنی فی الاول من اللقاء وفی الثانی من قتل المشرکین واعزاز الدین وھو اتمام النعمۃ علی المسلمین (قرطبی)

مفصل حاشیے سورۂ آل عمران پارۂ ۴ میں گزر چکے۔

۷۰ (اور اسی کا فیصلہ ہر گمراہ اور ہر راہ یاب کے حق میں ناطق ہوگا)
آیت میں اشارہ اس طرف بھی آگیا کہ دنیا میں جو کچھ بھی پیش آرہا ہے، یہ بجائے خود مقصود نہیں بلکہ مقصود تمام تر وہ اجر ہے جو ان سے آخرت میں حاصل ہوگا۔

الغرض منه التنبيه على ان احوال الدنيا غير مقصودة لذاتها وانما المراد منها ما يصلح ان يكون زادا ليوم المعاد (كبير)

تعلیم اس کی مل رہی ہے کہ جولان گاہ فکر و نظر، جہد و عمل، تمام تر اس دنیا کو نہ سمجھ رکھو، بنیادی اور اصلی تعلق اللہ اور آخرت ہی سے جوڑے رہو۔

۷۱ یہ حکم عام ہے، یہاں یہ بتا دیا گیا کہ فلاح کا ذریعہ یہی ثباتِ قلب و ثباتِ قدم کا اجتماع ہے، اور فلاح کے عموم میں شخصی و اجتماعی، دنیوی و اخروی ہر قسم کا فلاح آگیا۔

اذا لقیتم فئۃ۔ اس لقا یا مڈبھیڑ ہو جانے سے مراد معرکۂ جہاد میں سامنا ہو جانا ہے۔

فاثبتوا۔ یعنی پست ہمتی اور بزدلی نہ دکھاؤ، بلکہ ان دشمنانِ دین کے سامنے جم جاؤ۔

واذکروا اللہ کثیرا۔ کہ قلب میں قوت و ثبات اسی ذکرِ الٰہی اور کثرتِ ذکر سے پیدا ہوگی۔

امر بالذکر حتی یثبت القلب علی الیقین ویثبت اللسان علی الذکر (قرطبی)

خوب غور کر لیا جائے لشکرِ اسلام کو یہ حکم نہیں ہوتا کہ اپنے وطن کی یا اپنے قبیلہ کی جے پکارو، یا اپنے لیڈروں کے نام کے نعرے لگاؤ، بلکہ اُس نازک گھڑی میں جب موت سامنے کھڑی ہو اللہ ہی کو پکارے جاؤ ـــــ زمین کے گرد کے

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو اور (آپس میں) جھگڑا مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا

وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ۚ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا

اکھڑ جائے گی اور صبر کرتے رہو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، اور اُن لوگوں کے سے نہ بنو جو اپنے گھروں سے

مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

نکلے تو اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھلانے کے لئے، اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے تھے۔

واسطے، ملک و مال کے واسطے، رنگ و زبان کے واسطے، لڑنے والوں سے اُن لوگوں کے طریقے بالکل دوسرے ہوتے ہیں جو محض اللہ کے دین کی خاطر اپنی جانیں دینے کو نکلتے ہیں، ان کو جغرافی، سیاسی بحثوں سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، یہ جان دیں گے تو اپنے ملک و وطن کا جھنڈا اڑاتے نہیں، بلکہ اللہ کے نام کی بلندی پکارتے، اور اُسی کا ذکر جلی و خفی کرتے ہوئے۔ مولوی معنوی کا ایک شعر تھوڑے سے تصرّف کے ساتھ ؎

دینِ مسلم از ہمہ دینہا جدا است　　　مسلماں را مذہب و ملّت خدا است

زنا پسند اور شراب نوش "ماڈرن" لشکریوں سے اِن اللہ والوں اور خدا شناس درویشوں کو کچھ بھی مناسبت ہوتی ہے؟

لعلکم تفلحون۔ فلاحِ دنیوی کا رشتہ بھی کثرتِ ذکرِ الٰہی ہی سے وابستہ ہے۔

۱۷۲ کہ معیتِ حق خود ضامنِ نصرت ہے، اور اس معیتِ الٰہی کے بعد ضرورت کس نصرتِ مزید کی باقی رہ جاتی ہے؟

اطیعوا اللّٰہ ورسولہ۔ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی اطاعت تو ہمیشہ اور ہر حال میں واجب ہے، اس سیاق میں اس کی تاکید سے مُراد یہ ہے کہ حالتِ جہاد میں بھی احکامِ شریعت کے دائرہ حدود سے قدم ذرا بھی باہر نکلنے نہ پائے، یہ نہ ہو کہ جوش میں آکر یا اور کسی جذبے سے متاثر ہو کر خود رائی شروع کر دو، یا پیروی نفس کی یا اپنی محدود عقل کی شروع کر دو۔

ورسولہ۔ اطاعتِ رسول کے معنی اس سیاق میں یہ ہیں کہ احکامِ قتال و تدابیرِ جنگ میں بھی رسولؐ کا ہر حکم واجب التعمیل سمجھو کہ رسول ہی کا تو ایک واسطہ ہے تم لوگوں تک مرضیاتِ الٰہی کے پہونچنے کا، اور احکامِ الٰہی کی تشریح و تفہیم کا۔

واطیعوا رسولہ فی ما امر بہ ونہی عنہ من شؤون القتال وغیرہا من حیث انہ ھو المبیّن لکلام اللّٰہ (المنار)

ولا تنازعوا۔ کوئی نزاع نہ افرادِ امت کے درمیان ہو، نہ امام یا امیرِ قوم سے ہو، یہ اندرونی کشمکش ڈسپلن (نظم و اطاعت) کے حق میں زہرِ قاتل ہے۔

فتفشلوا۔ یہاں گویا یہ اشارہ کر دیا کہ انتشارِ قوت کا لازمی نتیجہ پست ہمتی ہے۔

تذھب ریحکم۔ یعنی جو رعب تمہاری یک دلی، یک جہتی، یک رنگی کی بنا پر چھایا ہوا ہے وہ جاتا رہے گا۔

ای قوتکم ونصرکم کما تقول الریح لفلان اذا کان غالبا فی الامر (قرطبی)

واصبروا۔ یعنی حالتِ جہاد میں جو ناگوار حالات گرد و پیش میں پیدا ہوتے رہنے لازمی ہیں اُن پر

وَاللّٰہُ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ مُحِیۡطٌ ﴿۴۷﴾ وَاِذۡ زَیَّنَ لَہُمُ الشَّیۡطٰنُ اَعۡمَالَہُمۡ

اس حال میں کہ اللہ اُن کے اعمال کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب شیطان نے انھیں اُن کے اعمال خوشنما کر دکھائے

بہر حال صبر سے کام لیتے رہو، صبر محمود تو ہر حال میں ہے، موقع قتال پر اور زیادہ۔

امر بالصبر وھو محمود فی کل المواطن وخاصۃ موطن الحرب (قرطبی)

صبر کی اصطلاح قرآنیات میں بڑی وسیع وجامع ہے "ڈسپلن" سے آج کل جو کچھ سمجھا جاتا ہے، وہ سب اس کے اندر آجاتا ہے، اور روحانی قوت اور اللہ پر تسکین دہ بھروسا اس کے علاوہ۔

اس آیت میں جتنے بھی احکام بیان ہوئے، سب مستقل و مستمر ہیں، غزوۂ بدر کے ساتھ مخصوص و محدود نہیں

۳۷ (اور وقتِ مناسب پر جزاء اعمال بھی دے گا)

الذین خرجوا الخ۔ مراد قریش کے لشکریانِ بدر ہیں، جو ناحق و باطل کی راہ میں حمیتِ جاہلی کے علمبردار بن کر لڑنے کو نکلے تھے، اور لشکرِ قریش کا لیڈر ابوجہل عمرو بن ہشام مخزومی تو نشۂ فخر و پندار میں بدمست ہو رہا تھا، سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ ابوسفیان جب اپنے تجارتی قافلہ کو لے کر سمندر کی طرف سے کترا تا ہوا چلا گیا، تو اس نے قریش کے پاس کہلا بھیجا کہ اب لشکر کشی و فوج آرائی کی ضرورت نہیں لیکن ابوجہل نہ مانا، اور کہا کہ نہیں یہ نہیں ہونے کا، ہم ضرور بدر جائیں گے، وہاں تین دن تک خوب ضیافتیں اور جشن کریں گے، ناچ رنگ کے جلسے رہیں گے شرابیں اُڑیں گی، تاکہ سارے عرب بھی جان لیں کہ دلیران قریش ایسے ہوتے ہیں، اور وہ زمانہ بدر میں سالانہ میلہ لگنے کا بھی تھا۔ ابوجہل کی تقریر تفسیر ابن کثیر و معالم وغیرہ میں بھی نقل ہوئی ہے، مغربی سیرت نگاروں نے بھی ابوجہل کے اس تبختر کو خاص طور پر نوٹ کیا ہے، ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام طبع ثانی جلد اول زیر عنوان "بدر" نیز MONTGOMERY ABATT کی کتاب MOHAMMED AT MADINA مطبوعہ کلیرنڈن پریس، آکسفورڈ۔

بطرا۔ اللہ کی طرف سے جب نعمتوں کا فیضان ہونے لگتا ہے، تو اب بندہ کے لئے دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ انھیں اللہ کی جانب منسوب کرتا ہے، اور اُسی کی رضا جوئی میں انھیں لگائے، اس کا نام شکر ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ اُن سے اپنے معاصرین کے مقابلہ میں فخر کا کام لینے لگے، یہی بطر ہے۔

قال الزجاج البطر الطغیان فی النعمۃ والتحقیق ان النعم اذا کثرت من اللہ علی العبد فان صرفھا الی مرضاتہ وعرف انھا من اللہ تعالی فذاک ھو الشکر واما ان توسل بھا الی المفاخرۃ علی الاقران والمکاثرۃ علی اھل الزمان فذاک ھو البطر۔ (کبیر)

بطرا و رئاء الناس۔ یہ فخر و نمائش، غرور و اتراہٹ کے اوصاف آج کی "مہذب" فرنگی قوموں اُن کے لشکروں کی زرق برق وردیوں، اُن کے جھنڈوں اور نشانوں، اُن کے فخریہ دعووں اور اعلانوں اُن کی توپوں اور جہازوں، اُن کے طیاروں اور آبدوزوں، اُن کے بمباروں اور اُن کے جوہری بموں پر کتنے صادق آتے ہیں اور سب سے بڑھ کر اُن کے نشریوں اور اعلانوں پر۔

وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ

اور کہا کہ لوگوں میں سے آج کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں ۷۴ اور میں تمہارا پشت پناہ ہوں ۷۵

ورئاء الناس۔ رئاء کا مفہوم ہے کہ جو شئے واقعۃً زشت و قبیح ہو اُسے جمیل و خوشنما کرکے ظاہر کرنا۔
الرئاء عبارۃ عن القصد الی اظہار الجمیل مع ان باطنہ یکون قبیحا (کبیر)

یصدون۔ امام رازیؒ نے یہاں سوال یہ پیدا کیا ہے کہ بطرا اور رئاء تو اسم ہیں اور یصدون فعل ہے تو یہ بات کیا ہے کہ ایک ہی فقرہ میں ایک وصف تو اسم کے ذریعہ سے ظاہر کیا گیا، اور دوسرا فعل کے ذریعہ سے اور پھر خود ہی جرجانی امام نحو و بلاغت کے حوالہ سے جواب دیا ہے کہ اسم دلالت کرتا ہے وصف کے استمرار و تمکین یا مستقل کیفیت پر، اور فعل اس کی وقتی اور عارضی حالت پر، تو یہاں چونکہ فخر و نمائش قریش کا وصفِ مستقل تھا اس کے لئے اسم لائے گئے، اور مسلمانوں سے مقابلہ و مقاتلہ وقتی اور عارضی کیفیت تھی، اس کا اظہار فعل سے کیا گیا، اور یہ اعجاز میں بلاغتِ قرآنی کا ایک نمونہ ہے۔

مجاہدین فی سبیل اللہ اور دنیوی عام جنگجوؤں کا اصلی اور بنیادی فرق اس آیت میں ظاہر فرما دیا گیا ہے، اور جہاد و قتال کے باب میں یہ آیت کلیدی آیتوں میں ہے، دنیوی سپہداروں کی نہ صرف یہی کہ نیت دنیا کی ہوتی ہے، اور غرض و غایت اسی مادّی دنیا کی فتح و تسخیر ہوتی ہے، بلکہ ان کی چال ڈھال، اوضاع و اطوار عمل و کردار ہر چیز سے دنیا طلبی ہی ٹپکتی ہے، مجاہد و غازی اس کے برعکس اپنی انا کو پہلے ہی زیر کر چکا ہوتا ہے، اس کا مقصود ظاہراً و باطناً، قولاً و فعلاً، اللہ کے دین کی سربلندی ہی ہوتا ہے۔

کالذین۔ آیت میں کالذین بہت غور کے قابل ہے مسلمان، ظاہر ہے کہ بطر و رئاء میں مبتلا نہ تھے، لیکن انھیں تصریح کے ساتھ ممانعت اس امر میں مشرکین کے ساتھ مشابہ ہونے سے بھی کی جا رہی ہے ــــ آج کے مسلمان جو بعض کہ وہ اولیاء اللہ ہونے کے مدعی ہوں کن کن چیزوں میں مشابہت و مناسبت اعداء اللہ سے حاصل کرتے جا رہے ہیں۔

۷۴ (جو وہ اسلام و رسولِ اسلام کی مخالفت میں کر رہے تھے)
شیطان کی اصل کارفرمائی یہی تو ہے کہ وہ ہر معصیت، ہر کفر کو انسان کی نظر میں خوشنما و دلفریب بنا دیتا ہے، اس سے زیادہ کوئی قوت اسے ہرگز حاصل نہیں، انسان کی تربیت اگر صحیح ہوتی ہے اور اُس نے اپنی عقلِ سلیم سے کام لینا سیکھ لیا ہے، تو وہ ہر ترغیبِ شیطانی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

زین لھم الشیطن اعمالھم۔ اور اس موقع پر یعنی معرکۂ بدر سے ذرا پیشتر تو ابوجہل نے خانۂ کعبہ میں دعا ہی یہ کی تھی کہ اے اللہ ہم میں سے جو فریق حق پر ہو، اس کو فتح نصیب کر ــــ اتنا زعم مشرکوں کو اپنے باطل پر تھا۔

۷۵ قال سے یہ لازم نہیں آتا کہ شیطان نے یہ گفتگو زبان اور الفاظ ہی کی مدد سے کی ہو، دل میں اس کی وسوسہ اندازی کا مفہوم پوری طرح قول سے ادا ہو جاتا ہے، لفظ قول عربی زبان میں بڑی وسعت رکھتا ہے اور ہر طرح کی دلالتِ حال پر شامل ہے۔

فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّىْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ

پھر جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے وہ اُلٹے پاؤں بھاگا اور کہنے لگا میں تم سے بری الذمہ ہوں میں وہ دیکھ رہا

اِنِّیْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾

ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے، میں تو خدا سے ڈرتا ہوں۔ اور اللہ شدید ہے سزا دینے میں ۷۶

ای القی فی روعھم وخیل لھم انھم لا یغلبون فالقول مجاز عن الوسوسۃ (روح) عن الحسن کان ذالک علی سبیل الوسوسۃ ولم یتمثل لھم۔ (کشاف)

لاغالب لکم الیوم من الناس۔ یعنی اپنی قوت وحشمت کو دیکھ کر وسوسۂ شیطانی سے یہ خیال سردارانِ قریش کے دل میں گزرا۔ سیرۃ ابن ہشام میں دو خوابوں کا ذکر ہے، جو مکہ میں عین اُسی زمانہ میں قریش کی آنے والی مصیبت وتباہی سے متعلق دیکھے گئے تھے، اور ان میں سے ایک کی دیکھنے والی رسول اللہ صلعم کی پھوپھی عاتکہ بنت عبد المطلب تھیں، اور دوسرے کے دیکھنے والے جہیم بن صلت ہاشمی، ابوجہل نے ان دونوں خوابوں کی خوب ہنسی اُڑائی، اور ایک موقع پر دعوے کے ساتھ کہا کہ اگر جنگ ہوئی تو کل دیکھ لینا کہ کون کس کو قتل کرتا ہے، سیعلم غدًا من المقتول ان نحن التقینا۔

انی جار لکم۔ جار یہاں حامی وپشت پناہ کے معنی میں ہے اور یہ مفہوم عربی میں عام ہے۔

معنی الجار ھھنا الدافع عن صاحبہ انواع الضرر کما یدفع الجار عن جارہٖ والعرب تقول انا جار لک من فلان ای حافظ لک من مضرتہ فلا یصل الیک مکروہ منہ (کبیر) انی مجیرکم من بنی کنانۃ (کشاف)

حسن بصری تابعی اور اصم تابعی اور دوسرے محققین سے بھی منقول ہے کہ شیطان مجسّم ہو کر سامنے نہیں آیا تھا، بلکہ اُس نے وسوسہ اندازی ہی کی تھی۔

وفی کیفیۃ ھذا التزیین وجھان الاول ان الشیطان زین بوسوستہ من غیر ان یتحول فی صورۃ الانسان وھو قول الحسن والاصم (کبیر) ووسوس الیھم۔ (کشاف)

۷۶ (جب وہ کسی کو اس کا پورا مستحق بنا لیتا ہے)

جتنا علم شیطان کو اپنے ذاتی تجربہ ومشاہدہ کی بنا پر اللہ کی عظمت وقوت کا ہے اتنا تو انسان کو بھی نہیں ہو سکتا، اور یہ خوف اسی علم سے پیدا ہوا، اس لئے اس کا یہ کہنا محلِ اشکال نہیں، اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ شیطان میں بھی خوفِ خدا کی بنا پر ایمان کی جھلک موجود ہے، مقصود ومطلوب جو کچھ ہے وہ خوفِ ایمانی ہے، محض خوفِ طبعی نہیں، چاہے وہ کسی درجہ کا بھی ہو۔

ترآءت۔ یعنی اس طرح دونوں لشکر جمع ہوئے کہ ایک نے دوسرے کو دیکھا۔

الفئتٰن۔ سے مُراد بدر میں مومنوں اور کافروں کی جماعتوں کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔

انی اریٰ ما لا ترون۔ سے مراد ہر خدائی قوت کا دیکھنا ہو سکتا ہے، سیاق میں فرشتوں کا وجود زیادہ لگتا ہوا ہے۔

إِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ

(اور وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب منافق اور جن کے دلوں میں (شک کی) بیماری تھی (یہ کہہ رہے تھے) کہ ان

دِينُهُمْ ۗ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٩﴾

لوگوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے، اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرتا ہے سو اللہ (بڑا) زبردست ہے (بڑا) حکمت والا ہے

وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ

اور کاش آپ دیکھیں جب فرشتے (ان) کافروں کی جان قبض کرتے جاتے ہوں، مارتے جاتے ہوں ان کے منہ پر

وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٥٠﴾

اور ان کی پشتوں پر اور (کہتے جاتے ہوں) کہ (اب) آگ کی سزا کا مزہ چکھو ۷۹

وفیہ وجوہ الاول انہ رأی الملائکۃ والثانی انہ رأی اثر النصرۃ والظفر فی حق النبی علیہ السلام (کبیر)

اخاف اللہ۔ خوفِ خدا سے لازم نہیں آتا کہ خوفِ آخرت مُراد ہو، ہوسکتا ہے کہ شیطان اسی سے ڈرا ہو کہ کہیں یہیں اور ابھی میری خبر نہ لے لی جائے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے کئی مسئلے نکلتے ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) شیطان جس طرح وسوسہ ڈالتا ہے کبھی اُسے ترک بھی کر دیتا ہے، جیسا کہ یہاں انی بریءٌ میں — اس کی مثال موجود ہے، اور یہ ترک اُس وقت کرتا ہے، جب دیکھ لیتا ہے کہ انسان بغیر میرے وسوسہ کے بھی گناہ کرے گا۔

(۲) کشف اہلِ باطل کے لئے بھی ممکن ہے، چنانچہ یہاں شیطان کو ملائکہ مکشوف ہو گئے۔

(۳) اللہ تعالیٰ سے محض طبعی خوف کا ہونا کافی نہیں، مطلوب خوفِ ایمانی ہے۔

اور یہ تیسرا مسئلہ، ایک اہم ترین اور کلیدی مسئلہ ہے۔

واللہ شدید العقاب قرآن کا اللہ بعض دوسرے مذہبوں کے خداؤں کی طرح بے بس اور محض حلیم ہی حلیم نہیں، وہ حسبِ اقتضاءِ حکمت جب کسی مجرم کو سزا ہی کے مناسب پالیتا ہے تو سزا بھی اُسے سخت سے سخت دے سکتا ہے۔

۷۸ (کہ اس دھوکے میں آ کر یہ مسلمان اس بے سروسامانی پر اتنے بڑے لشکر سے مقابلہ کا حوصلہ کر بیٹھے) محض حالاتِ ظاہری پر تکیہ کر کے منافقوں اور کچّے ایمان والوں کا ایسا کہہ گزرنا کچھ غیر قدرتی بھی نہ تھا۔

المنافقون والذین فی قلوبھم مرض۔ المنافقون سے تو منافقینِ مدینہ کا مراد ہونا ظاہر ہی ہے، الذین فی قلوبھم مرض سے مکہ کے کچے دل کے مسلمان مُراد ہیں، منافقوں کا گروہ اُن سے الگ تھا، قرآن مجید نے بھی دُو الگ الگ گروہوں کا ذکر کیا ہے۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾

یہ (عذاب) اس کی پاداش میں ہے جو کچھ تمھارے ہاتھوں نے سمیٹا ہے، اور اللہ ہرگز ظالم نہیں ہے بندوں کے حق میں ۸۰

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

ان کی حالت ایسی ہی ہے جیسے فرعون والوں کی اور ان لوگوں کی تھی جو ان سے قبل تھے (کہ) انھوں نے آیاتِ الٰہی سے کفر کیا،

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾

سو اللہ نے انھیں پکڑ لیا اُن کے (ان) گناہوں پر، بے شک اللہ بڑی قوت والا ہے سخت سزا دینے والا ہے ۸۱

وھم دون المنافقین لانہم حدیثۃ عہد بالاسلام (قرطبی) ھم قوم من قریش اسلموا وما قوی اسلامھم فی قلوبھم ولم یہاجروا (کبیر) قیل وھم فتیۃ من قریش اسلموا بمکۃ وحبسھم اباؤھم حتی خرجوا معھم الی بدر۔ (روح)

۷۸ عزیز کہ وہ اپنے مومنین متوکلین کو ہر حال میں غلبہ دلا سکتا ہے، حکیم اور جب غلبہ نہیں دلاتا تو یہ بھی کسی مصلحت ہی کے تحت ہوتا ہے۔

۷۹ یعنی فرشتے یہ کہہ رہے ہوں گے کہ یہ تکلیفیں تو صرف نزع و سکرات کی ہیں اور ابتدائی ہیں، ابھی کیا ہے، ابھی آگے چل کر عذابِ جہنم کو برداشت کرنا ہوگا۔

اس سلسلہ میں یہ واضح رہے کہ قرآن مجید نے نزع و سکرات کی یہ ہولناک تفصیلات جہاں بھی بیان کی ہیں وہاں یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ یہ کافروں اور دشمنانِ دین کے لئے ہیں، موت کا جہاں ذکر ہے، وہاں الفاظ "غمرات" یا "سکرۃ" وغیرہ ایسے رکھے ہیں جن کا مفہوم لازمی طور پر تکلیف کا نہیں، بلکہ غفلت، غشی اور بیہوشی کو شامل ہے۔ متکلمین نے آیت سے یہ بھی استنباط کیا ہے کہ انسان جس شئے کا نام ہے وہ اس جسم سے الگ ہے اور اس کا اطلاق روح پر ہوتا ہے۔

قال الواحدی ھذا یدل علی ان الانسان شیء مغائر لھذا الجسد۔ (کبیر)

اور یہ مسئلہ بجائے خود بھی بالکل صحیح ہے جس کی تائید میں دوسری آیات و احادیث موجود ہیں۔

الملٰئکۃ۔ ملائکہ سے مراد فرشتۂ موت ہی ہے، صیغۂ جمع یا تو اس فرشتہ کی بڑائی ظاہر کرنے کو ہے، اور یا مراد فرشتۂ موت اور اُس کے مددگار فرشتوں سے ہے۔

والملٰئکۃ ملك الموت وذکر بلفظ الجمع تعظیما او ھو واعوانہ من الملٰئکۃ۔ (بحر)

۸۰ (جیسا کہ مشرک قوموں نے اپنے اپنے دیوتاؤں کے حق میں گمان کر رکھا ہے)

یضربون وجوھھم وادبارھم۔ سے امام رازیؒ نے یہ لطیف نکتہ بھی نکالا ہے کہ کافر کی روح جب دنیا سے روانہ ہوتی ہے تو دنیا کے چھوٹنے کا تو اُسے صدمہ ہوتا ہی ہے، ادھر آخرت پر جب نظر کرتی ہے تو ادھر بھی تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے، اس طرح اس پر آگے اور پیچھے دونوں طرف سے گویا دُہری مار پڑتی ہے۔

فیہ معنی اخر الطف منہ وھو ان روح الکافر اذا خرج من جسدہ فھو معرض عن عالم الدنیا

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا

یہ (سب) اس سبب سے ہے کہ اللہ کسی نعمت کو جس کا انعام وہ کسی قوم پر کر چکا ہو، نہیں بدلتا جب تک کہ وہی لوگ اس کو نہ بدل

مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ

دیں جو کچھ ان کے نفسوں میں ہے[۵۸۲] اور بیشک اللہ خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے[۵۸۳]۔ ان کی حالت فرعون والوں کی سی ہے

مقبل علی الأخرة، وھو لکفرہ لایشاھد فی عالم الأخرة الا الظلمات فبسبب مفارقته لعالم الدنیا تحصل له الالام بعد الالام وبسبب اقباله علی الأخرة مع عدم النور والمعرفة ینتقل من ظلمات الی ظلمات فهاتان الجهتان هما المراد من قوله یضربون وجوههم وادبارهم۔ (کبیر)

بما میں ب سبب کے لئے ہے۔

والباء للسببیة (روح)

بما قدمت ایدیکم۔ یہ تصریح کردی ہے کہ عذاب جو کچھ بھی ہوگا، کفر کی پاداش ہی میں ہوگا، خواہ مخواہ ہرگز نہ ہوگا، یہ تصریح مشرک قوموں کی اُن خام خیالیوں کی تردید میں ضروری تھی، جو وہ اپنے معبودوں کے جبّار وظلّام ہونے کے متعلق قائم کئے ہوئے تھیں۔

ظلّام کے لفظ پر مسلمان تفسیر پڑھنے والوں کے دل میں کھٹک پیدا ہوگی کہ نفی و تردید ظلم کے لئے لفظ ظالم کافی تھا، اُس کے بجائے یہ صیغۂ مبالغہ (بڑے ظالم کے معنی میں) کیوں لایا گیا؟ ــ اس کا ایک کھلا ہوا جواب تو یہ ہے کہ بہت سی جاہلی قوموں کا عقیدہ اپنے دیوتاؤں سے متعلق یہی رہا ہے کہ فلاں دیوتا جب اور جس کسی پر چاہے، بلاوجہ اور بے انتہا غصہ کرنے لگے، اور اندھا دھند ظلم کیا کرے، کوئی اُسے روکنے ٹوکنے والا نہیں، ان دیوتاؤں پر صادق لفظ "ظلّام" ہی آتا ہے، قرآن مجید اللہ تعالیٰ سے متعلق بیان کرتا ہے کہ وہ ہرگز ایسا نہیں۔

ذٰلك۔ یعنی یہی عذاب۔

ای هذا العذاب (کبیر) ای۔ الضرب والعذاب (روح)

۵۸۱ (جسکی گرفت سے ان لوگوں کو کوئی بھی مادی قوت و تدبیر نہ بچا سکی)

خدائے اسلام جس طرح ظالم و جابر نہیں، اسی طرح مشرکوں کے بعض دیوتاؤں کی طرح عضوِ معطّل اور بے دست و پا بھی نہیں کہ سب کچھ دیکھے، اور محض دیکھتا رہ جائے اس کی گرفت بھی اسی کے مرتبۂ عظمت و قوت کے لحاظ سے شدید و بے پناہ ہوتی ہے۔

کدأب اٰل فرعون۔ یہ تشبیہ کفر و عنادِ مسلسل پر معذّب ہونے کے لحاظ سے ہے۔

الذین من قبلهم۔ ظاہر ہے کہ وہ کافر و مشرک قومیں مراد ہیں، جو فرعون سے بھی پہلے تھیں۔

۵۸۲ یہاں یہ کلیدی حقیقت بیان کردی ہے کہ جب تک کوئی قوم خود اپنی اندرونی حالت اس سے مختلف نہ کرے جو نزولِ نعمت کے وقت اس کی تھی، اور اپنے اندر بجائے ایمان و طاعت کے کفر و خباثت نہ پیدا کرے،

وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ

اور ان لوگوں کی سی جو اُن سے پہلے ہوئے ہیں کہ انھوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کو جھٹلایا سو ہم نے انھیں اُن کے

بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾

گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور ہم نے فرعون والوں کو تو غرق ہی کر دیا، اور وہ سب (کے سب اپنے حق میں) ظالم تھے ۵۸۴

نعمت اور خبث کا اجتماع خلافِ حکمتِ الٰہی ہے ___ اور اُمت کی تاریخ خود اس آیت کی بہترین شرح و تفسیر ہے، کہاں تو بعد رسولؐ دورِ خلافتِ راشدہ میں یہ قوم اس حیرت انگیز ترقی سے بڑھی، اور چند سال کے اندر دنیا پر اس طرح چھا گئی کہ یہ بجائے خود ایک معجزہ ہے، اور تاریخِ عالم میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں، اور کہاں جب گرنا شروع ہوئی تو اس کی گراوٹ بھی ایک ضرب المثل اور کہاوت بن گئی! اسپین پر سات سو سال تک حکومت کی، اور پھر انتہائی بےکسی کے ساتھ اس کے ایک ایک متنفس کو ملک بدر ہونا پڑا، ہندوستان میں نو سو سال سے اوپر تک اپنا جھنڈا بلند رکھا، پھر حکومت چھنی اور اب جو گت بن رہی ہے ظاہر ہی ہے، ترکی کا رقبہ حصے بخرے ہو کر کتنا سمٹ کر اور سُکڑ کر رہ گیا ہے حیدرآباد دیکھتے دیکھتے خودکشی کر بیٹھا، دنیوی نعمت کی یہ ساری سلوبی ثمرہ ہے اس کا کہ پہلے امت نے اپنی قلبِ ماہیت کر لی، اور عدل، عبادت، خداترسی کی ساری نعمت کو بدل کر اس کی جگہ ظلم، نفسانیت، شقاوت، برادرکشی، خیانت، عشرت پرستی غرض ہر قسم کی خباثت سے اپنے سینوں کو آباد کر لیا۔

ذالک۔ یعنی یہی قانون جو اوپر بیان ہوا ہے، یہ کہ بلا جرم شدید اللہ کسی کو سزا نہیں دیتا، اور جب سزا دینا چاہتا ہے تو کوئی اُسے روک نہیں سکتا۔

حتّٰی یغیّروا۔ ان الفاظ نے بتا دیا کہ سلبِ نعمت نتیجہ امت کے کسی اضطراری یا اتفاقی سہو و غفلت کا نہیں ہوتا، بلکہ اُس کے ارادی و اختیاری عمل کا ہوتا ہے۔

ما بأنفسھم۔ لفظ بہت اہم ہے، سلبِ نعمت جب ہی ہوتا ہے جب اُمت اپنی باطنی حالت یعنی زندگی تبدیل کر لیتی ہے۔

نعمۃ۔ کا لفظ عام ہے، دنیوی و اخروی، مادی و روحانی، انفرادی و قومی سب ہی طرح کی نعمتیں اس میں آگئیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت کے عموم میں وہ صورت بھی داخل ہے کہ سالک سے جب کوئی معصیت سرزد ہو جاتی ہے یا کوئی طاعت ترک ہو جاتی ہے تو اُس سے انوار و برکاتِ مقصودہ بھی ترک ہو جاتے ہیں۔

۵۸۳ سمیعٌ چنانچہ وہ تغیرِ قولی کو سُن رہا ہے، اور علیمٌ ہر تغیرِ فعلی کو جان رہا ہے ___ خفی و جلی ظاہر و باطن سب اُس پر یکساں عیاں ہے، اُسے دھوکے میں رکھنا کس کے بس میں ہے ___ آج دنیا کے مسلمان جس قسم کا لٹریچر شائع کر رہے ہیں، جس رنگ کی شاعری اور افسانہ نویسی میں پڑے ہوئے ہیں، جس قبیل کی رنگ رلیوں میں مصروف ہیں، جس فاسقانہ زندگی کو اپنا ماحول بنا لیا ہے، اور جو مرعوبیت ان کے دلوں پر دوسروں کی بیٹھ گئی ہے، جس درجہ کی کمزوری ان کے ایمانوں میں پیدا ہو گئی ہے، خدائے سمیع و علیم پر ان کے اعمال و تصورات، ان کے ظواہر اور ان کے اسرار سب یکساں عیاں و روشن ہیں۔

۵۸۴ عذاب جن جن کو بھی آیا، کفر و نافرمانی کی پاداش ہی میں آیا۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٥﴾ الَّذِينَ

بے شک بدترین حیوانات اللہ کے نزدیک وہ کافر ہیں سو وہ ایمان تو لانے کے نہیں، جن سے آپ (بار بار) عہد لے چکے

عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿٥٦﴾

ہیں پھر بھی اپنا عہد وہ ہر بار توڑ ڈالتے ہیں اور وہ ڈرتے نہیں ۵۸۵ سو اگر آپ

فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿٥٧﴾

انھیں جنگ میں پا جائیں تو انھیں نمونہ بنا کر ایسی سزا دیں، تاکہ دوسرے لوگ بھی سمجھ جائیں ۵۸۶

بذنوبھم۔ ب سببیہ ہے بعض نے کہا ہے کہ فاخذھم میں ف سببیہ ہے اور ب ملابست کی، اور تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ فاخذھم ملتبسین بذنوبھم۔ (روح)

کداب.... قبلھم۔ یہ تشبیہ تغیر نعمت کے لحاظ سے ہے ۔۔ یہ امر سب میں مشترک رہا۔

۵۸۵ (اپنی بدعہدیوں کے انجام سے اس دنیا میں بھی)

اشارہ خاص یہود بنی قریظہ کی جانب ہے جو رسول اللہ صلعم سے بار بار یہ معاہدہ کرتے کہ ہم آپ کے مقابلہ میں مشرکین کی مدد نہ کریں گے، اور پھر جا کر انھیں کے شریک ہو جاتے۔

قال ابن عباس ھم قریظۃ۔ (کبیر)

یہود مدینہ کے تین پرقوت قبیلوں میں سے ایک کا نام بنو قریظہ تھا، جو اپنی بدزبانی اور شرانگیزی میں اوروں سے بڑھا ہوا تھا، ان کے اور بنو نضیر کے محلہ کے درمیان صرف عوالی کے باغ حدِ فاصل تھے، ان کی متعدد بدعہدیوں کی بنا پر ان پر فوج کشی ہوئی (ذی قعدہ ۵ھ ہجری) یہود کے ان قلعوں کا محاصرہ معتبر روایتوں کے مطابق ۲۵ دن رہا، اور آخر میں ۶۰۰ سے اوپر یہود کی گردن ماری گئی جن میں ایک عورت بھی تھی۔

شرّ الدّواب۔ کافر تو سب ہی اللہ کے ہاں بدتر مخلوق ہیں، ان میں بھی بدترین وہ ہیں جنھوں نے کفر پر بدعہدی کا اضافہ کر لیا۔

بین تعالیٰ ان من جمع بین الکفر الدائم وبین نقض العھد علیٰ ھٰذا الوجہ کان شرّ الدّواب (کبیر)

منھم میں من تبعیض کے لئے ہے کہ معاہدے اُن کے سرداروں اور اشراف ہی سے ہوتے تھے۔

ومن للتبعیض لان العھد انما کان یجری مع اشرافھم۔ (قرطبی)

وھم لایتقون۔ یعنی نہ اُن کے دلوں میں خوف خدا ہے اور نہ یہ انجام کار سے ڈرتے ہیں۔

آیت میں سارا زور اس پر ہے کہ ان مجرموں کا اصل جرم کفر کے علاوہ عہد شکنی بھی تھا۔

۵۸۶ (کہ عہد شکنی کا انجام یہی ہوتا ہے)

لعلھم یتعظون (کشاف) حتیٰ لایجسر علیک بعدھم احد اعتبارًا بھم واتعاظًا بحالھم (کشاف)

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو آپ (وہ عہد) ان کی طرف اسی طرح واپس کر دیں بے شک اللہ خیانت

لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾

کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۸۵ اور کافر لوگ یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ گئے یقیناً وہ لوگ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے ۸۸

ع ۲

تثقفنّھم۔ یعنی آپ اُن پر قابو پا جائیں۔

فاما تصادفنھم وتظفرن بھم (کشاف) قال اللیث یقال ثقفنا فلانا فی موضع کذا ای اخذناہ وظفرنا بہ (کبیر)

فشرّد بھم۔ یعنی ان کے واسطہ سے، انھیں نمونہ بنا کر، اُنھیں پارہ پارہ کر کے۔

التشرید عبارۃ عن التفریق مع الاضطراب (کبیر) والتشرید فی اللغۃ التبدید والتفریق (قرطبی)

من خلفھم۔ خلف یہاں علاوہ کے معنی میں ہے۔

ای من ورائھم من الکفرۃ (روح)

اور مَنْ، الذی کے مرادف ہے۔

ای من ورائھم (کشاف) مَنْ بمعنی الذی قال الکسائی۔ (قرطبی)

ملاحظہ ہوں سورۃ الاحزاب، آیات ۲۵، ۲۶، ۲۷ کے حاشیے۔

۸۷ قرآن مجید کی اس قسم کی آیتیں عربی اسلوب بیان کے عین مطابق ہیں، اُردو محاورہ میں ایسے موقع پر کہا جائے گا کہ اللہ خائنوں کو سخت ناپسند کرتا ہے، خیانت کے مبغوض ہونے کے باب میں یہ نص بالکل واضح و جلی ہے۔

اما تخافن من قوم خیانۃ۔ یعنی اس قوم نے ابھی بدعہدی عملاً کی نہ ہو، لیکن قرائن سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ بدعہدی کرنے پر ہے محض احتمالِ خیانت کافی نہیں، آثار و قرائن اس کی تائید میں ہونے چاہیئے۔

ای اذا ظھرت آثار الخیانۃ وتثبت دلائلھا۔ (قرطبی)

فانبذ الیھم علی سواء۔ یعنی اسی طرح اس عہد کے باقی نہ رہنے کی اطلاع اس فریق کو کر دیں۔

علی سواء۔ کے معنی علاوہ کے بھی آئے ہیں۔

فانبذ الیھم علی سواء جھرا ولا سرا۔ (قرطبی)

نحاس لغوی و نحوی نے آیت کی بلاغت کی داد دی ہے کہ مضمون کو اس جامعیت کے ساتھ اس مختصر عبارت میں ادا کر دینا قرآن مجید ہی کا حصہ ہے۔

قال النحاس ھٰذا من معجز ما جاء فی القرآن مما لا یوجد فی الکلام مثلہ علی اختصارہ وکثرۃ معانیہ (قرطبی)

علی سواء۔ یہ اعلان استرداد معاہدہ کی تاکید اس لئے ہے کہ کہیں مخالفین نقض عہد کی اتہام مسلمانوں کے سر نہ ڈال دیں۔

لئلا یتھموا انک نقضت العھد بنصب الحرب (جصاص) یعنی نقض عہد بر شما لازم نیاید (شاہ ولی اللہ)

لئلا یتھموک بالذی (جلالین)

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ

اور ان سے مقابلہ کے لئے جس قدر بھی تم سے ہوسکے سامان درست رکھو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے جن کے ذریعہ سے تم اپنا رعب

بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ

رکھتے ہو اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر ۵۸۹ اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی کہ تم انھیں نہیں جانتے،

شریعتِ اسلامی اپنے پیروؤں کو بدعہدی کے اشتباہ وشبہہ سے بھی بچانا چاہتی ہے

۵۸۸ یعنی یہ کہ اس کی گرفت سے بچ کر نکل جائیں۔

جاہلی مشرک قوموں کے ہاں خدا کا تخیل کچھ اس قسم کا ہے کہ جیسے وہ بھی کوئی انسان ہی ہے گو انسان سے کہیں زیادہ پُر قوت

۵۸۹ (اور اس دشمنی کی علت ان لوگوں کا کفر ہے)

آیت میں اس گہری حقیقت کی تعلیم ہے کہ اہلِ کفر تو برابر تمھارے اور تمھارے دین کے دشمن رہا ہی کریں گے تم ان سے مقابلہ کے لئے ہمیشہ تیار رہو، ان کی طرف سے غافل کبھی بھی نہ ہو، اور اپنے پاس وہ سامان برابر تیار رکھو جن سے اُن پر ہیبت طاری ہوتی ہو اور ان کے دل دہلتے ہوں، آیت میں کھلی ہوئی تاکید دنیوی سامانِ حرب سے لیس اور تیار رہنے کی ہے، اور آیت نے اس جاہلانہ خیال کی جڑ کاٹ دی ہے کہ اسلام مذہب صرف توکل اور ترکِ تدبیر و ترکِ جہد کا ہے۔

من قوۃ۔ قوۃ کا لفظ عام ہے، عددی قوت، سامانِ جنگ کی قوت، آلاتِ حرب کی قوت، سب کچھ اس کے اندر آگیا، یہاں تک کہ بعض فقہا کے بہ قول بڑھے ہوئے ناخن بھی!۔۔ اور حدیث میں قوۃ کی تفسیر رمی سے تو تصریح کے ساتھ آئی ہے۔۔ اُس وقت "رمی" کا مصداق صرف تیر تھے، اور اب اس کا اطلاق توپ و بندوق کی قسم کے ہر آلہ پر ہوتا ہے

وقد روی فی القوۃ انہا الرمی (جصاص) عموم اللفظ شامل بجمیع مایستعان بہ علی العدو من سائر انواع السلاح وٰالات الحروب (جصاص) ای اعداد جمیع اسباب القوۃ لہا بقدر الاستطاعۃ (المنار) قال اصحاب المعانی الاولیٰ ان یقال ان ھٰذا عام فی کل ما یتقویٰ بہ علیٰ حرب العدو وکل ما ھو اٰلۃ للغزو والجہاد فہو من جملۃ القوۃ (کبیر) ھٰذا ایدل علیٰ ان جمیع مایقوی علی العدو فہو مامور باستعدادہ (جصاص) ای من کل ما یتقوی بہ فی الحروب کائناً ما کان (روح)

صاحبِ روح المعانی نے آیت کے تحت میں بندوق کا ذکر تصریح کے ساتھ کیا ہے، اور اگر آج ہوتے تو مشین گن، اور طیارہ اور ٹینک، جنگی جہاز اور ہائیڈروجن بم اور ایٹم بم وغیرہ سب کے نام عجب نہیں کہ لکھ جاتے اور ایسی ہی تصریح رشید رضا مصری کے ہاں بھی ملتی ہے۔

واطلاق الرمی فی الحدیث یشمل کل ما یرمی بہ العدو من سہم او قذیفۃ منجنیق او طیارۃ او بندقیۃ او مدفع وغیر ذلک وان لم یکن کل ھٰذا معروفاً فی عصرہ صلی اللہ علیہ وسلم فان اللفظ یشملہ (المنار) فالواجب علی المسلمین فی ھٰذا العصر بنص القراٰن صنع المدافع بانواعہا البنادق والدبابات والطیارات وانشاء السفن الحربیۃ بانواعہا۔ (المنار)

اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ

اللہ انھیں جانتا ہے ۹۰ اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کروگے وہ اُسے تمھیں پورا پورا دے دے گا اور

اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۞ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا

تمھارے لئے (ذرا بھی) کمی نہ ہوگی ۹۱ اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو آپ (کو اختیار ہے کہ آپ) بھی

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞

اس طرف جھک جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھئے بے شک وہ خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے ۹۲

رباط الخیل۔ سوار فوج کی اہمیت اس حکم سے ظاہر ہے، موجودہ جنگوں میں سوار فوج کی اہمیت کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت کو ہمہ وقتی تیاری دشمنوں سے مقابلہ کی رکھنا چاہیئے، اور یہ بھی بالکل ظاہر ہے کہ یہ سارے ساز و سامان عملاً ممکن کیونکر ہیں، جب تک خود مسلمانوں کے پاس انجینیر اور دوسرے ماہرین فن نہ موجود ہوں۔

۹۰ یہاں اشارۃً یہ بتا دیا کہ علاوہ ان کافروں کے جن سے تمھارا سابقہ رہا کرتا ہے کچھ اور بھی قومیں ہیں جو ابھی تمھارے علم میں نہیں، مگر اللہ کے علم میں تو ہے کہ کبھی ان سے بھی تمھاری مڈبھیڑ ہوگی، اس میں ایران کی مجوسی اور روم کی مسیحی قومیں تو آہی گئیں، جن سے آگے چل کر حضرات صحابہؓ کو معرکہ آرائی کرنی پڑی، باقی قیامت تک کی ساری مخالفِ اسلام قومیں بھی آسکتی ہیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ان آیتوں میں جو تدابیر حرب و سیاست بتائی گئی ہیں، اُن سے صاف دلالت اس امر پر ہو رہی ہے کہ یہ سیاسی تدبیریں بڑے سے بڑے کمالاتِ باطنی کے بھی منافی نہیں جیسا کہ غالی و ناقص صوفیہ نے خیال کر رکھا ہے۔

۹۱ نفس کو مال خرچ کرنے میں بڑی تنگی اسی خیال سے پیدا ہوتی ہے کہ یہ ضائع جا رہا ہے، اور اس کے معاوضہ میں کچھ حاصل نہ ہوگا، یہاں اسی خیال کی جڑ کاٹ دی ہے، اور اطمینان دلایا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کھوئیں گے کچھ بھی نہیں، بلکہ سب وہاں پہونچ کر پورا حاصل کرلیں گے اور اُن کے اجر میں ذرا بھی کمی نہ کی جائے گی۔

۹۲ اس میں تعلیم اس کی آگئی کہ احکام خداوندی کے ماتحت ظاہری تدابیر اختیار کرتے رہیئے، اور مخالفوں کو جھکتے ہوئے دیکھئے تو آپ بھی صلح کے مجاز ہیں، لیکن اصل اعتماد اللہ ہی پر رکھئے، اُس کا ہر حکم مصالح پر مبنی ہوتا ہے، وہی بندوں کے ظاہر کو بھی جانتا ہے، اور وہی باطن کو بھی۔

توکل علی اللہ۔ اصل اور بنیادی چیز، جنگ و امن ہر حال میں، یہی اعتماد علی اللہ اور رہنمائی اپنی

وَاِنۡ يُّرِيۡدُوۡۤا اَنۡ يَّخۡدَعُوۡكَ فَاِنَّ حَسۡبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِىۡۤ اَيَّدَكَ بِنَصۡرِهٖ

اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو اللہ آپ کے لئے کافی ہے، وہ وہی ہے جس نے آپ کو اپنی نصرت

وَبِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۙ‏ (۶۲) وَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مَّاۤ

اور مومنین کے ذریعہ سے قوت دی،۹۳ اور اُسی نے اُن کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا، اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کر ڈالتے جب بھی

اَلَّفۡتَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيۡنَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ‏ (۶۳)

اُن کے قلوب میں اتفاق نہ پیدا کر سکتے تھے لیکن اللہ نے ان میں اتفاق پیدا کر دیا، بیشک وہ بڑا قدرت والا بڑا حکمت والا ہے۔۹۴

وان جنحوا۔ مراد ظاہر ہے کہ کفار معاندین ہیں۔

فاجنح لها۔ ضمیر مؤنث السلم کی جانب ہے، سلم مذکر بھی ہے اور مؤنث بھی۔

السلم یذکر ویؤنث (ابوالبقاء) یذکر ویؤنث (لسان۔ تاج)

فاجنح لها۔ یہ حکم نہیں صرف اجازت ہے یعنی آپ اگر مصلحت صلح ہی میں دیکھیں تو کر سکتے ہیں یہ آپ کے اختیار تمیزی پر ہے

ان الامر فی من تقبل منھم الجزیۃ علیٰ مایریٰ فیہ الامام صلاح الاسلام واھلہ من حرب او سلم ولیس بحتم ان

یقاتلوا ابدًا او یجابوا الی الھدنۃ ابدًا (روح) وعقد الصلح لیس بلازم للمسلمین وانما جائز باتفاقھم اجمعین (ابن العربی)

جگہ برحق لیکن اللہ پر بھروسا، سب پر غالب و حاکم۔

ھو السمیع العلیم۔ دونوں صفات لا کر یاد دلا دیا کہ اللہ تعالیٰ ظاہر کو بھی جانتا ہے اور باطن کو بھی لفظوں کو بھی سنتا ہے اور دل کی گہرائیوں کی بھی خبر رکھتا ہے، اُس کے احکام ساری ہی مصلحتوں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

۹۳ (اور جس طرح اس نے یہ ماضی میں کیا، مستقبل پر بھی وہی قادر ہے)

ان یخدعوك۔ یعنی اگر اسی صلح و مصالحت کی آڑ میں وہ آپ کو دھوکا دینا چاہیں۔

فان حسبك الله۔ اور محض اتفاق نہیں، اتفاق سے کچھ زائد ہی ہے کہ آیت کے نزول کے بعد کسی موقع پر بھی رسول اللہ صلعم کے مقابلہ میں کید و خدع کو کامیابی نہ ہو سکی ـــــ اسباب و تدابیر کی اہمیت اسلام میں مسلم، اور اُن کے اختیار کی تاکید برابر چلی آرہی ہے لیکن سب سے زیادہ موکد شرط یہی اللہ پر بھروسہ ہے۔

بنصرہٖ۔ کوئی خاص نصرت غیبی، مثلاً نزول ملائکہ۔

بالمؤمنین۔ دین کی ظاہری نصرت ظاہر ہے کہ مسلمانوں ہی کے ذریعہ سے ہوئی۔

۹۴ وہ جو چاہے اپنی قدرت سے کر دکھائے، وہ سب پر غالب و حاکم ہے لیکن وہ وہی کرے گا، جو عین مطابقِ حکمت ہو گا، اس لئے کہ وہ علیم ہے اور جس طریق مناسب سے چاہے کہ وہ حکیم ہے۔

الف بین قلوبھم۔ یہ اللہ کی کریمی اور کارسازی تھی کہ مسلمانوں سے نسلی، قبائلی، لسانی تفریقیں ہٹا کر سب نصرتِ دین پر متحد و یکجا ہو گئے، بغیر اس یک جہتی کے نصرت دین پر پوری طرح ممکن ہی نہ تھی ـــــ اللہ کا خاص موقع

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (٦٤) يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ

اے نبی! آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور وہ مومنین بھی جنھوں نے آپ کا اتباع کیا ہے ٩٥ اے نبی!

حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ

مومنین کو قتال پر آمادہ کیجئے ٩٦ اگر تم میں سے بیس آدمی بھی ثابت قدم ہوں گے،

امتنان واحسان پر اس نعمتِ اتحاد کو یاد دلانا دلیل ہے اس کی کہ یہ نعمت کتنی اہم و عظیم الشان ہے۔

لو انفقت..... بینھم۔ یعنی باوجود اس کے کہ آپ دنیا بھر میں سب سے بڑھ کر صاحب حکمت، صاحب تدبیر ہیں، آپ تک سارے ممکن مالی ذرائع کے استعمال کے بعد بھی اس نعمتِ اتحاد و اتفاق پر قادر نہ ہوپاتے یہ انعام تو محض فضلِ خداوندی کا کرشمہ ہے مرشد تھانوی نے فرمایا کہ لو انفقت ما فی الارض جمیعًا ما الفت بین قلوبھم سے یہ بھی نکلتا ہے کہ قلب میں کسی صفتِ محمود کا پیدا کردینا شیخ کے اختیار میں نہیں۔

٩٥ مرتبۂ حقیقی میں صرف اللہ اور درجۂ ظاہری میں مومنین متبعین بھی ــــ آیت کی ترکیب میں بڑی قیل و قال ہوئی ہے اور یہاں جو ترجمہ درج ہوا ہے یہ اُس ترکیب کے مطابق ہے جسے اُردو کے فاضل مترجمین شاہ عبدالقادر دہلوی اور مولانا تھانوی وغیرہم نے اختیار کیا ہے اور ائمہ تفسیر و ائمہ نحو کے ایک بڑے گروہ نے بھی اسے جائز رکھا ہے، یعنی واتبعك من المؤمنین کو حالتِ رفع میں مان کر اسے المؤمنون کا مرادف سمجھ کر اور اس کا عطف لفظ اللہ پر کرکے۔

الظاهر رفع ومن عطفًا على ما قبل وعلى هذا فسره الحسن وجماعة (بحر)

اور اس بحث میں ائمہ نحو، زجاج، فراء، سیبویہ کے اقوال فریقین کی طرف سے پیش ہوئے ہیں بلکہ صاحب روح نے تو جوش میں آکر سیبویہ سے متعلق ابن تیمیہ کا یہ قول بھی نقل کردیا ہے کہ وہ کیا کوئی پیمبر نحو ہے کہ اس کے قول سے تجاوز جائز نہ ہو وانت تعلم ان سیبویه کما قال ابن تیمیه..... لیس بنبی النحو فیجب اتباعه۔

البتہ ابن قیم نے اس ترکیب کو قطعی غلط ٹھہرایا، اور اس مفہوم سے انکار شدومد سے کیا ہے ان کے اور ابن تیمیہ کے نزدیک معنی یہ ہوں گے کہ اللہ کافی ہے آپ کے لئے اور آپ کے پیرو مومنین کے لئے۔

هذا وان قال به بعض الناس فهو خطأ محض لا یجوز حمل الآية عليه فان الحسب والكفاية لله وحده كالتوكل والتقوى والعبادة۔

حسبك الله ومن اتبعك من المؤمنين۔ اللہ اور مومنین مطیعین ایک ہی صف میں! اللہ اللہ! کوئی حد ہے اس بندہ نوازی اور عزت افزائی کی!

٩٦ (خواہ وہ طبعًا آمادہ ہوں یا نہ ہوں!)

حَرِّض کے لفظ سے اشارہ ادھر ہو رہا ہے کہ مسلمان سب کے سب اور ہر وقت آمادۂ قتال اور جنگجو نہ تھے جیسا کہ مسیحی مصنفین نے ایک الزام تراش رکھا ہے، بلکہ انھیں قتال پر آمادہ کرنے اور اس کی ترغیب دینے کی ضرورت تھی۔

القتال۔ واضح رہے کہ قرآن و شریعت نے اسلامی غزا و جہاد کو قتال ہی سے تعبیر کیا ہے اور حرب کا لفظ جس کے

يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ

تو دو سو پر غالب آجائیں گے، اور اگر تم میں سے سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے اس لئے کہ یہ

كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ

ایسے لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے ۹۷ اب اللہ نے تم پر تخفیف کردی اور معلوم

اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ

کرلیا کہ تم میں جوش کی کمی ہے ۹۸ سو (اب) اگر تم میں سو ثابت قدم ہوں تو دو سو پر غالب رہیں گے

ساتھ کید وخدع کی یادیں وابستہ ہیں، کافروں کی جنگ کے بیان کے لئے مخصوص رکھا ہے۔

المؤمنین۔ آیت میں مومنین کا لفظ بھی قابل غور ہے مسلمین نہیں آیا ہے یعنی قتال کے لئے، قتال فی سبیل اللہ کے لئے دعوت محض زبان سے کلمۂ شہادت پڑھ لینے والوں کو نہیں دی جارہی ہے، بلکہ اُن اُن لوگوں کو دی جارہی ہے جن کی زندگیوں میں ایمان مع اپنے لوازم ومقتضیات کے رچ چکا ہے، اسلامی جہاد کا نام لینے والوں کے لئے پہلے خود مومن ہونا شرط ہے۔

۹۷ (اور چونکہ سمجھ سے کام نہیں لیتے اس لئے کفر پر مصر ہیں اور اس لئے امداد غیبی سے محروم ہیں اور بہ آسانی مغلوب ہوجاتے ہیں)

صٰبرون۔ مومنوں کے ساتھ ساتھ یہ دوسری کڑی شرط صٰبرون کی بھی لگی ہوئی ہے یعنی پختہ ایمانی کے علاوہ ثابت قدمی کا وصف بھی رکھتے ہوں۔

ان یکن منکم عشرون .... کفروا۔ اعداد کی یہ نسبت یاد دلانے سے مقصود یہ کہنا ہے کہ تم پر واجب ہے کہ اپنے سے دس گنے لشکر کے مقابلہ میں بد دل نہ ہو۔

ان یکن۔ سے دونوں جملے جو شروع ہوئے ہیں، ان سے مُراد یہاں کوئی خبر دینا، یا پیش گوئی کرنا نہیں بلکہ مقصود حکم دینا ہے کہ اپنے سے بڑی جمعیت کے مقابلہ میں بھی ثابت وقائم رہو اور گریز اختیار نہ کرو۔ ــ قرار واجب ہے اور فرار حرام ــ عربی زبان اور بلاغت قرآنی کا یہ ایک عام اسلوب بیان ہے کہ زور و تاکید کے موقع پر حکم وجوبی کو خبر کی صورت میں بیان کردیا جاتا ہے۔

وان کان لفظه لفظ الخبر فمعناه الامر (جصاص) لیس المراد منه الخبر بل المراد الامر (کبیر) شرط فی معنی الامر (بیضاوی)

قوم لا یفقھون۔ فتح وغلبہ میں بڑا دخل اعتقادِ صحیح وثباتِ قلب کو ہے اور یہ نعمتیں ایمان ہی سے حاصل ہوتی ہیں۔

عشرون، مائتین۔ مائة، الفا۔ بعض اہل تفسیر نے یہ نکتہ آفرینی بھی کی ہے کہ بجائے محض دس گنا کہنے کے یہاں جو متعین بڑے بڑے اعداد ارشاد ہوئے ہیں، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ امر جہاد موقوف ہے جماعت و فوج پر یہ نہیں کہ ایک ایک، دو دو آدمی بھی جہاد کے لئے کھڑے ہوجائیں۔

۹۸ (اور جوش طبعی طور پر بسر دہی جاتا ہے جب تعداد قلیل سے کثیر ہوجاتی ہے)

وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

اور اگر تم میں سے ہزار ہوں تو وہ دو ہزار پر غالب رہیں گے اللہ کے حکم سے اور اللہ ثابت قدموں کے ساتھ ہے ۹۹

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ

نبی کی شان کے لائق نہیں کہ اس کے قیدی (باقی) رہیں جب تک وہ زمین میں اچھی طرح خوں ریزی نہ کر لے، تم لوگ دنیا کی

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾

جنس چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لئے) آخرت کو چاہتا ہے، اور اللہ بڑا زبردست ہے بڑا حکمت والا ہے ۱۰۰

الئٰن۔ یعنی ایک مدت کے بعد پچھلی آیت اور اس آیت کے نزول کے درمیان خاصہ طویل وقفہ گزرا ہے۔ خفف کے لفظ سے ادھر اشارہ ہے کہ اصل قاعدہ اور وعدہ تو وہی رہا جو اوپر بیان ہو چکا، صرف مشقت تم پر سے گھٹا دی گئی ـــ یعنی اب اگر تم متحمل نہ ہو سکو، اور ذرا لڑکھڑا جاؤ، تو ویسی گرفت نہ ہوگی۔

ضعفًا۔ ضعف سے یہاں قوائے جسمانی کی کمی مراد نہیں، بلکہ جوش وہمت کی کمی مراد ہے۔

لم يرد به ضعف القوىٰ والابدان وانما المراد ضعف النية لمحاربة المشركين (جصاص) قال الخليل الضعف فى العقل والرأى (راغب)

۹۹ (تو مدار نصرت و تائید غیبی کا یہی صبر و ثابت قدمی ہے)

صابرۃٌ اور پھر صابرین ایک ہی آیت کے اندر لا کر وصف ثبات و صبر کو روشن سے روشن تر کر دیا ہے۔

باذن اللہ کی قید نے صاف صاف بتا دیا کہ یہ غلبہ و کامیابی خود بخود مشین کی طرح مادی اسباب کی بنیاد پر نہ حاصل ہو جائے گی، بلکہ تمام تر اذن الٰہی ہی کے طفیل میں ہوگی ـــ اور یہیں سے یہ پہلو بھی نکل آیا کہ اگر کسی موقع پر حکمت الٰہی اس اذن کی مقتضی نہ ہوئی، تو نصرت و غلبہ بھی نہ ہوگا۔

اسی قید سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ نظر اسباب ظاہری سے کہیں زیادہ مسبب حقیقی پر رکھنی چاہئے۔

اللہ مع الصّٰبرین۔ کلیدی اور بنیادی نکتہ یہی ہے معیت الٰہی کا، جو مرادف ہے نصرت الٰہی کے، اور وہ صبر کرنے والوں ہی کے لئے ہے۔

۱۰۰ وہ عزیز جب اور جس کو چاہے کافروں پر غالب اور فتوحات سے مالا مال، اور وہ حکیم جب اور جس کے لئے چاہے، کسی مصلحت سے اس نتیجہ میں تاخیر کر دے۔

آیت کا پس منظر یہ ہے کہ معرکۂ بدر کے بعد غنیم کے ستر آدمی گرفتار ہو کر آئے، سپہ سالار اعظم نے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے، اکثر اہل شوریٰ کی رائے ہوئی کہ اس وقت امت کو بڑی ضرورت روپیہ کی ہے اور مصالح ملت کا تقاضا ہے کہ انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے، خود آپ بھی اپنی خلقی رحم دلی کے مقتضا سے اسی طرف مائل ہو رہے تھے، چنانچہ چند تو قتل کئے گئے، اور باقی فدیہ لے کر، بلکہ ایک تو بلا فدیہ ہی چھوڑ دیئے گئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوْا

اگر اللہ ہی کا ایک قانون پہلے سے نہ ہوتا تو جو امر تم نے اختیار کیا، اُس کے بارہ میں تم پر کوئی سخت سزا نازل ہوتی ؂

مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾

سو جو کچھ تم نے اُن سے لیا ہے اس کو حلال پاک سمجھ کر کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ؂

ع ٩ | ٥ | ٥

ما کان.... الارض. اثخان کے لفظ اور اُس کے لغوی معنی پر بہت بحث ہوئی ہے، لیکن اصل شے اس اثخان یا خونریزی کی غایت و مقصود ہے اور وہ فساد کی جڑ کٹنا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ پیمبر کو قتل و قتال اُس وقت تک جاری رکھنا ہے، جب تک فساد کی بیخ کنی نہ ہو جائے، جب تک اسلام معزز اور کفر حقیر نہ ہو جائے۔

الیٰ ان یعز الاسلام یذل الکفر واھلہ (تھانوی) یعنی حتّٰی یذل الکفر باشاعۃ القتل فی اھلہ ویعز الاسلام بالاستیلاء والقھر (مدارک)

تریدون.... الاخرۃ. بندے لاکھ صالح و متقی سہی، بہرحال ان کی نظر سطحی و محدود ہی ہوگی، یہ تو صرف خدائی حکمت تھی جسے منظور یہ تھا کہ دشمنانِ توحید بالکل مقہور و مغلوب ہو جائیں، ان کا زور ہر طرح ٹوٹ جائے اور لوگ آزادی کے ساتھ جوق جوق مسلمان ہونے لگیں ــــ آیت کے اس ٹکڑے نے اس حقیقت کو ایک بار اور واضح کر دیا کہ جہاد سے مقصود دولتِ دنیا کسی درجہ میں بھی نہیں، مقصود وہی آخرت ہے، اور جہادِ اسلامی کو دنیا کی تمام سیاسی جنگوں اور سیاسی محاربات سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔

توریت کا قانون ایسے موقع کے لئے، یعنی جب غنیم کے شہر پر قبضہ ہو جائے تو حسب ذیل ہے:ـ

”جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دیوے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر، مگر عورتوں اور لڑکیوں اور مویشی کو، اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کا سارا لوٹ اپنے لئے لے۔“ (استثناء۔ ٢٠=١٣ و ١٤)

”انھوں نے دو ہزار مرد بہادر اور روانہ کئے اور انھیں حکم دیا کہ یبیس جلعاد کے باشندوں کو جا کے عورتوں اور بچوں سمیت قتل کرو اور یہ وہ کام ہے جس کا تم کو کرنا ضرور ہے کہ سارے مردوں اور عورتوں کو جو مرد سے ہمبستر ہوئی ہیں ہلاک کر دینا۔“ (قاضیوں ٢١=١١)

مرشد تھانوی رح نے فرمایا کہ خطائے اجتہادی جب نبی معصوم تک کے لئے جائز ہے تو شیوخِ غیر معصوم کے متعلق امتناعِ خطا کا اعتقاد کس درجہ غلوئے قبیح ہے۔

١٠١ـه قانونِ الٰہی یہی ہے کہ خطائے اجتہادی پر سزا نہیں ہے، تو اگر یہ قانون بنا بنایا پہلے سے موجود نہ ہوتا تو مسلمانوں کی یہ غلطی تھی تو سخت مواخذہ اور سزا کے قابل۔

ان لایعذب احدًا علی العمل بالاجتھاد وکان ھٰذا اجتھادًا منھم (مدارک) وھو ان لا یعاقب المخطئ فی اجتھادہ (بیضاوی)

خطاب آیت میں اس امت سے ہے جو رسول اللہ صلعم کی معاصر تھی۔

١٠٢ـه چنانچہ شانِ غفوریت کے تقاضہ سے اُس نے تمہاری یہ خطا معاف کر دی، اس پر کچھ گرفت نہ کی اور شانِ رحمت کے تقاضہ سے زرِ فدیہ کو تمہارے لئے حلال و طیب بھی قرار دے دیا۔

فکلوا مما غنمتم حلالًا طیبًا. یعنی جو کچھ فدیہ ان کافروں سے وصول ہو گیا ہے، اُس کے جائز و پاک ہونے میں شک و شبہہ نہ کرو، اللہ نے اسے حلال ٹھہرا دیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّمَنْ فِىٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ

اے نبی ان قیدیوں سے کہہ دیجئے جو آپ کے ہاتھ میں ہیں کہ اگر اللہ کو تمہارے قلب میں نیکی کا علم ہوگا تو جو کچھ تم سے (فدیہ میں)

خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٠﴾

لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا۱۰۳ اور تمہیں بخش دے گا۔ اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۱۰۴

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ

اور اگر یہ آپ کے دغا کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو یہ اس کے قبل اللہ سے بھی دغا کر چکے ہیں، پھر اس نے انہیں گرفتار کرا دیا ۱۰۵

اذكان الله تعالىٰ قد سبق منه كتاب فى انه لا يعذبكم (المنار)

واتقوا الله۔ اور اس تقوے کا اقتضاء یہ ہے کہ آیندہ ہر طرح کی احتیاط زیادہ رکھو گے، اور لوگوں کا ایسا مال نہ کھانے لگو گے جس کا حلال ہونا مشتبہ ہو۔

فى العود الى اكل شئ من اموال الناس كفارا كانوا او مومنين من قبل ان يحله الله لكم (المنار)

۱۰۳ (اسی دنیا میں)

حضرت عباسؓ بن عبد المطلب سے روایت ہے کہ مجھے معرکۂ بدر کے بعد فدیہ میں ۴۰ اوقیہ دینے پڑے تھے (اور اوقیہ ۴۰ درہم یعنی تقریباً ۱۰ غلے کا ہوتا ہے، گویا ۴۰ اوقیہ تقریباً ۲ نار کے برابر ہوئے) اور آج میرے پاس غلام بھی ۲۰ ہیں، اور ہر غلام مالدار ہے بس۔ دنیا میں وعدۂ الٰہی کا ظہور تو یوں نمایاں طور پر ہوگیا۔

فى قلوبكم خيرا۔ اس سے مراد ایمان ہے۔

اى خلوص ايمان وصحة نية (مدارک) ايمانا واخلاصا (بیضاوی)

قریش کے ان قیدیوں میں سے بعض قبیلۂ بنی ہاشم کے بھی تھے، مثلاً عباس بن عبد المطلب، یہ لوگ لڑنے کے لئے اپنی خوشی سے نہیں آئے تھے، بلکہ طوعاً و کرہاً لائے گئے تھے، سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ طالب ابن ابی طالب ہاشمی سے عین میدانِ جنگ میں دوسرے قریشیوں نے کہا کہ قسم خدا کی ہم خوب جانتے ہیں کہ اے بنی ہاشم تم اگرچہ آئے ہمارے ساتھ ہو لیکن تمہارے دل محمد ہی کے ساتھ ہیں اس پر طالب مع دوسرے لوگوں کے مکہ واپس چلے گئے، عرب میں قبیلہ کے رشتۂ اتحاد کی گرہ تھی ہی اتنی سخت و مضبوط۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں اس پر دلالت ہے کہ طاعت سے دنیا و آخرت دونوں کے برکات حاصل ہوتے ہیں، خواہ مال کی صورت میں یا مقاماتِ باطنی کی صورت میں۔

۱۰۴ (اور ان صفاتِ عفو و رحمت کا پورا ظہور آخرت میں ہوگا)

آیت کے پہلے ٹکڑے میں ذکر دنیوی انعام کا ہے، اور اس آخری ٹکڑے میں اُخروی انعام کا۔

۱۰۵ (اور ان کی خیانت کو چلنے نہ دیا)

مطلب یہ ہے کہ اگر ان کی نیت خالص نہ بھی ہو اور ان کا مقصود آپ کو دھوکا ہی دینا ہو جب بھی آپ تشویش نہ کیجئے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا

اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ۱۰۶ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور

وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ

اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد بھی کیا اللہ کی راہ میں ۱۰۷ اور جن لوگوں نے (انھیں)

اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ

پناہ دی اور (ان کی) مدد کی یہ لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں ۱۰۸

اللہ ان کی چالاکی چلنے نہ دے گا، اور انھیں آپ کے ہاتھ میں گرفتار کرادے گا، جیسا کہ اس سے قبل جنگ بدر میں ہو چکا ہے۔

ان یرید وا خیانتک یعنی یہ دل سے مسلمان نہیں ہیں بلکہ محض اظہارِ اسلام سے آپ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔

خیانۃ کا مفہوم بڑا وسیع ہے ہر قسم کی چالاکی اور پوشیدہ بدعہدی اس کے تحت میں داخل ہے لفظ امانت اس کی ضد ہے

الخیانۃ مخالفۃ الحق بنقض العھد فی السر ونقیض الخیانۃ الامانۃ (راغب)

فقد خانوا اللہ من قبل یعنی دغا دے کر آپ کی مخالفت کر چکے اور آپ کے مقابلہ میں آچکے ہیں۔

فامکن منھم یعنی اللہ نے انھیں آپ کے قابو میں دے دیا، مثلاً معرکۂ بدر میں۔

ای اقدرک علیھم حسبما رأیت فی بدر (روح)

۱۰۶ چنانچہ وہ علیم خوب جانتا ہے کہ خائن کون کون ہے، اور وہ حکیم کوئی نہ کوئی تدبیر بھی ایسی نکال دے گا جس سے یہ خائن مغلوب ہو کر رہیں، اور اس طرح علم و حکمت دونوں کے تقاضے پورے ہو کر رہیں گے۔

۱۰۷ یہ صفات مہاجرین کے بیان ہوئے یہ وہ مکہ والے تھے کہ پہلے تو اپنی قوم کی مخالفت کی پروا نہ کر کے اور ہر قسم کے خطرے مول لے کر ایمان لائے پھر ترکِ وطن کیا، خدا کی راہ میں وطن اور سارے مالوفاتِ وطن کو چھوڑ کر پردیس میں آئے، پھر اپنا روپیہ خرچ کر کے سامانِ جہاد درست کیا، پھر اپنی جانوں کو معرکۂ قتال میں پیش کر دیا۔

فی سبیل اللہ۔ یہ قید بڑی ہی اہم اور لازمی ہے — "وطن" "قوم" یا "ملک" یا "برادری" کے پرستاروں کو ان مہاجرین فی سبیل اللہ کے درجہ میں رکھنا اپنی قرآن فہمی پر شدید ظلم کرنا ہے — جہاد یا قتال فی سبیل اللہ کی اور جو بھی شرطیں ہوں، لیکن یہ شرط تو بالکل بنیادی ہے۔

۱۰۸ (جب تک کوئی مستقل قانونِ وراثت نازل نہیں ہوتا) قانونِ وراثت (سورۂ نساء میں) نازل ہونے کے بعد یہ عارضی انتظام خود بخود ختم ہو گیا اور اسی کو اصطلاح میں نسخ کہتے ہیں۔

ثم نسخ اللہ ذلک بفتح مکۃ والمیراث بالقرابۃ سواء کان الوارث فی دار الحرب او فی دار السلام لسقوط اعتبار الھجرۃ بالسنۃ (ابن عربی) عن ابن عباس قال کان المھاجر لا یتولی الاعرابی ولا یرثہ وھو مومن ولا یرث الاعرابی المھاجر فنسختھا واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض۔ (جصاص)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ

اور جو لوگ ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے کوئی تعلق میراث کا نہیں جب تک کہ وہ

مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ

ہجرت نہ کریں ۱۰۹ اور اگر وہ تم سے مدد چاہیں دین کے کام میں تو تم پر واجب

فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۗ وَاللّٰهُ

ہے مدد کرنا ۱۱۰ بجز اس کے کہ اس قوم کے مقابلہ میں ہو جس کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو اور

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ

اللہ خوب دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ۱۱۱ اور جو لوگ کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں ۱۱۲

نسخ اور منسوخی کے اردو مفہوم نے بعض دلوں میں جو وحشت پیدا کر دی ہے وہ عربی کے اصل معنی و مفہوم کے لحاظ سے بے جا و بے محل ہے۔ والذین آووا و نصروا۔ یہ مدح انصارِ مدینہ کی ہو رہی ہے جنھوں نے مہاجرینِ مکہ کو اپنے گھروں میں جگہ دی اور ہر طرح انھیں آسائش پہونچا پہونچا کر پردیس ان کے لئے دیس بنا دیا۔

بعضھم اولیاء بعض۔ ولایت سے یہاں مراد وراثت میں حصہ ہے۔

فی ھذا دلالۃ علی ان اطلاق لفظ الموالاۃ یوجب التوارث (جصاص) نقل الواحدی عن ابن عباس والمفسرین کلھم ان المراد ھو الولایۃ فی المیراث (کبیر) فی المیراث علی ما ھو المروی عن ابن عباس والحسن و مجاھد و السدی و قتادۃ۔ (روح)

۱۰۹ آغازِ اسلام میں ہجرت لوازم ایمان میں سے تھی۔

مالکم من ولایتھم من شیء یعنی نہ تم ان کے مال کے وارث اور نہ وہ تمہارے مال کے۔

حتی یھاجروا چنانچہ جب انھوں نے ہجرت کر لی تو وہ بھی مہاجرین میں داخل ہو گئے۔

ہجرت کا وجوب گو بعد فتح مکہ باقی نہیں رہا، تاہم دار الکفر سے ہجرت کر جانا ہمیشہ اولے اور موجب اجرِ عظیم ہے۔

وقد کانت الھجرۃ فرضا حین ھاجر النبی صلعم الی ان فتح النبی صلعم مکۃ (جصاص)

۱۱۰ استنصروکم کے فاعل غیر مہاجرین ہیں یعنی دین کے باب میں یا قتال کفار میں یہ غیر مہاجرین بھی جب اور جس طرح مدد مانگیں تمھیں دینا واجب ہے۔ ملت میں معاونت دینی کا وجود لوازم و واجبات میں سے ہے۔

۱۱۱ جب ایسی قوم کے مقابلہ میں امداد طلب کی جائے کہ ان میں اور مہاجرین میں باہم عہد و پیمان ہے، تو بقاء عہد تک مدد نہ دی جائے گی۔ البتہ عہد کو ختم کر کے مدد جائز ہے۔ باقی یہ کہ خود ایسا عہد توڑنا کب واجب ہو جاتا ہے اس کی تفصیل کتب فقہ و احکام میں ملے گی۔

واللہ بما تعملون بصیر۔ اللہ کے عالم کل اور بصیر مطلق ہونے کا یہ استحضار تمھیں ہر نقضِ عہد پر بے احتیاطی سے روکے گا۔

۱۱۲ (نہ تم ان کے دوست یا وارث، نہ وہ تمہارے دوست یا وارث)

اِلَّا تَفۡعَلُوۡهُ تَكُنۡ فِتۡنَةٌ فِى الۡاَرۡضِ وَفَسَادٌ كَبِيۡرٌ ؕ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

اگر یہ نہ کروگے تو زمین میں (بڑا) فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا ۱۱۳ اور جو لوگ ایمان لائے اور

وَهَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَالَّذِيۡنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوۡۤا

انھوں نے ہجرت بھی کی اور جہاد (بھی) کیا اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے (انھیں) رہنے کو جگہ دی اور اُن کی مدد کی

اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ‌ؕ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ﴿۷۴﴾

یہی لوگ تو ہیں پورے پورے مومن، اُن کے لئے مغفرت اور معزز روزی ہے ۱۱۴

دین کا رشتہ خون کے رشتہ سے کہیں بڑھ کر اور اہم تر ہے۔

ولایۃ کے معنی اس سیاق میں وراثت کے نہیں، بلکہ اشتراکِ عداوتِ اسلام کے ہیں، کہ یہود اور نصرانی اور مشرکین قریش گو آپس میں شدید دشمن تھے، لیکن رسول اللہ صلعم کی عداوت میں سب ایک ہو گئے۔

الحق ان یقال ان کفار قریش کانوا فی غایۃ العداوۃ للیھود فلما ظھرت دعوۃ محمد صلعم تناصروا وتعاونوا علی ایذائہ ومحاربتہ فکان المراد من الاٰیۃ ذالک (کبیر) ای فی النصرۃ والتعاون علی قتال المسلمین فھم فی جملتھم فریق واحد تجاہ المسلمین وان کانوا مللا کثیرۃ یعادی بعضھا بعضاً (المنار)

اور یہ صورت حال آج تک چلی آرہی ہے، غیر قومیں کیسی ایک دوسرے کی دشمن، لیکن اسلام کے مقابلہ میں سب ایک ہو جاتی ہیں!

۱۱۳ (کیونکہ باہمی تعاون و تناصر ہی سے سب ایک جماعت سمجھی جائے گی اور ایک مستقل و علیحدہ جماعت ہوئے بغیر اسلام کو قوت و شوکت حاصل نہ ہوگی)

الا تفعلوہ۔ یعنی اگر اس حکمِ عدمِ موالاتِ بالکفار پر عمل نہ کیا، اور باوجود مخالفِ دین محض قرابت کی بنا پر مومن و کافر میں علاقۂ موالات قائم رکھا، ضمیرہ سے مراد یہی حکمِ معاونت فی الدین اور مناصرتِ ملّی ہے۔

ای ان لا تفعلوا ما امرتم بہ من تواصل المسلمین وتولّی بعضھم بعضاً (کشاف) الا تفعلوا ما امرتم بہ فی ھاتین الاٰیتین من ایجاب الموالاۃ والتناصر والتوارث بالاخوۃ والھجرۃ ومن قطعھا بترک الھجرۃ (جصاص)

تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر۔ شوکت و قوتِ اسلام کا ضعیف ہونا ہی فتنہ و فسادِ عالم کا سرچشمہ ہے۔

شیخ رشید رضا مصری نے بعض مفسرین قدیم کے قول کی تردید میں لکھا ہے کہ مومنین کا اختلاط کافروں کے ساتھ مطلقاً یعنی ہر حال اور ہر صورت میں ممنوع نہیں، بلکہ اگر مسلمان اپنے عقائد میں خوب مضبوط ہوں تو ان کا کافروں کے ملکوں میں آنا جانا اور اُن سے ربط و ضبط رکھنا اشاعتِ اسلام کے حق میں اور مفید ہوگا، چنانچہ صلح حدیبیہ کو انھیں نتائج کے اعتبار سے قرآن نے فتح مبین قرار دیا، اور جزائرِ ہند شرقی یعنی جاوا، ملایا وغیرہ میں اسلام مسلمان تاجروں کی کثرتِ آمد و رفت سے پھیلا، خطرناک تو اُن مسلمانوں کا اختلاط ہے، جو خود ہی کفر سے مرعوب ہیں، جیسا کہ اس وقت بالعموم حال ہو رہا ہے۔

فھذا القول علی اطلاقہ ضعیف بل مردود وانما یصح فی حال ضعف المسلمین فی الدین والعلم واختلاطھم بمن ھو اعلم منھم بالجدل وایراد الشبھات فی صورۃ الحجج مع تعصبھم فی کفرھم ودعوتھم الیہ کحال ھذا الزمان فی بلاد کثیرۃ (المنار)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا

اور جو لوگ ایمان لائے بعد میں اور ہجرت (بھی) کی اور جہاد بھی تم لوگوں کے ساتھ مل کر کیا سو یہ لوگ بھی تم ہی میں شامل ہیں ۱۱۵

الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾

اور خون کے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں اللہ کے نوشتہ میں ۱۱۶ بے شک اللہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے ۱۱۷

۱۱۴ (جنت میں)

آخرت میں کامیاب ترین لوگ یہی تو ہوں گے، جو دنیا میں سارے مراتبِ ایمان بجالے آئے۔

الذین.... بسبیل اللہ۔ یعنی طبقۂ مہاجرین جنھوں نے ایمان، ہجرت و جہاد کا حق ادا کر دیا۔ فی سبیل اللہ کی قید کی تکرار تو تاکید مزید نظر ہے، ہجرت، جہاد، جو کچھ بھی ہو، اللہ کے دین کی خاطر ہو، قومی عصبیت کے ماتحت نہیں، ملک گیری کی غرض سے نہیں، نسلی افتخار و برتری کے لئے نہیں، وطنیت، لسانیت، نسلیت کو دیوی دیوتا بنا کر نہیں۔

والذین اٰووا ونصروا۔ یعنی گروہ انصار جنھوں نے نصرتِ مہاجرین کا حق ادا کر دیا۔

ھم المؤمنون حقًا۔ یعنی ایمان میں کامل، سارے مراتبِ ایمان طے کر جانے والے۔

لھم مغفرۃ۔ مغفرۃ کا صیغۂ نکرہ اس پر دال ہے کہ مغفرت اپنے پورے کمال پر ہوگی۔

وتنکیر لفظ المغفرۃ یدل علی الکمال والمعنی لھم مغفرۃ تامۃ کاملۃ عن جمیع الذنوب والتبعات (کبیر)

لھم مغفرۃ من ربھم تامۃ ماحیۃ لما فرط منھم کأخذ الفداء من الاسری یوم بدر (المنار)

ابن جریر نے کہا ہے کہ اس آیت نے اسے اور صاف و واضح کر دیا کہ اوپر مالکم من ولایتھم من شیء میں ولایت سے مراد وراثت نہیں، بلکہ نصرت و تعاون ہی ہے۔

۱۱۵ (بہ اعتبارِ احکامِ شرعی)

مہاجرین سابقین اور مہاجرین مابعد میں بہ اعتبارِ فضل و مرتبہ جو بھی فرق ہو بہ اعتبارِ احکامِ شرعی سب برابر ہیں۔

۱۱۶ یعنی مہاجرین مابعد میں جو لوگ آپس میں، یا اُن مہاجرینِ سابق کے قرابتدار ہوں، وہی حقدارِ میراث کے ہیں، نہ کہ غیر قرابتدار، خواہ فضل و مرتبہ میں یہ غیر قرابتدار ہی بڑھے ہوئے ہوں ــــ یہاں یہ اصل بیان ہو گئی ہے کہ میراث کا دارومدار مسلمانوں کے آپس میں خون کے رشتے ہوئے، نہ کہ کسی فضل و کمال پر۔

اولوا الارحام۔ اس قرابت کا تعلق آپس سے ہے، یا مہاجرینِ سابق سے۔

فی کتاب اللہ۔ یعنی حکمِ شرعی میں۔

ای فی حکمۃ وقسمتہ (کشاف) ای فی حکمہ او فی اللوح المحفوظ (روح)

یہ حکم فتح مکہ کے بعد سے باقی نہیں رہا، اب میت کے ترکہ کا وارث مسلمان عزیز ہی ہوگا، خواہ وہ کہیں ہو۔

کافر محارب اگر کسی مسلمان سے قرابتِ قریب بھی رکھتا ہو تو کفر اور حربیت یہ دو مانع ایسے ہیں جو مسلمان کا ترکہ اُس تک نہ پہونچنے دیں گے، لیکن اگر وہ قرابتدار کافر معاہد یا ذمی ہے تو اس سے حقوقِ صلۂ رحم منقطع نہ ہوں گے، اور اس کے ساتھ حُسنِ معاشرت کا پورا برتاؤ کیا جائے گا۔ (المنار)

۱۱۷ (اور اسی خدائے علیم کل نے ہر وقت و حال کے مناسب احکام دیئے ہیں اور احکامِ میراث وغیرہ میں ہر ایک کی مصلحت کا پورا لحاظ رکھ لیا ہے۔)

تو اُس علیم کل کے مقابلہ میں عقل آرائی نہ کرو، اور اپنی رائے و تجویز پر گھمنڈ نہ کرتے رہو۔

(۹)

ایاتہا (۱۲۹) — (۱۲۹) آیتیں

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ

رکوعاتہا (۱۶) — (۱۶) رکوع
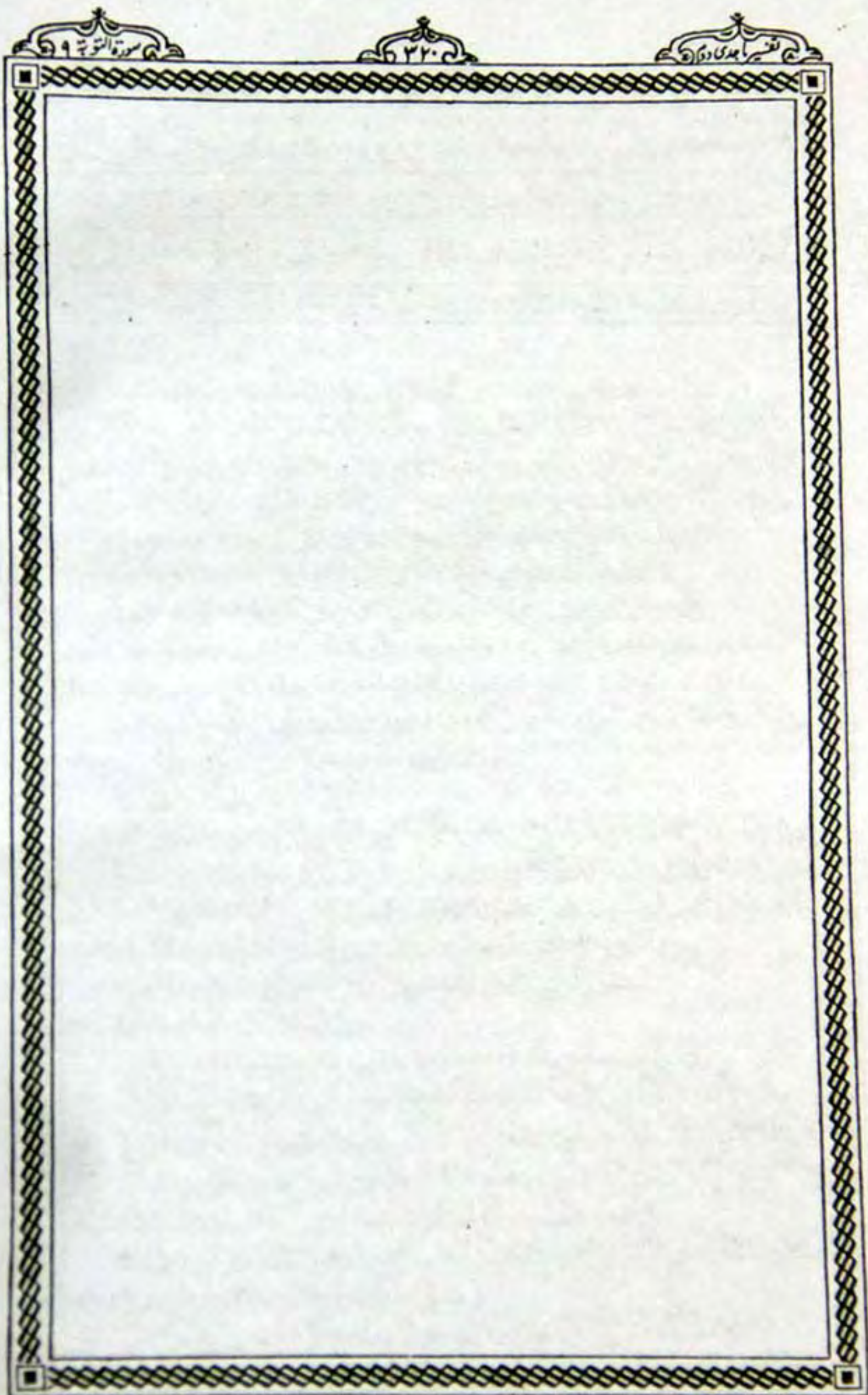
سورۂ توبہ ۱ مدنی

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ⓵

دست برداری ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اُن مشرکین (کے عہد) سے جن سے تم نے عہد کر رکھا تھا ۲

۱ قرآن مجید کی ۱۱۴ سورتوں میں سے صرف یہی ہے جس کے شروع میں بسم اللہ درج نہیں حضرت عثمانؓ کے وقت جب قرآن اپنی بالکل آخری شکل میں مرتب ہونے لگا تو اس سورت کے باب میں صحابہ میں اختلاف پیدا ہوا کہ آیا یہ مستقل سورت ہے یا سورۂ انفال کا جزو، دوسری سورتوں کی طرح اس سورت میں بسم اللہ کی تصریح رسول اللہ صلعم سے پائی نہ گئی۔ حضرت عثمانؓ نے یہ فیصلہ کر کے دونوں احتمالات کی رعایت کر لی کہ اسے لکھا تو جائے بہ حیثیت مستقل سورت کے، البتہ اس کے اور اس کے ماقبل کے درمیان فصل بسم اللہ نہ چھوڑا جائے۔

بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ اہل عرب جب اپنے معاہدوں کو منسوخ کرتے تھے، تو اس منسوخی کی تحریروں پر بسم اللہ نہیں لکھتے تھے، سورۂ براءۃ بھی چونکہ معاہدہ کی منسوخی ہی کا اعلان ہے، اس لئے اس میں بھی مذاقِ عرب کی رعایت رکھی گئی، اور حضرت علیؓ نے جب اسے پڑھ کر سنایا تو شروع میں بسم اللہ نہ پڑھی۔

قيل كان من شان العرب فى زمانها فى الجاهلية اذا كان بينهم وبين قوم عهد فاراد وانقضه كتبوا اليهم كتابا ولم يكتبوا فيه بسملة فلما نزلت سورة براءة بنقض العهد الذى كان بين النبى صلعم والمشركين بعث بها النبى صلعم على ابن ابى طالب رضى الله عنه فقرأها عليهم فى الموسم ولم يبسمل فى ذٰلك على ما جرت به عادتهم فى نقض العهد من ترك البسملة (قرطبی)

اور یہ جو حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ بسم اللہ امان ہے، اور یہ سورت رفعِ امان کے لئے آئی ہے، سو یہ علت نہیں بہ طور نکتہ کے ایک حکمت ہے (تھانویؒ)

فقیہ ابن العربی مالکی نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام کا یہ فیصلہ خود اس کی دلیل ہے کہ نص کی عدم موجودگی میں قیاسِ شرعی ایک مستقل حجت ہے، چنانچہ انھوں نے سورۂ براءۃ کے مضمون کو سورۂ انفال کے مشابہ پا کر ایک کو دوسرے کے ملحق کر دیا، اور جب خود تدوینِ قرآن میں قیاسِ شرعی سے کام لے لیا گیا تو دوسرے مسائل کا ذکر ہی کیا۔

هٰذا دليل على ان القياس اصل فى الدين، الا ترى ان عثمان واعيان الصحابة كيف لجئوا الى قياس الشبه عند عدم النص ورأوا ان قصة براءة شبيهة بقصة الانفال فالحقوها بها فاذا كان الله تعالىٰ قد بين دخول القياس فى تاليف القرآن فما ظنك بسائر الاحكام (قرطبی)

۲ (بلا تعیینِ مدت)

فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ

سو (اے مشرکو) زمین میں چار ماہ چل پھر لو، اور جانے رہو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے ۳

وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ۲ وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ

بلکہ اللہ ہی کافروں کا رُسوا کرنے والا ہے ۴ اور اعلان (کیا جاتا ہے) اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے

مسلمانوں نے مشرک قبائل سے معاہدے کر رکھے تھے بعض سے میعادِ معین کے لئے بعض سے غیر میعادی، یہاں انھیں آخر الذکر معاہدوں کی منسوخی کا اعلان ہو رہا ہے۔

برآءۃ کے معنی ترکِ موالات و رفعِ امان کے ہیں۔

البراءۃ هی قطع الموالاۃ وارتفاع العصمة وزوال الامان (جصاص) معنی البراءۃ انقطاع العصمة۔ (کبیر)

مشرکینِ عرب کی مسلسل عہد شکنیوں کے بعد اب انھیں نوٹس دیا جا رہا ہے کہ اتنی مدت کے بعد تم سے سارے معاہدے ختم، بس اب تلوار ہی تمھارا فیصلہ کرے گی ۔۔ ایک مؤرخِ اسلام کے قلم سے:۔

"معاہدۂ حدیبیہ کی رو سے تمام قبائلِ عرب کو یہ اختیار دے دیا گیا تھا کہ وہ حسبِ پسند اسلامی وفاق میں شریک ہو جائیں یا قریش کے ساتھ رہیں، اس کے نتیجہ میں بنی خزاعہ مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے تھے، اور بنو بکر نے قریش کی دوستی کو ترجیح دی تھی، ان دونوں قبائل میں پُرانی دشمنی چلی آتی تھی جو اسلامی جنگوں کی وجہ سے کچھ عرصہ کے لئے دب گئی تھی، صلح حدیبیہ کے بعد جب کچھ امن ہوا، تو ۸ھ کے وسط میں یہ دشمنی پھر اُبھری اور جھگڑے شروع ہو گئے، جس میں قریش نے اسلحہ اور جنگی ساز و سامان دے کر بنو بکر کی حمایت کی، اور بہت سے قریش نوجوانوں نے رضاکارانہ جنگ میں حصہ لیا، خزاعہ چونکہ اسلام کے اتحادی تھے، اور اُن کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ تھی، اس لئے حدیبیہ کا معاہدہ خود بخود ٹوٹ گیا، اور مدینے سے اعلان کر دیا گیا کہ اب اس معاہدہ کی کوئی قیمت نہیں، قریش کو یہ معلوم ہوا تو انھوں نے ابو سفیان کو تجدیدِ معاہدہ کے لئے مدینہ بھیجا، مگر یہ مشن کامیاب نہ ہو سکا"۔

برآءۃ۔ کی تنوین تفخیم کے لئے ہے، یعنی کامل انقطاع، مکمل دست برداری۔

التنوين للتفخيم۔ (روح)

(اے مومنو)

الذين عاهدتم صیغۂ جمع، حالانکہ عہد و معاہدہ کرنے والے صرف رسول اللہ صلعم تھے، اس لئے ارشاد ہوا ہے کہ بہ حیثیت امیر و حاکم آپ کا فعل حکماً ساری امت کا فعل تھا۔

ولم يعاهدهم الا النبی صلعم وحده، ولكنه كان الآمر والحاكم وكل ما امر به او احكمه فهو لازم للامة منسوب اليهم محسوب عليهم (ابن العربی) يعنی الی الذين عاهدهم رسول الله صلعم، لانه كان المتولی للعقد، واصحابه كلهم بذلك راضون فكانهم عاقدوا وعاهدوا فنسب العقد اليهم (قرطبی)

آیت سے جواز نکل آیا اس کا کہ بعض موقعوں پر رسولؐ یا امیرِ امت کے عمل کو منسوب اُمّت کی جانب کیا جائے۔

اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ

لوگوں کے سامنے بڑے حج کے دن کہ اللہ اور اُس کا رسول مشرکوں سے دست بردار ہیں۔ ۵

۳ (کہ اس کے قبضہ سے نکل جاؤ یا اس کی مشیت پر غالب آجاؤ)
یہاں یہ بتا دیا کہ مہلت تمہاری مصلحت اور تم پر شفقت کے خیال سے ہے یہ نہیں کہ اس میں قادرِ مطلق کے عجز کو کوئی دخل ہو
فسیحوا فی الارض اربعة اشھر۔ یعنی اس چار مہینہ کی مہلت کے اندر یا تو اسلامی برادری میں شامل ہو جاؤ، یا اس جغرافی مرکزِ توحید و ایمان کو اپنے وجود سے خالی کر دو۔
عین عتاب کے موقع پر اسلام اپنے معاندین کی راہ میں کتنی سہولت پیدا کر رہا ہے انھیں مہلت پورے چار مہینے کی دے رہا ہے، یہ چار مہینے کون سے تھے؟ اس کے جوابات مختلف دیئے گئے ہیں، چار معروف و معلوم محترم مہینے تو ظاہر ہے کہ رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم ہیں، لیکن یہاں بعض علماء سے شوال تا محرم منقول ہیں، اس بنا پر کہ آیت کا زمانۂ نزول زمانۂ شوال ہے۔

وھی شوال وذوالقعدة وذوالحجة والمحرم عند الزھری لان الآية نزلت فی الشھر الاول۔ (روح)

فسیحوا۔ لفظ کے معنی سیر و سیاحت کرنے کے ہیں اب خطاب براہ راست کافروں سے شروع ہو گیا، قل محذوف ہے۔

ای سیروا وھی السیاحة (ابن العربی) رجع من الخبر الی الخطاب ای قل لھم سیحوا (قرطبی)

۴ یعنی یہ احمق معاندین اللہ کے مقابلہ کی قوت تو کہاں سے لائیں گے، اللہ ہی انھیں آخر رسوا کر کے رہے گا۔
اس رسوائی کا ظہور حشر میں تو بہر حال کامل اور یقینی طور پر ہو ہی گا، بائی نزولِ آیت کے بعد دنیا میں بھی اچھی طرح ہو کر رہا ہے

قال ابن عباس بالقتل فی الدنیا والعذاب فی الآخرة (کبیر)

آیت میں مسلمانوں کو اطمینان بھی دلایا گیا ہے کہ وہ کافروں پر غالب آ کر رہیں گے۔

قال الزجاج ھذا ضمان من اللّٰه عزوجل بنصرة المومنین علی الکافرین۔ (کبیر)

۵ یعنی انھیں امن دینے سے بری الذمہ اور دست بردار ہیں۔
الی الناس۔ یعنی عام خلقت کے سامنے جس میں کافر، مومن، معاہد، غیر معاہد سب آ گئے۔

الناس ھنا جمیع الخلق۔ (قرطبی)

من المشرکین۔ مشرکین سے یہاں آیت میں مراد وہی مشرکین ہیں جو نقضِ عہد کے مرتکب ہو چکے ہیں۔
یوم الحج الاکبر۔ حجِ اکبر حج ہی کو کہتے ہیں، کوئی مخصوص قسم کا حج مراد نہیں، اکبر کا لفظ صرف، حجِ اصغر یا عمرہ سے تقابل و امتیاز کے لئے ہے۔

ھذا ھو الحج الاکبر لان العمرة تسمی الحج الاصغر (کبیر) قال مجاھد الحج الاکبر القران والحج الاصغر العمرة (ابن العربی) قال القاضی اذا نظرنا فی ھذہ الاقوال فالمنقح منھا ان الحج الاکبر الحج کما قال مجاھد۔ (ابن العربی)

اور امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ دونوں اسی کے قائل ہوئے ہیں۔
یہاں مراد سنہ ۹ ہجری کا یوم الحج ہے، اور یوم الحج کی اصطلاح ۹ ذی الحجہ (یوم عرفہ) کے لئے ہے، ۱۰ ذی الحجہ کو یوم النحر کہتے ہیں

فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ

پھر بھی اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے حق میں بہتر ہے ۶؎ اور اگر تم روگردانی کئے رہے تو جانے رہو کہ تم اللہ کو عاجز

مُعْجِزِي اللّٰهِ ۗ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ

نہیں کر سکتے ۷؎ اور کافروں کو عذابِ دردناک کی خوش خبری سنا دیجئے ۸؎ مگر ہاں وہ مشرکین اس سے

عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا

مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے عہد لیا پھر انھوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی

عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۴﴾

سو ان کا معاہدہ ان کی مدت (مقررہ) تک پورا کرو ۹؎ بے شک اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے ۱۰؎

ثبت الحج فی الیوم التاسع من ذی الحجۃ وھو یوم عرفۃ والنحر الیوم العاشر منہ (جصاص) قال ابن عباس فی روایۃ عکرمۃ انہ یوم عرفۃ وھو قول عمر وسعید بن المسیب وابن الزبیر وعطاو طاؤس ومجاھد والمدی الروایتین عن علی (کبیر) قیل یوم عرفۃ روی عن عمر وعثمان وابن عباس وطاؤس ومجاھد وھو مذھب ابی حنیفۃؒ وبہ قال الشافعیؒ (قرطبی)

لیکن دوسری روایتیں یوم النحر یا ۱۰ ار ذی الحجہ کی بابت بھی ہیں۔

یہ اعلان رسول اللہؐ کی طرف سے حضرت علیؓ نے تمام قبائلِ عرب کے روبرو یوم النحر کو حج ۹ھ ہجری میں کر دیا تھا، امیر الحج اس سال رسول اللہ صلعم نے اپنے بجائے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مقرر کیا تھا۔

ابن ہشام اور سیرت کی دوسری کتابوں میں یہ ذکر تفصیل سے موجود ہے۔

اذان من اللہ ورسولہ — ان اللہ بری من المشرکین ورسولہ } معاہدہ کے فسخ کرنے کا اختیار تو امت کو حاصل رہتا ہے، لیکن اس خاص موقع پر اس کا فسخ کرنا واجب ہو گیا تھا، یہی وجہ ہے کہ یہاں اس کا انتساب مسلمانوں کی جانب نہیں، بلکہ خود اللہ اور رسول کی جانب کیا جا رہا ہے۔

۶؎ یعنی تمہاری عہد شکنی معاف کر دی جائے گی اور دنیوی عقوبت سے بچ جاؤ گے اور نجاتِ اخروی تو توبہ کرنے اور ایمان لے آنے کے بعد ظاہر ہی ہے۔

فان تبتم۔ یعنی اگر اپنے عقائدِ کفر و شرک سے اب بھی توبہ کر لو۔

ای عن الشرک (قرطبی)

۷؎ (کہ اس کے قبضۂ قدرت سے کہیں نکل بھاگو۔)

فانہ محیط بکم ومنزل عقابہ علیکم (قرطبی)

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ

سو جب حرمت والے مہینے گزر لیں اُس وقت ان مشرکوں کو قتل کرو جہاں کہیں تم انھیں پاؤ انھیں پکڑو

وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا

باندھو اور ہر گھات کے موقع پر ان کی تاک میں بیٹھو ١١ پھر اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز

الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو اُن کا راستہ چھوڑ دو، بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے

۸ اس عذاب سے مراد عذاب آخرت ہے۔

بشارت۔ کا استعمال ظاہر ہے کہ محلِّ طنز پر ہے۔

۹ اور اپنی طرف سے ذرا عہد شکنی نہ ہونے دو۔

لم ینقصو کم شیئا۔ یعنی اپنی طرف سے اس عہد کے نباہنے اور پورا کرنے میں کچھ بھی کمی نہیں کی۔

ولم یظاھروا علیکم احدا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاہد جب مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں کی اعانت کرنے لگے تو وہ ناقضِ عہد ہو گیا۔

یدل علی ان المعاھد متی عاون علینا عدوّا لنا فقد نقض عہدہ (جصاص)

۱۰ (اور اسی تقویٰ و پرہیزگاری کی ایک فرد ایفائے عہد بھی ہے)

جنگ ہو یا صلح، اسلام بہرحال اخلاقی پابندیوں کے توڑ دینے کا روادار نہیں، عین عتاب وعقاب کے سیاق میں تقویٰ اور اخلاقِ صالح پر زور دینا قرآن مجید ہی کا حصہ ہے۔

۱۱ غرض یہ کہ جنگ میں جو کچھ ہوتا اور کرنا پڑتا ہے اس کی عام اجازت ہے' واقعدوا سے اس کے لفظی معنی مراد نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ غنیم کی فکر میں لگے رہو اور یہی صورت واحصروھم کے لئے ہے۔

لیس معناہ حقیقۃ القعود بل المراد ترقبھم وترصدھم (روح) واحصروھم ای امنعوھم عن الخروج اذا تحصنوا منکم بحصن۔ (روح۔ عن ابن عباس)

الاشھر الحرم۔ مراد وہی اربعۃ اشھر ہیں جن پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا۔

المشرکین۔ عام مشرکین مراد نہیں، بلکہ وہی محارب، عہد شکن مشرکین مراد ہیں جنھوں نے اُلٹے دشمنوں کی مدد کرکے مسلمانوں سے غدّاری کی۔

تبین ان المراد بالآیۃ اقتلوا المشرکین الذین یحاربونکم (ابن العربی) ای المشرکین الناکثین (بیضاوی) الذین نقضوکم وظاھروا علیکم۔ (مدارک)

حیث وجدتموھم۔ یعنی خواہ وہ حرم ہی میں ہوں۔

وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ

اور اگر مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ کا طالب ہو تو اُسے پناہ دیجئے تاکہ وہ کلامِ الٰہی سن سکے پھر

ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ ع

اُسے اُس کی امن کی جگہ پہونچا دیجئے، یہ (حکمِ مہلت) اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو پوری خبر نہیں رکھتے[۱۳]

من حل او حرم (مدارک) عام فی کل موضع وخص ابو حنیفۃ المسجد الحرام (قرطبی)

وخذوھم۔ یہ گرفتاری اس غرض سے ہوگی کہ یا انھیں قتل کیا جائے، یا بہ معاوضہ یا بلا معاوضہ حسب رائے امام چھوڑ دیا جائے

الاخذ ھو الاسر والاسر انما یکون للقتل او الفداء او لمن علی ما یراہ الامام (قرطبی)

۱۲ (چنانچہ انھیں صفاتِ غفر و رحمت کے تقاضے سے ایسے ایسے مجرموں کی بھی معافی کا حکم دے دیا، اور ان کی جان بچالی۔)

فان تابوا۔ یہ توبہ عقائدِ کفر و شرک سے ہونی چاہیئے۔

ای عن الکفر (مدارک) ای من الشرک (قرطبی)

واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ۔ بجنسہٖ یہی دو عمل مراد نہیں، یہ دونوں عمل تو بطور نمونہ کے ہیں، مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے سے کام کرنے لگیں، فقہائے مفسرین نے یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ قتل سے بچنے کے لئے واقعۃً نماز کا پڑھنا (جو واجب اپنے وقت ہی پر ہوگی) اور زکوٰۃ دینا (جس کی ادائی واجب سال بھر گزرنے ہی پر ہوگی) ضروری نہیں، ضروری صرف ان اعمال کے وجوب کا اعتقاد ہے۔

لاخلاف انھم لو قبلوا امر اللہ فی فعل الصلوٰۃ والزکوٰۃ ولم یکن الوقت وقت صلوٰۃ انھم مسلمون وان دماءھم محظورۃ فعلمنا ان شرط زوال القتل عنھم ھو قبول اوامر اللہ والاعتراف بلزومھا دون فعل الصلوٰۃ والزکوٰۃ (جصاص) اکتفی بذکرھما لکونھما الرئیسین للعبادات البدنیۃ والمالیۃ (روح)

فخلوا سبیلھم۔ چنانچہ اب ان کے لئے حکم قید و قتل وغیرہ کا نہ رہے گا۔

فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ جزیہ نہ لینا کفارِ عرب کے ساتھ مخصوص تھا، اسی لئے یہ عدمِ اخذ و حصر اور تخلیۂ سبیل کا حکم انھیں کے ساتھ مخصوص ہے۔ باقی عام کفار و مشرکین کے لئے بعد جہاد غلامی میں آجانے کا مسئلہ اپنی جگہ ثابت و مسلّم ہے۔

۱۳ (بس انھیں پوری واقفیت حاصل کرنے کا موقع دیا جائے)

اس علّیت نے یہ صاف کر دیا کہ مدارِ حکم مخاطب کی اس بے خبری پر ہے۔ باقی جہاں اسلام کا پیام عام ہو چکا ہو، اور بے خبری اور لاعلمی کا کوئی قرینہ نہ ہو، وہاں یہ وجوب بھی باقی نہ رہے گا۔

من المشرکین۔ یعنی انھیں واجب القتل مشرکین میں سے۔

ای من الذین امرتک بقتالھم (قرطبی)

كَيۡفَ يَكُوۡنُ لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ عَهۡدٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَعِنۡدَ رَسُوۡلِهٖۤ

(ایسے عہد شکن) مشرکوں کا عہد کیسے اللہ اور اس کے رسول کے ذمہ واجب رہے گا، مگر ہاں جن لوگوں سے

اِلَّا الَّذِيۡنَ عٰهَدۡتُّمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ‌ۚ فَمَا اسۡتَقَامُوۡا

تم نے عہد لیا مسجدِ حرام کے نزدیک ۱۴ سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھے رہیں

لَكُمۡ فَاسۡتَقِيۡمُوۡا لَهُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ ۝۷

تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو، بے شک اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے ۱۵

حتّٰی کو یہاں بجائے "یہاں تک" کے "تاکہ" کے معنی میں لینا، اور تعلیلیہ قرار دینا بہتر ہوگا۔

حتّٰی للتعلیل (روح) یصح ان تکون للتعلیل (بحر)

یسمع۔ سماع سے یہاں مراد محض سماعِ آواز نہیں، بلکہ فہم وتدبر کے ساتھ سوچنا سمجھنا مراد ہے۔

وقد یراد بالسماع الفھم (بحر) ویتدبرہ (مدارک) لیس یرید مجرد الاصغاء فیحصل العلم لہ بظاھر القول وانما اراد بہ فھم المقصود من دلالتہ علی النبوۃ (ابن العربی) ای یفھم احکامہ واوامرہ ونواھیہ (قرطبی)

کلام اللہ۔ علاوہ قرآن مجید کے تمام دلائل دینِ حق کے اسی حکم میں آجاتے ہیں۔

کان علینا اقامۃ الحجۃ وبیان توحید اللہ وصحۃ نبوۃ النبی صلعم (جصاص) ویطلع علی حقیقۃ الامر (مدارک)

ثم ابلغہ مامنہ۔ فقہاء مفسرین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ حربی امن گزیں کو چھیڑا یا ستایا نہ جائے بلکہ اس کی حفاظت اپنے ذمہ لی جائے۔

فیہ دلیل علی ان المستامن لا یؤذی (مدارک) یدل علی ان علی الامام حفظ ھذا الحربی المستجیر وحیاطتہ ومنع الناس من تناولہ بشر۔ (جصاص)

ذمیوں کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اسی آیت سے نکالی گئی ہے۔

وفی ھذا دلیل ایضًا علی ان علی الامام حفظ اھل الذمۃ والمنع من اذیتھم والتخطی الی ظلمھم۔ (جصاص)

یہیں سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ کافر حربی کا دار الاسلام میں زیادہ عرصہ تک ٹھہرنا ٹھیک نہیں — اسے چاہئے کہ بس ضرورت بھر قیام کرے اور چلا جائے۔

وفیہ الدلالۃ علی انہ لا یجوز اقرار الحربی فی دار الاسلام مدۃ طویلۃ وانہ لا یترک فیھا الا بمقدار قضاء حاجتہ (جصاص)

یہ حکم بھی فقہاء نے یہیں سے نکالا ہے کہ جو کوئی دین کے مسائل ہم سے دریافت کرنا چاہے تو ہم پر اس کا بتانا واجب ہے۔

وفیہ الدلالۃ ایضًا علی ان علینا تعلیم کل من التمس منا تعریفہ شیئًا من امور الدین (جصاص)

۱۴ (اور ان سے اُمید ہے کہ وہ عہد کو قائم رکھیں گے)

كَيْفَ وَإِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ

کیسے (ان عہد شکنوں کا عہد قابلِ رعایت رہے گا) جب کہ یہ حال ہے کہ اگر وہ کہیں تم پر غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارہ میں

يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸﴾

نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول و قرار کا انھیں پر چاہتے ہیں (صرف) اپنی زبانی باتوں سے اور ان کے دل انکار کئے جاتے ہیں اور زیادہ تر ان میں کے بدعملے

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ

ہی ہیں ۔ انھوں نے آیاتِ الٰہی کے معاوضہ میں بضاعت قلیل کو خرید لیا ہے سو یہ لوگ (اللہ) کے راستہ سے ہٹے ہوئے

سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹﴾ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ

ہیں، بیشک بہت برا ہے جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں۔ کسی مومن کے باب میں یہ لوگ نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول و قرار کا

المشرکین سے مراد یہاں بھی وہی عہد شکن مشرکین ہیں، جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے۔

المراد من المشرکین الناکثون (روح)

کیف۔ یہاں استفہام کے معنی میں نہیں، استنکار کے معنی میں ہے اور اظہارِ تعجب کے لئے ہے۔

استفہام یعنی الانکار والاستبعاد (کشاف وبیضاوی) کیف ھنا للتعجب کما تقول کیف یسبقنی فلان

ای لا ینبغی ان یسبقنی (قرطبی)

۱۵ (اور تقوےٰ ہی کی ایک اعلیٰ فرد یہ ہے کہ ہر ترغیب اور موقع کے باوجود انسان اپنے عہد پر قائم رہے)

مصالحِ جنگ و ضروریاتِ جنگ کی آڑ پکڑ کر انسان کا نفس معاہدہ شکنی پر کس درجہ آمادہ و مستعد رہتا ہے

اللہ کا کلام احکامِ جنگ کے بیچ بیچ تقوےٰ اور اخلاقِ صالح پر زور بھی اسی مناسبت سے دیتا جاتا ہے۔

فما استقاموا لکم۔ یعنی تمہارے مقابلہ میں اپنا عہد نہ توڑیں۔

ولم یظہر منہم نکث ای قد اقاموا علی وفاء العہد (مدارک)

فاستقیموا لہم۔ یعنی اپنی طرف سے اُن کی مدتِ عہد پوری کرو۔

۱۶ (اور فسق و بدعملی کی ایک فرد عہد شکنی ہے)

گویا ان مشرک جاہلوں کی ذہنیت بھی آج کل کی مہذب فرنگی قوموں کی سی تھی کہ آپس کے معاہدوں

میں لحاظ صرف وقتی مصلحت جوئی کا رہے۔

الًّا۔ ال کے معنی قرابت اور عزیز داری کے ہیں۔

الال علی ما روی عن ابن عباس الرحم والقرابۃ والی ذالک ذہب الضحاک (روح)

فاسقون۔ فاسق تو ہر کافر ہوتا ہی ہے، یہاں مقصود اُن کی بداعمالی خصوصاً عہد شکنی کو نمایاں کرنا ہے

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ⑩ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ

اور یہ لوگ ہٹی ہیں زیادتی کرنے والے ۱۸ لیکن اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہوجائیں اور زکوٰۃ دینے لگیں

فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑪

تو وہ تمہارے بھائی ہوجائیں گے دین میں ۱۹ اور ہم آیتوں کو علم والوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں ۲۰

ای ناقضون العهد وکل کافر فاسق ولکنه اراد ههنا المجاهرين بالقبائح ونقض العهد (قرطبی)

ای خارجون من قیود العهود والمواثیق متجاوزون لحد ود الصدق والوفاء اکثرهم الناکثون الناقضون لعهودهم واقله الموفون هم الذين استثناهم الله تعالیٰ (المنار)

۱۷ یعنی انھوں نے احکام الٰہی کی لازوال نعمت کے بجائے حاصل کیا تو کیا، اس دنیائے فانی کی تھوڑی سی متاع ناپائدار! یہاں ان کی بدعہدی کی اصلی لم بتادی کہ آخرت کا اعتقاد تو ان کو ہے نہیں، اور آخرت کی کوئی ذمہ داری یہ اپنے دل میں نہیں پاتے۔!

۱۸ (اور اس لئے ہرگز قابلِ اعتماد نہیں)

لا یرقبون۔ آلخ کی تکرار تاکید کے لئے ہے، مواخذۂ اخروی اور دینی ذمہ داری سے اتر کر ایک چیز شرافت بھی ہے جس کے جوہر بلاقیدِ ملت ہر قوم میں پائے جاتے ہیں، اور اس کا تقاضہ ہے کہ انسان قرابت اور اپنے قول اقرار کا پاس بہرحال کرتا ہے، یہ ننگِ انسانیت معاندینِ اسلام اس جوہر سے بھی محروم تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سرے سے تکرار ہی نہیں، اس لئے کہ پہلی بار اس کا ذکر سارے مشرکوں کے سلسلہ میں آیا ہے، اور دوبارہ یہود کے سلسلہ میں۔

قال النحاس ليس هذا تكريرا ولكن الاول لجميع المشركين والثانی لليهود خاصة (قرطبی)

۱۹ یعنی اگر یہ لوگ عقائدِ کفر و شرک سے اپنی تبری کا اظہار کردیں، اور مسلمانوں کے سے کام کرنے لگیں تو اعتبار ان کے ظاہر کا لیا جائے گا، اور دل میں ان کے جو کچھ بھی ہو، بہرحال یہ اسلامی برادری کے جزو سمجھے جائیں گے اور معاملہ ان کے ساتھ مسلمانوں ہی کا سا کیا جائے گا، اور اب ان کے پچھلے جرائم، عہد شکنی وغیرہ پر نظر نہیں کی جائے گی۔

يدل على من اظهر لنا الايمان واقام الصلوٰة واٰتی الزكوٰة فعلينا موالاته فی الدين على ظاهر امره مع وجود ان يكون اعتقاده فی المغيب على خلافه (جصاص)

فان تابوا۔ یعنی اپنے کفر سے توبہ کریں اور احکامِ اسلام پر قائم ہوجائیں۔

ای عن الكفر (مدارك) مماهم عليه من الكفر وسائر العظام لنقض العهد وغيره (روح) ای من الشرك والتزموا احكام الاسلام (قرطبی)

واقاموا الصلوٰة واٰتوا الزكوٰة۔ یعنی عباداتِ جسمی و مالی میں سے یہ دو اعمالِ ظاہری مسلمانوں کے سے بجالائیں، یا ان کی فرضیت کا اقرار کریں۔

فاخوانكم فی الدين۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ اسلامی برادری میں شمول کے لئے، اور امت کا ایک رکن

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ

اور اگر یہ لوگ اپنی قسموں کو اپنے عہد کے بعد توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو تم قتال کرو (ان)

فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾

پیشوایانِ کفر سے کہ (اس صورت میں) ان کی قسمیں باقی نہیں رہیں تاکہ یہ لوگ باز آجائیں ۲۱ؔ

بن جانے کے لئے بس یہی تین چیزیں کافی ہیں، اس سے زائد مطالبہ کو جزوِ امت بنانے کے لئے کرنا محض تعمق و تشدد ہے۔

والآیۃ تقید دلالۃ اقامۃ الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ علی الاسلام وتوجب لمن یودیہما حقوق المسلمین من حفظ دمہ ومالہ الا بما یوجبہ علیہ شرعہ من جنایۃ تقتضی حدًا معلومًا (المنار)

فی الدین نے اسے بھی صاف کر دیا کہ یہ اخوت وہم مسلکی دین کے لحاظ سے ہوگی، فقہاء نے جو بحث کفو کی کی ہے، اس کا تعلق تمام تر نسب سے ہے نہ کہ دینی اخوت سے۔

ای لا فی النسب (مدارک)

اور اسی آیت سے اہلِ قبلہ کی حرمتِ قتل کا بھی استنباط کیا گیا ہے، بلکہ یہ قول عبداللہ بن عباسؓ صحابی سے بھی منقول ہے اور ایسی ہی روایتیں بعض اور اکابر سے بھی آئی ہیں۔

وبہا استدل علی تحریم دماء اہل القبلۃ وروی ذالک عن ابن عباسؓ جاء فی روایۃ ابن جریر وابی الشیخ عنہ انہا حرمت قتال او دماء اہل الصلوٰۃ والمال واحد۔ (روح)

۲۰ؔ (کہ وہ سوچیں سمجھیں، غور و تدبّر سے کام لیں)

ای یفہمون فیتفکرون فیہا (مدارک)

۲۱ؔ (اپنے عقائد کفریہ سے)

وان نکثوا ایمانہم بعد عہدہم۔ یعنی یہ عہد شکنی کر کر کے بجائے ایمان لانے کے کفر پر قائم رہیں۔

وطعنوا فی دینکم۔ یہ علامت مزید ان کے کفر و عناد کی ملی۔

طعن کے لغوی معنی نیزہ مارنے کے ہیں، طعن کا اطلاق سنجیدہ، علمی، عقلی اختلاف رائے و عقیدہ پر نہیں ہوتا، طعن کہتے ہی ہیں اس بات کو جو دل کو چھید دے، زخمی کر دے۔

طعن فی الدین سے مقصود تحقیق کسی درجہ میں بھی نہیں ہوتی، بلکہ دین کی توہین، اور اہلِ دین کی دل آزاری — ایسی زبان درازی اس روشن خیال بیسویں صدی میں بھی ہر قانون میں جرم ہے۔

ذمی جس وقت دینِ اسلام پر زبانِ طعن دراز کرتا ہے معاہدۂ امن سے نکل جاتا ہے تو اس کا قتل جائز ہو جاتا ہے۔

اذا طعن الذمی فی دین الاسلام طعنًا ظاہرًا جاز قتلہ لان العہد معقود معہ علی ان لا یطعن فاذا طعن فقد نکث عہدہ وخرج من الذمۃ (مدارک)

قاتلوا ائمۃ الکفر۔ یہ سرداروں کے قتل کا حکم عوام کے قتل کی نفی نہیں ہے، سرداروں کی تصریح

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ

تم ایسے لوگوں سے کیوں قتال نہیں کرتے جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کے جلاوطن کرنے کی ٹھان لی

وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ

اور انھوں نے تمھارے مقابلہ میں اول خود ہی ابتدا کی پہل کی ۲۲ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اللہ حقدار ہے اس کا کہ

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ

اس سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو ۲۳ ان سے لڑو اللہ انھیں تمھارے ہاتھ سے سزا دے گا اور انھیں رسوا

وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾

کرے گا اور تمھیں ان پر غلبہ دے گا اور مسلمان لوگوں کے کلیجوں کو ٹھنڈا کرے گا ۲۴

اہتمام وخصوصیت وتاکید کے لئے ہے، ان کے قتل سے عوام خود بخود منتشر یا مطیع ومنقاد ہونے لگیں گے۔

ای قاتلوا الکفار (بحر) وخص الائمۃ بالذکر لانھم ھم الذی یحرضون الاتباع علی البقاء علی الکفر (بحر) تخصیصھم بالذکر لان قتلھم اھم لا انہ لا یقتل غیرھم (روح)

سرداران قریش نے معاہدہ کے خلاف بنی خزاعہ کے مقابلہ میں بنی بکر کو مدد دی تھی آیت میں اشارہ اسی جانب ہے۔

طعن فی الدین کے سلسلہ میں توریت کا حکم ملاحظہ ہو:۔

"اور وہ جو خداوند کے نام پر کفر بکے گا جان سے مارا جائے گا، ساری جماعت اُسے سنگسار کرے گی خواہ وہ مسافر ہو خواہ دیسی ہو، جب اُس نے اُس کے نام پر کفر کیا، تو وہ جان سے ضرور مارا جائے گا۔" (احبار۔ ۲۴: ۱۶)

آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ معاہد جب معاہدہ کی کسی دفعہ کی بھی خلاف ورزی کرے یا دین پر طعن کرے تو وہ ناقضِ عہد ہو جائے گا۔

فیہ دلالۃ علی ان اھل العھد متی خالفوا شیئا مما عوھدوا علیہ وطعنوا فی دیننا فقد نقضوا العھد (جصاص)

۲۲ وہ یوں کہ تمھاری طرف سے وفاء عہد میں کوئی کمی نہیں ہوئی، اور انھوں نے خود ہی چھیڑ نکالی۔

۲۳ ایمان والوں کو انھیں کے ایمان کی غیرت اور واسطہ دلایا ہے کہ مردود کافروں سے ڈرنا ہی کیا، ڈرنے کے قابل تو بس اللہ ہی ہے جو ہر طرح کی قوت واختیار رکھتا ہے۔

اتخشونھم۔ کیا تم ان سے اس لئے ڈرتے ہو کہ وہ سامان اور جمعیت زیادہ رکھتے ہیں؟ ڈر ایسے موقع پر ایک حد تک امرِ طبعی ہے، اور اس کا علاج ایمان باللہ کی تثبیت وتقویت ہے۔

۲۴ (کافروں کی ہزیمت اور تمھاری نصرت سے)

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ ۗ

اور ان کے دلوں سے جھنجھلاہٹ کو دور کرے گا ۲۵ اور اللہ توجس پر چاہے گا رحمت کے ساتھ توجہ کرے گا

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٥﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ

اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ۲۶ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے

اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِن دُونِ اللَّهِ

(ظاہری طور پر) ان لوگوں کو تم میں سے جانا ہی نہیں جنھوں نے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنین

وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ ع

کے سوا کسی کو گہرا دوست نہ بنایا، اور اللہ کو خبر ہے اس (سب) کی خبر ہے جو تم کرتے رہتے ہو ۲۷

ع ۲ / ۸

"صدور" کا ترجمہ بجائے سینوں یا دلوں کے "کلیجوں" سے اُردو محاورہ کی رعایت سے کیا گیا ہے۔

یعذبھم اللہ بایدیکم۔ سنّتِ الٰہی یہ ہے کہ اعداءِ دین کو دنیا میں سزا خادمانِ دین کے ہاتھوں سے دلائی جاتی ہے، اور یہ اللہ والے انسان عذابِ الٰہی کے واسطہ یا آلہ کا کام دیتے ہیں۔

ویشف صدور قوم مومنین۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعداءِ دین کی مغلوبیت سے خوش ہونا ایک کیفیتِ طبعی ہے اور یہ کیفیت محمود ہے۔

۲۵ یہ ذکر ایسے مسلمانوں کا ہے جو خود مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے اور کافروں کے غلبہ پر دل ہی دل میں کڑھا کرتے مرشد تھانوی نے فرمایا کہ امورِ طبعی کاملین میں بھی رہتے ہیں، چنانچہ یہاں صحابہ میں غیظ کا ذکر موجود ہے۔ بلکہ آیت سے تو ایسا نکلتا ہے کہ عقائد میں دین کے معاملہ میں غیظ رکھنا عین سنّتِ عام ہے۔

۲۶ چنانچہ اُس علیم نے اپنے علم کامل سے سب کا حال جان لیا اور اُس حکیم نے اپنی حکمتِ کاملہ سے سب کے مناسبِ حال احکام جاری فرما دیے۔

یتوب اللہ علیٰ من یشآء۔ یعنی اپنی مشیتِ تکوینی کے ماتحت جس کو چاہے گا ایمان کی توفیق دے گا۔

۲۷ (اور اسی کے مطابق سب کو جزا و سزا ملے گی)

ان تترکوا۔ یعنی کیا مومنین صادقین یوں ہی بلا امتحان و آزمائش چھوڑ دیے جائیں گے؟

ولما.... ولیجۃ۔ یعنی اصل امتحان کا موقع تو اب آیا ہے، جب اپنے عزیزوں قریبوں سے قتال کرنا ہوگا، اور اللہ اور اسلام کی خاطر اپنے ہر تعلق، ہر محبت کو قربان کرنا پڑے گا۔

لما یعلم اللہ۔ اللہ تعالےٰ کا علمِ ذاتی حقیقی اور ازلی ہے لیکن معلومات جب تک حدوث میں نہ آئیں علمِ الٰہی کا تعلقِ فعلی ان سے پیدا نہیں ہوتا، اسی حقیقت کو یہاں لما یعلم اللہ سے تعبیر کیا ہے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

مشرکین اس لائق ہی نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں درآنحالیکہ وہ خود اپنے اوپر کفر کی گواہی دے رہے

بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾

ہوں ۲۸ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے (سب) اعمال اکارت جاچکے اور دوزخ میں ہی (ہمیشہ) پڑے رہیں گے ۲۹

ولا المومنین ولیجۃ۔ اس سے فقہاء نے حجیتِ اجماع اور اتباعِ مومنین کا استنباط کیا ہے۔

یقتضی لزوم اتباع المومنین وترک العدول عنھم کما یلزم اتباع النبی صلعم وفیہ دلیل علی لزوم حجۃ الاجماع۔ (جصاص)

۲۸ یعنی ایسے عقائد کا اقرار کررہے ہوں جو داخلِ کفر ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ مشرکین میں اپنے عقائدِ شرکیہ کے ساتھ عمل آبادی مساجد کی اہلیت ہی مفقود ہے، یہ اگر آبادی مساجد کریں بھی تو اس سے انھیں کیا نفع حاصل ہوگا؟

ما کان للمشرکین۔ یعنی اگر وہ ایسا کرنا ہی چاہیں تو اس کے لائق ہی نہیں، انھیں اس سے روکا جائے گا۔

ای لاینبغی لھم ولایلیق وان وقع (روح) ماینبغی للمشرکین باللہ ان یعمروا مساجد اللہ التی بنیت علی اسمہ وحدہ لاشریک لہ (ابن کثیر) ماینبغی للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ اوجب علی المسلمین منعھم من ذلک لان المساجد تعمر لعبادۃ اللہ وحدہ (معالم)

ان یعمروا۔ عمارت عربی محاورہ میں ضد ہے ویرانگی کی، سو عمارت کے تحت میں مسجدوں کا آباد کرنا، ان میں داخل ہونا، ان کی تعمیر کرنا، ان کی خدمت کرنا سب کچھ آگیا۔

عمارۃ المسجد تکون بمعنیین احدھما زیارتہ والکون فیہ والآخر بنیانہ وتجدید ما استرم منہ۔ (جصاص)

بعض نے عمارۃ سے مراد تعمیر معروف یعنی مسجد کی بنا اور اُس کی مرمت وغیرہ مُراد لی ہے اور کافر کو اس سے روکا ہے چنانچہ وہ اگر اس کی وصیت کرجائے تو اس کی بھی تعمیل نہ ہوگی۔

ذھب جماعۃ الی ان المراد من العمارۃ المعروفۃ من بناء المسجد ومرمتہ عند الخراب فیمنع منہ الکافر حتی لو اوصی بہ لایمتثل (معالم)

بعض نے مسجد میں داخلہ اور نشست و برخاست مراد لی ہے۔

وحمل بعضھم العمارۃ ھھنا علی دخول المسجد والمقصود فیہ (معالم)

مسٰجد اللہ۔ اس عموم میں مسجد الحرام (حرم شریف) بھی آگئی۔

فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ کوئی کافر کسی مسجد کا متولی یا بانی و خادم ہونے کے لائق نہیں۔

فاقتضت الآیۃ منع الکفار من دخول المساجد ومن بنائھا وتولی مصالحھا والقیام بھا (جصاص)

البتہ جہاں تک مسجد بنانے کا تعلق ہے فقہاء کے ہاں یہ صراحت ملتی ہے کہ اگر اس کافر کے ہاں خود اس کے مذہب کی رو سے تعمیرِ مسجد میں اجر ہے اور اسے تعمیرِ مسجد کی اجازت دینا کسی مصلحت اسلامی کے خلاف بھی نہیں تو اجازت دے دی جائے گی۔

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ

اللہ کی مسجدوں کا آباد کرنا تو بس ان لوگوں کا کام ہے جو ایمان رکھتے ہوں اللہ اور روزِ آخرت پر اور پابندی کرتے

وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا

ہوں نماز کی اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہوں اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈریں ایسے لوگ اُمید ہے کہ راہ یاب

مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ

ہو جائیں ۳۰ کیا تم نے حاجیوں کے پانی پلانے اور مسجدِ حرام کے آباد رکھنے کو (برابر)

الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

قرار دے لیا ہے، اس شخص (کے عمل) کے جو ایمان رکھتا ہے اللہ اور آخرت پر اور اس نے جہاد بھی اللہ کی راہ میں کیا۔

۲۹ (کہ یہ خلود وعذاب سزائے موعود ہے کفر کی)

اولئك حبطت اعمالهم یعنی ایمان جو قبولِ اعمال کی بنیاد ہے وہی ان کے ہاں منہدم ہے، اور اس لئے اُن کے وہ سارے ہی اعمال جو صورتِ خیر لئے ہوئے ہیں، بے وزن رہیں گے۔

ای بطلت وفسدت حتی لم یبق لها ادنی تاثیر فی صلاح انفسهم مع الشرك والكفر ومفاسدهما (المنار)

وفی النار هم خلدون۔ آیت کے صیغۂ حصر سے متکلمین نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ خلودِ عذاب سزا صرف کافروں کی ہے نہ کہ گنہگار مسلمانوں کی یعنی دوزخ میں صرف وہی (کافر) پڑے رہیں گے نہ کہ کوئی اور۔

واحتج اصحابنا بهذه الاية علی ان الفاسق من اهل الصلوة لا یبقی مخلدًا فی النار۔ (کبیر)

۳۰ (اور اپنے مقصود کو پہونچ جائیں، جو نجات اور جنت ہے۔)

ای الی الجنة وما اعد الله تعالی فیها العبادة (روح)

عسیٰ۔ کلمۂ رجا ہے یعنی ایسوں کے لئے یہ اُمید ضرور لگائی جاسکتی ہے کہ وہ راہ یاب ہو کر رہیں گے۔

کلمة عسیٰ تفید الرجاء دون القطع وقال الواحدی وغیره انها للتقریب والاطماع ثم استعملت بمعنی لعل ای للرجاء (المنار)

من امن بالله واليوم الاخر۔ یہ بیان ہوا اُن کے بنیادی عقائد کا۔

واقام .... الله۔ یہ بیان ہوا اُن کے اعمال واحوال کا۔

عسیٰ کے لئے اوپر کئی بار آچکا ہے کہ جب یہ وعدۂ الٰہی کے سیاق میں آتا ہے، تو اس میں معنی یقین کے پیدا ہو جاتے ہیں، اور درجۂ احتمال باقی نہیں رہتا۔

عسیٰ من الله واجب (معالم) وعسیٰ من الله واجبة عن ابن عباس وغیرهما (قرطبی)

لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ

یہ لوگ برابر نہیں (ہو سکتے) اللہ کے نزدیک، اور اللہ راہ نہیں دکھاتا ظالم لوگوں کو ۳۱ اور جو لوگ

اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ

ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد اپنے مال اور اپنی جان سے کیا، وہ درجہ میں

اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿۲۰﴾

بہت بڑے ہیں اللہ کے نزدیک اور یہی لوگ (پورے) کامیاب ہیں ۳۲

ولم یخش الا اللہ۔ محققین نے یہاں یہ قید لگادی ہے کہ دین کے باب میں بجز اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے۔ ایذا پہنچانے والی چیزوں سے ڈرنا ایک امر طبعی ہے، اُن میں بھی کسی سے نہیں ڈرتے جیسا کہ عوام اور ناقص قسم کے مشائخ نے سمجھ رکھا ہے۔

ای فی ابواب الدین فان الخشیۃ عن المحاذیر جبلیۃ لایکاد العاقل یتمالک عنہا (بیضاوی) واما الخوف الجبلی من الامور المخلوقۃ فلیس من ھٰذا الباب ولا ھو مما یدخل تحت التکلیف (روح) المراد من ھٰذہ الخشیۃ الخوف والتقوٰی فی باب الدین وان لایختار علٰی رضا اللہ رضا غیرہ (کبیر)

انما یعمر مسٰجد اللہ۔ بعض اکابر سلف نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جن لوگوں کو مساجد میں آباد ہوتے دیکھو اُن سے حسنِ ظن رکھنا لازم ہے۔

وقد قال بعض السلف اذا رأیتم الرجل یعمر المسجد فحسنوا بہ الظن (قرطبی)

اور جامع ترمذی میں یہ حدیث نبوی ابو سعید الخدریؓ صحابی کی روایت سے موجود ہے کہ:۔

اذا رأیتم الرجل یعتاد المسجد فاشھدوا لہ بالایمان۔	جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ مسجد کو لازم پکڑے ہوئے ہے تو اس کے ایمان کے گواہ ہو جاؤ۔

۳۱ یعنی جو لوگ اپنے حق میں ظلم کرتے رہتے، اور غلط راستے پر چلتے رہتے ہیں اور دعوتِ حق کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے اُنھیں ہدایت نصیب نہیں ہوتی اور وہ محروم ہی رہ جاتے ہیں۔

جس طرح عمل عمل برابر نہیں ہوتے اسی طرح عامل عامل بھی برابر نہیں ہوسکتے، کہاں ایمانِ صحیح و کامل اور جہاد فی سبیل اللہ اور کہاں بلا اعتقادِ صحیح محض سقایۂ حجاج و خدمتِ حرم! کہاں مومنِ کامل و مجاہد، اور کہاں غیر مومن ساقیِ حجاج! سقایۃ الحاج۔ کعبہ چونکہ مشرکین کے نزدیک بھی صدیوں سے مقدس چلا آتا تھا، اس کی خدمت اور اس کے زائروں کی خدمت سردارانِ قریش نے باوجود کفر و شرکِ ایامِ جاہلیت سے اپنے ذمہ تقسیم کر رکھی تھی، اور حج اپنے طریقہ پر مشرکوں کے ہاں بھی متعارف تھا، سقایت و عمارت کی خدمتیں منجملہ اُن خدمات کے تھیں، جو سردارانِ قریش میں باہم بٹی ہوئی تھیں، چھ شعبوں کے نام صراحت کے ساتھ ملتے ہیں، رفادۃ، حجابۃ، سقایۃ، قیادۃ، الندوہ اللواء، تو یہ سقایتِ حجاج کوئی مخصوص اسلامی خدمت سرے سے تھی ہی نہیں۔

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾

انھیں ان کا رب خوش خبری سناتا ہے اپنی طرف سے رحمت اور رضامندی کی اور (ایسے) باغوں کی کہ اُن کے لئے اُن میں دائمی نعمت ہوگی ۳۳؎

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

ان میں یہ ہمیشہ ہمیش کے لئے رہیں گے بے شک اللہ ہی کے پاس بڑا اجر ہے ۳۴؎ اے ایمان والو

اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ

اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ لوگ کفر سے ایمان کے مقابلہ میں

عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

محبت رکھیں۔ اور تم میں سے جو کوئی انھیں دوست رکھے گا سو ایسے ہی لوگ تو ظالم ہیں ۳۵؎

روایتوں میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباسؓ بن عبد المطلب نے اپنے زمانۂ شرک میں اور شیبہ مشرک نے حضرت علیؓ کے مقابلہ میں اپنی خدمات کعبہ و زائرین کعبہ پر فخر کیا تھا، یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی۔

کمن اٰمن باللہ۔ من اٰمن سے قبل عمل محذوف ہے۔

ای اجعلتم عمل من سقی الحاج کعمل من اٰمن (قرطبی)

بیضاوی وغیرہ نے اسی سے ملتی ہوئی اور ترکیبیں اختیار کی ہیں۔

۳۲؎ یہاں یہ بتا دیا ہے کہ اصل شے تو ایمان باللہ اور اقرار توحید ہے اور پھر جو اس پر ہجرت و جہاد کا اضافہ کرے، اُس کے مرتبہ کا کیا کہنا! خانۂ کعبہ کی عظمت جو کچھ ہے وہ مرکزِ توحید ہی ہونے کی بنا پر تو ہے ورنہ اگر وہ مرکزِ شرک ہے تو محض اُس کی عمارت اور در و دیوار میں کیا رکھا ہوا ہے۔

اعظم درجۃ عند اللہ۔ سے یہ خیال نہ گزرے کہ بلا ایمان والوں یعنی کافروں کا بھی کوئی درجہ اللہ کے ہاں ہے، مطلب یہ ہے کہ جو درجہ اپنے نزدیک انھوں نے سمجھ رکھا ہے۔

والمراد انھم قدّروا لانفسھم الدرجۃ بالعمارۃ والسقی فخاطبھم علی ما قدروہ فی انفسھم وان کان التقدیر خطأً (قرطبی)

اولئک ھم الفائزون۔ دوسری آیتوں کی طرح یہاں بھی بتا دیا کہ فوزِ کامل حاصل کرنے والوں کے لئے کوئی درجہ دنیوی جاہ و مال کا ہرگز لازمی نہیں۔

۳۳؎ اور اس خوشخبری کے سنانے کا ذریعہ بھی قرآن ہے۔

مقیم کے لفظ نے اسے صاف کر دیا کہ انعاماتِ جنت جتنے بھی ہوں گے مستقل، پائدار، دائمی ہوں گے مسافرانہ انداز کے وقتی، عارضی نہ ہوں گے۔

استعارۃ للدائم (روح) دائم (بیضاوی)

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا

وَاَمْوَالُ ٭ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ

کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے بگڑ جانے سے تم ڈر رہے ہو اور وہ گھر جنھیں تم پسند

تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ

کرتے ہو (یہ سب) تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوں تو

فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ

منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے ۳۶

رحمۃ اور رضوان کے صیغۂ نکرہ رحمت اور رضوانِ الٰہی کی عظمت و کثرت کے اظہار کے لئے ہیں۔

نکر الرحمۃ والرضوان للتفخیم والتعظیم (بحر)

۳۴ یہاں خلود کے ساتھ ابداً کی بھی تصریح اس لئے کردی ہے کہ محض خلود کے معنی زمانۂ طویل کے بھی آتے ہیں۔

اکد الخلود بالتابید لانہ قد یستعمل للمکث الطویل۔ (بیضاوی)

اور حقیقت ایک بار اور صاف ہو گئی ہے کہ اجرِ جنت عظیم و گرانقدر ہونے کے ساتھ ساتھ دائمی اور لازوال و غیر منقطع بھی ہوگا

۳۵ (خود اپنے حق میں، اس لئے کہ محبتِ طبعی کو بے محل درجہ دے رہے ہیں)

ہجرت کی راہ میں عموماً انھیں عزیزوں قریبوں کی محبت حائل ہو جاتی تھی، شریعت نے نفس کی محبتِ طبعی کو ناجائز نہیں قرار دیا ہے

لا تتخذوا اٰباء کم واخوانکم اولیاء۔ جس محبت سے یہاں ممانعت ہو رہی ہے اس سے محبتِ طبعی

مراد نہیں، وہ تو ہر عزیز سے ہونا بہتر ہے، قید صرف یہ لگا دی ہے کہ وہ محبت عمل میں محبتِ ایمانی پر غالب

نہ آنے پائے مغلوب ہی رہے اور غالب و حاکم ہر معاملہ میں محبتِ ایمانی ہی رہے۔

ان استحبوا الکفر علی الایمان۔ یہاں سے یہ مسئلہ فقہاء نے مستنبط کیا ہے کہ جس کافر کے ایمان لانے کی

توقع ہو تو اس مصلحت سے اس سے تعلق رکھنا جائز ہے۔

اولٰئک ھم الظالمون بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ یہ لوگ بھی مشرکوں کے حکم میں داخل ہو گئے کہ رضا بالشرک بھی شرک ہی ہے

قال ابن عباس ھو مشرک مثلھم لان من رضی بالشرک فھو مشرک (قرطبی)

۳۶ (اور وہ حکم سزائے ترک ہجرت کا ہوگا)

احب الیکم نے اس مسئلہ کو اور زیادہ صاف کر دیا جس کا ذکر ابھی اوپر کی آیت میں آچکا ہے یعنی عزیزوں کی

محبت بجائے خود ممنوع نہیں، صرف اس کی وہ صورت ممنوع ہے جب وہ احکامِ شریعت کی تعمیل میں سدِّ راہ بننے لگے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٤﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ

اور اللہ نافرمان لوگوں کو مقصود تک نہیں پہونچاتا ۳۷ بے شک اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمھاری نصرت

كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ

کی ہے ۳۸ اور حنین کے دن بھی جب کہ تم کو اپنی کثرت (تعداد) پر غرہ ہوگیا تھا پھر وہ تمھارے کچھ کام

شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿٢٥﴾

نہ آئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے ۳۹

فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ حکم بھی اخذ کیا ہے کہ اللہ اور رسول کی محبت کا درجہ وجوب کا ہے۔

وفی الآیۃ دلیل علی وجوب حب اللہ ورسولہ ولاخلاف فی ذلک بین الامۃ (قرطبی)

من اللہ ورسولہ سے مراد من العمل بامر اللہ ورسولہ یعنی احکامِ خدا اور رسول پر عمل سے عزیز تر۔

وفی الکلام حذف ای احب الیکم من امتثال امر اللہ تعالیٰ ورسولہ (بحر)

اٰباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم۔ ہجرت سے ایک بڑا اندیشہ یہی ہوتا تھا کہ یہی سب عزیز قریب چھوٹ جائیں گے۔

اموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا۔ دوسرا بڑا اندیشہ یہ ہوتا تھا کہ اموال واملاک تلف ہوجائیں گے، تجارت کا انتظام وسلسلہ بگڑ جائے گا۔

مسٰکن ترضونھا۔ تیسرا ممکن اندیشہ یہ تھا کہ یہ راحت وآسائش کے گھر بار چھوٹ جائیں گے۔

وجہادٍ فی سبیلہ۔ ہجرت سے ایک درجہ ترقی کرکے یہاں نام جہاد فی سبیل اللہ کا لے دیا گیا ہے کہ ہجرت تو پھر بھی ہلکی چیز ہے، مسلمانوں کو تو جہاد کو بھی ہر دنیوی و مادی تعلق پر غالب رکھنا چاہیئے۔ جہاد کے ساتھ فی سبیل اللہ کا لزوم یہاں بھی ملاحظہ ہو، جہاد و قتال اگر محض دنیوی، مادی اغراض کے لئے ہے تو سرتاسر بے قیمت ہے زور و قیمت تو اس میں اسی وقت پیدا ہوتی ہے، جب وہ "بہ کارِ سرکار" ہو دین کی خدمت کے لئے ہو۔

فتربصوا۔ ایسے موقع پر قرآن مجید جب صیغۂ امر اختیار کرتا ہے تو مقصود ہمیشہ تہدید و تخویف ہوتی ہے۔

صیغتہ صیغۃ امر ومعناہ التھدید۔ (قرطبی)

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت میں تعلیم اس کی ہے کہ تعلق مع الخلق کے مقابلہ میں تعلق مع اللہ زیادہ رعایت کے قابل ہے۔

۳۷ چنانچہ ان مرغوبات و مالوفات سے تمتع کا موقع دینے کے بجائے کبھی خلافِ توقع ان کی موت لے آتا ہے کبھی کوئی اور ایسی ہی صورت پیدا کر دیتا ہے۔ ایک معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ جو اپنے قصد و ارادہ سے راہِ فسق پر چلتے رہتے ہیں، اہوائے نفس کو دلیلِ راہ بنائے ہوئے ہیں، انھیں راہِ ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔

۳۸ جیسے جنگِ بدر میں اور فتح مکہ کے موقع پر، اور بنو قریظہ و بنو نضیر کے مقابلہ میں وقس علیٰ ہذا نصرت غیبی

وتائیدِ ایزدی کا منظر تو کہنا چاہیے کہ ہر موقع پر نمایاں رہتا تھا، علماء نے اسّی ۸۰ ایسے مواقع گنائے ہیں۔

فان ائمۃ التاریخ والعلماء والمغازی نقلوا انہا کانت ثمانین موطنًا (بحر)

حنین۔ قدیم مورخوں اور اہلِ سیر وتفسیر کے بیان کے مطابق طائف کے راستہ میں مکہ کی ایک وادی کا نام ہے، مکہ سے غالبًا دس ۱۰ میل کے فاصلہ پر، لیکن حال میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے جو ذاتی تحقیق جاکر کی، اس نے بیان کو بہت کچھ مشتبہ کردیا ہے۔ حنین غالبًا جبلِ اوطاس کی ایک وادی کا نام ہے، اور اوطاس طائف کے شمال مشرق میں کوئی ۳۰، ۴۰ میل کے فاصلہ پر ہے، بہر حال اس کا محلِ وقوع جو بھی ہو فتح مکہ کے دو ہی ہفتہ بعد یہاں مسلمانوں کا مقابلہ ہوازن اور ثقیف کے مشہور تیرانداز قبیلوں سے ہوا تھا، معرکہ کی تاریخ ۶ شوال ۸ھ مطابق یکم فروری ۶۳۰ء ہے۔

۳۹ مسلمان فتح مکہ کے دو ہزار ۲۰۰۰ طلقاء یعنی جدید العہد نو مسلموں کو ملاکر بارہ ہزار ۱۲۰۰۰ کی تعداد میں تھے، مسلمانوں کو قدرۃً خیال گزرا کہ آج تو ہماری جیت یقینی ہے، چنانچہ اول اول ہوئی بھی مسلمانوں کی فتح، مشرکین بھاگے، اور مسلمان مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑے، معًا نصرتِ الٰہی نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا، مشرکین موقع دیکھ پلٹ پڑے، اور تیراندازی اس غضب کی کی کہ مسلمانوں کے پیر اکھڑ گئے، مشرکین کے تیرانداز دستے پہاڑیوں کی آڑ میں، بہترین کمین گاہوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ مسلمانوں کو جگہ بُری ملی، مورچہ جماکر صف قائم کرنے کا موقع نہ ملا، پہلے پیر طلقاء کے اکھڑے پھر عام مسلمانوں کے، صرف رسول اللہ صلعم مع چند مخصوص صحابہ ابوبکر وعمر وعباس وعلی وابن مسعود وغیرہم کے میدان جنگ میں رہ گئے، عباس رضؓ بن عبدالمطلب آپؐ کے خچر کی رکاب تھامے ہوئے تھے، اور آپؐ تھے کہ اپنی صداقت پر مطمئن، دشمن کی طرف بڑھتے ہی جاتے تھے، بار بار پکار کر فرمایا، انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا نبی ہوں، اس میں کچھ جھوٹ نہیں، الیّ عباد اللہ انی رسول اللہ۔ آخر میں مسلمانوں کو دوبارہ غیرت آئی، پھر سے مقابلہ شروع کیا، آسمان سے فرشتوں کی مدد نازل ہوئی، مشرکین آخر بھاگ نکلے، کچھ قید ہوئے، کچھ قتل ہوئے۔

شررؔ کی تاریخ اسلام میں ہے:۔ "دس ہزار جانباز تو وہی تھے جو مدینہ سے علمِ اسلام کے ساتھ آئے تھے، اور دو ہزار اہلِ مکہ تھے، ان میں بہت سے مشرک بھی تھے، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ مکہ مفتوح ہوتے کے بعد بھی مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کئے گئے تھے"۔ (جلد اول ص ۹۲)

اذ اعجبتکم کثرتکم۔ یہاں صاف بتادیا کہ شکست کا اصلی راز مسلمانوں کی خود بینی تھی، اپنی کثرتِ تعداد پر ناز وغیرہ۔ فقہاء مفسرین نے اس آیت کو بھی آیاتِ احکام میں شمار کیا ہے، اور چونکہ حدیثِ مالک میں ذکر آیا ہے کہ اس جہاد میں صفوان مشرک بھی شریک تھا، اس لئے اس سے بعض فقہی مسائل بھی مستنبط کئے ہیں، امام مالکؒ کی رائے ہے کہ مشرکین کے خلاف جہاد میں مشرک سے مدد لینا جائز نہیں بجز اس صورت کے کہ وہ مشرک خادم بن کر شریک ہو جائے۔

قال مالک ولم یکن ذلک بامر رسول اللہ صلعم ولا اری ان یستعان بالمشرکین علی المشرکین الا ان یکونوا خدمًا (قرطبی)

دوسرے ائمہ فقہ ابوحنیفہ وشافعی وثوری واوزاعی کی رائے میں جب کلمۂ اسلام غالب ہو رہا ہو تو اس کے لئے مشرکین سے استعانت جائز ہے۔

وقال ابوحنیفۃ والشافعی والثوری والاوزاعی لا باس بذلک اذا کان حکم الاسلام ھو الغالب وانما تکرہ الاستعانۃ بھم اذا کان حکم الشرک ھو الظاہر (قرطبی)

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ

اس کے بعد اللہ نے اپنی طرف سے اپنے رسول پر اور مومنین پر تسلّی نازل کی ۲۴۰ اور نازل کئے

جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ

(ایسے) لشکر جنھیں تم دیکھ نہ سکے ۲۴۱ اور (اللہ نے) کافروں کو سزا دی اور یہی کافروں کے لئے

الْكٰفِرِيْنَ ۲۶ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ

بدلہ ہے ۲۴۲ پھر اس کے بعد اللہ جس کو چاہے توبہ نصیب کر دے۔

۲۴۰ (چنانچہ جو ہٹ گئے تھے، پھر میدان میں آ کر جم گئے۔)

سکینتہ علیٰ رسولہ۔ مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ مراد اس سے مطلق تسلّی نہیں، وہ تو آپ کو، اور جو صحابی آپ کے ہمراہ گئے تھے، اُنھیں حاصل ہی تھی، اور اسی بنا پر وہ ثابت قدم بھی رہے، بلکہ مراد اس سے تسلّی خاص ہے جس سے سب کو غلبہ کی اُمید ہو گئی۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ترکِ عُجب نزولِ سکینتہ کا سبب ہو جاتا ہے۔

۲۴۱ (اپنی ظاہری آنکھوں سے)

مُراد ملائکہ ہیں، جن کی موجودگی کا روحانی اثر لشکرِ مومنین نے اپنے قلب میں سکون و تقویت کی صورت میں محسوس کیا۔

یعنی الملائکة (مدارک) هم الملائکة بلا اختلاف (بحر)

لم تروھا سے مراد صرف اس قدر ہے کہ وہ لشکرِ ملائکہ عام طور سے انسان کے لئے غیر مرئی تھا، اگر اتفاق سے کسی صحابی کو بہ طور کرامت یا خرقِ عادت کوئی فرشتہ نظر آ گیا، تو وہ اس بیانِ قرآنی کے منافی نہیں، ایسے موقعوں کے لئے قرآن کا یہ اندازِ بیان عام ہے۔

قرآن نے یہاں اس حقیقت کو ایک بار پھر صاف کر دیا کہ اصل شے اعتماد علی اللہ ہے، ظاہری اسباب پر بہت زیادہ تکیہ کر لینا مہلک ہے۔

۲۴۲ چنانچہ حنین میں کافروں کو شکست کی ذلت نصیب ہوئی، ستّر آدمی قتل ہوئے ہزارہا کی تعداد میں قید ہوئے، جن میں فقط عورتیں ہی چھ ہزار تھیں، مالِ غنیمت میں مسلمانوں کو ۲۴ ہزار اونٹوں اور ۴۰ ہزار بھیڑ بکریوں کے علاوہ ۴ ہزار اوقیہ چاندی بھی ہاتھ لگی۔

انسائکلوپیڈیا آف اسلام کے جدید ایڈیشن جلد ۲ صفحہ ۵۷ ،ک، وک ۲ کا بیان ہے:۔

"غرض یہ کہ چند گھنٹوں ہی کے اندر دشمن کو ہزیمت کامل ہو گئی، اور اس سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے کُل بارہ آدمی کام آئے، اور قیدیوں کی بہت بڑی تعداد ہاتھ آئی، جن میں چھ ہزار تو اکیلی عورتیں اور بچے ہی تھے اور بہ طور غنیمت ۲۴ ہزار سے اوپر اونٹ ہاتھ آئے"!

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۷﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ

اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۴۳ اے ایمان والو، مشرکین تو نرے ناپاک ہیں ۴۴

فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ

سو اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں ۴۵

اور یہاں یہ عام قانون بھی بتادیا کہ اصلاً کفر کی سزا یہی شکست، ذلت، عذاب دنیوی تا وقتیکہ کوئی عارض اس کے منافی نہ ہو۔

۴۳ چنانچہ ان ہی صفاتِ عفو و رحمۃ کے تقاضے سے کتنوں کو تو نصیب ہوئی اور کتنے ہی مشرک مسلمان ہوگئے۔

معرکہ کا حال ڈاکٹر محمد حمید اللہ سلمہ اللہ کے قلم سے :-

"مسلمان لشکر جو دشمن کی کمین سے بے خبر پُرپیچ وادیوں اور دشوار گزار تنگ دروں سے گزر رہا تھا، یکایک عرب کے بہترین تیر اندازوں کی زد میں آگیا، اور تتر بتر ہوگیا، سپہ سالار اعظم صلعم کی انفرادی جانبازی اور استقلال پر مسلمان جلد ہی سنبھل گئے، اور دشمن کو مار بھگایا، دشمن اپنے ساتھ نہ صرف اپنے تمام بیوی بچوں کو بھی لایا تھا بلکہ اپنی پوری کائنات یعنی اونٹ بکری بھی، یہ سب بہ آسانی غنیمت بن گئے، اسے آنحضرتؐ نے حفاظت سے رکھوا کر دشمن کا پیچھا کیا۔"

۴۴ (بہ لحاظ خبثِ عقائد)

نجس تو اُردو کے برخلاف عربی میں مصدر ہے باب سمع یسمع سے بہ معنی گندگی یا نجاست کے، اور تثنیہ و جمع، اور مذکر و مؤنث سب کے لئے یکساں آتا ہے، یہاں مراد مشرکین کی نجاست پر زور دینا ہے کہ وہ نجاست مجسّم ہیں۔

اخبر عنهم المصدر للمبالغة کانهم عین النجاسة او المراد ذو نجس (روح) ای ذو نجس وهو مصدر (مدارک) وهو مصدر یستوی فیه الذکر والانثی والتثنیة والجمع (معالم)

نجسٌ مراد اس نجاست سے نجاستِ عقائد ہے نہ کہ نجاستِ اعیان و اجسام، نجاستِ روحانی و معنوی نہ کہ نجاستِ مادّی و حسی۔

النجاسة القذارة وذلک ضربان ضرب یدرک بالحاسة وضربٌ یدرک بالبصیرة والثانی وصف اللہ تعالی به المشرکین (راغب) المشرکین الذین هم نجس دیناً (ابن کثیر) والمراد ذو نجس لخبث بواطنهم وفساد عقائدهم (روح) واذا وصف الانسان بانه نجس ارید به انه شریرٌ خبیث النفس وان کان طاهر البدن والثوب فی الحس (المنار)

اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اہلِ کتاب بھی نجاستِ اعتقادی کے اعتبار سے مشرکین ہی کے حکم میں داخل ہیں۔

۴۵ (بہ غرض خدمت و تولیت یا بہ غرض حج و طواف وغیرہ)

یعنی حدودِ حرم کے اندر بہ غرض حج و عمرہ نہ داخل ہونے پائیں، ممانعت کا تعلق مطلق داخلۂ حرم و داخلۂ مسجدِ حرام سے نہیں ہے۔

ای فلا یحجوا ولا یعتمروا کما کانوا یفعلون فی الجاهلیة (مدارک) وبالظاهر لمذ ابو حنیفۃ اذ صرف المنع عن دخول الحرم الی المنع من الحج والعمرة (روح) وفی النهی عن القربان منعهم عن دخوله والطواف به بحج او عمرة او غیر ذلک کما کانوا یفعلون فی الجاهلیة (بحر)

وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ؕ

اور اگر تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو سو اللہ تمہیں اگر چاہے گا اپنے فضل سے (ان سے) بے نیاز کر دے گا۴۲

حنفی مذہب میں مشرکوں کے عام داخلۂ حرم یا داخلۂ مساجد کی ممانعت نہیں۔

ولا یمنعون من دخول الحرم والمسجد الحرام وسائر المساجد عندنا (مدارک) والظاھر ان النھی مختص بالمشرکین وبالمسجد الحرام وھذا مذھب ابی حنیفۃ واباح دخول الیھود والنصاریٰ مسجد الحرام وغیرہ ودخول عبدۃ الاوثان سائر المساجد (بحر)

فقہاءِ حنفیہ کے ہاں تصریحات موجود ہیں کہ جو ممنوع ہے وہ صرف وہ ہے جو حاکمانہ یا ہمسرانہ حیثیت سے ہو باقی قانونِ اسلام کے مطیع و ماتحت ہو کر غیر مسلم کو بھی داخلہ کی پوری آزادی حاصل ہے۔

محدثیوں سے تمام جزیرۂ عرب کا یہی حکم ثابت ہے مشرکین کے لئے بھی اور یہود و نصاریٰ کے لئے بھی چنانچہ حسب وصیت آپؐ کے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تمام جزیرۂ عرب میں اس قانون کا نفاذ ہو گیا اور فقہ حنفی کی رو سے مراد اس سے قرب و دخول بطور توطن یا استیلاء کے ہے کہ یہ ناجائز ہے ورنہ مسافرانہ امام کی اجازت سے آنا اگر امام کے نزدیک خلاف مصلحت نہ ہو مضائقہ نہیں، اور جب حرم کے اندر آنے کی اجازت دینا جائز ہے مسجد حرام بھی اسی حکم میں ہے۔" (تھانوی ؒ)

فلا یقربوا۔ قرب کے معنی اس سیاق میں دخول کے ہیں یعنی داخل نہ ہونے پائیں، بلکہ حنفیہ کے نزدیک صرف یہ کہ حج و عمرہ نہ کرنے پائیں، اور لفظ قرب محض زور و تاکید کے لئے ہے۔

وانما نھی عن الاقتراب للمبالغۃ او للمنع عن دخول الحرم (بیضاوی) والمراد النھی عن الدخول الا انہ نھی عن القرب للمبالغۃ (روح) فلا یحجوا ولا یعتمروا۔ (مدارک)

والمراد النھی عن الدخول الا انہ نھی عن القرب للمبالغۃ (روح) انما نھی عن القرب للمبالغۃ (ابوسعود)

ولا باس بان یدخل اھل الذمۃ المسجد الحرام لان الخبث فی اعتقادھم فلا یؤدی الی تلویث المسجد والآیۃ محمولۃ علی الحضور استیلاء واستعلاء (ہدایہ، کتاب الکراہیۃ باب مسائل متفرق) لا باس بدخول اھل الذمۃ المسجد الحرام وسائر المساجد وھو الصحیح کذا فی محیط السرخسی (عالمگیریہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الرابع عشر)

بعد عامھم ھٰذا۔ اس سال سے مراد ۹ھ ہجری ہے جب کہ حضرت ابوبکرؓ کی زیر امارت حج ادا ہوا تھا، اور حضرت علیؓ نے یہ اعلان جا کر سنا دیا تھا، اس کے بعد سے مراد ۱۰ھ ہے، جب سے اس کا نفاذ شروع ہوا ذی الحجہ ۹ھ میں مراسم حج مشرکین ہی کے اہتمام و انتظام میں ادا ہوئے تھے۔

سنۃ عشر قال قتادۃ وقال ابن العربی وھو الصحیح الذی یعطیہ مقتضی اللفظ (قرطبی)

اس سال کے بعد کی قید سے حنفیہ نے اپنی حیرت انگیز فقاہت سے یہ استنباط کیا ہے کہ نجاستِ اعتقادی (کفری) فی نفسہٖ مانعِ داخلۂ مساجد نہیں۔

وفی ذالک دلالۃ علی ان نجاسۃ الکفر لا یمنع الکافر من دخول المسجد (جصاص)

اور ذمی کے لئے تو حنفیہ کے ہاں کھلی ہوئی اجازت ہر مسجد میں داخلہ ہے حالانکہ ظاہر ہے کہ اعتقاداً ہر ذمی کافر ہی ہوتا ہے

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٨﴾ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ

اللہ خوب جاننے والا ہے بڑا حکمت والا ہے ۴۸ اہل کتاب میں سے اُن لوگوں سے لڑو جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور

الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ

نہ آخرت پر اور نہ اُن چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنھیں اللہ اور اُس کے رسول نے حرام کیا ہے اور نہ سچے دین کو

مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ

قبول کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں ۴۹ (اپنے) ہاتھ سے

وقال اصحابنا یجوز للذمی الدخول لسائر المساجد (جصاص)

۴۶ عرب کا ملک کوئی زراعتی تو تھا نہیں قریش کی آمدنی کا دارومدار تجارت ہی پر رہتا تھا تو مسلموں کو یہ خوف پیدا ہونا بالکل قدرتی تھا کہ اگر مشرکوں سے معاشی و تجارتی تعلقات منقطع ہو گئے تو آخر کھائیں گے پہنیں گے کہاں سے؟

وذلک ان الناس قالوا لتنقطعن عنا الاسواق فلتھلکن التجارۃ ولیذھبن ماکنا نصیب فیھا من المرافق۔ (سیرۃ ابن ہشام)

یہاں اسی طرف سے اطمینان دلایا جا رہا ہے، قریش نہ صرف اندرونِ عرب کی تجارت پر چھائے ہوئے تھے اور ہر منڈی اور سالانہ میلے پر اُن کا قبضہ تھا، بلکہ ایشیا اور یورپ کے درمیان بین الاقوامی تجارت پر بھی اُن کا قدم جما ہوا تھا، اُن سے تجارتی مقاطعہ کرنا کوئی معمولی مجاہدہ نہ تھا۔

۴۷ (چنانچہ اس نے یہی کر بھی دیا، اس طریقہ پر کہ خود ان تاجروں کو مسلمان کر دیا)

اُس وقت حجاز دنیا کے اہم ترین تجارتی مرکزوں میں سے تھا، اور بڑی بڑی تجارتیں مشرکوں کے ہاتھ میں تھیں، مسلمانوں کا یہ اندیشہ بالکل قدرتی تھا کہ اس حکم پر عملدرآمد سے اُن کے سارے تجارتی رشتے مشرک تاجروں سے ٹوٹ جائیں گے، اور مالی و معاشی اعتبار سے انھیں بڑا خسارہ اٹھانا پڑے گا۔

ان شاء (اگر چاہے گا) سے مقصود اس حقیقت پر متوجہ کرنا ہے کہ اُسے اس وعدہ کے پورا کرنے کے لئے کسی لمبے چوڑے سامان کی ضرورت نہیں، محض اُس کی مشیّت کافی ہے، چنانچہ جب اُس کی مشیّت ہوئی، سارا ملک مسلمان ہو گیا، سامانِ تجارت دُور دُور سے بہ کثرت آنے لگا، بارشیں اچھی ہوئیں، پیداوار خوب ہونے لگی، فتوحات اور غنیمتوں کے دروازہ کھل گئے، اہل کتاب وغیرہ سے جزیہ کی رقم وصول ہونے لگی، غرض مشیّت کی ایک حرکت نے اسبابِ غنا ہر طرح کے جمع کر دیئے۔ فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ بھی استنباط کیا ہے کہ رزق کے باب میں تعلقِ خاطر اسبابِ ظاہری سے رکھنا جائز ہے اور توکل کے منافی نہیں

فی ھٰذہ الاٰیۃ دلیل علی ان تعلق القلب بالاسباب فی الرزق جائز ولیس ذٰلک بمناف للتوکل (قرطبی)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں تعلیم ہے کہ مصلحتِ دنیوی کو مصلحتِ دینی میں مانع نہ ہونا چاہیئے اور اگر مزاحم ہو تو توکل سے علاج کرنا چاہیئے۔

۴۸ (چنانچہ وہ علیم اپنے علمِ کامل سے سب احکام کی مصلحتوں کا علم رکھتا ہے، اور وہ حکیم حکمت کا مل سے

تمہارے افلاس کے انسداد کا بھی انتظام کرے گا)

۴۹ یعنی ان سے جنگ و قتال اُس وقت تک واجب ہے جب تک وہ ہتھیار رکھ کر امن طلب کرکے جزیہ دینے پر مجبور نہ ہو جائیں۔

لایؤمنون الخ یعنی ان تعلیمات پر حسب تعلیم اسلام پورا پورا ایمان نہیں رکھتے آیت کے عموم میں جملہ اہل کفر آجاتے ہیں۔ قتال ان سب سے واجب ہے اہل کتاب کا تصریحی ذکر صرف اُن کے شرفِ مرتبہ اور اُن کی امتیازی خصوصیات کی بنا پر ہے۔

امر سبحانہ وتعالیٰ بمقاتلۃ جمیع الکفار لاتصافھم علیٰ ھٰذا الوصف وخص اھل الکتاب بالذکر اکراما لکتابھم ولکونھم عالمین بالتوحید والرسل والشرائع والملل (قرطبی)

الذین اوتوا الکتٰب۔ یہ تصریح تو اہلِ کتاب کی ہے لیکن جو صفات ان کی بیان ہوئی ہیں وہ ان سے بڑھ کر مشرکین میں پائی جاتی ہیں اس لئے مشرکین سے قتال بدرجۂ اولیٰ واجب ہوگا، البتہ مشرکین عرب سنت و احادیث رسول کی بنا پر اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ان کے حق میں جزیہ نہیں جزیرۃ العرب قیامت تک کے لئے توحید کا جغرافی مرکز قرار دیا گیا اس کے اندر کفر و شرک کی اجازت کسی شرط پر بھی نہیں دی جاسکتی، ان لوگوں کے حق میں قرآن کی دوسری آیتیں ہیں مثلاً قاتلوھم حتیٰ لاتکون فتنۃ وغیرھا۔ مجوس و مشرکین ہند وغیرہ سب اس حیثیت سے اہلِ کتاب کے حکم میں داخل ہیں مستثنیٰ صرف مشرکین عرب ہیں۔

ومن الذین اوتوا الکتاب بیان الذین قبلہ واما المجوس فملحقون باھل الکتاب فی قبول الجزیۃ وکذا الترک والھنود وغیرھما بخلاف مشرکی العرب (مدارک) ثبت جواز اخذھا من سائر الکفار اھل کتاب کانوا او غیر اھل کتاب الا عبدۃ الاوثان من العرب لان النبی صلعم لم یقبل منھم الا الاسلام او السیف (جصاص) قال اصحابنا لا یقبل من مشرکی العرب الا الاسلام او السیف وتقبل من اھل الکتاب ومن سائر کفار العجم الجزیۃ (جصاص)

"حدیثوں سے ثابت ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجوس سے بھی جزیہ لیا ہے اور مشرکین عجم مثل مجوس کے ہیں، بلکہ آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے بدرجۂ اولیٰ جزیہ لیا جائے گا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ من الذین اوتوا الکتاب میں من بیانیہ ہے جس سے اہلِ کتاب انھیں صفات سے موصوف ہوں گے لایؤمنون الخ پس مدار دفع جزیہ کا یہ ٹھہرا، اور ظاہر ہے کہ یہ صفات مشرکین میں بدرجۂ اقویٰ پائی جاتی ہیں کیونکہ اہلِ کتاب توحید اور معاد کا عقیدہ رکھتے ہیں گو اس میں غلطیوں کی وجہ سے لایومنون قرار دیا ہے اور مشرکین تو خود ان عقائد کے اصل ہی میں مخالف ہیں پس جب مدارِ حکم ان میں اقویٰ ہے تو حکم بھی بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوگا، البتہ مشرکین عرب خاص دلیل سے اس عام سے مخصوص ہوگئے یہی مذہب ہے حنفیہ کا اور اسی کی تائید ہوتی ہے ابن شہاب کے قول سے۔" (تھانویؒ)

واما المجوس فقال ابن المنذر لا اعلم خلافا ان الجزیۃ توخذ منھم۔ (قرطبی)

جزیۃ کے معنی ہیں وہ رقم جو اسلامی حکومت اپنی غیر مسلم رعایا ذمیوں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کے معاوضہ میں وصول کرتی ہے۔

الجزیۃ خراج الارض وما یوخذ من اھل الذمۃ (لسان) وھی فعلۃ من الجزاء کانھا جزت عن قتلہ (ابن اثیر)

اسلامی حکومت میں ہر مسلم مرد پر قومی خدمت لازمی ہے بوقتِ ضرورت ساری مسلم رعایا سپاہ بن سکتی ہے غیر مسلموں کے لئے یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ وہ فوجی خدمت سے استثناء ایک قلیل رقم کے معاوضہ میں حاصل کر سکتے ہیں غرض یہ کہ جزیہ معاوضہ کفر یا کسی اعتقادی گمراہی کا نہیں بلکہ معاوضہ قومی خدمت کا ہے فقہا کے یہاں اس کی پوری تصریح ملتی ہے

وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ

اور اپنے کو زیردست سمجھتے ہوئے ۵۰ اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر ابن اللہ (خدا کے فرزند مجازی) ہیں ۵۱

وجبت نصرۃ للمقاتلة ای حقا عن نصرۃ مقاتلة اهل الدار لان من هو من اهل دار الاسلام علیه نصرتهم وقد فاتت (فتح القدیر۔ باب السیر)

یعنی اسلامی عملداری میں جو گروہ جنگی خدمات انجام دیتا ہے اُن کی امداد کے کام کے لئے، اس لئے کہ اسلامی عملداری میں جو بھی ہے اُس پر لڑنے والوں کی امداد واجب ہے اور ذمی چونکہ اس خدمت سے معاف ہیں اس لئے اس کا قائم مقام یہ محصول ہے۔

بعض فارسی اہل لغت نے اسے فارسی لفظ گزِیت (بروزن فعیل) اور گزِیَت (بروزن فِعال) کا مُعرب بتایا ہے (برہان قاطع) اور اسے بعض عربی اہل لسان نے بھی قبول کرلیا ہے۔

وقال الخوارزمی انها معرب كزیت وهو الخراج بالفارسیة (روح)

بہرحال لفظ کا اشتقاق جو کچھ بھی ہو، مُراد اس سے یہی ہے۔

"یہی وجہ ہے کہ جو لوگ جہاد میں قتل نہیں کئے جاتے جیسے عورتیں اور بچے اور بہت بڈھے اور اپاہج اور رہبان اور تارکانِ دنیا ان پر جزیہ نہیں، اور اگر بوجہ قرارِ علی الکفر کے ہوتا تو ان پر بھی ہوتا، کیونکہ کفر مشترک ہے" (تھانوی ؒ)

جزیہ کی شرح ۱۲ درم سالانہ سے لے کر ۴۸ درم سالانہ تک ہے۔

عورت، بچے، بیمار، معذور، بڈھے، بے روزگار، مذہبی طبقہ (مثلاً پادری، جوگی) غلام وغیرہ مستثنےٰ تھے، صرف کاروباری آدمیوں پر لگایا جاتا تھا، وہ بھی اگر صلحی جزیہ ہے تو اُس کی مقدار معین نہیں، ورنہ یوں معمولاً اُمرا سے تقریباً ایک روپیہ ماہوار یعنی بارہ روپیہ سالانہ، متوسط طبقہ والے سے آٹھ آنے ماہوار یعنی چھ روپیہ سالانہ، ادنیٰ طبقہ سے چار آنے ماہوار یعنی تین روپیہ سالانہ، اور درمیانِ سال میں اگر کوئی مرجاتا تو اس سے جزیہ ساقط ہوجاتا۔" (اسلامی معاشیات، از مناظر احسن گیلانی ؒ)

۵۰ یعطوا عن ید۔ اس میں اشارہ آگیا کہ قانونِ اسلام کی بالادستی تسلیم کرکے اور شریعتِ اسلام نے انھیں جو آرام و آسائش دی، اس نعمت کا احساس کرکے جزیہ پیش کریں۔

ای یعطون ما یعطون عن مقابلة نعمة علیهم فی مقارتهم (راغب) عن انعام منكم علیهم (قرطبی)

یحتمل ید ای من نعمة فیكون تقدیره حتی یعطوا الجزیة عن اعتراف منهم بالنعمة فیها بقبولها منهم (جصاص)

وھم صاغرون۔ اس حال میں کہ اپنی زیردستی کا احساس رکھتے ہوں ـــ صاغرون کا اصل مفہوم یہی ہے کہ جزیہ دینے والوں کو بجائے اپنی بڑائی اور بالادستی کے احساس اپنی چھوٹائی، کمتری، زیردستی کا ہو۔

الصاغر الراضی بالمنزلة الدنیّة (راغب) ای تؤخذ منهم علی الصغار والذل (کشاف)

امام شافعی ؒ نے بہت صحیح کہا ہے کہ صغار یہی ہے کہ قانونِ اسلام کی بالادستی تسلیم کرلی جائے۔

نقل الشافعی ان الصغار هو جریان احکام المسلمین علیهم (روح)

روم و ایران کی رعایا کو مسلمانوں کی حکومت میں آجانے کے بعد جو رقم جزیہ کی دینا پڑتی تھی وہ ان محصولوں سے

وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ

اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح ابن اللہ (خدا کے فرزند مجازی) ہیں ۵۲ یہ ان کا قول ہے (محض) اُن کے منھ سے بکے ہوئے کا ۵۳

کہیں کم تھی جوان لوگوں کو پہلی حکومتوں کے وقت دینا پڑتی تھی، یہ شہادت حال کے ایک مشہور عیسائی اہلِ قلم جرجی زیدان مصری کی ہے،

والجزیۃ التی کانوا یتکلفون دفعھا الی المسلمین اقل کثیر عن مجموع الضرائب التی کانوا یودونھا الی الروم اوالفرس

۵۱ عزیر یا توریت کے تلفظ میں عزرا (متوفی غالباً ۴۵۷ ق م) یہود کے مذہبی نوشتوں میں نبی سے زیادہ کاتب کی حیثیت سے مشہور ہیں، بخت نصر (۶۰۴ تا ۵۶۱ ق م) کے حملہ یروشلیم اور اُس کی کامل تباہی اور بربادی (۵۸۶ ق م) کے بعد جب توریت کے نسخے یہود کے پاس سے بالکل غائب ہوگئے تو انھیں عزیر (عزرا) نے توریت کو ازسرِ نو اپنی یادداشت سے لکھ دیا اور اس لیے انھیں یہود مثل موسیٰ تسلیم کرتے ہیں، بلکہ بعض نے غلو کرکے اس مرتبہ سے بھی بڑھادیا۔ ابن اللہ۔ عربی میں ابن اور ولد دو الگ الگ مفہوم رکھنے والے لفظ ہیں، اُردو کے لڑکے اور بیٹے کے مرادف اور انگریزی میں بھی ان کے مقابلہ میں بائیبل کی مذہبی اصطلاحیں (CHILD OF GOD) اور (SON OF GOD) کی الگ الگ ہیں، ابن اللہ جو ترجمہ ہے (CHILD OF GOD) کا اس سے مُراد صلبی یا حقیقی فرزند نہیں، بلکہ خدا کا لاڈلا یا چہیتا یا فرزندِ معنوی و مجازی ہے، جیسے قرآن ہی میں ایک دوسری جگہ اہلِ کتاب ہی کی زبان سے استعمال ہوا ہے۔ قالوا نحن ابناء اللہ واحباءہ یہاں ابناء اللہ کے کھلے ہوئے معنی یہی مجازی و معنوی اولاد کے ہیں۔ یہود اسی معنی میں حضرت عزیرؑ کو اپنا مُطاعِ کُل، اور بارگاہِ حق میں محبوبِ مطلق مانتے تھے۔

۵۲ مسیحیت کی دو گمراہیاں ایک شدید اور دوسری شدید تر الگ الگ ہیں، ایک ہے حضرت مسیحؑ کو اللہ کا ولد (SON OF GOD) قرار دینا، اس کا ذکر قرآن مجید میں جہاں آیا ہے اکثر بہت سخت وعید کے ساتھ آیا ہے تکاد السمٰوٰت یتفطرن وغیرہا، دوسری گمراہی ہے، حضرت مسیحؑ کو خدا کا فرزند مجازی CHILD OF GOD قرار دینا، قرآن نے اس عقیدہ کو ابن اللّٰہیت سے تعبیر کیا ہے یہ گو بجائے خود شدید ہے، پھر بھی ولد اللّٰہیت کا عقیدہ اس سے اشد ہے، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

ہمارے بعض قدیم مفسرین بھی اس نکتہ تک پہونچ گئے کہ یہاں ابنیت سے مُراد ابنیتِ نسبی و نسلی نہیں، بلکہ لاڈو پیار والی ابنیت ہے، اور یہ بھی کفر ہے۔

قال ابن عطیۃ ویقال ان بعضھم یعتقد ھا نبوۃ حنو ورحمۃ وھٰذا المعنیٰ ایضاً لا یحل ان تطلق النبوۃ علیہ وھو کفر (قرطبی) یقال ان بعضھم یعتقد ھا نبوۃ حنو رحمۃ (بحر)

۵۳ (جس کا حقیقت و واقعیت سے کوئی بھی تعلق نہیں)

یہ فقرہ تاکیدِ کلام کے لئے لایا گیا ہے۔

قیل معناہ التاکید (قرطبی)

فقہا نے یہاں سے یہ مسئلہ بھی خوب نکالا ہے کہ جس قول کو ابتداءً زبان سے ادا کرنا کفر ہے اُسے اس کی تردید کی غرض سے دُہرانا اور نقل کرنا بالکل درست ہے۔

يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿۳۰﴾

یہ بھی اُنھیں لوگوں کی ریس کرنے لگے جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں ۵۴ اللہ انھیں غارت کرے یہ کدھر بہکے جا رہے ہیں ۵۵

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ

انھوں نے اللہ کے ہوتے ہوئے اپنے علماء اور اپنے مشائخ کو (بھی) اپنا پروردگار بنا رکھا ہے ۵۶

فی ھذہ الآیۃ ..... دلیل علی ان من اخبر عن کفر غیرہ الذی لا یجوز لاحد ان یبتدیٔ بہ لاحرج علیہ لانہ انما ینطق بہ علی معنی الاستعظام لہ والرد علیہ فلا یمنع ذالک منہ (ابن العربی)

۵۴ یعنی ان مہمل عقائد پر ان کے پاس نہ دلیل عقلی ہے نہ نقلی، یہ تو محض ان جاہلی مشرک قوموں کی تقلید ہے جو باری تعالیٰ کی تجسیم کی قائل تھیں اور عقیدۂ حلول یا اوتار کی ماننے والی تھیں، اشارہ خاص مشرکین یونان کی جانب ہے کہ انھیں کے "حکماء و فلاسفہ" کے اقوال سے پہلی صدی عیسوی کے یہود و نصاریٰ دونوں ہی متاثر ہو گئے تھے اور ان کی مشرکانہ تعلیمات کو برابر اپنے عقائد کا جزو بناتے چلے گئے، مسیحیت پر یونانی اور رومی مذہبوں کے گہرے اثر کی دریافت انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر کے فاضل محققوں کا خاص کارنامہ سمجھا جاتا ہے (HIGHER CRITICISM)، کا نہیں قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے صدیوں قبل جب کوئی نام بھی بائبل کی جانتا تھا، ایک اُمّی کی زبان سے دنیا کو اس حقیقت سے آشنا کر دیا، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے یضاھی قولھم قول الذین کفروا گویا مضاف حذف کر دیا گیا ہے اور اس کی جگہ مضاف الیہ قائم رہا۔ (بیضاوی)

۵۵ (کہ صاحبِ کتاب ہونے کی دولت سے مشرف ہو کر انبیاء کی دولت سے بہرہ اندوز ہونے کے باوجود، ایسے ایسے افتراء اللہ پر کرتے چلے جاتے ہیں)

قاتلھم اللہ۔ یہ عین فطرتِ بشری ہے کہ ایسے موقعوں پر سخت بیزاری اور غصہ و نفرت کی حالت میں زبان پر بے اختیار ایسے فقرے آجاتے ہیں کہ خدا انھیں غارت کرے، قرآن نے فطرتِ بشری کا لحاظ کر کے یہ فقرے پڑھنے والوں کی زبان سے ادا کر کے اُن کے جذبات کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا! اُردو محاورہ میں خدا غارت کرے کا وہی مفہوم ہے جو عربی میں قاتلھم اللہ کا ہے۔

۵۶ یعنی انھیں مستقلاً ایسا صاحبِ اختیار مان رکھا ہے کہ گویا وہی معبود اور رب ہیں، جو چاہیں جائز کر دیں جو چاہیں وہ حرام ٹھہرا دیں، سارے اختیارات تشریعت و قانون سازی کے گویا انھیں کو حاصل ہیں، مسیحیوں کے ہاں فرقۂ کیتھولک میں پوپ (پاپائے روم) بہ حیثیت نائب مسیح آج بھی سارے اختیارات علانیہ رکھتا ہے اور فرقۂ پروٹسٹنٹ نے بھی عملاً سارے اختیارات کلیسا (CHURCH) کو دے رکھے ہیں، یہود کے ہاں بھی ربّیوں کے احکام، خود توریت کی تعلیمات پر غالب آگئے تھے

الاکثرون من المفسرین قالوا لیس المراد من الارباب انھم اعتقدوا فیھم انھم الٰھۃ العالم بل المراد انھم اطاعوھم فی اوامرھم ونواھیھم (کبیر)

وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ

اور مسیح ابن مریم کو بھی ۵۷ حالانکہ انھیں حکم صرف یہ دیا گیا تھا کہ ایک ہی معبود (برحق) کی عبادت کریں ۵۸

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ

کوئی معبود نہیں اس کے سوا، وہ اس سے پاک ہے جو یہ (اس کے ساتھ) شریک کرتے رہتے ہیں ۵۹ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے

بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾

بجھا دیں حالانکہ اللہ کو نامنظور ہے (ہر صورت) بجز اس کے کہ اپنے نور کو کمال تک پہونچا خواہ کافر کیسا ہی جز بز ہو کریں ۶۰

آیت کی تفسیرِ ماثور بھی یہی ہے، عدی بن حاتم نو مسلم عیسائی کی روایت کتب حدیث میں درج ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم لوگ اپنے معتقدوں اور پیشواؤں کو خدا کب مانتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ حلال وحرام کے اختیارات ان میں مان لینا، عملاً انھیں خدائی اختیارات دے دینا اور رب کے مرتبہ پر پہونچا دینا ہے آیت میں مسلمانوں کے لئے بھی بڑی عبرت ہے، انھوں نے بھی مختلف اماموں اور مشائخ کو مستقل مطاع قرار دے کر عملاً انھیں معصومیت بلکہ خدائی کے مرتبہ پر پہونچا دیا ہے، قرآن کی صریح آیت کو، اپنے ضمیر کی صریح شہادت کو، کھلے ہوئے مشاہدہ کو، سب کو چھوڑ دیں گے لیکن اپنے شیخ کے قول کو نہ چھوڑیں گے! امام رازیؒ نے اس موقع پر اپنے استاد کا قول نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میری نظر سے ایسے مقلدین گزرے ہیں جن کے سامنے اُن کے مسلک کے خلاف میں نے قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں، انھوں نے آیات کے آگے سر تسلیم خم نہ کیا، اُن کی طرف التفات نہ کیا، اُلٹے حیرت سے میری طرف دیکھتے رہے کہ ان کے اسلاف کے مسلک کے خلاف یہ آیات قرآنی ہو کیوں کر سکتی ہیں! اور تاویل بجائے ان کے اقوال میں کرنے کے خود ان آیات میں کرنا چاہیے! یہ قول نقل کر کے امام موصوف خود لکھتے ہیں۔

لو تأملت حق التامل لوجدت هذا الداء	کہ غور کر کے دیکھا جائے تو اکثر اہلِ دنیا اس بیماری
ساريًا في عروق الاكثرين من اهل الدنيا	میں مبتلا نظر آئیں گے۔

من دون اللہ۔ یعنی اللہ کی توحید فی الطاعۃ چھوڑ کر ــــ خدا کی خدائی سے تو یہ لوگ بھی انکار نہیں کرتے لیکن عملاً اُس طاعت واطاعت میں دوسروں کو بھی شریک کئے ہوئے ہیں۔

۵۷ مسیحیت کی گمراہیوں میں سے ایک گمراہی یہ بھی کہ مسیحؑ کو علاوہ ولد اللہ اور ابن اللہ سمجھنے کے مطاعِ مطلق سمجھتے تھے، اور مطاعِ مطلق بھی، بالکل اور براہ راست حق تعالیٰ کے مساوی اور ہم رتبہ کی حیثیت سے ــــ اور ان کی مطاعیت چونکہ پوپ اور کلیسا کی مطاعیت کے برخلاف اصلاً ومستقلاً ہے، اس لئے قرآن نے اس کا ذکر بھی احبارھم ورھبانھم سے الگ کر کے کیا، ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔
مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں نصوص کے مقابلہ میں تقلید کرنے کی مذمت ہے، جیسے جاہلوں کی عادت ہے کہ جب انھیں بدعات ومنکرات سے منع کیا جاتا ہے تو اپنے مشائخ سے تمسک کرنے لگتے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى

وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے وہ سارے (بقیہ) دینوں پر

الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ

غالب کر دے خواہ مشرک (کیسا ہی) جز بز ہوا کریں ۶۱ اے ایمان والو اہلِ کتاب کے اکثر علماء و مشائخ

كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ

لوگوں کے مال باطل طریقوں پر کھاتے (اڑاتے) رہتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ

روکتے رہتے ہیں ۶۲ اور جو لوگ کہ سونا اور چاندی جمع کر کر کے رکھتے ہیں۔

۵۸ (اور یہ حکم انھیں کے پیمبروں کے ذریعہ سے ان کے آسمانی نوشتوں میں دیا گیا تھا، جو کسی حد تک آج بھی موجود محفوظ ہیں)

چنانچہ توریت میں ہے: ”میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہووے“۔ (خروج ۲۰-۳، نیز استثناء ۵=۶۰ و ۶۰۷=۴ و ۱۴)

اور انجیل میں ہے: ”سب حکموں میں اول کون سا ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ اول یہ ہے اے اسرائیل سن!

خداوند ہمارا ایک ہی خداوند ہے“ (مرقس ۱۲=۲۹) نیز متی ۴-۱۰=۱، لوقا ۴-۸=۸۔

۵۹ یہاں ذکر قریش اور عرب کے جاہلی مشرکوں کا نہیں، اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کا ہے، جو توحید کی دولت سے بار بار مشرف کئے جا چکے تھے۔

۶۰ آیت کی صداقت پر امت کی ساڑھے تیرہ سو سال کی پوری تاریخ گواہ ہے، یہود، نصاریٰ، مشرکین، ملحدین، غرض ہر مخالف و معاند، مکر و حیلہ، زور و جبر کے مختلف درجوں اور طریقوں سے اسلام کی بیخ کنی میں لگا ہوا ہے لیکن اس کے باوجود اسلام ہے کہ پھیلتا ہی جاتا ہے، اور پیروانِ اسلام کی تعداد میں اضافہ ہی روز افزوں ہے، یہاں تک کہ مسیحی مشنریوں کو اعتراف ہے کہ روپیہ کے بے دریغ خرچ کرنے اور اپنے نہایت درجہ مستحکم نظام کے باوجود مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے مشن افریقہ وغیرہ میں ناکام ہی رہے ہیں، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

نور اللہ یعنی دینِ اسلام۔

یطفئوا بافواھھم۔ جس طرح چراغ پھونک مار کر بجھایا جاتا ہے یہ مخالفین و معاندین چاہتے ہیں کہ اسی طرح اسلام کا چراغ بھی گل کر دیں۔

الکافرون۔ اشارۂ خاص یہود و نصاریٰ کی جانب ہے، اور انھیں کو قرآن کے منکرِ نبوتِ محمدی ہونے کی حیثیت سے کہا گیا ہے۔

۶۱ لیظھرہ علی الدین کلہ۔ یہ غلبۂ دین بہ لحاظ قوتِ دلائل کے ہے کہ یہی نور اللہ کا اتمام ہے۔

ای بالحجۃ والبراھین (قرطبی) قیل لیظھرہ بالحجۃ والبیان (بحر) قال الحسین بن الفضل بالحجج الواضحۃ (معالم)

وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى

اور ان کو خرچ نہیں کرتے ہیں اللہ کی راہ میں ۶۳؎ آپ انھیں ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے (جو) اُس روز

عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ

(واقع ہوگا) جبکہ اس (سونے چاندی) کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پشتوں کو داغا جا‍ئے گا

محققین نے کہا ہے کہ اسلام کا غلبہ سارے ادیان پر عقل واستدلال کی رُو سے تو مطلق ہے اور کسی وقت و زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں، البتہ مادی غلبہ اہلِ اسلام کی صلاحیت و اہلیت کے ساتھ مخصوص و مشروط ہے۔
بہت سے مفسرین اس طرف بھی گئے ہیں کہ اسلام کے غلبۂ کامل کا ظہور و مشاہدہ قربِ قیامت میں ہوگا جب نزولِ مسیحؑ کے وقت دوسرا دین موجود نہ رہ جائے گا۔
والاکثر المفسرین علی الاحتمال الثانی قالوا وذٰلك عند نزول عیسیٰؑ فانه حینئذٍ لا یبقی دینٌ سوی دین الاسلام (روح)
المشرکون۔ اشارہ خاص یہود ونصاریٰ کی جانب ہے، اور انھیں مشرک ان کے شرک فی التوحید کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔

۶۲؎ (اور خود حق کی تلاش وطلب رکھنا تو الگ رہا، اسے قبول تک نہیں کرتے۔)
یاکلون اموال الناس بلیس۔ عام فہم اُردو میں، لوگوں کو ٹھگتے رہتے ہیں، مثلاً یہ کہ معتقدین کی مرضی دیکھ کر انھیں اس کے موافق فتوے دے دیا اور ان سے نذرانہ وصول کر لیا۔
ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔
الباطل کے تحت میں رشوت، اور ناجائز نذرانوں کی ہر صورت آگئی۔
یصدون عن سبیل اللّٰه۔ عوام ان کے جھوٹے سچے فتووں میں آکر عمر بھر گمراہی میں بھٹکتے رہتے ہیں۔

۶۳؎ یعنی شریعت کے واجب کئے ہوئے مصارفِ خیر میں۔
یکنزون۔ کنز کے لغوی معنی اس مال کے ہیں جو کسی ظرف میں محفوظ کر کے رکھا گیا ہو، یا زیرِ زمین دفن کر دیا گیا ہو
الکنز اسمٌ للمال اذا احرز فی وعاءٍ ولما یحرز فیه وقیل الکنز المال المدفون (لسان)
اور یکنزون، یدخرون کے مرادف ہے، لیکن حدیثِ نبوی اور اصطلاحِ شرعی میں کنز سے مراد وہ مال لیا گیا ہے جس کی زکوٰۃ نہ ادا کی جائے، اور جس کی زکوٰۃ ادا ہوتی رہے اُس پر اطلاق کنز کا نہ ہوگا۔
اہلِ لغت نے بھی اس اصطلاحِ شرعی کی تصریح کر دی ہے۔
اذا اخرج منه الواجب علیه لم یبق کنزًا وان کان مکنوزًا وھو حکم شرعی تجوّز فیه عن الاصل (لسان) نیز ابوالبقاء
محدث بیہقی نے نافع مولیٰ ابن عمرؓ صحابی سے روایت کی ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا ہو چکی وہ کنز نہیں چاہے زمین کے ساتویں پردوں میں گڑا ہو اور جس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی وہ کنز ہے چاہے سطحِ زمین پر کھلا پڑا ہو اور متعدد صحابیوں اور تابعین سے بھی منقول ہے
ما ادی زکوٰته فلیس بکنز (بخاری۔ کتاب الزکوٰۃ) کل ما ادیت زکوٰته وان کان تحت سبع ارضین فلیس بکنز وکل مال لا تؤدی زکوٰته فھو کنز وان کان ظاھرًا علی وجه الارض (فتح الباری کتاب الزکوٰۃ) ھو فی الشرع مال لم تؤد زکوٰته (جصاص)

هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

یہی ہے وہ جسے تم اپنے واسطے جمع کرتے رہے تھے سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو ۶۴

روی عن عمر وابن عباس وابن عمر والحسن وعامر والسدی قالوا ما لم یود زکوٰتہ فھو کنز (جصاص)

وقد روی ھٰذا عن ابن عباس وجابر وابی ھریرۃ مرفوعًا وموقوفًا وقال عمر بن الخطاب نحوہ (ابن کثیر)

ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ۔ یہ قید خوب ذہن نشین رہے، وعید انھیں لوگوں کے حق میں ہے جو غایت حرص کی بنا پر مال کے حقوق واجب ادا نہیں کرتے۔ فی سبیل اللہ کے اندر وہ سارے موقعے آگئے جہاں شریعت نے صرف زر کو ضروری بتایا ہے۔

فالمراد منھا ما لم یؤد حقھا (بیضاوی) مرادہ منع الزکوٰۃ (جصاص)

اس سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید نے جس جمع مال کو مذموم قرار دیا ہے، وہ مطلق جمع نہیں، بلکہ صرف وہ جمع ہے، جس میں ضروری مصارفِ خیر کی گنجائش نہ رکھی جائے۔ اور اس مفہوم پر بجز ایک صحابی ابوذر رض اور چند اہلِ زہد کے، باقی اکابر صحابہ، اکابر تابعین اور جمہور علماء امت کا اتفاق ہے۔

قال ابن عبد البر والجمھور علی ان الکنز المذموم ما لم تود زکوٰتہ..... ولم یخالف فی ذالک الا طائفۃ من اھل الزھد کابی ذر (فتح الباری۔ کتاب الزکوٰۃ) وکان ابوذر یحمل الحدیث علی اطلاقہ فلا یری بادخار شئ اصلاً..... وخالفہ جمھور الصحابۃ ومن بعد ھم (ایضًا)

مطلق جمع مال کی ممانعت قرآن میں نہیں، موجودہ انجیل محرّف میں ملے گی:۔

"اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے، اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں، بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو" (متی ۔۶ = ۱۹ و ۲۰)

اصحاب نبی صلعم میں جہاں بہت سے فقراء تھے، وہاں بہت سے امیر کبیر بھی تھے، مثلاً حضرت عثمان غنی رض، حضرت طلحہ رض، حضرت عبد الرحمن بن عوف رض وغیرہم۔

ولقد کان کثیر من الصحابۃ رضی اللہ عنھم کعبد الرحمن بن عوف وطلحۃ ویقتنون الاموال ویتصرفون فیھا وما عابھم احدٌ۔ (مدارک۔ بحر)

اور ہمارے علماء حق نے صاف لکھ دیا ہے کہ جمع کرنا فی نفسہٖ کوئی معصیت نہیں اور نہ اس پر اعتراض کیا جائے گا۔

والاقتناء مباحٌ ولا یذم صاحبہ (مدارک)

معصیت تو یہ ہے کہ مال پر جن حقوق کی ادائی واجب ہوتی ہے، انھیں ادا نہ کیا جائے۔

الذھب والفضۃ۔ سونے اور چاندی کا نام بطور مثال اور نمونہ کے لئے دیا گیا کہ عموماً مال وجائداد کے بڑے ذریعے یہی ہیں، یہ مراد نہیں کہ حصولِ دولت اور جمعِ دولت کا حصر انھیں دو چیزوں میں ہے۔

خصھما بالذکر من بین سائر الاموال لانھما قانون التمول واثمان الاشیاء وذکر کنزھما دلیل علی ما سواھما (مدارک) الحکم عام وتخصیصھما بالذکر لانھما قانون التمول (بیضاوی)

۶۴ اتنی صریح، شدید، موکد وعید عذاب سے ظاہر ہے کہ بڑے بڑے کوٹھی وال مہاجنوں، بینکروں کی طرح

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ

بے شک مہینوں کا شمار اللہ کے نزدیک بارہ ہی مہینہ کتاب الٰہی میں (اس روز سے) جس روز کہ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۥ

اُس نے آسمان اور زمین پیدا کئے ۶۵ اور ان میں سے چار (مہینہ) حرمت والے ہیں ۶۶ یہی دین مستقیم ہے،

فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً

سو تم ان (مہینوں) کے باب میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو ۶۷ اور لڑو مشرکوں سے سب سے

سونے چاندی کے ڈھیر پر ڈھیر جمع کرتے رہنے کی گنجائش اسلام میں نہیں۔

ما کنتم تکنزون ۔ سے قبل لفظ عذاب محذوف ہے

ای عذاب ما کنتم تکنزون (قرطبی)

۶۵ یعنی شریعت الٰہی میں معتبر قمری سنہ کے بارہ ہی مہینے ہیں، نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم، اور یہ کچھ آج سے نہیں روز آفرینش سے ہے۔

فی کتٰب اللّٰہ ۔ یعنی شریعت خداوندی میں۔

ای فی ما اثبته واوجبه من حکمه (مدارک) فی حکم اللّٰہ ۔ (معالم)

یوم خلق السمٰوٰت والارض ۔ اس تصریح سے مقصود زور و تاکید پیدا کرنا ہے۔

والمقصود بیان ان ھٰذا الحکم محکوم بہ من اول خلق العالم وذٰلک یدل علی المبالغة والتاکید (کبیر)

۶۶ اور وہ بھی متعین و معروف یعنی محرّم، رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ، یہ نہیں کہ اہل جاہلیت کی طرح اپنی وقتی مصلحتیں دیکھ جس مہینہ کو چاہا ادب والا قرار دے دیا، اور سال کے مہینے جب چاہا، بڑھا لیے۔

حُرُم ۔ حرمت والے مہینے وہ جن میں قتال ممنوع تھا، یہ تو فقہی پہلو ہوا، باقی یہ مہینے وہ ہیں جن میں طاعت مقبول تر اور معصیت قبیح تر قرار دی گئی ہے۔

معنی الحرم ان المعصیة فیھا اشد عقابا والطاعة فیھا اکثر ثوابا (کبیر) لا یبعد ان یعلم اللّٰہ تعالٰی ان وقوع الطاعة فی ھٰذہ الاوقات اکثر تاثیرا فی طہارة النفس ووقوع المعاصی فیھا اقوی تاثیرا فی خبث النفس وھٰذا غیر مستبعد عند الحکماء (کبیر)

۶۷ (عادت جاہلیت کا اتباع اور دستور الٰہی سے انحراف کرکے)

ذٰلک الدین القیم ۔ یعنی مذہب کی بتلائی ہوئی سیدھی راہ یہی ہے اس کے خلاف روش اختیار کرنا بد دینی ہے لیکن دین کے معنی "حساب" کے بھی آئے ہیں اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ سیدھا اور صحیح حساب یہی ہے، گو ترجیح اُسی پہلے معنی کو ہے۔

کَمَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ کَآفَّۃً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۶﴾

جیسا کہ وہ لڑتے ہیں تم سب سے، اور جانے رہو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے ۶۸

الدین قد یراد بہ الحساب فتفسیر الأیۃ علی ھذا النقد یرذلک الحساب المستقیم الصحیح (کبیر) ای الحساب الصحیح والعدد المستوفی ..... والاصوب عندی ان یکون الدین ھھنا علی اشہر وجوھہ ای ذلک الشرع والطاعۃ۔ (قرطبی)

فیھن۔ یہ ضمیر جمع مؤنث کس کی طرف ہے، ہو سکتا ہے کہ اثنا عشر شھراً کی جانب ہو یعنی ان بارہ مہینوں کے باب میں گڑبڑ کر کے اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔

ای فلا تظلموا فی الشھور الاثنی عشر انفسکم (ابن عباسؓ) علی قول ابن عباس راجع الی جمیع الشھور۔ (قرطبی)

اور یہ بھی درست ہے کہ اربعۃ حرم کی جانب ہو، جیسا کہ اکثر مفسرین کا خیال ہے یعنی ان چاروں ادب والے مہینوں میں گڑبڑ کر کے گنہگار نہ ہو۔

قول الاکثرین ان الضمیر فی قولہ فیھن عائد الی الاربعۃ الحرم (کبیر) علی قول بعضھم راجع الی الاشھر الحرم خاصۃ (قرطبی)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ متبرک وقات میں معصیت کی برائی شدید تر ہوتی ہے اور اسی پر متبرک مقامات کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے تو وائے برحال اُن لوگوں کے جو اولیاء صالحین کے مزارات و مقابر پر اور وہ بھی زمانۂ عرس میں فجور و بدعات کا ارتکاب کیا کرتے ہیں۔

امام رازیؒ نے حسب معمول اس پر تفصیل و تحقیق سے گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ عربوں کے ہاں تو حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے وقت سے سنہ قمری چلا آتا تھا، جس سے ماہِ حج کبھی کسی موسم میں پڑتا تھا کبھی کسی میں، لیکن عربوں نے دیکھا کہ اس سے تجارت وغیرہ میں نقصان ہوتا ہے تو انھوں نے مصالح دین کا خیال نہ کر کے اور ان پر مصالح دنیوی کو ترجیح دے کر یہود و نصاریٰ سے حساب کبیسہ سیکھ لیا، اور اپنے مہینوں میں کچھ کچھ روز کے بعد ایک مہینہ بڑھا کر حج وغیرہ کا زمانہ بہ حساب شمسی متعین کر دیا، اور یہ صریح مصالحِ شریعت میں دست اندازی ہے۔

علماء سلف نے آیت سے یہ حکم بھی مستنبط کیا ہے کہ مسلمانوں پر اپنے معاملات و عبادات میں سنہ قمری عربی کی پابندی واجب ہے، اور سنہ عجمی و سنہ رومی شمسی کی پابندی جائز نہیں۔

قال اھل العلم الواجب علی المسلمین بحکم ھذہ الأیۃ ان یعتبروا فی بیوعھم ومدد دیونھم واحوال زکوتھم وسائر احکامھم السنۃ العربیۃ بالاھلۃ ولا یجوز لھم اعتبار السنۃ العجمیۃ والرومیۃ۔ (کبیر)

۶۸ (بہ لحاظ اپنی نصرت کے)

المعیۃ ھنا معیۃ لنصر والمعونۃ۔ (المنار)

مطلب یہ ہوا کہ مشرکوں سے یا ان کے سامان و جمعیت سے ڈرنا ہی کیا، ایمان و تقویٰ پر قائم رہو تو نصرت الٰہی تو تمھارے ہی ساتھ رہے گی، کاروبارِ عالم میں اصلی اور بنیادی شے تقویٰ ہی ہے، باقی سب اس کے بعد۔

المشرکین۔ مراد مشرکین عرب ہیں، جزیہ ان کے حق میں نہ تھا، انھیں لازمی طور پر مسلمان ہی ہونا تھا۔

کافۃ۔ یعنی ان سے ہر موسم میں، سال کے ہر مہینہ میں لڑ سکتے ہو جس طرح یہ تم سے لڑتے رہتے ہیں۔

إِنَّمَا النَّسِيٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا

مہینوں کا ہٹا دینا کفر میں اور ترقی کرنا ہے ۶۹ اس سے (عام) کفار گمراہ کئے جاتے ہیں، وہ کسی سال حرام مہینہ کو حلال

وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ

کر لیتے ہیں اور کسی سال اُسے حرام سمجھتے ہیں تاکہ ان (مہینوں) کی جنھیں اللہ نے حرام قرار دیا ہے گنتی پوری کر لیں ۷۰

زُيِّنَ لَهُمْ سُوٓءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٧﴾

پھر اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں، ان کی بد اعمالیاں انھیں اچھی معلوم ہوتی ہیں اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا ۷۱

کافۃً کے لفظی معنی جمیع، یا کُل کے کُل کے ہیں۔

ای جمیعًا۔ (روح۔ المنار)

۶۹ یعنی کافرانہ دستوروں میں ایک اور دستور کا اضافہ ہے۔

النسیٔ۔ ہندوستان میں جو سنہ فصلی شمسی حساب سے رائج ہے اُس کے مہینوں میں حساب کو پورا کرنے کو ہندو پنڈت کبھی کبھی ایک مہینہ کو دُہراتے ہیں، اور اسے اصطلاح میں لوند لگانا کہتے ہیں، مثلاً اب کی سال اساڑھ میں لوند لگا، یعنی اساڑھ کی مدّت بجائے ایک مہینہ کے دو مہینہ قائم رہی، یہ تو محض حسابی ضرورت سے ہوتا ہے، عرب جاہلی کے رؤسا یہ کرتے تھے کہ محض اپنی مصلحتوں کے تابع سنہ قمری کے جس ماہ کو چاہتے مقدس قرار دے دیتے جس مہینہ کو چاہتے دُہرا دیا کرتے اور سال کے مہینوں کو جب چاہتے بجائے بارہ کے تیرہ چودہ کر دیا کرتے اسی سے سارے نظامِ تقویمی میں خلل پڑ جاتا۔

۷۰ یعنی شریعتِ الٰہی نے تو چار مخصوص و متعین مہینوں کو محترم ٹھہرایا ہے، یہ لوگ جب چاہتے ہیں، اپنی ذاتی و نفسانی اغراض کو پورا کرتے کبھی اس مہینہ کو محترم قرار دے لیا، اور کبھی اُس مہینہ کو، اور اسی طرح چار کی گنتی، بلا تخصیص و تعیین پوری کر لی۔

یضلّ بہ الذین کفروا۔ گمراہ جو کئے جاتے ہیں وہ تو عوام کفار ہوتے ہیں، اور گمراہ کرنے والے ان کے سردار اور رؤسا۔ بعض محققین نے کہا ہے کہ احکامِ عبادات میں معتبر صرف سنہ قمری ہے، رومی ایرانی مصری کسی اور سنہ کو اسلام معتبر نہیں قرار دیتا۔

ھذہ الاٰیۃ تدل علی ان الواجب تعلق الاحکام من العبادات وغیرھا انما یکون بالشھور والسنین تعرفھا العرب دون الشھور التی تعتبرھا العجم والروم والقبط وان لم تزد علی اثنی عشر شھرًا (قرطبی)

۷۱ (وہ اس لئے کہ یہ لوگ خود راہ پر نہیں آنا چاہتے، اور ہدایت کی کوئی طلب نہیں رکھتے)

سوء اعمالھم۔ لوند کا مہینہ جو تصحیح حساب موسم کے لئے بارہ پر بڑھا لیا جاتا ہے وہ اس آیت کی مخالفت نہیں، اسی طرح دوسرے حسابوں کی اس میں نفی نہیں ہے جیسا بعض اہلِ زمانہ سے غلط فہمی ہوئی ہے کیونکہ ان حسابوں سے احکامِ شرعیہ میں تو فرق و خلل نہیں پڑتا، اور مقصود آیت میں اس حساب کا ابطال ہے جس سے احکامِ شرعیہ میں

ع ۱۱ ۵

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَا لَـكُمۡ اِذَا قِيۡلَ لَـكُمُ انْفِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ

اے ایمان والو تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین سے لگے

اثَّاقَلۡتُمۡ اِلَى الۡاَرۡضِ‌ؕ اَرَضِيۡتُمۡ بِالۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا مِنَ الۡاٰخِرَةِ‌ ۚ

جاتے ہو ۲۷؎ کیا تم دنیا کی زندگی پر بہ مقابلہ آخرت کے راضی ہو گئے؟

اختلال یا غلطی ہونے لگے، جیسا اہلِ جاہلیت کی عادت کا بیان کیا گیا، البتہ چونکہ احکامِ شرعیہ کا مدار حسابِ قمری پر ہے اس لئے اس کی حفاظت فرض علی الکفایہ ہے، پس اگر ساری امت دوسری اصطلاح کو اپنا معمول بنالیوے جس سے حسابِ قمری ضائع ہو جائے سب گنہگار ہوں گے، اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی مباح ہے، لیکن خلافِ سنّت ملّتِ ضرور ہے، اور حسابِ قمری کا برتنا بوجہ اس کے فرضِ کفایہ ہونے کے لابد افضل و احسن ہے (تھانوی)

زین لھم سوءُ اعمالھم شیطان کا بڑا دھوکا یہی ہے کہ معصیت اور بدعملی کو انسان کی نظر میں ایک عمل نیک کر دکھاتا ہے ــــــ اہلِ طریق نے اسی سے بچنے کے لئے خاص طور پر دعائیں اور مناجاتیں کی ہیں:۔

انچہ در کون است زاشیا انچہ ہست	وانما جاں را بہر حالت کہ ہست
گرسگی کردیم اے شیر آفریں	شیر را مگمار بر ما زیں کمیں
آب خوش را صورتِ آتش مدہ	اندر آتش صورت آبے منہ
از شراب قہر چوں مستی دہی	نیستہا را صورت ہستی دہی

۲۷؎ یعنی مستعدی کے ساتھ اٹھتے اور چلتے نہیں۔

اشارہ رجب ۹ھ کے غزوۂ تبوک کی جانب ہے، تبوک مدینہ کے شمال میں سرحدِ شام پر ایک مقام کا نام ہے، شام اس وقت مسیحیوں کی رومن امپائر کا ایک صوبہ تھا، جب رسول اللہ صلعم غزوۂ حنین سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ آئے تو آپ کو اطلاع ملی کہ مسیحی فوجیں تبوک پر جمع ہو رہی ہیں، اور عنقریب مدینہ پر حملہ کرنے والی ہیں، آپ نے خود ہی بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا، چنانچہ تیس ۳۰ ہزار کی جمعیت آپ کے ہمراہ ہو گئی، اب کی مسلمانوں کو مقابلہ کسی قبیلہ سے نہیں، ایک باضابطہ قواعد داں شاہی فوج سے کرنا تھا، پھر موسم بھی گرمی کا، فصل کے پکنے اور کٹنے کا زمانہ قریب، اور سفر بھی خاصہ دور دراز، قدرۃً بہتوں کی ہمتیں جواب دے گئیں، اور منافقین تو خوب خوب رنگ لائے، تاہم لشکرِ نصاریٰ کو جب لشکرِ اسلام کی اس مستعدی اور آمد کی اطلاع ملی، تو خود اُن کے بھی حوصلے پست ہو گئے، اور اس کی ہمت حملہ کی نہ پڑی، لشکرِ اسلام ایک مدّت کے انتظار کے بعد بلا مقابلہ واپس آیا۔

مالکم۔ کلمۂ ملامت و توبیخ ہے، یعنی آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے!

معناہ التقریر والتوبیخ والتقدیر ای شیء یمنعکم عن کذا (قرطبی)

فی سبیل اللہ۔ یعنی جہاد و قتال کے لئے۔

فقہاء نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ جب جہاد کی نفیر (پکار) ہو جائے تو ہر شخص پر جو بلا عذر ہو جہاد واجب ہو جاتا ہے

فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ

دنیا کی زندگی کا سامان تو آخرت کے مقابلہ میں بہت ہی قلیل ہے ۷۳ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمھیں ایک دردناک

عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ

سزا دے گا، اور تمھارے بدلہ ایک دوسری قوم پیدا کر دے گا، اور تم اُسے کچھ بھی نقصان نہ پہونچا سکو گے اور اللہ ہر شے پر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

قادر ہے ۷۴ اگر تم لوگ اُن کی (یعنی رسول اللہ کی) مدد نہ کرو گے تو اُن کی مدد تو (خود) اللہ کر چکا ہے جب کہ اُن کو کافروں نے (وطن سے) نکال

ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

دیا تھا ۷۵ جب کہ دو میں سے ایک وہ تھے جب کہ دونوں غار میں (موجود) تھے جب کہ وہ اپنے رفیق سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو، بے شک اللہ ہم لوگوں کے ساتھ ہے ۷۶

اقتضیٰ ظاهر الاٰية وجوب النفير علیٰ من لم يستنفر (جصاص)

۷۳ اُمت کے لئے اصلی اور قوی ترین محرک و داعیۂ عمل اجرِ آخرت ہے، جیسا کہ قرآن مجید کی بہ کثرت آیتوں سے ظاہر و روشن ہے۔ جدید روشن خیالی نے افسوس ہے کہ اسی قوی ترین محرک اور موثر ترین داعیہ کو سب سے زیادہ کمزور کر دیا ہے، اب مسلمانوں کو لالچ اور ترغیب ہر قسم کی دی جائے گی، دنیوی ترقی کی، آزادی کی، فلاح کی، مالی خوشحالی کی، وغیرہا، زبان پر نام نہ آئے گا تو ایک اسی اجرِ آخرت کا۔

من الاٰخرۃ۔ یعنی آخرت اور وہاں کی نعمتوں کے بدلہ میں۔

ای بدل الاٰخرۃ ونعیمها۔ (بیضاوی)

فی الاٰخرۃ۔ یعنی آخرت کے مقابلہ میں۔

ای فی جنب الاٰخرۃ (بیضاوی)

۷۴ (انسان کی وساطت کے بغیر ہی)

عذابًا الیمًا۔ یہ عذاب الیم اسی دنیا میں نمودار ہو گا، یعنی تمھارے اوپر موت و ہلاکت مسلط کر دی جائے گی۔

ویستبدل قومًا غیرکم۔ اور اللہ اپنا کام اسی دوسری قوم سے لے گا۔

لا تضروہ۔ ضمیر غائب اللہ کے دین کی طرف ہے۔

خود اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف بھی ضمیر جا سکتی ہے۔

قیل الهاء لله تعالیٰ وقیل للنبی صلعم (قرطبی)

واللہ علیٰ کل شیئ قدیر۔ اللہ تو ہی مسبب الاسباب ہے قادر مطلق ہے وہ تمھاری یا کسی کی نصرت کا محتاج نہیں۔

۷۵ (اور وہ وقت اس سے بھی زیادہ سخت اور اُن کی سخت ترین بے بسی کا تھا)

اشارہ ہے واقعۂ ہجرت کی طرف، جب مشرکین مکہ آپؐ کے قتل پر تل گئے تھے، اور آپ حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سلا کر شبا شب تنہا حضرت ابوبکرؓ کو اپنے ہمراہ لے کر، غار حرا میں چھپتے ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

۶۷ آپ دونوں صاحب غار ثور کے اندر چھپے ہوئے تھے کہ مشرکوں کی تلاش کرنے والی پارٹی نقشِ قدم کے نشانات کی مدد سے اس غار کے منھ تک پہونچ گئی، نشان شناس نے بتایا کہ نشانِ قدم یہیں تک ملتے ہیں اسی غار کے اندر ہوں گے، کون انسان تھا، جو ایسے موقع پر اپنے کو جان کے دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار دیکھتے پریشان و مضطر نہ ہو جاتا، حضرت ابوبکرؓ کو طبعاً اضطراب پیدا ہوا، ہاں صرف ایک ہستی تھی، جو اس وقت بھی اللہ کے فضل سے بالکل مطمئن اور اللہ پر اعتماد کئے رہی، اور وہ ہستی محمد رسول اللہؐ کی تھی، آپؐ نے سمجھایا کہ ابوبکرؓ گھبرانے کی کیا بات ہے، ہم دو تنہا نہیں، ہمارے ساتھ تو اللہ کی تائید و نصرت ہے۔

ان اللہ معنا۔ یعنی اس کی نصرت و حفاظت ہماری رفیق ہے۔

ای بالنصر والرعایۃ والحفظ والکلاءۃ (قرطبی) یعنی بالمعونہ والنصر (بحر) بالعصمۃ والمعونۃ (بیضاوی)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصلی اور حقیقی معجزات اس قسم کے واقعاتِ سیرت ہیں، اتنا سکون و اطمینان واعتماد علی اللہ اگر خود ایک معجزہ نہیں تو اور کیا ہے۔

معنا سے معیتِ نصرت ہی مراد ہے، ورنہ معیت ذاتی تو ہر مخلوق کو ہر آن حاصل رہتی ہے۔

ای بالعصمۃ والمعونۃ فہی معونۃ مخصوصۃ والا فہو تعالی مع کل واحد من خلقہ (روح)

فی الغار۔ یہ غار غار ثور مضافات مکہ میں سے تھا، مکہ سے جنوب و مشرق میں، آپؐ اس کے اندر تین دن تک قیام پذیر رہے، مدینہ کے راستہ میں نہ تھا، اس سے ہٹ کر تھا، مدینہ کو جب آپؐ نے ہجرت فرمائی تو راستہ قصداً ذرا چکر کا اختیار فرمایا، کہ تلاش کرنے والے آپؐ کو آسانی سے نہ پا سکیں، اس کا دہانہ اب تک اتنا تنگ ہے کہ اندر صرف لیٹ ہی کر جانا ممکن ہے، شیخ رشید رضا مصری نے تفسیر المنار میں ایک مصری امیر الحج ابراہیم رفعت پاشا (سن حج ۱۳۱۸ ہجری) کے حوالہ سے غار کی پیمائش وغیرہ درج ہے، اور اس کی تنگی کا ذکر صراحت کے ساتھ کیا ہے۔

ثانی اثنین۔ لصاحبہ۔ دو سے مراد ایک ذاتِ رسولؐ ہے، دوسرے آپؐ کے مقرب ترین صحابی ابوبکر صدیقؓ، صاحبِ رسولؐ یا رفیقِ رسولؐ کے اس تعین میں کوئی اختلاف نہیں۔

اور اس سے حضرت صدیقؓ کی افضلیت و اشرفیت پر جو روشنی پڑتی ہے، محتاج بیان نہیں۔

بعض علماء نے آیت سے حضرت صدیقؓ کے خلیفۂ اول ہونے کا بھی اشارہ سمجھا ہے۔

وقال بعض العلماء ما یدل علی ان الخلیفۃ بعد النبی صلعم ابوبکر الصدیق لان الخلیفۃ لایکون ابداً الا ثانیاً۔ (قرطبی)

علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص ابوبکر صدیقؓ کی صحابیت سے انکار کرتا ہے، وہ قرآن سے انکار کرتا ہے، اور اس سے اس کا کفر لازم آجاتا ہے، اور یہ بات دوسرے صحابیوں کے لئے نہیں۔

وقالوا من انکر صحبۃ ابی بکر فقد کفر لانکارہ کلام اللہ ولیس ذالک لسائر الصحابۃ (مدارک)

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا

سو اللہ نے اپنی تسلی ان (رسول) کے اوپر نازل کی اور ان کی تائید ایسے لشکروں سے کی جنھیں تم لوگوں نے نہ دیکھا ۷۷

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ

اور اللہ نے کافروں کی بات نیچی کر دی، اور اللہ ہی کی بات اونچی رہی،

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا

اور اللہ بڑا زبردست ہے، بڑا حکمت والا ہے ۷۸ نکل پڑو ہلکے اور بوجھل اور جہاد کرو اپنے مال سے

بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں ۷۹

۷۷ یعنی ملائکہ کے لشکروں سے۔

یہاں مراد فرشتوں سے تو سب نے لی ہے اب ممکن ہے یہ وہ فرشتے ہوں جو سکینۂ قلب عالم غیب سے لے کر آئے تھے، یا وہ فرشتے ہوں، جنھوں نے آگے چل کر بدر وغیرہ غزواتِ نبوی میں امداد کی، واللہ اعلم

انزل اللہ سکینتہٗ۔ یعنی اللہ نے اپنی طرف سے تسکین نازل کی۔

پیمبروں تک کی دستگیری و نصرت اپنے رب خالق کی طرف سے ہوتی رہتی ہے اور افضل الرسل تک سکینتِ الٰہی کے محتاج رہتے ہیں۔

۷۸ ہر تدبیر اس کے لئے حاضر بھی، اور ہر تدبیر پر وہ قادر بھی۔

کلمۃ الذین کفروا السفلےٰ۔ چنانچہ کافروں کا کوئی منصوبہ اللہ نے چلنے نہ دیا۔

کلمۃ اللہ ھی العلیا۔ چنانچہ اللہ ہی کی تدبیر غالب رہی۔

۷۹ خفافاً اور ثقالاً دو متقابل کے لفظ ہیں، ان کی مختلف و متعدد تفسیریں آئی ہیں مثلاً تنگدست اور خوشحال، جوان تیز رو اور پیر سست رفتار، بیکار اور مشغول، بے سامان اور باسامان، خوش دلی سے اور بے دلی سے وغیرہا۔

ای شیباً وشباناً (ابن جریر عن الحسن) ای اغنیاء ومساکین (ابن جریر عن قتادہ) ای مشاغیل وغیر مشاغیل (ابن جریر عن الحکم) ای نشاطاً وغیر نشاط (ابن جریر عن ابن عباس وقتادۃ)

مقصود بہرصورت عمومِ حکم ہے کہ جس حال میں بھی ہو، جہاد کے لئے چل پڑو، نکل کھڑے ہو۔

ابن جریر نے متعدد تفسیریں نقل کر کے قولِ فیصل یہ لکھا ہے کہ خفاف کے تحت میں ہر وہ شخص داخل ہے جسے قوت، صحت، جوان عمری، خوش حالی، بے فکری غرض کسی بنا پر بھی آسانیاں حاصل ہوں، اور ثقال کے ماتحت وہ سب آجاتے ہیں جنھیں اس کے برعکس، مذکورۂ بالا بناؤں میں دشواریاں لاحق ہوں، اور اسی کے قریب قریب ابن کثیر نے بھی لکھا ہے،

حتم علی المؤمنین فی الخروج معہ علی کل حال فی المنشط والمکرہ والعسر والیسر (ابن کثیر)

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا

یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم علم رکھتے ہو ۸۰ اگر کچھ مال لگے ہاتھ مل جانے والا

وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ

ہوتا اور سفر بھی معمولی ہوتا تو یہ لوگ ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن انھیں مسافت ہی دور دراز معلوم ہونے لگی ۸۱

وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ

اور یہ لوگ عنقریب اللہ کی قسم کھا جائیں گے کہ اگر ہم سے ہو سکتا تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے، یہ لوگ اپنی ہی جانوں کو ہلاک کر رہے ہیں ۸۲

فی سبیل اللہ۔ جہاد خواہ اپنے عام و وسیع معنی میں ہو، یا محدود اصطلاحی معنی میں قتال کا مترادف فی سبیل اللہ کی قید ہر حال میں لگی ہوئی، اس کی جو صورت بھی ہو، بہر حال اپنے نفس کے لئے، اور دنیا کی راہ میں نہ ہو، محض اللہ کے دین کی راہ میں فقہاء نے انفروا خفافا و ثقالا سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جب جہاد واجب ہو جائے تو امیرِ جہاد اور لشکریوں کے فاسق ہونے کے باوجود بھی واجب رہتا ہے۔

فان قیل ھل یجوز الجہاد مع الفساق قیل لہ ان کل احد من المجاھدین فانما یقوم بفرض نفسہ فجائز لہ ان یجاھد الکفار وان کان امیر الجیش وجنودہ فساقا (جصاص)

چنانچہ اصحاب نبیؐ سے خلفائے راشدینؓ کے بعد فاسق امیروں کی سرداری میں جہاد کرنا ثابت ہے۔

وقد کان اصحاب النبی صلعم یغزون بعد الخلفاء الاربعۃ مع الامراء الفساق وغزا ابو ایوب الانصاری مع یزید اللعین (جصاص)

اگرچہ فقیہ جصاص کی اس رائے پر تھوڑی سی جرح کرنے کا جی چاہتا ہے کہ اول تو یزید کا "لعین" ہونا ہی کس دلیل سے ثابت ہے، اور بالفرض وہ لعین تھا بھی تو کیا یہ ملعونیت مادر زاد تھی، اور واقعۂ کربلا سے برسوں قبل اس وقت بھی اس پر چپکی ہوئی تھی، جب وہ زمانہ ولی عہدی میں جہادِ قسطنطنیہ میں صحابی ابو ایوب انصاریؓ کے ساتھ مشغول تھا؟ اور فقہاء نے یہ نکتہ بھی خوب لکھا ہے کہ فاسق جب جہاد میں شریک ہو گیا تو اس حیثیت سے وہ فاسق رہا کہاں، وہ تو خود اب مطیع ہو گیا۔

فان الفساق اذا جاھدوا فھم مطیعون فی ذالک (جصاص)

۸۰ جہاد سے آخرت کی فلاح تو ظاہر اور یقینی ہے، یعنی وہاں کا اجر و قرب، باقی دنیا کی فلاح بھی اکثر حاصل ہو ہی جاتی ہے، مثلاً فتح و عزت اور مالِ غنیمت وغیرہ۔

۸۱ (اور اس لئے یہیں رہ گئے)

ذکر منافقین کا ہو رہا ہے، جنھوں نے غزوۂ تبوک میں ہمراہ جانے سے انکار کر دیا تھا، تبوک کی مسافت مدینۂ منورہ سے بارہ منزلوں کی تھی۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى

حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں ۸۲ اللہ نے آپ کو معاف کر دیا لیکن آپ نے ان کو اجازت

يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ

کیوں دے دی تھی جب تک کہ آپ پر سچے لوگ ظاہر نہ ہو جاتے اور آپ جھوٹوں کو جان نہ لیتے ۸۴ جو لوگ اللہ اور

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، وہ (کبھی) آپ سے اجازت نہ مانگیں گے کہ اپنے مال و جان سے جہاد نہ کریں

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں سالک کے لئے اپنے اخلاص کے امتحان کا طریقہ درج ہے یعنی وہ یہ دیکھے کہ جس امر میں کوئی نفع دنیوی نہیں بلکہ مشقت ہی ہے اس میں نفس کا کیا رنگ ہے نفع دنیوی والے ہی اعمال کا کرتے رہنا دلیل اخلاص نہیں۔

۸۲ (جھوٹی قسمیں کھا کھا کر)

سیحلفون کے س یعنی عنقریب سے مراد یہ ہے کہ جب تم لوگ جہاد سے واپس آجاؤ گے۔

ای المتخلفون اذا رجعت من تبوک معتذرین (بیضاوی)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اسی طرح سالک کو اس کا نفس جھوٹے دعووں سے دھوکا دیتا رہتا ہے اور اطاعت کی راہ میں طرح طرح کے باطل معذرات تراشتا رہتا ہے۔

۸۳ (چنانچہ ان کو استطاعت تھی اور پھر بھی یہ نہ گئے)

منافقوں اور کج دلوں کی اس ایمانی کمزوری کا راز فاش ہونے کا اب کوئی ذریعہ بعد عہد رسالت و نزول قرآن کے، باقی نہ رہ گیا۔

۸۴ ذکر ان منافقین کا ہے، جو رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر وطن میں رہ گئے تھے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی اجازت ملتے ہی ان لوگوں کو جو گونہ بے فکری ہو گئی یہ نہ ہوتی، بلکہ اگر آپ کے بغیر اجازت یہ رہ جاتے تو ان کی خباثت اور زیادہ کھل کر رہتی۔

الذین صدقوا۔ سے مراد مومنین صادقین ہیں، جن کے پاس واقعی کوئی عذر تھا۔

لم اذنت لھم۔ اجازت سے مراد ہے جنگ میں نہ شریک ہونا اور وطن میں رہ جانے کی اجازت، یہ اجازت دے دینا کوئی معصیت نہ تھی، البتہ حالاتِ وقت کے لحاظ سے اجازت نہ دینا بہتر تھا۔

عفا اللہ عنک۔ لفظ عفو سے گناہ کا سرزد ہو چکنا لازم نہیں آتا، جس طرح گناہ اور جرم عفو کئے جاتے ہیں، اسی طرح معافی خلافِ احتیاط اور خلافِ اولیٰ کارروائیوں پر بھی ملتی ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جس طرح آیت میں حق تعالیٰ نے عفو کو شکایت پر مقدم فرمایا یہی معاملہ حق تعالیٰ کا باطن میں مقبولین کے ساتھ رہا کرتا ہے کہ عین عتاب میں بھی اپنا لطف دکھلاتے رہتے ہیں۔

مرشد تھانویؒ نے یہ بھی فرمایا کہ لم اذنت لھم آیت میں شیوخ کو یہ تعلیم ہے کہ مریدوں کے عذر قبول کرنے میں

وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِالْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُکَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ

اور اللہ پرہیزگاروں سے خوب واقف ہے ۸۵ آپ سے اجازت تو وہی لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور روز آخرت

بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُھُمْ فَھُمْ فِیْ رَیْبِھِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

پر ایمان ہی نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں گرفتار ہیں سو اپنے شک میں پڑے ہوئے حیران ہیں ۸۶

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَہٗ عُدَّۃً وَّلٰکِنْ کَرِہَ اللّٰہُ

اور اگر ان لوگوں نے چلنے کا ارادہ کیا ہوتا تو اس کا کچھ سامان تو کرتے ۸۷ لیکن اللہ نے ان کے جانے کو

انْۢبِعَاثَھُمْ فَثَبَّطَھُمْ وَقِیْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِیْنَ ﴿۴۶﴾

پسند ہی نہ کیا اس لئے انہیں جمار ہنے دیا اور کہہ دیا گیا بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو ۸۸

احتیاط و بیداری سے کام لیں کہ آیا وہ عذر واقعی وصحیح ہے بھی۔

۸۵ (اور انہیں اجر بھی خوب اور پورا پورا دے گا)

ولا یستأذنک الخ۔ بلکہ یہ صاحب ایمان لوگ جہاد سے جی چرانا کیسا، اُلٹا تعمیل حکم الٰہی کے لئے اور دوڑ پڑیں گے یہ مومنین سے جو نفی استیذان کی ہو رہی ہے' اس سے مراد استیذانِ بلاعذر ہے' ورنہ عذرِ واقعی کی بنا پر استیذان تو بڑے سے بڑے کمالِ ایمان و تقوے کے بھی منافی نہیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مومن جب خبرِ کو سنتا ہے تو بلا تامل اُس کی طرف دوڑتا ہے' اور یہ حالت شوق سے پیدا ہوتی ہے تو اس میں شوق کا اثبات ہوا۔

۸۶ (کہ نہ ایمان کا قصد کرتے ہیں اور نہ امتِ اسلامیہ کے دائرہ سے اپنے کو نکالتے ہی ان سے بن پڑتا ہے۔

یترددون۔ تردد کے معنی ہیں حیران و سرگرداں ہونا، دل کا آگا پیچھا کرنا، ڈودے ہوتے رہنا۔ واقعی منافقین کا یہی حال رہا کرتا، اور اُن کا دل اُلٹا پلٹا ہوتا رہتا ہے۔

انما یستأذنک یعنی جہاد سے بلاعذر بچ جانے کی اجازت تو آپ سے وہی لوگ مانگتے ہیں۔

وارتابت قلوبھم۔ یہ شک اُن کو اسلام کی صداقت وحقانیت کے بارہ میں ہے۔

۸۷ یہ منافقین اب بعد کو یہ عذر کرنے لگے کہ چلنے کا ارادہ تو ہمارا پختہ تھا لیکن عین وقت پر فلاں فلاں ضرورتیں اور مجبوریاں پیش آگئیں، جرح اُن کے اس بیان پر ہو رہی ہے' اور ارشاد ہوتا ہے کہ انھوں نے سفر کی تیاریاں بھی کچھ کی تھیں؟

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ تعطل علامت ہے عدم ارادہ کی، چنانچہ بہت سے لوگ اپنے نفس کے دھوکے میں پڑے ہوئے طاعات کی رغبت کا دعوے کرتے ہیں، حالانکہ جھوٹے ہوتے ہیں۔

۸۸ ان سارے افعال کا حق تعالےٰ کا اپنی جانب منسوب کرنا اُسی معلوم و معروف قرآنی محاورہ و اسلوبِ بیان

لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَّا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَّلَأَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ

اگر یہ لوگ تمہارے شامل ہو کر چلتے تو تمہارے درمیان فساد ہی بڑھاتے یعنی تمہارے درمیان فتنہ پردازی کی فکر میں

يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٤٧﴾

دوڑے دوڑے پھرتے ۵۸۹ اور تمہارے درمیان ان کے جاسوس (اب بھی) موجود ہیں، اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے ۵۹۰

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِن قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتَّىٰ جَاءَ

یہ تو پہلے ہی فتنہ پردازی کی فکر میں لگ چکے ہیں اور آپ کے لئے کارروائیوں کی الٹ پھیر کرتے رہے یہاں تک کہ سچا

الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَارِهُونَ ﴿٤٨﴾

وعدہ آگیا اور اللہ کا حکم غالب آکر رہا، اور ان کو ناگوار گزرتا رہا ۵۹۱

کے مطابق ہے کہ بندہ کے ہر فعلِ تکوینی کی نسبت مُسبّب الاسباب کی جانب کر دینا درست ہے۔

لکن کرہ اللہ انبعاثھم۔ اللہ کی طرف سے یہ ناپسندیدگی یا کراہت اُن لوگوں کی کفر پروری اور ایمان بیزاری ہی کی بنا پر ہے۔

فثبّطھم۔ یعنی انھیں چلنے کی ہمت و توفیق ہی نہ دی۔

اس سے اشارۃً یہ بھی نکل آیا کہ اخلاص و ارادت کے لئے توفیقِ الٰہی شرط ہے۔

وقیل۔ اس "قول" سے مُراد حکمِ تکوینی ہے۔

حکایۃ من قول اللہ فی سابق قضائہ (بحر) تمثیل لخلق اللہ تعالی داعیۃ القعود فیھم۔ (روح)

القٰعدین۔ وہ پیچھے رہ جانے والے مُراد ہیں، جنھیں کسی عذرِ صحیح کی بنا پر مجبوری تھی۔

ای الرجال الذین یکون لھم عذر یمنعھم عن الخروج (روح)

۵۸۹ مطلب یہ ہوا کہ ان منافقین کا لشکرِ اسلام کے ساتھ نہ جانا مصالحِ تکوینی کے اعتبار سے بھی اچھا ہی ہوا، یہ ساتھ جاتے تو اس کے سوا اور کیا کرتے کہ لگائی بجھائی کر کے آپس میں تفریق ڈلواتے، جھوٹی خبریں اڑا اڑا کر پریشان کرتے، اور دشمن کا خوف و رعب دلوں میں بٹھاتے۔

فیکم۔ یعنی تمہارے درمیان شامل ہو کر۔

ای فی جیشکم و فی جمعکم (جمل) قیل فی بمعنی مع ای معکم (جمل)

وَلَا۔ میں و عطف تفسیر کے لئے ہے۔

۵۹۰ (چنانچہ اس سے خوب واقف ہے کہ ان کے جو لوگ تمہارے ساتھ لگے ہوئے ہیں، وہ چونکہ اہل الرائے نہیں، اس لئے اُن کا شامل رہنا چنداں مُضر نہیں)

وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ ائْذَن لِّي وَلَا تَفْتِنِّي ۚ أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۗ وَإِنَّ

اور ان میں کوئی کوئی ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے رخصت دے دیجئے اور مجھے خرابی میں نہ ڈالئے ۹۲ خوب سُن لو کہ خرابی میں

جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿٤٩﴾ إِن تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِن تُصِبْكَ

تو یہ پڑ ہی چکے ہیں اور بیشک دوزخ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے ۹۳۔ اگر آپ کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو یہ انھیں غمگین کر دیتی ہے اور

مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِن قَبْلُ وَيَتَوَلَّوا وَّهُمْ فَرِحُونَ ﴿٥٠﴾

اگر آپ کو کوئی حادثہ آپڑتا ہے تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم نے تو (اسی لئے) پہلے سے اپنا امر (احتیاط) اختیار کر لیا تھا اور خوش خوش منھ موڑے ہوئے چلے جاتے ہیں۔

سمّٰعون۔ کے معنی اس سیاق میں جاسوسی یا ٹوہ لینے والوں کے ہیں۔

ای جواسیس للکفار (ابن عباسؓ) المراد فیکم عیون لھم ینقلون الیھم ما یسمعون منکم (کبیر عن مجاھد وابن زید) وفیکم مخبرون لھم یؤدون الیھم ما یسمعون منکم وھم الجواسیس (معالم عن مجاھد)

۹۱ (تو آئندہ بھی اسی طرح ہوگا، آپ فکر و تردد میں نہ پڑیں۔)

ابتغوا الفتنۃ من قبل۔ اشارہ ہے جنگ اُحد وغیرہ کی جانب۔

قلبوا لک الامور مثلاً یہ کہ آپ کے شریک ہوئے اور پھر ہٹ گئے تا کہ مسلمان پراگندہ خاطر اور دل شکستہ ہو جائیں۔

۹۲ رومی مسیحی لیڈیاں بالکل آج کل کی فرنگنوں کی طرح اپنے گورے رنگ، اپنے بناؤ سنگار اور اپنی بے حجابی وعشوہ طرازی کے لئے مشہور تھیں بعض چالاک منافقوں نے اسی کو ایک عذر تراش لیا تھا، اور رسول اللہ صلعم سے آکر عرض کیا تھا کہ ہم کو یہیں رہ جانے دیجئے ہمیں اپنی شرکت سے اُلٹے ضرر کا اندیشہ ہے۔

منھم۔ یعنی انھیں منافقین متخلفین میں سے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ نفس طاعات کی پابندی سے یہ بہانہ کر کے عذر کرتا ہے کہ طاعت میں فلاں فلاں مفسدہ ہیں جن کا شر طاعت کی خیر سے بڑھا ہوا ہے۔

۹۳ (جس کا ظہور کامل تو گو آخرت میں ہوگا لیکن بہر حال اعمال کفریہ کی بنا پر اس احاطتِ جہنم کا آغاز تو ابھی ہو چکا)

الا فی الفتنۃ سقطوا۔ رسول اللہ صلعم کی نافرمانی اور آپ کی شریعت سے کفر کرنے سے بڑھ کر خرابی اور ہو کون سی سکتی ہے، اور اپنی اس نافرمانی و کفر کے دنیوی واُخروی ثمرات و نتائج کو تو یہ اپنے ہاتھوں بلا چکے ہیں۔

دین کو مصیبت اور طاعات کو بلا سمجھنے والے کم از کم عہدِ رسولؐ اور دورانِ نزولِ قرآن میں تو امن میں نہ رہ سکے، صحابۂ کرام سر بکف سرگرمِ جہاد رہے، اور دنیا میں بھی ہر طرح کامیاب و منصور، منافقوں نے حقیقی تمنائیں احکامِ دین سے بچنے کی کیں، اور زیادہ ہدفِ مصائب بنتے گئے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اہل اشارات کے نزدیک یہی اخلاق سیئہ اور اعمال قبیحہ جو آج کفار اشرار کو گھیرے ہوئے ہیں، کل بہ صورتِ نار ظاہر ہوں گے۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ

آپ کہہ دیجئے کہ ہم پر کچھ بھی پیش نہیں آسکتا مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا، وہ ہمارا مالک ہے اور اللہ ہی

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى

کا سہارا تو اہل ایمان کو رکھنا چاہیئے ۹۵ آپ یہ (بھی) کہہ دیجئے کہ تم تو ہمارے حق میں دو بھلائیوں

الْحُسْنَيَيْنِ ۚ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ

ہی میں سے ایک (بھلائی) کے منتظر رہتے ہو ۹۶ درآنحالیکہ ہم تمہارے حق میں انتظار اس کا کرتے رہتے ہیں کہ اللہ

عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾

تم پر کوئی عذاب واقع کرے گا اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سے ۹۷ سو تم انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ (اپنے طور پر) منتظر ہیں ۹۸

۹۴ هم اور سارے صیغہ جمع مذکر غائب کے منافقین کے لئے آئے ہیں۔

حسنة، مصيبة۔ دونوں لفظوں کا استعمال منافقین کے نقطۂ نظر سے ہے یعنی اس مادی دنیا کا نفع و ضرر۔

قد اخذنا امرنا۔ مثلاً یہی کہ جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ نہیں نکلے، امر یہاں احتیاط یا پیش بندی کے معنی میں ہے۔

امرنا ای عذرنا (ابن جریر۔ عن مجاهد)

۹۵ اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ فضل خدا پر بھروسا اور تقدیر الٰہی پر اعتماد اہل ایمان کا شیوہ اور ایمان کی علامت ہے۔

قل۔ یعنی آپ یہ ان منافقین سے کہہ دیجئے جو اہل ایمان سے حسد رکھتے ہیں۔

لن .... مولٰنا۔ سو وہ جو کچھ کرے گا ہمارے حق میں بہتر ہی کرے گا ع۔ ہرچہ آں خسرو کند شیریں بود۔ سکون خاطر، یکسوئی قلب، اطمینان و فراغت کا یہ آسان سستا اور مؤثر نسخہ کتنی بار کا آزمایا ہوا ہے، بد نصیب ہیں وہ لوگ جو اس کی طرف سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت میں پہلے ایسے مراقبہ کی تعلیم ہے جو توکل کو سہل کر دے، اس کے بعد اصل توکل کا حکم ہے۔

۹۶ مطلب یہ ہوا کہ تم ہمارے لئے جن دو باتوں کو فرض کر سکتے ہو، یعنی فتح یا موت و شکست تو ہمارے لئے تو دونوں پہلوؤں میں خیر ہی ہے، فتح کا خیر ہونا، تو اجر اخروی اور منافع دنیوی دونوں کے اعتبار سے ظاہر ہی ہے، رہی مصیبت، تو مومن کے حق میں وہ بھی عین رحمت ہے، رفع درجات و کفارۂ سیئات کا بہترین ذریعہ!

۹۷ عذاب کی صورتیں یہی دو ہوتی رہتی ہیں، ایک براہ راست، دوسرے بالواسطہ۔

عذاب من عنده۔ یعنی کوئی بلائے آسمانی، بلا توسط دست انسانی۔

بایدینا۔ یعنی کوئی سزا ہمارے ہاتھوں سے۔

۹۸ آیت میں رسول اللہ صلعم کو ہدایت دو جوابوں کی ہوئی، پہلے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک و حاکم ہیں،

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾

آپ کہہ دیجئے کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے، تم سے کسی طرح نہ قبول کیا جائے گا، کیوں کہ تم نافرمان لوگ ہو ۹۹

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ

اور اس سے کہ ان کے چندے قبول کئے جائیں کوئی امر مانع نہیں بجز اس کے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے

وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾

ساتھ کفر کیا ہے ۱۰۰ اور یہ لوگ نماز نہیں پڑھتے مگر ہارے جی کے ساتھ اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ ۱۰۱

حاکم ہونے کی حیثیت سے اُن کو ہر تصرف کا اختیار ہے، اس لئے ہم راضی ہیں، اور دوسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں، اس مصیبت میں بھی ہمارے فائدہ کی رعایت کرتے ہیں، اس لئے ہم ہر حال میں فائدہ میں ہیں، بخلاف تمھارے کہ تمھاری خوشی کا انجام بھی وبال و نکال ہے اگر دنیا میں نہیں تو آخرت میں ضرور ہے۔" (تھانویؒ)

حاصل یہ کہ مومن کسی صورت میں بھی نقصان میں نہیں رہتا۔ اگر تدبیر و کوشش میں کامیابی ہو گئی تو فوری مسرت ظاہر ہے، اگر ناکامی ہوئی تو اجر و ثواب تو حسرت و تاسف میں بھی ہے۔

صوفیہ نے نکتہ یہ پیدا کیا ہے کہ قبض و بسط دونوں صورتیں عنایتِ الٰہی کی ہیں، طالب و عارف کو مستقل و ثابت ہر صورت میں رہنا چاہیئے۔

۹۹ اور نافرمانی جو یہاں فقدانِ ایمان کے مرادف ہے، تمھاری مالی اعانت کی مقبولیت سے مانع ہے، ایمان تو عند اللہ پہلی شرطِ قبول ہے، اور عمل قبول کیسے ہوتا، جب کہ خود ان لوگوں کو مقصود رضا و ثواب و قرب تھا ہی نہیں۔ آیت کے اندر ہماری قوم کے اُمرا اور رؤسا کے لئے بڑی عبرت پوشیدہ ہے، جو پختگیٔ ایمان اور حسنِ عمل کی طرف سے غافل محض اپنے بھاری قومی چندوں پر نازاں اور اُنھیں پر تکیہ کئے رہتے ہیں، مالی اعانت بھی بلاشبہہ بہت بڑی خدمت ہے دین کی، لیکن نفسِ ایمان اور ایمانِ صحیح کا وجود ان پر بھی مقدم ہے۔

۱۰۰ یہاں صاف تصریح کر دی ہے کہ کفر کے ہوتے ہوئے کوئی سا بھی عمل مقبول نہیں، ایمان تو پہلی اور سب سے بڑی شرط قبولِ اعمال کی ہے۔

۱۰۱ اور یہ دل سے ناگواری اور طبیعت پر گرانباری، خود دلیل ہیں ان کے فقدانِ ایمان کی، ادائے طاعت سے طبیعت میں تازگی، بشاشت اور مستعدی تو جب ہی پیدا ہو سکتی ہے جب ایمان پختہ ہو اور اجر و ثواب کی اُمید قوی ہو۔ آیت میں ہم سب نام کے مسلمانوں کے لئے ڈرنے کی بات ہے، ظاہری اعمال منافقین کے بھی مسلمانوں ہی سے مشابہت رکھتے تھے، نام مسلمانوں کے سے، وضع و معاشرت مسلمانوں کی سی، نمازیں بھی کسی نہ کسی طرح پڑھ لیتے تھے، خیر و خیرات بھی کچھ نہ کچھ دے ہی نکلتے تھے، اس پر بھی حکم ان پر کفر اور فقدانِ ایمان ہی کا لگا! ——

خدا نہ کرے کہ ہم کلمہ گوؤں میں سے کسی کا بھی یہ حشر ہو!

فَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ

سو ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں ۱۰۲ اللہ کو تو بس یہ منظور ہے کہ ان ہی (نعمتوں)

بِهَا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَتَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۵۵﴾

کے ذریعہ سے انہیں دنیا کی زندگی میں بھی عذاب دے ۱۰۳ اور ان کی جانیں ایسی حالت میں نکل جائیں کہ وہ کافر ہوں

علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب محض کسل نماز نفاق کی علامت قرار پائی تو ترک نماز ظاہر ہے کس درجہ کی چیز ہوگی۔ مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ یہ لوگ لذتِ عبودیت سے محروم اور مشاہدۂ جمالِ معبود سے محروم ہیں بعض عارفوں نے کہا ہے کہ جس کو امر کی معرفت نہ ہوگی امر کی طرف کسل سے آئے گا، اور جس کے دل میں آمر کی معرفت ہوگی وہ امر کی طرف راحت سے آئے گا۔

۱۰۲ یعنی یہ خیال نہ گزرے کہ جب یہ غیر مقبولین میں سے ہیں تو انہیں مال و اولاد کی نعمتیں کیسے نصیب ہو رہی ہیں۔ یہ سوال آج بھی کافر قوموں کی خوش حالی، کثرتِ آبادی، اقبال مندی کو دیکھ دیکھ کر بہ کثرت مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوتا رہتا ہے حالانکہ دنیوی نعمتوں کے لئے مقبولیت ذرا بھی شرط لازمی نہیں۔

تعجبك۔ بہ ظاہر خطاب صرف رسول اللہ صلعم سے ہے لیکن جواب کی یہ تعلیم کل مسلمانوں کو ہے۔

هٰذا الخطاب وان كان فى الظاهر مختصا بالرسول عليه السلام الا ان المراد منه كل المؤمنين (کبیر)

مرشد تھانوی ؒ نے فرمایا کہ اس میں اہل ایمان کو تنبیہ ہے کہ اہلِ دنیا کے مال و زینت کو مستحسن نہ سمجھیں، اور کہیں اس کے باعث آخرت کے عمل اور اس پر نظر کرنے سے محجوب نہ ہو جائیں۔

۱۰۳ (جس سے آخرت میں بھی مبتلائے عذاب رہیں۔)

دنیا میں مال و اولاد کا عذاب ہونا حُبِّ دنیا کے لئے لازم ہے، اول اس کی تحصیل و تمنا میں کیسی کیسی کوفت جسمانی و روحانی اٹھانا پڑتی ہے، پھر حصول کے بعد ذرا نقصان ہو گیا، ذرا مرض ہو گیا، بس ایک کوہِ غم سر پر سوار ہے سب حالتیں طبیعت کے موافق بھی ہوں تو اس کا اندیشہ کہ کوئی امر ناگوار نہ پیش آجائے، پھر مفارقت کے وقت کس بلا کی حسرت اور صدمہ کہ خدا کی پناہ، اور آخرت میں تو ظاہر ہے کہ کافر پر جتنی دنیوی نعمتیں ہوں گی اس کا کفر دونا بڑھے گا جس پر عذاب آخرت موعود ہے۔ (تھانوی ؒ)

منافقوں پر ایک عذاب تو دنیا ہی میں مشاہد ہے کہ جن اہلِ ایمان سے وہ دل میں بغض رکھتے ہیں، اُن ہی کی خوشامد میں زبان سے لگے رہنا پڑتا ہے۔

انهم كانوا يبغضون محمداً عليه الصلوٰة والسلام بقلوبهم ثم كانوا يحتاجون الى بذل اموالهم واولادهم ونفوسهم فى خدمته ولاشك ان هذه الحالة شاقة شديدة۔ (کبیر)

فقہا نے اس آیت سے بہ عبارۃ النص یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کافروں فاسقوں کی ظاہری نعمتوں کو دیکھ کر ان کے حال کو اچھا سمجھنا اور ویسی ہی کیفیت کی تمنا کرنا حرام ہے۔

ليعذبهم میں ل عاقبت کا ہے یعنی جو حرکتیں وہ لوگ کر رہے ہیں، اُن کا انجام یہی ہوتا ہے کہ یہ نعمتیں

وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ

یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں، لیکن (ہے یہ کہ) وہ بزدلے

قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا

لوگ ہیں ۱۰۴ یہ اگر کوئی سی بھی پناہ کی جگہ پاتے یا کوئی غار یا کوئی (اور) جگہ گھس بیٹھنے کی تو یہ ضرور

لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ ۚ

منھ اُٹھا کر اوپر چل پڑتے ۱۰۵ اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جو آپ پر صدقات کے بارہ میں طعن کرتے ہیں

فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾

لیکن اگر اُنھیں اس میں سے مل جاتا تو راضی ہو جاتے اور اگر اُنھیں ان میں سے نہیں ملتا تو بس ناراض ہو جاتے ہیں ۱۰۶

ان کے حق میں عذاب بن کر رہیں، یہ مُراد نہیں ہے کہ یہ نعمتیں دینے سے اللہ کا مقصود یہی تھا۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں محجوبین کو تنبیہ ہے کہ جس سامان کو راحت کے لئے جمع کرتے رہتے ہیں اس میں اُن کو راحت نہیں، محض جمع وحفاظت کی مشقتیں ہی ہیں، اور پھر چونکہ اعتقادِ اجر اور تعلق مع اللہ سے محروم ہیں اس لئے ان مشقتوں میں تسہیل بھی نہیں ہوتی۔

۱۰۴ (اور اس بُزدلی کی بنا پر کہ اگر کہیں اپنے واقعی عقائد کا کھلم کھلا اظہار کردیں تو ان کے ساتھ بھی برتاؤ کافروں کا سا ہونے لگے، تقیہ کئے ہوئے ہیں، اور اپنے کو زبردستی مسلمان ظاہر کئے ہوئے ہیں)

آج بھی ہمارے اندر کتنے لوگ ایسے ہیں، جو محض سوسائٹی کے ڈر سے، اور اس مجبوری کی بنا پر کہ کوئی دوسری سوسائٹی انھیں عزت کے ساتھ اپنے اندر جذب کرنے اور قبول کرنے پر تیار نہیں، محض سوشل حیثیت سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کئے ہوئے، اپنے کو اسلامی سوسائٹی کا رکن بنائے ہوئے، اور اپنا نام مردم شماری کے رجسٹروں میں مسلمان کے خانہ میں لکھائے ہوئے ہیں!

انھم لمنکم یعنی قسمیں اس کی کھاتے رہتے ہیں کہ ان کا شمار بھی تم مسلمانوں میں ہے۔

یفرقون۔ فرق کے معنی خوف سے اپنے اصل عقیدہ کو چھپا ڈالنے کے ہیں۔

الفرق تفرق القلب من الخوف (راغب) الفرق بالتحريك الخوف الشديد الذی يفرق بين القلب وادراكه (المنار) ای يخافون القتل وما يفعل بالمشركين فيتظاهرون بالاسلام تقية (كشاف)

۱۰۵ (اور اظہارِ اسلام کی کوئی ضرورت بھی نہ محسوس کرتے)

یعنی یہ تو اظہارِ اسلام پر اپنے کو مجبور پا رہے ہیں، جبھی اتنی ظاہر داری بھی ہے، اگر انھیں کہیں پناہ گاہ مل گئی ہوتی، تو یہ اتنی پروا بھی نہ کرتے۔

۱۰۶ اس سے ظاہر ہے کہ ان کے اعتراض کی بنیاد تمام تر خود غرضی پر تھی۔

منھم من یلمزک فی الصدقٰت یعنی یہ منافقین آپ کی شکایت کرتے ہیں کہ تقسیم میں عدل کی رعایت نہیں کیا کرتے

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ

کاش یہ اس پر راضی رہتے جو کچھ انھیں اللہ اور اس کے رسول نے دیا تھا، اور کہتے کہ ہم کو اللہ کافی ہے، اللہ ہم کو

سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّمَا

اپنے فضل سے اور اُس کے رسول (بھی اور) دے دیں گے، ہم کو تو اللہ ہی سے لو لگائے ۱۰۷ صدقات (واجبہ)

الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ

تو صرف غریبوں کا اور محتاجوں اور کارکنوں کا حق جو اُن پر مقرر ہیں ۱۰۸ اور نیز اُن کا جن کی دلجوئی منظور ہے

فان اعطوا منها۔ یعنی اگر خود انھیں اُن کی حسب مرضی و خواہش مل جائے۔

۱۰۷ (اور اُسی سے ہم ساری اُمیدیں قائم کئے ہوئے ہیں)

اور اسی حقیقت کا مراقبہ لطف و لذت سے شادکام رکھتا ہے۔

ما اٰتٰھم اللہ ورسولہ۔ یعنی جو کچھ اللہ نے انھیں اپنے رسول کے ذریعہ سے دلوا دیا تھا۔

حسبنا اللہ۔ یعنی جتنا اللہ نے ہمیں دلوا دیا، وہی ہمارے حق میں مناسب تھا۔

من فضلہ۔ یہ ٹکڑا بھی اہم ہے، مومنِ صادق اپنا سارا آسرا اللہ کے فضل و کرم ہی پر رکھتا ہے، اپنے کسی استحقاق پر نہیں۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اہلِ رضا کی علامت یہ ہے کہ جو کچھ بھی حق تعالیٰ کی طرف سے پیش آجائے اُس پر شاداں رہے، اور بلا سے بھی لذت حاصل کرے۔

۱۰۸ (حکومت کی طرف سے)

یعنی صدقات کی آمدنی انھیں مدوں میں خرچ ہونی چاہیئے۔

انّما۔ کلمہ حصر کا ہے، یعنی صرف انھیں مدوں میں، کسی اور مد میں نہیں۔

للفقراء۔ اس میں حرف ل سے متعلق بڑی قیل و قال ہوئی ہے، وہ یا تو تملیک کے لئے ہے اور یا اختصاص کے لئے۔

قیل للملک وقیل للاختصاص (بحر)

الصدقات۔ صدقۃ سے یہاں مراد صدقۂ واجب ہے، یعنی زکوٰۃ۔

المراد من الصدقات الزکوٰۃ فیخرج غیرھا من التطوع (روح) وقد یسمی الواجب صدقۃ اذ تحرّی صاحبھا الصدق فی فعلہ۔ (راغب)

الفقراء والمساکین۔ دونوں لفظوں کی تعبیر و تفسیر میں متعدد اقوال نقل ہوئے ہیں۔ حنفیہ نے یہ معنی لئے ہیں کہ فقیر وہ نادار ہے جو سوال نہ کرے، اور مسکین وہ نادار ہے جو سوال کرے، اور ابن عباسؓ صحابی اور حسن بصری اور جابر بن زید اور مجاہد اور زہری تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔

قال الزھری الفقیر الذی لا یسئل والمسکین الذی یسئل وروی ابن سماعۃ عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ

فی حد الفقیر والمسکین مثل ھذا (جصاص) وروی عن ابن عباس والحسن وجابر بن زید والزھری ومجاھد قالوا الفقیر المتعفف الذی لا یسئل والمسکین الذی یسئل فکان قول ابی حنیفۃ موافقا لقول ھٰؤلاء السلف (جصاص)

فقراء ومساکین کی تفسیریں جتنی بھی مختلف ہوں، لیکن حکم زکوٰۃ کی حد تک یہ اختلاف کچھ بھی اثر انداز نہیں، البتہ حکم وصیت میں یہ بحث چلتی ہے کہ وصیت اگر فقراء کے لئے ہے تو کیسے لوگ مراد ہیں، اور اگر مساکین کے لئے ہے تو کیسے لوگ۔

العٰملین علیھا۔ یعنی جو لوگ ان صدقات کی تحصیل وصول کرنے پر حکومت کی طرف سے مامور ہیں، اُن کی تنخواہوں میں۔ اس ایک لفظ سے استنباط کیا جا سکتا ہے کہ ہم لوگوں میں جو انفرادی ادائے زکوٰۃ کا دستور چلا ہے قرآن مجید کے پیش نظر یہ نہ تھا، قرآن انتظام زکوٰۃ کو حکومت (اسٹیٹ) کے فرائض میں رکھتا ہے، اور اس سے اصل مقصود یہ ہے کہ زکوٰۃ حکومت کے خزانہ میں داخل ہو کر عاملین ہی کے ذریعہ سے تقسیم ہو، افسوس ہے کہ مسلمان اس باب میں صدیوں سے بڑی غفلت وکوتاہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

یدل علی ان لاخذ الصدقات للامام (جصاص) وھم الذین یبعثھم الامام لجبایتھا (روح) والعامل ھو الذی یستنیبہ الامام فی السعی فی جمع الصدقات (بحر)

فـ١٠٥ مؤلفۃ القلوب سے مراد ایسے غیر مسلم ہیں جن کے مسلمان ہو جانے کی امید ہو، یا اُن کے شر وفتنہ سے بچنا مقصود ہو اور پھر ایسے مسلمان جو اگرچہ اور حیثیتوں سے غیر مستحق ہوں، لیکن مالی امداد سے توقع یہ ہو کہ انھیں اسلام سے مزید محبت پیدا ہو جائے گی، غرض یہ کہ انسانوں کا ہر وہ گروہ جس کی طرف سے کسی نہ کسی حیثیت سے اسلامی حکومت کو کوئی خطرہ درپیش ہو۔

مؤرخ ابن حبیب نے سولہ ۱۶ شخصوں کے نام کی فہرست دی ہے جنھیں رسول اللہ صلعم نے مؤلفۃ القلوب قرار دے کر اُن میں سے چودہ ۱۴ کو سو سو ۱۰۰ اونٹ اور باقی دو ۲ کو پچاس پچاس ۵۰ اونٹ عطا کئے تھے، اس فہرست کا آغاز ابوسفیان بن حرب اموی اور معاویہ بن ابی سفیان کے نام سے ہوتا ہے (کتاب المحبر ص ۴۷۳) تفسیر کبیر میں ابن جصاص کے حوالہ سے پندرہ ۱۵ نام درج ہیں، اور تفصیل عطایا میں بھی کچھ اختلاف ہے۔

اکثریت کا قول ہے کہ یہ حکم رسول اللہ صلعم کے زمانے کے لئے مخصوص تھا، اور اس رائے میں حنفیہ کے شریک مالکیہ اور امام ثوری اور امام اسحاق بن راھویہ اور امام شعبی اور عکرمہ تابعی ہیں۔

وقد قال بھذا الکثیر من اھل العلم ان المؤلفۃ منقطعۃ وسھمھم ساقط روی ذالک عن عکرمۃ وھو قول الشعبی وبہ قال مالک والثوری واصحاب الرای واسحاق بن راھویہ (معالم) قیل کان سھم المؤلفۃ لتکثیر سواد الاسلام فلما اعزہ اللہ وکثر اھلہ سقط (بیضاوی)

"صحابہ کے وقت میں اجماع ہو گیا ان کے عدم استحقاق پر جو علامت ہے حکم سابق کے منسوخ ہو جانے کی"۔ (تھانویؒ)

لیکن بعض علماء محققین نے کہا ہے کہ تعامل صحابہؓ سے یہ حکم منسوخ نہیں ہو گیا، بلکہ محض وقتی رفع حکم تھا، بسبب عدم ضرورت واستغنا کے، اور اس حکم کا اجرا ہر دور میں امام مسلمین کی رائے ومصلحت کے تابع رہے گا۔

والصحیح ان ھذا الحکم غیر منسوخ وان للامام ان یتألف قوما علی ھذا الوصف ویدفع الیھم سھم المؤلفۃ لانہ لا دلیل علی نسخہ البتۃ (کبیر) وقال کثیر من اھل العلم المؤلفۃ قلوبھم موجودون الی یوم القیامۃ (بحر) وقال قوم سھمھم ثابت یروی ذالک عن الحسن وھو قول الزھری وابی جعفر محمد بن علی وابی ثور (معالم)

فاضل گرامی فاضل گیلانیؒ کی تحقیق حسب ذیل ہے:۔

وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً

اور (صدقات کو صرف کیا جائے) گردنوں (کے چھڑانے) میں [۲۱۱] اور قرضداروں (کے قرض ادا کرنے) میں [۲۱۲] اور اللہ کی راہ میں [۲۱۳] اور مسافروں (کی امداد) میں [یہ] بہ حکم

"انہی مصارف میں ایک مد اُن لوگوں کی بھی ہے جو محض مالی کمزوریوں کی وجہ سے اسلامی حکومت اور اسلام کی مخالفت کرتے ہیں، جیسا کہ اس زمانہ میں سیاسی شورش پسندوں کے ایک گروہ کی یہی حالت ہے' ان لوگوں کے چپ کرانے کے لئے بھی الصدقات کے مصارف میں قرآن نے مؤلفۂ قلوب کی ایک مد رکھی ہے اگرچہ عام طور پر فقہا کہتے ہیں کہ مصرف صرف ابتدائے اسلام کی حد تک محدود تھا، اور اب ساقط ہو گیا ـــــ دلیل میں حضرت عمرؓ کا یہ اثر پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے مؤلفۂ قلوب کے بعض افراد کو دینے سے اس بنا پر انکار کر دیا تھا کہ اب اسلام اتنا قوی ہو چکا ہے کہ ان لوگوں کی تالیفِ قلب کی ضرورت نہ رہی، حالانکہ قصہ صرف اس قدر ہے کہ چند خاص لوگوں کو حضرت عمرؓ نے دینے سے یہ فرماتے ہوئے انکار کر دیا تھا کہ :ـــ

ان اللہ اعزّ الاسلام فاذھبا۔

اب خدا اسلام کو عزت و شوکت عطا کر چکا بس تم دونوں جاؤ (کچھ نہ ملے گا)

لیکن اس کا یہ مطلب قرار دینا کہ ہر شخص کے لئے حضرت عمرؓ نے اس مد کو ساقط کر دیا، میری سمجھ میں نہیں آیا۔ قرآن نے جس مصرف کو منصوص کیا ہے' اُس کو اولاً حضرت عمرؓ منسوخ ہی کیسے کر سکتے ہیں، نیز ایک ایسی واحد خبر سے قرآن کے ایک قانون پر خطِ نسخ نہیں پھیرا جا سکتا، بلکہ اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ امام اور حکومتِ وقت کے صوابدید پر ہے جس وقت میں لوگوں کے لئے اُن کی ضرورت سمجھے، جن کے لئے ضرورت نہ سمجھے' نہ دے"۔ (اسلامی معاشیات از فاضل گیلانیؒ)

فقیہ ابن العربی مالکی نے دونوں قسم کے قول نقل کر کے اپنی ذات سے ترجیح اسی دوسرے قول کو دی ہے اور کہا ہے کہ اسلام جس طرح اُس وقت قوی اور معزز ہو گیا تھا، اب پھر ضعیف ہو گیا ہے۔

[۲۱۱] یعنی غلاموں کے آزاد کرانے کی مد میں۔

"گردن چھڑانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی غلام کو اُس کے آقا نے کہہ دیا ہو کہ تو اتنا روپیہ دے دے تو آزاد ہے' اُس غلام کو زکوٰۃ دی جائے تاکہ اپنے آقا کو دے کر آزاد ہو جائے"۔ (تھانویؒ)

[۲۱۲] (خواہ وہ قرض دار بجائے خود غنی و متمول ہو)

"جس کے پاس دس ہزار روپیہ ہو اور وہ مثلاً گیارہ ہزار کا قرض دار ہو اُس کو زکوٰۃ (کی مد سے) دینا درست ہے"۔ (تھانویؒ)

دنیا میں شاید اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے مقروضوں کے ساتھ عملی ہمدردی کا سبق دیا ہے' اور اس گروہ کو بھی فقرا و مساکین ہی کی طرح حاجتمند سمجھا ہے۔

فاضل گرامی مولانا گیلانیؒ لکھتے ہیں :ـــ

"یہ دنیا کا وہ مظلوم گروہ ہے جس کے ساتھ نیکی اور حسنِ سلوک تو بڑی بات ہے' اس وقت تک دنیا کی حکومتوں نے اُن کے ستانے والوں اور اُن پر ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑنے والوں کو صرف زبانی نہیں بلکہ قانونی امداد و تعاون کو اپنا فریضہ قرار دے رکھا ہے' ہر حکومت کی فوجی و عسکری قوت اس کے لئے تیار رہتی ہے کہ مقروضوں کے ذمہ قرض خواہوں کا جو دَین و مطالبہ ہے' صرف اصل ہی نہیں بلکہ سود در سود کے ساتھ اس سے وصول کرا دیا جائے'

مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٠﴾ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ

اللہ کی طرف سے، اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ۱۱۳ اور ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی کو ایذا دیتے ہیں

وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

اور کہتے ہیں کہ یہ شخص نرا کان ہے ۱۱۴ آپ کہہ دیجئے کہ وہ نرے کان تمہارے بھلے کو ہیں اللہ پر ایمان رکھتے ہیں ۱۱۶

خواہ اس راہ میں اس کی ساری جائداد، گھر کا سارا اثاثہ ہی کیوں نہ نیلام ہو جائے' یہ ایک واقعہ ہے' اور تمدن و تہذیب کی برقی روشنیوں میں قانون اُن پر ظلم کھلا اُدھم مچائے ہوئے ہے''۔ (اسلامی معاشیات)

۱۱۲ لفظی معنی کے اعتبار سے اس مد میں تو ہر وہ خرچ آجاتا ہے' جو اللہ کی رضا جوئی کے لئے کیا جائے لیکن مفسرین نے احادیثِ نبویؐ اور آثارِ صحابہؓ کی روشنی میں خرچ کی اِس مد کو عموماً مجاہدین تک محدود رکھا ہے۔

ارادبها الغزاة فلهم سهم من الصدقة (معالم) فمنهم الغزاة الذين لاحق لهم فى الديوان (ابن کثیر)

هم الغزاة وهٰذا قول اكثر العلماء وهو تحصيل مذهب مالك (قرطبی)

''مجاہد اپنے گھر مال و سامان رکھتا ہے' مگر گھر سے جُدا ہے' اور یہاں سامان نہیں' اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے''۔ (تھانویؒ)

بعض نے حاجیوں کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔

والحج من سبيل الله للحديث (ابن کثیر) وقال قوم يجوز ان يصرف سهم فى سبيل الله الى الحج ويروى ذالك عن ابن عباس وهو قول الحسن واحمد واسحاق (معالم) قال ابن عمر الحجاج والعمار (قرطبی)

اور بعض نے دینی طالب علموں کو بھی اِس مد میں شامل کر لیا ہے۔

وقيل المراد طلبة العلم واقتصر عليه فى الفتاوى الظهيرية. (روح)

بعض فقہاء نے یہاں تک توسع سے کام لیا ہے کہ طاعتِ الٰہی میں ہر قسم کے جد و جہد کرنے والوں کو اس میں داخل کر دیا ہے۔

وفسره فى البدائع بجميع القرب فيدخل فيه كل من سعى فى طاعة الله تعالى وسبل الخيرات (روح)

فلهٰذا المعنى نقل القفال فى تفسيره عن بعض الفقهاء انهم اجازوا صرف الصدقات الى جميع وجوه الخير من تكفين الموتى وبناء الحصون وعمارة المساجد لان قوله وفى سبيل الله عام فى الكل (كبير)

۱۱۳ وہ علیم ہر مناسب و نامناسب کو جانتا ہے' اور اُس حکیم کے احکام ہمیشہ مناسبِ حال اور مصلحتوں اور حکمتوں سے لبریز ہوتے ہیں۔

فريضة من الله. یہ تاکید ہے اِن احکام کے پوری طرح واجب العمل ہونے کی' انھیں سرسری' معمولی باتیں ہرگز نہ سمجھ لیا جائے۔

۱۱۴ (اور اس لئے انھیں دُھوکے میں لے آنا، اُن کے سامنے بات بنا جانا کوئی بڑی بات نہیں)

منهم. ضمیر ظاہر ہے کہ منافقین کی طرف ہے۔

يقولون. یعنی یہ منافقین آپس میں ایسی باتیں کہتے رہتے ہیں۔

وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ

اور مومنین کا یقین رکھتے ہیں ۱۱۷ اور ان پر مہربانی کرتے ہیں جو تم میں سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں ۱۱۸

اُذن۔ کہتے ہیں ایسے شخص کو جو کان ہی کان ہو، اور اپنی سادگی سے جو بات بھی سُنے اُس کا یقین کرے، اُردو میں اسی کو کہتے ہیں "کانوں کا کچا"۔ ایسا گستاخانہ لفظ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں بجز سیاہ قلب منافقین کے اور کہہ ہی کون سکتا تھا؟

الاذن الرجل الذی یصدق قول کل احد (کشاف) ای یقبل کل ما قیل لہٗ (ابن قتیبہ)

یؤذون النبی۔ یعنی ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں، جو نبی صلعم کے لئے باعثِ اذیت ہیں۔

۱۱۵ قرآن مجید نے منافقین ہی کے لفظ کو دُہرا کر اُسے ایک بالکل دوسرے پہلو سے پیش کردیا ہے، اُذن خیر کے درمیان کی اضافت فی کے معنی میں ہے یعنی تمھارے حق میں جو بات خیر کی ہے اُسی کو وہ کان دھر کر سنتے ہیں۔

ای ھو اذن فی الحق والخیر (کشاف) یجوز ان یراد ھو اذن فی الخیر والحق وما یجب سماعہ وقبولہ ولیس باذن فی غیر ذالک (بحر)

۱۱۶ یعنی اللہ کی وحی کی ہوئی ساری اطلاعوں پر یقین رکھتے ہیں۔

ایمان۔ یہاں اپنے شرعی اصطلاحی معنی میں ہے جو کفر کی ضد ہے اور اس لئے کہ صلہ "ب" کے ساتھ آیا ہے۔

(ای التصدیق باللہ الذی ھو نقیض الکفر بہ فعدی بالباء۔ (کشاف)

۱۱۷ یعنی مومنین مخلصین کی باتوں کا۔

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کسی بات کو سُن لینا دو طور پر ہے، ایک تصدیق کے طور پر کہ دل سے بھی اس کو صحیح سمجھیں، دوسرا خوش خلقی اور کریم النفسی کے طور پر کہ باوجود اس سمجھ جانے کے کہ یہ بات محض غلط ہے خلق و کرم جبلی سے اس کو ٹال دیں اور راوی پر دار و گیر یا اس کی صریح تکذیب نہ کریں۔۔۔ غرض کان دے کر اور سچا سمجھ کر تو صرف اللہ کی اور مخلصین کی باتیں سُنتے ہیں۔" (تھانوی ؒ)

یؤمن للمؤمنین۔ ایمان یہاں لغوی معنی میں ہے، یعنی انھیں کی بات کی تصدیق، اور اس لئے اس کا صلہ "ل" کے ساتھ آیا ہے۔

قصد السماع من المؤمنین وان یسلم لھم ما یقولونہ فعدی باللام (کشاف) معناہ الاستماع منھم والتسلیم لقولھم فیتعدی باللام (کبیر) قیل انما ادخلت اللام للفرق بین ایمان التصدیق وایمان الامان (جصاص) عدی الایمان فیہ باللام لانہ بمعنی التسلیم۔ (روح)

۱۱۸ (گو وہ ایمان دل میں نہ ہو) اور اسی شفقت اور خوش کی بنا پر تمھاری باتیں ہی سُن لیتے ہیں، باوجودیکہ اسکی حقیقت خوب سمجھ چکے ہوتے ہیں، غرض یہ کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ حضرت حقیقت کو نہیں سمجھتے اور حقیقت یہ ہے کہ حقیقت کو تم ہی نہیں سمجھتے۔

للذین اٰمنوا منکم۔ دلوں کا حال بجز عالم الغیب کے کسے معلوم، رسول تو تمھارے اظہارِ ایمان ہی کو ایمان سمجھ کر تم پر شفقت کرتے ہیں، گویا ایمان اظہارِ ایمان کے معنی میں ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ

اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لئے عذاب دردناک ہے ۱۱۹ یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی

لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا

قسمیں کھاتے ہیں کہ تم کو خوش کرلیں ۱۲۰ حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ مستحق ہیں کہ خوش اللہ کو کرلیں اگر (واقعی)

مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ

یہ لوگ ایمان والے ہیں ۱۲۱ کیا انھیں معلوم نہیں کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا سو اُس کے

لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾

لئے دوزخ کی آگ ہے اس میں وہ (ہمیشہ) پڑا رہے گا، اور یہ بڑی ہی رسوائی ہے ۱۲۲

ای اظھر الایمان (کشاف) ای للذین اظھروا الایمان (روح)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ رحمۃ للذین امنوا منکم سے آپؐ کا کمالِ کرم ظاہر ہوتا ہے کہ محض اظہارِ ایمان پر بھی آپ کی شفقت مرتب ہوجاتی ہے۔

۱۱۹ (آخرت میں یقیناً اور دنیا میں اغلباً)

الذین یؤذون رسول اللہ۔ اس ایذا کے عموم کے تحت میں سب کچھ آگیا یعنی لفظ اذن کے استعمال سے بھی اور ہر دوسرے طریقہ سے بھی۔

ایذائے رسولؐ کی سزا عذابِ الیم جس طرح آپؐ کی زندگی میں تھی آج بھی ہے۔

۱۲۰ (اور اسی طرح ہمارے انتقام و تعزیر سے اپنے جان و مال کو بچالے جائیں)

لکم۔ یعنی تم مسلمانوں کے سامنے، تمھیں سنا سنا کر۔

یحلفون باللہ۔ قسمیں اس امر پر کھاتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات نہیں کی، یا فلاں الزام میں ہم بالکل بے قصور ہیں

۱۲۱ یعنی اگر یہ لوگ واقعی اہل ایمان ہیں تو انھیں جاننا چاہئے تھا کہ مومن کی رضاجوئی پر اللہ اور اُس کے رسولؐ کی رضاجوئی کہیں مقدم ہے اور مسلمانوں کو منالینے سے کہیں بڑھ کر یہ ضروری ہے کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ ہی کو منالیا جائے۔

یرضوہ میں ضمیر رسول کی جانب بھی ہوسکتی ہے جو مرجع قریب ہے اور اللہ کی جانب بھی جو مرجع بعید ہے اور ایک ہی ضمیر سے دونوں کام پورے ہوتے ہیں نکتۂ بلاغت یہ ہے کہ رسولؐ کی رضا اللہ کی رضا سے منضم ہے، اور یہ کمالِ قرب و قبول رسولؐ کا ہے

انما احد الضمیر لانہ لا تفاوت بین رضا اللہ و رضا رسولہ صلعم فکانا فی حکم مرضی واحد (کشاف)

الاعلام بان ارضاء رسولہ من حیث انہ رسولہ عین ارضائہ تعالیٰ (المنار)

ان کانوا مؤمنین۔ اس میں اشارہ ادھر آگیا کہ اللہ کی رضا تو موقوف ہے ان لوگوں کے اخلاص و ایمان پر۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ

منافقین اندیشہ کرتے رہتے ہیں کہ کہیں مومنین پر ایسی سورت نہ نازل ہو جائے جو اُن کو منافقین کے مافی الضمیر

قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

کی خبر دے دے، آپ کہہ دیجئے تم استہزا کئے جاؤ، یقیناً اللہ اُسے ظاہر کر کے رہے گا جس کی بابت تم اندیشہ کرتے رہتے ہو ۱۲۳

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ

اور اگر آپ ان سے سوال کیجئے تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض مشغلہ اور دل لگی کر رہے تھے ۱۲۴

۱۲۲ اس طرزِ خطاب میں اشارہ یہ ہے کہ اتنے دنوں سے رسولؐ انھیں تعلیم دے رہے ہیں، اور اتنی سی بات بھی یہ لوگ اب تک نہ سمجھے۔
قال اهل المعانی قوله الم تعلم خطاب لمن حاول الانسان تعليمه مدة وبالغ فی ذٰلك التعليم ثم انه لم يعلم فيقال له الم تعلم بعد هذه الساعات الطويلة والمدة المديدة۔ (کبیر)

اِستفہام توبیخ واقامتِ حجّت کے لئے ہے۔
الاستفهام للتوبيخ واقامة الحجة (المنار)

من يحادد الله ورسوله۔ جو کوئی اللہ اور رسولؐ کی مخالفت کرے گا، جیسا کہ یہ لوگ اس وقت کر رہے ہیں۔

فان له۔ خبر محذوف ہے۔
ای فحق ان له (کشاف) خبره محذوف ای فحق ان له نار جهنم۔ (روح)

۱۲۳ مثلاً یہی کہ جو باتیں منافقین اپنے جلسہ میں دین کے ساتھ استہزا کی کیا کرتے ہیں مسلمانوں پر وہ تمام ظاہر ہو جائیں۔

قلوبهم۔ ضمیر ظاہر ہے کہ منافقین کی جانب ہے، جیسا کہ علیھم میں ظاہر ہے کہ مومنین کی جانب ہے۔
الضمير فی قلوبهم للمنافقين (کشاف) عليهم ای على المومنين (قرطبی)

علیھم۔ تنبئھم۔ ضمیر دونوں جگہ مومنین کی جانب ہے، لیکن اگر علیھم میں ضمیر منافقین کی جانب سمجھی جائے، جیسا کہ بعض نے سمجھا ہے تو مُراد نزول علیھم سے نزوله فی شانهم ہوگی (المنار)

ویحذر المنافقون۔ ایک ترکیب یہ بھی جائز سمجھی گئی ہے کہ خبر امر کے معنی میں ہو، اور مُراد لیحذر المنافقون ہو۔
خبر بمعنى الامر ای ليحذر المنافقون (مدارك) قال الحسن ومجاهد كانوا يحذرون فحملاه على معنى الاخبار عنهم بانهم يحذرون وقال غيرهما صورته صورة الخبر ومعناه الامر تقديره ليحذر المنافقون (بحر)

۱۲۴ (اور کچھ واقعی برائی یا عیب چینی ہمیں تھوڑے ہی مقصود تھی)

"ہم تو یوں ہی باتیں چیتیں اور ہنسی مذاق کر رہے تھے"۔ (نذیر احمد)

یہ عذر آج بھی کتنا چلا ہوا ہے! شعر و ادب کے پردے میں کون سی گستاخی اللہ اور اُس کی شریعت، اور اُس کے فرشتوں اور حوروں کے ساتھ اُٹھ رہی ہے، اور جواب ہر مرتبہ یہی ملتا ہے کہ یہ تو محض شعری اور ادبی

قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا

آپ کہہ دیجئے کہ اچھا، تو تم استہزا کر رہے تھے، اللہ اور اُس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ ۱۲۵ (اب) بہانے

قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ

نہ بناؤ تم کافر ہو چکے اپنے اظہارِ ایمان کے بعد ۱۲۶ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں تو

نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿۶۶﴾ ع

ایک گروہ کو تو سزا دیں ہی گے اس لئے کہ وہ مجرم رہے ہیں ۱۲۷

دلچسپیوں کے لئے تھا، کہیں واقعی مذہب پر تعریض تھوڑے ہی منظور تھی!

۱۲۵ یعنی بالفرض تمہاری غرض محض تھوڑی دیر کے لئے خوش طبعی ہی تھی، جب بھی یہ تو سوچا ہوتا کہ استہزا کن چیزوں سے کر رہے ہو؟ اللہ سے؟ اُس کے احکام سے؟ اُس کے رسولؐ سے؟ — یہ چیزیں محلِ استہزا کسی صورت میں بھی ہو سکتی ہیں! آج کے ادیب اور شاعر (ایک دو نہیں، صدہا کی تعداد میں) ذرا ان پہلوؤں کو بھی ملحوظ رکھیں۔

فقہا نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ حکمِ شرعی کے اعتبار سے استہزا کی یہ تینوں قسمیں (استہزا باللہ، استہزا بآیات اللہ و استہزا برسول اللہ) برابر ہیں۔

دل على ان الاستهزاء بآيات الله وبشئ من شرائع دينه كفر فاعله (جصاص)

فقہا نے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ کلمۂ کفر خواہ قصداً اور سنجیدگی سے ادا کیا جائے، خواہ محض ایک لطیفہ و خوش طبعی کے طور پر، حکمِ شرعی کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں، اس لئے کہ قرآن نے ان کے لہو و لعب کو بالکل مسترد کر دیا، اور حکمِ کفر اُن پر باقی رکھا — ہاں حالتِ جبر و اکراہ کا حکم اس سے الگ ہے۔

فيه الدلالة على ان اللاعب والجاد سواء في اظهار كلمة الكفر على غير وجه الاكراه (جصاص) فلخبر ان هٰذا القول كفر منهم على اى وجه قالوه من جد او هزل فدل ذالك على استواء حكم الجاد والهازل فى اظهار كلمة الكفر (جصاص)

اور امام رازیؒ نے اسی بات کو عقلی پہلو سے بیان کیا ہے۔

انه تعالى بيّن ان ذالك الاستهزاء كان كفراً والعقل يقتضى ان الاقدام على الكفر لاجل اللعب غير جائز (کبیر)

اباللہ۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ عملِ استہزا کا وقوع اللہ تعالیٰ پر تو ہو نہیں سکتا، لامحالہ مراد یا تو احکامِ شرعی سے ہو گی، یا اسمائے الٰہی سے اور قدرتِ الٰہی سے۔

المراد بالاستهزاء بالله هو الاستهزاء بتكاليف الله تعالى (کبیر) محتمل ان يكون المراد الاستهزاء بذكر الله فان اسماء الله قد يستهزئ الكافر بها (کبیر) ثم ان بعض الجهال من المنافقين ذكر كلاماً مشعراً بالقدح فى قدرة الله كما هو عادات الجهال والملحدة (کبیر)

۱۲۶ (اس لئے اب بات بنانے کی سب کوششیں بیکار ہیں)

ع ۷ / ۱۴

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ

منافق مرد اور منافق عورتیں (سب) ایک ہی طرح کے ہیں، بری بات کا حکم دیتے رہتے ہیں اور اچھی بات

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ

سے روکتے رہتے ہیں، اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں، انھوں نے اللہ کو بھلا دیا سو اُس نے انھیں بھلا دیا

فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾

بے شک منافقین بڑے ہی نافرمان ہیں ۱۲۸

بعد ایمانکم۔ بعد اظہار ایمانکم کے معنی میں ہے، ورنہ اصلاً ایمان ظاہر ہے منافقوں میں سرے سے تھا ہی نہیں۔

ای بعد اظہارکم الایمان (کشاف) ای کفرتم بعد ایمانکم الذی اظهرتموه (کبیر۔ عن الحسن)

دین کے ساتھ استہزا فقہا نے تصریح کر دی ہے، اگر قصداً ہے تو خواہ بداعتقادی سے نہ ہو جب بھی کفر ہے۔

قد کفرتم۔ یعنی اس استہزا کے بعد تمہارا کفر ظاہر ہی ہو گیا، ورنہ موجود تو وہ پہلے ہی سے تھا۔

ای قد اظهرتم کفرکم باستهزاءکم (مدارک) قال الحسن المراد کفرتم بعد ایمانکم الذی اظهرتموه وقال اٰخرون ظهر کفرکم للمؤمنین بعد ان کنتم عندهم مسلمین (کبیر)

لا تعتذروا۔ یعنی بہانے نہ بناؤ۔

ای لا تشتغلوا باعتذاراتکم الکاذبۃ (مدارک)

۱۲۷ (اور آخر وقت تک انھیں توفیقِ توبہ نصیب نہ ہوگی)

ان نعف عن طائفۃ منکم۔ یہ معافی انھیں تائب ہو جانے اور مومن مخلص بن جانے پر حاصل ہوگی۔

۱۲۸ (اور سب دائرہ ایمان سے خارج ہیں)

بعضھم من بعض۔ یعنی ایک دوسرے کی جنس کے ہیں، صفتِ نفاق میں سب شریک و متحد اور مومنین کے دائرہ سے یکسر خارج۔

ای فی صفۃ النفاق کما یقول الانسان انت منی وانا منک ای امرنا واحد ولا مباینۃ فیہ (کبیر) وفیہ نفی ان یکونوا من المومنین (مدارک) اضاف بعضھم الی بعض باجتماعھم علی النفاق فھم متشاکلون متشابھون فی مقاصد ھم علی النفاق۔ (جصاص)

یأمرون بالمنکر۔ یعنی فسق، کفر و عداوت اسلام کی طرف بلانے اور دعوت دینے میں سب شریک ہیں۔

ینھون عن المعروف۔ یعنی ایمان و اتباعِ نبوی سے سب ایک دوسرے کو روکتے رہتے ہیں۔

ویقبضون ایدیھم۔ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ہاتھ روکے رہتے ہیں۔

فنسیھم۔ اللہ کا انھیں بھلانا یہ ہے کہ اُس نے اپنی رحمتِ خاصہ ان پر سے ہٹالی۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ

اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں سے اور کافروں (سب) سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۶۸

اس میں وہ (ہمیشہ) پڑے رہیں گے، وہی اُن کے لئے کافی ہے اور اللہ ان پر لعنت کرے گا اور اُن کے لئے عذاب دائم ہے ۱۲۹

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا

(تمہاری حالت) اُن لوگوں کی سی ہے جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں وہ شدتِ قوت میں اور مال و اولاد کی کثرت میں تم سے

وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ

بڑھے ہوئے تھے، سو انھوں نے اپنے (دنیوی) حصہ سے فائدہ اٹھایا اور تم نے بھی اپنے (دنیوی) حصہ سے فائدہ اٹھایا

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ

جیسا کہ ان لوگوں نے اپنے (دنیوی) حصہ سے فائدہ اٹھایا جو تم سے قبل ہو چکے ہیں ۱۳۰ اور تم لوگ بھی گھسے جیسا کہ وہ لوگ گھسے تھے

ای مجازاھم بان صیرھم بمنزلۃ المنسیّ من ثوابہ ورحمتہ (کبیر)

قاعدۂ مشاکلت کے لئے ملاحظہ ہو اس تفسیر کا دیباچہ۔

ھم الفسقون۔ یہ ترکیب فسق پر زور و تاکید کے لئے ہے، یعنی بڑے ہی فاسق ہیں۔

ای ھم الکاملون فی الفسق الذی ھو التمرد فی الکفر والانسلاخ عن کل خیر (مدارک)

ابن حبیبؒ نے اپنی کتاب المحبّر کے ایک عنوان میں ذکر کیا ہے کہ مرد منافقین رسول اللہ ؐ کے عہد میں اکتیس ۳۱ تھے، لیکن نیچے جو اسم وار فہرست دی ہے اس میں تعداد پچپن ۵۵ اشخاص تک پہونچ گئی ہے۔

۱۲۹ یعنی ایسا عذاب جو آکر جائے گا نہیں، قائم ہو کر اور جم کر رہ جائے گا۔

ای واجب دائم (قرطبی) دائم (معالم)

ھی حسبھم۔ یعنی اس آتش دوزخ سے بڑھ کر کوئی سزا متصور ہی نہیں اور وہی ان کے لئے ہو گی۔

فیہ دلالۃ علی عظم عذابھا وانہ بحیث لایزاد علیہ (مدارک) والمعنی ان تلک العقوبۃ کافیۃ لھم ولا شیئ ابلغ منھا ولا یمکن الزیادۃ علیھا۔ (کبیر)

لعنھم اللہ۔ اللہ کی لعنت کے معنی جیسا کہ اوپر کئی بار آچکا ہے اللہ کی رحمتِ خاصہ سے دور ہو جانے کے ہیں

۱۳۰ یعنی جیسا پرانی جاہلی مشرک قوموں کو اپنے جاہ و ثروت اور دنیوی ترقیوں پر ناز اور نازِ بیجا رہ چکا ہے اسی طرح تم بھی آج ظاہری دلفریبیوں اور مادّی چمک دمک پر مٹے ہوئے ہو۔

اُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ

یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو کر رہے اور یہی لوگ بڑے ٹوٹے میں پڑ جانے والے ہیں ۱۳۱

الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ یَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۬ۙ

کیا انھیں اُن لوگوں کی خبر نہیں پہونچی جو اُن سے قبل ہو چکے ہیں (مثلاً) قوم نوح اور عاد اور ثمود کی،

وَقَوْمِ اِبْرٰهِیْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْیَنَ وَالْمُؤْتَفِکٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

اور قوم ابراہیم و اہلِ مدین کی اور اُلٹی ہوئی بستیوں کی، اُن کے پاس اُن کے پیغمبر کھلے ہوئے

بِالْبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَلٰکِنْ کَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾

نشانات لے کر آئے، سو اللہ تو اُن پر (کوئی) ظلم کرنے والا تھا نہیں، البتہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ۱۳۲

خطاب منافقین سے چل رہا ہے۔

کالذین من قبلکم۔ یہ تمثیل جس طرح کفرِ مشترک میں ہے، اسی طرح جزائے کفرِ مشترک میں بھی۔

۱۳۱ (کہ دونوں جہانوں میں مسرت و راحت سے محروم ہو گئے)

مطلب یہ ہوا کہ جب حبطِ اعمال اور سزائے شدید اخروی سے وہ قدیم قومیں بہ ایں جاہ و شوکت نہ بچ سکیں تو تم ان سے کہیں کم ہو، تم کیسے بچ سکتے ہو؟

خضتم۔ خاضوا خوض کے معنی گھسنے یا در آنے کے ہیں، اور اس کا استعمال موقعِ ذم پر ہوتا ہے۔

الخوض الدخول فی الباطل واللھو (مدارک) واکثر ما ورد فی القراٰن فیما یذم الشروع فیه (راغب) خضتم ای دخلتم فی الباطل (ابو البقاء)

ظاہری ٹیم ٹام کے ساتھ بُری عادتوں اور ناپاک خصلتوں میں گھسنے اور در آنے کی مثالیں دیکھنا ہوں تو آج بھی مہذب قوموں کے شفاخانوں، مخارج خانوں، ڈاک خانوں، درس گاہوں کے پہلو بہ پہلو ان کے نشاط خانے، شراب خانے، قمار خانے، ناچ گھر، اُن کے نگار خانے، اُن کے تھیٹر، اُن کے سینما اور اُن کے قحبہ خانے بلکہ اُن کے ایک ایک گھر کے بیڈ روم (خواب گاہیں) دیکھ لئے جائیں۔

۱۳۲ (سو انھیں قدیم قوموں کی طرح یہ معاصر معاندین بھی اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں)

نبأ الذین۔ اُن لوگوں کی خبر یعنی ان لوگوں کی ہلاکت و بربادی کی خبر۔

اصحاب مدین۔ مراد قوم شعیبؑ ہے۔ مدین اور شعیب دونوں پر حاشیے گزر چکے۔

المؤتفکٰت۔ اُلٹی ہوئی بستیاں، یعنی قومِ لوطؑ کے اُجڑے ہوئے اور برباد شدہ شہر۔

اتتھم رسلھم بالبینٰت۔ یعنی ان قوموں کے پیمبر تو کھلے کھلے نشانات لے کر آتے رہے، پر ان لوگوں کا طرز سے

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ

اور ایمان والے اور ایمان والیاں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں، نیک باتوں کا (آپس میں)

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں، اور زکوٰۃ دیتے رہتے

الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ

ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان پر ضرور رحمت کرے گا ۱۳۳ الٰی

انکار بھی اُسی شدت سے جاری رہا۔

ماکان اللہ لیظلمھم۔ خدائے اسلام، دوسری قوموں کی دیوی دیوتاؤں کی طرح ظالم نہیں، وہ حکیم بھی ہے اور عادل بھی، بلا وجہ وسبب کسی پر سختی کرنا اس کی شانِ عدل وحکمت دونوں کے منافی ہے۔

لانہ حکیم لا یعاقبھم بغیر جرم۔ (مدارک)

۱۳۳ الٰی ابھی اوپر ذکر آچکا ہے کہ منافقین اور منافقات سب ایک گروہ ہیں المنافقون والمنافقات بعضھم من بعض۔ اب اس کے بالمقابل ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ مومنین ومومنات بھی سب ایک گروہ ہیں، ایک دوسرے کے دوست، رفیق، ہواخواہ، اور اس گروہِ مومن کے صفات وخصوصیات ٹھیک اس کے برعکس بیان ہو رہے ہیں، جو ابھی گروہِ منافق کے بیان ہوئے تھے

یطیعون اللہ ورسولہ۔ رسولؐ کی اطاعت، وفات شریف کے بعد رسولؐ کی شریعت کی اطاعت ہے۔

سیرحمھم اللہ۔ س یہاں وعدہ کی تاکید کے لئے ہے۔

السین مفیدۃ وجود الرحمۃ لامحالۃ فھی تؤکد الوعد (کشاف) لامحالۃ فان السین مؤکدۃ للوقوع (بیضاوی) والسین علی ما قال الزمخشری وتبعہ غیر واحد لتاکید الوعد (روح)

فقہا نے لکھا ہے کہ آیت کی رُو سے ایک مستقل گروہ کافروں اور منافقوں کا قرار پا گیا، اور دوسرا مستقل طبقہ اہلِ ایمان کا، اس لئے کہ جو سلوک ومحبت باہمی مومنین کے لئے ثابت ولازم ہے، وہ کفار ومنافقین سے نہ رکھنی چاہیئے، اور جو تشدد اور غلظت کفار کے مقابلہ میں مقتضائے دین ہے، وہ مسلمان کے حق میں جائز نہیں، اور یہیں سے فقہا نے یہ بھی نکالا ہے کہ کسی مومن کے لئے جائز نہیں کہ کسی دوسرے مسلمان کو قول یا عمل یا محض قصد سے بھی ضرر پہنچائے

یطیعون سے صوفیۂ عارفین نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ جب اطاعت ایمان کی علامت ہے تو عدمِ اطاعت یا معصیت سلبِ ایمان کی طرف لے جانے والی ہوگی۔

بعضھم اولیاء بعض۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ منافقین ومنافقات کے ذکر میں یہی مضمون بعضھم من بعض سے ادا ہوا ہے اور مومنین ومومنات کے ذکر میں بجائے من بعض کے اولیاء بعض ہے تو اس کی توجیہ یہ ہے اہلِ کفر ونفاق ایک دوسرے کا اتباع محض تقلیدِ جامد اور مناسبتِ طبعی کی راہ سے کرتے ہیں،

إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾ وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ

بے شک اللہ بڑا اختیار والا ہے بڑا حکمت والا ہے ۱۳۴ اللہ نے ایمان والوں اور ایمان والیوں سے وعدہ کر رکھا ہے باغوں کا

تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي

کہ ان کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی یہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور (وعدہ کر رکھا ہے) پاکیزہ مکانوں کا

جَنَّاتِ عَدْنٍ ۚ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٧٢﴾

ہمیشگی کے باغوں میں، اور اللہ کی رضامندی سب (نعمتوں) سے بڑھ کر ہے، بڑی کامیابی یہی تو ہے ۱۳۵

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ

اے نبی کافروں پر اور منافقوں پر جہاد کیجئے ۱۳۶ اور ان پر کڑے پڑیے ۱۳۷

بر خلاف اس کے اہل ایمان میں جو اشتراک پایا جاتا ہے وہ استدلال عقلی و توفیق الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔

۱۳۴ یعنی وہ عزیز ہر جزا و سزا پر قادر، اور وہ حکیم ہر ایک کو اس کے مناسب حال جزا و سزا دینے والا۔

ای غالب علی کل شیٔ قادر علیه و واضع کلا موضعه (مدارک)

۱۳۵ (اور یہ اہل جنت کو تمام تر نصیب رہے گی)

رضوان من اللہ اکبر یہاں اس حقیقت کا ایک بار پھر اثبات ہے کہ دنیا اور آخرت کی ساری نعمتیں اپنی اپنی جگہ بیش بہا اور قابل قدر ہیں لیکن اللہ کی رضامندی کی نعمت ان سب سے بڑھ چڑھ کر ہے، اور اس عظیم ترین دولت کی راہ سب کے لئے کھلی ہوئی ہے، احکام الٰہی کی تعمیل سے سب ہی کو حاصل ہو سکتی ہے۔

صوفیہ عارفین نے لکھا ہے کہ جنت میں دیدار الٰہی ایک عظیم الشان نعمت ہے لیکن یہ لذت تو صرف عاشقوں اور دیدار کرنے والوں کے نقطۂ خیال سے ہے، عاشق کے لئے بیشک دیدار محبوب سے بڑھ کر لذیذ نعمت اور کیا ہو سکتی ہے، لیکن محبوب کی رضا تو اس سے بھی بڑھ کر لطیف و لذیذ ہے اور محبوب حقیقی کی رضا صرف تعمیل احکام اور ادائے فرائض میں ہے، مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ خود جنت میں جانے اور ہر قسم کی نعمت پانے کا سبب بھی تو یہی رضائے الٰہی ہے، اور عاشقوں کا منتہائے مقصود بھی یہی رضا ہے۔

۱۳۶ (ہر ایک کے حسب حال)

لفظ "جہاد" قتال کے مرادف نہیں، قتال اس کی صرف ایک فرد ہے، محققین نے تصریح کر دی ہے کہ کافروں سے جہاد کی شکل ایک ہو گی اور منافقوں سے جہاد کی شکل دوسری۔

جاھد الکفار۔ کافروں کے مقابلہ میں جہاد جنگ و قتال سے ہو گا۔

امر بالجهاد مع الكفار بالسيف (قرطبی۔ ابن عباس) دلت الدلائل المنفصلة على ان المجاهدة مع الكفار يجب

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ

اور اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور (وہ) بُری جگہ ہے، یہ لوگ اللہ کی قسم کھا جاتے ہیں کہ انھوں نے فلاں بات نہیں کہی حالانکہ

قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ

یقیناً انھوں نے کفر کی بات کہی تھی اور اپنے (ظاہری) اسلام کے بعد کافر ہو گئے اور ایسی بات کا بھی ارادہ کیا جو انھیں حاصل نہ ہوسکی ۱۳۸

ان تکون بالسیف (کبیر)

اُس وقت اس حکم جہاد کی تعمیل رسول ؐ نے قتال کی شکل میں کر کے دکھا دی تھی، باقی نفسِ حکم قیامت تک ہر دور، ہر عہد کے لئے قائم ہے، جب بھی اس کے شرائط پورے ہو جائیں۔

والمنٰفقین۔ منافقوں کے مقابلہ میں جہاد قول و لفظ اور عملی برتاؤ سے ہو گا۔

امر بالجهاد مع المنافقين باللسان وشدة الزجر والتغليظ (قرطبی عن ابن عباس) باقامة الحدود عليهم وباللسان (قرطبی عن الحسن وقتادة) باظهار الحجة تارة وبترك الرفق ثانيا وبالانتهار ثالثا (کبیر)

۱۳۷ (کہ یہ مستحق اسی کے ہیں)

غلظة۔ کا حکم کافروں اور منافقوں دونوں کے حق میں مشترک ہے، اور غلظ لغت میں رأفت یا نرمی کی ضد ہے، مُراد یہ ہے کہ ان کے مقابلہ میں نرم نہ پڑیے مضبوطی سے قائم رہیے۔

الغلظ نقيض الرأفة وهي شدة القلب (قرطبی) الغلظة ضد الرقة غلظة اى خشونة (راغب)

آج کے دورِ دجل و تلبیس میں لفظ "رواداری" جس معنی میں چلا ہوا ہے، اسلام اس کا ہرگز قائل نہیں، دوستانِ حق سے وہ اس برتاؤ کا حکم دیتا ہے جس کے وہ مستحق ہیں، اسی طرح دشمنانِ حق سے بھی اس سلوک کا جس کے وہ لائق ہیں، انسان مرغیوں اور بکریوں کو اپنے پاس سے کھلا کھلا کر پالتا ہے، اور محنت اٹھا اٹھا کر انھیں زندہ رکھتا اور بڑھاتا ہے، اور سانپوں اور بچھوؤں کو بلا تامل مار ڈالتا ہے "عقل" کی تعلیم یہ ہرگز نہیں کہ جانور جانور سب برابر ہیں، اور یکساں "رواداری" سے سب کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔

فقہاءِ مفسرین نے لکھا ہے کہ جس کسی کے متعلق فسادِ عقیدہ کی اطلاع مل جائے اس پر جہاد دلائل سے کیا جائے گا، اور اُس کے مقابلہ میں سختی بھی حسبِ طاقت و ضرورت استعمال کی جائے گی۔

كل من وقف منه على فساد فى العقيدة فهذا الحكم ثابت فيه يجاهد بالحجة وتستعمل معه الغلظة ما امكن منها (مدارك)

۱۳۸ تبوک سے واپسی کے موقع پر چند منافقوں نے حضور اکرم صلعم سے متعلق سازش کی کہ فلاں گھاٹی سے آپ شب میں گزریں گے، سب مل کر آپ پر ہاتھ چلائیں اور ہو سکے تو زندگی ہی کا خاتمہ کر دیں چنانچہ راستہ میں ایک جگہ چھپ کر، اور اپنے چہروں کو چھپا کر بیٹھ گئے، آپ کے ہمراہ صحابیوں میں سے حضرت حذیفہؓ اور حضرت عمارؓ تھے، عمارؓ کو تو ان لوگوں نے گھیر لیا، لیکن حذیفہؓ کی شجاعت کام آئی، اور یہ بزدل منتشر ہو گئے، رات کے اندھیرے اور چہرے کے چھپے ہونے کے

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا

اور انھوں نے بدلہ صرف اس بات کا دیا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انھیں اپنے فضل سے مالدار کر دیا تھا ۱۳۹ سو اگر

يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ

یہ توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہو، اور اگر روگردانی کریں تو اللہ انھیں ایک دردناک سزا

فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

دنیا اور آخرت میں دے گا، اور ان کا (روئے) زمین پر نہ کوئی یار ہے نہ مددگار ۱۴۰

باعث پہچانے نہ گئے، حذیفہؓ نے جب رسول اللہ صلعم تک خبر پہونچائی تو آپ نے فرمایا وہ بارہ آدمی فلاں اور فلاں تھے، ان لوگوں سے جب سوال کیا گیا، تو یہ حلف کے ساتھ انکار کر گئے، آیت میں انھیں واقعات کی طرف اشارہ ہے۔

کفروا بعد اسلامھم سے فقہاء مفسرینؒ نے استدلال کیا ہے کہ اسلام ایمان کے مُرادف ہے اس لئے کہ ٹھیک کفر کے مقابلہ میں آیا ہے۔

فیہ دلالۃ علی ان الایمان والاسلام واحدٌ لانہ قال وکفروا بعد اسلامھم (مدارک)

کلمۃ الکفر ہر وہ بات ہے جس میں اللہ کی نعمتوں کی ناشکری ہو یا پائی جائے۔

وکلمۃ الکفر کل کلمۃ فیھا جحد لنعمۃ اللہ او بلغت منزلتھا فی العلم (جصاص)

۱۳۹ یہ ایک طنز لطیف ان منافقوں کی کمینہ فطرتی پر ہے، منافقین مدینہ عموماً غریب تھے اسلام ہی کی بدولت انھیں مال غنیمت میں کچھ حصہ ملنے لگا تھا، اور اس سے ان میں کچھ خوشحالی آگئی تھی، پھر سازشیوں کا ایک خاص سرغنہ جُلاس (جو بعد کو بحمد اللہ پختہ مسلمان ہو گیا تھا) تو خاص طور پر رسول اللہ صلعم کا ممنونِ کرم تھا کہ آپ نے ایک بار اس کا ایک بڑا قرضہ اتار دیا تھا ایسے طنزیہ محاورہ ہر زبان میں ہیں، اردو میں بھی تو کہتے ہیں کہ "جی ہاں مجھ سے یہ خطا تو ضرور ہوئی تھی کہ وقت پر اُس شخص کے کام آگیا تھا"۔

۱۴۰ (کہ انھیں سزائے دردناک سے بچالے اور جب دنیا ہی میں انھیں کوئی یار مددگار نہیں ملتا، تو آخرت میں تو بدرجۂ اولیٰ منفی ہوگا)

ان یتوبوا یک خیرا لھم۔ یعنی اگر اپنے نفاق سے توبہ کر لیں تو دنیا و آخرت دونوں کی سزاؤں سے بچ جائیں گے، بلکہ دارین میں نفع ہی میں رہیں گے۔

فقہاء نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ اظہارِ ایمان کرنے والے اور باطناً کفر میں پڑے رہنے والے زندیق کی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔

فی ما قص اللہ علینا من شان المنافقین دلالۃ علی قبول توبۃ الزندیق المسر للکفر والمظھر للایمان۔ (جصاص)

یک خیرا لھم۔ اس بہتری کا تعلق دنیا و آخرت دونوں سے ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ

اور ان میں وہ بھی ہیں جو اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنے فضل سے ہمیں (مال) عطا کردے تو ہم خوب (اس میں سے) تصدق

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا

کریں گے اور ہم خوب نیک نیک کام کیا کریں ۱۴۱ پھر جب اللہ نے اُن کو اپنے فضل سے (مال) دیدیا تو لگے وہ اس میں بخل کرنے

وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ

اور روگردانی کرنے اور مُنہ پھیرے ہوئے تو وہ تھے ہی ۱۴۲ سو (اللہ نے) اُن کی سزا میں اُن کے قلوب میں نفاق قائم کردیا جو اس کے پاس

يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾

جانے کے دن تک رہے گا، اس سبب سے کہ انھوں نے اللہ سے اس کے خلاف کیا جو کچھ اس سے وعدہ کرچکے تھے اور اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے رہے ۱۴۳

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾

کیا انھیں خبر نہیں کہ اللہ کو ان کے (دل کے) راز کا اور ان کی سرگوشی کا (سب کا) علم ہے اور یہ کہ اللہ چھپی باتوں سے خوب واقف ہے ۱۴۴

۱۴۱ (اسی مال و دولت کے ذریعہ سے)

شانِ نزول کی روایتوں میں یہاں ایک خاص شخص ثعلبہ بن حاطب کا نام لیا گیا ہے لیکن روایاتِ شانِ نزول کا حاصل صرف اس قدر ہوتا ہے کہ آیت کا سببِ نزول وہ مخصوص واقعہ تھا۔

یہ مقصود ہرگز نہیں ہوتا کہ آیت کا حکم یا آیت کی دلالت صرف اُس شخص یا واقعہ تک محدود ہے۔

فقہا نے یہاں سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ نذر ماننے والے پر اس کا ادا کرنا واجب ہے۔

فیه الدلالة علی ان من نذر نذراً فیه قربة لزمه الوفاء به (جصاص)

۱۴۲ یعنی ایمان ان کے دلوں سے مفقود تو پیشتر ہی سے تھا، فکر و پروا اعمالِ ایمانی کی پہلے بھی نہ تھی اب عمل بھی ترک کردیا۔

ای وهم قوم عادتهم الاعراض عن الطاعات فلا ینکر منهم هذا۔ (روح)

۱۴۳ (شروع ہی سے)

"یعنی نیت ایفا کی اُس وقت بھی نہ تھی پس نفاق تو اُس وقت بھی دل میں تھا جس کی فرع یہ کذب و اخلاف ہے پھر اس کذب و اخلاف کے وقوع سے اور زیادہ مستحقِ غضب ہوئے اور اس زیادتِ غضب کا اثر یہ ہوا کہ وہ نفاقِ سابق اب دائم و غیر زائل ہوگیا کہ توبہ بھی نصیب نہ ہوگی، اسی حالت پر ابدالآباد جہنم میں رہنا نصیب ہوگا۔" (تھانوی)

فاعقبهم الخ۔ یعنی چونکہ انھوں نے اپنے ارادہ سے گمراہی اختیار کرلی، اللہ بھی اُن کے ارادہ کے خلاف اُن کی گمراہی کو ہدایت سے نہ بدلے گا، اور انھیں بدستور اسی حال میں پڑا رہنے دے گا۔

الَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ

یہ ایسے ہیں کہ صدقات کے باب میں نفل صدقہ دینے والے مسلمانوں پر اعتراض کیا کرتے ہیں اور (خصوصاً) اُن لوگوں پر

لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ

جنھیں بجز ان کی محنت و مزدوری کے کچھ نہیں ملتا سو اُن پر یہ تمسخر کرتے ہیں ۱۴۵ اللہ ان کا تمسخر انھیں پر الٹ رہا ہے

قال الزجاج ان معناہ انھم ماضلوا فی الماضی فھو تعالیٰ اضلّھم عن الدین فی المستقبل (کبیر)

مفسر تھانویؒ نے فرمایا کہ جس طرح طاعتوں سے ایمان کی نورانیت بڑھتی ہے اسی طرح سے معصیتوں سے کفر کی ظلمت بھی بڑھتی ہے

۱۴۴ (تو ان کا ظاہری اسلام اور نقلی اظہارِ اطاعت ان کے کیا کام آسکتا ہے؟)

روایتوں میں آتا ہے کہ ان آیتوں کے نزول کے بعد ثعلبہ بن حاطب کوٰۃ لے کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں آیا، لیکن آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیری زکوٰۃ قبول کرنے سے منع کر دیا ہے ــــــ اس نے نہایت ہائے واویلا کی، مگر آپ نے قبول نہ فرمائی، اس کے بعد وہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ تینوں کی خلافت میں زکوٰۃ پیش کرتا رہا، اور ہر دفعہ رد ہوتی رہی، یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

ؕ احقر کہتا ہے کہ اُس کا زکوٰۃ لانا اور نہ لینے پر واویلا خلوص سے نہ تھا بلکہ دفعِ عار و بدنامی کے لئے تھا کیونکہ اعقبھم الخ سے اس کا دائماً کافر رہنا معلوم ہوگیا، پھر خلوص کا احتمال کب ہے، اور شاید ممانعتِ قبول سے مُراد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بھی ہو اس طرح کہ قبولِ صدقہ کے لئے ایمان شرط ہے اور شرط کا انتفاء مخصوص ہے پس مشروط بھی منہی عنہا ہوگا، اور ممکن ہے کہ مستقل وحی بھی اس میں نازل ہوئی ہو اور خلفائے راشدینؓ کا قبول نہ کرنا آپ کے قبول نہ فرمانے کی وجہ سے تھا (تھانویؒ)

المریعلموا۔ ہمزہ یا تو انکار توبیخ و تہدید کے موقع پر آتا ہے کہ ان کی جرأتیں اتنی بڑھتی گئیں کہ نوبت یہاں تک پہونچ گئی، اور یا پھر اُس تنبیہ کے لئے کہ اللہ اس امر پر اُن سے مواخذہ شدید کرنے والا ہے۔

والھمزۃ اما للانکار والتوبیخ والتھدید ای الم یعلموا ذالک حتیٰ اجترؤا علیٰ ما اجترؤا من العظائم (روح) او للتقریر والتنبیہ علیٰ ان اللہ سبحانہ مواخذھم ومجازیھم بما علم من اعمالھم۔ (روح)

ان اللہ یعلم سرھم ونجوٰھم۔ ان لوگوں کی سرگوشیاں اور اِن کی رازداریاں چونکہ وقتی چیزیں اور حادث تھیں اس لئے یہاں علم کا ذکر صیغۂ فعل (مضارع) کے ساتھ فرمایا گیا۔

وفی ایراد العلم المتعلق بسرھم ونجواھم الحادثین شیئاً فشیئاً بصیغۃ الفعل الدال علی الحدث والتجدد (روح)

ان اللہ علام الغیوب۔ یہاں علم کا تعلق چونکہ بندوں سے نہیں بلکہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ہے، اس لئے صیغہ بھی اسم کا لایا گیا دوام کے ظاہر کرنے کو، اور پھر اسم بھی صیغہ مبالغہ کا!

والعلم المتعلق بالغیوب الکثیرۃ بصیغۃ الاسم الدال علی الدوام والمبالغۃ من الفخامۃ والجزالۃ ما لا یخفیٰ (روح)

۱۴۵ (اور تمسخر کا درجہ مطلق طعن سے بڑھا ہوا ہے)

الذین، ہم الذین کے مُرادف ہے، اور عطف ہے المطوعین کا المومنین پر۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٩﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ إِنْ تَسْتَغْفِرْ

اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے ١٤٦ آپ ان کے لئے استغفار کریں خواہ ان کے لئے استغفار نہ کریں اگر آپ ان کے

لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ؕ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ؕ

لئے ستر بار (بھی) استغفار کریں گے جب بھی اللہ انھیں نہیں بخشے گا ١٤٧ یہ اسلئے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا

عطف علی المومنین (قرطبی) عطف علی المطوعین قیل عطف علی المومنین (روح)

والذین لا یجدون الا جهدهم۔ اور محنت مزدوری کا مال ہوتا ہی کتنا ہے!

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ منکرین اولیا کا بھی یہی حال ہے، وہ بھی ان کے ہر عمل اور ہر حال پر عیب گیری کرتے رہتے ہیں۔

١٤٦ (خواہ دنیا خواہ آخرت میں)

سخر الله منهم۔ یعنی ان کے تمسخر کی خوب سزا انھیں دے کر رہے گا۔

عربی میں بہ طریق مجازات و مشاکلت اسی لفظ کو اُلٹ دینے کا دستور عام ہے، جیسا کہ دیباچہ تفسیر میں ذکر آچکا ہے اور محاورۂ قرآنی میں اس صنعت کا بار بار استعمال ہوا ہے۔

ای جازاهم جزاء السخرية (ابن کثیر)

عذاب الیم۔ میں عذاب کا صیغہ نکرہ میں لانا عذاب کی شدت اور ہولناکی کے اظہار کے لئے ہے۔

والتنوين فی العذاب للتهويل والتفخيم۔ (روح)

مفسر تھانویؒ نے فرمایا کہ تمسخر سے دل چونکہ اور زیادہ دکھتا ہے اس لئے اس کا ذکر وقوع اور جزا دونوں میں خصوصیت کے ساتھ کیا گیا

١٤٧ (اس لئے کہ مغفرت کی بنیاد یعنی ایمان ہی سرے سے مفقود ہے، اور منافقین کے حق میں دعا اور عدم دعا دونوں عدم نفع کے لحاظ سے یکساں ہیں۔)

سبعین مرة۔ ستر سے مُراد یہاں عدد کامل یا کثرتِ استغفار ہے، اور ستر تحدید کے لئے نہیں صرف تکثیر کے لئے آیا ہے، جیسا کہ محاورۂ عرب میں اکثر آتا ہے۔

والسبعون جار مجری المثل فی كلامهم للتكثير (كشاف) ذكر السبعين على وجه المبالغة فی الیاس من المغفرة (جصاص) لان العرب فی اساليب كلامها تذكر السبعين فی مبالغة كلامها ولا تريد التحديد بها (ابن کثیر)

روایتوں میں آتا ہے کہ عبداللہ بن ابی ابن سلول منافقین مدینہ کا رئیس و سردار تھا، اس کا لڑکا مومن مخلص تھا، باپ کے مرنے پر آکر رسول اللہ صلعم کی خدمت میں درخواست جنازہ پڑھانے کی کی، آپ کھڑے ہو گئے، حضرت عمرؓ نے دامن پکڑا کہ آپ تو نماز سے منع کر دیے گئے ہیں، آپ نے کہ آپ مجسمہ شفقت و رحمت تھے اور منافقین و منکرین کی تالیفِ قلوب کی مصلحت بھی آپ کی نگاہِ دور رس میں تھی، باوجود اہلِ زبان ہونے کے آیت میں تاویل فرمائی اور لفظی گنجائش نکال کر ارشاد فرمایا کہ مجھے تو اختیار دیا گیا ہے چاہوں استغفار کروں چاہوں نہ کروں، ستر بار تک مغفرت نہ ہوگی میں اس سے زیادہ استغفار کروں گا، چنانچہ آپ نے نماز پڑھا دی، آیت ولا تصل علی احد منهم مات ابدا اس کے بعد اتری۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾ ع فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ

اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا ۱۴۸ یہ پیچھے رہ جانے والے

بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

رسول اللہ کے (جانے کے) بعد اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہو گئے ۱۴۹ اور اُن کو گراں گزرا کہ یہ اپنے مال اور اپنی جان

وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ

کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور یہ کہنے لگے کہ (ایسی تیز) گرمی میں (گھر سے) مت نکلو ۱۵۰

آیت پر سوال یہ ہوا ہے کہ آپؐ نے کسی منافق کے کفر کے علم کے باوجود اس کے لئے استغفار کیسے کر دیا، جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس کے کفر کا علم قطعی تو آپؐ کو اس آیت کے نزول کے بعد ہی ہوا، نہ یہ کہ اس کے قبل سے تھا۔ محققین نے آیت اور اس کے شان نزول دونوں سے یہ مستنبط کیا ہے کہ مجتہد کو چاہیئے کہ آیاتِ عذاب میں تاویل اور وعدہائے انعام میں توسیع کرتا رہے۔

استغفر لھم۔ آپؐ کا یہ استغفار اگر ہوتا تو فرط رحمت و شفقت کی بنا پر ہوتا۔

اولا تستغفر لھم۔ آپؐ کا یہ عدم استغفار اگر ہوتا تو اصل ضابطۂ شریعت یعنی استغفار کی عدم نافعیت ہی کی بنا پر ہوتا، کفر ایسی سخت چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے پیمبر برحق تک کی سفارش بے اثر رہتی ہے اعاذنا اللہ منہ۔

فیہ اخبار بان استغفار النبی صلعم لھم لا یعجب لھم المغفرۃ (جصاص)

۱۴۸ چنانچہ یہ لوگ کفر ہی پر قائم رہے اور کفر ہی پر ختم ہوئے۔

ذٰلک بانھم کفروا باللہ ورسولہ۔ فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ کافر کے لئے استغفار اور اُس کی نماز جنازہ درست نہیں۔

آیت میں استغفار رسولؐ کی عدم نافعیت کی وجہ بیان کر دی کہ وہ کفر ہے اور اس مانع کا دفعیہ عدد استغفار کی کمی زیادتی سے نہیں ہو سکتا۔

بین ان العلۃ التی لاجلھا لاینفعھم استغفار الرسول وان بلغ سبعین مرۃ کفرھم وفسقھم وھذا المعنیٰ قائم فی الزیادۃ علی السبعین۔ (کبیر)

الفاسقین۔ یہ وہ نافرمان لوگ ہیں جو ایمان و حق کی طلب ہی نہیں کرتے محض گنہگار ہونا مراد نہیں بلکہ ایمان سے خارج ہونا مراد ہے۔

ای الخارجین عن الایمان۔ (مدارک)

ذٰلک یعنی یہ مغفرت کی طرف سے قطعی محرومی و مایوسی۔

اشارۃ الی الیاس من المغفرۃ (مدارک) ای امتناع المغفرۃ لھم ولو بعد ذٰلک الاستغفار (روح)

۱۴۹ (جب کہ آپ غزوۂ تبوک پر روانہ ہو چکے)

قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۚ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨١﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا

آپ کہہ دیجئے کہ جہنم کی گرمی (اس سے بھی) زائد تیز ہے ۱۵۱ کاش وہ سمجھتے ہوتے! سو ہنس لیں تھوڑا، اور (پھر)

وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٢﴾

رُوتے رہیں بہت اُن کاموں کے بدلہ میں جو وہ کرتے رہتے ہیں ۱۵۲

حاشیہ اوپر گزر چکا۔

المخلفون۔ اس کے لفظی معنی ہیں "وہ جو پیچھے چھوڑ دیے گئے"، یہ رہ جانے والے وہ منافقین ہیں جنھوں نے طرح طرح کے جھوٹے عذر تراش کے پیچھے رہ جانے کی اجازت حاصل کرلی تھی۔

خلف کے معنی (بعد) کے ہیں۔

ای خلفه (کشاف) بمعنی بعد وخلف (روح) قال الاخفش ان خلاف بمعنی خلف وان یونس رواہ عن عیسٰی بن عمرو ومعناہ بعد رسول اللّٰہ (کبیر)

لیکن دوسرے معنی "مخالفت میں" کے بھی ہیں۔

قیل هو بمعنی المخالفة (کشاف۔ روح) یعنی مخالفة برسول اللّٰہ صلعم (کبیر۔ عن قطرب والزجاج)

۱۵۰ یہ منافقین آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے۔

غزوۂ تبوک کا زمانہ شدید گرمی کا موسم تھا، سیرۃ ابن ہشام میں ہے "وذلک فی زمن عسرة من الناس وشدة من الحر، شدت موسم کا ذکر حدیث وسیر کی ساری کتابوں میں ہے، طبقات ابن سعد میں روایت اس مضمون کی ہے کہ اس غزوہ میں دو دو تین تین آدمی ایک اونٹ پر تھے اور سخت گرمی میں روانگی ہوئی، ایک روز راہ میں شدت کی پیاس لگی، تو اونٹوں کو ذبح کیا اور اُن کی اوجھڑیاں نچوڑ کر اپنی پیاس بجھائی۔

اگر کسی صاحب کو تحقیق سے یہ ثابت ہو کہ غزوۂ تبوک جس مہینہ میں واقع ہوا، وہ مہینہ موسم گرما کا نہ تھا، تو یہ "تحقیق" اس بیانِ قرآنی کے منافی نہ ہوگی، دیکھنے میں بارہا یہ آیا ہے کہ عین شدتِ گرما میں کسی کسی دن خوب ٹھنڈک ہوگئی ہے اور عین شدتِ سرما میں کسی کسی دن خوب گرمی پڑ گئی۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس سے مشابہ ان اہلِ باطل کا حال ہے جو سلوک کے شدائد اور لذائذ دنیوی کے فوت ہونے کو بڑے شد و مد سے بیان کر کے سالکین وطالبین کو راہ سلوک سے روکتے ہیں۔

۱۵۱ (لیکن اُس آگ سے نہ ڈرتے ہو نہ اس سے بچنے کا کوئی سامان کرتے ہو۔)

حالانکہ دنیا کے گرم سے بھی گرم موسم کو کیا نسبت آتشِ جہنم کی ہلکی سی لپیٹ سے بھی۔

۱۵۲ (اس دنیا میں جس کی عمر چند روزہ ہے)

فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرا۔ ہنسنے کا تعلق اسی دنیا سے ہے جو محض چند روزہ ہے اسی لئے اس ہنسی کا قلیل ہونا بالکل ظاہر ہے، اور رُونے کا عالم آخرت سے ہے جس کی مدت ختم ہونے والی نہیں، اس لئے

فَاِنۡ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنۡهُمۡ فَاسۡتَاۡذَنُوۡكَ لِلۡخُرُوۡجِ

تو اگر اللہ آپ کو واپس لائے اُن کے کسی گروہ کی طرف اور یہ لوگ آپ سے (ساتھ) چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ

فَقُلۡ لَّنۡ تَخۡرُجُوۡا مَعِىَ اَبَدًا وَّلَنۡ تُقَاتِلُوۡا مَعِىَ عَدُوًّا ؕ

کہہ دیجیے کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ نہ چلو گے اور نہ میرے ہمراہ ہو کر کسی دشمن (دین) سے لڑو گے ۱۵۳

اِنَّكُمۡ رَضِيۡتُمۡ بِالۡقُعُوۡدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقۡعُدُوۡا مَعَ الۡخٰلِفِيۡنَ ۝۸۳

تم وہی ہو کہ پہلی بار بھی تم نے بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا سو پیچھے رہ جانے والے معذوروں کے ساتھ اب بھی بیٹھے رہو ۱۵۴

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمۡ عَلٰى قَبۡرِهٖ ؕ

اور ان میں سے جو کوئی مر جائے اُس پر کبھی بھی نماز نہ پڑھئے اور نہ اُس کی قبر پر کھڑے ہو جیے ۱۵۵

اس رونے کا کثیر ہونا بھی بالکل ظاہر ہے۔ فلیضحکوا اور ولیبکوا گو صورۃً امر ہیں، لیکن مُراد یہاں صیغۂ امر سے بھی محض خبر ہی ہے، جو اپنے وقوع میں تمام تر یقینی ہے۔

والامر بالضحك والبكآء فی معنی الخبر (مجمع) اخرجه علی صیغة الامر للدلالة علی انه حتم واجب (بیضاوی)

قلیلاً و کثیراً قلیل میں اشارہ اس دنیا کی عارضی حیثیت کی جانب ہے اور کثیر میں آخرت کے دوام کی جانب۔

قلیلاً اشارة الی مدة العمر فی الدنیا وکثیراً اشارة الی تابید الخلود (مجمع)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ بعض لوگوں نے ولیبکوا کثیراً کو جو خبر بصورت انشاء اور آخرت سے متعلق ہے، صیغۂ امر سمجھ کر اپنے مرشدوں سے شکایت کی کہ ہمیں رونا نہیں آتا، حالانکہ گریہ اگر خشیت و محبت سے ہے تو محمود ضرور ہے لیکن محمود ہونا کسی فعل کے واجب ہونے کو مستلزم نہیں احکام تو صرف امور اختیاری میں ہیں اور گریہ امر غیر اختیاری ہے۔

۱۵۳ (تمہارے دل کا خبث اللہ نے مجھ پر روشن کر دیا، اسی وحی الٰہی کے بھروسہ پر میں یہ وثوق سے کہہ رہا ہوں)

فاستاذنوك۔ یہ ان کا اجازت طلب کرنا خوشامد و تملق کی راہ سے ہوگا۔

۱۵۴ (اس لئے کہ دل میں عزم بھی تمہارے اب بھی یہی ہے)

الخالفین یعنی وہ کل لوگ جو کسی عذرِ حقیقی کی بنا پر پیچھے رہ گئے مثلاً بیمار یا بوڑھے یا بچے یا عورتیں۔

ای المتخلفین لعدم لیاقتهم کالنساء والصبیان والرجال العاجزین وجمع المذکر للتغلب (روح) وتفسیر الخالف بالمتخلف هو الماثور عن اکثر المفسرین السلف (روح)

۱۵۵ (دفن کے سلسلے میں بہ طور تعظیم و اکرام)

ولا تقف علی قبره عند الدفن للدعاء له بالتثبیت کما تقوم علی قبر المومنین عند دفنهم (الا)

"قیام علی القبر" سے مُراد وہ ہے جو بہ طور اکرام کے ہو خواہ بہ غرض زیارت ہو یا بہ غرض دفن اور اگر عبرت اور تذکر ہو کے لئے

اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

بے شک انھوں نے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ اس حال میں مرے ہیں کہ وہ نافرمان تھے ۱۵۶

یا ضرورت کے لئے تو اس طرح قیام علی القبر درست ہے لیکن اگر زیارت بغرض عبرت میں کوئی مفسدہ دینیہ ہو تو جائز نہیں۔ (تھانویؒ)

ولا تصل علی احد۔ مراد نماز جنازہ ہے، منافقین کی نماز جنازہ پڑھنا ممنوع ہے۔

میت کو غسل دینے، کفن پہنانے، زمین میں دفن کرنے اس پر دعائے رحمت کرنے کے دستور عرب جاہلیت میں بھی تھے، ابن حبیب میں ہے:۔

وکانوا یغتسلون من الجنابۃ ویغسلون موتاھم	یہ لوگ غسل جنابت کرتے تھے، اور اپنی میتوں کو غسل دیتے تھے
..... وکانوا یکفنون موتاھم ویصلون علیھم	..... اور اپنی میتوں کو کفناتے تھے اور ان پر نماز پڑھتے تھے
وکانت صلاتھم ان یحمل المیتۃ علی سریر ثم	نماز کا طریقہ یہ تھا کہ جنازہ تخت پر رکھ کر اُٹھاتے تھے، پھر
یقوم ولیہ فیذکر محاسنہ کلھا ویثنی علیہ ثم	میت کا وارث اس کے محاسن بیان کرتا اور اُس کی مدح
یقول علیک رحمۃ اللہ ثم یدفن (ص۳۱۹ وص۳۲۰)	وصفت کرتا، پھر اُس سے علیک رحمۃ اللہ کہہ کر اُسے دفن کر دیا جاتا۔

آیت سے فقہاء نے کئی مسائل نکالے ہیں مثلاً ایک یہ کہ ہر مسلمان کی میت پر نماز جنازہ ضروری ہے، اور کفار کی میت کے لئے اس کی ممانعت ہے۔

فیہ الدلالۃ علی معان احدھا فعل الصلاۃ علی موتی المسلمین وحظرھا علی موتی الکفار (جصاص) کان ھذا الصنیع من اکبر القربات فی حق المؤمنین فشرع ذلک وفی فعلہ الاجر الجزیل کما ثبت فی الصحاح وغیرھا۔ (کبیر)

دوسری بات یہ کہ قبر مسلم پر اہتمام دفن اور دعا کے لئے کھڑا ہوا جائے، چنانچہ اس پر رسول اللہ صلعم کا یہی عمل تھا، اور فقہاء نے بھی اس کا حکم دیا ہے۔

ویدل ایضا علی القیام علی القبر الی ان یدفن وعلی ان النبی صلعم قد کان یفعلہ (جصاص) عن عثمانؓ کان رسول اللہ صلعم اذ فرغ من دفن المیت وقف علیہ، قال استغفروا لاخیکم واسئلوا لہ التثبیت فانہ الان یسئل (ابوداؤد) وقد نص الفقہاء علی العمل بھذا الحدیث (المنار)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ قبر پر حاضر ہو کر دعا وغیرہ کرنے کا نفع اس سے زائد ہے جتنا غیبت میں دعا کرنے سے ہوتا ہے

۱۵۶ فٰسقون یہاں کافرون کے معنی میں ہے۔

ای متمردون فی الکفر خارجون عن حدودہ (روح) فٰسقون ای کافرون (جلالین)

اور جو کافر مرے، اُس کے لئے دعا و استغفار، یا اُس کے کفن و دفن میں شرکت درست نہیں۔

وھم فٰسقون۔ یہ گویا ممانعت نماز جنازہ وغیرہ کی علت بیان کر دی گئی یعنی جب وہ ایمان سے خالی ہیں تو ان میں اس کی اہلیت ہی نہیں کہ ان پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔

تعلیل للنھی ای انھم لیسوا باھل للصلوٰۃ علیھم لانھم کفروا باللہ ورسولہ (مدارک) ویلزم ھذا النھی عدم تشییع جنائزھم (المنار)

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ

اور ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈال دے ۱۵۷؎ اللہ کو تو یہی منظور ہے کہ انہیں ان کے

بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ

ذریعہ سے دنیا میں بھی عذاب کرتا رہے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں ۱۵۸؎ اور جب

سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ

کوئی ٹکڑا (قرآن) کا نازل کیا جاتا ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ ۱۵۹؎ اور اسکے رسول کے ہمراہ ہو کر جہاد کرو تو ان میں سے مقدرت

مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ

والے آپ سے رخصت مانگنے لگتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ ہم کو چھوڑ دیجئے کہ ہم یہاں ٹھہرنے والوں کے ساتھ رہ جائیں وہ اس پر

الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

راضی ہو گئے کہ پیچھے رہ جانے والوں کے ہمراہ رہ جائیں اور ان کے دلوں میں مہر لگ گئی وہ سمجھتے ہی نہیں ۱۶۰؎

۱۵۷؎ (کہ جب یہ مبغوض و مردود ہیں تو ان پر یہ نعمتیں کیسی؟)

ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۰۴ بالا۔

۱۵۸؎ (جس سے آخرت میں بھی وہ مبتلائے عذاب ہی رہیں)

یرید اللہ۔ اللہ کے اس ارادہ سے ظاہر ہے کہ اس کی مشیتِ تکوینی ہی مراد ہے۔

آیت ابھی چند سطریں قبل اوپر آچکی تھی، تکرار سے مقصود تاکید اور زور دینا ہے۔

التکریر للمبالغۃ والتاکید (مدارک)

۱۵۹؎ (محض زبان سے نہیں، دل سے بھی)

سورۃ۔ سورت سے یہاں اصطلاحی سورت مراد نہیں، لفظی معنی مراد ہیں، یعنی قرآن مجید کا چھوٹا بڑا

کوئی سا بھی ٹکڑا، خواہ وہ پوری سورت ہو یا اس کا کوئی جزو۔

یجوز ان یراد بسورۃ تمامھا وان یراد بعضھا (مدارک) ای طائفۃ من القراٰن (جلالین)

لفظ قرآن سے بھی تو اسی طرح پورا قرآن بھی مراد ہوتا ہے اور قرآن کا ہر حصہ بھی اور لفظ الکتاب سے

بھی اسی طرح کل کتاب بھی مراد ہوتی ہے اور ہر حصۂ کتاب بھی۔

۱۶۰؎ (اور ان سے احساس ہی اپنی دونِ فطرتی کا رخصت ہو گیا ہے)

اولو الطول یعنی وسعت و مقدرت والے لوگ۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ

البتہ رسول اور جو لوگ ان کی ہمراہی میں ایمان لاچکے ہیں انھوں نے اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا،

وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٨٨ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ

اور ان ہی کے لئے خوبیاں ہیں، اور یہی لوگ (پورے) کامیاب ہیں ١٦١ اللہ نے ان کے لئے باغ

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝٨٩

تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے ندیاں بہ رہی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

ای اصحاب الفضل والسعة (کشاف)

اولوا الطول کے ذکر سے یہ مراد نہیں کہ صرف اہلِ مقدرت رخصت مانگتے ہیں، بلکہ اس سے غیر اہلِ مقدرت پر بھی روشنی پڑگئی کہ جب مقدرت والوں کا یہ حال تھا، تو غیر اہلِ مقدرت کا حال ضرور ہی یہ ہوتا۔

وقالوا۔ و یہاں عاطفہ نہیں تفسیری ہے یعنی پچھلے فقرہ کے استاذنک کی شرح اگلے فقرہ میں کر رہا ہے۔

عطف تفسیری (ابو سعود)

الخوالف سے مراد یہاں عورتیں ہیں، ابن عباسؓ اور متعدد تابعین سے یہی منقول ہے عورتیں چونکہ گھر میں بیٹھی رہ جانے والیاں ہیں، اسی لئے انھیں خوالف کہتے ہیں۔

الخوالف النساء (ابن جریر عن ابن عباس وقتادہ ومجاھد والضحاک والحسن وابن زید) الخوالف النساء قاله الجمهور کابن عباس ومجاھد وقتادة وشمر بن عطیه وابن زید والفراء (بحر) ای النساء التی تخلفن فی البیوت (جلالین)

رضوا بان یکونوا مع الخوالف۔ شریعتِ اسلام نے جو شاغلِ حیات مرد کے ساتھ مخصوص کر رکھے ہیں اور عورت کو ان سے الگ کر رکھا ہے، ان میں سے ایک شغل جہاد کا بھی ہے، آیت میں جہاد سے جی چرانے والوں پر طنز ہے کہ مرد ہو کر اچھے خاصے عورت بنے جارہے ہیں۔

تهجین لهم ومبالغة فی الذم والخوالف النساء قاله الجمهور..... وذلك ابلغ فی الذم لانهم نزلوا انفسهم منزلة النساء (بحر)

طبع علیٰ قلوبهم یعنی ان کی مسلسل شرارتوں اور خباثتوں اور کفر و نفاقِ اختیاری کی بنا پر توفیقِ خیر ہی ان سے سلب ہوگئی ہے۔

لاختیارهم الکفر والنفاق (مدارک)

فهم لا یفقهون کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ یہ مہر زدہ لوگ احکامِ جہاد کی مصلحتوں اور حکمتوں کو سمجھ ہی نہیں سکتے

ای لا یفهمون اسرار حکمة الله فی الامر بالجهاد (کبیر)

١٦١ (دنیا و آخرت دونوں میں)

المفلحون۔ فلاح کی وسعت و عمومِ مفہوم پر حاشیہ شروع پارۂ اول میں اولٰئك هم المفلحون کے تحت میں گزر چکا۔

الرسول والذین اٰمنوا معه محقق تھانویؒ نے یہاں یہ نکتہ لکھا ہے کہ مومنین کے ساتھ یہاں جو رسول کا آنا

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا

اور دیہاتیوں میں سے بہانہ باز لوگ آئے کہ انھیں اجازت مل جائے ۱۶۲ اور جنھوں نے اللہ اور اُس کے رسول

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾ لَيْسَ

سے (بالکل ہی) جھوٹ بولا تھا وہ بیٹھے رہے ۱۶۳ ان میں جو کافر رہیں گے وہ عذابِ دردناک میں مبتلا ہوں گے ۱۶۴

عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ

کوئی گناہ ناطاقتوں پر نہیں ہے اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جو خرچ کرنے کو کچھ نہیں پاتے جب کہ اللہ اور

حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ

اس کے رسول کے ساتھ وہ خلوص رکھیں، نیک کاروں پر کوئی الزام نہیں ۱۶۵

مومنین کی ہمت افزائی و قدر افزائی کے لئے ہے کہ جہاد میں ان کا اخلاص بھی کامل ہے جیسا کہ رسول کا اخلاص اکمل ہے۔ الخیرات۔ لفظ دنیوی و اخروی دونوں عالموں کی خوبیوں کا جامع ہے۔

وظاهر اللفظ عمومها لمنافع الدارين كالنصر والغنيمة في الدنيا والجنة ونعيمها في الاخرى (روح) تناول منافع الدارين لاطلاق اللفظ (مدارك) قيل جمع خير فالمعنى لهم منافع الدارين (قرطبی)

۱۶۲ منافقت کا دائرہ شہری آبادی تک محدود نہ تھا، شہر مدینہ کے باہر بعض دیہاتی قبیلے بھی منافق تھے، اب ذکر ان کا آرہا ہے، اور ان کی بھی دو قسمیں بیان ہوں گی۔

الاعراب۔ عرب کہتے ہیں نسل حضرت اسمٰعیل کو، اور عرب قوم کا اطلاق اُن سب لوگوں پر ہوتا ہے جو ملک عرب یا جزیرہ اور اس کے ملحقات میں آباد ہوا اور عربی زبان بولے۔

وكل من سكن بلاد العرب وجزيرتها ونطق بلسان اهلها فهم عرب يمنهم ومعدّهم (لسان)

اعراب۔ اسی کی جمع ہے لیکن اعراب کا اطلاق صرف دیہاتی آبادی کے لئے مخصوص رہ گیا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو شہر کو صرف ضرورۃً ہی جاتے ہیں۔

صار ذلك اسما لسكان البادية (راغب) هم سكان البادية خاصة (تاج) الاعراب ساكنوا البادية من العرب الذين لا يقيمون في الامصار ولا يدخلونها الا لحاجة (نهايه)

المعذرون۔ مُعذّر ایسے عذر ظاہر کرنے والے کو کہتے ہیں جس کے پاس حقیقۃً کوئی عذر نہ ہو اور وہ محض بہانہ کر رہے ہوں۔ ازہری لغوی نے ابن عباسؓ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ معذرین وہ لوگ ہیں جو عذر نہ رکھتے ہوں اور عذر پیش کریں۔

المعذر هو المظهر العذر اعتلالا من غير حقيقة له في العذر وهو لا عذر له ..... وللمعذرين الذين يعتذرون بلا عذر (لسان) هم الذين لا عذر لهم ولكن يتكلفون عذرًا (تاج) المعذر الذي يعتذر بلا عذر (کبیر)

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ

اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۱۶۶ اور نہ اُن لوگوں پر (کوئی الزام ہے) کہ جب وہ آپ کے

قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ

پاس آتے ہیں کہ آپ انھیں سواری دیدیں اور آپ کہتے ہیں کہ میرے پاس تو کچھ نہیں ہے جس پر تمھیں سوار کردوں

الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى

تو وہ واپس جاتے ہیں اس حال میں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں اس غم میں کہ انھیں کچھ میسر نہیں جو وہ خرچ کریں ۱۶۷ الزام

الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ

تو بس اُن لوگوں پر ہے جو آپ سے اجازت مانگتے ہیں درآں حالیکہ وہ اہلِ مقدرت ہیں یہ راضی ہوگئے اس پر کہ رہ جائیں

الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

خانہ نشین عورتوں کے ساتھ، اور مہر کردی اللہ نے ان کے دلوں پر سو یہ جانتے ہی نہیں ۱۶۸

بلکہ معتذر و معذر کے درمیان فرق ہی یہ ہے کہ معتذر کا عذر ممکن ہے کہ صحیح ہو اور ممکن ہے کہ غلط ہو، لیکن معذر کا عذر ہمیشہ غلط ہی ہوگا۔

المعتذر یکون محقا و یکون غیر محق والمعذر الذی لیس بمحق یعتذر بلا عذر (لسان) قال الازھری

قد یکون المعذر غیر محق وھم الذین یعتذرون بلا عذر (تاج)

۱۶۳ (اور ایسے بیباک نکلے کہ ظاہر داری بھی نہ برتی اور جھوٹا عذر کرنے بھی نہ آئے)

کذبوا اللہ ورسولہ۔ یہ کذب دعوئ ایمان میں تھا، یعنی ان کا دعوئ ایمان کذبِ خالص تھا۔

قعد الذین۔ ذکر ان ہی دیہاتیوں کا چل رہا ہے۔

۱۶۴ (دنیا میں قتل سے اور آخرت میں دوزخ سے)

ای فی الدنیا بالقتل وفی الاٰخرۃ بالنار (کبیر)

منھم۔ مِن تبعیض کے لئے ہے، عالم الغیب کو علم تھا کہ بعض ان میں سے ایمان لے آئیں گے اور عذاب سے خلاصی حاصل کرلیں گے

انما قال منھم لانہ تعالٰی کان عالما بان بعضھم یؤمن ویتخلص عن ھذا العقاب (کبیر)

۱۶۵ (کہ یہ سب عذر واقعی رکھنے والے لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا کے قاعدہ کلیہ کے تحت میں آجاتے ہیں) اس آیت میں صفائی اُن اعراب کی طرف سے پیش ہوگئی جو کوئی حقیقی عذر رکھتے تھے۔

لایجدون ماینفقون۔ یعنی عدمِ استطاعت سامانِ جہاد کے سلسلہ میں محسوس کرتے ہیں۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا

یہ لوگ تمہارے (سب کے) سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کے پاس جاؤ گے آپ

تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ

کہہ دیجئے کہ بہانے نہ بناؤ ہم ہرگز تمہاری بات نہ مانیں گے، بیشک ہم کو اللہ تمہاری خبریں دے چکا ہے ۱۶۹ؔ

نصحوا للہ ورسولہ۔ یعنی دوسرے امور میں اللہ اور رسول کے احکام کی اطاعت دل سے کرتے رہتے ہیں۔
مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جو شخص کسی عذر کی بنا پر کسی عمل سے قاصر ہو مگر نیت یہ رکھتا ہو کہ اگر مجھے قدرت ہوتی تو ضرور یہ عمل کرتا، تو وہ اس عمل کی برکتوں سے محروم نہیں رہتا۔
وہ غفور ایسا کہ کتنے گناہگاروں کو یوں ہی بخش دے گا، اور رحیم ایسا کہ اُس کی رحمت ہر خاص و عام کے لئے عام ہے
۱۶۶ؔ کسی پر خواہ مخواہ گرفت اور سختی کا تو اُس کے ہاں امکان ہی نہیں۔
۱۶۷ؔ (سامانِ جہاد میں)
آیت میں اُن مخلص معذور دیہاتیوں کے مزید اخلاص پر گواہی مل رہی ہے۔
لتحملھم۔ محاورہ میں اس کے معنی یہی ہیں کہ آپ ان کے لئے سواری کا انتظام کر دیں۔
احملنی ای اعطنی ظہرا ارکبہ (تاج)
اعینھم تفیض من الدمع۔ بطرزِ ادا بلیغ تر ہے بہ نسبت تفیض دمعھا سے کہ اس میں آنکھ ہی کو بہتا ہوا آنسو بنا دیا گیا۔
ھو ابلغ من یفیض دمعھا لان العین فعلت کان کلھا دمع فائض (کشاف)
۱۶۸ؔ (کہ گناہ و ثواب کیا ہے اور رحمت و بے رحمتی کیا ہے)
یستاذنوک۔ یعنی جہاد سے جی چرا کر گھر پر رہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں۔
رضوابان یکونوا مع الخوالف، اور طبع اللہ علیٰ قلوبھم۔ کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۶۲ؔ بالا۔
۱۶۹ؔ (اور ہمیں وحی الٰہی کے ذریعہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ تمہارا کوئی عذر بھی صحیح نہ تھا)
یعتذرون الیکم۔ خطاب میں اب رسول اللہ صلعم کے ساتھ مومنین بھی شریک ہیں، اور ذکر انھیں منافقین مخلفین کا چل رہا ہے جو صاحبِ مقدرت بھی تھے، اور تندرست ہٹے کٹے بھی اور عذر نہ افلاس کا پیش کر سکتے تھے اور نہ بیماری کا
وھم اغنیاء اصحاء لاعذر بھم (المنار)
طبقات ابن سعد کی روایت ہے کہ ایسے منافقین تعداد میں ۸۲ تھے۔
اذا رجعتم الیھم۔ نزولِ آیت کا زمانہ سفر تبوک کا زمانہ ہے، یہ بات بطور پیش خبری فرمائی جا رہی ہے کہ جب لشکر اسلام مدینہ واپس پہنچے گا، تو منافقین اپنے طرح طرح کے عذر پیش کریں گے کوئی کہے گا کہ ہم بیمار تھے اور کوئی کہے گا کہ ہم نادار تھے وقس علیٰ ہٰذا
قل۔ یعنی اے رسول آپ سب مومنین کی طرف سے کہہ دیجئے۔
لاتعتذروا۔ اعتذار۔ یہاں بہانہ بنانے کے معنی میں ہے۔

وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ

اور عنقریب اللہ اور اس کا رسول تمہارا عمل دیکھ لیں گے پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے کے پاس واپس

وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ

کئے جاؤ گے تو وہ تمہیں جتلا دے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے تھے ۱۷۰ عنقریب یہ لوگ تمہارے سامنے

لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ

جب تم ان کے پاس جاؤ گے اللہ کی قسم کھا جائیں گے تاکہ تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑے رہو ۱۷۱ سو تم انکو انکی حالت پر چھوڑے رہو ۱۷۲

یعنی انہ لاعذر لھم والمعاذیر یشوبھا الکذب (لسان)

لن نؤمن لکم۔ فعل ایمان کا صلہ ل کے ساتھ آنے سے معنی یہ ہو گئے کہ ہم تمہاری تصدیق نہ کریں گے تمہاری بات کو صحیح باور نہ کریں گے۔

ای لن نصدقکم (قرطبی)

نبأنا اللہ۔ اللہ نے اپنے رسول کو بتایا، اور رسول ؐ امین تھے، وہ اطلاع اُمّت تک پہنچا دی، اسی کو مخلص اُمّتیوں کی زبان سے یوں ادا کیا گیا کہ "ہمیں اللہ تمہاری خبریں دے چکا ہے"۔

من اخبارکم۔ یعنی تمہاری وہ خبریں جنہیں تم چھپانا چاہتے تھے۔

ای اخبرنا سرائرکم۔ (قرطبی)

رسول اللہ ؐ کا علم اور ان ہی کے واسطے سے اصحاب رسول کا علم ظاہری ذرائع تک محدود نہ تھا، عالم الغیب جب اور جتنا چاہتا علم بھی انہیں غیبی ذرائع سے دے دیتا اس پر کافر و منافق دنگ رہ جاتے۔

۱۷۰ کامل انکشاف مخفی حقائق کا تو حشر ہی میں ہو گا۔

منافقوں کو جتلا دیا گیا ہے کہ تمہاری نیت کا کھوٹ اللہ پر تو سب روشن ہی ہے اور آخرت میں تم سب پر بھی روشن ہو کر رہے گا، لیکن اس کے علاوہ اس وقت دنیا میں بھی اللہ اپنی وحی خاص سے اپنے رسول ؐ اور ان کے ذریعہ سے مومنوں کو تمہاری حرکتوں پر مطلع کئے دیتا ہے۔

سیری اللہ عملکم ورسولہ۔ یعنی یہ معلوم ہی ہو کر رہے گا کہ تم اخلاص و اطاعت کے دعووں میں کہاں تک صادق ہو، اور ہنوز نفاق پر قائم ہو، یا اب نادم ہو کر توبہ کر رہے ہو۔

الی عالم الغیب۔ یہ لفظ لا کر ادھر اشارہ کر دیا کہ اس حاکم مطلق سے تمہارا نہ کوئی اعتقاد مخفی ہے نہ کوئی عمل نفاق و اخلاص دونوں کا امور غیب سے ہونا ظاہر ہے۔

۱۷۱ (اور کسی قسم کی ملامت و مواخذہ ان سے نہ کرو)

سیحلفون۔ یہ حلف اس مضمون کا ہو گا کہ ہم کو فلاں فلاں مجبوریاں اور معذوریاں لاحق رہیں۔

إِنَّهُمْ رِجْسٌ ۫ وَمَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٥﴾ يَحْلِفُونَ لَكُمْ

بے شک یہ گندے ہیں ۱۷۳ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے بدلہ میں اس کے کہ جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں۔ یہ تمہارے سامنے

لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِينَ ﴿٩٦﴾

قسمیں اس لئے کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، سو اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو اللہ (تو) نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوتا ۱۷۴

اذا انقلبتم الیھم۔ یعنی جب تم معرکہ جہاد سے مدینہ واپس ہوگے۔

لتعرضوا عنھم۔ اعراض یہاں عفو و درگزر اور چشم پوشی کے معنی میں ہے۔

ای لتصفحوا عن لومھم (قرطبی) ولا تعاتبوھم و تصفحوا عما فرط منھم۔ (روح)

۱۷۲ (اور اس دنیا میں ان کی اصلاح کی امید نہ رکھو)

یعنی اچھی بات ہے ان کی خواہش پوری کر دو اور ان کی طرف التفات بھی نہ کرو، تعرض سے مقصود تو اصلاح ہوتی ہے، سو اس کی کوئی توقع ہی ان کے خبث کی بنا پر نہیں۔

فاعرضوا۔ اعراض یہاں ردّ و ترک اور قطع تعلق کے مفہوم میں ہے۔

لکن لا اعراض رضا کما طلبوا بل اعراض اجتناب (روح)

یہ ایک کرشمہ ہے قرآنی بلاغت کا کہ منکروں ہی کے لفظ "اعراض" کو الٹ کر اس کو بالکل ہی دوسرے مفہوم میں لے لیا۔

۱۷۳ (اپنے عقائد کفر و نفاق کے اعتبار سے) اور اس خبث کا علاج آتش جہنم ہی سے ہو سکے گا، تمہارا التفات ہی ان کی طرف بے کار ہے۔

بشر یہاں تک کہ سید البشر کا بھی علم محیط و کامل کیونکر ہو سکتا ہے؟ یہ شان تو صرف عالم الغیب کے علم کی ہے۔

انھم رجس۔ تقدیر کلام یہاں ذو رجس کی سمجھی گئی ہے اور معنی یہ لئے گئے ہیں کہ ان کے عمل گندے ہیں۔

ای عملھم رجس والتقدیر انھم ذو رجس (قرطبی) تعلیل لترک معاقبتھم ای ان المعاقبۃ لا تنفع فیھم (مدارک)

اور یہ مفہوم بھی لیا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ معنوی اعتبار سے گندے ہیں۔

ای قذر معنوی (المنار)

فقہائے امت نے ان الفاظ سے کافروں سے ترک موالات و ترک مخالطت وغیرہ کا حکم مستنبط کیا ہے۔

ھذا یدل علی وجوب مجانبۃ الکفار وترک موالاتھم ومخالطتھم وایناسھم وتقویتھم (جصاص)

المعنی ان خبث باطنھم رجس روحانی فکما یجب الاحتراز عن الارجاس الجسمانیۃ فوجوب الاحتراز عن الارجاس الروحانیۃ اولی خوفا من سریانھا الی الانسان (کبیر)

۱۷۴ (سو تمہاری رضامندی سے ان دشمنان دین کو نفع ہی کیا پہنچ سکتا ہے)

جزآء بما کانوا یکسبون۔ یہ شدید قہری وعیدیں خود بخود نہیں ہو رہی ہیں محض ان مجرموں کے شدید ترین ردعمل کے طور پر ہیں۔

اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجۡدَرُ اَلَّا يَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ

دیہاتی (منافقین) کفر ونفاق میں بڑے ہی سخت ہیں ۱۷۵ اور ایسے ہی ہیں کہ ان احکام کا علم نہ رکھیں

اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ‌ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۹۷﴾

(جو) اللہ نے اپنے رسول پر نازل کئے ہیں ۱۷۶ اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ۱۷۷

منافقین کی ایک خاص شناخت یہ ہے کہ یہ اللہ کے بجائے اس کے بندوں کی رضاجوئی میں لگے رہتے ہیں، قرآن مجید کی اس صراحت نے واضح کردیا کہ مومنین کی رضامندی اللہ کی رضامندی کو متلزم نہیں۔

انما قیل ذلك لئلا یتوھم ان رضا المؤمنین یقتضی رضا اللہ عنھم (مدارک)

بندے خواہ کیسے ہی مقبول ہوں پھر بھی بشر ہی ہوتے ہیں محدود علم وفہم رکھنے والے اللہ کی سی ہمہ گیر نظر کہاں سے لا سکتے ہیں
فقہا نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ حلف کے بعد قبولِ عذر لازمی نہیں۔

یدل علی ان الحلف علی الاعتذار ممن کان متھما لایوجب الرضا عنه وقبول عذرہ لان الآیة قد (قضت النھی عن الرضا عن ھؤلاء مع ایمانھم (جصاص)

لترضوا عنھم۔ یعنی تمہارے سامنے یہ جو قسمیں کھا کھا کر تمہیں راضی کرلینا چاہتے ہیں تو اس سے بھی ان کی غرض صرف اس قدر ہے کہ یہ دنیا میں تمہارے ہاتھ سے گزند پہنچنے سے محفوظ رہیں۔
مشیتِ الٰہی کی بے پایاں حکمتوں اور مصلحتوں تک کوئی بندہ کہاں پہنچ سکتا ہے۔

۱۷۵ (اپنی سخت مزاجی اور تند خوئی کی بنا پر)
ذکر اب دیہاتی عربوں کا شروع ہوا ہے ان میں سے جو منافق تھے وہ اپنی منافقت میں مدینہ کے شہری منافقوں سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔

الاعراب۔ اعرابی کی جمع ہے اردو میں بھی انھیں اعرابی ہی کہتے ہیں۔

وجمع الاعرابی اعراب واعاریب (قرطبی) یجمع الاعرابی علی الاعراب والاعاریب (کبیر)

اور اعراب کا اطلاق بدوی یا دیہاتی اہلِ عرب پر ہوتا ہے۔

الاعراب سکان البادیة خاصة (قرطبی) صار ذلك اسما لسکان البادیة (راغب) فمن استوطن القری العربیة فھم عرب ومن نزل البادیة فھم اعراب (کبیر)

ان میں کثرت سے منافقین تھے، لفظ جمع لانے سے مقصود ان کی کثرت کا نہ کہ ان کے کل ہونے کا۔

مرادہ الاعم الاکثر منھم (جصاص)

عرب نیشنلزم کے علمبرداروں کا اگر بس چلتا تو ایسی آیتوں کو جن سے عرب قوم پرستی کی توہین نکلتی ہے شاید کھرچ کر اور چھیل کر مٹا دیا جاتا۔

۱۷۶ اور اس جہل، بُعد وبیگانگی کی بنا پر اسلام سے بعید تر ہیں۔

وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ مَغۡرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ

اور دیہاتیوں میں کوئی کوئی ایسا بھی ہے کہ جو کچھ وہ خرچ کرتا ہے اسے جرمانہ سمجھتا ہے اور تمہارے لئے گردشوں کا منتظر رہتا ہے

اجدر۔ یعنی اسی قابل، اسی لائق ہیں۔

ای اولیٰ واحق (کبیر)

اجدر الخ۔ اعراب کا یہ جہل صحبتِ علماء وعقلاء سے بُعد رکھنے کی بنا پر اشد تھا۔

ذٰلک بقلۃ سماعھم للقراٰن ومجالستھم للنبی صلعم فھم اجھل من المنافقین الذین کانوا بحضرۃ النبی صلعم (جصاص)

عارفوں نے کہا ہے کہ صحبتِ صالحین سے بعید ہونے سے طریقِ خیر کے ساتھ مناسبت میں کمی ہوجاتی ہے اور اسی لئے اہلِ طریق صحبت کا بڑا اہتمام رکھتے ہیں۔

حدود ما انزل اللّٰہ۔ حدود۔ یہاں احکام کے معنی میں ہے۔

ای فرائض ما انزل اللّٰہ (ابن عباس) ای حدود الدین وما انزل اللّٰہ من الشرائع والاحکام (کشاف)

ای فرائض الشرع (قرطبی)

بعض فقہاء نے اعرابی کی امامت جو شہریوں کے لئے ناجائز قرار دی ہے اس کی بنا بھی یہی ہے کہ دیہاتیوں کو مجالستِ علماء اور سمعِ احکام کے موقع کمتر ملتے ہیں۔

ولذٰلک کرہ اصحابنا امامۃ الاعرابی فی الصلوٰۃ (جصاص)

۱۷۷؎ چنانچہ صفتِ علم کے تقاضہ سے وہ علیم واقف بھی ان تمام امورِ خفی وجلی پر ہے اور صفت حکمت کے تقاضہ سے وہ حکیم سب کو سزا بھی وقت مناسب ہی پر دے گا۔

۱۷۸؎ (کہ تمہیں مصائب ناگہانی سے دوچار ہونا پڑے)

ماینفق۔ یعنی زکوٰۃ، جہاد، وغیرہ امور میں جو کچھ خرچ کرتا ہے۔

انفاق۔ کے معنی تو مطلق خرچ کرنے کے ہیں، خواہ وہ خرچ کسی نوعیت کا بھی ہو لیکن قرآن مجید نے اُسے عموماً موقعِ مدح ہی پر استعمال کیا ہے، اور مطلق انفاق سے مراد کارِ خیر میں خرچ ہی لی ہے جیسے مطلق قتال بول کر قرآن مجید نے عموماً مراد جہاد فی سبیل اللہ لی ہے۔ برے اور بیجا موقعوں پر خرچ کے لئے قرآن مجید نے عموماً لفظ اسراف استعمال کیا ہے۔

یتخذ مغرمًا۔ یعنی ایسے موقعوں پر یہ منافقین مسلمانوں کی شرماشرمی خرچ تو کر گزرتے ہیں لیکن اُسے جرمانہ ہی کی رقم کی طرح اپنے لئے گراں سمجھتے ہیں ۔۔۔ یہ نمونہ ہے ان کے بخل کا۔

محققین نے لکھا ہے کہ مصارفِ شرعی کو تکلیف وجبر تصور کرنا علاماتِ نفاق میں سے ہے، مومن کا کام ان موقعوں پر خوش دلی اور خندہ جبینی سے خرچ کرنا ہے۔

یتربص بکم الدوائر یعنی مسلمانوں کے حق میں منتظر ہی رہا کرتے ہیں کہ کب یہ زمانہ کی گردش کا شکار ہوتے ہیں ۔۔۔ یہ نمونہ ہے ان کے حسد وعداوتِ اسلام کا۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے کو روپیہ کا مالک سمجھے گا، اسے اُس کا خرچ کرنا یقیناً گراں گذریگا اور

عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٩٨﴾ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ

بڑی گردش خود ان ہی (منافقین ہی) کے لئے ہے ۱۷۹ اور اللہ خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے ۱۸۰ اور دیہاتیوں میں کچھ ایسے بھی

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُولِ ۚ

ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے ہاں قرب کا ذریعہ اور رسول کی دعائیں (لینے) کا ذریعہ ٹھہراتے ہیں

أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۚ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِي رَحْمَتِهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩٩﴾

سو بیشک یہ (خرچ کرنا) ان کے حق میں قرب ہی کا ذریعہ ہے ضرور ان کو اللہ اپنی رحمت میں داخل کرے گا یقیناً اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۱۸۱

جو کوئی مالک اللہ کو سمجھے گا، اور اپنے کو محض امین یا متولی، اسے تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بہت غنیمت معلوم ہوگا۔

الدوائر۔ دائرہ۔ وہ مصیبت ہے جس سے نجات نہ ہو سکے، اور جو دائرہ کی طرح انسان کو گھیرے۔

الدوائر ھی المصائب التی لا مخلص منہا تحیط بہ کما تحیط الدائرۃ (بحر)

۱۷۹ جیسا کہ قرآن مجید کا عام اسلوب بیان ہے، اس نے منافقوں اور مجرموں والے الفاظ ان ہی پر الٹ دیئے، اور عملاً یہ پیشگوئی لفظ بہ لفظ پوری ہو کر رہی، اسلام کی فتحمندیوں میں وسعت ہوتی گئی، منافقین کی حسرتیں دل ہی میں رہیں، ہر طرح ذلیل و خوار ہوئے۔

آیت سے یہ پہلو بھی نکلتا ہے کہ حاسد و بدبین خود ہی گرفتار بلا ہوتے ہیں۔

۱۸۰ چنانچہ وہ سمیع منافقین کی گفتگوئے نفاق کبھی خوب سن رہا ہے، اور علیم مسلمانوں کے ساتھ ان کی چالبازیوں، سازشوں اور منصوبوں سے بھی خوب واقف ہے۔ متعین جزئیات کے موقع پر اور ان ہی کے سیاق میں قرآن مجید صفات باری کا اثبات کس معجزانہ خوش اسلوبی سے کرتا گیا ہے۔

۱۸۱ (سو وہ کیوں نہ ان مومنین صادقین پر رحمت و مغفرت کی بارش کرے گا۔)

اعرابی سب کے سب منافق نہ تھے، بہتیرے ان میں سے اچھے مخلص مسلمان بھی تھے، آیت میں ذکر ان کا ہو رہا ہے۔

ان اللہ غفور رحیم۔ ایسے یکسر غفور و رحمت والے خدا کو انھیں مغفرت سے سرفراز کرتے اور رحمت سے نوازتے دیر ہی کیا لگ سکتی ہے۔

یتخذ ما .... الرسول یعنی ان کا یہ امور خیر میں خرچ نمائشی اور شرما شرمی میں نہیں ہوتا اخلاص و حسن نیت کے ساتھ ہوتا ہے۔

انہا۔ ضمیر ھا خرچ یا نفقہ کی طرف ہے۔

یعنی النفقۃ (ابن عباسؓ) یعنی نفقاتھم (قرطبی)

اسی طرح صلوٰت الرسول قربات عند اللہ۔ یہ یعنی رضائے الٰہی تو ان کا اصلی اور آخری مقصود ہوتی ہے، اور صلوٰت الرسول یعنی رسول کی دعائیں اس کا ذریعہ ہیں۔

لانہا غایۃ القصوٰی وصلوٰۃ الرسول من ذرائعہا۔ (روح)

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ

مہاجرین وانصار میں سے (جو) سابق ومقدم (ہیں) ۱۸۲؎ اور جتنے لوگوں نے نیک کرداری میں

اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

ان کی پیروی کی ۱۸۳؎ اللہ ان (سب) سے راضی ہوا اور وہ (سب) اس سے راضی ہوئے ۱۸۴؎

ما ینفق۔ یعنی دین کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔

الا انھا قربۃ لھم۔ اعرابی مومنین مخلصین کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ ان کا یہ خرچ کرنا بیکار نہ جائے گا واقعی اس سے قربِ الٰہی ومقبولیت حاصل ہو کر رہے گی۔

سیدخلھم۔ س۔ تاکید وتحقیق وعدے کے لئے ہے۔

وما فی السین من تحقیق الوعد (کشاف) السین للتحقیق والتاکید (روح)

۱۸۲؎ (سابق ومقدم ساری امت سے ایمان لانے کے لحاظ سے اور وہ سارے ہی کے سارے مہاجر وانصار ہیں)

السابقون اور الاولون دونوں میں ال استغراق وجنس کا ہے اور من تبعیض کا نہیں تبیین کے لئے ہے اس لئے آیت میں جو مدح آئی ہے اس کے مصداق سارے ہی صحابۂ کرامؓ ہیں نہ کہ ان کا کوئی مخصوص طبقہ

فالمراد بالسابقین جمیع المھاجرین والانصار رضی اللہ تعالٰی عنھم وکثیر من الناس ذھب الی ھذا (روح)

المھاجرین۔ مہاجر وہ مسلمان کہلائے جو اپنا وطن مکہ چھوڑ کر رسولؐ کی اطاعت و متابعت کے لئے ہجرت کرکے مدینہ آئے۔

الانصار۔ انصار وہ مسلمان اہل مدینہ کہلائے جنھوں نے مہاجرین مکہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اور رسولؐ اور دینِ اسلام کی ہر طرح خدمت ونصرت کی۔

۱۸۳؎ (اور اس میں امت کے سارے طبقات قیامت تک کے لئے آگئے)

اتبعوھم باحسان۔ باحسان کی قید بہت قابلِ غور ہے، مہاجرین ہوں یا انصار صحابۂ کرامؓ کی کوئی سی بھی قسم ہو، بہر حال یہ حضرات معصوم نہ تھے، عصمت صرف خاصۂ نبوت ہے، اس لئے حکم ان حضرات کے اتباعِ مطلق کا نہیں، بلکہ قید یہ لگی ہوئی ہے کہ "نیک کرداری" میں ان کا اتباع کیا جائے۔

باحسان ای مایتبعون فیہ من افعالھم واقوالھم لا فی ما صدر عنھم من الھفوات والزلات اذ لم یکونوا معصومین (قرطبی) وھو ان یقتدوا بھم فی الاعمال الحسنۃ ولا یقتدوا بھم فی غیرہ ذلک (کبیر عن محمد بن کعب القرظی) شرط فی التابعین شریطۃ وھی ان یتبعوھم فی افعالھم الحسنۃ ولا فی السیئۃ (معالم عن محمد بن کعب القرظی)

محققین اہل سنت نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ اصحاب نبیؐ مقتدایانِ امت ہیں، اور تمام صالحین ان کے تابع ان ہی محققین نے ایک نکتہ اور بھی پیدا کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ باہمی مشاجرات صحابہؓ کی جو روایتیں ہم تک پہنچی ہیں، ان سے ہمارے لئے یہ روا نہیں ہو جاتا کہ ہم ایک کے اتباع کے زور میں دوسرے کی عیب جوئی کرنے لگیں، پس امیر المومنین حضرت علیؓ تو خیر اجلِ اصحابِ نبیؐ اور خلفائے راشدینؓ میں ہیں، امیر معاویہؓ جو بہ فضیلت

وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ

اور اس نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں کہ ان کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے

الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕۛ وَمِنْ

یہی بڑی کامیابی ہے ۱۸۵ اور کچھ تمہارے گردو پیش والے دیہاتیوں میں سے اور کچھ مدینہ والوں میں سے

اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ؔۛ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ ۟ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ

(ایسے) منافق ہیں (کہ) نفاق پر جم گئے ہیں ۱۸۶ آپ (بھی) انھیں نہیں جانتے ہم ہی انھیں جانتے ہیں

نہیں رکھتے وہ بھی بہر حال صحابی ہیں، ان کے حق میں زبان طعن کھولنا درست نہیں۔

والذین اتبعوھم۔ فقہاء نے اس سے یہ بھی نکالا ہے کہ سابق کو متاخر پر فضیلت ہے اس لئے کہ پہلا شخص نیکی کا داعی ہوتا ہے اور دوسرا اس کا تابع و مقلد اور سابق کو دہرا اجر ملتا ہے۔

فیہ الدلالۃ علی تفضیل السابق الی الخیر علی التالی لانہ داع الیہ بسبقہ والتالی تابع لہ فھو امام لہ ولہ مثل اجرہ (جصاص)

۱۸۴ (اللہ کی طرف سے رضا تو یہ کہ اس نے ان سب کا ایمان مقبول فرمایا اور سب کو صلہ و جزا سے سرفراز کیا، اور بندوں کی طرف سے رضا یہ کہ انھوں نے دل سے طاعت و اطاعت اختیار کی)

رضا العبد عن اللہ ان لا یکرہ ما یجری بہ قضائہ ورضا اللہ عن العبد ھو ان یراہ موتمرا لامرہ ومنتھیا عن نھیہ (راغب)

بہر حال آیت نے مہاجرین سابقین اور ان کے تابعین سب کی مدح صاف صاف کر دی ہے بشرطیکہ اتباع نیک کرداری میں پورا پورا ہو بھی۔

بین ان منھم السابقین الی الھجرۃ وان منھم التابعین واثنی علیھم (قرطبی) دلت علی ان من اتبعھم انما یستحقون الرضوان والثواب بشرط کونھم متبعین لھم باحسان (کبیر)

رضوا عنہ۔ کے تحت میں عارفین و مشائخ طریق نے بندہ کی رضامندی کے تین طبقے قرار دیئے ہیں۔

(۱) دل ملنے یا نہ مانے، مگر اتباعِ احکام لازم و مقدم جانے، یہ بندی صاحب تقویٰ کا مقام ہے۔

(۲) تقدیر الٰہی اور احکامِ حضرتِ حق ایسے بامزہ و محبوب ہو جائیں کہ نفسانی خواہشوں کی طرف التفات ہی نہ ہو، یہ متوسطین کا طبقہ ہے جن کا مقام لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون ہوتا ہے۔

(۳) کمالِ توحید و عرفان میں ایسا مستغرق ہو کہ تمام کائنات ذاتی و صفاتی علین فعل وام حضرت حق ہی دکھائی دے، اسباب کا حجاب اور وسائط و وسائل کا دخل بھی نہ رہ جائے، یہ مقام کاملین کا ہوتا ہے، امام غزالیؒ کا قول ہے کہ مقام رضا سے فائق و افضل کوئی مقام نہیں۔

۱۸۵ خوب خیال رہے کہ قرآن مجید نے بار بار اور صریح الفاظ میں تکرار اور تصریح دونوں کے ساتھ اصلی و حقیقی کامیابی اُخروی کامیابی کو قرار دیا ہے نہ کہ دنیا کے کسی انعام کو۔ مسلمان کا منتہائے مقصود فلاح آخرت ہے

سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ (۱۰۱)

ہم انھیں دہری سزا دیں گے پھر وہ عذابِ عظیم کی طرف بھیجے جائیں گے ۱۸۷

نہ کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا اعزاز یا مرتبہ۔ نہ کہ کسی آرٹ یا سائنس کی اکیڈمی کی ممبری، نہ کوئی نوبل پرائز نہ کسی خلائی جہاز میں بڑی سے بڑی اڑان۔

خٰلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا۔ خلودِ جنت و اہلِ جنت کے ساتھ "ابدیت" کی تاکیدی قید دوسرے مقامات کی طرح یہاں بھی لگی ہوئی ہے۔

۱۸۶ (اور اس کو حدِ کمال تک پہنچا دیا ہے۔)

اى اقاموا عليه ولم يتوبوا (ابن جرير عن ابن زيد) اى ثبتوا واستقروا فيه ولم يتوبوا عنه (كبير) اى تمهروا فيه (كشاف)

مِمَّنْ حَوْلَكُم۔ "تمہارے گرد و پیش" یعنی تمہارے شہر کے گرد و پیش۔

يعنى حول بلدتكم وهى المدينة (كشاف۔ مدارك)

یہ مضافاتِ مدینہ کے قبیلے جہینہ، مزینہ، اسلم، اشجع و غفار تھے۔

۱۸۷ لَا تَعْلَمُهُم۔ یعنی ان کا نفاق اس حدِ کمال کو پہنچا ہوا ہے، اس قدر مخفی ہے کہ آپ کو بھی باایں فطانت و ذکاوت و کمالِ باخبری، ان کے منافق ہونے کا علم نہیں۔

اس آیت میں رسول اللہ صلعم کے علمِ غیبِ کلی کی صریح نفی موجود ہے جس کا دعویٰ ہمارے زمانے کے بعض عالم نما جاہلوں نے کیا ہے۔

وردت الاية فى نفى علم غيب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم صريحا (تھانوی)

کشف کے مدعیوں کو بھی آیت سے سبق لینا چاہیے۔

لا ينبغى الاقدام على دعوى الامور الخفية عن اعمال القلب ونحوها۔ (روح)

یہ اور اس قسم کی متعدد آیاتِ قرآنی اس شخص کے خیال کی تردید ہیں، جو صفائے قلب و اشراقیت وغیرہ کی بنا پر کشفِ صدور و اطلاعِ غیوب کا دعویٰ کرنے لگتا ہے اور یہ مرض علامہ محمود آلوسی تیرھویں صدی ہجری میں لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں بعض کے اندر شدت سے پھیلا ہوا ہے۔

وهذه الايات ونحوها اقوى دليل فى الرد على من يزعم الكشف والاطلاع على الغيبات بمجرد صفاء القلب وتجرد النفس عن الشواغل وبعضهم يتساهلون فى هذا الباب جدًا (روح)

امام ابن جریر نے آیت کے ذیل میں قتادہ تابعی (سنہ ۶۱ھ تا سنہ ۱۱۶ھ) کا طویل قول نقل کیا ہے کہ ہمارے زمانے میں بعض لوگوں کی جسارتیں کیسی بڑھ گئی ہیں کہ فلاں جنتی اور فلاں کے جہنمی ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں، حالانکہ غیب کی خبر انبیاء علیہم السلام بھی نہیں دے سکتے تھے، اور پھر کئی آیاتِ قرآنی نقل کی ہیں۔ قتادہ پہلی صدی کے آخر اور دوسری صدی کے اول کے آدمی تھے۔ علامہ ابن حیان غرناطی (متوفی ۷۵۴ھ) ان کا یہ قول نقل کر کے کہتے ہیں کہ یہ حال

وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا ؕ

اور کچھ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا انھوں نے ملے جلے عمل کئے تھے (کچھ) بھلے اور کچھ برے

اُس زمانہ کا ہے، جو عہدِ صحابہؓ سے اس قدر متصل تھا، اور کثرتِ خیر کے لئے ممتاز تھا، لیکن شیاطینِ انس کے وجود سے وہ بھی خالی نہ رہا، تو اب ہماری آٹھویں صدی ہجری کا کیا حال بیان کیا جائے، جب بہت سے مدعیانِ تصوف کی زبان ایسے دعوؤں پر کھل گئی ہے، یہ لوگ نہ کتاب اللہ کی طرف توجہ کرتے ہیں اور نہ سنتِ رسولؐ کی طرف، اور عجیب و غریب خرافات پر اتنے دلیر ہیں (بحر) یہ حال جب آٹھویں صدی کا تھا تو چودھویں صدی ہجری کا رہنے والا غریب اپنے وقت کا حال بیان کرنے کے لئے الفاظ کہاں سے لائے!

نحن نعلمھم۔ یہیں سے ظاہر ہے کہ کسی انسان پر جنتی یا جہنمی ہونے کا قطعی حکم کوئی انسان نہیں لگا سکتا، یہ صرف علم خداوندی کا خاصہ ہے۔

وھٰذا یمنع ان یحکم علی احد بجنۃ او نار (قرطبی)

سنعذبھم مرتین (یہ دہری سزا قبلِ آخرت ہوگی، ایک سزا نفاق کی دوسری سزا کمالِ نفاق کی)

لعل تکریر عذابھم لما فیھم من الکفر المشفوع بالنفاق او النفاق المؤکد بالتمرد فیہ (روح)

ثم یردون الی عذاب عظیم۔ یہ عذابِ عظیم ظاہر ہے کہ عذابِ آخرت ہے، دو عذاب اس کے قبل کے جس پر لفظ ثم دلالت کرتا ہے، ممکن ہے کہ ان میں سے ایک سزا اسی دنیا کی ہو، اور دوسرا عذابِ قبر ہو، قبلِ آخرت کے عموم میں، دنیا اور برزخ دونوں داخل ہیں۔

احدھما فی الدنیا والاخریٰ فی القبر (ابن جریر) ای عذاب الدنیا وعذاب القبر (قرطبی عن الحسن وقتادہ) اکثر الناس علی ان عذاب الثانی ھو عذاب القبر (بحر) ھما القتل وعذاب القبر او الفضیحۃ وعذاب القبر (مدارک)

۱۸۸ اے غزوۂ تبوک میں ساتھ نہ جانے والوں میں علاوہ منافقین کے کچھ مومنین بھی تھے، جو محض کاہلی کی بنا پر پیچھے رہ گئے تھے، اب بیان ان کا شروع ہو رہا ہے۔

ان میں کچھ ایسے تھے جنھیں ندامت اس درجہ قوی تھی کہ انھوں نے جب آپؐ کی واپسی کی خبر سنی تو اپنے کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا کہ آپؐ کھولیں گے تو خیر، ورنہ یوں ہی ختم ہو جائیں گے۔ پہلے ذکر اسی قسم کے نادمین تائبین کا شروع ہوتا ہے، یہ وہ لوگ تھے، جن میں گناہ کا ملکہ راسخ نہ تھا، بلکہ نورِ استعداد پوری طرح باقی تھا۔

عملاً صالحًا۔ مثلاً سابق کے غزوات میں شرکت، یا خود اسی موقع پر یہ احساسِ ندامت۔

واٰخر سیئًا۔ جیسے بلا عذرِ معقول اس غزوہ میں پیچھے رہ جانا۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ جہاد، عام حالت میں صرف فرضِ کفایہ ہے، اس لئے اگر کچھ لوگ نہ شریک ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن جب امام مسلمین (چہ جائیکہ رسول اللہؐ) عام حکم دیدیں تو اب فرضِ عین ہو جائیگا، اور یہی صورت یہاں تھی۔

واٰخر میں و علاوہ عطف و جمع کے بائے الصاق کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ

توقع ہے کہ اللہ ان پر توجہ کرے۔ بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۱۸۹؎ آپ ان کے

اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ

مالوں سے صدقہ لے لیجئے۔ اس کے ذریعہ سے آپ انہیں پاک صاف کردیں گے ۱۹۰؎ اور آپ ان کے لئے دعا کیجئے۔

قالوا و بمعنى الباء لان الواو للجمع والباء للالصاق (مدارک)

خلطوا عملا صالحا و آخر سیئا۔ آیت کے اتنے ٹکڑے میں عام امت کی دینی روحانی اعتبار سے بہترین تصویر آگئی ہے، عام مسلمانوں کی حالت یہی رہتی ہے، ملی جلی ہوئی اور درمیانی کہ نہ غایت تقویٰ نہ فسق محض، دس بیس کام اگر اچھے کرلئے تو دس بیس بُرے، بس اللہ ہی ہم سب کی مغفرت کرے!

مرشد تھانویؒ نے کہا کہ یہ وہ لوگ تھے جو نفس لوامہ کے مرتبہ میں تھے، جو کبھی نفس مطمئنہ کا منقاد ہو کر اعمالِ صالح کرنے لگتا، اور کبھی اس سے بھاگنے لگتا ہے۔

۱۸۹؎ چنانچہ اسی شانِ غفور رحمت کے تقاضہ سے اُس غفور رحیم نے ان لوگوں کا قصور معاف کردیا، اور رسول اللہ صلعم نے خود آکر ان کے ہاتھ ستونوں سے کھول دیئے۔

عسى الله ان یتوب علیهم یعنی توجہ رحمت کے ساتھ کرے، اور ان کی توبہ قبول کرلے، عسیٰ جیسا پہلے بھی گزر چکا ہے، جب اللہ کی طرف سے آتا ہے تو شک کے لئے نہیں یقین دلانے کے لئے آتا ہے۔

قال الحسن عسىٰ من الله واجب (جصاص)

آیت سے محققین نے یہ نکالا ہے کہ گنہگار کے لئے توبہ سے یاس جائز ہی نہیں ہے اور امید قبول و عفو کی برابر اُس وقت تک قائم ہے، جب تک بندہ بدی کے ساتھ نیکی کی آمیزش بھی کچھ کئے جاتا ہے۔

فی هذه الآیة دلالة علی ان المذنب لا یجوز له الیاس من التوبة و انما یعرض ما دام یعمل مع الشر خیرا (جصاص)

۱۹۰؎ (ہر ظلمت و کدورت سے)

"جب توبہ سے گناہ معاف ہوگیا تو صدقہ کے آلۂ تطہیر و تزکیہ کے کیا معنی، سو جواب اس کی یہ ہے کہ توبہ سے گناہ معاف ہوجاتا ہے لیکن گاہے اس کی ظلمت و کدورت کا اثر باقی رہ جاتا ہے اور گو اس پر مواخذہ نہیں لیکن اس سے آئندہ اور گناہوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، بس صدقہ سے خصوصاً بوجہ حدیث الصدقة تطفی غضب الرب اور دیگر اعمال صالحہ سے عموماً یہ ظلمت و کدورت مندفع ہوجاتی ہے۔" (تھانویؒ)

تطہر و تزکی۔ کو صدقہ کی صفت بھی سمجھا گیا ہے، اور حال بھی قرار دیا گیا ہے، لیکن بہترین ترکیب یہ ہے کہ ضمیریں مخاطب یعنی رسول اللہ صلعم کی طرف سمجھی جائیں۔

والاجود ان تکون المخاطبة للنبی صلی الله علیه وسلم ای فانك تطهرهم و تزکیهم بها (قرطبی عن الزجاج)

گناہوں سے صفائی تو تطہیر میں خود ہی آگئی اب اس کے بعد تزکیہ لانا معنی میں مزید ترقی کررہا ہے۔

اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا

بلاشبہ آپ کی دعا ان کے حق میں (باعث) تسکین ہے اور اللہ خوب سننے والا ہے، خوب جاننے والا ہے ۱۹۱ کیا یہ نہیں

اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ

جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے، اور وہی صدقات کو قبول کرتا ہے

التزکیۃ مبالغۃ فی التطہیر وزیادۃ فیہ (کشاف۔ مدارک)

من اموالهم۔ یہ حضرات بندش سے رہائی پانے کے بعد فرطِ اخلاص سے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں کچھ مال لے کر آئے اور درخواست کی کہ اس کو اللہ کی راہ میں صرف کیا جائے۔

خذ۔ امر وجوبی ہے، فقہاء نے کہا ہے کہ امام کو قبول صدقات میں توقف و تردد جائز نہیں۔

صدقۃ۔ سے یہاں مراد زکوٰۃ فرض ہے یا کفارۂ گناہ والا صدقہ؟ قول دونوں ہی نقل ہوئے ہیں، لیکن ترجیح دوسرے قول کو ہے۔

لیس المراد الصدقۃ الواجبۃ وانما ھی صدقۃ کفارۃ الذنب الذی صدر منھم (کبیر عن الحسن)

روی عن الحسن انھا لیست بالزکوٰۃ المفروضۃ وانما ھی کفارۃ الذنوب التی اصابوھا (جصاص)

تطهرهم وتزكيهم بها۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ انفاق مال سے خواہشیں ضعیف ہوتی ہیں اور قوائے نفس منکسر ہوتے ہیں، اور مادۂ شہوات کی اصلاح ہوتی ہے۔

خذ من اموالهم صدقة۔ صدقہ وصول کرنے کا یہ حکم جو رسول اللہؐ کو مل رہا ہے اس سے فقہاء نے یہ بھی نکالا ہے کہ تقسیم صدقات امام مسلمین کا حق ہے اس لئے کسی شخص کا بطور خود صدقہ ادا کر دینا جائز نہیں کہ اس سے حق امام کا اتلاف لازم آتا ہے۔

یدل علی ان اخذ الصدقات الی الامام وانہ متی اداھا من وجبت علیہ الی المساکین لم یجزہ لان حق الامام قائم فی اخذھا فلا سبیل لہ الی اسقاطہ (جصاص)

۱۹۱ سواس سمیع نے ان کے توبہ واستغفار کو اور ان کے الفاظِ اعتراف کو خوب سن بھی لیا، اور اس علیم نے ان کے احساسِ ندامت کو خوب جان بھی لیا۔

وصل علیهم۔ علماء نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ صدقہ جس کو دیا جائے وہ، اور امام جس کی خدمت میں صدقہ تقسیم کے لئے پیش کیا جائے، ان دونوں کے لئے صدقہ دینے والے کو دعا دینا مستحب ہے، بلکہ بعض نے تو یہ کہا ہے کہ امام جو اپنے لئے صدقہ نہیں لیتا، بلکہ تقسیم صدقات کا صرف امین و منتظم ہے جب وہ دعائے خیر پر مامور ہوا تو مسکین و محتاج تو بدرجۂ اولیٰ دعائے خیر و ادائے شکر پر مامور ہوگا۔

مشائخ صوفیہ نے اور ترقی کر کے بعد فراغ ضیافت، صاحب ضیافت کے حق میں دعائے خیر و برکت اختیار کی ہے، اور مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے امدادِ ہمت اور اضافۂ انوارِ صحبت کا حکم نکل رہا ہے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ

اور اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بڑا رحمت والا ہے ۱۹۲؎ اور آپ کہہ دیجئے کہ عمل کئے جاؤ تمہارے عمل کو اللہ اور

وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۗ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

اس کا رسول اور مومنین ابھی دیکھے لیتے ہیں اور تمہیں ضرور ہی غیب و شہادت کے جاننے والے کے پاس واپس جانا ہے

ان صلوٰتك سكن لهم. اس میں اثبات ہے ان اشخاص کے کمالِ اخلاص کا۔

فقہاء صوفیہ نے کہا ہے کہ آیت سے بہ قاعدہ عبارۃ النص ظاہر ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلعم مومنین کے تزکیۂ اخلاق و تصفیۂ قلوب اور عطائے مقام تسکین و رضا پر مامور تھے اور بہ قاعدۂ اشارۃ النص یہ کہ بزرگوں کی خدمت بہ غرض حصول دعائے خیر کرنی چاہئے، یہ بھی کہا ہے کہ رسول کی دعا امت کے حق میں امام کی دعا رعایا کے حق میں، مشائخ کی دعا شاگردوں اور مریدوں کے حق میں اور بڑوں کی دعا چھوٹوں کے حق میں وعدۂ قبول رکھتی ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے متعدد مسائل صوفیہ کا اثبات ہوتا ہے مثلاً اعترافِ ذنوب کی فضیلت، معترف کا قبول عذر بعض اعمال (مثلاً صدقہ) کی برکات شیخ کی برکات (جیسا کہ تزکیہ کو آپ کی طرف منسوب کیا گیا) وقس علیٰ ہذا۔

۱۹۲؎ (چنانچہ اس تواب نے ان گنہگاروں کی توبہ قبول کرلی، اور اس رحیم نے ان لوگوں کا مال قبول کرنے اور ان کے حق میں دعا کرنے کا حکم دیدیا)

آیت میں بڑی تسکین اور ڈھارس ہے عاصیانِ امت کے لئے، حق تعالیٰ کی چار صفات یہاں گنا دی گئی ہیں، ایک یہ کہ وہ توبہ قبول کرتا ہے، دوسرے یہ کہ وہ صدقات (بہ طور کفارۂ گناہ) قبول کرتا ہے، تیسرے یہ کہ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے، چوتھے یہ کہ وہ بڑی رحمت والا ہے۔

ياخذ الصدقات. اخذ یہاں لفظی معنی میں نہیں بلکہ قبول کرنے کے مفہوم میں ہے۔

الاخذ هنا استعارة للقبول (روح) يقبلها (معالم۔ بیضاوی)

الم يعلموا ان الله هو يقبل التوبة. یہاں یہ زور دے کر بتایا ہے کہ توبہ قبول کرنے کا تعلق تو خدائے تواب و رحیم سے ہے نہ کہ رسولؐ سے۔

اى ان ذلك ليس الى رسول الله صلعم انما الله هو الذى يقبل التوبة (مدارك) هذا نص صريح فى ان الله تعالىٰ هو الآخذ لها والمثيب عليها وان الحق له عزوجل والنبى صلعم واسطة (قرطبى)

الفائدة الثانية فى هذا التخصيص هو ان قبول التوبة ليس الى رسول الله صلعم انما الى الله الذى هو يقبل التوبة تارة ويردها اخرىٰ فاقصد والله بها ووجهوها اليه (كبير)

جاہلی قوموں یہاں تک کہ بعض مسیحی فرقوں نے توبہ قبول کرلینے اور گناہ معاف کردینے کا حق درمیانی واسطوں، پادریوں وغیرہ کو دے دیا ہے، قرآن مجید ان سب کی نفی کر رہا ہے، یہ قبول توبہ کا اختیار پیمبر ان تک کو حاصل نہیں، یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ

تو وہ تم کو بتلادیگا کہ تم اب تک کیا کرتے رہے ہو ۱۹۳؎ اور کچھ اور لوگ (بھی) ہیں (ان کا معاملہ) اللہ کا حکم

اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠٦﴾

آنے تک ملتوی، خواہ وہ انھیں سزا دے اور خواہ وہ ان کی توبہ قبول کرلے ۱۹۴؎ اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ۱۹۵؎

عن عبادہ. فعل قبول کا صلہ عن کے ساتھ آیا ہے تجاوز عن الذنوب کے مفہوم کے لئے۔

تعدیۃ بعن لتضمن معنی التجاوز (بیضاوی) ای یقبل ذالک متجاوزا عن ذنوبھم التی تابوا عنھا (روح)

۱۹۳؎ نفاق قلب اور ضعف ایمان کا علاج اس سے بڑھ کر اور کوئی نہیں کہ آخرت و جزائے اعمال کا استحضار پوری پوری طرح رہے، اور قرآن مجید ہر ایسے موقع پر اسی علاج سے کام لیتا ہے۔

سیری اللہ عملکم. س عنقریب یا ابھی کے معنی میں ہے، مراد یہ ہے کہ اسی دنیا میں تمھارے اعمال سے تمھارے اخلاص یا نفاق کا امتحان ہو جائے گا۔

اعملوا. اس صیغۂ جمع کے مخاطب کل لوگ ہیں۔

خطاب للجمیع (قرطبی)

۱۹۴؎ (شرائط قبول توبہ کے نہ موجود اور موجود ہونے کی بنا پر یا ان لوگوں کے عدم اخلاص و اخلاص کی بنا پر) ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۸۷؎ بالا۔

اب بیان مومنین کے ایک دوسرے طبقہ کا ہو رہا ہے، یہ لوگ بھی کاہلی اور سہل انگاری ہی کی بنا پر غزوۂ تبوک میں شرکت سے محروم رہ گئے تھے، ان لوگوں نے رسول اللہ صلعم کی واپسی پر نہ تو ایک طرف منافقین کی طرح کچھ عذرات تراشے لیکن دوسری طرف تائبین صادقین کی طرح یہ بھی نہ کیا کہ اپنے کو ستونوں سے باندھ دیتے یا اور کوئی سزا اپنے کو دینے لگتے، انھوں نے خدمت اقدس میں حاضری دے کر محض سیدھی اور سچی بات عرض کردی، انھیں جواب ملا کہ وحی الٰہی کا انتظار کرو جیسا بھی حکم تمھارے باب میں نازل ہو۔ ان لوگوں کا اپنی کوتاہی پر نادم ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن آیت سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ قبولِ توبہ کے لئے محض ندامت کافی نہیں جب تک کہ امکانی تدارک کا بھی سامان نہ ہو۔

ذالک یدل علی ان الندم وحدہ لایکون کافیا فی صحۃ التوبۃ (کبیر)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مرید کے معاملہ کو بعض اوقات خوف و امید کے درمیان معلق ہی چھوڑ دینا قرین مصلحت ہوتا ہے اس کے عذر کو نہ صریحاً قبول کیا جاتا ہے کہ اس سے نصیحت کا اثر ضعیف ہو جاتا ہے اور نہ صریحاً رد کیا جاتا ہے کہ اس سے پہلے توحش پھر مایوسی پھر بُعد پیدا ہو جاتا ہے اور یہ سب اس کے لئے مضر ہیں، کچھ روز تک معلق رکھنے میں اسی کی بہت سی مصلحتیں ہوتی ہیں۔

امّا. کلمہ تردد ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ تردد حق تعالٰی کی طرف سے نہیں، وہاں تو ہر فیصلہ قطعی ہے، لفظ کا استعمال محاورۂ انسانی کے مطابق ہے، اور بندوں کو یہ تعلیم ملی ہے کہ وہ صرف حالت امید میں رہیں۔

واللہ عالم بمصیر الاشیاء ولکن المخاطبۃ للعباد علی ما یعرفون ای لیکن امرھم عندکم

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور ان میں ایسے بھی ہیں جنھوں نے ایک مسجد ضرر پہنچانے کو بنائی ہے اور کفر کی غرض سے اور مومنوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کی

وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ

غرض سے اور اس غرض کے لئے کہ جو اس کے قبل اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکا ہے اسے ایک کمین گاہ مل جائے ۱۹۶

علی الرجاء لانہ لیس للعباد اکثر من ھذا (قرطبی)

۱۹۵ چنانچہ وہ علیم سب کے اخلاص، درجۂ اخلاص، وعدم اخلاص سے بھی خوب واقف ہے۔ جیسا بھی مقتضائے حکمت ہو، بلا توبہ یا بعد توبہ وہ حکیم معاف بھی کرتا رہتا ہے۔

۱۹۶ مومنین کا تذکرہ یہاں روک کر اب ذکر پھر منافقین کا شروع ہو گیا، الذین کی تقدیر کلام ومنھم الذین ہے اور جملہ کا عطف جملۂ سابق پر ہے۔

ای منھم الذین اتخذوا (کبیر) ای ومنھم الذین (روح) عطف جملة علی جملة (قرطبی)

رسول اللہ صلعم جب مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو پہلے مضافاتِ شہر کی آبادی محلۂ قبا میں قیام فرمایا، اور وہیں ایک جگہ نماز کے لئے مقرر کر لی، پھر جب آپ شہر آ گئے تو مومنین مخلصین نے محلہ قبا میں آپ کی نماز پڑھنے کی جگہ پر ایک مسجد تعمیر کر لی، اور وہیں نماز باجماعت ہونے لگی۔

اب منافقین نے سازش کر کے ایک دوسری جگہ سوچی کہ یہاں مسجد کی شکل کی ایک عمارت تیار ہو جائے تو اس میں بیٹھ کر خوب اسلام کے خلاف کمیٹیاں جلسہ اور منصوبہ بازیاں ہوا کریں، مسجد ضرار اس کا نام اسی لئے مشہور ہوا کہ اس کا مقصد ہی مسلمانوں کو ضرر پہنچانا تھا۔

سیرت نگار ابن ہشام نے یہاں ۱۲ شخصوں کے نام گنائے ہیں، ان میں سے ایک بنی امیہ سے تھا، اور باقی ۱۱ عرب کے دوسرے قبیلوں سے۔

ضرارًا۔ یعنی مقاصدِ اسلام ومسلمین کو ضرر پہنچانے کو۔

کفرًا۔ یعنی عداوتِ رسول کا چرچا کرنے کو۔

تفریقًا بین المؤمنین۔ جب ایک مسجد خاص شہر میں بن جاتی تو اہل شہر کی ایک جماعت تو شہر سے باہر جانے کے بجائے وہاں ضرور ہی آ جاتی۔

انما کان مرادھم التفریق بین المؤمنین وان یتحزبوا فیصلی حزب فی مسجد وحزب فی مسجد آخر لتختلف الکلمة وتبطل الالفة والحال الجامعة وارادوا بہ ایضا لیکفروا فیہ بالطعن علی النبی صلعم والاسلام (جصاص)

ارصادًا.... ورسولہٗ۔ اشارہ ہے ایک مسیحی راہب ابو عامر کی جانب، یہ قبیلہ خزرج سے تھا، اور اس کا نام عبد عمرو بن صیفی تھا، منافقین میں طے ہو گیا تھا کہ اب وہ جب مدینہ آیا کرے گا تو اس کو اسی میں ٹھہرایا کریں گے، یہ راہب اسلام کا شدید دشمن تھا، اور ہرقل مسیحی شہنشاہ روم سے دوستی کا مدعی تھا، کہتا تھا وہاں سے

وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١٠٧﴾ لَا تَقُمْ

اور یہ لوگ قسم کھا جائیں گے کہ ہماری غرض بجز بھلائی کے کچھ نہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ (بالکل) جھوٹے ہیں۔[۱۹۶] آپ

فِيهِ أَبَدًا ۚ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۚ

اس میں کبھی بھی نہ کھڑے ہوں[۱۹۷] (البتہ جس) مسجد کی بنیاد تقویٰ پر اول روز سے پڑی ہے وہ (واقعی) اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں[۱۹۸]

باقاعدہ فوج لاکر اسلام کو نیست ونابود کردوں گا۔

قال ابن عباس ومجاهد اراد به ابا عامر الفاسق وكان شديد العداوة للنبي صلعم عنادا وحسدا الذهاب رياسة التي كانت في الاوس قبل هجرة النبي صلعم الى المدينة فقال للمنافقين سياتي قيصر وآتيكم بجند فاخرج محمدا واصحابه (جصاص)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے کمال شناعت ایسے شخص کے فعل کی معلوم ہوئی، جو دین کو اپنی غرض فاسد کا آلہ بنائے! فقہاء نے یہیں سے یہ نکالا ہے کہ فعل پر حسن وقبح کا حکم ارادۂ فاعل کے لحاظ سے لگایا جائے گا۔

وقد دلت هذه الآية على ترتيب الفعل في الحسن او القبح بالارادة (جصاص)

۱۹۶ ؎ منافقین کا دعویٰ یہ تھا کہ ہمیں تو امت اسلامیہ کی عین آسائش اور اس کے لئے مزید گنجائش ہی مقصود ہے، بجائے ایک کے دو دو مسجدیں ہوگئیں، قریب والوں کو کتنی آسانی ہوگئی، وقس علیٰ ہذا —— آہ، کہ آج بھی کتنے الا الحسنیٰ کہنے والے اسی طرح مسلمانوں کے ایمان پر چھاپے مار رہے ہیں۔

سیرت نگار ابن ہشام نے لکھا ہے کہ آپؐ تبوک سے واپسی پر ابھی مدینہ سے ایک گھنٹہ کی راہ پر منزل ذی دوان میں تھے کہ آپؐ اس نام نہاد مسجد کی صحیح کیفیت سے مطلع فرمائے گئے، اور آپؐ نے مالک بن دخشم اور معن (یا عدی) بن عاصم دو صحابیوں کو اس کے مسمار کردینے اور جلا دینے پر مقرر فرمایا جنھوں نے تعمیل کی۔

۱۹۷ ؎ (نماز کے لئے)

اي تقم فيه للصلوٰة (قرطبي)

مخاطبت براہ راست رسول اسلامؐ سے ہے لیکن حکم تبعاً ساری اُمت کو قیامت تک کے لئے مل رہا ہے۔

هذا نهي للرسول صلعم والمؤمنين بالتبع له عن الصلوٰة فيه موكد بلفظ الابد الذي يستغرق الزمن المستقبل (المنار)

یہ مسجد تو صرف صورۃً مسجد تھی، ورنہ حقیقۃً تو عداوتِ اسلام کے لئے ایک کمین گاہ تھی جیسا کہ ابھی قرآن مجید ہی تصریح کرچکا ہے، فقہاء نے اس سے یہ نکالا ہے کہ ہر ایسی مسجد جس کی بنیاد معصیت اور مخالفتِ مومنین پر ہو قابل گرادینے کے ہے

فيه الدلالة على ان المسجد المبني لضرر المؤمنين والمعاصي لا يجوز القيام فيه وانه يجب هدمه (جصاص)

بعض نے لا تقم سے مجاز مراد لی ہے، یعنی کسی قسم کا التفات ونصرت اس عمارت اور اس کے حامیوں کی جانب نہ کریں

اي لا تنصره ولا تلتفت اليه ولا تكن معهم (جصاص)

محض نام یا انتساب جبکہ حقیقت سے خالی ہو، ہرگز کسی حکم شرعی پر مؤثر نہیں ہوسکتا، چنانچہ نام اس عمارت کا بھی

فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ﴿١٠٨﴾

(اس میں) ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ۲۰۰

مسجد ہی تھا، تاہم چونکہ حقیقت مسجدی سے بالکل خالی تھی، اس لئے قابل توقیر و احترام تو کیا بجھی جاتی الٹے گرا دیے جانے اور جلا دیے جانے کے قابل سمجھی گئی، چنانچہ احادیث میں تصریح آتا ہے کہ آپ نے صحابہؓ کو بھیج کر اسے منہدم کروا دیا اور اس میں آگ لگوا دی ۔۔ اور یہی حکم ہر خلاف شریعت رسم کا ہے، خواہ اس کا انتساب اسمی کسی ولی یا کسی نبی کی جانب ہو۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں دلیل ہے کہ امر مکروہ شرعی کے لئے سبب بننے سے بھی تحرز ضروری ہے۔

۱۹۹ف (اور نماز پڑھا کریں)

لمسجد الخ۔ یعنی مسجد قبا۔ ل لام ابتداء کا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ل قسم کا ہے۔

اللام لام الابتداء (معالم) وقیل لام القسم تقدیرہ واللہ مسجد اسس (معالم)

قبا ایک موضع کا نام ہے جو مدینہ سے جنوب میں تقریباً تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے، حضورؐ مکہ سے ہجرت کے وقت پہلے یہیں قیام پذیر ہوئے تھے، اور دو ہفتہ کے قیام کے بعد اصل شہر میں داخل ہوئے تھے اسلام میں سب سے پہلی مسجد یہیں کی ہے جو آج تک زیارت گاہ بنی ہوئی ہے اور اپنی دلکش سادگی کے ساتھ قائم ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ایسی عمارت سے جس کی بنیاد تقویٰ پر ہو صفائے وقت و طیب حال و ذوق و وجدان کا اثر پیدا ہوتا ہے، بہ خلاف اس کے جو خلاف تقویٰ پر مبنی ہوگا، اس میں کدورت اور تفرقہ اور قبض کا اثر نفس میں پیدا ہوتا ہے۔

"مسجد ضرار" کے لئے منافقین نے حضورؐ سے درخواست کی تھی کہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر آپ ایک بار یہاں نماز پڑھ لیں، تو بڑی برکت حاصل ہو جائے، اس کا جواب اوپر مل چکا، اور مسجد قبا کے لئے یہ مدح بلا درخواست ارشاد ہو گئی۔

فقہاء نے آیت سے متعدد مسئلے نکالے ہیں، مثلاً یہ کہ بعض عمارتیں نماز کے لئے دوسری عمارتوں سے افضل ہوتی ہیں، اور بعض میں نماز پڑھنا ممنوع ہوتا ہے۔

ھذا یدل علی ان بعض الاماکن قد یکون اولی بفعل الصلوٰۃ فیہ من بعض وان الصلوٰۃ قد تکون منھیۃ عنھا فی بعضھا ویدل علی فضیلۃ الصلاۃ فی المسجد بحسب ما بنی علیہ فی الاصل (جصاص)

۲۰۰ف (پس مسجد قبا والے تو عین مقام محبوبیت پر ٹھہرے)

فقہائے مفسرین نے لکھا ہے کہ اہل مسجد کی فضیلت خود مسجد کی اور اس میں نماز کی فضیلت کی دلیل ہے۔

فیہ الدلالۃ علی ان فضیلۃ اھل المسجد فضیلۃ للمسجد والصلاۃ فیھا (جصاص)

بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اس سے مراد مسجد نبوی ہے تو یہ ارشاد نبویؐ اس تفسیر قرآنی کے منافی ذرا بھی نہیں، مسجد قبا کا مدلول ہونا تو بہ عبارۃ النص ہے، اور مسجد نبوی کا مدلول ہونا بہ دلالۃ النص ہے، یعنی جب صحابۂ متقین کے بانی ہونے سے مسجد قبا اتنی مقبول ٹھہری تو مسجد نبویؐ کے بانی تو امام المتقین خود حضور سرور عالمؐ تھے، وہ ظاہر ہے کہ اس کی مصداق بدرجۂ اولیٰ ہوگی۔

فقہاء مفسرین نے آیت کے عموم الفاظ سے یہ مطلب نکالا ہے کہ ہر وہ مسجد جو جائز طور پر بنائی جائے اور ہر وہ نمازی جو طہارت کو لازم و محبوب بنالے اس خطاب کے تحت میں شامل ہیں، اس لئے کہ حکم وصف پر لگایا گیا ہے

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَنْ

سو آیا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے تقویٰ اور رضامندی پر رکھی وہ بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت

أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ۗ

کی بنیاد کسی گھاٹی کے کنارہ پر رکھی جو گرنے ہی کو ہے ۲۰۱ پھر وہ (عمارت) اس کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑی،

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠٩﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي

اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا ۲۰۲ ہمیشہ ان کی یہ عمارت جو انھوں نے بنائی ہے

بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۗ

ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی سوا اس کے کہ ان کے دل ہی فنا ہو جائیں ۲۰۳

نہ کہ ذات پر ۔۔۔ اور رجال سے بھی مرد ہی مراد نہیں، مرد و عورت سب اس حکم میں داخل ہیں۔

فیه رجال یحبون ان یتطھروا۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں اشارہ ہے کہ صالحین کی صحبت بھی اثر عظیم ہے (جیسا کہ اس مسجد میں قیام کی ترجیح کی علت کے موقع میں اس کو قرار دیا گیا) غرض یہ کہ حصول جمعیت میں مکان اور اخوان کی رعایت ضروری ہے اور اہل طریق سے منقول ہے کہ اس کے ساتھ زمان کی رعایت کو بھی دخل ہے۔

۲۰۱ مراد اس سے اغراض باطلہ و کفریہ ہیں، تشبیہہ ناپائیداری، بے ثباتی، کمزوری میں دی گئی ہے۔
حاصل کلام یہ ہے کہ دو عمارتیں ہیں، ایک کی بنیاد تقویٰ اور رضائے الٰہی پر ہے، اور دوسری کی معصیت و کفر پر۔ پہلی معزز ہے اور باقی رکھنے کے قابل، دوسری ذلیل ہے اور گرائے جانے کے قابل۔

وحاصل الکلام ان لحد البنائین قصد بانیه ببنائه تقوی اللہ ورضوانه والبناء الثانی قصد بانیه ببنائه المعصیة والکفر فکان البناء الاول شریفا واجب الابقاء وکان الثانی خسیسا واجب الھدم (کبیر)

۲۰۲ اور ظالم سے مراد اس سیاق میں وہ لوگ ہیں جو نام دین کا لے کر طرح طرح کے مفسدے دین میں برپا کرتے رہتے ہیں۔

فانھار به۔ ضمیر بانیٔ عمارت کی طرف ہے جو اس میں رہا کرتا تھا۔

ای بالبانی (معالم) ای الموسس البانی (بحر)

مفسرین کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ یہ بعینہٖ حقیقت کا بیان ہے یعنی وہ مسجد ضرار واقعۃً اسی طرح دوزخ میں گرادی گئی لیکن بہتوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ بیان صرف مثال و تشبیہہ کے طور پر ہے کہ ہر ایسے کام کا جس کی بنیاد اخلاص و ایمان پر نہیں بلکہ کفر و نفاق پر ہوتی ہے، خاتمہ جہنم و ہلاکت ہی پر ہوتا ہے۔

قیل ھذا ضرب مثل ای من ای من اسس بنیانه علی الاسلام خیر ام من اسس بنیانه علی الشرک والنفاق وبین ان بناء الکافر کبناء علی شفا جرف ھار یتھور اھله فی جھنم (بحر) واختار غیر واحد ان معنی الآیة افمن

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١١٠﴾ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ

اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ۲۰۴۔ بلاشبہ اللہ نے مومنوں سے خرید لیا ہے ان کی جانوں اور ان کے

بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ

مالوں کو اس کے عوض میں کہ انھیں جنت ملے گی۔ (یہ لوگ) اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں سو (کبھی) مار ڈالتے ہیں اور (کبھی) مار ڈالے جاتے ہیں ۲۰۵

اسس بنیان دینہ علی قاعدۃ محکمۃ ھی التقوی وطلب الرضا بالطاعۃ خیر ام من اسس علی قاعدۃ ھی اضعف القواعد وارخاھا فادی بہ ذالک لخورہ وقلۃ استمساکہ الی السقوط فی النار (روح)

فقہاء مفسرین نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ جس کام کی ابتداء اللہ کی رضا جوئی اور اخلاص نیت سے کی جاتی ہے اسے پائیداری نصیب ہوتی ہے اور اس میں برکت ہوتی ہے۔

فی ھذہ الاٰیۃ دلیل علی ان کل شیئ ابتدی بنیتہ تقوی اللہ والقصد لوجہہ الکریم فھو الذی یبقی ویسعد بہ صاحبہ ویصعد الی اللہ ویرفع الیہ (قرطبی)

۲۰۳ (تو البتہ ان دلوں کے فنا ہونے کے ساتھ ہی وہ دل کی حسرتیں بھی ختم ہو جائیں)

لایزال.... قلوبھم یعنی ہمیشہ موجب حسرت و حرمان ہی رہے گی کہ جن اغراض سے بنائی تھی، وہ کوئی بھی پوری نہ ہوئیں، اور رسوائی جو ہوئی وہ الگ۔

الا ان تقطع قلوبھم۔ کنایہ ہے دوام حسرت سے، یہ مراد نہیں کہ موت و فنا کے بعد انھیں راحت نصیب ہو جائے گی۔

ھذا الکنایۃ عن تمکن الریبۃ فی قلوبھم التی ھی محل الادراک واضمار الشرک بحیث لایزول منھا ما داموا احیاء (روح) والمقصود ان ھذہ الریبۃ باقیۃ فی قلوبھم ابدا ویموتون علی ھذا النفاق (کبیر)

۲۰۴ وہ علیم سب کی ایک ایک حالت سے واقف ہے، اور وہ حکیم ایک ایک سے اسی کے حال کے مطابق و مناسب معاملہ کرے گا۔

۲۰۵ (اور وہ معاملۂ بیع دونوں صورتوں میں قائم رہتا ہے)

اصل معاملۂ بیع صرف اس قدر ہے کہ مومنین اپنے جان و مال کو بلا کسی شرط، قید و حجت کے اللہ کے حضور میں نذر کر دیتے ہیں، اور ادھر سے اس نذرانہ کے عوض میں جنت مل رہی ہے۔

یخبر تعالی انہ عاوض عبادہ المؤمنین عن انفسھم واموالھم اذ بذلوھا فی سبیلہ بالجنۃ (ابن کثیر)

اشتری۔ لفظ اشتراء کا اس موقع پر استعمال غایت شفقت و کرم ہی سے ہے، ورنہ کسی بندہ کی جان اور مال اس کی اپنی ملک ہے کب؟ یہ ملک تو تمام تر اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔۔۔ وہ جو چاہے بلا کسی معاوضہ یا انعام کا سوال درمیان لائے حکم دے دے۔۔۔ اپنی ہی ملک کو دوسرے سے خرید کر لینا اور اس کی قیمت ادا کرنا، بجز کرم بے نہایت اور احسان بے غایت کے اور کیا ہے

وھذا من فضلہ وکرمہ واحسانہ فانہ قبل العوض عما یملکہ (ابن کثیر) وھو عوض عظیم لایدانیہ المعوض ولایقاس بہ فاجری ذالک علی مجاز ما یتعارفونہ فی البیع والشراء فسمی ھذا اشراء (قرطبی)

انفسھم واموالھم۔ الفاظ بہت قابل غور ہیں (انفس و اموال) جان، مال کے بعد پھر انسان کے پاس

وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ

اسی پر (ہماری طرف سے) سچا وعدہ ہے توریت اور انجیل اور قرآن میں ۲۰۶ے

رہ ہی کیا جاتا ہے وہ دونوں تو اسلام کا اقرار کرنے کے بعد اللہ ہی کی ہوگئیں، اور دنیا میں جتنی بھی جسمانی، دماغی، روحانی لذتیں اور راحتیں ہیں، یا سب مسرتیں اور شادیاں اسی ایک راحت تن کی ہیں، اور حاصل اسی حب بقائے نفس اور حب مال کی۔ مسلمان سمجھ لے، اور اپنے دل میں اسے خوب بٹھا لے کہ ایمان قبول کرتے ہی اس کی ساری مسرتیں، ساری راحتیں تابع ہوگئیں اسی رضائے الٰہی کے جس کے محل کا نام جنت ہے۔ آیت قرآن مجید کی اہم ترین اور کلیدی آیتوں میں سے ہے، مسلمان اگر اسے دل نشین کرلے تو اس پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہوجائے، اور اس کے بعد مومن کے لئے بڑی سی بڑی "قربانی" بھی اس کے لئے کچھ مشکل نہ رہ جائے، بلکہ ہر قربانی کے لئے وہ ہنسی خوشی، خود لپکنے لگے، ضرورت صرف اسی یقین واذعان کے استحضار کی ہے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ ۱۳؁ نبوی میں ستر شرفاء مدینہ نے مکہ میں آکر رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی (اور اس بیعت کا نام بیعت عقبۂ ثانیہ ہے) اور ان کے ایک لیڈر عبداللہ بن رواحہ رضؓ نے عرض کیا کہ آپ اپنے اور اپنے رب کی طرف سے شرطیں بیان فرمائیے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے رب کی طرف سے تو یہ ہے کہ اس کی عبادت کرو، اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، اور میری طرف سے شرط یہ ہے کہ جس طرح اپنے جان و مال کی حفاظت کرتے ہو، میری بھی حفاظت کرو، وہ بولے کہ اچھا تو پھر ہمیں کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "جنۃ" وہ لوگ بول اٹھے ربح البیع لا نقیل ولا نستقیل۔ یہ سودا تو بڑے نفع کا ہے، ہم نہ اس بیع کو توڑیں نہ ہم اس کے توڑنے کی درخواست کریں۔

تو غرض یہ کہ اصل بیع اسی بدل نفوس واموال کا تھا، قتال و مقاتلہ اسی کی فرع ہے۔

اللہ کا یہ وعدہ ظاہر ہے کہ اس خاص واقعہ کے بعد سے امت محمدی کے ایک ایک مومن اور ایک ایک مجاہد سے قیامت تک کے لئے ہے۔

ثم ھی بعد ذالک عامۃ فی کل مجاھد فی سبیل اللہ من امۃ محمد صلعم الی یوم القیمۃ۔ (قرطبی)

فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ مالک اور غلام کے درمیان معاملت جائز ہے۔

ھذہ الآیۃ دلیل علی جواز معاملۃ السید مع عبدہ وان کان الکل للسید (قرطبی)

فیقتلون ویقتلون۔ اس ٹکڑے نے صاف کردیا کہ وہ انعام بے بدل یعنی جنت مقتول ہونے یا شہادت پانے ہی پر منحصر نہیں محض اپنی طرف سے جان پیش کر دینے پر ہے، دنیا میں انجام اس کا خواہ کچھ بھی ہو۔

ولم یجعل المعقود علیہ کونھم مقتولین فقط بل کونھم قاتلین ایضا لاعلاء کلمۃ اللہ تعالٰی ونصرۃ دینہ سبحانہ (روح)

یقتلون۔ (صیغۂ معروف) کے ساتھ یُقتلون (بصیغۂ مجہول) کے اضافہ نے یہ بھی صاف کردیا کہ جہاد و قتال میں مسلمان کی جیت ہمیشہ اور بہر حال میں ہرگز یقینی نہیں، زخمی ہوکر گرنے، قید ہوجانے، شکست کھا جانے بلکہ مقتول ہوجانے کا احتمال ہر وقت باقی ہے مسلمان ہرگز اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ وہ جیت کر آئے گا۔

انجام فوری طور پر جو کچھ بھی ہو مسلمان کا اجر تو اس کی آمادگی جہاد و قتال پر ہے۔

۲۰۶ے قرآن تو اس مضمون کی تکرار سے بھرا پڑا ہے، اور قرآن کے ساتھ توریت و انجیل کے ناموں کا اضافہ

وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ

اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہے؟ سو تم خوشی مناؤ اپنی معاملت پر جو تم نے کی ہے، اور یہی تو

وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ

بڑی کامیابی ہے ۲۰۷ (وہ مجاہدین) توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، حمد کرنے والے ہیں،

تاکید بیان کے لئے ہے کہ یہ مضمون اتنا اہم ہے کہ سب ہی کتبِ آسمانی میں درج ہو چکا ہے۔

علیہ۔ یعنی اس بذلِ نفوس و اموال پر ایثارِ جان و مال پر۔

وعدًا حقًا۔ سچا وعدہ جنّت کا۔

فی التورٰۃ۔ توریت جس کی تحریفات دوست و دشمن سب کو مسلّم ہیں، اب اس میں اگر کوئی مضمون اس قسم کا نہ ملے، جب بھی کوئی مضائقہ نہیں لیکن یہ شاید قرآن کا اعجاز ہی ہے کہ اللہ کی محبت و رضا جوئی کی اہمیت کے مضمون سے موجودہ توریت بھی خالی نہیں۔

سُن لے اے اسرائیل، خداوند ہمارا اکیلا خداوند ہے تو اپنے سارے دل اور اپنے سارے جی اور اپنے سارے زور سے خداوند اپنے خدا کو دوست رکھ (استثناء ۶: ۴ و ۵)

"اور خداوند تیرا خدا تیرے دل اور تیری نسل کے دل کا ختنہ کرے گا تاکہ تو خداوند اپنے خدا کو اپنے سارے دل اور اپنے سارے جی سے دوست رکھے۔" (استثناء ۳۰: ۶)

والانجیل۔ انجیل موجودہ توریت سے بھی محرّف تر اور اس سے کہیں زیادہ مسخ شدہ ہے تاہم یہ خدا کی رضا جوئی کی اہمیت کا مضمون اس سے بھی ابھی تک محو نہیں ہو سکا۔

"جس کسی نے گھروں یا بھائیوں یا بہنوں سے یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے، اس کو سو گنا ملے گا، اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہو گا۔" (متی ۱۹: ۲۹)

۲۰۷ یعنی یہی آخرت کا اطمینان، اور جنّت کا یقین۔

ومن اوفی بعھدہٖ من اللہ۔ انتہائی تاکید و تنبیہ کے طور پر یاد دلا دیا ہے کہ وعدہ کسی اور کا نہیں، جس میں احتمال بھی خلفِ وعدہ کا ہو، وعدہ اس کا ہے جس کے وعدہ میں عدمِ ایفاء کا احتمال ہی نہیں۔

فاستبشروا۔ اوپر سے صیغۂ غائب چلا آ رہا ہے اب معاً بہ قاعدۂ صنعتِ التفات صیغۂ مخاطب شروع ہو گیا، جو دلیل ہے مخاطبین کے کمالِ شرف و اکرام کی۔

ہر مومن جب توحید و رسالت کا اقرار کرتا ہے تو اس خاص بیع کا اقرار بھی ضمناً کسی درجہ میں کر ہی لیتا ہے اور شاید اسی لئے حسن بصری نے قسم کے ساتھ کہا ہے کہ یہ بشارت اُمّتِ محمدیؐ کے ایک ایک فرد کے لئے ہے۔

وقال الحسن واللہ ما علی الارض مومن الا یدخل فی ھذہ البیعۃ (قرطبی)

امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں دس دس تاکیدیں اکٹھی ہو گئی ہیں، مثلاً لفظ وعدًا اور پھر علیہ اور پھر حقًا وغیرہ

السّٰٓائِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ

روزہ رکھنے والے ہیں، رکوع کرنے والے ہیں، سجدہ کرنے والے ہیں، بھلائی کا حکم کرنے والے ہیں اور برائی سے روکنے والے

عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

ہیں اور اللہ کی حدوں کا خیال رکھنے والے ہیں، اور مومنین کو خوشخبری سنا دیجئے ۲۰۸ؔ

۲۰۸ؔ (اسی جنّت کی)

المؤمنین۔ مراد وہی مسلمان ہیں جن میں جہاد کرنے کے ساتھ ساتھ صفاتِ بالا بھی موجود ہوں جن پر جنّت کا وعدہ ہے۔

التائبون۔ پہلی صفت ان مومنین مجاہدین کی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے نفس کی طرف سے غافل نہیں ہو جاتے، اپنی کمزوریوں اور لغزشوں پر خود ہی گرفت کرتے رہتے ہیں۔

العابدون۔ دوسری صفت یہ معلوم ہوئی کہ عبادت سے جی چرانے والے نہیں، عبادت گزار ہوتے ہیں۔

الحامدون۔ اللہ کی حمد ان کا مشغلۂ حیات رہتا ہے۔

الراکعون الساجدون۔ ان میں ان کی صفات عبادت گزاری کو اور نمایاں کر دکھایا ہے۔

الآمرون۔۔۔۔ بالمنکر۔ ان کی یہ خوبیاں ان کی ذات ہی تک محدود نہیں رہتیں بلکہ وہ دوسروں کو بھی بھلائی کی طرف بلاتے رہتے ہیں اور بُرائی سے روکتے رہتے ہیں، جہاد و قتال کے زعم میں آ کر یہ اپنی طرف سے غافل اور بے پروا نہیں ہو جاتے بلکہ اور زیادہ اپنے کو احکامِ الٰہی کے ماتحت سنبھالے رہتے ہیں۔

التائبون۔۔۔۔ اللہ۔ مطلب یہ ہے کہ وہ مجاہدین ایسے ہیں جو علاوہ جہاد کے ان صفاتِ کمال کے ساتھ بھی موصوف ہیں، یہ صفات اجرِ جہاد کی شرط نہیں، البتہ ان کے اجتماع پر ثواب و فضیلت میں کثرت و قوت پیدا ہو جاتی ہے گویا مجاہدین کو ترغیب ہے کہ محض جہاد پر تکیہ کئے نہ بیٹھے رہو، بلکہ ان عبادات کو بھی ہمیشہ بجالاتے رہیں۔

السائحون۔ حدیث نبوی میں اس کی شرح الصائمون (روزہ داروں) سے آئی ہے اور متعدد صحابیوں و تابعین سے یہی منقول ہے۔

الصائمون عن ابن مسعود وابن عباس وغیرھما (قرطبی) رواہ ابوھریرۃ مرفوعا عن النبی صلعم انه قال سیاحۃ امتی الصیام (قرطبی) عن ابن مسعود وابی ھریرۃ رضی ان النبی صلعم سئل عن ذلک فاجاب بما ذکروا الیه ذھب اجلّۃ من الصحابۃ والتابعین (روح)

لیکن صائمون کے علاوہ اور بھی متعدد تفسیریں السائحون کی شروع سے مروی چلی آ رہی ہیں، مثلاً مجاہدین، مہاجرین، طلبۂ علم، توحید و آثارِ توحید و عبرت پر غور کرنے والے وغیرہ۔

قال عطاء السائحون المجاھدون۔۔۔۔ وقیل السائحون المھاجرون قال عبد الرحمٰن بن زید وقیل ھم الذین یسافرون لطلب الحدیث بالعلم قال عکرمۃ وقیل ھم الجاھلون بافکارھم فی توحید ربھم وملکوته وما خلق من العبر والعلامات الدالۃ علی توحیدہ وتعظیمه حکاہ النقاش (قرطبی)

قرطبی نے یہ سب معنی نقل کر کے انھیں لفظ سیح کے دائرہ کے اندر ہی بتایا ہے اور اس کے لغوی معنی زمین پر چلنے پر توجہ دلائی ہے

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا

نبی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے لئے (جائز) نہیں ہے کہ وہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں اگرچہ وہ

أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١١٣﴾

(مشرکین) رشتہ دار ہی ہوں جب ان پر ظاہر ہو چکے کہ وہ (اموات) اہل دوزخ ہیں ۲۰۹

قلت لفظ سیح یدل علی صحة ھذہ الاقوال فان السیاحة اصلھا الذھاب علی وجه الارض کما یسیح الماء۔ (قرطبی)

اور طلبۂ علم کے معنی تو خصوصیت کے ساتھ شروع ہی سے نقل ہوتے چلے آئے ہیں اور اس کے قائلوں میں عکرمہ تابعی تک ہیں۔

وقیل ھم طلبة العلم یسیحون فی الارض یطلبونه فی مظانه (کشاف) والمراد طلاب العلم ینتقلون

من بلد الی بلد فی طلب العلم وھو قول عکرمة (کبیر)

امام رازیؒ نے بھی آخری قول کو پسند کیا ہے اور اپنی تفسیر میں اس کی تقریر دور تک کرتے چلے گئے ہیں کہ سفر وسیاحت میں خوب خوب تجربے ہوتے ہیں اور دنیا کے بہت سے نشیب و فراز سے گزرنا ہوتا ہے جن سے تزکیۂ نفس کی تکمیل ہوتی ہے توکل علی اللہ کی مشق و تربیت ہوتی ہے۔ مختلف اہل علم سے مختلف علمی استفادے ہوتے رہتے ہیں، نیز ان کی خدمت میں حاضری دے کر اپنی پستی مشاہدہ میں آتی ہے، دنیا کے انقلابات دیکھ کر معرفت رب خوب حاصل ہوتی ہے غرض یہ کہ۔

وبالجملة فالسیاحة لھا آثار قویة فی الدین (کبیر)

سیاحت کو دین میں مرتبۂ عظیم حاصل ہے۔

اور ابو مسلم کا بھی قول نقل ہوا ہے کہ السائحون سے مراد سفر وسیاحت کرنے والے ہیں۔

قال ابو مسلم السائحون السائرون فی الارض (کبیر)

اور امام رازیؒ ہی کے رنگ کی تقریر صاحب خازن نے بھی کی ہے کہ سیاحت سے تہذیب نفس و تکمیل اخلاق ہوتی ہے اور ابتلاء و گردش میں پڑ کر خوب صبر کی مشق ہو جاتی ہے، اور علماء و صالحین سے مل کر استفادہ و حصول برکت کے موقع مل جاتے ہیں اور عجائب و آثار کے مشاہدہ سے توحید عظمت و قدرت الٰہی کے سبق مل جاتے ہیں۔

اور اس سلسلہ میں راغب اصفہانیؒ نے جو کچھ کہا ہے وہ بھی سننے کے قابل ہے۔

وقیل السائحون ھم الذین یتحرون ما اقتضاہ قوله افلم یسیروا فی الارض۔

سائحون۔ وہ لوگ ہیں جو سورۂ حج کی آیت افلم یسیروا فی الارض (کیا ان لوگوں نے زمین پر سیر نہیں کی) کہ ان کے دل ایسے ہوتے (کہ ان سے سمجھ سکتے کہ ان کے کان ایسے ہوتے کہ ان سے سن سکتے) کے مقتضا کے مطابق زمین پر سفر کرتے رہتے ہیں یعنی یہ لوگ عجائب قدرت و آثار الٰہی پر غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں جنتیوں کی جن صفات کا ذکر تصریح کے ساتھ ہے یہ صاف ان جاہل صوفیہ کے رد میں ہے جو شریعت کے خلاف چلنا اور احکام شریعت کو توڑنا کوئی دلیل کمال سمجھتے ہیں۔

۲۰۹ (اور اس کے ظہور کی صورت یہی ہے کہ وہ لوگ حالت کفر میں مرے ہوں یعنی وقت نزع تک اقرار ایمان انھوں نے نہ کیا ہو

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ

اور ابراہیم کا اپنے باپ کے حق میں دعائے مغفرت کرنا تو محض وعدہ کے سبب تھا جو انھوں نے اس سے کر لیا تھا ۲۱۰

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ

پھر جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بے تعلق ہو گئے ۲۱۱

حکم اسی ظاہر پر لگایا جائے گا، باقی اصل حال تو عالم الغیب ہی کو معلوم ہوتا ہے۔
ظاهر حال المرء عند الموت يحكم عليه بها فان مات على الايمان حكم له به وان مات على الكفر حكم له به وربك اعلم بباطن حاله (قرطبی)

آیت صورۃً نفی صرف ایک واقعہ کی کر رہی ہے لیکن ایک حکم ممانعت کا دے رہی ہے اور نہی محض سے بلیغ تر ہے۔
هذا النفي بمعنى النهي فهو ابلغ من النهي المجرد (المنار)

ان یستغفروا للمشرکین مرنے کے بعد اس کے حق میں دعائے مغفرت کرنا ایک بڑا حق ہے جو میت کا زندوں پر رہ جاتا ہے سورت بھر میں برابر کافروں سے ترک تعلق کے احکام ہیں اب حکم یہ مل رہا ہے کہ جہاں تک کافر دل کا تعلق ہے اس بڑے حق سے بھی دست بردار ہو جائیں، جرم شرک و کفران کے اس حق کو بالکل مٹا دیتا ہے۔

قرآن مجید کی یہ چند شدید ترین انذاری و تہدیدی آیتیں ہیں، حق تعالیٰ کی شانِ جلالی کی پوری مظہر۔

لو کانوا اولی قربی۔ یہ قرابت کا تعلق خواہ مومنین کے ساتھ ہو یا خود نبی کے ساتھ۔

جو لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی بزرگ کے ساتھ کوئی نسبت قائم ہو جانا (یہاں تک کہ نسبت نسبی بھی) نجات کے لئے بالکل کافی ہے، وہ ذرا سوچیں کہ جب رسول اللہ صلعم تک سے مجرد نسبت (بلا ایمان) اس آیت کی رو سے کافی نہیں تو پھر کسی اور بزرگ کا ذکر ہی کیا۔

ماکان.... ان یستغفروا للمشرکین۔ ماکان کا استعمال قرآن مجید میں دو مختلف مفہوموں کے لئے ہوا ہے۔ کبھی تکوینی حیثیت سے کسی واقعہ کی نفی مراد ہوتی ہے مثلاً اس آیت میں وماکان لنفس ان تموت الا باذن اللہ۔ اور وہاں اس کا ترجمہ "نہیں ہو سکتا" یا "ممکن نہیں" سے کیا جائے گا، اور کہیں تشریعی طور پر کوئی نہی یا ممانعت مقصود ہوتی ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے جہاں ترجمہ "جائز نہیں" "درست نہیں" سے ہوگا۔

فطلب الغفران للمشرك مما لا يجوز (قرطبی) اى ما صح فی حكم الله وحكمته (روح)

۲۱۰ (اس کی حالتِ حیات میں، جب کہ آپ کو یہ علم ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کی موت کفر پر ہو گی، اور اس لئے وہ مثال اب کسی کے لئے حجت و سند نہیں)

اس وعدہ کا ذکر سورۂ مریم کی اس آیت میں ہے ساستغفر لك ربی انه كان بی حفیا۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ شیخ جس فعل سے مرید کو منع کرے اور خود اسی کو کسی عارض سے کرنا پڑ جائے تو چاہئے کہ مرید کے سامنے اسے کھول کر بیان کر دے تاکہ وہ اس کی تقلید میں نہ مبتلا ہو جائے۔

۲۱۱ (اور اس کے حق میں دعائے مغفرت چھوڑ دی)

إِنَّ إِبْرٰهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ﴿١١٤﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ

بے شک ابراہیم بڑے ہی نرم دل (اور) بردبار تھے ۲۱۲ؔ اور اللہ یہ نہیں کرتا کہ کسی قوم کو اس کے ہدایت کئے پیچھے

إِذْ هَدٰهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١١٥﴾

گمراہ کردے جب تک ان لوگوں کو صاف صاف نہ بتادے کہ وہ ان چیزوں سے بچتے رہیں ۲۱۳ؔ اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے ۲۱۴ؔ

جب موت کفر پر واقع ہو جائے جب تو مغفرت کا احتمال ہی نہیں لیکن زندگی بھر تو یہ امید قوی یا ضعیف بہر حال لگی رہتی ہے کہ شاید اب اسے توفیق ہدایت ہو جائے، اور مغفرت ہدایت سے لازم آجاتی ہے، چنانچہ زندہ کافر والدین کے حق میں دعائے مغفرت مطلقاً ممنوع نہیں۔

وقد قال كثير من العلماء لا باس ان يدعو الرجل لابويه الكافرين ويستغفر لهما ما داما حيين۔ (قرطبی)

بلکہ حضرات صحابہؓ کا عمل بھی یہی تھا۔

قال ابن عباس كانوا يستغفرون لموتاهم فنزلت فامسكوا عن الاستغفار ولم ينههم ان يستغفروا للاحياء حتى يموتوا (قرطبی)

۲۱۲ؔ (چنانچہ باوجود اس کے کہ باپ نے کیسی کیسی سختیاں کیں، آپ برابر حلم ہی سے کام لیتے گئے یہاں تک کہ جوش شفقت سے طلب مغفرت کا وعدہ بھی کر لیا۔)

مفسر تھانویؒ نے یہ نکتہ خوب لکھا ہے کہ کسی کی زندگی میں اس کے لئے طلب مغفرت کرنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کے حق میں طلب ہدایت کی جائے۔

اور یہ جو حدیث بخاری میں آیا ہے کہ آخرت میں حضرت ابراہیمؑ آزر کو دوزخ میں دیکھ کر دعا کریں گے کہ مجھے حسب وعدہ رسوائی سے بچایا جائے اور اس پر آزر کی شکل انسان سے جانور میں تبدیل ہو جائے گی کہ کوئی پہچان ہی نہ سکے، اس پر بہترین تقریر مفسر تھانویؒ کی بیان القرآن میں موجود ہے، اسی کو ملاحظہ فرما لیا جائے۔

عدوّ للّٰه۔ یعنی اللہ کے دین کا دشمن، اللہ کے قانون کا باغی، ورنہ براہ راست اللہ سے دشمنی کوئی بندہ کر ہی کیسے سکتا ہے

اوّاہ۔ کہتے ہیں خشیتِ الٰہی سے مغلوب کو۔

يعبر بالاواه عمن يظهر خشية الله (راغب)

حدیث نبوی میں اس کی شرح الخاشع المتضرع سے آئی ہے۔

رواه عبد الله بن شداد بن الهاد عن النبي صلعم۔ (قرطبی)

۲۱۳ؔ (پس اس قاعدہ کے مطابق جب تک تم کو استغفارِ مشرکین سے ممانعت کی نہیں گئی تھی اس استغفار کی یہ سزا تمہیں مل ہی نہیں سکتی کہ تم میں گمراہی کا مادہ پیدا کر دیا جائے۔)

"ناجائز افعال کا خاصہ ہے کہ ان کے کرنے سے قلب میں ایک ظلمت پیدا ہو جاتی ہے جس سے گمراہی کا مادہ قریب پیدا ہو جاتا ہے اس پر نظر کر کے مومن خائف کو توہّم ہو سکتا ہے کہ ہم کو اس استغفار ناجائز سے کہیں یہ ضرر نہ کو رنہ پہنچا ہو اس کے متعلق تسلی فرماتے ہیں کہ یہ اثر کسی فعل میں اس کے ممنوع ہونے کے بعد ہے نہ کہ قبل ممنوع ہونے کے کیونکہ عدم جواز بعد نہی کے حادث ہے" (تھانویؒ)

إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَمَا لَكُم

بے شک اللہ ہی تو ہے جس کی حکومت آسمانوں اور زمین میں ہے (وہی) جلاتا ہے اور مارتا ہے اور

مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١١٦﴾ لَّقَد تَّابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ

اللہ کے سوا تمہارا کوئی یار و مددگار نہیں ۲۱۵ف بے شک اللہ نے نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر رحمت

وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ

کے ساتھ توجہ فرمائی جنھوں نے نبی کا ساتھ تنگی کے وقت میں دیا ۲۱۶ف

لیضل۔ حق تعالیٰ کی طرف یہ اضلال یا گمراہ کرنے کی نسبت محض تکوینی حیثیت سے مسبب الاسباب ہونے کی بنا پر ہے، ورنہ حقیقۃً اللہ تعالیٰ کسی حال میں بھی گمراہی کی طرف نہیں لے جاتے بلکہ آیت پر پورے غور کرنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندے کی ارادی نافرمانی ہی اسے اضلال کی طرف لے جاتی ہے جب بندہ حکم ماینتقون کی پروا نہیں کرتا اور اس کی "تبیین" ہو چکنے کے بعد بھی اس کی خلاف ورزی کئے جاتا ہے جب جا کر اس کا عمل اضلال شروع ہوتا ہے۔ ففی ھذا اول دلیل علی ان المعاصی اذا ارتکبت وانتھک حجابھا کانت سببا فی الضلالۃ والردی وسلما الی ترک الرشاد والھدی (قرطبی)

۲۱۴ف (چنانچہ اس کا بھی علم رکھتا ہے کہ بغیر اس کے بتائے ہوئے کوئی بھی ایسے احکام کو سمجھ نہیں سکتا اور اسی لئے قبل حکم ممانعت ان افعال سے مضرت نہیں پہنچنے دیتا، اور اس سے بھی خوب واقف ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے اور مستحق ضلال کون ہے)

۲۱۵ف (وہی علیم کل قبل ممانعت ضرر سے بچاتا ہے اور وہی بعد ممانعت عدم تعمیل پر سزا بھی دینے والا ہے)

ان اللہ۔۔۔ یمیت۔ یہاں یہ بتلا دیا کہ ہر طرح کی قدرت، حکومت، اختیار اسی کا ہے، وہی جو چاہے حکم دے اور جس ضرر سے چاہے بچالے کسی شے میں فی نفسہ کوئی خاصیت موجود نہیں، مضرت و منفعت کی جو بھی خاصیت کسی چیز میں پیدا ہوتی ہے اسی مسبب الاسباب اور فاعل حقیقی کی مشیت و ارادہ سے پیدا ہوتی ہے۔

۲۱۶ف ذکر اب پھر غزوۂ تبوک کا چلا، جو اوپر بھی دور تک آچکا ہے۔

تاب اللہ علی النبی۔ نبی پر توجہ بہ رحمت یہ کہ آپ کو نبوت سے اور امامت جہاد سے اور تمام کمالات سے سرفراز فرمایا۔ والمھاجرین والانصار۔ ان انصار و مہاجرین پر توجہ بہ رحمت یہ کہ انھیں ایسے کلفت و مشقت کے جہاد میں ثابت قدم رکھا فی ساعۃ العسرۃ۔ اس غزوہ کی خصوصیات جن کی بنا پر یہاں ساعۃ العسرۃ لایا گیا ہے حسب ذیل تھیں

(۱) گرمی کا موسم۔

(۲) باغات کی فصل تیار ہونے کا زمانہ۔

(۳) مسافت دور دراز کا سفر۔

(۴) مقابلہ میں عرب کے منتشر و متفرق قبائل نہیں، بلکہ اعلیٰ درجہ کی تربیت یافتہ و قواعد داں رومی شہنشاہی فوج

الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ

بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا ۲۱۷ پھر (اللہ نے) ان لوگوں پر رحمت کے ساتھ

إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١١٧﴾ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّىٰ

توجہ فرمادی ۲۱۸ بے شک وہ ان کے حق میں بڑا شفیق ہے بڑا رحمت والا ہے ۲۱۹ اور ان تینوں پر بھی (توجہ فرمائی) جن کا معاملہ ملتوی

إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ

چھوڑ دیا گیا تھا ۲۲۰ یہاں تک کہ جب زمین ان پر باوجود اپنے فراخی کے تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جانوں سے تنگ آگئے۔

ہر طرح کے سامان جنگ سے آراستہ۔

(۵) سواری کی اتنی کمی کہ ایک اونٹ دس دس آدمیوں کے حصہ میں آیا۔

(۶) رسد کی اتنی کمی کہ ایک ایک خرما دو دو شخصوں میں تقسیم ہوا، اور آخر میں اتنا بھی نہ رہ گیا۔

ان مصائب کی تفصیل حدیث و سیر کی کتابوں میں ملے گی، اور انہی اسباب سے تو اس کا نام بھی جیش العسرۃ اور غزوۃ العسرۃ چلا ہوا ہے۔

لقد تاب .... الانصار۔ آیت مدح صحابہؓ کے باب میں بالکل شافی و وافی ہے اور جن فرقوں نے اصحاب نبیؐ پر زبانِ طعن درازکی ہے ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔

فیہ مدح الاصحاب النبی صلعم الذین غزوا معہ من المھاجرین والانصار واخبار بصحۃ بواطن ضمائرھم وطھارتھم لان اللہ تعالٰی لایخبر بانہ قد تاب علیھم الا وقد رضی منھم ورضی افعالھم۔ (جصاص)

۲۱۷ (اور قریب تھا کہ وہ گروہ جہاد پر جانے سے ہمت ہار جائے)

ای کادوا لایثبتون علی اتباع الرسول (کبیر)

ماکاد۔ (قریب تھا) خود اس پر دلیل ہے کہ یہ عمل وقوع میں آیا نہیں تھا صرف آنے کے قریب تھا۔

۲۱۸ (کہ اس گروہ کو بھی سنبھال لیا، اور یہ لوگ بجائے بچھڑ جانے کے ساتھ ہو لئے۔)

۲۱۹ (چنانچہ ہر گروہ کے حال پر شفقت و رحمت ہی کے ساتھ توجہ فرمائی)

۲۲۰ (اور جن کا ذکر آیت ۱۰۶ میں گزر چکا ہے۔

احادیث میں ان تینوں صحابیوں کے نام حسب ذیل ملتے ہیں، کعب بن مالکؓ، مرارۃ بن ربیعۃ العامریؓ، بلال بن امیۃ الواقفیؓ۔

خلفوا۔ یعنی ان کا معاملہ چھوڑ رکھا گیا تھا وحی الٰہی پر موقوف رکھا گیا تھا۔

ای خلفوا امرھم (بیضاوی)

خود صاحب معاملہ حضرت کعب بن مالکؓ سے یہی تفسیر مروی ہے۔

لیس الذی ذکر اللہ مما خلفنا تخلفنا عن الغزو وانما ھو تخلیفہ ایانا وارجاءہ امرنا عمن خلف لہ واعتذر الیہ فقبل منہ (قرطبی)

وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَیْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ لِیَتُوْبُوْا ؕ ۲۲۳

اور انھوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز خود اسی کی طرف کے۔ ۲۲۱ پھر اس نے ان پر رحمت سے توجہ فرمائی ۲۲۲

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۱۸﴾ؑ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا

تاکہ وہ رجوع کرتے رہا کریں۔ ۲۲۳ بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور

۲۲۱ قرآن مجید مبالغہ بیانی سے آشنا نہیں، جو سختیاں ان تین صاحبوں کو پیش آرہی تھیں وہ حقیقۃً ناقابلِ برداشت ہو چلی تھیں، ساری اسلامی سوسائٹی نے ان کا کامل مقاطعہ کر رکھا تھا، مدینہ کی اتنی بڑی آبادی میں اب نہ کوئی ان کا دوست آشنا تھا نہ کوئی عزیز قریب حد یہ ہے کہ ان کی بیویوں نے (یعنی جن کا کام ہی ہمدردی و غمگساری تھا) ان سے بولنا چھوڑ دیا تھا، چنانچہ ان ہی میں سے ایک صاحب کعب بن مالکؓ کی زبان سے جو طویل روایت بخاری و مسلم وغیرہ میں نقل ہوئی ہے خود اس میں یہ الفاظ ہیں

فاجتنبنا الناس وتغیروا لنا حتی تنکرت لی فی نفسی الارض فما ھی بالارض التی کنت اعرف

لوگ ہم سے پرہیز کرنے لگے اور ہمارے حق میں اجنبی بن گئے، چنانچہ مجھے اپنا وطن وہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا جس سے میں واقف تھا، (یعنی وطن پردیس بن گیا تھا)

اور پھر آگے چل کر قرآن ہی کے لفظ اختیار کر لئے ہیں۔

قد ضاقت علی نفسی وضاقت علی الارض بما رحبت میں اپنی جان سے تنگ آگیا تھا، اور زمین باوجود اپنی فراخی کے میرے اوپر تنگ ہوگئی۔

اور پھر یہ خیال رہے کہ یہ مصیبت کوئی ایک دو دن کی نہ تھی، سات سات ہفتہ یا پورے ۵۰ دن قائم رہی۔

ان تین صحابیوں میں دو بدری تھے (اور اصحاب بدر کا شرف کسی تعارف کا محتاج نہیں) اور تیسرے صاحب بھی بجز بدر کے اور غزوات میں برابر شریک رہ چکے تھے، سزا کیسے کیسے اکابر و ابرار کو ملی اور خود ان ابرار و اکابر نے اسے کس طرح خوشی خوشی انگیز کیا یہ معنی ہیں نظام حکومتِ الٰہی میں ڈسپلن یا اطاعت کے!

یہیں سے فقہاء نے استنباط کیا ہے کہ دینی مجرم سے ترک سلام و کلام بالکل درست ہے۔

اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ ترک کلام تین دن سے زیادہ نہ کرے، تو اس سے وہ موقع مراد ہے جب کوئی دنیوی رنج ہوا تھا۔

۲۲۲ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کی عادت اپنے محبین کے ساتھ یہ جاری ہے کہ جب ان سے کوئی امر ان کے مقام کے منافی صادر ہو جاتا ہے تو ایک نوع کے حجاب سے ان کی تادیب کی جاتی ہے، اور جب وہ اس کی تلخی چکھ چکتے ہیں، تو پھر ان پر کرم کی بارش کی جاتی ہے۔

یعنی انھیں توفیق نیک دی اور پھر ان کا قصور معاف کر دیا۔

ای وفقھم للتوبۃ (قرطبی)

۲۲۳ یعنی آئندہ بھی ہر موقع مصیبت و معصیت پر اسی طرح اللہ کی طرف رجوع کرتے رہیں اور اللہ کی رحمت و مغفرت سے مایوس نہ ہوں۔

مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ

راست بازوں کے ساتھ رہا کرو ۲۲۴ مدینہ والوں اور ان کے ارد گرد جو دیہاتی ہیں انھیں نہ چاہیئے تھا کہ رسول اللہ کو

الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ

چھوڑ کر پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو ان کی جان سے بڑھ کر عزیز رکھیں ۲۲۵ یہ (رفاقت ضروری) اس لئے

نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ

تھی کہ ان (مجاہدین) کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو ماندگی پہنچی اور جو بھوک لگی

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ

اور جو چلنا وہ چلے کافروں کو غیظ میں لانے والا اور دشمن سے انھیں جو کچھ حاصل ہوا

مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ

ان سب پر ان کے نام (ایک ایک) نیک عمل لکھا گیا ۲۲۶

قبل توبتهم من التخلف ليتوبوا فى المستقبل ان صدرت منهم هفوة ولا يقنطوا من كرمه وسبحانه (روح)

۲۲۴ یعنی صادقوں کی راہ پر چلو، ان ہی کی طرح صدق اختیار کرو۔

فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اجماعِ امت کے حجتِ شرعی ہونے پر یہ آیت ایک مستقل دلیل ہے۔

دل على قيام الحجة علينا باجماعهم (جصاص) والآية تدل على ان الاجماع حجة لانه امر بالكون

مع الصادقين فلزم قبول قولهم (مدارک) يدل على ان اجماع الامة حجة (کبیر)

عارفین نے شیوخ کامل وائمہ مجتہدین کی اقتداء وصحبت کا اشارہ بھی اسی سے سمجھا ہے۔

الصادقین۔ یعنی وہ لوگ جو دین میں نیت اور قول اور عمل کے لحاظ سے صادق ہیں۔

الذين صدقوا فى الدين نيةً وقولاً وعملاً (کشاف۔ مدارک)

ھو التواب الرحیم۔ بڑی ہی بشارت اور بڑی ہی ڈھارس ہے اس میں عاصیانِ اُمت کے لئے گناہ کتنے اور کیسے بھی ہوں، اللہ نہ قبولِ توبہ سے تھکتا ہے نہ اس کی رحمت کا خزانہ کبھی خالی ہونے والا ہے۔

مع الصادقین۔ بعض نے معیت کی تفسیر قرب اور قرین رہنے سے کی ہے۔

اس صورت میں صحبتِ صالحین کی ترغیب آیت سے نکلے گی۔

۲۲۵ یعنی یہ ہرگز نہیں ہونا تھا کہ لوگ خود تو آرام سے گھر بیٹھے رہیں اور مشقتیں اور صعوبتیں رسول اللہ صلعم جھیلتے رہیں۔

فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ معیت ونصرت صرف عرب تک محدود یا شانِ رسالت کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ

إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا يُنفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً

بے شک اللہ نیک کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا ۲۲۷ اور جو کچھ چھوٹا بڑا خرچ انھوں نے کیا اور جو

وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ

میدان انھوں نے طے کئے یہ سب ان کے نام لکھا گیا تاکہ اللہ انھیں ان کے کاموں کا اچھے سے اچھا

مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢١﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً

بدلہ دے ۲۲۸ اور مومنوں کو نہ چاہئے کہ (آئندہ) سب کے سب نکل کھڑے ہوں ۲۲۹

نصرتِ دین مقصود ہے، اس لئے ہر مسلم پر ہر زمانہ میں واجب ہے کہ امامِ وقت کی اطاعت و حفاظت میں مستعد رہے۔
آیت کا صیغہ ظاہری خبر کا ہے، حالانکہ مراد نہی یا امر امتناعی ہے، یعنی مقصود کسی خبر یا واقعہ کا ذکر نہیں، بلکہ اس امر کا اظہار ہے کہ ایسا ہرگز نہ ہونا تھا۔

۲۲۶ (سو یہ لوگ بھی اگر اخلاص کے ساتھ رسول اللہ کے ساتھ چلتے تو ان کے لئے بھی اسی طرح بات بات پر اجر اور قدم قدم پر ثواب تھا۔)
بہ تقتضائے مقبولیت و محبوبیت ہے کہ امور اضطراریہ بھی مثل اعمال اختیاریہ کے موجب ثواب قرار دیئے گئے (تھانوی)
لیکن یہ اعمال و کیفیات اضطراری تو ہیں بھی نہیں، جہاد میں چلنا تو بہر حال تمام تر اختیاری تھا، تکلف جو کچھ حاصل ہوئی وہ اسی عمل اختیاری کا ایک لازمی نتیجہ تھا۔
یہ پیاس، بھوک وغیرہ کا ذکر محض بہ طور نظیر ہے، یہ مراد نہیں کہ اجر صرف ان ہی چند اعمال و کیفیات پر محدود ہے۔
لا نصب۔ لا مخمصة۔ لا دونوں جگہ تاکید کلام کے لئے ہے۔

لا زائدۃ للتوکید (قرطبی)

ولا یطئون موطأ یغیظ الکفار۔ یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں قدم اٹھانے کے بعد ہر مثبت ہی نتیجہ نہیں ہر منفی عمل بھی ایک نیکی اور موجب اجر بن جاتا ہے۔
لا ینالون من عدو نیلا۔ غنیم سے مسلمانوں کو حاصل کیا ہو سکتا تھا؟ ظاہر ہے کہ ممکن دونوں قسم کی چیزیں تھیں یعنی ایک طرف مال غنیمت اور دشمن کی ہزیمت، دوسری طرف زخم و قتل و گرفتاری وغیرہ، مفسرین نے دونوں پہلو اختیار کئے ہیں۔

ای لا یصیبون من عدو ھم قتلا و اسرا و غنیمۃ او ھزیمۃ (معالم) ای قتلا و ھزیمۃ (قرطبی)

وھو قتلھم او اخذ اموالھم او اخراجھم عن دیارھم ھذا کلہ نیل منھم (جصاص)

۲۲۷ (سو اس کے وعدہ میں کسی تخلف کا احتمال ہی نہیں)
یہاں جتا دیا کہ دین خدا کی راہ میں چھوٹی بڑی ہر تکلیف سر اٹھانے والے کا شمار اللہ کے یہاں فہرست محسنین ہی میں ہوگا۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

سو یہ کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں ایک حصہ نکل کھڑا ہو تاکہ (یہ باقی لوگ) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں ۲۳۰ف

وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (۱۲۲) ع

اور تاکہ یہ اپنی قوم والوں کو جب وہ ان کے پاس واپس آجائیں ڈراتے رہیں عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں ۲۳۱ف

ف۲۲۸ یعنی ان میں سے ہر عمل پر ان کے نام نیکی لکھ لی گئی۔

اللہ کی راہ میں ہر قدم اٹھانے کے بے حساب اجر و انعام کا اگر استحضار رہنے لگے تو پھر جہاد و قتال کی سخت سے سخت کلفتوں کے پتھر بھی پانی ہو جائیں۔

ف۲۲۹ غزوۂ تبوک کی صورت خاص تھی، اس کے بعد آئندہ کے لئے مستقل ہدایت ہو گئی کہ سارے مسلمان شہر خالی کر کے ہرگز یکبارگی نہ نکل کھڑے ہوں، بجز اس حال کے کہ امام ہی نفیر عام کا حکم دے دے اور جہاد ہر فرد پر فرض عین ہو جائے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ دینی فہم کا انتظام ایسا کرنا چاہئے کہ دوسری ضروریات جن میں امر معاش بھی داخل ہے، مختل نہ ہونے پائیں۔

ف۲۳۰ (تعلیم و تعلّم کے ذریعہ سے)

من کل فرقۃ۔ یعنی شہر کی کل آبادی سے۔ فرقۃ کا استعمال یہاں گروہ کثیر کے لئے ہوا ہے۔

کاهل بلدة او قبیلة عظیمة (روح) فرقة ای جماعة کثیرة (کشاف۔ مدارک)

منھم طائفۃ۔ طائفۃ کا لفظ یہاں چھوٹی جماعت کے لئے آیا ہے اور فرقۃ کے مقابل ہے۔

ای جماعة قلیلة۔ (کشاف۔ مدارک)

فلولا نفر... طائفۃ۔ یعنی انتظام یہ رہنا چاہئے کہ آبادی کا ایک حصہ جہاد کے لئے باہر جائے، جنگ اور دوسری فوجی ضروریات (ملٹری ڈپارٹمنٹ) کے لئے اور دوسرا حصہ عام ملکی و شہری ضروریات (سول ڈپارٹمنٹ) کے لئے شہر اور ملک ہی میں رہے۔

فقہاء نے کہا کہ اسلامی حکومت میں ہر قسم کا ساز و سامان تیار، اور آدمی ہر قسم کی ہر ضرورت کے لئے مستعد رہنے چاہئے، تاکہ رفاہِ خلق، صحتِ نفوس، نظم امت و شوکتِ اسلام میں کسی طرح کا فتور نہ پڑنے پائے۔ سپاہی، اہل قلم، اہل حرفہ، تاجر، کاشتکار، وغیرہ سب ہی ملّت اسلامی کے ضروری عنصر ہیں۔

لیتفقھوا فی الدین۔ فقہاء مفسرین نے یہیں سے طلب علم دین کا وجوب نکالا ہے۔

ھذہ الایة اصل فی وجوب طلب العلم (قرطبی) وفی ھذا ایجاب التفقہ فی الکتاب والسنة (قرطبی)

فقہاء نے کہا ہے کہ تحصیل علم دین فرض کفایہ ہے، پس ہر شہر اور ہر گروہ میں سے ایک تعداد کا علم دین کے طلب میں لگے رہنا واجب ہے، ورنہ سب عاصی ہوں گے۔

وفی ھذہ الایة دلالة علی وجوب طلب العلم وانہ مع ذلک فرض علی الکفایة (جصاص)

اذا قام بہ بعضھم سقط عن الباقین۔ (جصاص)

محققین صوفیہ نے لکھا ہے کہ طالب علم کی غرض وغایت تفقہ فی الدین اور امر بالمعروف رہنی چاہئے نہ کہ حصولِ جاہ وجمعِ مال یا بحث وجدال۔

فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جب جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں پر وعیدیں نازل ہونے لگیں تو اس خوف سے سارے کے سارے مسلمان جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے اس پر یہ احکام نازل ہوئے کہ ضروریاتِ دین کی تعلیم وتعلم کے لئے بھی کچھ لوگوں کو ضرور لگے رہنا چاہئے، ایسا نہ ہونے پائے کہ ادھر سے غفلت ہو جائے، جہاد بالدلائل تو جہاد بالاسلحہ سے بھی زیادہ اہم ہے

استبق المؤمنین عن اٰخرھم الی النفیر وانقطعوا جمیعًا عن التفقہ فی الدین فامروا ان ینفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ الی الجھاد ویبقی سائرھم یتفقھون حتی لا ینقطعوا عن التفقہ الذی ھو الجھاد الاکبر اذ الجھاد بالحجاج اعظم اثرًا من الجھاد بالنصال (مدارک)

اور آیت سے یہ استنباط بھی کیا گیا ہے کہ تفقہ وتذکر فرض کفایہ ہے۔

وفیہ دلیل علی ان التفقہ والتذکر من فروض الکفایۃ (بیضاوی)

۲۳۱ ؎ (ہر بدی اور بدکاری سے اور اس احتیاط کی بنا پر ساری قوم میں نیک کرداری کا چلن برابر قائم رہے) آج مہذب وشائستہ قوموں کی فوجیں ہر قسم کے اخلاق کی حد ناگفتہ بہ پستیوں تک پہنچ جاتی ہیں (اور یہی دستور شروع سے تمام جاہلی قوموں کی فوجوں کا رہا ہے) اس کا حال کس سے مخفی ہے؟ اُمت اسلامی کو اس قسم کے تمام خطرات سے مستقل نجات میں رکھنا دین کی مہماتِ امور میں سے ہے، قرآن مجید کی مستقل ہدایت ہے کہ مجاہدین وغیر مجاہدین کو برابر علمائے حقانی اور فقہائے ربانی کی تربیت اور ٹریننگ ملتی رہنی چاہیئے۔

لیتفقھوا ولینذروا۔ دونوں ضمیر جمع غائب ان لوگوں کی طرف ہے جنھیں رسول اللہ صلعم کے پاس ٹھہرا رہنا تھا۔

الضمیر للمقیمین مع النبی صلعم قال قتادۃ مجاھد (قرطبی) ضمیر یتفقھوا وینذروا عائد الی الفرقۃ الباقیۃ المفھومۃ من الکلام (روح)

اذا رجعوا الیھم۔ یعنی یہ مجاہدین جب جہاد وقتال سے اپنے والوں کی طرف واپس آجائیں۔

ولینذروا۔ یعنی احکامِ الٰہی سنا سنا کر اور بتا بتا کر انھیں ہر معصیت، بدکرداری، خدا فراموشی سے ڈراتے رہیں

فقہاء نے لکھا ہے کہ جس آبادی میں علماء حقانی کا وجود نہ رہے یا وہ موجود تو ہوں لیکن ہدایتِ خلق کے کام سے غافل ہوں، وہ ساری آبادی گنہگار ہوگی، بدکرداری سے روکنا اور نیک کرداری کو پھیلانا فرض کفایہ ہے، علماء حق اس کے خصوصًا ذمہ دار ہیں، گو حکم کے مخاطب سب مسلمان ہیں۔

قاضی بیضاوی شافعی نے آیت سے یہ بھی نکالا ہے کہ خبر احاد یعنی غیر متواتر دین میں حجت ہے۔

واستدل بہ علی ان اخبار الاٰحاد حجۃ لان عموم کل فرقۃ یقتضی ان ینفر من کل ثلاثۃ تفردوا بفرقۃ طائفۃ الی التفقہ لتنذر فرقتھا کی یتذکروا ویحذروا فلو لم یعتبر الاخبار مالم یتواتر لم یفد ذلک (بیضاوی)

اور ایسا ہی استنباط امام رازی شافعی نے بھی کیا ہے اور یہاں نسبتًہ مختصر کلام کرکے تفصیلات کے لئے حوالہ اپنی ایک اور کتاب کا دیا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ

اے ایمان والو اُن کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا

غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

چاہئے ۲۳۲ اور جانے رہو کہ اللہ تو پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ۲۳۳

ھذہ الآیۃ حجۃ قویۃ لمن یریٰ ان الخبر الواحد حجۃ وقد اطنبنا تقریرہ فی کتاب المحصول من الاصول (کبیر)

۲۳۲ یعنی تم ہمیشہ اپنی جگہ پر مضبوط، آمادۂ جہاد، مستعد اور کیل کانٹے سے درست رہو کہ دشمن کی ہمت ہی تمہاری طرف نظر بد ڈالنے کی نہ پڑے۔ گویا موجودہ جنگی اصطلاح میں ملت کو ایک مستقل لام بندی (PERPETUAL, MOBILISATION) کی حالت میں رہنا چاہئے۔

غلظۃ۔ یہاں خشونت کے معنی میں اس قدر نہیں جس قدر شدت، مضبوطی اور پختگی کے معنی میں ہے، یعنی ان کا رعب ہم پر نہ پڑنے پائے، بلکہ الٹا ہمارا رعب ان کے دلوں میں بیٹھ جائے۔

غلظۃ ای شدۃ وقوۃ وحمیۃ (قرطبی) اذ کان ذلک یوقع المھابۃ لنا فی صدورھم والرعب فی قلوبھم (جصاص) وشدۃ وحمیۃ (معالم)

قاتلوا الذین یلونکم من الکفار۔ یہ حکم جہاد میں خاص ترتیب کا رہا ہے اور اس کے مصالح بالکل ظاہر ہیں۔ چنانچہ سیرت نبوی کے مطالعہ سے واضح ہے کہ آنحضرت ؐ نے نیز خلفائے راشدین ؓ نے بہ اختیار خود جتنے بھی جہاد کئے، یہی ترتیب ملحوظ رکھی۔

والھذا ابدأ رسول اللہ صلعم بالعرب فلما فرغ قصد الروم وکانوا بالشام (قرطبی) ای ابدءوا بقتال الاقرب فالاقرب الیکم دارًا دون الابعد فالابعد وکان الذین یلون المخاطبین بھذہ الآیۃ یومئذ الروم لانھم کانوا سکان الشام یومئذ والشام کانت اقرب الی المدینۃ من العراق (ابن جریر)

محدث ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس پر بہت تفصیل سے لکھا ہے۔

یلونکم من الکفار۔ فقہاء نے کہا ہے کہ یہ ترتیب یا تو قرب ملک کے لحاظ سے رکھنا چاہئے، اور یا پھر شدت کفر کے لحاظ سے، مشرکین کے ہوتے ہوئے اہل کتاب کا رخ نہ کریں اور قریب کو چھوڑ کر بعید پر تاخت نہ کریں، بجز اس کے کہ کوئی مصلحت خاص اس کی مقتضی ہو۔

فقہاء مفسرین نے یہ بھی تصریح کردی ہے کہ جہاد واجب نفس کفار کے مقابلہ میں ہے، خواہ وہ کہیں بھی ہوں، البتہ جو قریب تر ہیں، ان کے مقابلہ میں واجب تر ہے۔

القتال واجب مع جمیع الکفرۃ قریبھم وبعیدھم ولکن الاقرب فالاقرب واجب (مدارک) فاوجب قتال جمیع الکفار ولکنہ خص بالذکر الذین یلونا من الکفار اذ کان معلومًا انہ لا یمکننا قتال جمیع الکفار فی وقت واحد وان الممکن منہ ھو قتال طائفۃ فکان من قرب منھم اولی بالقتال ممن بعد (جصاص)

وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِۦٓ إِيمَٰنًا ۚ فَأَمَّا

اور جب کوئی ٹکڑا قرآن کا نازل ہوتا ہے تو ان (منافقین) میں سے بعض کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے

ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فَزَادَتْهُمْ إِيمَٰنًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۱۲۴﴾ وَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى

ایمان میں ترقی دی؟ سو جو لوگ ایمان والے ہیں اس نے ان کے ایمان میں ترقی دی اور وہ خوش ہو رہے ہیں ۲۳۴ اور جن لوگوں کے دلوں میں

قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا۟ وَهُمْ كَٰفِرُونَ ﴿۱۲۵﴾

روگ ہے سو اس (سورت) نے ان کی گندگی میں ایک اور گندگی بڑھا دی ۲۳۵ اور وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر ہی تھے ۲۳۶

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ سب سے پہلا مجاہدہ اپنے نفس سے کرنا چاہیئے کہ یہی سب سے قریب تر ہے نفس اگر کافر (لغوی معنی ہیں) ہے تو ان مجاہدات سے بھی وہ مطیع اور مومن اور مطمئنہ ہو جائے گا۔

۲۳۳ (سو جہاد و قتال کی بنیاد بھی تقویٰ ہی پر رہنا چاہیئے۔)

اور یہ جہاد و قتال جیسا کہ بار بار صراحۃً آچکا ہے ہمیشہ دین ہی کی سربلندی کے لئے ہونا چاہیئے نہ کہ ذاتی ناموری کے لئے یا توسیع ملکی یا ہوس ملک گیری کی بنا پر۔

یہاں اگر ایک طرف لفظ متقین لاکر جہاد و قتال میں اخلاص کامل کی تعلیم دے دی، اور طمع مال، حصول شہرت وغیرہ کے راستے بند کر دیئے، تو دوسری طرف ان لوگوں کا علاوۂ معیت اللہ تعالےٰ سے جوڑ کر یہ بتلا دیا کہ تھیں اب خوف و ہراس کی بات ہی کیا ہے تمہاری نصرت کے لئے تو وہ ناصر و حافظ موجود ہے جو ہر قوی سے قوی تر ہے۔

ای ایقنوا عند قتالکم ایاھم ان اللّٰہ معکم وھو ناصرکم علیھم (ابن جریر) فان اللّٰہ ناصرمن اتقاہ ومعینہ (ابن جریر) واعلموا ان اللّٰہ معکم اذا اتقیتموہ واطعتموہ (ابن کثیر)

ابن کثیرؒ نے جو مفسر ہونے کے ساتھ مؤرخ بھی تھے، لکھا ہے کہ جن مسلمان فرمانرواروں نے یہ تقویٰ والی شرط پوری رکھی، اور احکام شریعت پر عمل جاری کیا، ان کے زمانہ میں فتوحات برابر ہوتی رہیں، اور جوں جوں وہ شرط تقویٰ سے ہٹتے گئے، فتح مندی ان سے کنارہ کرتی گئی — اور یہ عین حقیقت ہے۔

۲۳۴ (اپنی اس ترقی ایمانی کے ادراک سے)

مومن کا دل انوار تصدیق و یقین سے لبریز ہوتا ہے ضرور تھا کہ ہر تازہ نزول قرآنی سے اس کے ایمان کی نورانیت، حلاوت و تازگی میں اضافہ ہو، پہلے تو وہ اپنے ایمان میں ترقی محسوس کرے اور پھر اپنی اس ترقی ایمان کے ادراک سے خوش بھی ہو۔

فمنھم ... ایمانا۔ منافقین یہ سوال عام مومنین سے بطور طنز و تعریض کرتے تھے کہ بھلا بتاؤ تو اس نئی سورۃ کے نزول سے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا؟ جواب اس کا کھلا ہوا یہی چاہیئے کہ کسی کے نہیں لیکن برعکس اس کے واقعۃً انھیں جواب مومنین کی زبان سے یہ ملتا تھا کہ "ہمارے ایمان میں۔"

۲۳۵ (کہ پہلے جتنے حصہ قرآنی سے انکار تھا، اب اس پر ایک اور حصہ کا اضافہ ہوا۔)

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ یہ لوگ ہر سال ایک بار یا دو بار کسی آفت میں پھنستے ہی رہتے ہیں پھر بھی نہ توبہ کرتے ہیں اور

يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ

نہ نصیحت ہی حاصل کرتے ہیں ۲۳۷ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھنے

اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ

لگتے ہیں کہ تم کو کوئی دیکھتا تو نہیں، پھر چل دیتے ہیں ۲۳۸ اللہ نے ان کا دل ہی پھیر دیا ہے اس وجہ سے

بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

کہ یہ سمجھ سے کام نہ لینے والے لوگ ہیں ۲۳۹

منافق کا دل انکار و نفاق کی گندگی سے پہلے ہی لبریز ہوتا ہے لازمی ہے کہ ہر نئے انکار سے اس گندگی میں اور اضافہ ہو۔

۲۳۶ یعنی ان میں سے جو مر چکے وہ کافر مرے اور جو اسی اصرار پر مریں گے وہ کافر مریں گے۔

۲۳۷ یعنی یہ کہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔

آیت سے ضمناً حکمتِ ابتلاء پر بھی روشنی پڑ گئی، بلائیں اور مصیبتیں تکوینی طور پر تازیانۂ غیبی ہوتی ہیں، جن کا کام انسان کو اللہ کی طرف لانا ہوتا ہے۔

وفی الاثر البلاء سوط من سیاط اللہ تعالیٰ یسوق بہ عبادہ الیہ (روح)

مرۃ او مرتین۔ کسی عدد متعین کا بیان مقصود نہیں، مراد صرف یہ ہے کہ ایسا بار بار ہوتا رہتا ہے۔

والمراد من المرۃ والمرتین علی ما صرح بہ بعضھم مجرد التکثیر لا بیان الوقوع علی حسب العدد المزبور۔ (روح)

یفتنون۔ یعنی یہ منافق اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے کہ ہر سال انھیں اپنی منافقت کی بنا پر آفتوں ہی سے دوچار ہونا پڑتا ہے، کبھی یہ کہ ان کی سازشیں کھل گئیں اور انھیں سزا مل کر رہی، اور تفضیح جو ہوئی وہ الگ، کبھی ان کے حلیف مشرکوں کو شکست ہو گئی، اور ان کے سارے سہارے ٹوٹ گئے۔

ای یفضحون باظہار نفاقھم۔ (بحر عن مقاتل)

۲۳۸ (مجلس نبوی سے)

منظر ایسے وقت کا ہے کہ منافقین بھی مجلس نبوی میں حاضر ہیں، اور کسی سورت کا نزول رسول اللہ صلعم پر ہوا۔

ھل یرٰکم من احد۔ یعنی اٹھتے ہوئے یہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں کہ کوئی مومن تو ہمیں اٹھتا ہوا نہیں دیکھ رہا ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے جا لگائے۔

اوپر ذکر منافقین کے تمسخر کا تھا جو وہ اپنی مجلسوں میں کرتے رہتے تھے اب ذکر ان کے تنفر کا ہے جو انھیں مجلس نبوی سے تھا۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ

بے شک تمہارے پاس ایک پیغمبر آئے ہیں تمہاری ہی جنس میں سے جو چیز تمہیں مضرت پہنچاتی ہے انہیں بہت گراں گزرتی ہے تمہاری بھلائی

عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

کے حریص ہیں ۲۴۰۔ ایمان والوں کے حق میں تو بڑے ہی شفیق ہیں، مہربان ہیں ۲۴۱

۲۳۹ یعنی ایسے لوگ جو خود اپنے نفع سے بھاگے ہیں، اور جتنی سمجھ انہیں عطا ہوئی ہے اس سے کام نہیں لیتے۔

صرف اللہ قلوبھم۔ یعنی یہ لوگ مجلس نبوی سے کیا پھرے ان کا دل ہی اللہ نے ایمان سے بلکہ خیر و طاعت سے پھیر دیا۔

عن ایمان حسب انصرافھم عن ذالک المجلس (روح) قال ابن عباس عن کل خیر و رشد وھدی (بحر)

بانھم۔ میں باء سببیہ ہے۔

الباء السببیۃ ای بسبب انھم (روح)

یعنی یہ انصرافِ قلب آپ ہی آپ نہیں ہوتا، ان کا دل ایمان کی طرف سے اسی لئے تو پھیر دیا گیا کہ انھوں نے اپنی عقل و فہم پر از خود مہر لگا رکھی ہے۔

۲۴۰ یعنی تمہارے دکھ سے یہ خود دکھ محسوس کرتے ہیں، اور تمہارے ہر نفع کے بڑے آرزو مند رہتے ہیں، یہ تھی شفقت رسول خدا کی خلقِ خدا کے ساتھ۔

لقد جاءکم رسول من انفسکم۔ سوال پیدا ہوا ہے کہ کم کی ضمیر جمع مخاطب دونوں جگہ کس کی جانب ہے؟ یعنی رسول اللہ کس کے درمیان آئے ہیں؟ بعض نے کہا ہے کہ مخاطب عرب ہیں کہ آپ اہل عرب کے درمیان بھیجے گئے تھے، لیکن قول تحقیقی یہ ہے کہ خطاب ساری نوع انسان سے ہے، آپ کی بعثتِ عمومی تنہا عرب کی جانب نہیں، سارے عالم کے لئے تھی، گو بعثتِ خصوصی عرب کے لئے ہو۔

قال الزجاج ھی مخاطبۃ لجمیع العالم والمعنی لقد جاءکم رسول من البشر (قرطبی) یرید انہ بشر مثلکم (کبیر) قیل الخطاب للبشر علی الاطلاق (روح) یحتمل ان یکون خطاباً لبنی آدم (بحر)

مشرک قوموں اور مشرک مزاج گروہوں کی سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا کہ منصبِ رسالت پر کوئی بشر کیسے مامور ہو سکتا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بشریت پر بار بار زور دینا اسی عام گمراہی کے رد میں ہے اور مشرکین کی سمجھ سے باہر تھا کہ ایک فردِ بشر اپنے کنبہ و قبیلہ اور قوم کے حق میں تو خیر باقی سارے عالم اور نوع بشر کے حق میں شفیق اور فکر مند کیونکر ہو سکتا ہے؟

عَزِیزٌ علیہ۔ مرشد تھانوی نے فرمایا کہ یہ صفات ہیں جناب رسول اللہ صلعم کے، اور چونکہ شیخ مربی بھی رسول ہی کا نائب ہوتا ہے، اس لئے یہ صفات شفقت علی الخلق اس میں بھی ضروری ہیں۔

۲۴۱ جب آپ کی شفقت سارے خلق اللہ کیلئے تھی، اور آپ کے دل میں درد نوع انسان کے لئے تھا تو خاص مومنین کے ساتھ آپ کے درجۂ رافت و کرم اور شفقت و تعلقِ قلب کا کہنا ہی کیا!

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ

پھر اگر (وہ لوگ) روگردانی کرتے رہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں،

وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿۱۲۹﴾

اسی پر میں نے بھروسہ کرلیا اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے ۲۴۲

ع ۷/۱۶ ۵

آیت بڑی ہی سبق آموز و موثر صفات باری تعالٰے کے سلسلہ میں ہے، رسول تو افضل البشر و اکمل البشر تھے لیکن بہر حال تھے بشر ہی، جب وہ انسان کی فلاح و اصلاح کے اس درجہ "حریص" اور مومنین کے حق میں رؤف رحیم تھے تو جس نے انھیں خلق کیا اور مبعوث کیا وہ ذات خود کس درجہ عزیز علی الخلق ہوگی اور رافت و رحمت کا جو درجہ مومنین کے ساتھ رکھتی ہے اس کا کیا ٹھکانا ہے؟ کوئی اس کا اندازہ بھی لگا سکتا ہے؟

۲۴۲ (اور عرش عظیم موجودات میں سب سے اعظم ہے تو جو اس کا مالک ہے اس کی تحت اور ملک کامل میں سارے موجودات عالم کا ہونا بالکل ظاہر ہے۔)

فید خل فیه ما دونه اذا ذکرہ (قرطبی) خص العرش لانه اعظم المخلوقات (بحر)

فان تولوا۔ یعنی یہ لوگ یہ سب کچھ جانتے، سمجھتے اور سننے کے بعد بھی اگر انکار پر قائم رہیں۔

حسبی اللہ۔ یعنی میرا حافظ و ناصر تو وہی مولیٰ حقیقی ہے، مجھے تمھارے اعراض و انکار سے ضرر کیا؟

علیه توکلت۔ یعنی میرا تکیہ اسی ذات عظیم پر ہے، نہ کہ اپنے نفس پر یا کسی اور ذات کے اوپر۔ پیمبر تک کا بھی آخری تکیہ اپنی ذات پر نہیں بلکہ ساری مخلوق کی طرح اللہ ہی کی ذات پر رہتا ہے۔ یہ سورت جلال و عتاب کے ساتھ مخصوص سمجھی جاتی ہے، اس کا بھی خاتمہ کیسی جمال و رافت کی آمیزش پر ہوا ہے۔

(۱۰)

أياتها ۱۰۹
۱۰۹ آیات

سُورَةُ يُونُسَ مَكِّيَّةٌ

رکوعاتها ۱۱
۱۱ رکوع

سورۂ یونس ۔ مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ بڑے رحمت کرنے والے بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ

الف ۔ لام ۔ را ۔ یہ پُرحکمت کتاب کی آیتیں ہیں لہ کیا لوگوں کو اس پر حیرت ہے کہ ہم نے انھیں

اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

میں ایک شخص کے پاس وحی بھیجدی کہ لوگوں کو ڈرائے اور جو ایمان لے آئیں ان کو خوشخبری سنائے کہ ان کے

اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ

لئے پروردگار کے پاس اونچا مرتبہ ہے ۲ے

لہ (اور اس لئے ہر طرح واجب الاحترام ہیں)
الٓرٰ حروفِ مقطعات پر حاشیہ آغاز پارہ الٓمّ میں گزر چکا، الٓرٰ کو یہاں ابن عباس صحابیؓ اور ضحاک تابعی نے انا اللہ اریٰ کا مخفف قرار دیا ہے ۔ (ابن جریر)
الکتٰب الحکیم ۔ یعنی ایسی کتاب جو پختہ اور سچی اپنے الفاظ و معانی، علوم و احکام، اخبار و قصص ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے ہے، اور ہر طرح کلامِ الٰہی مانے جانے کے قابل ہے، حکیم محکم کے معنی میں ہے جیسے الیم مُولِم کے معنی میں آتا ہے۔
ومعنی الحکیم فی ھذا الموضع المحکم صرف مفعل الی فعیل کما قیل عذاب الیم بمعنی مولم ۔ (ابن جریر)
تلک ۔ یہاں ھذا کے مرادف ہے، اور آیات سے مراد آیاتِ قرآنی ہیں، ذٰلک پر جو حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے، وہ قابل ملاحظہ ہے۔
واولی التاویلین فی ذلک بالصواب تاویل من تاوله ھذہٖ اٰیات القران ووجه معنی تلک الی معنی ھذہ (ابن جریر) قال الضحاک وغیرہ ای ھذہ آیات القرآن الحکم المبین (ابن کثیر)
۲ے دنیا شرک پسند دنیا، دیوی دیوتاؤں کو تو مان لیتی ہے، اوتار اور مظہر ربانی کے عقیدہ کو بھی بآسانی قبول کر لیتی ہے، لیکن بشر کا بشر رہ کر رسول ہو جانا یہ کسی طرح اس کی سمجھ میں نہیں آتا ۔ قرآن مجید کہتا ہے

قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ

کافر کہتے ہیں یہ (شخص) تو کھلا ہوا جادوگر ہے ۵۳ بے شک تمہارا پروردگار اللہ ہی ہے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ

جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ وقتوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش (حکومت) پر مستوی ہوا (ہر) کام کی

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ

تدبیر (وہی) کرتا ہے ۵۴

کہ ان کا اس عقیدہ پر حیرت کرنا یہ خود بڑی حیرت کی بات ہے۔

للناس۔ الناس سے مراد دنیا کی اکثریت ہے جو اوہام مشرکانہ میں گرفتار رہے، مفسر نے کفار عرب مراد لی ہے۔

المراد بالناس کفار العرب (روح)

الیٰ رجل منھم۔ یعنی محمد صلعم کے پاس۔ محض ایک شخص کے پاس ایک مرد کے پاس ۔۔۔ جاہلی دماغ انسان کو خدا مان لے گا، خدا کا بیٹا مان لے گا، خدا کا اوتار مان لے گا، لیکن نہ مانے گا تو انسان کو خدا کا رسول یا فرستادہ۔

ای بشر من بینھم (روح) ان تعجبوا من ان یجعل اللہ بشرا رسولا (کبیر)

ان انذر الناس وبشر الذین امنوا۔ پیمبر کے اصلی فرائض یہی دو ہیں، ایک انذار (خوف واندیشہ پیدا کرنا) دوسرے تبشیر (امید ومسرت کو دل میں جگہ دینا)

قدم صدق۔ یعنی درجۂ عالی۔

قال الزجاج درجة عالیة ومنزلة رفیعة (بحر)

۵۳ مشرکین عرب اپنے سے قدیم تر جاہلی قوموں کی طرح اپنے پیمبر کے پیام کی اعجازی کیفیت وتاثر کو بس سحر ہی پر محمول کرسکتے اور یہی کرتے اور جاہلیت جدیدہ کے علمبردار بڑے بڑے دانایان فرنگ بھی اس کے سوا کیا کررہے ہیں، حیرت انگیز محیر العقول مادی کامیابیوں اور فتحمندیوں سے تو انکار کر ہی نہیں سکتے، بس تعبیر یہ کرنے لگتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) کہ ساری اسکیمیں اور کارگزاریاں کسی بڑے "زیرک دماغ" کا نتیجہ تھیں۔

۵۴ سورۂ یونس مکی ہے، ابتک سورتیں (زیادہ تر) مدنی تھیں، صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، صوم، جہاد، میراث، نکاح، طلاق وغیرہ کے احکام فقہی وتفصیلات شریعت سے لبریز ۔۔۔ اب اس سورت میں عام مکی سورتوں کی طرح بیان عقائد کا شرح وتفصیل کے ساتھ ہوگا، توحید، رسالت، معاد وغیرہ۔

آیت میں متعدد صفات الٰہی کا اثبات کیا جارہا ہے، مثلاً یہ کہ وہی خالق ہے، ساری کائنات کا وہی خالق ہے، وہی حاکم وآمر ہے، زمین وآسمان، سب کہیں احکام اسی کے جاری وساری ہیں۔

ربکم۔ رب پر حاشیہ سورۂ فاتحہ (رب العلمین) کے تحت میں گزر چکا، یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ سب کا

مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ

کوئی بھی شفاعت کرنے والا نہیں ہے مگر ہاں بعد اللہ کی اجازت کے ۵ یہی تو اللہ ہے تمہارا پروردگار سو اسی کی عبادت

أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ③ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ

کرو تو کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے ۶ اسی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے اللہ نے سچا وعدہ کر رکھا ہے۔

حاکم و خالق ہی نہیں سب کو تربیت دینے والا سب کو پستی سے بلندی تک ضعف سے کمال تک پہنچانے والا بھی وہی ہے۔
خلق السمٰوٰت والارض۔ اس میں دہرے دہرے مشرکانہ مغالطوں کی تردید ہے پہلی بات تو یہ کہی گئی کہ یہ آسمان و زمین خود آفریدہ نہیں اور نہ کوئی غیر مخلوق دیوی دیوتا ہیں بلکہ سر تا سر مخلوق ہیں کسی کے پیدا کرنے ہی سے وجود میں آئے ہیں، خود بخود نہیں وجود میں آ گئے ہیں، دوسری بات یہ بتا دی کہ ان سب کا خالق اللہ ہی ہے، جو سب کا خالق ہے کوئی دیوی دیوتا، کا الگ خالق نہیں۔
ستة ایام۔ یوم پر حاشیہ سورۃ الاعراف آیت ۵۴ میں گزر چکا، یوم سے مراد ۲۴ گھنٹہ والا متعارف دن تو ہو نہیں سکتا، ذکر وقت آفرینش عالم کا ہو رہا ہے جب یہ سورج اور چاند یہ دن، رات اور ان کی تقسیم و تفریق کا وجود ہی کہاں تھا، مراد محض زمانہ یا دور ہے۔

فی ستة ازمنة ثم فی کل یوم ھھنا طور من اطوارھا (المنار)

ثم استوی علی العرش۔ عرش اور استوی دونوں پر حاشئے گزر چکے ہیں، استوا بہر صورت اللہ کے مرتبہ و عظمت کے مطابق ہی ہوگا۔

استواء یلیق بعظمتہ وجلالہ وتنزیھہ وکمالہ (المنار)

یدبر الامر۔ مراد یہ ہے کہ خالق کل کے ساتھ حاکم کل بھی وہی ہے تخلیق کے بعد وہ معطل ہو کر نہیں بیٹھ رہا ہے (جیسا کہ بہت سی جاہلی قوموں کا اعتقاد ہے) بلکہ چھوٹے بڑے ہر کام کا نظم و انتظام بھی اسی کی مشیت کر رہی ہے۔

قال مجاهد یقضیه ویقدرہ وحدہ (قرطبی)

۵ یعنی مستقل منصب شفاعت رکھنے والا (MEDIATOR) تو کوئی بھی نہیں، ہاں اللہ ہی اپنے جس کسی مقرب و مقبول بندہ کو جس حد تک اور جن حالات میں جس کے لئے چاہے اجازت شفاعت دے دے تو اصل اور مقدم شئے شفاعت نہیں، بلکہ اذن شفاعت ہوئی، (اذن کے لفظ نے پورا یہ مفہوم ادا کر دیا کہ اصل حاکم متصرف و مختار تو بس وہی ہے، شفاعت ہونے دینا اور نہ ہونے دینا سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔
اس میں جاہلی، مشرک قوموں کا رد تو خیر ہے ہی ہے پوری تردید مسیحیت کی بھی آ گئی ہے کہ موجودہ مذہب مسیحی کا دار و مدار ہی عقیدۂ شفاعت و کفارہ پر ہے اور ایک مستقل بالذات شافع کا عقیدہ اسلامی نہیں تمام تر ایک مسیحی عقیدہ ہے۔

اِنَّہٗ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ لِیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

بے شک اسی نے خلق کو پہلی بار پیدا کیا ہے پھر وہی اسے دہرائے گا تاکہ انصاف کے ساتھ ان لوگوں کو جزا دے جو ایمان لائے

بِالۡقِسۡطِ ؕ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَہُمۡ شَرَابٌ مِّنۡ حَمِیۡمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیۡمٌۢ بِمَا

اور جنھوں نے نیک عمل کئے ۸؎ اور جن لوگوں نے کفر (اختیار) کیا ان کے لئے پینے کو کھولتا پانی اور عذاب دردناک ہے

کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ ﴿۴﴾

بہ سبب اس کے یہ کفر کرتے رہتے تھے ۹؎

بعد اذنہ۔ لفظ اذن کا ترجمہ اردو کے دو قدیم ترین مترجموں یعنی شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین دونوں نے بجائے اجازت کے حکم سے کیا ہے اگر یہ مفہوم جزم و قطعیت کے ساتھ صحیح قرار دیا جائے تو شفاعت تمام تر نتیجہ حکم الٰہی قرار پائی

۶؎ (اور اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ کرو، اور توحید خالص والے آمیز پر جمے رہو۔)

ای وحّدوہ واخلصوا لہ العبادۃ (قرطبی)

۷؎ (اب تک اپنی مشرکانہ گمراہیوں پر مصر ہو اور خدائے واحد کے عقیدہ کے ساتھ کوئی نہ کوئی پچر شرک کی بھی لگائے ہوئے ہو)

۸؎ آیت نے وضاحت کے ساتھ ایک یوم حشر کا اثبات کر دیا اور آواگون وغیرہ کی تردید ہے۔ انصاف سے جزا دینے کے معنی یہ ہیں کہ جو اجر و انعام موعود ہے اس میں کمی ذرا بھی نہ کرے اور اس سے زائد اپنے فضل و کرم سے جتنا چاہے عطا کر دے۔

یبدؤ الخلق۔ ابداء میں یہ بات آگئی کہ خلق کی پیدائش عدم محض سے ہوئی ہے کسی مادہ وغیرہ سے نہیں جیسا کہ بعض مشرک فرقے اب تک سمجھ رہے ہیں۔

الیہ مرجعکم جمیعا۔ خطاب عالم انسانی سے ہے اے انسانو تم سب کی واپسی اسی ایک ذات باری تعالیٰ کے پاس ہوگی، یہ نہیں کہ کسی دیوی دیوتا، کسی مظہر خدا، کسی اوتار، کسی ابن اللہ یا کسی شافع مطلق کی جانب، یہ عقیدہ کی یہ گمراہی جاہلی قوموں میں کثرت سے پھیلی ہوئی تھی، قرآن مجید اسی لئے بار بار چونکاتا اور صحیح عقیدہ کا استحضار کراتا ہے۔

۹؎ یہاں یہ بتا دیا کہ آفتاب میں ضیاء اور چاند میں نور رکھنا سب اسی قادر مطلق حکیم علی الاطلاق کا کام ہے نہ کہ کسی دیوی دیوتا کا، اور نہ خود ان اجرام فلکی نے اپنے آپ ہی یہ صفات پیدا کر لی ہیں، شمس پرستی اور قمر پرستی دنیا میں بہت عام رہی ہے اور اب تک ہے۔

مزید تفصیل کے لئے تفسیر انگریزی ملاحظہ ہو۔

ضیاء۔ وہ روشنی ہے جو اپنی ذاتی، مستقل حیثیت رکھتی ہو۔

نور۔ وہ روشنی ہے جو ضیاء سے مستعار ہو، اس کا انعکاس ہو۔

هُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ الشَّمۡسَ ضِيَآءً وَّالۡقَمَرَ نُوۡرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ

وہ (اللہ) وہی ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن اور اس کے لئے منزلیں مقرر کر دیں

لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِيۡنَ وَالۡحِسَابَ‌ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالۡحَـقِّ‌ۚ

تاکہ تم برسوں کا شمار اور حساب جان لیا کرو ۱۰ اللہ نے یہ (چیزیں) بے مقصد نہیں پیدا کی ہیں وہ

يُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۞ ۵ اِنَّ فِى اخۡتِلَافِ الَّيۡلِ

نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں ۱۱ بے شک رات اور دن کے الٹ پلٹ میں

وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَّقُوۡنَ ۞ ۶

اور اللہ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کر رکھا ہے ان (سب) میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو (اللہ سے) ڈرتے رہتے ہیں ۱۲

قرآن مجید نے (چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کے عرب کے ایک اُمّی کے لائے ہوئے قرآن نے) دو لفظ الگ الگ لاکر جدید سائنس کے اس بیان پر مہر تصدیق لگا دی کہ چاند بذات خود بے نور ہے اس میں چمک دمک جو کچھ ہے وہ سورج کے عکس سے ہے۔

۱۰ یہاں یہ حقیقت ظاہر کر دی کہ اللہ نے ان اجرام فلکی کو تو خود انسان کی خدمت، راحت و نفع رسانی کے لئے پیدا کیا ہے تو انسان کی یہ کیسی شدید حماقت ہے کہ وہ الٹی انھیں کی پوجا شروع کر دیتا ہے۔

قدرہٗ۔ ضمیر مذکر قمر کی جانب ہے یعنی چاند کی چال کے لئے منزلیں مقرر کر دی ہیں۔

منازل۔ منزل سے مراد وہ مسافت ہے جو کوئی کوکب شب و روز میں قطع کرے۔ چاند کی منزلیں ۲۹ یا ۳۰ ہیں۔

لتعلموا عدد السنین والحساب۔ کو قدرہٗ سے متعلق رکھنے سے منشائے خداوندی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وقت و زمانہ کا حساب و کتاب تقویم قمری ہی کے مطابق رکھا جائے۔

۱۱ (اور ہر چیز سے معرفت حاصل کرتے رہتے ہیں)

الا بالحق۔ کل مقاصد و مصالح تو خدا معلوم کتنے ہوں گے سب سے بڑا اور کھلا ہوا مقصد یہ ہے کہ انسان ان کے قوانین کی یک رنگی اور ان کے ضوابط کا نظام دیکھ کر توحید باری اور رد شرک پر استدلال کرے۔

ای ما اراد اللہ بخلق ذلك الا الحکمۃ والصواب واظہار الصنعۃ وحکمتہ ودلالۃ علی قدرتہ وعلمہ (قرطبی)

۱۲ (اور اس لئے برائیوں سے بچتے رہتے ہیں)

ماخلق اللہ فی السمٰوٰت والارض۔ اللہ کی توحید اور قدرت و حکمت کا سب سے بڑا تکوینی نشان قرآن مجید نے گردش روز و شب کے ساتھ یہاں اس مادی مخلوق کو بھی پیش کیا ہے جو آسمانوں اور زمین میں موجود ہے ان سب کی بے نظیر نظم و ترتیب ایک زبردست و محکم دلیل وجود باری کی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ

بے شک جن لوگوں کو ہماری ملاقات کا کھٹکا ہی نہیں ۱۳؎ اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہوگئے ۱۴؎ اور اسی جی لگا بیٹھے ہیں ۱۵؎

هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾ أُولٰئِكَ مَأْوٰهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸﴾

اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے (بالکل) بے پروا ہو رہے ہیں ۱۶؎ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے بسبب اس کے کہ جیسا وہ کرتے دھرتے رہے۔

الاٰیٰت۔ اور سب سے بڑا نشان ہے مخلوقات کے عاجز، فانی اور محکوم ہونے پر، اور اللہ کی خالقیت، قدرت، تصرف و حکومت پر استدلال۔

کارخانۂ کائنات کا ہر چھوٹا بڑا تصرف و انقلاب اور ہر طبیعاتی تغیر اس لئے ہوتا ہے کہ بندے اس سے سبق حاصل کریں اور اپنے ایمان کو اور زیادہ مضبوط کریں۔

لقوم یتقون۔ یہ دلائل ہیں تو ساری خلقت کے لئے، لیکن ان سے نفع یاب وہی ہوں گے جو اہل تقویٰ ہیں۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ آیت اگر آیت ما قبل سے ملا کر پڑھی جائے تو اس سے ہیئت، حساب اور دیگر علوم طبیعات کے سیکھنے کا جواز ثابت ہوگا، لیکن قید اتقاء نے ان تمام علوم کو اصلاح معاد و معاش تک بہ شرط اتباع شریعت محدود کر دیا ہے۔

سائنس نام ہی ہے ہر موضوع کے متعلق ترتیب و انضباط کے علم کا، اور گردش شب و روز اور تمام اسباب موجودات میں ہر علم و فن کے ماہر، فلکیات، طبیعیات، حیوانیات، ارضیات وغیرہ میں اپنے ہر فن سے متعلق قاعدوں، ضابطوں اور حسن ترتیب کی ہر دم فکر کرتے رہتے ہیں، ان کو اللہ کی خلاقی، حکمت و صناعی کا سب سے بڑھ کر قائل ہونا چاہیئے۔

۱۳؎ یا "جن لوگوں کو ہماری ملاقات کی امید ہی نہیں"۔

رجاء۔ لغات اضداد میں ہے، اس کے معنی "اندیشہ" اور "امید" دونوں کے ہیں اور مطلق توقع کے بھی۔

الرجاء ویطلق علی توقع الخیر و علی الخوف و توقع الشر و علی مطلق التوقع (روح)

غرض آخرت سے غفلت ہر صورت میں مشترک ہے، اور انسان کی گمراہی کا پہلا زینہ عموماً یہی آخرت سے غفلت ہی ہوتی ہے۔

۱۴؎ (اور اس لئے آخرت کی طلب ہی نہیں رکھتے، اس دنیوی زندگی میں مگن ہیں)

عالم ناسوت کا شر و فساد مومن کے دل کو ہمیشہ بے چین رکھتا ہے، کبھی اسے دنیا پر رضامند نہیں ہونے دیتا۔ یہ فساد پر رضامندی گمراہی کی دوسری منزل ہوئی۔

۱۵؎ (اور مادی زندگی پر شاد و شاداں ہو کر آخرت کی طرف سے بالکل ہی بے پروا ہو بیٹھے ہیں۔)

گمراہی کی یہ تیسری منزل ہوئی، پہلے تو یہ ہوتا ہے کہ نعمتِ آخرت کی تمنا و طلب دل سے مٹ جاتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ یہ ہو جاتا ہے کہ اپنے انجام و عاقبت کی طرف خیال ہی نہیں جاتا، اسی دنیوی زندگی کی دلچسپیوں اور رنگینیوں میں ایسا انہماک ہو جاتا ہے کہ "ادھر" کی کھٹک کبھی بھولے بھی نہیں پیدا ہوتی، بلکہ جب کوئی اس مستقل زندگی کی یاد دلاتا بھی ہے تو الٹا اسی پر مضحکہ شروع کر دیا جاتا ہے کہ اس بدعقل کو دیکھو "نقد" کو چھوڑ کر ہمیں ادھار کی طرف اور آگے کے بجائے پیچھے کی طرف لئے جا رہا ہے، اور سیاسیات و معاشیات و طبیعات کے

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهۡدِیۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِاِیۡمَانِهِمۡ ۚ تَجۡرِیۡ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل بھی کئے ان کا پروردگار انھیں پہنچادے گا (ان کی منزل تک) بوجہ

مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ فِیۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ ﴿۹﴾ دَعۡوٰىهُمۡ فِیۡهَا سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ

ان کے ایمان کے ان کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی عیش (و مسرت) کے باغوں میں[۱۸] اس میں ان کا قول ہوگا پاک ہے تو اے اللہ

وَتَحِیَّتُهُمۡ فِیۡهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعۡوٰىهُمۡ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰﴾

اور اس میں ان کی باہمی دعا سلام ہوگی[۱۹] اور ان کی آخری بات ہوگی کہ ساری تعریف اللہ پروردگار عالم کے لئے ہے[۲۰]۔

زندہ و رنگین مشغلوں سے ہٹا کر ہمیں دینیات کے خشک و بے حاصل مسائل میں پھنسانا چاہتا ہے۔

۱۶ (یعنی روزمرہ کی غفلت، بے حسی، بے پروائی کے علاوہ) ایسی نشانیاں جو خاص طور پر چونکا دینے والی ہوتی ہیں، مثلاً قحط، زلزلہ، وبا، جنگ عمومی، انفرادی و شخصی، مالی و جانی صدمے، یہ تک بھی ان کے ضمیر کو بیدار نہیں کرتے اور یہ بدستور فکر آخرت کی طرف سے بے پرواہی رہتے ہیں۔ شامت زدہ انسان کی ضلالت کا یہ چوتھا اور بالکل آخری مرتبہ ہے، اور افسوس ہے کہ ذکر و فکر آخرت کی طرف سے یہی بے اعتنائی اور دنیوی ساز و سامان، اور مادی علوم و فنون، وصنائع کی طرف یہی انہماک و رشدت التفات، تہذیب فرنگی و ثقافت جاہلی کا جزو اعظم ہیں! "مہذب" اور "اعلیٰ" سوسائٹی میں دوزخ و جنت، برزخ اور سکرات موت کا کسی کی زبان پر نام تک نہ آنے پائے! اور علوم جدیدہ کے بڑے بڑے ماہروں اور فاضلوں کو خوب غور سے دیکھ لیجئے، کیا ان میں ایک ذرہ برابر بھی طلب معرفت حق کی اور ظواہر مادی سے گزر کر حقائق معنوی تک پہونچنے کی پائی جاتی ہے۔

ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

۱۷ جنت تک اصلی رہنمائی کرنے والی شے ایمان ہے، نقطۂ آغاز یہی ہے، اعمال صالح اس میں صرف معین ہوجاتے ہیں، اس لئے یهدیهم کے ساتھ ذکر صرف ایمان کا کیا گیا۔

یهدیهم۔ انھیں پہنچادے گا ان کی منزل تک۔ اور خود منزل سے مراد جنت ہے۔

یهدیهم بسبب ایمانهم الی ماواهم ومقصدهم وهی الجنة (روح) قال ابوروق

یهدیهم ربهم بایمانهم الی الجنة (قرطبی)

تحتهم۔ ھُم سے مراد جیسا کہ ظاہر ہے اہل جنت ہیں۔

۱۸ یہ فقرہ بے اختیار اس وقت زبانوں پر آئے گا جب وہ عجائبات جنت کا دفعۃً معائنہ کریں گے (حسب تفسیر تھانوی)

۱۹ یہ اس وقت جب وہ ایک دوسرے کو دیکھیں گے، ملیں گے، اور باہم مخاطب ہوں گے۔

ای یحیی بعضهم بعضا بالسلام (معالم) ما یحیی بعضهم بعضا (بیضاوی)

۲۰ یہ اس وقت جب وہ اطمینان سے وہاں بیٹھ لیں گے، اور دنیا کی فانی لذتوں کا مقابلہ ہاں کے

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ

اور اگر اللہ لوگوں پر بُرائی واقع کر دیا کرتا جس طرح وہ بھلائی کی جلدی مچاتے ہیں تو ان کی میعاد کبھی کی پوری ہو چکی ہوتی ۲۱؎

فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑪

لیکن ہم ان لوگوں کو جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑے رکھتے ہیں ۲۲؎

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ

اور انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے لیٹے بھی اور بیٹھے بھی اور کھڑے بھی ۲۳؎

دائمی عیش و سرور سے کریں گے (حسب تفسیر تھانوی)

دعوٰھم۔ دعوٰی یہاں دونوں موقعوں پر دعا یا پکار کے معنی میں لیا گیا ہے۔

دعوٰھم ای دعاءھم (قرطبی) واٰخر دعوٰھم واٰخر دعاءھم (بیضاوی) اٰخر دعواھم ای خاتمۃ ایمانھم (مدارک)

آیت سے معلوم ہوا کہ خالق کی تسبیح اور خلق کے سلام سے مدارج بلند ہوتے ہیں اور آخر میں منزل ادائے شکر کی آتی ہے۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنت میں ذکر و عبادت بہ طور شعار و عادت ہوگا، تکلف و تجہد کا وجود نہ ہوگا، ورنہ صبر و مشقت کا ذکر بھی ضرور ہوتا، اور یہ خاکسار عرض کرتا ہے کہ عجب نہیں جو اہلِ جنت کو تمام تر لطف و سرور، لذت و راحت بھی ذکر و عبادت کی ان ساری صورتوں میں آتا جائے۔

۲۱؎ (اور یہ کبھی کے ختم ہو چکے ہوتے)

لو یعجل اللّٰہ للناس الشر استعجالھم بالخیر۔ مشرکین مکہ نے کہا کہ یہ نبی اگر سچے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر کیوں نہیں برسا دیتے جواب ملتا ہے کہ اگر کہیں اللہ میاں کا معاملہ بندوں کے ساتھ عذاب کے باب میں بھی اسی عجلت کا ہوتا جس کی توقع باب رحمت میں رکھی جاتی ہے تو اب تک ان کا قلع قمع ہی ہو گیا ہوتا۔

قیل المعنی لو فعل اللّٰہ مع الناس فی اجابتہ الی المکروہ مثل ما یریدون فعلہ معھم فی اجابتہ الی الخیر لاھلکھم۔ (قرطبی)

بالخیر۔ یعنی جس طرح کی عجلت وہ ثواب و رحمت کے موقع پر چاہتے ہیں یا جس طرح خیر و رحمت کے موقع دعاء پر حق تعالٰی کا دستور ہے۔

ای کما یحبون استعجالھم بالخیر (معالم) ای کما یستجیب لھم اذا دعوا لانفسھم او لاموالھم او لاولادھم بالخیر (ابن کثیر)

۲۲؎ (کہ فوراً عذاب لے آنا حکمتِ تکوینی کے منافی ہے)

یعمھون۔ نذیر احمدی زبان میں "ٹامک ٹوئیے مارتے ہوئے" یعنی اندھوں کی طرح ہاتھ کبھی

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ

پھر جب ہم اس سے اس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا جو تکلیف اسے پہنچی ہے اس کے لئے ہم کو پکارا ہی نہ تھا[۲۴]

زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

اسی طرح فضول کاروں کو ان کے اعمال خوشنما کر دکھائے جاتے ہیں[۲۵] اور بالیقین ہم تم سے قبل (بہت سی) نسلوں کو ہلاک

لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ

کر چکے ہیں جبکہ انھوں نے ظلم کیا درآنحالیکہ ان کے پاس ان کے پیمبر کھلے دلائل کے ساتھ آتے رہے اور وہ ایسے تھے ہی نہیں کہ ایمان لے آتے[۲۶]

اِدھر مارتے ہوں، کبھی اُدھر مارتے ہوں۔

۲۳ے یعنی ہر حال میں اور ہر وضع کے ساتھ ہم کو پکارتا رہتا ہے، شدتِ اضطراب و اضطرار میں ناشکرا انسان بھی توجہ الی اللہ میں لگ جاتا ہے۔

الانسان۔ انسان سے یہاں مراد ناشکرا کافر انسان ہے۔

قیل المراد بالانسان ھنا الکافر (قرطبی)

۲۴ے یعنی ادھر مصیبتیں دور ہوئیں، ادھر غافل انسان پھر غفلتوں کا شکار ہو گیا۔

ای فی حال اضطجاعہ وقعودہ وقیامہ وفی جمیع احوالہ (ابن کثیر)

بیماری کے دُکھ میں مارے ہوئے یا کسی اور مصیبت میں مبتلا انسان کی کیسی صحیح تصویر ہے۔

۲۵ے شیطان کے ہاتھ میں سب سے بڑا حربہ یہی ہے کہ وہ انسان کی نظر میں سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کر دکھاتا ہے، عارفین نے اسی لئے ہمیشہ بڑے تضرع وابتہال کے ساتھ دعائیں مانگی ہیں کہ اے اللہ ہم کو ہمیشہ حق حق ہی کی صورت میں اور باطل باطل کی شکل میں دکھا۔

آب خوش را صورت آتش مدہ!

۲۶ے (بوجہ اپنی غایت قساوتِ قلب و عناد کے)

مراد یہ ہے کہ جب پیمبروں کی بعثت اور کافروں کی طرف سے ان کی تکذیب کے بعد حجت ان پر پوری طرح ثابت ہو چکی تھی، تو اب مزید تاخیر و مہلت سے کوئی نتیجہ ہی نہ تھا۔

لما ظلموا۔ اس ظلم کے تحت میں کفر و شرک کے جملہ اقسام آ گئے نیز حدودِ شرعی سے تجاوز اور بدنی و مالی حق تلفیاں۔

بالبینٰت۔ اس میں اللہ کی توحید اور پیمبروں کی صداقت پر ہر قسم کے دلائل اور معجزات وغیرہ آ گئے۔

لیؤمنوا۔ میں ل تاکید نفی کے لئے ہے۔

واللام لتاکید النفی۔ (مدارک۔ بیضاوی)

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ

ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں مجرم لوگوں کو۔ پھر ہم نے ان کے بعد تمہیں زمین پر نائب کیا۔

مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا

تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو ؁۲۷ اور جب انھیں ہماری کھلی ہوئی آیتیں پڑھ کر سنائی

بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ

جاتی ہیں تو جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کوئی کھٹکا نہیں ہے کہنے لگتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا

اَوْ بَدِّلْهُ ۭ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ

اس میں ترمیم کردو ؁۲۸ آپ یہ کہہ دیجیے میں یہ نہیں کرسکتا کہ اس میں اپنے جی سے ترمیم کردوں میں تو بس اسی کی پیروی

اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

کروں گا جو میرے پاس وحی سے پہنچا ہے، میں اگر اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو میں یوم عظیم کے عذاب سے ڈرتا ہوں ؁۲۹

؁۲۷ یعنی آیا ویسے ہی کفر و شرک میں لگے رہتے ہو، یا ایمان لے آتے ہو۔

لننظر۔ یعنی ظاہری طور پر بھی تمھاری جانچ کرلیں۔

؁۲۸ (کہ ہمارے مسلک کے خلاف اس میں کوئی مضمون باقی نہ رہے)

ائت بقراٰن غیر ھٰذا۔ منکروں کی اس فرمائش کے مخاطب ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلعم تھے آپ ہی کو جاہلیت عرب کے بڑے بڑے روشن خیال، جاہلیت فرنگ کے روشن خیالوں کی طرح قرآن کا مصنف خیال کرتے تھے، اور اس لئے قدرۃً فرمائش بھی آپ ہی سے کرتے تھے کہ یا تو اپنی کوئی دوسری تصنیف سنائیے، یا کم از کم اسی تصنیف میں ہمارے نقطۂ نظر سے مناسب کانٹ چھانٹ کردیجیے۔

علیھم۔ اوپر سے صیغۂ مخاطب چلا آرہا تھا، یہاں معاً صیغۂ غائب ہوگیا اور اس صنعت التفات کا استعمال اسلوب قرآنی میں کثرت سے ہے۔

اسلوب الالتفات فی القراٰن کثیرا جدًا۔ (المنار)

علاوہ بلاغت کے دوسرے نکتوں کے ایک کھلا ہوا پہلو تو یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کردیتا ہے کہ ایسے نالائق مخاطبین اس قابل کب ہیں کہ ان سے مخاطبہ براہ راست جاری رہے۔

اظہار الاعراض عنھم کانھم غیر حاضرین لانھم لا یستحقون الخطاب بہ من اللہ تعالٰی (المنار)

؁۲۹ یہ ایک بار پھر اس حقیقت کا تصریحی اعادہ ہے کہ رسول اللہ صلعم صرف حامل شریعت تھے،

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ

آپ کہہ دیجیے کہ اگر اللہ کی مشیت (یہی) ہوتی تو میں نہ تم کو یہ (کلام) پڑھ کر سنا سکتا اور نہ (اللہ) تم کو اس کی اطلاع

لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾

کرتا، اور پھر میں تو تمہارے درمیان اس کے قبل بھی (اتنے حصۂ) عمر تک رہ چکا ہوں کیا تم عقل سے کام (ہی) نہیں لیتے

بانیٔ شریعت نہیں، احکام الٰہی کا اتباع آپ پر بھی اسی درجہ میں ضروری تھا جتنا کسی اور فرد بشر پر قانون الٰہی جس کو آپ لے کر آئے تھے، آپ پر بھی اس کی پابندی اسی قدر واجب تھی جس طرح کسی اور بندہ پر۔

قل ما یکون ...... نفسی یعنی تمہاری اس فرمائش ترمیم پر عمل کرنا میری بساط سے باہر ہے۔

فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ بدعت حرام ہے، دین میں نئی بات پیدا کرنے کا حق جب پیمبر معصوم تک کو نہ حاصل ہو سکا تو کسی غیر معصوم کو اس کا حوصلہ کب ہو سکتا ہے ـــ اور علمائے حق نے جو لکھا ہے کہ سنت بعض حالات میں قرآن کی ناسخ ہو جاتی ہے، سو "نسخ" سے ترمیم و تبدیل ہرگز مراد نہیں کہ یہ تو بالاتفاق حرام ہے "نسخ" سے ان کی اصطلاح میں مراد صرف اس قدر ہے کہ قرآن میں جو حکم مجمل تھا، سنت نے اس کی تفصیل کر دی اور جس باب میں اجمال تھا، اس کی تصریح کر دی، یا یہ کہ جو حکم مؤقت تھا، اور اس کا مؤقت ہونا ہم پر مخفی تھا اُسے واضح کر دیا۔ اور جو سنت کسی معنی میں بھی قرآن کو "نسخ" کرتی ہے، وہ بھی رسولؐ کی اپنی رائے و فہم کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ وہ بھی وحی الٰہی ہی ہوتی ہے۔

ان نسخ القراٰن لا یجوز عندنا الا بسنة هی وحی من قبل الله قال الله وما ینطق عن الهوٰی ان هو الا وحی یوحی فنسخ حکم القراٰن بالسنة انما هو نسخ بوحی الله لا من قبل النبی صلعم (جصاص)

فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ کسی حاکم یا قاضی کے لئے جائز نہیں کہ کسی کی رعایت سے یا نفع کی خاطر کسی شرعی حکم کو متروک اور مسکوت عنہ قرار دے دے، البتہ فتنہ اور خوف حاکم سے سکوت کی گنجائش نکالی ہے۔

پیر پرستی بلکہ پیرزادگی پرستی میں مبتلا حضرات غور کریں کہ معاذ اللہ، رسول معصوم تک امکان عذاب آخرت سے خائف ہو رہے ہیں، ایسے حال میں کسی شیخ یا کسی شیخ کی اولاد کو بہر حال مامون و محفوظ سمجھتے رہنا تعلیمات اسلام پر کیسا ظلم صریح ہے

۳۰ روشن خیالان عرب کی اس فرمائش ترمیم کے جواب میں رسول اللہ صلعم کے جواب کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) اپنی عمر کے ۴۰-۵۰ سال تمہاری آنکھوں کے سامنے گزار چکا ہوں، میرے تدین، راست بازی، صداقت شعاری پر تم سب گواہ ہو، کبھی کسی خفیف معاملہ میں بھی کذب و افتراء سے مجھے کام لیتے تم نے دیکھا یا سنا ہے؟ پھر جب یہ نہیں، تو اتنے بڑے افتراء کی کہ اپنے کلام کو خدا کا کلام کہہ کر پکاروں، آخر مجھے جرأت ہو بھی کیوں کر سکتی ہے، تمہاری عقلیں اس احتمال ہی کو کیسے تسلیم کر رہی ہیں؟

(۲) تمہارے درمیان اپنی عمر کا اتنا بڑا حصہ گزار چکا، میری ایک ایک خوبی سے تم واقف ہو چکے، میری بولی میرے انداز کلام کو تم خوب اچھی طرح جان چکے، پہچان چکے، تمہیں قرآن میں اور میرے کلام میں کوئی فرق نظر نہیں آتا؟

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ

اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے، یا اس کی نشانیوں کو جھٹلائے،

لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا

یقیناً مجرموں کو فلاح نہیں ہوتی ۳۱ یہ اللہ کے سوا (ایسی چیزوں کی) عبادت کرتے ہیں جو ان کو

يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ

نہ نقصان پہنچا سکیں اور نہ نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔

یں چاہوں بھی تو قرآن جیسے ممتنع النظیر کلام پر کب قادر ہو سکتا ہوں؟ اب تک میرا کوئی کلام اس ٹکر کا جب نہ ہوا تو آج کیسے ہوا جا رہا ہے؟

قرآن کا یہ استدلال اپنے کلام الٰہی ہونے پر پورا وزن دار اس وقت بھی تھا، لیکن جس وقت سے احادیث رسولؐ مدون ہو گئیں اس وقت سے تو اس دلیل میں اور زیادہ جان پڑ گئی ہے، حدیثوں کے چھوٹے بڑے مجموعے ایک دو نہیں بیسیوں کی تعداد میں آج سے نہیں، صدیوں سے شائع چلے آ رہے ہیں، کیا عقل کے اندھوں کو اتنا نظر نہیں آتا کہ جو زبان بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ کی ہے وہ قرآن کی ہے یا ہو سکتی ہے؟ زبان، انداز، بیان، اسلوبِ کلام، زور و اثر اتنا نمایاں و واضح فرق بھی کیا شام، فلسطین، عراق، مصر وغیرہ کے یہود اور نصرانیوں کو نہیں سجھائی دیتا؟

ادراکم میں ضمیر فاعل حق تعالیٰ کی جانب ہے۔

ای لا اعلمکم اللہ۔ (قرطبی)

بعض نے رسولؐ کی طرف بھی سمجھی ہے۔

مقصود و مآل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔

۳۱ یہاں یہ بتا دیا گیا کہ اپنے دل کی گھڑی ہوئی چیزوں کو وحی الٰہی قرار دے دینا اور آئی ہوئی وحی کی تکذیب دونوں یکساں اور شدید ترین جرم ہیں اور فلاح ایسے مجرموں کے نصیب میں نہیں۔

آیت میں تمام مشرک قوموں کے معبودانِ باطل کی بے حقیقتی بیان کی ہے، اور ان کا جھوٹا عذر بھی کہ ہم ان دیویوں دیوتاؤں کو کچھ مستقلاً متصرف فی الکائنات اور خدا تھوڑے ہی مانتے ہیں، ہم تو ان کی حیثیت بس مستقل شفیع کی مانتے ہیں۔

عرب کے مشرکین کی طرح یہی عقیدہ عیسائیوں کا بھی ہے، مسیح پرستی کے سلسلے میں تو کھلا ہوا اور سب کا، اور اولیاء پرستی کے سلسلے میں ان کے فرقہ کیتھولک کا، اولیاء کو وہ شفعاء ہی ٹھہراتے ہیں۔

ہمارے زمانہ کے اہلِ بدعات کا بھی کچھ ایسا ہی عقیدہ ہے کہ اگر قبورِ اکابر کی تعظیم مفرط کی جائے گی تو یہ اکابر صالحین اپنے پرستاروں کے حق میں شافع و شفیع بن جائیں گے اور ہر طرح عذابِ الٰہی سے ان کے آڑے

قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى

آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو (اللہ کو) معلوم نہیں نہ آسمانوں میں نہ زمین میں ۳۲ؐ

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ⑱ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ

وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔ اور انسان تو ایک ہی طریقے پر تھے پھر انھوں نے اختلاف کیا ۳۳ؐ

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ⑲

اور اگر ان کے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے نہ ٹھہر چکی ہوتی تو ان کے درمیان اس بات میں جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں فیصلہ کر دیا گیا ہوتا ۳۴ؐ

آجائیں گے اور یہ بلا اس امت پر آج سے نہیں کم از کم امام رازیؒ کے زمانہ یعنی چوتھی صدی ہجری سے تو ضرور مسلط ہے۔ ونظیرہ فی ھذا الزمان اشتغال کثیر من الخلق بتعظیم قبور الاکابر علی اعتقاد انھم اذا عظموا قبورھم فانھم یکونون شفعاء عند اللہ۔ (کبیر)

۳۲ؐ اور ظاہر ہے کہ جو چیز اللہ کے علم میں نہیں تو اس کا وجود ہی باطل ہے۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اللہ کے حدود علم سے خارج کون سی چیز ہے؟ آیا ان معبودوں کا شفیع ہونا یا ہر شفیع کے لئے مرتبۂ معبودیت کا لزوم؟ جواب یہ ہے کہ دونوں دلیل مشرکین کے صغریٰ وکبریٰ دونوں ہی مہمل تھے ھؤلاء شفعاؤنا عند اللہ۔ مشرکین عرب مستقل متعدد خداؤں اور خالقوں کے قائل نہ تھے، مستقل خالق، رب معبود تو صرف ایک ہی خدا کو مانتے تھے، البتہ اس کی ضمنی کاروائیوں کو اپنے دیوی دیوتاؤں ہی کا تصرف سمجھتے تھے، اور جو ان میں سے منکرین حشر تھے وہ دیوی دیوتاؤں کی کارگزاریاں صرف معاملات دنیا تک محدود رکھتے تھے مثلاً رزق، صحت، اولاد وغیرہ کی حد تک۔

۳۳ؐ (اور ایک گروہ ان میں کا شرک میں مبتلا ہو گیا۔)

کان الناس امۃ واحدۃ۔ یعنی ابتداءً سب کے سب موحّد تھے۔

قرآن ان کھلے ہوئے الفاظ میں، دین میں "ارتقاء" کی قطعی تردید کر رہا ہے، ابتداءً صرف دین توحیدی تھا، اس کے بعد ارتقاء کے نہیں، انحطاط کے اثر سے شرک اور بت پرستی کی مختلف صورتیں ظہور میں آنے لگیں، چنانچہ اب جدید ترین ماہرین علم الاصنام وماہرین اثریات پروفیسر شمڈٹ (SCHIMIDT) پروفیسر لینگڈن (LANGDEN) سر چارلس مارسٹن (MARTSON) وغیرہ سب تسلیم کر رہے ہیں کہ دین اپنی ابتدائی صورت میں توحیدی تھا، نہ کہ وہ نظریہ جو "فیشن" کے طور پر "علمی" دنیا میں انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں رائج تھا، یعنی انسان فطرۃً وطبعاً مشرک تھا، ترقی کرتے کرتے توحید تک پہنچا ہے۔

قرآن مجید اس کی تکذیب وتردید میں اس کا مدعی ہے کہ انسان فطری اور طبعی طور پر موحّد ہے، خارجی گمراہیوں نے اُسے رفتہ رفتہ مشرک بنا دیا۔

وَيَقُولُونَ لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ ءَايَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا ٱلْغَيْبُ

اور کہتے ہیں کہ ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں نازل ہوتا ۳۵ سو آپ کہہ دیجیے کہ غیب

لِلَّهِ فَٱنتَظِرُوٓا۟ إِنِّى مَعَكُم مِّنَ ٱلْمُنتَظِرِينَ ﴿٢٠﴾

(کی خبر) تو بس اللہ ہی کو ہے، سو انتظار کرو میں (بھی) تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ۳۶

۳۴ یعنی عذاب موعود، جو علمی فیصلہ ہے اس دنیا میں نازل ہو گیا۔

ولولا کلمۃ سبقت من ربک۔ کلمۃ۔ سے مراد یہ وعدہ یا حکم ہے کہ پورے عذاب کے لئے انھیں مہلت آخرت تک ملے گی۔

اشارۃ الی انقضاء العذر ای لولا ما سبق فی حکمہ (قرطبی) الکلمۃ ھنا ھو القضاء والتقدیر لبنی آدم بالآجال الموقتۃ (بحر)

۳۵ (ہمارے فرمائشی نشانوں اور معجزات میں سے)

پیمبر کی زندگی تو سرتاپا معجزہ ہی ہوتی ہے، اس کی ایک ایک بات سے خدائی روح ٹپکتی ہے، اور قدم قدم پر اس کے اور عام مخلوق کے درمیان فرق نمایاں رہتا ہے، بقول رومی ؎

دردل ہر کس کہ از دانش مزہ ہست — روئے و آواز پیمبر معجزہ است

لیکن یہ سب صرف اہل بصیرت کے لئے ہے، باقی معاندین جہلا ہر زمانہ میں مخصوص فرمائشیں کر کر کے فلاں فلاں متعین مادی معجزات کی طلب کرتے رہے ہیں، فلاں پہاڑ سونے کا ہو جائے، فلاں فلاں کھانوں کا خوان آسمان سے نازل ہو جائے، آسمان کا ٹکڑا ٹوٹ کر زمین پر گر پڑے، وقس علی ہذا، چنانچہ یہاں بھی ایۃٌ سے مراد اسی قسم کے متعین فرمائشی معجزات ہیں۔

ای من الآیات اللتی اقترحوھا (بیضاوی)

یقولون۔ یہ طلب بھی تحقیق حق کی راہ سے نہیں، عناد و تعریض کے طور پر تھی، ورنہ اگر دل میں ذرا بھی طلب صحیح ہوتی تو سیرت مصطفوی کا تو ایک ایک جزئیہ معجزہ تھا، ہر خارجی معجزہ سے مستغنی کر دینے والا۔

ولعمری لو انصفوا الاستغنوا عن کل آیۃ غیرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فانہ الآیۃ الکبریٰ ومن راہ وستغنوا حوالہ لم یکد یشک فی انہ رسول اللہ صلعم (روح)

۳۶ پیمبر اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت وعبدیت پر یہ کیسے کھلے کھلے نصوص موجود ہیں، اور حیرت ہے کہ ایک گروہ اپنی خوش عقیدگی کے غلو میں ان تک کو پس پشت ڈالے رکھنے کی جرأت رکھتا ہے۔

پیمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صاف صاف یہ کہنے کی ہدایت ہو رہی ہے کہ میرا دخل کسی معجزہ کے وقوع وعدم وقوع میں بالکل نہیں ظہور معجزات تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے، پردہ غیب سے جو کچھ بھی ظہور میں آئے جہاں تم وہیں میں ہوں، انتظار کرنے میں ہم سب شریک۔

وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ

اور جب ہم (ناشکر) لوگوں کو بعد اس کے کہ ان پر کوئی مصیبت پڑ چکی ہو (اپنی) رحمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو فوراً ہی

اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ (٢١)

وہ (لوگ) ہماری نشانیوں کے باب میں چالیں چلنے لگتے ہیں ٣٧ آپ کہہ دیجئے اللہ چالوں میں ان سے بھی بڑھا ہوا ہے یقیناً جو چالیں تم چل رہے ہو

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ

وہ ہمارے قاصد انھیں لکھتے جا رہے ہیں ٣٨۔ وہی (اللہ) ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں لئے لئے پھرتا ہے چنانچہ جب تم کشتی میں (سوار) ہوتے ہو

انما الغیب للہ۔ انما کا صیغۂ حصر ملحوظ رہے "غیب" صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

٣٧ منکرین کی مریض ذہنیت کا بیان ہے کہ وہ تسکین تو کسی معجزہ، کسی نشان، کسی آیت سے کبھی نہیں حاصل کرتے اور تسکین تو انھیں مقصود ہی نہیں ہوتی، بلکہ ہر اعجازی واقعہ کی کوئی نہ کوئی مادی توجیہہ و تاویل پیدا ہی کر لیتے ہیں۔ اور اس پر اعتراض کر، چٹ دوسرے معجزہ کی فرمائش شروع کر دیتے ہیں۔

مکر فی اٰیاتنا۔ یعنی آیاتِ الٰہی میں طرح طرح کی کج بحثیاں اور توجیہیں۔

سمّی تکذیبھم اٰیات اللہ مکرًا لان المکر عبارۃ عن صرف الشیٔ عن وجھہ الظاھر بطریق الحیلۃ (کبیر) الاحتیال فی دفعھا (روح) لیجعلوا التلک الرحمۃ سببًا اٰخر (ابن قتیبۃ)

الناس۔ سے مراد اس سیاق میں دنیا کی کافر آبادی ہے۔

الناس عام لجمیع الکفار۔ (روح)

رحمۃ۔ صحت و عافیت جاہ و ثروت، یہ سب اسی رحمت کی فردیں ہیں۔

٣٨ (اور وقت معین پر انھیں پوری پوری سزائیں مل کر رہیں گی)

رسلنا۔ رسل یہاں فرشتوں کے لئے ہے۔

ای الرسل الحفظۃ (قرطبی)

اللہ اسرع مکرًا۔ یعنی اللہ نہ ان کی کوئی تدبیر چلنے دے گا، نہ انھیں کوئی موقع بچاؤ کا دے گا، اور جلد سے جلد ان کی چالوں کا توڑ کر دے گا۔

ای اعجل عقوبۃ علی جزاء مکرھم (قرطبی)

عربی کے قاعدۂ مشاکلت کا ذکر دیباچۂ تفسیر میں آ چکا ہے مکر کا لفظ اللہ کے سلسلے میں بہ قاعدۂ مشاکلت ہی آیا ہے، مکر پر حاشیہ واللہ خیر الماکرین کے تحت میں (پ٣) سورۂ آل عمران میں گزر چکا۔

المراد بہ الجزاء والعقوبۃ علی المکر مجازًا مرسلًا او مشاکلۃ (روح)

وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ

اور وہ (کشتیاں) لوگوں کو ہوائے موافق کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں اور لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں (کہ ناگہاں)

وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ

ایک تھپیڑا ہوا کا آتا ہے اور ان کے اوپر ہر طرف موجیں اٹھی چلی آتی ہیں اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ (بس اب) ہم گھر گئے ۳۹

۳۹ (اور اب نجات پانے کی کوئی سبیل مادی اسباب و ذرائع سے ممکن نہیں)

ھوالذی .... البحر۔ یعنی انھیں سفر بری و سیاحت بحری کے آلات و اسباب بہم پہنچا دیتا ہے، زمین و سمندر دونوں کے طے کرنے کے لئے سواریاں، گھوڑے، گدھے، ہاتھی، اونٹ سے لے کر ریل، موٹر، سائیکل بحری جہاز، آبدوز کشتی، ہوائی جہاز وغیرہ تک جتنی بھی نکل چکی ہیں یا آئندہ کبھی بھی نکلیں، یہ سب بالکل آخر میں جا کر کسی علت فاعلی پر ٹھہرتی ہیں؟ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ یا حق تعالیٰ ہی کی بخشی ہوئی قوتوں پر۔ قرآن مجید درمیانی واسطوں کو چھوڑ کر علت حقیقی کی یاد دلا رہا ہے۔

جرین بھم۔ صنعت التفات کے لئے ملاحظہ ہو دیباچۂ تفسیر۔ حاضر سے معاً غائب کی طرف منتقل ہو جانے کا اسلوب بیان عربی ادب و انشاء میں عام ہے۔

خروج من الخطاب الی الغیبۃ وھو فی القرآن واشعار العرب کثیر (قرطبی)

یہ بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ امام رازیؒ نے اپنی نکتہ رسی سے لکھا ہے کہ جس طرح صیغۂ غائب سے حاضر کی طرف انتقال اظہار تقرب و اکرام کے لئے ہوتا ہے، یہ حاضر سے غائب کی طرف انتقال اس کے برعکس بُعد و بیزاری کے اظہار کے لئے ہو۔

وھوالذی خطر یالبال فی الحال ان الانتقال فی الکلام من لفظ الغیبۃ الی لفظ الحضور یدل علی مزید التقرب والاکرام واما ضدہ وھو الانتقال من لفظ الحضور الی لفظ الغیبۃ فانہ یدل علی المقت والتبعید (کبیر)

ریح طیبۃ۔ یعنی ہوائے نرم۔ مراد ہے وہ ہوا جو جہاز کے موافق ہو۔

والمراد بطیبۃ حسبما یقتضیہ المقام لینۃ الھبوب موافقۃ المقصد (روح)

ریح عاصف۔ یعنی ہوائے تیز و تند، مراد ہے وہ ہوا جو جہاز کے مخالف ہو۔

العاصف الشدیدۃ (قرطبی)

ظنوا۔ ظن کے معنی جس طرح گمان و قیاس کے ہیں، یقین یا خیال اغلب کے بھی ہیں۔

ای ایقنوا (قرطبی) یجوز ان یکون بمعنی الیقین (روح)

بھم میں ب تعدیہ کی ہے، اور بریح اور بھا میں دونوں جگہ سببیت کی۔

الباء الاولی للتعدیۃ الثانیۃ وکذا الثالثۃ للسببیۃ (روح)

قرآن مجید میں جو کچھ آبی کشتیوں (الفلک) اور ہوا کی تندی کے سلسلہ میں آیا ہے وہ ذرا سے توسع سے کام لینے کے بعد ہوائی کشتیوں اور ہوائی سفر پر بھی صادق آجاتا ہے۔

دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

(تو اس وقت) اللہ کو (بالکل) خالص کر کے پکارنے ہیں (کہ) اگر تو نے ہمیں اس (مصیبت) سے نجات دلادی تو ہم یقیناً

الشّٰكِرِیْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ

بڑے شکر گزار ہوں گے ۱۴۰ پھر جب وہ انھیں نجات دے دیتا ہے تو وہ فوراً ہی زمین میں ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں ۱۴۱

۱۴۰ (اور بڑا شکر یہی ہے کہ مومن مخلص بن جائیں گے)
ایسے نازک موقعوں پر اسباب سے قطع نظر کر کے ساری توجہ مسبب الاسباب کی طرف کر دینا عین انسان کی فطرتِ سلیم کا مقتضاء ہے اور جو بدنصیب ایسے وقت بھی رجوع و انابت کی توفیق نہیں پاتے ان کے دل نورِ انسانیت کی آخری شعاع سے بھی محروم ہو چکے ہیں۔
کشتی کی طوفان زدگی کا ذکر محض بطور مثال و نمونہ آیا ہے ورنہ اضطرار کے موقع پر توجہ اللہ کی طرف ہو جانا موافق طبیعت بشر ہے۔
دعوا اللہ مخلصین له الدین۔ یہ حالتِ اضطرار کا اخلاص ایمان کے قائم مقام اور نجات اخروی کے لئے کافی نہیں
الدعاء ان لم یکن عن ایمان بل عن الاضطرار لا ینفع (روح)
البتہ کشائش دنیوی، یعنی غرق سے بچانے میں موثر ہو سکتا ہے۔
لئن.... الشکرین۔ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ اقرار مشروط، مثلاً یہ کہ اگر میرا فلاں کام بن گیا تو میں دین توحید قبول کر لوں گا، شریعت میں معتبر نہیں۔
ظنو.... الشکرین۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ، صاحبِ تفسیر روح المعانی نے اس مقام پر کچھ روز تک اپنی ملت کے حال زار پر نوحہ و ماتم کیا ہے کہ مشرکین تک ایسے مواقع پر خدائے واحد قدوس کو پکارنے لگتے ہیں لیکن ہم لوگوں میں کوئی فلاں بزرگ کو پکارتا ہے کوئی فلاں شیخ کے نام کی دہائی دینے لگتا ہے، سو خدا کے لئے فیصلہ کیجیے کہ ہم اس لحاظ سے مشرکوں سے بھی ابتر ہو چکے ہیں یا نہیں۔
فباللہ تعالیٰ علیك قل لی ای الفریقین من هذه الحیثیة اهدی سبیلا و ای الداعین اقوم قیلا (روح)
ہمارے ملک کے "یا غوث" اور "یا خواجہ" کی صدائیں لگانے والے اور "یا علی مشکل کشا" کا نعرہ لگانے والے ذرا اپنے انجام پر غور کر لیں۔
منقول ہے کہ کسی نے حضرت جعفرؒ صادق کی خدمت میں آکر عرض کی کہ پروردگار عالم کی بابت کچھ مجھے ارشاد فرمائیے آپ نے کہا کہ تم کرتے کیا ہو؟ اس نے کہا کہ تجارت بحری میرا پیشہ ہے آپ نے فرمایا کہ اچھا تم اس کا کچھ حال بیان کرو، اس نے کہا کہ ایک بار میری کشتی عین دریا میں ٹوٹ گئی اور میں ایک تختہ پر بیٹھا بہا جا رہا تھا کہ ہوائے تیز و تند کو تھپیڑا آیا، آپ نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ، اس وقت تمہارے دل میں خشوع و شکستگی کی کیفیت پیدا ہوئی تھی؟ اس نے کہا بے شک آپ نے فرمایا کہ جس کی طرف تمہاری تضرع و شکستگی نے رخ کیا تھا بس وہی تو پروردگار عالم ہے (کبیر)

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫

اے لوگو، یہ تمھاری سرکشی تمھارے ہی اوپر (الٹ پڑنے والی) ہے یہی دنیوی زندگی کا چند روزہ نفع، پھر ہماری ہی

ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اِنَّمَا مَثَلُ

طرف تمھاری واپسی ہے پھر ہم تمھیں جتلا دیں گے جو کچھ تم کرتے رہے ہو ۴۲ بس دنیا کی زندگی کا

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ

حال تو ایسا ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کی سبزی گنجان ہو کر نکلی

الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ

جس کو انسان اور چوپائے کھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب زمین (پوری طرح) اپنی رونق

زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ

پر پہونچ چکی اور اس کی زیبائش ہو گئی اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب وہ اس پر بالکل متصرف ہو چکے تو

اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ۭ

ہمارا حکم اس پر (اچانک) رات کو یا دن کو آپڑا سو ہم نے (ایسا) صاف کر دیا کہ گویا وہ کل موجود ہی نہ تھی ۴۳

۴۱ (اور اپنے اس وعدے و اقرار کو بھول بھال کر پھر شرک و فساد میں لگ جاتے ہیں)
بغیر الحق۔ کی قید اس لئے ہے کہ ان لوگوں کی یہ زیادتی اور سرکشی خود ان کے ضمیر میں اور ان کے معیار سے بھی جرم تھی۔

۴۲ یہاں اس حقیقت کا اعلان ہے کہ کفر و معصیت کے ساتھ دنیا میں جو عیش و کامرانی جمع ہو سکتی ہے، وہ محض چند روزہ ہے، اس کی دائمی سزا آخرت میں بھگتنا ہے۔

۴۳ (سو یہ دنیا اپنی ساری زیب و زینت کے ساتھ بس ایسی ہی ناپائیدار اور سریع الزوال ہے)
حتی اذا اخذت الارض زخرفھا۔ یعنی اس کی خوشنمائی اپنے کمال کو پہنچ گئی۔
ای استوفت واستکملت حسنھا۔ (روح)
یہاں دنیا کی بے ثباتی کو مثال کی صورت میں یوں پیش کیا ہے کہ جیسے آسمان سے خوب زور و شور کی بارش ہو ہر قسم کے نباتات کی روئیدگی خوب ہے آدمی کے کھانے کے قابل پھل پھلاری میوہ، غلہ اور جانوروں کے کھانے کے قابل پتیاں، بھوسہ وغیرہ کی خوب پیداوار ہو پھر جب ہر طرف خوب سرسبزی و شادابی پھیل جائے

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ

ہم اسی طرح آیتوں کو کھول کر بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو سوچتے رہتے ہیں اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف

وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ

بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ راست پر چلا دیتا ہے ۴۴ جو لوگ نیکی کرتے رہے اُن کے لئے تو بھلائی ہے اور اس کے علاوہ بھی ۴۵

لہلہاتے کھیت، سرسبز درخت، شاداب باغ، ہر طرف پورے زیب و زینت کے ساتھ نظر آنے لگیں اور انسان سمجھنے لگے کہ بس ہم ان تمام لذتوں اور نعمتوں سے لطف اٹھانے کے پوری طرح مالک و مختار ہیں کہ یک بیک حکم الٰہی سے کوئی ایسا آسمانی یا زمینی حادثہ پیش آجائے کہ سارا گل و گلزار تہس نہس ہو کر رہ جائے اور حالت یہ ہو جائے کہ گویا کل یہاں کچھ تھا ہی نہیں، ایہ مرقع ہے انسانی زندگی کا کہ بڑے بڑے نامور و با اقبال انسان کا بھی خاتمہ دفعتہً موت پر ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور یہ حال ہے دنیا کا جس کی ادھیڑ بُن میں غافل انسان ہمہ تن ہمہ وقت لگا رہتا ہے۔

وازینت۔ یعنی سبزہ سے خوب خوشنما معلوم ہونے لگی۔

اتٰھا امرنا۔ امر سے مراد ہے کوئی تکوینی عذاب، مثلاً پالا، پتھر، سیلاب، وقس علیٰ ہذا۔

ای عذابنا (قرطبی) قال ابن عباس یرید عذابنا (کبیر)

ظن اھلھا۔ ظن یہاں بھی یقین کے معنی میں ہے۔

ای الیقین۔ (قرطبی)

۴۴ اور یہی لوگ ہیں جنھیں اس سلامتی کے گھر تک پہنچ جانے کی توفیق ہو جاتی ہے۔

واللہ یدعوا۔ اللہ اپنے بندوں کو بلاتا ہے اپنے انھیں احکام و ہدایات کے ذریعہ سے۔

الی دار السلم۔ سلامتی کا گھر یعنی اس فانی و ناپائیدار دنیا کے برعکس، ہمیشہ قائم اور سلامت رہنے والا گھر مراد جنّت ہے۔

ای الی الجنۃ (قرطبی) قال قتادہ والحسن السلام ھو اللہ ودارہ الجنۃ وسمیت الجنۃ دار السلام لان من دخلھا سلم من الآفات (قرطبی) لا شبھۃ ان المراد من دار السلام الجنۃ الا انھم اختلفوا فی سبب الذی لاجلہ حصل ھذا الاسم (کبیر)

عارفین نے لکھا ہے کہ آیت میں مومنین کے لئے تو درس عبرت ہے کہ شہنشاہ خود بلا رہا ہے اور غلام حاضری میں توقف کر رہے ہیں، اور منکرین کے لئے سرزنش ہے کہ وہ کیسی دعوت و نعمت سے محروم لئے جا رہے ہیں، اور دنیا پرستوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہے کہ وہ کیسی پست و حقیر چیزوں کے پھیر میں پڑے ہوئے ہیں، اور عاشقوں کے لئے بشارت ہے کہ ان کے حق میں اشارے خلوت خاص کے ہو رہے ہیں۔

یھدی من یشاء۔ اللہ کی طرف سے یہ ہدایت ہمیشہ مشیت تکوینی اور بے شمار مصلحتوں اور حکمتوں کے ماتحت ہوتی ہے۔

۴۵ یعنی دیدار الٰہی، جو ہر نعمت اور ہر لذت سے افضل تر ہے۔

وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ

ان کے چہروں پر نہ کدورت چھائے گی اور نہ ذلت ہوگی۔ اہل جنت یہی ہیں۔

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٦﴾

یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۴۶ف

زیادۃ۔ کی یہ تفسیر خود حدیث میں آچکی ہے۔

عن النبی صلعم فی ھذہ الآیۃ قال اذا دخل اھل الجنۃ فیکشف الحجاب فیتجلی لھم فواللہ ما اعطاھم شیئاً احب الیھم من النظر الی اللہ (ابن جریر) قال رسول اللہ صلعم الزیادۃ النظر الی وجہ اللہ الکریم (قرطبی عن انسؓ)

یہی حدیث صحیح مسلم میں حضرت صہیب صحابیؓ کی روایت سے آئی ہے۔

صحابہؓ و تابعین سب سے یہی تفسیر منقول ہے۔

الزیادۃ النظر الی وجہ اللہ تبارک وتعالیٰ (ابن جریر عن ابی بکر الصدیقؓ) زیادۃ النظر الی الرب (ابن جریر عن الحسن) الزیادۃ ھنا النظر الی وجہ الرحمٰن (ابن جریر عن قتادۃ) وھو قول ابی بکر الصدیقؓ وعلیؓ فی روایۃ وحذیفۃ وعبادۃ بن الصامت وکعب بن عجرۃ وابی موسیٰ وصہیب وابن عباس فی روایۃ وھو قول جماعۃ من التابعین (قرطبی) وقد روی تفسیر الزیادۃ بالنظر الی وجھہ الکریم عن ابی بکر الصدیق وحذیفۃ بن الیمان وعبد اللہ بن عباس وسعید بن المسیب وعبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ وعبد الرحمٰن بن سابط ومجاھد وعکرمۃ وعامر بن سعد وعطاء والضحاک والحسن وقتادۃ والسدی ومحمد بن اسحاق وغیرھم من السلف والخلف وقد وردت فیہ احادیث کثیرۃ عن النبی صلعم (ابن کثیر)

دیدار الٰہی کو لفظ زیادۃ سے تعبیر کرنے میں بھی شاید یہی اشارہ ہے کہ وہ ایسی نعمت ہے جو ہر ممکن نعمت کے علاوہ اور اس کے مافوق ہے۔

اشارۃ الی انعام واحوال لا یمکن تصورھا فی الدنیا (راغب)

اس تفسیر ماثور کے علاوہ بھی لفظ زیادۃ عام و وسیع ہے، ہر فضل، ہر رحمت، ہر انعام اس کے تحت میں آسکتا ہے۔

احسنوا۔ نیک کام کئے، نیک کرداری کرتے رہے، اور سب سے بڑی نیکی خود ایمان لانا ہے۔

الحسنیٰ۔ یعنی اجر عمل، نیک کرداری کا صلہ، یا خود جنت۔

المنزلۃ الحسنیٰ وھی الجنۃ (روح)

آیت میں مومنین کو اطمینان دلایا ہے کہ نیک دلی اور نیک کرداری کا پورا صلہ تو خیر ملے ہی گا، لیکن اس کے علاوہ "کچھ اور" بھی ملے گا، یہ صرف عالم آخرت ہی کے ساتھ مخصوص ہے، اس "کچھ اور" کی لذت کوئی اہل محبت کے دلوں سے پوچھے۔

۴۶ف یعنی مومنین کو دوام عیش تو حاصل رہے ہی گا، اس کے علاوہ یہاں یہ صراحت بھی کر دی کہ کسی ضد

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ

اور جن لوگوں نے بدیاں کمائی ہیں (سو) بدی کی سزا ویسی ہی بدی ہے۔ اور ایسے لوگوں کو ذلت چھالے گی

مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ

کوئی انھیں اللہ (کے عذاب) سے نہ بچا سکے گا ۷۷ گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے ٹکڑے لپیٹ دیئے گئے

الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

ہیں۔ دوزخ والے یہی تو ہیں۔ یہ اس میں بس پڑے ہی رہیں گے ۷۸

اور غم والم سے بھی وہ کبھی دوچار نہ ہوسکیں گے۔

۷۶ اور ان کے دیوی دیوتا، ان کے چودھری ان کے ٹھاکر، جن پر آج انھیں اتنا تکیہ اور بھروسہ ہے، یہ سب اس روز بے کار ہی نظر آئیں گے۔

بمثلھا۔ یعنی بدی کی سزا بدی کے برابر ہی ملے گی، اس سے زائد نہیں۔ یہ لفظ جزاء بدی کے سلسلہ میں وزیادۃ کے مقابل آیا ہے، جو نیکی کے سلسلہ میں آچکا ہے یعنی نیکی کا صلہ تو اصل معاوضہ سے کہیں بڑھ چڑھ کر ملے گا، لیکن بدی کا معاوضہ بس اسی درجہ کا ملے گا، اس سے زائد نہیں۔

والمقصود من هذا القيد التنبيه على الفرق بين الحسنات وبين السيئات لانه تعالىٰ ذكر في اعمال البر انه يوصل الى المشتغلين بها الثواب مع الزيادة واما في عمل السيئات فانه تعالىٰ ذكر انه لا يجازي الا بالمثل (كبير) يصيبهم ذلٌّ وخزيٌ وهوانٌ (فتح القدير) اى يغشاهم هوان وخزيٌ (قرطبی)

من اللہ۔ یعنی عذاب الٰہی سے، اللہ کی گرفت سے۔

اى من عذاب الله (قرطبی)

۷۷ حشر تو وقت ہی ہوگا حقائق کے ظہور وانکشاف کا، اس وقت اہلِ کفر کے دلوں کی سیاہیاں چہروں سے نمایاں ہو کر رہیں گی۔

کانما... مظلما۔ یہ حالت ان روسیاہ دوزخیوں کے چہروں کی ہوگی۔

حکماءِ اسلام نے کہا ہے کہ یہ سیاہی جہل وضلالت کی ہوگی:

اعلم ان حكماء الاسلام قالوا المراد من هذا السواد المذكور ههنا سواد الجهل وظلمة الضلالة (کبیر)

صاحب بحر المحیط علامہ ابوحیان غرناطی اندلسی نے اس موقع پر بلاوجہ جوش میں آکر "حکمائے اسلام" کو بہت ہی برا بھلا کہہ ڈالا ہے اور کہا ہے کہ ان "فلاسفہ" کو بحقیقت جہلاء و سفہاء کہنا چاہیئے، یہ اسلام کے حق میں یہود و نصاریٰ سے بھی بڑھ کر دشمن ہیں، اور یہ انبیاء علیہم السلام کے دشمن اور شریعت کے محرفین ہیں، ان کی کتابوں کا مطالعہ حرام ہونا چاہیئے، وقس علیٰ ہذا۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ

اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے ۴۹ پھر ہم شرک کرنے والوں سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے

وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ ۖ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿۲۸﴾

شرکاء (خدائی) اپنی جگہ ٹھہرو ۵۰ پھر ہم ان میں باہم خوب پھوٹ ڈال دیں گے اور ان کے (وہ مزعوم) شرکاء (ان سے) کہیں گے تم ہماری

فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ﴿۲۹﴾

عبادت تو کرتے نہ تھے ۵۱ سو اللہ ہمارے تمہارے درمیان کافی گواہ ہے کہ ہم کو تو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی ۵۲

یعنی بحکماء الفلاسفة الذین خلقوا فی ھذہ الملة الاسلامیة وھم احق بان یسموا سفھاء وجھلاء من ان یسموا الحکماء اذ ھم اعداء الانبیاء والمحرفون للشریعة وھم اضر علی المسلمین من الیھود والنصٰرٰی۔ الخ

اور کمال یہ کیا ہے کہ اپنی خفگی کی اس لپیٹ میں سید المفسرین امام رازیؒ کو بھی لے لیا ہے اور ان کا ذکر صرف "ھذا الرجل" سے کیا ہے، امام رازیؒ کے سنہ وفات اور علامہ غرناطی کے سنہ وفات میں فرق کچھ کم ڈیڑھ سو سال کا ہوا ہے

۴۹ (میدان حشر میں)

ھم جمیعا۔ یعنی سارے خلائق کو۔

۵۰ (ذرا کی ذرا تاکہ تم پر تمہارے عقیدہ کی حقیقت روشن ہو جائے)

شرکاؤکم۔ یعنی وہ جنہیں تم اپنے زعم میں شریک خدائی سمجھتے رہے ہو۔

مکانکم۔ یعنی اپنی جگہ ٹھہر جاؤ، تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ امکثوا مکانکم۔

ای امکثوا مکانکم وقفوا فی موضعکم (ابن جریر) ای الزموا مکانکم (روح)

۵۱ (تو آج ہم تمہارے شرک کے وبال میں کیوں پھنسیں۔)

زیلنا۔ زیلنا کے کھلے ہوئے معنی فرقنا کے ہیں۔

لیکن یہاں یہ صیغہ باب تفعیل سے لایا گیا ہے، تاکہ معنی سے شدت و تکثیر کا اظہار ہو سکے۔

وقال فزیلنا ارادۃ تکثیر الفعل وتکریرہ ولم یقل فزلنا بینھم (ابن جریر) التضعیف للتکثیر لا للتعدیة (روح)

اہل شرک کو سب تکلیفوں اور عذابوں سے بڑھ کر اس منظر کا بھی سامنا کرنا ہوگا کہ خود انھیں کے معبود الٹے ان سے تبری و بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔

ذلك یدل علی نہایة النکال والخزی فی حق ھؤلاء الکفار (کبیر)

۵۲ (چہ جائیکہ ہم اس سے راضی ہوتے)

عجب نہیں یہ گفتگو پتھر کی مورتیاں اور ٹھاکر دواروں کے بت اپنے پجاریوں سے کر رہے ہوں۔

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْآ اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ

اس جگہ ہر شخص اس (عمل) کا امتحان کرے گا جو وہ پیشتر بھیج چکا ہے اور یہ لوگ اللہ اپنے مالک حقیقی کی طرف

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ

لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ (معبود) انھوں نے گھڑ رکھے تھے وہ ان سے ناپید ہو جائیں گے ۵۳ آپ کہیے کون تمہیں آسمان

وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ

و زمین سے روزی پہنچاتا ہے؟ یا کون کان اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے؟ اور کون جاندار کو

مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ

نکالتا ہے بے جان سے اور بے جان کو نکالتا ہے جاندار سے؟ اور کون (ہر) کام کا انتظام کرتا ہے؟ ۵۴

قیل الاصنام فینطقها اللہ تعالٰی فتکون بینھم ھذہ المحاورۃ (قرطبی)

۵۳ یعنی کوئی کام نہ آئے گا، اس وقت سب گم ہو جائیں گے۔

ھنالك.... اسلفت یعنی ہر شخص عیاناً دیکھ لے گا کہ جو اعمال اس نے کئے تھے، وہ واقع میں نافع تھے یا اس کے برعکس، یہ اجمالی علم تو انسان کو مرنے کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے، حشر میں اس کا تحقق کامل اور مفصل طور پر ہوگا۔

مولٰھم الحق۔ یعنی واقعی اور حقیقی مالک کوئی گھڑا ہوا معبود نہیں۔

ای المتحقق الصادق فی ربوبیته لاما اتخذوہ ربا باطلا۔ (روح)

یہاں اللہ کو جو کافروں کا "مولیٰ" کہا گیا ہے تو یہ مالکیت بہ اعتبار اصل واقعہ کے ہے اور سورۂ محمد میں جہاں اس کی نفی آتی ہے (ان الکافرین لامولٰی لھم) وہاں "مولیٰ" حامی ناصر اور سہارے کے معنی میں ہے۔

مولٰھم الحق۔ کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ وہ مالک جو حق و انصاف کے مطابق انھیں جزا دے گا۔

قال ابن عباس ای الذی یجازیھم بالحق (قرطبی)

ھنالك۔ اصلی معنی تو "اس جگہ" کے ہیں مجازاً "اس وقت" بھی مراد ہو سکتی ہے، اصلاً ظرف مکانی ہے، مجازاً ظرف زمانی۔

معناہ فی ذلك المقام وفی ذلك الموقف او یکون المراد فی ذلك الوقت علی استعارۃ اسم المکان للزمان (کبیر۔ کشاف) وھو الظرفیة المکانیة وقیل انه استعمل ظرف زمان مجازاً ای فی ذلك الوقت (روح)

۵۴ یہ سارے سوالات مشرکین سے بہ طور جرح ہو رہے ہیں۔

فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣١﴾ فَذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ

(جواب میں) وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ۔ تو کہیئے کہ پھر کیوں نہیں بچتے ہو ۵۵ سو یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار حقیقی

الْحَقُّ ۖ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ۖ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ﴿٣٢﴾

اور (امر) حق کے بعد رہ کیا گیا بجز گمراہی کے۔ تو کدھر پھرے چلے جاتے ہو ۵۶

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ سوالات میں ایک خاص ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے، پہلا سوال رزق سے متعلق ہے، جو سلسلۂ ربوبیت میں اول نمبر پر ہے، پھر انسان کے حواس ظاہری سے متعلق ہے، جن کے بغیر بشر و جماد برابر ہیں پھر حیات و موت سے متعلق ہے اور آخر میں انتظام امور سے متعلق ہے۔

من ربکم من السماء والارض۔ یعنی کون ہوائیں چلاتا ہے؟ کون پانی برساتا ہے؟ کون سورج کی روشنی اور گرمی پہنچاتا ہے؟ کون بارش کے وقت مناسب فصل اور مناسب مقدار کا فیصلہ کرتا ہے؟ اور پھر کون زمین کو گرماتا ہے، اور زرخیز بناتا ہے؟ اس سے نباتات اگاتا ہے، غرض زمین و آسمان دونوں جگہ، اس کی قدرت و حکمت کی مستقل کارفرمائیاں ہیں، اور السماء اور الارض دونوں ناموں میں سے کوئی نام بیکار نہیں لایا گیا۔

من یخرج.... الحی بے جان سے جاندار جیسے انڈے سے مرغی، جاندار سے بے جان جیسے مرغی سے انڈا

من یدبر الامر۔ الامر میں ال استغراق کا ہے یعنی چھوٹے بڑے ہر کام کا انتظام کون کرتا ہے؟

۵۵ (شرک سے اور افعال شرکیہ سے)

یا کیوں نہیں ڈرتے ہو، یہ ترجمہ بھی جائز ہے۔

۵۶ (حق کو چھوڑے ہوئے اور باطل کی طرف رخ کئے ہوئے)

فذالکم اللہ۔ یعنی یہی اللہ جس کے صفات و افعال اوپر بیان ہو چکے اور جس کی ذات میں سارے کمالات ربوبیت جمع ہیں۔

فماذا بعد الحق الا الضلل۔ مطلب یہ کہ امر حق کی جو ضد ہے، اسی کا نام گمراہی ہے، اور توحید کا حق ہونا ثابت ہو چکا پس شرک تو یقیناً گمراہی ہی ہوا۔

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکیؒ نے آیت کے تحت میں شطرنج، نرد، وغیرہ کے جواز و عدم جواز پر تفصیلی بحث کی ہے، اور اس ضمن میں مسئلہ غناء پر بھی گفتگو کی ہے، اور لکھا ہے کہ غناء کو اکثر علماء نے ایک ہیجان انگیز لہو قرار دیا ہے لیکن اس کی حرمت پر قرآن و سنت سے کوئی دلیل قائم نہیں، بلکہ ایک حدیث صحیح سے تو اس کی اباحت ہی نکلتی ہے، لیکن جن الفاظ میں آنحضورؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی گرفت کو رد کیا ہے، اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں غناء کی مستقلاً تو کراہت ہے، البتہ خاص حالات میں اجازت بھی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ فقیہہ موصوف کا یہی فیصلہ عین حق و صواب اور افراط و تفریط کی راہوں سے الگ ہے،

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

اسی طرح آپ کے پروردگار کی بات (تمام) سرکشی کرنے والوں کے حق میں پوری ہو چکی ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ط

آپ کہئے کیا تمہارے (تجویز کئے ہوئے) شرکاء میں کوئی ایسا بھی ہے جو پہلی بار پیدا کرے پھر وہ دوبارہ بھی کرے؟

ان کی طویل عبارت پوری نقل کے قابل ہے۔

واما الغناء فانه من اللهو المهيج للقلوب عند اكثر العلماء منهم مالك بن انس وليس في القران ولا في السنة دليل على تحريمه اما ان في الحديث الصحيح اباحته وهو الحديث الصحيح ان ابابكر على عائشة وعندها جاريتان عادتيان من عاديات الانصار تغنيان بما تقاولت الانصار به يوم بعاث فقال ابوبكر مزمار الشيطان في بيت رسول الله صلعم فقال رسول الله دعهما يا ابابكر فانه يوم عيد فلو كان الغناء حرامًا ما كان في بيت رسول الله صلعم وقد انكره ابوبكر بظاهر الحال فاقره النبي صلعم بفضل الرخصة والرفق بالخليقة في اجمام القلوب اذ ليس جميعها يحمل الجد دائمًا وتعليل النبي صلعم بانه يوم عيد يدل على كراهية دوامه ورخصته في الاسباب كالعيد والعرس وقدوم الغائب ونحو ذلك وكل حديث يروى في التحريم او اية تتلى فيه فانه باطل سندًا باطل معتمدًا خبرًا وتاويلًا وقد ثبت ان النبي صلعم رخص في الغناء في العيدين۔

۵۷ (تو پھر آپ ان کے ایمان نہ لانے پر اس قدر مغموم و محزون کیوں ہوں؟)

کذلک۔ اس کا تعلق اوپر کے کلام سے ہے، یعنی جس طرح اللہ کی وحدت و ربوبیت حق ہے، وضوحِ حق کے بعد ضلال کا، اور قیام دلائل کے بعد انکار کا حمق و عصیان ہونا بالکل ثابت و مسلم ہے اسی طرح کلمۃ رب یعنی تخویف عذاب نافرمانوں کے حق میں ثابت و حق ہے۔

الذین فسقوا۔ یعنی وہ لوگ جو اپنی ضد اور ہٹ سے کفر پر قائم رہے۔

ای تمردوا فی کفرھم وخرجوا الی الحد الاقصی فیہ (مدارک) ای خرجوا عن الطاعۃ وکفروا وکذبوا (قرطبی)

انھم لایومنون۔ میں انھم تعلیلہ بھی مانا گیا ہے، لانھم کا مرادف۔

تعلیل ای لانھم لایؤمنون (مدارک) ان فی موضع نصب ای بانھم او لانھم (قرطبی)

اس ترکیب کو ماننے کے بعد معنی یہ ہوں گے کہ ان سرکش نافرمانوں پر عذاب الٰہی کا تحقق اس لئے ہو کر رہے گا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں۔

اہلِ سنت نے کہا ہے کہ اس آیت سے رد نکل رہا ہے، فرقہ قدریہ کا یعنی اس عقیدہ کا کہ انسان کی

قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ

آپ کہہ دیجئے اللہ ہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی کرے گا پھر تم کہاں بھٹکے جاتے ہو؟ ۵۸ آپ کہئے کیا

مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۭ اَفَمَنْ

کہ کیا تمہارے (تجویز کئے ہوئے) شرکاء میں کوئی ایسا ہے جو حق کے راستہ پر چلاتا ہو؟ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی حق کا

يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ

راستہ بتلاتا ہے۔ تو پھر جو کوئی حق کا راستہ دکھاتا ہے۔ وہ زیادہ مستحق ہے اس کا کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جس کو (خود ہی) راستہ

فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ

نہ ملتا ہو بلکہ اسے راستہ بتایا جائے سو تم کو کیا ہو گیا ہے کیا فیصلہ کرتے ہو ۵۹ ان میں اکثر تو صرف (اپنے) گمان کی پیروی کر رہے ہیں

لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور یقیناً گمان تو حق (کے اثبات میں) ذرا بھی مفید نہیں۔ یقیناً اللہ خوب واقف ہے اس سے جو کچھ یہ کر رہے ہیں ۶۰

تقدیر تمام تر اس کے ہاتھ میں ہے۔

وفی ھذا ادنیٰ دلیل علی القدریہ (قرطبی)

۵۸ یعنی حق سے ضلال کی طرف۔

قرآن مجید کا ایک عام اسلوب بیان یہ ہے کہ خالقیت، رازقیت، ربوبیت وغیرہ ایسے موقعوں پر سوالوں کے جواب میں "اللہ" کبھی مشرکوں ہی کی زبان سے نقل کر دیتا ہے۔

فسیقولون اللہ لیکن یہاں کوئی ایسا اقرار مشرکوں کی زبان سے نقل نہیں کیا ہے، بلکہ قل اللہ خود اپنی طرف سے کہا ہے، عجب نہیں جو اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ اس موقع پر مخاطبین اول یعنی مشرکین عرب زیادہ تر تو سرے سے عقیدۂ بعث و معاد ہی کے قائل نہ تھے۔

۵۹ (کہ توحید جیسی سیدھی بات نہیں قبول کرتے ہو، اور الٹی پلٹی باتوں میں الجھ کر شرک پر اڑے ہوئے ہو) مشرکوں سے سوال ہے کہ جو (خالق) راستہ دکھا اور بتا رہا ہے، وہ پیروی کئے جانے کا اہل ہے یا وہ (مخلوق) جسے خود ہی راستہ معلوم نہیں، اور وہ اپنی راہ یابی میں دوسروں کا محتاج ہے؟

من یھدی الی الحق۔ یعنی حق پر چلاتا ہو اپنی قدرت و تصرف سے۔

امن لایھدی الا ان یھدی۔ اس عموم کے تحت میں ساری مخلوق آجاتی ہے، باقی اگر شیاطین ہی مراد لئے جائیں تو وہ تو اور بھی گئے گذرے ہوئے ہیں، انھیں تو بتانے اور سمجھانے پر بھی راستہ نہیں سوجھتا۔

۶۰ے (اور وقت مناسب پر اپنے اسی علم کامل و محیط کے مطابق جزا و سزا بھی دے گا)۔

اما ..... ظنّاً یہاں یہ صاف بتا دیا کہ مشرکین و منکرین کے پاس نہ کوئی دلیل عقلی محکم ہے اور نہ کوئی استدلال نقلی مستحکم، یہ لوگ تو اندھیرے میں پڑے محض اٹکل کے تیر چلا رہے ہیں، ہمارے زمانہ کے ایک فاضل یگانہ علامہ مناظر احسن گیلانیؒ نے یہ بات بہت خوب لکھی ہے کہ اثبات توحید کے دلائل قائم کرنے کے بجائے ہم کو تو مطالبہ اہلِ شرک سے کرنا چاہئے کہ وہ الٹی سیدھی کوئی دلیل تو تعدد الٰہیہ کے ثبوت میں لائیں۔

ان ..... شیئاً یہاں سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ انسانی ظن و تخمین، وہم و خیال، جن کا شاندار، مرعوب کن نام "حکمت و فلسفہ" یا "علوم عقلیہ" رکھا گیا ہے، قرآن اور شریعت اسلامی میں مطلق ان کا کوئی درجہ نہیں، قرآن صرف حقائق کا قائل ہے، جو ہر روز بدلتے نہیں رہتے۔ "علوم نظری" "اصول موضوعہ" اور "نظریات" انھیں کو مبارک رہیں، جن کی تحقیقات ہر صبح و شام بدلتی رہتی ہے۔

یہیں سے یہ ہے کہ عقائد کے لئے دلائل ظنی کافی نہیں۔

وفی ھذہ الآیۃ دلیل علی انہ لایکتفی بالظن فی العقائد (قرطبی)

بلکہ علماء اہل سنت نے یہ بھی کہا ہے کہ اصول دین کو علمی حیثیت سے حاصل کرنا ضروری ہے، اور عقائد کے بارے میں محض تقلید جائز نہیں۔

وفیہ دلیل علی ان تحصیل العلم فی الاصول واجب والاکتفاء بالتقلید والظن غیر جائز (بیضاوی)

فقہاء نے بھی آیت سے خوب خوب مسائل مستنبط کئے ہیں۔ مثلاً

(۱) یقین شک سے زائل نہیں ہو سکتا۔

(۲) نص کے مقابلہ میں کوئی قیاس معتبر نہیں۔

(۳) اطلاق و عموم قرآنی کی تحدید و تقیید اخبار آحاد سے جائز نہیں۔

(۴) وہ دلائل جو ثبوت میں یا دلالت میں ظنی ہوں قطعی و یقینی کے معارض و مقابل نہ ہو سکیں گے۔

(۵) ایمانیات و اعتقادیات امر ثابت و حق سے متعلق ہیں، اس لئے ان میں دلائل ظنی کافی نہیں۔

(۶) جب کوئی دلیل قطعی نہ موجود ہو تو دلائل ظنی پر عمل ممنوع نہیں، اس لئے کہ ظن کی عدم کفایت بہ مقابل حق مذکور ہے نہ کہ مطلقاً۔

(۷) مسائل فقہی میں اختلاف اجتہاد معتبر ہے اس لئے کہ اجتہاد ظن ہے، اور یہاں ظن مفید اور مسائل اعتقادی میں تاویل و اختلاف ممنوع اس لئے کہ ان کا مدار یقین پر ہے پس فرق ضالہ دائرۂ اہلِ حق سے خارج ہیں۔

ان ..... شیئاً مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اس سے علماء رسوم بہت کم محفوظ ہیں چنانچہ اکثر متکلمین اہلِ ظاہر کے دلائل (ذات و صفات کے بارہ میں) باہم متعارض پائے جاتے ہیں جو ظنیات کی شان ہوتی ہے پس جو کوئی اس سے بچنا چاہے، چاہئے کہ وہ سلف صالح کی اتباع میں لگا رہے اور فلسفیات میں

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ

اور یہ قرآن ایسا ہے ہی نہیں کہ غیر اللہ کی طرف سے گھڑ لیا جائے ۶۱ بلکہ یہ تو تصدیق (کرنے والا) ہے اس

الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ

(کلام) کی جو اس کے قبل سے ہے اور تفصیل (بیان کرنے والا ہے) احکام کی اور اس کے اندر کوئی شک (وشبہہ کی بات نہیں)

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا

جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے ۶۲ کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کو گھڑ لیا ہے آپ کہئے کہ

مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾

اچھا تو تم ایک ہی سورت مثل اس کے لے آؤ اور اللہ کے سوا تم جس کسی کو بلا سکو بلا لو اگر تم سچے ہو ۶۳

مشغول نہ ہو جس سے بجز شک بڑھنے کے اور کچھ حاصل نہیں۔

۶۱ کوئی غیر اللہ یعنی کوئی مخلوق ایسے بے مثل و بے مثال کلام پر جو عبارت اور معنی دونوں کے اعتبار سے بے نظیر ہے، قادر ہی کب ہو سکتا ہے؟ ایسی تصنیف کو کسی انسان کی جانب منسوب ہی کیسے کیا جا سکتا ہے؟

کسائی نحوی نے کہا ہے کہ آن یہاں مصدر کے معنی دیتا ہے یعنی ماکان ھٰذا القران ان یفتریٰ (قرطبی)

اور فراء نحوی نے کہا ہے کہ ماینبغی کے معنی میں ہے۔

یعنی وماینبغی لھٰذا القران ان یفتریٰ (قرطبی)

۶۲ یہاں قرآن مجید کے خصوصیات مختصراً گنائے گئے ہیں۔

پہلی بات یہ کہ یہ سابق کتابوں اور کلاموں کی تصدیق کرتا ہے، دوسری بات یہ کہ اس میں احکام مکتوبہ ومفروضہ کی تفصیل ہے، تیسری یہ کہ اس کے اندر کوئی شک وشبہہ کا گزر نہیں ہر چیز اس کی یقینی ہے، اور چوتھی یہ کہ یہ کتاب سارے عالم کے پروردگار کی جانب سے ہے۔

ولکن تصدیق۔ کسائی وفراء وغیرہ نحویوں نے تقدیر کلام یہ رکھی ہے ولکن کان تصدیق (قرطبی)

دوسری تقدیر یہ بھی مانی گئی ہے۔ ولکن انزل للتصدیق۔ (بحر)

الکتٰب۔ یہاں احکام مکتوب ومفروض کے معنی میں ہے۔

اراد بتفصیل الکتٰب ما بین فی القران من الاحکام (قرطبی) ای ماکتب وماثبت من الحقائق والشرائع (روح) ای ماکتب وفرض من الاحکام والشرائع (مدارک۔ بیضاوی)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں الکتاب بطور اسم جنس استعمال ہوا ہے۔

الکتاب ھو اسم الجنس۔ (قرطبی)

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ

اصل یہ ہے کہ یہ لوگ ایسی چیز جھٹلانے لگے جسے اپنے علم سے نہ گھیر پائے ۶۴ اور ابھی ان کے پاس حقیقت امر نہیں پہنچی اسی طرح

كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿۳۹﴾

ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا جو ان سے قبل ہو چکے ہیں، سو دیکھ لیجئے کیا (برا) ظالموں کا انجام ہوا ہے ۶۵

۶۳ (اپنے اس دعویٰ میں کہ قرآن ایک انسانی تصنیف ہے)

جواب کا حاصل یہ ہے کہ قرآن اگر ایک انسانی دماغ تیار کر سکتا ہے تو کئی بہت سے انسانی دماغ مل کر تو کہیں بڑھ چڑھ کر یہ کام کر سکتے ہیں، اور پھر قرآن بھی سارا نہیں، اس کی ایک ہی سورت ذرا ہمت ہو تو یہی کر دکھاؤ۔

افترٰىه. افتریٰ میں ضمیر فاعل رسول اللہ صلعم کی جانب ہے یعنی اس شخص محمدؐ نامی نے یہ کتاب اپنے ذہن سے گھڑ لی ہے۔

سورۃ. پر حاشیہ بالکل شروع تفسیر میں گزر چکا۔

مثله. مثلیت لفظی و معنوی ہر اعتبار سے مراد ہے۔

مثله فى البلاغة وحسن الارتباط وجزالة المعنىٰ. (روح)

اس پر بھی حاشیہ سورہ بقرہ پ ۱ رکوع ۳ میں گزر چکا۔

جہاں تک حسن زبان و اسلوب بلاغت کا تعلق ہے یہ چیلنج مخاطبین اول یعنی قریش اور دوسرے فصحاء عرب کے لئے خصوصی ہے، اور جہاں تک مضامین و مطالب و علوم قرآن کا تعلق ہے ساری دنیا کے لئے ہے۔

۶۴ یعنی بجائے اس کے کہ ٹھنڈے دل سے اس کی اعجازی خصوصیات پر غور کرتے اور پوری تحقیق سے کام لیتے، جھٹ اس کی تکذیب پر مستعد ہو گئے۔

المراد انهم سارعوا الى تكذيبه من غير ان يتدبروا ما فيه (روح)

۶۵ (کہ بالآخر اس کے مکذبین عذاب سے برباد ہو کر رہیں گے)

ولما ياتهم تاويله. تاویل کے معنی اصل حقیقت کی طرف رجوع کے بھی ہیں، اور مآل علمی و فعلی کے بھی۔

الرجوع الى الاصل (راغب) رد الشيء الى الغاية المرادة منه علمًا كان او فعلًا (راغب)

یہاں مراد مآل فعلی یا انجام سے لی گئی ہے، اور وہ عذاب الٰہی ہی ہے۔

اى ولم ياتهم حقيقة عاقبة التكذيب من نزول العذاب بهم (قرطبى) جوزان يراد تاويل وقوع مدلوله وهو عاقبته (روح)

كذلك. یعنی ایسے ہی بے سوچے سمجھے تکذیب کرنے لگے تھے۔

اى مثل تكذيبهم من غير تدبر و تامل (روح)

كذب الذين من قبلهم. منکرین سابق نے اپنے اپنے زمانہ کے انبیاء کی تکذیب اسی طرح کی تھی۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَ رَبُّكَ اَعْلَمُ

اور ان میں وہ بھی ہیں جو اس (کتاب) پر ایمان لے آئیں گے اور ان میں وہ بھی ہیں جو اس (کتاب) پر ایمان نہ لائیں گے، اور

بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَ اِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ وَ لَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ

آپ کا پروردگار ہی مفسدوں سے خوب واقف ہے[۶۵]۔ اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے رہیں تو کہہ دیجئے کہ میرا کیا میرے لئے اور تمہارا کیا

بَرِیْٓـُٔوْنَ مِمَّاۤ اَعْمَلُ وَ اَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ

تمہارے لئے، تم اس سے بری الذمہ ہو کہ جس پر میں عمل کر رہا ہوں اور میں اس سے بری الذمہ ہوں کہ جس پر تم عمل کر رہے ہو[۶۷]۔ اور ان میں

یَّسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَ لَوْ كَانُوْا لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَ مِنْهُمْ

بعض ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں تو کیا آپ بہروں کو سنا دیں گے جبکہ وہ سمجھ سے کام ہی نہ لے رہے ہوں[۶۸]۔ اور ان میں

مَّنْ یَّنْظُرُ اِلَیْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ وَ لَوْ كَانُوْا لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

کچھ ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ تو کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھا سکیں گے جبکہ وہ بصیرت سے کام بھی نہ لے رہے ہیں[۶۹]

الظّٰلمین۔ یعنی وحی انبیاء سابقین کے جھٹلانے والے۔

اور مفسد اس سیاق میں وہی ہیں۔

۶۶ (یعنی ان سے جو ایمان لانے والے نہیں۔)

ای من یصر علی کفرہ (قرطبی) ای بالمعاندین او المصرین (مدارک)

۶۷ (تو جس طریقہ پر چاہو قائم رہو)

یہ آخری اور انقطاعی جواب ہے اس موقع کے لئے جب سب دلائل پہلے پیش ہو چکیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اہلِ طریق اسی سنّت پر عمل کرتے ہیں جب دیکھتے ہیں کہ مخاطب محض ضد اور ہٹ سے کام لے رہا ہے بخلاف اہلِ ظواہر کے کہ وہ مناظرہ کے موقع پر کبھی ایسی بات نہیں کہتے، بلکہ ایسا کہنے میں اپنی شکست اور کسرِ شان سمجھتے ہیں۔

۶۸ یعنی ان کے دل ارادۂ ایمان و طلب حق سے بالکل خالی ہوں۔

ومنہم من یستمعون الیک یعنی بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپؐ کی بات سنیں گے اور سوچ سمجھ کر مان بھی لیں گے، آج یہ تصویر بہت سے ”مستشرقین“ یورپ پر، سیرت نبویؐ، شریعت اسلامی اور کلام الٰہی پر قلم اٹھانے والوں پر صادق آتی ہے، ان کی کتاب کی تمہیدوں، مقدموں، دیباچوں کو پڑھئے تو اپنے کو ظاہر کریں گے کہ یہ کیسے بے تعصب، انصاف پسند، تحقیق دوست ہیں، اور جوں جوں آگے بڑھتے جائیے، زہر ہلاہل کے انبار در انبار

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (۴۴) وَيَوْمَ

یقیناً اللہ لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا، البتہ لوگ ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں ۶۸ اور انھیں اس دن

يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوٓا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ

کی یاد دلایئے جب (اللہ) ان کو اس طرح حشر میں اکٹھا کرے گا کہ گویا وہ دن کی (کل) ایک آن رہے ۷۱

انھیں اوراق میں ملتے جائیں گے مفروضات و احتمالات کے ڈھیر لگاتے جائیں گے اور قرآن کا کلام الٰہی ہونا اور محمد عربی کا رسول برحق ہونا بطور احتمال بھی اپنے سامنے نہ لائیں گے۔

۶۹ اندھے انھیں اسی لحاظ سے کہا گیا ہے کہ ان کے دل قصد ایمان اور حق طلبی سے خالی ہیں، اور وہ دلائل کا مطالعہ ہی نہیں کرنا چاہتے۔

ومنهم من ينظر اليك۔ یعنی ان کے دیکھنے سے بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپؐ کے کمالات، فضائل، معجزات کے مشاہدہ کے بعد ایمان لے آئیں گے۔

۷۰ (کہ اپنی فطری صلاحیتوں کو ضائع کر دیتے ہیں اور ان سے کام نہیں لیتے)

علماء نے "جبریہ" کے خلاف آیت سے استدلال کیا ہے اور رد کیا ہے کہ بندہ کسب افعال کرتا ہے، اور مسلوب الاختیار نہیں ہوگا۔

وفيه دليل على ان للعبد كسبا وليس بمسلوب الاختيار كلية (بیضاوی)

ان ....شيئا۔ یعنی یہ کہ اللہ پہلے تو خود ہی انھیں صلاحیت ہدایت سے محروم رکھے اور پھر ان سے مواخذہ کرنے لگے۔

۷۱ (اس دنیا میں)

یعنی باوجود دنیا میں بڑی بڑی طویل عمریں پانے کے جب وہ حشر میں اٹھائے جائیں گے اور خواب برزخ و خواب ناسوت دونوں سے بیدار ہوں گے، تو اب انھیں اپنے اندازہ میں جو زمان حشر کے مطابق و ماتحت ہوگا، ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے وہ دنیا میں کچھ رہے ہی نہیں، بہت رہے تو بس ایک گھڑی بھر۔

راوا ان طول اعمارهم في مقابلة الخلود كساعة (قرطبی عن ابن عباسؓ) يعني تقليل لبثهم وذلك لهول ما يعاينون من شدائد القيامة (بحر)

یوم حشر چونکہ مدید بھی ہوگا اور شدید بھی، اس لئے دنیا اور برزخ کی مدت اور تکلیف سب بھول کر ایسا سمجھیں گے کہ وہ زمانہ بہت جلد گزر گیا۔ (تھانویؒ)

ساعة۔ بعض نے کہا کہ کوئی متعین مقدار اور مدت نہیں، بلکہ صرف قلت مدت بتانا مقصود ہے، اور گھڑی بھر سے کنایہ تقلیل مدت ہی کا ہوتا ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾

ایک دوسرے کو پہچانیں گے ۲۷۱ واقعی وہ لوگ گھاٹے میں آ گئے جنھوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا ۳۷۱

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ

اور وہ ہدایت پانے والے تھے (ہی) نہیں اور اگر ہم آپ کو کچھ (حصہ اس عذاب کا) دکھلا بھی دیں جس کا ہم ان سے وعدہ

ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾

کر رہے ہیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں سو ہمارے پاس تو ان کی واپسی (بہر حال) ہے تو اللہ کو خوب اطلاع ان کی ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں ۴۷۱

الوقت القليل من الزمان (راغب) اى شيئًا قليلا منه فانها مثل فى غاية القلة (روح۔ ابوسعود)
آج بھی انسان حالت نوم میں خواب کیسے بڑے بڑے دیکھتا ہے اور ان خوابوں میں کیسی کیسی طویل مدتیں طے کرتا ہے لیکن جب بیداری نام کے عالم میں آ جاتا ہے تو احساس یہ ہوتا ہے کہ ابھی دم بھر ہی تو سویا تھا۔ احساس زمان ہر عالم میں دوسرے عالم سے مختلف اور اپنے مخصوص ماحول ہی کا تابع ہوتا ہے امام رازیؒ نے اس مقام پر ایک مفصل کلام کر کے جو اصل تفسیر کبیر ہی میں قابل ملاحظہ ہے، آخر میں لکھا ہے۔

فنقول انه متى قوبلت الخيرات الحاصلة بسبب الحياة العاجلة بالآفات الحاصلة للكافر وجدت اقل من اللذات بالنسبة الى جميع العالم فقوله كان لم يلبثوا الا ساعة من النهار اشارة الى ما ذكرناه من قلتها وحقارتها فى جنب ما حصل من العذاب الشديد (كبير)

۲۷۱ (اور اس پر بھی ایک دوسرے کے کام نہ آ سکیں گے)
وقت ہی ایسا نفسی نفسی کا ہوگا، آج بھی انتہائی کرب و اذیت میں ابتلاء کے وقت نہ بھائی بھائی کو پوچھتا ہے، نہ باپ بیٹے کے کام آتا ہے، ہر ایک کو بس اپنی ہی فکر پڑ جاتی ہے، اور اسی معنی میں قرآن مجید کی دوسری آیتیں ہیں، جن میں مذکور ہے کہ حشر میں کوئی ایک دوسرے کو پوچھے گا بھی نہیں، وہ آیتیں اس آیت کے معارض نہیں بلکہ اور اس کا تکملہ کرتی ہیں۔

۳۷۱ (اور اسی لئے اپنی زندگی و اشتغال زندگی کے سارے پروگرام میں کوئی دفعہ یاد آخرت کی آنے ہی نہ دی) کتنا حسب حال آج کی "مہذب و ترقی یافتہ" قوموں کے ہے۔

۴۷۱ (اور اس لئے اگر انھیں دنیا میں پوری سزا نہ بھی ملی، جب بھی اس آخری موقع پر تو ضرور ہی مل کر رہے گی۔

واما ..... فیعدہم۔ یعنی خواہ آپ کی حیات میں کچھ حصہ عذاب موعود کا ان منکرین و مکذبین پر آ ہی جائے، چنانچہ معرکۂ بدر، فتح مکہ، وغیرہ متعدد واقعات آپؐ کی زندگی ہی میں ایسے پیش آ گئے ہیں جن میں

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ

اور ہر امت کے لئے ایک پیام رساں ہوا ہے پھر جب ان کے یہاں پیام رساں آچکتا ہے تو اس کے درمیان فیصلہ انصاف

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۴۷﴾

کے ساتھ کر دیا جاتا ہے اور ان پر ظلم (ذرا) نہیں کیا جاتا ۵۷۵

مکذبین منکرین کو ہر طرح ذلت، رسوائی، شکست، نقصان جانی و مالی ہی نصیب رہا۔

اونتوفینك یعنی اس نزول عذاب کے قبل ہی آپؐ کو اٹھالیں، اور اپنے وعدۂ فتح اسلام و ہزیمت کفار کی تکمیل آپؐ کے بعد کریں، چنانچہ خلفائے راشدین کے عہد میں یہ تکمیل ہو کر رہی۔

اعلم ان هذا یدل علی انه تعالیٰ یری رسوله انواعاً من ذل الکفرین وخزیهم فی الدنیا وسیزید علیه بعد وفاته ولاشك انه حصل الکثیر منه فی زمان حیاته فی رسول الله صلعم وحصل الکثیر ایضاً بعد وفاته (کبیر)

۵۷۵ پوری طرح تبلیغ واحکام اور اتمام حجت کے بعد سرکشوں اور باغیوں پر اجراء سزا میں کوئی سوال ہی ظلم اور زیادتی کا باقی نہیں رہ جاتا۔

ولکل امة۔ اُمّت سے مراد اُمّت مُکلّف ہے، تو معنی یہ ہوں گے کہ ہر وہ اُمّت جسے ارادۂ الٰہی نے مُکلّف بنانا چاہا، اسے پہلے تبلیغ ضرور کی گئی۔

وقد یقال ان المراد من کل امة کل جماعة اراد الله تعالیٰ تکلیفها (روح)

اس تشریح کے بعد یہ سوال خود ختم ہو جاتا ہے کہ جو لوگ دور فترۃ میں (یعنی نبی کے وجود سے پیشتر) گزرے ہیں، ان کا کیا حشر ہوگا؟

جواب بالکل ظاہر ہے کہ جب اُن پر تبلیغ ہی نہیں ہوئی تو وہ لوگ مُکلّف ہی نہیں ٹھہرے ان سے سوال صرف ان کی استعداد فہم وبصیرت کے مطابق ہوگا۔

رسولٌ۔ رسول یہاں اصطلاحی معنی میں نہیں لغوی معنی میں ہے، یعنی اللہ کی طرف سے پیام حق پہنچا دینے والا، اور اس عموم کے تحت میں رسول اصطلاحی اور اس کے نائب، شاگرد، وغیرہ سب آجاتے ہیں۔

محققین نے یہیں سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ جن ملکوں اور قوموں میں "رسول" (بہ معنی اصطلاحی) کے آنے کی کوئی تحقیق نہیں ہوئی ہے، احتیاط اسی میں ہے کہ وہاں کے مشہور ہادیوں اور رہبروں کے باب میں سکوت اختیار کیا جائے، احتمال ہے کہ وہ لوگ رسول ہی ہوں یا ممکن ہے کہ نائب رسول ہوں۔

اخذ منه المحققون الاحتیاط بکف اللسان عن من لم یعلم ماله من القرون الاولیٰ فی اقالیم لم یعرف بعث الرسل فیها لاحتمال کونهم رسلاً الیٰ اهل تلك الاقالیم (روح)

قضی بینهم بالقسط۔ اور وہ فیصلہ حق وانصاف کے مطابق یہی ہے کہ سرکشوں باغیوں

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ

اور یہ کہتے ہیں کہ یہ وعدۂ (عذاب) (آخر) کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو ۷۶ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنی

لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۭ اِذَا جَآءَ

ذات کے لئے (بھی) ضرر اور نفع کا اختیار نہیں رکھتا بجز اس کے کہ جتنا اللہ چاہے ۷۷ ہر امت کے لئے ایک معین وقت

اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ

ہے جب ان کا وہ وقت معین آجاتا ہے تو وہ لوگ نہ ایک آن پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں ۷۸ آپ کہہ دیجئے کہ

اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾

یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب رات کو آپڑے یا دن کو تو اس میں کون چیز ایسی ہے جس کے لئے مجرمین جلدی مچا رہے ہیں ۷۹

طاغیوں کو مبتلائے عذاب کیا جائے۔

قضی بینھم بالقسط۔۔۔۔ وھم لا یظلمون۔ ڈو ڈو فقروں کا لانا تاکید کلام کے لئے ہے، اور اس امر کے بالکل صاف کردینے کہ خدائی عدالت میں ظلم ممکن ہی نہیں۔

فالتکریر لاجل التاکید والمبالغۃ فی نفی الظلم۔ (کبیر)

۷۶ سوال بطور استفسار حال اور بہ غرض اظہار حقیقت نہیں، بلکہ تعریض و تکذیب کی غرض سے ہے۔ کنتم صٰدقین۔ سوال کے مخاطب تنہا رسول اللہ صلعم نہیں، بلکہ جماعت مومنین بھی ہے چنانچہ صیغۂ جمع اسی لئے ہے۔

۷۷ (اور بس اتنے ہی نفع و نقصان پر قادر ہوتا ہوں، تم پر عذاب لے آنا میرے اختیار میں کہاں) یہ بے اختیاری عین شان عبدیت کے مطابق، جب افضل البشر بلکہ افضل الرسل کی تھی تو مشائخ و اولیاء امت کو اپنے اعتقاد میں مرتبۂ خدائی پر پہنچا دینے والے حضرات ذرا اپنے غلو کے انجام پر غور کرلیں۔

۷۸ (بلکہ وقت معین آجانے پر فوراً ہی عذاب واقع ہوجاتا ہے۔)

لکل امۃ اجل۔ یعنی ہر امت نافرمان و سرکش کے مٹنے اور برباد ہونے کا ایک متعین و مقرر وقت علم الٰہی میں ہے، امۃ کے عام لفظ سے مراد وہی عذاب زدہ امتیں ہیں۔

ای من الامم الذین اصروا علی تکذیب رسلھم (روح)

ساعۃ۔ ساعت سے یہاں مراد کوئی متعین وقت ایک گھڑی یا گھنٹہ کا نہیں، بلکہ وقت کا مطلق چھوٹے سے چھوٹا جزو مراد ہے۔

الوقت القلیل من الزمان (راغب) ای شیئًا قلیلا من الزمان۔ (روح)

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ (۵۱)

کیا پھر جب وہ آہی پڑے گا جب اس کا یقین کرو گے؟ ۸۰ ہاں اب! حالانکہ تم اسی کی تو جلدی مچایا کرتے تھے ۸۱

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ

پھر جنھوں نے (اپنے اوپر) ظلم کیا ہے ان سے کہا جائے گا ہمیشہ کا عذاب چکھو، تم کو بدلہ اسی کا تو مل رہا ہے

اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ (۵۲) وَيَسْتَنْۢبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ

جو کچھ تم کرچکے ہو ۸۲ یہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا وہ (عذاب) برحق ہے؟

۷۹ یعنی عذاب الٰہی تو بڑی سخت اور پناہ مانگنے کی چیز ہے، اس کے لئے جلدی مچانے کے کیا معنی؟ عارفین نے یہیں سے یہ اشارہ نکالا ہے کہ معصیت سے توبہ و استغفار میں اور عمل خیر کے اختیار میں توقف بلاضرورت ایک دم کا بھی نہ کیا جائے اس لئے کہ وقوع عذاب کے لئے کوئی علامت اور مہلت شرط نہیں، معصیت کے صدور کے بعد ہی جس قدر جلد ممکن ہو توبہ و تدارک پر متوجہ ہو جائے۔

منه۔ ضمیر عذاب کی طرف ہے۔

والضمیر فی منه قیل یعود علی العذاب۔ (قرطبی)

۸۰ (اور اس وقت کی تصدیق اضطراری کچھ نفع نہ دے سکے گی، اُس وقت تو اپنے کو تصدیق پر مضطر و مجبور پاؤ گے)

ثُمَّ کی ایک قراۃ ثَمَّ (بالفتح) بھی آتی ہے، بمعنی ھنالك۔

۸۱ یعنی اب اتنا کیوں گھبرائے ہوئے ہو اور بدحواس ہو رہے ہو، تم تو خود اسی عذاب کی طنزاً فرمائشیں کیا کرتے تھے۔

بهٖ تستعجلون علی سبیل السخریة والاستهزاء (کبیر)

شریعت کا یہ مسلم مسئلہ ہے کہ جب ملائکہ عذاب نظر آنے لگیں اور عالم برزخ کا انکشاف شروع ہو جائے توبہ و ایمان مقبول نہیں۔

۸۲ (یہ کہنے والے عذاب کے فرشتے ہوں گے)

ای تقول لهم خزنة جهنم (قرطبی)

هل۔ یہاں سوالیہ نہیں، بلکہ نافیہ ہے ما کے معنی میں۔

ای ما تجزون (جلالین)

الذین ظلموا۔ یعنی مشرکین سے۔

عذاب الخلد۔ (دوامِ عذاب) نے اسے صاف کر دیا کہ الذین ظلموا سے مراد ظلمِ معصیت

قُلْ اِیْ وَرَبِّیْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ

آپ کہہ دیجئے کہ ہاں میرے پروردگار کی قسم ہے کہ وہ برحق ہے اور تم کسی طرح (اللہ کو) ہرا نہیں سکتے ۵۸۳ اور اگر ہر ظالم

نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ

کے پاس دنیا بھر کا (زر و مال) ہو تو بھی اسے فدیہ میں دے دینا چاہے گا جب (اول اول) عذاب دیکھیں گے

لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾

تو پشیمانی کو چھپائیں گے ۵۸۴ اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ظلم (ذرا بھی) نہ کیا جائے گا ۵۸۵

کرنے والے نہیں بلکہ ظلم کفر کرنے والے ہیں۔

والظلم ظلم الکفر لا ظلم المعصیة (بحر)

بما کنتم تکسبون۔ یعنی تمہارے کفر و بے دینی کا بدلہ۔

ای جزاء کفرکم۔ (قرطبی)

۵۸۳ (کہ وہ تم کو عذاب کی گرفت میں لینا چاہیے اور تم بچ جاؤ)

یستنبئونک۔ سوال اور اظہار حیرت و استعجاب سے مقصود دریافت حال نہیں، بلکہ تکذیب و تعریض تھی۔

انه۔ ضمیر عذاب کی طرف ہے۔

الضمیر عائد علی العذاب (بحر) ای العذاب الموعود (روح)

ای۔ موقع اثبات میں تاکید و تحقیق کے مفہوم میں آتا ہے جیسے اردو میں زور دینے کے موقع پر ہاں ہاں (ہاں مکرر) آتا ہے۔

کلمة تحقیق وایجاب وتاکید بمعنی نعم (قرطبی)

۵۸۴ فیصلہ روز جزاء باوجود اپنی ساری ہولناکیوں کے بہر حال عادلانہ ہی ہوگا، یہ نہیں ہوگا کہ کسی کے حق میں سزا کی زیادتی ہو جائے، جیسا کہ مغلوب الغضب دیوی دیوتاؤں کے ہاں ہوتا رہتا ہے۔

ولوان ..... بہ۔ یوم قیامت کے ہول و شدت کا بیان ہو رہا ہے کہ بالفرض سارے روئے زمین کا خزانہ بھی مشرکوں کے پاس ہو تو اپنی جان بچانے کو اس سب کے دے ڈالنے پر وہ آمادہ ہو جائیں گے۔

کل نفس ظلمت۔ یعنی ہر ہر مشرک۔

ای اشرکت وکفرت (قرطبی)

اسروا الندامة۔ یہ ندامت کا اخفاء مزید فضیحت و رسوائی کے خوف سے ہوگا، اور ندامة سے مراد ندامت کے آثار ظاہری ہیں، رونا دھونا، منہ پیٹنا وغیرہ۔

المراد اخفاء آثارها کالبکاء وعض الید (روح)

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ

یاد رکھو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ ہی کی مِلک ہے ۸۵ یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

اکثر لوگ نہیں جانتے ۸۶ وہی جِلاتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۸۷

اور شاہ عبدالقادر دہلوی کا ترجمہ بھی بہت خوب ہے "وہ چھپے چھپے پچھتاویں گے"۔ صیغۂ جمع اس لئے کہ کل نفس کا مدلول جمع ہی ہے۔

لما راؤا العذاب۔ محققین نے یہاں یہ قید لگادی ہے کہ یہ اخفاءِ ندامت شروع شروع ہوگا، ورنہ بعد کو جب عذاب میں پڑ لیں گے تو اس پر قادر نہ رہیں گے، اور اسی قید کے بعد اس آیت اور ان آیتوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا، جن میں مشرکوں منکروں کے جزع وفزع کا بیان ہے۔

وھذا قبل الاحرق بالنار فاذا وقعوا فی النار الھتھم النار عن التصنع (قرطبی)

اور اسروا الندامة کے معنی اگر یہ لئے جائیں جیسا کہ بعض نے لئے ہیں کہ "اپنی ندامت کا اظہار کریں گے" جب تو مفہوم بالکل ہی ظاہر ہے، اور کسی تاویل کی حاجت ہی نہیں۔

واستعمل بمعنی الجھر مطلقًا۔ (المنار)

قضی بینھم بالقسط سے مفسرین نے یہ مراد بھی لی ہے کہ کافروں کے بڑوں اور چھوٹوں کے درمیان، سرداروں اور چیلوں کے درمیان فیصلہ حق وانصاف ہی سے ہوگا۔

ای بین الرؤساء والسفل بالعدل (قرطبی)

۸۵ (چنانچہ وہ اپنی جس مخلوق کے ساتھ جو تصرف اور جو سلوک چاہے کرے، اس کا ہر عمل عادلانہ ہی ہوگا، خواہ انسانی معیار سے غیر عادلانہ ہی نظر آئے)

الا۔ حرف تنبیہ ہے، فقرہ کے شروع میں لایا جاتا ہے، اور اس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ آگے کوئی بہت اہم حقیقت بیان کی جارہی ہے، جسے خاص توجہ سے سننا چاہئے۔

کلمة تنبیه للسامع تزاد فی اول الکلام ای انتبھوا لما اقول لکم (قرطبی)

۸۶ (اور ایسی قطعی اور یقینی حقیقت سے بھی غافل وبے خبر ہیں)

اکثرھم۔ یعنی اہل کفر، اور جزاء وآخرت کے منکرین۔

یعنی باکثرھم الکفار منکرین البعث والجزاء (المنار)

ان وعد اللہ حق۔ سو قیامت اپنے وقت متعین پر آئے اور پھر آئے۔

۸۷ (نہ کہ مسیح ابن اللہ کی طرف، یا اگنی دیوتا کی طرف یا کسی بھی اور کی طرف)

کثرت سے جاہلی مذہبوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ موت کے بعد انسان کا مرجع کوئی اور ذات ہے

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا

اور اے لوگو بالیقین تمہارے پاس نصیحت تمہارے پروردگار کے پاس سے آگئی ہے اور شفاء بھی (ان

فِى ٱلصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۷﴾

بیماریوں کے لئے) جو سینہ میں ہوتی ہے اور ایمان والوں کے حق میں ہدایت اور رحمت ۵۵

خالق کردگار کے سوا، یہاں اس کی تردید ہو رہی ہے۔

ہو یجی دیمیت۔ مشرکوں کی طرح یہاں یہ نہیں کہ خدا کی خدائی تین حصوں میں تقسیم ہو ایک خدا پیدا کرنے والا، ایک خدا قائم وسلامت رکھنے والا، اور ایک خدا موت وہلاکت لانے والا یہاں پیدا کرنا، باقی رکھنا، فنا طاری کرنا، سب ایک ہی خدائے واحد کا کام ہے۔

۵۵ یہاں قرآن مجید کے چار اوصاف بیان ہوئے۔ موعظۃٌ، شفاءٌ، ھدیً، رحمۃٌ، یہ سب تنوین کے ساتھ صیغۂ نکرہ میں ہیں، یہ تنکیر ان کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے۔

والتنکیر ھنا للتفخیم۔ (روح)

ان چار اوصاف کی تشریح میں صاحب روح نے بعض محققین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ نفس انسانی کے لئے حصولِ کمال میں چار مرتبے یا منزلیں ہیں، اور ان میں سے ہر لفظ ایک ایک مرتبہ یا منزل کی جانب اشارہ کر رہا ہے۔

(۱) پہلا مرتبہ تہذیبِ ظاہر کا یعنی معاصی اور اعمال بد سے بچنے کا ہے موعظۃ اسی مقصد کے لئے ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا مرتبہ تہذیب باطن کا یعنی اخلاقِ ذمیمہ وعقائدِ فاسدہ سے بچنے کا ہے، اس کو شفاء لما فی الصدور سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۳) تیسرا مرتبہ، عقائد حقہ واخلاقِ فاضلہ سے آراستہ ہونے کا ہے، یہ منزل ھدیٰ کی ہے۔

(۴) چوتھا مرتبہ انوارِ الٰہی سے جگمگا اٹھنے کا ہے، اور یہ حاصل ہے مقام رحمۃ کا۔

اور یہ سب ایک سرسری سا خاکہ ہے، امام رازیؒ کے ایک مبسوط مقالہ کا جو انھوں نے تفسیر کبیر میں تحریر فرمایا ہے، اور جس کا آخری لبّ لباب یہ کہ موعظۃ سے اشارہ ہے ظاہری اعمال کی اصلاح وتطہیر کا اور اس کا نام شریعت ہے، اور شفاءٌ سے مراد اصلاح باطن وطہارت روحانی ہے جو کام ہے طریقت کا۔ اور ھدیٰ سے مقصود وہ نورانیت ہے جو صدیقین کے قلوب میں پیدا ہوتی ہے، اس کو منزلِ حقیقت کہتے ہیں۔ اور رحمۃ سے مراد انسانیت کی تکمیل کا آخری مرتبہ ہے جس سے انوارِ نبوت خلق کی اصلاح کرتے ہیں؟

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (۵۸)

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کے فضل سے اور اس کی رحمت سے، بالآخر چاہئے کہ (لوگ) خوش ہوں[۵۹] وہ اس (دنیا) سے کہیں بہتر ہے جسے یہ جمع کر رہے ہیں۔

یاایہا الناس۔ خطاب کا عموم ملحوظ رہے، یاایہا العرب ارشاد نہیں ہو رہا ہے، مخاطب ساری دنیا ہے، کوئی مخصوص قوم و ملک نہیں۔

موعظۃ۔ یعنی ایسی کتاب جو برائیوں سے روکنے اور نیکیوں کی ترغیب کے لئے ایک مکمل نصیحت نامہ ہے، افراد و اشخاص کے حق میں بھی اور اقوام و جماعات کے حق میں بھی۔

شفاء لما فی الصدور۔ یعنی ایسی کتاب کہ اگر اس کی ہدایتوں پر عمل ہو تو ہر قسم کے امراضِ قلب اور عوارضِ باطن کو، خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، شفا ہو جائے۔

ھدی ورحمۃ للمؤمنین۔ میں مومنین کی قید اس لئے کہ مومنین ہی تو اس کی ان صفات سے استفادہ کریں گے اور ہدایت و رحمت کے مورد بنیں گے۔

۵۹ دنیا کا نفع اوّل تو قلیل اور پھر فانی، قرآن کا نفع ایک تو کثیر اور پھر باقی۔

بفضل .... فلیفرحوا۔ ذٰلک سے اشارہ اسی فضل و رحمت ہی کی جانب ہے اور مقصود اس ترکیب کلام سے کلام میں تاکید اور زور ہے، ورنہ یہی مفہوم سادہ صورت میں فبذٰلک کے بغیر بھی پیدا ہو جاتا ہے، اور ذٰلک کا استعمال واحد، تثنیہ اور جمع تینوں صورتوں میں ہوتا ہے۔

والعرب تاتی بذٰلک للواحد والاثنین والجمع۔ (قرطبی)

فقرہ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کسی چیز پر اگر خوش ہونا ہی ہے تو وہ یہی ہے نہ کہ کچھ اور ترکیبِ کلام نے معنی حصر کے پیدا کر دیئے۔

والاصل ان فرحوا بشیء فبذٰلک لیفرحوا لا بشیء آخر (روح) قولہ فبذٰلک فلیفرحوا یفید الحصر یعنی یجب ان لا یفرح الانسان الا بذٰلک (کبیر)

بفضل اللہ برحمتہ۔ فضل اور رحمۃ دونوں سے اشارہ یہاں قرآن مجید ہی کی جانب ہے اور اسی لئے حکم ہو رہا ہے کہ جب ایسی نعمت عظیم مل گئی تو اس پر خوش ہونا چاہئے، لفظ چونکہ دو ہیں اس لئے یہ قول بھی اکابر ہی سے منقول ہے کہ ایک یعنی فضل سے مراد قرآن ہے اور دوسرے یعنی رحمۃ سے مراد اسلام ہے۔

قال ابوسعید الخدریؓ وابن عباسؓ فضل اللہ القرآن ورحمۃ الاسلام (قرطبی)

فلیفرحوا۔ فرح کی متعدد قسمیں ہیں، فرح حقیقی و کامل وہی کہی جائے گی جو اعلیٰ فرحت روحانی ہے اور یہاں وہی مراد ہے۔

ثبت ان الفرح باللذات الجسمانیۃ فرح باطل واما الفرح الکامل فھو الفرح بالروحانیات والجواھر المقدسۃ وعالم الجلال ونور الکبریاء (کبیر)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ

آپ کہئے کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے لئے جو رزق نازل کیا تھا پھر تم نے اس میں سے (کچھ) حرام اور

حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾

(کچھ) حلال قرار دے لیا آپ کہئے کہ کیا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے یا تم اللہ پر گڑھ ہی لیتے ہو؟ ۹۰

وفائدۃ ذلک فالتکریر لتاکید والبیان بعد الاجمال (بیضاوی)

۹۰ مشرک جاہلی قوموں نے ماکولات کے حرام و حلال کے باب میں بڑا گڑبڑ کیا ہے اس لئے قرآن مجید نے اس پر بار بار گرفت کی ہے، اور بار بار صراحت کی ہے کہ حرام تو بس وہی چیزیں ہیں جنھیں شریعتِ الٰہی حرام قرار دے، نہ کہ وہ جنھیں تم اپنے دل سے گڑھ کر حرام ٹھہرا لیے ہو۔ اتنی دور رس اور دقیقہ رس نگاہ جو غذاؤں کے قریب و بعید، جلی و خفی، ظاہری و باطنی، جسمانی و دماغی، سارے فوائد و نقصانات پر محیط ہو، بجز شریعتِ الٰہی کے اور کہیں ممکن ہی نہیں۔

بعض کج فہموں نے آیت کو نفی قیاس فقہی کے موقع پر پیش کیا ہے، اور استنباط مسائل کو اس کی رُو سے ناجائز ٹھہرانا چاہا ہے، حالانکہ فقیہہ کی اصل دلیل تو نصوص ہی ہوتے ہیں، وہ صرف اپنے فہم و ذکا سے ان چیزوں کو باہر نکال لیتا ہے، جو ان کے اندر مخفی ہوتی ہیں، بنیاد تو بہرحال کلام باری ہی رہتا ہے۔

استدل بھذہ الآیۃ من نفی القیاس وھذا بعید فان القیاس دلیل اللّٰہ تعالیٰ فیکون التحریم والتحلیل من اللّٰہ تعالیٰ (قرطبی) ربما احتج بعض الاغبیاء من نفاۃ القیاس بھذہ الآیۃ فی ابطالہ لانہ تزعم ان القائس یحرم بقیاسہ ویحل وھذا اجھل من قائلہ۔ لان القیاس دلیل اللّٰہ تعالیٰ کما ان حجۃ العقل دلیل اللّٰہ تعالیٰ وکالنصوص والسنن کل ھذہ دلائل فالقائس انما یتبع موضع الدلالۃ علی الحکم فیکون اللّٰہ ھو المحرم والمحلل بنصب الدلیل علیہ (جصاص)

ما انزل اللّٰہ لکم من رزق۔ نزولِ رزق اس لئے کہ اسباب رزق کا تعلق تو آسمان ہی سے ہے، اور رزق مقدر آسمان ہی سے ہوتا ہے۔

جعل الرزق منزلا لانہ مقدر فی السماء ومحصل باسباب منھا (بیضاوی)

قل ارایتم ... قل آللّٰہ اذن۔ قل کا دُو دُو بار آنا تاکید کے لئے ہے۔

قل مکرر للتاکید (بیضاوی)

ام یہاں بل کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔

ام بمعنی بل (قرطبی)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں ان غالی صوفیہ کا رد ہے، جو مباحات کو بربنائے تقشف و تزہّد

وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

اور روزِ قیامت کی نسبت ان لوگوں کا کیا خیال ہے جو اللہ پر جھوٹ گھڑتے رہتے ہیں ۹۱

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾

بے شک اللہ لوگوں پر بڑا افضل رکھنے والا ہے لیکن انھیں میں سے اکثر ناشکرے ہیں ۹۲

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ

اور آپ جس حال میں بھی ہوں اور آپ اس (حال) میں قرآن (بھی) پڑھ رہے ہوں اور تم لوگ بھی جو کوئی

مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ

کام کر رہے ہو ہم تمہارے برابر گواہ رہتے ہیں۔ جب تم اسے کرنے لگتے ہو ۹۳

اپنے اوپر اعتقاداً یا عملاً حرام کر لیتے ہیں، ہاں بہ طور اپنے معالجہ کے کوئی شخص اپنے لئے کسی چیز کو ترک کر دے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

۹۱ (اور اس سے ڈرتے نہیں تو کیا یہ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ قیامت آئے ہی گی نہیں یا آئے گی مگر ان سے کچھ تعرض نہ کرے گی)

۹۲ (چنانچہ سب سے بڑی ناشکری یہی ہے کہ اپنی اصلاح کرنا الگ رہا، اس خبر ہی پر نہیں یقین کرتے، اور نہ اس پیش خبری کی کوئی قدر کرتے ہیں۔)

ان .... الناس۔ چنانچہ اس فضل کا مقتضا یہ ہے کہ اس نے انھیں اتنے قبل سے وقوع قیامت کی اطلاع اور منکرین کو توبہ و اصلاح کی پوری مہلت دے دی۔

۹۳ (تو ہم کو کسی کے بھی حال سے کسی حال میں غافل نہ سمجھنا۔)

قرآن مجید کی متعدد آیتوں کی طرح یہ آیت بھی پوری طرح واضح اس وقت ہوتی ہے جب اہلِ ضلال کے عقائد پیش نظر ہوں۔ بعض جاہلی قوموں کا عقیدہ ہے کہ خدا موجود تو ہے اور صفت علم سے متصف بھی ہے لیکن اس کا علم صرف قدیم ہے، اس کی واضح تردید میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم اس وقت بھی ہوتا رہتا ہے، جب کوئی فعل واقعۃً و عملاً وقوع میں آنے لگتا ہے۔

وما تتلوا منه من قران۔ رسول اللہ صلعم کے احوال تو سب ہی اعلیٰ تھے، لیکن قرآن مجید پڑھنا اور قرآن کے ذریعہ سے تبلیغ و ہدایت کرنا ان میں بھی ایک درجۂ امتیاز رکھتا تھا، اس لئے اس کا ذکر خاص طور پر فرمایا گیا۔

التلاوة اعظم شئونه صلعم ولذا خصت بالذكر (روح)

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي

اور آپ کے پروردگار سے ذرہ برابر (بھی کوئی چیز) غائب نہیں نہ زمین میں نہ آسمان

السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ (۶۱)

میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی، مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں ۹۴

منه. ضمیر شان کی طرف ہے جن مفسرین نے قرآن کی جانب سمجھی ہے وہ من قرآن کی تکرار سے تعظیم و تفخیم مراد لیتے ہیں۔

والضمير للشان (کشاف) قال الفراء والزجاج الهاء في منه تعود على الشان (قرطبی)

من قرآن اعاد تفخيما كقوله انني انا الله (قرطبی)

من قرآن میں یا تو تبعیضیہ ہے یا زائدہ ہے تاکید نفی کے لئے۔

من تبعيضية او مزيدة لتاكيد النفی (بیضاوی)

ولا تعملون. خطاب ابھی صیغۂ واحد (ما تکون، ما تتلوا) میں رسول اللہ صلعم کی جانب تھا، اب صیغۂ جمع میں آپؐ کے ساتھ آپؐ کی ساری امت سے بھی ہو گیا۔

۹۴ (شروع ہی سے مندرج)

ایک گمراہی کا ابھی ابھی شهودا اذ تفيضون فيه سے سد باب ہو چکا ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ حق تعالیٰ کا علم صرف قدیم ہی نہیں بلکہ عین حدوث واقعات کے وقت بھی ہوتا رہتا ہے اب اس کے مقابل کی دوسری گمراہی کی تردید ہو رہی ہے اور فی کتٰب مبین لا کر یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ حق تعالیٰ کا علم صرف حدوث ہی کے وقت نہیں ہوتا، جیسا کہ بعض اہل ضلال سمجھ رہے ہیں، بلکہ روز ازل سے چھوٹی بڑی ہر شے لوح محفوظ میں ثبت ہے

يعني اللوح المحفوظ مع علم الله تعالى به (قرطبی)

ومایعزب.... السماء. یعنی چھوٹی بڑی ہر مقدار اور ہر بساط کی شے علم الٰہی میں موجود ہے کوئی شے بھی اس کے احاطہ سے باہر نہیں، جاہلی قومیں کثرت سے ایسی ہوئی ہیں جنھوں نے خدا کو تو مانا ہے، لیکن محدود العلم، ناقص العلم اور یونان و مصر کے فلسفیوں تک کو یہ تسلیم کرنے میں باک نہیں رہا، آیت انھیں گمراہیوں کی تردید کر رہی ہے۔

فی الارض ولا فی السماء. عرف عام میں اس سے مراد دائرۂ وجود و امکان ہوتا ہے، اور قرآن بھی انسانی محاورہ میں نازل ہوا ہے، مراد یہ ہے کہ کوئی چیز کہیں بھی ہو۔

اى في دائرة الوجود والامكان والتعبير عنها بالارض والسماء لان العامة لا تعرف سواهما. (ابو سعود)

غرض یہ کہ علم الٰہی ہر طرح کامل، مکمل، محیط، ہمہ جہتی، ہمہ وقتی ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ الَّذِيْنَ

سنو سنو! اللہ کے دوستوں پر قطعاً نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۹۵ یہ وہ ہیں جو

اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ

ایمان لائے اور پرہیزگاری اختیار کئے رہے ۹۶ ان کے لئے خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾ وَلَا

میں بھی۔ اللہ کی باتیں بدلا نہیں کرتیں یہی تو بڑی کامیابی ہے ۹۷ اور آپ کو ان

يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۵﴾

(کافروں) کی باتیں غم میں نہ ڈالیں، غلبہ تمام تر اللہ ہی کے لئے ہے وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے ۹۸

وقف لازم

۹۵ یعنی نہ آنے والے مہلکات و حوادث کا کوئی اندیشہ اور نہ چھوٹ جانے والی چیزوں کا کوئی غم۔ صوفیۂ عارفین نے کہا ہے کہ حزن (غم) پیدا ہوتا ہے ناکامیٔ مدعا سے اور عاشقان سوختہ جان کوئی آرزو ہی نہیں رکھتے جو انھیں نامرادی کا اندیشہ ہو سکے، اسی طرح خوف پیدا ہوتا ہے امر مکروہ کے پیش آجانے سے محبین عارفین تو بجز محبوب کے اور کسی کا وہم ہی نہیں رکھتے تو محبوب اور اس کے عشوؤں اور اداؤں سے خوف کے کیا معنی۔

اولیاء اللہ۔ ولایت بندوں کی طرف سے تو ان کی طاعت و اطاعت میں اور اللہ کی طرف سے اس کے لطف و نوازش میں۔

الذین یتولونہٗ بالطاعۃ ویتولاھم بالکرامۃ (بیضاوی)

۹۶ (کفر و معصیت سے)

ابھی ابھی ذکر اولیاء اللہ کا آچکا ہے اب ان کی پہچان بھی بتا دی، وہ کیا؟ وہ صرف ایمان اور تقویٰ، آیت کو مکرر پڑھ کر غور کر لیا جائے، ولایت کی علامتیں کیا ارشاد ہو رہی ہیں، نہ عوام کو خوش کرنے والی کرامتیں، نہ عامۃ الناس کو حیرت میں ڈال دینے والے خوارق، بلکہ صرف ایمان اور تقویٰ۔ اللہ کا ولی کون ہوتا ہے اور اللہ کس کا ولی ہوتا ہے اس پر امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ قابل ملاحظہ ہے۔

۹۷ یعنی یہی مقبولیت کہ دونوں جہانوں میں محفوظیت اور اس محفوظیت کا وعدہ۔

ای ماذکران لھم البشریٰ فی الدارین (روح) اشارۃ الی کونھم مبشرین فی الدارین (بیضاوی)

البشریٰ۔ یہ خوشخبری اسی خوف و حزن سے محفوظ رہنے کی ہے اور خوف و غم سے مراد دنیوی خوف و غم ہے

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِي الۡاَرۡضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ

سُنو سُنو! اللہ ہی کے تو ہیں جو بھی آسمانوں میں ہیں اور جو بھی زمین میں ہے ۹۹ اور وہ لوگ جو اللہ

الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ

کے علاوہ شرکاء کو بھی پکارتے ہیں کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں؟ اتباع کر رہے ہیں محض خیال

وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الَّيۡلَ لِتَسۡكُنُوۡا

کا اور محض اٹکل دوڑا رہے ہیں ۱۰۰ وہ وہی (اللہ) تو ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی کہ تم

فِيۡهِ وَالنَّهَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ ﴿۶۷﴾

اس میں چین اٹھاؤ اور دن کو (بنایا) دکھلانے والا۔ ان سب میں ان لوگوں کے لئے جو (گوش ہوش سے) سنتے ہیں دلائل (موجود) ہیں ۱۰۱

جس سے مومنین کاملین اس لئے محفوظ ہو جاتے ہیں کہ وہ ہر ناگوار سے ناگوار واقعہ میں بھی حکمت الٰہی ہی کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

۹۸ وہ "سمیع" منکرین کے طنز و تعریض اور آپ کی تبلیغ و موعظہ سب سُن رہا ہے، اور ان کی شرارت وعناد اور آپ کا تحمل اور درد اصلاح سب اُس "علیم" پر روشن ہی رہتی ہیں۔

ولا یحزنک قولھم۔ کفریات سے آپ کا مغموم ہونا بالکل ایک امر طبعی تھا، آپ کو اس پر تسلی دی جا رہی ہے۔

ان العزۃ للہ جمیعا۔ اور وہی اپنی قدرت سے آپ کی اور اسلام کی نصرت وحمایت کرتا رہے گا۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کسی دوسرے میں جو عزت بظاہر نظر آتی ہے وہ بھی درحقیقت اللہ تعالٰی کے لئے ثابت ہے، اور وہ غیر اس کی عزت کا ایک مظہر ہے، جیسے ضیاء درحقیقت آفتاب کی صفت ہے اور زمین پر ایک گونہ تعلق سے اس کا ظہور ہو جاتا ہے۔

۹۹ انسان، جنات، ملائکہ، کوئی مخلوق کیسی ہی پُرعظمت ہو، بہرحال سب حق تعالٰی ہی کی مملوک ہیں، اس کے وعدۂ حفاظت یا اس کے وعید مکافات کے درمیان کس کی مجال ہے جو حائل ہو سکے۔

۱۰۰ حقائق کے حامل اور مالک تو صرف اہلِ ایمان ہیں، ایمانیوں کے علاوہ جو بھی ہیں، ان کے پاس بجز اوہام، ظنون، نظریات ومفروضات کے اور ہے کیا؟

فقہاء نے کہا کہ اٹکل یا اندازہ کا درجہ شریعت میں تو بس اس قدر ہے کہ بندوں کے معاملات کے چکانے میں اس سے کام لے لیا گیا، باقی اثبات حق واسقاط حق میں ظن وتخمین کا کچھ دخل نہیں۔

وما یتبع الذین الخ یعنی ان کے پاس دلیل یا بنیاد ہے کیا؟

قرآن مجید نے شرک پر یہ گرفت بار بار کی ہے، توحید پر تو قوی سے قوی دلیلیں کثرت سے موجود ہیں،

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ

کہتے ہیں کہ اللہ نے ایک بیٹا بنا رکھا ہے۔ سبحان اللہ وہ بے نیاز ہے اسی کا تو ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں

وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ

اور جو کچھ بھی زمین میں ہے ۱۰۲

لیکن شرک پر آخر کون سی دلیل موجود ہے؟

۱۰۱ (حق تعالے کی توحید اور صنعت اور قدرت کے)

ھوالذی.... مبصرًا۔ دن اور رات نہ کوئی دیوی دیوتا ہیں، نہ نور و ظلمت کوئی دو خدا، یا دو خداؤں کے مظہر یا دو خداؤں کی مخلوق ہیں، وقت کے یہ دونوں حصے خدائے واحد کی اسی طرح مخلوق ہیں، جس طرح اور سب مخلوقات ہیں، اور دونوں کی خلقت کی غرض انسان ہی کے کام آنا ہے۔

اللیل لتسکنوا فیه۔ رات تو اسی کے لئے ہے کہ انسان اس میں آرام و استراحت کرے اور دن بھر کی مشقت کے بعد کسل دور کرکے دوسرے دن کے لئے تازہ دم ہو جائے۔

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ صوفیہ عارفین نے اس سے یہ اشارہ نکالا ہے کہ بجائے ساری رات جاگنے کے کچھ دیر سو رہنا بہتر ہے کہ اس میں مصلحتِ الٰہی اور ادب کی رعایت زیادہ ہے۔

مبصرًا۔ یعنی جس کی روشنی میں انسان دیکھ بھال سکتا ہے۔

ای مضیئا لیھتدوا به فی حوائجکم (قرطبی)

فی ذلك۔ یعنی انھیں حقائق میں جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔

۱۰۲ ساری موجودات بڑی ہو یا چھوٹی، بشری ہو یا غیر بشری اللہ کے ساتھ نسبت صرف مخلوقیت اور مملوکیت کی رکھتی ہے نہ کہ معاذ اللہ کسی طرح کی قرابت و عزیز داری کی، دیوتاؤں کے ساتھ "فوق البشر" انسانوں کی قرابت و عزیز داری مذاہب جاہلی کا بہت قدیم اور مشترک عقیدہ ہے، قرآن بار بار مختلف طریقوں سے اسی عقیدہ پر ضرب لگاتا رہتا ہے۔

قالوا اتخذ اللّٰه ولدًا۔ یہ کہنے والے اور عقیدہ رکھنے والے بت پرست مشرکین بھی تھے اور مسیح پرست مسیحیوں کے بعض فرقے بھی اتخاذِ ولد پر مفصل حاشیہ سورۃ بقرہ پارہ اول آیت ۱۱۶ میں اسی قسم کی آیت پر گزر چکا ہے، ضرور ملاحظہ فرما لیا جائے۔

اتخذ ولدًا۔ کا ترجمہ ایک بیٹا گود لے رکھا ہے، سے بھی ہو سکتا ہے۔

سبحٰنه۔ یعنی حق تعالے پاک و منزہ ہے مخلوقات کے ساتھ کسی قسم کی نسبت قرابت رکھنے سے للکار اور پھٹکار ہے اہل باطل پر کہ کیسے جہل مرکب میں مبتلا ہو، ایک طرف تو خدا کو خدا کہے جاتے ہو اس کی قدرت کا کلمہ بھی پڑھتے ہو اور پھر اسے اس کا محتاج سمجھتے ہو کہ وہ دنیا کے لاولد لوگوں اور لاولدی سے

اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

تمہارے پاس کوئی بھی دلیل اس (دعوے کی) نہیں تو کیا اللہ پر ایسی بات گھڑتے ہو جس کا (خود) علم نہیں رکھتے ہو ۱۰۳ ۱۰۴

قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ؕ

آپ کہہ دیجئے کہ یقیناً جو لوگ اللہ پر جھوٹ گھڑتے رہتے ہیں وہ فلاح نہیں پانے کے ۱۰۵

نقصان محسوس کرنے والے انسانوں کی طرح کسی کو گود لے کر اپنی لاولدی کی تلافی کرے۔

ھو الغنی۔ خدائے اسلام تو ہر ممکن احتیاج سے بالا ہے، اسے اتخاذ ولد کی (بیٹا بنانے کی) ضرورت ہی بھلا کیا پیش آسکتی ہے!

لہٗ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض۔ اس کا تو سب ہی کچھ ہے، اعلیٰ و ادنیٰ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب کا مالک، سب اس کے مملوک جس سے چاہے جو کام لے، مِلک کا تعلق تو فرزندی و ابنیت کے تعلق سے کہیں زیادہ قوی موجود ہے، آخر ممکن ہی اس کے لئے کون سا ارمان ہے جس کے پورا کرنے کے لئے اُسے کسی کو گود لینے یا "متبنّیٰ" بنانے کی ضرورت پیش آئے۔

۱۰۳ (کسی دلیل سے بھی)

قرآن مجید نے جہاں ایک طرف اثباتِ توحید پر بیسیوں دلائل قائم کئے ہیں، وہاں اہل شرک سے بار بار مطالبہ کیا ہے کہ تم اپنی باطل پرستی پر آخر دلیل ہی کون سی رکھتے ہو تم تو سراسر ایک دعویٰ بے دلیل کی پیروی میں مبتلا ہو۔

ان عندکم۔ میں ان نافیہ ہے۔

ای ما عندکم (کشاف) ان نافیة (روح)

من سلطٰن۔ یعنی کوئی بھی دلیل۔

من زائدة لتاکید النفی (روح)

بھٰذا۔ یعنی ایسے لغو، باطل دعویٰ کی۔

اتقولون علی اللہ۔ قال کا صلہ جب علیٰ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی گھڑ لینے، جھوٹ جوڑ لینے کے ہو جاتے ہیں۔

قال علیه ای افتریٰ (تاج) دلّ علی کل ان قول لابرھان علیه القائله فذ لہ جھل (کشاف)

علماء نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ قول بلا دلیل مرادف ہے جہالت کے اور عقائد پر دلیل قائم ہونا چاہیئے نہ کہ محض تقلید۔

وفیه دلیل علی ان کل قول لا دلیل علیه فھو جھالة وان العقائد لابدّ لھا دلیل قاطع وان التقلید فیھا غیر شایع (بیضاوی)

۱۰۴ فلاح حقیقی فلاح جس معنی میں کہ وہ عربی میں مستعمل ہے تو وہی ہے جو مستقل، دیرپا، اور دائمی ہو،

مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ

دنیا (ہی) میں (بس) تھوڑا سا عیش ہے پھر ہماری ہی طرف ان کی واپسی ہے پھر ہم انھیں سزائے سخت کا مزہ

بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٧٠﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ

چکھائیں گے اس کفر کے بدلہ میں جو یہ کرتے رہتے تھے ۱۰۵ آپ انھیں نوحؑ کا قصہ پڑھ کر سنائیے جبکہ انھوں نے اپنی قوم سے

يَا قَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ

کہا ۱۰۶ کہ اے میری قوم اگر تم پر میرا قیام (تمھارے درمیان) میری وعظ گوئی اللہ کے احکام کے ذریعہ سے بہت ہی گراں

تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ

گزر رہی ہے تو میں اللہ پر بھروسہ کر چکا تم اپنی تدبیر پختہ کر لو مع اپنے شرکاء کے پھر (وہ) تدبیر تم میں کسی پر پوشیدہ

غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ﴿٧١﴾

نہ رہے پھر میرے ساتھ کر گزرو مجھے مہلت نہ دو ۱۰۷

اور یہ کسی منکر، مکذّب، مشرک کے نصیب میں نہیں۔ عارضی، چند روزہ دنیوی عیش و تنعم جس کا خاتمہ یقینی طور پر ذلت و مصیبت پر ہے اسے فلاح ہرگز نہیں کہہ سکتے۔

۱۰۵ متاع فی الدنیا۔ کہہ کر قرآن مجید نے منکر و مکذّب قوموں کی بالکل صحیح تصویر کھینچ دی ہے اجمال کی تفصیل کے لئے مشاہدہ ہوں، روس اور امریکہ اور برطانیہ اور اور بڑی بڑی "مہذب" "ترقی یافتہ" "اقبال مند" قوموں کے حالات۔ ان کے آپس کے رشک و حسد کا حال، ان کی حرام کاریوں کا حال ان کی شراب نوشیوں کا حال، ان کی غیر طبعی اور حیوانی شہوت رانیوں کا حال ان کی سود خواریوں کا حال ان کے جرائم کا حال ان کے ہاں کے امراض خبیثہ کا حال، ان کے اسٹرائیکوں، اور ہڑتالوں کا حال، زندگی سے اُکتا اُکتا کر ان کی خودکشیوں کا حال، ان کے ہاں کی کثرتِ فواحش کا حال، ان کے ہاں کی معاشی ابتری اور بے روزگاری کا حال، اور پھر فیصلہ کیجیے کہ متاعِ دنیا کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ رکھنے کے بعد بھی ان منکرینِ حق کو باوجود اپنی انتہائی "ترقیوں" کے فلاح کسی معنی میں بھی حاصل ہے؟

اور آج جو کج فہم "ہمدردانِ قوم" قوم و ملّت کو انھیں "ترقی یافتہ قوموں" کی روش پر چلانا چاہتے ہیں، وہ ملّت کو فلاح کی جنّت کی طرف لئے جا رہے ہیں یا دنیا ہی میں دوزخ کے عذاب کی طرف؟ قرآن مجید تو ہر جگہ اور بار بار یہی بتا رہا ہے اور ہمارے مشاہدہ سے اس کی تصدیق کرا رہا ہے کہ جو قومیں ایمان صحیح اور تقویٰ سے عاری ہیں، وہ عیش ابدی سے تو خیر محروم ہی ہیں، دنیا میں بھی ان کا تنعم محض ظاہری و سطحی ہوتا ہے، اندر سے

بالکل کھوکھلا!

متاعٌ میں تنوین تقلیل کی ہے۔

والتنوین للتحقیر والتقلیل (روح)

یعنی متاعِ دنیوی تو خود ہی قلیل ہے پھر منکرین کے حصہ میں اور بھی قلیل تر۔

ف۱۰۶ (جس کا مذہب شرک وبت پرستی تھا۔)

حضرت نوحؑ جن کا شمار قدیم ترین انبیاء میں ہے ان کی شخصیت، ان کے زمانہ، ان کے ملک وغیرہ پر حاشیے پیشتر گزر چکے۔

ف۱۰۷ حضرت نوحؑ جب مسلسل اور بہت طویل تبلیغ کے بعد اپنی قوم سے عاجز آگئے ہیں، اور مایوس ہوچکے ہیں تو اب اس سے انقطاعی گفتگو اس رنگ میں فرما رہے ہیں۔

مقامی۔ بعض مفسرین نے لفظ مقام سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ حضرت نوحؑ تبلیغی وعظ وخطبہ کھڑے ہوکر دیا کرتے تھے، وعظ وخطبہ کے وقت کھڑے رہنا رسول اللہ صلعم سے ثابت اور حضرت عیسیٰؑ کی بابت منقول ہے۔

بایات اللہ۔ آیات اللہ سے مراد علاوہ احکام الہی کے براہین، دلائل وشواہد بھی لئے گئے ہیں۔

بحججہ وبیناتہ (معالم) ای بحججہ وبراھینہ (ابن کثیر)

فعلی اللہ توکلت۔ تو اب میں تمہاری یا کسی کی بھی مخالفت سے کیوں ڈرنے لگا۔ مخلوق سے خوف کا اصلی علاج یہی توکل علی اللہ ہے۔

فاجمعوا امرکم۔ یعنی میرے ضرر پہنچانے کی جو جو تجویزیں اور تمہارے منصوبے تمہارے ذہن میں ہوں، انھیں پختہ کرلو، اجماع کے معنی ہی کسی امر کے پختہ اور مضبوط کرنے کے ہیں۔

قال الفراء الاجماع العزم علی الامر والاحکام علیہ (تاج) قال ابن عرفۃ ای اعزموا علیہ (تاج)

امر۔ سے مراد کافروں کی سازش اور اسکیم کی پختگی ہے۔

والمعنی امرھم بالعزم والاجماع علی قصدہ والسعی فی اھلاکہ (روح)

وشرکاءکم۔ یعنی جن جن کو تم شریکِ خدائی سمجھتے ہو ان سب کو بھی اپنی سازشوں اور منصوبوں میں شریک کرلو، ان کی منتیں مان لو، ان سے فریاد کر دیکھو، فال اور شگون ان کے استھانوں سے حاصل کرلو۔

"و" یہاں مع کے مرادف ہے۔

قال ابو اسحٰق والواو بمعنی مع (تاج) والواو بمعنی مع (کشاف) قال ابو اسحٰق الزجاج المعنی مع شرکاءکم۔ (قرطبی)

لایکن امرکم علیکم غمۃ۔ یعنی جو کچھ کرنا ہے آزادانہ کھلم کھلا گزرو، چھپانے چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ

اور اگر تم اعراض ہی کیے جاؤ تو سن لو میں تم سے (کوئی) معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ

اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں رہوں ۱۱۸ بہ ایں ہمہ وہ لوگ نوح کو جھٹلاتے رہے پھر ہم نے

فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ

نوح کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور ہم نے انھیں آباد کیا ۱۱۹ اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا انھیں ہم نے غرق کر دیا ۱۲۰

یعنی ولا یکن قصدکم الی اھلاکی مستورا علیکم ولکن مکشوفا مشھورا تجاھروننی بہ (کشاف)

ثم اقضوا الی۔ جو کچھ تمھیں میرے ساتھ کرنا ہے کر گزرو۔

المراد ان وجھوا کل تلک الشرور الی (کبیر)

قصہ میں تسلی ہے رسول اللہ صلعم کے لئے کہ انبیاء سابقین کو بھی ہجوم مخالفت سے کیسا کیسا دوچار ہونا پڑا، اور اس عالم میں بھی وہ کیسے صابر اور ثابت قدم رہے۔

ولا تنظرون۔ یعنی جو کچھ کرنا ہے، جلد سے جلد کر گزرو، مہلت مجھے اب ذرا بھی نہ دو۔

ای اعجلوا ذلک باشد ما تقدرون علیہ من غیر انظار (کبیر)

اس قطعیت کے لب و لہجہ میں دشمنوں سے گفتگو وہی کر سکتا ہے جس کا رشتہ اللہ سے تمام تر جڑا ہوا ہو اور جو خلق کی قوتِ ضرر رسانی و قوتِ نفع رسانی دونوں سے یکسر بے نیاز ہو چکا ہے۔

۱۱۸ (اور جو دعوت دوسروں کو دے رہا ہوں سب سے پہلے خود اسی کا نمونہ پیش کر رہا ہوں) پیمبر قانونِ الٰہی کی پابندیوں سے مافوق و ماوراء نہیں ہوتا، بلکہ ساری امت کی طرح وہ خود بھی اس کی پوری طرح پابند ہوتا ہے، اس میں رد ہے جاہل قوموں کا، جو اپنے دیوی دیوتاؤں کو ہر اخلاقی قانون سے ماوراء سمجھتے ہیں۔

فان .... اجر۔ سو تم مجھے تبلیغ سے روکنے کا حق ہی کیا رکھتے ہو؟ کیا میں تم سے اس کی کچھ فیس مانگتا رہتا ہوں، جس کے رک جانے کا مجھے اب اندیشہ ہو۔

خوفِ خلق کی نفی اوپر کی آیت میں ہو چکی تھی طمعِ خلق کی نفی اب ہو گئی، پیمبر خلق کے خوف اور طمع دونوں سے یکسر بے نیاز رہتا ہے۔

ما سألتکم من اجر۔ فقہاء نے کہا ہے کہ جو امر دین میں واجب ہے، اس پر اجرت جائز نہیں، اور ظاہر ہے کہ تبلیغ رسالت حضرات انبیاء پر واجب ہی ہوتی ہے۔

ان اجری الا علی اللہ۔ میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے، اور اس نے اپنے کرم سے اس کا وعدہ کر لیا ہے، سو اب مجھے غم و فکر ہی کیا؟

فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ ﴿۷۳﴾

سو دیکھ کر جو ڈرائے جا چکے تھے ان کا کیا انجام ہوا ۱۱۱

۱۰۹ (روئے زمین پر)

فنجینہ ... الفلک۔ یعنی نوحؑ اور ان کے ہمراہیوں کو عذاب طوفان وسیلاب سے نجات مل گئی۔ اس طوفان کے آثار قدیم ماہرین سائنس کو آج بھی ارضِ نوحؑ میں مل رہے ہیں، یہ طوفان ملک عراق میں، دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے درمیانی علاقہ میں آیا تھا، اس علاقہ کا رقبہ، موجودہ ماہرین اثریات کے تخمینہ کے مطابق ۴۰۰ میل طول میں اور ۱۰۰ میل عرض میں تھا۔

الفلک۔ کشتی نوحؑ کا طول حسب تصریح توریت ۳۰۰ ہاتھ کا، عرض ۵۰ ہاتھ کا اور بلندی ۳۰ ہاتھ کی تھی، جیسے آج کل کے برطانیہ اور امریکہ کے درمیان چلنے والے مسافروں کے جہاز یا (LINER)

غرقابی قوم نوحؑ کے بعد آپ کے مخلص رفیق پھر اسی علاقہ میں آباد ہوئے اور انھیں سے سلسلۂ نسل آدمؑ چلا، نوع انسانی کی آبادی، تاریخ کے اس ابتدائی دور میں، صرف اسی سرزمین کے حدود تک محدود تھی۔ اور اس لئے جن مفسرین نے طوفان نوحؑ کے عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا ہے انھوں نے کچھ غلط نہیں کہا آبادیٔ عالم اس وقت جو تھی، وہ تو محدود اس خطۂ عراق تک تھی۔

۱۱۰ یہ بیان کہ خداوند تعالیٰ نے غصہ ہو کر ساری نسل انسانی کو ہلاک کر ڈالنا چاہا، قرآن کا نہیں، بائبل کا ہے، بائبل ہی میں یہ تصریحات ملتی ہیں کہ ”خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دل گیر ہوا اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا، انسان کو اور حیوان کو بھی اور کیڑے مکوڑے اور آسمان کے پرندوں تک کیونکہ میں ان کے بنانے سے پچھتاتا ہوں“ (پیدائش ۶: ۵-۷) اسلام میں تو یہ عقیدہ ہی سرے سے کفر ہے کہ حق تعالیٰ بھی اپنے کسی عمل سے پچھتاتا ہے، اور اس پر جھنجھلاتا ہے اور غرقابی کو تو قرآن مجید صراحت کے ساتھ مکذبین حق الذین کذبوا بآیٰتنا تک محدود رکھتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ روئے زمین پر کوئی آبادی ہی اس وقت تک بجز قوم نوحؑ کے نہ تھی۔ حضرت آدمؑ کے زمانہ کو بھی کل دس ہی پشتیں تو ہوئی تھیں، خاندان انسانی اتنے عرصہ میں کہاں تک پھیل جاتا؟ ایک ہی ملک کے اندر سمٹا سمٹایا ہوا تھا غرقابی عام و عالمگیر رہی ہے یا اسی امت نوحؑ کے ساتھ مخصوص، یہ سوال متقدمین مفسرین کے سامنے بھی آچکا ہے اور محققین کی اکثریت شق ثانی ہی کی طرف گئی ہے اور ظواہر قرآن و حدیث بھی اسی کی تائید میں ہیں۔

هل عمّ جميع اهل الارض اوكان بعضهم اهل دعوته المكذبين به كما هو ظاهر كثير من الآيات والاحاديث قال ابن عطية الراجح عند المحققين وهو الثاني وكثير من اهل الارض كاهل الصين وغيرهم ينكرون عموم الغرق (روح)

۱۱۱ یعنی وہ مکذبین منذرین، عذاب الٰہی سے کس طرح ہٹ کر اور ہلاک و برباد ہو کر رہے۔ المنذرین۔ کی یہ تصریح پھر اسی حقیقت کا اعادہ کر رہی ہے کہ عذاب کا ہدف وہی سرکش

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا

پھر ہم نے (نوحؑ) کے بعد (اور) پیمبروں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، سو وہ ان کے پاس روشن دلائل لے کر آئے، مگر

لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ

یہ نہ ہوا کہ جس چیز کو انھوں نے پہلے جھٹلا دیا تھا اس پر ایمان لے آتے ۱۱۲ ہم اسی طرح بند لگا دیتے ہیں حد سے

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ

نکل جانے والوں کے دلوں پر ۱۱۳ پھر ہم نے ان (پیمبروں) کے بعد موسیٰؑ اور ہارونؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا

وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾

فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس سو انھوں نے ڈون کی لی اور وہ لوگ تھے ہی جرم شعار ۱۱۴

ونا فرمان قوم ہی تھی۔

فانظر۔ یعنی دیکھو اور سوچ سمجھ اے مخاطب! دیکھنے سے مراد سیاق میں ظاہر ہے کہ ظاہری آنکھوں سے رویت کرنا نہیں، بلکہ دل کی آنکھوں سے سبق لینا اور عبرت حاصل کرنا ہے، نظر کا لفظ عربی میں ظاہری بصارت اور باطنی بصیرت دونوں کے لئے عام ہے۔

النظر تقلب البصر والبصیرۃ لادراک الشیئ ورویتہ (راغب)

قرآن مجید میں غور و تامل تفحص و تدبیر کے معنی میں اس کا استعمال بہ کثرت ہوا ہے اور اُردو محاورہ میں بھی "دیکھنا" بصارت اور بصیرت دونوں مفہوموں کے لئے آتا ہے۔

۱۱۲ اہلِ ضلال کی یہ ذہنیت آج تک چلی آرہی ہے، جہاں ایک بار بھی شروع میں بے سوچے سمجھے زبان سے "نہیں" نکل گئی، بس آخر تک وہی قائم رہے گی، چاہے ہزار شواہد و دلائل نظر سے گزر جائیں، ہٹ دھرمی، سخن پروری بات کی پچ سب اسی ذہنیت کے نام ہیں۔

رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ۔ یہ سب قومی انبیاء تھے یعنی ان کے مخاطب انھیں کے وطن قبیلہ یا قوم کے لوگ تھے انسانیت اس وقت تک یوں ہی مستقل قوموں میں بٹی ہوئی تھی، اور رسل و رسائل و مواصلات کے موجودہ ذرائع اُس وقت یکسر ناپید تھے، ایک عالمگیر پیام، ساری نوع انسانی کے نام کا وقت ابھی فطرت کی جنتری میں آیا نہ تھا۔

فیہ اشارۃ الی عموم الرسالۃ الی البشر لم یثبت لاحد من اولئک الرسل علیہم الصلوٰۃ والسلام

وظاہر کلامہم الاجماع علی ان ذلک مخصوص بنبینا صلعم ولم یثبت لاحد ممن ارسل بعد نوح (روح)

۱۱۳ مراد یہ ہے (جیسا کہ پیشتر بھی کئی بار عرض ہو چکا ہے) کہ چونکہ وہ اپنے قصد کو طلب حق پر نہیں

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ

سو جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق پہنچا تو وہ بولے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے ۱۱۵ موسیٰؑ نے کہا کہ

مُوْسٰٓی اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾

کیا تم حق کے بارہ میں یہ کہتے ہو جب وہ تمہیں پہنچ گیا؟ کیا یہ واقعی جادو ہے؟ درآنحالیکہ جادوگر فلاح نہیں پاتے ۱۱۶

بلکہ اس کی مخالفت میں استعمال کرتے رہتے ہیں، اس لئے ان سے توفیق بھی قبول حق کی کمزور ہوتے ہوتے بالآخر سلب ہوجاتی ہے۔

علماء نے اس آیت سے بھی قدریہ کا رد نکالا ہے۔

وھذا یرد علی القدریۃ قولھم کما تقدم (قرطبی)

۱۱۴ یعنی شرک و مخلوق پرستی اور حق دشمنی و نفس پرستی میں مبتلا۔

من بعد ھم۔ یعنی نوحؑ اور قوم نوحؑ سے نسلہا نسل کے بعد۔

ای من بعد الرسل والامم (قرطبی)

بایٰتنا۔ نشانیوں کا لفظ دلائل و معجزات دونوں کے لئے عام ہے۔

الی فرعون وملائہ۔ بائبل میں اس کی تصریح کہیں بھی نہیں کہ ان دونوں پیمبران برحق نے اپنے پیام توحید کی تبلیغ میں مصریوں کو بھی مخاطب کیا تھا، حالانکہ ممکن تھا کہ جو اللہ کی توحید کا منادی ہو، وہ اصلاح عقائد کی کوشش سب سے پہلے ہی مرتبہ پر نہ کرے، اور کفر و شرک کی ضلالتوں کو اُسی حال پر چھوڑے رکھے، یہیں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کا جو حصہ نسبتہً محفوظ ہے، اس میں بھی کیسے کیسے تغیرات و تصرفات ہوچکے ہیں، اور قرآن کس طرح ضروری ضروری موقعوں پر اس کی فروگذاشتوں کی اصلاح کرتا جاتا ہے۔

فاستکبروا۔ یعنی ان کی بڑائی انہیں سے مانع ہوئی کہ وہ پیمبروں کی تصدیق کرتے۔ فرعون لقب تھا مصر کے قبطی شہنشاہ کا، موسیٰؑ و ہارونؑ اسی قوم بنی اسرائیل سے تھے، جو ہر طرح اس کی محکوم اور رعایا تھی، اپنے محکوموں اور "غلاموں" کی زبان سے اتنے بڑے روحانی منصب کا دعویٰ سننا حاکم قوم کی رعونت گوارا کیسے کرسکتی تھی۔

کانوا قوما مجرمین۔ یعنی یہ نہیں کہ اس وقت ان سے کسی بڑے جرم کا صدور ہوگیا، بلکہ مدتوں سے وہ جرم کرتی ہی چلی آرہی تھی۔

۱۱۵ جاہلی قومیں فضائل اخلاق و کمالات روحانی کی قدر تو بھلا کیا کرتیں، انبیاء کے خوارق حسی جب دیکھتیں تو انہیں سحر و کہانت پر محمول کرنے لگتیں۔

فکر ہر کس بہ قدر ہمت اوست!

الحق من عندنا۔ یعنی دین حق جس کے اندر احکام، دلائل خوارق سب کچھ آگیا۔

۱۱۶ فلاح یعنی آخری اور مستقل کامیابی ساحروں شعبدہ بازوں کے نصیب میں کہاں؟ ذرا دیر

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ

وہ بولے کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہمیں ہٹا دے اس (طریقہ) سے جس پر ہم نے اپنے باپ (دادا) کو

لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ

پایا تھا، اور ملک میں بڑائی تم دونوں کے لئے ہو جائے تو ہم تو تم دونوں کو (کبھی) ماننے والے نہیں ۱۱۷ اور

فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ

فرعون بولا کہ لاؤ میرے پاس ہر ماہر جادوگر کو ۱۱۸ غرض جب جادوگر آگئے تو موسیٰؑ

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾

نے ان سے کہا جو کچھ تمہیں ڈالنا ہے ڈال چلو ۱۱۹

کے لئے وہ گرمئ محفل جیسی بھی پیدا کر دیں، لیکن کمالاتِ اخلاق سے وہ عاری اور اصلاحاتِ روحانی سے ان کا دامن خالی، دنیوی اعتبار سے بھی تو کوئی اعلیٰ مستقل کمال ان میں نہیں ہوتا۔

اسحر ھٰذا۔ حضرت موسیٰ کمال حیرت و حیرانی سے فرماتے ہیں کہ تم نے یہ کیا کہا؟ ایسی کھلی صداقتوں کے لئے تمہارے پاس لفظ "سحر" کا ہے؟ جو تمہارے نزدیک بھی ایک بے حقیقت ہی شے ہے۔

۱۱۷ مصری مذہب کے "ہزار دیوتا" مشہور ہیں، اس کے علاوہ ہندی مشرکوں کی طرح مصریوں میں حیوان پرستی بھی جاری تھی، گائے، بندر، کتا، بلی وغیرہ ان کے مقدس جانور تھے، اپنے بادشاہ کو خدا کا اوتار مانتے تھے، تناسخِ ارواح کے قائل تھے، وقس علیٰ ہذا۔ تبلیغ موسیٰ سے ان سارے عقائد پر ضرب کاری لگ رہی تھی، موسیٰ علیہ السلام محض قومی لیڈر نہ تھے، جو اپنی قوم اسرائیل کو "سوراج" دلانے کے لئے مصری گورنمنٹ سے نامہ و پیام کر رہے تھے۔ وہ سب سے پہلے توحید و عقیدۂ آخرت کے منادی تھے، اور پھر کچھ اور۔

تکون لکما الکبریاء فی الارض۔ دنیا پرست مادی زاویۂ نظر رکھنے والا اپنے نفس پر قیاس کر کے دوسروں کو بھی اسی عینک سے دیکھتا ہے۔

لکما بمؤمنین۔ ایمان یہاں شرعی اصطلاحی معنی میں نہیں، مراد صرف بات کا ماننا یا تسلیم کرنا ہے، صلہ بھی اسی لئے ب کے بجائے ل کے ساتھ آیا ہے۔

ای بمصدقین (بیضاوی)

۱۱۸ یہ بادشاہ نے اپنے اہلِ دربار و عمال سلطنت کو حکم دیا۔ تشخیص چونکہ یہی ٹھہری تھی کہ یہ دونوں نو مبلغ بڑے ماہر ساحر ہیں، اس لئے ان کا زور توڑنے، ان سے مقابلہ کرنے انھیں نیچا دکھانے کے لئے اجتماع بھی ماہرین فن ساحروں کا کیا جائے۔

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ

پھر جب انھوں نے ڈال دیا تو موسیٰؑ بولے جادو یہ ہے جو کچھ تم (بنا کر) لائے ہو، یقیناً اللہ اسے ابھی ملیا میٹ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ

کردے گا، یقیناً اللہ فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا ۱۲۰ اور اللہ حق کو سچ کر دکھاتا ہے اپنے

وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ

وعدوں کے موافق، خواہ مجرموں کو (کیسا ہی) کھلے ۱۲۱ پھر موسیٰؑ کی بات (کسی اور) نے نہ مانی بجز ان کی قوم کے

عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ

تھوڑے لوگوں کے، فرعون اور اپنے سرداروں کے خوف سے کہ کہیں وہ انھیں مصیبت میں نہ ڈال دے اور

لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

واقعی فرعون ملک میں زور رکھتا تھا، اور واقعی وہ زیادتی کرنے والوں میں سے تھا ۱۲۲

۱۱۹ (اپنے جادو کے سامان میں سے)

فلما جاء السحرۃ۔ یعنی میدان مقابلہ طے پا گیا، اور جادوگر وہاں جمع ہو لئے۔

۱۲۰ (جبکہ وہ فسادی معجزات انبیاء سے، معارضہ کو کھڑے ہوتے ہیں)

قال موسیٰ ما جئتم بہ السحر۔ موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ سحر میری وہ دعوت حق نہ تھی، جیسے فرعون اور فرعونی مجھے موسوم کر رہے تھے، البتہ سحر تو یہ ہے، جسے تم لے کر آئے ہو۔

السحر۔ یہاں "ال" کے ساتھ معرفہ کی صورت میں لانا اسی لئے ہے کہ وہ قول فرعون ھٰذا لسحر (نکرہ) کے جواب میں ہے۔

قال الفراء انما قال السحر بالالف واللام لانہ جواب کلام سبق (کبیر) قال ابن عطیۃ والتعریف ھنا فی السحر ارتب لانہ قد تقدم منکرا فی قولھم ان ھذا لسحر فجاء ھنا بلام العھد (بحر)

۱۲۱ حق تعالیٰ کی مشیت تکوینی کو جو کچھ مد نظر ہے، وہ بہر حال وصورت واقع ہو کر رہے گا، منکرین حق خواہ کچھ بھی کر ڈالیں۔

بکلماتہ۔ کلمات کے مفہوم میں کلام اور دلائل و شواہد سب داخل ہیں۔

ای بحججہ التی جعلھا اللہ تعالیٰ لکم علیھم سلطانا مبینا (راغب) ای بکلامہ وحججہ وبراھینہ (قرطبی)

یہاں مراد وعدہائے نصرت سے لی گئی ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ (۸۴)

اور موسیٰ نے کہا کہ اے میری قوم والو! اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو بھروسہ بھی اسی پر کرو اگر تم فرمانبردار ہو ۱۲۳

ای بوعدہ النصر لمن جاء بہ (روح۔ عن الحسن)

۱۳۲ (اس لئے لوگوں کا اتنا ڈر بیجا تھا بھی نہیں)

فرعون کی زیادتیوں اور سختیوں پر حاشئے سورۃ بقرۃ (پ۱) میں گزر چکے۔

فما اٰمن لموسیٰ۔ اٰمن کا صلہ یہاں بجائے ب کے ل (مکسور) کے ساتھ آرہا ہے، معنی یہ ہیں کہ آپؑ کی بات کی تصدیق نہ کی۔

ذریۃ۔ یہاں قلتِ عدد کے اظہار کے لئے ہے، جیسے اُردو میں کہتے ہیں کہ بس مٹھی بھر لوگ۔

ھٰھنا معناھا تقلیل العدد (کبیر)

ابن عباسؓ کا قول منقول ہوا ہے کہ یہ لفظ جب کسی قوم پر بولا جاتا ہے تو مقصود اس کی تحقیر یا تصغیر ہوتی ہے

قال ابن عباس لفظ الذریۃ یعبر بہ عن القوم علی وجہ التحقیر والتصغیر (کبیر)

اور چونکہ یہاں تحقیر کا کوئی قرینہ ہے نہیں، اس لئے مقصود تصغیر عدد ہی ہے۔

من قومہ۔ کی ضمیر نے دو بالکل مختلف معنی پیدا کر دئے ہیں، مراد قوم موسیٰؑ بھی ہو سکتی ہے اور قوم فرعون بھی۔ پہلی صورت میں مراد یہ لی جائے گی کہ فرعون اور فرعونیوں کے ڈر سے شروع شروع اسرائیلیوں کی بھی بہت ہی تھوڑی تعداد نے حضرت موسیٰؑ کی تصدیق کی۔ اور دوسری شق کو مان کر اشارہ ان چند فرعونی ساحروں کی طرف سمجھا جائے گا، جو بعد مقابلہ حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آئے تھے، اس عاصی کا ذوق پہلی شق کو ترجیح دیتا ہے، سلف سے منقول دونوں قول ہیں۔

الیاء عائدۃ علی موسیٰ (قرطبی) ای طائفۃ من ذراری بنی اسرائیل (کشاف) والضمیر لموسیٰ کما ھو احد الروایتین عن ابن عباسؓ (روح) واختار ابن جریر قول مجاھد فی الذریۃ انھا من بنی اسرائیل لا من قوم فرعون لعود الضمیر علی اقرب المذکورین (ابن کثیر)

علیٰ خوف۔ خوف کی تنوین شدت خوف کے لئے ہے۔

التنوین للتعظیم ای کائنین مع خوف عظیم۔ (روح)

ملائھم۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ضمیر جمع غائب ھُم کس کی جانب ہے، ایک قول ہے کہ ذُرِّیَّۃ کی جانب ہے، یہ مذہب اخفش نحوی کا ہے، اور مفسر ابن جریر کا پسندیدہ۔

وذھب الاخفش ان یکون الضمیر یعود علی الذریۃ وھو اختیار الطبری (قرطبی)

دوسرا قول یہ ہے کہ قوم کی جانب ہے، یہ قول نحاس لغوی نحوی کا ہے پسندیدہ ہے۔

ای یکون الضمیر یعود علی قومہ وقال النحاس وھذا الجواب کانہ ابلغھا (قرطبی)

۱۲۳ (اور خواہ مخواہ زیادہ حیران پریشان نہ ہو، وہی تمہاری مدد کرے گا)

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾

وہ بولے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا، اے ہمارے پروردگار ہم کو تختۂ مشق نہ بنا ظالم لوگوں کا

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى

اور ہم کو اپنی رحمت سے نجات دے کافر لوگوں سے ۱۲۴ اور ہم نے موسیٰ اور ان کے

مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا

بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر برقرار رکھو اور تم لوگ اپنے گھروں ہی کو

بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

نمازگاہ قرار دے لو ۱۲۵ اور نماز کی پابندی رکھو۔ اور آپ ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے ۱۲۶

۱۲۴ یہ آپ نے اس وقت فرمایا جب دیکھ لیا کہ حکومت فرعون کے مظالم سے بنی اسرائیل بلبلائے اٹھتے ہیں اسرائیلی مومنین جواب دیتے ہیں کہ بے شک ہمارا بھروسہ تو حق تعالیٰ ہی پر ہے اور معاً مناجات کرنے لگتے ہیں کہ یا الٰہی، جب تک ان کی حکومت مقدر ہے یہ ہم پر ظلم نہ کرنے پائیں، یا پھر ان کی حکومت ہی کے دائرہ سے ہم کو نکال دے!

۱۲۵ آیت میں قبلة کا لفظ قرآن مجید کا ایک دشوار ترین لفظ ہے، جس کی تشریح جزم کے ساتھ نہیں کی جاسکتی ہے بہرحال قبلة کے ایک مشہور معنی تو اس مکان کے ہیں، جس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی جائے۔

فی التعارف صار اسمًا للمکان المقابل المتوجه الیه للصّلاة (راغب)

یہ معنی لے کر مراد یہ ہوگی کہ گو امت میں یکجہتی پیدا کرنے کے لئے کسی ایک متعین مکان کی طرف عبادت کا رُخ ضروری ہے لیکن تمہارے لئے حالات موجودہ میں یہی کافی ہے کہ اپنے گھروں میں انہیں کی طرف رُخ کرلیا کرو لیکن یہاں معنی علی العموم "نماز کی جگہ" یا مصلّے کے لئے گئے ہیں۔

ای مصلّی۔ (بیضاوی۔ روح)

اور مراد حکم سے یہ ہے کہ نمازیں اپنے اپنے ہی گھروں ہی میں پڑھ لیا کرو۔

ای صلّوا فی بیوتکم (کبیر) کانوا خائفین فامروا ان یصلوا فی بیوتهم (ابن کثیر)

اور عجب نہیں جو مظالم فرعونی میں سے ایک چیز یہ بھی رہی ہو کہ بنی اسرائیل اپنی اپنی عبادت گاہوں تک نہ پہنچنے پائیں۔

۱۲۶ (اے موسیٰ کہ اب وقت مخلصی کا نزدیک آگیا)

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً

اور موسیٰؑ نے عرض کی کہ ہمارے پروردگار تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو (سامان) تجمل اور (طرح

وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ

طرح کے) مال دنیوی زندگی میں دے ہی رکھے اس نتیجہ کے ساتھ کہ اے پروردگار وہ تیری راہ سے

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا

(لوگوں کو) گمراہ کریں،۱۲۷ اے ہمارے پروردگار ان کے مال پر جھاڑو پھیر دے اور ان کے دلوں کو (اور زیادہ)

حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾

سخت کر دے سو یہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ عذاب دردناک کو دیکھ لیں ۱۲۸۔

یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ نماز یں بہرحال پڑھے جاؤ، وہ قبول تو ہو ہی جائیں گی اور اس سے بشارت حاصل کرو، عام اس سے کہ فرعون کی محکومی سے نجات ابھی حاصل ہو یا نہ ہو۔

واقیموا الصلوٰۃ۔ اقامت نماز کی برکت سے اللہ تعالیٰ جلد تر اپنا فضل کرے گا، اور تمہیں جلد سے جلد اس مصیبت سے نجات دلائے گا۔

یا یہ مراد ہے کہ نماز بہرحال و بہرصورت پڑھتے ہو، صلوٰۃ سے مراد وہی طریق عبادت ہے جس کا حکم شریعت اسرائیل میں تھا، شریعت اسلامی کی ہئیتِ نماز مراد نہیں صلوٰۃ موسوی کی تفصیل کہیں نظر سے نہیں گزری۔

۱۲۷ لیضلوا۔ میں ل عاقبت کا ہے یعنی تیری ان بخششوں اور انعامات کا نتیجہ یہ ہوا، یہ مطلب نہیں کہ تیری بخشش و انعام سے مقصود ہی یہ تھا، اگرچہ یہ مفہوم بھی تکوینی اعتبار سے بالکل درست ہوسکتا ہے۔

واصح ما قیل فیہا ھو قول الخلیل وسیبویہ انہا لام العاقبۃ والصیرورۃ (قرطبی)

اللام لام العاقبۃ لما کانت عاقبۃ قوم فرعون ھو الضلال وقد اعلمہ اللہ تعالیٰ لاجرم غیر من ھذا المعنی بھذا اللفظ (کبیر)

۱۲۸ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب ہدایت ان کے مقدر میں نہیں، اور جو حکمت تھی وہ حاصل ہو چکی، تو اب ان کے نفوس کو باقی ہی کیوں رکھا جائے، یہ کفر میں ترقی ہی کرتے جائیں تا آنکہ عذاب الٰہی کے پوری طرح مستحق ہو کر اس سے ہلاک ہو جائیں، ایسے بدبختوں کی ہلاکت و بربادی کی تمنا کرنا ایسا ہی ہے جیسے موذی جانوروں، سانپ، بچھو وغیرہ کے ہلاکت کی

قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ

(اللہ نے) فرمایا تم دونوں کی دعا قبول ہو گئی ۱۲۹ سو تم دونوں (بدستور) قائم رہو۔ ان لوگوں

الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ

کی راہ نہ چلنے لگنا جو علم نہیں رکھتے ۱۳۰ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار کر دیا پھر فرعون اور اس کے

فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ

لشکر نے ظلم و زیادتی (کے ارادہ) سے ان کا پیچھا کیا ۱۳۱ یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو بولا ۱۳۲

تمنا کرنا، پھر حضرت موسیٰؑ پر تو ان کا انجام مکشوف ہی ہو چکا تھا، ان کے لئے دعائے ہلاکت میں اور بھی کوئی مضائقہ نہیں رہ گیا تھا، رہی دعوت و تبلیغ اور کوشش اصلاح سو وہ آخر تک جاری رہی۔

اطمس علی اموالھم۔ ان کے مال پر جھاڑو پھیر دے ٹھیٹھ اردو میں نذیر احمدی ترجمہ ہے۔

۱۲۹ (اور اب یہ نافرمان ہلاک ہی ہو کر رہیں گے۔)

اس جواب کے صیغۂ تثنیہ سے معلوم ہوا کہ دعا میں حضرت ہارونؑ بھی شریک تھے۔ بلاغت قرآنی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جو چیزیں سیاق سے از خود روشن ہو جائیں، قرآن ان کی صراحت غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے۔

۱۳۰ (ہمارے وعدوں کے برحق اور قطعی ہونے کا، گو ان کا ظہور بہ توقف و بہ تاخیر ہو۔)

فاستقیما۔ یعنی تم دونوں اپنے فرض منصبی پر قائم رہو، اور دعوت و تبلیغ میں بدستور لگے رہو۔

لا یعلمون۔ یعنی ہماری حکمتِ تاخیر و مصالح توقف سے بے خبر ہیں۔

لا یعلمون صدق الاجابۃ وحکمۃ الامھال (مدارک)

۱۳۱ (کہ انھیں پکڑیں، سزا دیں، قتل کریں)

بنی اسرائیل کے اسی سفر بحری اور فرعون کی غرقابی پر مفصل حاشئے سورۂ بقرہ پارہ الٓمٓ میں گزر چکے۔

بغیًا وعدوًا۔ یعنی جو سرتاسر ناحق پر تھا کیا از روئے قول، اور کیا از روئے عمل۔ بغی کا تعلق قول سے، اور عدو کا عمل سے۔

قال المفسرون بغیًا طلبًا للاستعلاء بغیر حق القول وعدوًا فی الفعل (قرطبی) قیل بغیًا فی القول وعدوًا فی الفعل (معالم)

۱۳۲ (بدحواس و سراسیمہ ہو کر، اور ملائکۂ عذاب کو معائنہ کرنے کے بعد، جیسا کہ ہر کافر و منکر کو موت کے وقت فرشتگان عذاب کا معائنہ ہوتا رہتا ہے۔

حتیٰ اذا ادرکہ الغرق۔ اس میں بیان اس امر کا آگیا کہ عمل غرقابی شروع ہو چکا تھا، اور

قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ

میں ایمان لاتا ہوں کہ کوئی خدا نہیں بجز اس کے جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں ۱۳۳ الف

وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ

اور میں مسلموں میں داخل ہوتا ہوں ۱۳۴ الف (یہ) اب! حالانکہ تو تو سرکشی ہی کرتا رہا قبل تک

مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۱﴾

اور تو مفسدوں (ہی) میں شامل رہا ۱۳۵ الف

ڈوبنے والے کو امیدِ زیست اب مطلق باقی نہیں رہ گئی تھی۔

فآمن حیث لا ینفعه الایمان (ابن کثیر) تراکمت الامواج فوق فرعون وغشیه سکرات الموت فقال وهو کذلك (ابن کثیر)

اس غرقابئ فرعون میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ کسی میّت کا تدفین سے محروم رہ جانا اور دریا یا سمندر میں ڈال دیا جانا ایک بڑی بے عزتی اور تحقیر کی موت تھی، ملاحظہ ہو مارگریٹ مرے کی کتاب (THE SPLENDOR THAT WAS EGYPT) (مطبوعہ لندن)

۱۳۳ الف (اور توحید کا اقرار کرتا ہوں، اور نبوّتِ موسوئی کی تصدیق کرتا ہوں)

اٰمنت به بنوا اسرائیل۔ "بنی اسرائیل کے خدا" کی تصریح اس لئے کہ وہی تو ایک قوم توحید کی قائل تھی، دوسرا نکتہ یہ بھی کہ وہی قوم جو آج تک نظر میں اس قدر حقیر و ذلیل تھی، آج تصدیق اسی کے برسرِ حق ہونے کی کرنا پڑ رہی ہے محض یہ کہنے میں کہ "میں خدائے واحد پر ایمان لایا" یہ بات کہاں تھی، عمر بھر کے مشرک و ملحد کی نظرِ عرفانی اس وقت بھی محدود ہی رہی، سچا اور یکتا خدائے برحق اب بھی نہ سوجھا، زیادہ سے زیادہ نظر پہنچی بھی تو خدائے بنی اسرائیل تک۔

۱۳۴ الف (تو اب مجھے نجات ملے، اس غرق سے بھی اور عذاب آخرت سے بھی)

بڑی عبرت کے ساتھ پڑھنے کے قابل یہ آیتیں ہیں! جب فرعون جیسا پُر ہیبت، پُر شوکت، باجبروت تاجدار اپنے کو اس الحاح و زاری پر مجبور و مضطر پاتا ہے تو ہم جیسے "فرعون بے سامان" کس شمار و قطار میں ہیں۔

۱۳۵ الف (سو اب نہ ایمان مقبول، نہ نجات آخرت کی کوئی صورت۔)

آٰلْـٰٔنَ۔ یہ اب، جبکہ انکشافِ آخرت شروع ہو چکا، اور قبولِ ایمان کا وقت نہیں رہا۔

اتؤمن بالساعة فی وقت الاضطرار حین ادرکك الغرق وأیست من نفسك (مدارک)

وقد عصیت قبل۔ یعنی عین اس لمحہ سے قبل تک تیری ساری عمر تو ہماری مخالفت سرکشی

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ

سو آج ہم تیرے جسم کو نجات دے دیں گے تاکہ تو ایک نشان (عبرت) پیچھے آنے والوں کے لئے بنے ۱۳۶ اور

كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا

بے شبہ بہت سے لوگ ہماری (ایسی) نشانیوں سے غافل ہیں ۱۳۷ اور ہم نے بنی اسرائیل کو

بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ

بہت اچھا ٹھکانا دیا، اور ہم نے انھیں نفیس چیزوں کا رزق عطا کیا ۱۳۸

ونافرمانی ہی میں گزری، اور اب جب مشاہدہ ہمارے عذاب کا ہونے لگا، تو اب اقرار تسلیم واطاعت کو چلا ہے۔

انما اٰمن عند نزول العذاب والایمان فی ھذا الوقت غیر مقبول (کبیر)

من المفسدین۔ مفسد یہاں منکر اور باغی اور گمراہ کرنے والے کے معنی میں ہے۔

ای الذین ضلوا الناس (ابن کثیر)

حیرت ہے کہ قرآن کی ان تصریحات کے باوجود بھی بعض صوفیہ غیر محققین کو فرعون کی نجات اور صحت ایمان پر اصرار ہے "اور بعض اکابر سے جو فرعون کے ایمان کی صحت منقول ہے، وہ کسی شخص نے ان کی تصنیف میں الحاق کر دیا ہے، چنانچہ الیواقیت والجواہر میں اس کی تفصیل موجود ہے" (تھانویؒ)

۱۳۶ (اور تیرے لئے مزید رسوائی و تفضیح کا سامان بن رہا ہے)

فرعون کا ایمان جس طرح عالم یاس میں تمام تر ظاہری و صوری تھا، معنی و حقیقت سے خالی، اسی طرح اور ٹھیک اسی مناسبت سے اس کے جسم مردہ کی نجات بھی اس کے حق میں تمام تر بے سود رہی۔

اٰیۃ۔ یہاں عبرۃ کے مرادف ہے۔

ای عبرۃ وعظۃ (معالم) عبرۃ (جلالین) عبرۃ ونکالا من الطغیان (روح)

ایک غرق شدہ فرعون مصر کی نعش ماہرین اثریات کو مدت ہوئی قدیم مصری شہر تھیبس (THEBES) میں مل گئی تھی، اور آج قاہرہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے اور مؤرخین وماہرین کا خیال ہے کہ یہ فرعون (عمیس ثانی تھا) ــــ عمیس ثانی یا تو وہی قرآنی فرعون ہے اور یا فرعون مغروق اگر کوئی اور ہوا ہے تو ماہرین فن کو اس نفس کی شناخت میں دھوکا ہوا ہے، ایک ہندوستانی فاضل حکیم اسمٰعیل حسن علیش مرحوم امروہوی ثم رنگونی صدر جمعیۃ العلماء برما نے ۱۹۴۱ء میں فرعون قاہر کے نام ایک رسالہ بڑی کاوش و تلاش کے بعد شائع کیا تھا، جس میں دعویٰ کیا تھا کہ فرعون قاہر و مغروق تموتمس ثالث ہوا ہے، نہ کہ عمیس ثانی۔ واللہ اعلم۔

فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ

سو انھوں نے اختلاف نہیں کیا یہاں تک کہ ان کے پاس علم (حق) آگیا ۱۳۹ یقیناً آپ کا پروردگار قیامت

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾

کے دن ان کے درمیان ان امور میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے فیصلہ کردے گا ۱۴۰

۱۳۷ (اور خود اپنی غفلتوں اور طغیانیوں میں مبتلا، ان چیزوں سے ذرا بھی اثر نہ قبول کرنے والے۔)

ای لا یتعظون بھا ولا یعتبرون بھا (ابن کثیر)

۱۳۸ (اس ملک اور وطن میں)

مراد فلسطین و شام کے سرسبز و شاداب علاقے ہیں، ذکر اب بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے بعد کا ہو رہا ہے۔ مبوا صدق۔ کے لفظی معنی "منزل حسن" اور مکان خوب و دل پسند کے ہیں، محاورۂ عرب میں صدق کا مفہوم بہت وسیع ہے، ہر اچھی چیز کو اسی صفت سے ظاہر کرتے ہیں۔

وفی العباب کل ما نسب الی الصلاح والخیر اضیف الی الصدق (تاج)

ای مکانا محمودا (کبیر) منزلا صالحا مرضیا (کبیر) لان عادۃ العرب انھا اذا مدحت شیئا اضافتہ الی الصدق تقول رجل صدق وقدم صدق (کبیر)

مراد شام و ارض فلسطین سے قدیم مفسرین نے بھی لی ہے۔

المراد بہ الشام و بیت المقدس (بحر عن قتادۃ وابن زید والضحاک)

ورزقنٰھم من الطیبات۔ ملک شام اور اس کے ملحق علاقے اپنی سرسبزی، شادابی، خوش پیداواری کے لئے شروع سے آج تک مشہور چلے آرہے ہیں، توریت موجودہ میں ہے۔

"میں نازل ہوا ہوں کہ انھیں مصریوں سے چھڑاؤں اور اس زمین سے نکال کے اچھی وسیع زمین میں جہاں دودھ اور شہد موج مارتا ہے کنعانیوں کی جگہ میں لاؤں (خروج ۳۰ = ۸)

جدید جغرافیہ کی کتابوں اور سیاحت ناموں جن میں چاہیے بھی تفصیلات پڑھ لیجئے۔

۱۳۹ (پہلے انھیں کے پیمبروں کے ذریعہ سے اور پھر آخر میں نبی آخر الزماںؐ کے ذریعہ سے)

فما اختلفوا۔ یعنی راہ حق سے انحراف نہیں کیا۔

مطلب یہ ہوا کہ ان نعمتوں کا مقتضاء تو یہ تھا کہ بنی اسرائیل ہمیشہ سپاس گزار رہ کر توحید و رسالت کے عقائد پر مضبوطی سے قائم رہتے لیکن اس کے برعکس انھوں نے دین حق سے اختلاف و انحراف شروع کر دیا، اور وہ بھی بیانات نبوت سننے کے بعد۔

۱۴۰ اور وہ فیصلہ عملی، مشاہد و مرئی ہوگا، ورنہ علمی عقلی تحقیقی، فیصلہ تو اب بھی ہو چکا ہے۔

فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِّمَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ

پھر اگر (بالفرض) آپ کو شک ہو ان (مضامین) کے باب میں جو ہم نے آپ پر نازل کئے ہیں ۱۴۱؎ تو آپ ان لوگوں سے

يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ

پوچھ دیکھئے جو آپ سے پہلے کی کتابوں کو پڑھتے رہتے ہیں ۱۴۲؎ بالیقین آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾

طرف سے سچی (کتاب) آچکی ہے سو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہوں ۱۴۳؎

۱۴۱؎ (اسرائیلیوں، فرعونیوں وغیرہ کی حکایات اور تاریخ سے متعلق)

ذکر ابھی متصل اسرائیلی تاریخ کے بعض اجزاء اور فرعونیوں کی سرگذشت کا آیا ہے اس لئے مما انزلنا الیک کا تعلق بھی انھیں قصص و حکایات ہی سے معلوم ہوتا ہے اور مفسرین قدیم بھی یہی سمجھے ہیں۔

ای من القصص (بیضاوی) ای من القصص المنزلة الیک التی من جملتها قصة فرعون وقومہ واخبار بنی اسرائیل۔ (روح)

لیکن اگر محدود معنی نہیں، بلکہ وہ وسیع معنی مراد لئے جائیں، جو ظاہر الفاظ سے نکلتے معلوم ہوتے ہیں، یعنی کل مضامین کتاب میں شک، جب بھی کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا، قرآن نے تو یہ بات محض بطور فرض واحتمال کے کہی ہے، اور قرآن نے اس سے بڑھ بڑھ کر احتمالات یعنی محال محض چیزوں کے امکانات، اسی ترکیب کلام کے ساتھ پیش کئے ہیں، مثلاً خدائے قدوس کا صاحب اولاد ہونا۔

ان کان للرحمٰن ولدٌ۔ ابن جریر نے محاورۂ عرب سے سند پکڑ کر کچھ ایسا ہی پہلو اختیار کیا ہے۔

ان کنت فی شك۔ لازمی نہیں کہ یہ خطاب رسول ہی کے ساتھ سمجھا جائے، مخاطب اگر محض انسان سمجھا جائے تو اس کی بھی گنجائش نکل سکتی ہے، اور بعض اہل علم نے تقدیر کلام یوں ہی فرض کی ہے۔

ای ان کنت ایها الانسان فی شك مما انزلنا الیك من الهدیٰ علی لسان رسولنا محمدؐ (معلم)

یہ تقدیر کلام بھی بڑے بڑے ائمہ ادب و لغت سے منقول ہے کہ اے محمدؐ آپ کافر سے کہئے کہ اگر تجھے شک ہو تو۔ الخ

قال ابو عمر محمد بن عبد الواحد الزاھد سمعت الامامین ثعلبا والمبرد، یقولان ای قل یا محمد للکافر فان کنت فی شك الخ (قرطبی)

۱۴۲؎ (ان کی اصلی، غیر محرّف صورتوں میں)

مراد یہ ہے کہ قدیم آسمانی کتابوں کی اصل عبارتیں، انسانی تصرف و تحریف سے الگ کرکے، اگر دیکھی جائیں تو وہ بیانات قرآنی کی تمام تر تصدیق و تائید ہی کریں گی۔

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ

اور تو ان لوگوں میں سے ہرگز نہ ہو جائیو جنھوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا ورنہ تو بھی تباہ کاروں میں

الْخَاسِرِينَ ﴿٩٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾

(شامل) ہو جائے گا ۱۴۴ بے شک جن لوگوں کے حق میں آپ کے پروردگار کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے

وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٩٧﴾ فَلَوْلَا

خواہ ان کے پاس نشانیاں ساری (کی ساری) آجائیں جب تک کہ وہ عذاب دردناک (نہ) دیکھ لیں گے ۱۴۵

كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ ط

چنانچہ کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ اس کا ایمان لانا اسے نفع پہنچاتا بجز قوم یونسؑ کے ۱۴۶

الکتاب سے مراد جنس کتاب ہے۔

۱۴۳ (اس کے کسی مضمون سے متعلق بھی)

نزول قرآن کے زمانہ میں علم و تحقیق کی اجارہ داری گویا یہود ہی کی تھی، اور نمبر دوم پر عیسائی بھی تھے، یہ دونوں رسول امیؐ کی تکذیب و تضحیک پر بات بات پر تیار و آمادہ رہتے تھے، ادھر قرآن انھیں اہل علم کے مذہب اور تاریخ سے متعلق پوست کندہ حالات اسی رسول امیؐ کی زبان سے دھڑلے سے ادا کر رہا تھا، بشر کوئی سا بھی ہو، یہاں تک کہ سید البشرؐ بھی اس کا ایسے موقعوں پر ذرا رکنا جھجکنا بالکل ایک امر طبعی تھا۔

خلق سے بالکل بے جھجک، بے دھڑک ہو کر، حقائق کو بے تکان ادا کرنا یہ تو صرف حق تعالیٰ ہی کا خاصہ ہو سکتا تھا، اور اس سے ملتی ہوئی وہ توجیہ ہے جو فخر المفسرین رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں الوجہ الثالث کے ماتحت کی ہے۔

۱۴۴ (اے مخاطب)

خطاب یہاں عام انسان سے ہے۔

او الخطاب لکل سامع یجوز علیہ الشک (مدارک)

۱۴۵ (اور اس وقت معائنہ عذاب کے بعد ایمان لانا ہی بے سود ہوگا)

حقت علیھم کلمت ربک۔ کلمت رب "پروردگار کی بات" سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم تکوینی ہے

ای وعیدہ انھم یصیرون الی العذاب (بحر) ای حکمہ وقضاءہ المفسر عن الاشاءۃ بارادتہ تعالیٰ۔ (روح)

لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

جب وہ (لوگ) ایمان لے آئے ہم نے ان پر سے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی میں دور کر دیا، اور ان کو

وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾

ایک وقت (خاص) تک کے لئے خوش عیشی دی ۱۴۷

کل آیۃ۔ یعنی توحید و رسالت کے کل شواہد و دلائل۔

۱۴۶ (کہ صرف وہی وقت کے وقت ایمان لے آئی، اور عذاب دنیوی سے نجات پاگئی۔)

فلولا کانت قریۃ اٰمنت۔ ذکر ان بستیوں کا ہو رہا ہے، جو تکذیب انبیاء کی بنا پر ہلاک و برباد ہوئیں۔

فنفعھا ایمانھا۔ یعنی وقوع عذاب سے قبل وہ ایمان لے آتی اور تائب ہو جاتی، پورا فقرہ موقع توبیخ کا ہے، یعنی کوئی اور قوم بجز یونسؑ کے عذاب آنے سے قبل ایمان نہ لے آئی تو اُس کا ایمان اُسے نافع ہو جاتا اور عذاب سے اسے بچا لیتا اہل نحو اور اہل لغت کی بھی ایک جماعت نے یہی معنی لئے ہیں۔

والظاھر ان المعنی علی التوبیخ ای فھلا کانت اٰیۃ واحدۃ من ھٰی الذی الھلکۃ تائبۃ عن الکفر قبل مجیٔ العذاب ھٰکذا فسرہ الاخفش والکسائی علی بن عیسیٰ النحاس (تاج)

ھٰذا نص الفراء ومثلہ غیرہ۔ (تاج)

قوم یونس۔ یونس سے مراد پیمبر برحق یونس بن متّیٰ ہیں، عہد عتیق میں ان کا نام جونا یا JONAH کرکے آیا ہے، ان کا زمانہ آٹھویں صدی ق، م کے وسط کا ہے، ان کا معاصر اسرائیلی بادشاہ یربعام تھا، جس کا زمانہ ۸۰۷ ق م تا ۷۸۱ ق م ہے، باشندہ شہر نینوا کے تھے، جو اپنے زمانہ میں اسیریا (اشوریہ) کی پُر قوت سلطنت کا پایہ تخت تھا، اور آج ملک عراق میں جہاں موصل ہے اس کے مقابل دریائے دجلہ کے بائیں کنارہ پر واقع تھا، اس وقت شہر کا رقبہ ۱۸۰۰ ایکڑ تھا، اس کی قدامت اس سے ظاہر ہے کہ اس کا ذکر حمورابی کے نوشتوں میں ملتا ہے، ۲۲۸۵ ق، م میں، ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

۱۴۷ یعنی موت کے وقت تک دنیا میں یہ اطمینان و فراغت رہنے دیا۔

لما اٰمنوا۔ یعنی وہ ایمان لے آئے ایسے وقت کہ ابھی نزول عذاب نہیں ہوا تھا، صرف نزول عذاب کی علامتیں دور سے نظر آئی تھیں۔

قال الزجاج انھم لم تقع بھم العذاب وانما راو العلامۃ التی تدل علی العذاب ولو راٰوا عین العذاب لما نفعھم الایمان وقلت قول الزجاج حسن (قرطبی) ای عند ما راوا امارات العذاب ولم یوفر والیٰ حلولہ (روح)

کشفنا... الدنیا۔ یہ نجات کی صراحت صرف عذاب دنیوی سے متعلق ہے، باقی ایمان کے بعد

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ

اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو روئے زمین پر جتنے بھی لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے ۱۴۸؎ سو کیا آپ

النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ

ان لوگوں پر جبر کر سکتے ہیں جس میں وہ ایمان لے ہی آئیں ۱۴۹؎ اور کسی شخص کو (یہ قدرت حاصل) نہیں کہ وہ

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

ایمان لے آئے بجز اللہ کی مشیت کے ۱۵۰؎ وہ گندگی (کفر کی) واقع کر دیتا ہے ان لوگوں پر جو عقل سے کام نہیں لیتے ۱۵۱؎

نجات اخروی خود بخود متوقع ہو جاتی ہے۔

لما امنوا اکشفنا الخ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ مرید پر کوئی ایسا فیضان ہو جس کی خبر شیخ کو نہ ہو، گو وہ فیضان شیخ کی ہی برکت سے ہو، جیسا کہ حضرت یونسؑ کو اپنی امت کے ایمان کی اطلاع نہ ہوئی، حالانکہ خود وہ ایمان حضرت یونس نبیؑ کی برکات سے تھا۔

۱۴۸؎ (لیکن بے شمار تکوینی مصلحتوں اور حکمتوں سے مشیت الٰہی نے اس عالم کو عالم ابتلا ہی رکھا ہے اور کسی کو بھی ایمان لانے پر مضطر و مجبور نہیں کیا ہے)

للاشاعرۃ لکونہ مخالفا للحکمۃ التی علیہا بناء اساس التکوین والتشریع (روح) ای لاضطرھم الیہ (قرطبی)

کلھم۔ تاکید کے لئے ہے، بعض کے نزدیک من فی الارض کی تاکید کے لئے اور بعض کے نزدیک جمیعًا کی تاکید کے لئے۔

۱۴۹؎ اس میں رسول اللہ صلعم کو تسکین و تسلی دی گئی ہے کہ آپ سب کے ایمان نہ لانے سے مغموم و محزون نہ ہوں۔

یہیں سے بعض علمائے محققین نے یہ نکالا ہے کہ کافی تبلیغ کے بعد پھر نتائج کے درپے ہونے اور ثمرات تبلیغ کے انتظار کی ضرورت نہیں۔

۱۵۰؎ اذن آیت میں مشیت و توفیق کے معنی میں ہے۔

ای بمشیتہ او بقضائہ او بتوفیقہ (مدارک) الا بقضائہ وقدرہ ومشیتہ وارادتہ (قرطبی)

۱۵۱؎ یعنی اس کی مشیت صرف انھیں لوگوں کے ایمان لانے سے غیر متعلق رہتی ہے جو اپنی عقل و فہم خداداد سے کام نہیں لیتے اور حق کے قبول و اتباع کا قصد ہی نہیں کرتے، اس قسم کی آیتوں نے بار بار اس حقیقت کو صاف کر دیا ہے کہ کسی کے ایمان و ہدایت کی راہ میں اصلاً

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ

آپ کہدیجئے کہ تم دیکھو تو کیا کیا چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں ۱۵۲ اور کوئی بھی نشانیاں اور ڈراوے

وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰۱ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ

ان لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچاتے جو ایمان نہیں لاتے ۱۵۳ سو وہ تو بس ان لوگوں کے سے حوادث کا جو

اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ

ان کے قبل گزر چکے ہیں انتظار کر رہے ہیں ۱۵۴

رکاوٹ حق تعالیٰ کی طرف سے ہرگز نہیں ہوتی، صرف انسان کی اپنی کج نظری و بدنفسی کی طرف سے ہوتی ہے۔

الرجس۔ یعنی کفر و بد عقیدگی کی گندگی رجس یہاں ایمان کے مقابلہ میں آیا ہے اس لئے اس کے کھلے ہوئے معنی کفر کے ہیں۔

الرجس الذی یقابل الایمان لیس الا الکفر (کبیر) وھو الخبال والضلال (ابن کثیر)

۱۵۲ (حق تعالیٰ کی توحید اور قدرت اور صنعت پر دلالت کرنے والی)

انظروا۔ یعنی چشم بصیرت سے دیکھو، سوچو، اور غور کرو۔

دوسرے مذہبوں کے برعکس جہاں ایمان اور عقل کو ایک دوسرے کے منافی سمجھا گیا ہے، قرآن تو خود دعوتِ تکوینیات میں غور و فکر کرتے رہنے کی دیتا رہتا ہے۔

ای تفکروا (بیضاوی) امر بالنظر والاستدلال فی دلائل حتی لا یتوھم ان الحق ھو الجبر المحض (کبیر)

انظروا ماذا فی السمٰوٰت والارض۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں سے معلوم ہوا کہ خلق پر حق کے لئے نظر کرنا نظر الی الحق کے منافی نہیں۔

۱۵۳ یعنی ایمان لانا چاہتے نہیں، مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ دلائل حق پر سرے سے غور ہی نہیں کرتے، ان کے حق میں سارے ہی ترغیبی و ترہیبی دلائل و شواہد لاحاصل ہیں۔

النذر۔ نذر جمع نذیر کی ہے اور نذیر یہاں مصدر انذار کے مرادف ہے۔

النذر الرسل المنذرون او الانذارات (کبیر) والنذر جمع نذیر بمعنی منذر او بمعنی انذار ای الانذارات (روح)

جمع کا صیغہ اس لئے لایا گیا کہ انواع و اقسام کے ڈراوے سب اس میں شامل ہو جائیں۔

جمع لارادۃ الانواع۔ (روح)

ں کا خیر مقدم | پاناما لیکس کیس؛ ججز نے وزیر اعظم کے وکیل کے سامنے 3 سوال رکھ دئیے

مریم نواز کی زیر کفالت ہونے کا معاملہ ابھی حل نہیں ہوا :سپریم کورٹ

1 2 3 4 5 6 7 8 9 10

بریں

پشن تماشہ

یف جسٹس نے اکرم شیخ کو لقمہ دینے پر

ناما؛ سپریم کورٹ نے فریقین

ریم نواز کے زیر کفالت ہونے کا

Business News

KPT shipping intelligence report

Tokyo stocks close higher, SoftBank soars on Trump deal

Tokyo stocks open higher, tracking global gains
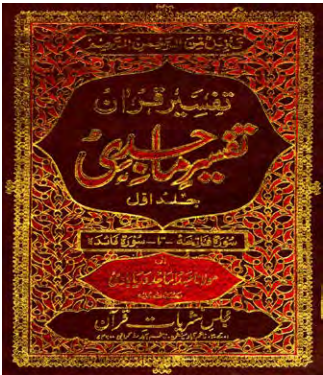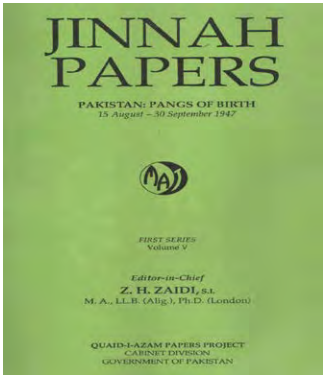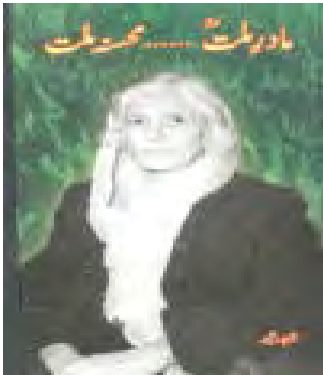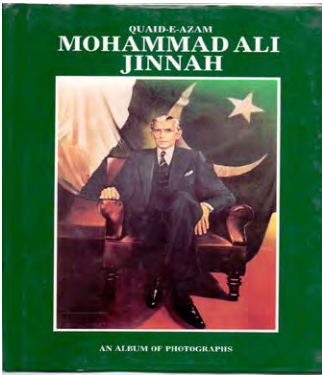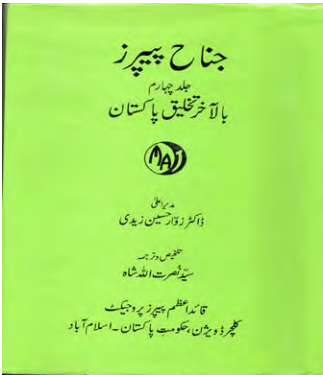
بھارت نے مقبوضہ کشمیر کو

بوضہ کشمیر؛ بھارتی فورسز

رپی یونیز دنیا کا ایک اہم

مزید

ی دفاع

می چیف سے برطانوی فوج کے کمانڈر

دہشتگردوں کیخاف با امتیاز

رمی چیف نے 4 دہشت گردوں کی

صدر اور وزیراعظم سے آرمی

وادی تیراہ میں جیٹ طیاروں کی

ایل او سی کی خاف ورزی

رب عضب: بے گھر افراد کے

ضرب عضب: متاثرین میں 5کروڑ

چیئرمین جوائنٹ چیفس آف اسٹاف

آرمی چیف یا جنرل زبیر کی حسین

مزید
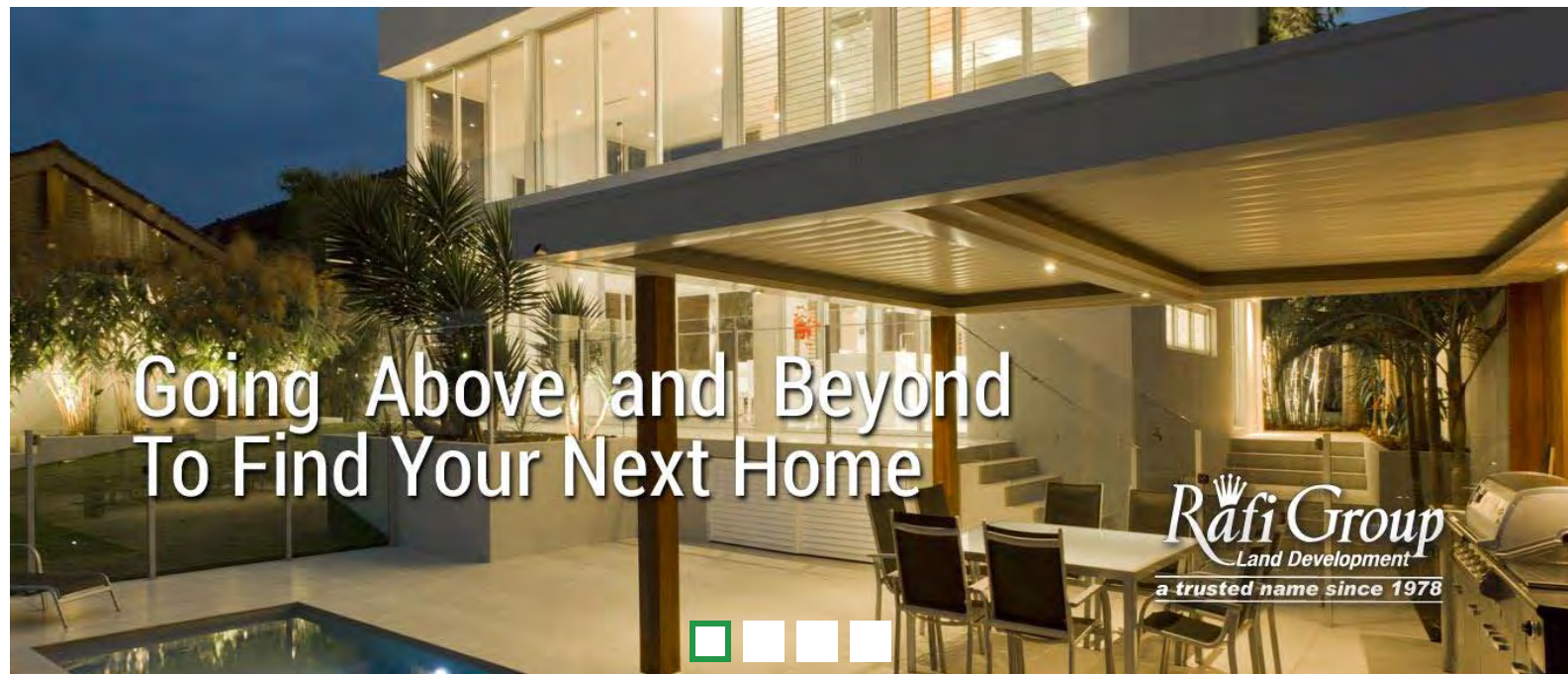
ٹرنیشنل

بنگلہ دیش میں کالعدم تنظیم کے 3 رہنماؤ ں

ٹرمپ نے عدم مداخلت پر مبنیہ

Defence

ویڈیو

مزید

ومی خبریں

زیر اعظم سے آزاد

اسام آباد:)ملت+اے پی پی(
زیر اعظم محمد نواز شریف
سے آزاد جموں وکشمیر کے
یر اعظم فاروق حیدر خاذ
ے بدھ کو یہاں وزیر اعظم

Poetry

ویڈیو

مزید

جاب حکومت

وزیراعلیٰ پنجاب شہباز

قرہ:)ملت+اے پی پی(ترک
در کی جانب سے وزیر
اعلیٰ شہباز شریف کا شاندار
استقبال کیا گیا۔ اس موقع پر
رجب طیب اردوان کا کہنا تھا
کہ مشکل ہو یا آسانی پاکستان
کے ساتھ کھڑے ہیں۔ ترکی
میں ناکام بغاوت کے خاف
پاکستان کے اظہار یکجہتی پر
شکر گزار ہیں۔ پاکستان اور
ترکی نے ہمیشہ ایک دوسرے
کا ساتھ دیا ہے۔ دونوں ممالک
آئندہ بھی اہم معاملات میں ایک
دوسرے کے ساتھ ہوں گے۔

اس موقع پر شہباز شریف کی
ترکی کے وزیراعظم بن علی
یلدرم

مزید

تصاویر

پنجاب تصاویر

مزید

سندھ تصاویر

مزید

خیبرپختونخواہ
تصاویر

مزید

پاکستان
تصاویر

مزید

م اسدالله
ب

م عمار
ہدری

ناکہ، ناکہ

اگر بسنت

ایک

یاسیر

جدہ

نیت

ڈاکٹر

طنت

وجی

دماغ

جی

وداع

ومت

ایک

وری

مران

دھیں

نگیز

رتاج

تنوں

لطان

زید

تصاویر دفاع

اے پی ای س

مزید

سپہ سالار

مزید

جنگ 65

مزید

ورزش کے

جرابیں پہن

مزید

سیز

اقوام متحدہ

تارکین

یلپنگ"

بیلجیم میں

کس حال

ان خبروں کو بھول نہ جانا

پاناما لیکس کیس؛ ججز نے وزیر اعظم کے وکیل کے سامنے 3 سوال رکھ دئیے

پاناما لیکس کیس؛ ججز نے وزیر اعظم کے وکیل کے سامنے 3 سوال رکھ دئیے

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِىْ فَلَاۤ اَعْبُدُ

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو اگر تم میرے دین کی طرف اشتباہ میں ہو ۱۵۷ سو میں ان (معبودوں) کی عبادت

الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ

نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے رہتے ہو اللہ کے سوا، بلکہ میں تو اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ

اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں بھی ایمان لانے والوں میں ہوں ۱۵۸ اور یہ کہ اپنا رُخ دین کی طرف خالصۃً

حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾

کر دینا۔ اور کہیں مشرکوں میں نہ ہو جانا ۱۵۹

حقًّا۔ یہ تاکید کے لئے ہے، ورنہ محض ذمہ داری کے اظہار کے لئے علینا بھی کافی تھا۔

ویستعمل استعمال الواجب واللازم والجائز (راغب)

ننجی یعنی اس عذاب سے نجات دے دیتے ہیں۔

حقیقۃً اللہ تعالٰے پر واجب کچھ بھی نہیں ہوتا، یہ محض کرم و بندہ نوازی ہے کہ ایسے احتمال کے لئے صیغہ وجوب کا لے آیا گیا ہے۔

۱۵۷ (اور تم پر یہ واضح نہیں ہوا ہے کہ جس دین کی دعوت میں دے رہا ہوں وہ اصلاً اور اپنی روح و مغز کے اعتبار سے ہے کیا۔)

یایہاالناس۔ خطاب ساری نوع انسان سے ہے محض اہل مکہ اہل عرب سے نہیں۔

۱۵۸ یہاں داعی اسلام کی زبان سے اصلی و اساسی فرق دین اسلام و دین جاہلیت کے درمیان بیان کر دیا ہے ارشاد یہ کرایا جا رہا ہے کہ اگر اب بھی ابہام و اشتباہ باقی ہے تو سن لو کہ بنیادی فرق میری دعوت اور تمہارے دین جاہلیت کے درمیان یہ ہے کہ تم سب شرک میں مبتلا ہو، اور کسی نہ کسی صورت میں غیر اللہ کو معبود بنائے بیٹھے ہو، اور میری دعوت خالص توحید کی ہے، میں اس خدا کی عبادت کی طرف بلا رہا ہوں، جو مطلق الاختیار ہے، موت و زندگی دونوں پر حاکم ہے۔

اللہ الذی یتوفّٰکم۔ بہت سی مشرک جاہلی قوموں نے خالق کسی اور کو سمجھا ہے اور موت و ہلاکت کا دیوتا کسی اور کو، اور عجب نہیں کہ مشرکین عرب بھی کچھ اسی قسم کے فساد عقائد میں مبتلا ہوں، اور یہ نہ ہو جب بھی یتوفّٰکم یہ پہلو نمایاں طور پر سامنے لا رہا ہے کہ موت تمام تر اسی خدائے برحق کے ہاتھ میں ہے، سابقہ اسی سے پڑنے والا ہے، ڈرنا اسی کی نافرمانی سے چاہئے۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ

اور اللہ کے علاوہ کسی (اور کو) نہ پکارنا جو تجھے نہ نفع پہنچا سکے اور نہ نقصان پہنچا سکے، پھر اگر تو نے

فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ

ایسا کیا تو یقیناً تو ظالموں میں ہو جائے گا ۱۶۰ اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچا دے تو کوئی

فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۚ

اس کا دور کرنے والا نہیں بجز (خود) اسی کے اور اگر وہ تجھے کوئی راحت پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے

يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾

فضل کا ہٹانے والا نہیں (وہ) اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے کر دے، اور وہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۱۶۱

۱۵۹ ان اکون سے لے کر من المشرکین برابر اسی مضمون کا بیان رسول ﷺ کی زبان سے ہے کہ میری حیثیت واضع قانون کی نہیں، صرف حامل قانون کی ہے، جو قانون حیات لے کر میں آیا ہوں، خود بھی اس کے دائرہ نفاذ سے مستثنیٰ اور بالاتر نہیں ہوں، بلکہ سب سے پہلے تو خود ہی اس کے آگے سر جھکانے والا ہوں۔

ان اکون من المومنین۔ سے بہ قاعدہ اشارۃ النص علماء نے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا ہے کہ ایمان وہی معتبر ہے جو معیت مومنین میں اتباع نبی سے حاصل ہو، نہ کہ وہ جو محض استدلال نظری و فلسفی سے حاصل ہو جائے۔

۱۶۰ (اے مخاطب)

خطاب یہاں عام ہے ہر ناظر قرآن سے۔

مالا ینفعک ولا یضرک۔ اس کے تحت میں ساری مخلوقات آگئی، نفع رسانی ضرر رسانی حقیقۃً غیر اللہ میں سے کسی کے ہاتھ میں بھی نہیں۔

الظلمین۔ یعنی ان جانوں پر آپ ظلم کرنے والے، منکرین، ملحدین، مشرکین۔

۱۶۱ اُسی کی غفوریت اور اس کی رحیمیت تو اس کے اعلیٰ اور بنیادی صفات کمالیہ ہیں ہے ان سے محروم تو بس وہی ہوا ہے جس نے اپنے کو شدید کوشش کر کے اُن سے محروم کر لیا ہے۔

اللہ کے یہ صفات کمال جو ہر مسلمان کے نزدیک ایک معلوم و معروف و مسلّم حیثیت رکھتے ہیں، غیر مسلم ہمیشہ انھیں صفات کے باب میں ٹھوکریں کھاتے رہے ہیں، اور آج بھی خدا معلوم کتنے انھیں چکروں میں پڑے ہوئے ہیں، غفوریت کا تعلق اخروی عطیات سے ہے، اور رحمت کا دنیوی عطیات سے

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ

آپ کہہ دیجئے اے لوگو تمہارے پاس حق تمہارے پروردگار کی طرف سے پہنچ چکا ۱۶۲ سو (اب)

اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ

جو کوئی راہ ہدایت پر آجائے گا سو وہ بس اپنے ہی لئے ہدایت پائے گا اور جو کوئی بھٹکا رہے گا، اس کے بھٹکنے

وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ

(کا وبال) بھی اسی پر رہے گا اور میں تمہارے اوپر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں ۱۶۳ اور آپ اس کی پیروی کئے

حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ ع

جائیے جو آپ پر وحی کیا جاتا ہے اور صبر کئے رہیے یہاں تک کہ اللہ فیصلہ صادر کردے ۱۶۴ اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے

ع ۱۱

۱۶۲ (دلائل و شواہد کے ساتھ)

الحق من ربکم۔ یعنی یہی پیام قرآن اور وحی الٰہی۔

یاایھا الناس۔ خطاب ایک بار پھر عام نسل انسانی سے ہے نہ کہ مخصوص قوم عرب سے

پیام قرآنی کی عالم گیری پر ایک مزید دلیل۔

۱۶۳ آیت میں ایک طرف تو تاکید ہے، شخصی ذمہ داری اور انفرادی جواب دہی کی، اور

دوسری طرف پوری ضرب ہے، کفارہ توسل وغیرہ پر جو دوسرے مذہبوں کی عین جان ہیں، اور

تیسری طرف تبری ہے پیمبر وقت کی ذمہ داری سے۔

۱۶۴ (دنیا اور آخرت دونوں میں)

دنیا میں اس نے یہ فیصلہ آگے چل کر جہاد و قتال کی صورت میں صادر کردیا۔

واصبر۔ یعنی منکرین و مکذبین کی اذیت رسانی پر صبر کرتے رہیے۔

(۱۱)

آیاتہا ۱۲۳ — ۱۲۳ آیتیں

سُوْرَةُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ

رکوعاتہا ۱۰ — ۱۰ رکوع

سورۃ ہود مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحمت کرنے والے بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے شروع

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ

الف۔ لام۔ را۔ یہ ایک کتاب کہ اس آیتیں مضبوط کی گئی ہیں پھر کھول کر بیان کی گئی ہیں، ایک حکیم

حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝۱ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ

باخبر کی طرف سے ہے لہ (اس مضمون کے ساتھ) کہ کسی کی عبادت نہ کرو بجز اللہ کے میں تم کو

لہ (اور اس حکیم و خبیر متکلم کی حکمت اور باخبری کا ظہور کلام کے ایک ایک جزو سے بھی قدرۃً ہو رہا ہے۔)

کتابٌ۔ کتابٌ کی تنوین سے یہاں خود یہ مفہوم پیدا ہوگیا ہے کہ یہ کتاب عظیم الشان ورفیع المنزلت ہے۔

ای ھٰذا کتاب عظیم الشان کما افادہ التنوین (المنار)

احکمت۔ اس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں، دلائل و شواہد اور حسن اسلوب، کمال بلاغت کے ساتھ۔

جعلت اٰیاتہ محکمۃ النظم والتالیف واضحۃ المعانی بلیغۃ الدلالۃ والتاثیر (المنار)

ثُمَّ۔ کا مفہوم اس سیاق میں اردو میں پوری طرح "مزید برآں" یا "اور اس پر یہ کہ" سے واضح ہوگا۔ ثمّ کا یہاں یہ مطلب نہیں کہ آیتیں پہلے مضبوط کی گئیں اور اس کے بعد ان کی تفصیل کی گئی، بلکہ مراد یہ ہے کہ ان میں قوت، پختگی و استحکام کے علاوہ دوسرا وصف تفصیل وضاحت کا ہے۔

لیس معناھا التراخی فی الوقت ولکن فی الحال کما تقول ھی محکمۃ احسن الکلام ثم مفصلۃ احسن التفصیل (کشاف)

ثم جاءت لترتیب الاخبار لا لترتیب الوقوع فی الزمان (بحر)

حکیم۔ حکیم مطلق، جس کے احکام سرتاسر حکمت و مصلحت ہی پر مبنی ہیں۔

حکم کامل الحکمۃ ھو الذی احکمھا (المنار)

خبیر۔ عالم کل، جو ماضی، حال و مستقبل سے یکساں باخبر ہے۔

خبیر تام الخبرۃ ھو الذی فصلھا۔ (المنار)

مِنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ

اس کی طرف سے ڈرانے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں لے اور یہ (مضمون بھی) کہ تم اپنے پروردگار سے مغفرت چاہو پھر

يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ

اس کی طرف رجوع کرے رہو وہ تمہیں خوش عیشی دے گا ایک وقت مقرر تک سے اور زیادہ عمل کرنے والے کو اس

ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ

زیادہ اجر دے گا کے اور اگر تم روگردانی کرتے رہ گئے تو مجھے تمہارے لیے

لدن۔ عند سے زیادہ زور، اثر و تخصیص رکھتا ہے

لدن ظرف مکان اخص من عند وابلغ (المنار) قال بعضهم لدن ابلغ من عند واخص (راغب)

لے یعنی اس کتاب حکیم و خبیر کا سب سے اہم و مقدم مضمون یہی ہے۔ اللہ کی توحید اور رسولوں کی رسالت کی تصدیق سارے قرآن کا اصل نچوڑ اور لب لباب یہی ملے گا۔

سے یعنی مدت حیات تک۔

آیت سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ تقویٰ و طہارت کی زندگی اختیار کرنے سے دنیا کا عیش کچھ گھٹ نہیں جاتا، بلکہ یہ صالحانہ زندگی حصول راحت و سکون میں اور معین ہوتی ہے۔

ان استغفروا ربکم۔ یعنی کفر، شرک، وغیرہ کے گناہوں سے معافی چاہو، اور ایمان صحیح اختیار کرو۔

ثم توبوا الیہ۔ یہ رجوع اللہ کی طرف طاعت، عبادت، عمل صالح کے ذریعہ سے ہونا چاہیے۔

یمتعکم متاعا حسنا الی اجل مسمی۔ اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ نظام صالح کے ماتحت صالحانہ زندگی گذارنا دنیوی عیش و راحت کا بھی سبب بن جاتا ہے۔

کے (آخرت میں)

یعنی جو عالی ہمت طالبان حق ہیں، انھیں آخرت میں مرتبے بھی انھیں کی جانکاہیوں کے مطابق ملیں گے۔ اور جس طرح طاعت و تقویٰ کی کوئی حد معین نہیں، مراتب اخروی کی بھی کوئی حد و نہایت نہیں۔

معناہ ویؤت کل ذی فضل موجب فضلہ (کبیر)

یہ جزا آخرت میں کامل و خالص ہوگی۔ دنیا میں یہ جزا دوسرے مصالح تکوینی کی بنا پر اکثر محدود و ناقص اور ممزوج و مخلوط ہوتی ہے۔

فھو عام مطلق فی جزاء الافراد وفی الاخرۃ مقید فی جزائھم فی الدنیا۔ (المنار)

ذی فضل۔ یعنی صاحب اعمال صالحہ فاضلہ۔

ذی عمل صالح (معالم) کل من تفضل بفضل مالہ او قوتہ او معروفہ علی غیرہ محتسبا بذلک

عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ۝ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ

ایک روز اہم کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ تم سب کی واپسی اللہ ہی کی طرف (ہونا) ہے اور وہ ہر چیز پر پورا

شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ

قادر ہے۔ ۵ سنو سنو، وہ لوگ اپنے سینوں کو دوہرا کئے رہتے ہیں تاکہ (اپنی باتیں) اللہ سے چھپا سکیں۔

أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ

سنو سنو وہ لوگ جس وقت اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں (اس وقت بھی) وہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں،

وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝

اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں، بیشک وہ ان کے اندر کے بھید سے خوب واقف ہے۔ ۶

مریبًا به وجه الله (ابن جریر عن قتادۃ)

۵ (تو پھر ایسے قدرت لامحدود والے کو ماننے کے بعد تمہیں نظامِ آخرت، اور سلسلۂ جزا کی کسی کڑی پر بھی حیرت کیوں ہے۔

الی اللہ مرجعکم۔ ترکیب کلام نے معنی حصر کے پیدا کر دیئے۔ یعنی واپسی اللہ ہی کی طرف ہونا ہے نہ کہ کسی اور شارع مطلق کی طرف اس لئے ساری لَو اسی سے لگائے اور ساری امیدیں اسی سے قائم کئے رہنا چاہیئے۔ فخر المفسرین فخر رازیؒ نے آیت کے تحت میں جو کچھ لکھا ہے، پڑھنے کے قابل ہے۔

یوم کبیر۔ مراد یوم قیامت کا ہونا ظاہر ہے، اس کی ہولناکیوں اور اس کے اشتداد کی بنا پر۔

هو یوم القیٰمة (روح) وهو کبیر لما فیه من الاهوال (قرطبی)

هو علیٰ کل شیٔ قدیر۔ سو اس کی صفت قدرت کاملہ سے متعلق کسی دھوکے کسی غلط فہمی میں نہ رہو۔ نہ کسی کو اس کی قدرت میں شریک سمجھو۔ وہ قادر تو اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر عجیب چیزوں پر ہے۔

۶ منافق اور کافر اللہ کی اس صفت عالم الغیبی کو برابر بھولے رہتے ہیں، ورنہ ان کی ہمت ہی سازشوں کی نہ پڑے، قرآن بار بار اسی کا استحضار چاہتا ہے۔

انھم۔ منه رسول اللہ صلی اللہ صلعم کو بھی ہر مزاج و طبیعت اور ہر ذہنیت کے مخالفین سے سابقہ پڑا تھا۔ ایک گروہ ان "عقلمندوں" میں ایسا بھی تھا کہ جب یہ لوگ آپس میں چپکے چپکے اسلام و رسول اسلام کے خلاف سازشیں کرتے، تو ان سرگوشیوں کے وقت افراط سعی اخفا میں اس اس طرح سمٹ سمٹ کر رہتے کہ گویا اپنے سینوں کو دوہرا کئے ڈالتے ہیں، اور کپڑے اپنے اوپر الگ ڈالتے چلے جاتے، بلکہ نام بھی اخنس بن شریق اور بعض دوسرے منافقوں کے روایتوں میں آئے۔ قرآن مجید نے ان کی ہیئت کذائی کو بے نقاب کر دیا۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ

اور کوئی جاندار زمین پر ایسا نہیں کہ اللہ کے ذمہ اس کا رزق نہ ہو ۷ اور وہ ہر ایک کے زیادہ

مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ ﴿٦﴾ وَهُوَ الَّذِي

رہنے کی جگہ اور کم رہنے کی جگہ کو جانتا ہے، ہر چیز کتاب میں درج ہے ۸ اور وہ وہی ہے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهُ عَلَى

جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کر دیا اور اس کا عرش (حکومت) پانی پر تھا تاکہ تمھیں

الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۗ

آزمائے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے بہتر ین کون ہے ۹

اور ان پر گرفت ہوئی کہ کیا تمہاری یہ رازداری حق تعالیٰ عالم الغیب کے مقابلہ میں بھی چل جائے گی؟

روی ان طائفة من المشرکین قالوا اذا اغلقنا ابوابنا وارسلنا ستورنا استغشینا ثیابنا وثنینا صدورنا علی عداوة محمد فکیف یعلم بنا (کبیر)

صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ انسان اگر اس آیت کا مراقبہ عادۃً جاری رکھے، اور اپنی ہر خلوت و مجلس اور خطرۂ قلب و حدیث نفس میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر یقین کرے اور یہ سمجھے کہ وہ دیکھ رہا ہے، تو گناہ کی جرأت بھی شاید نہ ہو سکے ــ تقویٰ کی اصل بنیاد یہی اللہ کی عالم الغیبی کا استحضار ہے۔

انه علیم بذات الصدور ـ سو اللہ کی صفت علم سے متعلق اور اس کے علم محیط و علم کامل سے متعلق کوئی غلط فہمی نہ رہنے پائے۔ کثرت سے گمراہ قوموں نے باری تعالیٰ کی صفتِ علم و صفت قدرت ہی میں ٹھوکریں کھائی ہیں۔

یعلم ما یسرون وما یعلنون۔ اللہ تعالیٰ کے لئے لوگوں کا اظہار اخفاء سب یکساں ہے۔

۷ یعنی ادنیٰ سے ادنیٰ، حقیر سے حقیر کیڑے کے لئے بھی سامان رزق کی فراہمی کے اسباب وہی پیدا کرتا رہتا ہے، اس کی ربوبیت اور صفت علم کا احاطہ کون کر سکتا ہے۔ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اسباب رزق کی طرف غافل و بے فکر ہو جائے، بلکہ مراد یہ ہے کہ بنے تکیہ اسباب پر نہ کرے سب کا مبداء، مرجع و منتہا اللہ ہی کو سمجھے رہے۔

دَآبَّةٍ۔ کے معنی مطلق جانور کے ہیں اور اس کا اطلاق ہر قسم کے حیوان پر ہوتا ہے۔

قال الزجاج: الدابة اسم لکل حیوان، واطلق علی کل حیوان ذی روح (کبیر)

یہاں بھی اپنے اسی وسیع مفہوم میں ہے اور اس پر اکابر تفسیر کا اتفاق ہے۔

المراد بهذا اللفظ فی هذه الآیة الموضوع الاصلی اللغوی فیدخل فیه جمیع الحیوانات

وھذا متفق علیہ بین المفسرین۔ (کبیر) الدابۃ اسم عام یشمل کل نسمۃ حیۃ تدب علی الارض زحفا او علی قوائم (المنار)

عَلَى اللّٰهِ ۔ یعنی اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اسے اپنے اوپر واجب کرلیا ہے۔

ای واجب علی اللہ بحسب الوعد والفضل والاحسان۔ (کبیر) بلفظ الوجوب وانما ھو تفضل (کشاف)

درنہ حقیقۃً تو کوئی شے بھی حق تعالیٰ کو پابند نہیں بنا سکتی۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اسباب کو اگر اس اعتقاد کے ساتھ اختیار کیا جائے کہ مُسبب اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ اعتقاد نہ رکھا جائے کہ بدون اسباب کے رزق حاصل ہی نہیں ہوتا تو یہ توکل کے منافی نہیں، حاصل یہ کہ وثوق اور ربط قلب بس حق تعالیٰ ہی کے ساتھ ہونا چاہیئے۔

عارف رومیؒ اپنی مثنوی میں یہ حکایت لائے ہیں، کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا آپ نے پوچھا کہ اپنی اونٹنی کو کیا کیا؟ اس نے کہا کہ خدا کے توکل پر یوں ہی باہر چھوڑ دیا ہے، آپ نے فرمایا کہ نہیں اسے باندھ دو۔ اور پھر اللہ پر بھروسہ رکھو۔ یہ شعر اسی موقع کا ہے ؎

گفت پیغمبر بہ آواز بلند ۔۔۔۔ بر توکل زانوے اُشتر بہ بند

شریعت اسلامی کی تعلیم ترک اسباب کی نہیں بلکہ اس عالم اسباب ظاہری کی پوری رعایت کرکے، پھر اللہ پر اعتماد و توکل کی ہے۔

۸ (اور اسی صحیفۂ علم الٰہی کا دوسرا نام لوح محفوظ ہے)

مُسْتَقَرَّ اور مُسْتَوْدَعَ ۔ کی تفسیریں متعدد نقل ہوئی ہیں لیکن ان میں سے ماثور کوئی بھی نہیں اور نہ ماہرین لغت ہی کا کسی ایک مفہوم پر اتفاق ہے، ترجیح اسی مفہوم کو ہے جو ترجمہ میں ظاہر کردیا گیا۔

مقصود بہرصورت یہ ہے کہ اللہ کا علم ہر جاندار کی پیدائش، زندگی، موت کی جگہ سب پر محیط ہے، کوئی چیز بھی اس کے احاطہ علم سے خارج نہیں۔

۹ یہاں یہ تصریح کے ساتھ بتا دیا گیا ہے کہ دنیوی زندگی، جو کل سلسلہ حیات و کائنات کا ایک بہت مختصر و محدود حصہ ہے، اس کی آفرینش کی غرض و غایت یہ ہے کہ انسانی اعمال کی جانچ کرکے نیکوں کو حشر میں انعام سے سرفراز کیا جائے۔

دو لفظوں میں اس گہری حقیقت کی طرف اشارہ کردیا کہ اس دنیا کی حیثیت تمام تر ایک امتحان گاہ کی ہے ــــــ ہر طالب علم ذاتی تجربے سے جانتا ہے کہ امتحان گاہ کے لوازم اور متضمنات کیا کیا ہیں؟ اور کتنا بدنصیب ہے وہ طالب علم جو امتحان کی گھڑیوں کو غفلت اور لاابالی پن کی نذر کردے۔

اَیّام عرش ...... یوم اور عرش دونوں پر حاشیے پہلے گزر چکے ہیں، جن میں دکھایا جا چکا ہے کہ اس قبل آفرینش والے یوم سے مراد یہ بعد آفرینش والا چوبیس گھنٹہ کا دن رات تو ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ اس سے مراد صرف چھ حالتیں یا چھ مختلف زمانے ہیں، علیٰ ہذا۔ عرش سے مراد کوئی بچھا ہوا مادی تخت نہیں بلکہ

وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ

اور اگر آپ (ان سے) کہیں کہ یقیناً تم لوگ مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو جو لوگ کافر ہیں ضرور کہہ اٹھیں گے

كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷

کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے ۝۱۰

تخت حکومت ہی مراد ہو سکتا ہے

المعنی الکل المفهوم من العرش انه مرکز نظام الملک ومصدر التدبیر له (المنار)

گویا ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ یہ آسمان و زمین، اور سارا نظامِ کائنات سب حادث و مخلوق ہیں، ان کو قدیم اور معبود سمجھنے والے اور انھیں دیوی، دیوتا قرار دینے والے ان کی پوجا پاٹ میں لگے رہنے والے سن لیں کہ یہ سب اسی قادر مطلق کے پیدا کئے ہوئے ہیں، اور ایک زمانہ ایسا گزرا ہے، جب یہ کچھ بھی نہ تھے، اس پر جاہلی دماغوں میں معاً یہ سوال پیدا ہو گا کہ مانا لیکن جب یہ کچھ عالم مافی العالم تھا ہی نہیں تو پھر آخر خدا کی خدائی اور حکومت کہاں اور کس پر تھی؟ اسی سوال کی مناسبت سے معاً بعد ارشاد ہوتا ہے کہ بے شک اس کی حکومت قدیم ہے، وہ اِس عالم سے قبل پر اُس عالم پر تھی جو اُس وقت موجود تھا، یعنی عالم آب!

كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ۔ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس (جلد ۹ صفحہ ۱۸۳) میں ہے کہ ہندو اور یونانی فکر کے ابتدائی دور سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا پانی سے پیدا ہوئی، وید کے حوالے سے ہندو عقیدہ نقل کیا ہے کہ یہ کائنات سیال پانی ہے۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو ایک دوسری جگہ یہ کہہ کر اور زیادہ صاف کر دیا ہے کہ اس کائنات کی جاندار مخلوق کا مادۂ حیات پانی ہی ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ (الانبیاء۔۳)

آیت کے اس جزو سے ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ عرش الٰہی قدیم تر ہے، زمین و آسمان کا ہم عمر نہیں، جب زمین تھی نہ آسمان، جب وہ عالم آب پر اسی طرح قائم تھا۔

لِيَبْلُوَكُمْ کا نحوی تعلق خلق سے ہے، یعنی آفرینش کی غرض وغایت ہی امتحان، آزمائش اور جانچ ہے۔

اللام للتعلیل متعلقة بخلق۔ (روح)

ای خلق ذٰلک لیبتلیه عبادهٗ (قرطبی)

متعلق بخلق ای خلقها من مافیها لیختبرکم (جلالین)

قال لیبلوکم یرید لیفعل بکم ما یفعل المبتلی لاحوالکم کیف تعملون۔ (کشاف)

یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ جوں ہی کسی بندے کی مہلتِ امتحان ختم ہو جاتی ہے اس بندے کو معاً اس امتحان گاہ عالم سے واپس بلا لیا جاتا ہے۔

وَلَئِنۡ اَخَّرۡنَا عَنۡهُمُ الۡعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعۡدُوۡدَةٍ لَّيَقُوۡلُنَّ

اور اگر ہم ان پر سے عذاب ملتوی رکھیں کچھ مدت تک تو کہنے لگتے ہیں کہ (آخر) کیا چیز اسے روک رہی ہے

مَا يَحۡبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوۡمَ يَاۡتِيۡهِمۡ لَيۡسَ مَصۡرُوۡفًا عَنۡهُمۡ وَحَاقَ

سن رکھو جس دن وہ اُن پر آہی پڑے گا تو اُن سے ٹل کر نہ رہے گا اور جس (عذاب) کے ساتھ یہ استہزاء

بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿٨﴾ وَلَئِنۡ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَةً

کر رہے ہیں وہ انھیں آہی گھیرے گا ۱۱ اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں اور

ثُمَّ نَزَعۡنٰهَا مِنۡهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوۡسٌ كَفُوۡرٌ ﴿٩﴾

پھر اسے اس سے واپس لے لیتے ہیں تو وہ ناامید (و) ناشکر ہو جاتا ہے ۱۲

ع ۸

۱۱ (جو مؤثر تو ضرور ہے، لیکن حقیقت و صداقت سے خالی)

الذین کفروا ۔ یعنی جو لوگ عقیدہ بعث وحشر کے منکر ہیں۔
منکر اور مومن کے درمیان یہی تو بڑا فرق ہے کہ مومن اپنے ہر "آج" کا دامن "کل" سے وابستہ سمجھتا ہے۔

اشار وابھذا الی القرآن لان القرآن ھو الناطق بالبعث (کشاف) والظاھر الاشارۃ بھذا الی القول . (بحر) ای القول بہ او القرآن المتضمن لذکرہ ۔ (بیضاوی)

سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ۔ یعنی یہ کلام ہے تو باطل ہی! اور غیر خدائی لیکن بڑا مؤثر — بعینہٖ اسی خیالِ باطل کی ترجمانی "عقلاء فرنگ" فرماتے ہیں کہ محمد نے اپنے کلام اور عمل سے انقلاب تو عظیم الشان پیدا کر دیا ہے، اصلاحیں بھی بہت کچھ کر دیں لیکن تھے وہ ایک خود ساختہ ہی نبی، بڑے زمانہ شناس، بڑے صاحبِ تدبیر! بڑے دور بیں اور بڑے زمانہ ساز۔

۱۲ جاہلی ذہنیت پر مزید روشنی ڈالی ہے کہ یہ بھی عجب الٹی سمجھ کے لوگ ہیں جس عذاب کے یہ ہر طرح مستحق ہیں، اسے ہم عارضی طور پر روکتے تو اپنی کسی حکمت و مصلحت سے ہیں، اور یہ لگتے ہیں طنز و تعریض کے ساتھ مسلمانوں سے دریافت کرنے کہ آخر اس عذاب موعود میں دیر ہی کیا ہے ہم پر آ کیوں نہیں پڑتا؟

اَخَّرۡنَا عَنۡهُمُ الۡعَذَابَ ۔ یہ ارادی تاخیر کسی نہ کسی مصلحت و حکمت تکوینی ہی کے ماتحت ہوتی ہے۔

لَيَقُوۡلُنَّ ۔ ان کا یہ قول عام اور معمولی استفسار نہیں ہوتا انکار و استہزاء سے پیدا ہوتا ہے۔

اُمَّةٍ مَّعۡدُوۡدَةٍ ۔ امۃ یہاں اپنے مجازی معنی میں یعنی حصۂ وقت کے مرادف ہے۔

معناہ الی حین ووقتا معلوم ۔ (بحر)

الی اجل معدود وحین معلوم (قرطبی)

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ

اور اگر ہم اس کو بعد تکلیف کے جو اسے واقع ہوچکتی ہے کسی نعمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میرا دکھ درد

السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿۱۰﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا

رخصت ہوگیا بے شک وہ بڑا اترانے والا ہے بڑا شیخی بگھارنے والا ہے ۱۳؎ بجز ان لوگوں کے جو صبر کرتے والے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

ہیں اور نیک کام کرتے رہتے ہیں یہی لوگ تو ہیں جن کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے ۱۴؎

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ

سو (ان کو یہ امید لگی ہوئی ہے کہ) شاید آپ کچھ حصہ اس میں سے چھوڑ دیں جو آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے ۱۵؎

ابن عباسؓ صحابی سے لے کر مشاہیر تابعین اور اکابر مفسرین سب نے یہی معنی لیے ہیں۔

الامة ههنا المدة من الزمان قاله ابن عباس وقتادة ومجاهد والجمهور (بحر)

الامة ههنا المدة قاله ابن عباس ومجاهد وقتادة وجمهور المفسرين۔ (قرطبی)

يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ۔ سے مراد اس عذاب کا وقتِ موعود ہے۔

حَاقَ۔ صیغۂ ماضی ہے حالانکہ ذکر عذاب مستقبل کا ہو رہا ہے تو ایسے موقع پر صیغہ ماضی لانا کمالِ تاکید اور زور کے لئے ہے۔

اخبر عن احوال القيامة بلفظ الماضي مبالغة فی التاكيد والتقرير (كبير) وضع الماضي موضع المستقبل تحقيقا ومبالغة فی التهديد۔ (بیضاوی)

۱۲؎ (کہ گویا اسے اعادہ رحمت کا احتمال ہی نہیں رہتا' عام فطرت بشری کا بیان ہے۔)

الانسان۔ جب قرآن میں عام و مطلق صورت میں آتا ہے تو بیشتر (گو ہمیشہ نہیں) اس سے مراد کافر ہی انسان سے ہوتی ہے۔

۱۳؎ (کہ گویا اب پھر اسے دکھ درد کبھی ہونے ہی کا نہیں)

اب بیان اسی فطرتِ بشری کے دوسرے پہلو کا ہو رہا ہے — واقعی ان گنتی افراد کے سوا دینی تربیت سے محروم انسان بھی کیسا افراط و تفریط کے دونوں سروں کے درمیان جھولا کرتا ہے۔

۱۴؎ عام فطرتِ بشری اور اس کے مقتضائے طبعی کا بیان اوپر ہوچکا، اب ذکر ان خوش نصیبوں کا ہے جنھیں ایمان و تقوی کی تربیت مل چکی ہے، یہ ایسے نہیں ہوتے، یہ زوالِ نعمت کے وقت صبر و تسلیم سے اور حصول نعمت کے وقت شکر و طاعت سے کام لیتے رہتے ہیں۔

وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ

اور آپ کا دل اس سے تنگ ہو رہا ہے کہ وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس (شخص) پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل ہوا یا اس

مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۲﴾

(شخص) کے ہمراہ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا آپ تو بس ڈرانے والے ہی ہیں اور ہر چیز کا کارساز اللہ ہی ہے ۱۶

۱۵ (رسولِ معصوم سے اس کا وقوع ممکن کیونکر ہے)

لَعَلَّ۔ کے عام معنی توقع و ترجی کے ہیں، اس صورت میں بے تکلف توجیہ کلام یہ ہوگی کہ یہ کافر اور منکر آپؐ سے اس جزئی ترکِ تبلیغ کی تو لگائے بیٹھے ہیں۔

ای یظن بك الناس ذلك (راغب) ای انك بلغت من التهالك علی ایمانهم مبلغا یرجون ان تترك بعض مایوحی الیك (ابوالبقاء)

اور یہ آپؐ کے لئے عصمتِ رسالت کی بنا پر ممتنع ہے تو آپؐ کو چاہئے کہ آپ بابِ تبلیغ میں اور زیادہ مستعد و باہمت ہو جائیں۔

والمقصود من ذلك تحریضه صلی الله علیه وسلم وتهییج داعیته لاداء الرسالة۔ (روح)

باقی لعل کا استعمال محاورۂ عرب میں علاوہ ترجی کے موقع تبعید پر بھی ہوتا ہے یعنی اظہارِ بُعد کے لئے اس صورت میں مفہوم صاف یہ ہوگا کہ آپ بھلا اسے کیسے ترک کر سکتے ہیں، آپؐ ہرگز اسے ترک نہ کیجئے گا۔

قیل ان لعل هنا لیست للترجی بل هی للتبعید وقد تستعمل لذلك كما تقول العرب لعلك تفعل كذا لمن لایقدر والمعنی لاتترك (روح) المراد هنا الزجر والعرب تقول للرجل اذا اراد وا ابعاده عن امر لعلك تقدر ان تفعل كذا مع انه لاشك فیه۔ (کبیر)

یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ یہ کافر آپ سے اس کی توقع کئے ہوئے ہیں۔

ای یظن بك الناس ذلك (راغب)

۱۶ (نہ کہ اس کا برگزیدہ بندہ اور رسول)

آیت میں اہلِ جاہلیت کے جہل اور دنیا کی عام غلط فہمی کے رفع کرنے کو ایک بار پھر یہ صاف صاف بتایا کہ خدا اور فرستادۂ خدا کے حدود الگ الگ ہیں، رسول کا کام تو محض پیامِ الٰہی صداقت و دیانت سے پہنچا دینا اور نافرمانوں کو متنبہ کر دینا ہے، باقی تکوینیات میں ہر شئے کو بہم پہنچانا، مہیا کرنا انجام تک پہنچانا۔ یہ اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہیں، یہ امور کسی بڑے سے بڑے برگزیدہ رسول یا نبی کی بھی دسترس میں نہیں۔

لولا .... ملك۔ اہلِ جاہلیت نے رسولؐ کے اصل پیام اور تعلیمات پر غور کرنے کے بجائے ہمیشہ فرمائش ایسے اعجوبوں اور خوارق کی کی ہے۔

ملک۔ کا ترجمہ فرشتہ ہی ہے لیکن یہ لفظ کسی ایسے شخص کی زبان سے ادا ہوا ہے جو سرے سے فرشتے کا قائل نہیں تو اس کا ترجمہ دیوتا ہی کیا جائے گا۔

ضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ۔ مصلح اعظمؐ کی طبعِ لطیف وفطرتِ سلیم کا ایسی بے جا فرمائشوں سے گرانی محسوس کرنا ایک بالکل امر طبعی تھا۔

اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ۔ کلمہ انما کے حصر نے اسے خوب واضح کر دیا کہ رسول کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہوتا وہ تو تمام تر ایک مبلغ ومنادؐ۔ نعتیہ اشعار میں شاعرانہ مبالغہ آرائیوں سے کام لینے والے مشائخ وصوفیہ کاش قرآن مجید کی ان تصریحات کو فضول اور بے معنیٰ نہ سمجھیں۔

ک۱۷ (اپنے اس پندار باطل میں کہ قرآن ایک انسانی تصنیف ہے)

آج کے "روشن دماغ فرنگی محققین" ہی کی طرح عرب جاہلیت کے "روشن خیال" بھی اپنی اس تحقیق پر نازاں تھے کہ قرآن کلام محمدیؐ ہے اُن کے اس خیال کے جواب میں ان سے ارشاد ہو رہا ہے کہ اچھا اگر محمدؐ ایسے کلام کے اتنے بڑے مجموعہ پر قادر ہو سکتے ہیں تو تم کیوں نہیں قادر ہو سکتے؟ تم میں سے ایک ایک نہ سہی تم سب مل ملا کر اپنے سارے حمایتیوں کو شریک کر کرا کے تو اس قرآن کا کوئی تھوڑا سا حصہ تو تیار کر ہی سکتے ہو، پھر آؤ اس میں دیر ہی کیا ہے؟

افتراہ۔ ضمیرہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی جانب ہے۔ مثلہ میں مثلیت زبان وحسنِ بیان معنویت وخوبیٔ مضامین ہر اعتبار ولحاظ سے ہے، بہ لحاظ معنویت چیلنج ساری دنیا کے لئے ہے، اور بہ لحاظ ادب وانشاء اہلِ عرب کے لئے۔

فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ۔ سورۂ ہود مکی ہے اس وقت تحدّی دس سورتوں کی بابت رکھی گئی ہے، سورۂ بقرہ جو اس سے بہت متاخر اور مدنی ہے، اس میں یہ مقدار دسویں حصہ تک گھٹ کر صرف ایک سورت تک لے آئی گئی ہے۔

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ گویا آخری چیلنج ایک ہی سورت کا ہے۔

ک۱۸ (یا ابھی کوئی اور انتظار باقی ہے؟)

لَكُمْ۔ یہ خطاب جمع عام مومنین سے ہے ــــ تحدّی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کر سکتے تھے ساری اُمت بھی کر سکتی ہے۔

جمع الضمیر لان المؤمنین ایضا کانوا یتحدونہم (بیضاوی)

فَاعْلَمُوْٓا۔ تقدیر کلام یہاں یوں مانی گئی ہے کہ اے مومنین! کفار سے کہو کہ یقین کر لو۔

فیہ اضمار والتقدیر فقولوا ایہا المسلمون للکفار اعلموا۔ (کبیر)

اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ ہی کے علم وقدرت سے اترا ہے نہ کہ کسی اور کے۔

ک۱۹ آیت میں ایک بڑی تلخ مگر گہری حقیقت کا اعلان ہے جو لوگ یا قومیں سرتاسر دنیا ہی کو اسی کی "ترقیوں" کو اپنا منتہائے نظر اور نصب العین بنائے ہوئے ہیں اور اپنی ساری سرگرمیوں کا مرکز اسی کو قرار دیئے

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا

کیا یہ کہتے ہیں کہ (آپ نے) اسے گڑھ لیا ہے آپ کہہ دیجیے کہ اچھا تو تم بھی دس سورتیں اسی کی مثل گھڑی ہوئی

مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ

لے آؤ اور اللہ کے سوا جن جن کو بھی تم (بلا) سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو ۱۸ؕ پھر اگر یہ تم لوگوں کا

يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

یہ کہنا نہ کر سکیں تو (ان سے کہو کہ) یقین کر لو کہ یہ (قرآن) اللہ ہی کے علم (و قدرت) سے اترا ہے اور (یہ بھی یقین

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا

کر لو) کہ کوئی معبود نہیں بجز اس کے تو اب بھی مسلمان ہوتے ہو؟ ۱۸ؕ جو کوئی دنیا ہی کی زندگی اور اس کی رونق کو مدنظر

نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾

۱۹

رکھتا ہے تو ہم ان لوگوں کو اعمال (جزا) اسی (دنیا) میں پوری طرح دیدیتے ہیں اور انکے لئے اس میں ذرا کمی نہیں ہوتی

ہیں، وہ گھبرائیں نہیں، انھیں مایوسی نہ ہوگی، انھیں اپنی ساری جدّوجہد کا صلہ یہیں اور ابھی ملا جاتا ہے ــــــ

وہ دولت چاہتے ہیں ان میں کا ایک ایک فرد قارونِ وقت ہو کر رہے گا، انھیں حکومت کی ہوس ہے دنیا کے سارے ملک انہی کے درمیان تقسیم ہو کر رہیں گے، انھیں عزّت و ناموری فتحمندی کی چاٹ ہے تو اچھا وہ دل کھول کر اپنے ارمان نکال کر رہیں۔ امارت، عدالت، وزارت، سفارت، ریاست اسیا سب بھی انھیں اس دنیا میں بھر دیں گے، بڑی سے بڑی حکومتیں اور سلطنتیں اور ان کے عہدے منصب سب انھیں بخش دیں گے

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا۔ حیات و زینتِ حیات سے اُلفت تو ایک امر طبعی ہے اور ہر انسان بڑے سے بڑا متقی انسان بھی کسی درجہ میں اس کا آرزومند ضرور رہتا ہے البتہ حیاتِ دنیوی اور زینتِ دنیوی کو آخرت کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اپنا مقصود بنا لینا اور اپنے وقت و قوت کو اسی میں خرچ کئے چلے جانا یہ ایک بالکل دوسری چیز ہے اور یہاں ذکر اسی کا ہے جیسا کہ لفظ یُرِیْدُ سے ظاہر ہے۔

ای تکون ارادتہ مقصودۃ علی حب الدنیا و زینتھا و لم یکن طالبا السعادات الآخرۃ کان حکمہ کذا و کذا۔ (کبیر)

فقہا نے یہاں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ جو اعمال محض دنیوی نفع اور حصول معاوضہ کے خیال سے

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ

یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں کچھ بھی نہیں بجز آگ کے اور جو کچھ

مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑯

انھوں نے کیا کرایا ہے سب آخرت میں ناکارہ نکل جائے گا اور بے اثر ۲۰

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ

(سو کیا طالب دنیا ایسے کی برابری کر سکتا ہے) جو اپنے پروردگار کی طرف سے (آئی ہوئی) کھلی دلیل پر قائم ہو ۲۱ اور اس کے ساتھ

كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ

ایک گواہ اسی میں ہے اور (ایک) اس سے پہلے (یعنی) موسیٰ کی کتاب وہ امام ہے اور رحمت ۲۲ ایسے لوگ اس (قرآن) پر

الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ

ایمان رکھتے ہیں اور گروہوں سے جو کوئی اس سے انکار کریگا سو اس کے لئے وعدگاہ دوزخ ہے ۲۳

انجام دیئے جاتے ہیں گو وہ ذکر و تلاوت ہی پر شامل ہوں موجب ثواب و حسن آخرت نہ ہوں گے۔

هذا يدل على ان ما سبيله ان لا يفعل الا على وجه القربة لا يجوز اخذ الاجرة منه لان الاجرة من حظوظ الدنيا فمتى اخذ عليه الاجرة فقد خرج من ان يكون قربة بمقتضى الكتاب والسنة۔ (جصاص)

۲۰ ظاہر ہے کہ جب آخرت کا تخیل ہی سرے سے ان کے دماغوں میں نہیں اور ان کا کوئی ادنیٰ محرک عمل بھی رضائے الٰہی یا ثواب آخرت نہیں تو ظاہر ہے انھیں آخرت میں نمبر کس چیز کے ملیں گے نمبر سب کے سب کٹ ہی جائیں گے۔

مَا صَنَعُوْا۔ اس عموم میں ان کے وہ اعمال بھی داخل ہیں جنھیں وہ کار خیر سمجھ کر کرتے رہے تھے، ان کی انسانی ہمدردیاں، ان کے قائم کئے ہوئے اسپتال، خیرات خانے، ان کے رفاہ عام کے ادارے۔

فِيْهَا۔ اس کا تعلق حبط سے ہے اور ضمیر ھا سے مراد الآخرۃ ہے۔

والظاهر انه عائد على الاخرة (بحر)

بٰطل۔ نفس الامر اور ان لوگوں کے فساد نیت کے اعتبار سے تو ان اعمال کا کھوکھلا اور باطل ہونا اب بھی ظاہر ہے آخرت میں اس کا مشاہدہ سب کو ہو جائے گا۔

۲۱ (نہیں دونوں برابر ہرگز نہیں ہو سکتے۔)

فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ

پس تو اس کی طرف سے شک میں نہ پڑنا بے شبہ وہ سچا (کلام) تیرے پروردگار کی طرف سے ہے البتہ بہت سے

لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٧﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۚ أُولَٰئِكَ

لوگ ایمان نہیں لاتے ۲۴ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ گڑھے ایسے لوگ اپنے پروردگار

يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا

کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور گواہ کہیں گے کہ یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کی نسبت جھوٹ باتیں لگائی تھیں ۲۵

عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿١٨﴾

سنو سنو اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر

بَيِّنَةٍ ۔ سے مراد قرآن ہی سمجھا گیا ہے۔ بَيِّنَة ۔ کی تنوین اس دلیل کی عظمت واہمیت کے لئے ہے۔ البينة هو القرآن (کبیر) والمراد بها القرآن (روح) التنوين فيها هنا للتعظيم اى بينة عظيم الشان (روح) تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔

افمن كان على بينة من ربه كمن يريد الحيوة الدنيا۔ (کبیر)

۲۲ے اِمامًا تو اپنی تعلیمات واحکام کی عظیم الشان اہمیت تقدس کے لحاظ سے اور رحمۃ اس معنی میں کہ باعث رحمت ہے۔

وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ ۔ "يتلوه" "يتبعه" کے مرادف سمجھا گیا ہے اور مراد یہ کی گئی ہے کہ قرآن کا ایک گواہ تو خود قرآن کے اندر موجود ہے اور یہ داخلی گواہ قرآن کا معجز ہونا ہے۔

ومعنى كونه منه انه غير خارج منه۔ (روح)

وَمِن قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ ۔ یہ شہادت خارجی ہوئی کتاب توریت کی جو قرآن مجید سے مدتوں قبل نازل ہو چکی تھی، اور کلام کا عطف شَاهِدٌ مِّنْهُ پر ہے۔

عطف على شاهد والضمير المجرور له اى يتلوه فى التصديق كتاب موسىٰ منزلا من قبله (روح)

إِمَامًا ۔ یعنی دین کے لحاظ سے مقتدا و متبوع۔

ومعنى كونه اماما انه كان مقتدى العالمين واماما لهم يرجعون اليه فى معرفة الدين والشرائع (کبیر) مؤتما به فى الدين ومقتدى (روح)

رَحْمَةً ۔ یعنی رحمت کا ذریعہ وسبب۔ لانه هدى الى الحق فى الدنيا والدين وذلك

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ

جو اللہ کی راہ سے (دوسروں کو بھی) روکتے ہیں اور اس کے اندر کجی تلاش کرتے ہیں، اور آخرت تک

هُمْ كٰفِرُوْنَ ⑲ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ

کے منکر ہیں ۲۶ یہ لوگ زمین پر بھی (اللہ کو) عاجز نہ کر سکے اور نہ اللہ کے

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ

مقابلہ میں ان کا کوئی بھی مددگار ہوا ۲۷ ان کے لئے عذاب دوگنا

الْعَذَابُ ۭ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ⑳

ہوگا یہ نہ سنتے ہی تھے اور نہ دیکھتے تھے ۲۸

سبب لحصول الرحمة والثواب فلما کان سببا للرحمة اطلق اسم الرحمة علیہ (کبیر)

۲۳ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ۔ میں اُولٰۗىِٕكَ سے مراد وہی لوگ ہیں جن کا ذکر ابھی گزر چکا ہے یعنی اپنے پروردگار کی طرف سے آئی ہوئی دلیل پر قائم رہنے والے۔

مِنَ الْاَحْزَابِ۔ احزاب سے مراد کفار ہی کے مختلف گروہ ہیں خواہ وہ کسی ملک کسی قوم کسی دین باطل سے تعلق رکھنے والے ہوں۔

الاحزاب جمیع الملل قالہ ابن جبیر (بحر) عن قتادۃ ان الاحزاب الکفار مطلقا لانھم تحزبوا علی الکفر۔ (روح)

آیت میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ قرآن کا منکر کوئی بھی ہو اور کفار کے کسی گروہ اور فرقہ سے بھی تعلق رکھنے والا ہو، انجام بہرحال سب کا دوزخ ہی ہے۔

۲۴ (ان کھلے ہوئے دلائل وشواہد کے باوجود)

تَكُ۔ ربك خطاب اب عام مخاطب اور ناظر قرآن سے ہے۔

۲۵ ان مجرموں کی عدالت خداوندی میں حاضری اور فرشتوں کی گواہی یہ سب عالم آخرت کے واقعات ہیں

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا۔ اللہ پر جھوٹ گھڑنا یہی ہے کہ اس کی توحید سے یا رسول کی رسالت سے یا قرآن کے کلام الٰہی ہونے سے انکار کر دیا جائے، یا کسی کو اس کا شریک وہمسر قرار دے لیا جائے۔

يَقُوْلُ الْاَشْهَادُ۔ ان گواہوں کے بیان سے مجرموں کی مزید تفضیح ورسوائی تو خیر ہوہی گی لیکن

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢١﴾

یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے کو تباہ کر ڈالا اور (آج) ان سے غائب ہوگئے (وہ سب معبود) جو انھوں نے گھڑ رکھے تھے ۲۹؎

لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ﴿٢٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا

لازمی طور پر آخرت میں یہی سب سے زیادہ گھاٹا اٹھانے والے ہوں گے ۳۰؎ بے شک جو لوگ ایمان لائے

سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ یہ گواہی دینے والے ہوں گے کون؟ مجاہد تابعی اور بعض اور اکابر سے منقول ہے کہ اور یہ گواہ کاتب اعمال فرشتے ہوں گے۔ هم الملئكة الذين كانوا يحفظون۔

لیکن لفظ قرآن کا عموم، سفارش کرتا ہے کہ انبیاء اور مومنین اور خود ان کافروں کے اعضاء و جوارح بھی شامل کئے جائیں۔

قيل المراد بهم الملائكة والأنبياء والمومنون (روح)

من الملائكة والنبيين او من جوارحهم (بيضاوی)

۲۶؎ وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ۔ یہ ایک ہی اسم کے لئے ضمیر ہم کی تکرار تاکید اور زور دینے کے لئے ہے۔

تكرير هم لتاكيد كفرهم واختصاصهم به (بيضاوی) قال النحاج كلمة هم كررت على جهة التوكيد (کبیر)

اسی مفہوم تاکید کے ادا کرنے کے لئے اردو ترجمہ میں "پکے" لایا گیا ہے۔

يَبْغُونَهَا۔ میں ضمیر ها اسی سبیل اللہ کی جانب ہے۔

۲۷؎ (کہ کوشش کرکے یا سفارش کرکے انھیں چھڑا دیتا)

مِنْ أَوْلِيَاءَ۔ میں من زائدہ استغراق یا کلیت نفی کے لئے ہے۔

من زائدة لاستغراق النفي۔ (روح)

اردو ترجمہ میں "بھی" اسی مفہوم کے اظہار کے لئے۔

لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ۔ ان کا اللہ کو عاجز کرنا یہی تھا کہ یہ کہیں چھپ جاتے اور اللہ کے ہاتھ نہ آتے اور اگر یصدون کے معنی محض یعرضون کے لئے جائیں تو سزا کا دوگنا ہونا تعدد عمل کی بنا پر نہیں شدتِ عمل کی بنا پر ہوگا۔

۲۸؎ یعنی نہ کلامِ حق کو غایت عناد سے سنتے تھے اور نہ راہِ حق کو غایت عناد سے دیکھتے تھے، روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جس بات سے ضد اور نفرت دل میں بیٹھ جاتی ہے، اس کے نہ سننے کی تاب دل میں باقی رہ جاتی ہے نہ دیکھنے کی۔

يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ۔ دوگنی سزا یوں کہ ایک سزا خود اپنے کافر رہنے کی، اور دوسری دوسروں کو کافر بنانے کی۔

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ

اور انھوں نے نیک عمل کئے اور اپنے پروردگار کی طرف جھکے وہی لوگ اہل جنت ہیں اسی میں ہمیشہ

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ

رہنے والے ۳۱ دونوں فریقوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا اور

وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

دیکھنے والا اور سننے والا، کیا یہ دونوں حالت میں برابر ہیں تو کیا تم سمجھتے نہیں ۳۲

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۵﴾

اور بالیقین ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا ۳۳ میں تمھارے لئے کھلا ڈرانے والا ہوں

يُضٰعَفُ ۔ کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ان پر سزا برابر بڑھتی رہے گی ___ اور عجب نہیں جو صیغۂ مضارع اسی استمرار کی دلالت کے لئے ہو۔

۲۹ (اور کوئی بھی اُن کے کام نہ آیا!) الذین خسروا انفسہم

۳۰ لَا جَرَمَ ۔ کا مفہوم عربی میں وہی ہے جو اردو میں لامحالہ یا "ناگزیر ہے" سے ظاہر کیا جاتا ہے

معناہ انہ لا یقطع قاطع عنہم (کبیر) قال الفراء انہا بمنزلۃ قولنا لابد ولامحالۃ (کبیر)

انہم فی الاخرۃ ہم الاخسرون جملہ کی ترتیب "ہم" کی تکرار "ان" اور "لاجرم" کا اضافہ سب کلام میں انتہائی زور اور تاکید پیدا کرنے کے لئے ہیں۔

۳۱ اَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۔ یعنی اپنے پروردگار کا خشوع و انقیاد دل میں پیدا کر لیا۔

الاخبات ہو الخشوع والخضوع ۔ (کبیر)

ای خشعوا لہ واطمانت نفوسہم بالایمان ولانت قلوبہم الی ذکرہ ۔ (المنار)

اصحاب جنت کے اوصاف کی ترتیب آیت میں خاص طور پر قابل لحاظ ہے۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پہلا درجہ تو ایمان یا تصحیح عقائد کا ہوا۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔ دوسرا مرتبہ عمل صالح کا یا اصلاح اعمال و اخلاق کا ہوا، وَاَخْبَتُوْٓا ۔ تیسرا مرتبہ تزکیۂ نفس کا ہوا۔

۳۲ یعنی دونوں کے درمیان اتنے موٹے اور بیّن فرق کو محسوس نہیں کرتے؟ فریقین سے مراد ظاہر ہے کہ ایک طرف مومن اور فرماں بردار ہیں اور دوسری طرف کافر و نافرمان جن کے انجام و مآل کا فرق ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے ___ ایک ہدایت سے موصوف دوسرا ہدایت سے محروم۔

۳۳ (پیمبر بنا کر اور یہ پیام دے کر)

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾

(چاہیئے) کہ تم پرستش نہ کرو (کسی کی) بجز اللہ کے میں تمہارے حق میں دردناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ۳۴

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا

اس پر ان کی قوم میں جو سردار تھے وہ بولے کہ ہم تو تم کو اپنا ہی جیسا ایک انسان دیکھتے ہیں ۳۵ اور ہم تو بس یہی دیکھتے

مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ

ہیں کہ تمہارے پیرو وہی ہوئے ہیں جو ہم میں سے بالکل رذیل ہیں (اور وہ بھی) سرسری رائے سے ۳۶

نوحؑ اور قومِ نوحؑ پر حاشیے پ۱۱ میں سورۂ یونس میں گزر چکے۔ اور اس کے قبل پ۳ سورۂ آلِ عمران میں بھی۔

۳۴ پیمبروں کا پیام شروع سے ایک ہی چلا آیا ہے، یعنی پیام توحید اور پھر اس دعوت سے انکار پر وعید عذاب ــــ کوئی قوم وحشی ہو یا کوئی متمدن، پیمبر بہرحال سب سے پہلے اس کے عقائد ہی کی اصلاح کرتے رہے ہیں اور عقائد میں سرفہرست یہی عقیدۂ توحید ہے۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ۔ میں صاف اشارہ اس طرف ہے کہ پیمبروں کی مخالفت قوم کے اکابر ہی کی طرف سے شروع ہوتی ہے۔

۳۵ (اور کوئی بات تم میں بشریت سے مافوق پاتے نہیں پھر تمہیں مردِ خدا کیسے مان لیں) مشرکوں اور مشرک صفتوں کی سمجھ میں کسی بشر کا خدا رسیدہ ہونا یا فرستادہ خدا ہونا نہ پہلے کبھی آیا نہ اب آرہا ہے، وہ بزرگی کی صرف اسی کے قائل ہوتے ہیں جو نہ کھاتا ہو نہ سوتا ہو، نہ عورت کی خواہش رکھتا ہو، پانی پر چلتا ہو، آگ پر بے تکلف قدم رکھ دیتا ہو، ہوا میں اڑتا، غرض طرح طرح کے خوارق اور کرشمے دکھا کر اپنے "مافوق البشر" ہونے کا اعلان کرتا رہتا ہو ــــ پتھر کو دیوتا تسلیم کرلینا ان کے لئے اس سے کہیں آسان ہے کہ وہ بشر کو خدا کا بندہ مقرب و مقبول اور ایلچی تصور کریں۔

مِثْلَنَا۔ بشریت کی تاکید کے لئے، یعنی بشر بھی ایسے جو ہم سے ذرا ممتاز نہیں بس ہماری ہی طرح کھاتے پیتے رہتے بستے والے۔

۳۶ سو ان کا تمہیں نبی مان لینا کونسی سند اور افتخار کی بات ہے بلکہ ہم شرفاء و معززین کو تو الٹا ننگ آتا ہے ان کی صف میں بیٹھتے سے ــــ بڑے اور چھوٹے رئیس حقیر اور "اونچ" اور "نیچ" کا یہ نسبی و نسلی معیار جاہلی قوموں میں ہمیشہ مشترک رہا ہے۔ دعوتِ توحید پر ایمان اس وقت تک صرف عوام لائے تھے، یہ ان عوام پر طنز بڑے لوگوں کی طرف سے ہے۔

بادی الرای۔ یعنی ان عوام کالانعام نے بھی غور و فکر سے کب کام لیا ہے، وہ تو یوں ہی بے سوچے

وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ

اور ہم تم لوگوں میں کوئی بات (اپنے سے) زیادہ بھی نہیں مانتے بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا ہی سمجھتے ہیں ۳۷ نوحؑ نے کہا

يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً

اے میری قوم والو یہ تو بتلاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل پر قائم ہوں ۳۸ اور اس نے مجھے

مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾

رحمت اپنے پاس سے عطا کی ہے اور وہ تمہیں نہ سوجھتی ہو تو کیا ہم اسے تمہارے سر چپکا دیں درآنحالیکہ تم اس سے نفرت کئے چلے جاؤ ۳۹

وَيٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ

اور اے میری قوم والو میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ مال تو نہیں مانگتا۔

مجھے تمہارے پیچھے لگ گئے۔

۳۷ (تمہارے اس دعوائے نبوّت و زعمِ رسالت میں)

مِنْ فَضْلٍ۔ سے مراد مال، جاہ، ثروت و ریاست ہیں جو دنیوی و مادّی اعتبار سے معیار فضیلت سمجھے گئے ہیں، علامہ زمخشری آیت کے تحت میں لکھتے ہیں کہ خیر وہ لوگ تو اہل جاہلیت میں سے تھے ہی، دنیا کے صرف ظاہری و مادّی پہلوؤں کو دیکھنے والے لیکن غضب تو یہ ہے کہ اپنے کو مسلمان کہلانے والے بھی آج اسی مرض حُبِّ دنیا میں مبتلا ہیں اور عزّت و تحقیر کا معیار اسی دولتِ دنیوی کی زیادتی اور کمی کو بنائے ہوئے ہیں۔

کانوا جہالا ما کانوا یعلمون الا ظاہرا من الحیاۃ الدنیا فکان الاشراف عندہم من لہ جاہ و مال کما تری اکثر المتسمین بالاسلام یعتقدون ذلک ویبنون علیہ اکرامہم واہانتہم (کشاف)

اور آگے بھی سطر پر سطریں اسی رنگ میں لکھتے چلے گئے ہیں (اور صاحب مدارک نے بھی ان کی تقلید میں بعض انہی فقروں کو دہرا دیا ہے۔ حُبِّ دنیا اس اُمّتِ مرحومہ پر جب پانچویں اور چھٹی صدی میں اس قدر غالب آچکا تھا تو پھر اب چودھویں صدی ہجری کا ذکر ہی کیا! افسوس ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی حقیقی بزرگی کی طرف سے ان کی باطنی کمالات ان کے اخلاقی فضائل کی طرف سے دنیا کی آنکھیں کل بھی بند رہیں اور آج بھی بند ہیں۔

۳۸ (اور اپنے کو صریح صاحبِ وحی پا رہا ہوں)

ریب و ارتیاب شک و تذبذب بے اعتقادی اور بے یقینی تو اہل منطق و اہل خرد کے ہاں کے تحفہ ہیں، وحی کے عالم میں ان کا گزر نہیں، صاحب وحی تو بصیرت و یقین کے انتہائی مرتبہ پر ہوتا ہے۔

۳۹ یعنی دلائل و شواہد پر جب تم غور کیا ہی نہ چاہو تو کیا اسے میں زبردستی تمہارے حلق میں اتار دوں؟

إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُم

میرا معاوضہ تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے اور میں ان لوگوں کو جو ایمان لے آئے ہیں نکالنے والا نہیں ۳۹؎ یہ لوگ اپنے

مُّلَاقُوا رَبِّهِمْ وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿۲۹﴾ وَيَا قَوْمِ مَن

پروردگار کے پاس حاضر ہونے والے ہیں البتہ میں تمہیں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جہالت کئے جا رہے ہو ۴۱؎ اور اے میری

يَنصُرُنِي مِنَ اللّٰهِ إِن طَرَدتُّهُمْ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۳۰﴾ ۴۲؎

قوم والو کون میری حمایت کرے گا اللہ کے مقابلے میں اگر میں انھیں نکال بھی دوں کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ انلزمکموھا الخ سے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ منکر کو اہل اللہ سے استفادہ نہیں ہو سکتا اور جب تک وہ منکر رہے گا ان سے نفع نہ حاصل کر سکے گا۔

۳۸؎ (جیسا کہ تم جانتے ہو)

إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ۔ یعنی میرا اسہارا تو صرف رضاءِ الٰہی اور اجر اخروی ہے۔

لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا۔ میں کیا اپنے موعظت و دعوت کی کوئی فیس تم سے طلب کر رہا ہوں جو تم اس کی گراں باری سے کچلے جاتے ہو۔

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ عبادت واجب پر معاوضہ لینا ناجائز ہے۔

وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا۔ محققین صوفیہ نے کہا ہے کہ مسکینوں اور کم حیثیت والوں کو حضوری مجالس اور التفاتِ خاص سے محروم نہ رکھنا عین سنتِ انبیاء ہے۔

۴۱؎ (کہ توحید جیسے عقیدہ سے جو سرتاسر فطرت سلیم کے عین مطابق ہے گریز کئے چلے جا رہے ہو)

قوما تجھلون۔ اس نے پورا نقشہ ان لوگوں کی ضد، ہٹ دھرمی اور باطل پر اڑے رہنے کا پیش کر دیا، محض غلط فہمی یا ناواقفیت کے لئے ”تجھلون“ نہیں آیا۔

إِنَّهُم مُّلَاقُو رَبِّهِمْ۔ یعنی یہ لوگ عزت و مقبولیت کے ساتھ اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہونے والے ہیں، سو ان کی اہانت میں کیسے کر سکتا ہوں۔

لانّھم من اھل الزلفی المقربون الفائزون عند اللہ تعالیٰ۔ (روح)

دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے پروردگار کے پاس حاضری کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

ای مصدقون بلقاء ربھم یؤمنون بہ۔ (کشاف)

۴۲؎ حضرت نوحؑ فرماتے ہیں کہ بالفرض میں تمہاری خوشی پوری کرنے کو انھیں اپنے پاس سے دھتکار بھی دوں تو میں تو خود ہی اللہ کی گرفت میں آ جاؤں گا، اس وقت مجھے کون بچائے گا؟ اللہ کے قانون عدل میں مروت کسی بڑی سے بڑی ہستی کی بھی نہیں۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ

اور میں تم سے یہ تو کہتا نہیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ میں تم سے

اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ اَعْیُنُكُمْ لَنْ

کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ میں ان لوگوں کے لئے کہہ سکتا ہوں جو تمہاری نگاہوں میں حقیر ہیں کہ

یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ

انھیں اللہ بھلائی دے ہی گا نہیں ۴۳ اللہ ہی خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے ۴۴ ورنہ میں

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا

ظالم ٹھہروں گا ۴۵ وہ بولے اے نوحؑ تم ہم سے بحث کر چکے پھر بحث بھی خوب کر چکے اب لے آؤ

فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۲﴾

ہمارے سامنے وہ چیز جس سے تم ہم کو دھمکایا کرتے ہو، اگر تم سچے ہو ۴۶

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ:

مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ کے تحت میں طالب کے حقوق شیخ پر آ گئے، آیت کے الفاظ میں اشارہ ادھر ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، اس سے اعراض نہ چاہیے، کیونکہ اس کی طرف حق تعالیٰ کو بھی توجہ ہوتی ہے۔

۴۳ یہاں حضرت نوحؑ اپنے مخاطبین کے ایک شبہہ کا ازالہ فرما رہے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ:

"میں نہ اللہ کے خزانوں کا خزانچی ہوں کہ دنیوی نعمتوں میں سے جو جس کو چاہوں اُسے دلا دوں اور نہ کاہنوں کی طرح غیب دانی کا دعویٰ رکھتا ہوں، اور نہ دیوتا کی قسم سے ہوں اور نہ ان عوام کی قسمت کا ذمہ لئے ہوں، پیمبر کی اس تقریر میں وقت کی ایک ایک گمرہی کا رد موجود ہے۔ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ۔ جاہلی قومیں بس یہی چاہتی ہیں کہ جس کا دامن پکڑیں اس کے وسیلے سے دنیوی ترقی بھی ہر قسم کی حاصل ہو جائے۔ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ۔ جاہلی قوموں نے بزرگی کا ایک لازمہ غیب دانی

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾

(نوح نے) کہا اسے تو بس اللہ ہی تمہارے سامنے لائے گا اگر اس کی مشیت ہوئی اور تم (اسے) ہرا نہیں سکتے ۴۷

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ

اور میری خیر خواہی تمہیں نفع نہیں پہنچا سکتی گو میں تمہارے ساتھ (کیسی ہی) خیر خواہی کرنا چاہوں جبکہ اللہ ہی کو

يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

تمہارا گمراہ کرنا منظور ہو ۴۸ وہی تمہارا (مالک) پروردگار ہے اور اسی کی طرف تم واپس جاؤ گے۔ کیا یہ لوگ

افْتَرٰىهُ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا

کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے (یعنی قرآن کو) گڑھ لیا ہے، آپ کہہ دیجیے اگر میں نے گھڑ لیا ہے، تو میرے ہی اوپر میرا یہ

بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾

جرم رہے گا اور تم جو جرم کر رہے ہو میں اس سے بری ہوں گا ۴۹

کو بھی سمجھا ہے۔

اِنِّیْ مَلَکٌ ۔ ملک کا ترجمہ جاہلی قوموں کے سیاق میں جیسا کہ اوپر گزر چکا "دیوتا" "یا ما فوق البشر" سے ہونا چاہیے۔ "فرشتہ" وہ لوگ کیا جانیں پہچانیں یہ تو تمام تر اسلامی تخیل ہے۔

لَآ اَقُوْلُ.... خَیْرًا۔ جاہلی قوموں میں خواص کو بڑی فکر اس کی لگی رہتی ہے کہ عوام بھی کہیں ان کے برابر نہ آجائیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ صاحب ارشاد کا صاحب تصرف ہونا یا صاحب کشف ہونا، یا ضروریات بشری میں عام انسانوں سے ممتاز ہونا ہرگز ضروری نہیں صرف صاحب علم و عمل ہونا ضروری ہے۔

۴۴ (میں ان کی قسمت کی بھلائی سے انکار کرنے والا کون اگر یہ مخلص و صادق ہیں تو خیر دارین ان کا حصہ ہے اور ان کے صدق و اخلاص کا جاننے والا اللہ ہے۔)

۴۵ یعنی اگر کہیں میں نے خواہ مخواہ تمہاری رائے کی موافقت میں اپنے ان پیرؤں کو منافق ٹھہرا دیا۔

۴۶ اب منکرین کھلم کھلا پیمبر وقت کو چیلنج کر رہے ہیں کہ جس عذاب کی دھمکی دیتے چلے آئے ہو وہ

اب لے آؤنا!

یٰنوح....جدٰلنا۔ آیت سے یہ مضمون نکل رہا ہے کہ حضرت نوحؑ عقائدِ حق کی تائید میں دلائل و شواہد ایک طویل مدت تک برابر پیش کرتے رہے۔

۴۷ (کہ وہ عذاب واقع کرنا چاہے اور تم نہ ہونے دو)

انما....شآء۔ یعنی میں عذاب لانے والا کون میرا کام تو بس احکام اور پیام کا پہنچا دینا ہے۔ یہی حیثیت سارے پیمبروں کی شروع سے آخر تک رہی ہے، محض ایک ذریعہ یا وسیلہ ورابطہ اور اقتدار و اختیار تمام تر اللہ کے ہاتھ میں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ایسا ہی کہنا اہلِ حق کی شان ہے ورنہ اہلِ باطل کی زبان پر تو بڑے بڑے دعوے رہتے ہیں کہ جو میرا مخالف ہے اس کا حال یہ کردوں گا اور وہ کردوں گا۔

۴۸ (تمہارے عناد و استکبار کی بناء پر)

اِنْ کَانَ اللّٰہُ۔ اللہ کا ذکر یہاں بہ حیثیت تکوینی علت العلل یا مسبب الاسباب کے ہے حضرت نوحؑ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ جب اپنی بدقسمتی سے تم خود ہی اپنے لئے نفع حاصل کرنا اور نقصان سے بچنا نہ چاہو تو اللہ کی مشیت بھی یہی ہو کر رہے گی اور میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ہدایت شیخ کے قبضہ میں نہیں۔

۴۹ (الف) (تمہاری پیشی اس حاکم کے سامنے ہونا ہے اور اس سے تمہیں نپٹنا ہے، میرا کوئی دخل حساب کتاب اور جزائے عمل میں نہیں)

اس میں ہلکا رد ان تمام غیر توحیدی مذہبوں کا آگیا جن میں بندوں کا مرجع و ملجا غیر اللہ کو مانا گیا ہے۔

۴۹ یہ آخری اور انقطاعی جواب ہے کہ خیر تم کسی طرح نہیں سمجھتے تو نہ سمجھو اپنا جرم میں خود بھگت لوں گا تم خود اپنی خبر لو۔

منکرین کے اعتراض کا اصل جواب آیت ۱۳ کے ذیل میں آچکا ہے کہ اگر میں قرآن تصنیف کرسکتا ہوں تو خیر تم سب مل ملا کر پورا قرآن نہ سہی اس کی دس ہی سورتیں تیار کرکے دکھا دو۔

افتراہ۔ افتریٰ کا فاعل رسول اللہ اور ضمیر ہ، سے اشارہ قرآن مجید کی جانب ہے۔

اُوپر سے حکایت حضرت نوحؑ کی چل رہی تھی آگے بھی وہی چلے گی درمیان میں مناسبت مقام سے یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے معاند معاصرین سے متعلق آگئی۔

عن مقاتل انها فی شان النبی صلعم مع مشرکی مکة (روح) هذا الکلام معترض فی وسط هٰذه القصة مؤکد لها مقرر لها بقوله تعالی لمحمد صلعم ام یقول هٰؤلاء الکافرون الجاحدون افتری هٰذا وافتعله من عنده۔ (ابن کثیر)

وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا

اور نوحؑ کے پاس وحی بھیجی گئی ۵۰ کہ تمہاری قوم میں سے (اب اور کوئی) ایمان نہیں لائے گا بجز اُن کے جو (اب تک) ایمان لا چکے

تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَ وَحْیِنَا

سو جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے ہیں اس پر کچھ غم نہ کرو ۵۱ اور تم کشتی ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے تیار کرو ۵۲

لیکن دوسرے اقوال میں اسے حکایت نوحؑ ہی سے متعلق قرار دیتے ہیں۔

مِمَّا تُجْرِمُوْنَ۔ یعنی یہ کہ افترائے وحی کا الزام مجھ پر رکھ رہے ہو۔

من اجرامکم فی اسناد الافتراء الیّ۔ (کشاف۔ بیضاوی)

عَلَیَّ اِجْرَامِیْ۔ یعنی میرے گناہ کا وبال میرے ہی اوپر رہے گا، تقدیر کلام فعلی عقاب اجرامی سمجھی گئی ہے۔

ان کنت افتریته فعلی عقاب جرمی وان کنت صادقا وکذبتمونی فعلیکم عقاب ذلك التکذیب (کبیر)

۵۰ (جب دعوت و تبلیغ کو مدت مدید ہو چکی)

توریت میں ہے:۔

"اور نوحؑ خدا کے ساتھ چلتا تھا پر زمین خدا کے آگے بگڑی ہوئی تھی اور زمین ظلم سے بھری تھی، اور خدا نے زمین پر نظر کی اور دیکھا کہ وہ بگڑ گئی، کیونکہ ہر ایک بشر نے اپنے اپنے طریقہ کو زمین پر بگاڑا تھا"

(پیدائش ۶: ۱۰-۱۲)

۵۱ (کیونکہ غم تو خلاف توقع سے ہوتا ہے اور اب ان سے کوئی توقع ہی بجز مخالفت کے نہیں) گویا حضرت نوحؑ کو حکم مل گیا کہ اب نصیحت و انتظار بے سود ہے بددعا کیجیے سزا دی جائے۔

توریت میں ہے:۔

"اور خدا نے نوحؑ سے کہا کہ سب بشر کی اجل میرے سامنے آپہنچی ہے، اس لئے کہ اُن کے سبب زمین ظلم سے بھر گئی اور دیکھ میں اُن کو زمین کے ساتھ نابود کر دوں گا" (پیدائش ۶: ۱۳)

الا من قد اٰمن اسی سے کچھ تصریح قرآن مجید میں نہیں کہ ایمان لانے والے کون کون اور کتنے تھے۔

۵۲ (کہ اس کے ذریعہ سے تم اور مومنین طوفان سے محفوظ رکھے جاؤ گے۔)

الفُلْك۔ مسیحی علماء کی تحقیق کے مطابق یہ کشتی طول میں ۵۲۵ فٹ، عرض میں ۸۷ ½ فٹ اور بلندی

وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَیَصْنَعُ

اور مجھ سے ان لوگوں کے باب میں گفتگو نہ کرنا جنھوں نے ظلم کیا ہے وہ ڈوب کر رہیں گے ۵۳ اور (نوحؑ)

الْفُلْكَ ۟ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ

کشتی بنانے لگے ۵۴ اور جب جب ان کی قوم کے سرداراُن کے پاس سے گذرتے تھے تو ان سے تمسخر کرتے ۵۵

اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ ؕ

(نوحؑ) بولے اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو ہم بھی تم پر ہنستے ہیں جیسا کہ تم ہنستے ہو ۵۶

میں ۵۲½ فٹ تھی، ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر القرآن انگریزی، نیز ملاحظہ ہوں پارہ ۱۱ میں سورۂ یونس میں حواشی متعلقہ۔

توریت میں ہے:۔

"تو اپنے واسطے گوپھر کی لکڑی کی ایک کشتی بنا، اس کشتی میں کوٹھریاں تیار کر اور اس کے باہر اور بھیتر رال لگا اور اس کو ایسی بنا کہ اس کی لمبائی تین سو۳۰۰ ہاتھ اور اس کی چوڑائی پچاس۵۰ ہاتھ اور اس کی اونچائی تیس۳۰ ہاتھ کی ہو اور اس کشتی میں ایک روشندان بنا۔ اوپر سے لے کر ہاتھ بھر میں اسے تمام کر اور کشتی کے ایک طرف دروازہ بنا اور نیچے کا طبقہ اور دوسرا اور تیسرا بھی بنا۔"

(پیدائش ۶: ۱۴-۱۶)

یہ کشتی کس ساخت اور پیمانہ کی تھی، اس کی جو تفصیلات بائبل میں ہیں، قرآن نے ان سے یکسر قطع نظر کرلی ہے، اس لئے کہ ان تفصیلات سے حاصل کچھ بھی نہیں اور اسی لئے اس قسم کی تحقیقات کے زیادہ درپے ہوجانا کوئی مفید خدمت دین کی نہیں۔

امام رازیؒ نے خوب فرمایا ہے کہ یہ ساری بحثیں بیکار ہیں، مومن کے لئے بس اس قدر جان لینا کافی ہے کہ کشتی میں اتنی گنجائش تھی کہ اس وقت کی مومن آبادی اور جانوروں کے جوڑے اس میں سما گئے تھے کہ قرآن میں مذکور اسی قدر ہے۔ (کبیر)

اور صاحبِ روح المعانی نے بھی اسی قسم کی تقریر کی ہے۔

بِاَعْیُنِنَا۔ محاورہ میں اس سے کنایہ ہوتا ہے حفاظت ونگرانی سے یعنی فرمایا جارہا ہے کہ یہ کشتی سازی عین ہماری نگرانی میں کرو۔

جعل العین کنایة عن الاحتیاط فلھذا قال المفسرون معناہ بحفظنا ایاک (کبیر) قیل ان ملابسة العین کنایة عن الحفظ وملابسة الاعین لمکان الجمع کنایة عن کمال الحفظ والمبالغة فیہ (روح) ذکر العین لتضمنھا معنی الرعایة وقولہ تعالٰی واصنع الفلک باعیننا ای برعایة منا وحفظ۔ (ابوالبقا)

۵۳ (اور ان کے حق میں سفارش بیکار ہے)

توریت میں ہے:۔

"اور دیکھ میں ہاں، میں ہی زمین پر طوفان کا پانی لاتا ہوں کہ ہر ایک جسم کو جس میں زندگی کا دم ہے آسمان کے نیچے سے مٹا ڈالوں اور سب جو زمین پر ہیں مرجائیں گے، پر میں تجھ سے اپنا عہد قائم رکھوں گا"۔

(پیدائش ۶: ۱۷)

۵۴ اس کا یہ مطلب لازمی طور پر نہیں کہ خود اپنے ہاتھ سے بنانے لگے، اپنی نگرانی میں کاریگروں سے بنوانا بھی اپنے ہی بنانے کے حکم میں داخل ہے۔ خیر وہ کشتی یا جہاز کا اپنے ہاتھ سے بنا ہوا یا اپنی نگرانی میں دوسروں سے بنوایا ہے، بہرحال اس کی دلیل صریح ہے کہ حضرت نوحؑ انجینرنگ کے اس شعبہ یعنی فن جہاز سازی سے خوب واقف تھے، اور یہ صاف نظر آتا ہے کہ کوئی بڑی سے بڑی بھی صناعی یا صنعت کاری مرتبہ نبوت کے منافی نہیں اور مرتبہ ولایت کے غیر منافی ہونا تو اور بھی ظاہر ہے۔

۵۵ (کہ یہ کیسے خبطی ہیں پانی کا نام نہ نشان اور یہ خواہ مخواہ اپنے کو اس زحمت میں ڈالے ہوئے ہیں) اور کوئی کوئی اس طرح کے فقرہ بھی کہہ گزرتا کہ واہ نبوت کرتے کرتے نجاری بھی کرنے لگے۔

یقولون لہ صرت نجارا بعد ماکنت نبیا۔ (بیضاوی)

کلما مر علیہ ملاء۔ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی اور لمبی چوڑی کشتی کا بنانا کوئی ایک دن میں نہیں ہوسکتا مدتوں میں کہیں کام ہو پایا ہوگا۔

منکرین ومتکبرین کو بار بار ادھر سے گزرنے اور اس پر مضحکہ کرنے کے موقع ملتے رہے ہوں گے۔ جہاں یہ قوم آباد تھی وہ کوئی نشیبی علاقہ نہیں ایک بلند میدان تھا اور قریب ترین سمندر یعنی خلیج فارس سے صدہا میل کے فاصلہ پر اور نہ طوفان بارش ہی کے کوئی ظاہر آثار اس لیے ان لوگوں کا اپنے نقطۂ نظر سے حیرت کرنا کچھ بیجا تھا بھی نہیں۔

۵۶ (کہ عذاب کا وقت موعود اتنا قریب آلگا اور تم اسے ہنسی کھیل سمجھ رہے ہو ہمیں اس پر ہنسی آرہی ہے)

فانا نسخر منکم مما انتم فیہ من الاعراض عن استدفاعہ بالایمان والطاعة (روح)

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ

سو ابھی تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے کہ وہ کون ہے جس پر (ایسا) عذاب آنے کو ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور اس پر

عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ

دائمی عذاب نازل ہوتا ہے۔ ۵۷ (اس طرح کے مکالمات جاری رہے) یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور زمین سے پانی ابلنا شروع ہوا ۵۸

دوسرے معنی صیغہ مستقبل میں بھی ہو سکتے ہیں کہ جس طرح تم آج ہم پر ہنس رہے ہو، ہم کل تم پر ہنسیں گے جب تم دنیا میں غرق اور آخرت میں عذاب میں مبتلا ہو رہے ہوگے۔

ان تسخروا منا فی ھذہ الساعۃ فانا نسخر منکم سخریۃ مثل سخریتکم اذا وقع علیکم الغرق فی الدنیا والخزی فی الاٰخرۃ۔ (کبیر) یعنی فی المستقبل۔ (کشاف)

رہا یہ شبہہ کہ تمسخر پیغمبری کی شان سے فروتر ہے اور تمسخر بالکل ہی سطحی ہے جواب و مقابلہ کے موقع پر اس قسم کے الفاظ کا استعمال محاورۂ قرآنی میں عام ہے۔

جزاء سیئۃٍ سیئۃ مثلھا۔ انھم یکیدون کیدًا واکید کیدًا۔ ومکروا ومکر اللہ وقس علیٰ ھذا

اور دیباچہ تفسیر طولانی میں اسلوب عرب کی صنعت "مشاکلہ" کا ذکر مستقلاً آچکا ہے۔

واطلاق السخریۃ علیھم حقیقۃ وعلیہ علیہ السلام للمشاکلۃ۔ (روح)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ انتقام کے موقع پر جواب بالمثل سے کام لینا مکارم اخلاق کے منافی نہیں۔

۵۷ عذاب مقیم کا تعلق بعد مرگ اور عالمِ آخرت سے ہے اور عذاب خزی کا تعلق اسی موجودہ زندگی سے عذاب یخزیہ۔ اس عذاب کا تعلق دنیا سے۔

یرید بالعذاب عذاب الدنیا وھو الغرق (مدارک)

اور اس قوم کے عذاب غرقابی پر مہر تو رہتی دنیا تک کے لیے ثبت کر دی۔ اس کا تعلق بعد مرگ اور عذاب آخرت سے ہے۔

وھو عذاب الاٰخرۃ (مدارک)

یہ بیان عذاب الٰہی اور عذاب اخروی دونوں کا ہوگا۔

۵۸ (جو علامت تھی آغاز عذاب موعود کی۔)

اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا۔ یعنی جب غرقابی کے ذریعہ ان پر عذاب دنیوی کے نزول کا حکم آپہنچا۔

وَفَارَ التَّنُّوْرُ۔ فقرہ کے صحیح معنی صرف اس قدر ہیں کہ زمین سے پانی نے جوش مارنا شروع کیا۔ تنّور کے معنی صرف سطح زمین یا بلند سطح زمین کے ہیں یا چشمہ پھوٹنے کی جگہ کے ہیں، ابن عباسؓ صحابی اور متعدد تابعین سے یہی معنی مروی ہیں۔

التنور وجہ الارض (ابن جریر عن ابن عباسؓ) وجہ الارض (ابن جریر عن الضحاک وعکرمۃ)

قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ

ہم نے کہا کہ اس (کشتی) میں ہر قسم کے جوڑوں میں سے دو دو کو چڑھالو ۵۹ھ اور اپنے گھر والوں کو بھی بجز ان کے

سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ ۚ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿٤٠﴾

جن پر حکم نافذ ہو چکا ہے اور (ہاں) دوسرے ایمان والوں کو بھی اور ایمان ان کے ساتھ بہت ہی کم لوگ لائے تھے ۶۰ھ

التنور وجه الارض والعرب تسميه تنورا قاله ابن عباس وعكرمة والزهري وابن عيينة (بحر)...

... وجه الارض وكل مفجر ماء ومحفل ماء الوادي (قاموس) التنور اشرف الارض وارفعها (ابن جرير عن قتادة)

اہلِ لغت نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ لفظ اصلاً عربی نہیں بلکہ فارسی سے معرب ہو کر آیا ہے۔

فارسی معرب (لسان) لفظی است میان فارسی وعربی وترکی۔ (برہان قاطع)

تاج العروس میں ہے کہ دیباج۔ دینار۔ سندس۔ استبرق وغیرہ کی طرح اس باہر سے آئے ہوئے لفظ کو بھی عرب اپنا چکے ہیں۔

تنور کے دوسرے معنی وہی ہیں جو اردو میں متعارف و متداول ہیں، یعنی وہ تندور جس میں روٹیاں لگائی جاتی ہیں اور بہت سے مفسرین نے یہی معنی لئے ہیں۔

والمراد من التنور تنور الخبز عند الجمهور (روح)

اور یہ معنی لے کر بعض لوگ نے مخصوص و متعین تنور مراد لیا ہے، اور بعض نے جنس تنور، یعنی وہاں کے جتنے تنور تھے سب سے پانی ابلنا شروع ہو گیا۔

يحتمل ان تكون ال فيه للعهد لتنور مخصوص ويحتمل ان تكون للجنس (بحر) قيل ليس المراد به تنورا معينا بل الجنس والمراد فار الماء من التنانير۔ (روح)

التنور الذي يخبز فيه الخبز معروف عند الناس (المنار)

بہرحال معنی جو بھی لئے جائیں پانی کا یہ جوش مارنا بطور طوفان عظیم کی علامت کے ہوگا۔

۵۹ھ (ای نوح) اس "کل" سے مراد یقیناً آبی و ہوائی اور زمینی جانوروں کے سارے انواع واقسام نہیں ہو سکتے بلکہ مراد صرف خشکی ہی کے جانور ہیں، اور ان میں صرف وہ جو عادۃً انسان کے کام آتے رہتے ہیں۔

ای من كل نوع من الحيوانات ينتفع به الذين ينجون من الغرق۔ (روح)

"کل" کا استعمال "حسب ضرورت" "حسب شان" وغیرہ کے مفہوم میں بھی قرآن میں بارہا ہوا ہے مثلاً:۔

وكتبنا له في الالواح من كل شيء (سورۃ الاعراف)

وانبتنا فيها من كل شيء موزون (سورۃ الحجر)

وآتيناه من كل شيء سببا (سورۃ الکہف)

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ

اور (نوحؑ نے) کہا (آؤ) اس میں سوار ہوجاؤ اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا ہے اور اس کا ٹھہرنا ۔ بے شک

لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِىَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ

میرا پروردگار بڑا بخشنے والا ہے ، بڑا رحمت والا ہے ۔ اور وہ (کشتی) انھیں لے کر چلنے لگی پہاڑ جیسی موجوں میں ۶۲

واوتیت من کل شئ (سورۃ النمل)

یہ صراحت کہ اس چھوٹے سے جہاز میں پاک و ناپاک پرندے اور چارپائے اور حشرات الارض ہر قسم کے جانور آ گئے تھے ، صرف بائبل میں ملتی ہے ، وہاں وعدۂ الٰہی بھی یہی ملتا ہے کہ سب وہ جاندار موجودات کو جنھیں میں نے بنایا زمین پر سے مٹا ڈالوں گا" (پیدائش ۷ : ۴)

اور عمل بھی اسی وعید کے مطابق ہوا چنانچہ "سب جاندار جو زمین پر چلتے تھے ، چرندے اور پرندے اور جنگلی جانور اور کیڑے مکوڑے جو زمین پر رینگتے تھے ، اور سب انسان مر گئے ، سب جن کے نتھنوں میں زندگی کا دم تھا اُن میں سے جو خشکی پر رہتے تھے مر گئے ، بلکہ سب موجودات جو روئے زمین پر جان رکھتی تھیں مٹ گئیں ، انسان سے لے کے حیوان تک اور کیڑے مکوڑوں اور آسمان کے پرندوں تک وہ سب زمین سے مٹ گئیں" (پیدائش ۷ : ۲۱ - ۲۳)

زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ۔ یعنی ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ ۔

۶۰ چنانچہ وہی بہت قلیل المقدار مومنین جہاز پر سوار کئے گئے ۔

ومن اٰمن ۔ خاندان نوح کا ذکر تو واھلک میں آ ہی چکا ہے اس کے بعد من اٰمن کے آنے سے یہی نکلتا ہے کہ خاندان کے باہر بھی کچھ لوگ ایمان لا چکے تھے ، گو یہ تصریح بھی موجود ہے کہ ان کی تعداد بڑی نہیں چھوٹی ہی تھی ۔ وما اٰمن معہ الا قلیل ۔

اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ ۔ یعنی بجز ان کے جن پر اُن کے کفر کے پاداش میں غرق ہونے کا حکم صادر ہو چکا ، خواہ نوح علیہ السلام کے عزیز قریب ہی کیوں نہ ہوں ، بغیر ایمان کے عزیزداروں کا کوئی بھی تعلق پیمبر کے ساتھ کام نہیں دیتا ۔

وما اٰمن معہ الا قلیل ۔ ابن عباس کی روایت میں تعداد اسّی کی آتی ہے (قرطبی) ایک روایت ۹ ، کی بھی ہے ۔ (بیضاوی) توریت میں ہے ؛

"اور تو کشتی میں جائے گا ، تو اور تیرے بیٹے اور تیری جورو اور تیرے بیٹوں کی جوروان تیرے ساتھ اور سب جانوروں میں سے ہر ایک جنس کے دو دو اپنے ساتھ کشتی میں لے کہ وہ بچ جائیں ، چاہیئے کہ وہ نر و مادہ ہوں" (پیدائش ۶ : ۸ - ۹)

۶۱ اس لئے اس پر سوار ہو کر غرق کا اندیشہ بھی نہ کرنا ۔

وَنَادٰى نُوْحُ ۨابْنَهٗ وَكَانَ فِىْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَىَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا

اور نوحؑ نے اپنے لڑکے کو پکارا اور وہ کنارے پر تھا ۶۳ کہ اے میرے (پیارے) بیٹے سوار ہو جاؤ

تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِىْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِىْ مِنَ

ہمارے ساتھ اور کافروں کے ساتھ مت رہ ۶۴ وہ بولا میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لئے لیتا ہوں وہ مجھے پانی

الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ

سے بچالے گا ۶۵ (نوحؑ نے) کہا آج کے دن کوئی بچانے والا نہیں اللہ کے حکم (عذاب) سے البتہ وہی جس پر

بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾

رحم کردے اور دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی، سو وہ ڈوبنے والوں میں ہو گیا ۶۶

قَالَ ارْكَبُوْا۔ ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اس قول کے مخاطب آپ کے عیال اور آپ کے متبعین ہیں۔

بسم اللہ سے مراد یہاں بامر اللہ یا باذن اللہ لی گئی ہے یعنی اس کا چلنا اور ٹھہرنا سب اللہ ہی کی قدرت اور حکم سے ہے۔

ای بقدرتہ او بامرہ او باذنہ (روح) کان فی معزل من الکفار وکانہ انفرد عنھم فظن نوح علیہ السلام ان ذلک انما کان لانہ احب مفارقتھم۔ (کبیر)

مَجْرٖىهَا۔ عربی تلفظ میں ی کی آواز صرف یاء معروف کی ہے چنانچہ قرآن مجید کے قاری بھی ہر جگہ اسی قاعدہ کا لحاظ رکھتے ہیں، لیکن اس خاص موقع پر مجری کی ی کی آواز یائے مجہول کی نکلے گی اور اسے بجائے "مَجْرٖىهَا" کے "مجرے" ہی پڑھا جائے گا۔

۶۱ (الف) سو وہ غفور و رحیم دنیا و آخرت دونوں میں تمہاری حفاظت ہی کرے گا۔

۶۲ اصل مقصود طوفان کی شدت کا اظہار ہے۔

المقصود منہ بیان شدۃ الھول والفزع۔ (کبیر)

کالجبال۔ پہاڑوں سے تشبیہ ان موجوں کی بلندی کے لحاظ سے دی گئی ہے۔

یہ روایت ہے کہ یہاں واقعی اونچی اونچی موجیں پہاڑوں پر چڑھ چڑھ گئی تھیں۔

توریت میں اس موقع پر ہے:-

"اور سات دن کے بعد ایسا ہوا کہ طوفان کا پانی زمین پر آیا، جب نوحؑ کی عمر چھ سو برس کی ہوئی دوسرے مہینے کی سترہویں تاریخ کو اسی دن بڑے سمندر کے سب سوتے پھوٹ نکلے اور آسمان کی

وَقِيلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ

اور ارشاد ہوا کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا ۶۷ اور پانی گھٹ گیا اور کام پورا

الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

ہوگیا اور (کشتی) آٹھہری جودی پر اور کہہ دیا گیا کہ (اپنے اوپر) ظلم کرنے والے لوگ (رحمت سے) دور ہو گئے ۶۸

کھڑکیاں کھل گئیں اور چالیس دن اور چالیس رات زمین پر پانی کی جھڑی لگی رہی (پیدائش ۷: ۱۱-۱۲)

۶۳ (سفینۂ نوحؑ واہلِ نوحؑ دونوں سے الگ جسماً بھی اور عقیدۃً بھی)

ابنہ۔ یہ لڑکا کافر تھا اور اس کا نام کنعان آتا ہے۔ پیمبر تک کی اولاد کے لئے لازمی نہیں کہ وہ صالح بلکہ مومن بھی ہو۔

معنا۔ یعنی ہم اہل ایمان کے ساتھ۔

فِیْ مَعْزِلٍ۔ علیحدگی اور کنارہ کشی صوری ومعنوی دونوں قسم کی مراد ہوسکتی ہیں۔ اس کا ساحل پر ہونا تو ظاہر ہی ہے، باقی اعتقادی اور ایمانی اعتبار سے بھی اس کا اپنے والوں سے بیگانہ اور کنارہ کش ہونا بھی لفظ کے مدلول میں شامل۔

والمراد بعدہ عنہم اما جسماً او معنیً (روح) عزل فیہ نفسہ عن ابیہ او عن دینہ (بیضاوی)

۶۴ (نہ معنوی واعتقادی حیثیت سے اور نہ صوری وجسمانی حیثیت سے)

یعنی آج عذاب الٰہی کی گرفت کے وقت پناہ دینا کسی کے بھی بس کی بات نہیں۔

یٰبُنَیَّ۔ کلمۂ محبت وشفقت کا ہے۔

وندا وہ بالتصغیر من باب التحنن والرافۃ (روح) التصغیر للشفقۃ۔ (تھانوی)

یٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا۔ حضرتؑ کا اپنے کافر بیٹے سے یہ فرمانا یقیناً اسی بنا پر ہوگا کہ آپؑ کو اس کے کفر کا علم نہ تھا۔۔۔ یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ شرط معیت پوری کر کے یعنی اب ایمان لاکر ہمارے ساتھ آجا۔

انہا نادا ظنا منہ انہ مؤمن او ظنا منہ انہ یؤمن ان کان کافرا۔ (بحر)

۶۵ (مجھے آپ کی کشتی تک آنے کی کیا ضرورت ہے آپ میرے لئے گھبرا کیوں رہے ہیں۔)

بد نصیب کیا جانتا تھا کہ طوفان طبعی نہیں ہے قہر الٰہی جوش میں آیا ہوا ہے، بولا کہ مجھے سیلاب سے غرقابی کا اندیشہ ہے پیرتے میں مشاق ہوں ابھی پانی کا دھارا چیرتا ہوا کسی چوٹی تک پہنچ جاؤں گا اور پہاڑ تو ڈوبنے سے رہے۔

منکر غافل ونافرمان مدہوش کی آنکھ آخر وقت تک نہیں کھلتی اور وہ اسباب مادی ہی پر تکیہ کئے رہتا ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ اسباب مباح سے تمتع کرنا توکل کے منافی نہیں جیسے سفینۂ نوحؑ کے اندر آجانا البتہ اسباب غیر مباح کی طرف دوڑنا بالکل منافی توکل ہے، مثلاً کنعان کا پہاڑ کو وسیلۂ نجات سمجھنا۔

۶۶ ڈوب جانے والا وہ تنہا نہ تھا، ڈوبنے والے منکروں کے مجمع کا ایک فرد وہ بھی تھا، اور

اس حیثیت سے اس پیمبرزادہ اور عام کافروں کے درمیان الگ فرق نہ ہوا۔

اس سبق آموز قصۂ کنعان سے بائبل کے صفحات خالی ہیں۔

اور اس قصہ کا سب سے بڑا سبق وہ یہ ہے کہ محض نسبی انتساب چاہے وہ کسی بھی برگزیدہ ہستی بلکہ پیمبر وقت تک سے بھی ہو اللہ کی معدلت گستری کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔

مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے عذاب وقہر سے۔
(ای من عذاب اللہ۔ (معالم۔ کبیر)

لَا عَاصِمَ.... رَحِمَ۔ حقیقت میں پیمبرؑ اور شفیق باپ نے فرمایا کہ اے ناسمجھ یہ سیلاب وطوفان معمولی اور طبعی واقعہ نہیں قہر الٰہی ہے، اس سے پناہ دینے کی مجال کسی کو نہیں نہ پہاڑ کو نہ پہاڑ کی چوٹی کو، ہاں اللہ خود ہی جس کو بچا لینا چاہے بچالے، بائبل میں اس شدتِ طوفان کے ذکر میں ہے "اور پانی بڑھ گیا اور کشتی کو اوپر اٹھا دیا سو کشتی زمین پر سے اٹھ گئی اور پانی زمین پر بڑھا اور بہت زیادہ ہوا اور کشتی پانی کے اوپر بہتی رہی اور پانی زمین پر بے نہایت بڑھ گیا اور سب اونچے پہاڑ جو آسمان کے نیچے تھے چھپ گئے پندرہ ۱۵ ہاتھ پانی ان کے اوپر بڑھا اور پہاڑ ڈوب گئے۔ (پیدائش ۷: ۱۷-۲۱)

۶۷ (بارش اور طوفانی بارش سے)

پہلے زمین اور آسمان کے مالک نے زمین کو حکم دیا تھا کہ پانی اُبلنا شروع کردے اور آسمان کو کہ برسانا شروع کردے، ان تکان دونوں نے تعمیل کر دکھائی، اب جب مقصد پورا ہوگیا تو زمین کو حکم ملتا ہے کہ اپنا پانی اپنے اندر جذب کرلے اور آسمان کو کہ مزید بارش موقوف ـــــ یہ ارشاد کی تھی تعمیل میں دیر ہو ہی کیا سکتی تھی۔

توریت میں ہے :-

"اور خدا نے زمین پر ایک ہوا چلائی اور پانی ٹھہر گیا اور گہراؤ کے سوتے اور آسمان کی کھڑکیاں بند ہوئیں اور آسمان سے مینہ تھم گیا۔" (پیدائش ۸: ۱-۲)

قِيلَ۔ یہ ارشاد اس وقت ہوا جب طوفان اپنا کام کرچکا اور منکروں کو ڈبو چکا تھا توریت میں اس طوفان کی مدت ایک جگہ چالیس ۴۰ دن درج ہے' اور ایک جگہ ۵ مہینہ چالیس ۴۰ دن طوفان کی باڑھ زمین پر رہی" (پیدائش ۷: ۱۷) "اور پانی کی باڑھ ڈیڑھ سو دن تک زمین پر رہی"۔ (پیدائش ۷: ۲۴)

۶۸ اس آیت کی معجزانہ فصاحت وبلاغت کی داد منکرین اسلام نے بھی دی ہے' ابن مقفع نامی ایک ملحد طبع شخص گذرا ہے اس نے بہ زعم خود قرآن کا جواب لکھنا شروع کیا تھا جیسے ایک دوسرے کے جواب میں شاعر اپنا کلام پیش کرتے ہیں' جب اس آیت پر پہنچا، تو قلم جواب سے رک گیا، عاجز ہو کر بولا کہ اس کلام کا جواب بشر کی طاقت سے باہر ہے۔ (بحر)

اور ہمارے علماء فن نے تو آیت کو قرآن مجید کی فصیح ترین آیتوں میں شمار کیا ہے

قرر علماء البلاغة الفنية ان هذه الاية ابلغ اية في الكتاب العزيز

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ

اور نوحؑ نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا اے میرے پروردگار میرا بیٹا تو میرے گھر والوں ہی میں ہے اور

الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ

تیرا وعدہ (بھی بالکل) سچا اور تُو تو ہر حاکم کے اُوپر حاکم ہے ۶۹؎ (اللہ نے) فرمایا اے نوحؑ یہ تمہارے گھر والوں ہی

اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۫

میں سے نہیں ۷۰؎ یہ ایک تباہ کار شخص ہے ۷۱؎

احاطت بالبلاغة بین جمیع جوانبھا وارجائھا اللفظیة والمعنویة (المنار)

انگریزی مستشرق اور لغوی "لین" (LANE) نے بھی اس کی داد دی ہے۔

القوم الظالمین۔ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے لوگ یعنی کافر۔ اردو محاورہ میں ایسے موقع پر "موذی" بول دیتے ہیں۔

الجودی یہ کوہستان اراراط کی اس چوٹی کا نام ہے جو جبل وام (VAM) کے جنوب و مغرب میں واقع ہے اس جوار میں کُردوں کی زبان پر آج تک یہ روایت چلی آرہی ہے کہ کشتیٔ نوحؑ یہیں آکر رکی تھی۔ توریت میں ذکر کسی چوٹی کا نہیں صرف سلسلۂ کوہستان اراراط کا ہے۔ (پیدائش ۸: ۵) ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی

اراراط کی بلندی سطح زمین سے ۳ ہزار فٹ ہے۔

گویا طوفان نے پانی کو ۳ ہزار فٹ اونچائی پر پہونچا دیا تھا اور کشتی سطح سمندر سے تین میل کی بلندی پر رواں تھی۔

۶۹؎ (تیری قدرت لا انتہا تیرے اختیارات غیر محدود تیرے لئے کیا دشوار کہ اب بھی اسے مؤمن بنا کر اس کی نجات کا سامان کردے)

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ۔ یہ مناجات حضرت نوحؑ نے اس وقت کی جب دیکھا کہ کنعان ڈوبنے ہی پر ہے۔

اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ۔ وہ وعدۂ الٰہی یہی کہ تمہارے گھر والوں میں سے جو کوئی بھی ایمان لے آئے گا بچا دیا جائے گا۔

۷۰؎ (ہمارے علم ازلی میں) اھل سے مراد وہی اہلِ ایمان گھر والے ہیں جن کے لئے نجات کا وعدہ ہو چکا تھا اور یہیں سے علماء محققین نے یہ نکالا ہے کہ شریعت میں معتبر قرابتِ ایمانی ہے نہ کہ قرابتِ نسبی۔

ای لیس منھم اصلا لان مدار الاھلیة ھو القرابة الدینیة (روح) ھذہ الایة تدل علی ان العبرة بقرابة الدین لا بقرابة النسب لان فی ھذہ الصورة کانت قرابة النسب حاصلة من اقوی الوجوہ ولکن لما انتفت قرابة الدین لا جرم نفاہ اللہ تعالیٰ با بلغ الالفاظ۔ (کبیر)

فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ اِنِّىۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ

سو مجھ سے ایسی چیز کی درخواست نہ کرو جس کی تمہیں خبر نہ ہو میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم (آئندہ کہیں)

الۡجٰهِلِيۡنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىۡۤ اَعُوۡذُ بِكَ اَنۡ اَسۡـَٔلَكَ مَا لَيۡسَ لِىۡ بِهٖ

نادان نہ بن جاؤ ۷۲ (نوحؑ) بولے اے میرے پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں آئندہ تجھ سے ایسی چیز

عِلۡمٌ ؕ وَاِلَّا تَغۡفِرۡ لِىۡ وَتَرۡحَمۡنِىۡۤ اَكُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۴۷﴾ قِيۡلَ

کی درخواست کروں جس کی مجھے خبر نہ ہو اور اگر تو میری مغفرت نہ کرے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں نقصان اٹھانے والوں میں آ جاؤں گا ۷۳

يٰـنُوۡحُ اهۡبِطۡ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيۡكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنۡ مَّعَكَ ؕ

اور ارشاد ہوا کہ اے نوحؑ اترو ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں لے کر اپنے اوپر بھی اور ان جماعتوں پر بھی جو تمہارے ساتھ ہیں ۷۴

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ شرفِ نسب کے ساتھ جب تک صلاح جمع نہ ہو وہ کالعدم ہے۔

۷۱ (جو ایمان کا قصد ہی نہیں کرتا)

عمل سے مراد ذو عمل لی گئی ہے، مداومت عملِ فاسد کی بنا پر۔

واصلہ انہ ذو عمل فاسد فحذف ذو للمبالغۃ بجعلہ عین عملہ لمدا ومتہ علیہ (روح)

ای انہ ذو عمل باطل فحذف المضاف لدلالۃ الکلام علیہ۔ (کبیر)

۷۲ (اور آیندہ پھر کبھی ایسی ہی درخواست پیش کرنے لگو۔)

منشائے خداوندی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اے نوحؑ ہمارا وعدۂ نجات جو تمہارے گھر والوں کے لئے تھا،
وہ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ کے ساتھ مقید تھا اور اس کے مصداق کو عمداً مبہم و غیر متعین رکھا گیا تھا
سو تمہارا یہ فرزند اسی استثناء کے تحت میں آ جاتا ہے ایسے مشتبہ اشخاص کے حق میں دعا کرنے سے احتیاط مناسب تھی
فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ، محققین نے لکھا ہے کہ جب مشتبہ الحال لوگوں کے حق میں دعا سے
ممانعت آ چکی ہے تو جن لوگوں کا فسادِ عقیدہ ظاہر ہو چکا ان کے حق میں تو اور زیادہ احتیاط واجب ہے۔

فیکون النہی واردا فی مشتبہ الحال و یفہم منہ حال معلوم الفساد بالطریق الاولی (روح)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں سے ہمارے زمانے کے مشائخ کی دعاؤں کا حال کھلا جاتا ہے کہ ان سے مقدمہ کی
عہدہ کی، جس چیز کی بھی دعا کرائی جاتی ہے وہ بلا لحاظ حرام و حلال اس کے لئے دعا کر دیتے ہیں۔

۷۳ حضرات انبیاء کی شانِ عبودیت کا کیا کہنا! گویا ہر وقت مناجات و ابتہال و استغفار کا بہانہ ہی
ڈھونڈتے رہتے ہیں! ادنیٰ سی لغزش محض اجتہادی لغزش نفس کی خرابی سے نہیں محض فہم و تعبیر کی بنا پر ہوئی اور
انہیں بس عرضِ حال کا، مناجات اور ابتہال کا ایک موقع مل گیا۔

وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٨﴾ تِلْكَ

اور جماعتیں تو ایسی بھی ہوں گی کہ ہم انہیں چند روزہ عیش دیں گے پھر ان پر ہماری طرف سے عذاب دردناک ہوگا ۵۷

مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۖ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ

یہ (قصہ) اخبار غیب میں سے ہے ہم نے اسے وحی کے ذریعہ سے آپ تک پہنچا دیا، اس کو اس (بتانے) سے

وَلَا قَوْمُكَ مِن قَبْلِ هَٰذَا ۖ

قبل نہ آپ ہی جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم ۵۸

۵۶ (بہ لحاظ ایمان واعتقاد)

مِّمَّن مَّعَكَ ـ من ابتداء غایت کے لئے ہے۔

یعنی وہ نسل بھی جو اس وقت حضرت نوحؑ کے ہمراہ موجود تھی اور ان سے چلنے والی ایمانی نسلیں بھی گویا معیت ایمانی حضرت نوحؑ کے ساتھ اس وقت تک کے مؤمنین کو بھی حاصل ہے اور اس طرح سلامتی اور برکات کی بشارت میں ہر دور کے اہل ایمان شامل ہو گئے۔

المراد من معك نسلاً وتولداً (کبیر) ومن فی قولہ ممن معك لابتداء الغایۃ والمعنی وعلیٰ امم ناشئۃ من الذین معك (کبیر) من لابتداء الغایۃ ای ناشئۃ من الذین معك وھم الامم المؤمنون الیٰ اٰخر الدھر۔ (بحر)

اِهْبِطْ ـ جہاز سے کوہ جودی پر اترنے کا حکم تو اوپر ل چکا تھا اب حکم ہو رہا ہے کہ پہاڑ سے زمین پر اترو۔

الھبوط النزول قیل من الجبل الی الارض (روح)

قیل یہ ارشاد اس وقت ہو رہا ہے جب طوفان پوری طرح ختم ہو چکا ہے اور زمین رہنے بسنے کے قابل ہو گئی ہے۔

بِسَلَامٍ مِّنَّا ـ امام رازیؒ نے کہا ہے کہ عارفین ہر نعمت کا مشاہدہ اسی حیثیت سے کرتے ہیں کہ وہ نعمت حق تعالیٰ کی جانب سے ہے۔

آیت میں منّا کا اضافہ حضرت نوحؑ کے مرتبہ عرفان وصدیقیت کے لحاظ سے ہے۔

۵۷ (آخرت میں) ظاہر ہے کہ ان سے مراد بعد کی آنے والی کافر قومیں ہیں۔

أُمَمٌ ـ تقدیر کلام یوں سمجھی گئی ہے۔ وامم منھم اور مفسرین محققین نے لکھا ہے کہ آیت کے دونوں ٹکڑوں میں ایک طرف مؤمنین قیامت تک کے لئے، اور دوسری طرف کفار قیامت تک کے لئے شامل ہو گئے ایک کے لئے سلامتی کا وعدہ اور دوسرے کے لئے عذاب کی وعید۔

قال المفسرون دخل فی تلك السلامۃ کل مؤمن وکل مؤمنۃ الی یوم القیٰمۃ ودخل فی

فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ

سو صبر کیجیے یقیناً نیک انجامی پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے ۷۷ اور (قوم) عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا ۷۸

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں بانی (سب) تم محض افتراء کر رہے ہو ۷۹

ذٰلك المتاع وفی ذالك العذاب كل كا فو وكا فرة الى يوم القيامة. (كبير)

۷۶ یعنی واقعات نوحؑ کا صحیح اور مستند و مفصل علم اہل تاریخ و اہل توریت کے ناقص اور غلط سلط بیانات سے قطع نظر اب آپ کو وحی الہی سے پہلی بار کرایا جا رہا ہے۔

مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ۔ یہ غیب ظاہر ہے کہ علم بشری کے اعتبار سے ہوگا ورنہ علم الہی میں تو غیب کے کوئی معنی ہی نہیں۔

۷۷ تو آپ اے رسول بددل و شکستہ خاطر نہ ہوں یہ ہٹ دھرم اور معاند کافر تو اب بھی آپ کو جھٹلائے جائیں گے لیکن آپؐ ان کی تکذیب پر صبر کیجیے اور حکایت نوحؑ سے تسکین حاصل کیجیے کہ جس طرح ان کے عہد میں آخری انجام مومنوں ہی کا اچھا اور کافروں کا بُرا ہوا، آپ کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آ کر رہے گا۔

فَاصْبِرْ۔ میں ف جزائی ہے یعنی اب جب یہ معلوم ہو چکا تو صبر لازم ہے۔

ای واذ قد اوحيناها اليك او علمتها بذالك فاصبر على مشاق تبليغ الرسالة واذية قومك۔ (روح)

اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ آخری کامیابی و کامرانی صبر کا نتیجہ ہوتی ہے۔

فيه تنبيه على ان الصبر عاقبة النصر والظفر والفرح والسرور كما كان لنوح عليه السلام ولقومه (كبير)

۷۸ قوم عاد اور حضرت ہودؑ نبی پر حاشیے سورۃ الاعراف کے رکوع ۹ میں گزر چکے۔

اِلٰى عَادٍ۔ عرب قدیم کی قوم عاد خلیج فارس کے کنارے کنارے عراق کی سرحد تک آباد تھی اس کا اصل مسکن یمن و حضرموت کا علاقہ تھا، مزار نبی ہودؑ کے نام سے علاقہ حضرموت میں قسم کے مشرق میں ایک زیارت گاہ آج تک موجود ہے۔

۷۹ یعنی اصل حقیقت تو صرف توحید ہے باقی سب تمہارے گھڑے ہوئے ڈھکوسلے ہیں۔

اُعْبُدُوا اللّٰهَ۔ یعنی صرف خدائے واحد کی پرستش کرو کسی اور کو اس میں شریک نہ کرو۔

معناه لا تعبدوا غير الله. (كبير) اى وحّدوا الله (معالم) امرالهم بعبادة الله وحده لا شريك له ناهيا لهم عن الاوثان التى افتروها. (ابن كثير)

اللہ کے وجود اور اس کی عبادت سے منکر تو دنیا میں شاذ و نادر ہی کوئی قوم ہوئی ہے ورنہ انسانیت کا اصل مرض الحاد نہیں بلکہ شرک رہا ہے یعنی ایک خدائے اعظم کے اقرار کے ساتھ ساتھ دوسرے چھوٹے موٹے

يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ

اے میری قوم میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ معاوضہ نہیں مانگتا میرا معاوضہ تو بس اسی کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ

پھر کیا تم (اس کو) نہیں سمجھتے ۵۸۰ اور اے میری قوم والو اپنے پروردگار سے اپنے گناہ معاف کراؤ پھر اس کی طرف متوجہ رہو ۵۸۱

يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰي قُوَّتِكُمْ وَلَا

وہ تم پر خوب بارشیں برسائے گا اور تم کو (اور) قوت دے کر تمہاری قوت میں ترقی کردے گا اور مجرم ہو کر روگردانی

تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ

مت کرتے رہو ۵۸۲ وہ بولے اے ہودؑ تم ہمارے سامنے کوئی سند لے کر تو آئے نہیں اور ہم اپنے

بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

دیوتاؤں کو چھوڑ دینے والے نہیں تمہارے (محض) کہہ دینے سے اور ہم کسی طرح تم پر یقین کرنے والے نہیں ۵۸۳

دیوی دیوتاؤں کی شرکت اور انتظاماتِ کائنات میں ان کا دخل و تصرّف۔

فخر المفسرین امام رازیؒ نے آیت کے تحت میں اپنی سیاحتِ ہند کا ذکر کیا ہے اور اپنا مشاہدہ درج کیا ہے کہ وجودِ باری کے منکر مشرکین ہند بھی نہ تھے، صرف اس کی توحید کے منکر تھے اور بُت پرستی میں مبتلا ـــــ یہی بیماری پہلے بھی تھی اور یہی آج بھی ہے، کاش کوئی صاحب ذرا تلاش کر کے اس کا پتہ لگاتے کہ امام موصوف ہندوستان میں کب آئے تھے کہاں کہاں کی سیاحت کی تھی کس کس کی عملداری دیکھی۔ کل کتنے دن رہے تھے۔ وقس علیٰ ہذا۔ یہ خدمت اگر دین کی نہیں تو ایک بڑے خادمِ دین کی ضرور ہو جاتی۔

امام کی وفات ۶۰۶ھ میں ہوئی تھی اور ہندوستان غوریوں کے قبضہ میں ۵۸۸ھ (۱۱۹۱ء) میں آیا ہے، امام نے اگر سیاحتِ ہند اپنی عمر کے اخیر حصّوں میں کیا ہے۔ یہاں غوریوں ہی کی حکومت ہوگی۔

۵۸۰ قوم عاد اور حضرت ہودؑ پر مناسب حاشیے سورۂ یونس میں گزر چکے۔

۵۸۱ یعنی استغفار تو کرو ماضی سے متعلق اور اب توبہ و رجوع اللہ کی جانب کرو مستقبل کے لئے۔

۵۸۲ آیت سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ طاعات کو راحت دنیوی میں بھی دخل ہے اور مشاہدہ بھی ہے کہ طاعت و حُسنِ عمل کا ثمرہ کبھی کبھی برکتوں کی صورتوں میں ظاہر ہو تا رہتا ہے، گو اصل دار الجزاء عالمِ آخرت ہی ہے، روایتوں میں آتا ہے کہ قومِ عاد تین سال سے خشک سالی میں مبتلا تھی۔

إِنْ نَقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۗ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ

ہمارا قول تو یہ ہے کہ ہمارے کسی دیوتا ہی نے تم کو شامت میں مبتلا کر رکھا ہے ۸۴ (ہودؑ نے) کہا میں اللہ کو گواہ کرتا

اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُونِهِ ۖ فَكِيدُونِي

ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جنھیں تم شریک قرار دیتے رہتے ہو۔ اللہ کے علاوہ تو تم سب میرے ساتھ

جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُونِ ﴿۵۵﴾ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ ۚ

داؤ گھات کر لو پھر مجھ کو ذرا مہلت نہ دو میں نے تو اللہ پر بھروسہ کر رکھا ہے (جو) میرا بھی پروردگار ہے اور

مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۵۶﴾

تمہارا بھی پروردگار جتنے بھی جاندار ہیں سب کی پیشانی وہی پکڑے ہوئے ہے بیشک میرا پروردگار ہے صراطِ مستقیم پر ۸۵

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي

لیکن اگر تم پھرے رہے تو میں نے تو تمھیں وہ (پیام) پہنچا دیا جسے دے کر مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا تھا۔ اور میرا پروردگار تمہاری

قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿۵۷﴾

جگہ تمہارے سوا کسی قوم کو آباد کر دیگا اور تم اس کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا رہے ہو بیشک میرا پروردگار ہر شئی پر نگہبان ہے۔ ۸۶

۸۳ بینہ یا سند سے مراد کوئی دلیل عقلی نہیں، دلائل عقلی تو توحید پر متعدد اور شروع سے موجود تھیں، ان جاہلین کی مُراد اس سے ان کے فرمائشی خوارق، معجزات و عجائب سے تھی۔

۸۴ یعنی تم نے جو ہمارے فلاں دیوتا کی شان میں گستاخی کی اس نے اپنی مار یوں ماری کہ تمھیں خبطی باؤلا کر دیا اور تم لگے بہکی بہکی باتیں کرنے —— جاہلی ذہنیت کی کتنی صحیح ترجمانی!

۸۵ یعنی وہی صراطِ مستقیم کی جانب رہنمائی کرتا ہے، اور وہ ملتا بھی صراطِ مستقیم پر چلنے سے ہے حضرت ہودؑ کی ساری تقریر توحید کے ایک مبلغ و داعی کے لئے ہمیشہ کے لئے نمونہ ہے۔

إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا۔ یعنی سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں جیسے اردو محاورہ میں کہتے ہیں کہ کوئی بے اُس کے حکم کے کان نہیں ہلا سکتا۔

ای ما من حیوان الا ھو تحت قھرہ و قدرتہ ومنقاد لقضائہ وقدرہ (کبیر) واعلم ان العرب اذا وصفوا انسانا بالذلۃ والخضوع قالوا ما ناصیۃ فلان الا بید فلان ای انہ مطیع لہ فخوطبوا فی القران ما یعرفون۔ (کبیر)

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا

اور جب ہمارا حکم آپہنچا ہم نے ہودؑ کو اور ان لوگوں کو جو اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بچا لیا ۸۷ھ

وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ

اور ہم نے انھیں ایک بہت سخت عذاب سے بچا لیا اور یہ قوم عاد تھی انھوں نے اپنے پروردگار کی

رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾

نشانیوں سے انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور یہ ظالموں سرکشوں کے حکم کی پیروی کرتے رہے ۸۸ھ

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ عَادًا

اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگ گئی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہے گی) خوب سن لو کہ قوم عاد نے اپنے

كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ ع

پروردگار سے کفر کیا، خوب سن لو کہ ہودؑ کی قوم عاد کو دوری (تصیب) ہوئی ۸۹ھ

ع ۵ | ۱۱ | ۵

دابۃ ۔ پر حاشیہ اس پارہ کے بالکل شروع میں گزر چکا۔

۸۶ھ (اس سے نہ کوئی شئ مخفی ہے نہ اس کی نظر کبھی کسی معاملہ میں بھی چوک سکتی ہے۔

فَاِنْ ..... اِلَيْكُمْ ۔ یعنی میں تو اپنی تبلیغ کے بعد بری الذمہ ہو گیا اتنی صریح ہدایتوں کے بعد بھی تم نہیں مانتے تو آگے تم جانو اور تمھارا کام۔

وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۔ یعنی تم تو تباہ و ہلاک کر دیئے جاؤ گے باقی اللہ کو جو کام دنیا میں تم سے لینا تھا اس کے لئے وہ کسی دوسری قوم کو لا کھڑا کرے گا۔

وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا ۔ یعنی تمھاری ان بدبختانہ حرکتوں سے اللہ تعالیٰ کو کیا ضرر ـــ ضرر تو سرتاسر تمھارا اپنا ہی ہے۔ مشرک قوموں کے سامنے تعلیم یہی ضروری تھی، اکثر جاہلی قوموں نے بندوں اور خدا کے درمیانی تعلق کچھ مساوات کا سا سمجھ رکھا ہے اور یہ فرض کر لیا ہے کہ جس طرح خدا سے بندوں کے کام نکلتے ہیں اسی طرح خدا بھی بندوں کی عبادت کا محتاج ہے۔

۸۷ھ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔

جَآءَ اَمْرُنَا ۔ یعنی اس قوم کی ہلاکت کا حکم آپہنچا۔

نَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۔ عذاب ہلاکت سے بچ جانے کا ذکر تو ابھی ابھی اس آیت کے اندر آچکا ہے، اس نجات عذاب غلیظ سے مراد آخرت کے عذاب سخت سے نجات پانا ہے۔

وقف لازم

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالحؑ کو (ہم نے بھیجا) وہ بولے اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ

سوا کوئی بھی تمہارا معبود نہیں ٩٠ اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور تمہیں اس زمین میں آباد

فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿٦١﴾

کر دیا ٩١ سو تم اسی سے گناہ معاف کراؤ اور اسی کی طرف توجہ کرو بیشک میرا پروردگار قریب ہے اور قبول کرنے والا ٩٢

فالمراد من النجاة الاولیٰ هی النجاة من عذاب الدنیا والنجاة الثانیة من عذاب القیامة (کبیر)

غلیظ ۔ غلظة ۔ اصلاً جسمانی و مادی ہوتا ہے لیکن استعارۃً معنوی بھی ہو سکتا ہے اور

غلیظ معنی میں کبیر کثیر کے آتا ہے (راغب)

٨٨ یعنی علاوہ شرک و بدعقیدگی کے طرح طرح کی اخلاقی لعنتوں میں بھی مبتلا رہے۔

جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ ۔ یعنی معبود حقیقی کے احکام اور اس کی توحید کے دلائل سب کی طرف سے منھ پھیرے رہے کفر جحود اس انکار کو کہتے ہیں جو دل میں یقین آجانے کے بعد محض ضد و عناد سے کیا جائے۔

الجحود نفی ما فی القلب اثباته واثبات ما فی القلب نفیه ۔ (راغب)

عَصَوْا رُسُلَهٗ ۔ رُسُل کے صیغۂ جمع سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو علاوہ حضرت ہودؑ کے اور بھی کوئی رسول مستقلاً یا بہ طور آپؑ کے نائب کے ہوں گے اور یا پھر اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ کسی ایک رسول کا انکار سلسلۂ انبیاء سے انکار ہے۔ اور مفسرین عموماً اس طرف گئے ہیں۔

ای عصوا جنسهم بعصیان رسوله الیهم وانکار رسالته ۔ (المنار)

٨٩ (دونوں جہانوں میں اللہ کی رحمت سے)

فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۔ دنیا میں اُن کے پیچھے لعنت لگ گئی یعنی اُن پر ہلاکت کا عذاب نازل ہوا — یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اس دنیا کی مادی زندگی بھی ان پر طرح طرح کی مصیبتوں سے تنگ کر دی گئی جیسا کہ آج بھی تمام نافرمان قوموں سے متعلق مشاہدہ ہو رہا ہے۔

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔ آخرت میں لعنت سے مراد اسی عذاب دائمی میں گرفتار ہو جانا ہے۔

٩٠ ہر نبی کی تعلیم ہر دور میں اسی خالص توحید کی رہی ہے۔

مِنْ اِلٰهٍ ۔ من جب نفی کے ساتھ آتا ہے تو نفی کو اور مؤکد و مکمل بنا دیتا ہے یعنی کوئی بھی نہیں۔

ثمود اور صالحؑ پر حاشیے سورۃ اعراف میں گذر چکے نیز ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حاشیے۔

جس طرح قوم عاد عرب کے جنوبی مشرقی علاقہ یعنی اطراف یمن و عراق عرب میں آباد تھی اسی طرح قوم

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ

وہ بولے اے صالحؑ تم تو اس کے قبل ہم میں بڑے ہونہار تھے (تو) کیا تم ہمیں (اس سے) منع کرتے ہو کہ

اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ

ہم ان کی عبادت کریں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے اور ہم تو اس کی طرف سے بڑے شک میں ہیں

اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿٦٢﴾

تردد میں پڑے ہوئے جس کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو ۹۳

ثمود کا تسلط عرب کے شمالی و مغربی علاقہ وادی القریٰ میں تھا اور نبی ہودؑ کی طرح نبی صالحؑ کا مزار بھی آج تک موجود ہے وادی سیر میں۔

اَخَاهُمْ۔ اخ سے مراد وطنی اور نسبی بھائی ہیں۔ جسے اردو میں کہتے ہیں "برادر وطن"۔

۱۹۰ یعنی پیدا بھی اسی نے کیا اور زندہ و قائم بھی وہی رکھے ہوئے ہے عجب نہیں کہ قوم ثمود بھی ہندی مشرکوں کی طرح ایجاد اور القاء کے الگ الگ خداؤں (برہما اور وشنو) کی قائل رہی ہو۔

اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ زمین سے پیدا کیا یعنی زمینی مادہ سے پیدا کیا۔

نسبهم الى الارض لان اصلهم وهو آدم خلق من تراب الارض۔ (جصاص)

وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا۔ بعض فقہاء مفسرین نے یہیں سے اپنی دقتِ نظر سے زمین کی آبادکاری کا وجوب نکالا ہے خواہ یہ آبادی زراعت کی شکل میں ہو یا باغات کی یا تعمیرات کی۔

وفيه الدلالة على وجوب العمارة للزراعة والغراس والابنية (جصاص)

۲۹۰ (اس عرض و معروض کا جو اس سے استغفار کے لئے کی جائے۔

تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ۔ یعنی اس کی طرف اطاعت و عبادت کے ساتھ توجہ کرو۔

فَاسْتَغْفِرُوْهُ۔ میں اشارہ ماضی کی طرف ہے اور توبوا الیہ میں مستقبل کی اصلاح کی جانب۔

قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ۔ یعنی جو اس کی طرف توجہ کرے تو خدائے اسلام اس سے دور اور اجنبی و بیگانہ نہیں اس کے قریب ہی ہے، اس تک پہونچنے کے لئے کسی دیوی، دیوتا کے واسطے کی ضرورت نہیں نیز کوئی درخواست معافی اور ندامت اس مجیب کے سامنے نامسموع نہ رہے گی وہ ہر عرض کرنے والے کی سننے والا اور قبول کرنے والا بھی ہے۔

جن قوموں نے اپنے خدا کو بہت دور دراز اور مشین کی طرح تمام تر ایک ضابط کا خدا سمجھا ہے آیت ان کی تردید کر رہی ہے کہ خدائے اسلام ہر بندہ سے بہت قریب بھی ہے اور اس کی ہر آن سننے والا ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ

(صالحؑ نے) کہا اے میری قوم والو بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی جانب سے دلیل پر ہوں اور اس

مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ

نے مجھے اپنی طرف سے رحمت (خاص) عطا کی ہو تو سو (یہ تو بتاؤ) مجھے کون بچالے گا اللہ سے اگر میں اس کی نافرمانی کروں سو تم تو

غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا

سراسر میرا نقصان ہی کر رہے ہو ۹۵ اور اے میری قوم یہ اونٹنی اللہ کی ہے اور تمہارے حق میں ایک نشان سو اسے

تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ

چھوڑے رہو کہ اللہ کی زمین پر چرتی کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ تم کو فوری عذاب

قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ

آپکڑے گا ۹۶ پھر (ان لوگوں نے) اس کو مار ڈالا تب (صالحؑ نے) کہا تم اپنے گھروں میں تین دن

اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾

اور بسر کر لو یہ ایسا وعدہ ہے جس میں ذرا جھوٹ نہیں ۹۷

۹۳ یعنی تم جو ہمارے اور اپنے آبا و اجداد کے طریقوں کے خلاف یہ نئی تعلیم دے رہے ہو سو یہ تو ہمارے دل میں اترتی نہیں، اور نہ ہمارا دماغ اسے قبول کرنے پر آمادہ ہے۔

قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ۔ یعنی ہمیں تو تم سے بڑی بڑی امیدیں تھیں اور ہم سمجھے تھے کہ تم فخر قوم و نازش وطن ثابت ہو گے اب یہ تم نئی اور انوکھی باتیں کیسی کرنے لگے؟

ہر پیمبر میں امانت و صداقت ذہن و ذکاء عقل و فہم حلم و رشد کے آثار شروع ہی سے نمایاں ہوتے ہیں۔

اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا۔ سوال بہ طور استفہام انکاری اور استعجاب کے ہے۔

قوم حیرت کے ساتھ کہہ رہی ہے کہ کیا تم ایسا غضب کر رہے ہو کہ ہمیں اپنے اور ہمارے آبائی دین سے روک رہے ہو شرک میں ڈوبے ہوئے بڑے بڑے "عقلا" کو آج بھی صدائے توحید ایسی ہی عجیب اور نامانوس نظر آتی ہے۔

(اور دعوت توحید پر مجھے مامور کیا ہو۔)

۹۴ (اور دعوت توحید پر مجھے مامور کیا ہو۔)
رحمۃ۔ سے مراد نبوت لی گئی ہے۔
ای نبوۃ (بیضاوی) نبوۃ وحکمۃ۔ (معالم)
اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ۔ یعنی مجھ پر توحید کی حقیقت روشن ہو چکی ہو۔

۹۵ (یہ فرمائش کر کے کہ میں دعوت توحید ترک کر دوں)
اِنْ عَصَيْتُهٗ۔ یعنی تمہاری حسب فرمائش میں دعوتِ توحید میں تساہل و تغافل سے کام لینے لگوں۔

۹۶ یعنی ایسا عذاب جس کے آنے میں دیر نہ لگے گی، اور جو تم کو یہیں اسی مادی دنیا میں محسوس ہو جائے گا، اور اس کے متعلقات پر حاشیے سورۂ اعراف میں گزر چکے،
نَاقَةُ اللّٰهِ۔ اضافت تعظیم و احترام کے لئے ہے جیسے بیت اللہ، کعبۃ اللہ وغیرہ میں۔
الاضافۃ للتشریف۔ (روح)
اس اونٹنی اور اس کے متعلقات پر حاشیے سورۂ اعراف میں گزر چکے۔

۹۷ (اس لئے کہ خدائی وعدہ ہے)
تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ۔ یعنی اس تین دن کے بعد پھر تو عذاب آنا ہی ہے۔
اس مہلت سے صاف معلوم ہوا کہ عذاب کے لئے یہ لازمی نہیں کہ فی الفور آئے، مصلحت تکوینی جب بھی اس کی متقاضی ہو۔ عذاب ایک وقفہ کے بعد بھی لایا جا سکتا ہے۔

۹۸ وہ جس کو چاہے مبتلائے عذاب بھی کر سکتا ہے اور جسے چاہے بچا بھی سکتا ہے وہ ہر صورت پر یکساں قادر ہے اسکے ارادے میں کوئی بھی قوت حائل نہیں ہو سکتی ــــ آیت کی ترکیب نے القوی العزیز کے حصر کا مفہوم پیدا کیا، یعنی قوت اس کا ایک حصہ ہے اس میں کوئی شریک نہیں۔
مِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ۔ یعنی ایک نجات تو عذاب ہلاکت سے دی دوسری نجات ذلت و رسوائی سے

۹۹ (اور اسی حال میں سب کے سب فنا ہو گئے)
الصَّيْحَةُ۔ یہاں صیحۃ وارد ہوا ہے جس کے معنی چیخ چنگھاڑ یا بلند آواز کے ہیں اور سورۂ اعراف میں اس موقع کے لئے رجفۃ آیا ہے جس کے معنی زلزلہ کے ہیں لیکن زلزلہ بلند آواز کے منافی ذرا بھی نہیں جس کے لئے ضرورت تطبیق کی پڑے بلکہ تیز زلزلہ اور سخت گھڑ گھڑاہٹ کا ساتھ تو مشاہدہ میں عموماً آ چکا ہے۔

۱۰۰ (اپنے پروردگار کی رحمت سے)
اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ۔ اس نے خوب واضح کر دیا کہ قوم ثمود پر ہلاکت ناگہانی کا جو عذاب آیا وہ کفر ہی کی بنا پر آیا۔

۱۰۱ (آپ کے صاحبزادہ اسحٰقؑ کے تولد کی)
رُسُلُنَآ۔ یعنی فرشتے بشر کی شکل میں۔
توریت میں یہ تفصیل مزید درج ہے کہ یہ آنے والے تعداد میں تین تھے:۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ

پھر جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے صالحؑ کو اور اُن کو جو اُن کے ساتھ ایمان لے آئے اپنی رحمت سے

مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾

بچالیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی۔ بے شک تیرا پروردگار ہی بڑا قوت والا ہے بڑا غلبہ والا ہے ۹۵

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾

اور جو ظالم لوگ تھے انہیں ایک چیخ نے آپکڑا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے ۹۹

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا

گویا ان (گھروں) میں کبھی بسے ہی نہ تھے، خوب سُن لو کہ قوم ثمود نے اپنے پروردگار سے کفر کیا، خوب سن لو کہ

لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى

قوم ثمود کو دُوری ہوگئی ۱۰۰ اور بالیقین ہمارے فرستادے ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لے کر آئے ۱۰۱

"اور وہ دن کو گرمی کے وقت اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھا تھا اور اس نے اپنی آنکھیں اٹھا کر نظر کیا اور کیا دیکھا کہ تین مرد اس کے پاس کھڑے ہیں۔" (پیدائش ۱۸: ۱-۲)

۱۰۲ جگمگاتے ہوئے ہوٹلوں کے دور سے بہت ہی پہلے اور مہمان سراؤں کے دور سے بھی بہت پہلے مسافروں راہ گیروں، نوواردوں کی خاطر مدارات اور مہمان نوازی اس وقت کا عام دستور اور دلیل شرافت تھا، اور پھر حضرت ابراہیمؑ ایک تو شیخ القبیلہ اور پھر ذاتی حیثیت سے شریف ترین انسان آپ کی مہمان نوازی تاریخ کا ایک مسلّم واقعہ ہے ۔۔۔ اللہ کے فرشتے بشری قالب میں تھے آپ انہیں معمولی مسافر سمجھ فوراً اُن کی خاطر داری میں لگ گئے۔

توریت میں اس ضیافت و مہمانی کی مزید تفصیلات درج ہیں :۔

"اور ابراہام خیمہ میں سرہ کے پاس دوڑا گیا اور کہا کہ تین پیمانہ آٹا لے کے جلد گوندھ کے پھلکے پکا اور ابراہام گلّے کی طرف دوڑا اور ایک موٹا تازہ بچھڑا لاکر ایک جوان کو دیا اور اس نے جلد اسے تیار کیا، پھر اس نے گھی اور دودھ اور اس بچھڑے کو جو اس نے پکوایا تھا لے کے اُن کے سامنے رکھا اور آپ ان کے پاس درخت کے نیچے کھڑا رہا اور انھوں نے کھایا۔" (پیدائش ۱۸: ۶-۸)

اس حکایت قرآنی سے یہ بھی نکل آیا کہ پیمبر برحق کے لئے (معاذ اللہ) عالم الغیب ہونا تو الگ رہا صاحب

قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾

(اور) بولے (آپ پر) سلام ہو (ابراہیمؑ نے) کہا (تم پر) سلام پھر دیر نہیں لگائی کہ ایک تلا ہوا بچھڑا لے آئے ۲۰۱ ؎

فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ

پھر جب (ابراہیمؑ) نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس (کھانے) کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں تو ان سے متوحش ہوئے ۳۰۱ ؎ اور ان سے دل میں خوفزدہ ہوئے ۴۰۱ ؎

کشف ہونا بھی ضروری نہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام پیمبر بلکہ بہت سے پیمبروں کے سردار ہوئے ہیں لیکن اتنا بھی آپؑ شناخت نہ کرسکے کہ یہ نووارد انسان ہیں یا فرشتے۔

قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ ۔ فقہاء مفسرین نے اس سے یہ نکالا ہے کہ سلام فرشتوں کا طریقہ ہے اور اہلِ اسلام میں بھی ہر دور میں رائج و شائع رہا ہے۔

فیہ الدلالۃ علی ان السلام قد کان تحیۃ اھل الاسلام وانّہ تحیّۃ الملٰئکۃ۔ (جصاص)

۳۰۱ ؎ (کہ یہ کوئی مفسد دشمن یا کوئی ڈاکو تو نہیں ہیں)

وقت کا دستور یہ تھا کہ جو دشمن یا کوئی ڈاکو کسی کو اپنا ہدف بنانا چاہتے تھے اُس کے ہاں کھانے پرہیز کرتے تھے اور جس کے ہاں کھالیتے پھر اس کو نہ ستاتے (اور یہ دستور بہت سے ملکوں میں اب تک بھی رہا ہے۔) حضرت ابراہیمؑ کو قدرۃً ایسے موقع پر یہی خیال گزرا اور اُن سے خوف وہراس بھی طبعی طور پر پیدا ہوا ــــ خوف وہراس اُمورِ طبعی ہیں (جس طرح بھوک اور پیاس) اور مرتبۂ ولایت کیا معنی مرتبۂ رسالت کے بھی ذرّہ بھر منافی نہیں۔

وَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ ۔ توریت موجودہ میں یہ فقرہ کہ "انھوں نے کھایا" قطعاً ایک ایجاد بندہ ہے اور قرآن مجید کو اسی بیان کی تردید کے لئے یہ تصریح کرنی پڑی۔

۴۰۱ ؎ (ایک خاص مقصد کے لئے اور ہم انسان نہیں فرشتے ہیں۔)

مفسر تھانویؒ نے فرمایا کہ آپ کا ان کو فرشتہ یقین کرلینا صرف اُن کے دعوے پر نہ تھا بلکہ قوتِ مدرکہ قدسیہ کے ذریعہ سے متوجہ ہوکر یقین کیا جس سے اولاً توجہ نہ فرمائی تھی جیسا بعض اوقات محسوسات میں بھی یہ قصہ پیش آتا ہے۔

۵۰۱ ؎ خوشگوار حیرت کے وقت ہنسی کا آجانا بالکل امرِ طبعی ہے اور خوشگوار حیرت کا موقع اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ گھر کے اندر جن آنے والوں کو انسان اور وہ بھی دشمن سمجھا جا رہا تھا وہ دوست اور دوست بھی کیسے اللہ کے فرشتے نکلے۔

امْرَاَتُهٗ ۔ مراد حضرت ابراہیمؑ کی زوجۂ اُولیٰ حضرت سارہؑ ہیں۔

مفسر تھانویؒ نے فرمایا کہ ظاہراً حضرت سارہؑ پہلے اس جگہ نہ تھیں شاید وہ پردہ میں ہوں پھر جب معلوم ہوگیا کہ فرشتے ہیں ان سے کیا پردہ سامنے چلی آئیں، جیسا کہ ایک دوسری جگہ قرآن کے لفظ فَاَقْبَلَتْ سے معلوم ہوتا ہے

قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۰﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ

وہ بولے کہ ڈریئے نہیں ہم تو قوم لوطؑ کی طرف بھیجے گئے ہیں ۱۲۴ اور ان کی بیوی کھڑی تھیں پس

فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾

وہ ہنسیں ۱۲۵ پھر ہم نے انہیں بشارت دی اسحٰقؑ کی اور اسحٰقؑ کے آگے یعقوبؑ کی ۱۲۶

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ

بولیں ہائے خاک پڑے کیا (اب) میں بچہ جنوں گی درآنحالیکہ میں بوڑھی ہو چکی اور یہ میرے میاں (بھی)

اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾

بالکل) بوڑھے یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے ۱۲۷

۱۲۶ (بطور پوتے کے) اس میں ضمناً یہ بات بھی آگئی کہ اسحٰقؑ زندہ رہیں گے اور صاحبِ اولاد ہوں گے۔

توریت میں ہے:۔

"پھر خداوند نے ابراہام سے کہا کہ سرہ کیوں ہنس کر بولی کہ کیا یہ ایسی بوڑھیا ہو گئی ہوں سچ مچ جنوں گی کیا خداوند کے نزدیک کوئی بات مشکل ہے؟" (پیدائش ۱۸: ۱۳-۱۴)

۱۲۷ (باعتبار اسباب ظاہر کے) حضرت سارہ کا یہ خوشخبری سُن کر اسباب ظاہری و مادی کے لحاظ سے اس پر تعجب کرنا بالکل قدرتی تھا۔

وهو استعجاب من حيث العادة دون القدرة (بیضاوی)

اور یہیں سے ہمارے محققین نے کہا ہے کسی واقعہ پر اسباب ظاہر کے لحاظ سے تعجب کرنا مسبب الاسباب پر یقین کامل رکھنے کے منافی نہیں۔

توریت میں اس موقع پر ہے:۔

"ابراہام اور سرہ بوڑھے اور بہت دن کے تھے اور سرہ سے عورتوں کی معمولی عادت موقوف ہو گئی تھی تب سرہ نے اپنے دل میں ہنس کر کہا کہ بعد اس کے کہ میں ضعیف ہو گئی اور میرا خاوند بھی بوڑھا ہوا کیا مجھ کو خوشی ہوگی؟" (پیدائش ۱۸: ۱۱-۱۲)

يٰوَيْلَتٰى۔ عربی میں یہ اظہار حیرت و تعجب کے موقع پر بولتے ہیں۔

تقولها العرب عند التعجب من الشيء۔ (ابن جریر)

اردو میں یہ ترجمہ یہاں کی زنانہ بول چال کے مطابق مفسر تھانویؒ کا کیا ہوا ہے۔

محاورہ سے مقصود اظہار حیرت تو ظاہر ہی ہے ـــــ ساتھ ہی ایک ہلکا سا پہلو ذم کا بھی اپنے

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ

وہ بولے ارے تم تعجب کرتی ہو اللہ کے کام میں ۹۸ اے خاندان والو تم پر تو اللہ کی (خاص) رحمت اور اس کی

الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ

برکتیں (نازل ہوتی رہتی) ہیں بیشک وہ تعریف کے لائق اور بڑا شان والا ہے ۹۹ پھر جب ابراہیمؑ سے خوف زائل ہوگیا

الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾

اور ان کو خوشخبری مل گئی تو وہ لگے ہم سے قوم لوطؑ کے باب میں بحث کرنے ۱۰۰

متعلق سے نکلتا ہے زیادہ سن میں عورت کے اولاد ہونے سے اس کو طبعی طور پر شرمندگی بھی ہوتی ہے۔

۹۸ (حالانکہ پیمبر کے گھر میں رہ کر خوارق اور قدرت الٰہی کے عجائب تمہاری نظر سے برابر گزرتے ہی رہتے ہوں گے) زوج پیمبر حضرت سارہؑ کے اس اظہارِ حیرت پر اب خود فرشتے اظہار حیرت کر رہے ہیں۔ محققین نے اس مکالمہ سے یہ نکالا ہے کہ ملائکہ کی گفتگو غیر نبی کے ساتھ ناممکن نہیں۔

۹۹ (کہ اس حمید مجید کے نزدیک کوئی بڑے سے بڑا کام بھی مشکل نہیں اور اسی کی ذات ہر تحمید ہر تمجید کی مستحق ہے۔)

مومن ہومنہ کا استعجاب، مسبب الاسباب کی طرف توجہ دلانے سے باسانی رفع ہو جاتا ہے۔

اَهْلَ الْبَيْتِ۔ اس آیت نے اسے صاف کر دیا کہ پیمبرؑ کے زوج پر "اہلِ بیت" کا اطلاق تو بہر حال ہوتا ہے بلکہ اہلِ بیت نبوی کا مفہوم اول تو ازواج نبی ہی ہوتے ہیں۔

یدل علی ان ازواج النبی صلعم من اھل بیتہ۔ (جصاص)

۱۰۰ یعنی قوم لوطؑ کی سفارش میں اصرار بلیغ کرنے۔ اس کی ضروری تفصیلات سورۂ عنکبوت میں ان شاء اللہ ملیں گی۔

فَلَمَّا ۔۔۔۔ اَلْبُشْرٰى. جب آپ کو اطمینان ہو گیا کہ آئے ہوئے مہمان انسان نہیں فرشتہ ہیں، اور آپ کا قلب فرزند کی بشارت سے مزید مسرت حاصل کر چکا۔

آیت سے یہ سبق بھی ملا کہ پیمبر بھی اپنی طبعی و نفسیاتی زندگی میں عام بشری قوانین ہی کا پابند ہوتا ہے۔ خوف، حسرت، حیرت کسی جذبہ اور احساس سے بھی مبرا نہیں ہوتا، ملاحظہ ہو اس نامہ سیاہ کا رسالہ "بشریت انبیاءؑ"

توریت میں اس مقام پر ایک خاصہ طویل مکالمہ نقل ہوا ہے۔ (پیدائش ۱۸: ۲۳-۳۳)

۱۰۱ حضرت ابراہیمؑ کی نرم دلی اور حلیم المزاجی پر حاشیے پہلے گزر چکے نیز ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

۱۰۲ حضرت ابراہیمؑ کی دعا و سفارش پر ارشاد ہوا کہ اپنی درخواست پر اصرار نہ کرو یہ لوگ ایمان

إِنَّ إِبْرَٰهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّٰهٌ مُّنِيبٌ ﴿٧٥﴾ يَٰٓإِبْرَٰهِيمُ أَعْرِضْ

بے شک ابراہیم بڑے حلیم بڑے درد مند بڑے نرم دل تھے ۱۱۱ اے ابراہیمؑ اسے جانے دو

عَنْ هَٰذَآ ۖ إِنَّهُۥ قَدْ جَآءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَإِنَّهُمْ ءَاتِيهِمْ عَذَابٌ

قطعاً تمہارے پروردگار کا حکم آچکا ہے۔ اور ان پر ضرور ایک نہ ہٹنے والا عذاب

غَيْرُ مَرْدُودٍ ﴿٧٦﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيٓءَ بِهِمْ

آنے والا ہے ۱۱۲ اور جب ہمارے فرستادے لوطؑ کے پاس پہنچے تو لوطؑ ان کی وجہ سے کڑھے

وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿٧٧﴾

اور ان کی وجہ سے بہت تنگدل ہوئے اور بولے یہ آج کا دن بہت بھاری ہے ۱۱۳

لانے والے اور سُدھرنے والے ہیں ہی نہیں۔

آیت سے صاف معلوم ہو گیا کہ مقبول سے مقبول بندہ کی بھی دعا یا سفارش کا قبول ہو جانا لازمی نہیں، بندہ کی نگاہ بہرحال محدود ہی ہوتی ہے حکمت کاملہ کے بیشمار پہلوؤں کا احاطہ کہاں کر سکتی ہے۔

۱۱۲ (دیکھا چاہیئے جو عزت و آبرو سے گزر جائے۔

لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا۔ یعنی جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے کمسن اور خوبرو لڑکوں کی شکل میں لوطؑ کے شہر سدوم میں (جو ملک شام میں بحرِ مُردہ کے عین ساحل پر واقع تھا) پہنچے۔

لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے اور خود بھی پیمبر تھے آپ پر حاشیہ سورۃ اعراف میں گزر چکا۔

قوم لوطؑ کی غیر طبعی اور خلاف وضع فطرت شہوانیت آج ضرب المثل کے درجہ تک پہنچ گئی ہے اور کسی مزید صراحت کی ضرورت نہیں، حضرت لوطؑ کو قدرۃً اپنے مہمانوں سے متعلق یہی اندیشہ پیدا ہوا کہ ان بیچاروں کی کیسی بے عزتی ان نابکاروں کے ہاتھ ہو گی۔

ضَاقَ بِهِ ذَرْعًا۔ عربی محاورہ میں اس موقع پر بولتے ہیں جیسے ہمارے ہاں کہتے ہیں کہ اس کا آنا جی کو کھل گیا۔

وضاقت نفسہ غماً۔ (ابن جریر)

وضاق بکذا ذرعی نحو ضاق بایدی (راغب)

وضاق بھم ذرعا عجز عنھم۔ (راغب)

۱۱۳ (اپنے اس ارادۂ بد کے ساتھ حسب معمول)

قَوْمُهُ۔ سے مراد ساری کی ساری قوم نہیں بلکہ مراد ہیں وہی قوم کے کچھ لوگ۔

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

اور اُن کے پاس ان کی قوم (کے لوگ) دوڑے ہوئے آئے ۱۱۴ اور وہ پہلے ہی سے بدکاریاں کیا کرتے

السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِىْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

تھے ۱۱۵ (لوطؑ) بولے اے میری قوم یہ میری بیٹیاں (بھی تو موجود) ہیں یہ تمہارے حق میں پاکیزہ

وَلَا تُخْزُوْنِ فِىْ ضَيْفِىْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾

ہیں سو اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں ۱۱۶

۱۱۵ قوم لوطؑ والے علاوہ اس مخصوص فسق کے اور بھی طرح طرح کی شناعتوں میں مبتلا تھے اور اجنبیوں اور پردیسیوں کے ساتھ تو اُن کی بدسلوکی خاص طور پر بڑھی ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہوں انگریزی تفسیر القرآن کے حواشی۔

۱۱۶ بَنَاتِىْ کے لفظ پر بڑی بحث ہوئی ہے لیکن ظاہر ہے اس سے مراد حضرت لوطؑ کی صلبی بیٹیاں تو ہو ہی نہیں سکتیں وہ تو کل دو تھیں، اور یہاں اڑوس پڑوس کا مجمع نشۂ فسق میں مست تھا، مراد اُمت کی عورتیں ہیں اُمت کی عورتیں پیمبر کے لئے بہ منزلہ بیٹیوں ہی کے ہوتی ہیں، آپ نے اپنے دروازہ پر مجمع فساق دیکھ کر فرمایا کہ آخر عورتیں بھی تو موجود ہیں، ان کے ساتھ نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟

اور پیمبر کا انہیں میری بیٹیاں کہنا شفقت کے اظہار کے لئے تھا۔

المراد نساء امته (کبیر عن مجاهد وسعيد بن جبير) وهذا القول عندى هو المختار (کبیر)

يعنى نساء امته فانكحوهن (ابن جرير عن ابن جريج) الاحسن ان تكون الاضافة مجازية

اى بنات قومى اذ النبى يتنزل منزلة الاب لقومه۔ (بحر)

اَطْهَرُ۔ یہاں طاہر کے معنی میں ہے، جیسے اللہ اکبر میں، اکبر، کبیر کے معنی میں ہے یہ مراد نہیں کہ عمل نکاح نسبتہً طاہر تر ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ عمل نکاح فی نفسہ طاہر و پاکیزہ ہے۔ (کبیر)

وصيغة افعل فى ذالك مجاز۔ (روح)

وصيغة التفعيل هنا للمبالغة فى الطهر فلا مفهوم لها وهذا كثير فى اللغة (الخ)

توریت میں اس موقع پر ہے:—

"شہر کے مردوں یعنی سدوم کے مردوں نے جوان سے لے کر بوڑھے تک سب لوگوں نے ہر طرف سے اس گھر کو گھیر لیا اور انھوں نے لوطؑ کو پکار کے اس سے کہا کہ وہ مرد جو آج کی رات تیرے ہاں آئے کہاں ہیں، انہیں ہمارے پاس باہر لا تاکہ ہم اُن سے صحبت کریں تب لوطؑ دروازہ سے ان کے

قَالُوۡا لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَا لَنَا فِیۡ بَنٰتِکَ مِنۡ حَقٍّ ۚ وَ اِنَّکَ لَتَعۡلَمُ مَا نُرِیۡدُ ﴿۷۹﴾

وہ بولے تم تو خوب جانتے ہو کہ ہم کو تمھاری بیٹیوں کی کوئی ضرورت نہیں اور تم وہ بھی خوب جانتے ہو جو کچھ ہم ارادہ رکھتے ہیں ۱۱۷

قَالَ لَوۡ اَنَّ لِیۡ بِکُمۡ قُوَّۃً اَوۡ اٰوِیۡۤ اِلٰی رُکۡنٍ شَدِیۡدٍ ﴿۸۰﴾

(لوط) بولے کاش میرا تم پر کچھ زور دباؤ یا میں کسی مضبوط پایہ کی پناہ لیتا ۱۱۸

قَالُوۡا یٰلُوۡطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ لَنۡ یَّصِلُوۡۤا اِلَیۡکَ فَاَسۡرِ بِاَہۡلِکَ

وہ (فرشتے) بولے اے لوطؑ ہم تو آپؑ کے پروردگار کے فرستادے ہیں ان کی رسائی آپ تک کبھی نہ ہو سکے گی ۱۱۹ آپ

بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّیۡلِ وَ لَا یَلۡتَفِتۡ مِنۡکُمۡ اَحَدٌ اِلَّا امۡرَاَتَکَ ؕ

رات ہی کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیے اور تم میں کوئی پیچھے پھر کر نہ دیکھے ۱۲۰ کا مگر ہاں آپؑ کی بیوی (دیکھے گی)

پاس باہر گیا اور کواڑ اپنے پیچھے بند کیا اور کہا کہ اے بھائیو ایسا برا کام نہ کیجیو اب دیکھو میری دو بیٹیاں ہیں جو مرد سے واقف نہیں مرضی ہو تو اُن کو تمھارے پاس نکال لاؤں اور جو تمھاری نظر میں پسند ہو اُن سے کرو مگر ان مردوں سے کچھ کام نہ رکھو کیونکہ وہ اسی واسطے میری چھت کے سائے میں آئے۔" (پیدائش ۱۹: ۴-۸)

فَاتَّقُوا اللّٰہَ۔ آپؑ کی اصلی دلیل تو یہی ہے آپ نے انھیں خوفِ خدا سے ڈرایا کہ وہی اصل بنیاد ہر معصیت سے رکنے کی ہے۔

وَلَا تُخۡزُوۡنِ فِیۡ ضَیۡفِیۡ۔ آپؑ نے دوسری دلیل فہم مخاطبین کی رعایت سے یہ کی کہ انھیں عزت عام کا واسطہ دلایا، مہمانوں کے سامنے سُبکی عُرفاً بھی بہت معیوب تھی۔

۱۱۷ ہم کو عورتوں کی طرف رغبت و التفات ہے کب؟ ہم تو کسی اور ہی پھیر میں ہیں جو تم پر خوب روشن ہے۔

ای وانک یلوط لتعلم ان ما حاجتنا فی غیر بناتک (ابن جریر) والظاھر ان معنی من حق من نصیب ولا من شھوۃ (بحر) من حق ای حاجۃ (جلالین) ای من حاجۃ (بیضاوی)

۱۱۸ یعنی یا تو خود مجھ میں اتنی طاقت ہوتی کہ میں بہ زور حکومت تم کو تمھارے شر سے روک سکتا یا میرا کوئی زبردست جتھا، کنبہ، قبیلہ ہوتا۔ حضرت لوطؑ تو خود ہی پردیس میں مقیم تھے اس لئے قدرۃً آپ کے ساتھ عزیزوں، قریبیوں کی کوئی خاص جماعت نہ تھی۔

پریشان کن حالات میں اسباب ظاہری سے تمسک کرنا ایک امر طبعی ہے اور شریعت میں بالکل جائز ہے۔ یہ حقیقت اس تفسیر میں بار بار آ چکی ہے کہ امور طبعی میں (اخلاقیات و شرعیات میں نہیں) پیمبر بھی عام بشری سطح کا ہوتا ہے۔

إِنَّهُۥ مُصِيبُهَا مَآ أَصَابَهُمْ ۚ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ ٱلصُّبْحُ ۚ أَلَيْسَ ٱلصُّبْحُ

اسے بھی وہی آفت آئیگی جو ان (سب) پر نازل ہوگی ان (پر عذاب) کے وعدہ کا وقت صبح کا ہے اور صبح میں اب

بِقَرِيبٍ ﴿٨١﴾ فَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَٰلِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا

دیر ہی کیا ہے؟ ۱۲۱ سو جب ہمارا حکم آپہنچا ہم نے اس (زمین) کے بلند کو اس کا پست بنا دیا اور

عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ ﴿٨٢﴾ مُّسَوَّمَةً عِندَ

ہم نے اس پر برسا دیئے پتھر کھنگر کے تہ بہ تہ ۱۲۲ خاص نشان کئے ہوئے

رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴿٨٣﴾

آپ کے پروردگار کے پاس اور وہ (مقام) ان ظالموں سے کچھ دور بھی نہیں ۱۲۳

۱۱۹ فرشتوں کو حضرت لوطؑ ابھی تک تو اپنے نوعمر و حسین مہمان سمجھے جا رہے تھے اب انھوں نے آپ کا اضطراب و اضطرار دیکھ اپنا فرشتہ ہونا ظاہر کیا اور اطمینان دلایا کہ ہم تو ہم اِن خبیثوں کی اتنی بھی مجال نہیں کہ آپ تک بھی پہنچ سکیں۔

۱۲۰ یہ عورت دل سے کافرہ اور اُن بدمعاشوں سے ملی ہوئی تھی فرشتوں نے کہا کہ اس کے حق میں کوئی نصیحت کارگر نہ ہوگی اور نہ یہ ہماری ہدایت پر عمل کرے گی اس کا دل تو کافروں میں اٹکا ہوا ہے عین نزولِ عذاب کے وقت یہ بہ کمال ہمدردی اُدھر مڑ کر دیکھے گی ضرور، اور خود بھی عذاب کا شکار ہو کر رہے گی۔

توریت میں ہے:۔

"مگر اس کی جورو نے اس کے پیچھے سے پھر کے دیکھا اور وہ نمک کا کھمبا بن گئی"۔ (پیدائش ۱۹، ۲۶)

۱۲۱ توریت میں ہے:۔

"اور جس وقت لوطؑ ضغر میں داخل ہوا سورج کی روشنی زمین پر پھیلی تب خداوند نے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ خداوند کی طرف سے آسمان پر سے برسائی اور اس نے ان شہروں کو اور اُس سارے میدان کو اور ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ جو زمین سے اُگا تھا نیست کر دیا"۔ (پیدائش ۱۹: ۲۳-۲۵)

ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

اِنَّهٗ مُصِيبُهَا مَآ أَصَابَهُمْ۔ اس عورت پر بھی وہی گزر کر رہے گی، جو سارے نافرمانوں پر گزرے گی ـــــ پیمبر کی بیوی ہونا یا اور کوئی قرابت قریبہ رکھنا ہرگز اسے عذاب سے نہ بچا سکے گا۔

۱۲۲ یعنی لگاتار گرنے اور برسنے لگے۔

جَآءَ أَمْرُنَا۔ یعنی عذاب موعود کا وقت آپہنچا۔

ع ۷ / ۱۵ النصف

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور مدین کی طرف ہم نے اُن کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا ۱۲۴ؔ وہ بولے اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ

تمہارے لئے بجز اس کے کوئی بھی معبود نہیں اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو میں تو تم کو فراغت کی

بِخَيْرٍ وَّاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا

حالت میں دیکھتا ہوں اور میں ڈرتا ہوں تمہارے لئے گھیر لینے والے دن کے عذاب سے ۱۲۵ؔ اور اے میری قوم

الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ

ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو

وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو ۱۲۶ؔ

جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا ۔ یعنی ان بستیوں کا تختہ اُلٹ دیا۔

سِجِّيْل ۔ سے مراد ہے سکھائی ہوئی مٹی کا پتھر جیسے ہمارے ہاں جھانواں کہتے ہیں۔

۱۲۳ؔ یعنی اہلِ مکہ سے، یہاں سے ان کے قافلے اکثر گزرتے تھے۔

قوم لوطؑ کا مسکن دریائے یردن کی وادی میں تھا جہاں اب بحرِ مردہ واقع ہے، اور لوطیوں کے بڑے شہر سدوم اور عمورہ بحرِ مردہ کے ساحل پر واقع تھے، اور قریشِ مکہ اپنے سفرِ شام میں برابر اسی راہ سے آتے جاتے تھے، ان آبادیوں کی آسمانی ہلاکت کا زمانہ وقوعِ جدید تحقیق کے مطابق ۲۰۶۱ ق م ہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن کا حاشیہ۔

مُسَوَّمَةً ۔ یعنی دوسرے پتھروں سے ممتاز۔

عِنْدَ رَبِّكَ ۔ یعنی عالمِ غیب میں۔

حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۔ اس آتشیں پتھراؤ کی توجیہ کوہ آتش فشاں کی آتش فشانیوں سے بھی کی گئی ہے جو کسی قرآنی بیان کے منافی نہیں، عذابِ الٰہی وہ بہرصورت تھا۔

اى الحجارة الموصوفة بما ذكر (روح)

وظاهره ان الضمير للعقوبة المقيسة من الكلام (روح)

اور ضمیر قریش کی طرف بھی سمجھی گئی ہے، یعنی وہ مقام مکہ کے ظالموں سے کچھ دور نہیں۔

بَقِیَّتُ اللّٰہِ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۚ۬ وَمَاۤ اَنَا عَلَیۡکُمۡ

اللہ (کے دیئے میں سے) بچا ہوا کہیں بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم ایمان والے ہو اور میں تم پر کوئی پاسبان تو

بِحَفِیۡظٍ ﴿۸۶﴾ قَالُوۡا یٰشُعَیۡبُ اَصَلٰوتُکَ تَاۡمُرُکَ اَنۡ نَّتۡرُکَ مَا یَعۡبُدُ

ہوں نہیں ۱۲۷؎ وہ بولے اے شعیبؑ کیا یہ تمہاری نماز تمہیں تعلیم دیتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش

اٰبَآؤُنَاۤ اَوۡ اَنۡ نَّفۡعَلَ فِیۡۤ اَمۡوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّکَ لَاَنۡتَ الۡحَلِیۡمُ الرَّشِیۡدُ ﴿۸۷﴾

ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں یا اس کو چھوڑ دیں کہ ہم اپنے مال کے ساتھ جو چاہیں کریں واقعی تم ہی تو بڑے عقلمند بڑے دیندار ہو ۱۲۸؎

هِیَ۔ ضمیر مؤنث غائب۔ صورت عذاب کی طرف سمجھی گئی ہے۔

الضمیر للقری ای ھی قریبۃ من ظالمی مکۃ یمرون بھا فی مسایرھم (کشاف)

۱۲۴؎ مَدۡیَنَ اور شعیب دونوں پر حاشیے سورۃ اعراف میں گزر چکے۔

اَخَاھُمۡ۔ بھائی سے مراد وہی وطنی یا نسلی بھائی ہیں قرآن میں اس لفظ کے بار بار آنے سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑجاتی ہے نسبی اور وطنی اشتراک کے باوجود کسی کے نصیب میں ہدایت آجاتی ہے اور کوئی بدستور ظلمتوں اور ضلالتوں میں گرفتار رہتا ہے۔

۱۲۵؎ یَوۡمٍ مُّحِیۡطٍ۔ یعنی وہ دن جو مجرم کو ہر طرف سے گھیر کر اُسے مجبور و بے بس کردے گا اور کوئی صورت اس کی مخلصی اور رہائی کی باقی نہ رکھے گا۔

یٰقَوۡمِ ۔۔۔۔ غَیۡرُہٗ۔ ہر نبی کی پہلی اور بنیادی دعوت دعوتِ توحید ہی ہوتی ہے۔

وَلَا تَنۡقُصُوا الۡمِکۡیَالَ وَالۡمِیۡزَانَ۔ اہلِ مدین ایک مشہور تجارت پیشہ قوم تھی، اور اُن کے کاروباری اخلاق بھی سخت گندے اور پست تھے ۔۔۔ قرآن مجید اعتقادی گمراہیوں کے ازالہ کے ساتھ ساتھ اخلاقی معاشرتی معاملات کی بھی برابر اصلاح کرتا جاتا ہے ناپ تول میں کمی کی جزئی صورتیں بہت سی ہوسکتی ہیں، قرآنی لفظ اس سب پر حاوی ہے

۱۲۶؎ قرآن مجید نے یہاں صاف صاف بتادیا کہ تجارتی خیانتوں اور مالی معاملات میں بددیانتی کا نتیجہ معاشرہ کی درہمی برہمی اور ملک و قوم کے حق میں عدم توازن کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے ۔۔۔ اور اس سب کے لئے قرآن مجید کی ایک جامع اصطلاح فساد فی الارض کی ہے۔

وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡیَآءَھُمۡ۔ کے عموم میں عجب نہیں کہ آج کل کے پھیلے ہوئے اور ترقی یافتہ ملاوٹ کے کاروبار کی طرف اشارہ بھی ہو۔

قرآن کے مخاطب اول یعنی قریش ایک تجارتی قوم تھے۔ تجارتی خیانتوں کی مختلف ممکن اور رائج طریقہ پر گرفت ان کے ساتھ ضروری تھی۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ

(شعیبؑ) بولے اے میری قوم بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی جانب سے دلیل پر قائم ہوں اور اس نے

رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ؕ

مجھ کو اپنے پاس سے ایک عمدہ دولت دی ہو ۱۲۹ اور میں نہیں چاہتا کہ تمہارے برخلاف ان کاموں کو کروں جن سے میں

اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ

تمہیں روکتا ہوں ۱۳۰ میں تو بس اصلاح ہی چاہتا ہوں جہاں تک میں کر سکوں، اور مجھے جو کچھ توفیق ہوتی ہے

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾

اللہ ہی کی طرف سے اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ۱۳۱

۱۲۷ اپنے ہر قول و عمل کی ذمہ داری تمہیں خود محسوس کرنی چاہیئے۔

حضرت شعیبؑ نے اپنی تقریر سے ایک طرف تو مخاطبین میں ان کی ذمہ داری کا شعور پیدا کرنا چاہا دوسرے یہ بتایا کہ پاک مال اور جائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی آمدنی بہرحال بہر صورت گندے اور ناجائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی آمدنی سے بہتر ہے۔

بَقِيَّتُ اللّٰهِ۔ یعنی وہ مال جو شریعت الٰہی نے تمہارے لئے جائز رکھا ہے اور جس کو ناجائز نہیں قرار دیا ہے۔

ای ما ابقاہ اللہ حلالا لکم ولم یحرمہ علیکم (بحر)

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ اللہ کے دین میں مالی اور معاشی قانون بھی وہی اہمیت رکھتے ہیں جو عبادت کے قانون اور ضابطے رکھتے ہیں۔

۱۲۸ مخالفین کی یہ تقریر بطور طنز و تمسخر ہے۔

قال ابن عباسؓ و میمون بن مہرانؒ وابن جریجؒ، واسلمؒ وابن جریر یقولون ذالک اعداء اللہ علی سبیل الاستہزاء (ابن کثیر) قیل قالوا علی وجہ الاستہزاء (معالم) وصفوہ علیہ السلام بہٰذین الوصفین الجلیلین علی طریقۃ الاستعارۃ التہکمیۃ فالمراد بہما ضد معناہما وہذا ہو المروی عن ابن عباس والیہ ذہب قتادۃ والمبرد۔ (روح)

وہ بار بار اس پر الجھ رہے تھے کہ یہ کیسا دین اور کیسا نبی ہے جو ایک طرف تو ہمارے آبائی معتقدات، عبادات، رسوم و شعائر کا تختہ الٹ دینا چاہتا ہے اور دوسری طرف ہمیں ہمارے مال و جائداد تک کے بارے میں، ہماری معیشت اور معاشیات آزاد و خود مختار نہیں چھوڑتا بلکہ لے لیتے ہمارے آمد و خرچ پر بھی طرح

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ

اور اے میری قوم میری ضد تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو جائے کہ تم پر بھی مصیبت آپڑے جیسی مصیبت آپڑی

نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾

تھی قوم نوحؑ یا قوم ہودؑ یا قوم صالحؑ پر ۱۳۲ اور قوم لوطؑ تو تم سے زیادہ دور بھی نہیں ہوئی ۱۳۳

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾

اور اپنے پروردگار سے اپنے گناہ معاف کراؤ پھر اس کی طرف توجہ کرو بیشک میرا پروردگار بڑا رحمت والا ہے بڑا محبت والا ہے ۱۳۴

طرح کی قیدیں لگاتا اور پابندیاں عائد کرتا رہتا ہے۔

نظام جاہلیت، دینیات وعقائد کی حد کے اندر تو پھر تھوڑی بہت رعایت کر لیتا ہے لیکن وہ معیشت ومعاشیات میں مذہب کے دخل در معقولات کے لیے رواداری ذرا بھی نہیں رکھتا۔

فی موضع نصب عطفا علی مایعبد، والتقدیر اصلوتک تامرک ان نترک مایعبد اباءنا ان نفعل۔ (عکبری)

ان نَفْعَلَ کا عطف مَا یَعْبُدُ پر ہے۔

۱۲۹ یعنی دولت نبوت۔

ھو النبوۃ والحکمۃ۔ (روح)

اسی کو کہیں رحمۃ سے بھی تعبیر کیا ہے جیسا کہ اسی صورت کی آیت ۶۳ میں حضرت صلحؑ کے سلسلہ میں اور جائز آمدنی بھی مراد لی گئی ہے۔

اشارۃ الی ما اتاہ اللہ من المال الحلال۔ (بیضاوی)

اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ۔ یعنی اگر اللہ کی توحید وغیرہ کا علم مجھے صریحاً ہو چکا ہو۔ اور میں ایک پورا نظام زندگی اس حاکم مطلق کی ہدایت کے مطابق تمہارے پاس لے کر آیا ہوں۔

۱۳۰ یعنی یہ تو ہے نہیں کہ میں تمہیں کوئی اور راہ بتا دوں اور خود کسی اور راہ پر چلوں میری یہ تبلیغ تو سرتاسر خیر خواہی و دلسوزی سے ہے اور دلیل یہ ہے کہ میں تمہیں وہی باتیں بتلاتا ہوں جو اپنے نفس کے لئے بھی پسند کرتا ہوں۔

۱۳۱ یہ ہے پیمبروں کا کمال عبدیت! ادھر دلسوزی اور اصلاح کی نسبت اپنی جانب زبان سے ذرا نکل گئی تھی، معاً اسے بھی حق تعالیٰ ہی کی جانب منسوب کر دیا۔

یہی وہ مقام ہے جہاں ایک پیمبر اور دنیا کے بڑے سے بڑے لیڈر کے حدود جدا ہو جاتے ہیں!

لیڈر کی نظر اپنے مجمع، جتھے، مادی طاقت مالی وسائل وغیرہ پر رہتی ہے، برخلاف اس کے پیمبر کی نظر اول بھی اور آخر بھی اللہ ہی پر رہا کرتی ہے۔

(جن کے معلوم و معروف انجام سے تم خود بھی خوب واقف ہو)

۱۳۲ہر پیمبر اپنی امت کے حق میں رافت رحمت و شفقت کا مجسم ہوتا ہے، حضرت شعیبؑ اسی جذبہ سے متاثر ہو کر اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ کہیں میری ضد میں آکر تم ایسی حرکتوں کے مرتکب نہ ہو بیٹھنا کہ آخر انہی سزاؤں کے مستحق ٹھہر جاؤ جو تم سے پہلے مقہور و مخذول قوموں پر آچکی ہیں۔

شِقَاقِیْٓ۔ آیت سے جہاں انبیاء کرام کی کامل اور انتہائی دردمندی روشنی میں آجاتی ہے وہیں سرکش و متمرد قوموں کی ضد و عناد کا منظر بھی سامنے آجاتا ہے۔

۱۳۳چنانچہ حضرت شعیبؑ کے شہر مدین کا فاصلہ حضرت لوطؑ کے مسکن (وادی دریائے یردن) سے کچھ زیادہ ہے بھی نہیں۔

بِبَعِیْدٍ۔ مفسرین کے ایک بڑے گروہ نے اس بعد و قرب زمانی پر محمول کر کے گویا ترجمہ یوں کیا ہے کہ "امت لوطؑ کا زمانہ تو تم سے ایسا بعید ابھی ہوا بھی نہیں ہے"

ذالک انھم کانوا حدیثی عھد بھلاک قوم لوط۔ (معالم)

یہ قول بھی اگرچہ فی نفسہٖ بالکل صحیح ہے یعنی حضرت نوحؑ حضرت ہودؑ حضرت صالحؑ ان سب سے قریب تر زمانہ حضرت لوطؑ ہی کا ہوا تھا لیکن ترجیح اس کو ہے کہ بعید، کو بُعد مکانی ہی کے معنی میں لے کر مسکن امت لوطؑ اور مسکن امتِ شعیبؑ کے درمیان قرب مکانی کی طرف مشیر سمجھا جائے۔

ای ما دار قوم لوط منکم ببعید (ابن جریر) ذالک انھم کانوا جیران قوم لوط (معالم)

بہر حال وہ قرب زمانی ہو یا قرب مکانی مقصود دونوں صورتوں میں امت لوطؑ کے انجام سے عبرت خصوصی دلانی تھی۔

قیل المراد فی الزمان وقیل فی المکان ویحتمل الامران۔ (ابن کثیر)

چنانچہ ابن کثیر نے جن پر مذاق تاریخی غالب ہے قریب مکانی اور زمانی دونوں ہی کو جائز رکھا ہے اور دوسروں نے بھی ایسا کیا ہے۔

۱۳۴چنانچہ وہ صفت رحمۃ کے تقاضہ سے گناہوں کو معاف کر دے گا اور صفت ودّ کے تقاضہ سے طاعتوں کو قبول کرے گا۔

زمانا کمار وی عن قتادۃ او مکانا کما روی عن غیرہ (روح)

تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ۔ یعنی اس کی طرف رجوع طاعت و عبادت کے ساتھ کرو۔

اس کی رحمت اپنے بندوں پر کچھ کم نہیں اور وہ محبت بھی اپنے بندوں سے بہت رکھنے والا ہے حکم "اِسْتَغْفِرُوْا" ماضی کی تلافی و تدارک کی طرف اشارہ کر رہا ہے، اور حکم "تُوْبُوْٓا اِلَی اللہِ" مستقبل کی اصلاح کی جانب۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا

وہ لوگ بولے اے شعیبؑ تمہاری کہی ہوئی بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم تم کو تو اپنے (مجمع) میں

ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾

کمزور ہی دیکھتے ہیں اور اگر تمہاری برادری کا ہم کو (لحاظ) نہ ہوتا تو ہم تم کو سنگسار کر چکے ہوتے اور تم ہم پر کچھ غالب تو ہو نہیں ۱۳۵

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ

شعیبؑ نے کہا اے میری قوم کیا میری برادری کا حق تم پر اللہ سے غالب تر ہے؟ درآنحالیکہ اسی کو تم نے پس پشت ڈال دیا

ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى

ہے بے شک میرا پروردگار احاطہ میں اس سب کو لئے ہوئے ہے جو تم کر رہے ہو ۱۳۶ اور اے میری قوم والو

مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ

تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو میں (اپنے طور پر) عمل کر رہا ہوں عنقریب تمہیں معلوم ہوا جاتا ہے کہ کس پر

يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ

عذاب اُس کا رسوا کرنے والا آیا اور کون جھوٹا ہے

۱۳۵ جاہلی قومیں دیا ؤ صرف قوت کا مانتی تھیں، چنانچہ اب سلسلۂ بحث و استدلال کو چھوڑ کر قوم شعیبؑ صاف صاف کہہ رہی ہے کہ تم ہم پر کچھ غالب و حاکم تو ہو نہیں قوت تو ہم ہی کو حاصل ہے ہم تو صرف تمہاری برادری کا لحاظ کر رہے ہیں جو ہمارے ہم مذہب ہیں ورنہ ہم تو اب تک تم پر پتھراؤ کر کے تمہیں ختم ہی کر چکے ہوتے ما نفقہ کثیرا مما تقول۔ اے شعیب تمہارا لفظ لفظ تو کچھ اتنا ٹیڑھا، دماغی سانچہ ہی کچھ ایسا بنا ہوا ہے کہ ہماری سمجھ میں تو تمہارا یہ وعظ و پند کچھ آتا نہیں۔

رھطك۔ رھط یہاں مضاف الیہ ہے اس کا مضاف مقدر ہے۔

ای مراعاۃ رھطك ، والظاھر ان مرادھم لولا مراعاۃ جانب رھطك (روح)

رھط۔ کا اطلاق کسی بڑے جماعت یا پورے قبیلہ پر نہیں ہوتا صرف بہتر یا عزیز بزدل ہی پر ہوتا ہے بعض اہل لغت نے تعداد زیادہ سے زیادہ دو ہی رکھی۔

عشیرتك (جلالین)

ھم مادون العشرۃ (راغب)

وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِیْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا شُعَیْبًا

اور تم انتظار کرو تمہارے ساتھ میں بھی منتظر ہوں ١٣٧ اور جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے بچا لیا شعیبؑ کو

وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا

اور اُن لوگوں کو جو اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت (خاص) سے اور ظلم کرنے والوں کو ایک زور کے

الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ

کڑاکے نے پکڑ لیا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے گرے رہ گئے ١٣٨ جیسے کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے!

اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ ع

خوب سُن لو مدین کو (رحمت سے) دُوری ہوئی جیسی دُوری ثمود کو ہو چکی تھی ١٣٩

ضعیفا۔ مراد حقیر و بے طاقت۔

ذلیلا (جلالین) لا قوۃ لک (بیضاوی)

لا قوۃ ولا قدرۃ علی شئ من الضر و النفع (روح)

پُرانی جاہلی قوموں میں کنبہ اور خاندان کا پاس لحاظ بڑی اور تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔

لرجمنٰک۔ پُرانی قوموں کے ضابطۂ تعزیرات میں آخری اور انتہائی موقعوں کے لئے سزائے سنگساری عام طور پر رائج تھی۔

١٣٦ اور تمہارا چھوٹا بڑا ایک ایک عمل اس کے علم میں ہے۔

حضرت شعیبؑ اپنی قوم کی غیرت اور شعور دینی کو بیدار کر رہے ہیں کہ خدا کی عظمت و جلال کی بس اچھی قدر تم نے کی کہ قبیلہ اور کنبہ تک کی رعایت کرتے ہو لیکن ایک نہیں خیال کرتے تو بس خدائے تعالیٰ کے حقوق کا۔

١٣٧ اب عنقریب عذاب الٰہی خود ہی عملی فیصلہ کئے دیتا ہے کہ واقعی جھوٹا کون تھا اور سزائے ذلت کا کون مستحق تھا۔

یہ حضرت شعیبؑ کی بالکل آخری اپیل ہے، آپؑ نے جب دیکھا کہ سارے دلائل بے اثر رہے اور کسی تبلیغ کا کچھ اثر ہی نہ ہوا تو آخر میں آپؑ فرماتے ہیں کہ اچھا اب تک تو تم مجھ کو جھوٹا سمجھتے ہی رہے اب عنقریب عذاب الٰہی خود ہی عملی شکل میں فیصلہ کئے دیتا ہے کہ واقعی جھوٹا کون تھا اور سزائے ذلت کا مستحق کون؟

١٣٨ (مردہ و بے جان ہو کر)

اَمْرُنَا۔ یعنی ہمارا حکم عذاب۔

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا۔ پھر ایک بار اسی حقیقت کی وضاحت کر دی گئی کہ نجات جس کسی کو بھی ملتی

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ (۹۶) اِلٰى فِرْعَوْنَ

اور بالیقین ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور ایک روشن دلیل کے ساتھ بھیجا فرعون اور اس کے

وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ (۹۷)

سرداروں کے پاس، وہ لوگ فرعون ہی کے حکم پر چلتے رہے اور فرعون کا حکم ذرا (بھی) درست نہ تھا [۱۴۰]

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ (۹۸)

وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا پھر ان کو دوزخ میں جا اتاریگا اور بُری ہے وہ جگہ اترنے کی جہاں یہ اتارے جائیں گے [۱۴۱]

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ (۹۹)

اس (دنیا) میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہے گی) بُرا ہے وہ بخشش جو ان پر کی جائے گی [۱۴۲]

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَاۗىِٕمٌ وَّحَصِيْدٌ (۱۰۰)

یہ اُن بستیوں کی بعض خبریں تھیں جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں بعض ان میں سے قائم ہیں اور (بعض) ختم ہی ہو گئیں [۱۴۳]

ہے مومنین بلکہ پیمبر تک کو بھی فضل خداوندی ہی سے ملتی ہے۔

اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے یعنی منکرین توحید و معاندین نبوت۔

[۱۳۹] رحمت الٰہی سے محروم و بعید ہو جاتے ہیں تو اہلِ مدین کی مثال ہر پرانی مغضوب و مقہور قوم سے دی جا سکتی ہے، قومِ ثمود کا نام خصوصیت کے ساتھ لینے میں شاید کہ یہ مناسبت ہو کہ قوم ثمود بھی اس سے قبل اسی نواح اور اسی علاقہ میں آباد رہ چکی تھی! اہلِ مدین نے اپنے ہی گرد و نواح کی تاریخ سے عبرت نہ حاصل کی!

تاریخ پر نظر رکھنے والے مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اہلِ مدین بھی قوم ثمود ہی کی طرح نسل عرب سے تھے، اور ان کی بے دینی اور بد اعمالی بھی انہی کی سی تھی۔

كانوا جيرانهم قريبًا منهم في الدار شبيهًا بهم في الكفر وقطع الطريق وكانوا عربًا مثلهم۔ (ابن کثیر)

بَعِدَتْ۔ (بہ ضم عین) جس کا مصدر بُعد ہے خیر و شر کے لئے عام ہے، (بہ کسرہ عین) موقع شر و ذم کے لئے۔

يقرأ بكسر العين اى هلك، يقرأ بضم العين ومصدرها البعد (عکبری)

قال المهدوى من ضم العين من بعدت فهى لغة تستعمل فى الخير والشر ومصدرها البعد وتستعمل فى الشر خاصة۔ (قرطبی)

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ

اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہی نے اپنے اُوپر ظلم کیا سو اُن کے وہ دیوتا اُن کے کچھ بھی کام نہ آئے

الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ

جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے جب کہ آپ کے پروردگار کا حکم (عذاب) آپہنچا

وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى

اور وہ (اُلٹے) ان کی ہلاکت ہی بڑھاتے رہے [۱۴۴] اور آپ کے پروردگار کی پکڑ اسی طرح ہے جب وہ بستی والوں کو

وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

پکڑتا ہے جو (اپنے اُوپر) ظلم کرتے رہتے ہیں بیشک اس کی پکڑ بڑی تکلیف دہ ہے بڑی سخت [۱۴۵] بیشک ان (واقعات) میں

لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ

اس کے لئے نشانی ہے جو آخرت عذاب سے ڈرتا ہو [۱۴۶] وہ ایسا دن ہوگا کہ اس میں (کل) انسان جمع کئے جائیں گے

وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾

اور وہ دن ہے حاضری کا اور ہم اُسے بس ایک گنی ہوئی ہی مدت کے لئے ملتوی کئے ہوئے ہیں [۱۴۷]

[۱۴۰] یعنی حکومتِ فرعون کی پالیسی ہر قسم کی صلاح وخیر سے خالی تھی۔
فرعون اور اس کا نظام زندگی تمام تر شر وفساد، فسق وفجور ہی کی طرف لے جانے والا تھا، جیسا کہ ہر گمراہ لیڈر کا ہوا ہی کرتا ہے۔

ای لیس فیہ رشد ولا ھدی۔ (ابن کثیر)

سلطان مبین۔ عام مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے اشارہ عصائے موسوی کی جانب ہے اور اسے اس کے امتیاد خصوصی کی بنا پر دوسرے خوارق (بآیتنا) سے الگ کر کے بیان کیا ہے۔

موسیٰ، فرعون، ملاءِ فرعون۔ پر حاشیے بار بار گزر چکے۔

[۱۴۱] فرعون جس طرح دنیا میں بدی اور بدکاری کی راہ کا لیڈر تھا، دوزخ میں بھی اس کی یہ لیڈری قائم رہے گی اور یہ حکم فرعون کے ساتھ مخصوص نہیں محققین نے کہا ہے کہ جو کوئی مفسدوں کا پیشوا ہوگا وہ اپنی ذریات کو لے کر ہی داخل جہنم ہوگا۔

الورد المورود۔ ورد — مصدر ہے یہاں بہ معنی جائے وُرود وفرودگاہ۔ مُراد دوزخ سے ہے

المخصوص بالذم محذوف، تقدیرہ بئس الورد النار (عکبری)
کتنا دردناک انجام ماضی ہی کی طرح حال و مستقبل کے ہر گمراہ لیڈر کا ہونے والا ہے۔
۱۴۲ اے آخرت میں ملعونیت کا ظہور تو کامل ترین صورت میں ہوہی گا، دنیا میں بھی قہر و غضب کے ساتھ غرق ہوتے ہوئے سب نے دیکھ لیا۔
۱۴۳ اے یہاں یہ بتادیا کہ مغضوب و مقہور بستیوں میں سے قرآن مجید نے دونوں قسم کی بستیوں کا بیان کیا ہے ایک وہ جو سرے سے ملیامیٹ ہو گئی مثلاً اُمّتِ لوطؑ کا مسکن اور دوسرے وہ جن کی صرف آبادی ہلاک کردی گئی باقی وہ زمین اور علاقہ بدستور قائم ہے مثلاً سرزمین مصر کہ فرعونی ڈبو دیئے گئے لیکن اصل ملک بدستور موجود ہے۔
ذٰلِكَ۔ اشارہ اوپر بیان کی ہوئی سرگزشتوں اور حکایتوں کے مجموعہ کی طرف ہے۔
اشارۃ الی ما قص من انباء الامم وبعدہ باعتبار تقضیہ۔ (روح)
اَلْقُرٰى۔ یعنی سابق کی تباہ و ہلاک شدہ بستیاں۔
۱۴۴ اے یعنی یہ جھوٹے دیوتا اور معبود اپنے پجاریوں کی کوئی مدد تو کیا کرتے اُلٹے اُن کی ہلاکت کا سبب ہی بن گئے ــــ نہ یہ ان کی پوجا کرتے نہ سزائے ہلاکت میں مبتلا ہوتے۔
وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ۔ یہ ساری عبارت ان جاہلی قوموں کے رد میں ہے، جنکے بہت سے دیوی دیوتا ظالم اور خونخوار ہوا کرتے ہیں یہ بتلایا ہے کہ جہاں سزا بظاہر کڑی سخت معلوم ہوتی ہے وہاں قانون عدل و مکافات سے سر مو تجاوز نہیں ہوتا۔
۱۴۵ اے (اور وہ انہی لوگوں کے لئے ہے جو سخت نافرمانی کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں)
الْقُرٰى۔ قریٰ سے مُراد اہلِ قریٰ ہیں۔
اور ضمیر ھی اھلھا کی طرف ہے۔
ای واھلھا ظالمون (قرطبی)
۱۴۶ اے یعنی نشانی عبرت و بصیرت کی۔ ای لعبرۃ وموعظۃ (قرطبی)
اس سے بڑھ کر عبرت کا موقع اور کیا ہوسکتا ہے کہ جب دنیا ہی کا عذاب اس قدر سخت ہے حالانکہ دنیا مہلت گاہ ہے تو پھر آخرت تو دارالجزاء ہی ہے، وہاں کے عذاب کی شدّت کا کہنا ہی کیا!
۱۴۷ اے یعنی وہ دن جو سب کی حاضری کا ہے اس کی آمد اور وقوع یقینی ہے اور اسے ملتوی تو صرف ایک متعین مُدّت کے لئے رکھا گیا ہے۔
اجل معدود۔ شیٔ معدود کے معنی شی قلیل کے آتے ہیں۔
یقال شیٔ معدود و محصور للقلیل (راغب)
اور جس طرح ایام معدودۃ مرادف ہے ایام قلیلہ کے، اس طرح لاجل معدود کے معنی ایک مدت قلیل کے ہیں۔

يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ﴿١٠٥﴾

جس وقت وہ آئے گا کوئی شخص بول نہ سکے گا بجز اللہ کی اجازت کے پھر بعض تو ان میں شقی ہوں گے اور بعض سعید ۱۴۸

فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ﴿١٠٦﴾

سو جو لوگ شقی ہیں وہ دوزخ میں ہوں گے اس میں ان کی چیخ پکار پڑی رہے گی ۱۴۹

خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ

اس میں پڑے رہیں گے (ہمیشہ ہمیش کو) جب تک کہ آسمان اور زمین قائم ہیں ہاں بجز اس کے کہ آپ کا

إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ ﴿١٠٧﴾

پروردگار ہی چاہے بیشک آپ کا پروردگار جو چاہے پورے طور پر کرسکتا ہے ۱۵۰

ای یشھدہ الیہ البد الفاجر ویشھدہ اھل السماء (قرطبی)

مراد ہے وہ عظیم دن جس میں حاضری ملائکہ و انبیاء سب دیں گے۔

يَوْمٌ مَّشْهُودٌ۔ مشہود کے معنی مشہود فیہ کے لئے گئے ہیں۔

ای مشھود فیہ (کشاف) والمراد بالمشھود الذی کثر شاھدوہ۔ (کشاف)

۱۴۸ (اپنے اپنے کردار کے اعتبار سے)

شَقِيٌّ۔ یعنی بدبخت یا سزاوار نار۔ جس نے شقاوت اپنے اوپر لازم کرلی۔

الذی وجبت لہ النار لاساءتہ۔ (کشاف)

سَعِيدٌ۔ یعنی خوش نصیب یا قابل عفو سزاوار جنت۔ جس نے سعادت کی رفاقت نہ چھوڑی۔

الذی وجبت لہ الجنۃ لاحسانہ۔ (کشاف)

لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ۔ یہ بیان یوم قیامت کے ہول اور دہشت کا ہو رہا ہے اور "لا تکلم نفس" کے عموم و اطلاق کے اندر بڑے سے بڑے برگزیدہ نفوس بھی آگئے بڑی سے بڑی ہستی کو بھی اس وقت یہ مجال نہ ہوگی، اپنی طرف سے کسی بات کا اقدام کرسکے، جب تک احکم الحاکمین خود ہی ایما نہ فرمادے،

آیت کا مسیحت کے رد میں ہونا تو ظاہر ہے جو حضرت مسیح کو شافع مطلق قرار دیتی ہے، باقی اس سے تردید ان "خوش عقیدہ" حضرات کی بھی نکل رہی ہے، جو فلاں شیخ وقت کی شفاعت مطلق پر اعتقاد جمائے

وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ سُعِدُوۡا فَفِی الۡجَنَّۃِ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا مَا دَامَتِ

اور جو لوگ سعید ہیں وہ جنت میں ہوں گے اس میں رہیں گے (ہمیشہ ہمیش) جب تک کہ

السَّمٰوٰتُ وَ الۡاَرۡضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ ؕ عَطَآءً غَیۡرَ مَجۡذُوۡذٍ ﴿۱۰۸﴾

آسمان و زمین قائم ہیں بجز اس کے کہ آپ کا پروردگار چاہے (یہ) عطیہ غیر منقطع ہے ۱۵۱

ہوئے ہیں کہ وہ تو بہر صورت اپنے معتقدین بخشوا ہی دیں گے۔

مِنۡهُمۡ یعنی اہلِ محشر میں سے۔ ضمیر هُمۡ اہلِ موقف کے لئے ہے اور ایسے موقع کے لئے جو سیاق سے بہ خوبی سمجھ میں آجائے عربی اسلوب بلاغت میں ضمیر کے قبل اسم لانا بالکل غیر ضروری ہے۔

الضمیر لاھل الموقف ولم یذکر لان ذالک معلوم۔ (کشاف)

ای من الانفس او من الناس وقد ذکرھم فی قولہ یوم مجموع لہ الناس (قرطبی)

۱۴۹ غرض یہ کہ طرح طرح کی دردناک آوازیں نکالتے رہیں گے۔

زفیرٌ اور شھیقٌ دونوں گدھے کی آوازیں ہیں زفیر اس کی شروع کی آواز شھیق اس کی آخر کی آواز۔

قال الضحاک ومقاتل والفراء الزفیر اول نھیق الحمار والشھیق اٰخرہ (بحر) قال اھل اللغۃ من الکوفیۃ والبصریۃ الزفیر بمنزلۃ ابتداء صوت الحمار والشھیق بمنزلۃ اٰخر نھیقہ (روح)

مراد یہ ہے کہ اہلِ دوزخ طرح طرح کی بڑی بڑی دردناک آوازوں سے چیخیے چلاتے رہیں گے۔

۱۵۰ اسلام نے جس خدا کو پیش کیا ہے اس کے اختیارات غیر محدود ہیں اس کا اقتدار اعلیٰ سب پر حاکم ہے اس کے ارادہ کو قید میں رکھنے والی نہ کوئی اور قوتِ ارادی ہے نہ کوئی اور بے جان ضابطہ آیت میں رد آگیا ان تمام ادیانِ باطل کا جنھوں نے خدا کا وجود تو مانا ہے لیکن محدود قوئی اور اختیارات کے ساتھ یا یہ کہہ دیا ہے کہ خدا صرف انصاف کر سکتا ہے عفو پر قادر نہیں، یا یہ تعلیم دی ہے کہ "کرم" (ہندی زبان میں قانون مجازات کا مرادف) خدا یا قانون ساز کی بھی قوت سے بالا دست ہے!

اس طرح کا کوئی عجیب و غریب خدا ہرگز اسلام کی نظر میں خدا نہیں —— وہ جس عاصی و خاطی مجرم کو چاہے بغیر کسی سزا کے یا بہت خفیف سزا کے بعد بخش دینے پر قادر ہے، ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی۔

مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الۡاَرۡضُ۔ محاورہ میں اس سے مراد ابدیت یا دوام سے ہوتی ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ زمین و آسمان تو اس وقت فنا ہی ہو چکے ہوں گے اس لئے لفظی معنی مراد ہو ہی نہیں سکتے۔

عبارۃ عن تابید و نفی الانقطاع (کشاف) العرب یعبرون عن الدوام والابد بقولھم ما دامت السمٰوٰت والارض (کبیر) ھذا عبارۃ عن التابید و نفی الانقطاع علی منھاج قول العرب (روح) التعبیر عن التابید والمبالغۃ بما کانت العرب یعبرون بہ عنہ (بیضاوی) من عادۃ العرب اذا ارادت ان تصف الشیٔ بالدوام ابداً قالت ھذا دائم دوام السمٰوٰت

فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَاۗءِ ۭ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ

سو (اے مخاطب) شک نہ کر اس چیز کے بارے میں جس کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں یہ اسی طرح عبادت کر رہے ہیں جیسے ان کے

اٰبَاۗؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ۱۰۹

باپ دادا ان کے قبل پرستش کرتے رہے ہیں اور ہم یقیناً ان کا حصہ ان کو پورا پورا دینے والے ہیں بے کم و کاست ۱۵۲

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

اور بالیقین ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی سو اس میں (بھی) اختلاف کیا گیا ۱۵۳ اور اگر ایک بات پہلے ہی آپ کے

مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۱۱۰

پروردگار کی طرف سے نہ ٹھہر چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہوگیا ہوتا اور یہ لوگ اس کی طرف سے شک کر کے

تردد میں پڑے ہوئے ہیں ۱۵۴

والارض ۔ (ابن جریر)

ویحتمل ان المراد بمادامت السمٰوٰت والارض الجنس (ابن کثیر)

قال الحسن البصری تلک السمٰوٰت وتلک الارض (ابن کثیر)

قال الضحاک مادامت سمٰوٰت الجنۃ والنار وارضھا (معالم)

گو معدودے چند کا قول اس کے برعکس بھی نقل ہوا ہے (یعنی ایک مدتِ مدید کے بعد اسے بھی نجات مل جائے گی۔

اِلَّا مَا شَاۗءَ رَبُّكَ ۔ یہ استثناء اَلَّذِيْنَ شَقُوْا سے ہے یعنی ہر شقی دوزخ میں جائے گا اور ہمیشہ اس میں پڑا رہے گا، عام قاعدہ و ضابطہ تو یہی ہے لیکن فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ کی مشیت اس پر بھی غالب جاری ہے وہ جس مجرم کو جس طرح اور جس حد تک چاہے بچا لے۔

جمہور علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ کافر کا عذاب دائمی ہوگا جس سے اسے کبھی چھٹکارا نہ مل سکے گا۔

واما الجمھور الاعظم من الامۃ فقد اتفقوا علی ان عذاب الکافر دائم (کبیر) کانہ تعالیٰ یقول اظھرت القھر والقدرۃ ثم اظھرت المغفرۃ والرحمۃ لانی فعال لما ارید ولیس لاحد علی حکم البتۃ ۔ (کبیر)

۱۵۱ یہ بخشش غیر منقطع ہوگی، ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی جنتی کچھ روز بعد جنت سے باہر کر دیا جائے۔

اِلَّا مَا شَاۗءَ رَبُّكَ ۔ استثناء اَلَّذِيْنَ سُعِدُوْا سے ہے یعنی ہر مطیع و سعید بھی مشیت الٰہی و بفضل خداوندی کے بعد ہی جنت میں داخل ہو سکے گا۔

وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ۚ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ

بیشک سب ہی ایسے ہیں کہ آپ کا پروردگار انہیں ان کے اعمال کا (عوض) پورا پورا دے گا بیشک جو کچھ یہ کرتے ہیں

خَبِيرٌ ﴿١١١﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۚ

اس کی وہ پوری خبر رکھتا ہے ۱۵۵ تو آپ مستقیم رہئے جیسا کہ آپ کو حکم ہوا ہے (اور وہ لوگ بھی) جو تائب ہو کر آپ کے

إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٢﴾

ہمراہ ہیں ۱۵۶ اور تم لوگ سرکشی نہ کرو بیشک جو کچھ تم کرتے ہو اس کو وہ خوب دیکھ رہا ہے ۱۵۷

معنی الاستثناء ھٰھنا ان دوامھم فی ما ھم فیہ من النعیم لیس امرا واجبا بذاتہ بل ھو موکول الی مشیئۃ اللہ تعالیٰ (ابن کثیر)

مذہب اہلِ سنت کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ عاصی مسلم بہرحال خلودِ نار کا مستوجب نہیں، اگر بالکل معافی نہ ہوئی جب بھی کچھ سزا جھیلنے کے بعد جنت میں لے آیا جائیگا، احادیث میں یہ مضمون بہت صراحت کے ساتھ آیا ہے مفسر نسفی نے لکھا ہے کہ معتزلہ کو جب ان احادیث سے مفر نہ ملا تو خود ان احادیث صحت ہی سے انکار کر بیٹھے۔

والمعتزلۃ لما لم یروا خروج العصاۃ من النار ردوا الاحادیث المرویۃ فی ھٰذا الباب وکفی بہ اثما مبینا۔ (مدارک)

اور یہی دستور ہمارے زمانہ کے گمراہ فرقوں کا بھی ہے۔

۱۵۲ (قیامت کے دن)

فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ۔ یعنی مذہبِ شرک شک و تذبذب کا بھی مستحق نہیں صاف صاف قطعی انکار کے قابل ہے۔

كَمَا يَعْبُدُ آبَاؤُهُم مِّن قَبْلُ۔ یعنی جیسے اُن کے آبا و اجداد غیر اللہ کی پرستش میں بالکل بلا دلیل بلکہ خلافِ دلیل لگے رہتے تھے یہ بھی اسی طرح اسی مرض میں مبتلا ہیں۔

اسلام دوسرے مذہبوں کے باطل ہونے کے باب میں کسی گومگو، تذبذب اور صلح کل پالیسی کا حامی نہیں اسے اصرار ہے کہ سفید کو سفید اور سیاہ کو سیاہ ہی کہا جائے۔

نَصِيبَهُمْ۔ یعنی اُن کے عذاب و سزا کا حصّہ۔

۱۵۳ اس اختلاف یا اعراض و انکار کا غیر اسرائیلیوں کی طرف سے واقع ہونا تو بالکل ظاہر ہی ہے، اور خود اسرائیلیوں کے بھی فرقے اس کے اندر طرح طرح کے شبہات ایرادات پیش کرتے رہے تو ان کے ساتھ جو معاملہ آپ کی قوم کر رہی ہے اس پر حیرت نہ کیجیے۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ

اور اُن لوگوں کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں (اپنے حق میں) ۱۵۷ ورنہ تمہیں بھی (دوزخ کی) آگ چھو جائے گی اور

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ

(اس وقت) اللہ کے سوا کوئی تمہارا رفیق نہ ہوگا پھر تمہاری مدد بھی نہ کی جائے گی ۱۵۹ اور آپ نماز کی پابندی

طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ

رکھئے دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں ۱۶۰ بیشک نیکیاں مٹا دیتی ہیں بدیوں کو ۱۶۱

۱۵۴ یعنی اس فیصلہ ہی کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں! اور فیصلہ سے مراد عذاب موعود ہے۔
كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ ۔ اور وہ ٹھہرائی ہوئی بات یہی کہ پورا عذاب آخرت ہی میں ہوگا۔
لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۔ یعنی اسی دنیا میں فیصلہ ہو گیا ہوتا، اور فیصلہ سے مراد عملی مشاہد فیصلہ ہے۔
بينهم ۔ سے مراد اختلاف کرنے والوں کے درمیان ہے۔ اِنَّهُمْ میں ہم سے مراد قرآن کے معاصر کفار ہیں۔ ای کفار قومک (بیضاوی)

۱۵۵ اچھے بُرے مومن و کافر، صالح، فاسق بڑے چھوٹے سب ہی کی پوری پوری فردِ عمل اس کے سامنے موجود ہے، اس کے ہاں جزائے اعمال میں کسی غلطی سہو و نسیان کا امکان ہی نہیں۔ ردہے مشرکین کے خداؤں اور دیوتاؤں کے ناقص علم و محدود معلومات پر۔

۱۵۶ یعنی آپ راہِ دین پر پوری طرح قائم رہئے اور کفار و منکرین کے انجام کی فکر میں نہ پڑیئے اور یہی حکم آپ کے متبع مومنین کے حق میں بھی ہے ——— آپ کا درجۂ استقامت آپؐ کے مرتبہ کے لائق اور آپ کے ہمراہی مومنین کا ان کے مرتبہ کے لائق محققین نے لکھا ہے کہ اعلیٰ استقامت یہی ہے کہ حقوقِ حق اور حقوقِ خلق دونوں پوری طرح ادا ہوتے رہیں۔
ای فی القیام بحقوق الحق والخلق۔ (روح)
وَمَنْ تَابَ مَعَكَ ۔ اس عطف سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ پیمبرؐ کی استقامت اور مومنین کی استقامت ایک درجہ یا مرتبہ کی چیز ہے، اشتراک صرف نفس عمل میں ظاہر ہوتا ہے نہ کہ مراتب عمل میں۔
والعطف لا یقتضی الکثر من المشارکۃ فی مطلق الفعل۔ (روح)
تَابَ ۔ توبہ کس چیز سے مراد ہے؟ مراد ہے کفر و ضلالت سے توبہ۔

۱۵۷ اس کا علم بھی کامل، محیط اور اس کو قدرت جزا بھی ہر طرح پر حاصل ہے۔
وَلَا تَطْغَوْا ۔ طغیان۔ سے مراد ہے عقائد و عبادات یا اخلاق و معاملات کسی باب میں بھی افراط یا تفریط اختیار کرنا اور یہ استقامت کی ضد ہے جس کا حکم ابھی مل چکا ہے۔

۱۵۸ (اے مسلمانو!) خطاب عام امت سے ہے۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا ۔ یہ رکون یا جھکنا بہ اعتبار دوستی اور محبت اور شرکت احوال واعمال کے ہے۔ اور رکون مرادف ہے ادنیٰ جھکاؤ سے۔

ولا تمیلوا الیہم ادنیٰ میل فان الرکون ھو المیل الیسیر (بیضاوی)

اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۔ یعنی کافروں اور مشرکوں کی طرف۔

۱۵۹ یہ ساری وعیدیں رکون الی الکفار یعنی کافروں کی طرف محض مائل ہوتے پر بیان ہو رہی ہیں، اللہ اللہ! کفر کس درجہ اللہ کی نظر میں مبغوض ہے!

علماء محققین کے حسب تصریح بلا ضرورت کفار کی وضع اختیار کرنا باوجود قدرت ان پر نکیر نہ کرنا ان کی تعظیم و توقیر کرنا بلا ضرورت شرعی ان کے ساتھ مصاحبت و مجالست اور ان کے ساتھ مداہنت یہ سب اسی نہی کے تحت میں آجاتا ہے اور یہ سب مثالیں رکون الی الکفار کی ہیں۔

فاقتضی ذٰلک النہی عن مجالسۃ الظالمین ومؤانستہم والانصات الیہم۔ (جصاص)

۱۶۰ اس میں بدرجۂ اجمال دن رات کی پانچوں فرض نمازیں آگئیں۔

طَرَفَيِ النَّهَارِ ۔ یا دن کے دونوں سروں سے مراد ایک طلوع فجر ہے دوسرے بعد زوال — پھر بعد زوال بجائے خود ظہر و عصر کے دو حصوں پر شامل ہے۔

اور زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۔ کے اندر مغرب و عشاء کے اوقات آگئے قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی اوقات نماز کا ذکر ہے بدرجۂ اجمال ہی ہے تفصیلات صرف سنت رسول کی طرف رجوع کرتے سے معلوم ہوں گی ہمارے زمانہ کے جن علماء متجددین نے محض قرآن مجید سے پوری تفصیلات نکالنی چاہی ہیں انھوں نے عجیب عجیب مضحکہ خیز غلطیاں کی ہیں۔

۱۶۱ (اس لئے ہر نیکی کی کوشش کرتے رہو)

یہ صحیفۂ اسلامی کی عجیب و غریب دفعہ ہے جس کی نظیر مشکل ہی سے کسی دوسرے صحیفہ دینی میں ملے گی ارشاد ہوتا ہے کہ ہر حسنہ بجائے خود تو خیر نیکی ہے ہی، ایک خاصہ اذہاب سیئۃ (بدی کو مٹاتے) کا بھی رکھتی ہے نیکیوں کی افزائش کی ترغیب کا اس سے بہتر نسخہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

اگر بندے اپنے باہمی معاملات میں اللہ کے اس قانون کو یاد رکھتے تو آج آپس کی رنجشوں اور شکایتوں کا دفتر کتنا مختصر ہو گیا ہوتا — اللہ تو اپنے ہاں کا یہ قاعدہ رکھے کہ نیکیوں کے ہوتے ہوئے بدیوں پر نظر نہ کی جائے اور بندے اس کے برعکس یہ عمل جاری رکھیں کہ اپنے بھائیوں کی کمزوریوں لغزشوں خطاؤں کے آگے ان کی خوبیوں پر برابر خاک ہی ڈالے رہیں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ طاعت کے انوار سے معصیت کی ظلمتیں دور ہو جاتی ہیں اور ملکۂ طاعت کے غلبہ سے مادۂ معصیت مضمحل ہوتا جاتا ہے۔

۱۶۲ یعنی یہ قاعدہ کہ نیکیوں سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، ایک بڑی جامع نصیحت ہے ان لوگوں کے لیے جو اسے سننا اور اس سے نفع اٹھانا چاہیں کہ اس سے نیکیوں کی بڑی ترغیب ہوتی ہے۔

ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ

یہ ایک نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لیے ۶۶۲ اور صبر کرتے رہیے بیشک اللہ نیک کاروں کا اجر

اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ

ضائع نہیں کرتا ۶۶۳ پس کاش تمہارے پیشتر کی امتوں سے ایسے سمجھدار لوگ

قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا

ہوتے جو منع کرتے ملک میں فساد (پھیلانے) سے بجز چند لوگوں کے جن کو

قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ

ہم نے ان میں سے بچا لیا تھا ۶۶۴

۶۶۳ سو آپ کے اجر کا درجہ تو بہت بڑا ہے وہ کیسے ضائع ہو سکتا ہے۔

وَاصْبِرْ۔ صبر کرنے سے یہاں مراد کافروں اور منکروں کی اذیت رسانیوں پر صبر کرنا ہے۔

۶۶۴ یعنی ان کی امتوں میں اگر ایسے لوگ کثرت سے ہوتے جو دوسروں کو فساد فی الارض سے یا قانون الٰہی کی نافرمانیوں سے روکتے ٹوکتے رہتے تو ان قوموں پر عذاب ہی کیوں آتا وہ تو صرف معدودے چند لوگ تھے جنھوں نے اپنا یہ فرض ادا کیا اور وہ عذاب کی گرفت سے محفوظ رکھے گئے۔

معناه ولکن قليلا ممن انجينا من القرون نهوا عن الفساد وسائرهم تارکون للنهی۔ (کشاف)

اُولُوْا بَقِيَّةٍ۔ کے معنی اصحاب خیر اور اصحاب فضل کے بھی کئے گئے ہیں اور اصحاب فہم کے بھی۔

ای اولوا فضل وخير (کشاف) ای نوع خصلة باقية من الرأی والعقل (روح)

اَلْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ۔ قرآن مجید کی اس جامع اصطلاح میں ہر قسم کی بے دینی اور بد دینی آجاتی ہے۔

مِنْهُمْ۔ یعنی انہی قدیم قوموں اور امتوں میں سے۔

مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ۔ یعنی جنھیں عذاب کی گرفت سے بچا لیا گیا یہ وہی لوگ تھے جو نہ صرف خود ہی کفر و شرک سے الگ رہے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے روکتے رہے۔

۶۶۵ (گر اس سے باز ہی نہ آئے) یعنی منکرین بد دین بدستور اپنی مادی عیش و عشرت میں پڑے رہے اور سب کے سب مجرم ہی رہے۔

۶۶۶ (بلکہ عذاب ہلاکت تو ان پر اس وقت واقع ہوتا ہے جب نہ وہ خود فساد فی الارض سے رکتے ہیں نہ دوسروں کو روکتے ہیں۔

وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

اور جو لوگ (اپنی جانوں پر) ظلم کرنے والے تھے وہ جس ناز و نعمت میں تھے اسی کے پیچھے پڑے رہے اور (عادی) مجرم ہوگئے ہے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور آپ کا پروردگار ہرگز ایسا نہیں کہ بستیوں کو ہلاک کردے (ان کی) زیادتیوں کے باعث درآنحالیکہ ان کے رہنے والے اصلاح میں لگے ہوں ۱۶۶ے

القریٰ ۔ یہاں بھی اہل قریٰ کے معنی میں ہے۔

ای اہل القریٰ (قرطبی)

مُصْلِحُوْنَ ۔ اصلاح سے یہاں مراد اپنی اور دوسروں دونوں کی اصلاح ہے۔

بِظُلْمٍ ۔ ظلم سے یہاں مراد کفر لیا گیا ہے اور ظلمٍ کا صیغۂ نکرہ ظلم کی عظمت ظاہر کرنے کو ہے۔

والتنکیر للتفخیم ۔ (روح)

لیکن بعض اکابر مفسرین نے آیت کے بالکل دوسرے ہی معنی قرار دیئے ہیں وہ ظلم کو شرک کا مرادف قرار دے کر کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کسی قوم کو محض اس کے شرک کی بنا پر ہلاک نہیں کر دیتا اس حال میں کہ وہ قوم آپس کے معاملات (بندوں کے معاملات) ٹھیک رکھے ہوئے ہو۔

گویا عذاب و سزائے دنیوی لانے کے لئے معاملاتی گناہ شرک اعتقادی سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔

المراد من الظلم ھٰھنا الشرک والمعنیٰ انہ تعالیٰ لایہلک اہل القریٰ بمجرد کونہم مشرکین اذا کانوا مصلحین فی المعاملات فی ما بینہم والحاصل ان عذاب الاستیصال لاینزل لاجل کون القوم معتقدین بالشرک والکفر بل انما ینزل ذالک العذاب اذا اساءوا فی المعاملات وسعوا فی الایذاء والظلم (کبیر) ای لایہلک القریٰ بسبب شرک اہلہا وہم مصلحون فی المعاملات فیما بینہم لایضمون الی شرکہم فسادًا اٰخر (مدارک)

اور امام رازیؒ نے فرمایا ہے کہ مذہب اہل سنت کے موافق آیت کی یہی تفسیر ہے۔

دل ھٰذا علی ان المعاصی اقرب الی عذاب الاستیصال فی الدنیا من الشرک (زم)
وھٰذا تاویل اہل السنۃ لھٰذہ الآیۃ (کبیر)

فقہاء نے یہیں سے یہ بھی نکالا ہے کہ تزاحم حقوق کے وقت حقوق العباد مقدم ہیں۔

ومن ذالک قدم الفقہاء عند تزاحم الحقوق حقوق العباد ۔ (بیضاوی)

لِيُهْلِكَ میں ل تاکید نفی کے لئے ہے۔

اللام لتاکید النفی (کشاف) واللام فیہ مثل ذاللعزائدۃ لتاکید النفی عند الکوفیۃ (روح)

وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ

اور اگر آپ کے پروردگار کی مشیت ہوتی تو (سب) انسانوں کو ایک ہی اُمت بنا دیتا لیکن وہ اختلاف ہی

مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ

کرنے والے ہمیشہ رہیں گے ۱۶۷ بجز اس کے جس پر آپ کے پروردگار کی رحمت ہو اور اسی لئے اس نے انہیں پیدا کیا ہے

كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَــــَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

اور آپ کے پروردگار کی یہ بات پوری ہو گئی کہ میں جہنم کو جنات اور انسانوں سب سے بھر دوں گا ۱۶۸

۱۶۷ گویا انسان کی اب جو خلقت رکھی گئی ہے اس کے لحاظ سے یہ ضرور ہے کہ اہلِ حق کے مقابلہ میں کچھ اہلِ ضلال بھی برابر پیدا ہوتے رہیں اور جس طرح صفت رحم و کرم کے مظہر اہلِ حق و اہلِ جنت ہیں، اسی طرح صفت غضب کے مورد اہلِ باطل و اہلِ جہنم ہوتے رہیں۔

وذالك ليكون توامظاهر جماله وجلاله ولطفه و قهره۔ (روح)

وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ۔ یعنی اگر مشیتِ تکوینی کا اقتضاء یہی ہوتا۔ لیکن یہ نہیں ہوا۔

لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ یعنی سب کے سب اضطراراً و جبلۃً حق پر جمع ہو جاتے اور دنیا میں بس ایک ہی قوم اہلِ حق کی رہتی۔

قال قتادة يجعلهم مسلمين وذالك بالالجاء الى الايمان۔ (جصاص)

یعنی اس مفروضہ صورت میں سب کے سب اہل حق ہی ہوتے اور حق و باطل کی آویزش سرے سے نہ ہوتی۔

۱۶۸ (سو اے پیغمبرؐ آپ طبقۂ اہلِ ضلال کے وجود پر زیادہ غم و حیرت نہ کریں)

تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ۔ کلمہ سے مراد اس سیاق میں وعید سے ہوتی ہے۔

وقد تفسر الكلمة الوعيد مجازا۔ (روح)

اور اس فقرے سے مراد ہے کہ قضاء الٰہی نافذ ہو کر رہے گی۔

اى نفذ قضاءه وحق امره (معالم)

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ۔ من بیانیہ ہے یہاں جنس کے لئے ہے۔

لبيان الجنس اى من جنس الجنة وجنس الناس۔ (قرطبى)

اَجْمَعِيْنَ۔ کلمۂ تاکید ہے۔

اجمعين تاكيد (قرطبى)

لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ۔ یہاں یہ بتا دیا کہ انسان کی خلقت ہی ایسی رکھ دی گئی ہے کہ اہلِ حق کے

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ

اور پیمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سب (قصے) آپ سے بیان کرتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو تقویت

وَجَآءَكَ فِیْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۰﴾

دیتے ہیں اور ان (قصوں) کے اندر آپ کے پاس حق پہنچا ہے اور (ان میں) نصیحت اور یاددہانی اہل ایمان کے لئے ہے ۱۶۹

وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

اور آپ ان لوگوں سے کہہ دیجیے جو ایمان نہیں لاتے کہ تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو ہم بھی (اپنے طور پر) عمل کر رہے ہیں۔

وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور تم انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں ۱۷۰ اور اللہ ہی کے لئے ہیں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں

وَاِلَیْهِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَیْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ

اور زمین کی اور سارے امر اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں ۱۷۱ تو آپ اسی کی عبادت کیجیے اور اسی پر بھروسہ

ع

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

رکھئے اور آپ کا پروردگار اس سے بے خبر نہیں جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو ۱۷۲

ع ۱۴
۱۰

مقابلہ میں اہلِ ضلال برابر پیدا ہوتے رہیں اور رسول اللہ صلعم کو سمجھا دیا گیا کہ آپ اس پر زیادہ غم و حسرت نہ کریں۔

یہ بیان انسان کی غایت تکوینی کا ہوا اس لئے اس میں اور اس غایت تشریعی کے درمیان کوئی تناقض نہیں، جہاں یہ بیان ہوا ہے کہ انسان وجنات کی غایت آفرینش عبادتِ الٰہی ہے۔

بعض ائمہ تفسیر نے خلق کا تعلق رَحِمَ سے سمجھا ہے اور فقرہ کے معنی یہ لئے ہیں کہ "رحمت ہی کے غرض سے انھیں پیدا کیا ہے۔

روی عن ابن عباس ومجاھد وقتادۃ والضحاک خلقھم للرحمۃ۔ (جصاص)

اَجْمَعِیْنَ سے ظاہر ہے کہ مراد یہ نہیں کہ کل جنات اور انسان دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے بلکہ مراد یہ ہے کہ جتنوں کو دوزخ میں جانا ہے ان میں جن وانس سب ہی ہوں گے۔

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ۔ یعنی بجز ان لوگوں کے جنھیں اللہ اختلافِ باطل سے محفوظ رکھے۔

انما ھو استثناء من المختلفین بالباطل بالاطلاق فی الایمان المؤدی الی الثواب۔ (جصاص)

۱۶۹ مطلب یہ ہوا کہ ان قرآنی قصوں کے مضامین ومطالب ایک تو بجائے خود حق اور واقعی

پھر ایک تو بُرے کاموں سے رُکنے کی نصیحت ان میں ملتی ہے دوسرے اچھے کاموں کی یاددہانی ان سے ہوتی ہے اور ثباتِ قلب ان سے جو آپؐ کو حاصل ہوتا ہے وہ اس سب سے الگ۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مقبولین کی سرگذشت میں ایک خاص اثر تثبیت قلب و تقویتِ قلب کا ہے اس لئے مشائخ نے اولیاء و صالحین کی حکایات کے جمع کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے۔

۱۷۰؎ ظاہر ہے کہ یہ تقریر آخری موقع کی ہے جب اثرات تبلیغ سے بالکل مایوسی ہوجاتی ہے۔

وَانْتَظِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ۔ انتظار سے مراد نتائج اعمال کے ظہور کا انتظار ہے۔

كُلًّا۔ کل سے مراد اس ترکیب عبارت میں نہیں کہ سارے ہی پیمبروں کے قصے ہمارے پیمبر کو سنائے گئے، بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ جتنے بھی قصے آپؐ کو سنائے گئے، ان سب سے مقصود آپ کے قلب کو تقویت دینا ہے۔

والمعنی کل نبأ نقصہ علیک من انباء الرسل مما نثبت بہ فؤادک فلا یقتضی اللفظ قصص انباء جمیع الرسل (ابوالبقاء)

مَا آیت میں كُلًّا کا بدل ہے۔

بدل من کلا (کشاف)

۱۷۱؎ علم اور مِلک بھی اسی کا کامل اور اختیار و تصرف بھی اسی کا کامل۔

عالم خلق ہو یا عالم امر سب اس کا ہے۔

لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ زمین و آسمان کی ہر چھپی ہوئی چیز اللہ ہی کے لئے، بہ اعتبار علم بھی اور بہ اعتبار مِلک بھی۔

۱۷۲؎ کوئی فعل کسی کا جیسا اور جس درجہ کا بھی ہو اس کے علم اور قدرت کی گرفت سے باہر نہیں۔

وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ۔ یعنی اگر تبلیغ توحید میں اذیت کا احتمال ہو تو اسے خاطر میں نہ لائیے اور یقین بھی جمائے رکھئے کہ تصرفات تکوینی سب کے سب بس اسی کے اختیار میں ہیں۔
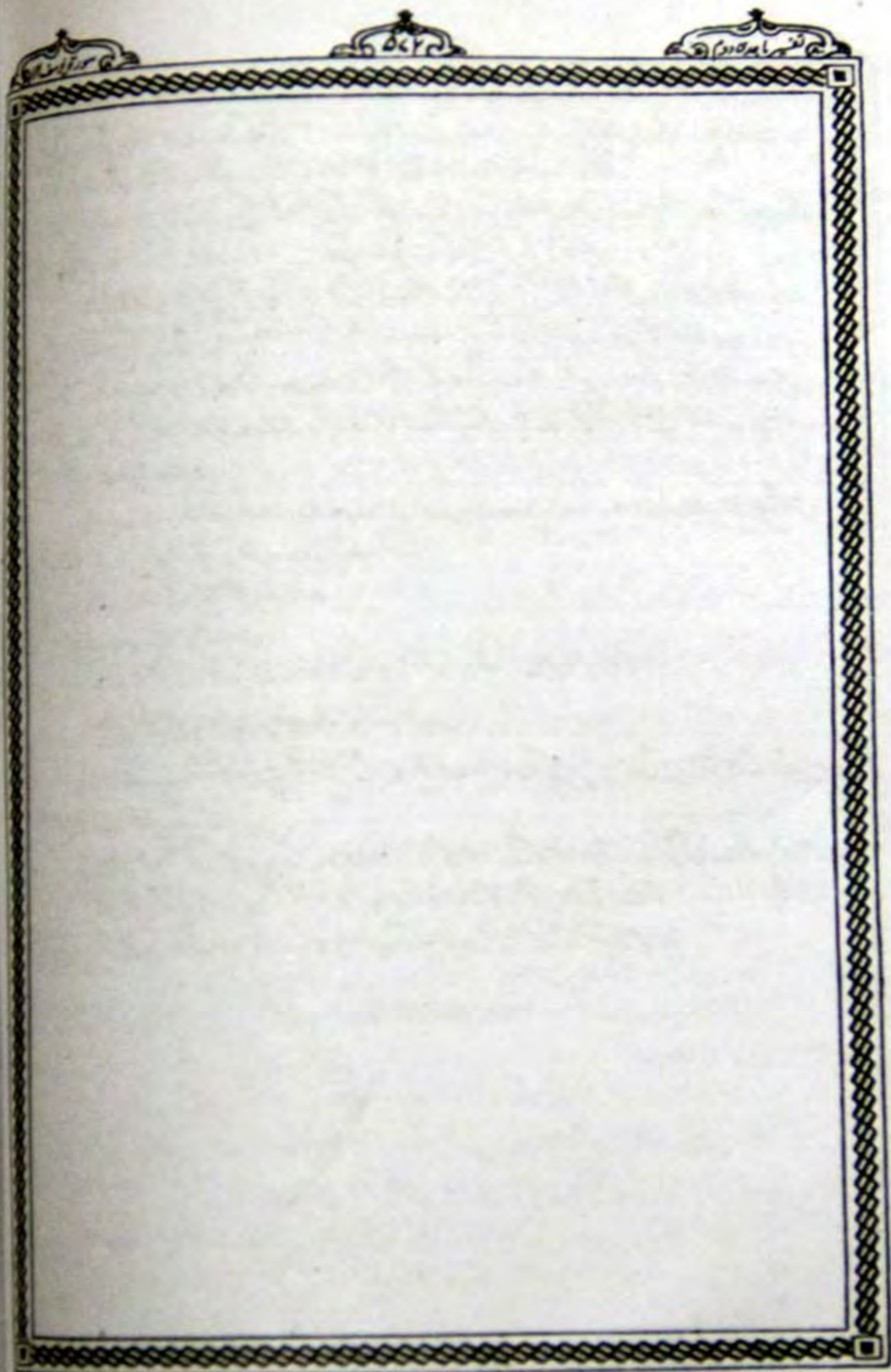
---

(۱۲)

سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ

آیاتہا ۱۱۱ — ۱۱۱ آیتیں

رکوعاتہا ۱۲ — ۱۲ رکوع

سورۂ یوسف مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ بڑے رحمت کرنے والے بار بار رحمت کرنے والے کے نام سے

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ⓵ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا

الف۔لام۔را یہ ایک کتابِ واضح کی آیتیں ہیں لہ بیشک ہم ہی نے اسے اتارا ہے

عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ⓶

قرآنِ فصیح تاکہ تم (اسے) سمجھو ٢ہ

لہ یعنی ایسی کتاب کو جس کی علمی تعلیمات میں کسی قسم کا خفا و ابہام نہیں۔ عملی مسائل اس کے صاف سادہ اور متفق علیہ ہیں۔

الٓرٰ۔ ابن عباسؓ صحابی سے اس کے معنیٰ انا اللہ اری (میں اللہ دیکھتا ہوں) منقول ہیں اور یہ حروف گویا اسی فقرہ کا مخفف ہیں، حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا اور الٓرٰ پر شروع سورۂ یونس میں گزر چکا۔

تِلْكَ۔ اشارہ اِس خاص سورۃ کی آیتوں کی طرف ہے۔

اشارۃ إلی آیات السورۃ أی تلک الآیات التی أنزلت الیک فی ھذہ السورۃ (کشاف)

٢ہ (اور سمجھ کر اس کی ہدایات پر عمل کرو)

عَرَبِيًّا۔ خطاب سارے انسانوں کو ہے، نہ کہ صرف اہلِ عرب کو قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا کے معنی اگر "عربی زبان کا قرآن" کئے جائیں تو دائرہ خطاب سمٹ کر صرف اہلِ عرب تک محدود رہ جاتا ہے، لیکن عربی کے معنی فصاحت سے بیان کرنے والے اور خود کلام فصیح و واضح کے ہیں اور یہاں یہ معنی لینے سے خطاب عامۃ الناس کی طرف رہتا ہے۔

العربی المفصح (راغب) العربی الفصیح المبیّن من الکلام (راغب) التعریب التبیین والایضاح ویقال أعرب عنہ لسانہ وعرّب ای أبان وأفصح (تاج)

خود عرب کا نام عرب اس لئے پڑا کہ وہ زبان فصیح کے مالک تھے۔

واختلف فی سبب تسمیۃ العرب فقیل لاعراب لسانھم ای ایضاحہ وبیانہ لأنہ

منزل ۳

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡکَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ ہٰذَا

ہم نے جو یہ قرآن آپ کے پاس وحی سے بھیجا ہے تو ہم ہی اس کے ذریعہ سے آپ سے ایک بہترین قصہ

الۡقُرۡاٰنَ ٭ۖ وَ اِنۡ کُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِہٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِیۡنَ ③

بیان کرتے ہیں۔ اور اس کے قبل آپ اس سے (محض) بے خبر تھے ۳ے

أشرف الألسن وأوضحها وأعربها فقد مال اليه جماعة ورجحوه من وجوه (تاج)

لعلّ۔ لام زائد تاکید کے لئے ہے۔

واللام فی لعلّ زائدۃ للتوکید۔ (قرطبی)

وانزلناہ۔ ضمیر کتاب کی طرف ہے جس کے اندر قصۂ یوسف مذکور ہے۔

والتقدیر إنّا أنزلنا الکتٰب الذی فیہ قصّۃ یوسف فی حال کونہ قرانًا عربیًّا (کبیر)

۳ے یعنی اس قصہ کی صحیح تفصیلات آپ کو نہ اپنے ذوق و وجدان سے معلوم تھیں اور نہ کسی راوی یا مؤرخ کے ذریعہ سے۔

اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ۔ سورۃ تقریبًا ایک مسلسل قصہ پر شامل ہے۔ اسے بہترین قصہ کیوں فرمایا گیا ہے؟ قصہ سے بہترین اخلاقی سبقوں کا نکلنا تو ظاہری ہی ہے، باقی مختلف اہلِ تفسیر نے اس کی مختلف توجیہیں اپنے اپنے مذاق کے لحاظ سے کی ہیں۔ عجب نہیں جو بڑی وجہ یہ ہو کہ جو متعدد اور مختلف بصیرتیں مختلف قصوں سے مقصود رہی ہیں، وہ سب اس میں یکجا کر دی گئی ہوں، اور یہ تو بہرحال واقعہ ہے کہ فطرتِ بشری کی کارفرمائیاں اور اس کے جتنے حقائق اور اسرار اس ایک سورۃ میں اکٹھے مل جاتے ہیں ان کے لحاظ سے تو یہ سورت بس اپنی نظیر آپ ہے۔

ہو سکتا ہے کہ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ میں یہ پہلو بھی ہو کہ حضرت یوسفؑ اور برادرانِ یوسفؑ کے درمیان جو واقعات پیش آئے وہ اُس صورتِ حال کا نقشہ پیش کر رہے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے مابین پیش آنے والی تھی۔

نَحۡنُ۔ اردو کے "ہم" (صیغۂ جمع متکلم) کا مترادف ہے یعنی "میں" بولنے والا ہے، مع کسی اور یا چند اوروں کے، لیکن جب قرآن میں حق تعالیٰ کے لئے آتا ہے تو مراد صیغۂ جمع نہیں بلکہ اللہ کی ذاتِ واحد ہی ہوتی ہے، البتہ مقصود اس سے شاہانہ عظمت و جلالت کا اظہار ہوتا ہے۔

ھو اخبار عن نفسہ وحدہ لکن یخرج ذٰلک مخرج الاخبار الملوکی (راغب)

اُردو میں ایسی جمع کو جمع تعظیمی کہتے ہیں۔

نَحۡنُ نَقُصُّ۔ عربی کے اس دہرے صیغۂ متکلم سے مقصود زور دینا اور حصر کر دینا ہے کہ ہم ہی یہ صحیح مستند و مفصل واقعات آپ تک پہنچا رہے ہیں، یہ کسی اور کے بس کی بات نہیں۔

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا

جب یوسفؑ نے اپنے والد سے کہا ۴۲ کہ ابا جان میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو (خواب میں) دیکھا، دیکھتا

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ ④

ہوں کہ وہ میرے آگے اطاعت میں جھک رہے ہیں ۴۵

من قبلہٖ۔ یعنی قبل اس کے کہ ہم یہ قرآن آپؐ کی جانب وحی کریں۔

أی قبل ایحائنا إلیک ذلک (روح) والضمیر راجع إلی قبل ما أوحینا۔ (کشاف)

۴۲ یوسفؑ بن یعقوبؑ بن اسحٰقؑ بن ابراہیمؑ پیمبر زادہ اور خود بھی پیمبر تھے، شرف نبوت خاندان

میں تین پشتوں سے چلا آرہا تھا عمر بہ قول اغلب ۱۷۵۳ق م تا ۱۸۰۰ق م۔ مسکن ارض فلسطین میں وادی جبرون

تھا۔ جسے اب الخلیل بھی کہتے ہیں، اور یہ یروشلم سے ۱۸ میل جنوب و مغرب میں واقع ہے۔ لیکن اسرائیل کی نہیں

بلکہ اردن کی حکومت میں شامل ہوا ہے، یوسفؑ اور یعقوبؑ کے اجداد کا مدفن بھی یہیں ہے، دنیا کے قدیم ترین

شہروں میں ہے، انگور، انار، خوبانی انجیر وغیرہ کے لئے مشہور ہے۔

ولادت، پیدائش بی بی راحیل کے بطن سے ہوئی، خود بھی حسین و خوبرو اور والد ماجد کی نگاہ میں سب

اولاد سے زیادہ محبوب تھے، آخر آگے چل کر پیمبر ہونے والے تھے، آثار رشد بچپن ہی سے نمایاں تھے، باقی حسن یوسفؑ

کو ضرب المثل بنا کر اس کے جو نئے نئے نکات اور بے تکے افسانے ہمارے شاعروں نے تراش ڈالے ہیں ان کی کوئی سند

نہ قرآن مجید سے ملتی ہے نہ تاریخ یہود سے۔

توریت میں ہے۔

"اسرائیل یوسفؑ کو اپنے سب لڑکوں سے زیادہ پیار کرتا تھا، اس لئے کہ وہ اس کے بڑھاپے کا بیٹا تھا،

اس نے اس کے لئے ایک بوقلمون قبا بنائی۔" (پیدائش ۳۷-۳)

لِأَبِيهِ۔ مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں آپ پر مفصل حاشیہ سورۂ بقرہ آیت ۱۳۲ میں گزر چکا ہے

۴۵ سٰجِدِينَ۔ سجدہ سے یہاں اصطلاحی و شرعی سجدہ نہ مراد ہے نہ ہو سکتا ہے جس کے معنی ایک متعین

و معروف ہیئت کے ساتھ زمین پر ماتھا ٹیکنے کے ہیں، جو سورج، چاند اور ستاروں کے لئے ممکن ہی نہیں، بلکہ سجدہ

یہاں اپنے اصلی و لغوی مفہوم میں یعنی انقیاد، اطاعت، و تذلل کے مرادف آیا ہے۔

اصل السجود التطامن والتذلل (راغب) ساجدین أی متواضعین۔ (مدارک)

إِنِّي رَأَيْتُ۔ یعنی خواب میں دیکھا، رأیت "رویت" سے بھی ہو سکتا ہے اور رؤیا سے بھی، لیکن

مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہاں رؤیا ہی سے ہے۔

رأیت من الرؤیا لا من الرؤیۃ (کشاف)

اور مفسرین کے اتفاق سے قطع نظر خود قرآن مجید کی تصریح اگلی ہی آیت میں آرہی ہے لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ

توریت میں بھی ذکر خوابوں ہی کا ہے۔

یَا اَبَتِ۔ یہ ترکیب صرف موقعِ ندا ہی پر آتی ہے۔ دوسرے موقعوں پر اَبَتِ کا استعمال جائز نہیں۔

لایقال جاء نی أبت ولا تستعمل العرب هذا إلا فی النداء خاصۃً (قرطبی)

رَاَیْتُ ۔۔۔ سٰجِدِیْنَ۔ سجود اول تو (جیسا ابھی گزر چکا ہے) انحناء جسمانی کو مستلزم ہی نہیں، لیکن اگر مان ہی لیا جائے تو اجرام سماوی کے اس انحناء کی کیفیت کے تفصیلی ذکر سے قرآن مجید، حدیث نبوی، بلکہ توریت بھی خاموش ہے۔ البتہ یہ خوب مستحضر رہے کہ یہ نظارہ بیداری کا نہیں بلکہ خواب کا تھا، جہاں ہر وہ چیز جو تصور یا تخیل میں آسکتی ہے جسم و تمثل کے ساتھ واقعہ بن کر بھی سامنے آجاتی ہے، اس لئے اس پر وہ سوالات پیدا ہی نہیں ہوتے جو بیداری کے مشاہدہ پر عائد ہو سکتے ہیں مثلاً یہ کہ سورج کے ساتھ چاند، اور تاروں کا اجتماع ممکن کیونکر ہوا ــــ وقس علیٰ ہذا۔

یہ بھی واضح رہے کہ قدیم اسرائیلیوں میں سجدہ کمالِ ادب سے سلام کرنے کا مرادف اور خاص علامتِ انقیاد تھا اور فلسطین، مصر وغیرہ میں عام روایات کے مطابق سجدۂ تعظیمی کا رواج عام تھا۔

وکان من عاداتِ الناس فی تحیۃِ التعظیم فی بلاد فلسطین ومصر وغیرهما۔ (المنار)

سٰجِدِیْنَ۔ میں سجدہ سے مراد محض ایک طبعی، غیر ارادی، تکوینی سجدہ ہے۔

هذا السجودُ طبعیٌ غیرُ إرادیٍ۔ (المنار)

اور بعض نے مراد سجدۂ تعظیمی لیا ہے۔

السجودُ کرامۃٌ کما سجدتِ الملائکۃُ آدم۔ (بحر)

اور سجدۂ اصطلاحی فقہی تو وہ ہے جو تقرب الی اللہ کی نیت و قصد سے کیا جاتا ہے۔

ولا یکون السجودُ عبادۃً إلا بالقصد والنیۃ من الساجد للتقرّب إلی من یعتقدُ أنّ لہ علیہ سلطاناً ذاتیاً غیبیاً۔ (المنار)

حضرت یوسفؑ جس اہمیت اور سنجیدگی کے ساتھ اپنے خواب کو تعبیر کے لئے بیان کر رہے ہیں اور پھر حضرت یعقوبؑ جس طرح اس کی تعبیر دے رہے ہیں، اس سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ خواب کوئی ایسی حقیر و ناقابلِ التفات شے نہیں جیسی کہ آج کی "روشن خیالی" میں بغیر کسی دلیل کے فرض کر لی گئی ہے، اور کیا عجب کہ جس طرح اور بہت سے علمی عقدے کھلنے ابھی باقی ہیں، کسی دن رؤیائے منام کی بھی اہمیتِ علمی دنیا پر کھل کر رہے۔

توریت میں حضرت یوسفؑ کی عمر اس وقت ۱۷ سال کی بیان کی گئی ہے (پیدائش ۳۷: ۲) جو کسی طرح بھی قرینِ قیاس نہیں۔

رَاَیْتُهُمْ۔ رَاَیْتُ کی تکرار تاکید بیان کے لئے ہے۔

رأیتهم توکیداً۔ (قرطبی)

یعنی میں نے انھیں واضح طور پر دیکھا کہ میرے سامنے جھک رہے ہیں، اس میں کوئی وہم یا اشتباہ نہیں۔ ہمارے یہاں کی تفسیری روایتوں میں سِنّ بارہ سال کا آتا ہے جو بالکل قرینِ قیاس ہے۔

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ

وہ بولے بیٹے اپنے (اس) خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے نہ بیان کرنا لـــہ ورنہ وہ تمہاری (ایذاء) کے لئے کوئی چال چل کر

كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۵

رہیں گے کـہ بیشک شیطان تو انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے شـہ

لـــہ حضرت یعقوبؑ کے ذہن میں خواب کی تعبیر فوراً آگئی آپ اپنے چہیتے فرزند حضرت یوسفؑ کو منع کرتے ہیں کہ کہیں اس خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے نہ دہرا دینا، وہ بھائی بھی بہرحال خاندانِ نبوت ہی سے تھے اور تعبیرِ خواب سے مناسبت رکھتے تھے اور مناسبت نہ بھی رکھتے جب بھی خواب کا مضمون ہی جذباتِ رشک وحسد کے برانگیختہ کر دینے کو بہرحال کافی تھا، خوف وعبرت کا مقام ہے کہ جب جذباتِ رشک وحسد سے پیمبر زادوں کو مفر نہیں تو فلاں پیر زادہ، فلاں بزرگ زادہ کا کیا ذکر ہے۔

اِخْوَتِكَ۔ آپؑ سے بڑے بھائی آپؑ کی دوسری ماؤں سے دس تھے، گیارہویں بھائی بنی یامین آپؑ ہی کی والدہ کے بطن سے اور آپؑ سے چھوٹے تھے، بھائیوں میں سے نبی کوئی نہ تھا۔

يٰبُنَيَّ۔ بُنَیَّ صیغہ تصغیر کا ہے، مگر ایسی تصغیر جو تحقیر پر نہیں بلکہ محبت وشفقت پر مبنی ہے۔

صغرہ للشفقة ويسمى النحاة مثل هذا التصغير التحبيب (روح) تصغير ابن صغره للشفقة (بیضاوی)

کـــہ ان بھائیوں کے تعلقات (جیسا کہ دنیا میں اکثر سوتیلے بھائیوں میں ہوتا ہے) آپؑ سے کشیدہ تھے، اس کشیدگی کے صحیح اسباب کا علم تو اللہ ہی کو ہے، البتہ توریت میں دو سبب لکھے ہوئے ہیں، ایک یہ کہ یوسف بچپن ہی سے بہت ہی سلیم الطبع تھے، نہ صرف یہ کہ خود شرارتوں سے الگ رہتے تھے، بلکہ اپنے بھائیوں کی شرارتوں کی رپورٹ بھی اپنے والد ماجد سے کر دیتے تھے۔

"یوسفؑ ان کے باپ کے پاس ان کے برے کاموں کی خبر لاتا تھا۔" (پیدائش ۳۷ : ۲)

دوسری بات یہ کہ حضرت یعقوبؑ کو ان کے ساتھ محبت غیر معمولی تھی، یہ بات بجائے خود دوسروں کو ناگوار گزرتی "اس کے بھائیوں نے یہ دیکھ کے کہ اس کا باپ اس کے سب بھائیوں سے اسے زیادہ پیار کرتا ہے، اس کا کینہ پیدا کیا اور اس سے محبت کی بات نہ کر سکتے تھے۔" (پیدائش ۳۷ : ۴)

لیکن ایک وجہ تو بالکل کھلی ہوئی ہے یعنی بچپن ہی سے آپؑ کا سعید ورشید ہونا۔

لَكَ كَيْدًا۔ ل تاکید کا ہے۔

واللام فی لك تاکید۔ (قرطبی)

گیارہواں بھائی (جو سوتیلا نہیں حقیقی تھا) مخالف نہ تھا، لیکن اس کی کم سنی کی بنا پر یہ ممکن تھا کہ بڑے بھائی اپنی سازشوں اور منصوبوں میں اس سے بھی فائدہ اٹھاتے۔

فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جس کسی سے حسد یا کید کا اندیشہ ہو اس سے اللہ کی نعمتوں کا اخفاء جائز ہے

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ

اور اسی طرح تمہارا پروردگار تم کو منتخب کرے گا ۹ اور تمھیں باتوں کے معنی سکھائے گا ۱۰ اور اپنا انعام

وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَىٰ

تمہارے اوپر اور اولادِ یعقوب پر پورا کرے گا جیسا کہ وہ اسے اس کے قبل پورا کر چکا ہے تمہارے دادا

أَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝٦ ع

پردادا ابراہیمؑ و اسحٰقؑ پر بے شک تمہارا پروردگار بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے ۱۱

یہودی روایات میں آتا ہے کہ آپ اپنے والد ماجد سے صورۃً بہت مشابہ تھے (جیوش انسائکلوپیڈیا)

وھو أصل فی جواز ترك اظهار النعمة وكتمانه عند من يخشى حسده وكيده وان كان الله قد امر باظهاره۔ (جصاص)

فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا ۔ آیت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ شیطان کے اثر اور کید کے اخلاقی مرض سے محفوظ رکھنے کے لئے پیمبر زادگی ہی ہرگز کافی نہیں، چہ جائیکہ محض بزرگ زادگی۔ یوسف علیہ السلام کا خاندان پیمبر زادگی میں بھی ممتاز تھا، آپ کے والد ماجد، دادا، پردادا، سب پیمبر ہوتے چلے آرہے تھے، پیمبری روایتیں گھر والوں کے نس نس میں پیوست تھیں۔ اس پر بھی بشری لغزشوں اور نفسانی کمزوریوں سے مطلق پناہ نہ مل سکی، سورۂ اَحْسَنَ الْقَصَصِ کے اور بھی جتنے سبق ہوں وہ اپنی جگہ پر، لیکن یہ ایک بڑا اور گہرا سبق شروع ہی میں مل گیا۔

۸ (اسے تمہارے بھائیوں کے دل میں وسوسہ ڈالتے کیا دیر لگتی ہے) حضرت یعقوبؑ کا یہ خیال ہی خیال نہ تھا، توریت میں ہے کہ بھائیوں نے یوسف کا خواب سن کر زبان سے بھی اپنے غصہ کا اظہار کر ڈالا۔

"تب اس کے بھائیوں نے اسے کہا کہ کیا تو سچ ہمارا بادشاہ ہوگا یا تو ہمارا حاکم ہوگا، اور انھوں نے اس کے خوابوں اور اسی کی باتوں سے اس کا زیادہ کینہ پیدا کیا۔" (پیدائش ۳۷ : ۸)

توریت کی یہ روایت بھی اگرچہ حسب معمول تحریفات سے خالی نہیں ہے، تاہم فی الجملہ اس سے قرآنی صداقتوں کی توثیق ہوتی جاتی ہے۔

۹ (اے یوسف، نبوت کے لئے)

قال الحسن: يجتبيك ربك بالنبوة۔ (کبیر)

كَذٰلِكَ ۔ حضرت یعقوبؑ فرما رہے ہیں کہ جس طرح اس خواب کے ذریعہ سے تمہاری آئندہ عزت افزائی کی ایک جھلک تمھیں دکھائی گئی ہے اور اشارہ کر دیا گیا ہے کہ تمھیں اپنے گیارہ بھائیوں اور ماں باپ پر سرداری حاصل ہوگی، اسی طرح اور بھی عزتیں تمہارے لئے پردۂ غیب میں منتظر ہیں۔

۱۰ خوابوں کی صحیح تعبیر بھی اللہ کی ایک نعمت ہے، اگرچہ اس نعمت میں زندگی، رزق، صحت، دولت وغیرہ

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ ⑦

یقیناً یوسف اور ان کے بھائیوں (کے قصے) میں نشانیاں (موجود) ہیں پوچھنے والوں کے لئے ۱۲

دوسری نعمتوں کی طرح مسلم کے ساتھ غیر مسلم بھی شریک ہوں۔

تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ۔ کا ترجمہ عام طور پر تو خوابوں کی تعبیر سے کیا گیا ہے، لیکن احادیث کے مفہوم میں خوابوں سے کہیں زیادہ وسعت ہے، تعبیر خواب تو صرف ایک جزء تھی۔ علم و حکمت و فہم مسائل وغیرہ سب اس میں داخل ہیں۔

قال الحسن: عواقب الامور (بحر) قال ابن زید: العلمُ والحکمۃُ (بحر) ویجوزان یراد بتاویل الاحادیث معانی کتب اللہ وسنن الأنبیاء وما غمض واشتبہ علمُ الناس فی أغراضھا ومقاصدھا یُفسّرھا لھم ویشرحھا۔ (کشاف)

شاہ رفیع الدینؒ نے ترجمہ تعبیر بتانی باتوں کا سے کیا ہے، شاہ عبدالقادر دہلوی کا ترجمہ اس سے بھی زیادہ لطیف ہے "کل بٹھانی باتوں کا"

یہ بھی خوب سمجھ لیا جائے کہ خواب کی بنا پر آئندہ کے واقعات تکوینی کے کشوف ہو جانے کا نام غیب دانی نہیں، بلکہ جیسے اور سب علم ناپختہ وخام ظنی قسم کے ہیں اسی طرح ایک علم تعبیر خواب بھی ہے۔

اللہ وہ علیم کل ہر ایک کے ظرف واستعداد سے بھی خوب واقف ہے، اور حکیم مطلق ہر ایک کے مناسب حال عطائے فیض کرنے والا بھی ہے۔

يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ۔ اتمام نعمت کے تحت ساری دنیوی واخروی نعمتیں آسکتی ہیں۔

وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ۔ آل یعقوبؑ مراد ہے بنی اسرائیل کا، اور آیت کے ان الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ برادران یوسف کو بھی نبوت ملی ہو۔

كَمَا...... إِسْحَاقَ۔ آباء واجداد کا ذکر ایسے موقع پر کر دینا مخاطب کی مزید ہمت افزائی، تقویت قلب وانشراح خاطر کا باعث ہوتا ہے، مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ اتمام نعمت کے موقع پر حضرت یعقوبؑ نے اپنا ذکر تواضعاً نہیں فرمایا۔

إِبْرَاهِيمَ۔ إِسْحَاقَ۔ دونوں پر حاشئے پارہ اول کے آخر میں گزر چکے، اسحٰق حضرت یوسفؑ کے دادا اور ابراہیمؑ آپ کے پردادا تھے۔

۱۲ یعنی طالبان حق اور جویندگان علم کے لئے عموماً اور ان اہل کتاب کے لئے خصوصاً جنھوں نے امتحان کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں سوال کیا تھا۔

إِخْوَتِهِ۔ حضرت یوسفؑ کے گیارہ^11 بھائی اور تھے، توریت میں حضرت یعقوبؑ کے بارہ^12 فرزندوں کے نام درج ہیں

آيَاتٌ۔ یعنی حق تعالیٰ کے کمال قدرت وحکمت کی نشانیاں ــــ مطلب یہ ہوا کہ یوسفؑ اور اُن کے

إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ

(وہ وقت قابل ذکر ہے) جب وہ (سوتیلے) بھائی بولے کہ بیشک یوسف اور ان کا (حقیقی) بھائی ہمارے باپ کو ہم سے کہیں زیادہ

إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٨﴾

پیارے ہیں ۱۳ۓ درآنحالیکہ ہم ایک (پوری) جماعت ہیں ۱۴ۓ بیشک ہمارے باپ بالکل بہک گئے ہیں ۱۵ۓ

بھائیوں کے باہمی معاملات سے بڑے بڑے اخلاقی اور دینی سبق حاصل ہو سکتے ہیں، اگر کوئی لینا چاہے، قرآن مجید کوئی قصہ کہانی کی کتاب نہیں، وہ جب کوئی قصہ بیان کرتا ہے تو اس کے اندر حکمت، موعظت، وعبرت کے خزانے بھی پوشیدہ ہوتے ہیں۔

۱۳ۓ یعنی یوسفؑ اصلاً اور ان کے بھائی بن یامین تبعاً۔

أَخُوهُ۔ توریت میں ان کا نام بن یامین آیا ہے یہ اور حضرت یوسفؑ ایک ہی ماں کے بطن سے تھے اور یہ سن میں حضرت یوسفؑ سے بھی چھوٹے تھے۔

أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا۔ توریت میں یہ تصریح ہے کہ اس کے بھائیوں کو اس سے حسد ہو گیا۔

لَيُوسُفُ۔ میں ل زور و تاکید کے لئے ہے جیسے کوئی قسم کھا کر کہے۔

واللام للتاكيد أي والله ليوسف (قرطبی) فيها تاكيد وتحقيق لمضمون الجملة (کشاف)

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ شیخ کو جائز ہے کہ کسی مرید کے ساتھ دوسرے مریدوں سے زیادہ شفقت و اختصاص رکھے، جبکہ اس میں آثارِ رشد دوسروں سے زائد پائے۔

۱۴ۓ (یعنی تعداد و قوت دونوں کی بنا پر قدر ہماری ہونا چاہئے، نہ کہ ان دونوں کم سن نادانوں کی جو باپ کے کسی کام بھی تو نہیں آسکتے)

یہ گفتگو ان دسوں بھائیوں میں آپس میں ہوئی ــــ تمدن کی اس منزل میں اولاد کی تعداد اور قوت جو درجہ اہمیت کا رکھتی تھی، وہ آج آسانی سے خیال میں بھی نہیں آسکتی۔

۱۵ۓ (کہ خود اپنے نفع نقصان کا اندازہ نہیں کرتے۔)

ضَلَالٍ۔ سے مراد کوئی دینی، اعتقادی، یا اخلاقی گمراہی نہیں بلکہ محض دنیوی کم اندیشی و کم فہمی مراد ہے، جیسے اردو میں عوام بولتے ہیں کہ فلاں شخص تو سٹرا گیا ہے۔؟

المراد منه الضلال من رعاية المصالح في الدنيا لا البعد عن طريق الرشد والصواب (کبیر)

يعنون عن صواب الرأي (جصاص) يعني ذهاب عن وجه التدبير (قرطبی)

اپنے حق میں کمالِ حسن ظن اور اپنے بزرگوں کی فہم سے سوء ظن رکھنا عام بشری کمزوری ہے اور بیر پیرزادے اس سے مستثنیٰ نہیں مرشد تھانوی نے کہا کہ بعض اوقات مریدوں کو بھی شیخ پر خطائے اجتہادی کا ایسا ہی گمان ہوتا ہے جیسا ان بھائیوں کو حضرت یعقوب علیہ السلام پر ہوا تھا۔

اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا

(لاؤ) یوسف کو قتل کر ڈالو یا انھیں کسی سرزمین پر ڈال آؤ تو تمھارے لئے تمھارے باپ کا رخ (خالص) ہو جائے گا

مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ۝٩ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا

اور اس کے بعد تمھارے سب کام بن جائیں گے ۱۶ (اتنے میں) انھیں میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو

يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ

قتل نہ کرو بلکہ انھیں (ایسے) اندھیرے کنوئیں میں ڈال دو کہ انھیں کوئی راہ گیر نکال لے جائے

إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ۝١٠

اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو ۱۷

۱۶ (اور یہ قضیۂ نامرضیہ باقی ہی نہ رہ جائے گا)

أی صالحین فی امر دنیا کم فانه ینتظم لکم بعده۔ (بیضاوی۔ روح)

انسان دشمنی کے عالم میں کتنی دور تک جا سکتا اور بدخواہی کے کن حدود تک پہنچ سکتا ہے، یہ ان تجویزوں سے بالکل ظاہر ہو رہا ہے۔

اُقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ۔ جس طرح کمیٹی یا جلسۂ شوریٰ میں مختلف تجویزیں اور مشورے پیش ہوتے رہتے ہیں، یہاں بھی مختلف سمتوں سے یہ تجویزیں پیش ہو رہی تھیں۔

وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ۔ کی دوسری تفسیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے بعد اپنی اس حرکت سے توبہ کر کے بھلے آدمی بن جانا ہے، اور اکثر مفسرین نے اسی پہلو کو اختیار کیا ہے۔

أی بالتوبة والتنصل إلی اللہ تعالیٰ مما جنتم به من الذنب کما روی عن الکلبی والیه ذهب الجمهور (روح) تائبین إلی اللہ مما جنتم علیه۔ (کشاف۔ بیضاوی)

مِنْ بَعْدِهِ۔ یعنی یہ یوسف کا قصہ پاک کرنے کے بعد۔

أی بعد یوسف علی معنی بعد الفراغ من امرہ۔ (روح۔ بیضاوی)

۱۷ یعنی اگر واقعی کچھ کرنا ہے تو اس کی تدبیر یہی ہے کہ یوسفؑ کو یہاں سے یوں دفع کرو، مقصد بھی حاصل ہو جائے گا، اور خونِ ناحق کے الزام سے بھی بچ جاؤ گے۔

غَيَابَتِ الْجُبِّ۔ توریت میں ہے کہ یہ ایک اندھا کنواں تھا جس میں پانی مطلق نہ تھا، اور اُسے اٹھا کر گڑھے میں ڈال دیا، وہ گڑھا سوکھا تھا، اس میں ذرا بھی پانی نہ تھا۔ (پیدائش ۳۷ : ۲۴)

وَأَلْقُوهُ ۔۔۔۔ السَّيَّارَةِ۔ کنوئیں اس زمانہ اور اس سطح تمدن میں عموماً ایسے موقعوں پر ہوتے تھے،

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَ اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

وہ بولے اے ہمارے ابا جان آپ کو یہ کیا ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے ۱۸؎ درانحالیکہ ہم ان کے بڑے خیر خواہ ہیں

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَ يَلْعَبْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾

انھیں کل ہمارے ساتھ بھیج دیجیے کہ وہ (ذرا) پھل پھلاری کھائیں اور جی بہلائیں اور ہم ان کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں ۱۹؎

جو عام رہ گزر ہوں، قافلے جب ان کے پاس سے گذرتے تو ضرور پانی بھرتے، اور یہ تاریخ کی ایک معلوم حقیقت ہے کہ فلسطین کے جنوبی مشرقی علاقہ میں تجارتی قافلوں کی آمد و رفت ایک طرف فلسطین اور مصر کے اور دوسری طرف عرب اور مصر کے درمیان برابر رہا کرتی تھی۔

فَاٰىِٕلٌ مِّنْهُمْ۔ سے بعض اہلِ تفسیر نے یہ استنباط کیا ہے کہ جس نے قتل کی رائے دی تھی، وہ اُن بھائیوں میں سے نہ تھا کوئی غیر تھا۔

۱۸؎ (اور کبھی انھیں ہمارے ساتھ سیر و شکار کے لئے نہیں بھیجتے)

جب باہم مشورہ سے وہ متعین صورت طے پا گئی تو اب سب مل کر باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہاں یہ گفتگو شروع کی۔

توریت میں جہاں اور مسخ شدہ روایتیں ہیں، اس روایت کو بھی بالکل خلط ملط کرکے درج کیا ہے، توریت کا بیان ہے کہ "یوسفؑ خود ہی اپنے والد کے فرستادہ اپنے بھائیوں کے پاس جنگل میں پہونچے، جہاں وہ اپنے گلے چرا رہے تھے، اور اُن کے قتل وغیرہ کے منصوبہ وہیں ہوئے۔

"اور جونہی انھوں نے اسے دور سے دیکھا اِس سے پہلے کہ وہ نزدیک پہنچے اس کے قتل کا منصوبہ باندھا، اور ایک نے دوسرے سے کہا، دیکھو یہ صاحبِ خواب آتا ہے، سو آؤ اب ہم اسے مار ڈالیں اور کسی کنوئیں میں ڈال دیں اور کہیں کہ کوئی بڑا درندہ اسے کھا گیا، اور دیکھیں کہ اس کے خوابوں کا انجام کیا ہوگا، تب روبن نے سن کے اس کو ان کے ہاتھوں سے بچایا اور بولا چاہیے کہ ہم اسے قتل نہ کریں، اور ان سے کہا کہ خونریزی نہ کرو، بلکہ اسے اس کنوئیں میں جو بیابان میں ہے ڈال دو، اور اس پر ہاتھ نہ ڈالو، تاکہ وہ ان کے ہاتھوں سے بچا کر اس کے باپ تک پھر پہنچا دے۔ (پیدائش ۳۷: ۱۸-۲۲)

۱۹؎ توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ گلے چرانے جنگل جایا کرتے تھے، محافظت کا حلف اس لئے کیا کہ جنگل پُرخطر جانوروں سے بھرے ہوتے تھے، اور یوسفؑ ابھی کم سن بھی تھے۔

يَرْتَعْ۔ "رتع" کہتے ہیں پھل پھلاری کا ناشتہ کرنے کو اور "لعب" سے مراد ہے جی بہلانا۔

نتنج فی اکل الفواکہ ونحوها (بیضاوی) عن ابن عباسؓ یَسعیٰ وینشط (ابن جریر)

المراد من اللعب الاقدامُ من المباحات لاجل انشراح الصدر (کبیر)

دشمنی کی حالت میں باتیں دل سے گڑھ لینا، سخن سازی کی مشق کر لینا، بناوٹی زندگی اختیار کر لینا،

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ

(یعقوبؑ نے) کہا کہ (ایک تو) مجھے یہی رنج ہوگا کہ تم اس کو لئے جاتے ہو اور (پھر) مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں اس کو بھیڑیا کھا جائے

وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ

اور تم اس کی طرف سے بے خبر رہو ۲۰؎ وہ بولے اگر ان کو بھیڑیا کھا جائے اور ہم ایک پوری

عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

جماعت موجود ہوں تو ہم بالکل نکالے ہی ٹھہرے ۲۱؎

فطرت بشری کے لحاظ سے ذرا بھی مستبعد نہیں۔

لَحٰفِظُوْنَ۔ لَ۔ تاکید کے لئے ہے۔

یَرْتَعْ وَیَلْعَبْ۔ فقہاء نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ سیر و تفریح جائز کھیل ہیں۔

وفی الآیۃ دلالۃ علی ان اللعب الذی ذکروہ کان مباحًا لولا ذلک لانکرہ یعقوب علیہ السلام۔ (جصاص)

مطلق کھیل اور تفریح اگر اس کے اندر کوئی جزء معصیت کا نہ ہو بالکل جائز ہے اور ملاعبت کا جواز صریح تو حدیث نبوی میں موجود ہے۔

جاز ان یکون المراد من اللعب الاقدام علی المباحات لاجل انشراح الصدر کما روی النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنہ قال لجابرؓ فھلا بکرًا تلاعبھا وتلاعبک۔ (کبیر)

بظاہر کوئی ایسی ہی تفریح تھی جسے آج کل کی انگریزی اصطلاح میں (PICNIC) کہتے ہیں۔

۲۰؎ حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ ایک تو یوسفؑ کی جدائی ہی مجھے شاق ہے اور پھر یہ اندیشہ بھی لگا ہوا ہے کہ تم لوگ تو جا کر اپنے کھیل کود میں پڑ جاؤ گے، ایسا نہ ہو کہ اسے اکیلا چھوڑ جاؤ اور کہیں کوئی بھیڑیا آ کر اٹھالے جائے۔ ارض فلسطین کے جنگلوں میں بھیڑیئے اب تو خال خال رہ گئے ہیں، لیکن قدیم زمانہ میں یہ وہاں کے جنگلوں میں خاص طور پر آباد تھے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ جلد ۱۷۔ ص ۱۲۰ طبع چہاردہم)

حضرت یعقوبؑ تو بہر حال نبی تھے، اتنی فراستِ ایمانی سے کام ایک عام مومن بھی لے سکتا ہے۔

یَاْكُلُ۔ اکل کا مفہوم پیٹ کے اندر غذا داخل کر لینے تک محدود نہیں، اُٹھالے جانا، مار ڈالنا، سب اس کے تحت میں آجاتا ہے۔

لَیَحْزُنُنِیْٓ ..... اَخَافُ۔ آیت میں حزن اور خوف طبعی کیفیات دونوں کا اثبات حضرت یعقوبؑ پیمبر کے حق میں ہے، اس سے ظاہر ہے کہ طبعی کیفیات کا طاری ہونا کاملین کے لئے بھی اُن کے کمال کے منافی نہیں۔

۲۱؎ روایاتِ یہود میں تصریح کے ساتھ آتا ہے کہ یہ برادرانِ یوسفؑ بڑے تنومند و قوی ہیکل تھے، اپنی قوت و تعداد دونوں پر ان کا ناز بے جا نہ تھا، اور اس وقت تو اپنے والد ماجد کو اطمینان دلانے کے موقع پر اپنے زورِ بازو کا اظہار کیا تھا۔

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهٖ وَاَجْمَعُوٓا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَیْنَآ

سو جب وہ ان کو لے گئے اور طے کرلیا کہ انھیں اندھیرے کنوئیں میں ڈال دیں ۲۲ . اور ہم نے (یوسف پر)

اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَجَآءُوْٓ

وحی کی کہ تم (ایک روز) ان لوگوں کو ان کی یہ بات جتلاؤ گے اور (اس وقت) وہ جانتے بھی نہ ہوں گے ۲۳ اور یہ لوگ

اَبَاهُمْ عِشَآءً یَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾

اپنے باپ کے پاس شروع رات میں روتے ہوئے پہنچے ۲۴

لَتُنَبِّئَنَّ ۔ میں ل تاکید کا ہے۔

ثُمَّن باللام دخلت لتاکید هذا الاستلزام (کبیر)

۲۲ (اور اس پر عمل بھی کر گزرے)

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهٖ ۔ قیل وقال کے بعد بالآخر حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کو لے جانیکی اجازت ان کے چرب زبان بھائیوں کو دے دی تھی، چرب زبانی اور لسانی سے متاثر ہو جانا کمالِ نبوت کے بھی منافی نہیں چہ جائیکہ کمالِ ولایت کے۔

توریت میں ہے:۔

اور یوں ہوا کہ یوسفؑ اپنے بھائیوں کے پاس آیا تو انھوں نے اس کی قبا کو یعنی بوقلمون قبا کو جو وہ پہنے تھا، اتار کے اسے ننگا کیا، اور اسے لے کے کنوئیں میں ڈال دیا، وہ کنواں اندھا تھا، اس میں ایک بوند پانی نہ تھا۔ (پیدائش ۳۷: ۲۳ و ۲۴)

۲۳ رحمت الٰہی نے اس وقت بھی حضرت یوسفؑ کا ساتھ نہیں چھوڑا، عین جس وقت کہ کنوئیں میں گر رہے تھے غیب سے الہام ہوا کہ شکستہ دل وملول نہ ہو، خوف نہ کرو، ان کے کید سے تمھیں رہائی مل کر رہے گی، اور ایک روز وہ آئے گا کہ تم ان کی حرکتیں انھیں یاد دلاؤ گے، اور یہ تمھیں پہچانیں گے تک نہیں، تم اس وقت ایسے ممتاز مرتبہ پر ہوگے ـــــ توریت کا خشک قصہ قرآن کے ان بلند ٹکڑوں سے بالکل خالی ہے۔

وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ ۔ اس وحی سے وحی اصطلاحی مراد نہیں، جو حضرات انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے، وحی الہام کے معنی میں ہے، جو غیر نبی کو یا نبی کو قبل نبوت ہوتا رہتا ہے۔

وهو وحی الهام (بحر۔ عن مجاهد) قیل کان وحی الهام کقوله واوحی ربك الی النحل۔ (قرطبی)

بعض اور پیمبروں مثلاً حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر بھی نزولِ وحی بہت کم سنی میں ہوا ہے، جیسا کہ صاحبِ کشاف نے اشارہ کیا ہے۔

۲۴ (اپنا مصنوعی رنج والم ظاہر کرنے کو)

یہ لوگ گھر روز شام کو واپس آتے ہوں گے، آج ذرا اور دیر کر کے آئے یہ ظاہر کرنے کو اتنی دیر یوسفؑ کی تلاش کرنے میں لگی، ایک جرم کو نباہنے کے لئے دوسرے جرائم تک فطرت بشری مجرم کو ناگزیر طور پر لے جاتی ہے۔

قَالُوۡا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبۡنَا نَسۡتَبِقُ وَتَرَكۡنَا يُوۡسُفَ عِنۡدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ

بولے ابا جان ہم سب تو آپس میں دوڑنے میں لگ گئے، اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا تو بھیڑیا انھیں

الذِّئۡبُ ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ بِمُؤۡمِنٍ لَّنَا وَلَوۡ كُنَّا صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۷﴾ وَجَآءُوۡ عَلٰى

کھا گیا اور آپ تو ہمارا یقین کریں گے نہیں، گو ہم (کیسے ہی) سچے ہوں ۲۵ اور اُن کے کرتے پر جھوٹ موٹ

قَمِيۡصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلۡ سَوَّلَتۡ لَكُمۡ اَنۡفُسُكُمۡ اَمۡرًا ؕ فَصَبۡرٌ

کا خون (بھی) لگا لائے (اس پر یعقوبؑ) بولے ہاں (یہ کہو کہ) تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے ۲۶ سو صبر ہی

جَمِيۡلٌ ؕ وَاللّٰهُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوۡنَ ﴿۱۸﴾

اچھا ہے۔ اور تم جو کچھ بیان کرتے ہو اس پر اللہ ہی مدد کرے ۲۷

۲۵ حضرت یعقوبؑ کا اندیشہ صحیح نکلا، برادرانِ یوسفؑ نے آکر ایک گڑھی ہوئی کہانی گھڑ کے بیان کر دی۔

اِنَّا ذَهَبۡنَا نَسۡتَبِقُ۔ یہ نوجوان یا تو شکار کے پیچھے دوڑتے ہوئے نکل گئے ہوں گے یا محض آپس میں دوڑ کا کھیل کھیل رہے ہوں گے — یا یہ کچھ بھی سرے سے نہ ہوا، سب بناوٹ ہی بناوٹ ہو۔

فَاَكَلَهُ الذِّئۡبُ۔ توریت میں صرف ایک "برا جانور" ہے تصریح بھیڑیئے کی نہیں۔

۲۶ توریت میں اس کے برعکس قصہ یوں درج ہے۔

"پھر انھوں نے یوسفؑ کی قبا کو لیا اور ایک بکری کا بچہ مارا اور اسے اس کے لہو میں ترکیا، اور انھوں نے اس بوقلموں قبا کو بھیجا، اور اپنے باپ کے پاس لائے اور کہا کہ ہم نے اسے پایا آپ اسے پہچانئے کہ یہ آپ کے بیٹے کی قبا ہے کہ نہیں اور اس نے اسے پہچانا اور کہا کہ یہ تو میرے بیٹے کی قبا ہے، کوئی بُرا درندہ اسے کھا گیا۔ یوسفؑ بے شک پھاڑا گیا۔" (پیدائش ۳۷: ۳۱-۳۳)

گویا حسب بیان توریت پیمبر نے ان فسوں سازوں کے دعوے باطل کو بالکل تسلیم کر لیا تھا۔

قرآن مجید نے حسب معمول توریت کی اس غلط بیانی کی بھی تردید کر دی۔

۲۷ (کہ مجھے توفیق صبر دے)

صَبۡرٌ جَمِيۡلٌ۔ یہ فقرہ مبتدا بھی ہو سکتا ہے اور خبر بھی، تقدیر کلام دونوں طرح جائز ہے۔

أي فأمري صبر جميل أو فصبر جميل أجمل (بیضاوی) أي فأمري صبرٌ جميلٌ أو فصبري صبرٌ جميلٌ (روح)

بڑی سی بڑی مصیبت کے وقت بھی اگر ذہن میں اس کا استحضار رہے کہ یہ ابتلاء حضرت حق کی طرف ہے جو ہر طرح حکیم بھی ہیں، اور ہر طرح رحیم و شفیق بھی، تو ظاہر ہے کہ انتہائی رنج طبعی کے ساتھ یہ تسکین عقلی بھی ضرور شامل رہے گی کہ بہر حال ہماری ہی طرح کی مصلحتیں اس سے وابستہ ہیں، صبرِ جمیل اسی کا نام ہے اور اُس کے

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَٰبُشْرَىٰ

اور ایک قافلہ آنکلا ۲۸ سو ان لوگوں نے اپنا سقہ بھیجا اور اس نے اپنا ڈول ڈالا۔ اور بول اٹھا، اے واہ!

هَٰذَا غُلَٰمٌ ۚ وَأَسَرُّوهُ بِضَٰعَةً ۚ وَٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ وَشَرَوْهُ

یہ تو ایک لڑکا نکل آیا ۲۹ اور انہوں نے اسے مال تجارت (قرار دے کر) چھپا لیا اور اللہ خوب جانتا تھا جو کچھ وہ (سب) کر رہے تھے ۳۰

بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَٰهِمَ مَعْدُودَةٍ ۚ وَكَانُوا۟ فِيهِ مِنَ ٱلزَّٰهِدِينَ ﴿٢٠﴾ ع

ع ۱۴ ۱۲

اور انہوں نے یوسفؑ کو بہت ہلکی قیمت پر گنتی کے چند درہم کے عوض فروخت کر دیا ۳۱ اور وہ ان کے بارے میں بے رغبت (سے) تھے ۳۲

حصہ دار پیمبر برحق نہ ہوں تو اور کون ہوگا۔ اس صبر جمیل کے بجائے توریت میں ہے۔

"تب یعقوبؑ نے اپنے کپڑے پھاڑے، اور ٹاٹ اپنے کولے پر ڈالا، اور بہت دن تک اپنے بیٹے کے لئے غم کیا۔" (پیدائش ۳۷ = ۳۴)

۲۸ (اس کنوئیں کے پاس سے جہاں یوسفؑ مقید تھے، اور قافلہ مدین یا عرب سے مصر کو جا رہا تھا۔)

اَلسَّیَّارَۃُ۔ سیارہ مسافروں کے گروہ کو کہتے ہیں، ریل وغیرہ کی ایجاد سے قبل لوگ قافلہ یا کارواں بنا کر ہی سفر کرتے تھے۔

السیارۃ الجمع الذین یسیرون فی الطریق للسفر (قرطبی)

توریت میں یہ تصریح ہے کہ یہ قافلہ بنی اسمٰعیل کا تھا۔

"اور وہ روٹی کھانے بیٹھے اور آنکھ اٹھائی اور دیکھا کہ اسمٰعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد سے گرم مسالہ اور روغن بلسان اور مُر اونٹوں پر لادے ہوئے آتا ہے کہ انھیں مصر کو لے جائیں۔" (پیدائش ۳۷ = ۲۵)

اس طرح کے تجارتی قافلے اس راستہ پر برابر گزرتے ہی رہتے اور یہ کنواں علاقہ سکم کے شمال میں روتن کے قریب واقع تھا، جلعاد وہی ہے جسے آج کے جغرافیہ میں شرق اردن کہتے ہیں۔

۲۹ اور سارے قافلہ والے قدرۃً بڑے خوش ہوئے۔

غُلٰمٌ۔ کی تنوین اگر تفخیم کے لئے سمجھی جائے تو ترجمہ ہوگا "ایک بڑا اچھا لڑکا"۔

وَارِدَھُمْ۔ وارد قافلہ کے اس شخص کو کہتے ہیں جو آگے جا کر اس کے لئے پانی لائے۔

الوارد الذی یتقدم لقوم فیسقی لھم۔ (راغب)

فَاَدْلٰی دَلْوَہٗ۔ حضرت یوسفؑ اس کنوئیں میں تھے، چنانچہ آپ رسی کو تھام کر باہر آگئے۔

۳۰ (یعنی اس کی نظر سے نہ برادرانِ یوسفؑ کی کارروائیاں پوشیدہ تھیں، نہ اہلِ قافلہ کی۔)

بردہ فروشی کا رواج اس وقت عام تھا اور غلاموں کی خرید و فروخت کھلے بندوں جاری تھی، یہ تجارتی قافلہ والے آخر کاروباری لوگ تھے دل میں بڑے خوش ہوئے کہ ایسے خوش جمال لڑکے کو خوب گراں قیمت پر فروخت کریں گے۔

وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً۔ لڑکے کو بڑھیا مالِ تجارت سمجھ کر چھپالیا۔

۳۱ہ برادرانِ یوسفؑ کو اس اثناء میں اطلاع مل گئی تھی، دوڑے ہوئے آئے اور قافلہ والوں سے کہا یہ تو ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے' اس سے ظاہر ہے کہ برادرانِ یوسفؑ کو یوسفؑ کی جان سے کوئی دشمنی نہ تھی' وہ تو صرف اپنے والد ماجد کے پاس سے ہٹا دینے کے درپے تھے کہ ان کے بعد خود ان کے منظورِ نظر ہو کر رہیں۔

توریت میں ہے۔

"تب یہوداہ نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ اگر ہم اپنے بھائی کو مار ڈالیں اور اس کا خون چھپا دیں تو کیا نفع ہوگا آؤ اسے اسمٰعیلیوں کے ہاتھ بیچیں اور اس پر اپنے ہاتھ نہ ڈالیں کہ وہ ہمارا بھائی اور گوشت ہے' اور اس کے بھائی راضی ہوئے۔ (پیدائش ۳۷ = ۲۶ و ۲۷)

دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ۔ توریت کا بیان ہے کہ یہ رقم ۲۰ رتی تھی۔ (پیدائش۔ ۲۷۔ ۲۸)

دَرَاهِمَ جمع دِرْہم کی۔ ایک چھوٹا سکہ چاندی کا۔

یونانی الاصل عرب کا اپنا کوئی سکہ تھا نہیں۔ درہم عرب کے شرقی اطراف، ایران، عراق، وغیرہ میں رائج تھا، اور اہلِ مکہ تجارت پیشہ تو تھے ہی، اس سکہ سے بھی خوب مانوس تھے' اور اس سے اپنے کاروبار میں کام چلاتے تھے' اس لفظ نے یہ صاف کر دیا کہ قیمت میں چاندی ہی کے کچھ کم قیمت سکے ملے تھے نہ کہ سونے کے دینار۔

اُس زمانہ کے ۲۰ فلسطینی یا مدینی سکوں کی قیمت بائبل کے مصری فاضلوں نے ۳۰۰ شلنگ ٹھہرائی ہے۔

بعض علماء نے یہاں یہ لکھا ہے کہ جب برادرانِ یوسفؑ نے آپؑ کو اپنا غلام بیان کیا ہے' تو ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس پر خاموش رہے' حالانکہ حُر (آزاد) کی بیع شریعتِ اسلام میں جائز نہیں' اس سے مسئلہ یہ نکلتا ہے کہ خوفِ ضرر سے امرِ منکر سے انکار نہ کرنا اور اس پر سکوت اختیار کرنا منافی کمال نہیں —— اور پھر بڑی بات یہ ہے کہ یوسف علیہ السّلام اس وقت پیمبر تو خیر نہیں تھے ہی، کمسن بھی اچھے خاصے تھے۔ اور کمسنی پر مستزاد اس وقت کی حالتِ خوف و ہیبت۔

دَرَاهِمَ۔ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سکہ کا رواج چالو ہو چکا تھا۔ خریداری خود نقد سے ہونے لگی تھی۔

۳۲ہ یعنی انھیں کچھ تجارت تو مقصود تھی نہیں' جو وہ دام بڑھاتے، انھیں مقصود تو اپنے خیال کے مطابق اپنے پاس سے ایک بلا کا دور کرنا تھا، اَونے پَونے جو کچھ بھی دام مل گئے، اسے غنیمت سمجھے۔

کَانُوْا۔ کی ضمیر اکثر نے بھائیوں کی جانب کی ہے اور یہی لگتی ہوئی ہے۔

والضمیر فی وکانوا ان کانوا الاخوۃ مظاهر۔ (بیضاوی)

فِیْهِ۔ ضمیرہ یوسفؑ کی جانب ہے' یعنی برادرانِ یوسفؑ، یوسفؑ کے معاملہ میں بے رغبت سے تھے، اور یہ معاملت نشاط و انشراح کے ساتھ نہیں کر رہے تھے۔

فی یوسف۔ (بیضاوی)

مِنَ الزّٰهِدِيْنَ۔ یعنی معاملہ بے دلی کے ساتھ کر رہے تھے۔

الزاهد فی الشیء الراغب عنه (راغب) الزهد قلة الرغبة۔ (قرطبی)

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى

اور جس نے اُسے مصر میں خریدا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اسے خاطر سے رکھنا کیا عجب ہے کہ ہمارے کام آوے

اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ

اور یا ہم اس کو بیٹا ہی بنالیں ۳۳ؔ اسی طرح ہم نے یوسفؑ کو (اس) سرزمین میں خوب

وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ

جما دیا تاکہ ہم انھیں باتوں کی حقیقت کی تعلیم دیں ۳۴ؔ

۳۳ؔ یہ میاں بیوی لاولد تھے اور اولاد کی تمنا رکھتے تھے۔

عکبری نحوی نے کہا کہ من الزاهدين کی ترکیب والی آیتیں اور بھی قرآن مجید میں ہیں مثلاً سورۃ البقرہ کی آیت اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ یا سورۃ المائدہ کی آیت وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ۔

یوسفؑ کی خاطرداریوں کا ذکر توریت میں بھی ہے۔

"اور خداوند یوسفؑ کے ساتھ تھا اور وہ صاحبِ اقبال ہوا، سو وہ اپنے مصری آقا کے گھر میں رہا۔ اور اس کے آقا نے دیکھا کہ خداوند اس کے ساتھ ہے اور یہ کہ خداوند نے اس کے کاموں میں اسے اقبال مند کیا، چنانچہ یوسفؑ اس کی نظر میں موردِ لطف ہوا اور اس نے اس کی خدمت کی اور اس نے اسے اپنے گھر کا مختار کیا اور سب جو کچھ کہ اس کا تھا اس کے قبضہ میں کر دیا۔ (پیدائش ۳۹=۲-۵)

اَلَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ۔ قافلہ والے یوسفؑ کو اپنے ہمراہ لائے اور ملکِ مصر میں بحیثیت غلام کے فروخت کیا۔ یہاں جس نے اچھی قیمت دے کر ایسے ہونہار اور صاحبِ آثارِ رشد غلام کو خرید کیا وہ حکومتِ مصر کا بڑا عہدہ دار تھا، توریت میں اس عہدہ دار کو فوطیفار کہا گیا ہے اور قرآن مجید نے آگے چل کر اسی کو عربی زبان میں عزیز سے تعبیر کیا ہے۔

توریت میں ہے۔

اور مدیانیوں نے اسے مصر میں فوطیفار کے ہاتھ جو فرعون کا ایک امیر اور لشکر کا رئیس تھا بیچا۔ (پیدائش ۳۷: ۳۶)

اور یوسفؑ کو مصر لائے اور فوطیفار مصری نے جو فرعونی امیر اور بادشاہ کے جلوہ داروں کا سردار تھا اسے اسماعیلیوں کے ہاتھ سے جو اُسے وہاں لائے تھے مول لے لیا۔ (پیدائش ۳۹: ۱)

مِنْ مِّصْرَ۔ یہاں یا تو مضاف اہلِ مصر کے قبل محذوف ہے۔ اور یا خود مِنْ کو فی کے معنی میں لے لیا جائے۔

مصر۔ افریقہ کا اُس وقت کا متمدن ترین ملک تجارتی تعلقات عرب سے اچھے خاصے تھے، اور امراء اپنی خدمت کے لئے لونڈی غلام خریدتے رہا کرتے۔

لِامْرَاَتِهٖ۔ عزیز کی اس بیوی کا نام توریت میں تو نہیں البتہ روایاتِ یہود میں زلیخا (ZULIKHA)

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا

اور اللہ اپنے (ہر) کام پر غالب ہے لیکن اکثر انسان (اتنا بھی) نہیں جانتے ۳۵ؔ اور جب

بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

وہ پختگی کو پہنچے ہم نے ان کو حکومت اور علم عطا فرمایا اور اسی طرح ہم نیک کاروں کو عوض دیا کرتے ہیں ۳۶ؔ

آیا ہے اور وہیں سے مسلمانوں میں بھی چل پڑا۔ اُن کے لئے عام طور پر یہ مشہور ہے کہ بعد کو حضرت یوسفؑ کے عقد نکاح میں آگئی تھیں، لیکن اس کی سند نہ قرآن مجید سے ملتی ہے، نہ حدیث صحیح سے، نہ توریت سے۔

۳۴ؔ (جو آگے چل کر ان کے کام آئے گی)

مطلب یہ ہوا کہ یوسفؑ کے نجات دینے سے ہماری غرض یہ بھی کہ ہم انھیں مادّی و روحانی ہر انعام سے مالامال کریں، اندھے کنوئیں سے نکال کر ان کی جڑ سرزمین مصر میں جما دیں اور انھیں معاملات دنیوی میں تجربہ و بصیرت کے سارے موقع بھی دے دیئے۔

كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح ہم انھیں پہلے اندھیرے کنوئیں سے نجات دلا چکے تھے، اسی طرح اب ایک بڑے سردار حکومت کے گھر میں جگہ دے کر۔

تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ۔ پر حاشیہ ابھی اوپر گذر چکا ہے۔ الفاظ قرآن کی جامعیت اور عموم حضرت یوسفؑ کے ہر قسم کے انتظامی تجربے، علم حقائقِ اشیاء اور واقفیت تدبیر منزل پر شامل ہے۔ محض خوابوں کی تعبیر تک ہرگز محدود نہیں۔ توریت میں ہے۔

"اور یوں ہوا کہ جس وقت سے اس نے اسے گھر پر اور اپنی سب چیزوں پر مختار کیا خداوند نے اُس مصری کے گھر میں یوسف علیہ السلام کے سبب سے برکت بخشی اور اُس کی سب چیزوں میں جو گھر میں اور کھیت میں تھیں، خدا کی طرف سے برکت ہوئی اور اس نے اپنا سب کچھ یوسفؑ کے قبضہ میں کر دیا اور اس نے روٹی کے سوا جسے کھا لیتا تھا کسی چیز سے کام نہ رکھا اور یوسفؑ خوبصورت اور تور سکر تھا۔" (پیدائش ۳۹=۴-۶)

۳۵ؔ دنیا کی مشرک اور جاہلی قومیں (اور کثرت انھیں کی ہے) اللہ کی اس صفت یعنی قدرت کاملہ سے متعلق طرح طرح کے غلط تصورات اور لغو عقائد میں مبتلا ہیں۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ۔ جو امور عقلِ انسانی کو مستبعد معلوم ہوتے ہیں اللہ ان کا سامان بھی خفی اور لطیف طریقوں سے کر دیتا ہے۔

۳۶ؔ قرآن مجید کا یہ ایک عام و حکیمانہ اسلوب بیان ہے کہ کسی جزئی اور مخصوص واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے معاً اس کا عام قانون بھی بیان کر دیتا ہے چنانچہ یہاں بھی یہ ارشاد ہو گیا کہ دینی و دنیوی اکرام و اعزاز یوسفؑ کے خواص ذاتی میں سے نہ تھا، بلکہ جو کوئی بھی ایمان و حسن عمل کو اپنا شعار رکھے، وہ انعامات سے سرفراز کیا جائے گا۔

اَشُدَّهٗ۔ لفظی معنی تو سن کے ہیں، جب انسان نمو و بالیدگی کی تکمیل کو پہنچ جائے۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ

اور جس عورت کے گھر میں وہ تھے وہ انھیں اپنا مطلب حاصل کرنے کو پھسلانے لگی اور دروازے بند کر لئے

وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ

اور بولی کہ بس آجاؤ ۳۷ یوسفؑ نے کہا اللہ کی پناہ ۳۸ (اور یہ وہ) میرا مربی ہے ۳۹ اس نے مجھے کیسی اچھی طرح رکھا ہے

إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٣﴾

بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے ۴۰

وَمَعْنَاہُ اِسْتِکْمَالُ الْقُوَّۃِ۔ (قرطبی)

اس پختگی عمر کی تعیین میں متعدد قول نقل ہوئے ہیں، بحر المحیط میں، ۱۸ سال سے لے کر ۸۰ سال تک کے قول درج ہیں۔

حُکْمًا وَّعِلْمًا۔ "حکم" سے مراد عام طور پر دنیوی قوت واقتدار، اور "علم" سے مراد نبوت لی گئی ہے۔

مراد ہے کہ یوسفؑ کا ایک طرف دینی وروحانی نشو نما ہوتا رہا، دوسری طرف دنیوی علوم تدبیر منزل کے بھی انھیں خوب تجربے ہوتے رہے۔

۳۷ یہ عورت جو سن میں یقیناً یوسف علیہ السلام سے بڑی ہوگی جیسا کہ آیت کریمہ "او نتخذہ ولدا" سے اشارۃً ظاہر ہو رہا ہے، حضرت یوسفؑ پر فریفتہ ہو گئی، یہاں تک کہ ان سے تعلق ناجائز پیدا کرنے پر تُل گئی محض حرام کاری جس طرح آج تہذیب فرنگ میں عورت کے لئے کوئی عیب نہیں مصر کی جاہلی تہذیب قدیم میں بھی اس کا عیب ہونا کیوں فرض کر لیا جائے؟

اَلَّتِیْ ھُوَ فِیْ بَیْتِھَا۔ قرآن مجید صاف بیتھا (اس عورت کا گھر) فرما رہا ہے بیتہ (عزیز کا گھر) نہیں کہتا۔ مصری تمدن میں عورت بڑی حد تک آزاد وخود مختار تھی، جائداد وغیرہ کی تقسیم میں بجائے سلسلۂ پدری کے سلسلۂ مادری چلتا۔

راودتہ.... ھیت لک۔ توریت میں ہے۔

"اور اس کے بعد یوں ہوا کہ اس کے آقا کی جورو کی آنکھ یوسفؑ پر لگی اور وہ بولی کہ میرے ساتھ ہمبستر ہو۔" (پیدائش ۳۹ ـ ۷)

"اور وہ ہر چند یوسفؑ کو روز روز کہتی رہی، پر اس نے اس کی نہ سنی کہ اس کے ساتھ سوئے یا اس کے ساتھ رہے۔" (پیدائش ۳۹ = ۱۰)

۳۸ (کہ میں اتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کروں)

حضرت یوسفؑ کا اس فرمائش حرام کاری کے جواب میں پہلا اور اصلی جواب یہی ہے کہ یہ دعوتِ معصیت بہر حال پناہ مانگنے کے قابل ہے۔

وھذا الاجتناب منہ علیہ السلام علی اتم الوجوہ واشارۃ الی التعلیل بانہ منکر ھائل یجب

ان یعاذ باللہ۔ (روح)

حضرتؑ کا اصل اور انتقامی جواب یہیں پر ختم ہوگیا۔

۳۹ف (اس کے ناموس میں خیانت کی جرأت کس طرح کرسکتا ہوں)

اِنَّہٗ۔ میں ضمیر زلیخا کے شوہر عزیز مصر کی جانب ہے رَبِّیْ لفظ رَبّ ظاہر ہے کہ یہاں خالق و پروردگار کے معنی میں نہیں دنیوی مالک اور آقائے مجازی کے معنی ہی میں ہے۔

کل من ملک شیئا فھو ربہ (ابوالبقاء) ولا یقال الرب مطلقا الا للہ تعالیٰ وبالاضافۃ یقال لہ ولغیرہ۔ (راغب)

حضراتِ انبیاء (قبل نبوت بھی) شاعر نہیں ہوتے ان کی زبان حقیقت سے خالی اور شاعرانہ نہیں ہوتی تمام تر حقائق کی ترجمان ہوتی ہے۔

حضرت یوسفؑ اس وقت جس کی رعایا بلکہ غلام یا مملوک تھے اس کے لئے یہ کہتے ہوئے بھی آپؑ کو مطلق عار نہ تھا آج کل کے پُرجوش خطیبوں کا سا اندازِ بیان ان کا نہیں ہوتا کہ سر تا سر محکوم اور رعیت ہو کر زبان سے بڑے بڑے شاندار الفاظ اس کے برعکس ادا کیا کریں۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ محسن اگرچہ کافر ہو جب بھی اس کی رعایت کرنا چاہئے اور اہلِ طریق اس باب میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ یہ حضرت یوسفؑ کا دوسرا اور تائیدی جواب ہوا اور فہم مخاطب کے لحاظ سے بہت اہم۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ حرام کاری ایک تو بجائے خود کسی شدید معصیت اور پھر وہ بھی کس کے ساتھ؟ اپنے آقا کے حَرَم کے ساتھ بہت سے جاہلی مذہبوں میں زناکاری بجائے خود کوئی جرم ہی نہیں ہے البتہ حقوقِ شوہری میں خیانت جُرم ہے عجب نہیں جو اس وقت کے مصری مذہب میں بھی یہی ہوا اور یہ ٹکڑا حضرتؑ نے زلیخا کے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار کرنے کے لئے اضافہ کیا ہو؟ اری تم تو شوہر دار عورت ہو جواب کے اس جزو کو جنھوں نے مرتبۂ پیمبری سے فروتر قرار دیا ہے انھوں نے خود ہی بڑی سطحیت برتی ہے، یہ جواب تو حضرتؑ کی حکیمانہ عظمت کا ایک گہرا ثبوت ہے۔

۴۰ف (ایسے محسن کا حق میں یوں ادا کروں!)

یہ تیسرا جواب حضرت یوسفؑ کا ہوا، فرماتے ہیں کہ ایک تو میں اپنے آقا کے ناموس میں خلل اندازی کروں اور پھر آقا بھی کیسا؟ ایسا محسن و شفیق! گویا کفرانِ نعمت کی حد ہی ہو گئی! البتہ توریت نے اصل جواب اسی کو قرار دیا ہے اور اس سے توریت کی کمتری بے شک قرآن کے مقابلہ میں ثابت ہوتی ہے۔ توریت میں ہے۔

"لیکن اس نے نہ مانا اور اپنے آقا کی جورو سے کہا کہ دیکھ میرا آقا کسی چیز سے جو گھر میں میرے پاس ہے، واقف نہیں۔ اور اُس نے اپنا سب کچھ میرے ہاتھ میں کر دیا، اس گھر میں مجھ سے زیادہ کوئی بڑا نہیں اور اس نے سوا تیرے کوئی چیز میرے اختیار سے باہر نہیں رکھی، اور یہ اس لئے ہے کہ تو اس کی جورو ہے پھر میں ایسی بڑی بدذاتی کیوں کروں اور خدا کا گنہگار ہوؤں"۔ (پیدائش ۳۹ : ۹)

۴۱ف (بلکہ اکثر تو آخرت سے پہلے ہی اسی دنیا میں تباہ و پریشان و رسوا ہو کر رہتے ہیں)

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا

اور اس (عورت) کے دل میں تو ان کا خیال جم ہی رہا تھا ۴۴۲ اور انھیں بھی اس (عورت) کا خیال ہو چلا تھا ۴۴۳

الظّٰلمون ۔ ظالم یہاں اپنے وسیع مفہوم میں ہر فاسق وبدکار کے مرادف ہے، یہ گویا بہ طورِ تتمیم کلام کے حضرتؑ کا چوتھا جواب ہے، یعنی آپؑ فرماتے ہیں کہ ایک اسی پر کیا موقوف ہے بدکار و فاسق کسی قسم کے بھی ہوں رسوا و نامراد ہی رہتے ہیں۔

۴۴۲ (درجۂ عزم واقدام عمل میں)

أی قصدت المخالطة وعزمت علیها عزما جازما (روح) بمعنی القصد الجازم والقصد الثابت کما هو المراد ههنا۔ (روح)

توریت میں ہے:-

"اور یوں ہوا کہ ایک دن وہ اپنے کام کے لئے گھر کے اندر گیا، اور گھر کے لوگوں میں سے وہاں کوئی نہ تھا تب اس نے اس کا پیراہن پکڑ کر کہا کہ میرے ساتھ ہمبستر ہو۔" (پیدائش ۳۹ : ۱۱)

۴۴۳ (امرِ طبعی کے درجہ میں)

خلوت کی یکجائی میں جوان عمر تندرست مرد کا محض خیال اگر جوان حسین عورت کی طرف جائے خصوصاً جب کہ پیش قدمی اور تشویق عورت کی طرف سے ہو رہی ہو، تو یہ عیب نہیں بلکہ دلیل ہے مرد کے صحیح و تندرست اور مرد ہونے کی۔

ای مال الی مخالطها بمقتضی الطبیعة البشریة ومثل ذالک لایکاد تدخل تحت التکلیف (روح) والمراد بهمه علیه السلام میل الطبع ومنازعة الشهوة لاالقصد الاختیار (بیضاوی) قال الشیخ ابومنصور الماتریدی وهم بها هم خطرة ولاصنع للعبد فی مایخطر بالقلب ولامواخذة علیه (مدارک)

همّت ۔ همّ ۔ فعل همّ ۔ عام ہے نیت وارادہ کے معنی میں۔

ماهمّ به فی نفسه (قاموس) وهمّ بالشئ ۔ یهمّ همّا نواه وارادہ وعزم علیه۔ (لسان)

لیکن خود ارادہ یا قصد بھی دو درجے رکھتا ہے، ایک خیالِ قوی، بمنزلۂ عزم، دوسرے خیالِ ضعیف امرِ طبعی کے درجہ میں، زوجۂ عزیز کے لئے همّت پہلے معنی یعنی عزم میں آیا ہے، اور حضرت یوسفؑ کے لئے دوسرے معنی خیالِ ضعیف میں، یہ فرق اہلِ لغت ولسان نے تسلیم کیا ہے۔

وسئل ثعلب عن قوله عزوجل قال همّت زلیخا بالمعصیة، ولم یأتها ولم یصر علیها بیه العصمۃ نرقه (لسان)

اور اہلِ تفسیر نے بھی یہ فرق نظر میں رکھا ہے۔

انّما عبر عنه بالهم لمجرد وقوعه فی صحبة همّها فی الذکر بطریق المشاکلة لالشبه بها۔ (روح)

پیمبر اخلاقی خطاؤں اور لغزشوں سے معصوم اور محفوظ بلاشبہ ہوتے ہیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کے احساسات طبعی مردہ ہو جاتے ہیں (اور حضرت یوسفؑ کے لئے تو یہی مسلّم نہیں کہ اس سن میں وہ نبی تھے بھی) پیمبر کے سامنے کوئی حرام غذا اگر لذیذ اور خوشبودار بنا کر رکھ دی جائے تو اس کی ناک خوشبو تو بہر حال محسوس کرے گی۔ گو اس حرام غذا

لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ

اگر اپنے پروردگار کی دلیل کو انھوں نے نہ دیکھ لیا ہوتا ۴۴؎ اسی طرح (ہم نے انھیں بچا دیا) تاکہ ہم ان سے برائی اور

وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ

بے حیائی کو دور رکھیں ۴۵؎ وہ بیشک ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے ۴۶؎ اور دونوں آگے پیچھے دروازہ کی طرف

وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ

دوڑے ۴۷؎ اور اس نے ان کا پیراہن پیچھے سے پھاڑ ڈالا ۴۸؎

کے کھانے کے لئے التفات دل میں ذرا بھی نہ پیدا ہوگا۔

جوان حسین عورت کی طرف سے اور وہ بھی خلوت خصوصی میں مرد کی طرف پیش قدمی مرد کے لئے شوق و تحریک کا انتہائی حکم رکھتی ہے اور مرد کا اس سے درجۂ طبعی میں متاثر ہونا ہرگز کسی مرتبہ تقدس و تقویٰ کے منافی نہیں بلکہ عین اس کی بشریت اور صحتِ جسمانی کا ثبوت ہے۔

۴۴؎ (لیکن وہ دلیلِ خداوندی تو ان کے علم و مشاہدہ میں تھی، اس لئے وہ ادنیٰ خیال بھی نہیں پیدا ہونے پایا)

بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۔ سے مراد ہے علم شریعت، تقویٰ و طہارت۔

والمراد برؤية لها لكمال ايقانه بها ومشاهدته لها مشاهدة واصلة إلى مرتبة عين اليقين (روح)

غرض یہ کہ اگر آپ خیال کے ابتدائی درجوں میں مبتلا ہو جاتے، جب بھی عصمتِ نبی پر حرف نہیں آسکتا تھا، چہ جائیکہ آپ کے لئے تو یہ بھی نہیں ہوا۔

۴۵؎ (چنانچہ آپ فعل اور ارادۂ فعل دونوں سے بچ گئے۔)

السُّوْٓءَ ۔ سے مراد گناہ صغیرہ ہے اور الفحشاء سے مراد کبیرہ، بعض نے کہا کہ السوء مقدماتِ معصیت سے ہے فحشاء نفسِ معصیت سے۔

السوء مقدمات الفحشاء وقيل هو الامر السيئ مطلقاً۔ (روح)

۴۶؎ (چنانچہ ان سے صدورِ معصیت کیا معنی، ارادۂ معصیت بھی نہ ہونے پایا۔

اور ارادۂ ارتکابِ حرام سے تو کیا اقدامِ حرام سے بھی بچے رہے۔

ان يوسف عليه السلام كان بريئاً عن العمل الباطل والهم الباطل وهذا قول المحققين من المفسرين والمتكلمين، وبه نقول۔ (كبير)

یہ فقرہ عصمتِ یوسفی کی توثیق کے لئے ہے۔

۴۷؎ (آگے آگے آپ کہ بھاگ کر بچنا چاہتے تھے، اور پیچھے پیچھے وہ عورت کہ دوڑ کر پکڑنا چاہتی تھی۔)

آپ نے جب دیکھا کہ کوئی صورت مخلصی کی نہیں، تو بے تحاشا باہر نکل بھاگنے کا قصد کر لیا، باوجود اس کے کہ

وَّ اَلۡفَیَا سَیِّدَ هَا لَدَا الۡبَابِ ؕ قَالَتۡ مَا جَزَآءُ مَنۡ اَرَادَ بِاَهۡلِكَ

اور دونوں نے اس کے آقا (یعنی شوہر) کو دروازہ کے پاس (کھڑا ہوا) پایا، وہ بول اٹھی کیا سزا ہے اس کی جو تیری بیوی

سُوۡٓءًا اِلَّآ اَنۡ یُّسۡجَنَ اَوۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۲۵﴾

کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے بجز اس کے کہ وہ قید میں ڈالا جائے یا (اور کوئی) عذاب دردناک (اسے ملے)

دروازے بند تھے۔ وغلقت الابواب۔

صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ کشادِ قفل میں اشارہ اس طرف ہے کہ جو دنیائے حرام سے بھاگنے کی ہمت کرتا ہے اس کے لئے نجات کی راہیں غیب سے کھل جاتی ہیں اور عارف رومی کا اشارہ اپنی مثنوی کے اس شعر میں اسی منزل کی جانب ہے ؎

نیست رخنہ گرچہ درعالم پدید ۔ ہمچو یوسف خیرہ باید دوید

۴۸ے (جیسا کہ ایسے موقع پر ہونا بالکل قدرتی ہے جب کوئی آگے آگے بھاگ رہا ہو اور کوئی دوسرا اسے پیچھے سے پکڑنا چاہے۔)

توریت میں ہے :۔

"تب اس نے اس کا پیراہن پکڑ کر کہا کہ میرے ساتھ ہم بستر ہو، وہ اپنا پیراہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگا، اور باہر نکل گیا؟" (پیدائش ۔ ۳۹ ۔ ۱۲)

صوفیہ عارفین نے کہا ہے کہ شیطان کا آخری حملہ بڑے غضب کا ہوتا ہے، تاہم نیک بندے کسی طرح اس کے ہتھے نہیں چڑھتے۔

۴۹ے زلیخا نے جب دیکھا کہ اب تو راز فاش ہوا ہی چاہتا ہے تو جھٹ یوں بات بنائی، اور الٹی اپنی مظلومیت کی داستان شوہر اور با اختیار شوہر کو سنانا شروع کر دی۔

سَیِّدَهَا۔ یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ قرآن مجید نے یہاں بھی شوہر کے لئے لفظ سیّد استعمال کیا ہے یعنی اس بیوی کا خاوند یا سردار۔

توریت میں اس مقام پر بھی حسبِ معمول ایک بلا ضرورت طویل عبارت ہے، اور اس کے بعد ہے :۔

"سو اس نے اس کا پیراہن اپنے پاس رکھا، جب تک کہ اس کا آقا گھر میں آیا تب اس نے ایسی ہی باتیں اس سے کہیں کہ یہ عبری غلام جو تو نے ہمارے پاس لا رکھا گھس آیا کہ مجھ سے ٹھٹھا کرے اور جب میں نے آواز بلند کی اور چلا اٹھی تو وہ اپنا پیراہن مجھ پاس چھوڑ کر نکل بھاگا۔" (پیدائش ۳۹ ۔ ۱۵ ۔ ۱۸)

مَا جَزَآءُ مَنۡ اَرَادَ بِاَهۡلِكَ سُوۡٓءًا۔ زلیخا کی اس فردِ قرار دادِ جرم سے بھی اسی تاریخی قرینہ کی تائید ہوتی ہے کہ اس ملک اور وقت کے قانون میں اقدامِ زنا بجائے خود کوئی جرم نہ تھا، بلکہ ناموسِ شوہری میں خیانت اصل جرم تھی۔

قَالَ هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ

(یوسف) بولے کہ یہی تو مجھے اپنا مطلب نکالنے کے لئے پھسلا رہی تھی ۵۰۔ اور اُسی (عورت) کے خاندان سے ایک گواہ نے گواہی

قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ كَانَ

دی کہ ان کا پیراہن اگر آگے سے پھٹا ہو تو وہ سچی ہے اور یہ جھوٹے اور اگر ان کا

قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۷﴾

پیراہن پیچھے سے پھٹا ہے تو وہ جھوٹی اور یہ سچے ۵۱۔

یعنی مصری تمدن اتنی ترقی کر چکا تھا کہ حکومت کی طرف سے باقاعدہ جیل خانے قائم ہو چکے تھے۔

۵۰ (اور اب الٹا الزام میرے اوپر ڈالے دیتی ہے۔)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مخالف کی شرارت کا ایسے وقت میں اظہار جب کہ اخفاء میں اپنے ضرر کا احتمال ہو، مکارمِ اخلاق کے منافی نہیں۔

۵۱ جدید قانونی اصطلاح میں ایسی گواہی کو قرائن کی گواہی (CIRCUMSTANTIAL EVIDENCE) کہتے ہیں، یہاں شاہد اور شہادت اپنے اصطلاحی فقہی معنی میں نہیں جو بہت بعد کی پیداوار ہے کہ گواہ کے عاقل ہونے بالغ ہونے، وقوعِ واقعہ کے وقت موجود ہونے وغیرہ کی بحثیں پیدا ہوں، یہ گواہ تو صرف اس معنی میں تھا کہ اس نے فریقین کے متضاد بیانات کے درمیان فیصلہ کا ایک عاقلانہ طریقہ سمجھا دیا۔

تفسیروں میں ایک حدیثِ مرفوع کے حوالہ سے آتا ہے کہ یہ گواہ ایک شیرخوار بچہ تھا جو بطور خرقِ عادت حضرت یوسفؑ کی صفائی میں بول اٹھا، لیکن بہت سے ائمۂ تفسیر نے اس کے برعکس یہ کہا ہے کہ یہ شخص زلیخا کے چچیرے بھائی اور حکیم وقت تھے، تقربِ سلطانی رکھنے والے اور درباری مشوروں میں شریک ہونے والے۔

ماکان بصبي ولکن کان رجلاً حکیماً (ابن جریر عن عکرمة) کان من خاصة الملک (ابن جریر عن ابن عباسؓ) کان رجلاً حکیماً من أهلها ذا رأي یأخذ الملک برأیه ویستشیره (کبیر) قال الحسن وعکرمة وقتادة ومجاهد لم یکن صبیاً ولکنه کان رجلاً حکیماً ذا رأي (معالم) عن ابن ملیکة عن ابن عباس کان من خاصة الملک وکذا قال مجاهد وعکرمة والحسن وقتادة والسدی ومحمد بن اسحاق وغیرهم انه کان رجلاً۔ (ابن کثیر)

فقہاء نے اس آیت کے ذیل میں ایک بڑی بحث اس کی اٹھائی ہے کہ پڑی ہوئی گم شدہ چیز جب مل جائے تو آیا محض اس کی علامات بتا دینے سے اس چیز کی ملک کا ثبوت ہو جاتا ہے یا نہیں اور جصاص کی ”احکام القرآن“ میں اس باب میں مختلف فقہاء کے مذاہب نقل ہوئے ہیں۔

فقہاء و مفسرین نے آیت سے قیاسِ شرعی کے جواز اور عرف و عادتِ قوم سے استدلال کے جواز کا بھی استنباط کیا ہے۔

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ

سو جب (عزیز نے) ان کا پیراہن پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو بول اٹھا بے شک یہ (سب) تم عورتوں کا چرتر ہے بے شک

عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٣ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚ

تم عورتوں کا چرتر غضب کا ہوتا ہے ۵۲ اے یوسف (اب) تم اسے جانے دو ۵۳ اور تو اے عورت تو اپنے قصور پر

اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ ع

معافی مانگ، بے شک تو ہی (سر تا سر) خطاوار تھی ۵۴

۳ ع ۹ ۱۴

وفی الآیۃ دلیل علی القیاس والاعتبار والعمل بالعرف والعادۃ۔ (قرطبی)

۵۲ ہندی میں اسی کید کو تریا چرتر کہتے ہیں، اور ہندی ادبیات اس طرح کے قصوں سے بھرے پڑے ہیں، جو ایک خاص مادہ نازوانداز کا ہوتا ہے، اور مرد کے دل میں عورت کے لئے جو طبعی کشش رکھ دی گئی ہے، قدرۃً اس نے عورت کے ہاتھ میں اثراندازی کا ایک زبردست حربہ دیدیا ہے۔

یہاں یہ قول اگرچہ عزیز مصر کی زبان سے نقل ہوا ہے، اس کے اپنے تجربے کچھ اسی قسم کے ہوں گے، لیکن قرآن نے بھی اسے بلا نکیر نقل کر دیا ہے۔

عزیز کے مقولہ کی تائید میں فرنگی اور ہندی حکماء نے اس موضوع پر جو کچھ کہا ہے اس کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

علماء اسلام نے ایک سوال یہاں یہ پیش کیا ہے کہ قرآن ہی نے شیطان کے کید کو ضعیف بتایا ہے "اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا" اور یہاں عورتوں کے کید کو عظیم ٹھہرایا ہے تو کیا عورتوں کا کید شیطان سے بھی بڑھا ہوا ہے؟ اور پھر اس کا جواب یہ دیا ہے کہ شیطان کا کید جو یہاں ضعیف قرار دیا گیا ہے، وہ خدائی تدبیر کے مقابلہ میں ہے، اور نسائی کید جو عظیم بتایا گیا ہے، وہ بہ مقابلہ مردوں کے ہے۔

فلا یضر کون ضعیف کید الشیطان انما ھو فی مقابلۃ کید اللہ تعالیٰ واعظم کیدھن انما ھو بالنسبۃ إلی کید الرجال۔ (روح)

لیکن صاف اور بے تکلف جواب یہ ہے کہ یہاں قرآن مجید نے اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کہا ہے، محض ایک مصری مشرک کا قول نقل کر دیا ہے۔

۵۳ انکشافِ حقیقت کے بعد عزیز پہلے تو عورتوں کی چال بازی پر نفرین کرتا ہے، پھر حضرت یوسف کی طرف مخاطب ہو کر نیم معذرت کے انداز میں کہتا ہے کہ جو ہونا تھا ہو چکا، اب تم بھی اس پر خاک ڈالو، نہ اس کا چرچا دوسروں سے کرو، نہ اس کا غبار دل میں رکھو۔

۵۴ (کہ اول تو خود اتنی بڑی جرأت کر گزری، اور پھر خواہ مخواہ ایک بے گناہ کو پھانسی دینا چاہا۔)

وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ۔ سوال یہ ہوا ہے کہ قصور کی معافی کس سے مانگی جانی تھی؟ ایک جواب

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ

اور شہر میں چند عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس سے اپنا مطلب نکالنے کو پھسلاتی ہے۔

قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۳۰

(اس کے) عشق میں دیوانی ہو گئی ہے، ہم تو اسے کھلی حماقت میں (مبتلا) پاتے ہیں ۵۵

یہ دیا گیا ہے کہ خدا سے۔

دوسرا جواب یہ منقول ہے کہ اپنے شوہر سے، مصریوں کے مشرکانہ عقائد پر نظر کرتے ہوئے پہلا قول ضعیف اور دوسرا قول قوی معلوم ہوتا ہے۔

۵۵ (کہ گری بھی تو کس پر؟ اپنے ہی خادم اور غلام پر، اور وہ بھی کون نہ اپنا ہم وطن، نہ ہم مذہب، نہ ہم نسب، بلکہ ایک پردیسی اور کنعانی!)

قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ۔ واقعہ کے چرچے مہذب اور اونچی سوسائٹی میں شروع ہو گئے، اور جیسا کہ آج تک چلا آتا ہے، مہذب اور اونچی سوسائٹی کی بیگمات نے اس میں خوب دلچسپی لی، اور ہم چشم وزیرزادیوں، امیرزادیوں نے طعنہ زنی شروع کر دی۔

نِسْوَةٌ۔ قرآن مجید میں عورتوں کا ذکر بہ صیغہ جمع بیسیوں مرتبہ آیا ہے، ہر جگہ اس مفہوم کے لئے لفظ نِسَاءٌ آیا ہے، اس عام لفظ کو چھوڑ کر قرآن میں صرف دو ہی جگہ "نِسْوَة" آخر کیوں آیا ہے؟ (ایک تو یہیں اور دوسری جگہ بھی اسی سیاق میں، چند آیتوں کے بعد) اس سوال سے ایک عقدہ حل ہوا جاتا ہے، نسوۃ جمع تکسیر ہے، اس کو جمع قلت بھی کہتے ہیں اور یہ دلالت بھی کرتی ہے قلتِ عدد پر یعنی ایسی کہنے والیاں صرف چند ہی تھیں، جمع کثرت کے لئے نساء آتی ہے۔

انہ جمع تکسیر ...... ونسوۃ کما ذکرنا جمع قلۃ۔ (بحر)

گویا قرآن نے یہ لفظ لا کر خود ادھر اشارہ کر دیا کہ ان بیویوں کی تعداد کچھ ایسی بڑی نہ تھی، یہ گنتی کی چند بیویاں تھیں، بیگم کی ہم سر و ہم چشم، چنانچہ روایتوں میں ان کی تعداد کل پانچ آتی ہے، بلکہ بعض میں چار ہی۔

لکن علی ما نقل خمسا (بحر) قال الکلبی ھی اربع (کبیر)

اور اللہ ان مفسرین کرام پر رحمت کرے، ان میں سے بعض خاص اس نکتہ تک بھی پہنچ گئے تھے۔

مثل نساء الکبراء والامراء ینکرن علی امرأۃ العزیز وھو الوزیر (ابن کثیر)

قیل نسوۃ من اشراف مصر۔ (معالم)

فِي الْمَدِينَةِ۔ معاملہ کسی قریہ قصبہ کا نہیں شہر کا تھا، اور شہر بھی کیسا ایک متحدہ ملک کا دارالحکومت۔ لیڈیوں کے فیشن ایبل طبقہ میں ایک سنسنی سی پھیل گئی۔

شَغَفَهَا۔ شغف دل کی وہ بیماری ہے جو دل کے اندر تک پہنچ جائے۔

داء یصل الی القلب فینفذ الی القلب (بحر)

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ

جب اس (عورت) نے اپنی ہم جنسوں کی چرتر کی خبر سنی، تو انھیں بلا بھیجا اور ان کے واسطے مسندیں لگا دیں ۵۶ اور

كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۖ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ

ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں چھری دیدی، اور بولی (کہ یوسف) ذرا ان کے سامنے تو آجاؤ ۵۷ اب جب ان لوگوں نے

أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ

(یوسف کو) دیکھا اس پر حیران رہ گئیں ۵۸ اور اپنے ہی ہاتھ زخمی کر لئے ۵۹

۵۶ خواتینِ مصر کے طبقۂ اُمراء میں اُس وقت اُونچی اُونچی مسندوں پر بیٹھنے اور مہمانوں کے بٹھانے کا رواج عام تھا، ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ۔ زلیخا کو بھی آخر ان لوگوں کی زبان درازیوں کی خبر پہنچی، اور انھیں نیچا دکھانے کی نئی تدبیر سُوجھی، سب کو دعوت میں اپنے ہاں بلا بھیجا "مکر" یہاں لعن طعن، طنز و تعریض کے معنی میں ہے۔

۵۷ یوسف بہر حال خادم تو اب تک تھے، انھیں گھر کی مالکہ نے آواز دی کہ سامنے آجاؤ، آگئے نظریں نیچی کئے ہوئے، چہرہ نورِ عصمت سے جگمگایا ہوا، اور شہر کی ایک سے ایک بڑھ کر حسین و جمیل وزیر زادیوں امیر زادیوں کا مجمع۔

سِكِّينًا۔ یہ چھریاں کھانے کے لئے دی گئی تھیں، مصری تمدّن کھانے کے لئے چھری چمچوں کے دستور سے بیگانہ نہ تھا، اور اللہ رحمت نازل فرمائے، چھٹی صدی ہجری کے ابو البرکات حافظ الدین محمود نسفی کو انھیں اس وقت اس حقیقت کی خبر خدا جانے کس ذریعہ سے پہنچ گئی تھی۔

وكانوا لا يأكلون في ذالك الزمان الا بالسكاكين كفعل الاعاجم۔ (مدارک)

۵۸ (اور ان کی عظمت کی بھی قائل ہو گئیں کہ یہ حُسن و جمال کا پتلا کیسا نوجوان ہے کہ ایسی زہد شکن فضا میں آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا!)

أي أعظمنه ودهشن برؤيته بجماله الفائق (روح) عن ابن عباسؓ اعظمنه۔ (قرطبی)

۵۹ ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی معجزۂ یوسفی ہو جیسا کہ بعض کا قول نقل ہوا ہے، لیکن حالاتِ طبعی کا تقاضہ بھی تو کچھ ایسا ہی تھا، اور اس کے لئے مجلس کا نقشہ ذرا وضاحت کے ساتھ پیشِ نظر کر لیجئے، دعوت اور ضیافت کا اہتمام شاہی پیمانہ پر ہے، میزبان وزیر سلطنت کی بانوے محترم ہیں عشوہ و ناز سے لبریز وزیر زادیاں اور امیر زادیاں جمع ہیں، میوؤں پھلوں سے شغل ہو رہا ہے، چھری کانٹوں کے رواج سے یوں بھی مصری تمدّن نا آشنا نہ تھا، اور اس وقت تو دور ہی میوؤں اور پھلوں کا ہے، ہاتھوں میں چھریاں ہیں، گپ شپ ہو رہی ہے، یک بیک ایک ڈرامائی انداز سے ایک نوکر سامنے لے آیا جاتا ہے اور آتا ہے تو کس طرح؟ نظریں نیچی، آنکھوں پر حیا کے پردے چہرے پر عصمت کے سہرے، جن کے چہرے اُس وقت تک خود ہی سب کو دعوتِ نظارہ دینے کے عادی تھے، وہ آپ اس وقت

وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ

اور بولیں حاشاللہ یہ آدمی نہیں یہ تو کوئی دیوتا ہے اونچے قسم کا ۵۹ وہ بولی یہی وہ شخص ہے

فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ

جس کے باب میں تم مجھے ملامت کر رہی تھیں ۶۰ بے شک میں نے اس سے اپنا مطلب نکالنا چاہا تھا لیکن یہ پاک باز رہا ۶۱

تماشائی بنے ہوئے اُس حُسن جمال، عصمت وعفاف کے پتلے کے نظارہ میں محو! اور وہ ہے کہ نہ کسی کی طرف نظر اُٹھاتا ہے، نہ کسی کی مسکراہٹ سے دیکھ لیتا ہے' ایسے میں عجب کیا جو ٹکٹکی لگ گئی ہو، اور پلک جھپکانا تک یاد نہ رہا ہو۔ اور چھریاں بجائے پھلوں کے ہاتھوں کی جلد پر چل گئی ہوں۔

پھر آیت کے الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہاتھ سب ہی کے کٹے ہوئے ہوں، دو چار کا بھی زخمی ہوجانا صیغہ جمع لانے کے لئے کافی ہے۔

اور قطع سے یہ مراد نہیں کہ ہاتھ کاٹ ہی ڈالے، محض زخم کا خراش آجانا بھی کافی ہے۔

أي جرحنها (کشاف) اي جرحنها بما في أيديهن۔ (روح)

۵۹ یوسف علیہ السلام حسن وجمال میں تو ممتاز تھے ہی۔ توریت میں ہے:۔

"اور یوسف خوبصورت اور نور پیکر تھا" (پیدائش ۳۹-۶)

تقویٰ اور عفاف میں بھی اپنی مثال آپ تھے، جاہلی متمدن قوم کی عورتیں تقویٰ اور عفاف کے اس معیار سے بھلا کیا واقف؟ دنگ ہوگئیں، آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، اور اپنی زبان میں بول اٹھیں کہ یہ نوجوان انسان کاہے کو ہے، یہ تو کوئی دیوتا ہیں، آکاش سے اُترے چلے آرہے ہیں۔

ملك كريم۔ یعنی شرافت وتقویٰ کا پُتلا۔

اي شريف كثير المحاسن (روح)

مَلَكٌ۔ بمعنی فرشتہ تمام تر ایک اسلامی تخیل ہے، اور یہاں قول مشرک عورتوں کا نقل ہو رہا ہے جو مَلَک کے تصور ہی سے ناآشنا ہیں' اس لئے ترجمہ "دیوتا" سے کیا گیا۔

حَاشَ لِلّٰهِ۔ عربی محاورہ میں کلمۂ تعجب ہے، مصر کی فیشن ایبل لیڈیاں اس حسین کنعانی نوجوان کے کمالِ عفت وتقویٰ پر دنگ ومتحیر ہوکر زبان پر لارہی ہیں۔

فالتعجب عن قدرته على خلق عفيف مثله۔ (بحر)

۶۰ (تو اب تو قائل ہوئیں) اور جسے معمولی کنعانی غلام سمجھ رہی تھیں وہ کیسا حسین وجمیل جوان رعنا نکلا۔

فيه۔ ضمیر یوسف کی جانب بھی سمجھی گئی ہے اور حُبِّ یوسف کی طرف بھی۔

۶۱ یوسف صدیقؑ کی پاک دامنی پر یہ مزید بلیغ شہادت زلیخا کی زبان سے ہے۔

فَاسْتَعْصَمَ۔ استعصام نام ہے کمال پاکبازی اور شدتِ احتیاط کا، یعنی میں نے اپنی طرف لگاوٹ کی

وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

اور اگر (آئندہ) اس نے وہ نہ کیا جو میں اس سے کہہ رہی ہوں تو بیشک ضرور قید میں ڈالا جائے گا اور بے عزت بھی ہوگا[۶۳]

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ

(یوسف نے) عرض کی کہ اے میرے پروردگار قید خانہ مجھے گوارا تر ہے بہ مقابلہ اس (کام) کے جس کی طرف مجھے یہ لوگ بلا رہی ہیں[۶۴]

عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾

اور اگر تو ان کے چرتر کو مجھ سے دفع نہ کرے گا تو میں انہیں کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانوں میں شامل ہو جاؤں گا[۶۵]

کوئی کسر چھوڑی نہیں، لیکن یہ ہر طرح پاکیزہ، صاف بے لوث نکلے۔

الاستعصام بناء مبالغة على الامتناع البليغ والتحفظ الشديد۔ (کشاف)

۶۳ یہ حضرت یوسفؑ کو دھمکاتے اور سناتے کو ہے، اور دوسری حسین وجمیل خاتونیں، امیرزادیاں اور وزیرزادیاں بھی عجب نہیں جو یوسفؑ کو سمجھانے بجھانے کو لگی ہوں کہ یہ کیسی حماقت ہے، جو ایسی حسین و نازنین مالکہ کو اپنے سے ناخوش کر رہے ہو۔

قید خانے کی تاریخ دنیا میں بہت قدیم ہے، اور مصر کے اس عہد کی حکومت میں قید خانے نہ صرف موجود تھے، بلکہ ایک سرکاری جیل کے علاوہ متعدد بڑے معابد کے تحت میں جیل موجود تھے، البتہ جیل میں عیش و آرام کے سازوسامان جو اب موجود ہو گئے ہیں، قدیم جیل خانے ان سے ناآشنا تھے۔

۶۴ زلیخا نے ابھی ابھی قید کی دھمکی دی تھی ـــــ اس پر یوسفؑ دعا میں عرض کرتے ہیں کہ پروردگار مجھے جیل کی سختیاں گوارا ہیں، اور ان لوگوں کے نفسانی مشوروں پر عمل گوارا نہیں، اللہ اکبر کیا مقام تھا عصمت یوسفی کا! ـــ خوب خیال رہے کہ حضرت یوسفؑ جیل خانے کی دعائیں کر رہے ہیں، جیل جانا اپنا مقصود نہیں قرار دے رہے ہیں، صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ معصیت کا صدور مجھے تو جیل کی سختیوں سے بھی ناگوار تر ہے۔

يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ـ یہ دعوت معصیت دینے والی زنان مصر کی ٹولی کی ٹولی تھی۔

بعض عارفوں نے کہا کہ مصیبت کو معصیت پر اختیار کرنا صدیقین کا شیوہ ہے، اور اپنے تقویٰ وعمل پر بھروسہ نہ رکھنا بلکہ معصیت کے دواعی و اسباب سے بھاگتے رہنا سعادت مندوں کا شعار ہے۔

۶۵ کمال عبدیت وشکستگی یہ ہے کہ کمال تقویٰ پر بھی ناز واعتماد اپنی ذات پر نہیں ہوتا دعا بس اللہ تعالیٰ ہی سے ہے کہ آپ ہی مجھے سنبھالے رکھئے، جیسا کہ اب تک سنبھالے رکھا ہے، ورنہ مجھ بشر کی کیا بساط ہے کہ ان ترغیبات کے سامنے ثابت قدم رہ سکوں ـــ اللہ اکبر! اپنے نفس سے یہ بے اعتمادی اس صدیق اعظم تک کو ہے تو پھر عام اولیاء اصفیاء کس شمار میں ہیں۔

مفسر تھانویؒ نے یہاں خوب فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کی یہ دعا ذرا بھی منافی عصمت کے نہیں، کیونکہ

فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٤﴾

پس اُن کے پروردگار نے اُن کی دعا قبول کرلی اور اُن سے عورتوں کے چرتر کو دور رکھا ۶۶ بے شک وہ تو بڑا سننے والا خوب جاننے والا ہے ۶۷

ثُمَّ بَدَا لَهُم مِّن بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ لَيَسْجُنُنَّهُ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٣٥﴾

پھر ان لوگوں کو بعد اس کے کہ وہ ثبوت دیکھ چکے تھے یہی مصلحت ہوئی کہ (یوسف کو) ایک مدت کے لئے قید میں رکھیں ۶۸

عصمت بھی تو بدولت حفاظت خداوندی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی نظر اصل مؤثر کی طرف ہوتی ہے اس لئے ان کو اپنی عصمت پر اعتماد و ناز ذرا نہیں ہوتا۔ ”وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّی“ کے کھلے ہوئے معنی اِصْرِفْ عَنِّی کے ہیں، جیسا کہ اگلی ہی آیت میں فَصَرَفَ عَنْهُ سے ظاہر ہوا جاتا ہے۔

اَكُن مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ۔ یہاں گویا یہ بتا دیا کہ تقویٰ کے برعکس راہ اختیار کرنا شعار اہل جاہلیت کا ہے، لفظ جاہلیت کا تعلق تمام تر کردار و سیرت سے ہے، خواندگی اور تعلیم ظاہری کے فقدان سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

عارفوں نے کہا ہے کہ اپنے نفس کو خاطی اور عاجز جاننا اور ہر توفیق خیر منجانب اللہ جاننا اور خبث اپنے نفس کی جانب منسوب کرتے رہنا صالحین و متقین کی روش ہے۔

دَلَّ هٰذَا عَلٰى اَنَّ اَحَدًا لَا يَمْتَنِعُ عَنْ مَعْصِيَتِهٖ اِلَّا بِعَوْنِ اللّٰهِ۔ (قرطبی)

محققین نے کہا ہے کہ یہ مقام کمال صدیقیت ہے، جوان حسین امیر زادی خود اپنی طرف بلا رہی ہے اور آپ بھی نوجوان ہیں، حسین ہیں، اس پر بھی خوفِ خدا اس درجہ غالب ہے کہ ان لذتوں کو چھوڑ کر جیل جانا گوارا کر لیتے ہیں۔

وهذا فى غاية مقامات الكمال انه مع شبابه وجماله وكماله تدعوه سيدته وهى امراة عزيز مصر وهى مع هذا فى غاية الجمال والمال والرياسة ويمتنع من ذالك ويختار السجن على ذالك خوفا من الله ورجاء ثوابه۔ (ابن کثیر)

۶۶ یعنی آپ کو عصمت و عفاف کے مقام بلند سے ذرا بھی ہٹنے نہ دیا۔

فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ۔ آپ کی دعا وہ کون سی تھی جو قبول ہوئی! وہ دعا بھی ثبات عصمت کی تھی کہ ایسے تقویٰ شکن حالات میں بھی میرے قدم ثبات کو ذرا بھی لغزش نہ ہو۔

۶۷ ”سمیع“، یعنی بڑا سننے والا دعاؤں اور ظاہر الفاظ کا، اور ”علیم“ خوب جاننے والا دلوں کے احوال و اسرار کا، قرآن مجید ملائکہ پرستی کی طرح انبیاء پرستی کے امکان پر بار بار ضرب لگاتا جاتا ہے، اور اصلی صفات کمال کو اللہ ہی کی جانب منسوب کرتا رہتا ہے۔

۶۸ (اور یہ غالباً رفع بدنامی کے خیال سے)

ایک عبرانی غلام کے ہاتھوں ایک مصری امیر زادی کی کتنی بدنامی ہو چکی تھی اس کے لئے انتظاماً یہ ضروری معلوم ہوا کہ ایک مدت تک کے لئے خود اس غلام کو عام نگاہوں اور چرچوں سے دور کہیں محبوس کر دیا جائے۔

لَهُمْ۔ یعنی خود عزیز اور اس کے مشیروں کو حکومت وقت کو۔۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ ۖ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا ۖ

اور (یوسف) کے ساتھ جیل خانہ میں دو (اور) جوان داخل ہوئے ان میں سے ایک نے کہا کہ میں اپنے کو (خواب میں) کیا دیکھتا ہوں کہ میں (انگور کا) شیرہ نچوڑ رہا ہوں

یعنی للعزیز وأصحابہ فی الرأی (معالم) ای للعزیز وأصحابہ المتصدین للحل والعقد (روح)

ای للعزیز وأھل مشورتہ ۔ (قرطبی)

من بعد ما راوا الاٰیٰت ۔ یعنی بعد اس کے کہ انھیں شہادتیں، یوسفؑ کی پاکدامنی اور بے قصوری کی مل چکی تھیں، اور وہ خود بھی اس پر یقین کر چکے تھے۔

لیسجننہ ۔ یہ جیل خانہ عام اور معمولی نہ تھا، سخت قسم کا اور خطرناک مجرموں کے لئے مخصوص تھا، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

توریت میں ہے :۔

"اور یوسف کے آقا نے اس کو پکڑا اور ایک جگہ جہاں بادشاہ کے قیدی بند تھے، قید میں ڈالا"۔ (پیدائش ۳۹: ۲۰)

الاٰیٰت ۔ سے مراد یوسفؑ کی بے گناہی اور عصمت کی شہادتیں ہیں۔

وھی الشواھد الدالۃ علیٰ براءتہ علیہ السلام وطھارتہ ۔ (روح)

حتّٰی حین ۔ اکثر قدیم قوانین میں ایک دستور یہ تھا کہ بادشاہ مجرم کو سزا کسی مخصوص و متعین میعاد کے لئے نہیں دیتا تھا، بلکہ جب تک اپنی مرضی ہو اسے قید رکھتا تھا، حضرت یوسفؑ کی سزا پابی بھی عجب نہیں کہ اسی قسم کی ہو ہماری تفسیروں میں اس میعاد کے متعلق متعدد اقوال نقل ہوئے ہیں، لیکن بہتر یہی ہے کہ کسی میعاد معیّن کا حکم نہ لگایا جائے، بلکہ محض ایک طویل مدت مراد لی جائے۔

والاولی أن لا یجزم بمقدار وانما یجزم بالمدۃ الطویلۃ (روح)

والصحیح ان ھذہ المقادیر غیر معلومۃ وانما القدر المعلوم انہ بقی محبوسًا مدۃ طویلۃ ۔ (کبیر)

حتّٰی ۔ إلی کے معنی میں ہے۔

ای إلی مدۃ غیر معلومۃ (قرطبی) إلی (جلالین)

۶۹ ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی تھا، دوسرا شاہی نان پز، الزام دونوں پر یہ تھا کہ انھوں نے بادشاہ کو زہر دینا چاہا تھا، تحقیقات اسی جرم کی ہو رہی تھی، اور یہ لوگ جیل کی حوالات میں بند کر دیئے گئے تھے۔

توریت میں ہے :

"بعد ان باتوں کے یوں ہوا کہ شاہ مصر کا ساقی اور نان پز اپنے خداوند شاہ مصر کے مجرم ہوئے اور فرعون اپنے دو سرداروں پر جن میں ایک ساقیوں کا دوسرا نان پزوں کا داروغہ تھا غصہ ہوا اور اس نے اُن کی نگہبانی کے لئے جلوداروں کے سردار کے گھر میں اسی جگہ جہاں یوسف بند تھا، قید خانہ میں ڈالا"۔

(پیدائش ۴۰: ۱-۳)

وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْهُ ؕ

اور دوسرے نے کہا کہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر (خوان میں) روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اس میں پرندے (نوچ نوچ) کر کھا

نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳۶﴾

رہے ہیں ۵۷ آپ ہم کو اس کی تعبیر بتائیے، بے شک ہم تو آپ کو بزرگوں میں پاتے ہیں ۵۷۲

مَعَهٗ ۔ یعنی اسی زمانہ میں یہ لازم نہیں کہ یہ دونوں حضرتؑ کے بالکل ساتھ ہی ساتھ داخل ہوئے ہوں ۔

۵۷۰ (انگور سے)

متقی کہیں بھی ہو، کسی فضا و ماحول میں ہو، آثارِ تقویٰ بے ظاہر ہوئے رہ نہیں سکتے، چند ہی روز میں ان قیدیوں نے حضرت یوسفؑ میں بزرگی کے آثار پالئے تھے، اور ان کے سامنے اپنے اپنے خواب عرض کئے، پہلا خواب شاہی ساقی کا ہے۔

توریت میں ہے:—

"وہ بولے ہم نے ایک خواب دیکھا ہے جس کی تعبیر کرنے والا کوئی نہیں، یوسفؑ نے انھیں کہا کیا تعبیر کی قدرت خدا کو نہیں؟ مجھ سے بیان کیجیے تب سردار ساقی نے اپنا خواب یوسفؑ سے بیان کیا اور اس نے کہا دیکھ میرے خواب میں ایک تاک میرے سامنے تھی، اس تاک میں تین ڈالیاں تھیں، اُن میں کلیاں نکلیں اور ان میں پھول آئے اور اس کے سب گچھوں میں انگور پکے اور فرعون کا پیالہ میرے ہاتھ میں تھا، سو میں نے ان انگوروں کو لے کے فرعون کے جام میں نچوڑا، اور وہ جام میں نے فرعون کے ہاتھ میں دیا۔" (پیدائش ۴۰: ۸-۱۱)

اَعْصِرُ خَمْرًا ۔ سے شراب و شربت دونوں کے پہلو نکل سکتے ہیں ۔

یہ بادشاہ انگور کا شربت پیا کرتا تھا ۔

۵۷۱ یہ خواب بادشاہی نان پز کا تھا ۔

توریت میں اس کی زبان سے ہے:—

"میں بھی خواب میں تھا، اور دیکھا کہ سر پر تین ٹوکریاں روٹی کی تھیں اور اوپر کی ٹوکری میں فرعون کے لئے سب قسم کا پکا ہوا مال تھا، اور پرندے میرے سر پر ٹوکری میں سے کھاتے تھے۔" (پیدائش ۴۰: ۱۱-۱۷)

۵۷۲ آپ کو ضرور تعبیر رویا میں دخل ہوگا ۔

حسن و جمال کی طرح اخلاقی فضل و روحانی کمال بھی چھپنے والی چیز نہیں، اور اس کا اثر منکر اور بیگانے تک محسوس کر لیتے ہیں، قدیم قوموں میں "غیب دانی" کی باقاعدہ و متعین شکل معروف و متعارف بھی بہت تھی — جیل کے جو قیدی ساتھ میں تھے ظاہر ہے کہ ان میں، مسلم و موحد کوئی نہ تھا — سب شرک ہی کے پیرو تھے، لیکن حضرت یوسفؑ کی روحانیت کا یہ ایک معجزہ تھا کہ آپ کے فضائل اخلاق و اطوار سے وہ منکرین بھی سحر اور آپ کی بزرگی کے قائل ہو گئے تھے، ایک معجزہ کمالِ صفت و تقویٰ کا مصر لیڈیوں پر ضیافت زلیخا کے موقع پر ہوا تھا، دوسرا یہ کمال ۔

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ

وہ بولے جو کھانا تم دونوں کے کھانے کے لیے آتا ہے وہ ابھی آنے نہ پائے گا میں اس کی تعبیر تم سے بیان کردوں گا قبل اس کے کہ

يَأْتِيَكُمَا ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ؕ

(کھانا) تم دونوں کے پاس آئے ۳۳ے یہ اس میں سے ہے جس کی میرے پروردگار نے مجھے تعلیم دی ہے ۳۴ے

توریت میں ہے :-

"وہ وہاں قید خانہ میں رہا کرتا تھا، لیکن خداوند یوسفؑ کے ساتھ تھا۔" (پیدائش ۳۹ : ۲۰-۲۱)

قتادہؒ تابعی کے قول میں ہے کہ آپ مریضوں کا علاج کرتے تھے، غمگینوں کو تسلی دیتے تھے اور عبادت میں منہمک رہتے تھے، اور دوسرے اقوال بھی ایسے ہی نقل ہوئے ہیں۔

قال قتادہ کان یداوی مریضھم ویعزی حزینھم ویجتھد فی عبادۃ ربہ (جصاص)

وقیل کان یعین المظلوم وینصر الضعیف ویعود المریض (جصاص) معناہ انا نراک تؤثر الاحسان وتاتی بمکارم الاخلاق وجمیع الافعال الحمیدۃ (کبیر)

اور توریت میں ہے :-

"قید خانہ کے داروغہ نے سب قیدیوں کو جو قید میں تھے، یوسفؑ کے ہاتھ میں سونپا اور جو کچھ وہ کرتے اسی کے حکم سے کرتے تھے، اور قید خانہ کا داروغہ سب کاموں کی طرف سے جو اس کے ہاتھ میں تھے بے فکر تھا۔" (پیدائش ۳۹ : ۲۲-۲۳)

بتاویلہ۔ میں ضمیر دونوں خوابوں کے مجموعے کی طرف ہے۔

والضمیر للرؤیتین بتاویل ماذکرا ؤمارؤی (روح) والضمیر علی ما فیھما علیہ (کشاف)

۳۳ے آپؑ نے فرمایا کہ ابھی تمہارا کھانا آنے بھی نہ پائے گا کہ میں خواب کی تعبیر بتادوں گا، بس ایک ذرا دم لو، اور اس درمیان میں آپ کو موقع تبلیغ توحید کا ہاتھ آگیا۔

بِتَأْوِيلِهِ۔ میں ضمیر ان بیان شدہ خوابوں کے مجموعہ کی طرف ہے۔

ای بتاویل ما قصصتھما علی۔ (بیضاوی)

۳۴ے (نہ کہ علم جوتش، نجوم، کہانت وغیرہ کا کوئی شعبہ جس کا مصر جاہلی میں اتنا زور تھا۔)

آپؑ نے پہلے تو مصری سائلوں کے اس ممکن خیال کو مٹایا کہ آپؑ کا ملکۂ تعبیر بھی جوتشیوں وغیرہ کے عملیات کے قسم کا ہے، اور پھر آپ اپنے ذاتی کمال کی نفی کرکے اپنے علم کو تمام تر افضال الٰہی کا ثمرہ قرار دے رہے ہیں ——— اور یوں دین حق کی تبلیغ معاً شروع کردی۔

ذٰلِكُمَا۔ یعنی یہ علم تعبیر رؤیا۔

ای ذلک التاویل۔ (بیضاوی)

إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿۳۷﴾

میں تو ان لوگوں کا مذہب (پہلے ہی سے) چھوڑے ہوئے ہوں جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے وہ (بالکل ہی) منکر ہیں۔

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ

اور میں نے تو مذہب اپنے بزرگوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا مذہب اختیار کر رکھا ہے۔

ذٰلِکَ ۔ کا اشارہ بعید اس علم کے شرف منزلت کے اظہار کے لئے ہے۔

ومعنی البعد فی ذلک الاشارۃ الی بعد منزلتہ وعلو درجتہ۔ (روح)

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ کوئی عالم دین اگر اپنے کمالات و اوصاف اس نیت سے بیان کرے کہ لوگ ان سے نفع اٹھائیں تو جائز ہے۔

۵۵ مصری مذہب عقیدۂ توحید اور وقوع آخرت دونوں کا منکر تھا۔

تَرَكْتُ ۔ کا یہ مطلب نہیں کہ آپ پہلے دین شرک پر تھے اور اب اسے چھوڑا ہے، تَرَک کے معنی عدم اختیار کے ہیں اور یہ ضروری ہرگز نہیں کہ انسان پہلے اس عادت میں پڑ چکا ہو۔

الترک عبارۃ عن عدم التعرض للشیٔ ولیس من شرط ان یکون قد کان خائضا فیہ (کبیر)

والمراد بالترک الامتناع۔ (روح)

یہ مراد بھی لی گئی ہے کہ اب تک مصری آپ کو اپنا ہم مذہب سمجھ رہے تھے، اور آپ نے کھل کر کہیں اپنے عقائد کا اظہار کیا نہ تھا، آج پہلی بار آپ علانیہ توحید کی تبلیغ کر رہے ہیں، اور اپنے مخاطبین کے خیال کے مطابق اپنے دینِ سابق سے نکل چکے ہیں۔

ھُمْ کی تکرار تاکید معنی کے لئے ہے، ترجمہ میں اس لئے "بالکل ہی" کا اضافہ قوسین کے اندر کر دیا گیا ہے، وقوع آخرت کے اہلِ مصر خصوصیت سے منکر تھے۔

کُرِّرَ ھٰذا اللفظ للتاکید۔ (کبیر)

توریت حسب معمول ان مطالب عالی سے بالکل خالی ہے۔

۵۶ اپنی عالی نسبی کا ذکر ایسے موقع پر بالکل جائز ہے، مقصود اس سے سامعین کے دل میں جذبۂ شوق و توجہ کو ترقی دینا تھا، یوسفؑ خود اس وقت تک اپنے مخاطبین کی نظر میں ایک معمولی اور گمنام سے شخص تھے، بخلاف اس کے اُن کے آباء و اجداد کا نام اس وقت بھی بحیثیت موحد و داعی دین توحید کے مشہور ہو چکا تھا، اور ان کی شہرت حدود کنعان سے باہر اچھی خاصی پھیل چکی تھی۔

اِتَّبَعْتُ مِلَّةَ ...... یعقوب ۔ یوسفؑ ظاہر ہے کہ ملت توحید ہی پر تھے لیکن قرآن مجید کے اس اسلوب بیان سے اس طریقے کا بھی جواز نکل آیا، بلکہ اس کی سند ہاتھ آ گئی کہ حسب موقع و مصلحت مومن اپنے دین کو رجال اکابر کی جانب منسوب کرے، اور قرآن مجید میں اس کی مثالیں بھی جا بجا ملتی ہیں۔ مثلاً

مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا

ہم کو کسی طرح زیبا نہیں کہ اللہ کے ساتھ ہم کسی شئی کو بھی شریک قرار دیں ۷۷ یہ اللہ کا ایک فضل ہے ہمارے اوپر اور

وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ

کل لوگوں کے اوپر لیکن اکثر لوگ (اس نعمت کا) شکر نہیں ادا کرتے ۷۸ اے یاران محبس جدا جدا معبود

ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾

اچھے یا اللہ اکیلا سب پر غالب ۷۹

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ (سورۃ الحج)

بَلْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا۔ (سورۃ البقرۃ) وغیرہ

۷۷ (خواہ کسی حیثیت سے ہو)

اس میں شرک کی ہمہ جہتی نفی آگئی اور شرک کی ہر قسم سے انکار آگیا، بت پرستی، ستارہ پرستی، آتش پرستی، نیچر پرستی وغیرہ سب سے۔

مِنْ شَيْءٍ۔ اسی نفی کامل کے لئے ہے۔

مِنْ للتاكيد۔ (قرطبی)

لَنَا سے مراد گروہِ انبیاء بھی لی گئی ہے اور اولاد ابراہیم بھی لیکن ایک مراد نوعِ انسان بھی ہو سکتی ہے، یعنی شرک کسی انسان کو بھی زیبا نہیں۔

۷۸ یعنی اس نعمت کی نہ قدر کرتے ہیں، نہ اُس کا حق ادا کرتے ہیں۔

ذٰلِكَ۔ یعنی یہی عقیدۂ توحید و دینِ حق۔

أي التوحيد۔ (بیضاوی)

هو ترك الإشراك۔ (کبیر)

عَلَى النَّاسِ۔ الناس سے مراد یا مؤمنین موحدین ہیں۔

على المؤمنين الذين عصمهم الله من الشرك۔ (قرطبی)

اور یا مراد ہیں وہ لوگ جن میں رسول بھیجے گئے تھے۔

۷۹ مخاطبہ مشرکوں سے تھا جنھوں نے ہر ہر شعبۂ زندگی کے لئے الگ الگ دیوی دیوتا مقرر کر رکھے تھے، حضرتؑ اُن سے دریافت فرماتے ہیں کہ اس تعدد و تفرق پر بھی کبھی غور کیا ہے؟ بندگی خدائے واحد و زبردست کی بھلی یا اتنے ایک دیوی دیوتاؤں کی!

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ

تم لوگ تو اسے چھوڑ کر بس (چند) ناموں کی عبادت کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں ۸۰ اللہ

مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا

نے کوئی بھی دلیل اس پر نہیں اتاری ہے ۸۱ حکم (اور حکومت) صرف اللہ ہی کا حق ہے ۸۲ اسی نے حکم

اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ

دیا کہ بجز اس کے کسی کی پرستش نہ کرو یہی دین مستقیم ہے ۸۳

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ۔ سائلین غیر اور دوسرے قیدیوں کو یارانِ محبس یا رفقاءِ محبس کا کہنا نہایت بلیغ شیریں تخاطب ہے۔

الْقَهَّارُ۔ یعنی وہ جو سب پر غالب اور کوئی اس پر غالب نہ ہو۔

نہ شیوجی، نہ کوئی اور دیوی دیوتا اس سے ٹکر لینے کے لئے۔

ای الغالب الذی لایغالب أحد (روح) الذی قهر کل شئ (قرطبی) ای الغالب الذی لایعادله ولایقاومه غیره (بیضاوی) القاهر والغالب کل خلائق وقهار للمبالغة۔ (نهایة)

۸۰ یعنی تمہارے ان گھڑے ہوئے معبودوں کی حقیقت ہی کیا؟ اُن کا وجود خارجی، بہ حیثیت معبود ہے کہاں؟ یہ تو صرف چند گڑھے ہوئے نام ہیں حقیقت سے بالکل خالی، نام جو اور جتنے چاہو گڑھ لو کوئی ثبوت ادنیٰ سا بھی تو اُن کی خدائی کا لاؤ۔

اٰبَآؤُكُمْ۔ میں اشارہ ہے کہ دین شرک محض اندھی تقلید کے بل پر چل رہا ہے۔

۸۱ (نہ عقلی نہ نقلی)

یعنی شرک پر دلیل کوئی سی بھی قائم نہیں، تم دلیل توحید پر مانگتے ہو کوئی معمولی سی دلیل شرک پر تو لاؤ۔

بِهَا۔ میں ضمیر غیر اللہ کی معبودیت کی طرف ہے یا اُن کے خدائی نام رکھ لینے کی طرف۔

ای بعبادتها (جلالین) بتسمیتها۔ (کشاف)

۸۲ حکم تکوینی صرف اسی کا چل رہا ہے، کائنات کا کون سا شعبہ یہ ہوا، پانی، آگ، بادل، موت زندگی، بیماری صحت آخر کون سی چیز تمہارے کسی دیوی دیوتا کے حکم و اختیار سے چل رہی ہے؟ اس کا کوئی ادنیٰ بھی ثبوت پیش کرو، اور اس حکم تکوینی کے ساتھ حکم تشریعی بھی صرف اسی کا حق ہے، اِن مسائل میں کہ جن میں اس نے خدائی تشریع کی ضرورت سمجھی اور باقی مسائل اس نے عقل و بصیرت دے کر بندوں ہی کے اوپر چھوڑ دیئے ہیں حکم تشریعی بھی کسی دیوی دیوتا کا نہیں چل سکتا، آیت کی اس صحیح تفسیر کے بعد خوارج قدیم و جدید کو کوئی موقع اپنے دعویٰ کے اثبات کا نہ رہا۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (٤٠) يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ

لیکن اکثر لوگ نہیں علم رکھتے ۵۸۴ اے یارانِ مجلس تم میں سے ایک تو

اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ

اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا ۵۸۵ اور رہا دوسرا سو اسے سولی دی جائے گی پھر اس کے

الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ (٤١)

سر کو پرندے نوچ نوچ کر کھائیں گے ۵۸۶ وہ امر (اسی طرح) مقدر ہو چکا ہے جس کی بابت تم دونوں پوچھ رہے ہو ۵۸۷

۵۸۳ (جو ہمیشہ چلا آ رہا ہے)
قرآن مجید نے اس حقیقت کا اعلان دعوی کے ساتھ بار بار کیا ہے کہ دینِ فطرت اور انسان کا دینِ قدیم یہی مسلکِ توحید ہے، اور شرک کی آمیزش بعد کو ہوئی ہے، انیسویں صدی عیسوی کے "روشن خیال" مدتوں اس منزل میں بھٹکتے رہے، اور یہی کہے گئے کہ انسان تو رفتہ رفتہ ارتقاء کے ذریعہ سے شرک سے توحید تک پہنچا ہے یہاں تک کہ اب بیسویں صدی میں بڑے بڑے اہلِ سائنس کو بھی قائل ہونا پڑا ہے کہ انسان کا قدیم ترین دین توحید ہی تھا، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

۵۸۴ یعنی ایسی صاف اور سیدھی بات پر بھی اکثر لوگ جمود، رسم پرستی یا عناد کی بناء پر غور نہیں کرتے اور اس سے انکار ہی کرتے رہتے ہیں۔

۵۸۵ (جیسا کہ پہلے سے پلاتا رہتا تھا)
یہ خطاب ساقی سے ہے۔ خواب کی تعبیر اب جا کر شروع ہوتی ہے، اتنی مفصل اور حکیمانہ دعوتِ توحید کے بعد —— توریت میں ایک لفظ بھی اس وعظ کا نہیں۔

توریت میں ہے:—
"تب یوسف بولا اس کی تعبیر یہ ہے کہ یہ تینوں ڈالیاں تین دن تھیں، اور فرعون اب سے تین دن میں ادو بکاری کرے گا، اور تجھے تیرا منصب پھر دے گا، اور تو آگے کی طرح جب تو فرعون کا ساقی تھا، اس کے ہاتھ میں پھر جام دے گا" (پیدائش ۴۰: ۱۳)

بائبل میں لفظ ساقی یا نان پز جس قیدی کے لئے آیا ہے، بائبل کی شرحوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ داروغۂ مطبخ ہی کی طرح کوئی معزز عہدہ شاہانِ مصر کے ہاں تھا۔

رَبَّهٗ۔ رب سے مراد ظاہر ہے کہ اس ساقی کا آقا یا بادشاہِ مصر ہے، اور قرآن مجید میں رب آقائے مجازی کے معنی میں بار بار آیا ہے "مفردات راغب" میں ہے کہ یہ لفظ رب حالتِ اضافت میں غیر اللہ پر بھی بولا جاتا ہے، مثلاً: رَبُّ الدَّارِ، رَبُّ الفَرَسِ۔

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ؛

اور دونوں میں سے جس شخص کے متعلق رہائی کا یقین تھا، اس سے (یوسف نے) کہا میرا بھی ذکر اپنے آقا کے سامنے کر دینا ۵۸۹

رب کل شیء مالکہ، الرب اسم من اسماء اللہ۔ (جوھری)

ورب کل شیء مالکہ مستحقہ وصاحبہ (قاموس)

یقال فلان رب ھذا الشیء ملکہ لہ وکل من ملک تشابہ ربہ یقال بہ رب الدابۃ۔ (تاج)

۵۸۶ یہ تعبیر نان پز کے خواب کی تھی۔

توریت میں ہے:۔

"یوسف نے جواب دیا اور کہا اس کی تعبیر یہ ہے کہ یہ تین ٹوکریاں تین دن ہیں فرعون اب سے تین دن میں تیرا سر تیرے تن سے جدا کر دے گا، اور ایک درخت پر تجھے لٹکائے گا اور پرندے تیرا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ (پیدائش ۴۰: ۱۸ و ۱۹)

تعزیرات مصر میں یہ صراحت کہیں نظر سے تو گزری نہیں لیکن عجیب نہیں کہ بعض اور ملکوں کی طرح مصر قدیم میں بھی دستور یہی ہو کہ مجرم کو سولی پر لٹکا ہوا چھوڑ دیا جاتا رہا ہو یہاں تک کہ چیل کوے اور گدھ اس کے جسم کو نوچ نوچ کر کھا جاتے ہوں اور اگر یہ کبھی ثابت ہو جائے تو اعجاز قرآن پر ایک مزید دلیل ہاتھ آجائے گی، تاریخ کی ایسی جزوی باریکیوں کو ملحوظ رکھنا کسی کلام الٰہی ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

۵۸۷ جس جزم و وثوق کے ساتھ حضرت یوسفؑ نے یہ ارشاد فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تعبیر الہام الٰہی کے ماتحت تھی۔

۵۸۸ (کہ ایک شخص ایسا اور ایسا بے قصور جیل میں بند ہے۔)

حضرت کی پاکبازی تو ان قیدیوں کے خود مشاہدہ میں آچکی تھی، اور وہ کہہ چکے تھے۔

"انا لنراک من المحسنین"

حضرتؑ نے اس سے کوئی اور نئی بات نہیں چاہی، صرف اتنا چاہا کہ جو بات اس کے علم و تجربہ میں آچکی ہے، بس اس کا تذکرہ بادشاہ کے کان تک پہنچا دیا جائے۔

لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا۔ یعنی اسی ساقی سے "ظن" یہاں یقین کے معنی میں ہے۔

ظن ھنا بمعنی الیقین فی قول اکثر المفسرین (قرطبی)

توریت میں ہے:۔

"لیکن جب تو خوشحال ہو تو مجھے یاد کیجیو، اور مجھ پر مہربانی کیجیو، اور فرعون سے میرا ذکر کیجیو، اور مجھے اس گھر سے مخلصی دلوائیو کہ وہ عبرانیوں کی ولایت سے مجھے چرا لائے اور یہاں بھی میں نے ایسا کام نہیں کیا کہ وہ مجھے قید خانہ میں رکھیں" (پیدائش ۴۰: ۱۴ و ۱۵)

عِنْدَ رَبِّكَ۔ یعنی اپنے آقا بادشاہ ملک سے۔ بعض جدید اہل قلم نے بادشاہ کے لئے ایک پیمبر کی

فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ﴿۴۲﴾ ع

لیکن اسے اپنے آقا سے ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا تو وہ جیل خانہ میں کئی سال تک رہے ۸۹

زبان سے لفظ رب کے ادا ہونے پر بڑی حیرت کا اظہار کیا ہے، حالانکہ جب لفظ کے کھلے ہوئے معنی، علاوہ خالق پروردگار کے، آقا و مالک کے بھی موجود ہیں تو اس کے استعمال پر یہ اظہارِ حیرت خود حیرت انگیز ہے، پیمبر حقائق کے ترجمان ہوتے ہیں، ان کی زبان آج کل کے اخبار نویسوں، پرجوش خطیبوں اور سیاسی لیڈروں کی زبان نہیں ہوتی۔

مالک و آقا کی تعبیر لفظ رب سے کرنا زبان عرب میں عام ہے ملاحظہ ہو حاشیہ ۸۵

ذالک معروف فی اللغۃ ان یقال للسید رب (قرطبی) الرب المالک والسید والمصلح والمعبود (ابوالبقاء) الرب یطلق فی اللغۃ علی المالک والسید والمدبر والمربی والقیم والمنعم، وقد جاء فی الشعر مطلقا علی غیر اللہ تعالیٰ (نہایۃ)

محققین نے کہا ہے کہ اسباب عادی سے کام لینا بالکل جائز ہے، اس لئے اس باب میں حضرت یوسفؑ پر کوئی شبہ نہیں ہو سکتا، اور یہ حقیر کہتا ہے کہ یہاں تو جس سے استعانت کی جا رہی ہے وہ سرے سے مومن بھی نہ تھا، کافر ہی تھا، اور استعانت کرنے والے ایک نبی برحق ہیں! ـــ یہاں سے تقویٰ میں ان غلو کرنے والے متشددین کی بے حقیقی بالکل واضح ہو جاتی ہے، جنھوں نے مخلوق سے ہر استعانت کو ناجائز بلکہ حرام قرار دیا ہے۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ ازالۂ شدت و محن کے لئے کسی مخلوق سے استعانت کرنے میں مطلق مضائقہ نہیں، خصوصاً اس سے جس پر احسان کیا ہو احسان سے محبت پیدا ہوتی ہے، اور محبت سے ہر استعانت گوارا ہو جاتی ہے۔

۸۹ اس چند سال کی مدت کی تعیین کہیں سے نہ ہو سکی، البتہ یہ واضح ہے کہ یہ میعاد نو سال کے اندر ہی تھی، عربی میں بضع کا اطلاق ۳ سے ۹ کے عدد تک ہوتا ہے اور آیت کے الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کی مدت قیام جیل میں، ان دونوں کے چھوٹنے کے بعد بھی کئی سال کی رہی ہو سکتا ہے کہ بضع سنین سے مراد آپ کی مدت جیل کے اندر بسر کرنے کی ہو۔

یہ آپؑ کے جیل خانے میں پڑے رہنے کا ذکر بہ طور عتاب کے نہیں ہے بلکہ اسے محض نسیان پر مرتب کرنے سے مقصود صرف اس امر کا اظہار ہے کہ وہ شخص جو درمیانی واسطہ تھا چونکہ بھول گیا، اس لئے کوئی سامان آپ کے نکلنے کا نہ ہو سکا، اپنی دنیوی راحت کے جائز حصول کی فکر کرنا اور اس کے لئے اسبابِ عادی کو کام میں لانا مثلاً یہیں جیل سے رہائی پانے کے لئے ایک کافر خیر خواہ کو واسطہ بنانا اس کے ذریعہ سے ایک کافر بادشاہ تک بات پہنچانا جب مرتبۂ نبوت و کمال تقویٰ کے منافی نہیں، تو عام دنیا داروں کے لئے تو مباح بدرجۂ اولیٰ ہے۔

توریت میں ہے:۔

"اور تیسرے دن جو فرعون کی سالگرہ کا دن تھا، اس نے اپنے سب نوکروں کی مہمانی کی اور اس نے

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ

اور بادشاہ نے کہا کہ میں (خواب میں) کیا دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں، انھیں کھائے جاتی ہیں سات دبلی

عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ

(گائیں) اور سات بالیاں سبز ہیں اور (سات ہی) اور خشک ۹۰ اے سردارو میرے (اس) خواب کا

فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾

حکم مجھے بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر دے لیتے ہو ۹۱

سردار ساقی اور نان پز کی اپنے نوکروں سے روبکاری کی، اور اس نے سردار ساقی کو اس خدمت پر پھر قائم کیا اور اس نے فرعون کے ہاتھ میں جام دیا — پر سردار ساقی نے یوسفؑ کو یاد نہ کیا بلکہ اسے بھول گیا۔"

(پیدائش ۴۰: ۲۰-۲۳)

۹۰ اب تذکرہ ایک عرصہ بعد کا شروع ہوتا ہے، بادشاہ مصر نے بھی ایک خواب دیکھا اور اپنے ارکانِ دولت سے بیان کیا — یہ واضح رہے کہ ملک مصر اس وقت سات صوبوں میں تقسیم تھا، اور زراعت کی دیوی گائے کی مورت میں تھی۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

توریت میں اس خواب کو بھی حسبِ معمول بڑی طوالت سے بیان کیا ہے۔ (پیدائش ۴۱: ۱-۷)

اَلْمَلِكُ۔ یہ بادشاہ کون تھا، اس کا کیا نام تھا اس کا عہدِ سلطنت کب سے کب تک رہا، تاریخ ان سوالات کا صاف و واضح جواب دینے سے قاصر ہے، البتہ جیوش انسائیکلوپیڈیا نے بسندِ ضعیف کے ساتھ اس کا نام اپوفس (APHOHIS) دیا ہے اور اس کی لمبی مدت سلطنت لکھی ہے (جلد ۲ ص ۱۱) بعض اور حوالوں میں بھی یہی نام ملتا ہے۔

توریت میں غالباً فرعونِ موسیٰ پر قیاس کرکے اس بادشاہ کا لقب بھی فرعون ہی درج کیا ہے (پیدائش باب ۴۱) لیکن تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ فرعون اس وقت تک شاہی لقب نہیں تھا، یہ لقب فرمانروانِ مصر کا بہت بعد کو چلا — قرآن مجید توریت مروّجہ کی کیسی کیسی باریک غلطیوں کی بھی اصلاح کرتا جاتا ہے۔

قرآن مجید اسی لئے بجائے اس اصطلاحی سرکاری لقب فرعون کے محض عام لفظ ملک لایا ہے۔

۹۱ آج کوئی بادشاہ ایسا خواب دیکھے تو شاید پرواہ بھی نہ کرے، لیکن اس وقت مصر میں سحر، نجوم و کہانت کے علوم کے ساتھ ساتھ خوابوں کی بھی بڑی اہمیت تھی، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

توریت میں ہے:-

"اور فرعون جاگا اور دیکھا کہ وہ خواب تھا، اور یوں ہوا کہ صبح کو اس کا جی گھبرایا، تب اس نے مصر کے سارے جادوگروں اور اس کے سب دانشمندوں کو بلا بھیجا اور فرعون نے اپنا خواب اُن سے کہا پر اُن میں سے کوئی فرعون کے خواب کی تعبیر نہ کرسکا۔" (پیدائش ۴۱: ۸)

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

وہ بولے کہ (یہ تو) پریشان خوابیاں ہیں، اور ہم پریشان خوابوں کے ماہر نہیں ۹۲ف

وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ

اور دو (قیدیوں) میں جس کو رہائی مل گئی تھی وہ بولا اور ایک مدت کے بعد اسے یاد پڑا (اور بولا کہ میں (ابھی) اس کی تعبیر

فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ

لائے دیتا ہوں ذرا مجھے جانے دیجئے ۹۳ف اے یوسفؑ اے صدق مجسم، ہم لوگوں کو حکم تو بتائیے (اس خواب کا) کہ

سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ

سات گائیں موٹی ہیں، انھیں سات (گائیں) دبلی کھائے جاتی ہیں، اور سات بالیاں سبز ہیں اور (سات ہی)

لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور خشک تاکہ میں لوگوں کے پاس جاؤں کہ ان کو (بھی) معلوم ہو جائے ۹۴ف

۹۲ف درباریوں نے کہا کہ یہ کوئی باقاعدہ ومربوط، تعبیر طلب خواب تھوڑے ہی ہے، یہ تو پریشان خیالیوں کی طرح پریشان خوابیاں ہیں، ان کی تعبیر کا کوئی علم ہمارے پاس نہیں۔

۹۳ف (جیل خانہ میں یوسفؑ صدیق تک)

الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا۔ ظاہر ہے کہ وہی ساقی مراد ہے، جو عرصہ ہوا جیل کی حوالات سے چھوٹ آیا تھا

وَادَّكَرَ۔ یعنی اسے حضرت یوسفؑ کا ماجرا یاد شاہ سے۔

بعد امۃ۔ امۃ مدت طویل کے معنی میں ہے۔

ای بعد مدۃ طویلۃ۔ (کشاف۔ بحر)

توریت کے طول طویل بیان کے لئے ملاحظہ ہو۔ (پیدائش ۴۱: ۹-۱۳)

۹۴ف ساقی آپ کی بزرگی کا پوری طرح معتقد ہے، جیسا کہ اس کے خطاب اَیُّھَا الصِّدِّیْقُ سے بالکل ظاہر ہے۔ خالص اردو محاورہ میں اس کا ترجمہ یہ کرنے کو جی چاہتا تھا "اے ولی کامل" "اے بزرگ"۔ خواب کی سچی تعبیر بہت سی قوموں میں دلیل بندگی اور مقبولیت اور خدارسی کی سمجھی گئی ہے۔

اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ۔ یعنی ان لوگوں کے پاس واپس پہنچوں، جنھوں نے مجھے یہ تعبیر دریافت کرنے بھیجا ہے، اور جو میری واپسی کے منتظر ہوں گے۔

لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ انھیں علم پہلے تو تعبیر خواب کا ہو جائے، اور پھر ضمناً آپ کی بزرگی اور پاکبازی کا

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖۤ

(یوسفؑ نے کہا) تم سات سال متواتر کاشتکاری کئے جاؤ پھر جو فصل کاٹو اسے اس کی بالی ہی میں لگا رہنے دو بجز

اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ

تھوڑی مقدار کے کہ اسی کو کھاؤ ۹۵ پھر اس کے بعد سات سال سخت آئیں گے کہ اس (ذخیرے) کو

يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ

کھا جائیں گے جو تم نے فراہم کر رکھا ہے بجز اس تھوڑی مقدار کے جو تم (بیج کے واسطے) رکھ چھوڑو گے ۹۶ پھر اس کے بعد

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ ع

ایک سال آئے گا جس میں لوگوں کی فریاد رسی ہوگی اور اس میں وہ شیرہ بھی نچوڑیں گے ۹۷

ان پر روشن ہو جائے۔

۹۵ یہ واضح رہے کہ مصر تمام تر ایک زرعی ملک تھا تعبیر خواب اور اس کی اہمیت میں یہ پہلو ضرور پیش نظر رہے۔ ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

۹۶ حضرت یوسفؑ آخر نبی ہی تھے، یا اس وقت ہونے والے نبی تھے، آپ کے اخلاق کی بلندی کا کیا کہنا، ساقی سے اس کی مجرمانہ غفلت پر کسی قسم کے شکوہ شکایت کے بجائے پوری خوشدلی کے ساتھ اُسے تعبیر بتا دیتے ہیں۔ اور تعبیر ہی پر اکتفا نہیں کرتے ساتھ ہی ساتھ اور بلا سوال و درخواست انتظام قحط کی تدبیر بھی بتاتے جاتے ہیں۔ توریت کے طول طویل بیان کے لئے ملاحظہ ہو۔ (پیدائش ۴۱ : ۲۵ و ۳۶)

۹۷ تعبیر و تدبیر کے بعد اب آپ بشارت بھی غالباً وحی الٰہی کے ماتحت سنا رہے ہیں، یہ قحط جو اس وقت پڑا، دنیا کے سخت ترین قحطوں میں سے ہوا ہے، اور عالم کی تاریخ قحط میں ایک اہم مقام رکھتا ہے، آگے چل کر یہ حدود مصر تک محدود نہ رہا، بلکہ حجاز، فلسطین، شام تمام ممالک ملحقہ میں اس کی شدت محسوس ہوئی بلکہ توریت میں تو یہاں تک درج ہے کہ یہ قحط عالمگیر تھا، اور ساری دنیا اس مصیبت سے بلبلا اٹھی۔

"اور سب زمین میں گرانی ہوئی"۔ (پیدائش ۴۱ : ۵۴)

"سارے ملک مصر میں یوسف کے مول لینے آئے، کیونکہ سب ملکوں میں سخت کال تھا"۔ (پیدائش ۴۱ : ۵۷)۔

ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی۔

فِيْهِ يَعْصِرُوْنَ۔ حضرت کا مخاطب براہ راست، یاد کر لیجئے کہ شاہی ساقی ہے، جس کا تعلق بھی شراب و شیرہ سے ہے، اس سے گفتگو میں اسی کے کام کی چیز لانا کس درجہ بلیغ اور برمحل ہے۔

يُغَاثُ۔ مصدر "غیث" کا صیغہ ہے جس کے معنی بارش کے ہیں، ابن عباسؓ صحابی اور مجاہد تابعی وغیرہ

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ

اور بادشاہ نے کہا میرے پاس تو لاؤ شفہ پھر جب قاصد اُن کے پاس پہنچا تو (یوسف نے) کہا کہ اپنے آقا کے

رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ

پاس واپس جا، اور اس سے دریافت کر کہ ان چند عورتوں کا کیا حال ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لئے تھے ۹۹ فه

سے بھی منقول ہے، اور جمہور نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، لیکن دوسرا قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ یہ مصدر "غوث" کا صیغہ ہے، جس کے معنی کشائش ہو جانے اور فریاد رسی کے ہیں۔

یغاثون من الغوث (بیضاوی) قیل ھو من الغوث ای لفرج (روح)

یحتمل ان یکون من الغوث وھو الفرج (بحر) من الغوث ای یجاب مستغیثھم (مدارک)

ای فیہ یغیثھم اللہ تعالی من الشدۃ اتم الاغاثۃ۔ (المنار)

اور خود قرآن مجید میں یغاثوا جو دوسری جگہ آیا ہے سورۂ کہف پارہ ۱۵ آیت ۲۹ میں وہاں کھلا ہوا مادہ غوث ہی سے آیا ہے اور یہی معنی یہاں زیادہ چسپاں اور حسب حال ہیں، مصر کے کھیتوں میں آب پاشی ہندوستان وغیرہ کی طرح عام بارش کے پانی سے نہیں ہوتی، اور نہ وہاں کوئی مستقل موسم برسات کا اساڑھ سے کنوار تک رہتا ہے، وہاں کھیتوں کی آب پاشی کا ذریعہ دریائے نیل کی سالانہ طغیانی ہی ہے اس لئے یہاں موقع بجائے "غیث" کے "غوث" ہی کا ہے۔

یغاث۔ یعصرون۔ اوپر سے حضرت یوسفؑ کا تخاطب اہلِ مصر سے چلا آ رہا ہے اور ہر جگہ صیغۂ جمع مخاطب استعمال ہو رہا ہے، اور اس سارے کلام کا تعلق انتظامات قحط سے ہے، یہاں پہنچ کر یک بیک صیغہ بدل جاتا ہے اور بجائے مخاطب کے غائب کا ہو جاتا ہے، یعنی لوگوں کے لئے "بارش یا فریاد رسی ہو گی" "لوگ" شیرہ نچوڑیں گے، گویا صاف اشارہ اس طرف کر دیا کہ رفع قحط کا تعلق تنہا مصر سے نہیں باہر کے ملکوں سے بھی ہے اور بارش دنیا کے مختلف علاقوں میں ہو گی —— قرآن مجید کا یہ اسلوب بیان کہ ضمناً بھی کہاں کہاں باتیں بتا جاتا ہے، اگر بجائے خود اعجاز نہیں تو اور کیا ہے، مصر میں سیرابی و شادابی یقیناً بارش کے پانی سے نہیں ہوتی بلکہ دریائے نیل کی طغیانی سے ہوتی ہے، لیکن خود نیل میں طغیانی کہاں سے آتی ہے، دریا کا منبع سوڈان میں ہے اور سوڈان میں بارش ہی کے پانی سے نیل میں طغیانی آ جاتی ہے۔

عام۔ عام کے معنی بھی "سنۃ" کی طرح سال ہی کے ہیں، لیکن استعمال میں فرق یہ ہے کہ خشکی اور تنگی کے موقع پر سنۃ لایا جاتا ہے، اور شادابی و خوشحالی کے موقع پر عام بولا جاتا ہے۔

العام کالسنۃ لکن کثیرًا ما تستعمل السنۃ فی الحول الذی یکون فیہ الشدۃ او الجدب

والعام فی ما فیہ الرخاء والخصب۔ (راغب)

۹۸ فه ساقی آ کر مفصل رپورٹ بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتا ہے، بادشاہ متاثر ہوتا ہے اور اتنی مفصل

إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿٥٠﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدتُّنَّ يُوسُفَ عَن

بے شک میرا پروردگار عورتوں کے چلتروں سے خوب واقف ہے ۱۰۰ (بادشاہ نے) کہا کہ (اے عورتو) تمہارا کیا واقعہ

نَّفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِن سُوءٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ

ہے جب تم نے یوسف سے اپنا مطلب نکالنے کی خواہش کی تھی ۱۰۱ وہ بولیں حاشا للہ ہم کو تو ان میں کوئی بھی برائی کی نہ معلوم

الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ

ہوئی ۱۰۲ عزیز کی بیوی بولی کہ اب تو سچی بات (سب پر) ظاہر ہو ہی چکی، ان سے اپنا مطلب نکالنے کی خواہش

الصَّادِقِينَ ﴿٥١﴾

تو میں نے کی تھی، اور وہی بے شک سچے ہیں ۱۰۳

اور دلنشین تعبیر سن کر یوسفؑ کی صادقیت اور صالحیت کا غائبانہ معتقد ہوجاتا ہے اور قدرۃً مشتاقِ زیارت بھی۔

۹۹ (کبھی انھیں بلا کر میرے حال کی بھی تحقیق کی ؟)

اِلٰی رَبِّکَ۔ رب کا لفظ اس سورۃ میں بار بار آقائے مجازی و ظاہری کے لئے استعمال ہورہا ہے، ملاحظہ ہوں حاشیہ ۳۹ و ۸۵ و ۸۸۔

۱۰۰ یعنی اللہ پر تو میری بے گناہی اور عورتوں کے جوڑ توڑ روشن ہی ہیں، میں چاہتا ہوں کہ میرے جیل سے باہر آنے سے قبل خلق پر بھی میری بے گناہی روشن ہوجائے۔

کَیْدَھُنَّ۔ میں بعض نے کہا کہ انھیں مخصوص عورتوں کی جانب ہے، اور بعض نے کہا کہ نہیں عام جنس نسواں کی جانب ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آپ نے چاہا کہ تہمت کا ازالہ ہوجائے اور مقتدا کو یہی مناسب ہے تاکہ اس کی دعوت الی الحق پر نفع مرتب ہو۔

۱۰۱ یعنی آیا تم نے ان میں تمہاری جانب باوجود تمہاری ساری عشوہ آفرینیوں کے رغبت و التفات پایا تھا؟

ھل وجدتن فیہ میلًا۔ (کشاف)

اب وہ "لیڈیاں" دربار میں بلائی گئی ہیں، اور ان سے تحقیقات شروع ہوئی ہے۔

۱۰۲ (اور ہماری شہادت ہے کہ وہ بالکل پاک و صاف ہیں۔)

حَاشَ لِلّٰہِ۔ کلمۂ تعجب، یوسفؑ کے کمالِ عصمت و پاکبازی کے اظہار کے لئے ہے۔

قلن حاش للہ تعجبا من عفتہ وذھابہ بنفسہ عن شیء من الریبۃ ومن نزاھتہ عنھا۔ (کشاف)

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ

یہ (سب) اس لئے تھا کہ (عزیز کو اور زیادہ) علم ہو جائے کہ میں نے اس کے پیچھے بھی اس کی خیانت نہیں کی، اور یہ کہ

كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿٥٢﴾

اللہ خیانت کرنے والوں کی چال چلنے نہیں دیتا ۱۰۴

مِنْ سُوْٓءٍ ۔ یعنی کسی قسم کی بھی برائی، کوئی شائبہ بھی برائی کا ان میں نہ پایا۔

۱۰۳ زلیخا نے جب دیکھا کہ بڑی چھوٹی سب شہادتیں اس کے خلاف گزر گئیں تو اب صاف لفظوں میں اقرار کر لیا کہ قصور سر تا سر میرا ہے، دامنِ یوسفی ہر لوث، ہر داغ سے پاک ہے وہ شروع ہی سے متقی و پاکباز رہے، باطل کو حق کے سامنے نفسانیت کو روحانیت کے آگے بالآخر جھکنا ہی پڑتا ہے۔

۱۰۴ جیسا کہ اس سارے قصہ سے ظاہر ہے کہ کسی کی چالاکی دیر تک چلنے نہیں پائی، آخر میں سب کی اصلیت ظاہر ہی ہو کر رہی ــــــ یہ سارا قول یوسف علیہ السلام کا ہے۔

ذٰلِكَ ۔ یعنی یہ اہتمام برأت ورفع تہمت۔

ای ذلك التثبت والتشمر لظهور البرأة (کشاف) ای ذلك التثبت (بیضاوی)

لِيَعْلَمَ ۔ ضمیر عزیز کی طرف ہے۔

لیعلم العزیز (معالم) لیعلم العزیز (کشاف ۔ بیضاوی)

عزیز کو یوسف کی پارسائی اور بے گناہی کا علم تو پہلے ہی ہو چکا تھا، مقصود یہ ہے کہ اب یقین اور زیادہ ہو جائے۔

اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ ۔ عزیز کی خیانت اس کی غیبت میں یہی تھی کہ اس کی بیوی کے ناموس کو داغدار کیا جائے ــ حضرت یوسفؑ ملک میں اس جرم کی اہمیت کو دیکھ کر اس سے اپنی تبری کا خاص اہتمام کرتے ہیں، اور یہیں سے ان مفسرین کی صحت تفسیر کی ایک اور شہادت ملتی ہے، جنھوں نے "انه ربی احسن مثوای" میں رب سے مراد عزیز ہی سے لی ہے۔

حاشیہ ع۳۹ میں بیان ہو چکا ہے کہ مصری تہذیب و تمدن میں زنا بجائے خود کوئی اتنا بڑا جرم نہ تھا، ــــ جتنا ایک شادی شدہ عورت کا اپنے شوہر کے حقوق خصوصی میں خیانت۔

وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ۔ اس حقیقت کا ایک بار پھر اثبات و اعلان کر اس دنیا کی تکوینیات پر وہی اخلاقی قانونِ ربانی نافذ و حاکم ہے، اور مادیت خود مختار و شتر بے مہار بنا کر نہیں چھوڑی گئی ہے، ایسا برابر ہوتا رہتا قانونِ حکمت و مصلحت کے تحت ایک الگ بات ہے لیکن بہرحال ہر فعل بد کی جزا کا ظہور، حاکمیتِ مطلق کے اقتدارِ اعلیٰ کے ماتحت ہوتا ہے۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ

اور میں اپنے نفس کو بھی بری نہیں بتلاتا، بے شک نفس بری ہی بات کا بتلانے والا ہے بجز اس (نفس)

اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵۳﴾ وَ قَالَ الۡمَلِکُ ائۡتُوۡنِیۡ

کے جس پر میرا پروردگار رحمت کردے ۱۰۵؎ بے شک میرا پروردگار بڑا مغفرت کرنے والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۱۰۶؎ اور بادشاہ

بِہٖۤ اَسۡتَخۡلِصۡہُ لِنَفۡسِیۡ ۚ

نے کہا ان کو میرے پاس لاؤ میں ان کو خاص اپنے (کام کے) لیے رکھوں گا ۱۰۷؎

۱۰۵؎ (خود ہی اسے اپنی رحمت سے پاک کردے جیسا کہ ہر نبی کے نفس کو اس آلائش سے پاک ہی کردیتا ہے) نبی برحق حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت اب سب پر روشن ہو چکی ہے، اور آپ خود بھی ابھی ابھی اپنی زبان سے اس کا اظہار فرما چکے ہیں۔

ذٰلک لیعلم انی ۔الخ اس کے معاً بعد آپ یہ کلیہ بیان فرماتے ہیں کہ نفس بشری تو برائیوں کی جانب رجحان رکھتا ہی ہے، اور خود میرا نفس بھی بذات خود اس سے مستثنیٰ نہیں، بدی کا جیسا ملکہ سب انسانوں کے نفس میں ہے، میرے نفس میں بھی ہے، لیکن حکیم مطلق جسے نبی بناتا ہے اسے نفس بشری کے ساتھ ایک نفس پیمبری بھی دے دیتا ہے، اور پیمبری میں ان آلائشوں سے پاک صاف جس کا تعلق اپنے مالک و مولیٰ سے ہر وقت جڑا رہتا ہے، اور یہی ہمہ وقتی تعلق اسے ہر معصیت سے، ہر اخلاقی لغزش سے روکے اور سنبھالے رہتا ہے، پس اگر میں معصوم رہا یا معصوم رہوں تو اس میں میرا کوئی بھی ذاتی کمال ذرا بھی نہیں یہ تو تمام تر میرے مالک و مولیٰ کے فضل خاصہ کا نتیجہ ہے۔

اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ

وَمَآ اُبَرِّئُ ......بِالسُّوۡٓءِ ۔ انسان اپنے نفس کی اطاعت کرے یا نہ کرے، یہ الگ سوال ہے، نفس تو بہرحال بدی کی ترغیب دیتا، اور بدی کی راہوں کی طرف لے جاتا ہی رہتا ہے تو بھلا نفس کا تبریہ کیوں کر ممکن ہے یعنی ان النفس کثیرۃ النزاع الی السوء فلا یبرئ نفسہ وان کان لا یطاوعھا (جصاص) خوب غور کرلیا جائے، اپنے نفس سے تبریہ پیمبر برحق تک نہیں کر رہے ہیں، تو پھر کسی غیر نبی کا کیا ذکر ہے، خواہ وہ کیسے ہی بزرگ اور کیسے ہی صاحب کمالات و کرامات ہوں۔

اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ۔ ما سے اشارہ نفس کی طرف سمجھا گیا ہے، الا نفسا رحمھا اللہ بالعصمۃ (کشاف) اور ما قرآن مجید میں مَن کے معنی میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔

وما بمعنی من ای الامن رحم ربی فعصمہ وما بمعنی من کثیر (قرطبی) ما بمعنی من (جلالین) والعجہ الاخران تکون ما بمعنی من (عکبری)

ما ۔ کا مفہوم وقت یا زمان کیلئے بھی لیا گیا ہے یعنی سوا اس وقت کے کہ اللہ اپنی رحمت خاصہ کردے۔

فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿۵۴﴾

پھر جب ان سے گفتگو کی ۸۰؎ تو ان سے کہا تم آج سے ہمارے یہاں (ہر طرح) با اقتدار ہو معتمد ہو ۹۰؎

والنفس یراد النفس الامارۃ بالسوء الا وقت رحمۃ ربی۔

ویجوز ان یکون ما رحم ربی معنی الزمان ای الا وقت رحمۃ ربی (کشاف)

مما مصدریۃ ظرفیۃ زمانیۃ۔ (روح)

آں وقت کہ مہربانی کند پروردگار من (شاہ ولی اللہ)

۶۰؎ چنانچہ شانِ غفر کا تقاضہ یہ ہے کہ نفسِ امارہ کو بھی توبہ و انابت کے بعد لوامہ بنا کر مغفرت اس پر مرتب کر دیتا ہے اور شانِ رحیمی کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنی موہبتِ خاص سے انبیاء کو نفسِ مطمئنہ عطا کر دیتا ہے، پیمبر کی زبان سے یہ فقرہ بڑا معنی خیز ہے، غیر متعلق نہیں۔

۷۰؎ (کہ یہ تو اپنی سیرتِ خاص اور کردار اعلیٰ اور انتظامی اہلیت کے لحاظ سے سرکاری و شاہی مناصب کے لائق ہیں، یہ اب تک خانگی ملازمت میں کیسے پڑے رہ گئے۔

توریت میں ہے :-

"یہ تعبیر فرعون کی نگاہ میں اور اس کے سب نوکروں کی نظر میں اچھی معلوم ہوئی، فرعون نے اپنے نوکروں سے کہا کیا ہم ایسا جیسا یہ مرد ہے کہ جس میں خدا کی روح ہے پا سکتے ہیں؟ (پیدائش ۴۱ = ۳۸)

الملک۔ یہ حاشیہ اوپر گذر چکا، تاریخ سے ثابت ہے کہ شاہ مصر کا لقب اس وقت تک فرعون نہیں ہوا تھا، عام بادشاہوں کی طرح وہ محض بادشاہ ہی تھا، توریت البتہ اس باریک لیکن اہم فرق کو نظر انداز کر کے اس سیاق میں بادشاہ کو برابر اور بے تکلف فرعون ہی کہا گیا ہے۔

۸۰؎ (اور اس گفتگو سے بادشاہ پر آپ کے مزید کمالات و فضائل منکشف ہوئے)

کلّمہٗ۔ آج بھی بڑی بڑی اور انتہائی ڈگریوں کے باوجود خدمت کے لئے انتخاب کی آخری جانچ بالمشافہ گفتگو (انٹرویو) ہی سے ہوتی ہے۔

۹۰؎ (اور اونچے اور بھروسہ کے عہدہ و منصب کے لائق)

بادشاہ اس انٹرویو سے بالکل مطمئن ہو گیا اور یوسفؑ کا انتخاب کسی اعلیٰ منصب کے لئے کر لیا، بادشاہ اور پھر مشرک بادشاہ سے اگر ملنا جلنا اور سرکاری تعلقات قائم کرنا مطلق اور ہر صورت میں حرام ہوتا تو ظاہر ہے کہ ایک پیمبرِ برحق اسے اپنے لئے کیوں کر روا رکھتے؟ سرکاری تعلق جب نبوت کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے تو ولایت و عام صالحیت کے ساتھ بدرجہ اولیٰ۔

بادشاہ دین و عقیدہ میں یوسفؑ سے بالکل جدا تھا اور نسل و نسب میں بھی ـــ

توریت میں ہے :-

"اور فرعون نے یوسفؑ سے کہا از بسکہ خدا نے اس سب میں تجھے بتائی دی ہے سو کوئی تجھ سا

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ (۵۵)

(یوسفؑ نے) کہا مجھے ملک کے خزانوں پر مامور کر دیجئے میں دیانت بھی رکھتا ہوں علم بھی رکھتا ہوں ۔ ۱۱۵

عاقل و دانشور نہیں ہے ، میرے گھر کا مختار ہو ۔ اور اپنا حکم میری سب رعیت پر جاری کر ، فقط تخت نشینی میں میں تجھ سے بزرگ تر رہوں گا ۔“ (پیدائش ۴۱ : ۳۹ ، ۴۰)

۱۱۵ یعنی ایسے بڑے اور ذمہ دار عہدہ کے لئے دو ہی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ایک دیانت و امانت دوسرے اس کام سے واقفیت ، سو مجھ میں یہ دونوں وصف موجود ہیں ۔

الْاَرْضِ ۔ پہلے کہیں تشریح کی جا چکی ہے کہ ارض کا اطلاق جس طرح کل روئے زمین پر ہوتا ہے اسی طرح ہر خطۂ زمین اور ہر ملک پر بھی ۔

اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۔ یہ عہدہ آج کل کی اصطلاح میں ریونیو منسٹر (وزیر محاصل و مالگزاری) اور فائننس منسٹر (وزیر مالیات و خزانہ) کا جامع معلوم ہوتا ہے ۔

خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۔ بعض مفسرین نے ارض کے معنی بجائے ملک کے زمین لے کر خزائن الارض کے معنی زمین کی پیداواروں کے لئے ہیں ۔ قیل اراد بالارض الجنس وبخزائنہا الطعام الذی یخرج منہا ۔ (روح)

”زمین کی پیداواروں“ (تھانویؒ)

فقہاء و مفسرین نے لکھا ہے کہ جب مقصود نفع رسانی ہو نہ کہ نفس پروری ، اور خدمت خلق کی یہی ایک صورت کھلی رہ جائے تو اپنے کو عہدہ و منصب کے لئے پیش کر دینا ناجائز نہیں ، یہاں تک کہ فاسق بلکہ کافرانہ نظام حکومت کے ماتحت بھی عہدہ و منصب قبول کر لینا حرام نہیں رہ جاتا ۔

وفیہ دلیل علی جواز طلب التولیۃ والاظہار أنہ مستعد لہا والتولی من ید الکافر اذا علم أنہ لا سبیل إلی إقامۃ الحق وسیاسۃ الخلق إلا بالاستظہار بہ (بیضاوی) وفیہ دلیل علی أنہ یجوز ان یتولی الانسان عمالۃ من ید سلطان جائر وقد کان السلف یتولون القضاء من جہۃ الظلمۃ واذا علم النبی او العالم أنہ لا سبیل الی الحکم بامر اللہ تعالی ورفع الظلم إلا بتمکین الملک الکافر والفاسق فلہ أن یستظہر بہ (مدارک) فان کان الملک کافرا ولا سبیل الی الحکم بامر اللہ ورفع الظلم إلا بتمکینہ والمتولی ان یستظہر بہ (بحر) وفی ہذہ الآیۃ ما یبیح الرجل الفاضل أن یعمل للرجل الفاجر والسلطان الکافر بشرط أن یعلم أنہ یفوض إلیہ ۔

اور ایسے ہی اقوال کبیر وغیرہ میں بھی ملتے ہیں ۔

اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ۔ فقہا نے لکھا ہے کہ کسی کو واقف کرنے کے لئے (نہ کہ فخر و نمود کے لئے) اپنے

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ۚ

اور ہم نے اسی طرح یوسف کو ملک میں صاحبِ اختیار بنا دیا کہ اس میں جہاں چاہیں رہیں ۱۱۱

فضل وکمال کو بیان کر دینا بالکل جائز ہے اور فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ کے تحت نہیں آتا۔

فوصف نفسہ بالعلم والحفظ وفی ھذہ دلالۃ علی أنہ جائز للإنسان أن یصف نفسہ بالفضل عند من یعرفہ، أنہ لیس من المحظور من تزکیۃ النفس (جصاص) دلت الآیۃ علی أنہ یجوز للإنسان أن یصف نفسہ بما فیہ من علم وفضل (قرطبی) دلت الآیۃ علی جواز أن یخطب الإنسان عملاً یکون لہ اھلاً۔ (قرطبی)

توریت میں اس مقام پر ہے:۔

" پھر فرعون نے یوسف سے کہا کہ دیکھ میں نے تجھے ساری زمین مصر پر حکومت بخشی، اور فرعون نے اپنی انگشتری اپنے ہاتھ سے نکال کر یوسف کے ہاتھ میں پہنا دی۔ . . . تب اس کے آگے منادی کی گئی، سب ادب سے رہو، اور اس نے اسے مصر کی ساری مملکت پر حاکم کیا، اور یوسف کو کہا، میں فرعون ہوں، اور بغیر تیرے مصر کی ساری زمین میں کوئی انسان ہاتھ یا پاؤں نہ اٹھائیگا۔" (پیدائش۔ ۴۱ : ۴۱ = ۴۴)

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت میں دلالت ہے کہ منصب وحکومت کی درخواست جبکہ اس میں مخلوق کا نفع ہو اور خود اپنا یہ ضرر نہ ہو کہ غیر اللہ میں مشغول ہو جائے، قادح کمال نہیں۔"

۱۱۱ (اور عملاً انھیں کو ملک کے سیاہ وسفید کا مالک بنا دیا۔)

آیت سے ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہو گئی، جو کسی دنیوی عہدہ کو یا بڑی ریاست وجائداد کو قادح کمال سمجھتے ہیں، جب وزارت مملکت پیمبری کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے، کوئی سا بھی عہدہ بڑا یا چھوٹا مرتبۂ ولایت کے منافی کیوں ہونے لگا۔

كَذٰلِكَ مَكَّنَّا۔ یعنی اس عجیب وغریب طریقہ سے، ایسے معجزانہ انداز سے ـــــ کہاں تو وہ کنوئیں کی گہرائیوں اور جیل کی چار دیواری کے اندر وہ بے بسی اور بے کسی تھی، اور کہاں یہ اقتدار مطلق العنانی کی حد تک حاصل ہو گیا، اس وقت کی متمدن ترین سلطنت میں!

توریت میں ہے:۔

" اور فرعون نے یوسف کا خطاب جہاں پناہ رکھا . . . . . اور یوسف مصر کی زمین میں پھرا اور یوسف فرعون کے حضور سے نکل کر مصر کی ساری زمین میں پھرا۔" (پیدائش ۴۲ = ۴۵)

مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ۔ خوب خیال کر لیا جائے، ایک کافر بادشاہ کی بخشی ہوئی اس عزت کو قرآن مجید تمکین فی الارض سے تعبیر کرتا اور موقع مدح واحسان پر اس کا اظہار کرتا ہے، اور یہیں سے اُن اہلِ افتاء کی غلطی ظاہر ہو جاتی ہے، جنھوں نے غیر مسلم حکومت سے ترک موالات ہر حال میں لازم قرار دی ہے۔

يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا نُضِيعُ

ہم جس پر چاہیں اپنی رحمت نازل کریں اور ہم نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے ۱۲

أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا

اور آخرت کا اجر کہیں بڑھ کر ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار

يَتَّقُونَ ﴿٥٧﴾ وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ

کئے رہتے ہیں ۱۳ اور یوسف کے بھائی بھی آئے، پھر ان کے پاس پہنچے ۱۴ سو (یوسف نے) ان کو پہچان لیا در آنحالیکہ

لَهُ مُنْكِرُونَ ﴿٥٨﴾

وہ لوگ انھیں نہ پہچان سکے ۱۵

۱۲ یعنی نیک کاروں، نیک کرداروں کا اجر و معاوضہ تو موعود ہی ہے، باقی رحمت و فضل کا کوئی ضابطہ متعین نہیں، جس پر وہ چاہے بلا حق و استحقاق کر دے۔

محسنین کا قریب ترین ترجمہ تو "حسن کاروں" ہی ہے، باقی مخلصوں نیک کرداروں، حسن عمل والوں الفاظ بھی حسب موقع آسکتے ہیں۔

آیت کے مفہوم سے ضمناً یہ بھی نکل آیا کہ ملکی اقتدار و اختیار اللہ کے فضل و رحمت میں داخل ہے۔

۱۳ یعنی اہل ایمان و تقویٰ کے لئے آخرت میں جو انعام ہے، وہ دنیا کی ہر دولت و نعمت سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے، دنیا کا بڑے سے بڑا اقتدار بھی نکوکاری کا اصلی صلہ نہیں۔

۱۴ یہ ذکر اس وقت کا ہے جب قحط شدید نہ صرف مصر میں پڑ چکا ہے بلکہ اس کے اثرات فلسطین وغیرہ دوسرے ملکوں تک محیط ہو چکے ہیں، یہ عظیم الشان اور تاریخی قحط تو مصر کے تمام ملحقہ ممالک میں تھا، فرق صرف اتنا تھا کہ دوسری جگہوں میں قحط ہی قحط تھا، اور یہاں یوسف ؑ کے حسن تدبیر سے قحط کا انتظام بھی تھا، ایسا کہ نہ صرف مصریوں کو غلہ پہنچتا رہا، بلکہ باہر والوں کے ہاتھ بھی ایک نرخ مقرر پر فروخت ہوتا رہا — "راشنگ" اور "کنٹرول" کی یہ بہترین تاریخی نظیر بھی ایک پیمبر ہی کے روئداد زندگی کا جزو ہے۔

توریت میں ہے:۔

"اور سب زمین میں گرانی ہوئی پر تو مصر کی ساری زمین میں روٹی تھی، پھر جب ساری زمین مصر بھوک سے ہلاک ہونے لگی تو خلق روٹی کے لئے فرعون کے آگے چلائی...... اور تمام روئے زمین پر کال تھا...... اور ملکوں کے لوگ اناج مول لینے کے لئے ملک مصر میں یوسف کے پاس آنے لگے، کیوں کہ سب ملکوں میں سخت کال تھا۔" (پیدائش ۴۱: ۵۴-۵۷)

وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ

اور جب (یوسف) ان کا سامان تیار کر چکے (تو) ان سے کہا کر (ایک) اپنے علاتی بھائی کو بھی لانا کیا تم دیکھتے نہیں کہ

أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿٥٩﴾

میں پوری پوری ناپ کر دیتا ہوں اور میں مہمان داری کا حق ادا کر دیتا ہوں ۱۱۱۶

"سو یوسف ؑ کے دسؔ بھائی غلّہ مول لینے کو مصر میں آئے"۔ (پیدائش۔ ۴۲ : ۳)

آیت سے نکل آیا کہ ملکی معاملات میں حسنِ انتظام و تدبیرِ اعلیٰ، کمالات نبوت تک کے منافی نہیں چہ جائیکہ ان صفات کو کسی مقبول و برگزیدہ بندے کے کمالات روحانی یا اس کے مقام ولایت کے منافی سمجھا جائے۔

وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ۔ یعنی برادرانِ یوسف مصر میں غلّہ لینے کے لئے آئے، اور یہ وہی دسؔ سوتیلے بھائی تھے جو یوسف ؑ کے سر ساری مصیبتیں لا چکے تھے۔

۱۱۱۵ اب حضرت یوسف ؑ کا عالم ہی ظاہر ہے کہ دوسرا تھا، بھائی غریب بھلا اس عالم میں آپ کو کیا پہچانتے، ان کا تو ذہن بھی اس طرف نہیں جا سکتا تھا کہ جس "ذلیل غلام" کو جنگل کے کنویں میں ڈال آئے تھے وہ کیسی اتنی بڑی سلطنت کا وزیر اعظم یا مدار المہام ہو سکتا ہے، پھر کہاں وہ لڑکپن کے چہرہ کا نقشہ، اور کہاں اب پختہ سن و سال کا چہرہ مہرہ!

توریت میں ہے:۔

"سو یوسف ؑ کے بھائی آئے اور اپنے کو زمین کی طرف جھکاتے ہوئے اس کے حضور خم ہوئے، یوسف ؑ نے اپنے بھائیوں کو دیکھا اور پہچان گیا..... یوسف نے اپنے بھائیوں کو پہچانا پر انھوں نے اسے نہ پہچانا"۔

(پیدائش۔ ۴۲ : ۷ - ۹)

۱۱۱۶ یعنی اب تو تمھیں خود ہی مشاہدہ ہو گیا کہ میں ہر شخص کا حصّہ دیتا رہتا ہوں، کسی کا حصّہ کاٹتا نہیں، گیارہؔ آدمی آؤ گے تو پورے گیارہؔ حصّے ملیں گے۔

توریت میں ہے:۔

"اور تم کال کے لئے اپنے گھروں میں غلّہ لے جاؤ لیکن اپنے چھوٹے بھائی مجھ پاس لے آئیو تمھاری بات یوں ثابت ہو گی اور تم نہ مرو گے"۔ (پیدائش ۴۲ : ۱۹ - ۲۰)

ائْتُونِي..... أَبِيكُمْ۔ ان دسؔ بھائیوں کو جب ان کے حصّہ کا پورا غلّہ مل گیا تو انھوں نے عرض کیا کہ علاوہ ہمارے بوڑھے باپ کے ہمارا ایک علاتی بھائی بھی ہے، اس کا حصّہ بھی عطا ہو، اس پر حضرت یوسف ؑ نے ضابطہ کا جواب دیا کہ اس کو ساتھ لا کر حاضر ہو جب تمھارا دعویٰ ثابت ہو گا، اور جب ہی اس کا حصّہ بھی ملے گا۔

أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ۔ یعنی فی نفر پورا پورا حساب کر کے دیتا ہوں، اسی طریقہ کو آج کی اصطلاح میں

فَإِنْ لَّمْ تَأْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾

لیکن اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو تمہیں اپنے پیمانہ (کا غلہ) مجھ سے ملنے کا نہیں اور نہ تم خود میرے پاس آنا ۱۱۸

قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ

وہ بولے ہم اس کے باپ سے ضرور اس کو طلب کریں گے اور ہم یہ ضرور کر کے رہیں گے ۱۱۸ اور (یوسف) نے اپنے

اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَا اِذَا انْقَلَبُوْا اِلٰى

خادموں سے کہا کہ ان کی پونجی انہیں کے سامان میں رکھ دو کہ جب اپنے لوگوں کے پاس پہنچیں تو اسے پہچان لیں

اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور اس سے شاید کہ وہ پھر آئیں ۱۱۹

راشنگ یا راتب بندی کہتے ہیں۔

اَلَا تَرَوْنَ۔ سے ظاہر ہے کہ آپ کے یہ حضرت یوسف اپنے جو صفات بیان کر رہے ہیں یعنی اپنی خوش انتظامی اور مہمان نوازی و سیر چشمی وہ بالکل کھلے ہوئے اور ہر شخص پر روشن تھے۔

مرشد تھانوی نے فرمایا اَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ سے معلوم ہوا کہ اپنی خوش معاملگی کا اظہار اگر مقصود اس سے اپنی مدح نہ بلکہ کوئی اور مصلحت ہو تو تقویٰ کے منافی نہیں۔

۱۱۷ (کہ اس صورت میں میں تمہیں کاذب سمجھوں گا اور یہی نتیجہ نکالوں گا کہ تم نے مجھے دھوکا دیکر ایک حصہ زائد وصول کرنا چاہا۔)

غلہ ایک ایک کو ایک مقدار متعین میں ملتا تھا اور اس میں غائبوں کا کوئی حصہ نہ تھا، ورنہ ظاہر ہے کہ ہر شخص فرضی تعداد غائبوں کی بتا کر جتنا چاہتا خود حاصل کر لیتا، اور دوسروں کا حصہ کٹ جاتا، حضرت یوسف نے بھی بس یہی فرمایا کہ اپنے دعوی کا ثبوت لا حاضر کرو۔ ورنہ تمہارا دعوی سرے سے باطل سمجھا جائے گا۔۔۔ نفع بازی (پرافیٹرنگ) اور چور بازاری (بلیک مارکیٹنگ) جس طرح آج گرانی اور کمیابی اشیاء کے زمانہ میں ایک سخت قانونی جرم ہے، عجب کیا ہے جو اس وقت کے مصری قانون میں بھی ہو۔

فقہا نے لکھا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے اس طریق عمل نے ثابت کر دیا کہ خشک سالی کے زمانہ میں جب ہلاکت نفوس کا اندیشہ ہونے لگے، حکام کے لئے جائز ہے کہ ہر فرد کے لئے اس کی ضرورت کے مطابق راتب بندی کر دیں۔

وفی ما قص اللہ تعالیٰ علینا من قصۃ یوسف وحفظ للاطعمۃ فی سنی الجدب وقسمتہ علی الناس بقدر الحاجۃ دلالۃ علی أن الأئمۃ فی کل عصر ان یفعلوا مثل ذلک اذا خافوا ہلاک الناس من القحط۔ (جصاص)

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ

غرض جب وہ اپنے باپ کے پاس پہنچے تو بولے ابا ہمارا غلہ بند کر دیا گیا ہے سو آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی

مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾

کو بھیج دیجئے تو ہم غلہ لا سکیں، اور ہم ان کی حفاظت کے پورے ذمہ دار ہیں ۱۲۰

۱۱۸ یعنی باپ سے کہہ سن کر ہم اپنے اس بھائی کو ضرور آپ کے پاس لا کر رہیں گے۔ ــــ بھائیوں کو یقین تھا کہ باپ ضرور بن یامین کو بھی ساتھ آنے کی اجازت دیں گے، خصوصاً جبکہ ان کے لانے سے پورا ایک حصہ بھی بڑھ رہا ہو۔

۱۱۹ یعنی جب اپنے وطن پہنچکر یہ قیمت بھی واپس شدہ پائیں گے تو اس احسان و کرم سے متاثر ہو کر پھر تو ضرور ہی آئیں گے۔

توریت میں ہے:۔

"تب یوسف علیہ السلام نے حکم کیا کہ ان کے بورے غلہ سے بھریں اور ہر شخص کی نقدی اس کے بورے میں رکھ کے پھیر دیں اور انھیں سفر کی خورش بھی دیدویں۔ ان سے یوں سلوک کیا گیا"۔ (پیدائش ۴۲ و ۲۵)

بِضَاعَتَهُمْ۔ بضاعتہ کے معنی نقدی کے نہیں جیسا کہ اس تفسیر کے طبع اول میں لکھدیا گیا تھا بلکہ پونجی یا مال تجارت کے ہیں، جیسا کہ عرب کے فارسی لغات میں ہے۔

باں مال کہ بدست کسے بہ تجارت فرستند (صراح) مال کہ بداں تجارت کنند (منتہی الارب) اور عربی انگریزی لغت میں (MERCHANDISE)۔

دنیائے قدیم میں خرید و فروخت ہمیشہ روپئے پیسے کے ذریعہ سے نہ تھی۔ نقدی اور سکہ کا رواج تو بہت بعد کو عام ہوا، ایک زمانہ تک تو صرف مبادلۂ اجناس ہی ذریعہ تجارت تھا، پھر ایک عرصہ تک دونوں طریقے ساتھ ساتھ چلے۔ اس زمانۂ قحط مصر میں معلوم ہوتا ہے کہ شاہی گودام سے جو راشن ملتا تھا وہ نقد قیمت کے معاوضہ میں نہیں بلکہ (BARTER SYSTEM) (مبادلۂ اجناس) کے ماتحت ــــ اللہ اکبر قرآن مجید کا یہ اعجاز کچھ تھوڑا ہے کہ ہر زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے، تاریخی، معاشی وغیرہ جزئیات کا کتنا لحاظ رکھا ہے۔

۱۲۰ یعنی آپ ان کو ہمارے ہمراہ کرتے میں کسی پس و پیش کو دخل نہ دیں، ہم ان کی بحفاظت واپسی کا پورا ذمہ لیتے ہیں ــــ یہ دسوں بھائی بڑے پُر قوت و تنومند تھے اور انھیں بڑا دعویٰ اس کا تھا کہ اگر کسی کو اپنی حفاظت میں لینا چاہیں گے تو اس پر پوری طرح قادر بھی رہیں گے۔

فرزندانِ یعقوبؑ نے آکر اپنے والد ماجد سے عرض کیا ہے کہ ہمیں اپنے گیارھویں بھائی کا حصہ تو ملا نہیں بلکہ آئندہ کے لئے ہمیں یہ فرمان ہوا ہے کہ ہم لوگ اگر اسے نہ لے گئے تو یہ سمجھا جائے گا کہ ہم لوگ دغا سے گیارھویں کا حصہ وصول کرنا چاہتے تھے، اور اس کی سزا میں غلہ کا حصہ ہم میں سے کسی ایک کو بھی نہ ملے گا، تو اب اس کا علاج صرف یہ ہے کہ ابکی بن یامین کو بھی ہمارے ہمراہ کر دیجئے۔

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ

انھوں نے کہا کیا اس کے بارے میں بھی تمھارا ویسا ہی اعتبار کروں جیسا (اس سے) قبل اس کے بھائی کے بارہ میں تمھارا

خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ

اعتبار کرچکا ہوں خیر اللہ ہی سب سے بڑھ کر نگہبان ہے اور وہی سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے ۱۲۱ اور جب انھوں نے

وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ

اپنا سامان کھولا تو انھیں اپنی پونجی بھی ملی کہ انھیں کی طرف واپس کردی گئی تھی، وہ بولے ابا اور ہم کو کیا چاہئے

بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ

یہ ہماری پونجی تو ہم ہی کو لوٹا دی گئی ہے ۱۲۲

۱۲۱ (سو میری نگہبانی اور میری شفقت سے ہوتا کیا ہے۔)

حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ تم اپنی ذمہ داری اور ضمانت کس منھ سے پیش کررہے ہو؟ تم وہی تو ہو جو یوسفؑ کو بھی انھیں ضمانتوں اور وعدوں کے ساتھ لے گئے تھے، لیکن تم کہتے ہو کہ غلہ بغیر بن یامین کے ساتھ کئے ہوئے ملے گا نہیں، تو خیر اگر یہی جاتا ہے تو اسے اللہ کے سپرد کیا، حفاظت و ذمہ داری بھی اسی کی سب سے بڑھی ہوئی، اور شفقت و عنایت بھی اسی کی سب سے بڑھی ہوئی ہے۔

اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔ ہر عزیز، ہر رفیق، ہر رشتہ ناطے والے سے بڑھ کر رحیم، ہر ماں باپ سے رحیم تر، ایسا کہ جس کی رحمت و عنایت کی کوئی حد ہی نہ ہو۔

فائدہ..... اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔ گفتگو کسی سے بھی ہو رہی ہو، موضوع سخن کچھ بھی ہو، اہل اللہ ہیر پھیر کر پہلو حمد الٰہی کا نکال ہی لیتے ہیں، فرزندانِ یعقوب تو ضمانت اپنی پیش کررہے تھے حضرت یعقوبؑ نے گفتگو کا رُخ معاً حافظِ حقیقی اور رحمتِ مطلق کی جانب پھیر دیا۔۔۔ حضرت [illegible] یہ ساری گفتگو جامع ہے ایک طرف بشری رقتِ قلب و مہرِ پدری کی زور اور دوسری طرف کمالِ توکل و اعتماد علی اللہ کی، مقتضیاتِ طبعی اور مطالباتِ ایمانی کا نادر و حیرت انگیز مجموعہ، اور یہ مرتبۂ جامعیت مخصوص [illegible] ہے انبیاء کرام کے بعد اولیائے کاملین ہی کے لئے، اور ہر بندۂ صالح و مقبول کے لئے اس کا اثبات ضرور [illegible] ہیں، مشائخ و مقبولین میں کوئی کسی کیفیت محمود سے مغلوب ہوتا ہے اور کوئی کسی سے۔

فائدہ۔ میں ت کا مفہوم اس سیاق میں اردو میں سب سے بہتر "خیر" سے ادا ہوتا ہے۔

۱۲۲ یعنی یہ ہم تو سرتاسر نفع ہی میں رہے، اپنے اندازہ اور توقع سے بھی کہیں بڑھ کر، اور اب تو بن یامین کو ساتھ لے کر دوسرا سفر بہت ہی ضروری ہو گیا ہے۔

وَنَمِیْرُ اَھْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ کَیْلَ بَعِیْرٍ ؕ ذٰلِکَ کَیْلٌ یَّسِیْرٌ ﴿۶۵﴾

اپنے گھر والوں کے واسطے رسد لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت رکھیں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ غلہ اور لائیں گے ۱۲۳ یہ غلہ تو تھوڑا ہے

ای اعطانا الطعام ثم ردعلینا ثمن الطعام علی احسن الوجوہ فای شئ نبتغی وراء ذلک (کبیر)

بضاعتنا۔ پر حاشیہ ابھی گذر چکا ہے، قیمت ان کی بصورت نقد ہو یا بصورت جنس دونوں اس کے تحت میں آجاتی ہیں۔

توریت میں ہے :-

"اور یوں ہوا کہ جب انھوں نے اپنے بورے خالی کئے تو دیکھا کہ ہر شخص کی نقدی بندھی ہوئی اس کے بورے میں تھی"۔ (پیدائش ۴۲ : ۳۵)

پڑھنے والے یہ خیال رکھیں کہ توریت کے اس "نقدی" کے مقابلے میں قرآنی لفظ بضاعتنا کہیں زیادہ جامع ہے اور قیمت کی ہر صورت کو حاوی ہے۔

۱۲۳ے یعنی یہ غلہ جو آپ کی بار ہم لائے ہیں یہ کب تک چلے گا، تھوڑے ہی دن میں پھر ضرورت پڑ جائے گی۔

ای ذلک کیل قلیل لایکفینا (کشاف) والیسیر یقال فی الشئ القلیل۔ (راغب)

دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ "یہ تو بڑی آسانی سے مل جانے والا غلہ ہے" یعنی محض بن یامین کے ساتھ ہونے سے ایک اونٹ غلہ اور ملا جاتا ہے، یہ سودا تو بڑے مزے کا ہے۔

ای لامؤنۃ فیہ ولامشقۃ۔ (معالم)

تو اس نفع کو سن کر کہ ہم ایک اونٹ بھر غلہ اور لائیں گے۔

نَزْدَادُ کَیْلَ بَعِیْرٍ۔ (اب آپ ہمیں بن یامین کو ساتھ لے جانے کی اجازت دے ہی دیجئے)

اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فی کس ایک ایک اونٹ بھر غلہ کا راشن مقرر تھا۔

قرآن مجید کوئی ایک لفظ بھی بلا ضرورت نہیں لاتا، خواہ اس ضرورت تک رسائی کسی بھی شارح و مفسر کے دماغ کی نہ ہو سکے ــــ "بعیر" کی صراحت عجب نہیں کہ یہاں اس مصلحت سے بھی ہے کہ توریت نے یہاں جو بار شتر کے بجائے بار خر رکھا ہے، اس کی تردید ہو جائے۔

توریت میں اس موقع پر ہے :-

"اور انھوں نے اپنے گدھوں پر غلہ لادا اور وہاں سے روانہ ہوئے"۔ (پیدائش ۴۲ : ۲۶)

عرب ملکوں میں بار برداری کے لئے عام جانوروں میں اونٹ ہے (نہ کہ گدھا) خصوصاً جب کہ سفر کا فاصلہ اتنا طویل ہو جتنا فلسطین سے مصر کا ہے اور پھر جب کہ بیاباں و ریگستان بھی طے کرتے تھے، توریت کی اس کتاب پیدائش میں مختلف مقامات کی تصریح ہے، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ اور ان کے خاندان میں اونٹوں اور اونٹنیوں کی کمی بھی نہ تھی۔

نَزْدَادُ کَیْلَ بَعِیْرٍ۔ کیل بعیر یہاں مفعول نہیں بلکہ فقرہ کی ترکیب ایسی ہے جیسے ازددت فضلاً

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِیْ

(یعقوبؑ نے) کہا میں تو اسے تمہارے ساتھ ہرگز بھیجنے کا نہیں جب تک تم اللہ کی قسم کھا کر مجھے قول نہ دیدو کہ تم اسے (واپس) لے ہی

بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى

آؤ گے سوا اس صورت کے کہ تم (خود) ہی (کہیں) گھر جاؤ ۱۲۴ پھر جب وہ انھیں قسم کھا کر اپنا قول دے چکے تو (یعقوبؑ نے)

مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ

کہا ہم لوگ جو کچھ بات چیت کر رہے ہیں، اللہ کے حوالے ۱۲۵ اور فرمایا کہ اے میرے بیٹو ایک ہی دروازے سے داخل

وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ

نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا ۱۲۶

مرادت ہے ازدادِ فضلی کے اور یہ سَبِقَہٗ نَفْسَہٗ کے قبیل سے ہے۔ (راغب)

۱۲۴ (اور اس طرح بالکل مجبور و لاچار ہو۔)

زمانۂ قدیم کے سفر کو آج کے پُرامن سفر پر قیاس نہ کیا جائے، ہر سفر اس دورِ تمدن میں بدامنی اور طرح طرح کے خطرات سے گھرا رہتا تھا، اور پھر یہ سفر تو خاصہ طویل بھی تھا، کنعان سے مصر تک، ایک ملک سے دوسرے ملک کا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ حضرت یعقوبؑ کو بدگمانی، پچھلے تجربوں کے بعد خود اپنے فرزندوں ہی سے تھی۔

حضرت یعقوبؑ پیمبر کے اس قول و قرار لینے سے ظاہر ہوگیا کہ ممکن بشری حد تک احتیاط اختیار کرنا اور تدابیرِ ظاہری کی رعایت رکھنا کمالِ توکل کے ذرا بھی منافی نہیں۔

اِلَّاۤ اَنْ یُّحَاطَ بِكُمْ۔ یعقوب علیہ السلام نے باوجود اس شفقتِ پدری میں شغف کے کہ جو انھیں بن یامین کے ساتھ تھی، بشری مجبوریوں کو بھی پوری طرح پیشِ نظر رکھ لیا تھا۔

۱۲۵ (کہ وہی ہمارے قول و قرار کا گواہ بھی ہے اور وہی اسے پورا کرانے پر بھی قادر ہے)

اس ذرا سے فقرہ میں ایک طرف اس کا شرعاً مؤکد ہونا، اور دوسری طرف اللہ پر توکل، دونوں پہلو جمع ہوگئے۔

توریت میں اس موقع پر ہے:۔

"تب یہودا نے اپنے باپ اسرائیل کو کہا کہ اس جوان کو میرے ساتھ بھیجئے کہ ہم اٹھیں اور جاویں تاکہ ہم اور تو اور ہمارے بچے جییں، اور مر نہ جاویں، اور میں اس کا ضامن ہوتا ہوں تو میرے ہی ہاتھ سے اسے طلب کیجیو، اگر میں اسے تیرے پاس نہ لاؤں اور تیرے سامنے نہ بٹھاؤں تو تو یہ گناہ ابد تک میری گردن پر رکھیو۔" (پیدائش ۴۳: ۸ و ۹)

۱۲۶ (جب ملک مصر کے پائے تخت میں شہرپناہ سے داخل ہونا۔)

وَمَا أُغْنِي عَنكُم مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ ۖ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ عَلَيْهِ

اور میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتا، اختیار تو بس اللہ ہی کا ہے اس پر بھروسا رکھتا

تَوَكَّلْتُ ۖ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٦٧﴾

ہوں اور اسی پر بھروسا رکھنا ہی چاہئے بھروسا رکھنے والوں کو۔[۱۲۷]

یہ ایک تدبیر تھی حضرت یعقوبؑ کے خیال میں مختلف مکروہات مثلاً شبہ جاسوسی اور نظر بد وغیرہ سے بچنے کی۔

نہٰہم خشیۃ ان یرابہم لقول یوسف انتم جواسیس۔ (بحر)

غیر ملکی واردین وصادرین آج جو ملک میں جس بدگمانی اور بے اعتباری کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں اس وقت بھی اسی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ۔ زمانۂ قدیم میں ہر بڑے شہر کے گرداگرد شہر پناہ یا فصیل ہوتی تھی اور اس میں شہر کے اندر داخلہ کے پھاٹک متعدد ہوتے تھے۔

نظر بد کا اعتقاد قدیم شریعتوں میں عام تھا اور اس عقیدہ کے خلاف کوئی عقلی و تجربی دلیل اب بھی قائم نہیں اس لئے اگر اس سے تحفظ حضرت یعقوبؑ کی غرض مانی جائے جب بھی کوئی مضائقہ نہیں، لیکن ایک دوسرے معنی بھی ممکن ہیں، حضرت یعقوبؑ گویا یہ فرمارہے ہیں کہ اب مصر کے لوگ تمہیں جان پہچان گئے ہیں، اور عزیز مصر کی نظر عنایت تم پر معلوم و معروف ہو چکی ہے اب شہر پناہ کے ایک ہی دروازہ سے داخل ہو گے تو تم ٹھہرے غیر ملکی تمہاری وجاہت، تمہاری جمعیت، خواہ مخواہ اہل مصر کی نظر میں کھٹکے گی، اور ان کے جذبات حسد کو حرکت میں لائے گی، اس سے بہتر یہ ہے کہ تم لوگ بجائے ایک ساتھ کے، الگ الگ متفرق پھاٹکوں سے داخل ہو تو ممکن ہے لوگوں کی نظر نہ پڑے اور تم ہدف حسد ہونے سے بچ جاؤ۔

۱۲۷ (سو تم بھی اصل بھروسا اسی پر رکھنا، اپنی تدبیروں پر نظر نہ رکھنا۔)

وَمَا أُغْنِي عَنكُم مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ۔ یعنی میں کیا اور میری تدبیر ہی کیا! میں کوئی تقدیر الٰہی تھوڑے ہی تم پر سے ٹال سکتا ہوں — کیا شان عبدیت اللہ کے پیمبروں میں ہوتی ہے! بشریت اور تعلق مع اللہ کی کیسی جامع!

آیت سے ظاہر ہو گیا کہ نفس تدبیر ہرگز منافی توکل نہیں، البتہ اس تدبیر پر پورا اعتماد کر بیٹھنا اور اس کو مؤثر حقیقی سمجھنے لگنا منافی توکل ہے۔

مِن شَيْءٍ۔ میں نفی کامل کا بیان ہے یعنی میری تدبیریں خفیف و ادنیٰ درجہ میں بھی مشیت الٰہی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ۔ سارے اختیارات تکوینی و تقدیری اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، میرا یا کسی مخلوق کا مشیت الٰہی میں ذرا بھی دخل نہیں۔

وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُم مَّا كَانَ يُغْنِي عَنْهُم

اور جب وہ داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے انھیں حکم دیا تھا، وہ اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی اُن کے کام

مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا ۚ

نہ آسکا ہاں وہ تو ایک ارمان تھا یعقوب کے دل میں جو انھوں نے پورا کر لیا ۱۲۸

وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾

اور بے شک وہ (بڑے) صاحب علم تھے اس لئے کہ ہم نے ان کو علم دیا تھا ۱۲۹ لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کا) بھی علم نہیں رکھتے ۱۳۰

آیت کا یہی وہ ٹکڑا ہے، جسے بعض اہلِ غلو، بشری حکومت و امارت کے خلاف، لاحکومتی پھیلانے کے لئے پہلے استعمال کر چکے ہیں، اور شاید آج بھی کر رہے ہیں ـــــ سیاق قرآنی پر نظر کر کے ہر منصف مزاج و صاحبِ فہم سمجھ سکتا ہے کہ اس کو اس سیاسی مسئلہ سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں۔

اِن ...... الْمُتَوَكِّلُونَ۔ توحید کا مُبلّغ اللہ کا سچا پیمبر موضوع کچھ بھی ہو، گفتگو اللہ کی حمد و ثنا اور اپنی عبدیت و خستگی ہی کی تبلیغ پر لے آتا ہے۔

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ۔ فَ سببیہ ہے، چونکہ یہ توکل علی اللہ سنّتِ انبیاء ہے، اس لئے دوسروں کو اس کی پیروی کرنا ہی چاہیئے۔

الفاء لافادة التسبيب فان فعل الأنبياء سبب لأن يقتدى بهم۔ (بیضاوی)

۱۲۸ (کچھ اس ظاہری تدبیر سے انھیں تقدیرِ الٰہی سے معاوضہ تھوڑے ہی مقصود تھا۔)

آیت میں بڑا سبق تسکین و تسلّی کا عام اہلِ اُمّت کے لئے ہے، درجۂ تدبیر و تدبیر جائز میں خدا معلوم کتنے [illegible]امات ہیں، جو دل میں آتے رہتے ہیں، ان سب کے لئے یہ بڑی سند ایک پیمبر کے عمل سے ہاتھ آگئی۔

آیت سے اس حقیقت پر بھی پوری روشنی پڑ گئی کہ اپنے جذبات کی تسکین کر لینا، اپنے دل کے ارمان نکال لینا جب مرتبۂ نبوت کے منافی نہیں تو محض مقبولیت و ولایت کے منافی کسی درجہ میں بھی نہیں۔

۱۲۹ (اور وہ علم مرضیاتِ الٰہی کا تھا، جیسا کہ ہر نبی کو ہم دیتے رہتے ہیں۔)

حضرت یعقوب علیہ السلام اس علم صحیح ہوتے ہوئے ظاہر ہے کہ تدبیر کو مؤثر حقیقی کب سمجھ سکتے تھے، انھوں نے تو صرف درجۂ تدبیر میں ایک احتیاط برتی تھی، اور ایسی احتیاطیں نا مشروع و نا محمود نہیں، بلکہ عین مشروع و محمود ہیں۔

وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ۔ اس ٹکڑے سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ قرآن مجید نے علم کو کس معنی میں استعمال کیا ہے، اور کس علم کی فضیلت بیان کی ہے۔ یہ علم نہ فلسفہ ہے، نہ سائنس ہے نہ ہندسہ نہ معاشیات نہ ارضیات بلکہ صرف علم مرضیاتِ الٰہی یا ایمانیات۔

۱۳۰ (بلکہ اپنے جہل سے تدبیر ہی کو مؤثر حقیقی سمجھنے لگتے اور معتوب ہوتے ہیں۔)

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلٰى يُوسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىٓ اَنَا

اور جب یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو (یوسف) نے اپنے (حقیقی) بھائی کو اپنے پاس جگہ دی ۱۳۱ؔ (اور) کہا

اَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ

میں تو تمہارا بھائی (یوسف) ہوں سو جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے ہیں اس پر (اب) رنج مت کرو ۱۳۲ؔ پھر جب ان کا سامان

بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِى رَحْلِ اَخِيهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ

تیار کر دیا تو پانی کا گلاس اپنے (حقیقی) بھائی کے شلیتہ میں رکھ دیا ۱۳۳ؔ ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا

اَيَّتُهَا الْعِيرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُونَ ﴿۷۰﴾

اے قافلہ والو ضرور تم ہی چور ہو ۱۳۴ؔ

ایک مومنِ صادق اور عارف اس کے برعکس تدبیر کو بھی ایک ذریعۂ تعمیلِ ارشاد کا بنا لیتا اور مستحقِ اجر و ثواب ہو جاتا ہے۔

۱۳۱ؔ (شفقت و عزت کے ساتھ)

خاطر داریوں اور مہمان نوازیوں کی تفصیلات توریت میں بھی درج ہیں لیکن دوسرے بھائیوں کے شمول میں۔ ہمارے مفسرین نے مخصوص بن یامین کی خاطر داریوں کا ذکر کیا ہے یہی سیاق قرآنی کے زیادہ مطابق ہے اور عقل بھی اس کو ترجیح دیتی ہے۔

۱۳۲ؔ (کہ اب تو اللہ نے ہم بچھڑے ہوؤں کو ملا دیا۔)

ملنے کے بعد یقیناً بھائی بھائی میں خوب باتیں ہوں گی، اور یہ تجویز یقیناً زیرِ بحث آئی ہوگی کہ آئندہ کے لئے ان ظالم بھائیوں سے بچ کر بن یامین کے یوسف ہی کے پاس رہنے کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جائے، اور بالآخر ایک صورت طے پا گئی جس کا ذکر ابھی بعد کی آیتوں میں آتا ہے۔

قَالَ اِنِّىٓ اَنَا اَخُوكَ۔ یہ مکالمت ظاہر ہے کہ آپ نے سرِ دربار نہیں، بلکہ تخلیہ میں کی ہوگی۔

۱۳۳ؔ (اس مصلحت کے ساتھ کہ جب یہ لوگ رخصت ہو جائیں گے تو خود ہی اس جامِ شاہی کی تلاش شروع ہوگی، اور یہ شبہ قدرۃً انہیں قافلہ والوں پر ہوگا۔)

یہ منصوبہ بن یامین کے مشورہ ہی سے تیار ہوا تھا، اس لئے وہ قدرۃً بے فکر اور مطمئن تھے، اور ان کے کسی دھوکے یا غلط فہمی میں پڑنے کا احتمال ہی نہ تھا۔

السِّقَايَةَ۔ غلہ ناپنے کا پیمانہ بھی یہی گلاس تھا، اور توریت میں ہے کہ یہ گلاس چاندی کا تھا، ہمارے یہاں کی بھی بعض روایتیں چاندی ہی سے متعلق ہیں۔

توریت میں ہے:۔

"اور اس نے اپنے گھر کے داروغہ کو یہ حکم کیا کہ ان آدمیوں کے بوروں کو غلہ سے جتنا کہ وہ لے جا سکیں بھر،

قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾

وہ بولے اور ان کی طرف متوجہ ہوئے کہ تمھاری کیا چیز گم ہوئی ہے ۱۳۵

اور ہر شخص کی نقدی اس کے بورے کے اندر ڈال دے اور میرا روپیہ کا پیالہ چھوٹے کے بورے میں اوپر والا اس کے غلہ کی قیمت سمیت رکھدے چنانچہ اس نے یوسفؑ کے فرمانے کے موافق عمل کیا" (پیدائش۔ ۴۴: ۱-۲)

۱۳۴ یہ ندا کرنے والا یقیناً مہمان خانہ کا کوئی افسر ہوگا، اب سوال یہ ہے کہ یہ اس نے بطور خود کہا، یا حضرت یوسفؑ کے حکم سے؟ قرینہ تو یہی کہتا ہے کہ از خود کہا ہوگا، ورنہ تنگ اس صاف اور باضابطہ کارروائی کے لئے جانے کی ضرورت کیا تھی، اور نہ قرآن مجید ہی میں اس کی طرف کوئی اشارہ ہے، صرف بعض مفسرین کی یہ رائے ہے، اور اگر اسے تسلیم کر لیا جائے، تو زیادہ سے زیادہ صورت توریہ کی لازم آتی ہے یعنی سرقہ سے حقیقۃً مراد وہ سرقہ تھا کہ حضرت یوسفؑ کو حضرت یعقوبؑ سے غائب کر دیا تھا، لیکن سامعین معنی قریب یعنی پیمانہ کا سرقہ سمجھے۔

لیکن اگر یوسفؑ کا اذن و حکم نہ فرض کیا جائے تو اس توجیہ و تاویل کی بھی ضرورت نہیں، اور اس صورت میں بات بالکل صاف ہو کر رہتی ہے کہ مہمان خانہ کے اہل کاروں اور عملہ والوں نے از خود یہ قیاس کر کے یہ صدا اٹھائی

لیس فی القرآن انھم نادوا بذلك الندا عن امر یوسف علیہ السلام والاقرب الی ظاھر الحال انھم فعلوا ذلك من انفسھم۔ (کبیر)

قال قائل من الموکلین بالصیعان وقد فقدوہ ولم یدروا من اخذہ ایتھا العیر انکم لسارقون علی ظن منھم انھم کذلك ولم یامرھم یوسف بذلك (جصاص) قیل قالوہ من غیر امر یوسف (معالم) ھو من قبل المؤذن بناء علی زعمہ۔ (روح)

حضرت یوسفؑ کو ملزم قرار دینے کی ذمہ داری توریت کے بیان پر ہے، چنانچہ اُس میں ہے:-

"جوں ہی صبح کی روشنی ہوئی، وہ سب اپنے گدھے لے کر چل نکلے، جب وہ شہر سے تھوڑی دور باہر گئے، یوسفؑ نے اپنے گھر کے داروغہ کو کہا کہ اٹھ اور ان لوگوں کا پیچھا کر، اور جب تو انھیں پاوے تو انھیں کہہ کہ تم نے کس لئے نیکی کے عوض یہ بدی کی؟" (پیدائش۔ ۴۴: ۴و۵)

ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ۔ یعنی جب قافلہ کچھ دور نکل گیا، اور شاہی مہمان خانہ کے اہل کاروں کو وہ پیمانہ غائب نظر آیا، تو قدرۃً انھیں شبہ اسی قافلہ والوں پر گزرا، اور ان میں سے کسی نے لپک کر یہ آواز دی

اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ظن غالب کی بنا پر اگر کسی کو چور کہدیا جائے تو اس پر کذب کا اطلاق نہ ہوگا

فلم یکن قول ھذا القائل کذبا اذ کان مرجعہ الی غالب ظنہ۔ (جصاص)

۱۳۵ (کہ جس سے ہم پر شبہ چوری کا کر رہے ہو)

برادرانِ یوسفؑ نے یہ صدا سن کر پیچھے مڑ کر دیکھا، اور حیران ہو کر کہا کہ آخر وہ ہے کیا چیز جس کے غائب ہو جانے سے آپ ہم لوگوں کو چور سمجھنے لگے؟

عَلَيْهِمْ۔ کے صیغۂ جمع سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاش میں تعاقب کرنے والا کوئی فرد واحد نہ تھا، بلکہ

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاۗءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾

وہ بولے ہم سے شاہی پیمانہ گم ہوا ہے اور جو کوئی اسے لے آئے گا، اس کے لئے ایک بار شتر (غلہ) ہے اور میں اس کا ذمہ دار ہوں ۱۳۶ ۱۳۷

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا

وہ بولے بخدا تمہیں خوب معلوم ہے کہ ہم لوگ ملک میں فساد پھیلانے نہیں آئے ہیں اور نہ ہم چوری کرتے رہے ہیں ۱۳۷

سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَاۗؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾

وہ بولے اس (چور) کی کیا سزا اگر تم جھوٹے نکلے ۱۳۸

متعدد سلطانی اہل کار پیادے یا سوار تھے۔

۱۳۶ یہ انعام خزانۂ سرکار کی طرف سے مقرر ہوا تھا، اور قحط و خشک سالی کے زمانہ میں غلہ کا راشن اتنی بڑی مقدار میں ایک بہت بڑا انعام تھا۔

وَاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ۔ یہ کہنے والا کون تھا اور اَنَا کی ضمیر کس طرف ہے؟ لازمی نہیں کہ حضرت یوسفؑ ہی سے مراد لی جائے، سرکاری اہل کار متعلقہ بھی مراد ہو سکتا ہے اور اکثر اکابر سلف اسی طرف گئے ہیں۔

الزعیم ھو المؤذن (ابن جریر عن مجاھد) یقوله المؤذن۔ (مدارک و معالم)

وھو قول المؤذن۔ (روح)

۱۳۷ برادرانِ یوسفؑ نے لپٹ اور یہ عجیب و غریب اور توہین آمیز الزام سن کر ان اہل کارانِ سرکار سے کہا کہ ہم اپنے ملک و قوم کے اعیان و اشراف میں ہیں، چوری سے ہمیں واسطہ کیا، اور پھر ہم تو آپ کے مہمان ایک بار قبل بھی رہ چکے ہیں، اور ہمارے اطوار و خصائل آپ پر واضح ہو چکے ہیں، آپ کو یہ خیال ہی کیسے گزرا کہ ہم آپ کے ملک میں کوئی جرم کرتے یا خصوصاً چوری چکاری کرنے آئے ہیں۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ۔ خطاب یہاں عہدہ دارانِ سرکاری سے ہے، اور تا سے قسم اور لَقَدْ کی دہری تہری تاکید سے اپنے دعوی پر انتہائی زور دینا مقصود ہے، جیسے اردو میں کہتے ہیں کہ یہ خیال ہی آپ کو کیسے پیدا ہوا۔

تَاللّٰهِ۔ ت قسم کی ہے، اور یہ تائے قسم عربی میں صرف لفظ "اللہ" پر داخل ہوتی ہے یہ قول اصح۔ اس کے کسی مرادف رحمٰن، رب وغیرہ پر نہیں آتی، اور اس میں پہلو تعجب کا بھی شامل رہتا ہے۔

حرف جر للقسم و تختص بالتعجب و باسم اللہ تعالیٰ علی الصحیح۔ (قاموس۔ تاج)

قسم فیہ معنی التعجب۔ (بیضاوی۔ مدارک)

۱۳۸ (اپنی بے قصوری کے دعوی میں، اور چوری ثابت ہو گئی۔)

ان افسروں نے کہا کہ اگر تلاش کے بعد سامان تمہارے ہی پاس نکل آیا، اور تمہاری صفائی جھوٹی ثابت ہوئی تو تمہیں اپنے ملک و قوم کے آئین کے لحاظ سے بتاؤ کہ تمہاری کیا سزا؟

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ

وہ بولے کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کسی کے تھیلے میں وہ "پیمانہ" مل جائے تو وہی (چور) اپنی سزا ہے ہم لوگ

نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْهِ ثُمَّ

مجرموں کو یوں ہی سزا دیا کرتے ہیں ۱۳۹ پھر (یوسف) نے اپنے (حقیقی) بھائی کے تھیلے سے قبل دوسرے تھیلوں سے

اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِیْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِیُوْسُفَ ؕ

(تلاشی کی) ابتداء کی پھر اس (پیمانہ) کو اپنے (حقیقی) بھائی کے تھیلہ سے برآمد کر لیا، اس طرح کی تدبیر ہم نے یوسف کی خاطر کر دی ۱۴۰

۱۳۹ یعنی ہماری شریعتِ اسرائیلی میں چور کی سزا یہی ہے ــــــ توریت میں جو سزائیں درج ہیں، خیال رہے کہ وہ شریعتِ موسوی کی ہیں، شریعتِ اسرائیلی اس سے مدتوں قبل کی ہے۔

فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ۔ یعنی چوری کی سزا یہیں صاحبِ مال چور کو اپنا غلام بنالے۔

والمعنی ان استعبادہ ھو جزاء ذلک الجرم۔ (کبیر)

قدیم قوانین میں اور بھی اس سزا کی نظیریں ملتی ہیں۔

۱۴۰ (بن یامین کو پاس رکھ لینے کی)

كِدْنَا ۔ صیغۂ متکلم لاکر اللہ تعالیٰ نے گویا یہ صاف کر دیا کہ اس سلسلہ میں جو کچھ بھی مخفی کارروائیاں ہوئیں سب ہمارے ایماء سے ہوئیں، یوسفؑ کسی منزل پر بھی قابلِ الزام نہیں۔

فَبَدَاَ ۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تلاشی یوسفؑ نے اپنے ہاتھ ہی سے لی ہو، ان کے کسی نائب کا فعل بھی انہیں کا سمجھا جائے گا۔

کید، مکر، کے قسم کے الفاظ جب حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتے ہیں تو اس سے مراد محض مخفی تدبیر ہوتی ہے۔ (جیسا کہ کسی پچھلے حاشیہ میں تفصیل سے آچکا ہے۔) نہ کہ اردو محاورہ کے مطابق دغا فریب وغیرہ۔

الکید من الخلق الحیلۃ ومن اللہ التدبیر بالحق۔ (معالم)

امام رازی نے کہا ہے کہ اس قسم کے الفاظ جب حق تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتے ہیں تو ان سے مراد ان اعمال کی منتہائے مقصود اور حاصل غرض ہوتی ہے نہ کہ ان اعمال کے ابتدائی مدارج۔

انا ذکرنا قانونا معتبرا فی ھذا الباب وھو ان امثال ھذہ الالفاظ تحمل علی نهایات الاغراض لا علی بدایات الاغراض۔ (کبیر)

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِیُوْسُفَ ۔ فقہاء نے یہاں سے یہ استدلال کیا ہے کہ مقصد مباح کے حاصل کرنے کے لئے حیلہ کرنا جائز ہے۔

مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ

(یوسف) اپنے بھائی کو بادشاہ (مصر) کے قانون کے لحاظ سے نہیں لے سکتے تھے ۱۴۱ مگر یہ ہے کہ اللہ ہی کو منظور تھا،

نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ ۗ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿٧٦﴾

ہم جس کے مرتبے چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں، اور ہر صاحب علم سے بڑھ کر ایک عالم ہے ۱۴۲

دلالة علی اجازة الحیلة فی التوصل الی المباح۔ (جصاص)

۱۴۱ مصری قانون میں چوری کی سزا غلامی نہیں، جرمانہ و تازیانہ تھی۔

لِيَأْخُذَ۔ اخذ کے یہاں معنی پکڑ لینے کے نہیں، گرفتار تو بن یامین ہو ہی گئے تھے، یہاں اس سے مراد یوسفؑ کا انھیں اپنے پاس رکھ لینا ہے، جیسا کہ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے۔

ماکان الخ۔ مصری قانون کے لحاظ سے یہ بات حضرت یوسفؑ کے لئے ممکن نہ تھی۔

ای لم یکن لہ اخذہ فی حکم ملک مصر قال الضحاک وغیرہ (ابن کثیر)

یعنی ان یوسف لم یکن یتمکن من حبس اخیہ فی حکم الملک (معالم)

والمعنی أنہ کان حکم الملک فی السارق ان یضرب ویغرم ضعفی ما سرق فماکان یوسف قادرًا علی حبس اخیہ عند نفسہ بناء علی دین الملک وحکمہ۔ (کبیر)

اور ظاہر ہے کہ یہ غیر ملکی اصولاً اسی ملک کے قانون کے ماتحت تھے، جس میں اس وقت مقیم تھے، جیسا کہ آج تک بین الاقوامی قانون کا دستور چلا آتا ہے۔

فِي دِينِ الْمَلِكِ۔ اس تصریح سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت یوسفؑ بہ ایں اقتدار و بہ ایں تقویٰ اسی ملکی مصری قانون کو چلا رہے تھے۔

۱۴۲ (تو کوئی بھی اپنے علام پر نازاں نہ ہو، جہاں سب کا علم ختم ہو جاتا ہے، اس کے بھی اوپر اس ہستی کا علم ذاتی اور علم محیط ہے، جس کا نام عالم الغیب والشہادۃ ہے۔)

إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ۔ چنانچہ خود انھیں لوگوں کی زبان سے یہ نکلا کہ ہم میں جس کی بھی چوری ثابت ہو اُسے اپنا غلام بنا لو ــــ یعنی ملکی قانون کے لحاظ سے تو یوسفؑ کو کوئی اختیار تھا ہی نہیں کہ بن یامین کو اپنے پاس روک رکھیں، یہ تو محض اللہ نے اپنی مشیت تکوینی سے یہ بات عہدہ داروں کے دل میں ڈال دی، جو انھوں نے خود اسرائیلیوں سے اُن کے قانون کی بابت سوال کر لیا۔

نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ۔ سیاق چاہتا ہے کہ یہاں درجات علم مراد ہوں، چنانچہ یوسف علیہ السلام کا مرتبہ علم میں اتنا بڑھ کر رہا۔

ای بالعلم کما رفعنا درجة یوسف علی اخوتہ (معالم)

وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ۔ آیت کا یہ جز بڑے ہی کام کا ہے ــــ کسی کو بھی اس کے بعد

قَالُوْٓا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا

(برادران یوسف) بولے کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو اس کا (عینی) بھائی بھی اس کے پیشتر چوری کر چکا ہے ۱۴۳

یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ وَلَمْ یُبْدِهَا لَهُمْ ۚ

پس یوسف نے اسے اپنے دل میں پوشیدہ رکھا اور اسے ان پر ظاہر نہ ہونے دیا ۱۴۴

دعویٰ اپنے علم و فضل کا باقی رہ سکتا ہے؟
روشنی اس حقیقت پر بھی پڑ گئی کہ علم کی انتہا نہیں ہے، بڑے سے بڑا عالم بھی کچھ چیزوں سے بے علم ضرور ہوتا ہے۔

۱۴۳ (اس لئے اس کی چوری پر کچھ ایسا تعجب نہیں۔)
برادرانِ یوسف کی سیرت جو شروع سے نمودار ہو رہی ہے اب اس میں ایک اور عنوان کا اضافہ ہوا جھٹ ایک الزام یوسفؑ پر اور دھر دیا، روایتوں میں آیا ہے (مگر کوئی روایت بھی مستند نہیں) کہ انھوں نے اپنے بچپن میں اپنے نانا کے یہاں ایک سونے کی مورتی اٹھا کر غائب کر دی تھی، اس خیال سے کہ اب تو بت پرستی سے باز رہیں گے، تو بھائیوں نے یہ حوالہ اس واقعہ کا دیا۔

کان جدہ ابو امہ کافرا یعبد الاوثان فامرتہ امہ بان یسرق تلک الاوثان ویکسرھا فلعلہ یترک عبادۃ الاوثان ففعل ذلک فھذا ھو السرقہ۔ (کبیر عن سعید بن جبیر)

باقی برادرانِ یوسفؑ کی جو سیرت شروع سے اب تک ظاہر ہوئی ہے اس کے بعد اس چھان بین کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

۱۴۴ یوسفؑ کو اپنے برادران نامہربان کا یہ قول سن کر غصہ تو قدرۃً آیا لیکن آپ نے اسے ظاہر نہ فرمایا۔
ھا۔ کی ضمیر دونوں جگہ اس فقرہ کی طرف ہے جو آگے آ رہا ہے۔

فاسر الجملۃ او الکلمۃ التی ھی قولہ انتم شر مکانا۔ (کبیر عن الزجاج)

یعنی الکلمۃ التی بعدھا (ابن کثیر) یعنی بھا الکلمۃ (معالم)

ای استرق نفسہ قولھم۔ (قرطبی)

دوسرے مرجع بھی ذکر کئے گئے ہیں مثلاً اجابۃ کہ یوسفؑ نے اس وقت جواب نہیں دیا، یا مقالہ کہ یوسف علیہ السلام نے سرقہ کی اصل حقیقت ان پر نہ کھول دی۔

ای فاسر یوسف اجابتھم فی نفسہ فی ذلک الوقت (کبیر) ویحتمل ایضا ان یکون اضمارا للمقالۃ والمعنی اسر یوسف مقالتھم۔۔۔۔ یعنی اسر یوسف فی نفسہ کیفیۃ تلک السرقۃ ولم یتبین لھم انھا کیف وقعت (کبیر) اسرھا لہ فی جواب ھذہ الکلمۃ (ابن عباس) لم یبدھا ای جوابھا۔ (ابن عباس)

قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا

کہا کہ تم تو (اور بھی) بدتر ہو اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے ۱۴۵؎ وہ بولے اے عزیز اس کا

الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا

باپ بہت ہی بوڑھا ہے سو آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو لے لیجئے ہم تو آپ کو بہت

نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ

نیک مزاج پاتے ہیں ۱۴۶؎ (یوسف نے) کہا اللہ اس سے پناہ میں رکھے کہ ہم نے جس کے پاس اپنی چیز

وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ ع

پائی ہے اس کے (سوا کسی اور کو) پکڑ رکھیں، اس حالت میں تو ہم ہی بڑے بے انصاف ٹھہریں گے ۱۴۷؎

ع ۹ ۱۱ ۳

۱۴۵؎ یعنی تم جو ہم دونوں کو چور بنا رہے ہو اس کی حقیقت اللہ ہی پر خوب روشن ہے۔

قَالَ۔ یوسفؑ نے یہ سب کچھ اپنے دل میں کہا۔

اے فی نفسہ۔ (ابن عباس)

اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا۔ کہ دوسرے تو مال ہی چراتے ہیں، اور تم نے تو انسان کو چرا لیا، اور وہ بھی اپنے باپ سے اس کے محبوب ترین بیٹے کو! ــــ فقرہ کا مفہوم اردو روزمرہ میں "تم ایک چھٹے ہوئے ہو۔"

۱۴۶؎ برادرانِ یوسفؑ نے جب دیکھا کہ اب تو بُرے پھنسے اور ضابطہ سے اب کوئی صورت عزیز مصر کے قید سے بن یامین کے چھوٹنے کی نظر نہیں آتی، اور باپ کو جو زبردست اور حلفیہ قول و قرار دے آئے تھے وہ سب یاد آئے تو اب لگے خوشامد کی راہ سے کہنے کہ حضور والا، اس لڑکے کے چاہنے والے باپ بہت بوڑھے ہیں! ان کے قلب کو بہت سخت صدمہ ہوگا، اس لئے آپ یہ کیجئے کہ اس لڑکے کے بجائے ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے، اور اسے جانے دیجئے، اور حضور جیسے رحیم المزاج حاکم ہماری درخواست ضرور ہی منظور کر لیں گے، ہمیں بڑی آس لگی ہوئی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ۔ یہ خطاب ظاہر کرتا ہے کہ حضرت یوسفؑ مدار المہامی یا صدر اعظمی پر فائز ہو چکے ہیں، اور اہل معاملہ آپ کو سرکاری لقب سے مخاطب کر رہے ہیں۔
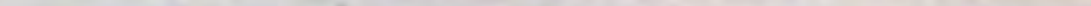
مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ اردو میں ایسے موقع پر محسن کا ترجمہ غریب پرور سے کریں گے۔

۱۴۷؎ آپؑ نے فرمایا کہ تم نے بھی غضب کر دیا! مجھ سے یہ چاہتے ہو کہ مال برآمد ہو کسی کے پاس سے، اور سزا لے کسی کو؟ حاشا! مجھ سے تو یہ ناانصافی نہیں ہونے کی۔

شریعت اسلامی میں بھی سزائے بدلی میں مبادلہ جائز نہیں ہے، زید اگر اپنی خوشی سے اپنے کو عمرو کے عوض رجم یا قتل یا قطع عضو کے لئے پیش کرے تو قاضی یا مدعی کو اس کو قبول کر لینے کا اختیار نہیں۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۖ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا

پھر جب وہ ان کی طرف سے مایوس ہوگئے تو علیحدہ باہم مشورہ کرنے لگے ۱۴۸ ان میں سے بڑے نے کہا کیا تمھیں معلوم

اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ

نہیں کہ تمہارے باپ تم سے اللہ کی قسم کھلا کر قول لے چکے ہیں اور اس کے قبل یوسف کے بارے میں تو

مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ

تقصیر کر ہی چکے ہو ۱۴۹ سو میں تو (اس) سر زمین سے ٹلنا نہیں جب تک میرے باپ مجھ کو

لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾

اجازت نہ دیں یا اللہ ہی میرے حق میں فیصلہ کر دے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ۱۵۰

حضرت یوسفؑ کمال احتیاط سے بن یامین کو اپنی زبان سے چور نہیں کہتے بلکہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ مال تو تمہارے سامنے جس کی تلاشی میں نکلا، سزا تم اس کے سوا اور کو دلانا چاہتے ہو!

۱۴۸ (کہ اب کیا کرنا چاہئے، نہ بن یامین کو چھوڑ کر واپس جاتے بنتا ہے نہ یہاں ٹھہرتے)

منه۔ ضمیر یوسفؑ کی طرف بھی جاسکتی ہے، اور بن یامین کی طرف بھی — پہلی صورت میں "جب ان لوگوں کو یوسفؑ کی طرف سے، یوسفؑ کے جواب سے مایوسی ہوگئی"۔ دوسری صورت میں "جب ان لوگوں کو بن یامین کی طرف سے بن یامین کے متعلق مایوسی ہوگئی"۔

۱۴۹ (وہی ایک پرانی شرمندگی کیا کم ہے کہ یہ نئی شرمندگی لے کر ان کے پاس جاؤں)۔

قَالَ كَبِيْرُهُمْ۔ توریت میں اس موقع پر نام یہودا کا درج ہے، جو اپنے بھائیوں میں چوتھے نمبر پر تھے، قرآن نے اس تاریخی غلطی کی تصحیح کر دی، البتہ کبیر سے لازمی مراد سن کی بڑائی نہیں، عقل وغیرہ کی بڑائی بھی مراد لے جانے کی گنجائش ہے۔

قیل کبیرهم فی العقل وهو یهودا وهو الذی نهاهم عن قتل یوسف (کبیر) ای اعقلهم (ابن قتیبه) یعنی فی العلم والعقل لا فی السن قاله ابن عباس والکلبی هو یهودا وهو اعقلهم۔ (معالم)

اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا ... مِّنَ اللّٰهِ یعنی ہم تو حلف مؤکد کے ساتھ بن یامین کی حفاظت کا وعدہ کر چکے ہیں، اور ایسی مجبوری ابھی تک لاحق ہوئی نہیں ہے کہ ہم کوئی تدبیر کسی درجہ میں بھی نہ کرسکیں۔

۱۵۰ یعنی یا تو والد ماجد ان حالات خصوصی کو سن کر خود ہی مجھے یہاں سے ہٹنے اور وطن آنے کی اجازت دے دیں، اور یا اللہ تعالیٰ بن یامین ہی کو رہائی کی کوئی سبیل نکال دے، اور ہم سب اسے ساتھ لے کر چلیں۔

اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا

تم لوگ اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور ان سے کہو کہ ابا آپ کے بیٹے نے چوری کی، اور ہم تو

شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿٨١﴾

شاہد اُتنے ہی کے تھے جتنا ہمارے علم میں آیا اور ہم غیب کے جاننے والے تو ہیں نہیں اہ

وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ

آپ اس بستی والوں سے دریافت کر لیجئے جہاں ہم تھے اور اس قافلہ والوں سے (بھی) جس میں ہم آ کے ہیں

وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٨٢﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ

اور بیشک ہم ہی سچے ہیں ۱۵۲ہ (یعقوبؑ) نے کہا ہاں یہ کہو کہ تمہارے دل نے ایک بات گھڑ لی ہے ۱۵۳ہ

اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ۔ نبی زادے اپنی ساری شرارتوں اور مفسدہ پردازیوں کے باوجود بہرحال نبی زادے تھے ـــ آخر بولے تو وہی بولی بولے جو نبی زادے کے شایانِ شان تھی۔

۱۵۱ہ ہمیں کیا خبر تھی کہ بن یامین یہ حرکت کرے گا، ورنہ ہم کبھی قول و قرار نہ دیتے۔

وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا۔ یعنی قول و قرار دیتے وقت تو ہم نے صرف اتنی ہی ذمہ داری لی تھی، جتنی ہمارے ظاہر علم میں آ سکتی تھی۔

فقہاء نے یہاں سے یہ نکالا ہے کہ ظاہر علم پر بھی، بغیر حقیقت علم کے شمول کے، اسم علم کا اطلاق جائز ہے۔

هذا يدل على جواز اطلاق اسم العلم من طريق الظاهر وان لم يعلم حقيقته۔ (احکام)

۱۵۲ہ یعنی اگر آپ ہماری بات کا یقین نہیں کرتے تو اپنے کسی معتبر آدمی کو بھیج کر مصر سے تصدیق کرا لیجئے۔ یا ہمارے ساتھ جو اور اہلِ قافلہ تھے، انھیں سے دریافت کر لیجئے، سب ہمارے ہی بیان کی تصدیق کریں گے۔

وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا۔ اس وقت سفر کا عام طریقہ یہی تھا کہ بہت سے لوگ مل کر اور قافلہ بنا کر سفر کرتے تھے، اور پھر قحط و گرانی کی مصیبت تو آس پاس کے ملکوں میں پھیلی ہوئی تھی ہی، آلِ یعقوب کے علاوہ اور بھی خدا معلوم کتنے اس طرح قافلہ بنا بنا کر مصر پہنچ رہے تھے۔

۱۵۳ہ (جیسا کہ واقعہ یوسف میں تم پہلے بھی کر چکے ہو)

یہ گفتگو اب اس موقع کی ہے کہ بڑے بھائی اور بن یامین کو مصر میں چھوڑ اور سب بھائی کنعان میں اپنے والد ماجد کی خدمت میں پہنچے ہیں، اور روئداد مصائب سنائی ہے۔ شدتِ غم و حزن میں انسان ایسے ہی کلمات کے ادا کرنے پر طبعاً مضطر ہے، اور پیمبر بھی انسان ہی ہوتے ہیں سارے جذبات انسانی کے ساتھ ـــ بجنسہٖ یہی فقرہ حضرت یعقوب علیہ السلام، یوسف کی گمشدگی کی اطلاع پر بھی فرما چکے تھے۔

فَصَبۡرٌ جَمِيۡلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّاۡتِيَنِىۡ بِهِمۡ جَمِيۡعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ

خیر (میں) صبر ہی (کروں گا) بلا آمیزش شکایت کیا عجب کہ اللہ ان سب کو مجھ تک پہنچادے ۱۵۴ بے شک

الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنۡهُمۡ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوۡسُفَ

وہی بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے ۱۵۵ اور ان کی طرف سے منہ پھیر لیا، اور کہنے لگے ہائے یوسف! اور غم سے

وَابۡيَضَّتۡ عَيۡنٰهُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَهُوَ كَظِيۡمٌ ﴿۸۴﴾

(روتے روتے) ان کی آنکھیں سفید پڑ گئیں، اور وہ گھٹ گھٹ کر رہتے تھے ۱۵۶

فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ جو متہم اور مشتبہ ہو، اس کو یقین کے ساتھ نہیں، لیکن حدود ظن تک متہم و مشتبہ سمجھنا موجب معصیت نہیں، اس لئے کہ انسان اس پر طبعاً مضطر بھی ہے۔

۱۵۴ (اور میرے یوسفؑ کے خواب کی تعبیر سچی نکل آئی۔)

بِهِمۡ جَمِيۡعًا۔ بہم صیغہ جمع کا ہے، تثنیہ کا نہیں، مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنے تینوں بچھڑے ہوئے بیٹوں سے تھی، یوسفؑ و بن یامین کی محبوبیت تو ظاہر ہی ہے، لیکن اب معلوم ہوا کہ تعلق خاطر اس تیسری اولاد سے بھی پوری طرح تھا۔

فَصَبۡرٌ جَمِيۡلٌ۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۲۷

بشریت و عبدیت نیز فطرت بشری میں بصیرت کے جتنے سبق اس قصۂ یوسفی میں ملتے ہیں، اس لحاظ سے یہ سورہ بے نظیر ہے، اور عجب نہیں کہ قرآن نے اسے جو احسن القصص ٹھیرایا ہے، اس کی بڑی بنیاد یہی ہو۔

۱۵۵ اسی علیم کو خوب خبر ہے کہ ان میں سے کون کون کس حال میں کہاں کہاں ہے، اور وہی حکیم جب ملانا چاہے گا تو اپنی حکمت سے اسباب اور تدبیریں بھی ایسی پیدا کر دے گا، میرا بھی حالِ زار اس علیم و حکیم پر خوب روشن ہے، اور مجھے جو اس ابتلاء میں اس نے ڈالا ہے، وہ بھی کسی مصلحت ہی سے ہے۔

۱۵۶ جسے فطرتِ بشری سے ذرا بھی واقفیت ہے، وہ جانتا ہے کہ نئی چوٹ سے پرانی چوٹ تازہ ہو جاتی ہے اور تازہ غم سے پرانا غم ہرا ہو جاتا ہے، یہ امر انسان کے لئے طبعی ہے، چنانچہ اسی کے اقتضاء سے آپؑ بھی حضرت یوسفؑ کو از سر نو شدت کے ساتھ یاد کرنے لگے ——— پیمبر اپنے جذبات و احساسات کے لحاظ سے بالکل بشر ہوتا ہے، مافوق البشر نہیں ہوتا، یہ سبق قصۂ یوسفی کے ایک ایک جزئیہ سے بار بار دہرایا جا رہا ہے۔

تَوَلّٰى عَنۡهُمۡ۔ یہ منہ پھیر لینا انقباضِ طبعی کے اثر سے تھا، اور پیمبر اس سے بالاتر نہیں ہوتا ——— اللہ اللہ! بیان قرآنی کن کن جزئیاتِ نفسیاتی کا حامل ہے!

وَابۡيَضَّتۡ عَيۡنٰهُ مِنَ الۡحُزۡنِ۔ یہ اشک افشانی کمالاتِ نبوت کے ذرا بھی منافی نہیں، (جیسا کہ نافہمی سے بعضوں نے لکھ دیا ہے) بلکہ اور زیادہ شفقت اور رقتِ قلب کی علامت ہے۔

قَالُوۡا تَاللّٰهِ تَفۡتَؤُا تَذۡكُرُ يُوۡسُفَ حَتّٰى تَكُوۡنَ حَرَضًا اَوۡ تَكُوۡنَ

(بیٹے) بولے آپ تو واللہ یوسف ہی کی یاد میں سدا لگے رہیں گے یہاں تک کہ جاں بلب ہو جائیں گے یا

مِنَ الۡهٰلِكِيۡنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اَشۡكُوۡا بَثِّىۡ وَحُزۡنِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ

دم ہی نکل جائے گا ۱۵۷؎ (یعقوبؑ نے) کہا میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت بس (اپنے) اللہ ہی سے

وَاَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۶﴾

کر رہا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ۱۵۸؎

یجوز للنبی علیہ السلام ان یبلغ بہ الجزع ذلک المبلغ لان الانسان مجبول علی ان لایملک نفسہ عند الحزن ۔ (مدارک)

اور حضرت یوسفؑ تو خیر پلے پلائے تھے، ہمارے حضور انورؐ تو اپنے فرزند حضرت ابراہیمؑ کی وفات پر آنسوؤں کے ساتھ روئے ہیں جو ابھی شیر خوار ہی تھے۔

فَهُوَ كَظِيۡمٌ۔ یعنی دل پر اور آنکھوں پر تو اختیار نہ تھا، باقی زبان پر کوئی کلمہ بے صبری یا جزع فزع کا نہیں آنے پاتا تھا۔

یہ فقرہ شاید اس لئے بڑھا دیا گیا ہو کہ حضرت یعقوبؑ کی شدتِ غم کے ساتھ ساتھ آپ کی شدتِ ضبط بھی نمایاں ہو جائے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ محبتِ طبعی محبتِ حق کے منافی نہیں، اس کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے، اور کاملین میں طبعی کا غلبہ انھیں رضائے حق سے غافل نہیں کر دیتا، بلکہ اس تعلق کو اور مضبوط کر دیتا ہے۔

۱۵۷؎ لڑکوں نے یہ جھنجھلا کر اور چڑ کر کہا ـــــ بوڑھوں کی ضد پر یہ جوانوں (اور نافرمان جوانوں) کی جھنجھلاہٹ، فطرتِ بشری کی کتنی صحیح تصویر ہے۔

تَاللّٰهِ۔ خدا کی قسم جس میں ناگواری اور حیرت کے جذبات بھی شامل ہیں۔

ملاحظہ ہو اسی پارہ کا حاشیہ نمبر ۱۳۷

حَرَضًا۔ ناکارہ محض۔ ادھ موا۔

المرض مالا یعتد بہ ولاخیر فیہ ولذلک یقال لما اشرف علی الھلاک حرض (راغب)

قال مجاھد الحرض ما دون الموت یعنی قریبا من الموت وقال ابن اسحاق فاسد لاعقل لہ والحرض الذی فسد جسمہ وعقلہ ۔ (معالم)

۱۵۸؎ نہ تمھیں اس کے الطاف بیکراں کا علم وہ ہے، جو مجھے ہے اور نہ تمھیں وہ اسرار و علوم مرحمت ہوئے ہیں، جو مجھے ہوئے ہیں ـــــ کاملین کو اگر شکوہ بھی حضرت حق سے ہوتا ہے تو وہ حق سے غفلت میں ڈالنے والا

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ

اے میرے بیٹو جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کی تلاش کرو، اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو،

رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾

مایوس تو بس کافر ہی لوگ ہوتے ہیں ۱۵۹

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ

پھر جب وہ لوگ (عزیز) کے پاس پہنچے تو بولے اے عزیز ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو (بڑی) تکلیف پہنچ رہی ہے ۱۶۰

اُس کی طرف سے تعلق کا انقطاع کرنے والا نہیں، الٹا اور اس تعلق کو مضبوط کرنے والا ہوتا ہے۔

اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ۔ یعنی میں جو کچھ بھی عرض معروض، شکوہ و شکایت کر رہا ہوں اپنے اللہ سے کر رہا ہوں تمہیں اس سے کیا سروکار، اور تم اس میں خواہ مخواہ ہی دخل دے رہے ہو ــــ پیمبر نہایت درجہ رقیق القلب بھی ہوتا ہے اور ساتھ ہی اپنے اللہ پر نازاں بھی۔ یہ جامعیت صرف کاملین ہی کا حصہ ہے۔

مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ صبر جمیل کے منافی اگر ہے تو شکایت الی الخلق نہ کہ شکایت الی الخالق، جو عین دعا و التجائے مطلوب ہے۔

۱۵۹ کیا ٹھکانا ہے اس اعتماد علی اللہ کا، یہ ہے شانِ نبوت!

اظہار درد و غم اپنے مالک و مولیٰ کے حضور میں کر کے اب آپؑ ظاہری تدبیروں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور یوسفؑ و بن یامین کی تلاش پر اُن کے اُنھیں بھائیوں کو پھر لگاتے ہیں۔

اِنَّهٗ ..... الْكٰفِرُوْنَ۔ مومن تو بہر حال اور آخر دم تک رحمتِ الٰہی کا سہارا رکھے گا، بے آس تو صرف وہی ہو سکتا ہے، جسے اللہ کی صفت رحیمیت پر اعتقاد نہ ہو ــــ کتنی کلیدی موعظت ہے اور کتنی اصولی حقیقت کا اعلان! اور یہ قرآن حکیم کی خصوصیاتِ خاصہ میں سے ہے کہ ایک جزئی واقعہ کے ساتھ ساتھ کلی و اصولی حقیقتوں کی بھی تلقین کرتا جاتا ہے۔

۱۶۰ (غلہ کی ناداری سے)

دَخَلُوْا عَلَيْهِ۔ ضمیر عزیز کی جانب ہے، اور یوسفؑ ہی اب عزیز تھے۔

یہ تیسرا سفر بھی ان بھائیوں نے مصر ہی کا اختیار کیا، ایک تو "راشن" کی حاجت شدید، اور یہ حاجت وہیں سے پوری ہو سکتی تھی، دوسرے بن یامین کی رہائی کی کوئی تدبیر اگر ممکن تھی تو وہیں جانے سے بن پڑ سکتی تھی۔

مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ۔ اب کی لہجہ میں اضطرار اور عاجزی قدرۃً زائد ہے ــــ قرآن نے بشری جذبات کی کسقدر رعایت قدم قدم پر رکھی ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ حاجت کے وقت یہ طریقِ اظہار جائز ہے، اور اس سے حق تعالیٰ کی شکایت کا پہلو نہیں پیدا ہوتا

وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ

اور ہم یہ نکمی پونجی لے کر آئے ہیں سو آپ ہمیں غلہ پوری ناپ سے دیجئے اور ہمارے ساتھ رعایت کیجئے،

اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ

بے شک اللہ رعایت کرنے والوں کو جزائے (خیر) دیتا ہے ۱۶۱ (یوسف) بولے وہ بھی تمھیں یاد ہے جو تم نے

بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾

یوسف اور ان کے بھائی سے (برتاؤ) کیا تھا جبکہ تم نادان تھے ۱۶۲

دل ذلك على جواز اظهار مثل ذلك عند الحاجة اليه وانه لا يجري مجرى الشكوى من الله تعالىٰ ۔ (جصاص)

۱۶۱ اپنی پیش کردہ رقم کو حقیر و ناقص کہہ کر پیش کرنا، عزیز پر اور زیادہ اپنی مسکنت و احتیاج کا اظہار کرنا تھا، یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کے مزاج کی تمکنت و خودداری بلکہ اکڑ سے خوب واقف تھے، اب جو ان کا لہجہ گدایانہ اور سائلانہ دیکھا، نہ رہا گیا، دل پگھل گیا، شفقتِ پیمبری تو غیروں تک کا دکھ نہیں دیکھ سکتی، چہ جائیکہ یہ تو اپنے بھائی ہی تھے۔

تَصَدَّقْ ..... الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۔ تصدق اور صدقہ سے یہاں اصطلاحی معنی مراد نہیں کسی کے ساتھ معاملت میں بہت زیادہ رعایت برتنا مجازاً صدقہ ہی کے حکم میں داخل ہے۔

قال سعيد بن جبير انما سالوا التفضيل بالنقصان في السعر ولم يسئلوا الصدقة (جصاص) اي تفضل علينا بالمسامحة والاغماض عن رداءة البضاعة او زد على حقنا (مدارك) اي تفضل علينا ولا تنقصنا هذا قول اكثر المفسرين (معالم) سموا ما هو فضل وزيادة لا تلزمه صدقة ۔ (كشاف)

فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ ۔ یعنی ہماری "راشنگ" میں کہیں کمی نہ کر دیجئے گا، ہماری ضرورتوں کا لحاظ کر کے للہ ہم پر رحم کیجئے۔

۱۶۲ (اور اپنے افعال کے انجام سے بے خبر)

اس طرزِ خطاب میں خود ایک حد تک ان مجرموں کی دلدہی آگئی۔

جٰهِلُوْنَ ۔ اکابر سلف نے کہا ہے کہ ہر معصیت جہالۃ ہی سے سرزد ہوتی ہے۔

قال بعض السلف كل من عصى الله فهو جاهل (ابن كثير) لما لم يفعلوا ما يقتضيه العلم ولا يقدم عليه الا جاهل مما هم جاهلين ۔ (كشاف)

او بجاهلیۃ ٹھیک ایمان کے مقابل کا لفظ ہے۔

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ

وہ بول پڑے ارے تو کیا تم یوسف ہو؟ ۱۶۳ فرمایا (ہاں) میں یوسف ہی ہوں اور یہ ہے میرا بھائی، واقعی ہم پر اللہ

اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۹۰

نے (بڑا ہی) احسان کیا ۱۶۴ واقعی جو شخص تقویٰ اور صبر اختیار کرتا ہے سو اللہ نیک کاروں کا اجر ضائع نہیں کر دیتا ہے ۱۶۵

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـــِٕيْنَ ۹۱

وہ بولے قسم ہے اللہ کی کہ اللہ نے تم کو ہم پر فضیلت دے رکھی ہے اور بے شک ہم ہی خطاوار رہے ہیں ۱۶۶

۱۶۳ عزیز کے زبان سے یہ سوال ادا ہوتے ہی ان بھائیوں کے سامنے پچھلے واقعات کی یاد بجلی کی تیزی کے ساتھ آ گئی، وہ اپنے رشک و حسد کے جذبات، وہ یوسف کے خواب سے اِن جذبات میں ترقی، اور یوسف و بن یامین کے ساتھ عرض دلی بغض، عداوت، وہ ان کا یوسف ؑ کو گھر سے جنگل میں لے جانا، وہاں کنویں میں گرانا، پھر انھیں غلام کہہ کر قافلہ والوں کے ہاتھ فروخت کر ڈالنا، غرض اپنی بدسلوکیاں ایک ایک کر کے یاد آ گئیں، اور ساتھ ہی یہ خیال بھی تازہ ہو گیا کہ یوسف کا خواب جھوٹا نہیں ہو سکتا تھا، عجب نہیں کہ یہی اس کی تعبیر ہو رہی ہو۔

اِنَّكَ۔ استفہام حیرت و حیرانی کا ہے۔

والاستفهام يدل على الاستعظام اى تتعجبوا من ذلك (ابن کثیر)

قَالُوْا۔ وہ لوگ یہ سن کر فرطِ حیرت سے بول اٹھے۔

۱۶۴ (کہ پہلے ہمیں توفیق صبر و تقویٰ عطا کی، اور پھر یہ دنیوی نعمتیں بھی عطا کیں)

۱۶۵ (بلکہ پورا پورا ادا کر دیتا ہے۔)

قرآن مجید تو دوسروں کی زبان سے بھی جزئیات کے ساتھ ساتھ اصول و کلیات ادا کر دیتا ہے، پھر یوسف علیہ السلام تو نبی ہی تھے، ان کی زبان سے ایک گہری اصولی حقیقت بیان کر دی۔

يَتَّقِ وَيَصْبِرْ۔ تقویٰ سے مراد گناہوں سے بچنا اور صبر سے مراد بلا و مصیبت پر صبر کرنا ہے، اور صبر کی ضرورت تقویٰ پر قائم رہنے میں ہی پڑتی ہے۔

۱۶۶ (تمہارے اور بن یامین دونوں کے معاملہ میں۔)

بڑے بھائیوں کا، اور وہ بھی ایسے خیرہ سر اور خود بیں بڑے بھائیوں کا چھوٹے بھائی سے عجز و نیاز کے ساتھ معافی مانگنا، اللہ اکبر کیسا مؤثر سماں ہوگا! ــــ حسد و منافست، خود بینی و نخوت کی برف کو بھی بالآخر صبر و تقویٰ پیمبرانہ شرافت کی شعاعوں سے بالآخر پگھلنا پڑا۔

تَاللّٰهِ سے لَخٰطِـــِٕيْنَ تک پڑھ جائیے، لب و لہجہ میں حسرت، ندامت، معذرت سب کچھ ملے گی۔

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾

(یوسفؑ نے) کہا کہ (نہیں) آج تم پر کوئی الزام نہیں اللہ تمہیں معاف کرے، اور وہ سب مہربانوں سے بڑھکر مہربان ہے ١٦٦ ١٦٧ ١٦٨

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ

(اب تم) میرے اس پیراہن کو لے جاؤ، اور اس کو میرے والد کے چہرہ پر ڈال دو (ان کی) آنکھیں روشن ہو جائیں گی ١٦٩

وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾

اور اپنے گھر والوں کو (بھی) سب کو میرے پاس لے آؤ ١٦٩

لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا۔ بے شک اللہ نے تمہیں بزرگی دے رکھی ہے اور تم بزرگی کے اہل بھی ہو۔

١٦٧ (تو جب میں نے تمہیں معاف کر دیا، اور دل سے وہ باتیں بھلا دیں تو میرا خدا کیوں نہ معاف کر دے گا، وہ تو تائبین کی خطائیں معاف کرتا ہی رہتا ہے۔)

وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔ رحمت تو اس کا خاصہ ذاتی ہے اُسے خطا معاف کرتے اور مجرم کو بخشش و رحمت سے نوازتے دیر ہی کیا لگ سکتی ہے۔

لَا تَثْرِيْبَ لَكُمُ الْيَوْمَ۔ میری طرف سے تم پر کوئی مواخذہ نہیں، میں نے تمہیں معاف کر دیا، میرا دل تمہاری طرف سے صاف ہو گیا۔

یہی وہ آیت ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے وقت اپنے جانی اور شدید دشمنوں کے مقابلہ میں پڑھ کر یوسف علیہ السلام سے بھی بڑھ کر اپنی فراخدلی کا ثبوت دیا تھا۔

١٦٨ واقعہ اعجازی رنگ کا ہے، اور قصہ یوسفی سے جہاں اور بہت سے سبق براہ راست قدرت خداوندی کے مل رہے ہیں انھیں میں سے ایک یہ بھی ہے۔

بِقَمِيْصِيْ هٰذَا۔ قمیص یا پیراہن کا رواج آج کی طرح اس زمانہ میں بھی تھا۔ محبوب فرزند کے قمیص کے مَسّ بصری سے انتہائی انبساط میں بصارت کا عود کر آنا محالات میں سے نہیں، ممکنات غریبہ میں سے ہے۔

١٦٩ (والد ماجد تو بغیر یہاں آئے رہ ہی نہیں سکتے، وہ تو بہرحال تشریف لائیں گے، لیکن ان کے ساتھ تم سب اور گھر بار کو بھی لیتے آنا۔

بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ اس وقت تک حضرت یعقوب علیہ السلام کا کنبہ اچھا خاصہ وسیع ہو چکا تھا، بیٹے، بہویں، پوتے، پوتیاں سب ملا کر بائبل کے حسب بیان ستر نفوس تھے، اور شاہ مصر نے ان کا سامان باربرداری لانے کے لئے سرکاری گاڑیاں بھی بھیج دی تھیں۔

توریت میں ہے:۔

" اور یعقوبؑ اپنی سب نسل سمیت مصر میں آیا، وہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے بیٹوں کو جو اس کے

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ

اور جب (ادھر سے) قافلہ چلا ہے^۱۷۰^ تو ان کے باپ بولے اگر تم مجھے سٹھیا ہوا نہ سمجھو تو مجھے تو یوسف کی خوشبو

لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُونِ ﴿۹۴﴾

محسوس ہو رہی ہے^۱۷۱^

ساتھ تھے، اور اپنی بیٹیوں اور بیٹیوں کی بیٹیوں کو اور اپنی سب نسل کو اپنے ساتھ مصر لایا۔" (پیدائش ۴۶ : ۶، ۷)

"سو وہ سب جو یعقوبؑ کے گھرانے کے تھے، اور مصر میں آئے، ستر جانیں تھیں۔" (پیدائش ۔ ۴۶ : ۲۷)

"اور اسرائیل کے بیٹے، اپنے باپ یعقوبؑ کو اور اپنے بال بچوں اور اپنی بیویوں کو اُن گاڑیوں پر لے گئے، جو فرعون نے اُن کے لانے کو بھیجی تھیں۔" (پیدائش ۔ ۴۶ : ۶)

وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ۔ پیمبرانِ برحق انسانیت کے بلند ترین و پاکیزہ ترین نمونے، مردم بیزار اور خاندان سے نفرت کرنے والے نہیں ہوتے، شفقت و محبت ساری خلق کے ساتھ رکھتے ہیں، اور اپنے عزیزوں قریبوں کے ساتھ قدرۃً اور زیادہ۔

۱۷۰ یعنی جب برادرانِ یوسف کا قافلہ مصر سے کنعان کے لئے روانہ ہوا۔

۱۷۱ حضرت یعقوبؑ نے یہ بات اپنے آس پاس کے لوگوں سے فرمائی، اور چونکہ جانتے تھے کہ لوگ آسانی سے باور نہ کریں گے، پیرایۂ بیان بھی اُسی قسم کا اختیار فرمایا۔ لولا ان تفندون حضراتِ انبیاء کی لطافتِ احساس اور قوتِ ادراک کا کیا کہنا! مصر سے کنعان صدہا میل کے فاصلہ پر، ادھر قافلہ کو حرکت ہوئی، اُدھر اتنی دور آپ کو پیراہن یوسفی کی خوشبو محسوس ہوگئی، لیکن یہ حیرت انگیز ذکاوتِ حس بھی ان حضرات کی اپنی اختیاری چیز نہیں ہوتی، اور اسی لئے ہر وقت قائم نہیں رہتی، محض فیضانِ الٰہی کے تابع ہے، کشفِ تکوینی ہی کی ایک قسم ہے۔

تُفَنِّدُونِ ۔ تفند وہی شئے ہے جسے اردو میں سٹھیا جانا کہتے ہیں، یعنی کبر سنی کی بنا پر عقل و حواس میں فتور آجانا۔

التفنيد النسبة الى الفند وهو الخرف وانكار العقل من هرم (کشاف)

اى تتبعونى الى الفند والكبر (ابن کثیر) قال الحسن تهرمون (ابن کثیر)

قال الضحاك تهرمونى فتقولون شيخ كبير قد خرف وذهب عقله (معالم)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ چونکہ ملاقات کا وقت موعود قریب آلگا تھا، یہ خوشبو اتنے فاصلہ سے مُدرَک ہوگئی، اور جب وہ کنوئیں میں نسبتۃً بہت قریب تھے، چونکہ وقت نہ آیا تھا، یہ خوشبو مُدرَک نہ ہوئی، اور یہی حال حضرات اولیاء کے مکاشفات کا ہے۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم ۔۔۔ گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ

(لوگوں نے) کہا بخدا آپ تو اپنے اسی وہم میں (مبتلا) ہیں ۱۷۲ پھر جب خوشخبری لانے والا آپہنچا تو اس نے

اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّیْۤ

وہ پیراہن آپ کے منھ پر ڈال دیا تو آپ کی آنکھیں روشن ہو گئیں ۱۷۳ (یعقوب نے) فرمایا میں نے تم سے کہا نہ تھا

اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا

کہ میں اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تم نہیں رکھتے ۱۷۴ (بیٹے) بولے اے ابا جان ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی

ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕیْنَ ﴿۹۷﴾

مغفرت کی دعا کیجئے بے شک ہم ہی خطاوار رہے ہیں ۱۷۵

۱۷۲ وہی ہوا جو آپ کا خیال تھا، لوگوں نے آپ کے کہنے کا یقین نہ کیا، آپ کو سچا اور نیک نیت سمجھنے کے باوجود آپ کے اس "وہم" کو غلوئے محبت یوسفی پر محمول کرنے لگے، اور جھنجھلا کر بولے تو یہ بولے۔

ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ۔ ضلال کا ترجمہ ہر جگہ گمراہی نہیں ہوتا، یہاں مفہوم ضلال عقلی ہے، اور اس کے لئے اردو میں "وہم یا خبط" ہی آئے گا۔

۱۷۳ خوشبو اور خوشی کے اثر سے ضعفِ بصر کے دور ہو جانے اور نور نظر کے عود کر آنے میں کوئی بات "خلافِ عقل" اور "خلافِ فطرت" نہیں، البتہ یہ واقعہ بھی چونکہ معمولِ عام کے خلاف ہے، یہاں اعجازی ہی حیثیت سے بیان ہوا ہے۔

توریت میں اس موقع پر ہے:-

"اور جب اس نے گاڑیاں جو یوسفؑ نے اس کے لانے کو بھیجی تھیں، دیکھیں تو ان کے باپ یعقوبؑ کی زندگی دوبارہ ہوئی، اور اسرائیل بولا، یہ بس ہے کہ میرا بیٹا یوسف اب تک جیتا ہے، میں جاؤں گا اور پیشتر اس سے کہ میں مروں، اسے دیکھوں گا۔" (پیدائش ۴۵: ۲۷ و ۲۸)

الْبَشِیْرُ۔ بشیر وہ جو خبر دینے کو قافلہ کے آگے آگے چلے، یہاں مراد یہودا ابن یعقوبؑ سے لی گئی ہے۔

قال ابن مسعود جاء البشیر بین یدی العیر قال ابن عباس ھو یھودا۔ (معالم)

۱۷۴ (چنانچہ اب تو تم کو اپنی رائے کی غلطی اور میرے علم خداداد کی صحت کا مشاہدہ ہو گیا۔)

قافلہ اب مصر سے کنعان پہنچ چکا ہے، اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا نورِ بصارت عود کر آیا ہے، یہ اس موقع کی گفتگو ہے۔

۱۷۵ (کہ اپنی نالائقی سے آپ کو کیسی کیسی تکلیفیں پہنچائیں، اب آپ خود بھی معاف فرمائیں،

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾

فرمایا (اچھا) میں عنقریب تمہارے لئے اپنے پروردگار سے دعاء مغفرت کروں گا وہ تو ہے ہی بڑا مغفرت والا بڑا رحمت والا ۱۷۶

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا

پھر جب (سب) یوسف کے پاس پہونچے تو انھوں نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا مصر میں چلئے

مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾

(اور) انشاءاللہ (وہاں) امن چین سے رہئے گا ۱۷۷

اور حق تعالیٰ سے بھی ہمارے حق میں دعا فرمائیں۔)

برادرانِ یوسف آخر نبی زادے تھے اور اسحٰق نبیؑ کے پوتے، اور ابراہیم خلیلؑ کے پرپوتے، اتنی اعلیٰ خاندانی شرافت اور پھر صالح ترین ماحول، اپنا اثر کب تک نہ دکھاتے ـــــ غلطیوں، لغزشوں، گناہوں سے محفوظ جب بڑے بڑے پیمبرزادے نہیں تو کسی ولی زادہ، بزرگ زادہ، پیرزادہ، مرشدزادہ کی معصومیت کا دعویٰ کیا وزن رکھ سکتا ہے!

۱۷۶ چنانچہ صفتِ غفوریت سے پچھلی تقصیریں بھی معاف کردیتا ہے اور صفتِ رحیمیت سے آئندہ ترقی مراتب کے راستے برابر کھلے رکھتا ہے۔

سَوْفَ۔ یعنی عنقریب ہی قبولِ دعاء کے موزوں ترین وقت پر ـــــ مقبولین وکاملین بھی دعاؤں میں حتی الامکان زماں ومکاں کی برکتوں کا لحاظ رکھ لیتے ہیں۔

سَوْفَ۔ جب مضارع پر آتا ہے تو مضارع میں مفہوم حال کا نہیں، صرف استقبال کا رہ جاتا ہے

حرف یخصص افعال المضارعة بالاستقبال ویجردها عن معنی الحال۔ (راغب)

۱۷۷ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس مبارک قافلہ کا استقبال پائے تخت سے نکل کر سرحدِ مصر پر کیا تھا، اور اب خاص شہر میں چلنے اور رہنے کے لئے التماس کر رہے ہیں۔

توریت میں ہے:۔

"اور یوسف علیہ السلام نے اپنی گاڑیاں تیار کیں اور اپنے باپ کے استقبال کے لئے جشن کو چلا، اور اپنے تئیں اس پاس حاضر کیا، اور اس کے گلے لپٹا اور دیر تک رویا۔"

(پیدائش ۴۶: ۲۸ و ۲۹)

اٰوٰۤى اِلَيْهِ۔ یعنی اپنے پاس تعظیم واکرام کے ساتھ بٹھایا، اور ہر طرح خاطر مدارات، بزرگداشت کی۔

اَبَوَيْهِ۔ حضرت کی والدہ کا تو انتقال ہوچکا تھا، پرورش سوتیلی ماں اور حقیقی خالہ نے کی تھی،

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًاۚ

اور اپنے والدین کو انھوں نے تخت پر بٹھایا اور سب (یوسف) کے سامنے جھک گئے ۱۸۴ؔ ۱۸۵ؔ

یہاں مجازاً انھیں کو والدہ کہا گیا۔

عَلَى الْعَرْشِ۔ عرش کا لفظ عام ہے، ہر بلند تخت اور بلند چبوترہ (پلیٹ فارم) مراد ہو سکتا ہے، اور اگر تخت شاہی ہی مراد لی جائے تو ممکن ہے کہ حضرت یوسفؑ اس وقت تک مرتبۂ شاہی تک پہنچ گئے ہوں، تاریخ اس کی صراحت سے خاموش ہے۔

قال اهل اللغة العرش السرير الرفيع والمراد ههنا السرير الذى كان يجلس عليه يوسف (كبير)

سمى مجلس السلطان عرشا اعتبارًا بعلوه (راغب)

عرش کے معنی مُلک اور مَلِک کے بھی آتے ہیں؟ وقد يعبر بالعرش عن الملك والملك نفسه (قرطبی)

۱۸۴ؔ (جیسا کہ عبرانی آداب تہذیب میں داخل تھا) اور جاہلی شاعر نابغہ زبیانی کا ایک مصرع بھی اس معنی میں نقل ہوا ہے ؎

وكان تحيتهم ان يسجد الموضع للشريف

سُجَّدًا۔ سجدہ سے مراد، جیسا کہ اوپر بھی کئی موقعوں پر آچکا ہے، ہر جگہ یہی اصطلاحی سجدہ نہیں ہوتا، جو مخلوق کے لئے اب حرام ہے، بلکہ یہاں مراد محض زمیں بوس ہونا ہے، جو اکثر قوموں میں ایک متعارف طریقہ اظہار تعظیم کا ہے، اور شریعت اسلامی میں یہ بھی ناپسندیدہ ہے۔

قد سمى التواضع سجودا وكان المراد ههنا التواضع۔ (كبير)

وكان تحية الناس يومئذ السجود ولم يرد بالسجود وضع الجباه على الارض انما هو الانحناء والتواضع۔ (معالم)

سجود انحناء لا وضع جبهة وكان تحيتهم فى ذالك الزمان (جلالين)

قيل ما كانت الا انحناء ولا تعفير الجباه (مدارك)

خَرُّوْا لَهٗ۔ میں ل کے معنی لاجل ہی کے لئے گئے ہیں، یعنی گویا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت یوسفؑ کو پاکر اس خوشی میں ان سب نے اللہ کا سجدۂ شکر ادا کیا۔

وهو قول ابن عباس فى رواية عطاء ان المراد بهذه الآية انهم خروا له اى لاجل وجدانه سجدا لله تعالى۔ (كبير)

والهاء تعود على الله تعالى والمعنى خروا لله سجدا (قرطبى)

وقيل معناه وخروا لاجل يوسف سجدا لله۔ (ش ف)

وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ؗ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ

اور (یوسف) نے کہا ابا جان یہ ہے میرے قبل والے خواب کی تعبیر، اسے میرے پروردگار نے سچا

حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ

کر دکھایا ۱۷۹ اور اس نے میرے ساتھ کیسا احسان اس وقت کیا جب مجھے قید سے نکالا ۱۸۰ اور آپ (سب) کو

الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ

صحرا سے لے آیا، بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوا دیا تھا ۱۸۱ بے شک

رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

میرا پروردگار جو چاہتا ہے اس کی تدبیر لطیف کر دیتا ہے، وہ تو ہی ہے علم والا حکمت والا ۱۸۲

۱۷۹ یعنی وہ خواب جو میں نے شروع میں دیکھا تھا، اور آپ سے عرض کیا تھا کہ چاند اور سورج اور گیارہ تارے میرے آگے تعظیم سے جھکے ہوئے ہیں۔ خواب اسلام میں کوئی سرے سے مہمل اور بے معنی چیز نہیں، پر معنی اور تعبیر طلب ہے، اور پھر مقبولین کے خواب تو معنویت سے لبریز ہوتے ہیں، سائیکولوجی (نفسیات) کی اٹھی اور ترقی ہوتے دیکھئے دیکھئے کیسے کیسے تعبیرات کے کیسے کیسے نادر نکتے نکل کر رہتے ہیں۔

۱۸۰ (اور اس مرتبۂ سلطنت تک پہنچا دیا)۔
دنیوی نعمتیں اور راحتیں بھی اللہ کے قانون وشریعت میں حقیر و ناقابلِ التفات نہیں، جیسا کہ متشددین اور اہلِ غلو نے سمجھ رکھا ہے، بلکہ یہ اللہ کے احسانات میں شمار ہونے کے قابل ہیں اور یہاں ایک نبی برحق ان میں سے ایک ایک چیز کا شکریہ بجا لا رہے ہیں ــــ شاعروں اور صوفیاء خام کار نے ان کا حلیہ ہی کس قدر بگاڑ رکھا ہے۔

۱۸۱ (جس کا ظاہری اقتضاء تو یہ تھا کہ اب میرے اور ان کے درمیان صفائی اور یکجائی تمام عمر نہ ہوسکتی)۔
نبی کی کریم النفسی ملاحظہ ہو کہ الزام ایسے شدید دشمن بھائیوں پر بھی نہیں رکھا، بلکہ ذمہ داری شیطان کی قرار دے کر اپنی اور اپنے بھائیوں کی حیثیت ایک فریق کی سطح کی رکھی۔

مِنَ الْبَدْوِ۔ یعنی اس دیہات یا ویرانہ سے نکال کر اس شہر اور مرکز تمدن میں لے آیا، بدو حضر کے مقابل کا لفظ ہے۔

البدو خلاف الحضر (راغب) ای من البادیة وقال الواحدی البدو بسیط من الارض یظهر فیه الشخص من بعید (کبیر)

کنعان اس وقت مصر کے مقابلے میں جو مرکز تہذیب وتمدن تھا، ایک دیہات ہی کی حیثیت رکھتا تھا۔

وکان یعقوب واولاده بارض کنعان اهل مواشی وبریة۔ (کبیر)

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ

اے پروردگار تو نے مجھے حکومت (بھی) دی اور باتوں کی حقیقت کا علم (بھی) دیا ۱۸۳

۱۸۲ "العلیم" کے لئے مستقبل کا کوئی راز راز نہیں، اور وہ "الحکیم" بڑے چھوٹے سارے واقعات کو کسی حکمت و مصلحت ہی کے ماتحت واقع ہونے دیتا ہے۔

لطیف۔ یعنی ہر امر کی لطیف تدبیر کر دینے والا، مخلوق کی نظروں سے مخفی اور فہم سے باہر تدبیریں کر دینے والا۔

ای لطیف التدبیر له (روح) فاذا اراد حصول شیء سهل اسبابه فحصل وان کان فی غایة البعد عن الحصول۔ (کبیر)

سورۃ کے سارے واقعات اسی اسم لطیف کی تجلیات کے نمونوں سے لبریز ہیں۔

۱۸۳ (اور علم بھی کیسا ظنی اور تخمینی نہیں یقینی۔ اور یقینیات تک رسائی تو وحی کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔)

مِنَ الْمُلْكِ۔ حضرت یوسفؑ کی باضابطہ بادشاہت و فرمانروائی اگر تاریخ سے ثابت نہیں تو عملاً تو آپ اس مرتبہ پر بہرحال پہنچ چکے تھے۔

توریت میں ہے:۔

"اور اس نے مصر کی ساری مملکت پر حاکم کیا، اور فرعون نے یوسفؑ کو کہا کہ میں فرعون ہوں اور بغیر تیرے مصر کی ساری زمین میں کوئی انسان اپنا ہاتھ پاؤں نہ اٹھائے گا۔ اور فرعون نے یوسف کا خطاب جہاں پناہ رکھا۔" (پیدائش ۴۱۔ ۴۳۔ ۴۴)

اور بعض نے مِن کو تبعیضیہ قرار دے کر اس سے یہ نکالا ہے کہ آپؑ ملک کے تمام تر فرمانروا نہ تھے، بلکہ بہرحال ایک بادشاہ کے ماتحت ہی تھے۔

قال الاصم انما قال من الملك لانه کان دون ملك فوقه۔ (کبیر)

مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ۔ یہاں بھی مِن کے تبعیضیہ ہونے سے نکتہ یہ نکالا گیا ہے کہ بشر بڑے سے بڑا عالم ہو، جب بھی بہرحال اس کا علم محدود و متناہی ہی ہو گا۔

ای بعضا من العلم السبب ذکر فیه کلمة من لانها دالة علی التبعیض (کبیر)

تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ۔ سے مراد خوابوں کی تعبیر کا علم تو ظاہر ہی ہے باقی اور علوم الٰہیہ بھی اس میں شامل ہیں۔

المراد بتاویل الاحادیث اما تعلیم تعبیر الرؤیا وهو الظاهر واما تفهیم غوامض اسرار الکتب الالٰهیة ودقائق سنن الانبیاء۔ (روح)

ملاحظہ ہو حاشیے ۱۲، ۳۲۔

اَحَادِیْث۔ کے معنی اس سیاق میں اس گفتگو کے بھی ہو سکتے ہیں، جو انسان سے حالتِ خواب میں صادر ہوتی رہتی ہے۔

ای مایحدث به الانسان فی نومه (راغب)

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قف اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ج

اے آسمانوں اور زمین کے خالق تو ہی میرا کارساز دنیا اور آخرت میں ہے، مجھے دنیا سے اپنا فرمانبردار

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ

اٹھائیے اور مجھے صالحین میں جا ملائیے ۱۸۴ یہ (قصہ) غیب کی خبروں سے

الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ج

ہے جس کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں ۱۸۵

۱۸۴ (اور جس طرح دنیا میں میرے سارے کام بنا دیئے، آخرت میں بھی سارے کام بنا دے، یہاں کی کارسازی کا پورا جلوہ وہاں بھی دکھا دے۔)

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا۔ سے آرزوئے موت کا اثبات نہیں ہوتا، بلکہ صرف اس آرزو کا اثبات ہوتا ہے کہ موت جب بھی آئے، دین اسلام پر آئے۔

قال ابن عباسؓ فی روایة عطاء یرید اذا توفیتنی فتوفنی علی دین الاسلام فهذا طلب لان یجعل الله وفاته علی الاسلام ولیس فیه مایدل علی انه طلب الوفاة۔ (کبیر)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ توفنی مسلما الخ سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں، ایک باوجود عصمت وامتناع کفر کے انبیاء علیہم السلام کا خوف کرتے رہنا، دوسرے شوقِ لقاء میں موت کی آرزو کرنا۔

امام رازی نے آیت کے تحت میں لذاتِ دنیوی کی بے حاصلی، زود فنائی وغیرہ کو تفصیل سے بیان کرکے لکھا ہے کہ میرے لئے یہ کیفیتیں حال بن گئی ہیں، اور میں مکروہات دنیوی سے عاجز آکر اکثر اسی دعاء یوسفی کا ورد کرتا رہتا ہوں، اور امامؒ کے اس بیان سے خود ان کے عارف باللہ اور طالب آخرت ہونے کی مزید شہادت مل جاتی ہے۔

اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔ اس پر شبہ یہ کیا گیا ہے کہ صالحین تو عامۂ مؤمنین میں ہوتے رہتے ہیں، اور آپ (حضرت یوسفؑ) خود ایک نبی جلیل القدر تھے، پھر آپ نے محض درجۂ صالحین کی تمنا کیسے کی؟ جواب یہ ہے کہ صالحین کا مفہوم اضافی ہے، اس کا معیار ہر ایک کے درجہ و مرتبہ کے مطابق الگ الگ ہوتا ہے، آپ جس مرتبۂ صالحیت کی تمنا کرتے تھے، آپ کے پیش نظر حضرت یعقوبؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت ابراہیمؑ کے مرتبہ وعظمت کے "صالحین" تھے۔

دنیا کے بڑے سے بھی بڑے مرتبہ کے مقابلہ میں فلاح آخرت کی تمنا الفاظ دعا سے صاف ظاہر ہو رہی ہے۔

توریت میں حضرت یعقوبؑ کی اس وصیت کا بھی ذکر ہے کہ مجھے سرزمین مصر میں دفن نہ کیا جائے بلکہ کنعان لے جا کر میرے آبا و اجداد کے پہلو میں دفن کیا جائے۔

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ﴿١٠٢﴾ وَمَا

اور آپ ان کے پاس اس وقت موجود نہ تھے جب انھوں نے اپنا ارادہ پختہ کر لیا تھا اور وہ چالیں چل رہے تھے ۱۸٦ اور

أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾ وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ

اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں چاہے آپ کے دل میں کیسی ہی لگی ہو ۱۸۷ اور آپ ان سے اس (تبلیغ) پر کچھ

مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿١٠٤﴾ ع

معاوضہ تو مانگتے تو نہیں، یہ قرآن تو بس ایک نصیحت ہے دنیا جہان کے لیے ۱۸۸

ع ۱۱ ۵

۱۸۵ (اے رسول)

یہاں زور دے کر ارشاد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سارا قصہ محض وحی سے معلوم ہوا ہے، ورنہ یوں ساری دنیا کی طرح آپ کے لئے بھی یہ قصہ غیب ہی میں داخل تھا۔

ذٰلِكَ۔ یعنی یہ ساری حکایت یوسفی۔

۱۸٦ یوسفؑ کے کنوئیں میں ڈالنے کی، اور حضرت یعقوبؑ کے پاس آکر باتیں بنا رہے تھے۔)

لَدَيْهِمْ۔ یعنی برادرانِ یوسف کے پاس۔

یریدا اخوۃ یوسف (روح) ای مع اخوۃ یوسف (قرطبی)

مطلب یہ ہوا کہ نہ آپؐ خود ان واقعات کے وقت موجود تھے، نہ آپ کے پاس کوئی دوسرا ذریعہ معلومات صحیح کا بجز وحی الٰہی کے کوئی دوسرا آپؐ کا رہا نہیں۔

۱۸۷ (اس لئے آپؐ توقع ہی نہ رکھئے کہ ان تمام تر صحیح اخبار بالغیب کے بعد بھی یہ لوگ ایمان لائیں گے)

مراد یہ ہے کہ یہود وغیرہ تو آپؐ کے امتحان کے لئے آپؐ سے اس قصہ کی فرمائش کر رہے تھے، اب آپؐ نے بغیر کسی ظاہری و مادی ماخذ کے جو صحیح و مستند قصہ اول سے آخر تک انھیں سنا دیا تو چاہئے تو یہی تھا کہ یہ فوراً آپ کے صاحب وحی ہونے پر ایمان لے آتے، اور آپؐ کی دل سے لگی ہوئی بھی یہی ہے، لیکن اس کی توقع نہ رکھئے، ان میں سے اکثر اس کا قصد ہی نہ کریں گے۔

وَلَوْ حَرَصْتَ۔ حرص کے اردو محاورہ میں دل سے لگی ہونا ہی آئے گا۔

ومعنی الحرص طلب الشی باقصی ما یمکن من الاجتہاد۔ (کبیر)

۱۸۸ یعنی اس کے اندر تو دنیا بھر کی نفع کی چیزیں جمع ہیں، کوئی ذرا طلب پیدا کر کے تو دیکھے۔

قرآن کے مخاطبین اول قریش جیسی تجارت پیشہ قوم کی تاجرانہ ذہنیت کی سمجھ ہی میں نہیں آسکتا کہ کوئی شخص بغیر اخذ اجرت و معاوضہ کے اصلاح خلق جیسا عظیم الشان کام اپنے ہاتھوں میں کیوں کرلے سکتا ہے۔

لِلْعَالَمِينَ۔ اس قسم کی بار بار صراحتوں کے باوجود حیرت ہے کہ اب تک کچھ لوگ قرآن کو عرب کے ساتھ

وَكَأَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا

اور کتنی ہی نشانیاں آسمانوں اور زمین میں ہیں کہ ان پر سے (لوگ) گزرتے ہیں، اور ان کی طرف

وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا

سے منہ پھیرے رہتے ہیں ۱۸۹ اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان بھی لاتے ہیں

وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

اور پھر شرک بھی کئے جاتے ہیں ۱۹۰

مخصوص کیوں سمجھے ہوئے ہیں۔

۱۸۹ یعنی نہ ان پر یہ توجہ کرتے ہیں، نہ ان سے سبق حاصل کرتے ہیں۔

ای لا یعتبرون بھما (کشاف) ولا یلتفتون الیھما۔ (کبیر)

يَمُرُّوْنَ۔ ھم یہ ضمیریں کافروں اور منکروں کے لئے ہیں۔

كَأَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ۔ نشانیوں سے مراد توحید اور قدرت الٰہی پر دلالت کرنے والے واقعات و حوادث کائنات ہیں۔

يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا۔ یعنی وہ واقعات و حوادث ان منکرین آخرت کے علم و مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں

ای یشاھدونھا۔ (روح)

۱۹۰ (جو عقیدۂ توحید کے صریحاً منافی اور خدا پرستی کے متناقض ہے۔)

یعنی اہلِ مذاہب میں سے جو لوگ انکار خدا نہیں، بلکہ اقرار خدا کے مدعی ہیں، ان کا بھی عموماً حال یہ ہے کہ ایک طرف خدا کو بھی مانے جاتے ہیں، اور دوسری طرف اس کے شریک دیوی دیوتا بھی قرار دیئے چلے جاتے ہیں، جو صاف توحید کے منافی ہے، جاہلیت عرب اس نوعیت کے شرک میں خصوصیت کے ساتھ مبتلا تھی۔ ان کا شرک یہ نہ تھا کہ چند خدا برابر درجہ کے ہیں، بلکہ ایک رب الارباب کے اقرار کے ساتھ یہ متعدد چھوٹے چھوٹے دیوی دیوتاؤں کو بھی کائنات میں متصرف و مدبر مانتے رہتے تھے۔

ابومنذر ہشام الکلبی الکوفی متوفی ۲۰۴ھ کی کتاب الاصنام میں ہے کہ بنی اسماعیل نے بھی رفتہ رفتہ دوسری قوموں کی طرح بت پرستی شروع کر دی اور اُمت نوح کے بتوں کو اختیار کر لیا اور گو دین ابراہیم و اسمٰعیل کی طرح وہ تعظیم کعبہ اور حج و عمرہ و طواف وغیرہ پر قائم رہے لیکن تلبیہ حج و عمرہ میں بھی شرک داخل کر دیا اور خدائے واحد کے تلبیہ کے بجائے بنی نزار نے تلبیہ یوں شروع کر دیا۔ لبیك اللھم لبیك لاشریك لك الاشریك ھولك، تملکہ وما ملك۔ اسی طرح قبیلہ سمک و ربیعہ کے بھی مشرکانہ تلبیئے نقل کئے ہیں، اور آگے لکھا ہے کہ اول شخص جس نے عرب میں دین اسماعیل کے بجائے مذہب شرک رائج کیا، اور اس کا نام

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ

سو کیا یہ اس کی طرف سے بے فکر ہیں کہ انہیں اللہ کا کوئی عذاب چھا لے، یا ان پر اچانک قیامت آجائے،

السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ

اور انہیں خبر بھی نہ ہو ۱۹۱؎ آپ کہہ دیجئے کہ میرا طریق یہی ہے،

اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ

میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں ۱۹۲؎ دلیل پر قائم ہوں میں (بھی) اور میرے پیرو (بھی) ۱۹۳؎

وقف النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عمرو بن ربیعہ معروف بہ لحی بن حارثہ تھا، اور وہ قبیلۂ ازد کا تھا، خزاعہ کا مورث اعلیٰ۔ سیرت ابن ہشام میں یہی نام عمرو بن لحی آتا ہے

اور حدیث میں بھی اس کی یہی صورت آتی ہے' شرک کی یہ صورت دنیا کی اکثر قوموں پر مسلط رہی ہے' مشرکوں اور جاہلی مشرکوں کا جو انجام ہوتا ہے' اسے چھوڑیئے، خود ہماری قوم کے "اہلِ قبور" ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ "مزارات و مقابر" سے بالکل تعبد کا سا معاملہ رکھنا، ان پر چادریں چڑھانا، ان پر نذریں ماننا، نفع و نقصان انہیں سے وابستہ جاننا، یہ سب کہیں ان کو اس آیت کے زد میں تو نہیں لے آتا۔

ومن اولئك عبدة القبور الناذرون لها المعتقدون للنفع والضر ممن الله تعالى اعلم بحاله فيها وهم اليوم اكثر من الدود۔ (روح)

۱۹۱؎ مطلب یہ ہے کہ ہر کفر فی نفسہٖ شر اور عقوبت کا مستحق و مستوجب ہے' خواہ فوراً خواہ بہ تاخیر، لیکن یہ شامت زدہ و آخرت فراموش نفس سزا ہی کی طرف سے غافل اور بے فکر پڑے ہوئے ہیں۔

اور آج تو گویا معیارِ تہذیب و تمدن یہی ہو گیا ہے۔

جو قوم فکر آخرت کی طرف سے جتنی غافل اسی قدر وہ مہذب و متمدن

۱۹۲؎ اتنے سے فقرہ میں توحید و رسالت دونوں کا اثبات ہو گیا۔

هٰذِهٖ۔ یعنی یہی اثبات توحید و رسالت و یوم آخرت جن کا ذکر اوپر آچکا۔

يعني الدعوة الى التوحيد والاعداد للمعاد۔ (بیضاوی)

هذه الدعوة التى ادعوا اليها والطريقة التى انا عليها۔ (کبیر)

۱۹۳؎ اور میں تو اصالتاً اور بالذات' اور میرے پیرو میرے واسطہ سے اور میرے طفیل میں۔

عَلٰي بَصِيْرَةٍ سے اشارہ ہو گیا کہ اسلام کوئی رازِ تقلید کا نام نہیں، بلکہ دین حق ایک ثابت شدہ مدلل حقیقت ہے۔

بَصِيْرَةٍ۔ کے معنی بھی دلیل واضح اور برہان قاطع کے ہیں۔

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٨﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ

اور پاک ہے اللہ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں ۱۹۴ اور ہم نے بستی والوں میں سے

قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ

آپ سے قبل بس مردوں ہی کو بھیجا کہ ہم نے ان کی طرف وحی کی ۱۹۵

معنی بصیرۃ حجۃ واضحۃ وبرهان متیقن۔ (بحر)

اَنَا۔ انا کا اضافہ تاکید کے لئے ہے۔ وھو توکید۔ (قرطبی)

محققین نے کہا ہے کہ آیت اس پر ناطق ہے کہ علم کلام اور علم اصول خالص پیمبرانہ علوم ہیں، اور ان حضرات کی بحیثیت خلق کی جانب انھیں علوم سے کام لینے کے لئے ہوتی ہے۔

وھذہ الآیۃ تدل ان حرفۃ الکلام وعلم الاصول حرفۃ الانبیاء علیھم السلام وان اللّٰہ ما بعثھم الی الخلق الا لاجلھا۔ (کبیر)

ناقص و جاہل صوفیہ نے علم کلام پر طعن کیا ہے اور اسے حقیر و ذلیل سمجھا ہے، وہ اس آیت اور اس کی ہم مفہوم دوسری آیتوں سے غور کریں۔

بلکہ انا پر وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ کے عطف نے حضراتِ متکلمین کا مرتبہ کتنا بڑھا دیا۔

۱۹۴ (میرے اور دینِ شرک کے درمیان اشتراک ہی کیا، میں اس کے ایک ایک جزئیہ سے علیحدہ و بیزار)

سُبْحٰنَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر قسم کی آلائشِ شرک سے پاک اور بالاتر ہے، جو اس کی ذات یا صفات سے متعلق مشرکوں نے روا رکھا ہے۔

۱۹۵ یعنی پیمبر بنا کر تو ہمیشہ بشر ہی کو بھیجا گیا ہے، بشریت پیمبری کے منافی ہونا کیا معنی عین اس کا جزو لازم ہے اتنی موٹی حقیقت بھی دیوتا پرست اور نار پرست مشرکوں کے ذہن میں نہیں آتی۔

فقہاء و مفسرین نے لکھا ہے کہ آیت سے بہ اشارۃ النص دو اور مسئلہ بھی روشنی میں آجاتے ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ پیمبر ہمیشہ آبادی والی بستیوں ہی سے ہوتے ہیں اہل القریٰ سے نہ کہ بے وطن خانہ بدوش قبیلوں میں سے۔

لم یبعث اللّٰہ رسولًا من اھل البادیۃ۔ (کبیر) یعنی من اھل الامصار دون اھل البوادی (ابن جریر) ولم یبعث اللّٰہ نبیًا من اھل البادیۃ۔ (قرطبی)

قال الحسن لم یبعث اللّٰہ رسولًا من اھل البادیۃ۔ (بحر)

(۲) دوسرے یہ کہ پیمبری ہمیشہ مردوں ہی میں رہی ہے۔ الا رجالاً کوئی عورت کبھی اس مرتبہ پر فائز نہیں کی گئی۔

والآیۃ تدل علی ان اللّٰہ ما بعث رسولا الی الخلق من النسوان (کبیر) یخبر تعالیٰ انہ انما ارسل رُسلہ من الرجال لا من النساء وھذا قول الجمھور العلماء (ابن کثیر) الذی علیہ السنۃ

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ

تو کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں ورنہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا کیسا (برا) انجام ہوا جو ان کے

مِن قَبْلِهِمْ ۗ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ اتَّقَوْا ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٠٩﴾

قبل ہو چکے تھے ۱۹۶؎ اور عالم آخرت ہی ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو تقویٰ (اختیار) کئے ہوئے ہیں سو کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے ۱۹۷؎

حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا جَاءَهُمْ

(پہلے بھی مہلتیں دی جا چکی ہیں) یہاں تک کہ پیمبر مایوس ہی ہو گئے ہیں اور گمان کرنے لگے کہ ان سے غلطی ہوئی ۱۹۸؎

نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَن نَّشَاءُ ۖ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١١٠﴾

(کرنے میں) انہیں ہماری مدد پہنچی ۱۹۹؎ سو ہم نے جس کے لئے چاہا وہ بچا لیا گیا۔ اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے ہٹتا نہیں ۲۰۰؎

والجماعۃ وھو الذی نقلہ الشیخ ابو الحسن علی بن اسمٰعیل الاشعری عنھم انہ لیس فی النساء نبیۃ (ابن کثیر) یعنی رجالاً لا نساء (بحر عن ابن عباس) فالرسول لا یکون امراۃ (بحر) قیل معناہ نفی الاستنباء النساء (بیضاوی)

آیت جس طرح کسی فرشتہ یا کسی جن کے نبی مُرسل ہونے کی نفی کر رہی ہے اسی طرح کسی عورت کے بھی نبی ہونے کی۔

ای ارسلنا رجالا لیس فیھم امراۃ ولا جنی ولا ملک (قرطبی)

۱۹۶؎ (کفار اور منکرین میں سے)

یعنی پچھلی سرکش اور نافرمان قوموں کے کھنڈروں پر گزرنے سے عبرت کا سبق یہ لوگ حاصل کر سکتے تھے، اور یہی مقصد کسی درجہ میں اب تاریخوں کے مطالعہ سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

مقصود اگر عبرت و تذکرہ ہو تو سیاحت عالم اور علم آثار قدیمہ سے اشتغال بھی ایک عبادت ہے۔

۱۹۷؎ (کہ باقی کے مقابلہ میں فانی کی ہستی اور بساط ہی کیا ہے؟) بجائے دنیا کے آخرت کی مقصودیت اور راہِ تقویٰ کی مطلوبیت اور قبولیت کے بارے میں یہ آیت قرآن مجید کی بے شمار آیتوں میں سے ایک ہے، اور یہاں بھی دعوت تمام تر انسان کے عقل و فہم ہی کو دی گئی ہے۔

۱۹۸؎ موجودہ کافروں کو تاخیرِ عذاب سے خوش و مطمئن نہ ہونا چاہیئے، پچھلی بدکار اور نافرمان قوموں پر آمد عذاب موعود میں بعض دفعہ دوسری مصلحتوں سے اتنی تاخیر ہوئی ہے کہ خود پیمبروں کو باایں ہمہ استقامت و صبر و سلامتِ فکر، یہ خیال گزرنے لگا کہ ہمیں سے تو وعدۂ نزول عذاب کے سمجھنے میں اور تعیین وقت عذاب میں غلطی نہیں ہوئی ہے۔

آیت کی تفسیر اور بھی متعدد طریقوں سے منقول ہے، مگر سب سے زیادہ صاف اور بے تکلف اور

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ

اُن کے قصوں میں اہلِ فہم کے لئے (بڑی) عبرت ہے ۲۰۱ قرآن کی کوئی گھڑی ہوئی بات تو ہے نہیں

حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ

یہ (کلام) تو تصدیق (کرنے والا) ہے اس کا جو اس کے قبل (نازل) ہو چکا ہے اور تفصیل (کرنے والا) ہے

كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١١١﴾

ہر چیز کا اور ایمان والوں کے حق میں ہدایت و رحمت ہے ۲۰۲

یہ عبارت تفسیر تھانوی کی اختیار کی ہوئی تفسیر ہے۔

كُذِبُوا۔ کذب کا مفہوم عربی میں بڑا وسیع ہے اور یہ ہر قسم کی غلطی پر شامل، اردو کا ارادی اور شعوری جھوٹ ہی ہمیشہ اس کا صحیح ترجمہ نہیں ہوتا، یہاں صاف مراد دھوکا کھا جانے، غلطی میں مبتلا ہو جانے سے ہے، جب عذاب آنے میں بظاہر بہت دیر ہونے لگی تو قدرۃً ان حضرات کو بھی خیال گذرنے لگا کہ کہیں ہمیں سے تو سمجھنے میں دھوکا نہیں ہو گیا۔

۱۹۹ اور وہ نصرتِ غیبی میں کفار پر عذاب موعود تھی۔

۲۰۰ یعنی عذاب موعود اپنے وقت مقررہ پر آ کر رہا، اور کفار و منکرین معاندین بہر حال اپنے کیفر کردار کو پہنچے، عام قانونِ الٰہی ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔

نُنَجِّيَ مَنْ نَشَاءُ۔ اور ظاہر ہے کہ بچا لینے کی مشیتِ الٰہی ہمیشہ مومنین ہی کے متعلق رہی ہے۔

وھم الرسل والمومنون لھم (روح) الانبیاء ومن اٰمن معھم۔ (قرطبی)

مطلب یہ ہوا کہ عذاب عمومی جب جب آیا تو اہلِ ایمان کو بچا لیا گیا۔

۲۰۱ (اور وہ اہلِ فہم فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ طاعت کا انجام کیا ہوتا ہے اور نافرمانی کا انجام کیا)

أُولِي الْأَلْبَابِ۔ اس لفظ کے لئے ملاحظہ ہو سورۃ الرعد حاشیہ ۴۲ قرآنی قصے جتنے بھی ہیں بے مقصد نہیں اور نہ محض حکایت و روایت یا وقتی لطف و تفریح کے لئے ہیں، ہر قصہ سبق آموز ہے اور عبرتوں اور بصیرتوں سے لبریز۔

قَصَصِهِمْ۔ ضمیر انبیاء سابقین اور ان کی اُمتوں کی طرف ہے۔

اے قصص الانبیاء واممھم۔ (بیضاوی)

۲۰۲ یعنی اسی کے ذریعہ سے اہلِ ایمان دنیا میں ہدایت حاصل کرتے ہیں، اور آخرت میں رحمت۔

كُلِّ شَيْءٍ۔ اپنی مطلق صورت میں نہیں بلکہ چونکہ قرآن ایک کتاب ہدایت ہے اس لئے مفید دین و ہدایت کے ساتھ۔

تَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ۔ یعنی ہر ایسی چیز کی تفصیل جس کا تعلق ہدایت سے ہے چنانچہ اصل دین کا

کوئی مسئلہ ایسا نہیں، جو براہِ راست یا بواسطہ قرآن مجید سے نہ نکل آئے۔

کل شی یحتاج الیہ فی الدین اوما من امر دینی الا ولہ سند من القرآن بوسط او بغیر وسط۔ (بیضاوی) یستند الی القرآن بالذات او بوسط۔ (روح)

اس سے استفادہ صرف وہی کر سکیں گے جو عقیدہ وایمان بھی اس پر رکھتے ہوں اور جس طرح اندھوں کے لئے روشنی بیکار ہے، یہ نور ہدایت بھی ایمان سے تہی دیدہ لوگوں کے لئے بیکار ہے۔

تذئیل۔ سورۃ میں جسے خود قرآن احسن القصص قرار دیا ہے، برادرانِ یوسف کا بھی ذکر تفصیل سے آیا ہے، اس مناسبت سے یہ نامہ سیاہ عرض پرداز ہے کہ وہ بھی اس خانوادہ بزرگ کا ایک ادنیٰ حقیر اور ننگ خاندان نام لیوا ہے۔

سلسلۂ نسب جہاں تک خاندان شجرات سے پتہ چل سکا، حضرت ہارون سے گزرتا ہوا ستاونویں[۵۷] پشت میں لاوی فرزند سوم حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہونچتا ہے۔

(۱۳)

سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ

آيَاتُهَا ۴۳ — ۴۳ آیتیں

رُكُوعَاتُهَا ۶ — ۶ رکوع
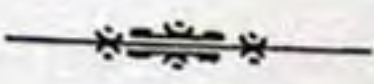
سورۂ رعد مدنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان باربار رحمت کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ۗ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ

الف۔لام میم۔را۔ یہ کتاب (عظیم) کی آیتیں ہیں، اور جو کچھ آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے،

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ① اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ

وہ بالکل سچ ہے لیکن اکثر انسان ایمان نہیں لاتے ۱؎ اللہ وہی تو ہے جس نے آسمانوں کو بلند رکھا ہے،

بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ

بغیر ستون کے (جیسا کہ) تم اسے دیکھ رہے ہو ۲؎ پھر قائم ہوا عرش (سلطنت) پر اور آفتاب و ماہتاب کو

۱؎ (حالانکہ اس کلام کی نہایت وصداقت کا مقتضا یہ تھا کہ سب کے سب اس پر ایمان لے آتے)
الٓمّٓرٰ۔ حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گذر چکا، یہاں ان حروف کو فقرہ انا اللہ اعلم واری ما تعملون کا بھی مخفف سمجھا گیا ہے، اور فقرہ انا اللہ الملک الرحمٰن کا بھی۔
انا اللہ اعلم واری ما تعملون (ابن عباس) انا اللہ الملک الرحمٰن (کبیر۔ عن عطاء)
الحقُّ۔ سراپا یقین، حق، صدق، وہ کلام جس کے اندر کسی ریب واشتباہ کا بھی گزر نہیں۔

۲؎ زمین سے آسمان کا اتنا بلند نظر آنا، پھر وہ اتنی بلند چیز بغیر کسی ظاہری یا مادّی سہارے کے، یہ بجائے خود ایک دلیل خالقِ فطرت کی اعلیٰ صنّاعی وقدرت کی ہے، جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں نفی عمد کی گئی ہے۔ جیسا کہ اس تفسیر میں بارہا آچکا ہے، قرآن کو آسمان کی اصل ہیئت و نوعیت سے جیسی کہ وہ فلکیات میں بیان ہوئی ہے، کوئی تعلق نہیں، خواہ وہ فلکیات یونانی ہوں، یا افرنگی، قرآن تو صرف اس آسمان کو جانتا ہے، جو عامۃ الناس کو محض اپنی آنکھوں سے بلا دوربین وغیرہ کی محتاجی کے نظر آتا ہے، اور وہ جو کچھ بھی ہو، قرآن کا کہنا یہ ہے کہ اتنی بلند چیز کا بغیر کسی ظاہری سہارے کے قائم رہنا، خالقِ کائنات کے کمالِ خلاقی وصناعی ہی کی دلیل ہے۔

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

مطیع کیا،٣ہ ہر ایک دوڑتا بھاگتا رہتا ہے ایک وقت متعین کے لئے ٤ہ

آیت میں ان یونانی و مصری حکماء و فلاسفہ کا رد آگیا، جو آسمان کو ایک مستقل ہستی صاحب عقل وارادہ دیوتا تسلیم کرتے تھے۔

ترونہا۔ کے ترجمے میں ضمیر مؤنث السموات کی طرف لی گئی ہے، لیکن جائز ہے کہ عمد کی طرف بھی لی جائے، اس صورت میں نفی عمد کی نہیں بلکہ رویت عمد کی رہے گی، یعنی آسمانوں کے لئے ایسے ستون میں جو تمہارے لئے غیر مرئی و غیر مشاہد ہیں۔

قیل ضمیر النصب فی ترونہا عائد علی عمد ای بغیر عمد مرئیۃ (بحر) یحتمل وجہین احدھما انہا لہا عمد ولا تری تلک العمد وھذا ذھب الیہ مجاھد وقتادۃ (بحر) وقال ابن عباسؓ وما یدریک انہا بعمد لاتری (بحر)

وہ ستون چاہے غیر مرئی و غیر مشاہد ہوں چاہے سرے سے وجود ہی نہ رکھتے ہوں، بہر حال و بہر صورت رفع سماوات کا شاہد ہی ہے کہ وہ ایک عجیب نمونہ حضرت حق کے کمال قدرت و حکمت و صناعت کا ہے۔ اس صورت میں قانون کشش وغیرہ جس نام سے بھی سائنس توجیہات پیش کرے، سب آیت کے ماتحت غیر مرئیات کے عموم میں داخل ہو جائیں گی، اور سب سے بہتر اس باب میں وہ تشریح ہے جو امام رازیؒ نے پیش کی ہے، فرماتے ہیں کہ آسمان کو قائم رکھنے والے اصلی ستون حق تعالیٰ کی قوت حفظ و تدبیر ہیں، نہ کہ کوئی مادی سہارے، اور یہ تمہارے لئے غیر مرئی ہیں۔

علی ان ھذہ الاجسام انہا بقیت واقفۃ فی الجو العالی بقدرۃ اللہ تعالیٰ وحینئذ یکون عمدھا ھو قدرۃ اللہ تعالیٰ (کبیر)

٣ہ (اپنے احکام تکوینی کا اور انہیں کام میں لگا دیا)۔ سورج اور چاند کا دیوی دیوتا ہونا تو خیر بڑی چیز ہے وہ تو خود مختار اور آزاد بھی نہیں، مشیت الٰہی کے آگے تمام تر مسخر و مجبور ہیں۔

ان کے خالق نے انہیں جس کام میں چاہا لگا دیا، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

استویٰ علی العرش یعنی جہاں آفرینی کے بعد قوانین جہاں بانی کا نفاذ شروع کر دیا، استوا اور عرش دونوں پر مفصل حاشیے پہلے گزر چکے، عام فہم انسان کے لئے قوت، اقتدار و اختیار کا سب سے بڑا مظہر تخت سلطانی ہی ہوتا ہے، اسی لئے قرآن میں اقتدار خداوندی کی تعبیر تخت سلطنت ہی سے کی گئی ہے۔

٤ہ (اپنے اپنے مدار پر حسب قانون خداوندی)

یعنی ہر ایک کی گردش و رفتار الکل پچو نہیں، ہر ایک کی ایک میعاد مقرر رہتی ہے، ایک منزل معین رہتی ہے

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ﴿۲﴾

(اللہ) برابر انتظام کرتا (رہتا) ہے نشانیوں کو کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے پروردگار کی ملاقات کا یقین کرو۔

وَهُوَ الَّذِىْ مَدَّ

اور وہ وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا۔

ہر ایک کے قوانین منضبط ہیں، اور ایک عجیب بات ہے کہ سائنس کی جتنی ترقی ہوتی جاتی ہے، فلکیات کے قاعدے ضابطے اجرام فلکی کے باہمی فاصلے ان کی رفتار کے حساب وکتاب سب سے زیادہ منضبط نظر آنے لگتے ہیں، قرآن مجید نے انھیں کو آیات الٰہی ٹھہرایا ہے، ان کی جزوی تفصیلات میں گئے بغیر اور وہ تفصیلات تو ایسی ہیں کہ ان کی تحقیقات کا سلسلہ برابر پھیلتا ہی چلا جاتا ہے، اور کوئی نہیں بتا سکتا کہ حرف آخر ان کے باب میں کب اور کیا کہا جا سکتا ہے، ان کا سارا زور ان اجرامِ فلکی کے ضبط و انضباط پر ہے۔

كُلٌّ يَّجْرِىْ جری کے معنی محض چلنے کے نہیں تیزی سے چل کر گزر جانے کے ہیں، جیسے پانی کا بہنا، گھوڑے کا دوڑنا، کشتی کا تیرنا، المر السریع ـــــ کمر الماء۔ (راغب)

اس لئے یہاں ترجمہ بجائے چلنے کے دوڑنے بھاگنے سے کیا جائے تو بہتر ہوگا۔

۵ے مطلب یہ ہوا کہ جو قادر مطلق ایسی ایسی عظیم الشان مخلوقات کی خلق و ایجاد پر قادر ہے اس کے لئے انسان کا دوبارہ پیدا کر دینا کچھ بھی دشوار ہے؟ اور دشوار کیا معنی ہر مبتدی کی آخری چیز، ہر آغاز کے آخری انجام کے لئے تو حشر کا برپا ہونا لازم و واجب ہے، ان مادّی قانونوں اور کائناتی ضابطوں کو محض جان لینا اور سمجھ لینا جیسا کہ اہل سائنس کا طبقہ کر رہا ہے، ہرگز کافی نہیں، بلکہ اگر رفاہِ خلق و آسائش دوگتی مقصود ہے تو ان مشاہدات سے ان کے منطقی نتیجہ تک پہونچنا لازمی ہے، یعنی اس عقیدہ کا قائل ہوجانا کہ اس حیرت انگیز اور عظیم الشان نظام کا چلانے والا کوئی صاحبِ ارادہ وفعال علیم و حکیم فرمانروا ہے، جس نے ہدایت کے لئے پیغمبر بھیجے ہیں، اور کتابیں نازل کی ہیں، دنیا کے برتنے، آپس میں رہنے سہنے کے طریقے صرف انھیں پیغمبروں اور انھیں کتابوں کے واسطے معلوم ہو سکتے ہیں، اور جب تک عمل اس قانونِ تشریعی پر نہ ہوگا، محض قانون تکوینی کا علم انسانیت کو ٹھوکریں کھلاتا رہے گا، اور دلوں میں کلفت اور بے چینی بڑھاتا رہے گا، نظام کی باریکیوں پر غور کرو اور ناظم تک پہونچو! حکمتوں کا مشاہدہ کرو، اور دلوں میں عقیدہ حکیم کا مستحکم کرو۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ۔ اللہ ہر امر کا انتظام حکمت و مصلحت کے ساتھ کرتا رہتا ہے یعنی وہ محض صانع و خالق ہی نہیں، جو ایک مرتبہ تخلیق کے بعد معطل ہو کر بیٹھ گیا، (جیسا کہ بہت سے گمراہ فرقوں اور قوموں نے فرض کر رکھا ہے) بلکہ حاکم و متصرف بھی ہے اور وہ بھی اعلیٰ سے اعلیٰ حکمتوں اور مصلحتوں کے مقتضی کو پورا کرتے ہوئے ـــــ الآیات۔ اس کے اندر تکوینی نشانات اور تشریعی دلائل دونوں آگئے۔

الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۭ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ

اور اس میں پہاڑ اور دریا رکھ دیئے ۔ اور اس میں ہر پھل کی دو دو قسمیں رکھ دیں ۲۶

فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

وہ رات کو دن سے چھپا دیتا ہے ۔ بے شک ان (سب) میں سوچنے والوں کے واسطے

۲۶ ایک دوسرے کے مقابل، مثلاً بڑے اور چھوٹے، یا ترش اور شیریں ۔ وقس علیٰ ہذا ۔
سائنسی تحقیقات سے آج یا آگے چل کر جس جس قسم کا بھی تعلقِ زوجیت پھلوں کے درمیان منکشف ہو، سب آیت کے تحت میں آجائے گا ۔
رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۔ یعنی نہ کوئی پہاڑ (نہ گوری شنکر نہ بندھیاچل نہ ننگا پربت) اور نہ کوئی دریا (نہ گنگا نہ نربدا نہ سرسوتی) معبود یا نیم معبود ہیں، یا کسی دیوی دیوتا کے مسکن ہیں، جیسا کہ ہندوستان کے اندر اور ہندوستان کے باہر بھی بہت سی جاہل قوموں کا عقیدہ ہے اور رہ چکا ہے، بلکہ یہ پہاڑ اور دریا کا وجود زمین پر تو کائناتی مصلحتوں سے حکیم مطلق نے رکھ دیا، اور خود ان کے درمیان بھی ایک نہ ایک رشتۂ قرابت قائم کر دیتا ہے، جس کے جزئیات اہل سائنس پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں، مثلاً سمندر ہیں کہ انھیں سے بخارات اُٹھ کر بادلوں کی شکل میں پہاڑوں سے ٹکراتے ہیں اور پھر زمین پر برس کر دریا پیدا کرتے ہیں اور ان میں طغیانی لاتے ہیں اس طرح آفتاب زمین سے ایک باہمی رشتہ ۔
مد الارض ۔ یعنی یہ زمین بھی نہ کوئی دیوی ہے اور نہ کوئی مائی جی محض اللہ کا پھیلایا ہوا، ایک فرش ہے، جس پر اس کی مخلوق آزادی سے چلے پھرے، دوڑے دھوپے مدو امتداد سے زمین کی کرویت کا انکار ہرگز لازم نہیں آتا، زمین کی سائنسی شکل جو کچھ بھی ہو قرآن کو اس سے مطلق بحث نہیں، بشری آنکھ کو تو بہرحال پھیلی ہوئی سطح ہی نظر آتی ہے اور آسمان جس طرح سب سے اونچی چھت کا نام ہے زمین پیر کے نیچے کے فرش کا نام ہے ۔
امام رازی کی تفسیر کبیر ساتویں صدی ہجری کی بالکل ابتدائی تصنیف ہے، انکار کرویت ارض کو امام اس وقت بھی محض مکابرہ سے تعبیر کرتے ہیں ۔
ثبت بالدلائل ان الارض کرۃ یکیف یمکن المکابرۃ فیہ ۔ (کبیر)
لیکن چونکہ یہ کرہ ہے نہایت ہی عظیم جسامت رکھنے والا اس لئے بشری آنکھ کے سامنے اس کا جتنا ٹکڑا آتا ہے، سطح ہی نظر آتا ہے، اور اس کی کرویت غیر مشاہد رہتی ہے، امام موصوف ہی کے الفاظ میں ۔
والکرۃ اذا کانت فی غایۃ الکبر کان کل قطعۃ منہا نشاھد کسطح ۔ (کبیر)
اور بحر المحیط میں بھی اس معنی کا ایک قول ابو عبداللہ دارانی کے حوالہ سے نقل ہوا ہے، اور صاحب روح المعانی نے اس مسئلہ کرویت پر بڑی شرح و بسط سے کلام کیا ہے، اور خازن لباب التاویل ۷۴۱ھ ہجری

لِقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ③ وَفِی الۡاَرۡضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنۡ اَعۡنَابٍ

نشان موجود ہیں سے اور زمین میں پاس پاس قطع ہیں اور انگوروں کے باغ اور کھیتیاں ہیں

وَّزَرۡعٌ وَّنَخِیۡلٌ صِنۡوَانٌ وَّغَیۡرُ صِنۡوَانٍ یُّسۡقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ

اور کھجوریں ہیں گنجان (بھی) اور چھدری (بھی) ایک ہی پانی سے سیراب کئے جانے والے اور (پھر بھی) ہم ان میں سے

بَعۡضَهَا عَلٰی بَعۡضٍ فِی الۡاُکُلِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ④

پھلوں میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتے ہیں بے شک ان (سب) میں ان لوگوں کیلئے جو عقل سے کام لیتے ہیں دلائل (موجود) ہیں شہ

کی تصنیف ہے، اس میں ہئیت والوں کے اس مسئلہ کا ذکر کرکے کہ زمین کرہ کی شکل میں ہے اس کی تفسیر اس کے مطابق کی ہے۔

اگر یہ حقیقت ذہن کے سامنے مستحضر رہے کہ قرآن انسان سے گفتگو اس کی عام زبان میں کرتا ہے، نہ کہ اہلِ فن کی اصطلاحات میں تو آگے نہ کوئی سوال پیدا ہوتا ہے نہ کوئی اشکال!

کہ یعنی شرک و تعددِ الٰہہ کی تردید اور اللہ کی توحید اور صناعت گری کے دلائل۔

یغشی اللیل النہار۔ یعنی رات کی تاریکی سے دن کی روشنی کو چھپا دینا یہ بھی اسی قادرِ مطلق کا کام ہے، دنیا میں ایسی مشرک قومیں بھی گزری ہیں جنھوں نے "رات اور دن" کو مستقل دیوتا مان کر ان کی پوجا کی ہے، پارہ سیقول کے حاشیوں میں اس کا ذکر آچکا ہے، قرآن مجید بار بار اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے کہ دن اور رات کا یہ الٹ پھیر نہ از خود بغیر کسی فاعل و مؤثر کے ہوتا رہتا ہے اور نہ فاعل مؤثر خود یہی ہستیاں ہیں بلکہ یہ سارے تغیرات و تصرفات اسی ایک ہستی اعظم کے اشاروں پر ہوتے رہتے ہیں۔

شہ (حکمت، صناعت باری تعالیٰ کے)

قطع متجٰورات ۔ یعنی زمین کے یہ قطعے ہوتے تو پاس پاس ہی ہیں، لیکن اثرات کے لحاظ سے مختلف۔ حاصل ان سب مثالوں کا یہ ہے کہ مؤثرات مادی ایک ہی ہوتے ہیں، اور پھر بھی اثرات مختلف ہوتے ہیں، طبیعت ایک اور حکم مختلف، یہ سب اس لئے کہ فاعل حقیقی کوئی اور ہی ہے، اس میں رد آگیا ان "نیچری" مذاہب کا جو کائنات کو محض قوانینِ طبیعی کا (بغیر کسی قانون گر و قانون ساز کے) مقید و محکوم سمجھتے ہیں۔

انگور کے باغ، اور کھیت، اور کھجوروں کے مختلف قسم کے درخت، یہ سب قرآن کے مخاطبینِ اولٰی اہلِ عرب کے آسانی سے سمجھ میں آجانے والی چیزیں تھیں۔

لاٰیٰت لقوم یعقلون ۔ ان سب واقعات میں جو روزانہ مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں، ردِ شرک اور اثباتِ توحید کے پورے پورے دلائل موجود ہیں، عاقل وہی ہیں جو ان سے سبق توحید اور

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ

اور اگر آپ تعجب کریں تو تعجب کے قابل (خود) ان کا (یہ) قول ہے کہ جب ہم خاک ہو گئے تو پھر کیا ہم نئے سرے

جَدِيْدٍ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ

سے پیدا ہوں گے؟ یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار سے کفر کیا ۹ انھیں لوگوں کے گردنوں میں طوق

اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۵

ہوں گے۔ اور یہی لوگ اہلِ دوزخ ہیں اس میں (ہمیشہ) پڑے رہیں گے ۱۰

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ

اور یہ لوگ آپ سے جلدی کرتے ہیں مصیبت کی قبل عافیت کے۔ درانحالیکہ ان کے قبل واقعاتِ

الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ

عقوبت گزر چکے ہیں ۱۱ اور بے شک آپ کا پروردگار لوگوں کے حق میں باوجود

اثباتِ صانعِ عالم کا لیتے ہیں، اور کمالِ بے عقلی یہ ہے کہ اُن کے محض مادی قواعد و ضوابط اور ناپ تول کا شمار وغیرہ پر نظر کو محدود رکھا جائے۔

یُسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ۔ سب کو سیراب کرنے والی بارش تو ایک ہی ہوتی ہے، پھر یہ اثرات اتنے مختلف کیسے مرتب ہوتے ہیں، اگر سب کے عقب میں کوئی خاص قوتِ ارادی موجود نہیں؟

۹ (آخرت سے انکار کرکے، اور ایسی بات نہ تسلیم کرنے سے)

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ یہ نادان و نافہم جو بڑے استعجاب کے لہجے میں کہتے ہیں کہ یہ ممکن کیسے ہے کہ ہم جب ایک بار خاک ہو گئے تو دوبارہ پھر مجسم و متشکل ہو کر برآمد ہوں، دراصل حیرت و استعجاب کے قابل تو خود ان کا یہ انکار ہے، یہ اتنا نہیں سوچتے کہ جب خود انھیں کے اقرار کے مطابق خدائے قادر و توانا کیسی کیسی عجیب اور عظیم الشان مخلوقات عدمِ محض سے پیدا کر چکا، اور یہ برابر پیدا کرتا رہتا ہی ہے تو اس کے لئے ان کا اعادہ، انھیں دوبارہ تشکل دینا مشکل ہی کیا ہے؟ — مضحکہ کے قابل عقیدۂ آخرت ذرا بھی نہیں، بلکہ قابلِ مضحکہ تو انکارِ آخرت ہے۔

۱۰ (اور کبھی نجات نہ پا سکیں گے)

یہاں یہ بتایا ہے کہ یہ منکرینِ آخرت بھی ایسے ہی کافر اور ویسے ہی معذب رہیں گے جیسے دوسرے منکرینِ توحید و منکرینِ رسالت۔

۱۱ یعنی یہ منکرین وقوعِ عذاب کو اسقدر مستبعد سمجھ رہے ہیں کہ قبل اس کے کہ اُن کی میعادِ مہلت ختم ہو، الٹا آپ سے

عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑥ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ

ان کی زیادتیوں کے صاحب مغفرت ہے اور بے شک آپ کا پروردگار سخت سزا دینے والا ہے ۱۲ اور کافر کہتے ہیں کہ

كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ

ان پر فلاں معجزہ ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہیں اترا، بے شک آپ تو بس ایک ڈرانے والے ہیں۱۳۔

نزولِ عذاب کے تقاضے کر رہے ہیں! حالانکہ تاریخ کی شہادت انھیں خود دل سکتی ہے کہ مکذب و آخرت فراموش قوموں کی کیسی کیسی حسرتناک بربادیاں اسی دنیا میں واقع ہو چکی ہیں۔

مثلات۔ مثلۃ کی جمع ہے، یہاں مراد واقعاتِ عذاب و عقوبت سے ہے۔

ای عقوبات امثالھم من المکذبین (جلالین) والمثلات جمع المثلۃ مثل صدقۃ وصدقات (معالم)

السیئۃ۔ سے مراد عذاب اور الحسنۃ سے مقصود عافیت ہے۔

قال ابن عباس السیئۃ العذاب والحسنۃ العافیۃ (بحر) السیئۃ ھٰھنا ھی العقوبۃ والحسنۃ العافیۃ (معالم)

قبل الحسنۃ۔ قبل کو اگر اردو کے "بجائے" کے معنی میں لایا جائے تو اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ جلدی مصیبت کے لئے مچانے لگتے ہیں بجائے عافیت کے۔

۱۲ یعنی حق تعالیٰ میں دونوں صفات موجود ہیں، جن کا ظہور اپنے اپنے موقع پر ہوتا ہے، صفتِ عذاب کا ظہور اگر ابھی ان کافروں پر نہیں ہوا ہے تو یہ احمق آخر غافل و بے فکر کس برتے پر ہوئے جا رہے ہیں۔

ان ربک لذو مغفرۃ للناس علی ظلمھم۔ حضرت ابن عباسؓ صحابی سے منقول ہے کہ قرآن مجید میں سب سے بڑھ کر پُرامید و پُرتسلی یہی آیت ہے، اور سدی تابعی نے بھی یہی کہا ہے، اور کہا ہے کہ یہ مغفرت کی بشارت غیر تائبین کے لئے ہے۔

قال ابن عباس لیس فی القرآن آیۃ ارجی من ھذہ (بحر) قال سدی یعنی المومنین وھی ارجی آیۃ فی کتاب اللہ ذکر المغفرۃ مع الظلم وھو بدون التوبۃ فان التوبۃ تزیلھا وترفعھا۔ (مدارک)

اور تفسیر ابن کثیر میں تاریخ ابن عساکر کے حوالے سے حسن بن عثمان الرمادی کا یہ رویا منقول ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے حضور میں اپنے کسی امتی کی سفارش کرتے ہوئے دیکھا، اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ کیا یہ کافی نہیں کہ میں خود سورۂ رعد میں تمھارے اوپر یہ آیت وان ربک لذو مغفرۃ للناس علی ظلمھم نازل کر چکا ہوں۔

متکلمین اہل سنت نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ صاحب کبائر کی مغفرت توبہ کے بغیر بھی ہو سکتی ہے، ورنہ توبہ گناہ کو زائل کر ہی دیتی ہے مؤمن تو ظالم جبھی تک ہے، جب تک کہ غیر تائب ہے۔

فاعلم ان اصحابنا تمسکوا بھذہ الآیۃ علی انہ تعالیٰ قد یعفوا عن صاحب الکبیرۃ قبل التوبۃ۔ (کبیر)

ع

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ

اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا ہے ۔ اللہ کو علم رہتا ہے اس کا جو کچھ عورت اٹھائے رہتی ہے اور جو کچھ (عورتوں کے)

الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝

رحم میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے ، اور ہر شے اس کے نزدیک ایک (متعین) اندازہ ہی سے ہے ۵۱ؔ

والتقیید به دلیل علی جواز العفو قبل التوبة فان التائب لیس علی ظلمه (بیضاوی)

۱۳ؔ (اور آپ کا اصل کام سرکشوں کو ڈرانا اور انھیں راہ بتانا ہے نہ کہ یہ فرمائشی معجزہ کی تعمیل کرتے رہنا) قرآن مجید نے پورا پورا جواب ذرا سے فقرہ میں انجوبہ پرستوں کو دیدیا کہ یہ نادان رسولؐ کی صداقت کا معیار فرمائشی خوارق و معجزات کو سمجھ رہے ہیں' یہ اسقدر جہل ہے کہ پیمبر کے اصلی فرائض سے اسے اصل تعلق نہیں، انجیل میں، حالانکہ صاحب انجیل اپنے خوارق و معجزات ہی کے لئے سب سے زیادہ مشہور ہیں معجزات کی فرمائش کرنے والوں پر یوں لتاڑ آئی ہے :-

• "اے استاد ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں، اس نے جواب دے کر ان سے کہا کہ اس زمانہ کے بُرے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں"۔ (متی ۱۲ = ۳۹)

• جب بڑی بھیڑ جمع ہو جاتی تھی، تو وہ کہنے لگا کہ اس زمانہ کے لوگ بُرے ہیں اور وہ نشان طلب کرتے ہیں"۔ (لوقا ۱۱ = ۲۹)

• پھر فریسی نکل کر اس سے بحث کرنے لگے اور اسے آزمانے کے لئے اس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا، اس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا، اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں؟ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا"۔ (مرقس ۸ : ۱۱ ، ۱۳)

۱۴ؔ (اور اس قوم کے لئے ہادی اعظم آپؐ ہیں)

هَادٍ ۔ لفظ ہادی عام و وسیع ہے، پیمبر کا مرادف نہیں، اس کے تحت میں نبی اور نائبان سب ہی آجاتے ہیں۔

عن ابن عباسؓ الهادی الداعی الی الحق (جصاص) اعنی به ولکل قوم قائد (ابن جریر)

عن ابی صالح قال لکل قوم قادة ۔ (ابن جریر)

ان آیت سے جن لوگوں نے ہندوستان میں کسی نبی کا آنا لازمی قرار دیا ہے' ان کا استدلال قوی نہیں' البتہ درجۂ احتمال میں اس کا مان لینا ضروری ہے' اور اسی لئے مفسر تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں زیادہ بحث و مباحثہ غیر ضروری ہے۔

۱۵ؔ یعنی قدرت کے سارے انتظامات ایک خاص نظام کے ماتحت ہی انجام پاتے ہیں' اٹکل پچو نہیں اور نہ اس میں کسی سہو یا غلطی کا امکان ہے۔

اللّٰہ ..... تَزْدَادُ ۔ خدائے اسلام کا علم کامل بھی ہے اور محیط بھی' ہر ہر جزئیہ اور سارے

عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْکَبِیْرُ الْمُتَعَالِ ﴿۹﴾ سَوَآءٌ مِّنْکُمْ مَّنْ اَسَرَّ

(وہ) پوشیدہ اور کھلی چیزوں (سب) کا جاننے والا ہے بڑائی والا ہے عالی شان ہے ؎۱۶ (اس کے علم میں) برابر ہے تم میں سے

الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّیْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ﴿۱۰﴾

جو کوئی بات چھپا، اور جو کوئی اسے ظاہر کرے، اور جو کوئی رات میں چھپ جائے، اور (جو کوئی) دن میں چلے پھرے ؎۱۷

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ

ہر ایک کے لئے باری باری آنے والے فرشتے ہیں، اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی وہ اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں ؎۱۸

مخفیات و مغیبات پر شامل، یہ جاہلی مذہبوں پر ضرب کاری ہے، جن میں خدا کا علم ناقص یا صرف کلیات کا مانا گیا ہے۔

مَا تَحْمِلُ کُلُّ اُنْثٰی۔ مثلاً یہی کہ حمل میں لڑکی ہے یا لڑکا، اور اس قبیل کے کل معلومات۔

وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ۔ مثلاً یہ کہ کسی کی مدت حمل بڑھ گئی اور کسی کی گھٹ گئی، یا یہ کہ کسی کے حمل میں ایک بچہ ہے اور کسی کے زائد ——— اور اسی طرح کی کل صورتیں۔

؎۱۶ اس کی قدرت سب پر بالا اور سب پر حاکم، کوئی اس کا بالا دست نہیں۔ اور اسی کا علم محیط و کامل ——— وہی ہمہ داں، ہمہ بیں، اور وہی ہمہ تواں۔

مذاہب شرکیہ اور ادیان جاہلی کو سب سے زیادہ ٹھوکر حق تعالیٰ کی صفات علم و قدرت ہی کے سمجھنے میں لگی ہے، اس لئے قرآن مجید ان عقائد کو بار بار صاف کرتا، اور ان کی غلطیوں کی بار بار اصلاح کرتا جاتا ہے۔

؎۱۷ یعنی یہ سِرّ و جہر، یہ پوشیدگی و ظہور، یہ تاریکی و روشنی سب تمہاری نسبت سے ہے، اس کے علم کے اعتبار سے سب یکساں ہے ——— مشرک قوموں نے اپنے دیوی دیوتاؤں کو بھی اپنے ہی محدود و ناقص حواس اور قوتوں پر قیاس کیا ہے، اس کی اصلاح ضروری تھی۔

؎۱۸ خالق کا تعلق مخلوق سے بے اعتنائی اور بے التفاتی کا نہیں، وہ غایت شفقت و کرم سے سب کی حفاظت کی فکر و اہتمام رکھتا ہے۔

من امر اللہ۔ توحید کی تاکید و اہتمام مزید کے لئے ہے، فرشتے تک متصرف بالذات نہیں، جو کچھ بھی کرتے ہیں، اطاعت سرشت بندوں کی طرح، اپنے خالق کے حکم ہی سے کرتے ہیں، اللہ اللہ ——— توحید خالص پر اس کتاب برحق نے کن کن طریقوں سے زور دیا ہے۔

لہ۔ ضمیر بندہ یا انسان کی طرف سمجھی گئی ہے۔

ای للعبد (ابن کثیر)

بعض نے اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لی ہے، اور مقصود دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاِذَآ

بے شک اللہ کسی قوم کی حالت بدل نہیں دیتا جب تک وہ لوگ خود اپنے میں تبدیلی نہیں کر لیتے ۱۹؎ اور جب

اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ⑪

اللہ کسی قوم پر مصیبت ڈالنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو کوئی صورت بھی اسکے ہٹنے کی نہیں اور نہ کوئی اللہ کے مقابلے میں ان کا مددگار رہتا ہے ۲۰؎

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ⑫

وہ وہی (خدا) ہے جو تمہیں بجلی (کی چمک) دکھلاتا ہے، ذریعۂ خوف بھی بنا کر اور ذریعۂ امید بھی بنا کر اور وہ بھل بادلوں کو بلند کرتا ہے ۲۱؎

ای اللہ تعالیٰ۔ (معالم)

مُعَقِّبٰتٌ۔ مراد فرشتے ہی ہیں، خدائی حکومت میں فرشتوں کی ڈیوٹی لگی رہتی ہے، پہرہ اپنے اپنے وقت پر بدلتا رہتا ہے۔

ملائکۃ (معالم) (ابن کثیر) المراد منه الملائکة الحفظة وعليه الجمهور۔ (کبیر)

۱۹؎ (مسلسل نافرمانیاں کر کے)

یہاں یہ قانون بیان کیا ہے کہ حق تعالیٰ تو عدل مطلق ہے اس کی طرف سے کسی ظلم، زیادتی کا امکان ہی نہیں، وہ تو جب بھی کسی قوم کو گرفت میں لے گا تو اس قوم کی مسلسل نافرمانیوں کی پاداش ہی میں لے گا، اور اسی طرح اس کا عکس بھی یقینی ہے یعنی جب کسی قوم کی بدنصیبی خوش نصیبی میں تبدیل ہونے لگے اس کا ادبار دور ہو کر اس کے اقبال مندی کے آثار ظاہر ہونے لگیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اپنی اصلاح کر لی ہے، کاش مسلم قوم ایسی صریح آیتوں پر غور کرے اور اپنی حالت کو سوچے۔

يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ اس تغیر کی نسبت فاعلی قوم کی طرف کر کے اس کا اظہار کر دیا ہے کہ یہ تبدیلیاں قوم کے اپنے قصد، عمد و اختیار سے ہوتی ہیں، یا نی اگر کوئی تبدیلی کسی قوم میں کسی مجبوری یا اضطرار یا لاعلمی کے نتیجے کے طور پر ہو جائے تو اس پر یہ گرفت نہیں۔

ما بقوم۔ مراد اچھی حالتوں سے ہے۔

ای من النعمة والعافية۔ (روح)۔ ملاحظہ ہو سورۃ الانفال آیت ۵۳ کا حاشیہ۔

۲۰؎ (ان میں سے جن کی امداد کا بڑا بھروسہ اور زعم ان نافرمانوں کو رہا کرتا ہے)۔

اذا اراد اللہ بقوم سوءً۔ اور یہ ارادۂ الٰہی ہمیشہ اس نافرمان قوم کے اعمال کی پاداش میں ہوتا ہے۔

من دونہ من وال۔ یہاں تک کہ جو فرشتے انسان کی حفاظت پر مامور رہتے ہیں، وہ بھی اب بہ حکم خدا اس کی حفاظت سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔

۲۱؎ (جو پانی سے لدے ہوئے ہوتے ہیں)

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ

اور رعد اسکی تسبیح کرتا ہے اسکی حمد کے ساتھ اور (دوسرے) فرشتے بھی اسکے رعب و جلال سے (یہی کرتے ہیں)۲۲ اور وہ (اللہ) بجلیاں

فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾

بھیجتا ہے پھر گرا دیتا ہے اسے جس پر چاہتا ہے ۲۳ اور یہ لوگ اللہ کے باب میں جھگڑ رہے ہیں حالانکہ وہ بڑا ہی زبردست قوت والا ۲۴

مدعا یہ کہ بجلی اور بادل نہ خود کوئی دیوی دیوتا ہیں، نہ کسی اور دیوی دیوتا کے محکوم و ماتحت ہیں محض اللہ کی ایک مخلوق اور دوسری بیجان مخلوق کی طرح تابع فرمان ہیں۔ اندر دیوتا یا کوئی اور دیوتا بجلی اور بارش کا خدا نہیں۔

خوفاً۔ یعنی یہ کہ کہیں گر کر سامان ہلاکت نہ بن جائے ــــ ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ برق میں ایک صفت ناری موجود ہے۔

طمعاً۔ یعنی یہ کہ اب تیز بارش ہوگی، اور اس سے سرسبزی، شادابی، خوشحالی پھیلے گی ــــ ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ برق میں ایک صفت نوری موجود ہے۔

خوفاً وطمعاً۔ انسان نے جو اپنے ہاتھ سے بجلی بنانا سیکھی، اور ملکوں ملکوں شہروں شہروں بجلی کے بڑے بڑے کارخانے قائم کر دیئے ہیں۔

خوف و طمع یعنی دہشت زدگی اور مرعوبیت کے دوگونہ وصف اس کے منہ کی بجلی میں بھی پائے جاتے ہیں، ایک انتہائی خطرناک اور مہلک اور دوسری انسانی ضرورتوں کے لئے کس درجہ کارآمد۔

۲۲ (اپنے اپنے مرتبہ وجود کی مناسبت سے، اور کوئی بھی اللہ کی عبدیت و محکومیت سے باہر نہیں)

الرعد۔ رعد کے لفظی معنی بادل کی گرج کے ہیں۔

صوت السحاب (راغب)

اصطلاحِ شریعت میں اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جو ناظمِ ابر و سحابیات ہے۔

ملك من الملائكة موكل بالسحاب (جامع ترمذی۔ ابواب تفسیر القرآن عن ابن عباسؓ)

انه ملك يسوق السحاب (راغب) الرعد هو الملك موكل بالسحاب (کبیر)

لا يبعد ان يكون من جنس الملائكة وانما حسن افراده بالذكر على سبيل التشريف كما في قوله وملٰئكته ورسله وجبريل وميكال وفي قوله واذا اخذنا من النبيين ميثاقهم ومنك ومن نوح۔ (کبیر)

۲۳ یہ فضائے ارضی کی طرف بجلیاں بھیجتے رہنا اور پھر اسے حسب مصلحت و مشیت تکوینی جس پر اور جہاں چاہنا گراتے رہنا، یہ سب کام اسی قادرِ مطلق و حکیمِ کل کا ہے کسی اور کا نہیں۔

یونانی سمجھتے تھے کہ بجلی اسی آس دیوتا کا حربہ ہے، اور رومی عقیدہ رکھتے تھے کہ جوپیٹر (عطارد

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ

اسی کے لئے (خاص) ہے سچا پکارنا ۲۴ اور جن کو (یہ لوگ) اسکے سوا پکارتے ہیں وہ ان کا جواب اس سے زیادہ نہیں

لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ

دے سکتے جتنا پانی (اسکے جواب دے سکتا ہے) جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہو کہ وہ (پانی) اسکے

وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾

منہ تک پہنچ جائے' درانحالیکہ وہ اس تک پہنچنے والا نہیں ۲۶ اور کافروں کی پکار تو بس بھٹکتی ہی پھرتی ہے ۲۷

دیوتا کا، اور ہندیوں کے خیال میں اندر دیوتا کا، دوسری مشرک قومیں بھی ایسی ہی خوش خیالیوں میں مصروف تھیں، قرآن مجید نے ایک چند لفظی فقرہ سے ان ساری وہم پرستیوں پر ضرب کاری لگادی' ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن

۲۴ (اپنی قدرت خلاقی اور قوت صناعی کے لحاظ سے بھی' اور اپنی طاقت گرفت و سزادہی کے لحاظ سے بھی) مطلب یہ ہوا کہ ایسا خدا جس کے نظام کائنات کی کارفرمائیاں اتنی عجیب و عظیم ہوں' اور جس کا اختیار و اقتدار اتنا ہمہ گیر اور کامل، یہ نادان اُس خدا کے مقابلہ میں دوسروں کو لاتے ہیں اور اس کی ذات وصفات میں اوروں کو شریک کرنا چاہتے ہیں۔

۲۵ یعنی حقیقی دعا صرف اسی کے حضور میں ہوسکتی ہے' سننے کی قوت، قبول کرنے کی قوت اس اکیلے میں تو ہے، اس کے علاوہ کسی اور سے دعا مانگنا حماقت محض اور سفاہت خالص نہیں تو اور کیا ہے؟ کسی اور میں کوئی اختیار ہی کب ہے۔؟

۲۶ یہ غیر خدا کے آگے عرض نیاز کرنے' دعا مانگنے کی مثال دی ہے' کہ جیسے کوئی احمق پیاسا پانی کی سی بیجان، بے ارادہ لایعقل چیز کی طرف اس امید پر ہاتھ پھیلائے رہے کہ پانی از خود اس کے منہ تک پہنچ کر اس کی پیاس بجھائے گا، تو اس سے بڑھ کر حماقت اور کیا ہوگی، اسی طرح یہ احمق دعا کے ذریعہ سے فریاد رسی اس سے چاہتے ہیں، جو سرے سے قادر ہی فریاد رسی پر نہیں۔

۲۷ (اس لئے کہ وہ تو غیر اللہ کے سامنے رہتی ہے)

کافروں کی جو دعائیں بہ ظاہر مقبول معلوم ہوتی ہیں' ان واقعات کا تعلق دعا سے بالکل نہیں ہوتا' اُن کی وہ آرزوئیں یوں ہی بغیر دعا کے پوری ہوجاتی ہیں' تکوینی اسباب و مصالح سے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ کافروں کی غیر مقبول دعاؤں سے مراد ان کی آخرت سے متعلق دعائیں ہیں نہ کہ دنیا سے متعلق۔

.. المراد دعاءهم الله تعالی بما یتعلق بالآخرة (روح)

اور دعا کے اگر اصطلاحی معنی نہیں محض لفظی معنی یعنی پکار مراد لئے جائیں جب تو آگے کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، ظاہر ہے کہ جس کو خدا پر حقیقی یقین ہی سرے سے نہیں یا بہت ناقص قسم کا ہے' اس کی پکار خدا تک

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ

اور اللہ ہی کے آگے جھکے رہتے ہیں (سب) جتنے آسمانوں میں ہیں اور (جتنے) زمین میں ہیں ۲۸ (کوئی) ارادۃً (کوئی) اضطراراً ۲۹ اور ان

بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۞ ۱۵ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ

کے سائے بھی صبح شام کے وقت ۳۰ آپ پوچھئے کہ آسمان اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ آپ (ہی) کہہ دیجئے کہ اللہ۔

پہنچنے ہی کیوں لگی۔

۲۸ یعنی ساری کی ساری مخلوقات اللہ ہی کے قانون تکوینی کی مطیع و منقاد ہے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ۔ اس ترکیب کے اقتضاء سے معنی یہ پیدا ہوئے کہ اللہ ہی کی مطیع و منقاد ہے کہ کسی اور کی۔

ای للہ وحدہ یخضع وینقاد لا لشیء غیرہ (روح)

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ مراد جمیع مخلوق سے ہے۔

والمراد ما یشمل اولئک وغیرھم والتعبیر بمن للتغلب (روح)

يَسْجُدُ۔ سجدہ یہاں یہ اصطلاح شرعی نہیں بلکہ اپنے اصلی و لغوی معنی میں ہے یعنی سب کے سب اللہ کے آگے جھکے ہوئے اور اس کی مشیت کے مطیع و منقاد ہیں اور اس سجدہ کو سجدہ صرف دلالۃً کہا جائیگا نہ کہ عبادۃً۔

السجود اصلہ التطامن والتذلل ...... وذلک ضربان سجود باختیار ولیس ذلک الا للانسان وسجود تسخیر وھو للانسان والحیوانات والنبات وعلی ذلک قولہ وللہ یسجد من فی السمٰوٰت والارض (راغب) وکل مخلوق من المؤمن والکافر یسجد من حیث انہ مخلوق یسجد دلالۃ وحاجۃ الی الصانع (قرطبی) السجود عبارۃ عن الانقیاد والخضوع وعدم الامتناع وکل من فی السمٰوٰت والارض ساجد للہ بھذا المعنی لان قدرتہ ومشیتہ نافذۃ فی الکل (کبیر) ای ینقادون لاحداث ما اراد فیھم من افعالہ۔ (کشاف)

۲۹ یعنی افعال اختیاری میں تو قصد و اختیار سے اور امور غیر اختیاری میں اضطراراً ــــ یا یہ مراد لی جائے کہ مومنین و مطیعین تو اپنے طوع (ارادہ و رغبت) سے مطیع و منقاد رہتے ہیں اور منکرین کو افعال غیر ارادی میں اضطراراً و تعمیل قانون الٰہی کی کرنا پڑتی ہے۔

۳۰ یعنی علی الدوام۔ ہر حال میں، ہر وقت۔ ب یہاں فی کے مرادف ہے۔

والمراد بھا الدوام (بیضاوی) والباء بمعنی فی (روح)

ظِلٰلُهُمْ۔ سایہ ایک عدمی اور سلبی شے ہے جس کا اطلاق اس حال پر ہوتا ہے جب روشنی جسم کثیف کے توسط سے دور ہو جائے ــــ جیسے رات کا اطلاق دن کے عدم پر ہوتا ہے یہاں اگر یہ لفظی معنی لئے جائیں جب بھی کوئی اشکال نہیں، مراد یہ ہوگی کہ اشیاء موجود فی الخارج اور انکے ظلال سب ہی قادر مطلق کے مطیع و منقاد ہیں، وحشی قوموں میں "سایہ" کو عالم بالا کی کوئی چیز سمجھ کر اس سے بہت ڈرا گیا ہے، قرآن مجید نے بتایا کہ ہر موجود

اللّٰہُ ۚ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِيَاۗءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا

(پھر) کہئے کہ تو کیا تم نے (پھر بھی) اس کے سوا (اور) کارساز قرار دے لئے ہیں جو اپنی ذات کے لئے بھی نفع و نقصان

وَّلَا ضَرًّا ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ڏ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي

کا اختیار نہیں رکھتے ۳۱؎ آپ کہئے کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے، یا یہ کہ کہیں تاریکی اور روشنی برابر

الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ڬ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ

ہوتی ہے ۳۲؎ یا یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کے شریک ایسے ٹھہرا رکھے ہیں جنھوں نے اسکی خلق کی طرح کسی کو خلق کیا ہے

الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿١٦﴾

جس سے انکو خلق میں اشتباہ ہو گیا ۳۳؎ آپ کہدیجئے اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ واحد ہے غالب ہے ۳۴؎

شے کی طرح اس کا سایہ بھی محض مخلوق اور منقاد مشیت الٰہی ہے، لیکن بعض محققین ہی سے ایک قول اور بھی منقول ہے، وہ یہ کہ ظلال سے مراد آثار و توابع ہیں۔

اس صورت میں مطلب یہ ہوا کہ ہر موجود بذات خود بھی مطیع و سربسجود ہے، اور اس کے آثار و خواص و افعال بھی۔

۳۱؎ (چہ جائیکہ اپنے پرستاروں کی سُن سنا سکیں، یا ان کی کچھ مدد کر سکیں)

مطلب یہ ہوا کہ ان مشرکین عرب سے بھی اگر یہ سوال کر دیجئے کہ اس سارے نظام کائنات کا خالق و موجد، حافظ و مبقی، مدبر و حاکم کون ہے، تو یہ باوجود اپنے شرک کے اسی کے قائل نکلیں گے، کہ وہ تو ایک ہی خدائے قادر و توانا ہے، جسے عرب کی بولی میں اللہ کہتے ہیں بس اس پر ان کی گرفت کیجئے، اور ان سے کہئے کہ اس صحیح بنیادی عقیدہ کے باوجود پھر یہ تم پر کیا شامت سوار ہے کہ تم تعدد الٰہہ کی لعنت میں گرفتار ہو اور چھوٹے چھوٹے خداؤں، دیوی دیوتاؤں کے چکر میں پھنسے ہوئے ہو؟ —— جب ایک خدا کو مان لیا، تو پھر اب دوسروں بیچاروں کے پاس کسی قسم کا اختیار و تصرف سرے سے باقی ہی کہاں رہ جاتا ہے؟

۳۲؎ (اور جب یہ نہیں، اور بداہۃً نہیں، تو پھر موحد و مشرک یعنی صاحبِ ایمان اور محروم الایمان اور شرک و توحید یا کفر و ایمان کیسے ایک سطح پر آسکتے ہیں؟)

آیت میں رد آگیا آج کے ان "روشن خیالوں" کا جو دنیا کے ہر مذہب کو یکساں سمجھتے ہیں، اور ان "آزاد خیالوں" کا جو فلاح دنیوی کے لئے ایمان کی شرط غیر ضروری جانتے ہیں۔

۳۳؎ (اور یہ دھوکے میں پڑ کر اس خالق اعظم کی طرح دوسرے خالقوں کو بھی خدا سمجھ بیٹھے)

مطلب یہ ہوا کہ صفتِ خالقیت میں انھوں نے اپنے کسی گھڑے ہوئے خدا کو خدائے حقیقی کا شریک اپنے تجربہ و مشاہدہ میں پایا ہے؟ اور جب کسی کو بھی نہیں تو پھر یہ آخر کیا خدا کی مار ہے کہ ان دوسروں کو معبودیت کی

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ

(اس نے) آسمان سے پانی اتارا جس سے نالے اپنی سمائی کے موافق چلنے لگے ۳۵ے پھر وہ سیلاب جھاگ کو اوپر

زَبَدًا رَّابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ

لے آئے۔ اور جن چیزوں کو آگ کے اندر تپاتے ہیں زیور یا (اور) اسباب بنانے کی غرض سے اس میں بھی

أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا

ایسا ہی جھاگ ہے ۳۶ے اسی طرح اللہ حق و باطل کی مثال بیان کرتا ہے ۳۷ے سو جھاگ تو رائیگاں

الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ

جاتا ہے، اور جو چیز لوگوں کے لئے کارآمد ہے سو وہ زمین پر رہ جاتی ہے۔

شریک کئے جاتے ہیں۔

۳۴ے (جس کا نہ کوئی ثانی ہے نہ کوئی اس پر غالب)
یہاں مختصراً تین صفات بیان کرکے بہت سی پھیلی ہوئی گمراہیوں اور اکثر مذاہب شرک کی جڑ کاٹ دی‘
پہلی صفت یہ کہ اللہ ہی چھوٹی بڑی ہر چیز کا جوہر و عرض‘ شیریں و تلخ‘ روشن و تاریک‘ ایجاب و سلب‘
خوشگوار و ناخوشگوار، سب کا خالق ہے، اصل زور کل شی پر ہے، یہ نہیں کہ زیادہ تر چیزیں تو اس نے
پیدا کی ہیں اور باقی کچھ چھوٹی موٹی چیزیں کسی اور نے پیدا کر دیں۔
دوسری صفت یہ کہ وہ عدداً بھی ایک ہی ہے‘ اپنی ذات کے لحاظ سے بھی اور اپنی صفات کمال کے
لحاظ سے بھی‘ یہ نہیں کہ اس کی "شخصیت" تو ایک ہو لیکن اس کے "بروز" اور "جلوے" اسکے اقنوم کئی کئی ہوں۔
تیسری صفت یہ کہ وہ اپنی ساری مخلوقات پر غالب و حاکم ہے‘ خود اسکے اوپر کوئی ہستی یا کوئی قانون حاکم و متصرف نہیں۔

القھر الغلبة۔ (راغب)
اردو میں قہر مرادف ہے غضب کے اور قہار کے معنی ہیں بڑے غضبناک و تندخو کے عربی کے القہار کو اس سے
کوئی واسطہ ہی نہیں‘ عربی میں اس کے معنی ہیں، سب سے زیادہ زور آور کے، سب پر غالب کے۔

۳۵ے یعنی چھوٹے نالے کم پانی کیساتھ اور بڑے نالے زیادہ پانی کے ساتھ‘ سب اپنی اپنی بساط اور حیثیت کے مطابق۔

۳۶ے (اور وہ بھی اوپر آ جاتا ہے)
زبد سے یہاں مراد ہے میل کچیل، خس و خاشاک، کوڑے کرکٹ۔

۳۷ے یعنی ایک طرف توحید و ایمان‘ اور دوسری طرف کفر و شرک کی، ایک طرف نیکی اور پاکی کی
زندگی کی دوسری طرف بدی اور پلیدی کی۔

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿۱۷﴾ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى

اللہ اسی طرح مثالیں بیان کیا کرتا ہے ۳۸ جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا کہا مان لیا ان کیلئے ہی بھلائی ہے ۳۹

وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ

اور جن لوگوں نے اس کا کہا نہ مانا ان کے پاس اگر دنیا بھر کی چیزیں بھی ہوں اسی کے ساتھ اتنی ہی اور بھی تو وہ سب

مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ

اپنی طرف سے بہ طور فدیہ دے ڈالیں ۴۰ سخت حساب ہوگا ان لوگوں کا۔ اور ان کا ٹھکانا دوزخ

جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

ہے، اور وہ کیسی بری قرار گاہ ہے (وہ) ۴۱ کیا جو شخص یہ یقین رکھتا ہے کہ آپ پر جو کچھ آپ کے پروردگار

مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾

کی طرف سے نازل ہوا ہے حق ہی ہے، وہ اس کی طرح ہو سکتا ہے جو اندھا ہے؟ نصیحت تو بس اہل فہم ہی قبول کرتے ہیں ۴۲

۳۸ (اپنے کلام میں ہر مضمون کے لئے)

فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ۔ یعنی اپنی نفع رسانی کے ساتھ باقی رہ جاتی ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ جس طرح جھاگ کچھ دیر کے لئے اصل چیز کے اوپر نظر آتا ہے، لیکن آخر کار وہ ناکارہ سمجھ کر پھینک ہی دیا جاتا ہے، اور اصل چیز باقی رہ جاتی ہے، اسی طرح گو باطل چند روز کے لئے حق پر غالب آجائے، لیکن انجام کار بالکل مغلوب ہی ہو کر رہتا ہے، اور حق باقی و ثابت رہتا ہے۔

۳۹ یعنی جنت مع اپنی بے شمار نعمتوں، راحتوں، لذتوں کے۔

اِسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ۔ اور اپنے رب کا کہنا مان لینا یہی ہے کہ توحید و طاعت کی راہ اختیار کرلی۔

۴۰ (قیامت کے دن اس امید پر کہ کسی طرح جان تو بچے اور عذاب سے رہائی ملے۔)

لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ۔ یعنی بدستور راہ معصیت و کفر پر قائم رہے۔

۴۱ یعنی قیامت میں ساری کائنات، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تصدیق کرنا ان منکروں اور بے دینوں کو ذرا نفع نہ پہنچا سکے گا، اور یہ بدستور گرفتار عذاب رہیں گے، وہ عالم تو صرف جزا کا ہوگا۔

۴۲ (اور جو لوگ فہم خداداد سے کام ہی نہیں لیتے وہ محروم رہتے ہیں۔)

من يعلم.... الحق۔ یعنی مومن و مسلم۔

من هو اعمٰى۔ یعنی کافر و منکر۔

الَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ ﴿٢٠﴾ وَالَّذِیْنَ

جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے رہتے ہیں اور (اس) پیمان کو توڑتے نہیں ہیں ٤٣ؔ اور جو ایسے جس کے

یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَیَخَافُوْنَ

جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے جوڑے رکھتے ہیں، اور اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں اور سخت

سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿٢١﴾ؕ

حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں ٤٤ؔ

یعلم۔ علم۔ یہاں یقین واعتقاد کے معنی میں ہے۔

انزل الیک۔ اس سے قرآن مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے، باقی رسول اللہؐ نے وحی خفی کی بنا پر قرآن سے باہر جو احکام دئے ہیں، وہ بھی اس کے عموم میں شامل ہیں۔

انما یتذکر اولوا الالباب۔ یہ اولوا الالباب یا صاحبانِ فہم خالص وہی لوگ ہوتے ہیں۔ جو اپنی عقل پر تعصبات یا جذبات عناد وغیرہ کو غالب نہیں آنے دیتے، اور یہی فرق ہے۔ لُب۔ اور مطلق عقل کے درمیان۔

اللب۔ العقل الخالص من الشوائب (راغب) وقیل ھو ما زکی من العقل فکل لب عقل ولیس کل عقل لب (راغب) فاللب اخص من العقل وھو الذی ذھب الیہ الراغب (روح)

فقہائے یہیں سے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ عقل معتبر عقل معادہی ہے، وہی جو تذکر کرتی ہے، اور ایسا ہی شخص عاقل کہنے کے قابل ہے، اگرچہ امور دنیوی میں وہ ناواقف ہو۔

٤٣ؔ (جو اللہ سے یوم الست کر چکے ہیں)

اہل فہم کی پہلی شناخت یہ ارشاد ہوئی کہ یہ لوگ اپنے عہد الٰہی کے ایفاء کرنے والے ہیں۔

عہد اللہ۔ سے مراد وہ عہدِ اطاعت ہے جو انسان روز اوّل اللہ سے کر چکا ہے۔

ای ما عقدوہ علی انفسھم من الاعتراف بربوبیتہ حین قالوا بلی۔ (بیضاوی)

وسعت دے کر اس کے تحت میں وہ سب مسائل داخل کر لئے گئے ہیں جو دلائلِ شرعی سے پیدا ہوتے ہیں۔

ای کل ما قام الدلیل علیہ (کبیر) یدخل فیہ الاتیان بجمیع المامورات والانتھاء عن کل المنھیات (کبیر)

ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ لفظ حقوق اللہ کے مرادف ہے، اور اس کی ادائی کا درجۂ اقل یہ ہے کہ معاصی کبیرہ سے اجتناب رہے۔

واقلہ درجۃ اجتناب الکبائر۔ (ابن العربی)

٤٤ؔ (اور کبھی اپنی طاعت واطاعت پر نازاں ہو کر مطمئن اور بے فکر نہیں ہو جاتے)

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا

اور جو لوگ اپنے پروردگار کی رضامندی کی تلاش میں مضبوط رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں

رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ

اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں خفیہ بھی اور ظاہر طور پر بھی اور بدسلوکی کا

لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾

مقابلہ حسنِ سلوک سے کرتے رہتے ہیں انھیں کے حق میں نیک انجام ہے ۴۵

یصلون .... یوصل۔ یہ اُن ہی اہلِ فہم کی دوسری شناخت ارشاد ہوئی، پہلی آیت میں جس طرح حقوق اللہ کی ادائی کی تاکید تھی، اس میں حقوق العباد کا اہتمام آگیا۔

رعاية جميع حقوق الواجبة للعباد (کبیر) حاصل الكلام ان قوله الذين يوفون بعهد الله اشارة الى التعظيم لامر الله وقوله الذين يصلون ما امر الله به ان يوصل اشارة الى الشفقة على خلق الله (کبیر)

یخشون .... الحساب۔ یعنی ان کے اس حسن کردار کی بناء ان کی خشیت الٰہی ہوتی ہے۔

۴۵ حق تعالیٰ کی رضا یہی لوگ حاصل کریں گے، اور یہی لوگ رضائے الٰہی کے محل و مقام میں ہوں گے ـــ یہ سب شناختیں اِن ہی صاحبانِ فہم کی بیان ہوئیں۔

الذین .... ربھم۔ یعنی دین حق پر ہر طرح کی جسمانی صعوبتوں اور دماغی پریشانیوں کے باوجود قائم رہتے ہیں، اس صبر کے عموم میں ہر قسم کے احکام تشریعی اور مصائب تکوینی پر صبر شامل ہے۔

يدخل فيه الصبر على فعل العبادات والصبر على ثقل الامراض والمضار والغموم والاحزان والصبر على ترك المشتهيات وبالجملة الصبر على ترك المعاصي وعلى اداء الطاعات (کبیر)

سرا وعلانیۃ۔ یعنی حسب موقع و مصلحت کبھی اس خرچ کا اظہار بھی کر دیتے ہیں، اور کبھی اسے مخفی ہی رکھتے ہیں مثلاً جو رقم سلطنتِ اسلامی میں واجب الاداء ہے، اسے علانیہ سرکاری بیت المال میں داخل کرتے ہیں، اور جہاں اپنے تنگدست عزیزوں، پڑوسیوں، مسافروں وغیرہ کی امداد ضروری دکھائی دیتی ہے وہاں اسے بالکل مخفی طور پر کرتے رہتے ہیں۔

یدرؤن بالحسنۃ السیئۃ۔ اس کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اپنی خطاؤں اور لغزشوں کو نیکیاں کر کر کے مٹاتے رہتے ہیں۔

اى يتبعون السيئة الحسنة فتمحوها (بیضاوی) عن ابن عباس رض انه قال يدفعون بالصالح من العمل السيئ من العمل وهو معنى قوله ان الحسنات يذهبن السيات۔ (معالم)

جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَہَا وَمَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِہِمۡ وَاَزۡوَاجِہِمۡ

(یعنی) ہمیشگی کے باغ جن میں وہ (خود بھی) داخل ہونگے اور (وہ بھی) جو (جنت کے) لائق ہونگے انکے ماں باپوں سے

وَذُرِّیّٰتِہِمۡ وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ یَدۡخُلُوۡنَ عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ کُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ

اور انکے میاں بیویوں میں سے اور انکی اولادوں میں سے ۴۶ اور فرشتے انکے پاس دروازے سے داخل ہوتے ہونگے (یہ کہتے ہوئے کہ) سلامتی تم پر

مما رزقنھم ۔ یعنی اپنی جائز و حلال کمائی سے، حرام آمدنی کا انتساب اللہ تعالیٰ کی جانب ہو ہی نہیں سکتا۔

قالت المعتزلۃ ذلک یدل انہ لارزق الا الحلال اذ لو کان الحرام رزقا لکان قد رغب فی انفاق الحرام وانہ لایجوز (کبیر)

ابۡتِغَآءَ وَجۡہِ رَبِّہِمۡ ۔ یعنی ان کے صبر و ثابت قدمی سے مقصود دنیوی ناموری یا اور کچھ نہیں ہوتا بلکہ محض اجر و رضائے الٰہی ہی مقصود رہتا ہے۔

معناہ انہ صبر لمجرد ثوابہ وطلب رضا اللہ تعالیٰ (کبیر) لا لغیر من اغراض الدنیا (جلالین)

عُقۡبَی الدَّارِ ۔ یعنی جنت جو اس دنیا کے بعد کی سب سے آخری منزل ہے۔

ای عاقبۃ الدنیا وھی الجنۃ ۔ (مدارک)

خوب غور کر کے دیکھ لیا جائے، ان خوش قسمت بندوں کے صفات و عادات میں کہیں ذکر ان کی "مادی ترقیوں" کا، ان کی اعلیٰ علمی ڈگریوں اختراعات و ایجادات کا، ان کے مالی و کاروباری کارناموں کا انکے سائنسی انکشافات کا آتا ہے؟

۴۶ یعنی یہ نیک کردار اولوالالباب جنت میں خود تو خیر داخل ہوں گے ہی، ان کے ساتھ ہی ان کے بڑے اور چھوٹے اور برابر والے عزیزوں کو بھی جنت میں پہنچا دیا جائیگا، بشرطیکہ ان میں صلاحیت بھی کسی درجہ کی جنت میں جانے کی ہوگی۔

مَنۡ صَلَحَ ۔ اس قید نے صاف کر دیا کہ اہل جنت سے مطلق قرابت کا تعلق مغفوریت کے لئے کافی نہیں، مغفرت تو ایمان ہی پر مرتب ہوگی، البتہ ترقیٔ درجات و مراتب کی گنجائش اعزہ و اقرباء کی شفاعت سے ہے۔

قال ابن عباسؓ یرید من صدق بما صدقوا بہ وان لم یعمل مثل اعمالھم (کبیر) قال الواحدی والصحیح ما قال ابن عباسؓ (کبیر) وھو دلیل علی ان الدرجۃ تعلو بالشفاعۃ (بیضاوی) وفی التقیید بالصلاح دلالۃ علی ان مجرد الانساب لاتنفع (بیضاوی) وان لم یعملوا بعملھم یکونون فی درجاتھم تکرمۃ لھم (جلالین) ای بینھم وبین احبائھم فیھا من الآباء والاھلین والابناء ممن ھو صالح لدخول الجنۃ من المومنین لتقرا عینھم بھم۔ (ابن کثیر)

بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِيۡنَ يَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَ اللّٰهِ

اسکے صلہ میں کہ تم صبر کرتے رہے، سو (تمہارا) اس جہان میں بہت ہی اچھا انجام ہے ۴۷ اور جو لوگ اللہ کے عہد کو اسکی

مِنۡۢ بَعۡدِ مِيۡثَاقِهٖ وَيَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ يُّوۡصَلَ وَ

پختگی کے بعد توڑتے رہتے ہیں اور اسے کاٹتے رہتے ہیں جس کے لئے اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے اور زمین پر فساد

يُفۡسِدُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ‌ۙ اُولٰۤـئِكَ لَهُمُ اللَّعۡنَةُ وَلَهُمۡ سُوۡۤءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾

کرتے رہتے ہیں۔ ایسوں پر لعنت ہوگی اور اُن کے لئے اُس جہان میں خرابی (ہی) ہے ۴۸

اٰبائھم۔ اس کے تحت میں عجب نہیں جو کل بزرگان خاندان آجائیں، باپ اور ماں دونوں کی طرف سے

ازواجھم۔ زوج میں میاں بیوی، مذکر مؤنث دونوں آگئے۔

ذریاتھم۔ ذریت کے تحت میں عجب نہیں فروع و توابع سب آجائیں، لڑکے، لڑکیاں، پوتے، نواسے اور پھر ذُرّیات مجازی یعنی شاگرد، مرید وغیرہ۔

۴۷ حالت سرور، فرحت و نشاط میں انسان گفتگو بھی اسی قسم کی سننا چاہتا ہے، جو اس کے لئے اور زیادہ کیف آور و نشاط انگیز ہو، چنانچہ فرشتے بھی ہر طرف سے آآکر ایسے ہی پیغام پہنچائیں گے۔

من کل باب۔ "ہر ہر دروازہ سے" کے ایک معنی تو ظاہر ہی ہیں، جنت کے ہر محل میں دروازے متعدد ہوں گے، اور یہ پیامِ مسرت لانے والے ہر ہر طرف سے داخل ہوں گے، دوسرے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ مومن نے دنیا میں جتنی قسم کی طاعتیں کی ہیں، مثلاً نماز، روزہ، حسن معاملت، سچائی وغیرہ ان میں سے ہر ہر قسم کے لئے ایک ایک دروازہ قائم ہو جائیگا، اور فرشتے اس میں سے داخل ہوں گے۔

قال ابوبکر الاصم من کل باب من ابواب البر (کبیر)

خوب خیال کر لیا جائے کہ ان لافانی نعمتوں اور انعامات کی بشارت صرف اس عارضی و فانی زندگی کے چند روزہ صبر و ضبط پر مل رہی ہے! —— اس حقیقت کا استحضار بھی مومن کے لئے کتنا حوصلہ افزا ہے۔

نعم عقبی الدار۔ لفظ عقبی الدار سے اس طرف پورا اشارہ ہو گیا کہ آخری اور دائمی گھر وہی آخرت کا ہے، اور فکر و پرواتمام تر اسی عالم کی رہنا چاہئے —— دنیا کی بڑی سے بڑی ترقیاں، بڑے سے بڑے کمالات، بڑی سے بڑی راحتیں سب آخرت کے مقابلہ میں، بچوں کا کھیل ہیں۔

۴۸ صاحبانِ فہم سلیم اولوالالباب کا ذکر ہی کیا اُن کے مقابلہ میں ذکر نافہم و کج فہم بدبختوں کا ہو رہا ہے، ان کی علامتیں بھی اسی دنیا میں ان سے بالکل مختلف رہتی ہیں، اور ان کا انجام بھی قدرتاً ان سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔

الذین ....ان یوصل۔ یعنی حقوق اللہ و حقوق العباد سب میں یہ شریعتِ الٰہی کی

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ

اللہ جس پر چاہے روزی کشادہ کردیتا ہے اور (جس پر چاہے) تنگ کردیتا ہے ۴۹؎ اور یہ لوگ دنیوی زندگی

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝۲۶ۧ

پر اتراتے ہیں، حالانکہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بس ایک حقیر سی سودا ہے ۵۰؎۔

خلاف ورزی ہی کرتے رہتے ہیں۔

ویفسدون فی الارض۔ عقائد شرکیہ اور اعمال شرک وفسق سے ملک میں ہر طرح کی ابتری ہی ظہور پذیر ہوتی رہتی ہے۔

وذٰلك الفساد هو الدعاء الى غير دين الله وقد يكون بالظلم في النفوس والاموال وتخريب البلاد۔ (کبیر)

بے دینی اور تقاضائے جاہلیت کو لاکھ خوشنما و نظر فریب اصطلاحات کے پردہ میں چھپایا جائے جیسا کہ موجودہ تہذیب و تمدن کے پرستار اس کے ساتھ معاملہ کر رہی رہے ہیں، اس کے پھیلاؤ کا نتیجہ اختلالِ امن اور فساد فی الارض حسد و منافست، بے حیائی، جنس پرستی کی صورت میں نکلنا لازمی ہے، جیسا کہ مدت سے ارضِ فرنگ میں نظم و انتظام کی ساری خوش غلافیوں کے باوجود دیکھنے میں آرہا ہے۔

۴۹؎ (اس انتظام تکوینی کو مقبولیت و عدم مقبولیت اور فلاح دائمی سے کوئی تعلق نہیں) بعض گم کردہ راہ قوموں اور فرقوں نے حق و باطل کا معیار معیشت کی خوشحالی اور فارغ البالی اور تنگدستی اور بدحالی کو سمجھا ہے، یہاں اس کی پوری تردید ہو رہی ہے، اور بیان ہو رہا ہے کہ اس کا تعلق تمام تر مشیّت تکوینی سے ہے۔

یقدر کے معنی یہاں تنگ کر دینے کے لئے گئے ہیں، جیسا کہ سیاق سے بالکل ظاہر ہے۔

قال المفسرون معنى يقدر ههنا يضيق۔ (کبیر)

۵۰؎ ان منکرین آخرت کی تنگ دماغی کا یہ حال ہے کہ یہ اس محدود اور چند سالہ مختصر زندگی کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہیں، اور اُس بے انتہا وسیع عالم کو جو اس کے معاً بعد شروع ہونے والا ہے نظر بے خبری کئے ہوئے ہیں ۔۔۔ جیسا کہ یہ سارا کارخانۂ حیات کسی صاحبِ شعور و صاحبِ ارادہ ہستی فعال کا قائم کیا ہوا ہی نہیں!

مَتَاعٌ میں تنوین تحقیر کی ہے، لفظ خود ہی تحقیر کا، اُس پر یہ اعراب، اِس نے تحقیری پہلو کو اور نمایاں کر دیا ہے۔

آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ بالفرض کسی فرد یا قوم کو دنیا کی بڑی سی بڑی کامیابیاں اور خوش عیشیاں نصیب ہو جائیں جب بھی یہ کے دن کی؟ اور ان پر کسی کا اترانا اور فخر کرنا کیسی حماقت و سفاہت کی دلیل ہے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ قُلْ إِنَّ اللَّهَ

اور جو کافر ہیں کہتے ہیں کہ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ (ہمارا فرمائشی) کیوں نہیں اترا[۵۱] آپ

يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ (۲۷) الَّذِينَ آمَنُوا

کہہ دیجئے کہ واقعی اللہ گمراہ رکھتا ہے جسے چاہتا ہے اور راہ دکھاتا ہے اسے جو (اس کی طرف) رجوع کرے[۵۲]۔ (یعنی) وہ لوگ

وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (۲۸)

جو ایمان لائے اور اللہ کی یاد سے انھیں اطمینان ہوگیا[۵۳] خوب سن لو، اللہ کی یاد سے دلوں کو اطمینان ہو ہی جاتا ہے[۵۴]

[۵۱] یعنی یہ مشرک ازراہ طعن وعناد کہتے ہیں کہ یہ صاحب جو مدعی نبوت پیدا ہوئے ہیں، آخر اپنے خدا کے یہاں سے کوئی معجزہ ہماری پسند اور ہمارے معیار کا لے کر کیوں نہیں آئے ہیں؟ —— بھٹکے ہوئے دماغوں کا یہ بھی ایک خاصہ ہے کہ پیمبر کے لائے ہوئے اصل پیام اور تعلیمات کو چھوڑ کر دوسری اور غیر متعلق چیزوں کی طرف لپکتے رہتے ہیں۔

ایسی آیتوں میں بڑا سبق ہے اُن مسلمانوں کے لئے جو سیرت نبوی میں معجزات وخوارق کی تلاش میں رہا کرتے ہیں، یہ خوارق کا مطالبہ تو ہمیشہ مشرکین کی طرف سے ہوا ہے، اور مشرکین کے مذہبوں کے دفتر کے دفتر افسانوں وخوارق سے بھرے ہوئے ہیں۔

[۵۲] (اور یہ رجوع وانابت بندہ کا فعل اختیاری ہے۔)

اس فعل اختیاری کے اختیار پر اللہ کی طرف سے ترتّب ہدایت کا وعدہ ہے، اور یہ کتنا بڑا مژدہ ہے، انسان کو اپنی طرف سے صرف صدقِ طلب و اخلاصِ نیت کی دیر ہے، اُدھر سے راہِ ہدایت کھل جانا یقینی ہے

یضل من یشاء۔ یعنی جسے اپنی حکمت تکوینی کے ماتحت اسے گمراہ رکھنا ہی منظور ہوتا ہے۔ گمراہی کی بابت کئی بار اوپر آچکا ہے کہ یہ اُن ہی کے نصیب میں آتی ہے، جو اپنی فہم خداداد سے کام نہیں لیتے۔ خواہ مخواہ اور بلا سبب یہ کسی پر لیس نہیں دی جاتی۔

[۵۳] (اور اس اطمینان کی بڑی اور اصلی علامت یہ کہ ان کا ایمان اللہ کے کلام پر قائم ہوگیا)

اور یہ نفس ایمان اور اعتقاد کی دولت خود ہی کیا کم ہے کہ اس سے بھی بڑھ کر دولت اس ایمان باللہ اور ذکر الٰہی سے اطمینانِ قلب کا قائم ہو جاتا ہے۔

[۵۴] یعنی ذکر الٰہی میں خاصیت ہی یہ ہے کہ یہ انسان کے قلب کو غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے الجھاؤ سے بچا دیتا ہے، اور شرک سے جو انتشارِ ذہنی پیدا ہوتا ہے، یقینی توحید اس کے لئے تریاق بن جاتا ہے —— البتہ اس اطمینان کے بھی مختلف درجے اور مرتبے ہیں، جس درجہ کا ذکر الٰہی ہوتا ہے اسی نسبت سے اطمینانِ قلب بھی حاصل ہوتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ كَذٰلِكَ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے خوشحالی اور خوش انجامی ہے ۵۵ اسی طرح ہم نے

اَرْسَلْنٰكَ فِیْۤ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَاۤ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاۡ عَلَیْهِمُ

آپ کو ایک اُمت میں بھیجا ہے جس کے قبل بھی اُمتیں گزر چکی ہیں تاکہ آپ اُن کو وہ (کلام) پڑھ کر سنائیں

الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ وَهُمْ یَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّیْ لَاۤ اِلٰهَ

جو ہم نے آپ پر وحی کیا ہے (مگر) وہ لوگ رحمٰن کے ساتھ ساتھ کفر ہی کیے جا رہے ہیں ۵۶ آپ کہہ دیجئے وہی میرا پروردگار

اِلَّا هُوَ ۚ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا

ہے کہ کوئی معبود نہیں اس کے سوا، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف (مجھے) واپس جانا ہے ۵۷۔ اور اگر کوئی قرآن ایسا

سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰی ؕ

ہوتا جس کے ذریعہ سے پہاڑ ہٹا دیئے جاتے یا اس کے ذریعہ سے زمین (جلدی جلدی) طے ہو جاتی یا اس کے ذریعہ سے مُردے بولنے لگتے (جب بھی لوگ ایمان نہ لاتے) ۵۸

ذکرِ الٰہی کے آثار میں سے ایک اثر خوف و خشیت کا ہے اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم۔ لیکن یہ ماسوا کی طرف سے اطمینان و فراغت خوفِ خدا کے منافی ذرا بھی نہیں، بلکہ یہ دونوں کیفیتیں تو عین ایک دوسرے کی مُتمّم و مکمِّل ہیں۔

۵۵ خوش حالی اس دنیا میں اور خوش انجامی آخرت میں ـــــ خوشحالی سے مراد مالی یا معاشی خوشحالی نہیں، بلکہ فراغِ خاطری مقصود ہے، جو عین ثمرہ ایمان کا ہے۔

۵۶ (اور ایسے رحمت والے آقا کے کلام پر ایمان لانے کے بجائے الٹے اس کی ناشکری اور ناقدری ہی کر رہے ہیں) صفتِ رحمانیت کو اس امتیاز کے ساتھ پیش کرنے سے مقصود اس پہلو کو نمایاں کرنا ہے کہ جس کے شانِ جمال میں سر تا سر جاذبیت ہے، یہ مسخ شدہ ذہنیت والے اُلٹے اسی سے باغی ہیں۔

کذٰلک۔ یعنی جس طرح ہم اور امتوں میں رسول بھیج چکے ہیں۔

ای کما ارسلنا الانبیاء قبلک (کبیر عن ابن عباسؓ والحسن وقتادہ) کما ارسلنا الانبیاء من قبلک قال الحسن۔ (قرطبی)

الذی اوحینا الیک۔ مُراد قرآن کا ہونا ظاہر ہے۔

۵۷ (نہ کہ کسی اور کی طرف)

علیہ توکلت۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے، جو میری ہر حفاظت و کفالت کے لیے کافی ہے، اور آخری جزو جملہ کی

بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْــَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ

ہے یہ کہ سارا اختیار اللہ ہی کو ہے ۵۹ کیا پھر بھی ایمان والوں کو یکسوئی نہیں ہوئی کہ اگر اللہ چاہتا تو سارے

لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا

انسانوں کو ہدایت دے دیتا ۶۰ اور (یہ) کافر تو ہمیشہ اس حال میں رہیں گے کہ (کوئی نہ کوئی) حادثہ ان پر انکے

صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ

کرتوتوں کے باعث پڑتا ہی رہتا ہے یا انکی بستی کے قریب ہی نازل ہوتا رہتا ہے ۶۱ یہاں تک کہ اللہ کا (وقت) موعود آجائیگا

توقع بھی بس اسی ایک سے ہے۔

فقرہ کی ترکیب زور و تاکید کے لئے ہے یعنی بھروسہ تو اسی ایک پر ہے نہ کہ کسی دوسرے پر۔

۵۸ لو کلمہ شرط ہے اس کی جزا محذوف ہے، جو ترجمہ میں قوسین میں ظاہر کردی گئی، اور عربی اسلوبِ بلاغت خصوصاً قرآن مجید میں اس قسم کے محذوفات عام ہیں۔

حرف بل خود اسی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ فقرہ ماقبل میں جو چیزیں بیان ہوئی ہیں، وہ مؤثر حقیقی نہیں۔

منکروں نے یہود کی تعلیم و ترغیب سے فرمائشیں اس قسم کی کی تھیں کہ پیمبری کا دعویٰ تو داؤد پیمبر کی طرح پہاڑوں کی تسخیر کا تماشا کیوں نہیں دکھا دیتے، یا سلیمان رسول کی طرح ہوا پر سفر کیوں نہیں طے کرا دیتے، یا عیسیٰ نبی کی طرح مردہ سے کیوں نہیں گفتگو کر کے دکھا دیتے، آیت ان ہی بیہودہ فرمائشوں کے جواب میں ہے۔

۵۹ یعنی بالفرض اس قرآن میں یہ سب مؤثرات خارجی جمع کر دیئے جاتے، جب بھی مؤثر حقیقی یہ خوارق بالکل نہیں، توفیقِ ہدایت تو تمامتر اللہ کے ہاتھ میں ہے اور عادۃ اللہ یہی ہے کہ طالب کو توفیق مل جاتی ہے اور معاند محروم رہتا ہے، یہ قانونِ ہدایت اجمال کے ساتھ لیکن پورا بیان کر دیا ہے۔

۶۰ بہت سے سادہ دل مسلمان یہ تمنا کئے ہوئے تھے کہ ان خوارق کا ظہور کسی طرح ہو جاتا تو کافر شاید ایمان لے ہی آتے، ان کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ تم اب بھی، ان کے تعصب و عناد کے اتنے مشاہدات کے بعد بھی یہ امید لگائے بیٹھے ہو! فاطرِ کائنات اور ناظمِ فطرت کی مشیت اگر کہیں یہ ہوتی کہ ہر انسان کو اس کی طرف سے کسی طلب اور اس میں کسی صلاحیت کے وجود کے بغیر از خود ہدایت ہو جائے تو ان سب کو بھی اضطراراً ہدایت نصیب ہی ہو جاتی، لیکن جب اس نے اس عالم کو عالمِ ابتلاء رکھا ہے، اور ہر مکلف کے لئے طلبِ ہدایت لازمی رکھ دی ہے تو اب ان معاندوں کے ایمان کی توقع ہی عبث ہے۔

یائیس۔ کے معنی یہاں علم کے بھی لئے گئے ہیں، لیکن فراء مشہور لغوی و نحوی نے اس سے قطعی انکار کیا ہے، اور کہا ہے کہ عرب اس معنی سے نا آشنا تھے۔

ھو فی قول الاکثرین بمعنی العلم وانکر الفراء ان یکون ییٔس بمعنی علم وزعم

إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ

بیشک اللہ (اپنے) وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ۶۲ اور بالیقین رسولوں کے ساتھ آپ کے قبل بھی استہزاء ہوچکا ہے

فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٣٢﴾

لیکن میں کافروں کو مہلت دیتا رہا پھر میں نے انھیں پکڑ لیا، سو میری سزا کیسی (سخت) تھی ۶۳

أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۗ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ

پھر کیا وہ جو ہر شخص کے اوپر مطلع ہے کہ اس نے کیا کیا وہ دوسروں کے برابر ہے ۶۴؟ ان لوگوں نے اللہ کیلئے شریک ٹھہرائے ہیں

انہ لم يسم احد من العرب يقول ييئست بمعنى علمت (بحر)

۶۱ (جس سے انھیں خوف ہوتا ہے کہ کہیں ہم پر بلا نہ آپڑے)

ولا يزال۔ یعنی یہ صورت حال تو مستقل ہوگئی ہے۔

الذين كفروا۔ مراد وہی کافر و معاند ہیں جو ازراہ عناد خوارق کی فرمائش کرتے رہتے تھے۔

قارعة۔ مثلاً جنگ میں شکست یا قید یا قتل، قارعہ کے معنی کسی شدید حادثہ کے ہیں۔

وقال الزجاج القارعة فى اللغة النازلة الشديدة تنزل امر عظيم۔ (بحر)

۶۲ (اور ان کفار معاندین سے وعدہ عذاب کا ہے۔)

وعد الله۔ وقت موعود یعنی موت یا قیامت۔

الموت او القيامة (بيضاوى) وقال الحسن وعد الله يوم القيامة (قرطبى)

مطلب یہ ہوا کہ یہ معاندین اپنی ان حالتوں میں مبتلا رہیں گے یہاں تک کہ موت آپہنچے گی، اور عذاب برزخی و اخروی کا مشاہدہ شروع ہوجائیگا۔

بعض نے فتح مکہ مراد لی ہے، جو مشرکین کے نقطۂ خیال سے ایک سخت ترین حادثہ تھا۔

فتح مكة قال مجاهد وقتادة۔ (قرطبى)

۶۳ اور سرکش و نافرمان قوموں کی عبرتناک تباہی و ہلاکت کی داستان تاریخ کے صفحات، اثر کتبات اور عمارتوں کے کھنڈروں پر یکساں ثبت ہے۔

فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا۔ یعنی ان تمسخر کرنے والوں پر بھی گرفت معاً نہیں ہوگئی، انھیں ایک مدت تک برابر مہلت ملتی رہی، جس سے ان کا تمرد و عصیان اور بڑھتا ہی گیا، تا آنکہ کوئی گنجائش ہی عذر ترحم کی نہ رہ گئی۔

ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ۔ سو ان مثالوں سے چاہئے تھا کہ موجودہ کفار معاندین بھی اپنے انجام سے غافل نہ ہوں، ایک زمانہ آئیگا جب مہلتیں ختم ہوں گی اور سزا اپنے وقت موعود پر عمل کر رہے گی۔

قُلْ سَمُّوْهُمْ ۭ اَمْ تُنَبِّـــُٔـوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ

آپ کہئے انکے صفات بتاؤ ٦٥ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دے رہے ہو جسے وہ زمین میں جانتا ہی نہیں یا یونہی

مِّنَ الْقَوْلِ ۭ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ۭ

(وہ محض) ظاہری لفظ کے اعتبار سے (معبود ہیں)؟ ٦٦ بلکہ بات یہ ہے کہ (ان) کافروں کی نظر میں ان کا مکر

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (٣٣)

خوشنما کر دیا گیا ہے اور یہ لوگ راہ (حق) سے محروم رہ گئے ہیں ٦٧۔ اور جسے اللہ گمراہ رکھے اسے کوئی راہ پر لانے والا نہیں

٦٤ یعنی کہیں ایسا علیم کل، ہمہ بین، ہمہ داں معبود برحق اور تمہارے خود ساختہ بے خبر معبودانِ باطل برابر ہو سکتے ہیں۔

قائم.... کسبت۔ یعنی ہمہ داں، ہمہ تواں، قادر مطلق و علیم کل۔

ای قادر علی کل الممکنات عالم بجمیع المعلومات (کبیر)

ای رقیب ومھیمن۔ (روح)

٦٥ (جن سے ان کی معبودیت پر کچھ تو روشنی پڑے۔)

سموھم۔ اسم پر حاشیہ سورۃ بقرہ، آیت۔ ۳۱۔ علم ادم الاسماء کلھا کے تحت میں گزر چکا ہے، مراد یہاں صفات سے ہے جیسے اردو فقرہ میں کہیں کہ ذرا تعریف تو کیجئے، یہ مراد نہیں کہ ان کے نام گنانا شروع کر دو۔

قیل صفوھم ثم انظر واھل ھی اھل لان تعبد (معالم) والمعنی صفوھم فانظروا ھل لھم ما یستحقون بہ العبادۃ (بیضاوی) ولیس المراد ان یذکروا اسامیھا نحو اللات والعزی وانما المعنی اظہار تحقیق ماتدعونہ الھًا وانہ ھل یوجد معانی تلک الاسماء فیھا۔ (راغب)

جعلوا للہ شرکاء۔ شریک ٹھہرانا یہی ہے کہ کسی صفتِ خداوندی میں بھی کسی مخلوق کو شریک کر لیا جائے۔

٦٦ (اور لفظ کے عقب میں حقیقت کچھ بھی نہیں۔)

تو اگر یہ شق قبول ہے تو خود ہی اعتراف ان نام کے معبودوں کے معبود نہ ہونے کا ہے۔

ام تنبؤنہ .... الارض۔ حق تعالیٰ تو ان ہی چیزوں کو موجود جانے گا جو موجود ہیں، اور جو سرے سے موجود ہی نہیں بلکہ معدوم ہیں، انھیں موجود سمجھ لینا، یہ تو علم نہ ہوا جہل و کذب ہوا، تو اب یہ تمہارے نام نہاد معبود بہ حیثیت معبود خارج میں وجود رکھتے ہیں، کہاں ہیں؟ جو حق تعالیٰ کو ان کے وجود کا علم ہو؟ ان کا وجود تو جو کچھ بھی ہے، بس تمہارے وہم ہی میں تو ہے۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ

(کافروں) کے لئے دنیوی زندگی میں بھی عذاب ہے اور عذابِ آخرت (اس سے) بدرجہا سخت ہے ۶۹ اور

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ

انھیں اللہ (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا نہیں ۷۰ جنت جس کا وعدہ متقیوں سے ہوا ہے۔

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى

اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں ندیاں جاری ہوں گی۔ اس کا پھل اور اس کا سایہ دائمی ہوگا۔ یہ انجام ہوگا

الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾

اہلِ تقویٰ کا۔ اور کافروں کا انجام آتش (دوزخ) ہے ۷۱

۶۷ (اپنے عناد و تعصبِ اختیاری کی بنا پر)

مکرھم۔ یعنی ان کی مغالطہ پرور تقریریں، ان کے جھوٹے عذرات، ان کی طرح طرح کی چالیں، عداوتِ اسلام و مسلمین میں۔

۶۸ حق تعالیٰ کی جانب نسبت اضلال پر حاشئے بار بار آچکے ہیں، ترجمہ میں بجائے "گمراہ کرنے" کے گمراہ رکھے، کا صیغہ اسی فرق کے اظہار کے لئے ہے۔

۶۹ (بہ لحاظ شدت بھی اور بلحاظ مدت بھی)

دنیا کا بڑے سے بڑا عذاب بھی آخرت کے ہلکے سے ہلکے عذاب کے سامنے کیا حقیقت رکھتا ہے۔
عذاب فی الحیٰوۃ الدنیا۔ قتل و ہلاکت، اسیری و ہزیمت، مرض و قحط، بہت سی صورتیں عذابِ دنیوی کی ہو سکتی ہیں، اور قریش و دیگر منکرینِ عرب کو ان میں سے متعدد صورتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

۷۰ (نہ دنیا میں نہ آخرت میں)

اس لئے مشرکین کے لئے دیوی دیوتاؤں کے سہارے، اور مادئیین کے لئے عقل و تدبیر کے سہارے سب بے حقیقت ہی ہیں۔

۷۱ آیت میں صاف صاف دونوں راستوں، کفر و ضلالت اور ایمان و ہدایت کا انجام بتا دیا ہے، ایک کا نتیجہ دائمی سکھ ہے اور دوسرے کا مستقل دکھ۔ کسی کو اس باب میں اشتباہ رہنا ہی نہ چاہیئے۔
المتقون۔ تقویٰ کی اولین شرط کفر و شرک سے احتیاط ہے۔
اکلھا دائم۔ جنت کی نہ کوئی نعمت فنا ہوگی، نہ کوئی راحت زائل۔

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ

اور جن لوگوں کو کتاب ہم نے دی تھی، وہ خوش ہوتے ہیں اس (کتاب) سے جو آپ پر نازل ہوئی ہے [۴۲] اور

مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ

(ان ہی کے) گروہ میں ایسے بھی ہیں جو اسکے بعض (حصّوں) کا انکار کرتے ہیں [۴۳]۔ آپ کہئے کہ مجھے تو بس اس کا حکم ملا ہے کہ میں

اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾

اللہ کی عبادت کروں اور اسکا شریک (کسی کو) نہ کروں اسکی طرف میں بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے (واپس) جانا ہے [۴۴]

ف۴۲ (چنانچہ وہ اس پر ایمان لے آئے اور آپ کی تصدیق کی)

لانهم آمنوا به وصدقوه۔ (کبیر۔ عن ابن عباسؓ)

الذین آتیناهم الکتاب۔ یہ ذکر ان لوگوں کا ہے جو سچے اہلِ کتاب تھے، صحیح معنی میں اپنے اپنے دین و شریعت کے پیرو تھے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی بلا تامل ایمان لے آئے۔

هم الذین آمنوا بالرسولؐ من اهل الکتاب۔ (کبیر۔ عن ابن عباسؓ)

اور پھر ان کا شمار صحابیانِ رسولؐ میں ہوا ــــ ہمارے زمانہ میں ایک ندوی عالم نے ایک مستقل کتاب، اہلِ کتاب صحابہ و تابعین پر لکھ دی ہے اس میں ۶۳ نام ایسے ہی حضرات کے لکھے ہیں، جو پہلے یہودی یا نصرانی تھے، اور بعد کو مشرف بہ اسلام ہو کر صحابیوں کی صف مبارک میں داخل ہوئے، اور ۷ نام اہلِ کتاب صحابیات کے ان کے علاوہ درج کئے ہیں۔

ف۴۳ یعنی ایسے حصوں سے انکار جو ان کی مرضی و خواہش کے خلاف ہوتے ہیں۔

الاحزاب۔ یعنی کافروں اور منکروں کے وہ جتھے جنھوں نے رسول اللہؐ کی مخالفت پر جتھے بنا لئے اور اسی میں مشرکین و عام اہلِ کتاب سب آ گئے۔

والاحزاب بقیة اهل الکتاب وسائر المشرکین (کبیر۔ عن ابن عباسؓ) یعنی کفرهم الذین تحزبوا علی رسول الله بالعداوة (بیضاوی)

ف۴۴ غور کر کے دیکھا جائے تو اتنے سے فقرہ میں توحید، رسالت، معاد تینوں بنیادی عقیدے آ گئے۔

هذا الکلام جامع بکل ما ورد التکلیف به (کبیر) اذا تامل الانسان فی هذه الالفاظ القلیلة ووقف علیها عرف انها محتویة علی جمیع المطالب المعتبرة فی الدین۔ (کبیر)

امرتُ والیه ادعو۔ اثباتِ رسالتؐ۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ

اور اسی طرح ہم نے اس (کتاب) کو نازل کیا بہ طور ایک صاف حکم کے ۵۷۵ اور اگر آپ کہیں ان کی خواہشوں پر

مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾

چلنے لگیں بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم (صحیح) پہنچ چکا ہے تو آپ کا نہ کوئی مددگار ہوگا نہ کوئی بچانے والا ۵۷۶

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ

اور بالیقین آپ سے قبل ہم نے پیمبر بھیجے اور ان کے لئے بیویاں اور بچے بھی رکھے ۵۷۷

اعبدُ اللہ ولآ اشرکُ بہ۔ اثباتِ توحید۔

الیہ مآب۔ اثباتِ معاد۔

۵۷۵ (جس کے اصل مسائل واحکام میں کسی قسم کا خفا نہیں ہے)

کذٰلک۔ یعنی جس طرح انبیاء سابقین پر وحی و کتاب نازل کی تھی۔

ای مثل اِنزالنا الکتاب علی الانبیاء قبلکَ ۔ (بحر)

عربیاً۔ صاف واضح۔ عربی پر حاشیہ پ۱۲، سورہ یوسف۔ آیت ۲ کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

۵۷۶ اللہ اللہ! دائرہ عبدیت سے ذرہ بھر قدم باہر نکالنے کی گنجائش، سید البشر اور سرور انبیاءؑ تک کو نہیں دی گئی ہے تو کسی دوسرے کا ذکر ہی کیا۔

اَهْوَآءَهُمْ۔ ضمیر اہل کتاب کی جانب سمجھی گئی ہے اور ان کی اھواء (خواہشوں) کے اندر ان کی تحریفات بھی آگئیں۔

۵۷۷ (اور یہ عیالداری کمالاتِ نبوت کے ذرا بھی منافی نہیں تو پھر بعض احمقوں کو آپؐ کے صاحب ازواج و اولاد ہونے پر کیا اعتراض ہو رہا ہے؟)

آیت میں یہ بتایا ہے کہ سلسلہ رسالت تو بہت قدیم ہے، اور آپؐ کا دعوائے رسالت دنیا کی تاریخ میں کوئی انوکھا واقعہ نہیں ـــــ نوح علیہ السلام اور ابراہیم خلیلؑ، اسحٰقؑ اور اسمٰعیلؑ، یعقوبؑ و موسیٰ کلیم اللہؑ داؤدؑ و سلیمانؑ۔ آخر ان سب کے نام تاریخ میں محفوظ ہیں، یہ سب حضرات عیالداری ہوئے ہیں، پھر آخر آپؐ کی عیالداری میں اعتراض کیوں ہے؟

آیت میں تردید ہے بودھ مت اور مروجہ مسیحیت اور دوسرے مذاہب جاہلی کی، جہاں خانہ داری اور عیالداری کی زندگی کو تقرب الٰہی و خدارسی کے منافی سمجھا گیا ہے، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن، آیت میں بڑی عبرت و بصیرت کا سبق ہمارے زمانہ کے "مجرد" اور "تارک الدنیا" مشائخ اور اہل خانقاہ کے لئے ہے، جنھوں نے شادی بیاہ، بیوی اولاد کو کمالاتِ ولایت و روحانیت کے منافی قرار دے لیا ہے۔

وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ لِكُلِّ أَجَلٍ

اور کسی رسول کے بس میں نہیں کہ ایک آیت بھی بغیر اللہ کے حکم کے لاسکے ۷۸ ہر زمانہ کے لئے ایک

كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِنْدَهٗٓ أُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

کتاب ہوتی ہے ۷۹ اللہ جس (حکم) کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جسکو چاہتا ہے) باقی رکھتا ہے اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے ۸۰

آیت سے صریح ترغیب نکاح وخانہ داری کی زندگی کی نکل رہی ہے، اور ضمناً ہجو تجرّد وتبتّل کی۔

هذه الآية تدل على الترغيب في النكاح والحض عليه وتنهى عن التبتل۔ (قرطبی)

آیت میں صرف عام قاعدہ انبیاء ومرسلین کا بیان کر دیا گیا ہے کہ ان کے ازواج بھی ہوتے ہیں، اور اولاد بھی ہوتی ہے، یہ مراد نہیں کہ کوئی نبی آج تک بغیر زوج یا بغیر اولاد ہوا ہی نہیں۔

۷۸ (خواہ وہ آیت مکتوبی تنزیلی ہو، یا آیت تکوینی یعنی معجزہ وخارق)

آیة ۔ کے دو مختلف معنی ہیں، ایک تو آیتِ قرآنی یا حکمِ الٰہی، دوسرے نشان یا معجزہ، یہاں مراد دونوں ہوسکتے ہیں، یعنی کوئی رسول نہ اپنی طرف سے کوئی تنزیلِ الٰہی لاسکتا ہے اور نہ کوئی معجزہ۔

اکابر تفسیر سے منقول بھی دونوں معنی ہیں۔

لیکن آگے جو مضمون آرہا ہے، اس سے مناسب معنی آیت مکتوبی وتنزیلی ہی کے ٹھہرتے ہیں۔

قد يراد بالاية آية الكتابية النازلة بالحكم على وفق مراد المرسل اليهم وهو اوفق بما بعد ۔ (روح)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت سے مطالبۂ خوارق کی ممانعت نکلتی ہے، اور جب اس کی ممانعت پیمبروں سے ہے جن کا صاحبِ خوارق ہونا ضروری ہے، تو اولیاء سے تو اس کی ممانعت بدرجۂ اولیٰ ٹھہرتی ہے، جن کا صاحبِ خوارق ہونا ضروری ہے بھی نہیں۔

۷۹ (اس زمانہ اور اس ماحول کے مطابق ومتناسب احکام لانے والی، یہاں تک کہ یہ آخری کتاب ایسی آگئی جس کے احکام ومسائل کسی زمانہ اور کسی ماحول کے بھی غیر مطابق نہ ہوں گے۔)

لکل اجل ۔ یعنی ہر دور کے لئے، ہر مدتِ متعین کے لئے۔

کتاب ۔ کے معنی حکم کے بھی ہوسکتے ہیں، اور حدیث میں بکتاب اللہ ۔ بحکم اللہ کے معنی میں آیا بھی ہے:

بكتاب الله اى بحكم الله الذى انزل فى كتابه وكتبه على عباده ۔ (تاج)

اى حكم معين يكتب على العباد حسب ما تقتضيه الحكمة ۔ (روح)

۸۰ چھوٹی بڑی ہر شئے اسی کی مشیت وقدرت کے ماتحت ہے۔

ام الکتٰب سے عموماً مراد لوحِ محفوظ لی گئی ہے۔

وَاِنْ مَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِنَّمَا

جس چیز کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اس میں کا کچھ حصہ خواہ ہم آپ کو دکھلا دیں یا آپ کو وفات دیدیں ۵۸۱ تو آپ کے

عَلَیْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی

ذمہ تو صرف (احکام کا) پہنچا دینا ہے، اور ہمارے ذمہ حساب لینا ہے ۵۸۲ کیا یہ اسے نہیں دیکھ رہے ہیں کہ

الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ

ہم زمین کو اس کی ہر طرف سے کم کرتے چلے آتے ہیں ۵۸۳

ای عندہ اصل الکتاب وجملۃ (ابن جریر) اصل کل کتاب وھو اللوح المحفوظ (کشاف)
ھو الذی یکون اصلاً بجمیع الکتب۔ (کبیر)

۵۸۱ (قبل اس کے وہ عذاب موعود آئے، خواہ دنیا میں، خواہ آخرت میں، خواہ دونوں جگہ) ضمناً وتبعاً اتنے جزئیں دو اور مسئلے بھی روشنی میں آگئے۔
(۱) ایک یہ کے آپؐ کی وفات واقع ہو گی آپ غیر فانی بنا کر نہیں بھیجے گئے۔
(۲) دوسرے یہ کہ جن وعدوں اور دعووں کا اظہار آپ کی زبان سے کرایا گیا، ان میں سے بعض کا وقوع آپ کے بعد ہی ہوگا۔

الَّذِیْ نَعِدُھُمْ۔ یعنی عذاب الٰہی خصوصاً اسی دنیا میں۔

اِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ۔ یعنی آپؐ کی زندگی ہی میں عذاب ان پر لے آئیں، یہ سب مشرکوں کے اس مطالبہ کے جواب میں کہا جا رہا ہے کہ آخر عذاب ہم پر آ کیوں نہیں جاتا؟

صوفیہ محققین نے آیت سے یہ نکالا ہے کہ طالب سالک پر اطاعت و امتثال بہر صورت لازم ہے، دنیا کشود واثر سے، اور آخرت میں صلہ واکرام سے اسے بحث نہ ہونا چاہیئے۔

۵۸۲ (اس لئے عذاب جلد آئے یا بہ دیر، بہر صورت آپ زیادہ فکر و تشویش میں نہ پڑیں، عذاب اپنے وقت معین پر آئیگا ضرور)

آیت نے ایک بار پھر اس واضح حقیقت کو واضح تر کر دیا کہ رسالت اور الوہیت کے حدود بالکل جداگانہ ہیں، خلط کی کوئی گنجائش ہی نہیں، رسول، مقرب ترین رسول کا بھی کام صرف تبلیغ احکام، تبلیغ دین ہے، باقی اس پر سزا و جزا، سوال و باز پرس کا تعلق صرف فاطر کائنات سے ہے، مغفرت و نجات کا حکم دینے میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

۵۸۳ (ان کے حق میں)

یعنی یہ مغرور و سرکش اتنی موٹی بات بھی نہیں دیکھتے کہ ہم برابر ہر جنگ میں کچھ نہ کچھ ملک اور

وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾

اور اللہ حکم دیتا ہے کوئی اس کے حکم کو ہٹانے والا نہیں۔ اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ۸۴ھ

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ

اور ان کے قبل والے بھی (بڑی بڑی) چالیں چل چکے ہیں ۸۵ھ حالانکہ تدبیر تمامتر اللہ ہی کی ہے۔ وہی

مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾

جانتا ہے کہ ہر شخص کیا کچھ کرتا رہتا ہے۔ اور کافروں کو ابھی علم ہوا جاتا ہے کہ آخرت کی خوش انجامی کس کے لئے ہے ۸۶ھ

حصۂ زمین اُن کے ہاتھ سے نکال نکال کر اسے اہلِ ایمان کے قبضہ میں دیتے جاتے ہیں، عذابِ دنیوی اگر یہ نہیں تو اور کیا ہے؟ ـــ ایک ایسا انسان جو بہ ظاہر تمامتر تائیدی اسباب سے محروم و معرّی تھا، اس کا رفتہ رفتہ اتنا غالب آجانا، اگر تائیدِ غیبی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟

سورۂ مکی ہے، ہو سکتا ہے یہ خاص آیت مدنی ہو، مکی سورتوں کے اندر ملی جلی مدنی آیتوں کی مثالیں قرآن مجید میں کثرت سے مل جاتی ہیں، لیکن اگر آیت مکی ہی ہو، جب بھی اشکال وارد نہیں ہوتا، اسلام پھیل تو برابر رہا تھا، اور مسلمانوں کی آبادی، مغلوبیت و مظلومیت کے باوجود، بہرحال بڑھتی ہی جاتی تھی۔

۸۴ھ فقرہ کے پہلے جزء واللہ یحکم لا معقب لحکمہ کا تعلق اس دنیا سے ہے اور دوسرے جزء وھو سریع الحساب کا تعلق آخرت سے۔

کسی کی مجال ہے جو اس کے کسی حکم پر مداخلت کر سکے، چھوٹے بڑے دیوتاؤں ادنیٰ و اعلیٰ معبودوں کا تو کوئی سوال نہیں، اور نہ آخرت میں حساب لینا اس کے لئے کوئی کٹھن اور دشوار کام ہے، جس میں اُسے کچھ دقت ہو۔

۸۵ھ (اپنے اپنے رسولِ وقت کے مقابلہ میں، اور بری طرح ناکام بھی رہ چکے ہیں۔)

یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو قدیم مثالوں کے ذریعہ سمجھایا ہے کہ ان کے معاصر کافروں کی بھی آخری ناکامی یقینی ہے۔

۸۶ھ سیعلم۔ ابھی علم ہوا جاتا ہے، یعنی اپنی موت کے وقت۔

بعض نے کہا ہے کہ س تاکید کا ہے، یعنی ایسا یقین واقع ہو کر رہے گا۔

قیل السین لتاکید وقوع ذلک وعلمہ بہ۔ (روح)

الکفّٰر۔ ایک قرأت الکافر بھی آئی ہے، اس صورت میں مراد جنس کافر ہے۔

والمراد بالکافر الجنس۔ (کشاف)

فللہ المکر جمیعا۔ چنانچہ وہی ان کافروں کی چالبازی کو چلنے نہیں دیتا۔

مکر کا لفظ جب اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب ہوتا ہے تو بطریقِ مشاکلت آتا ہے اور معنی جوابِ مکر

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا

اور کافر کہتے ہیں کہ آپ بھیجے ہوئے نہیں ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ اور وہ جس کے

بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِندَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ﴿٤٣﴾

پاس کتاب (آسمانی) کا علم ہے بہ طور گواہ کے کافی ہیں۔ ۸۵

کے ہوتے ہیں نہ کہ نفس مکر کے، اس پر حاشیہ کئی بار گزر چکا ہے، محاورۂ اردو میں مکر، مرادف ہے فریب اور دھوکے کا، اور صرف برائی کے موقع پر آتا ہے عربی زبان میں اس کا استعمال عام ہے، اچھائی اور برائی موقع کے لئے۔ اور خوش تدبیری بھی اس میں آجاتی ہے۔

لمن عقبی الدار۔ قرآن مجید نے بڑا زور اس پر دیا ہے کہ آخری خوش انجامی مومنین ہی کے نصیب میں رہے گی، اور اس خاص سورۃ میں تو اس کی تکرار بار بار فرمائی ہے۔

۸۵ ومن عندہ علم الکتاب۔ یعنی محققین اہل کتاب۔

ھم اھل الکتاب من الیھود والنصاریٰ (ابن جریر عن ابن عباسؓ) اناس من اھل الکتاب کانوا یشھدون بالحق و یقرون بہ (ابن جریر عن قتادہ) ھم المومنون من الیھود والنصاریٰ (قرطبی)

اللہ کی گواہی تو وہ ہوئی جو آپؐ کی امانت سے، دیانت سے، صداقت سے، پاکبازی و پارسائی سے غرض آپؐ کی عملی زندگی کے گوشہ گوشہ سے ظاہر ہو رہی تھی، اور اہلِ کتاب کی گواہی سے اشارہ ہے ان پیشگوئیوں اور بشارتوں کی طرف جو آپؐ کے متعلق کتبِ سابق میں موجود تھیں۔

یقول الذین کفروا۔ یہ کہنے والے اہل کتاب ہی تھے۔

قیل قالہ روساء الیھود۔ (روح)

قرآن مجید کا انداز بیان خود کہے دے رہا ہے کہ اہل کتاب ہی مراد ہیں، وہی کہتے تھے کہ سلسلۂ نبوت برحق، ایک پیمبر آخر الزماں کا آنا درست، لیکن لست مرسلا تم وہ پیغمبر مرسل نہیں ہو، تمہاری دعوتِ نبوت صحیح نہیں ——— ورنہ محض مشرکوں کے جواب میں اہلِ کتاب کی شہادت پیش ہونا لاحاصل تھی۔

(۱۴)

سُوْرَةُ إِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ

اٰيَاتُهَا ۵۲ — ۵۲ آیتیں

رکوعاتها ۷ — ۷ رکوع
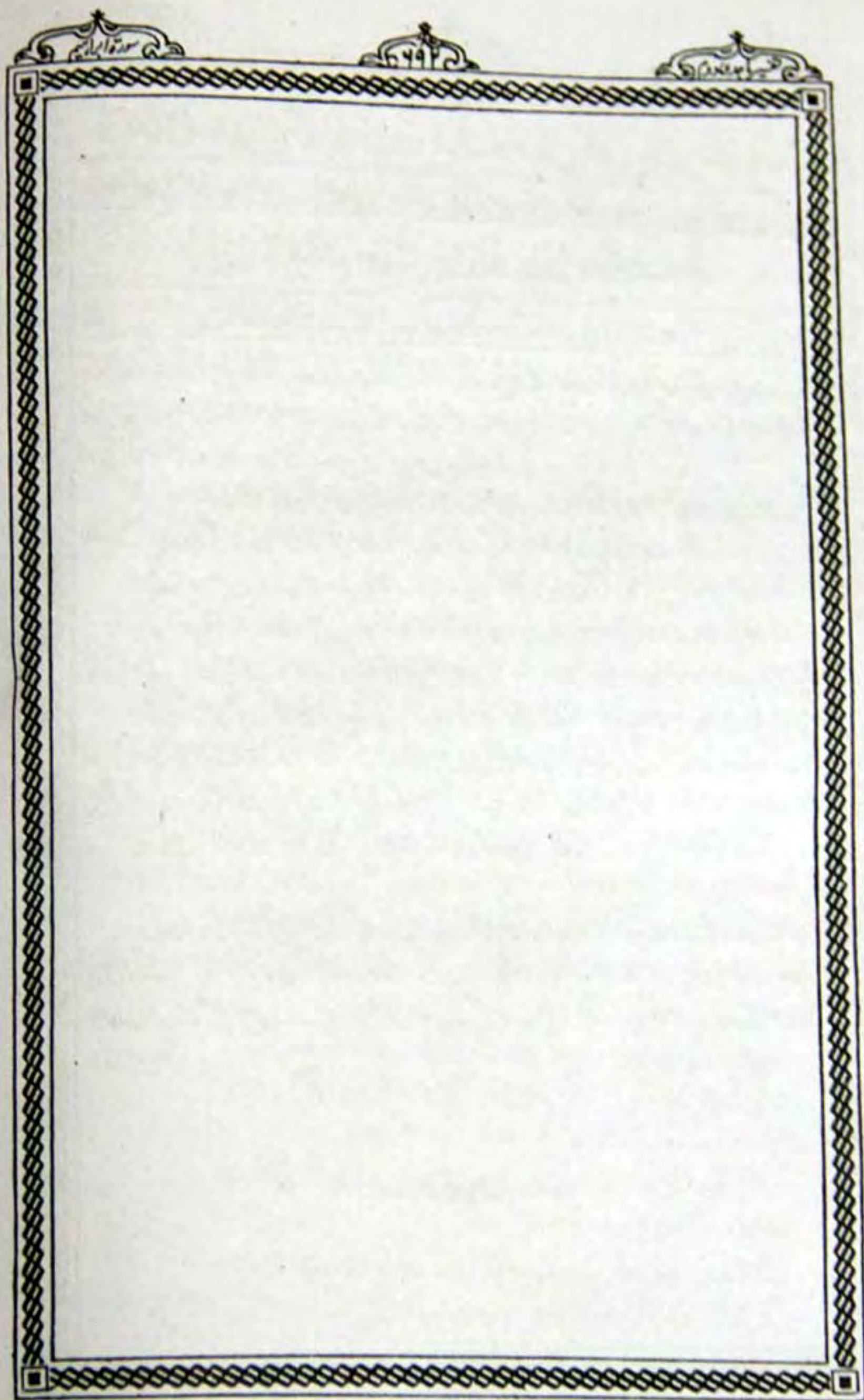
سورہ ابراہیم مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ

الف، لام، را (یہ) کتاب ہے ہم نے آپ پر اتاری ہے تاکہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لائیں،

بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ ①

ان کے پروردگار کے حکم سے یعنی (خدائے) غالب وستودہ صفات کی راہ کی طرف ۱؎

۱؎ یعنی اس کتاب مقدس کی تنزیل کی غرض وغایت تمامتر یہ ہے کہ آپ اس کے واسطے سے لوگوں کو جو اب تک تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں توحید وہدایت کی روشنی میں لے آئیں۔

الر۔ یہاں مخفف سمجھا گیا ہے انا اللہ اری کا میں اللہ ہوں دیکھنے والا۔

حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔

لِتُخْرِجَ۔ اس نکال لانے کا حکم مرتبۂ تبلیغ میں ہے، یہ مراد نہیں کہ آپ سب کو نکال لائیں ہی گے، مراد یہ ہے کہ آپ تبلیغ اسی کی اور اسی غرض سے کرتے رہیں۔

النَّاسَ۔ ال استغراق کا کلیت کو چاہتا ہے یعنی جمیع نسل انسانی، یہ ایک مزید دلیل ہے، اس کی کہ آپ کی بعثت کسی مخصوص قوم کی جانب نہیں بلکہ عام اور کافۂ انام کی جانب تھی۔

والناس عامٌ اذ هو مبعوث الى الخلق كلّهم (بحر) والمراد من الناس جميعهم (روح)

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ۔ یعنی اس کتاب کے ذریعہ سے آپ لوگوں کو راہِ ہدایت دکھائیں۔

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ ظلمت کا صیغۂ جمع اور نور کا صیغۂ واحد اس کی دلیل ہے کہ گمراہیاں اور اقسامِ کفر کثرت سے ہیں، برخلاف اس کے راہ ہدایت ایک ہی ہے — وہی فرق جو ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ تک خطوط منحنی اور خط مستقیم میں ہوتا ہے۔

بِاِذْنِ رَبِّهِمْ۔ یہ جو کچھ بھی ہوگا خدائے قادر و توانا ہی کی قدرت و مشیت سے ہوگا، پیغمبر متصرف وحاکم اس حد تک بھی نہیں۔

اللّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَوَیْلٌ لِّلْکٰفِرِیْنَ مِنْ

وہی اللہ کہ اس کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ۲ اور بڑی خرابی ہے عذابِ شدید

عَذَابٍ شَدِیْدِ ۝۲ الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَۃِ

سے کافروں کے لئے جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔

وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَیَبْغُوْنَہَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ بَعِیْدٍ ۝۳

اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ بڑی دور کی گمراہی میں (پڑے) ہیں ۳

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ لِیُبَیِّنَ لَہُمْ ؕ

اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی طرف اسی کی زبان میں بھیجا کہ وہ ان لوگوں پر (احکام و تعلیمات) کھول کر بیان کرے ۴

الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ۔ غلبہ و قوت بھی اسی العزیز کو حاصل ہے، اور مدح و تحسین کی حقدار بھی اسی الحمید کی ذات ہے —— وہی ایک ذات صفات کمال و جمال دونوں کی حامل، العزیز اردو میں عزیز کا ایک مرادف پیارا ہے عربی کے العزیز کے معنی ہیں غلبہ و قوت کے۔

۲ مالک حقیقی وہی چھوٹی بڑی ہر چیز کا ہے کوئی دوسری ہستی اس کی مالکیت کے کسی ادنیٰ جز میں بھی شریک نہیں، اس میں رد آگیا تمام مذاہب شرک کا۔

۳ یعنی اصل حقیقت سے بہت ہی دور۔

اَلَّذِیْنَ ... الْاٰخِرَۃِ گمراہی، بے دینی، کفر کی اصلی بنیاد بھی آخرت پر اس دنیا کو ترجیح دینا ہے، محبت دنیا مطلق صورت میں ممنوع نہیں (جیسا کہ بعض اہل غلو نے ٹھہرا لیا ہے) بلکہ وہ تو ایک امر طبعی و جبلی ہے، البتہ آجل پر عاجل کو ترجیح دینا "آج" کے پیچھے "کل" کو بھلا دینا، یہ جرم اور جرم عظیم ہے۔

یَبْغُوْنَہَا عِوَجًا۔ یعنی اس میں شبہے ڈال ڈال کر دوسروں کو گمراہ کرتے رہتے ہیں۔

۴ تو گویا اصل مقصود پیمبر کی زبان اور اس کی امت کی زبان کے توافق سے یہ ہے کہ احکام و تعلیمات کی خوب تبیین و تشریح ہو جائے جس سے امت کو عمل میں کوئی دشواری نہ رہ جائے۔

بِلِسَانِ قَوْمِہٖ۔ یعنی اس قوم کی زبان جو اس پیغمبر کی مخاطب اول و براہ راست ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں سے ممتاز اور دوگانہ حیثیت رکھتے تھے، ایک حیثیت تو آپ کے رہبر عالم ہونے کی تھی، جس کی توضیح قرآن کی ایک آیت میں نہیں متعدد آیتوں میں ہے۔ للناس و کافۃ للناس وغیرہ الفاظ کے ذریعہ سے۔ دوسری حیثیت پیمبر عرب ہونے کی تھی اور یہاں اسی کا ذکر ہے۔

فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ④

پھر اللہ ہی جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے ۵ اور وہی غالب ہے حکمت والا ہے ۶

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى

اور بالیقین ہم نے اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ اپنی قوم کو نکال لاؤ تاریکیوں سے روشنی کی طرف

النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ

اور انھیں اللہ کے معاملات یاد دلاؤ ۷

اس آیت سے ایک اور اصل بھی ہاتھ آتی ہے، وہ یہ کہ کسی قوم پر پوری اور کافی تبلیغ جبھی ہو سکتی ہے، جب خود اس قوم کی زبان میں ہو، پھر اگر اُمت کو قرآن کی تبلیغ ساری دنیا میں مدنظر ہے" اور یہ ہونی چاہئے" تو اس کے سوا کیا صورت کہ اس کے ترجمے دنیا کی مشہور زبانوں میں کئے جائیں گو ظاہر ہے کہ ترجمہ بہتر سے بہتر ہو اصل قرآن سے فروتر ہی رہے گا۔

ایک بڑے مفسر نے کہا ہے کہ اب عجم کو کوئی عذر باقی نہیں رہا، جب ان کی زبانوں پر ترجمے قابل فہم ہوں تو یہی ترجمہ ان پر حجت بن جاتا ہے۔

۵ (چنانچہ وہ احکام کو قبول کر لیتا ہے)

يُضِلُّ اللّٰهُ۔ یعنی جسے حق تعالیٰ گمراہی میں چھوڑے رکھتا ہے، وہ احکامِ شریعت کو قبول نہیں کرتا۔

مَنْ يَّشَآءُ۔ یعنی یہ اضلال و ہدایت کی جتنی بھی کارروائیاں ہوتی ہیں، سب مشیت و مصلحتِ تکوینی کے ماتحت ہوتی ہیں

۶ یہ صفات یہاں لاکر یہ یاد دلایا کہ اُس "العزیز" کی قدرت میں ہر ایک کو ہدایت دینا ہے، لیکن وہ "الحکیم" ہدایت اُن ہی کو دیتا ہے، جن کی ہدایت مصالحِ تکوینی کے عین موافق ہوتی ہے۔

اَلْعَزِيْزُ۔ پر حاشیہ ابھی ایک ہی آیت قبل گزر چکا۔

۷ (رحمت و عذاب دونوں کے اہم معاملات جو جزوِ تاریخ بن چکے ہیں)

قَوْمَكَ۔ یعنی قوم بنی اسرائیل کو۔

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ یعنی معاصی سے طاعت کی طرف۔

فقہاء نے یہاں سے یہ پہلو نکالا ہے کہ وعظ و تذکیر میں واقعات اثر انگیز و رقت انگیز کا لانا جائز ہے وفی ھذا دلیل علی جواز الوعظ المرقق للقلوب المقوی للیقین۔ (ابن العربی)

اَيّٰىمِ اللّٰهِ۔ یعنی جو بڑی بڑی نعمتیں قدرت کی طرف سے مختلف قوموں کو عطا ہوتی رہیں، مثلاً حکومت و اقتدار، یا جو بڑی بڑی مصیبتیں مختلف قوموں کو قدرت کی طرف سے پیش آتی رہیں، مثلاً

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۵﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی

بے شک ان میں بڑی نشانیاں ہیں، ہر بڑے صابر ہر بڑے شاکر کے لئے ۵ اور (وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے)

لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ

جب موسیٰ نے اپنی قوم والوں سے کہا کہ اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جبکہ اس نے تم کو فرعون والوں سے نجات دی

یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَیُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ

جو تمھیں سخت تکلیف پہونچاتے تھے، اور تمھارے بیٹوں کو ہلاک کر ڈالتے تھے، اور تمھاری عورتوں کو زندہ

نِسَآءَكُمْ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ﴿۶﴾ ع

رکھتے تھے اور اس میں تمھارے پروردگار کی طرف سے بڑی آزمائش تھی ف

ع ۱۳

وبا و قحط محکومی و غلامی ـــــ غرض یہ کہ ایام اللہ کے تحت میں ہر قسم کے اہم تاریخی واقعات آجاتے ہیں۔

عن ابن عباس والربیع ومقاتل وابن زید المراد بایام اللہ وقائعہ سبحانہ ونقمائہ فی الامم الخالیۃ (روح) وانذرھم بوقائعہ التی وقعت علی الامم قبلھم (کشاف) یعبر بالایام من الوقائع العظیمۃ التی وقعت فیھا یقال فلان عالم بایام العرب ویرید وقائعھا (کبیر) وقد تسمی النعم بالایام ومنہ قول عمرو بن کلثوم (قرطبی) وتصح حمل لفظ ایام علی ما وقع فیہ من الشدائد والوقائع۔ (ابوالبقا)

ایام کی اضافت اللہ کی جانب ان واقعات کی اہمیت پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔

اضافۃ الایام الی اللہ تعالیٰ تشریف لامرھا لما افاض اللہ علیھم من نعمۃ فیھا (راغب)

ان اخرج میں اَنْ، اَیْ کے معنی میں ہے، اس لئے کہ ارسلنا میں قلنا کے معنی بھی شامل ہیں۔

بمعنی ای اخرج لان الارسال فیہ معنی القول کانہ قیل ارسلناہ وقلنا لہ اخرج (کشاف)

قیل ان ھنا بمعنی ای۔ (قرطبی)

ف۵ (صابر کے لئے یوں کہ وہ مصیبت پر صبر کرنا سیکھے، اور شاکر کے لئے یوں کہ وہ نعمت پر شکر ادا کرنا سیکھے) آیات سے مراد نشانیاں ہیں دلالات کا۔ بڑے صبر اور بڑے شکر دونوں کی شناخت ہے کہ ایسے نمونوں سے سبق حاصل کرے۔ فی ذلک۔ یعنی ان ہی ایام اللہ میں، قوم کے ساتھ اللہ کے ان ہی تاریخی معاملات میں، یا ان کی تذکیر میں۔

ای فی التذکیر بایام اللہ تعالیٰ او فی الایام۔ (روح)

ف۶ آیت تقریباً انھیں الفاظ کے ساتھ پارۂ اول، سورۂ بقرہ، آیت ۔۔ میں آچکی ہے اور وہیں مفصل حاشیے بھی گزر چکے ہیں۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے پروردگار نے تمہیں اطلاع دیدی تھی ؁ کہ اگر شکر کروگے تو تمہیں ضرور زیادہ دونگا

عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي

اور اگر تم ناشکری کروگے تو بے شک میرا عذاب (بھی) بڑا سخت ہے ؁ . اور موسٰی نے کہا اگر تم اور روئے زمین کے سارے لوگ

الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

بھی ناشکری کریں تو اللہ بالکل بے احتیاج ہے، ستودہ صفات ہے ؁

اٰل فرعون . یہ ظلم تنہا فرعون کا ذاتی طور پر نہ تھا، بلکہ اس میں فرعون کی حکومت پوری طرح شریک تھی، "اٰل" سے اشارہ فرعون کی طرف ہوا ہے .

ذبح . اردو میں مخصوص ہے جانوروں کے گلے پر چھری پھیرنے سے . عربی میں عام ہے انسان وحیوان دونوں کے لئے .

نسائکم . بجائے بناتکم کے نسائکم لانے سے ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ لڑکیوں کو محض زمانۂ طفلی تک کے لئے نہیں بلکہ عمر تک کے لئے جینے دیا جاتا تھا .

؁ (میرے ذریعہ سے) گفتگو ابھی حضرت موسٰیؑ ہی کی چلی آرہی ہے .

؁ (دنیا وآخرت دونوں میں)

لَاَزِيْدَنَّكُمْ . یہ زیادتی اور فزونی کس چیز میں ہوگی؟ خود اس نعمت میں ہونا تو ظاہر ہی ہے، باقی اگر توفیقِ شکر ثوابِ شکر وغیرہ بھی مراد لی جائے تو عمومِ لفظ سے یہ مطلب بھی بہ خوبی نکل سکتا ہے .

لَئِنْ شَكَرْتُمْ . شکر کی تعریف امام رازیؒ نے یہ کی ہے کہ منعم کی نعمت کا اعتراف کیا جائے، اس کی تعظیم کی جائے، اور طبیعت کو اس طریقہ کا عادی کیا جائے .

اما الشكر فهو عبارة عن الاعتراف بنعمة المنعم مع تعظيمه وتوطين النفس على هذه الطريقة . (کبیر)

بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ امورِ ناگوارِ طبع پر عمل اور ثبات اور ترکِ شکایت کا نام صبر ہے، اور امورِ موافقِ طبع کی قدر کرنا اور اس پر مدح وثنا کرنا یہ شکر ہے اور یہ دونوں حالات رفیع ہیں، لیکن ان حجابات لطیف سے بھی گزر کر ہر حال میں نظر اپنے رب رؤف ورحیم پر رکھنا، اسی کو فاعلِ حقیقی سمجھنا، اور حال طاری کی تلخی وشیرینی دونوں سے غیر متاثر رہ کر فعلِ محبوب ہی سے لذت ومسرت حاصل کرتے رہنا، اور اسی کے آگے بہ کمالِ ادب سر جھکائے رہنا رضا وتسلیم ہے، اور اس کا مرتبہ سب سے اعلیٰ ہے .

بائبل کے حوالوں کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی .

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ

کیا تمھیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی ہے جو تم سے قبل ہو چکے ہیں (یعنی) قوم نوح اور عاد و ثمود۔

وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۚ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم

اور جو لوگ ان کے بعد ہوئے ہیں۔ انھیں اور کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے ١٣؎ ان کے پیمبر ان کے پاس کھلے

بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا

ہوئے نشان لے کر آئے، مگر انھوں نے اپنے ہاتھ ان کے منہ میں دے دیے اور بولے ہم منکر ہیں اس (حکم) کے جسے

أُرْسِلْتُم بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿٩﴾

لے کر تم بھیجے گئے ١٤؎ اور جس امر کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو اس کی طرف سے ہم بڑے شبہ میں ہیں (جو ہم کو تردد میں ڈالے ہوئے ہے) ١٥؎

١٢؎ نہ اس الغنی کو کسی کی ناشکری سے مطلق ضرر پہنچ سکتا ہے، اور نہ اس الحمید کے یہاں احتمال بالغیر کا گزر ہے۔
ضمناً ان مشرک قوموں کی تردید بھی آگئی، جن کے دیوتا خود اپنے پجاریوں کے چڑھاوے وغیرہ کے محتاج رہتے ہیں، اور اس کا ذکر اس تفسیر میں پہلے آچکا ہے۔

من نہ گردم پاک از تسبیح شان   پاک ہم ایشان شوند و جان فشان

١٣؎ بہت سی قومیں ایسی بھی گزری ہیں، جن کا کوئی تفصیلی علم نہ تاریخ کو ہے، نہ ان کے آثار ہی کسی تفصیل کے ساتھ اثریات کی کھدائی کرنے والوں کو ہاتھ لگ سکے ہیں۔
قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، سب پر مفصل حاشیے پہلے گزر چکے ہیں۔

١٤؎ (اپنے زعم و دعوی کے مطابق)
بِالْبَيِّنَاتِ۔ بینات۔ میں دلائل و معجزات دونوں آگئے۔
فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ۔ ان کافروں کی شدتِ عناد کا یہ عالم تھا کہ اپنے پیمبروں کی بات تو کیا مانتے، کوشش یہ رہتی کہ انھیں بولنے تک نہ دیا جائے۔
وقیل فردوا ایدیھم فی افواہ الانبیاء فاسکتوھم۔ (راغب)
لفظ رد سے اشارہ اس طرف ہو گیا کہ وہ ایسا فعل بار بار کرتے تھے۔
واستعمال الرد فی ذلک تنبیھاً انھم فعلوا ذلک مرۃ بعد اخری۔ (راغب)
مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ کفر و انکار کے علاوہ پیمبروں کے ساتھ سوءِ ادب ایک مستقل جرم ہے۔

١٥؎ (کہ تم کیسی عجیب عجیب سمجھ میں نہ آنے والی باتیں کہہ رہے ہو)
مِمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ۔ یعنی عقیدۂ توحید و قانونِ شریعت۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ

ان کے پیمبر بولے تو کیا (تم کو) شک اللہ کے بارے میں ہے (جو) پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا۔ وہ تمہیں

لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْٓا اِنْ

(توحید کی طرف) بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہ معاف کر دے اور تمہیں ایک مدت معین تک جینے دے ۱۷ (اس پر وہ)

اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ

کہنے لگے تم اور کچھ بھی نہیں بجز اس کے کہ ہمارے ہی جیسے بشر ہو ۱۸

فی شک ۔ کے بعد مُرَبّ کا اضافہ تاکید اور زور دینے کیلئے ہے یعنی شک ایسا نہیں جو نکل جائے بلکہ شبہات بڑھتے ہی جاتے ہیں۔

ھو صفۃ توکیدیۃ (روح) مُربِ صفۃ لو کیدیۃ (بحر)

۱۶ پیمبر یہ سن کر غایت حیرت و استعجاب سے بول اٹھے، ارے تو کیا تو تمہیں شک و شبہ ایسی کھلی ہوئی حقیقت کے بارہ میں ہے؟

۱۷ (اس دنیا میں خیر و خوبی کے ساتھ)

من ذنوبکم ۔ یعنی تمہارا کفر و انکار، اور پھر جتنے گناہ اس سے پیدا ہوئے ، مِن کو تبعیضیہ قرار دے کر بعض مفسرین کا ذہن اس سوال کی طرف گیا ہے وہ بعض گناہ کون سے ہوں گے جو مجرد ایمان سے معاف ہو جائیں گے، اور جواب دیا ہے کہ وہ حقوق اللہ ہوں گے جو ایمان لاتے ہی معاف ہو جائیں گے۔

بعض ذنوبکم ۔ سیبویہ نحوی نے اگرچہ مِن کو تبعیضیہ نہیں مانا ہے لیکن کہا ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ ذکر بعض کا کر کے مراد کل سے لی جائے۔

قال السیبویہ من تبعیضیۃ ۔ (قرطبی)

اور اخفش نحوی اور ابو عبیدہ نحوی نے مِن کو زائدہ قرار دیا ہے۔

قال ابو عبیدۃ من زائدۃ ھنا (قرطبی) وعند اخفش من زائدۃ ۔ (عکبری)

ذھب ابو عبیدۃ و اخفش الی زائدۃ ۔ یغفر لکم ذنوبکم ۔ (بحر)

اور جنھوں نے مِن کو بدلیت کے مفہوم میں لیا ہے، انھوں نے اس طریقۂ استعمال کی مثال قرآن مجید ہی سے پیش کر دی ہے أرضیتم بالحیوۃ الدنیا من الآخرۃ ۔ اور ابن ہشام الفارسی نحوی نے اپنی کتاب مغنی اللبیب میں جہاں مِن کے متعدد مفہوم دیئے ہیں وہاں ایک مفہوم یہ لیا ہے۔

۱۸ (اور بشر کسی فوق البشر روحانی مرتبہ پر کیسے پہونچ سکتا ہے)

مشرک اور مشرک مزاج قوموں کا یہ وصف ان صفحات میں بار بار بیان ہو چکا ہے کہ رسالت کا مسئلہ کسی طرح ان کی سمجھ میں نہ آتا ۔ وہ کہتے ہیں کہ دیوتاؤں کا وجود تو خیر ایک بات ہے اوتار نفس خدا کا کسی انسانی یا حیوانی قالب میں تجسم یہ بھی ہماری سمجھ میں آجاتا ہے لیکن یہ کہ انسان انسان بھی رہے ۔ انسانوں ہی کی طرح رہے سہے چلے پھرے، کھائے پئے، سوئے جاگے اور پھر دعوی کرے کہ میرا تعلق خصوصی خالق کائنات سے جڑا ہوا ہے میں

تُرِيدُونَ أَنْ تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأْتُونَا بِسُلْطَانٍ

تم بس یہ چاہتے ہو کہ ہمارے باپ دادا جس چیز کی عبادت کرتے آئے ہیں اس سے ہم کو روک دو سو لاؤ ہمارے

مُبِينٍ ﴿١٠﴾ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ

پاس کھلا ہوا معجزہ ۱۹ ان سے ان کے پیمبروں نے کہا (بے شک) ہم تمہارے ہی جیسے بشر ہیں لیکن اللہ اپنے

يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ

بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرما دے ۲۰

اس کی مرضیات کا علم رکھتا ہوں اور دوسروں کو وہی راہ بتاتا ہوں، یہ چیز ہماری سمجھ سے بالکل باہر ہے۔

آہ! آج مسلمان بھی کس کثرت اور شدت سے اس مرض میں مبتلا ہیں۔ سید الانبیاء تو خیر بڑی چیز ہیں ان کے ایک ایک خادم دیکھ کر کو جس سے بھی عقیدت پیدا ہو جائے بغیر فوق البشر بنائے، بغیر "دیوتا" کے مرتبہ پر پہونچائے نہیں چھوڑیں گے!

۱۹ (جس کے بعد انکار و تردد کی گنجائش ہی نہ رہے.)

معجزہ کوئی نہ کوئی تو ہر پیمبر کے پاس ہوتا ہی تھا، یہ احمق معاندین جب دلیل میں مغلوب ہو جاتے تو کہنے لگتے کہ اچھا، کوئی ایسا معجزہ ہمیں دکھاؤ جس میں چوں و چرا کی گنجائش ہی سرے سے نہ رہ جائے! احمق اتنا بھی نہ سوچتے کہ یہ صورت تو جبر و اضطرار کی ہو گئی، اور جب انسان ایمان پر مضطر و مجبور ہو گیا یعنی اس کی قوت سلب ہو گئی، اور انتخاب و اختیار ان کے لیے باقی نہ رہا تو اس ایمان کے کوئی معنی ہی نہیں، اور نہ ایسا ایمان سرے سے مطلوب ہی ہے۔

تریدون.... اباؤنا۔ کفر و انکار کے سلاح خانہ میں ایک بڑا موثر و قوی حربہ یہی ہے، جب گفتگو میں عاجز و لاجواب ہو جاتے تو کہنے لگتے کہ یہ پیمبری وغیرہ تو (نعوذ باللہ) ایک ڈھکوسلا ہے، تمہارا اصل مقصود بس یہی ہے کہ ہمارے آبائی دین و آئین میں رخنہ ڈال دو، اور ہمیں ہمارے بزرگوں سے چھڑا دو۔

۲۰ (اور اپنے مرتبہ پیمبری پر ناز کریں کہ بندوں پر اس کا عظیم ترین ممکن احسان یہی منصب رسالت سے سرفرازی ہے.)

منکروں کے استدلال کا ایک مقدمہ (صغریٰ) تو تمامتر صحیح تھا، یعنی پیمبر بھی محض بشر ہی ہوتے ہیں، لیکن جب اس پر مقدمۂ اول (کبریٰ) لگا کر کہ جو بشر ہے وہ رسول نہیں ہو سکتا، نتیجہ یہ نکالنا چاہتے تھے کہ "اس لئے تم رسول ہو ہی نہیں سکتے"، تو ان کا استدلال تمامتر فاسد ہو جاتا تھا، اس لئے کہ انکا یہ مفروضہ کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا، خود تمامتر باطل تھا۔

حضرات انبیاء کے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ "ہم کب اپنی بشریت کے منکر ہیں، یقیناً ہم بشر ہی ہیں۔ لیکن بشریت ہی کے سب سے اعلیٰ، اشرف، اکمل و افضل مرتبہ کا نام تو رسالت ہے، اور یہ ان ہی کو عطا ہوتا ہے، جن کو حق تعالیٰ اپنے فضل خاص سے نواز دے"!

وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

اور یہ ہمارے بس میں نہیں کہ ہم تمہارے پاس معجزہ بجز حکم الٰہی کے لے آئیں ۲۱؎ اور ایمان والوں کو تو چاہئے کہ

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ

اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں ۲۲؎ اور ہم اللہ پر بھروسہ کیسے نہ رکھیں درانحالیکہ اس نے ہمیں ہمارے راستے دکھا دیئے ۲۳؎

وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور تم نے جو ہمیں ایذاء پہنچائی ہے اس پر ہم صبر ہی کریں گے اور بھروسہ رکھنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے ۲۴؎

بشر مثلکم۔ یہ مثلیت جو حضرات انبیاء اور کافروں ومنکروں کے درمیان ثابت ہے اصل بشریت اور عجز عبودیت کے لحاظ سے ہے، نہ کہ مراتب فضل اور اعمال کے اعتبار سے ــــــ تینیں مخلوق ہوتے ہیں، بندہ ہوتے ہیں، بیچارہ ہوتے اور بے بس ہوتے ہیں۔

خوب خیال کرلیا جائے کہ پیمبر اپنی ہی مثلیت مومنوں سے نہیں منکروں اور کافروں کے ساتھ بیان کررہے ہیں۔

۲۱؎ یہ حضرات انبیاء کے اسی جواب کا تتمہ ہے، فرماتے ہیں کہ ہم تو اپنی طرف سے معجزہ دکھلانے کے مدعی بھی نہیں، وہ جب اللہ ہی کا حکم اس کی مشیت کے مطابق ہوتا ہے، تو کوئی امر ایسا دکھلا دیا جاتا ہے، جو تمھیں خارق عادت معلوم ہوتا ہے۔

۲۲؎ (چہ جائیکہ پیمبر جو مومنین میں افضل واکمل ہوتے ہیں، ان کا تو بھروسہ ہی اللہ پر اسی درجہ ومرتبہ کا ہونا چاہیئے۔)

آیت سے ادھر بھی اشارہ ہوگیا کہ بندہ کا منتہائے کمال وقوت اس کے اندر عبدیت کا احساس اور توکل ورجوع الی اللہ ہے، نہ کہ حصول اقتدار یا اس کا احساس۔

۲۳؎ (تو ایسے شفیق ومحسن پر تو کامل بھروسہ کرنا اور ضروری ہوگیا۔)

مَا لَنَا۔ ما استفہامیہ ہے، یعنی ہمیں کیا ہوگیا ہے؟

سُبُلَنَا۔ یعنی ہمارے نفع دارین کے راستے۔

ای الطریق الذی یوصل الی رحمتہ وینجی من سخطہ۔ (قرطبی)

۲۴؎ (نہ کہ کسی اور پر، یا اپنی تدبیروں پر۔)

توکل شریعت اسلامی میں ہرگز ترک تدبیر کے مرادف نہیں حضرات انبیاء اور ان کے اصحاب و رفقاء تدبیر امور سے غافل کبھی بھی نہ ہوئے، بلکہ اس باب میں نہایت مستعد رہے، البتہ مؤثر ان تدبیروں ہی کو کبھی نہ سمجھے، بلکہ انجام وتاثیر میں ہمیشہ اللہ ہی کے فضل وکرم کے امیدوار رہے۔

وَلَنَصْبِرَنَّ۔ یہ صبر بھی ایک فرد اسی توکل علی اللہ کی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ

اور کافروں نے اپنے پیمبروں سے کہا کہ ہم تمھیں اپنے ملک سے نکال کر رہیں گے یا یہ کہ تم ہمارے مذہب میں

فِيْ مِلَّتِنَا ۭ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ

پھر آجاؤ ۲۵ پھر ان (رسولوں) پر انکے پروردگار نے وحی نازل فرمائی کہ ہم ضرور (ان) ظالموں کو ہلاک کرکے رہیں گے ۲۶ اور

الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾

ان کے بعد تم کو زمین پر آباد کریں گے۔ یہ (وعدہ) ہر اس شخص کے لئے ہے جو میرے روبرو کھڑے ہونے سے ڈر رکھے اور میری وعید سے ڈر رکھے ۲۷

علی ما اذیتمونا۔ اس ایذاء کے تحت میں دماغی، جسمانی، ہر قسم اور ہر درجہ کی اذیتیں آگئیں، جو مخالفین معاندین کے ہاتھوں حضرات انبیاء کو برابر پہنچتی رہیں۔

۲۵ حضرات انبیاء کی گفتگو سے بجائے اس کے کہ منکروں کے دل کچھ نرم پڑتے، الٹے انھوں نے یہ معاندانہ تقریر شروع کردی۔

لتعودن۔ سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ پیمبر بھی کبھی کفر و شرک میں مبتلا رہ چکے ہوتے ہیں، مراد صرف یہ ہے کہ قبل بعثت حضرات انبیاء جو سکوت اور مذہب رائج سے بے تعلقی رکھتے تھے، اس کی تاویل بھی اہل کفر یہی کرلیا کرتے تھے کہ بہرحال ہیں ہمارے ہی مذہب پر۔

اور عود کے معنی اگر بجائے پلٹ آنے یا واپس آنے کے محض آجانے کے لئے جائیں، جیسا کہ لغت عرب میں ہیں، تو کوئی سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا، اور متعدد ائمہ تفسیر و لغت اسی طرف گئے ہیں۔

العود بمعنی الصیرورۃ وھو کثیر فی کلام العرب کثرۃ فاشیۃ (کشاف) عاد قد تستعمل بمعنی صار فلا تستدعی الرجوع الی حالۃ سابقۃ (ابوالبقاء) والمراد من العود الصیرورۃ والانتقال من حال الی اخری وھو کثیر الاستعمال بھذا المعنی۔ (روح)

۲۶ (تو یہ بیچارے تمھیں کیا نکال سکیں گے۔)

قوم کی قوم جب مخالفت پر تل جائے، اور اس کے پاس سامانِ حرب و اقتدار بھی ہر طرح کا موجود ہو، تو اس کی دھمکیوں سے کسی حد تک متاثر ہونا ایک امر طبعی ہے، پیمبروں کو ایسے ہی موقع پر وحی الٰہی سے تسکین دی جاتی ہے کہ ان ظالموں کی اتنی کیا مجال ہے، یہ تو خود عذاب الٰہی سے ہلاک ہونے والے ہیں۔

۲۷ ابھی ابھی فتح و نصرت کا وعدہ حضرات انبیاء سے تھا کہ تمھارے مخالفین تمھارے سامنے نیست و نابود کئے جائیں گے، اور سرفرازی و سربلندی تم کو نصیب ہوگی، معاً بعد اس وعدہ کا دائرہ وسیع کرکے اسے ہر مومن کے لئے عام کردیا جاتا ہے، اور مومن کی علامت ہی یہی ہے کہ وہ موقف حشر کی حاضری اور اللہ کی وعیدوں کا ڈر اپنے دل میں رکھتا ہے۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿١٥﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ

اور انھوں نے فیصلہ چاہا اور سرکش ضدی نامراد ہوا ف۲۸ اس کے آگے دوزخ ہے۔

وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿١٦﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ

اور اسے پیپ لہو پانی پلایا جائے گا وہ اسے گھونٹ گھونٹ پئے گا جیسے وہ حلق سے نہ اترے گا ف۲۹

وَيَأْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ

اور ہر طرف سے اس پر موت آئے گی اور وہ (کسی طرح) مرنہ چکے گا۔ اور اسے ایک (اور) گھرے

وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿١٧﴾

عذاب کا سامنا کرنا ہوگا ف۳۰

ف۲۸ یعنی اس عملی فیصلہ کے وقت عذاب سے ہلاک کر رہا ہے۔
وَاسْتَفْتَحُوْا کا فاعل کون ہے؟ یعنی فیصلہ کس نے چاہا؟ اکثر کی رائے ہے کہ یہ فیصلہ کا مطالبہ کرنے والے کافر تھے۔
ای استنصروا یعنی الامم (معالم عن ابن عباس ومقاتل) الضمیر للکفار۔ (روح عن ابن زید)
ضمیر بجائے کفار کے حضرات انبیاء کی طرف بھی جا سکتی ہے، اور بہت سے ائمہ فن ادھر بھی گئے ہیں۔
والضمیر للانبیاء علیہم السلام (بیضاوی) ای استنصرت الرسل ربھا علی قومھا قال ابن عباس ومجاھد وقتادۃ۔ (ابن کثیر)
ف۲۹ (شدتِ حرارت یا غایتِ کراہت سے۔)
من ورائہ جھنم۔ وراء لغات اضداد میں سے ہے، اور اس کے معنی جس طرح پیچھے کے ہیں، "آگے" کے بھی آتے ہیں ائمہ لغت سے یوں ہی منقول ہے۔
قال ابو عبیدۃ وابن السکیت الوراء من الاضداد یقع علی الخلف والقدام (کبیر)
ای من بین یدیہ (کشاف) یقال لمن خلفہ ویقال لمن قدامہ (راغب)
ف۳۰ یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ دوزخی کے لئے بس یہی ایک عذاب ہوگا، سلسلۂ عذاب تو بے نہایت ہے، برابر اس میں اضافہ وترقی ہی ہوتی جائے گی۔
ما ھو بمیت۔ اور کسی طرح مرنہ چکے گا، بلکہ اسی طرح پڑا سسکتا رہے گا۔
عذابِ دوزخ کی شدت اور ہولناکی کا منظر خود حق تعالیٰ نے کھینچ دیا ہے، کس شارح یا مفسر کی قدرت میں ہے کہ اس پر کچھ اضافہ کرسکے! اللّٰھم احفظنا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ

جو لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کرتے رہتے ہیں ان کے اعمال کی حالت یہ ہے کہ جیسے راکھ جیسے تیز آندھی کے

الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ

دن ہوا تیزی سے اڑالے جائے ۳۱ؔ انھیں کچھ بھی حاصل نہ ہوگا جو کچھ انھوں نے کیا دھرا تھا اس سے

ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

بڑے دور دراز کی گمراہی یہی تو ہے ۳۲ؔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾

پیدا کیا ہے ۳۳ؔ وہ اگر چاہے تو تم (سب) کو فنا کردے اور ایک نئی مخلوق لے آئے ۳۴ؔ

وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾

اور یہ اللہ کو کچھ بھی مشکل نہیں۔

۳۱ؔ (اور اس کا نام و نشان بھی نہ باقی رہ جائے۔)

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ مثال کافروں کے ان اعمال کی جو بہ ظاہر اعمال حسنہ ہیں، ان کی بے اثری ولاحاصلی کے لحاظ سے دی جارہی ہے۔

۳۲ؔ محرومی اور بدنصیبی اس سے بڑھ کر اور کیا ممکن ہے کہ اپنے جن اعمال پر انسان کو بھروسا اور ناز ہو، عین وقت پر وہی بالکل ہیچ اور ناکارہ نکلیں۔

لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ۔ یعنی نفع اور اثر کے قسم سے انھیں کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔

۳۳ؔ یعنی یوں ہی اور بے مقصد نہیں، بلکہ یہ سارا کارخانۂ کائنات ایک غرض صحیح اور مقصد متعین کے ساتھ مخصوص منافع و مصالح کو لئے ہوئے برپا کیا گیا ہے۔

بہت سی مشرک قوموں کا عقیدہ یہ رہا ہے کہ کائنات کا وجود خالق کی محض شوقیہ تفریح کا نتیجہ ہے، یہ اس کا رد ہو رہا ہے، علی ہذا مادیین کے بھی اس خیال کی تردید ہو رہی ہے کہ یہ سارا نظامِ کائنات محض مادہ کی حرکتوں سے ازخود قائم و برپا ہو گیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ۔ یعنی مخاطب، کیا تو نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا — تَرَ رویتِ بصری ہی کے ساتھ محدود نہیں، ہر علم یقینی رویتِ علمی ہی کے حکم میں داخل ہے۔

۳۴ؔ (تم سے بہتر طور پر اس مقصد کو پورا کرنے والی)

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا

اور اللہ کے سامنے سب (ہی) پیش ہوں گے ۳۵؎ پھر کمزور لوگ ان سے کہیں گے جنھوں نے بڑائی کی تھی کہ ہم تو

لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ

تمہارے تابع تھے ۳۶؎ سو کیا تم ہم سے اللہ کے عذاب کا کچھ جزء ہی ہٹا سکتے ہو ۳۷؎

قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا

وہ کہیں گے اگر اللہ نے ہم ہی کو راہ (بچنے کی) بتائی ہوتی تو ہم تمھیں بھی راہ بتا دیتے۔ (اور اب تو) ہم (دونوں) برابر ہیں

مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿٢١﴾ ع

خواہ ہم چیخیں چلائیں خواہ ہم صبر کریں (بہر حال) ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں ۳۸؎

ضمناً یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ عالم فنا پذیر اور قائم بالغیر ہے۔

۳۵؎ ذکر قیامت کا ہو رہا ہے، کوئی ایسا نہیں جس کی پیشی وہاں نہ ہو، اور کوئی ایسا نہیں کہ اس کی پیشی بجائے اللہ کے کسی اور کے سامنے ہو۔

وَمَا۔۔ بِعَزِیْزٍ۔ جب اللہ کی قوت و قدرت ایک بار سمجھ میں آگئی تو یہ بھی فوراً سمجھ میں آجاتا ہے کہ اس کے لئے دنیا کی دنیا بھی دوسری پیدا کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔

۳۶؎ (چنانچہ ہم تمہاری ہی پیروی میں گمراہ ہوئے)۔

وَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا۔ یعنی جو لوگ اس دنیا میں عوام و اصاغر سمجھے جاتے تھے، وہ قیامت میں اسی دنیا کے خواص و اکابر سے یوں گفتگو کریں گے۔

۳۷؎ (کہ شدید ترین مصیبت کے وقت اس کا کسی قدر ہلکا ہو جانا بھی بہت غنیمت معلوم ہوتا ہے)

مِنْ شَیْءٍ۔ یعنی کل عذاب تو بہر حال نہیں ہٹ سکتا، اس کا کچھ ہی جزء ہٹ جائے تو ہم اسی کو نعمت سمجھیں۔

۳۸؎ یہ سب دنیا کے خواص و اکابر جہنم میں یہاں کے عوام و اصاغر سے ان کے گلے شکووں اور طعن و تشنیع کے جواب میں کہیں گے۔

حضرت تھانویؒ ایک بار لاہور کسی ضرورت سے گئے اور وہاں کے کسی مشہور بزرگ۔۔۔۔ (عرف عام میں داتا گنج بخش) کے مزار پر حاضر و مراقب ہوئے، احاطہ کے قبرستان میں بڑا سلسلہ ناموروں و گمناموں کی قبروں کا ہے، بعد کو آپ نے اپنے ایک مخلص سے فرمایا کہ مجھے سلاطین، مساکین کی صورت میں نظر آئے اور مساکین، سلاطین کی صورت میں۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ

جب (سب) فیصلہ ہو چکے گا شیطان کہے گا کہ ۳۹ اللہ نے تم سے (جو) وعدہ کیا تھا (وہ) سچا وعدہ (تھا)

الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ

اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا سو میں نے تم سے وعدہ خلافی کی ۴۰ اور میرا تم پر کچھ زور تو تھا نہیں البتہ

اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ

میں نے تمہیں بلایا اور تم نے میرا کہا مان لیا۔ سو تم ملامت مجھ پر نہ کرو۔ ملامت اپنے آپ کو کرو ۴۱

مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ

(آج) نہ میں تمہارا فریاد رس اور نہ تم میرے فریاد رس ۴۲

۳۹ (اہلِ دوزخ سے ان کے گلے شکوے کے جواب میں)

قُضِيَ الْاَمْرُ فیصلہ سے مراد یہ کہ مطیع جنت میں اور نافرمان دوزخ میں پہنچ چکیں گے۔

۴۰ اللہ کا وعدہ یہ کہ ایک روز جزا و سزا کا آنے والا ہے، اہلِ ایمان کو اس روز نجات نصیب ہوگی اور اہلِ کفر کو ہلاکت ــــ دنیا میں اس عقیدہ پر دلائل قوی قائم ہیں، اور آخرت میں اسی کے صدق کا ظہور ہوگا۔

شیطان کا وعدہ یہ کہ کفر پر ایمان کو کوئی ترجیح نہیں جنت و دوزخ ڈھکوسلے ہیں کسی کو جزا و سزا آخرت میں نہیں پانا ہے ــــ دنیا میں اس عقیدے کے ابطال پر دلائل قوی قائم ہیں، اور آخرت میں اسی کے ابطال کا ظہور ہوگا۔

۴۱ (کہ عذاب کا اصل باعث خود تمہارا ہی فعل ہوا ہے میرا اس میں کیا دخل)

مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ۔ میرا تم پر کچھ زور اور دباؤ تو تھا نہیں کہ میں تمہیں مجبور کر دیتا یہ عقیدہ اسلام میں بالکل صاف ہے کہ شیطان کو کسی کو گمرہی پر مجبور کرنے کی قوت بالکل نہیں دی گئی ہے باقی جنات وغیرہ کی طرح ایسی جو دوسری قوتیں انسان کو ستانے یا نقصان پہنچانے کی دی گئی ہوں ان سے یہاں کوئی تعرض نہیں

اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ۔ یعنی میں نے تو صرف اتنا کیا کہ تمہیں سبز باغ دکھا کر اپنی راہ کی طرف بلایا، ترغیب و تشویق پیدا کی، اور تم نے اپنے ارادہ و اختیار سے اپنے حواس کی سلامتی اور صحتِ عقل کے ساتھ میری دعوت کو قبول کر لیا، تو اصلی ذمہ دار تم ہوئے نہ کہ میں ــــ یہ ساری گفتگو حشر میں محض اس وقت ہوگی، جب مجرمین اپنے انجام کو سامنے دیکھ کر شیطان پر سخت جھنجھلا رہے ہوں گے اور اپنی بدبختی کا ذمہ دار اسی کو ٹھہرا رہے ہوں گے۔

یہاں سے یہ حقیقت صاف ہو گئی ہے کہ ہر کفر و معصیت کی اصلی ذمہ داری خود انسان پر ہے،

إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِن قَبْلُ ۗ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ

میں خود بیزار ہوں اس سے کہ تم اس کے قبل مجھے شریک (خدائی) قرار دیتے تھے یقیناً ظالموں ہی کے حق میں تو

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۲﴾ وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ

دردناک عذاب ہے ۴۳؎ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ ایسے باغوں میں داخل کیے جائیں گے

تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۖ تَحِيَّتُهُمْ

جن کے نیچے ندیاں پڑی بہ رہی ہوں گی، ان میں وہ اپنے پروردگار کے حکم سے ہمیشہ رہیں گے، اس کے اندر ان کی

فِيهَا سَلَامٌ ﴿۲۳﴾ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً

دعا (آپس میں) سلام ہو گی ۴۴؎ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسی (اچھی) تمثیل کلمۂ طیبہ کی بیان کی کہ وہ

كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ﴿۲۴﴾

ایک پاکیزہ درخت کے مشابہ ہے جس کی جڑ (خوب) مضبوط ہو اور اسکی شاخیں (خوب) اونچائی میں جا رہی ہوں ۴۵؎

شیطان کی حیثیت محض شریک جرم یا معین جرم کی ہے۔
فَلَا تَلُومُونِي۔ مجھے ذمہ دار کیسے ٹھہرا رہے ہو کہ میرا فعل تو درحقیقت صرف ایک سبب بعید غیر مستلزم تھا
۴۲؎ یہ وقت تو وہ ہے جب آخرت میں کفار و مشرکین الگ رہے، شیطان تک کو اپنی اور ہر مخلوق
کے عجز کامل اور انتہائی بے بسی کا انکشاف کامل ہوئے گا۔
۴۳؎ (سو تم اپنے کیے ظلم بھگتو، اور میں اپنے کیے ہوئے بھگتوں گا، مجھ سے امید کسی قسم کی نہ رکھو۔)
الظَّالِمِينَ سے مراد وہی ہیں جو راہ حق، اعتدال کو چھوڑ کر راہ کفر و باطل اختیار کرنے والے
اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں، عذاب الیم ان ہی کے واسطے تیار رہے گا۔
إِنِّي ..... مِن قَبْلُ۔ میں تو خود تمہارے طریق کو غلط سمجھ رہا تھا، اور اس سے بری و بیزار ہوں۔
أَشْرَكْتُمُونَ۔ شیطان کی ہر امر میں اطاعت کیے جانا بھی عملاً اس کو شریک خدائی بنا لینا ہے۔
۴۴؎ یعنی اہل جنت جب اس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے، یا فرشتے انھیں سلام کریں گے
تو سلامتی ہی کی دعا سے ایک دوسرے کو مخاطب کریں گے۔
دنیا میں آج بھی اسلامی سلام (السلام علیکم) کا مقابلہ دنیا کے سارے رائج الوقت سلاموں سے کر دیکھیے
گڈ مارننگ، گڈ ایوننگ سے نمسکار اور نمستے کر کے دیکھ لیجیے اور سوچ لیجیے!
۴۵؎ کلمۂ توحید کی شاخیں وہ اعمال حسنہ ہیں جو ایمان پر مرتب ہوتے ہیں اور بارگاہ قبولیت میں

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ

وہ اپنا پھل ہر فصل میں اپنے پروردگار کے حکم سے دیتا رہتا ہو ۴۴۴ اور اللہ لوگوں کے لئے تمثیلات

لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۲۵ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ

اس لئے بیان کرتا ہے تاکہ وہ خوب سمجھ لیں ۴۴۵ اور گندہ کلمہ کی تمثیل ایسی ہے جیسے ایک گندہ درخت

خَبِيْثَةِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۲۶

ہو کہ وہ زمین کے اوپر ہی اوپر اکھاڑ لیا جائے (اور) اسے کچھ بھی ثبات نہ ہو ۴۴۸

آسمان کی طرف لے جائے جاتے ہیں ــــ کلمۂ حق کا بول بالا دنیا میں بھی رہتا ہے اور آخرت میں بھی۔

فِي السَّمَآءِ ۔ میں سماء سے مراد صرف بلندی کی سمت ہے۔

ای فی جھۃ العلو (روح) و معنی فی السماء جھۃ العلو۔ (بحر)

كَلِمَةً طَيِّبَةً ۔ یعنی کلمۂ ایمان و توحید۔

اَصْلُهَا ثَابِتٌ ۔ یعنی اس کی جڑ زمین میں خوب مضبوط ہے۔

کلمۂ توحید و ایمان بھی اسی طرح ایک جڑ ہوتی ہے، یعنی عقیدۂ صحیح جو قلب مومن میں راسخ رہتا ہے۔

۴۴۶ (اور اس کا کوئی پھل کسی فصل میں بھی ضائع جاتا)

ایمان اور اعمال صالحہ پر رضائے الٰہی کا ثمرہ اسی طرح دائماً مرتب ہوتا رہتا ہے، اس کے کبھی ضائع جانے کا احتمال نہیں، اسی سے ملتی ہوئی ایک تمثیل عہد عتیق میں بھی ملتی ہے:۔

"مبارک وہ آدمی ہے جو شریروں کی صلاح پر نہیں چلتا۔۔۔۔ سو وہ اسی درخت کی مانند ہوگا، جو پانی کی نہروں کے کنارے پر لگایا جائے، اور اپنے وقت پر میوے لائے، جس کے پتے مرجھاتے نہیں، اور اپنے ہر ایک کام میں پھلتا پھولتا رہے گا، شریر ایسے نہیں، وہ بھوسے کی مانند ہیں، جسے ہوا اڑائے جاتی ہے۔" (زبور۔۱۔۱۔۴)

۴۴۷ (معنی و مقصود کو، اور پھر اسی پر عمل کرتے رہیں۔)

تمثیلات کی غرض و غایت یہی توضیحِ مطالب و مقاصد ہیں۔

۴۴۸ (زمین میں)

تو ظاہر ہے کہ جب اس کی جڑ ہی جمی ہوئی نہیں، تو اس کی شاخیں کہاں سے بلند ہوں گی، اور اس میں پھل کہاں سے آئیں گے؟

كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ ۔ یعنی کلمۂ کفر و شرک ــــ آج دنیا میں جتنے نئے نئے ازم (ISM) نکلتے آرہے ہیں، سب اس کے تحت میں آجاتے ہیں۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي

اللہ ایمان والوں کو اس کی بات (کی برکت) سے مضبوط رکھتا ہے دنیوی زندگی میں (بھی) اور آخرت

الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ (۲۷)

میں (بھی) ۴۹ے اور اللہ ظالموں کو بچلائے رکھتا ہے ۵۰ے اور (اللہ) جو چاہتا ہے کرتا ہے ۵۱ے

اجتثت من فوق الارض۔ راہِ ایمان و توحید کے علاوہ جتنی بھی راہیں، خواہ انھیں مذہب کا لقب دیا جائے، فلسفہ کہہ کر پکارا جائے، یا اور کوئی شاندار نام رکھ دیا جائے، بہرحال وہ سب بالکل سطحی ہوں گی عمق ان میں نام کو نہ ہوگا ۔۔۔ ایسا درخت جیسے زمین کے اوپر ہی اکھاڑ لیا جائے۔

مالها من قرار۔ غیر اسلامی جتنے فلسفے، جتنے نظریئے، جتنے مذاہب ہیں، وہ عقل و استدلال ہی کے معیار پر کب ثابت اور یقینی ہیں؟ ۔۔۔ قرآنی فقرہ سے مقصود ان کی بے حقیقتی کی تاکید ہے۔

کشجرة خبیثة۔ مزہ کے لحاظ سے گندہ، رنگ کے لحاظ سے گندہ، بو کے لحاظ سے گندہ طبع سلیم ہرگز اس کی طالب نہ ہو۔

۴۹ے یعنی دنیا کے ہر امتحان میں بھی، اور آخرت کے امتحان میں بھی ۔۔۔ اس دنیا کی زندگی میں ہر فرد بشر کو کیسی کیسی مشکلات کا سامنا ہوتا رہتا ہے، یہی ایمان ہی کی صراط مستقیم ایسی ہے جو اسے ہر امتحان میں ثابت قدم رکھتی اور ہر تاریکی میں روشنی دکھلاتی رہتی ہے، اور پھر برزخ اور محشر میں ایک سے بڑھ کر ایک ہولناک منظر کے وقت بھی آڑے آنے والی چیز یہی کلمۂ توحید و ایمان ہے ۔۔۔ نجات کی راہ دنیا اور آخرت دونوں میں بجز دینِ توحید کے اور کوئی نہیں۔

دنیا کے ہر بڑے سے بڑے امتحان میں ڈھارس باندھے رکھنے والا ایمان ہی ہوتا ہے، یہ روزانہ زندگی کا شاہدہ ہے، اور آخرت میں قدم قدم پر بھی "قول ثابت" کام آنے والا ہے، یہ عین تمغۂ ایمان ہے۔

۵۰ے (دنیا و آخرت دونوں میں)

بے دین حقیقی چین اور آرام سے دنیا میں بھی محروم رہتا ہے، اور آخرت میں اس کی حرماں نصیبی تو ظاہر ہی ہے

الظالمین۔ یعنی راہِ توحید و ایمان کو چھوڑ کر جاہلی اور مشرکانہ نظریوں اور فلسفوں کو ماننے والے اور ان پر چلنے والے۔

والمراد بهم الكفرة۔ (روح)

اور یہ وہ لوگ ہیں جو راہ ہدایت کا قصد ہی نہیں کرتے۔

۵۱ے (اپنی حکمتوں اور مصلحتوں کے مطابق)

نہ اس کی مشیت پر کوئی غالب، نہ اس کی قدرت پر کوئی حاکم، نہ اس کی راہ میں کوئی حائل یا مانع۔ ۔۔۔ مشرک قومیں وجود باری کے قائل ہونے کے باوجود ارادۂ الٰہی کو بھی کسی نہ کسی چیز سے مغلوب و متاثر ہی

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿٢٨﴾

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ کی نعمتوں کے معاوضہ میں کفر کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں جہنم

جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۖ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٢٩﴾ وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلُّوا

میں لا اتارا۔ جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ (کیسا) برا ٹھکانا ہے ۵۲ اور ان لوگوں نے اللہ کے ساجھی قرار دیئے

عَن سَبِيلِهِ ۗ قُلْ تَمَتَّعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ ﴿٣٠﴾

تھے تاکہ اس کی راہ سے (اپنے کو اور دوسروں کو) گمراہ کریں۔ آپ کہہ دیجیے چندے عیش کرلو پھر تمہارا (آخری) انجام تو دوزخ ہی ہے ۵۳

سمجھتی رہی ہیں، قرآن اس تمامتر باطل عقیدہ پر ضرب بار بار لگاتا ہے جنھیں "قوانین قدرت" کہا جاتا اور سمجھا جاتا ہے، یہ قانون بھی تو سب اسی کے بنائے ہوئے ہیں، اور وہ اپنے قوانین کا محکوم نہیں، ان پر حاکم ہے۔

۵۲ یہ ذکر سرداران کفر و پیشوایان ضلالت کا ہو رہا ہے، جھوٹے جھوٹے مذہبوں اور فلسفوں کے کے بانیوں کا، اور اہل باطل کے رہنمایان نامدار کا۔

بدلوا نعمۃ اللہ کفرا۔ یعنی طرح طرح کی نعمتوں سے مستفید ہونے کے بعد بجائے اس کے کہ شکر مزید ادا کرتے، اور الٹے ناشکری اور کوشش ابطال حق میں مصروف ہو گئے۔

نعمۃ اللہ میں نعمۃ، بہ طور اسم جنس کے ہے کوئی مفرد نعمت مراد نہیں، ہر طرح کی نعمتیں مراد ہیں۔

بئس القرار۔ قرار کے لفظ سے یہ بھی نکل آیا کہ جہنم میں یہ داخلہ بہ طور گزرگاہ کے نہ ہوگا، بلکہ قیام و دوام کے لئے ہوگا۔

ای المقر۔ (کبیر) ای المستقر۔ (قرطبی)

۵۳ دنیا کو مشیت حق نے دار العمل رکھا ہے، دار الجزاء بنایا ہی نہیں، اس کے لئے کسی سخت سے سخت کافر کو بھی دنیا میں سزا ملنا لازمی ہرگز نہیں۔

جعلوا۔ جعل کے معنی یہاں ٹھہرا لینے، قرار دے لینے، سمجھ لینے کے ہیں۔

المراد من ھذا الجعل الحکم والاعتقاد۔ (کبیر) اتخذوا۔ (بحر)

جعلوا للہ اندادا۔ شرک کی مختلف صورتیں اور عجیب عجیب قسمیں مسلمانوں، موحدوں کے خیال میں بھی آنا مشکل ہیں ——— ایک شرک کواکب پرستی کا ہے کہ زحل، مشتری، زہرہ وغیرہ مستقل دیویاں ہیں، ایک شرک آفتاب پرستی و ماہتاب پرستی کا ہے کہ آفتاب و ماہتاب بھی بڑے بڑے دیوتا، اور اس نظام کائنات میں دخیل و متصرف ہیں، ایک شرک اوتار پرستی کا ہے کہ خدا فلاں انسان یا فلاں حیوان کا قالب اختیار کرکے اس دنیا میں آ گیا، اور اتنی مدت تک زمین پر چلتا پھرتا، کھاتا پیتا رہا، اور

قُل لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ

آپ میرے ان بندوں سے کہدیجیے جو ایمان رکھتے ہیں کہ نماز کی پابندی رکھیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے

سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ ﴿۳۱﴾

پوشیدہ و علانیہ خرچ کرتے رہیں پیشتر اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی (ہی) ۵۴

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ

اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی اتارا پھر اس (پانی) سے

یہ تو صرف موٹی موٹی مثالیں بطور نمونہ کے بیان ہوئیں، ورنہ شرک قدیم و جدید کی کل صورتیں ہیں بے شمار ولاتعداد، بڑے بڑے حکام کو، نامی گرامی فلاسفہ اور اہلِ سائنس کو، مدارِ کار بنا لینا، اور ان کے اقتدار یا ان کے نظریات کو شریعت الٰہی کا بدل سمجھ لینا، یہ سب جعلوا للہ اندادا ہی کی شکلیں ہیں۔

لیضلوا۔ میں ل عاقبت کا ہے یعنی ان کے اس ساجھی ٹھہرانے کا لازمی نتیجہ یہی نکلنا تھا کہ یہ خود اور دوسرے راہِ حق سے بھٹک کر رہیں۔

اللام لام العاقبة لان عبادة الاوثان سبب یؤدی الی الضلال۔ (کبیر)

۵۴ (بلکہ خالص اور کامل انصاف ہی کا سکہ چلے گا۔)

لِعِبَادِيَ۔ عبادی میں مومن بندوں کی اضافت حق تعالیٰ کا اپنی ذات پاک کی طرف کرنا ان کے غایتِ اکرام و شرف کے لئے ہے۔

خصھم بالاضافة تنویھا لھم۔ (بیضاوی)

وَيُنفِقُوا۔ یعنی نیک اور مطابق شریعت کاموں میں خرچ کرتے رہیں ——— حکم انفاق قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی آیا ہے، ظاہر ہے کہ مراد مطلق خرچ کرنا نہیں بلکہ امور خیر میں خرچ کرنا ہے۔

مما رزقنھم۔ رزق کو حق تعالیٰ نے اپنی جانب منسوب کرکے ادھر بھی اشارہ کر دیا کہ رزق حلال ہونا چاہیئے، حرام کمائی کا گزر بھی نہ ہو۔

سِرًّا وَعَلَانِيَةً۔ پوشیدہ و علانیہ جہاں جیسی بھی مصلحت شرعی نظر آئے۔

لَّا بَيْعٌ فِيهِ۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ اس وقت کچھ قیمت دے دلا کر نجات حاصل کی جاسکے ——— بعض جاہلی عقائد پر ضرب۔

وَلَا خِلَالٌ۔ یعنی یہ نہ ہوگا کہ کسی کی دوستی اور مروت، کسی کی رو رعایت سے کام نکل جائے ——— یہود وغیرہ کا عقیدہ تھا کہ پیمبروں اور مقبولان الٰہی کی عزیز داری کافی ہو جاوے گی۔

جس دوستی اور تعلق سے نفع کی نفی مطلق بیان کی گئی ہے، وہ وہ دوستی اور تعلق ہے، جو بجائے ایمان کے

بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ

(مختلف) پھل تمہارے لئے بہ طور رزق کے پیدا کئے، اور تمہارے لئے کشتی کو مسخر کردیا تاکہ وہ اسکے

فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾

حکم سے سمندر میں چلے اور تمہارے لئے دریاؤں کو مسخر کردیا۵۵۔

کافی سمجھا جائے۔

۵۵ آیت نے شرک کی بہت سی قسموں کی جڑ کاٹ دی، زمین و آسمان کوئی دیوی دیوتا نہیں سب اللہ ہی کی مخلوق ہیں آسمان سے پانی اور کوئی نہیں برساتا، ہوا اور بارش کا کوئی دیوتا نہیں، یہ سب وہی کرتا ہے، پھر زمین سے طرح طرح کے پھل اور میوے اگانا بھی تمامتر اسی کا کام ہے، زراعت، باغبانی وغیرہ کے لئے کوئی الگ دیوی دیوتا نہیں، علیٰ ہذا سمندر اور دریاؤں کو پیدا کرنا اور انھیں انسانی ضروریات کے لئے مسخر کردینا بھی سو فیصدی اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

الْفُلْكَ۔ فلک کا اطلاق ڈونگی کشتی تک محدود نہیں، دُخانی کشتیاں چھوٹے بڑے تجارتی اور جنگی، ہر وضع، ہر نمونہ ہر جسامت کے جہازوں پر حاوی ہے۔

رِزْقًا لَّكُمْ۔ سَخَّرَ لَكُمْ۔ یہ سب اسی حقیقت کو واضح و مؤکد کررہے ہیں کہ اسی کارخانۂ کائنات میں جو کچھ بھی ہے، سب انسان ہی کی خدمت کے لئے ہے، نہ یہ کہ الٹا انسان، زمین و آسمان، شجر و حجر دریا اور سمندر کی پرستش شروع کردے ــــــ اور یہی معنی ہیں انسان کے خلیفۃ اللہ ہونے کے۔

لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ۔ یعنی تاکہ یہ جہاز اور کشتیاں سمندر میں چلیں اور تم ان کے ذریعے سے تجارت سفر وغیرہ کے نفع حاصل کرو ــــ اسلام مسلمانوں کو راہب یا دیہ نشین نہیں بنا دینا چاہتا بحری تاجر بنانے کی ترغیب دیتا ہے، لیکن ملحد و خدا فراموش نہیں بلکہ مومن و مسلم بحری تاجر۔

سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ۔ یعنی تاکہ تم دریاؤں کے پانی کو اپنی ہر انفرادی و اجتماعی تمدنی ضرورت کے کام میں لاؤ، کشتیاں چلاؤ، آب پاشی کرو۔ ان سے نہریں کاٹو، پن چکیاں چلاؤ، بجلی پیدا کرو، وقس علیٰ ہذا۔ غرض انھیں ہر جائز تمدنی ترقی کے کام میں لاؤ، بس شرط صرف اتنی ہے کہ مسلمان اور صاحب ایمان بنے رہو۔

سَخَّرَ لَكُمُ۔ کی بار بار تکرار سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ مادی کائنات بالآخر انسان ہی کی مسخر ہو کر رہے گی، اور انسان نظام تکوینی میں ایک ایک کو مسخر کرکے چھوڑے گا، اور بحر و بر پر اسی کی حکومت ہو کر رہے گی، وہ آخر خلیفۃ اللہ ہے اور خلافت کے عموم میں محض تشریعی نہیں تکوینی نیابت بھی اللہ تعالیٰ کی آجاتی ہے، سائنسی ایجادات و اکتشافات آج جتنے بھی ہوتے جارہے ہیں سب انسان کی مادی عنصری، تسخیرِ کائنات ہی کے شواہد ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ (۳۳)

اور تمہارے لئے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا جو برابر چلتے ہی رہنے والے ہیں، اور تمہارے (نفع کے) لئے رات اور دن کو مسخر کر دیا ۵۶

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۚ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۚ

اور تم کو ہر اس چیز میں سے دیا جو تم نے مانگی ۵۷ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو انہیں شمار نہ کر پاؤ گے، بے شک انسان

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (۳۴)

بڑا ہی ناانصاف ہے، بڑا ہی ناشکرا ہے ۵۸

۵۶ (کہ اس سارے عظیم الشان اور حیرت انگیز طور پر وسیع کارخانۂ قدرت سے اپنے لئے ہر جائز شخصی اور تمدنی نفع حاصل کرتے رہو)

خیر کائنات کے دوسرے اجزاء کی تسخیر تو پھر سمجھ میں آجاتی ہے لیکن یہ شمس و قمر کی تسخیر کیا معنی! اور آج سے ۱۴ سو سال قبل اس کا اعلان و اظہار بھلا کس کے سمجھ میں آنے والی بات تھی، یہ تو اب بیسویں صدی عیسوی کے وسط کے بعد جاکر کھلا ہے کہ انسان چاند تک رسائی حاصل کر سکتا ہے اور وہاں پہنچ کر ان پر تسلط و حکومت کی امید اسے ہو گئی، ورنہ آج سے چند سال قبل اس کا تصور ہی کون کر سکتا تھا، یہ کتاب الہیہ ہی ہے جس نے بے دھڑک یہ اعلان تسخیرِ قمر کر دیا تھا، اور تسخیرِ شمس بھی اب محال نہیں معلوم ہو رہی ہے ــــ انسان کے لئے قمر مسخر تو یوم آفرینش ہی سے چلا آرہا ہے، اور مہینے کی ساری تاریخوں میں اس کا گھٹنا بڑھنا الشمس والقمر۔ الیل والنہار۔ آفتاب و ماہتاب اور رات دن تو سب خلیفۃ اللہ بشر کی خدمت کیلئے ہیں، پھر یہ کیسا شدید جاہلانہ ظلم ہے کہ الٹا انہیں کو معبود سمجھ لیا ہے۔ دائبین۔ اپنی عادت جاریہ پر ثبات و دوام کے ساتھ حرکت میں رہنے والے۔ الدؤوب مرور الشئ فی العمل علی عادۃ جاریۃ (قرطبی) اور اپنی لو روشنی اپنی گرمی، خنکی اپنی شرح رفتار و نظم گردش اور دوسرے طبعی خصوصیات کے لحاظ سے ہمیشہ نفع پہونچانے والی، الداب اعامۃ السیر (راغب) ای دائبین فی الحرکات لا یفترن الی انقضاء عمر الدنیا (روح)

۵۷ (اور اس کا دینا بھی تمہارے حق میں عین مصلحت ہوا۔)

من کل۔ یعنی تمہاری ہر طلب کی ہوئی شے میں سے تمہیں کچھ دیا۔

یعنی من کل شئ سألتموہا شیئا (بیضاوی) ای اعطاکم بعض جمیع ما سألتموہ حسب ما تقتضیہ مشیئتہ التابعۃ للحکمۃ والمصلحۃ۔ (روح)

۵۸ (کہ نعمتوں کی قدر اور شکر نہیں کرتا، بلکہ اور الٹا کفر و معصیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔)

لظلوم کفار۔ امام رازیؒ کہتے ہیں کہ یہاں اللہ نے انسان کے یہ دو وصف بیان کئے ہیں اور سورۂ نحل میں اپنے دو وصف ذکر کئے ہیں، ان اللہ لغفور رحیم گویا وہ آیت اس آیت کے ٹھیک مقابل ہے،

وَ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا الۡبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجۡنُبۡنِىۡ وَبَنِىَّ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیمؑ نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا دیجیے۔ اور

اَنۡ نَّـعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَ ؕ‏ ﴿۳۵﴾

مجھ کو اور میرے فرزندوں کو اس سے بچائے رکھئے کہ ہم لوگ مورتی پوجا کرنے لگیں ۵۹ ؎

اور انسان کی ناانصافی کے مقابلہ میں اللہ کی مغفرت اور انسان کے کفرانِ نعمت کے مقابلہ میں اللہ کی رحمت ہے۔

والمقصود کأنہ یقول ان کنت ظلوما فانا غفور وان کنت کفارا فانا رحیم (کبیر)

نعمۃ اللہ۔ نعمۃ بہ طور جنس کے ہے، اسی لئے ترجمہ صیغۂ جمع سے کیا گیا۔

ای نعم اللہ (معالم) والمراد بہا الجمع (روح)

لاتحصوھا۔ احاطہ میں نہ لے پاؤ گے کہ وہ تو ہیں بے پایاں۔ انسان کہاں سے اتنی فرصت اور اتنی ہمت لائے گا۔

الانسان۔ انسان سے یہاں مراد ہر فرد انسانی نہیں، بلکہ جنسِ انسانی ہے، عام اس سے کہ اس ظلم اور کفران کا تحقیق چند میں پایا جائے یا زائد میں۔

والمراد من الانسان ھھنا الجنس یعنی ان عادۃ ھذا الجنس ھو ھذا (کبیر) وال فی الانسان الجنس۔ (روح)

مطلب یہ ہوا کہ نعمتوں کے اس انبار کو پاکر ان کا اقتضا تو یہ تھا کہ نوعِ انسانی شکر گزاری خدا نے کچھ بچھ جاتی، لیکن یہ اس کی کس درجہ بے انصافی اور ناشکری ہے کہ اس کے بہت سے افراد اب بھی کفر و انکار پر جمے ہوئے ہیں۔ اہلِ لطائف نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کے احسان سے تو اہلِ نار تک خالی نہیں کہ اللہ بہرحال اس سے بھی سخت تر سزا پر قادر تھا۔ اور یہ مضمون حدیث میں آیا ہے۔

۵۹ ؎ (جیسا کہ اب تک بچائے رکھا ہے)

واجنبنی۔ اللہ اللہ! یہ بت پرستی سے بچنے کی دعا خلیل اللہ سرخیلِ موحدینِ عالم اپنی اولاد ہی کے لئے نہیں خود اپنے لئے بھی کر رہے ہیں۔

آیت میں صاف دلالت اس امر پر ہے کہ حضرات انبیاءؑ تک امکانِ کفر و شرک سے ماوراء نہیں ہو جاتے بلکہ برابر اس سے ڈرتے ہی رہتے ہیں۔ کہنا چاہئے کہ اسی گہرے اور ہمہ وقتی خوفِ لغزش ہی نے تو انھیں معصوم بنا رکھا ہے تو بھلا ہم دنیا داروں کا کیا ذکر جو ہر وقت نفس اور شیطان کی کمند میں پھنسے ہوئے ہیں۔

ھذا البلد۔ یعنی شہر مکہ۔ مکہ کی اہمیت کم از کم عہد ابراہیمؑ سے چلی آئی ہے۔

آمنا۔ یعنی اسے اپنا "حرم" قرار دے دے، جس کے اندر رہنے بسنے والے ہر طرح مستحق امن ہوتے ہیں۔ اور شریعت اسلامی میں تو مکہ معظمہ حرم ہی ہے۔

واذ قال ابراھیم۔ یہ ذکر اس وقت کا ہے، جب حضرت ابراہیمؑ خانۂ کعبہ کے قریب صغیر السن حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو لا کر چھوڑ گئے ہیں، اور شہر مکہ کی بنیاد پڑ رہی ہے۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ

اے میرے پروردگار ان (مورتیوں) نے بہتیرے آدمیوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ ۶۰ سو جو کوئی میری راہ پر چلے گا وہ تو میرا

مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾

ہی ہے ۶۱ اور جو کوئی میری نافرمانی کرے تب تو بڑی مغفرت والا ہے بڑی رحمت والا ہے ۶۲

الاَصْنَامَ۔ صنم کی جمع۔ اور صنم مورتی کو کہتے ہیں، شرک کا سب سے بڑا مظہر دنیا میں یہ مورتی پوجا ہی رہی ہے، مورتیاں دنیا میں عموماً پتھر کی بنتی رہی ہیں، لیکن سونے، چاندی، لکڑی وغیرہ کی مورتیاں بھی نایاب نہیں رہی ہیں، اور راغب نے صرف انھیں کے ذکر پر اکتفا کی ہے۔

الصنم جثۃ متخذۃ من فضۃ او نحاس او خشب کانوا یعبدونھا۔

لیکن اپنے لفظی معنی میں وہ بت کے مرادف ہے، اور دوسرے لفظ وثن ہی کی طرح عام ہے۔

قال الجوھری ھو الوثن وھو صریح فی انھما مرادفان (تاج)

وسعت دے کر صنم کے مجازی معنی میں ہر ایسی چیز داخل کر لی گئی، جو اللہ کے بجائے پوجی جائے، بلکہ جو چیز بھی اللہ سے غافل کر دے۔

قال بعض الحکماء کل ما عبد من دون اللہ بل کل ما یشغل عن اللہ تعالیٰ یقال لہ صنم (راغب)

چنانچہ متقدمین میں سے بعض مسلمان اہل قلم نے ابراہیمؑ و اولادِ ابراہیمؑ کو اس شدید مکروہ بدعملی کے امکان سے بچانے کے لئے اس بت پرستی کو اسی مجازی معنی میں لے لیا ہے۔

وعلیٰ ھذا الوجہ قال ابراھیم صلوات اللہ علیہ اجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام فمعلومٌ ان ابراھیم مع تحققہ بمعرفۃ اللہ واطلاعہ علیٰ حکمتہ لم یکن فیمن یخاف ان یعود الیٰ عبادۃ تلک الجثث التی کانوا یعبدونھا فکانہ قال اجنبنی عن الاشتغال بما یصرفنی عنک (راغب)

ابن عطیہ نے کہا ہے کہ جب پیمبر برحق اپنے اور اپنی اولاد کے حق میں بت پرستی سے بچنے کی دعا کر رہے ہیں تو اس کے اندر تو بڑا سبق ہم لوگوں کو ان کی پیروی کا، اور بت پرستی کی طرف سے اندیشہ ناک رہنے کا ہے۔

قال ابن عطیہ ...... ھذہ الآیۃ تنبغی ان یقتدی بھا فی الخوف وطلب الخاتمۃ (بحر)

۶۰ یعنی یہ بت ان کی گمراہی کا سبب اور ذریعہ بن گئے ہیں، یہ مراد نہیں کہ ان بے جان مورتیوں نے عمداً اور قصداً کسی کو گمراہ کیا۔

کثیراً من الناس۔ اس میں دنیا میں بت پرستوں کی کثرتِ تعداد کی جانب اشارہ ہے علاوہ تاریخی روایتوں کے جو مشاہدے میں بھی داخل ہے۔

۶۱ (اور اس کے لئے تیرا وعدۂ مغفرت موجود ہی ہے۔)

منی "مجھ میں سے ہے یا میرا" ہے، یہ کلمہ کس درجہ شفقت وراحت سے لبریز ہے۔

رَبَّنَآ اِنِّيٓ اَسۡكَنۡتُ مِنۡ ذُرِّيَّتِيۡ بِوَادٍ غَيۡرِ ذِيۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ

اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی کچھ اولاد کو ایک بے زراعت میدان میں آباد کر دیا ہے، تیرے

بَيۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ ۙ

معظم گھر کے قریب ۶۳ے

۶۲ے (تو تیرے لئے کیا مشکل ہے کہ تو اپنی شان غفر و رحیمیت کے تقاضے سے اب انھیں ہدایت دے کر ان کی مغفرت اور رحمت کا سامان کردے۔)

وَمَنۡ عَصَانِيۡ۔ یعنی جو لوگ دین حق کے پیرو تھے اور پیروں کی نافرمانی عین دین ہی سے انحراف ہے۔

فَاِنَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ۔ انبیاءؑ سے زیادہ باادب اور خوش گفتار اور کون ہو سکتا ہے، بجائے جھٹ سے یہ کہہ دینے کے کہ آپ نافرمانوں کو بھی بخش دیجئے، عرض یہ کر رہے ہیں کہ رہے وہ نافرمان بندے تو میں ان کے لئے کیا عرض کر سکتا ہوں، آپ جانیں اور آپ کے وہ بندے، آخر آپ کے اسماء مبارک غفور و رحیم میں جلب رحمت و طلب مغفرت کا اس سے زیادہ مؤدب عنوان اور مؤثر پیرایہ کیا اور ہو سکتا تھا۔

۶۳ے یعنی خانۂ کعبہ کے متصل، کعبہ اگرچہ اس وقت منہدم حالت میں تھا تاہم اس کی جگہ تو خوب جانی پہچانی ہوئی اور نگاہوں میں محترم و متبرک تھی۔

من ذریتی۔ ذریت سے مراد حضرت اسمٰعیل اور ان کا سلسلہ اولاد ہے، من تبعیضیہ ہے، یعنی اپنی اولاد میں سے کچھ۔

من بمعنی بعض ای اسکنت بعض ذریتی (روح) ای بعض ذریتی او ذریۃ من ذریتی (بیضاوی)

وادٍ غیر ذی زرع۔ شہر مکہ جو ملک عرب کے صوبۂ حجاز میں بحر احمر سے ۴۸ میل پر سمت مشرق میں واقع ہے، اپنی زمین کی خشکی کے لئے مشہور ہے، اور زمین کے کہیں تو پتھریلی اور کہیں ریتیلی ہونے کے باعث آج سے ۴ ہزار سال قبل اس وقت ابراہیمؑ کے زمانہ میں سرے سے ناقابل کاشت تھا اور اس وقت نہیں بلکہ ابھی بیسویں صدی عیسوی کے وسط تک ناقابل کاشت رہا ہے، اب اگر کبھی آئندہ مصنوعی ذریعوں (تدبیروں) سے اسے قابل کاشت بنا لیا جائے تو یہ اس قرآنی بیان کے ذرا بھی منافی نہ ہوگا، یہاں اس کے لئے یہ لفظ حضرت ابراہیمؑ اپنی دعا میں اس کی واقعی حالت کے مطابق استعمال کر رہے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے کوئی وعدہ نہیں کہ اس کا یہ وصف ہمیشہ قائم رہے گا۔ اور کبھی دور نہ ہوگا، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

بَيۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ۔ بیتک میں اضافت تعظیم و تشریف کی ہے، وہ گھر جو تو نے اپنی پرستش کے لئے مخصوص کر دیا ہے، اس گھر کا احترام بھی کیا مومن اور کیا مشرک دونوں کی نظر میں مسلم تھا۔

بعض فقہاء نے یہاں تصریح کر دی ہے کہ ایک بے آب و گیاہ ملک میں لاکر اپنے بیوی بچوں کو ڈال دینا

رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ

(یہ اس لئے) اے ہمارے پروردگار کہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں ۶۴ سو تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کردے

وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور انھیں کھانے کو پھل دیجیے، جس سے یہ شکر گزار رہیں ۶۵

اور اس امر کو اسوۂ ابراہیمی کی اتباع سمجھنا اب جائز نہیں۔

لا یجوز لاحد ان یتعلق بہ فی طرح عیالہ وولدہ بارض مضیعۃ اتکالا علی العزیز الرحیم واقتدا او یفعل ابراھیم۔ (ابن العربی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو کچھ کیا تھا وہ صریح حکم الٰہی پاکر کیا تھا، اس طرح حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبح کردینے کا اقدام بھی ایک مخصوص وحی خفی کے ماتحت تھا، کوئی عام قانون ایسے احکام خصوصی وامتیازی کی بنا پر نہیں بن سکتا۔

۶۴ (اور نماز کے تحت میں یہاں طواف وغیرہ کل عبادات داخل ہیں۔)

حضرت ابراہیمؑ کی گزارش کا مقصود یہ ہے کہ یہ آبادی خدا پرستی کے لئے ہے، اور کعبہ خدا پرستوں کا مقام ہے۔ لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔ میں حضرت اسمٰعیلؑ کو کعبہ کے گرد بسانے کی غرض، خدمت کعبہ بتاکر یہود ونصاریٰ کے اس خیال کی تردید کردی کہ حضرت ابراہیمؑ کا حضرت اسمٰعیلؑ کو وہاں وادی مکہ میں چھوڑ آنا، محض حضرت سارہ کو خوش کرنے کے لئے تھا۔

لیقیموا۔ کے ل کا توی تعلق اسکنت سے ہے، یعنی میں نے اپنی اولاد کی نو آبادی جو یہاں قائم کی ہے اس کی غرض وغایت ہی یہ ہے کہ اقامت صلوٰۃ کا اہتمام رکھا جائے۔

اللام متعلقۃ باسکنت ای ما اسکنتھم بھذا الوادی البلقع الا لیقیموا الصلوٰۃ (مدارک)

اللام فی لیقیموا الصلاۃ لام کی، ھذا ھو الظاھر فیھا بـ "اَسْکَنْتُ" (قرطبی) اللام متعلق باسکنت ای ما اسکنتھم بھذا الوادی الا لیقیموا الصلوٰۃ عند بیتک المحرم۔ (کشاف)

۶۵ (اور اسی شکر گزاری کی ایک فرد یہ ہے کہ تیری ہی عبادت میں لگے رہیں گے۔)

فاجعل ..... الیھم۔ ابراہیم خلیل عرض کررہے ہیں کہ اے پروردگار میں نے جو یہاں اپنی اولاد کو بسایا ہے تو اول تو اس سرزمین میں کوئی مادی کشش ہی نہیں، کوئی یہاں آنے کیوں لگا، تو ہی اپنی قدرت سے خلقت کے دل میں یہاں کی حاضری کی تمنا وآرزو ڈال دے کہ خود بخود کھچے ہوئے چلے آئیں، اور پھر اس خشک اور بے آب وگیاہ سرزمین میں پھل پھلاری کہاں، تو انھیں اپنی قدرت سے یہ بھی نصیب کردے!۔۔۔

یہ دعاء ابراہیمی پوری ہوئی اور جس معجزانہ حد تک پوری ہوئی، اس کا کچھ اندازہ سفر مکہ کے بعد ہی ہوسکتا ہے، وہ ہزار ہا لکھو کھا انسانوں کا چین سے اور روس سے، جاپان سے اور جاوا سے، مصر سے اور ایران سے،

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعۡلَمُ مَا نُخۡفِىۡ وَمَا نُعۡلِنُ‌ؕ وَمَا يَخۡفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ

اے ہمارے پروردگار تو سب کچھ جانتا ہے جو کچھ ہم چھپائیں اور جو کچھ ہم ظاہر کریں، اور اللہ سے کوئی بھی چیز

فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾

نہیں چھپی رہتی ہے (نہ) زمین میں اور نہ آسمان میں ۶۶ھ

افغانستان سے اور ہندوستان سے، مراقش سے اور برما سے، حج کے موقع پر اس شہر میں جمع ہو جانا اور آج سے نہیں بلکہ اس وقت سے جب یہ شہر ایک وادی بے آب وگیاہ (واد غیر ذی زرع) تھا اگر افئدۃ من الناس تھوی الیھم۔ کی علمی تفسیر نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی طرح مکہ کی منڈیوں کا اور منیٰ کے بازاروں کا تر و تازہ سیب و انار، انگور اور سنترے اور ہر طرح کے شاداب میووں اور رسیلے پھلوں سے پٹے پڑے رہنا اگر وارزقھم من الثمرات کا حیرت انگیز علمی ظہور نہیں تو اور کیا ہے؟

افئدۃ من الناس۔ تقدیر کلام یوں ہے افئدۃ من افئدۃ الناس۔

من الناس۔ من تبعیض کے لئے ہے۔

من للتبعیض (مدارک) ومن للتبعض ویدل علیھا ردی عن مجاھد قال افئدۃ الناس علیہ فارس والروم (کشاف)

"دعائے ابراہیمی میں نہیں ہے کہ سارے ہی لوگ یہاں جمع ہی ہو جایا کرتے، بلکہ یہی ہے کہ کچھ لوگ"!

فاجعل افئدۃ الخ۔ مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ مال وجاہ کا بہ قدر ضرورت اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے طلب کرنا مذموم نہیں، خصوصاً جب کہ اعانت علی الدین کے لئے ہو جیسا کہ لیقیموا الصلوٰۃ اور لعلھم یشکرون سے ظاہر ہو رہا ہے۔

ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیلؑ ایک طرف تو سرزمین مکہ کو غیر ذی زرع (بے آب وگیاہ) کہے جاتے ہیں اور ساتھ ہی دعاء بھی کرتے جاتے ہیں کہ پروردگار یہ نہیں کہ میری نسل کو اس سرزمین پر گھاس پھوس کچھ دے دلا دے کہ یہ لوگ کسی طرح اپنی بابت جانوروں کی طرح ٹھہریں اور رزق کسی طرح ان کی قوتِ لایموت کا سہارا ہو جائے بلکہ (وارزقھم من الثمرات) زمین پھل اور میوے فراہم کر دے جو رزق کی اعلیٰ ترین صورتیں ہیں اور اسے حاصل کر کے دل سے تیرا شکریہ ادا کریں، اسلام کی روح رہبانیت کے اصول اور ترکِ لذاتِ مباح اور خشک نان جو اس کے تخیل سے کس درجہ دور ہے۔

۶۶ھ (چنانچہ ان دعاؤں سے بھی یہ ہرگز مقصود نہیں کہ تو آپ تک ہماری ان حاجتوں اور تمناؤں سے بے خبر تھا تیرے لئے تو ہر پوشیدہ اور علانیہ یکساں ہے، بلکہ یہ دعائیں تو تمامتر ہماری عبودیت اور افتقار سے پیدا ہوئی ہے۔)

آیت سے تردید ان تمام مشرک قوموں اور جاہلی فلسفیوں کی ہو گئی جنھوں نے خدا کے علم کو ناقص

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ

ساری حمد ہے اللہ کے لئے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل و اسحٰق (دو بیٹے) دیئے۔ بے شک

رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾

میرا پروردگار دعاؤں کا بڑا سننے والا ہے۔ ۶۶

محدود یا صرف کلیات پر مشتمل قرار دیا ہے، ہندوستان، مصر، یونان، سب کہیں کے بڑے بڑے "حکماء" و "عقلاء" اسی جہل میں شریک رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے علم کے کامل ہونے اور محیط ہونے دونوں کا اثبات قرآن مجید میں کثرت سے کیا گیا ہے، اور ان ہی مقامات میں سے ایک مقام یہ بھی ہے۔

ربنا۔ نداء کی تکرار تضرع و خشوعِ طلب کی دلیل ہے۔

النداء المکرر دلیل التضرع والالتجاء الی اللہ (کشاف۔ مدارک)

من شیء۔ من استغراق کے لئے ہے۔

من للاستغراق (مدارک) ومن للاستغراق کانہ قیل وما یخفی علیہ شیء ما (کشاف)

ترجمہ اسی لئے "کوئی بھی چیز" سے کیا گیا ہے۔

۶۷ (چنانچہ جس طرح اس نے میری پچھلی دعائیں سن لیں اور قبول کرلیں، اس کی ذات سے یقین ہے کہ آئندہ بھی ایسا ہی کرتا رہے گا۔)

آیت کے اندر ایک بڑی تعلیم ملتی ہے، اولاد کا شمار اسلام نے اللہ کی بہترین نعمتوں میں کیا ہے، بعض راہبانہ اور غیر فطری مذہبوں کی طرح اسے بندوں کے حق میں ایک بار اور مصیبت نہیں قرار دیا ہے، یہاں پیمبرؑ، اور پیمبر بھی کیسے، اللہ کے خلیل، پیمبر جلیلؑ کی زبان سے کس شکر گزاری اور مسرت کے لہجہ میں اولاد کا ذکر لایا گیا ہے، پیمبرؑ اسے عطیۂ رب ہی نہیں سمجھتے، ساتھ ہی اپنی دعاؤں کا ثمرہ بھی قرار دے رہے ہیں۔

لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ۔ یعنی دعاؤں کا بڑا قبول کرنے والا۔

ای مجیب الدعاء (مدارک) ای انہ یستجیب لمن دعاہ (ابن کثیر) فالسمع بمعنی القبول والاجابۃ مجاز کما فی سمع اللہ تعالیٰ لمن حمدہ۔ (روح)

عَلَى الْكِبَرِ۔ ضعیفی کی اولاد کوئی عیب نہیں جسے چھپایا جائے اور جس سے شرمایا جائے، اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے قابل مسرت و شکر گزاری ــــ حسبِ تصریح توریت، حضرت اسمٰعیلؑ کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۸۶ سال کی تھی، اور حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کے وقت سو سال کی، یہ عمریں اس وقت کے معیار سے کچھ ایسی زائد تو نہ تھیں، تاہم ضعیفی کی تو بہر حال تھیں ہی۔

اِسْمٰعِیْلَ۔ فرزند اکبر، حضرت ہاجرہ مصریہ کے بطن سے ۲۰۳۵ء تا ۱۸۰۰ء ق م حاشیہ سورۃ البقرہ میں گزر چکا۔

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۤءِ (۴۰)

اے میرے پروردگار مجھکو بھی نماز کا پابند رکھیو اور میری نسل میں بھی سے (کچھ کو) اے ہمارے پروردگار ہماری دعاء قبول کر

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ (۴۱)

اے ہمارے پروردگار میری مغفرت کر دیجیو اور میرے والدین کی اور (دوسرے) ایمان والوں کی جس روز حساب قائم ہو

ع ۶
۱۸

اسحٰقؑ ۔ فرزند دوم، حضرت سارہ عراقیہ کے بطن سے بسلکہ ۱۵۸ تا سلکہ ۱۲۶۱ ق م حاشیہ سورۃ الاعراف میں گزر چکا۔

۶۸ء دعاء کے آداب اور طریقے کوئی حضرات انبیاءؑ سے سیکھے، عبودیت کے کن کن پہلوؤں سے، کیسے کیسے لجاجت کے انداز سے اپنے محبوب مالک کو پکارتے رہتے ہیں۔

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ ۔ نماز کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ ایک نبی جلیل القدر اپنے حق میں اس کے واسطے دعائے خصوصی کرتے ہیں۔

ومن ذریتی ۔ محققین نے لکھا ہے کہ حضرتؑ کو اشارۂ غیبی سے علم ہو گیا تھا کہ حضرتؑ کی نسل میں سب مومن ہی نہ ہوں گے، کچھ غیر مومن بھی ہوں گے، اس لئے دعا سب کے حق میں نہ فرمائی۔

(ای بعض ذریتی ...... لانہ علم باعلام اللہ انہ یکون فی ذریتہ کفار۔ (مدارک)

۶۹ء حضرتؑ کا اپنے لئے اور مومنین کے حق میں دعاء مغفرت کرنا تو ایک صاف اور سیدھی سی بات ہے، البتہ شبہ اس میں پیدا ہوتا ہے کہ آپؑ نے اپنے کافر والد کے حق میں دعاء مغفرت کیسے کر دی؟ ___ سو اگر یہ دعا آپؑ نے ان کی زندگی میں کی تھی، جب تو آپؑ کی مراد یہی ہو گی کہ انھیں توفیق ہدایت دے کر ان کی مغفرت کا سامان کر دیا جائے، اور اگر بعد وفات یہ دعاء کی تھی تو یہ دعاء ان کے ایمان کے ساتھ (علم الٰہی میں) مشروط ہو گی یعنی اے پروردگار اگر تیرے علم میں ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے، تو ان کی مغفرت کر دے۔

زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ یہ تو حضرت ابراہیمؑ کا ایک اقتضائے طبعی تھا، اور مُشرک والدین کے لئے دعاء مغفرت کا عدم جواز تو وحی الٰہی کے بعد ہی معلوم ہو سکتا تھا نہ کہ اس کے قبل، تو اس پر صاحب بحرالمحیط خوش ہو کر کہتے ہیں۔

ھو فی ذلک موافق لاھل السنۃ مخالف لمذھب الاعتزال۔

یہاں تو زمخشری نے موافقت مذہب اہلِ سنت کی کی ہے، نہ کہ اپنے مذہب اعتزال کی۔

اِغْفِرْلِیْ ۔ غفر کے معنی ہیں رحمتِ الٰہی کا ڈھانپ لینا، اور اس کی حاجت جس طرح عاصی کو رہتی ہے، معصوم کو بھی رہتی ہے، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے حق میں طلب مغفرت کرنے سے ان کا غیر معصوم ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۚ۬ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ

اور اللہ کو اس سے بے خبر ہرگز مت سمجھ جو کچھ (یہ) ظالم لوگ کر رہے ہیں ؎ انہیں تو بس اس روز تک

لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ (۴۲) مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ

وہ مہلت دیئے ہوئے ہے جس میں نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی۔ وہ دوڑ رہے ہوں گے اپنے سر اٹھائے رکھے ہوں گے

لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ (۴۳) وَاَنْذِرِ النَّاسَ

ان کی نظر ان کی طرف واپس نہ آئے گی۔ اور ان کے دل بدحواس ہوں گے ؎ اور آپ لوگوں کو اس دن

يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى

سے ڈرایئے جس میں ان پر عذاب آپڑے گا۔ پھر (یہ) ظالم کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم کو (اور)

اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۭ

مہلت دیدے ایک مدت قلیل تک ہم تیری دعوت قبول کرلیں گے اور پیمبروں کا اتباع کرینگے ؎

یوم یقوم الحساب۔ یعنی جس روز لوگ حساب کے لئے کھڑے ہوں۔

ای تقوم الناس للحساب۔ (قرطبی)

؎ (اے مخاطب)

الخطاب لغیر الرسول علیہ السلام (مدارک) خطاب لکل من توھم غفلتہ تعالیٰ (روح)

الظّٰلِمُوْنَ۔ سے یہاں مراد کافر ہیں، جیسا کہ قرآن کے اکثر مقامات پر ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان معاند کافروں کو جو فوراً سزا انہیں مل رہی تھی، تو یہ اس لئے ہرگز نہیں کہ حق تعالیٰ ان کی طرف سے غافل ہے، اس کا تو احتمال بھی نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مصالح تکوینی سے جزا و سزا کو ایک وقت مقرر تک کے لئے اٹھا رکھا ہے۔

؎ (شدتِ ہول و ہراس سے)

سارا منظر یوم حشر کی ہولناکی اور دہشت انگیزی کا ہے۔

تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ۔ یعنی کافروں کی نگاہیں فرطِ حیرت و ہیبت سے پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی

مُهْطِعِيْنَ۔ یعنی موقف حساب کی طرف دوڑ رہے ہوں گے۔

مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ۔ یعنی فرط حیرت سے کسی اور طرف نہ نظر جائے گی نہ خیال۔

لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ۔ یعنی آنکھ جھپکے گی تک نہیں، بس ٹکٹکی بندھ کر رہ جائے گی۔

اَوَلَمۡ تَكُوۡنُوۡۤا اَقۡسَمۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ مَا لَكُمۡ مِّنۡ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ وَّسَكَنۡتُمۡ فِىۡ

کیا تم نے اس کے قبل قسمیں نہیں کھائی تھیں کہ تمہیں (کہیں بھی) جانا نہیں ہے ۷۳؎ حالانکہ تم انہیں لوگوں کے

مَسٰكِنِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَتَبَيَّنَ لَـكُمۡ كَيۡفَ فَعَلۡنَا بِهِمۡ

مسکنوں میں آباد ہو جو اپنے اوپر ظلم کر چکے تھے اور تمہارے اوپر روشن ہو چکا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیونکر

وَضَرَبۡنَا لَـكُمُ الۡاَمۡثَالَ ﴿۴۵﴾

معاملہ کیا تھا۔ اور ہم نے (بھی) تم سے مثالیں بیان کی تھیں ۷۴؎

۷۲؎ حشر میں جب انکشافِ حقائق درجۂ تام میں ہو جائے گا، اور غفلت کے پردے ہر طرح چاک ہو چکیں گے، بدنصیب کافر عرض کریں گے کہ ہم نے خوب مزہ چکھ لیا، اب ایک بار پھر ہمیں مہلتِ حیات عطا ہو کہ ہم دنیا میں جا کر از سرِ نو زندگی درست کریں گے اور اپنی اپنی پوری فرمانبرداری اور اطاعت شعاری کا ثبوت دیں گے۔

الذین ظلموا۔ مراد کفار ہیں۔

ای الکفار۔ (مدارک)

۷۳؎ (اس دنیا سے)

اس کے جواب میں ارشاد ہوگا کہ دنیا میں رہنے کی تمہیں مہلت قلیل تو نہیں، مدت طویل ملی تھی، پھر تم نے اس سے کیا فائدہ اٹھایا، بلکہ تم تو الٹے قسمیں کھا کھا کر بڑے زور اور دعوے کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ یہ حشر نشر کا قصہ سب ڈھکوسلا ہے، وجود جو کچھ ہے صرف اس مادی دنیا اور اسی مادی زندگی کا ہے، اس کے آگے کچھ بھی نہیں ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں نے اپنی زبان سے یہ سب تقریر نہ کی ہو جب بھی زبان حال سے تو وہ کہی یہی سمجھتے رہے تھے۔

لعلھم اقسموا بطرا وغرورا اول دل علیه حالھم (بیضاوی) او بالسنة الحال ودلالة الافعال۔ (روح)

من زوال۔ میں مِن تاکید نفی کے لئے ہے۔

ومن صلة لتاکید النفی۔ (روح)

من زوال۔ جانے کے معنی میں ہے، مجاہد تابعی کا قول ہے۔

مالکم من انتقال عن الدنیا الی الآخرۃ۔ (قرطبی)

۷۴؎ یہ خطاب زمانہ مابعد کی نسلوں سے ہے مطلب یہ ہوا کہ تم بعد کو آئے، پھر نہ اپنے پیش رو کفار معاندین و منکرین آخرت کے عبرتناک انجام اور تباہی و بربادی سے کوئی عبرت و نصیحت تم نے

وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۭ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ

اور انھوں نے اپنی سی (بڑی بڑی) چالیں چلیں اور اللہ کے سامنے ان کی یہ چالیں تھیں، اور واقعی ان کی چالیں

لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿٤٦﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ

ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جائیں ۵۲۵ سو اللہ کو اپنے پیمبروں سے وعدہ خلافی کرنے والا ہرگز نہ سمجھ

رُسُلَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤٧﴾

لینا ۵۲۶ بے شک اللہ زبردست ہے پورا بدلہ لینے والا ہے ۵۲۷

حاصل کی، اور نہ کتبِ سابقہ کی ہدایتوں فہمائشوں سے تم ذرا بھی بیدار ہوئے تمھارے لئے تو انکار کے نہیں، منع انکار کے اتنے زبردست اسباب اکھٹے تھے پھر بھی تم اپنی شامت سے راستہ اسی ہلاکت و بدانجامی ہی کا اختیار کئے رہے۔

وَسَكَنْتُمْ.... انفسھم یعنی تم روئے زمین کے ان ہی خطوں قطعوں، علاقوں میں تو آباد ہو جہاں تم سے پیشتر اور منکرین و معاندین رہ چکے تھے۔

تبین.... بھم یعنی تمھیں تاریخ سے، روایات و حکایات سے پوری طرح ان منکروں کی سزایابی ہلاکت و بربادی کا حال معلوم ہو چکا تھا۔

ضربنا لکم الامثال۔ یہ اشارہ سابقہ کتب آسمانی کی جانب ہے، ان ہی کے ذریعہ سے بار بار تنبیہیں ہو چکی تھیں۔

۵۲۵ (لیکن حق پھر بھی غالب رہا، اور ان کی ساری چالیں خود ان ہی پر الٹ گئیں۔)

وقد مکروا مکرھم۔ دین حق کو مٹا دینے کے لئے وہ کیسی کیسی زبردست چالیں چلتے رہے۔

وعند اللہ مکرھم۔ اللہ سے یہ چالیں کچھ مخفی تو رہ نہیں سکتی تھیں، سب اس کے علم میں تھیں۔

لتزول منہ الجبال: "پہاڑوں کے ٹل جانے" کا استعارہ عربی اسلوبِ بیان میں کسی شے کی انتہائی قوت کے اظہار کے لئے آتا ہے۔

ولیس المقصود من ھذا الکلام الاخبار عن وقوعہ بل التعظیم والتھویل (کبیر) ای وان کان مکرھم فی غایۃ الشدۃ المتانۃ وعبر عن ذلک یکون معدی لازالۃ الجبال عن مقارھا لکونہ مثلا فی ذلک (روح) والذی یظھران زوال الجبال مجاز ضرب مثلا لمکر قریش اعظمہ والجبال لا تزول وھذا من باب الغلو والایغال والمبالغۃ فی ذم مکرھم۔ (بحر)

لیکن بجائے استعارہ کے اگر اسے لفظی ہی معنی میں لیا جائے جب بھی اب تو اس میں کوئی امر محال رہا نہیں پہاڑوں کے توڑنے اور اڑا دینے کی تدبیریں آخر "جدید و مہذب" انسان نے نکال ہی لی ہیں۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ

(اور یہ اس روز ہوگا) جس روز زمین بدل کر دوسری زمین کردی جائے گی اور آسمان بھی ۷۷ اور (سب) اللہ واحد

الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾

(اور) غالب کے روبرو پیش ہونگے ۷۹ اور اس روز تو مجرموں کو ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھے گا ۸۰

۷۵ (اس تاخیرِ عذاب سے شبہ میں پڑکر۔ اے مخاطب!)

کسی وقتی حکمت و مصلحت سے عذاب کے ٹل جانے پر مطمئن و بے فکر ہوجانا انتہائی جہل و نادانی ہے۔

۷۶ اس کی قوت بھی کامل، جزا و سزا پر قدرت بھی اسے پوری حاصل، پھر وعدہ خلافی کی اس کے ہاں گنجائش وامکان ہی کیا!

۷۷ یعنی قیامت کے دن، جب یہ آسمان و زمین سب بدلے ہوئے ہوں گے، اور جس آسمان و زمین سے ہم واقف ہیں، ان کے بجائے دوسرے ہی موجود ہوں گے۔

وھی ھذہ علی غیر الصفۃ المالوفۃ المعروفۃ کما جاء فی الصحیحین (ابن کثیر)

مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ یہ تبدیلی ذات وصفات دونوں کے لحاظ سے صحیح ہوسکتی ہے، اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض تبدیلیوں کے وقت اہلِ محشر زمین پر نہ ہوں گے، بلکہ پل صراط پر ہوں گے۔

والتبدیل قد یکون فی الذات وقد یکون فی الصفات والآیۃ الکریمۃ لیست بنص فی احد الوجہین (روح)

۷۹ یعنی اسی خدائے قدوس کے حضور میں جو سب سے برتر، سب پر غالب ہے، کوئی اس پر حاکم و متصرف نہیں، اور وہ عدد، ذات وصفات ہر لحاظ سے واحد لاشریک لہٗ ہے۔

توحید خالص کی اس پُر جلال و پاکیزہ تعلیم کی پوری قدر اس وقت ہوگی جب اس کے مقابل انجیل کا یہ بیان پیش نظر رکھا جائے۔

"جب ابن آدم اپنے جلال میں آئیگا اور سب فرشتے اس کے ساتھ آئیں گے تو اس وقت وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا، اور سب قومیں اس کے سامنے جمع کی جائیں گی، اور وہ ایک کو دوسرے سے جدا کرے گا۔" (متی۔ ۲۵: ۳۱، ۳۲)

یہ حال جب "اہلِ کتاب" مدعیانِ توحید کی کتاب کا ہے، تو مشرک مذہبوں کا تو ذکر ہی نہیں۔

الواحد۔ صفات میں یکتائی کے ساتھ قرآن مجید توحید عددی کی بھی برابر تصریح کرتا گیا ہے۔

القھار۔ وہی جو سب پر غالب ہے، اور جس کے سب ہی تابع اور محکوم ہیں۔

ای الذی قھر کل شیء وغلبہ ودانت لہ الرقاب وخضعت لہ الالباب (ابن کثیر)

الذی یفعل ما یشاء ویحکم ما یرید۔ (معالم)

قہار۔ اردو میں ہر غضبناک شخص کے لیے آتا ہے، عربی اور قرآن میں، القہار کا مفہوم اس سے بالکل الگ ہے۔

۸۰ (اے مخاطب!)

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ

ان کے کرتے قطران کے ہوں گے۔ اور آگ ان کے چہروں پر چھائی ہوئی ہو گی ۸۱ھ تاکہ اللہ ہر (جہنمی)

اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾

شخص کو اس کے کرتوت کا بدلہ دے۔ بے شک اللہ حساب بڑی جلدی کر لینے والا ہے ۸۲ھ

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

یہ (قرآن) لوگوں کے لئے ایک پیام ہے، تاکہ اس کے ذریعہ سے ڈرائے جائیں اور تاکہ یقین کر لیں کہ

وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾ ع

وہی ایک خدا ہے، تاکہ اہلِ فہم نصیحت حاصل کریں ۸۳ھ

المجرمین۔ یعنی کفار و منکرین کو۔

مقرنین۔ یعنی ایک جرم کے مجرمین ایک ساتھ جکڑے ہوئے ہوں گے، کفر و انکار کی ہر نوعیت کے مجرمین کی ٹولی الگ الگ ہو گی۔

ضم کل لمشارکہ فی کفرہ وعملہ (روح) والمراد ان تلک النفوس الشقیۃ والارواح المکدرۃ الظلمانیۃ لکونہا متجانسۃ متشاکلۃ ینضم بعضہا الی بعض وتنادی ظلمۃ کل واحدۃ منہا الی الاخری۔ (کبیر)

۸۱ھ قطران۔ کا ترجمہ قدیم مترجم حضرات نے گندھک سے کیا ہے، لیکن المنجد (عربی) کا جو اردو ترجمہ ہے، اس میں "تارکول" لکھا ہے، اور بعض اور لغتوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

بہرحال دوزخیوں کے جسم پر لباس ایسا ہو گا، جو آگ کو خوب اور زیادہ تیزی کے ساتھ قبول کرلے۔

۸۲ھ (تو اس کے لئے لاانتہا مجرموں کا فیصلہ آناً فاناً کر ڈالنا کیا مشکل ہے۔

لیجزی۔ میں ل تعلیل کا ہے، یعنی یہ سب کچھ اس غرض سے ہو گا کہ ہر مجرم اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ جائے۔

۸۳ھ اولوا الالباب۔ صاحبانِ غور و فکر، صاحبانِ فہم سلیم،

ھذا بلغ للناس۔ یہ قرآن لوگوں کے لئے ایک پیام ہے کہ وہ پیام اور پیامبر دونوں کی تصدیق کرے۔

بلغٌ میں تنوین تعظیم کی ہے، یعنی یہ پیامِ معظم، لوگوں کی تذکیر و ہدایت کے لئے بالکل کافی۔

کنایۃ فی التذکیر والموعظۃ۔ (کشاف)

ولینذروا بہ۔ یعنی تاکہ اس قرآن اور ابلاغِ عام کے ذریعہ اور واسطہ سے وہ عذابِ الٰہی

سے ڈرائے جائیں۔

ای هذا البلاغ ۔ (کشاف)

للناس ۔ میں ناس کا عموم لائق لحاظ ہے، یعنی یہ پیام ہدایت ساری نوعِ انسانی کے لئے ہے، کسی مخصوص قوم یا ملک کے لئے نہیں۔

الٰہٌ واحد۔ قرآن نے اس پر بھی بار بار زور دیا ہے کہ ذات حق عدداً بھی ایک ہی ہے، دو یا اور زائد نہیں۔

ولیذکر اولوا الالباب۔ آیت سے ادھر بھی اشارہ ہوگیا کہ انسان کو درجۂ شرف وفضیلت جو کچھ بھی حاصل ہے، وہ عقل اور اس کے صحیح استعمال ہی سے ہے۔

هذه الآية دالة على انه لا فضيلة للانسان ولا منقبة له الا بسبب عقله لانه تعالیٰ بيّن انما انزل هذه الكتب وانما بعث الرسل لتذكير اولی الالباب۔

(کبیر)
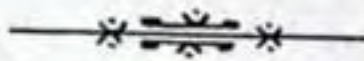
(۱۵)

سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ

اٰیَاتُهَا ۹۹ — ۹۹ آیتیں

رُکُوْعَاتُهَا ۶ — ۶ رکوع

سورۃ الحجر مکی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان اور بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

الف، لام، را، یہ کتاب (کامل) کی اور قرآن واضح کی آیتیں ہیں لے

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ②

کافر بار بار تمنا کریں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے ؎۲

لے دونوں صفتیں ایک ہی موصوف کی بیان ہوئی ہیں، یعنی وہ کتاب کامل بھی ہے اور قرآنِ واضح بھی
قرآن۔ میں تنوین تعظیم کی ہے۔

ونکرہ للتفخیم (بیضاوی) والتنکیر للتفخیم (مدارک) وتنکیر القرآن للتفخیم (کشاف)
الٓرٰ۔ انا اللہ اری۔ کا مخفف سمجھا گیا ہے۔

حروف مقطعات پر حاشیہ شروع سورۂ بقرہ میں گزر چکا اور پر سورۂ یوسف کے شروع میں اور المر
پر سورۃ الرعد کے شروع میں۔

؎۲ (اور یوں شدید ترین اور ناقابلِ برداشت عذابوں سے محفوظ رہتے)
یہ کلماتِ حسرت و تأسف کافروں کی زبان پر آخرت میں جاری ہوں گے، جب اپنا حشر اُن پر
منکشف ہو چکے گا، اور طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہونے لگیں گے۔

ربما یعنی بار بار، دل سیاق الکلام علی الکثرۃ (بحر) رُبَّ تنہا فعل پر نہیں آتا ما کے ساتھ مل کر
آتا ہے۔

لاتدخل علی الفعل اذا الحقها ما۔ للدخول علی الفعل (قرطبی)

یہ کلماتِ حسرت کی تکرار اس لئے کہ جب کبھی کوئی نئی شدت واقع ہوگی، اور معلوم ہو گیا کہ اس کی
علت کفر ہی ہے، تو یہ حسرت تازہ ہو جائے گی۔ (تھانویؒ)

الذین کفروا۔ اس میں ہر نوع کے کافر شامل ہیں، جن میں قدرِ مشترک صفتِ کفر ہے۔

ذَرۡهُمۡ یَاۡكُلُوۡا وَ یَتَمَتَّعُوۡا وَ یُلۡهِهِمُ الۡاَمَلُ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳﴾

آپ انھیں (ان کے حال پر) چھوڑے رہئے یہ کھالیں اور مزے اڑالیں اور خیالی منصوبے انھیں غفلت میں ڈالے رہے عنقریب انھیں معلوم ہوا جاتا ہے ۳ے

لو کانوا مسلمین ۔ آیت میں صرف مسلمین ہے، متقین خاشعین وغیرہ نہیں، مومنین بھی نہیں، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت انس، حضرت موسیٰ اشعری اور حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہم وغیرہ متعدد صحابیوں سے متعدد تابعین کے واسطہ سے روایتیں اس مضمون کی ملتی ہیں کہ جہنم میں کافروں کے ساتھ گنہگار مسلمان بھی ملے جلے ہوئے ہوں گے، اس پر کافران سے طنز سے کہیں گے کہ تمہارا کلمۂ شہادت تمہارے کچھ بھی کام نہ آیا، معاً اس سے غیرتِ الٰہی حرکت میں آئے گی اور کل اہلِ قبلہ آگ سے آزاد کر کے جنت میں پہونچا دیئے جائیں گے، اس وقت کافروں کی زبان پر یہ پُرحسرت کلمات آئیں گے۔

(ابن جریر، ابن کثیر، معالم، کبیر وغیرہ)

مفسرین کی اکثریت نے اسی پہلو کو اختیار کیا ہے۔

وعلی ھذا القول أکثر المفسرین (کبیر) روی ذلك من کثیرین السلف الصالح۔ (روح)

آیت سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مراتبِ طاعت و تقویٰ تو خیر بڑی چیزیں ہیں، مجرد اسلام اور اقرارِ شہادت بھی کوئی حقیر اور ناقابلِ التفات نعمت نہیں، جیسا کہ اہلِ سنت سے باہر بعض اہلِ غلو نے سمجھ رکھا ہے۔

۳ے یعنی عنقریب ہی انھیں کافرانہ زندگی کے انجام کا مشاہدہ اور ذاتی تجربہ ہوا چاہتا ہے۔

سوف ۔ یعنی مرنے کے ساتھ ہی۔

ذرھم ۔ یعنی ان کے کفر پر زیادہ غم و حزن نہ کیجئے، یہ مطلب نہیں کہ ان پر تبلیغ ترک کر دیجئے۔

یاکلوا و یتمتعوا و یلھھم الامل ۔ کھانے پینے کی لذتوں میں پڑے رہنا فوری اور وقتی مقصدوں کی الٹ پھیر میں لگے رہنا، فرصتِ عمر کو دور دور کی خیالی آرزوؤں اور منصوبوں میں گزارتے رہنا یہ سب خصوصیات آخرت سے غافل اور خدا فراموش قوموں کے ہیں، اور جس طرح گزشتہ مشرک اور جاہلی قوموں کے حق میں صادق تھے آج بھی فرنگستان کی "مہذب" و "روشن خیال" قوموں پر کیسے صادق آرہے ہیں؟ —— ہماری شریعت دنیوی لذت کے حصول سے ہرگز نہیں روکتی، مادی نعمتیں تو ہیں ہی انسان کے استعمال کے لئے، چنانچہ قرآن تو اس کے استعمال کی اور ترغیب دیتا رہتا ہے، لیکن ساتھ ہی ان میں منہمک ہو جانے، انھیں مقصودِ زندگی سمجھ کر ان میں پڑ جانے، حدود و قیود کو بھلا دینے کا بھی ہرگز روادار نہیں، اور ان چیزوں کو اس نے منکروں اور کافروں کی خصوصیات ٹھہرایا ہے۔

یتمتعوا ۔ تمتع سے مراد ان ہی مشغلوں میں انہماک ہے، جن کا نفع تمام تر عاجل و فوری ہے، محض اکل و تمتع میں پڑے رہنا انسانی زندگی کو حیوانیت کی سطح پر اتار لاتا ہے۔

یلھھم الامل ۔ سے صاف اشارہ اس طرف ہو گیا کہ طولِ امل میں پڑے رہنا ہرگز مومن کے

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴﴾

اور ہم نے جو بھی بستی ہلاک کی ہے اس کے لئے ایک معین وقت کا نوشتہ تھا

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۵﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا

کوئی قوم اپنی میعاد مقرر سے نہ آگے نکل سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے ؎۴ اور (کفار مکہ) کہتے ہیں

الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۶﴾ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا

اے وہ شخص جس پر (بقول اس کے) نصیحت نامہ اترا ہے تو تو مجنون ہے ؎۵ ہمارے پاس فرشتوں کو

بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷﴾

لے آنا، اگر تو (اپنے دعوی میں) سچا ہے ؎۶

شایان شان نہیں، ملک گیری ابوبکرؓ، عمرؓ نے بھی کی، دشمنوں سے جدال و قتال انھوں نے بھی کیا، اور دنیادار بادشاہ بھی ہمارے زمانہ تک کرتے چلے آئے ہیں، دونوں کے کیا نقطۂ نظر، کیا طریق کار؟ دونوں میں جو فرق رہا، وہ آسمان و زمین کے فرق سے کم نہیں۔

؎۴ (چنانچہ ان کافروں پر بھی فی الفور جو گرفت نہیں ہوتی، اس کی یہی وجہ ہے کہ ابھی ان کا وقت موعود نہیں آیا ہے۔)

اس مالک الملک کے انتظام حکومت کا ایک ایک جزئیہ بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں کا پابند ہے، چھوٹا بڑا ہر تکوینی واقعہ اپنے وقت مناسب پر ہی ہو کر رہتا ہے، دنیوی حاکموں یا دشاہوں کی طرح وقتی جوش عضب و فوری اشتعال کا یہاں گزر نہیں۔

الا ولھا کتاب معلوم۔ یعنی کوئی قوم ایسی نہیں جس کے لئے تقدیر الٰہی میں اس کی میعاد معین درج نہ ہو۔

؎۵ (جو پیغمبری اور وحی کے دعوی کرتا ہے۔)

الذکر۔ ذکر کے لفظی معنی تو نصیحت کے ہیں، مگر الذکر اصطلاح قرآن میں قرآن ہی کا ایک نام مقرر ہو چکا ہے۔ ای القرآن۔ (معالم)

یاایھا...... لمجنون قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہتے تھے کہ اے شخص تو جو وحی قرآنی کا مدعی ہے، تیرا خود یہ دعوی ہی اس کی دلیل ہے کہ تو مجنون ہے۔

ای الذی تدعی ذلک (ابن کثیر) یعنون یا من یدعی مثل ھذا الامر العظیم الخارق للعادۃ انک بسبب تلک الدعوی تحقق جنونک علی أتم وجہ (روح)

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ﴿۸﴾

ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے مگر (فیصلہ) حق کے لئے اور اس وقت ان کو مہلت بھی نہ دی جاتی ۵ے

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾

(اس) نصیحت نامہ کو ہم نے، ہاں ہم ہی نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں ۵ے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہنیت سے متعلق جو تشخیص مہذب و متمدن فرنگستان کی ہے وہ جاہلی عرب کی اس تشخیص سے بہت زیادہ مختلف نہیں۔

۶ے ان منکرین نے فرط عناد سے بیچ وہ ہو کر قرآن کے اصل دعوی اور دلیل یعنی اس کے مضامین کی صداقت، اس کی تعلیمات کے معجز ہونے پر غور ہی نہیں کیا، بلکہ لغو مطالبہ پیش کر دیا، کہ سچے پیغمبر ہو تو بہ طور خارق عادت فرشتوں کو اپنے ساتھ لاکر ہمیں دکھا دو۔

۷ے (بلکہ یہ معاً ہلاک کر دیئے جاتے۔)

مطلب یہ ہوا کہ جس طریقہ پر یہ کافر فرمائش کر رہے ہیں، اس طرح فرمائشی نزول تو فرشتوں کا ہوتا ہی نہیں، فرشتے تو نافرمان قوموں پر اتمام حجت کے بعد عذاب ہی لے کر ان کی ہلاکت کے لئے بھیجے جاتے ہیں، اور ان پر اگر فرشتے نازل ہوتے تو یہ لوگ تو معاً ہلاک ہی کر دیئے جاتے۔

لوما حالت خبر میں لولا کے مترادف ہوتا ہے۔ قال الکسائی لوما ولولا سواء فی الخبر والاستفہام (قرطبی) لوما بمنزلۃ لولا۔ (مغنی)

الا بالحق۔ یعنی کسی حکیمانہ مقصود کے ساتھ، اور وہ مقصود آخر کار ان نافرمانوں کے حق میں عذاب ہی کا ہوتا ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں ان لوگوں پر رد ہے، جو ایسے شخص سے خوارق کے طالب رہتے ہیں جس کی حقانیت پر دلائل صحیح قائم ہو چکے ہیں۔

۸ے (کہ نہ آج مخالفین کے ہجوم شدید سے مٹنے دیں گے نہ قیامت تک اس کے کسی لفظ، کسی حرف کو کم ہونے دیں گے۔)

ثبوت و دلیل کا مرتبہ تو بعد کا ہے، مجرد یہ دعوی کہ یہ لفظ بہ لفظ کلام الٰہی ہے آج روئے زمین میں کسی بھی دوسری کتاب کا نہیں، یہاں تک کہ توریت اور انجیل کا بھی نہیں، قرآن اس دعوے میں بالکل منفرد ہے —— دوسری کتابوں سے متعلق دعوی زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ان کے اندر معز وروح خدائی تعلیم کی آگئی ہے، باقی وہ مرتب کی ہوئی تمام تر غیر معصوم انسانوں کی ہیں، اور ان کی عبارتیں صرف خاصانِ خدا کی لکھی ہوئی ہیں، قرآن مجید کی جامعیت، اکملیت، ابلغیت وغیرہ سے قطع نظر اس کی محفوظیت کامل اور پیہم شروع ہی سے دھڑلے سے اس کا اعلان بجائے خود ایک معجزہ و دلیل اس کے

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِىْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ⑩ وَمَا يَاْتِيْهِمْ

اور بے شک ہم آپ کے قبل بھی (پیمبر) بھیج چکے ہیں اگلوں کے گروہوں میں ف۹ اور کوئی رسول ان کے

مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑪ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِىْ قُلُوْبِ

پاس ایسا نہیں آیا کہ اس کے ساتھ انھوں نے تمسخر نہ کیا ہو اسی طرح یہ (استہزاء) ہم (ان) مجرموں

الْمُجْرِمِيْنَ ⑫ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ⑬

کے دلوں میں ڈالے دیتے ہیں (چنانچہ) یہ اس (قرآن) پر ایمان نہیں لاتے (یہ) دستور پہلوں ہی سے چلا آتا ہے ف۱۰

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ⑭

اگر ہم ان کے لئے کوئی دروازہ آسمان میں کھول دیں پھر یہ دن کے وقت اس میں سے چڑھ جائیں ف۱۱

کلام الہٰی ہونے کی ہے، دنیا کے کتب خانے کسی دوسری کتاب کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں، جو ساڑھے تیرہ سو سال سے اپنے الفاظ، حروف نقوش سب کے لحاظ سے جوں کی توں چلی آرہی ہو، میور، پامر، آرنلڈ وغیرہ مشاہیر فرنگ کی رایوں کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی، حفاظ وغیرہ انسانی مدد سے قرآن کا محفوظ رہ جانا، یہ وعدۂ حفاظت الہٰی کے منافی نہیں، عین اسی کی تعمیل کا ذریعہ ہے۔

انا نحن نزلنا. زور او رتاکید کے موقع پر متکلم کی تین تین ضمیریں اکٹھی لے آنا عربی اسلوب بلاغت کے عین مطابق ہے، اردو میں اس کے ترجمہ کی وہی صورت خیال میں آئی جو یہاں اختیار کی گئی۔

ف۹ (اور ان کی بھی برابر تکذیب ہی ہوتی رہی، سو آپ کی تکذیب پیمبروں کی تاریخ میں کوئی نئی بات نہیں)

ف۱۰ ایک مخلص و ہواخواہ قوم مصلح جب اپنی شدید مخالفت و مزاحمت اسی قوم کی طرف سے دیکھتا ہے جس کی ہواخواہی میں وہ گھلا جاتا ہے، تو طبعاً وہ دنگ اور حیران رہ جاتا ہے، چہ جائیکہ وہ مصلحِ اعظم جو دنیا کے سارے مصلحوں سے بڑھ کر مخلص اور پیکر اخلاص و شفقت ہوا ہے — آپؐ کے دل پر اس وقت کیا کچھ گزر رہی ہوگی! قرآن مجید اسی لئے بار بار آپؐ کی تسکین و تشفی کے لئے تاریخی نظیروں پر توجہ دلاتا ہے۔

نسلکه. میں ضمیرہ انکار و استہزاء کی طرف ہے ای العنادوالکفر والاستهزاء والشرک (قرطبی)

نسلکه فی قلوب المجرمین. أن یلقیه فی قلوبهم مکذّبا مستهزأ به (کشاف) یہ مجرموں کے دل میں استہزاء کا القاء بالکل اسی طرح کا ہے جیسے ہر معصیت، ہر فسق، ہر کفر کا القاء نظام تکوینی میں مسبب الاسباب ہی کی طرف سے ہوتا رہتا ہے، نعوذ باللہ یہ مراد نہیں، کہ یہ استہزاء کسی درجہ میں بھی مطلوب و مقصودِ خداوندی ہے۔

ف۱۱ (آسمان پر)

لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾

تب بھی یہی کہیں کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی بلکہ ہم لوگوں پر تو (بالکل) جادو ہی کر دیا گیا ہے ۱۲

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنٰهَا

اور بالیقین ہم نے آسمان میں بڑے ستارے بنائے اور اسے دیکھنے والوں کے لئے ان سے آراستہ کر دیا ۱۳ اور ہم نے

مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾

اسے ہر شیطان مردود سے محفوظ کر دیا ۱۴

ظلوا۔ کے معنی ہیں کہ کسی فعل کو روز روشن میں کیا، یعنی یہ خارق عادت عمل میں آئے اور ہوش وبیداری کے عالم میں، پوری روشنی میں عمل میں آئے، نیند کی بیہوشی اور تاریکی وغیرہ سے شبہا کی گنجائش نہ رہے

لا تقول العرب ظل يظل الا لكل عمل عمل بالنهار (کبیر) يعبر به عما يفعل بالنهار۔ (راغب)

مطلب یہ ہوا کہ یہ کافر معاند اگر اپنے فرمائشی معجزہ یعنی کافروں کے نزولِ زمینی سے کہیں بڑھے ہوئے خارق عادت یعنی اسرار و عجائبِ آسمانی کو بہ چشم خود جا کر دیکھ لیں۔

لو فتحنا الخ۔ یہ سب باتیں بطور فرض کے کہی گئی ہیں، اور اس وقت کے عام انسانی خیالات اور علمی تحقیقات کے مطابق کہی گئی ہیں، اس سے اس پر استدلال کرنا کہ آسمان واقعۃً بھی کوئی ٹھوس مادی جسم ہے، جس کے دروازہ کھل سکتے ہیں، درست نہیں۔

۱۲ تو غرض یہ کہ ایک اسی فرمائشی معجزہ یعنی ملائکہ کے نزول آسمانی پر کیا موقوف ہے کوئی سا بھی خارق عادت اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر بھی انھیں دکھایا جائے تو ان معاندوں کی زبانیں خاموش نہیں ہو سکتیں، یہ اس میں بھی کوئی نہ کوئی بات اعتراض و انکار کی اپنی کٹ حجتی سے پیدا کر لیں گے۔

۱۳ (کہ ان ستاروں کے باعث آسمان دیکھنے والوں کو خوشنما نظر آتا ہے)

آیت میں اس کی تعلیم بھی مل گئی کہ یہ بڑے بڑے روشن اور چمکدار ستارے نہ کوئی دیوی دیوتا ہیں، نہ خود آفریدہ ہیں، بلکہ تمام تر اللہ ہی کی مخلوق ہیں، اور ان کے وجود سے آسمان کا دیکھنے والوں کی نظر میں خوشنما ہو جانا تو ایک مشاہدِ حقیقت ہے۔

بروجًا۔ بروج سے مراد مطلق ستارے ہیں، اہلِ تنجیم اور جوتش والوں کے اصطلاحی "بروج" سے قرآن مجید کو کوئی واسطہ نہیں۔

۱۴ (ان ستاروں کے ذریعہ سے کہ وہ شیاطین کی رسائی وہاں تک نہیں ہوتے دیتے۔)

اور یہ جس طرح سے بھی ہوتا ہو، اس کے جاننے کا انسان نہ مکلف ہے، نہ اس کے جاننے پر اس کا کوئی نفع موقوف نہ اس کے نہ جاننے سے اسے کسی ضرر کا اندیشہ۔

إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ ﴿١٨﴾ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا

ہاں مگر کوئی بات چوری چھپے سن بھاگے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ ہو لیتا ہے ۱۵ اور ہم نے زمین کو

وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ ﴿١٩﴾

پھیلا دیا اور اس میں بھاری پہاڑ ڈال دیئے اور اس میں ہر قسم کی چیز ایک معین مقدار سے اگائی ۱۶

۱۵ (اور اس کے اثر سے وہ شیطان ہلاک یا بدحواس ہو جاتا ہے۔)

لوگوں نے عام طور پر شہاب مبین یا شہاب ثاقب (سورۃ الصافات) سے مراد ان ٹوٹے ہوئے تاروں کو لیا ہے، جو شب میں (خصوصاً موسم برسات میں) فضا میں تیزی سے گزرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، حالانکہ قرآن مجید جس عالم کا ذکر کر رہا ہے، وہ ہماری حس ہی کے دائرہ سے بالکل باہر ہے، نہ ہم شیطانوں کو آسمان پر جاتے ہوئے دیکھتے ہیں، نہ فرشتوں کی مار ان پر پڑتے ہوئے دیکھتے ہیں، اور نہ فرشتوں کے ڈر سے انھیں بھاگتے ہوئے یہ سب چیزیں ہمارے لئے نادیدہ ہیں، اور غیب کے حکم میں داخل۔

اہلِ سائنس کی تحقیق ہے کہ فضا میں بڑے بڑے وزنی پتھر چکر کھایا کرتے ہیں، اور وہ ہوا سے رگڑ کھا کر روشن ہو جاتے ہیں، اور کبھی زمین پر ٹوٹ کر گر پڑتے ہیں، انھیں قرآنی شہاب مبین و شہاب ثاقب سے اصلاً تعلق نہیں ٹوٹے ہوئے تارے جنھیں انگریزی میں (FLOATING STAR) کہتے ہیں، اور اہلِ سائنس کی اصطلاح میں (METAR) وہ بڑے سنگریزے ہوتے ہیں جو فضائے آسمان میں گھومتے رہتے ہیں، اور جب فضائے زمین میں آ جاتے ہیں تو التہاب سے چمکنے لگتے ہیں، صرف عوامی زبان میں انھیں ”تارے“ کہا جاتا ہے، ورنہ حقیقۃً زمینی تارے کوئی اور چیز نہیں، اور نہ کوئی اہلِ فن انھیں تاروں میں شمار کر سکتا ہے، ان کو قرآن کے شہاب کا ترجمہ سمجھنا تمام تر ایک عامیانہ جہالت ہے، قرآن کے شہابوں کا تعلق تمام تر فرشتوں اور شیطان سے ہے، جو سر تا سر غیبی چیزیں ہیں

۱۶ زمین کا بنانا، پھیلانا، اس پر پہاڑوں کا قائم کرنا، زمین سے یہ نباتات ایک مقدار معین کے مطابق اگانا، یہ سب کام اسی خدائے واحد قادر و حکیم کے ہیں، نہ یہ چیزیں خود بخود ہو گئی ہیں، نہ یہ عمل کسی دیوی دیوتا نے کیا ہے۔

وَالْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِي۔ یہ پہاڑ اس لئے قائم کر دیئے گئے ہیں کہ زمین ڈانواڈول نہ ہونے پائے، جیسا کہ ایک دوسری جگہ ہے رواسی ان تمید بکم گویا پہاڑ، حکمتِ تکوینی میں زمین کا لنگر سنبھالے رہنے کے لئے، اس کا توازن درست رکھنے کے لئے، قرآن صرف اسی قدر کہتا ہے، اس کے آگے زمین کی گردشِ سالانہ، اس کی حرکتِ محوری وغیرہ دوسرے مسائل سے قرآن مجید کو نفیاً و اثباتاً کوئی تعلق نہیں۔

انبتنا فیھا من کل شیء۔ لفظ انبات سے اشارہ جنس نباتات کی طرف ہونا بالکل ظاہر ہے، اور فیھا میں ھا کا مرجع الارض ہے بعض نے ھا کا مرجع رواسی کو مانا ہے، اور کل شیء سے مراد ان چیزوں کو لیا ہے جو پہاڑوں یا کانوں سے نکلتی ہیں، سارے معدنیات ان میں آ گئے۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ﴿۲۰﴾

اور ہم نے اس میں معاش کے سامان تمہارے لئے بھی بنائے اور ان کے لئے (بھی) جنھیں تم روزی نہیں دینے ۱۷

وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ

اور جو چیز بھی ہے ہمارے پاس اس کے (خزانے کے) خزانے ہیں اور ہم اسے ایک مقدار معین ہی سے

مَعْلُومٍ ﴿۲۱﴾ وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

اتارتے رہتے ہیں ۱۸ اور ہم ہی پانی سے لدی ہوئی ہواؤں کو بھیجتے ہیں، پھر ہم ہی آسمان سے پانی برساتے ہیں

فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ﴿۲۲﴾

پھر وہی (پانی) ہم تم کو پلاتے ہیں اور تم اس کے جمع کر لینے والے نہ تھے ۱۹

کل شئ موزون۔ یعنی ہر چیز مناسب مقدار میں، ایک حساب و ضابطہ کے تحت، نپی ہوئی اور تلی ہوئی ——— بلا حساب نہیں۔

(ای مقدر معلوم قالہ ابن عباس و سعد بن جبیر (قرطبی) ای موزون قالہ مجاھد (قرطبی)

۱۷ یعنی زمین کے ذریعہ سے انسان کے علاوہ ان مخلوقات کو بھی سامانِ زیست بہم پہونچا دیا گیا جو ظاہر میں بھی انسان کے واسطہ سے پرورش نہیں پاتیں ——— یہ سب قانونِ ربوبیت کی ہمہ گیری کا بیان ہو رہا ہے، فیہا میں ھا کا مرجع الارض ہے، یعنی سارا سامان زندگی آخر میں جا کر زمین سے نکلتا ہے معایش کے تحت میں ماکولات، مشروبات، ملبوسات سب آگئے، عیش نام ہے حیاتِ حیوانی کا۔

العیش الحیاۃ المختصۃ بالحیوانیۃ۔ (راغب)

۱۸ (حسبِ حکمت و مصلحت)

الا عندنا خزائنہ۔ اللہ کے ہاں کمی کس چیز کی ہو سکتی ہے؟ البتہ ہر چیز کا ظہور دنیا میں اپنی کیفیت و کمیت کے لحاظ سے بس قانون حکمت کے ماتحت ہی ہوتا رہتا ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ إن من شئ الا عندنا خزائنہ سے اشارہ مخلوق کی طرف سے ترکِ التفات کا ہو گیا۔

۱۹ یعنی تم ایسے تو بنائے نہیں گئے ہو کہ پانی کے ذخیروں کو محفوظ کر کے ہمیشہ کے لئے بارش سے مستغنی ہو جاؤ، نہ تمھیں یہ قدرت کہ جب اور جہاں چاہو آسمان سے پانی برسا لو، نہ یہ اختیار کہ اگر کنوؤں اور چشموں کا پانی خشک کر دیا جائے تو تم اپنے زور بازو سے نکال لو، غرض یہ کہ بارش کے سلسلہ کے چھوٹے بڑے جتنے بھی افعال تکوینی ہیں، سب کے سب ربوبیتِ کاملہ ہی کے مظہر ہیں، اور ان میں سے

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ

اور ہم ہی، ہاں ہم زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں اور ہم ہی وارث رہیں گے ۲۰

عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ ﴿۲۴﴾

اور بالیقین ہم تم میں سے اگلوں کو بھی خوب جانتے ہیں اور بالیقین ہم پچھلوں کو خوب جانتے ہیں ۲۱

وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ یَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۵﴾

اور بے شک آپ کا پروردگار ہی تو انہیں (سب کو) جمع کرے گا بے شک وہ حکمت والا ہے علم والا ہے ۲۲

ع ۲

کوئی بھی چیز انسان کے بس اور اختیار میں نہیں۔

ارسلنا۔ انزلنا۔ اسقینا۔ سب میں اشارہ یہ ہے کہ یہ ہوا، بارش وغیرہ کے جتنے بھی کاروبار ہیں، سب ہماری اور محض ہماری ذات سے قائم ہیں، کسی دیوی دیوتا کے دخل کا شائبہ بھی نہیں، یہ حقیقت بھی سامنے آگئی کہ جس پانی کا عظیم الشان ذخیرہ انسانی زندگی کے لئے ناگزیر ہے، انسان کے بس میں نہیں کہ کہیں اسے از خود جمع کرلے، یہ تو صانعِ حقیقی ہی کی کاریگری ہے۔

۲۰ (سب کے فنا ہو جانے کے بعد)

یہ نہیں کہ مخلوقات کی فنا کے ساتھ ہم بھی فنا ہو جائیں گے، بلکہ اور سب فنا ہو جائیں گے، اور صرف ہماری ذات بابرکات باقی رہ جائے گی۔

انا.... نمیت۔ یہاں بہ تاکید کے ساتھ تصریح کی ہے کہ ہوا، بارش وغیرہ کے انتظامات کے علاوہ زندگی اور موت بھی تمام تر ہمارے ہی ہاتھ میں ہے، نہ کوئی وشنو جی ہیں، زندگی بخشنے والے اور قائم رکھنے والے اور نہ کوئی شیو جی ہیں، ہلاک کرنے والے اور عمل فنا طاری کرنے والے۔

انا۔ نحن۔ نحی۔ عربی میں زور تاکید کے لئے جو یہ تین تین صیغے جمع متکلم کے اکٹھے آگئے ہیں اردو میں ان کے ظاہر کرنے کا وہی طریقہ ہے جو یہاں اختیار کیا گیا۔

۲۱ یعنی ہمارے علمِ کامل و محیط میں کسی غلطی، نقص اور خطا کا امکان ہی نہیں، نہ ماضی میں نہ مستقبل میں۔ پہلے صفت قدرتِ کاملہ کا اثبات ہو چکا، اب صفت علمِ کامل کا اثبات ہو رہا ہے، مشرک اور جاہلی قوموں کو صفات باری میں ٹھوکریں سب سے زیادہ ان ہی دو صفات کے باب میں لگی ہیں۔

المستقدمین۔ سے مراد وہ نسلیں ہیں جو گزر چکیں اور المستأخرین سے مراد بعد کو آنے والی نسلیں ہیں۔

ای من مات ومن بقی (ابن جریر عن عکرمہ ومجاہد) ای من استقدم ولادۃً وموتاً ومن تأخر من الاولین والآخرین۔ (کشاف)

بعض نے مستقدمین سے مراد نیکیوں میں سبقت کرنے والے اور مستاخرین سے مراد نیکیوں میں

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾

اور بالیقین ہم نے انسان کو بیس دار گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ۲۳ ؎

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ

اور جن کو ہم اس کے قبل گرم ہوا کی آگ سے پیدا کر چکے تھے ۲۴ ؎ (اور یاد کرو وہ وقت) جب

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾

آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں پیدا کرنے والا ہوں بشر بیس دار گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے ۲۵ ؎

پیچھے رہ جانے والے لئے ہیں۔

من تقدم فی الاسلام وسبق إلی الطاعة ومن تأخر۔ (کشاف)

۲۲ ؎ چنانچہ وہ ہر شخص سے واقفیت بھی پوری اور جزئی و تفصیلی رکھتا ہے، اور سب سے معاملہ بھی بہ تقاضائے حکمت عین ان ہی کے مناسب حال کرے گا۔

ھو یحشرھم۔ یعنی قیامت کے دن سب کا حشر اللہ ہی کرے گا، یہ نہ ہوگا کہ اس دن فیصلہ کسی دیوتا، کسی اوتار، کسی ابن اللہ کے ہاتھ میں آجائے۔

۲۳ ؎ یعنی انسانِ اول کا پتلا اسی خشک مٹی سے بنایا، جو چٹکی مارنے سے کھن کھن آواز دیتی ہے، اور پھر اسی ابو البشر سے ساری نسلِ انسانی نکالی ہے۔

۲۴ ؎ یعنی اسی آگ سے جو اجزائے دخانیہ اور کثیفہ سے خالی تھی، اور اس لئے غایتِ لطافت سے مثل ہوا کے غیر مرئی تھی۔

الجان۔ جنات بھی بالکل انسان ہی جیسے بے بس مخلوق ہیں، کوئی وصف ذرہ بھر بھی ان میں معبودیت کا موجود نہیں، فرق صرف مادہ کا ہے، انسان کی ترکیب مٹی سے ہوئی، اور ان کی آگ یا ہوائی آگ سے ان کی مخلوقیت اور عجز کو دکھانے ہی کے لئے قرآن مجید نے ان کا ذکر تخلیقِ انسانی کے ساتھ ساتھ کیا ہے۔ توریت میں اسی موقع پر زمین پر (خدا کے بیٹوں) کے موجود ہونے کا ذکر ہے، نیز ایک اور مخلوق کا، جس کے لئے انگریزی ترجموں میں لفظ (GIANTS) کا آیا ہے، اردو میں اس کا ترجمہ جبار سے کیا گیا ہے۔ (پیدائش ۶ : ۲ و ۴) شستہ اور بامحاورہ اردو میں انھیں "دیوزاد" ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

دلائل مختلفہ سے جنات کے متعلق یہ امور معلوم ہوتے ہیں، آگ سے پیدا ہونا، توالد و تناسل ہونا، عادۃً انکا نظر نہ آنا، مختلف اشکال میں ان کا متشکل ہونا، مگر جن اشکال میں متشکل ہونے سے کوئی التباس مضرِ دین ہوتا ہو اس پر بہ حکمت الٰہی قادر نہ ہونا، اور جس میں التباس مضر دنیا ہوتا ہو اس پر کم قادر ہونا۔ (تھانوی)

۲۵ ؎ یہ خطاب جب ملائکہ نورانی سے ہوا جو اعلیٰ مخلوق تھے، تو اس کے مخاطب جنات آتشی تو

فَاِذَا سَوَّیۡتُهٗ وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِیۡنَ ﴿۲۹﴾

سو جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے جھکتے ہوئے گر پڑنا ۲۶

فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ اَبٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنَ

چنانچہ سارے کے سارے فرشتے جھک گئے البتہ ابلیس (نہ گیا) اس نے انکار کیا اس سے کہ

مَعَ السّٰجِدِيۡنَ ﴿۳۱﴾

وہ کرنے والوں میں شامل ہو

بدرجۂ اولیٰ ہوئے، جو پست تر مخلوق تھے۔

سورۂ بقرہ آیت ۳۴ کے حاشیے ملاحظہ کرلئے جائیں۔

۲۶ ے (اس کی تعظیم وتکریم کے لئے)

سویتہ۔ میں ضمیر مذکر واحد غائب بشر کے اسی خاکی پتلے کی طرف ہے۔

سٰجدین۔ سجدہ سے یہ فقہی اصطلاحی سجدہ مراد نہیں، یہ اصطلاح تو بعد کو وضع ہوئی، سجدہ کے لفظی معنی مطلق جھکاؤ اور تعظیم واطاعت کے ہیں، اور یہاں اگر ہیئت سجود تھی بھی تو محض سجدۂ تعظیمی۔

سجود تحیة لاسجود عبادة (معالم) هو سجود تحية وتكريم لا سجود عبادة (قرطبی)

یہ معنی بھی نقل ہوئے ہیں کہ سجدہ تو اللہ ہی کے لئے تھا، آدمؑ محض قبلہ کے طور پر تھے۔

قيل المراد بالسجود لله عند آدم، وكان آدم قبلة لهم. (قرطبی)

من روحی۔ اللہ کا روح انسانی کی اضافت اپنی طرف کرنا اس کے اظہار قدر ومنزلت کے لئے ہے۔

إنما أضاف الله سبحانه روح آدم إلى نفسه تشريفا له وتكريما (كبير) أضاف الله إلى نفسه تشريفا وتكريما (قرطبی)

اور اسی نفخِ روح کا شاید نتیجہ ہے کہ روحِ انسانی میں خلافتِ الٰہی کی استعداد پیدا ہوگئی ہے۔

نفخت۔ مفسر تھانوی نے کہا کہ روح انسانی اگر جسم لطیف ہو جیسا کہ عموماً متکلمین کا قول ہے، جب تو نفخ کے حقیقی ہی معنی مراد ہوں گے، یعنی جسم کے جن حصوں میں خلا ہو ان میں ہوا بھرنا، لیکن اسے غیر مادی جوہر مجرد تسلیم کیا جائے تو نفخ سے استعارہ مطلق تعلق کا ہوگا۔

روحی۔ روح سے ہمارے محققین میں سے اکثر نے جسم ہی تسلیم کیا ہے، گو جسم لطیف۔

الروح جسم لطيف (قرطبی) الروح جسم لطيف يحيا به الانسان (معالم)

وجمهور اهل السنة على أنها جسم لطيف يخالف الاجسام بالماهية والصفة متصرف في البدن حال فيه حلول الزيت في الزيتون والنار في الفحم يعبر عنه بأنا وأنت وإلى ذلك ذهب امام الحرمين

قَالَ يٰٓاِبۡلِيۡسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِيۡنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمۡ

(اللہ نے) کہا اے ابلیس تیرے لئے کیا باعث ہے اس کا کہ تو جھکنے والوں میں شامل نہیں ۲۷ے بولا میں وہ

اَكُنۡ لِّاَسۡجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقۡتَهٗ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿۳۳﴾

نہیں کہ بشر کے آگے گروں جسے تو نے بس دار گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے ۲۸ے

لیکن بعض کی تحقیق میں (اور ان ہی میں حجۃ الاسلام امام غزالیؒ بھی ہیں) روح ایک جوہر مجرد ہے جو نہ جسم میں داخل اور نہ اس سے خارج ہے، اور نہ اس کے متصل نہ اس سے منفصل۔

هذا الروح عنده وكذا عند جماعة من المحققين ليس بجسم يحل البدن حلول الماء في الاناء مثلاً ولا هو عرض يحل القلب أو الدماغ حلول السواد في الأسود والعلم في العالم بل هو جوهر مجرد ليس داخل البدن ولا خارجه ولا متصلا به ولا منفصلاً عنه ولهم على ذلك عدة أدلة (روح)

اس حقیر کے نزدیک روح کی ماہیت وحقیقت کے باب میں زیادہ کرید کچھ مناسب نہیں، مسلمان کے لئے صرف اس قدر عقیدہ کافی ہے کہ روح موہبتِ الٰہی یا صفاتِ الٰہی میں سے کوئی خاص چیز ہے، جسے اللہ تعالیٰ براہ راست انسان کی طرف منتقل کر دیتا ہے، اور اس سے انسان انسان بن جاتا ہے اور جونہی وہ اپنے اس عطیہ کو واپس لے لیتا ہے، انسان مردہ یا بے جان ہو جاتا ہے۔

۲۷ے یہ ابلیس جو بعد کو شیطان کے لقب سے مشہور ہو گیا، فرشتہ نوری نہیں (جیسا کہ عوام میں مشہور ہو گیا ہے) بلکہ جن ناری تھا، جیسا کہ سورۃ الکہف میں نص موجود ہے۔ وکان من الجن۔

باقی عام قصۂ آدم وابلیس پر مفصل حاشئے سورۂ بقر رکوع ۴ میں گزر چکے۔

كلهم اجمعون۔ یہ دہری تاکید اس حقیقت کے اظہار کے لئے ہے (جیسا کہ لسان العرب میں مبرد نحوی ولغوی کے حوالہ سے آیا ہے) تعظیم وتکریم کے لئے سب ہی فرشتے بلا استثنا جھکے، اور سب کے سب فوراً ایک ساتھ جھکے، ملاحظہ ہو پارہ ۲۳ سورہ ص اخیر رکوع کے حاشئے۔

سٰجدین۔ پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا۔

سوال سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ابلیس بھی جھکنے کے لئے مامور تھا، ورنہ جواب میں وہ جھٹ کہہ سکتا تھا کہ مجھے حکم ہی جھکنے کا کب ملا تھا۔

۲۸ے یعنی ایسے حقیر وذلیل مادہ سے بنی ہوئی مخلوق کے آگے جھکوں میں نورانی مادۂ آتش سے بنا ہوا ہوں، آتشی کہیں خاکی کے آگے نورانی کہیں ظلمانی کے آگے جھک سکتا ہے؟ گویا مادۂ لطیف مادۂ کثیف سے افضل وبہتر ہر جہت واعتبار سے ہوتا ہے، اور افضل کو غیر افضل کے آگے کبھی اور کسی اعتبار سے بھی جھکنا غلط ہے، ابلیس کی ان باطل آرائیوں کی تردید سورۃ الاعراف کے حواشی میں پوری طرح ہو چکی ہے۔

لاسجد۔ میں لَ تاکید نفی ہے، یعنی ایسا کرنا ہرگز میرے لئے ممکن نہیں۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿۳۴﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ

(اللہ نے) کہا تو نکل اس (آسمان) سے بے شک تو مردود ہو گیا ۲۹ھ اور بے شک تیرے اوپر روز قیامت تک

الدِّينِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَإِنَّكَ

لعنت رہے گی ۳۰ھ بولا اے میرے پروردگار تو پھر مجھے مہلت دے حشر کے دن تک ۳۱ھ (اللہ) نے فرمایا

مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿۳۷﴾ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا

اچھا تو تو مہلت یاب ہے ۳۲ھ وقتِ معلوم کے دن تک بولا اے میرے پروردگار

أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۳۹﴾

چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، میں بھی یقیناً ان کی نظر میں دنیا میں (معاصی کو) خوشنما بنا کر اور ان سب کو بہکا کر کے رہوں گا

اللام لتاكيد النفى ومعناه لا يصح منى دينا فى حالى ويتخيل أن أسجد لشيء (كشاف وروح)

۲۹ھ (اپنے اس کبر و نافرمانی کی بنا پر)

منها۔ ضمیر مؤنث غائب آسمان کی جانب ہے، جیسا کہ اکثر مفسرین کا خیال ہے، اور جنت بھی مراد ہو سکتی ہے

الظاهر أن الضمير للسماء وان لم يجر لها ذكر (روح) أى الجنة (معالم) اى بين السموٰت وبين جنت عدن (قرطبی)

۳۰ھ (اور تو نہ راہ راست پر آئے گا نہ تجھے توفیق توبہ کی ہو گی۔)

لعنت کے معنی اوپر گزر چکے ہیں کہ رحمت سے مہجوری کے ہیں۔

الی یوم الدین۔ قیامت تک سے محاورہ میں مراد دوام ہوتی ہے، یہ امر مراد نہیں کہ قیامِ قیامت کے بعد ابلیس کی ملعونیت جاتی رہے گی۔

المراد منه التابيد وذكر القيامة أبعد غاية يذكرها الناس فى كلامهم۔ (کبیر)

اور محاورۂ زبان سے قطع نظر بھی ظاہر ہے کہ جو محلِ رحمت قیامت تک نہ ہو اس کے لئے بعد قیامت محلِ رحمت ہونے کی گنجائش کیا ہے؟ — دار الجزاء میں تو دار العمل کا صرف تکملہ ہی ہوتا ہے، نہ کہ اس سے اصلاً قطع نظر کر کے کسی جدید شے کی پیدائش۔

۳۱ھ (کہ اس درمیان میں جی بھر کر بدلہ آدم اور اولادِ آدم سے لوں)

یہ مہلت ابلیس نے موت اور عذاب سے مانگی تھی۔

۳۲ھ یعنی جب تک اس عالمِ ناسوت کی عمر قائم ہے، تجھ پر گرفت نہ ہو گی — ابلیس کی ہستی یا قوت اگر باقی نہ رہے تو اس عالمِ ابتلاء کی مصلحتیں ہی سب فوت ہو جائیں۔

إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿٤٠﴾ قَالَ هَٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ﴿٤١﴾

بجز ان میں سے تیرے ان بندوں کے جو منتخب کر لئے گئے ہیں ۳۳ (اللہ نے) فرمایا یہ سیدھا راستہ ہے مجھ تک (پہنچنے کا) ۳۴

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿٤٢﴾

بے شک میرے بندوں پر تیرا ذرا بھی بس نہ چلے گا مگر ہاں بھٹکے ہوؤں میں سے جو بھی تیری پیروی کرنے لگیں ۳۵

لیکن یہ بھی خوب واضح رہے کہ ابلیس کے ہاتھ میں کوئی قوت جبر و استیلاء کی نہیں ہے، صرف بہلانے پھسلانے، بہکانے اور سبز باغ دکھانے کی ہے۔

۳۳ے (اور تو انھیں میرے اثر سے محفوظ رکھے گا، تو وہ بے شک میرے بہکانے میں نہ آئیں گے) آیت سے یہ مراد نہیں کہ شیطان نیک بندوں کو پھانسنے کی کوشش ہی نہ کرے گا، جال تو وہ سب ہی پر پھینکتا ہے، البتہ مخلص بندوں کے باب میں زیادہ کامیاب نہیں ہو پایا۔

لھم۔ یعنی آدمؑ و حواؑ اور ان کی نسل کی نظر میں۔

بما اغویتنی۔ اغوا و اضلال کا یہ انتساب ذاتِ حق کی جانب جس حد تک بھی صحیح ہے صرف تکوینی حیثیت سے یا علتہ العلل کے معنی میں ہے، باقی اس کے علاوہ اور جس معنی میں بھی یہ انتساب لیا جائے وہ تمام تر قول شیطانی ہوگا۔

بما میں ب سببیہ ہے۔

ای بسبب اغوائك ایای۔ (روح)

۳۴ے وہ سیدھا راستہ ایمان و اطاعت و اعمال صالحہ کا ہے کہ اسی پر چل کر بندہ اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے، آیت سے یہ بھی نکلتا ہے کہ جو کوئی راہِ ہدایت پر چلنے کا واقعی قصد کرے اُسے وہ راہ مل ضرور جاتی ہے۔

حق علیّ ان اراعیه۔ (بیضاوی)

۳۵ے سو کوئی شخص گناہ پر مجبور و مضطر ہرگز نہیں، توفیق الٰہی ساتھ جب ہی چھوڑتی ہے، جب انسان خود شیطان کی جانب میلِ قوی رکھنے لگتا ہے۔

شیطان کا منتہائے قوت بس یہ ہے کہ دم دلاسہ خوب دلا لیتا ہے، انسان کو فوری لذتوں کی چاٹ خوب لگا دیتا ہے بس اس کے آگے کچھ بھی نہیں۔

فان منتهی تزیینه التحریض والتدلیس۔ (بیضاوی)

ابلیس کے قول میں ابھی گزرا تھا کہ الا عبادک منھم المخلصین حق تعالیٰ کے قول میں اب ارشاد ہو رہا ہے الا من اتبعك من الغٰوین۔ مفسرین نے کلام کی اس ترتیب سے یہ نکتہ خوب نکالا ہے کہ جس کو جس چیز کا اہتمام ہوتا ہے، وہ اسی کو مقدم رکھتا ہے، چنانچہ ابلیس نے اغواء کو مقدم رکھا اور حق تعالیٰ نے مخلصین کی حفاظت کو۔

وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٣﴾ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِكُلِّ

اور بے شک جہنم ان سب کی وعدہ گاہ ہے ۳۵الف اس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے

بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَقْسُومٌ ﴿٤٤﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ﴿٤٥﴾

کے لئے ان میں سے (لوگوں کے) الگ الگ حصہ ہے ۳۶ بے شک پرہیزگار باغوں اور چشموں میں (بستے) ہوں گے

ادْخُلُوهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِينَ ﴿٤٦﴾

تم داخل ہو اس میں سلامتی (اور) امن کے ساتھ ۳۷

امام رازیؒ نے فرمایا کہ شیطان نے جو اوپر دعوی کر دیا ہے کہ میں لوگوں کو گمراہ کروں گا اور سبز باغ دکھاؤں گا تو اس سے گمان یہ پیدا ہو سکتا تھا کہ شیطان کو بھی کچھ قوت و اقتدار حاصل ہے آیت میں اسی غلط عقیدہ کی تردید ہے اور اعلان ہے کہ شیطان کا زور کسی بندہ پر بھی نہیں، خواہ وہ برگزیدہ ہو یا غیر برگزیدہ، ہاں البتہ جو بندہ خود ہی شیطان کی راہ پر چلنے لگے تو اسے اختیار ہے، غرض اس آیت سے حق تعالیٰ نے خود شیطان کی بھی ممکن غلط فہمی دور کر دی ہے۔

والحاصل فی هذا القول ان ابلیس أوهم أن له علی بعض عباد الله سلطان فبین تعالی كذبه فیه وذكر أنه لیس له علی أحد منهم سلطان ولا قدرة أصلاً (کبیر)

۳۵ الف۔ یعنی خود شیطان اس کی ذریات اور پیروؤں کی وعدہ گاہ۔

قال ابن عباس یرید ابلیس واتباعه ومن اتبعه من الغاوین۔ (کبیر)

۳۶ (کہ کوئی کسی دروازہ سے جائے گا کوئی کسی سے)

دروازوں کی یہ تعداد ممکن ہے کہ استحقاق عذاب کے لحاظ سے سات طبقوں کے اظہار کے لئے ہو۔

لأن أصلها سبع فرق (بیضاوی) ای سبعة أطباق (ابن جریر۔ عن عكرمہ) أی سبع طبقات ینزلونها بحسب مراتبهم فی الغوایة والمتابعة۔ (روح)

یہ بھی ممکن ہے کہ محض تعدد مراد ہو اور اس سے مقصود دوزخ میں داخل ہونے والوں کی کثرت تعداد کا اظہار ہو۔

قیل المراد أن لها سبعة أبواب یدخلونها لكثرتهم والاسراع بتعذیبهم (روح)

یدخلون منها لكثرتهم۔ (بیضاوی)

۳۷ یعنی اہل ایمان سے ارشاد ہوگا کہ تمھیں اس وقت بھی ہر گروہ سے سلامتی ہے اور آئندہ بھی کسی شر کا اندیشہ نہیں۔

المتقین۔ متقی سے یہاں مراد وہ لوگ نہیں جو جمیع معاصی صغیرہ وکبیرہ سے بچے ہوئے ہوں،

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٤٧﴾

اور جو کچھ ان کے دلوں میں کینہ ہوگا اسے ہم دور کر دیں گے ۳۸؎ (سب) بھائی بھائی کی طرح رہیں گے آمنے سامنے تختوں پر ۳۹؎

لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُم مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ ﴿٤٨﴾

اس کے اندر ان کو کوئی تکلیف چھوئے گی بھی نہیں، اور نہ وہ اس میں سے (کبھی) نکالے جائیں گے ۴۰؎

(جیسا کہ معتزلہ نے سمجھا ہے) بلکہ صرف شرک وکفر سے بچنے والے مراد ہیں۔

وهو قول جمهور الصحابة والتابعين وهو المنقول عن ابن عباس أن المراد الذين اتقوا الشرك بالله تعالى والكفر به وأقول هذا القول هو الحق الصحيح (كبير) يتناول جميع القائلين بلا إله إلا الله محمد رسول الله قولاً واعتقاداً سواء كانوا من اهل الطاعة أو من اهل المعصية۔ (كبير)

۳۸؎ یعنی دنیا میں خود ان متقین میں باہم جو کچھ کینہ وکدورت طبعی اسباب سے ہوگی اسے بھی قدرتِ الٰہی آخرت میں یک قلم محو کر دے گی، جس سے سب اہل جنت ایک دوسرے کی طرف بالکل صاف ہو کر آپس میں شیر وشکر ہو کر رہیں گے۔

اہل حق وصالحین میں اگر تکوینی اسباب سے ایک دوسرے کے خلاف بدگمانیاں، غلط فہمیاں، اور ناگوار بات پیدا ہو جائیں تو یہ تقویٰ وتدین وصالحیت کے ذرا بھی منافی نہیں جیسا کہ بعض اہلِ غلو نے سمجھ رکھا ہے، بندوں کا حصہ نہ تو کامل بے نفسی ہے کہ سارے جذبات بالکل اپنے قابو میں ہوں، اور نہ علم کامل کہ غلط فہمی کا کوئی سبب ہی نہ پیدا ہونے پائے ـــــ امیر المؤمنین حضرت علیؓ وام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی جنگ، علی مرتضیٰؓ اور طلحہؓ وزبیرؓ کی جنگ اللہ ان اصحاب کی تربتیں ٹھنڈی رکھے، ان کے باہمی مشاجرات دیکھ کر عام اہلِ امت کی کیسی ڈھارس بندھ جاتی ہے، معصوم بجز نبی کے کوئی نہیں ہوتا، اور جب معصوم نہیں تو رنجش کا بھی احتمال ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا ہے۔

۳۹؎ یعنی آپس میں مجالست ومخالطت غایت الفت ومحبت کے ساتھ رکھیں گے ـــــ یہ آپس کی خوش دلی یکجہتی اور یگانگت بھی کتنی بڑی نعمت ہے، جو اہلِ جنت کو دوسری نعمتوں کے ساتھ حاصل ہوگی۔

سُرُرٍ۔ سریر ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس پر خوش حال لوگ راحت واطمینان سے لیٹ بیٹھ سکتے ہیں، چوکی، تخت اور مسہری وغیرہ۔

۴۰؎ اس میں یہ بتایا کہ جنت کی نعمتیں کامل واکمل نہ ہوں گی بلکہ دائم وقائم بھی ـــــ اس عالم ناسوت میں مداومتِ عیش کا ایک لازمہ تعب یا خستگی بھی ہے، عیشِ جنت کے لئے تصریح سے بتا دیا گیا کہ وہاں دوام کے باوجود تکان مطلق نہ ہوگا ـــــ زمان ومکان پر جو قیدیں اور پابندیاں اس عالم فانی میں عائد ہیں، وہ اُس عالم باقی میں سرے سے ہوں گی ہی نہیں۔

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ

میرے بندوں کو خبر کر دیجئے کہ ہاں میں یقیناً بڑا ہی مغفرت والا ہوں اور بڑا ہی رحمت والا ہوں ۔ اور یہ کہ میرا عذاب بھی بڑا

الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ وَ نَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ

دردناک عذاب ہے ۴۱ے اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں (کے قصہ) کی خبر دیجئے ۴۲ے جبکہ وہ ان کے پاس آئے

فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور کہا (تم پر) سلام ہو (ابراہیم) بولے ہم کو تم سے ڈر لگ رہا ہے ۴۳ے

۴۱ے مومن کی شان جو حدیث میں بتائی گئی ہے کہ اس کا قلب ہمیشہ بیم ورجا، خوف وامید کے درمیان رہتا ہے، اس کی بنیاد ان ہی صفات الٰہی پر ہے ۔۔۔۔ بندہ جب خدائے آمرزگار کی رحمتِ بیکراں اور مغفرتِ بے پایاں پر نظر کرتا ہے تو اسے ہر طرف امید ہی امید نظر آتی ہے، لیکن جب نظر اپنی کوتاہیوں، لغزشوں اور خطاؤں کی طرف جاتی ہے تو قلب کا خشیت الٰہی سے تھر تھرا جانا بھی بالکل قدرتی اور صحیح ہے ۔۔۔۔ البتہ دونوں صفات کے درمیان فرق اور بڑا اہم فرق یہ ہے کہ مغفرت ورحمت مطلق ہے، مستحق وغیر مستحق سب کے لئے عام ہے، بہ خلاف اس کے عذاب وعتاب محدود ومخصوص ہے صرف مستحقین کے لئے ۔۔۔۔ یہ نا ممکن ہے کہ کوئی غیر مستحق عذاب الٰہی کا شکار ہو جائے، لیکن یہ صرف ممکن ہی نہیں بلکہ واقع بھی ہوگا، کہ کتنے ہی قابلِ تعزیر، بدکار وبدعمل محض مغفرتِ الٰہی سے بخش دیئے جائیں گے، یہی راز ہے اس کا کہ قرآن بھر پڑھ جائیے اسمائے حسنیٰ الغفور، الودود، العفو، الرحیم، الرؤف، الرحمٰن، الغفار، التواب وغیرہا صدہا مقامات پر ملیں گے، بہ خلاف اس کے المعذِّب المؤلِّم وغیرہ کہیں ایک جگہ بھی نہ ملے گا۔

عبادی ۔ یہ بندوں کی اضافت اللہ کی طرف ان کی انتہائی قدر ومنزلت کے لئے ہے۔

أضاف العباد إلى نفسه وهذا تشريف عظيم ۔ (کبیر)

اس عمومِ بشارت کے تحت میں مومن متقی کے ساتھ مومن عاصی بھی آ جاتا ہے۔

نبئ كل من كان معترفا بعبوديتي، وهذا كما يدخل فيه المومن المطيع يكن لك يدخل فيه المومن العاصي (کبیر)

انی أنا الغفور الرحیم ۔ رحمت ومغفرت پر زور وتاکید کے یہاں تین تین طریقے جمع کر دیئے ہیں، ایک انی دوسرے انا تیسرے ال غفور ورحیم پر۔

لما ذكر الرحمة والمغفرة بالغ فى التاكيد بألفاظ ثلاثة أولها قوله انى وثانيها قوله انا وثالثها ادخال حرف الالف واللام على قوله الغفور الرحيم ۔ (کبیر)

۴۲ے یہ ذکر سورۂ ہود میں بھی آ چکا ہے، حاشیے وہیں گزر چکے۔

قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ

(فرشتے) بولے کہ آپ ڈریئے نہیں ہم آپ کو بشارت ایک صاحب علم فرزند کی دیتے ہیں ۴۴ (ابراہیمؑ نے) کہا کیا تم مجھے

مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ

بشارت اس حال میں دیتے ہو کہ مجھ پر بڑھاپا آچکا سو بشارت کس چیز کی دیتے ہو ۴۵ وہ بولے ہم آپکو امر واقعی کی بشارت

فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾

دیتے ہیں سو آپ ناامید نہ ہوں ۴۶

ضیف۔ واحد و جمع دونوں میں اسی صورت سے آتا ہے، یہاں جمع ہی مراد ہے۔

واصل الضیف مصدر ولذلک استوی فیہ الواحد والجمع فی عامۃ کلامھم وقال

ضیف ابراھیم۔ (راغب)

۴۳ (کہ تم جو میرا پیش کیا ہوا ماحضر قبول نہیں کرتے ہو، تو کہیں دشمنی کے ارادے سے تو نہیں آئے ہو) قدیم تہذیب و معاشرت میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ ڈاکو، چور یا غارتگر جب کسی کی مہمانی قبول کر لیتے تھے تو پھر اس کے بعد اسے نقصان نہیں پہونچاتے تھے، اور اجنبیوں اور مسافروں کے لباس میں اکثر یہی غارتگر چھپے ہوتے تھے، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ان نوواردوں کی مہمانی کرنی چاہی تو انھوں نے اس کے قبول کرنے میں تامل کیا، تو قدرۃً آپؑ کا ذہن اسی طرف منتقل ہوا کہ کہیں یہ کوئی جرائم پیشہ تو نہیں — حضرتؑ ان انسانی قالب میں آنے والے فرشتوں کو اب تک انسان ہی سمجھ رہے ہیں، پیمبری کے لئے غیب دانی ہرگز لازم نہیں، حاشیہ پہلے بھی گزر چکے ہیں۔

انا کے صیغۂ جمع سے مراد حضرت ابراہیمؑ اور ان کے گھر والے ہیں۔

۴۴ مراد حضرت اسحٰقؑ ہیں، آپؑ نبی تھے، اور اس لئے ظاہر ہے کہ بڑے صاحبِ علم بھی تھے۔

لا توجل۔ یعنی ہم سے پریشان نہ ہوجیئے، ہم انسان نہیں ہیں، فرشتے ہیں — پیمبر جلیل القدر تک سے جب شناخت میں دھوکا ہونا ممکن ہے تو کسی بزرگ ولی اللہ کا کیا ذکر۔

۴۵ آپ کا مطلب یہ تھا کہ یہ امر بلحاظِ آثار و علاماتِ ظاہری اور اسبابِ عادی کے لحاظ سے تو مستبعد ہے یہ مطلب نہ تھا کہ اللہ کی قدرت سے بعید ہے — توریت میں ہے کہ اسحٰق نبیؑ کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر سَو سال کی تھی، آیت سے اس پر بھی روشنی پڑگئی کہ اسباب عادی پر نظر و تمسک جب پیمبر جیسے عارف کامل کے لئے جائز ہے تو افرادِ امت کیسے اس سے ہر موقع پر بچنے کا اہتمام رکھ سکتے ہیں۔

۴۶ یعنی اسباب عادی و ظاہری پر نظر نہ جمائے رکھئے، ہم تو آپ کو خوش خبری فاطر و خالق کائنات کی طرف سے سنا رہے ہیں، یہ اسباب کا جنجال تو خود اس مسبب الاسباب ہی نے پیدا کر رکھا ہے، وہ کچھ ان کا

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿٥٦﴾ قَالَ فَمَا

(ابراہیمؑ نے) کہا کہ اپنے پروردگار کی رحمت سے ناامید ہوتا ہی کون ہے بجز گمراہوں کے؟ ۴۷ (پھر ابراہیمؑ نے) کہا

خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٧﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ

تم کو کیا مہم درپیش ہے اے (اللہ کے) فرستادو! ۴۸ وہ بولے ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے

مُّجْرِمِيْنَ ﴿٥٨﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥٩﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ

ہیں، بجز خاندان لوط کے، کہ ہم ان سب کو بچالیں گے ۴۹ بجز ان کی بیوی

قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا جَاۗءَ اٰلَ لُوْطِۨ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٦١﴾

کے ہم نے تجویز کر رکھا ہے کہ وہ ضرور پیچھے رہ جانے والوں ہی میں رہے گی ۵۰ پھر جب وہ فرستادے لوط کے گھرانے میں آئے

ع ۴

پابند اور ان سے مغلوب و مجبور نہیں ہے، وہ جب ارادہ کرتا ہے تو ان کے خلاف جا سکتا ہے اور انھیں توڑ سکتا ہے۔

۴۷ قرآن مجید کی تعلیم رجائیت سے بھری پڑی ہے اور یاس و ناامیدی کی جڑ کاٹ رہی ہے، اسلام کی اسی بنیادی حقیقت کا راز داں حضرت خلیلؑ سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا تھا، چنانچہ آپؑ نے اسی کا بیان اظہار کیا ہے۔

ضالون۔ سے مراد اسی سیاق میں وہی لوگ ہیں جو صفاتِ الٰہی کے بارے میں جہل میں پڑے ہوئے ہیں، اور اس لئے اس کی طرف سے آس توڑے ہوئے ہیں۔

۴۸ حضرت ابراہیمؑ کو جب ان آنے والوں کے فرشتہ ہونے کا علم ہوگیا، تو آپؑ فراست نبوت سے یہ بھی سمجھ گئے کہ ضرور ان کی تعیناتی محض اتنی بشارت کے لئے نہیں، بلکہ کسی اور اہم مقصد کے لئے ہوئی ہے۔

خطب۔ کہتے ہیں مقصد اہم یا "مشن" کو۔

الخطب الأمر العظيم الذی یکثر فیه التخاطب۔ (راغب)

۴۹ (عذاب و ہلاکت سے، اور انھیں سزا پانے والے مجرموں سے الگ کر دیں گے)

قوم مجرمین۔ یعنی لوطؑ پیغمبر کی اُمت۔ حاشیے پہلے گزر چکے۔

۵۰ (اسی قوم معذب کے ساتھ، اور انھیں لوگوں کے ساتھ ہلاک ہوگی)

حضرت لوطؑ کی بیوی کافر تھی، اور یہ ضروری نہیں کہ آپؑ کو اس کا علم بھی ہو۔

قدرنا۔ ہم نے بحیثیت خدائی کارندوں کے۔

اس تجویز کے عمل کو فرشتوں نے منسوب اپنی جانب کیا، حالانکہ یہ فعل براہ راست خدائے تعالیٰ کا تھا

قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ

(تو لوطؑ نے) کہا کہ تم تو اجنبی قوم کے لوگ (معلوم ہوتے) ہو ۵۱؎ وہ بولے نہیں، بلکہ ہم تو آپ کے پاس وہ لے کر آئے ہیں جس کے

يَمْتَرُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٦٤﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ

باب میں یہ شک کیا کرتے تھے ۵۲؎ اور ہم انکے پاس یقینی ہونیوالی چیز لے کر آئے ہیں اور بے شک ہم بالکل سچے ہیں۔ سو آپ رات کے کسی

بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا

حصہ میں اپنے گھر والوں کو لیکر چلے جائیے، اور آپ انکے پیچھے پیچھے چلئے، اور تم لوگوں میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، اور جہاں کا حکم

حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ

تم کو ملا ہے (سب) اسی طرف چلے جاؤ ۵۳؎ اور ہم نے لوطؑ کے پاس (اپنا) یہ فیصلہ بھیج دیا کہ صبح ہوتے ان لوگوں کی

هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿٦٦﴾

جڑ ہی (بالکل) کٹ جائے گی۔ ۵۴؎

یہ نسبت مجازی عجیب نہیں جو فرشتوں کے مرتبۂ قرب واختصاص کے اظہار کے لئے ہو۔

۵۱؎ (اور ہمارے ملک والوں کا دستور ہے کہ یہ لوگ آفاقیوں اور پردیسیوں سے ہر طرح شرارت وبدسلوکی کرتے رہتے ہیں۔)

ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن ـــــ فرشتوں کی شناخت میں حضرت لوطؑ کو بھی اسی طرح دھوکا ہوا جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کو ہو چکا تھا۔

۵۲؎ یعنی عذاب وہلاکت۔

بل میں یہ سارا مضمون آگیا کہ ہم تو انسان ہی نہیں ہیں، بلکہ فرشتۂ مرسل ہیں۔

۵۳؎ یعنی ملک شام کی طرف۔

توریت میں اس شہر کا نام صغر بتایا گیا ہے۔ (پیدائش۔ ١٩ : ٢٢)

یہ شہر بحر مردہ کے جنوبی مشرقی ساحل پر تھا۔

فاسر باھلك۔ یعنی اپنے گھر والوں کو راتی رات نکال لے جائیے، ایسا کہ کوئی رہ نہ جائے۔

واتبع ادبارھم۔ یعنی بس سیدھے ان کا پیچھا لئے رہئے، یہ نہ ہو کہ کوئی راستہ سے پلٹ آئے۔

ولا یلتفت منکم احد۔ یعنی یہ بھی نہ ہو کہ آپ لوگوں میں سے کوئی پیچھے پھر کر دیکھے۔

۵۴؎ یعنی صبح تڑکے سے ان بدبختوں پر عذاب ہلاکت نازل ہونا شروع ہو جائے گا۔

وَجَآءَ اَهۡلُ الۡمَدِيۡنَةِ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيۡفِىۡ

اور شہر کے لوگ خوشیاں کرتے ہوئے آئے ۵۵ (لوطؑ نے) کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں

فَلَا تَفۡضَحُوۡنِ ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوۡۤا اَوَلَمۡ نَنۡهَكَ

سو مجھے (عام لوگوں میں) فضیحت تو مت کرو۔ اور اللہ سے ڈرو اور مجھے (مہمانوں کی نظر میں) رسوا مت کرو۔ ۵۶ وہ بولے کیا ہم نے تم کو

عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِىۡۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ﴿۷۱﴾

دنیا بھر کے لوگوں سے منع نہیں کر دیا تھا ۵۷ (لوطؑ نے) کہا یہ میری بیٹیاں بھی تو موجود ہیں اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے ۵۸

وقضینا الیہ ۔ یہ فیصلہ خداوندی حضرتؑ کے پاس ان ہی فرشتوں کے ذریعے سے پہنچا۔

امام رازی نے لکھا ہے کہ آیت میں پہلے اس فیصلے کو مبہم رکھنا، اور پھر خود ہی اس کی تفصیل کر دینا، اس فیصلہ کی اہمیت وعظمت کے اظہار کے لئے ہے۔

وفی ابہامہ اولاً وتفسیرہ ثانیاً تفخیم للامر وتعظیم لہ ۔ (کبیر)

۵۵ (یہ سمجھ کر کہ آج خوب شکار ہاتھ آیا۔)

اھل المدینۃ ۔ یعنی شہر سدوم والے امرد پرستی کی لت میں مبتلا ۔

یستبشرون ۔ مسرت حیوانی وشیطانی اس کی تھی کہ اپنی گندہ مذاقی کی تسکین جی بھر کر ہو سکے گی ۔

۵۶ حضرت لوطؑ ہر طرح اپنی قوم والوں کو سمجھا رہے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ یہ نووارد تو میرے مہمان ہیں ان کی تم نے بے عزتی کی، تو پہلے میری ہی عزت اتار لی، میں تو تمہاری ہی بستی کا ہوں، میری طرف تو دیکھو! کبھی فرماتے کہ ذرا اپنے دل میں خوفِ خدا لاؤ، اور سوچو تو سہی کہ کیسی گندی حرکتوں میں مبتلا ہو اور کبھی ارشاد فرماتے کہ اپنوں کا خیال نہیں ہے تو نہ سہی، کم سے کم میرے مہمانوں کی نظر میں تو مجھے حقیر ورسوا نہ کرو۔

۵۷ (کہ اجنبیوں اور پردیسیوں کے ٹھہرانے کے روادار نہ ہونا، سو تم نے خود ہی ہماری اس ممانعت کی پروا نہ کر کے اور مہمانوں کو ٹھہرا کر اپنے ہاتھوں اپنی رسوائی کرائی)

کسی پہلے حاشیہ میں آچکا ہے کہ قوم لوطؑ والے باہر والوں کو اپنے ہاں آنے ہی نہیں دینا چاہتے تھے، اور اگر وہ آجاتے تو ان سے ہر طرح کی بیہودگی کے ساتھ پیش آتے جو اس وقت کی شریفانہ تہذیب ومعاشرت اور آئین مہمان نوازی کے قطعاً منافی تھا۔

۵۸ بنات (بیٹیوں) پر حاشیہ سورۂ ہود میں گزر چکا۔

اہل اُمت کی بیویاں رسول اُمت کے لئے بہ منزلہ بیٹیوں ہی کے ہوتی ہیں۔

ان کنتم فعلین ۔ یعنی اگر تم میری بات ماننے پر، عقل وشرافت کے مقتضا پر عمل کرنے کو تیار ہو ۔۔۔ قدرۃً آپ کو بہت شک تھا کہ وہ آبرو باختہ لوگ آپ کی نصیحت پر عمل کریں گے بھی۔

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۷۲﴾

آپ کی جان کی قسم وہ اپنی بدہوشی میں بالکل بھٹکے ہوئے تھے ۵۹

۵۹ (اور جذباتِ سفلی کی اس مستی میں کوئی بات عقل و فہم کی کیوں سننے لگے تھے)

لعمرك۔ عَمر اور عُمر عربی میں ہم معنی ہیں، لیکن قسم کھانے کے موقع پر عَمر ہی آتا ہے۔

العمر والعمر واحد لكن خص القسم بالعمر دون العُمر (راغب) العمر بالضم والفتح البقاء الا ان الفتح غلب في القسم ولا يجوز فيه الضم۔ (ابوالبقاء)

ل قسم کا ہے عربی اسلوب بلاغت میں قسم ایک ادبی صنعت و حسن کاری ہے، اور بہترین ادیب و شاعر اس سے حسب موقع آزادی سے کام لیتا رہتا ہے ــــ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی قسمیں مذاق عرب پر بالکل گراں نہیں گزریں اور جو اہلِ زبان مخالفت میں غرق اور اعتراض و نکتہ چینی پر تلے ہوئے رہتے تھے، ان میں سے بھی کسی نے یہ نہ پوچھا کہ خدا کے کلام میں یہ مخلوقات کی قسمیں کیسی؟ اور قسموں کا فلسفہ یا ان کی توجیہات عقلی پر توجہ صرف عجمی اور ہندی اہلِ علم نے شروع کی جو اس کو ایک معنوی مسئلہ سمجھے، حالانکہ یہ کوئی معنوی بحث سرے سے ہے ہی نہیں، اس کا تعلق تو تمام تر عربی زبان کے اسلوب بلاغت سے ہے۔

یہاں رسول اللہ کی زندگی کی صداقت اور پاکیزگی کو جو کافروں کو بھی مسلم تھی، بہ طور گواہ پیش کیا جا رہا ہے، اور یہی مقصد قسم کا ہوتا ہے، اصل قصہ کے درمیان اثنا جزء براہ راست رسول اللہؐ کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے، اور یہ طریقہ عین خطابت عرب کے موافق ہے۔

(ضمیمہ)

قرآنی قسمیں

مشتاق احمد استھانوی پٹنہ سے تحریر فرماتے ہیں:-

قرآن شریف میں قسم کھانے کی برائیاں بیان کی گئیں ہیں، مثلاً ولا تجعلوا الله عرضة لايمانكم وغیرہ نیز یہ بات بھی ہے کہ آدمی جن چیزوں کی قسم کھاتا ہے، یا اس کی عظمت کے لحاظ سے کھاتا ہے، یا محبت کی وجہ سے، قرآن مجید میں خدا نے جو قسمیں کھائی ہیں، وہ تعظیم و عزت کے لحاظ سے تو ہو نہیں سکتیں، کیونکہ خدا تعالیٰ سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے، دوسرا احتمال ممکن تھا، لیکن قرآن کریم میں جن معمولی چیزوں کی قسمیں ہیں ان کے لحاظ سے یہ احتمال نہیں ہو سکتا، کون کہہ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو فلاں پہاڑ محبوب ہیں، یا خدا کو یہ میوے پسند ہیں، اس لئے ان کی محبت و شیفتگی کی وجہ سے خدا نے اُن کی قسمیں کھائی ہیں۔

پھر آپ جانتے ہیں کہ قسم کھانا فی نفسہ بڑی سبکی کی بات ہے، روزانہ کی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ہی شخص قسمیں کھاتا ہے، جسے خود اپنے متعلق بھی اطمینان نہیں ہوتا ہے، روزانہ گفتگو میں سید سلیمان ندوی، مسعود عالم ندوی، مناظر احسن گیلانی بات بات پر قسمیں نہیں کھاتے، یہ تو بازاری آدمی ہی جو بات بات پر

قسمیں کھاتے ہیں، میرا مقصد ہرگز قرآن کریم پر نکتہ چینی و اعتراض کرنا نہیں، لیکن مخالفوں کے اس سوال کا کیا جواب ہوگا کہ خدا نے قسمیں کیوں کھائی ہیں، امید ہے کہ آپ اپنے طرز خاص میں اس سوال کا جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت کریں گے۔

جواب:- سوال ایک نہیں مجموعۂ سوالات ہے، اور جتنی تعداد سوالات کی ہے، مغالطے بھی اتنے ہی ہیں، بلکہ ان سے بھی کچھ زائد۔

وسوسے اور شبہے اس قسم کے بہت سے دلوں میں موجود ہیں، اس لئے مراسلہ نگار نے بہت اچھا کیا کہ سب کو پیش کر کے جواب کا موقع فراہم کر دیا ــــ جواب کا نمبر بعد کو آئے گا، پہلے خود سوالات ہی کو تحلیل ہو جانے دیجیے، عجب کیا کہ ہر شبہ خود ہی کافور ہو جائے، اور کسی علیحدہ اور مستقل جواب کی ضرورت ہی نہ پڑے؟ پیاز کی مادی حقیقت اس کے چھلکوں کے علاوہ اور رہتی کیا؟ تہ ادھر ایک ایک کر کے اترتی گئی، ادھر خود پیاز کا وجود غائب ہوتا گیا۔

سوال کا حاصل صرف اسقدر ہے کہ کلام الٰہی کے فلاں پہلو، یا فلاں عبارت کی کیا حکمت ہے، یہ سوال عن الحکمت اگر کسی مخالف یا منکر کی طرف سے پیش ہو رہا ہے، تو جو کُل کا منکر ہے اسے کسی جزئیہ کے متعلق سوال کا حق ہی کیا ہے؟ منکر گفتگو یا جرح صرف اصول پر کر سکتا ہے، نہ کہ فروع اور جزئیات پر، دنیا کی ہر کی منطق کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے، اور جب تک یہ قاعدہ ہی کسی دلیل سے نہ توڑ دیا جائے اس کی پابندی لازمی ہے۔

اب اگر سوال کسی مسلم یا مطیع کی طرف سے پیش ہو رہا ہے تو کیا اس کے سمجھ میں کلام الٰہی کے سارے پہلوؤں کی حکمتیں آگئی ہیں، اور اگر نہیں آئی ہیں (یقیناً نہیں آئی ہیں) تو جہاں اور بہت سی گتھیاں سلجھنا وہاں ایک یہ بھی سہی! گتھیاں جتنی زائد سلجھتی جائیں بہتر ہے، لیکن بہر حال لازمی نہیں، اطمینان و تشفی کامل بے شبہ بڑی دولت ہے، لیکن ایمان کی نعمت اس کے بغیر بھی قائم رہ سکتی ہے، اور رہتی ہے۔

پھر جو معیار بندوں کے عمل و کردار کا ہے، اس کا پابند حق تعالیٰ کو بنانا بجائے خود ایک غیر معقول ترین مطالبہ کا پیش کرنا، اور مطلق کو مقید کے حکم میں لانا، اور لا محدود و غیر متناہی کو محدود اور متناہی کے صفات کا اجراء کرنا ہے، بندے اگر معاشرہ کے بندھے ہوئے ضابطہ کے توڑیں تو قطعاً مجرم کہلائیں گے، لیکن جو فعال لما یرید ہو، کیا اس کے کسی بھی فعل عمل کو کسی بھی حال اور کسی صورت میں "جرم" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ ــــ جرم کے معنی تو یہ ہیں کہ وہ عمل فلاں ضابطہ اور فلاں قانون کے خلاف ہے، لیکن جس کی ہستی خود ہر قانون سے بالاتر ہو اور جس کی مشیت اور قوت ارادی سے مافوق کوئی شئے تصور میں نہیں آسکتی، اُسے آخر کس ضابطہ کی زنجیروں سے جکڑنا ممکن ہے؟ اگر ممکن ہے تو ایسا مقید اور پابند خدا، خدا ہی کیوں ٹھہرا۔

قتل و ہلاک، ایذا رسانی و ضرر رسانی سے بڑھ کر کوئی شدید جرم بندوں کے تصور میں بھی آسکتا ہے

لیکن آخر مشیت ایزدی روز ہی بے شمار انسانوں کی جان لیا کرتی ہے اور بے شمار معصوم بچوں کو یتیم اور بے شمار سہاگنوں کو بیوہ بنایا کرتی ہے، آج یہ غریب فاقہ سے تڑپ تڑپ کر گزر گیا، کل وہ مزدور انجن سے کچل گیا، ابھی اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی، ابھی اس کا سر پھٹ گیا، یہ روزانہ ہر گھنٹے اور ہر منٹ گزرنے والے واقعات ہیں یا نہیں؟ پھر کیا (نعوذ باللہ) ان جرائم کی پاداش میں حق تعالیٰ کو کسی عدالت میں گھسیٹ لانے کا ارادہ ہے؟ (نعوذ باللہ) اللہ میاں پر بھی فرد جرم لگے گی؟ وہ بھی اپنی صفائی پیش کریں گے؟ اپنا بیان دیں گے؟ — اللہ تعالیٰ جو یقیناً ہر قانون اور ہر حد بندی سے ماوراء ہستی ہے کو اختیار اور پورا اختیار حاصل تھا کہ وہ ایسا کلام بندوں پر نازل کرتا، جو اول سے آخر تک بندوں کے لئے بالکل ہی بے معنی، غیر مفہوم ہوتا، بندوں کو جواب طلب کا حق، شائبہ حق جب بھی ذرہ برابر نہ ہوتا! — سوال کرنے والے برابر یہ بھول جاتے ہیں کہ بتداءً ذکر تو خدا کا ہے، لیکن خبر نکالتے وقت تمام صفات بندوں والی تصور میں رہتی ہیں، یہ مغالطہ عام ہے، بہت عام ہے لیکن غلطی کا عموم غلطی کو صحت میں تبدیل نہیں کر سکتا! جھوٹی قسم کھانا جو بندوں کے لئے حرام قرار دیا گیا ہے اور بلا ضرورت قسمیں کھانے کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے، اس سے تو شخصی اور اجتماعی کردار کی خرابیاں لازم آتی ہیں، اخلاقی زندگی پر دھبہ پڑتا ہے اور روح داغدار ہو جاتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے قسم کھانے سے، قسم کھاتے رہنے سے کون سی روحانی و اخلاقی قباحت کس قسم کی اور کس درجہ میں پیدا ہوتی ہے کہ ان خدائی قسموں کی حکمت اور مصلحت تلاش کرنے کی ضرورت پیش آئے، قرآن مجید کے موجودہ ذخیرۂ الفاظ ۸، ہزار ہیں، وہ تو کہئے کہ قسم والے لفظ اکائیوں سے کچھ ہی گزر کر دہائی تک پہونچے ہیں، لیکن اگر اس سے کئی گنے زائد ہوتے، سب کے سب یہی ہوتے تو اس سے کائنات، نظم کائنات میں کون سی خرابی لازم آئی جاتی تھی؟ — تو مدعا ہے کہ خدا کو بندوں کے پیمانے سے ناپنے کا مطالبہ لامحدود کو محدود ٹھہرانا ہے، اور آفتاب کو ذرہ کے معیار سے جانچنے سے بھی کہیں زیادہ بے دلیل بلکہ خلاف دلیل اور غیر معقول ہے۔

قرآن پر کوئی سوال پیش کرنے سے پہلے قرآن کی اصلی حیثیت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، اسی کے ذہول سے بیسوں، پچاسوں سوالات بالکل غیر متعلق پیدا ہونے لگتے ہیں، اور اس کا استحضار اگر ہے تو قبل اس کے کہ وہ سوالات واضح طور پر شعور کے سامنے آئیں، ان کے جوابات بھی ذہن کے سامنے آ کھڑے ہوں۔

دنیا میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں سب زمان و مکان کی قیود سے محدود اور مقید ہیں، سب نے اپنا مخاطب اپنے معاصرین (بلکہ سب معاصرین ہی نہیں، ان کے صرف بعض طبقوں اور گروہوں) کو بنایا ہے، اور جو کچھ بھی کہا ہے اس میں اپنے ملک اور ماحول کے مذاق کی رعایت کو ملحوظ رکھا ہے، بیکن نے اپنا جو فلسفہ لکھا ہے، اس سے ہندوستان کے دیہاتیوں سے کچھ واسطہ ہی نہیں، افلاطون نے جو اپنے نظریات پیش کئے ہیں، ان کے پیش کرتے وقت چین اور سائبیریا کے لوگ اس کے ذہن میں نہ تھے، انسان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابوں کو چھوڑیئے، جو الہامی کہی جاتی ہیں، یا جو واقعتہً نازل ہوئی ہیں، ان کی مخاطبت بھی اسی طرح زمان و مکان کی مقید ہے، توریت کے مخاطب صرف بنی اسرائیل ہیں، ہندوستان کے برہمنوں اور چھتریوں سے کوئی بحث نہیں،

وید بالفرض الہامی بھی ہوں تو بھی ان کا دائرہ ہندوستان کی چار دیواریوں میں محدود ہے، ساری دنیا کے لئے اپنے نزول کے وقت سے قیامت تک کے لئے مخاطبت کا امتیاز صرف قرآن کے حصہ میں آیا ہے، ہر طبقہ، ہر نسل، ہر قوم اور ہر ملک کے لوگ اس کے مخاطب ہیں، پہلی صدی ہجری کے بھی، اور چودھویں صدی کے بھی، اور آئندہ کی ہر صدی کے بھی۔

لیکن اس انتہائی وسعت، اس انتہائی ہمہ گیری و عالمگیری کے باوجود یہ بھی ایک حسی و مادی واقعہ ہے کہ قرآن کا نزول ایک خاص ملک میں، ایک خاص زمانہ میں ہوا، اور اس کے براہ راست مخاطبین چھٹی صدی عیسوی کے اہل عرب ہی تھے، اور جب ایک مخصوص و متعین قوم مخاطب اول تھی تو اس کا لازمی نتیجہ ہوا کہ قرآن کا نزول دنیا کی ہر زبان میں نہیں بلکہ ان ہی سامعین و مخاطبین اول کی زبان عربی میں ہوا، اور پھر اس تفریع پر تفریع یہ مرتب ہوئی کہ اسلوب بیان اور پیرایہ ادا تمام تر ان ہی مخاطبین اول کی فہم میں کیا گیا، یعنی عربی میں کسی نئی یا انوکھی خدائی زبان کا استعمال نہیں ہوا، بلکہ وہی لائی گئی جو عربوں کے لئے خوب مانوس تھی، اصل پر فرع اور پھر فرع پر فرع جتنے مرتب ہوتے جاتے ہیں، سب کو سمجھتے جائیے، صیغے وہی لائے گئے جو عرب لاتے تھے، تشبیہات و استعارات وہی لائے گئے جن سے عرب کے زبان داں گوش آشنا تھے صفتیں تمام تر وہی لائی گئیں، جو عرب کی فصاحت و بلاغت کی جان تھیں، یہ نہ ہوا، اور نہ ہو سکتا تھا کہ مثالیں اور نظیریں پیش کرتے وقت ذکر کھجور اور زیتون کا چھوڑ کر آم و املی اور پیپل اور جامن کا کیا جاتا، میوے بجائے انار کے نارنگی، سنگترے اور امرود بیان کئے جاتے، اور جانوروں میں بجائے گھوڑے ہاتھی کے لکڑبگھے اور خرگوش پیش کئے جاتے، قرآن خوب ذہن نشین کر لیا جائے جہاں تک اس کی تعلیمات، ہدایات، احکام کی غرض اس کی معنوی حیثیت کا تعلق ہے، ایک عالمگیر کتاب ہے، چین اور امریکہ، افریقہ، جاپان اور آسٹریلیا، روس سب مخاطب ہوئے، بارہویں صدی، بیسویں صدی اور پچاسویں صدی سب کی ضرورت کا کفیل، لیکن جہاں تک اسلوب بیان کا، لفظ و عبارت کا، انشاء و ادب کا غرض کہ اس کی ظاہری و لفظی حیثیت کا تعلق ہے، وہ تمام تر ایک عربی کتاب ہے، عربی ادب و انشاء کے عربی معانی و بیان کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے والا۔

وہ بار بار إِنَّ بھی لائیگا، أَنَّ بھی لائیگا، لام تاکید بھی لائیگا، لفظ بھی لائیگا، اور کسی انگریزی، جینی امریکی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ ہماری زبانوں میں تو حروف تاکید اسقدر نہیں آتے، وہ جملہ شروع کرے گا، اور اس کے نحوی خاتمہ سے قبل اسے ختم کر دے گا، اور کسی ہندی کو یہ کہنے کی مجال نہ ہو گی کہ ہم نے غالب کے یہاں، شبلی کے ہاں اور سرشار کے ہاں یہ ترکیب نہ دیکھی، اور دفعۃً صیغہ حاضر سے غائب کا بدل دے گا، اور کوئی غیر عرب یہ نہیں کہہ سکے گا کہ اس صفت التفات کی سند ہمیں اپنے ادیبوں، فصیحوں کے ہاں نہیں ملتی۔

بات کی کشتی کنارے آ لگی، قرآن نے قسموں کا استعمال کیا اور بار بار کیا، اس لئے کہ عربی انشاء و ادب کا ایک جزء تھا، اس لئے کہ امرء القیس، طرفہ، قیس بن زہیر، زہیر بن ابی سلمہ، نابغہ، عروہ، حاتم اور علقمہ سب کے ہاں ان کا استعمال تھا، اس لئے عربی ادب و بلاغت میں زور و تاکید کے موقع پر قسم کھانے کا دستور ہی تھا، قاعدہ تھا۔

سچ کہا جب رازی مفسر نے رازی ادیب بن کر کہا کہ :-

والقرآن انما نزل بلغة العرب واثبات المطلب بالحلف واليمين طريقة مالوفة عند العرب (کبیر جلد ۲، صـ۱۲۱ مصری)

قرآن تو عربی زبان میں ہے اور عربوں میں یہ طریقہ پھیلا ہوا ہے کہ اثبات دعوی کے موقع پر قسم اور حلف لاتے تھے۔

مولانا ندوی یا مولانا گیلانی یا اور کوئی ہندی ان سے بھی بڑھ کر ثقہ سہی، کیا جھنجھلا کر اپنے غبی شاگرد سے یہ نہیں کہتے کہ "تمھیں ہزاروں دفعہ بتا چکا ہوں" حالانکہ گنتی کے لحاظ سے تعداد سیکڑوں تک نہیں پہونچی، یا انتظار سے اکتا کر نہیں کہتے کہ "پہروں سے، گھنٹوں سے تمھارا انتظار کر رہا ہوں" حالانکہ صیغہ جمع کیا معنی گھڑی کے حساب سے شاید ایک گھنٹہ بھی بصیغۂ واحد نہیں ہو چکا ہوتا ہے، تو کیا یہ حضرات دروغ گوئی یا کذب بیانی کے مرتکب ہوتے ہیں؟ ہرگز نہیں، اردو کا اسلوب بیان یہی ہے کہ جوش کے موقع پر "ہزاروں" سے مراد صرف متعدد اور "گھنٹوں" سے مراد صرف بہت دیر لی جاتی ہے ان حدود کے اندر مبالغہ اردو زبان کا جزو بن چکا ہے، اس پر اعتراض کا حق نہ کسی چینی کو نہ کسی اسپینی کو! اور پھر جب اقبال آسمان کو یہ کہہ کر پکار اٹھا کہ۔ ع

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم

تو کیا اقبال واقعی آسمان کو ذی حیات و صاحب شعور و سماعت سے بہرہ ور سمجھ رہے تھے، اور جب دوسرے مصرعہ میں یہ کہہ ڈالا۔ ع

سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

تو کیا ان کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ نعوذ باللہ یونانی مشرکوں کے عقیدے کی طرح کہ آسمان بھی کوئی صاحبِ قدرت ہستی فعال ہے، جب شاعر ظفر دہلوی نے ہوا کو آواز دی تھی کہ۔ ع

یہ نوید اوروں کو جا سنا ناہم اسیر دام ہیں اے صبا

تو کیا شاعر کا یہ عقیدہ تھا کہ صبا خود بھی سنتی ہے، اور دوسروں کو نوید بھی جا جا کر سناتی ہے، ہر زبان کا ایک مخصوص اسلوب بیان ہوتا ہے، اور انشاء و بلاغت کے کچھ ڈھلے ڈھلائے سانچے تیار ہوتے ہیں، اس زبان کا ادیب جب زبان کھولے گا، قلم اٹھائیگا ان سانچوں سے کام ضرور لے گا، "گردش چرخ" "جور فلک" شب بیداری کے وقت "اختر شماری" نزع کے وقت "نفس شماری" غصہ کے وقت "منھ نوچ لینا" حسرت کے وقت "سر پیٹ دینا" انتہائی مسرت کے وقت "پھولے نہ سمانا" اونچی عمارت کے لئے "آسمان سے باتیں کرنا" غم کے وقت "کلیجہ مسوس کر رہ جانا" بے موقع و بے محل بولنے کے لئے بجائے زبان، "گدی بولنا" کسی کی شامت آنے کے موقع پر "سر کھجلانا" "موم کا بن جانا" حیرت کے وقت "آئینہ بن جانا" کمزوری کے موقع پر "موسم کا بن جانا" "ناگواری کے موقع پر "تن بدن میں آگ لگ جانا" غرض یہ کہ کہاں تک عرض کئے جاؤں اور آپ کب تک سنتے رہیں گے، سیکڑوں ہزاروں محاورے اردو میں چلے ہوئے ہیں، اردو کا بڑے سے بڑا ثقہ ادیب بھی انھیں بلا تامل استعمال کرتا ہے، ان کی لفظی و معنوی حیثیت سے کوئی مطلب ہی نہیں، اور یہی حال ہر زبان کا ہے، فارسی، ہندی

انگریزی کے مخصوص ومتعین اسلوب ہیں' اہلِ زبان کو کبھی ان کے متعلق کھٹک نہیں ہوتی، وہ بے تکلف انھیں استعمال کرتے ہیں، یہ تو صرف باہر والے طرح طرح کی غلط فہمیوں کے شکار رہیں' کیونکہ ان تک کلام صرف ترجمہ کی مدد سے پہونچتا ہے' دراصل زبان کے نکتوں سے وہ بیگانہ ہوتے ہیں' یہی راز ہے اس کا کہ قرآن مجید میں قسموں کا استعمال ہوا تو کسی عرب نے یہ سوال نہیں کیا کہ اس کلام میں یہ قسمیں کیسی؟ مولانا ابوالحسن علی ندوی ادیب دارالعلوم ندوۃ العلماء نے میری درخواست پر قدیم کلام عرب سے کچھ اشعار انتخاب کر کے بھیجے ہیں' جن میں قسموں کا استعمال برابر ہوا ہے' یہ انتخاب سرسری ہے' احاطہ واستقصاء مقصود بھی نہ تھا، اور حماسہ، سبعۂ معلقہ کا کلام ہے' اس پر بھی تعداد ۳۵ سے کم نہیں، اور مولانا حمیدالدین فراہی نے اپنی اقسام القرآن میں بہت سے اشعار نقل کر دیئے ہیں' وہ ان کے علاوہ ہیں' ان اشعار میں خدا کے گھر (کعبہ) کی جو قسمیں کھائی گئی ہیں، وہ تو ہیئی ہیں لیکن ان کے علاوہ کثرت سے اپنی عمر کی، یا مخاطب کی زندگی کی، اور خون کی، اونٹوں کی اور دوسری مخلوقات کی موجود ہیں' قرآن میں اگر قسموں کا وجود سرے سے نہ ہوتا تو البتہ اس کے مخاطبین اول کو یہ کہنے کا موقع تھا کہ کم از کم ایک اسلوب ہماری انشاء کا ایسا ہے' جس سے یہ دعویٰ اور تحدی والی کتاب خالی ہے۔

اب اخیر میں سوال اشارہ جاتا ہے کہ قرآن نے قسمیں حقیر اور معمولی چیزوں ہی کی کیوں کھائیں سو یہ سوال بھی پہلے سوالات کی طرح خود غلط در غلط ہے۔

اول تو وہ چیزیں حقیر اور معمولی نہیں، آسمان، زمین، چاند سورج، تارے اور فرشتوں سے بڑھ کر بھی پر ہیبت چیزیں ہو سکتی ہیں؟ اور رسول کی زندگی سے بڑھ کر پر عظمت جان، عالمِ ناسوت کی جاندار مخلوق ہیں؛ اور مکہ سے بڑھ کر کوئی متبرک ومقدس مقام اس عالمِ جغرافیہ میں ممکن ہے؟ اور پھر مخلوق تو جو بھی ہوگی بہرحال اللہ تعالیٰ کے معیار سے تو معمولی اور پست ہی ہوگی، خالق کے معیار سے تو ظاہر ہے کہ کوئی سی بھی مخلوق واجب التعظیم وقابل احترام نہ ہوگی، اور خالق کے ہاں قسم کھانے کا یہ معیار ہی کب ہے کہ وہ قسم اسی مخلوق کی لائے جس کی عظمت کا وہ خود بھی قائل ہو! قرآن تو جو قسمیں لایا ہے، وہ محض ایک ادبی اور انشائی تقاضہ کو پورا کرنے کے لئے۔

خیال کر کے دیکھ جایئے، مدنی سورتوں میں قسمیں کتنی کم ملیں گی، طلاق ونکاح کا قانون بنانے میں، حرمت کا ضابطہ بتانے میں، حج کے شعائر اور جہاد کے آداب سکھانے میں، شراب، سود، قمار کے احکام نازل کرنے میں جذبات کو ابھارنے کی خطیبانہ شان کے اظہار کرنے کا موقع ہی کون سا تھا، زور وتاکید والی، جذبات کو ہلا دینے والی، دلوں کو دہلا دینے والی قسمیں غائب ہو گئیں، قانون کی دفعات، تعزیر کی کتابوں میں کسی نے قسموں کا رواج دیکھا یا سنا ہے؟ مکہ کی سورتوں میں موضوع معاملات وعبادات نہیں، عقائد تھے، حافظ میں احکام کو جمع کر دینا نہ تھا، روحوں کو گرمانا تھا، شرافت وہمت کے کند جذبات پر باڑھ رکھنی تھی، قرآن خطیب بے بدل بن کر آیا، واعظ شیوہ بیاں بن کر گرجا اور برسا، دلوں کے اندر وہ آگ لگا دی کہ سننے والے مبہوت وششدر، خود اس کو بہترین شعر، شعر کا نمونہ سحر ٹھہرانے لگے، طرح طرح کے واسطے دلانے کا، سامنے کی چیزوں کو

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا

اس سورج نکلتے نکلتے ایک سخت آواز نے پکڑ لیا ٦٠ؔ چنانچہ ہم نے اس (بستی) کا اوپر کا تختہ نیچے کر دیا اور

عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿٧٤﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿٧٥﴾

ان لوگوں پر کنکر کے پتھر برسا دیئے ٦١ؔ بے شک اس (واقعہ) میں اہل بصیرت کے لیے نشانیاں ہیں ٦٢ؔ

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿٧٦﴾

اور وہ (بستی) تو ایک آباد راستہ پر (ملتی) ہے ٦٣ؔ

قدرت باری پر گواہ لانے کا، جن جن چیزوں کی عظمت کی قسمیں خود مخاطبین کھایا کرتے تھے جن کی افادیت کا کلمہ پڑھتے تھے، ان ہی کو ان پر الٹ کر ان سے اثبات توحید ورد شرک پر استدلال کا موقع اب نہ ہوتا تو کب ہوتا۔
قرآن مجید میں جن جن موقعوں پر جو قسمیں آئی ہیں، سیاق کے اعتبار سے وہاں کے لئے موزوں و مناسب تھیں، یہ تفصیلات بہت سی تفسیروں میں مل جائیں گی، اور اپنی جگہ کافی ہیں، اس قسم کی تفصیلات پر اگر گفتگو یہاں شروع کر دی جائے تو مقالہ بڑھتے بڑھتے رسالہ کی حد سے گزر کر ایک مستقل ضخیم کتاب کا حجم اختیار کر لے، اور یہ یقیناً سائل کا مقصود نہیں، اجمالاً صرف یہ کلیدی نکتہ کافی ہے کہ قسم جہاں کہیں جس شے کی بھی لائی گئی ہے، مقصود اس مصنوع سے ہی کسی زبردست صناعی کی طرف توجہ دلانا ہے۔

٦٠ؔ گویا جو کام فجر کے وقت شروع ہوا تھا جیسا کہ آیت ۶۶ میں لفظ مصبحین سے واضح ہے وہ وقت اشراق تک اپنی تکمیل کو پہنچ گیا، توریت میں ہے:۔
"اور جس وقت صغر میں داخل ہوا، سورج کی روشنی زمین پر پھیلی" (پیدائش ۔ ۱۹ : ۲۳)

٦١ؔ اور تاریخ آج تک اُن کی اس ہلاکت و بربادی پر گواہ ہے۔

توریت میں ہے:۔
"تب خداوند نے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ خداوند کی طرف سے آسمان پر سے برسائی اور اس نے ان شہروں کو اور اس سارے میدان کو اور ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ جو زمین سے اگا تھا نیست کیا" (پیدائش ۱۹ : ۲۴ و ۲۵)

٦٢ؔ (اللہ کی قدرت اور حاکمیت کی اور بدی کی مکافات کی)

للمتوسمین ۔ وسم کے معنی فراست و فہم کے ہیں۔

وهذا التوسم هو الذي سماه قوم الزكانة وقوم الفراسة وقوم الفطنة (راغب)

اور متوسمین وہ لوگ ہیں جو نصیحت قبول کریں اور اہل عبرت و عرفان میں سے ہوں۔

اي للمعتبرين العارفين المتعظين (راغب) اي للمتفرسين المتاملين. (كشاف)

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٧﴾ وَإِن كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ

بے شک اس (واقعہ) کے اندر ایمان والوں کے لئے (بڑی) نشانی ہے ۶۴ اور بے شک بن والے بھی (بڑے) بڑے

لَظَالِمِينَ ﴿٧٨﴾ فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿٧٩﴾

تھے ۶۵ سو ہم نے انھیں بھی ٹھیک کر دیا اور دونوں (بستیاں) شاہراہ پر (واقع) ہیں ۶۶

ع ۵

۶۳ یعنی عرب وشام کے درمیان خوب چلتے ہوئے راستے پر۔ سدوم وعمورہ کے برباد شدہ شہر بحر لوط یا بحر مردہ کے کنارے عین اسی راستہ پر واقع تھے جس پر حجاز وشام کے درمیان قافلے برابر آتے جاتے رہتے تھے، اور جس سے قرآن مجید کے مخاطبین اول، اہل عرب خوب واقف ومانوس تھے۔

مقیم۔ وہ راستہ ہے جو خوب چلتا ہوا ہو۔

ثابت یسلکہ الناس۔ (کشاف)

انہا میں ضمیر شہر قوم لوط کی جانب ہے۔

(الضمیر عائد مدینۃ قوم لوط۔ (کبیر)

۶۴ (کہ وہ اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں اور اسے بخت واتفاق یا اسباب طبعی پر محمول نہیں کرتے) اہل ایمان کی تو ایک خاص علامت ہی یہ ہے کہ وہ چھوٹے بڑے ہر تکوینی واقعہ سے درس عبرت کا لیتے رہتے ہیں۔

۶۵ (جو مدین سے متصل رہتے تھے، اور حضرت شعیبؑ ہی کی امت میں تھے)

اصحٰب الایکۃ نولدیکی وغیرہ اہل فرنگ نے اصحاب مدین ہی قرار دیا ہے، ہمارے اکثر ائمۂ تفسیر کے یہاں یہ دونوں قومیں الگ الگ تھیں، گو متقارب۔

لیکن بعض اقوال ہمارے بھی ایسے ملتے ہیں کہ ان دو ناموں کی قومیں دو نہیں، ایک ہی تھیں۔

وھم قوم شعیب علیہ السلام (مدارک)

ابن کثیر اور حافظ ابن حجر کی تحقیق بھی یہی ہے۔

ان اور لام دونوں تاکید کے لئے ہیں۔

۶۶ (جن سے اہل عرب کے قافلے اکثر گزرتے رہتے ہیں)

انھما۔ دونوں بستیاں، یعنی قوم لوط اور اصحاب ایکہ کی بستیاں۔

یعنی قری قوم لوط والایکۃ۔ (کشاف)

لبامام مبین۔ امام کہتے ہیں وسیع راستہ یا شاہراہ کو، اور طریق کو امام عجب نہیں کہ اس لئے کہا گیا ہو کہ اسی کا اتباع کیا جاتا ہے۔

الامام الطریق الواسع (تاج) قال الفراء جعل الطریق اماما لانہ یوم ویتبع (تاج) الامام

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا

اور بالیقین حجر والوں نے (بھی ہمارے) فرستادوں کو جھٹلایا ۶۷ف اور ہم نے ان کو اپنی (طرف سے)

فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٨١﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ

نشانیاں دیں پر وہ ان سے روگردانی ہی کرتے رہے ۶۸ف اور وہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے کہ (ان میں)

بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿٨٢﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿٨٣﴾

امن چین سے رہیں ۶۹ف سو ان کو صبح کے وقت آواز سخت نے آپکڑا ۷۰ف

امم لما يو نمر به تسمى به الطريق (كشاف)

۶۷ف الحجر شمالی عرب اور شام کے درمیان کا علاقہ کہلاتا ہے، مدائن صالح، جدید جغرافیہ میں اسی کا نام ہے، یہ حضرت صالحؑ کی امت قوم ثمود کا مسکن تھا، شام سے مدینہ آتے لگئے تو سب سے پہلے ارض لوط پڑے گی، پھر سرزمین شعیبؑ (مدین) ملے گی اور سب سے آخر میں علاقہ حجر یا مسکن قوم ثمود تینوں عبرت انگیز خطے باہم متصل ہیں، اور شاید اسی مناسبت سے تینوں کا ذکر بھی یہاں ایک ساتھ ہے۔

المرسلین ۔ کے صیغۂ جمع سے متعلق امام رازی نے لکھا ہے کہ ممکن ہے، یہ قوم برہمنوں کی طرح کل سلسلۂ رسالت ہی کی منکر ہو۔

لعل القوم كانوا براهمة منكرين لكل الرسول ۔ (كبير)

اور مشرک قومیں عموماً سلسلۂ وحی و رسالت کی منکر رہی ہیں۔

۶۸ف یعنی ہمارے رسولوں نے معجزات و دلائل ہر طرح کے پیش کر کے انھیں راہ راست پر لانا چاہا، لیکن وہ برابر ہٹ اور انکار ہی پر قائم رہے۔

۶۹ف (ہر قسم کی سختیوں اور تکلیفوں سے محفوظ ہو کر۔)

ثمود کا معیارِ زندگی کتنا بلند تھا، اسکا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ وہ عمارتیں کیسی کیسی بلند و مستحکم اور شاندار تیار کرتے رہتے تھے۔

قوم ثمود بڑی صناع قوم تھی، ہر قسم کے انجینیر اور ماہرین ریاضیات و تعمیرات ان میں موجود تھے، کہ بغیر ان کی سربراہی کے اعلیٰ درجہ کی سنگی عمارتیں اور وہ بھی بغیر آلاتِ کوہ تراشی کے بن ہی نہیں سکتیں۔

قوم ثمود پر حاشیے سورۂ اعراف میں گزر چکے۔

۷۰ف (اور ساری قوم زلزلہ سے ہلاک ہو کر رہ گئی۔)

ملاحظہ ہوں سورۃ الاعراف کے حاشیے۔

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ

سو جو کچھ انھوں نے حاصل کر رکھا تھا ان کے کچھ کام نہ آیا ۱؎ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو

وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ

اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے مقصد نہیں پیدا کر دیا ہے۔ اور قیامت ضرور آنے والی ہے

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾

پس آپ خوبی کے ساتھ درگزر کیجئے ۲؎ بے شک آپ کا پروردگار تو خالقِ اعظم ہے بڑا ہی علم والا ہے ۳؎

۱؎ یعنی ان کے دنیوی علوم و فنون، ان کی ہنرمندی اور صناعی ان کی ہندسہ دانی اور انجینیری کوئی چیز بھی انھیں خدائی قانون کی گرفت سے پناہ نہ دے سکی۔

۲؎ (ان کی شرارتوں سے، اور ان کا فیصلہ ہمارے اوپر حشر میں چھوڑے رہئے)

اب خطاب درمیان میں پھر براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہو گیا ہے۔

وما خلقنا ..... بالحق۔ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ یہ عقلوں کو دنگ کر دینے والا اور دماغوں کو چکر میں لے آنے والا عظیم الشان نظام کائنات آسمان و زمین، سورج اور چاند یوں ہی بے مقصد اور خود بخود نہیں یہ سب ایک حکیمانہ نظم کے ماتحت ایک متعین مقصود کی طرف لے جانے والا ہے اور وہ منزل آخرت کی ہے، جہاں سب کا حساب کتاب، امتحان یقینی ہے۔

قرآن مجید کی ایک اہم تعلیم اس کائنات کی با مقصدی اور بندہ کی مسئولیت یا ذمہ داری ہے۔

ان الساعۃ لاٰتیۃ یعنی ان سب کے آخری فیصلہ کا دن آ رہا ہے، آپ ان کے عناد و مخالفت سے زیادہ غم میں نہ پڑئیے۔

عقیدۂ آخرت تو ایک لازمی نتیجہ کائنات کی با مقصدی کا ہے۔

الصفح الجمیل۔ صفح (درگزر) یہ کہ غم و تردد میں نہ پڑا جائے اور اس کی خوبی (الصفح الجمیل) یہ کہ شکوہ و شکایت بھی نہ کی جائے۔

۳؎ (جس کے احاطۂ علم سے نہ آپ کا صبر و تحمل باہر رہ سکتا ہے نہ ان معاندین کی شقاوتیں اور شرارتیں)

الخلّٰق جزء و کل، صغیر و کبیر، جوہر و عرض سب ہی کا خالق، یہ ممکن نہیں کہ کوئی وجود ہو اور وہ وجود اپنی تخلیق میں اس سے بے نیاز ہو اس کی خلاقی ہر محدودیت سے بالاتر ہے۔

العلیم۔ چھوٹی بڑی روشن و تاریک، دور اور نزدیک کی ہر شے کا جاننے والا، ممکن نہیں کہ کوئی وجود ہو اور وہ وجود اس کے احاطۂ علم سے باہر ہو۔

اس قسم کے تمام صفات کے اثبات سے ایک مقصود اہلِ شرک کے شرک فی الصفات کی تردید ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾

اور بالیقین ہم نے آپ کو (وہ) سات (آیتیں) دیں (جو) مکرر (پڑھی جاتی ہیں) اور قرآن عظیم (دیا) ‏۷۴

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ

اپنی آنکھ اٹھا کر بھی ان چیزوں کو نہ دیکھئے جو ہم نے (کافروں کی) مختلف قسموں کو برتنے کیلئے دے رکھی ہیں ‏۷۵

۷۴ (تو جب اتنی بڑی نعمت آپ کو مل چکی ہے تو بس ہمارے ہی لطف عنایت پر نظر رکھئے، اور کافروں کا جو معاملہ آپ کے ساتھ ہے اسے خیال میں بھی نہ لائیے)

سبعا من المثانی۔ یعنی وہ سات آیتیں جو بار بار نماز میں پڑھی جاتی ہیں، مراد سورۂ فاتحہ ہے، جو حقیقۃً اپنی عظمت واہمیت خصوصی کے لحاظ سے مستحق اس کی تھی کہ اس کا ذکر مستقلاً بھی کیا جائے۔

سبع المثانی۔ کی تفسیر سورۂ فاتحہ سے حدیث صحیح میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، صحیح بخاری، کتاب التفسیر میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو سعید الخدریؓ کی روایتوں سے اور عینی کی عمدۃ القاری میں یہی قول صحابیوں میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا، اور تابعین میں حسن بصری اور مجاہد اور قتادہ اور ربیع اور بکر کا نقل ہوا ہے، ائمۂ تفسیر بھی کثرت سے اسی طرف گئے ہیں۔

وھو قول اکثر المفسرین انہ فاتحۃ الکتاب وھو قول عمر و علی وابن مسعود وابی ھریرۃ والحسن وابی العالیۃ ومجاھد والضحاک وسعید بن جبیر وقتادۃ وروی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ الفاتحۃ وقال ھی السبع المثانی رواہ ابو ھریرہ۔ (کبیر)

من المثانی۔ من تبعیض کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور محض بطور صلہ کے بھی کام دے سکتا ہے۔

قال الزجاج فیھا وجھان احدھما ان تکون للتبعیض من القرآن ویجوز ان تکون من صلۃ والمعنی اٰتیناک سبعا ھی المثانی۔ (کبیر)

۷۵ (اور عنقریب ان سے جدا کر لی جائے گی)

یہ چند روزہ عیش (اور وہ بھی تلخیوں سے ملا ہوا) چیز ہی کون سی ایسی ہے جسے ایک ولی عظیم سمجھا جائے۔

متعنا بہ۔ میں صاف اشارہ ادھر ہو گیا کہ یہ کافران نعمتوں کے کہیں مالک تھوڑے ہی کر دیئے گئے ہیں! یہ تو سرتاسر عارضی اور فانی چیزیں انھیں مستعار عنایت ہوئی ہیں۔

ازواجا منھم۔ کافروں کی مختلف قسمیں یہود، نصرانی، مجوسی، مشرکین وغیرہ۔

ای اشباھا واقرانا (راغب) اصنافا من الکفار (کشاف)

لا تمدن عینیک۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ظاہری نعمتوں پر شوق والتفات کی نظریں تو ڈال سکتے ہی نہ تھے، البتہ یہ ہو سکتا تھا کہ آپ بغض فی اللہ کے ماتحت غصہ سے نظر فرمانے کہ یہ دشمنان خدا اور ایسی نعمتوں سے لذت یاب ہوں! دوسری صورت رنج وتاسف کے نقطۂ نظر سے ممکن تھی کہ یہی چیزیں تو

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾ وَقُلْ إِنِّي

اور نہ ان (لوگوں) پر غم کیجئے اور ایمان والوں کے لئے اپنے بازو جھکائے رکھئے ف۷۶ اور کہئے کہ میں تو صاف

أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿٨٩﴾ كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴿٩٠﴾

صاف (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں ف۷۷ جیسا کہ ہم نے (وہ عذاب) نازل کردیا تھا قسمیں کرنے والوں پر

الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ﴿٩١﴾

جنھوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھے تھے ف۷۸

انھیں ایمان سے مانع نہیں ہو رہی ہیں، یہ ان کے پاس سے ہٹ جائیں تو ممکن تھا کہ یہ ایمان لے آتے ـــ آیت میں آپ کو غیظ و غم کی ان دونوں صورتوں پر نظر کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔

ف۷۶ (کہ آپ کی شفقت اور فکر مصلحت کے محل صحیح یہی اہلِ ایمان ہیں اور یہی نفع بھی حاصل کریں گے)

ولا تحزن علیھم۔ کہ یہ کافر و معاندسرے سے آپ کی شفقت و فکر مصلحت کے محل ہی نہیں۔

واخفض جناحك۔ خفض جناح۔ کے لفظی معنی بازو جھکانے کے ہیں، محاورہ میں اس سے مراد ہوتی ہے، شفقت و نرم خوئی سے پیش آنے سے مطلب یہ ہوا کہ آپ شفقت کو تمام تر مومنین پر متوجہ رکھئے۔

وخفض الجناح كناية عن اللينة والرفق والتواضع والمقصود انه تعالى لما نهاه عن الالتفات الى اولئك الاغنياء من الكفار امره بالتواضع لفقراء المسلمين (كبير) كناية عن التواضع لهم والرفق بهم۔ (روح)

ف۷۷ (تم منکروں کو)

ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ آپ معاند کافروں کے ساتھ بس اپنا فرضِ تبلیغی ادا کر دیجئے، باقی اُن کا دل پھیر دینا تو آپ کے ہاتھ میں ذرا سا بھی نہیں، انھیں ان کے حال پر چھوڑے رکھئے۔

ف۷۸ (اور بعض ٹکڑوں کو جو اپنی مرضی کے مطابق ہوتے تھے لے لیتے تھے اور جن حصوں کو اپنے لئے ناخوشگوار پاتے تھے، ان سے انکار کر دیتے تھے۔)

یہ حال شروع میں سب ہی منکرینِ قرآن کا تھا، اس کی صداقت کے وہ سو فیصدی منکر نہ تھے، جن حصوں کو چاہتے مان لیتے، اور جنھیں نہ چاہتے نہ مانتے، یہاں ان ہی کا ذکر ہے کہ بالآخر وہ کیسے پارہ پارہ اور معذب ہو کر رہے ـــ آیت اگر مدنی ہے جب تو کوئی اشکال ہی نہیں صاف منکرین تباہ شدہ و ہلاک شدہ کے انجام کی جانب اشارہ ہے لیکن اگر مکی ہے تو مستقبل کا جو واقعہ یقینی طور پر قطعی ہوتا ہے، اس کے لئے عربی اسلوب بیان میں ماضی کا صیغہ لانا عام ہے اور قرآن مجید میں اس کی مثالیں ایک دو نہیں، بکثرت موجود ہیں انزلنا۔ مراد حسب سیاق "نازل کر چکے ہیں" (بہ صیغۂ ماضی) بھی ہو سکتی ہے، اور "نازل کر کے رہیں گے"

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾

سو آپ کے پروردگار کی قسم کہ ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے۔ ان اعمال کی بابت جنھیں وہ کرتے رہے ہیں ۷۹ھ

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٤﴾

غرض آپ کو جس امر کا حکم دیا گیا ہے اسے صاف سنا دیجئے اور مشرکین کی پروا نہ کیجئے ۸۰ھ

(بہ صیغۂ مستقبل) بھی ہو سکتی ہے۔

المقتسمین۔ قسم سے مشتق ہے اور اس کے معنی حلف اٹھانے والوں کے ہیں، یعنی وہ دشمنانِ اسلام جنھوں نے مکہ معظمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں باہم سازش کرکے حلف اٹھائے تھے۔

ای الذین تقاسموا شعب مکة وقیل الذین تحالفوا علی کیده علیه السلام (راغب)

قال ابن عرفة هم الذین تقاسموا وتحالفوا علی کید الرسول صلی الله علیه وسلم (تاج)

امام بخاریؒ اور مجاہد تابعیؒ وغیرہ سے یہی معنی منقول ہیں۔

ای الذین حلفوا (بخاری۔ کتاب التفسیر) قال مجاهد تقاسموا تحالفوا (بخاری) قوم تحالفوا علی عضه النبی صلی الله علیه وسلم وان تذیعوا ذلک لکل طریق۔ (ابن قتیبه)

نساب و مؤرخ ابن حبیب نے لکھا ہے کہ یہ مقتسمین ۱۷ کی تعداد میں تھے، اور ان کے نام بھی درج کئے ہیں، جن میں سے ساتؔ ابوجہل کے قبیلۂ بنی مخزوم میں سے تھے، اور دسؔ قریش کے دوسرے قبیلوں سے (کتاب المحبر ص۱۶۰)

عضین۔ یعنی متفرق پارہ پارہ۔ تعضیه کے معنی حصوں کے الگ الگ کرنے کے ہیں۔

ای متفرقا والتعضیة تجزیة الاعضاء (راغب)

۷۹ھ (اور انھیں اعمال کے مطابق انھیں سزائیں بھی دیں گے۔)

یہ سوال قیامت میں بہ طور عتاب و مواخذہ ہوگا نہ بہ طور استفسار۔

ابن قیم نے لکھا ہے کہ یہ سوال کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ اور اس کے حقوق و واجبات وغیرہ سے متعلق ہوگا۔

قال غیر واحد من السلف هو عن قول لا اله الا الله وهذا حق فان السوال کله عنها وعن احکامها وحقوقها وواجباتها ولوازمها فلا یسئال احد قط الا عنها وعن واجباتها ولوازمها وحقوقها۔ (تفسیر القیم ص۳۹۶)

۸۰ھ (یہ نہ مانیں گے اور مخالفت میں طرح طرح کی شرارتیں کرتے رہیں گے۔)

فاصدع۔ صدع کے معنی تفصیل سے بیان کر دینے کے ہیں، یعنی پیامِ رسالت کھل کر خلائق تک پہونچا دیجئے۔

إِنَّا كَفَيْنَٰكَ الْمُسْتَهْزِءِينَ ﴿٩٥﴾ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا

ہم آپ کے لیے ان تمسخر کرنے والوں کے مقابلے میں کافی ہیں ۵۸۱ (وہ تمسخر کرنے والے) جو اللہ کے ساتھ کوئی

ءَاخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا

دوسرا معبود بھی قرار دیتے ہیں۔ سو ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے ۵۸۲ اور بالیقین ہم کو معلوم ہے (یہ لوگ) جو کچھ کہتے رہتے ہیں

يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السَّٰجِدِينَ ﴿٩٨﴾

اس سے آپ کا دل تنگ ہوتا رہتا ہے ۵۸۳ سو آپ اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح کرتے رہئے اور سجدہ کرنے والوں میں رہئے ۵۸۴

صدع الامر ای فصلہ (راغب) فاجھر بہ واظھرہ (کشاف) بلغ رسالۃ اللہ جمیع الخلق (قرطبی)

بما یس ما مراد ف الذی کا وما بمعنی الذی (بحر) ای بالذی ماتؤمر بہ (قرطبی)

۵۸۱ مکی زندگی میں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طرف ہر طرح کی جسمانی و روحانی اذیتیں برداشت کرنا پڑتی تھیں، وہاں دوسری طرف طنز و تمسخر و استہزاء کا بھی ایک بے پناہ طومار برپا تھا، بعض مفسرین ان جزئیات کی طرف چلے گئے ہیں کہ مستہزئین کون کون تھے، اور ان کا طریق استہزاء کیا کیا تھا، لیکن جیسا کہ امام المفسرین رحؒ نے فرمایا ہے، مفسر کو اس کی زیادہ کھوج لگانے کی ضرورت نہیں، بس اتنا جان لینا کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک پورا طبقہ صاحبِ اثر و وجاہت مستہزئین کا تھا۔

ولاحاجۃ الی شیء منھا والقدر المعلوم انھم طبقۃ لھم قوۃ وشوکۃ ورياسۃ (کبیر)

ابن حبیب نے مستہزئین قریش میں سے پانچ شخصوں کے نام گنائے ہیں، جن کا سرگروہ عاص بن وائل سہمی تھا۔ (کتاب المحبر صـ ۱۵۷)

۵۸۲ (کہ تمسخر و شرک کا کیا انجام ہونا ہے)

سوف۔ یعنی فردائے قیامت میں یا موت کے وقت۔

۵۸۳ مسلسل اذیت و آزار سے یہ دل کی تنگی حاصل ہونا ایک بالکل امر طبعی ہے، اور اگر بغض فی اللہ سے عقلاً پیدا ہو جائے تو عین عبادت ہے۔

بما یقولون۔ یعنی وہی کفر و شرک، انکار و استکبار، طنز و تمسخر کی باتیں۔

ای بما یقول ھؤلاء المشرکون من قومک من تکذیبھم ایاک واستھزائھم بک وبما جئتم بہ (ابن جریر)

۵۸۴ (کہ ان مشاغل ذکر و عبادت میں انہماک ضیق صدر سے بھی نجات دلادے گا۔)

امام رازی نے لکھا ہے کہ ان مشاغلِ ذکر و عبادت میں لگ جانے سے عالمِ قدس کے انوار کا فیضان

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾

اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہئے یہاں تک کہ آپ کو امر یقینی پیش آجائے ۸۵ ؎

شروع ہوجاتا ہے اور اس سے دنیا بالکل حقیر و ہیچ نظر آنے لگتی ہے اور اس لئے غم و الم کی طرف سے بھی طبیعت ہلکی و بے فکر ہوجاتی ہے۔

السٰجدین۔ یعنی نماز پڑھنے والے۔

ای من المصلین (بیضاوی) والمراد واللہ اعلم من المصلین فکنی بالسجود عن الصلاۃ (بحر)

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ آیت میں غم و ضیقِ صدر کا علاج بتادیا گیا ہے، اور وہ ذکر و توجہ الی الحق ہے۔

۸۵ ؎ (اسی حالت ذکر و عبادت میں)

گویا ارشاد یہ ہورہا ہے کہ منکرین سے خفگی و بیزاری، جو بغض فی اللہ کا نتیجہ ہے گو خود ہی ایک عبادت ہے لیکن ذکر و تسبیح کی مداومت اس سے بھی افضل ہے، وقتِ وفات آئے تو اسی کام جاں بخش پر آئے۔

الیقین۔ الیقین یہاں بمعنی موت ہے۔

ای حتی یاتیک الموت (لسان) الیقین الموت۔ لانہ تیقن لحاقہ لکل مخلوق حی۔ (تاج)

اکثر ائمۂ لغت کے نزدیک موت اس لفظ کے حقیقی معنی ہیں اور بعض کے نزدیک مجازی۔

مال کثیرون الی أنہ حقیقی وصوب بعضھم أنہ مجازی۔ (تاج)

قرآن مجید میں الیقین اپنی مطلق اور غیر اضافی صورت میں ایک جگہ اور آیا ہے اور وہاں بھی معنی موت ہی کے ہیں۔

وکنا نکذب بیوم الدین حتی اتٰنا الیقین۔ (مدثر)

اور حدیث میں بھی حضرت عثمان بن مظعون صحابیؓ کی شہادت کے سلسلہ میں لفظ الیقین اسی معنی میں آیا ہے۔

اما ھو فقد جاءہ الیقین وانی لارجوالہ الخیر۔ (صحیح بخاری، کتاب الجنائز)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ صحابی اور تابعین میں سے مجاہد، سالم، حسن بصری، ابن زید، قتادہ وغیرہ سب اسی طرف گئے ہیں۔

ای الموت کما روی عن ابن عمر والحسن وقتادۃ وابن زید۔ (روح)

اور جمہور مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے۔

الجمهور على أن المراد باليقين الموت (بحر) انما المراد باليقين ههنا الموت (ابن كثير)

اور یہ جو آج بعض جاہلوں نے معنی نکالے ہیں کہ عبادت بس اسی وقت تک فرض ہے کہ جب تک دل میں یقین نہیں پیدا ہوتا، اور جب مرتبۂ یقین پیدا ہو جائے تو عبادت ضروری نہیں رہتی، یہ محاورۂ عربی سے جہل کا نتیجہ ہے، "یقین آجانا" دل میں مرتبۂ یقین کے پیدا ہو جانے کے معنی میں تمام تر اردو محاورہ ہے، عربی میں یاتیك اليقين سے کوئی بھی یہ مراد نہیں لے سکتا۔

محققین نے لکھا ہے کہ یہ رد میں ان مدعیان باطل کے ہے جو کہتے ہیں کہ سلوک میں کوئی مرتبہ ایسا آتا ہے جس میں تکلیفاتِ شرعی جائز ہو جاتی ہیں، اور یہ اعتقاد الحاد محض ہے۔

ويستدل بها على تخطئة من ذهب من الملاحدة إلى أن المراد باليقين المعرفة فمتى وصل احدهم إلى المعرفة سقط عنه التكليف عندهم وهذا كفر وضلال وجهل ۔ (ابن كثير)

(۱۶)

سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ

اٰيَاتُهَا ۱۲۸ — ۱۲۸ آیتیں

رُكُوْعَاتُهَا ۱۶ — ۱۶ رکوع
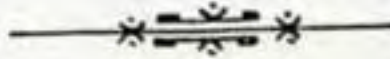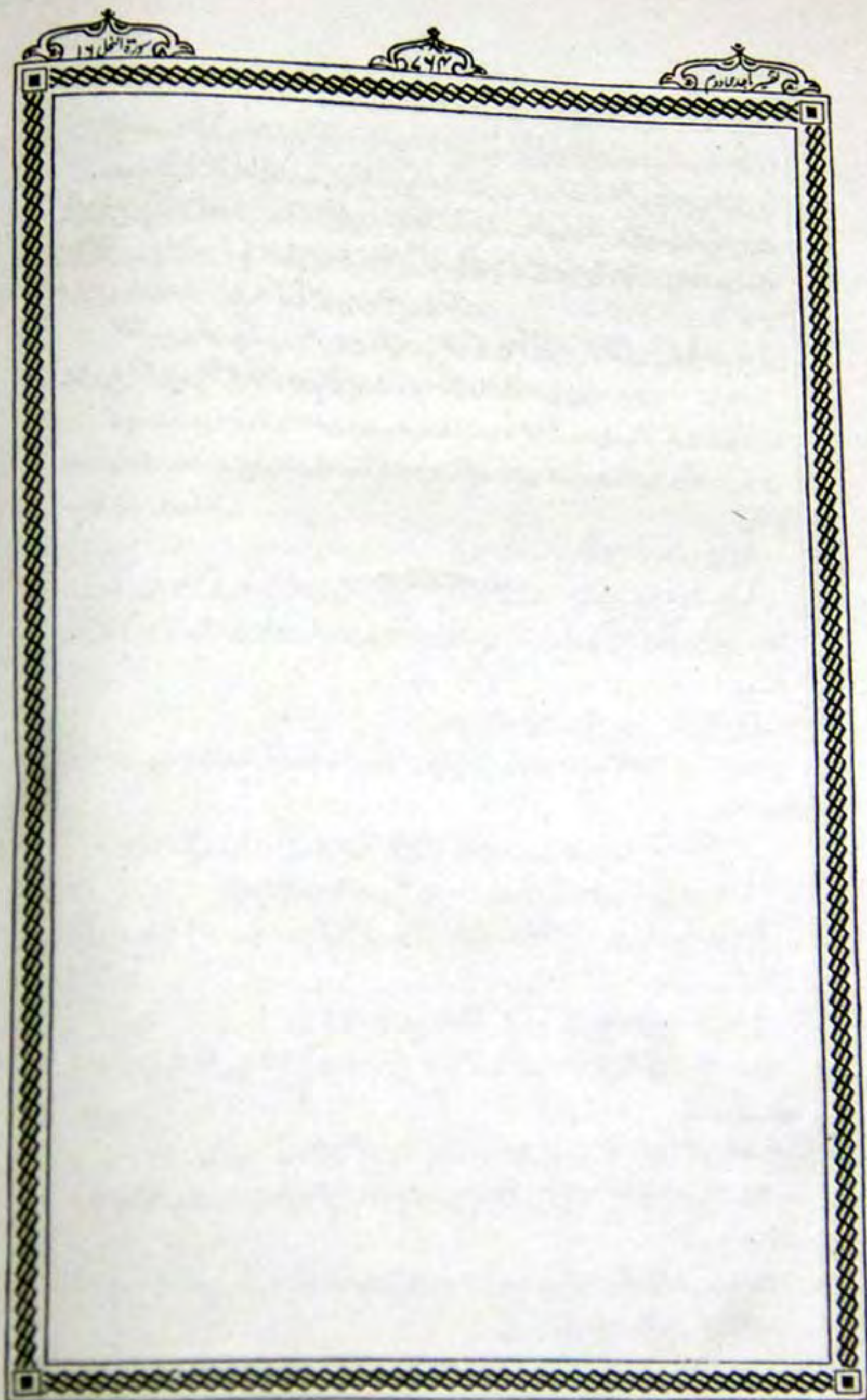
سورۃ نحل مکّی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ نہایت مہربان باربار رحم کرنے والے کے نام سے

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ①

اللہ کا حکم آپہونچا تو اب اس میں جلدی نہ مچاؤ ؎ پاک اور برتر ہے وہ (اللہ) شرک سے (جو یہ لوگ) کرتے رہتے ہیں ؎

؎ (اے منکرو)

منکرین باربار شرارت اور طعن کی راہ سے کہا کرتے تھے، کہ عذاب الٰہی اگر فی الواقع کوئی چیز ہے تو آکیوں نہیں جاتا، اس میں آخر اتنی دیر کیوں لگ رہی ہے، جواب اسی کا ارشاد ہو رہا ہے۔

امراللہ۔ یعنی سزائے کفروشرک کا حکم الٰہی —— مراد عذاب دنیوی بھی ہوسکتا ہے اور عذاب قیامت بھی، قریب تو دونوں ہی عذاب آچکے تھے۔

ذلک وعید من اللہ لاھل الشرک بہ اخبرھم أن الساعۃ قد قربت وأن عذابھم قد حضر اجلہ فدنا (ابن جریر) ھو تھدید من اللہ اھل الکفربہ وبرسولہ واعلام منہ لھم قرب العذاب منھم والھلاک (ابن جریر) فالمراد بہ علی قول الجمھور یوم القیامۃ (روح) وعن ابن جریج تفسیرہ بنزول العذاب فقط فقال المراد بالأمر ھنا ما وعد اللہ تعالیٰ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم من النصر والظفر علی الأعداء والانتقام منھم بالقتل والسبی ونھب الاموال والاستیلاء علی المنازل والدیار۔ (روح)

اَتٰۤى یاتی کے معنی میں بھی لیا گیا ہے ——

قیل أتی بمعنی یاتی (قرطبی) ھو بمنزلۃ الآتی الواقع ان کان منتظر القرب ونوعہ (کشاف)

یعنی امر الٰہی آیا جارہا ہے، سو خواہ مخواہ اس کے لئے جلدی کیوں مچا رہے ہو، اللہ کے کلام میں خبر جیسی ماضی کی یقینی ہوتی ہے، اسی درجہ میں صیغۂ مستقبل کی بھی ہوتی ہے، قرآن مجید میں اس کی متعدد نظیریں موجود ہیں۔

لانہ آتٍ لامحالۃ (ترمذی)

؎ اس کی ذات بھی منزّہ اور اس کی صفات بھی ارفع ان تمام نالائق امور سے جو اہلِ شرک جاہلیت اس کی جانب منسوب کرتے رہتے ہیں۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ

فرشتوں کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے نازل کرتا رہتا ہے اپنے بندوں میں جس پر وہ چاہتا ہے ۳ھ

عما یشرکون ۔ یعنی ان لوگوں کے شرک سے۔

ای عن إشراکھم ۔ (قرطبی)

ما ۔ موصولہ ہو یا مصدریہ بہر صورت معنی یہی ہوتے ہیں۔

عن إشراکھم فلو أن ما موصولۃ أو مصدریۃ ۔ (کشاف)

۳ھ یعنی انبیاء مرسلین پر۔

من یشاء ۔ نے ظاہر کر دیا کہ نبوت عطاءِ الٰہی ہے، امرِ استحقاقی نہیں۔

بالروح ۔ روح سے یہاں مراد وحیِ الٰہی ہے۔

بالروح ای بالوحی (ابن جریر عن ابن عباس) المراد من الروح الوحی وھو کلام اللہ (کبیر)

ای بالوحی وھو النبوۃ ۔ (قرطبی)

بالروح میں بؔ کے معنی معؔ کے ہیں۔

والباء بمعنی مع ۔ (قرطبی)

من امرہ ۔ میں اس کی تاکید ہے کہ یہ نزولِ ملائکہ و نزولِ وحی اللہ ہی کے حکم سے ہوتا ہے کوئی اور اس میں دخیل نہیں۔

یعنی ان ذلک التنزیل والنزول لایکون إلا بأمر اللہ تعالیٰ ۔ (کبیر)

فرشتوں کا قرآن مجید میں جہاں جہاں ذکر ہے وہاں برابر اسی طرح کی قیدیں لگا دی ہیں۔ مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ فرشتے اپنی طرف سے کسی امر میں سبقت کی مجال نہیں رکھتے، پابند ہیں تمام تر حکمِ الٰہی کے۔ امام رازیؒ اس طرح کی متعدد آیات نقل کر کے لکھتے ہیں۔

کل ھذہ الآیات دالۃ علی انھم لایقدمون علی عمل من الأعمال إلا بأمر اللہ تعالیٰ وإذنہ ۔ (کبیر)

دیوتا پرستی، ملائکہ پرستی ہی کا دوسرا نام ہے، قرآن مجید کا اس لئے اس باب میں اسقدر اہتمام بالکل قدرتی ہے۔

ملائکۃ ۔ صیغۂ جمع میں بہ معنی جنس ملائکہ ہے، خواہ مراد اس سے صرف حضرت جبرئیلؑ ہی ہوں لیکن جیسا کہ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول تنہا جبرئیلؑ تک محدود تھا ہی نہیں کبھی غزوات میں فرشتوں کی پوری کی پوری فوجیں اتاری جاتیں اور روایاتِ حدیث کے بموجب کبھی ملکُ الجبال آپؐ کی خدمت میں بھیجے جاتے، کبھی ملکُ البحار، کبھی کوئی اور۔

انہ سبحانہ تعالیٰ ما انزل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل وحدہ بل فی اکثر الأحوال کان ینزل مع جبرئیل أفواجا من الملائکۃ (کبیر) المراد بالملائکۃ عند الجمھور

أَنْ أَنذِرُوٓا۟ أَنَّهُۥ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱتَّقُونِ ② خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ

(اس حکم کے ساتھ) کہ (لوگوں کو) خبردار کردو، کہ کوئی معبود بجز میرے نہیں ہے سو مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ اس نے آسمانوں اور

وَٱلْأَرْضَ بِٱلْحَقِّ ۚ تَعَٰلَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ③ خَلَقَ ٱلْإِنسَٰنَ مِن

زمین کو پیدا کیا ہے حکمت کے ساتھ۔ وہ برتر ہے شرک سے جو (یہ لوگ) کرتے رہتے ہیں ۵ اس نے انسان کو نطفہ

نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ④

سے پیدا کیا مگر وہ تو کھلم کھلا مقابلہ پر آگیا ۶

جبرئیل علیہ السلام ویسمی الواحد بالجمع کما قال الواحدی إذا کان رئیسا وعند بعض هو علیہ السلام ومن معہ من حفظۃ الوحی۔ (روح)

من کو بعض نے بیانیہ تفسیر پر لیا ہے اور من أمرہ سے بھی وحی ہی مراد رکھی ہے۔

من امرہ بیان للروح المراد بہ الوحی۔ (روح)

ترجمہ اس صورت میں یوں ہوگا:۔ نازل کرتا ہے فرشتوں کو وحی یعنی اپنے حکم کے ساتھ۔

اس میں اشارہ ادھر بھی ہے کہ پیغمبر پر جو وحی آتی ہے ملائکہ امین وصادق کے ذریعہ سے آتی ہے کسی شیطان فاسق کے ذریعہ سے نہیں، نیز آیت سے اس کی تعلیم مل جاتی ہے کہ پیغمبر صاحبِ وحی ہو جانے کے بعد بھی بندہ ہی رہتا ہے، اور فرشتے باایں کمال تقرب ومنزلت حد عبدیت سے نہیں آگے بڑھنے پاتے۔

۴ (اور میرے مقابلہ میں کسی کو خاطر میں نہ لاؤ)

انذار۔ ایسا اعلان ہے جس کے ساتھ خوف بھی ملا جلا ہو۔

الانذار هو الاعلام مع التخويف (کبیر)

سارے پیغمبروں کی تعلیم وتلقین کا مغز یا نچوڑ یہی دعوتِ توحید ہے۔

۵ آیت سے کئی تعلیمات حاصل ہوئیں۔ مثلاً یہ کہ:۔

(۱) آسمان وزمین خود ساختہ نہیں، مخلوق ہیں۔

(۲) مخلوق اللہ کے ہیں نہ کہ کسی اور کے۔

(۳) ان سب کی خلقت بلا کسی غرض ومقصد کے اسیرِ وتفریح کھیل وتماشہ کی طرح نہیں، گہرے حکیمانہ مقصد ہی سے ہوئی ہے۔

بالحق۔ دوسرے بہت سے مقامات کی طرح زور یہاں بھی اس پر دیا ہے کہ سارے کارخانۂ کائنات کی تخلیق مقصدیت سے ہوئی ہے۔

بالحق ای للدلالۃ علی قدرتہ۔ (قرطبی)

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ⑤

اور چوپائے بھی اسی نے بنائے ان میں تمہارے لئے گرم لباس بھی ہے اور (اور بھی) فائدے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو

وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ⑥

اور ان کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے جبکہ (ان کو) شام کے وقت (گھر) لاتے ہو اور جبکہ (انھیں) صبح کے وقت (چرنے) چھوڑ دیتے ہو

(اور اپنی بڑائی کی ترنگ میں آکر اپنے رب کی ذات وصفات میں کیسے کیسے مناقشے برپا کئے۔)

۶ خلق الانسان من نطفۃ۔ یہاں یہ یاد دلادیا گیا کہ انسان جو استکبار وانانیت سے لبریز ہوجاتا ہے، حقیقۃً اس کی اصل مادی ہے کتنی حقیر وپست۔

۷ مطلب یہ ہوا کہ چوپایوں میں کوئی شان ربوبیت والوہیت اصلاً نہیں، سب کے سب اللہ کے مخلوق ومربوب ہی ہیں، انسان ہی کے نفع وخدمت کے لئے نہ کہ الٹے انسان کے مخدوم اور دیوتا بننے کے قابل۔ یہ تردید ہورہی ہے ان مشرک وجاہلی قوموں کی جنھوں نے گائے اور بیل اور بھینس وغیرہ کی پرستش کی ہے۔

دف ء۔ لفظی معنی سرمائی پوشش کے ہیں۔

الدفیٔ غلاف البرد۔ (راغب)

اس عموم کے تحت دوشالے، شال، پوستین، دھسّے، خیمہ اور ڈیرے وغیرہ سب آگئے۔

ومنافع۔ چنانچہ کوئی چوپایہ ہل چلانے کے کام میں آتا ہے، کوئی سواری کے، کوئی باربرداری کے اور کسی کی جلد سے جوتے اور بکس اور طرح طرح کا چرمی سامان بنتا ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔

فقہانے آیت سے استدلال کیا ہے کہ چوپایوں کی کھال، اون وغیرہ سے نفع حاصل کرنا، زندہ اور مردہ دونوں حالتوں میں جائز ہے۔

ذلک یقتضی جواز الانتفاع بأصوافھا وأوبارھا فی سائر الأحوال من حیاۃ أو موت (جصاص)

ومنھا تاکلون۔ یعنی اس کی جو چیزیں کھانے کے قابل ہیں مثلاً دودھ، گوشت، چربی وغیرہ۔

۸ محققین نے لکھا ہے کہ منافع ضروری کے بعد جمال کا ذکر لانا اس کی دلیل ہے کہ زینت، جمال وغیرہ مصالح زائد کا قصد بھی مضر نہیں، جبکہ مانع شرعی (مثلاً فخر وتکبر) سے خالی ہو، اور کوئی امر روح مقصود ہو، مثلاً دفع ذلت یا حصول مسرت، اس جمال وزینت یا خوش منظری کا تصور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دیہات کی فضا کو پیش نظر رکھئے اور یہ مستحضر کرلیجئے کہ قرآن مجید جس طرح شہری تمدن والوں کے لئے ہے، اسی طرح دیہاتی تمدن ومعاشرت والوں کے لئے بھی ہے ــــ دیہات کے اس منظر کو ذرا خیال میں تو لائیے کہ دن چڑھ چکا ہے، اور جانوروں کے ریوڑ، اچھلتے کودتے ہوئے اور خوش فعلیاں کرتے ہوئے بچھڑوں اور بچھیوں کے ساتھ ان کے مالک چراگاہوں اور جنگلوں کی طرف لئے جارہے ہیں، اور اسی طرح شام کے جھٹپٹے میں چرائی سے خوب آسودہ ہوکر بڑے اور چھوٹے جانور مگن اور کلیلیں کرتے ہوئے

وَتَحۡمِلُ اَثۡقَالَكُمۡ اِلٰى بَلَدٍ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا بٰلِغِيۡهِ اِلَّا بِشِقِّ

اور وہ تمہارے بوجھ بھی ایسے شہر کو لے جاتے ہیں جہاں تم نفس کی بغیر سخت مشقت کے پہونچ نہیں سکتے

الۡاَنۡفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۞ ۷ وَّالۡخَيۡلَ وَالۡبِغَالَ

تھے ۹ تمہارا پروردگار بے شک بڑا شفقت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۱۰ اور (اسی نے پیدا کئے) گھوڑے

وَالۡحَمِيۡرَ لِتَرۡكَبُوۡهَا وَزِيۡنَةً ؕ وَيَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۞ ۸

اور خچر اور گدھے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور زینت کے لئے بھی اور وہ پیدا کرتا رہتا ہے ایسی چیزیں جن کی تم کو خبر نہیں ۱۱

گھروالیس ہو رہے ہیں۔

۹ دور دراز مقامات کی مسافت طے کرنے اور سامان باربرداری منتقل کرنے میں جو مدد اور سہولت اونٹ، گھوڑے اور بیل وغیرہ سے میسر آجاتی ہے وہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے، اور جب یہ حال اس ریل اور موٹر اور سائیکل اور لاری کے زمانے میں ہے تو اس دور سے قبل جو غیر معمولی اہمیت چوپایوں کو رہی ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔

۱۰ (چنانچہ تمہارے نفع اور آسائش کے لئے کیسے کیسے سامان اس رؤف رحیم نے بہم پہونچا دیئے، خصوصًا ان چوپایوں کے ذریعہ سے)

اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ جانوروں کے واسطے سے جو رفاہی کام نکلتے ہیں ان میں حصہ لینا بجائے خود ایک عبادت ہے۔

۱۱ اس عموم کے تحت میں جانوروں کے علاوہ تمام انسان کی ایجاد کی ہوئی سواریاں بھی خشکی اور تری اور ہوا کی قیامت تک کے لئے آگئیں، انسانی صنعت اور صناعت کی مدد سے جو طریقے حمل ونقل کے نکلے ہیں، وہ آخر اللہ ہی کے خلق میں داخل ہیں۔

الخیل والبغال والحمیر۔ مشرک قوموں نے گھوڑے کی بھی پرستش کی ہے، اور گدھے کی بھی، ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

ہٹی (HITTI) نے اپنی "تاریخ عرب" میں لکھا ہے کہ نجد کے گھوڑے اور حساء کے گدھے اور عمان کے خچر ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ ص۲۲

وزینۃ۔ یعنی طرح طرح کے نفیس سامان آرائش و زینت ان ہی جانوروں سے حاصل ہوتے رہتے ہیں، اور خود یہ جانور بھی تجمّل و تزئین انسانی کا ذریعہ ہیں، ملاحظہ ہو اوپر کا حاشیہ ۶ نیز تفسیر انگریزی۔

جن فقہاء نے گھوڑے اور خچر اور گدھے کے گوشت کو ناجائز قرار دیا ہے، ان کا ایک استدلال اس آیت سے بھی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اوپر جہاں انعام (مویشیوں) کا ذکر ہے وہاں حق تعالیٰ نے ومنها

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ۭ وَلَوْ شَآءَ

اور اللہ ہی پر ہے سیدھے راستہ (کا دکھانا) ۱۲؎ اور بعض اس میں سے ٹیڑھے بھی ہیں ۱۳؎ اور اگر اللہ

لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ ۹ ۧ

چاہتا تو تم سب ہی کو راہ یاب کر دیتا ۱۴؎

تاکلون کی بھی تصریح کردی ہے، اور یہاں صرف لترکبوھا وزینۃ ہے، جس سے اشارہ نکلتا معلوم ہوتا ہے کہ یہ جانور صرف سواری اور آرائش کے کام کے ہیں، کھانے کے لئے نہیں۔

ویخلق ما لا تعلمون۔ اس نے بتادیا کہ اللہ کی تخلیق کا کام بند نہیں ہوگیا، اور یہ نہیں کہ اللہ کو جو کچھ پیدا کرنا تھا کرچکا، اللہ کی تخلیق کا دوامی عمل جاری ہے اور وہ طرح طرح کی چیزیں جاندار اور بے جان بھی پیدا کرتا رہتا ہے، جن کی طرف ہم انسانوں کا ذہن بھی نہیں جا سکتا۔

۱۲؎ (طالبانِ حق کے لئے)

علی اللہ۔ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے طالبانِ حق کو راہ راست دکھا ہی دیتا ہے، یہ مراد نہیں (جیسا کہ معتزلہ نے سمجھ لیا ہے) کہ اللہ پر راہ راست دکھانا واجب ہے۔

المراد علی اللہ بحسب الفضل والکرم أن یبین دین الحق والمذھب الصحیح (کبیر) ای اقامۃ السبیل وتعدیلھا رحمۃ وفضلا (بیضاوی) ولیس ذلک للوجوب إذ لا یجب علی اللہ شیئا ولکن یفعل ذلک تفضلا۔ (مدارک)

قصد السبیل۔ قصد یہاں صورۃً مصدر ہے لیکن معنیً فاعل یعنی راہ قاصد یا مستقیم۔

الطریق الموصل الی الحق (کشاف) مصدر بمعنی فاعل وھو القاصد یقال سبیل قصد وقاصد الی مستقیم۔ (کشاف)

السبیل۔ صورۃً مفرد ہے، لیکن مراد جنس سبیل ہے۔

المراد بالسبیل الجنس ولذلک اضاف إلیہ القصد (کشاف) السبیل واحدۃ بمعنی الجمع (قرطبی)

۱۳؎ یعنی ایسے راستے ہیں جو دینِ حق کے خلاف ہیں، اور حق تعالیٰ تک نہیں پہونچاتے، اور ان پر چلنے سے بچنے کا حکم ہے، مراد اس سے کفر وضلالت کے مختلف طریقے ہیں۔

یعنی ومن السبیل ما ھو جائر غیر قاصد للحق وھو أنواع الکفر والضلال۔ (کبیر)

منھا۔ ضمیر سبیل کی طرف ہے جو لغتِ مجاز میں مؤنث ہے۔

تعود علی السبیل وھی مؤنثۃ فی لغۃ الحجاز (کبیر) والسبیل مؤنثۃ فی لغۃ الحجاز۔ (قرطبی)

جائر۔ جور کے معنی حق سے انحراف، یا کجی کے ہیں۔

ای عادل مائل ومعنی الجور فی اللغۃ المیل عن الحق۔ (کبیر)

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ⑩

وہ (اللہ) وہی ہے جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا جس سے تمہیں پینے کو ملتا ہے اور اسی سے سبزہ زار پیدا ہوتے ہیں جن میں تم (مویشی) چراتے ہو۔۱۵

يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ⑪

اور اسی سے تمہارے لئے کھیتی اگاتا ہے نیز زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل بے شک اس میں (بڑی) نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سوچتے رہتے ہیں۔۱۶

۱۴ (لیکن اس کی مشیت تکوینی میں ہدایت عام و عالمگیر و اضطراری نہیں رکھی گئی، بلکہ صرف ان ہی افراد کے لئے رکھی گئی، جو اپنے ارادہ سے حق کی تلاش کریں۔)

ہدایت اگر کسی مشینی ذریعہ سے سب کو یکساں ملنے لگتی، تو پھر اس عالم ابتلاء کے کوئی معنی ہی نہ رہ جاتے۔

اہل سنت نے آیت کے اس جزء کو قدریہ کے رد میں لیا ہے۔ (قرطبی)

۱۵ یہاں یہ بتایا کہ کھانے پینے کی ساری لذتوں اور نعمتوں کا آخری سرا اسی قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے۔

شجر۔ کے عموم میں پودے، درخت، جھاڑیاں، گھاس اور ہر قسم کی نباتات داخل ہیں۔

قال الزجاج کل ما ینبت علی الارض فهو شجر (کبیر) ای نبات مطلقا سواء کان له ساق أم لا کما نقل عن الزجاج۔ (روح)

یہاں مراد چراگاہیں ہیں۔

یعنی الشجر الذی ترعاه المواشی۔ (کشاف)

آیت اشارہ اس حقیقت کی طرف کر رہی ہے کہ بارشی پانی جو اتنی بڑی نعمت ہے کہ انسان اس سے نہ صرف اپنی پیاس بجھاتا ہے، بلکہ ساری نباتاتی زندگی (اور اسی طرح بالواسطہ حیوانی زندگی) کا بھی دارومدار اسی پر ہے، اس کا انتظام پورے آئین حکمت کے ساتھ کر دینا اسی منعم اعظم اور حکیم مطلق کا کام ہے۔

السماء۔ کے معنی جس طرح آسمان کے ہو سکتے ہیں بادل بھی ہو سکتے ہیں مراد اس سے سمت آسمان ہوگی۔

ان السحاب انما الیوم المعروف والکلام علی حذف مضافه ای من جانب السماء

اما السحاب علی سبیل الاستعارة او المجاز المرسل، واما الجرم المعروف والکلام علی حذف مضاف ای من جانب السماء (روح)

۱۶ یعنی اس سارے محکم نظام و انتظام نباتی میں اہل فکر و تدبر کے لئے اللہ کی ربوبیت، قدرت حکمت و توحید کی بڑی بڑی نشانیاں موجود ہیں۔

فی ذلك۔ یعنی اس نظام انزال و انبات میں۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ

اور اسی نے تمہارے لئے مسخر کیا ہے رات کو اور دن کو اور سورج کو اور چاند کو اور ستارے بھی اسی کے حکم سے

بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾

(تمہارے لئے) مسخر ہیں۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے (بڑی) نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے رہتے ہیں ۱۷ الف

آیۃ۔ بمعنی نشانات و دلائل دلالۃ (قرطبی)
اصل فکر وہی ہے جو دماغ کو اثباتِ توحید کی طرف لے جائے اور انسان کو خداشناسی تک پہونچائے
والزیتون والنخیل والاعناب۔ زیتون، کھجور، انگور عرب کے خاص الخاص پھل تھے،
ان کے طبی فوائد نیز اہل عرب کے لئے ان کی اہمیت خصوصی طور پر ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن۔

نام تصریح کے ساتھ انہی پھلوں اور پودوں کے لئے گئے ہیں (نہ کہ آم اور ناشپاتی کے) جن سے
مخاطبین اول خوب مانوس تھے، اور قرآن کا یہ اسلوب بیان عام ہے، سب سے زیادہ اور صراحۃً
رعایت مخاطبین اول کی اور پھر اجمالاً بات سارے عالم کی۔
ینبت لکم۔ لکم سے یہ مسئلہ ایک بار پھر روشنی میں آگیا کہ یہ سارا انتظامِ نباتی انسان ہی کے لئے ہے۔
النخیل۔ کھجور، زمین کے گرم ملکوں کا عام پھل ہے، نہایت لذیذ، نہایت مفید اور غذائیت
سے لبریز، درازی عموماً ۲۰ سے ۳۰ فٹ تک ہوتی ہے، اور بعض کے قد سَو سَو فٹ کے بھی پائے گئے ہیں،
پتیاں صرف اوپر کے حصہ میں ہوتی ہیں، باقی تنہ صاف رہتا ہے، شاخیں کچھ نہیں ہوتیں، پھل کے درمیان
خوشوں یا گچھوں کی شکل میں ہوتی ہیں، نباتات میں شاید یہی ایک ایسا درخت ہے جس میں نر مادہ کی
تفریق پائی جاتی ہے، آٹھ سال کے سن سے درخت پھل دینا شروع کر دیتا ہے، اور پھر سَو سَو برس تک
بلکہ دو دو سَو تین تین سو برس تک پھل دیتا ہے۔
الاعناب۔ انگور اصلاً ایشیا کا میوہ ہے، ہندوستان، پاکستان، افغانستان اور عرب میں کثرت
سے پیدا ہوتا ہے، اب ساری دنیا پر چھا گیا ہے اسپین، فرانس، بلجیم، پرتگال، اٹلی اور امریکہ میں بھی
پیدا ہونے لگا ہے، بیل دار پودے کی شکل میں ہوتا ہے، اور اس کی بیل دیواروں پر چڑھائی جاتی ہے، انگور
لطف اور ذائقہ دار ہونے کے ساتھ اپنے طبی فوائد کے لئے بھی مشہور ہے۔
۱۷ الف یعنی اس سارے نظامِ فلکی کے جزئیات و تفصیلات پر اگر عقل و تدبر سے کام لو تو تم خود
بول اٹھوگے کہ بے شک جس نے ایسے کامل و مستحکم انتظام کر رکھے ہیں، وہی ذات قادرِ مطلق و حکیم کامل
اور سب کا پروردگار ہے۔
سخر لکم ..... بامرہ۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ ساری مخلوقات جو اپنے فرائضِ تکوینی انجام دیتی رہتی

وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً

اور (ان چیزوں کو بھی مسخر بنایا) جنھیں زمین پر تمھارے لئے پھیلا رکھا، ان کے اقسام مختلف ہیں بے شک اس میں

لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا

بھی نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو نصیحت حاصل کرتے رہتے ہیں ۱۸ اور وہی (اللہ) ہے جس نے سمندر کو مسخر کر رکھا

مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۚ

ہے تاکہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ ۱۹ اور تاکہ تم اس میں سے زیور نکالو جسے تم پہنتے ہو ۲۰

ہیں، ان سے مقصود خلیفۃ اللہ، نوعِ بشر ہی کی خدمت ہے، تو کیسی الٹی سمجھ اور کس درجہ حماقت و سفاہت ہے کہ خود ان ہی خادموں کو دیوی دیوتا کے مرتبہ پر پہونچا دیا جائے ـــــــ یہ یہاں بطور صراحت النص کے ہے کہ چاند اور سورج اور تارے سب ارادۂ الٰہی سے انسان کے محکوم ہیں، اور جوں جوں انسان کے قوائے عقلی اور علومِ طبعی بڑھتے جائیں گے، یہ محلِ تسخیر اور نمایاں ہوتے جائیں گے۔

مسخرات بامرہ۔ سارے اجرامِ فلکی بہ این عظمت بے نہایت اللہ ہی کے قوانینِ طبعی کے پابند ہیں، اور ان سے بال بھر ادھر اُدھر نہیں ہٹ سکتے ـــــــ مشرک قوموں کی دیومالا اٹھا کر دیکھئے، چندرماں پر ہیبت دیوتا سے لڑتے نظر آئیں گے، اور زہرہ و عطارد کے درمیان جنگ ہوتی ملے گی۔

لیل، نہار، شمس، قمر، نجوم، دنیائے شرک میں پرستش ان سب کی ہوتی رہی ہے، اور یہ سب دیوی دیوتا ٹھہرائے جا چکے ہیں، جیسا کہ اس تفسیر میں متعدد مقامات پر پہلے گزر چکا ہے۔

والشمس والقمر والنجوم۔ چاند پر انسان کا دخل و تصرف تو اب بخوبی مشاہدہ میں آچکا ہے، تاروں پر اور آفتاب پر انسان کی حکومت کا مشاہدہ بس اب کچھ ہی دنوں کی بات ہے، اللہ کے قانون کے مسخروں کا خلیفۃ اللہ کی تسخیر میں آجانا ذرا بھی پہلو اچنبھے کا اپنے اندر نہیں رکھتا۔

۱۸ ایک ہی سطح زمین پر، ایک ہی آفتاب کی روشنی میں ایک ہی فضائے ہوائی میں، ایک ہی بارش سے اور بعض اوقات تو فضا میں ایک دوسرے سے بالکل متصل ہی، مختلف شکل و صورت کے مختلف جسامت کے مختلف مزہ اور بو باس کے، مختلف رنگوں کے مختلف خاصیتوں کے پھول، پھل، میوے، غلے پیدا کرتے رہنا جس قدر حکیمانہ انتظام قدرت پر دلالت کر سکتا ہے کسی صاحبِ نظر اور اہلِ بصیرت سے مخفی نہیں۔

الوانہ۔ لون کے اصلی معنی تو رنگ کے ہیں لیکن الوان سے انواع و اقسام بھی مراد ہوتی ہے

ویعبر بالالوان عن الاجناس والانواع۔ (راغب) ای ھیئاتہ ومناظرہ (قرطبی)

مختلف الھیئات والمناظر۔ (کشاف)

۱۹ (حلال دریائی جانوروں کا)

وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ

اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ اس میں پانی چیرتی ہوئی چلی جاتی ہیں تاکہ تم اللہ کے فضل کی تلاش کرتے رہو اور

تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾

تاکہ تم (اس کا) شکر کرتے رہو ۲۱ھ

البحر ۔ کا مفہوم عربی میں وسیع ہے ، سمندر اور دریا دونوں اس کے تحت میں آجاتے ہیں ۔
البحر جنس یشمل الملح والعذب (بحر) اصل البحر کل مکان واسع جامع للماء الکثیر (راغب)
سخر البحر ۔ یعنی دریا و سمندر بھی اسی کے قانون تکوینی کے ماتحت انسان کے محکوم و مسخر ہیں ، نہ خود آفریدہ ہیں ، نہ خود مختار ـــــ مصر میں دریائے نیل کی پرستش کا نظارہ اسی طرح عام رہ چکا ہے جس طرح آج ہندوستان میں گنگا مائی ، جمنا مائی ، سرجو مائی ، نربدا مائی ، تاپتی مائی اور بھاگیرتھی مائی اور بے شمار دریاؤں کی پرستش کا ہے ۔

۲۰ھ جیسے موتی یا مونگے حلیۃ کے عموم میں علاوہ مشہور و متعارف زیوروں کے وہ تمام چیزیں آجاتی ہیں ، جن سے انسانی جسم کی زیب و زینت کا کام لیا جاسکے ۔
صوفیہ محققین نے کہا ہے کہ کوئی پُر زینت لباس جبکہ حاجب عن الحق نہ ہو ، خلافِ طریق نہیں ـــ بلکہ جس طرح بلا نکیر یہ عادتِ انسانی نقل ہوتی ہے اس سے تو یہی نکلتا ہے کہ لباسِ زیب و زینت ایک حد تک مقصود و مطلوب ہی ہے ۔

۲۱ھ یہ ابتغاءِ فضل اور توقعِ شکر اس کی صاف دلیل ہیں کہ بڑی سی بڑی بحری تجارت کرنا اور ان سے نفع اٹھانا اور اتھاہ سمندروں کی تہ میں بہائے جانے والے خزانوں پہ تصرف کرنا ذرا بھی منافی تقوی نہیں ، قرآن مجید نے موقع فضل و امتنان پر جہاں بارش کے پانی کو بار بار پیش کیا ہے وہیں سمندر پر قبضہ و تصرف سے حاصل ہونے والے فوائد کو بھی اپنے احسان خصوصی کے طور پر گنایا گیا ہے ۔

ترى الفلك ۔ خطاب عام ناظرین سے ہے ۔

فیہ ۔ یعنی دریا میں ، سمندر میں ۔

لتبتغوا من فضلہ ۔ یعنی ان بحری سواریوں سے تجارت کیا کرو ، ابتغاء فضل سے مراد ایسے سیاق میں تجارت اور اس کے سارے متعلقات ہوتے ہیں ۔
لفظ سارے مالی ، مادی اور معاشی فوائد پر حاوی ہے ۔
ابتغاء الفضل ای التجارۃ (کشاف) یعنی التجارۃ (معالم) من سعۃ رزقہ بر کوبہا للتجارۃ (روح)
بحری تجارت کی صاف اہمیت بلکہ ایک حد تک اس کی ترغیب بھی آیت سے نکل رہی ہے ۔
وتستخرجوا منہ حلیۃ ۔ سمندر کے اندر جو دولت بے پایاں خصوصاً سونے اور چاندی کی

وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ

اور اسی نے زمین میں پہاڑ رکھ دیئے ہیں تاکہ وہ تم کو لے کر ڈگمگانے نہ لگے ۲۲ے اور دریا اور راستے (بنا دیئے)

تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

تاکہ تم راہ پاتے رہو۔ اور علامتیں بھی بنائیں ۲۳ے اور ستاروں سے بھی (لوگ) راہ پاتے رہتے ہیں ۲۴ے

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾

اچھا تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اس جیسا ہو جائے گا جو پیدا نہیں کر سکتا؟ تو کیا تم اتنا بھی غور نہیں کرتے ۲۵ے

شکل میں پڑی ہوتی ہے، اس کا اندازہ ذیل کی خبر سے کیجیے۔

۲۷ر جولائی ۱۹۶۵ء کو روسی سائنس اکاڈمی کے ممبر اور ایک ممتاز سائنٹسٹ مسٹر زنکپرج نے ایک اخباری انٹرویو میں بیان کیا کہ دنیا کے سمندروں میں سونے چاندی اور نکل اور دوسری نایاب دھاتوں کی بے پایاں مقدار موجود ہے۔ اندازہ ہے کہ سونا ۸۰ لاکھ ٹن، چاندی ۱۶ کروڑ ۴۰ لاکھ ٹن، نکل ۸ کروڑ ٹن موجود ہے، اور اب اگر سونے کا نرخ ستر روپیے فی تولہ رکھا جائے تو اکیلے سونے ہی کی مالیت، پدم ۱۶ کھرب ۸ ارب روپیہ کی ہوتی ہے۔

۱۴۰۰ سال عرب کیا معنی روم و یونان ہند و ایران، چین و مصر، کسی ملک کا کوئی بڑے سے بڑا دانشور بھی اس صورت حال کا تصور کر سکتا تھا؟ ترکِ دنیا کی تعلیم یعنی اللہ کی بخشی ہوئی اتنی ساری نعمتوں سے منہ پھیر لینے اور ان کی ناقدری کی تلقین کس ارشادِ قرآن کے مطابق ہے؟

۲۲ے (اور یہ پہاڑ سطح زمین کا توازن قائم رکھیں۔)

اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ۔ سے جس حرکتِ ارض کی نفی مقصود ہے، وہ زمین کی دولابی یا اضطرابی حرکت ہے، جیسے ہلکا جسم ہوا سے پتنانے لگتا ہے۔

میدہ۔ مطلق حرکت یا حرکتِ دوری کے مترادف نہیں، صرف حرکتِ اضطراری کو کہتے ہیں۔

المید۔ اضطراب الشیٔ العظیم (راغب) ای تضطرب بکم وتمید وربکم وتحرککم حرکۃ شدیدۃ۔ (تاج)

مطلق حرکتِ ارض کے مسئلہ سے اور خاص کر اس سے جو تمام تر ایک سائنسی بحث ہے، قرآن مجید کی اس آیت کو تو بہرحال نفیاً و اثباتاً کوئی تعلق نہیں۔

۲۳ے (ان ہی راستوں کی شناخت کے لئے) ٹیلے، پہاڑ، درخت، چشمے وغیرہ سب علاماتِ راہ کا کام دیتے ہیں۔

۲۴ے ستاروں کی قدر و قیمت اس خلائی حیثیت سے کوئی سمندر کے ملاحوں، جہازرانوں، کشتی بانوں اور صحرا و ریگستانوں کے مسافروں سے پوچھے، اس دورِ ترقی میں بھی بڑے بڑے دخانی جہازوں کے کپتانوں کا سہارا یہی قطب رہتا ہے، یعنی وہ آلہ جو قطب ستارہ کی سمت متعین کرتا ہے۔

بالنجم۔ نجم بطور اسم جنس کے آیا ہے، صرف صورۃً مفرد ہے۔ ذکرِ معنیٰ۔

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ اللهَ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٨﴾

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو ان کا احاطہ نہ کر پاؤ گے ۲۶ بے شک اللہ بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۲۷

وَاللهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿١٩﴾ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ

اور اللہ جانتا ہے اس کو بھی جو تم چھپاتے ہو اور اس کو بھی جو تم ظاہر کرتے ہو ۲۸ اور جن کو یہ اللہ کے علاوہ

مِنْ دُونِ اللهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿٢٠﴾

پکارتے ہیں وہ کسی کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود ہی مخلوق ہیں ۲۹

أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۖ وَمَا يَشْعُرُونَ ۙ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٢١﴾

اور وہ مردے ہیں نہ کہ زندہ اور ان کو اتنی بھی خبر نہیں کہ (مردے) کب اٹھائے جائیں گے ۳۰

والمراد بالنجم الجنس (کشاف) یراد بہ النجوم ۔ (قرطبی)

۲۵ خطاب مشرکوں سے ہے کہ تم اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے، اور اتنا واضح اور بیّن فرق بھی تمھیں محسوس نہیں ہوتا؟ کہ خالق کی طرح غیر خالق کی بھی عبادت کرتے ہو؟

۲۶ یعنی یہ چند نعمتیں تو محض نمونہ کے طور پر بیان ہوئیں، ورنہ اللہ کی بے شمار نعمتوں کا حصر بھلا کس کے امکان میں ہے؟ نعمۃ ۔ صورۃً مفرد ہے لیکن اکثر مقامات کی طرح یہاں بھی بطور اسم جنس آیا ہے جمع کے معنی میں ۔

۲۷ چنانچہ صفت غفر کے تقاضہ سے وہ مشرکین وملحدین تک کی توبہ قبول کرکے انھیں بخش دیتا ہے، اور صفت رحم کے تقاضہ سے وہ مشرکوں اور کافروں کو ان کی زندگی میں دنیوی نعمتوں سے یکسر محروم نہیں کرتا ۔

۲۸ یہ حاضر وغائب کی تفریق تو ہمارے یعنی بشری معیار سے ہے اللہ کے لئے ہر شے یکساں اور اس پر سب عیاں ہے، اس کا علم کامل بھی ہے اور محیط بھی، صفاتِ الٰہی میں صفتِ قدرت کے بعد مشرکوں کو جس صفت میں سب سے زیادہ ٹھوکر لگی ہے وہ بھی صفتِ علم ہے ۔

۲۹ یعنی ان مشرکوں کی کیسی حماقت ہے کہ دیوی دیوتا انھیں بنائے ہوئے ہیں، جو ایک گھاس کے تنکے تک کی تخلیق پر قادر نہیں، بلکہ خود اپنے وجود تک کے لئے بھی خالق کائنات کے محتاج ہیں ۔ صفتِ تخلیق وایجاد میں کوئی ایک ہستی بھی اس ہستیِ مطلق کی شریک ہے؟ اور جب تخلیق جیسی بنیادی صفت سے یہ معبود معریٰ ہیں تو معبودیت کا شائبہ بھی کیسے رکھ سکتے ہیں ۔

الذین یدعون من دون اللہ کے عموم میں بڑی وسعت ہے، ماہرینِ سائنس جن پر خلقت اب اتنا بھروسہ رکھنے لگی ہے، سب ان ہی معبودانِ باطل کے زمرے میں آجاتے ہیں ۔

۳۰ چنانچہ بعض کو تو سرے سے بعث کا علم واحساس ہی نہیں، بعض جن کو اتنا علم ہے انھیں بھی

إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُم

تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے البتہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل منکر ہو رہے ہیں

مُّنكِرَةٌ وَهُم مُّسْتَكْبِرُونَ ﴿٢٢﴾ لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ

اور وہ تکبر کر رہے ہیں ف۳۱ اللہ ضرور جانتا ہے اس کو بھی کہ جو کچھ وہ چھپاتے ہیں

وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿٢٣﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُم

اور اس کو بھی جو کچھ کہ وہ ظاہر کرتے ہیں بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ف۳۲ اور جب ان سے پوچھا

مَّاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾

جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی تو کہتے ہیں کہ (وہی) اگلوں کے بے سند قصے ف۳۳

وقت معین کا علم نہیں، ایسے بے خبروں کو، ایسے ناقص علم والوں کو معبود تسلیم کر لینا جہل و سفاہت کی انتہا ہے۔

اموات غیر احیاء۔ یہ صفت کسی نہ کسی معنی میں سارے معبودانِ باطل میں مشترک پائی جاتی ہے۔

مورتیوں کا بے جان ہونا تو ظاہر ہی ہے باقی جن بزرگوں کی پرستش کی جاتی ہے، وہ بھی یا تو وفات پا چکے ہیں اور یا عنقریب وفات پانے والے ہیں بہر حال یہ غیر احیاء کی صفت زور و تاکید کے لئے یعنی جان اور زندگی ان معبودانِ باطل میں کہاں اور اس کا تو شائبہ ان میں کبھی نہیں یہ تو حالاً یا قالاً اپنی اصل ذات و جوہر کے لحاظ سے مردہ ہی ہیں

ف۳۱ (قبولِ حق سے)

الٰھکم الٰہ واحد۔ خطاب ساری نسلِ انسانی سے ہے، سب کو بتایا ہے کہ حق تعالیٰ لاثانی و لاشریک لہٗ ہے، تعدد و شرک کا گزر نہ اس کی ذات میں نہ اس کی صفات میں ـــــ مسیحی شرک جس کی بنیاد تین اقنوموں پر ہے، اس کی پوری تردید اللہ واحد کے اندر آ گئی۔

لا یومنون بالآخرۃ۔ یعنی حق کے اتنے وضوح کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے۔

قلوبھم منکرۃ۔ یعنی ان کے قلب ایسے ناکارہ اور فاسد ہو چکے ہیں کہ وہ ہر معقول بات سے انکار ہی پر تلے ہوئے ہیں، ان کے دلوں میں نہ حق کی طلب و تلاش ہے، اور نہ کوئی فکرِ عاقبت ہے۔

ف۳۲ (چنانچہ یہ متکبر کو سزا ابھی وقتِ مقرر پر دیگا۔)

خوب غور کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ دینِ حق قبول کر لینے کے بعد بہر حال اپنے نفس کو قانونِ الٰہی کی اطاعت میں دینا پڑتا ہے، اور بہ کثرت طبائع کو یہی سخت گراں گزرتا ہے، ان کے انکار و الحاد کی بنیاد عموماً ان کی خودسری و خودبینی و خودرائی ہی ہوتی ہے، اور اللہ پر ان کا شعور اور لاشعور دونوں یکساں روشن ہے۔

ف۳۳ یہ گہر افشانی قرآن مجید کی سی محققانہ کتاب سے متعلق!! ـــــ مشرکینِ مکہ تو خیر اپنی بے خبری

لِيَحْمِلُوٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ

نتیجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ (اپنے گناہوں کا بھی) پورا بوجھ اٹھائیں گے اور ان لوگوں کے بھی (گناہوں کا)

الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿٢٥﴾ قَدْ مَكَرَ

بوجھ جنھیں یہ بغیر علم سے کام لئے گمراہ کر رہے ہیں یاد رکھو (کیسا) برا ہے (یہ بوجھ) یہ لوگ جو اپنے اوپر لادے ہیں ٣٤ٮ بڑی بڑی

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ

چالیں وہ لوگ چلے جو ان کے قبل تھے سو اللہ نے ان کی (ساری) عمارت جڑ بنیاد سے اکھیڑ دی پھر ان کے

السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾

اوپر سے ان پر چھت آپڑی اور ان پر عذاب اس طرف سے آیا جدھر سے ان کو خیال بھی نہ تھا ٣٥ٮ

تاریک خیالی اور جہالت کے لئے ضرب المثل ہی ہیں، کمال یہ ہے کہ آج فرنگستان کے بڑے بڑے "روشن خیال" مدعیانِ علم و دانش، بہک بہک کر بس یہی کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے کیا، یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے کچھ قصہ لے کر انھیں مسخ و تحریف کے بعد جمع کر دیا گیا ہے۔

لھم سے مراد مشرکینِ قریش ہیں۔ واذا قیل لھم یعنی ان سے باہر کا کوئی شخص سوال کرتا ہے یا خود آپس ہی میں یہ ایک دوسرے سے پوچھ پاچھ کرتے ہیں۔

سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ قریش میں نضر بن الحارث بن کلدہ کی یہ حالت تھی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توحید و آخرت اور عذاب یافتہ قوموں کا حال بیان کر کے کسی مجلس سے تشریف لے جاتے تو وہ آپ کی جگہ آ بیٹھتا، اور رستم پہلوان اور اسفندیار و شاہانِ فارس کے قصے بیان کر کر کے کہتا۔

واللہ ما محمد باحسن حدیثا منی وما حدیثہ الا اساطیر الاولین اکتتبھا کما اکتتبتھا۔ (ابن ھشام)

واللہ محمد مجھ سے بہتر بیان کرنے والا نہیں اور اس کی باتیں ہی کیا، بجز اساطیر اولین کے جنھیں اس نے اسی طرح لکھ لیا ہے جیسا میں نے لکھ لیا ہے۔

گپیں ہانک دینا یہ قرآن کی شان نہیں، یہ عادت تو ائمہ جاہلین کی طرح آج کے بڑے بڑے روشن خیالوں اور عقلیین کی ہے۔

٣٤ٮ وعید ان لوگوں کے حق میں ارشاد ہو رہی ہے جو دوسروں سے قرآن کا تعارف اسے اساطیر الاولین کہہ کر کراتے تھے۔ آخرت میں یہ اپنے انکار کا مزہ بھی چکھیں گے اور دوسروں کے گمراہ کرنے کا بھی۔

لیحملوا میں ل عاقبت کا ہے۔ یعنی اس کا نتیجہ بھی نکلنا ہے، انھیں مقصود ہو یا نہیں۔

اللام لام العاقبۃ (کبیر) بغیر علم یعنی قرآن مجید کے متعلق ایسی بے سر و پا رائے خود بھی بلا تحقیق، بلا سند، بلا ثبوت دے بیٹھتے ہیں۔

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِ يَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ

پھر قیامت کے دن (اللہ) انھیں رسوا کرے گا اور کہے گا میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے باب میں تم لڑا جھگڑا

تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ۗ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ

کرتے تھے ۳۶ؔ علم والے (اس وقت) بول اٹھیں گے کہ آج (پوری) رسوائی اور

الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾

سختی کافروں پر ہے ۳۷ؔ

۳۵ؔ واقعات تاریخی کو یہاں تمثیلی رنگ انشاء میں پیش کیا گیا ہے، یعنی جن پُرقوت وشوکت منکرین سابقین نے انبیاء کرام کے خلاف خوب خوب منصوبے گانٹھے تھے، بڑی بڑی زبردست چالیں سوچی تھیں، حق تعالیٰ نے ان کی ایک نہ چلنے دی، ان کی ساری خیالی عمارتیں مسمار ہو کر رہیں، اور وہ اس طرح برباد و نابود ہوئے کہ جیسے سب چھت کے نیچے دب کر رہ گئے۔

من حیث لا یشعرون ۔ شامت زدہ قوموں پر تباہی عموماً ایسے ہی راستوں اور طریقوں سے آتی ہے، جدھر ان کا خیال و گمان بھی نہیں ہوتا۔

۳۶ؔ (اہلِ ایمان سے)

یعنی آخرت میں منکرین پوری اور انتہائی طور پر ذلت اور رسوائی کے شکار ہوں گے، اور انھیں اور زیادہ جلانے، کڑھانے کے لئے ان سے سوال ہوگا کہ اب بتلاؤ وہ تمھارے معبود کدھر گئے، جنھیں تم شریک الوہیت سمجھا کرتے تھے اور جن کی خاطر تم اہلِ ایمان سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔

شرکاءی ۔ یعنی میرے شریک تمھارے زعم و پندار کے مطابق۔

ای شرکاءی فی زعمکم واعتقادکم (کبیر عن الزجاج) علی الاضافۃ الی نفسہ حکایۃ لاضافتھم ۔ (کشاف) الذین کنتم تزعمون فی الدنیا انھم شرکاءی ۔ (ابن جریر)

السوء ۔ سوء سے مراد اس سیاق میں عذاب ہی ہے، ای العذاب (قرطبی)

۳۷ؔ وہ منکرین مردود و مخذول تو کیا جواب دیں گے، البتہ اہلِ حق پکار اٹھیں گے کہ آج کے دن (جیسا کہ ہم دنیا میں کہا کرتے اور سمجھتے رہتے تھے) پوری ذلت و رسوائی اور ساری سختی و مصیبت منکرین حق ہی کے لئے ہے۔

فرقۂ مرجیہ نے یہیں سے یہ استدلال کیا ہے کہ عذاب آخرت کافروں ہی کے ساتھ مخصوص و محدود ہے، مومن عاصی کو اس سے تعلق نہ ہوگا ۔۔۔ اہلِ سنت نے خزی سے مراد خزی کامل لے کر اس تعمیم میں قید پیدا کر دی ہے۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ

جن کی جانیں فرشتوں نے اس حال میں قبض کی تھیں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے ۳۸ تب وہ صلح کا پیغام

مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ

ڈال چلیں گے کہ ہم تو کوئی برائی نہیں کرتے رہے تھے ۳۹ ضرور (کر رہے تھے) بے شک اللہ خوب جانتا ہے اس کو

تَعْمَلُوْنَ ۲۸ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ

جو کچھ تم کرتے رہے تھے ۴۰ تو اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو اس میں ہمیشہ رہنے والے (ہو کر) غرض

مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۲۹

کیسا برا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا ۴۱

المرجئة احتجوا بهذه الآية على ان العذاب مختصة بالكافر قالوا لأن قوله تعالى ان الخزى اليوم والسوء للكافرين يدل على ان ماهية الخزى والسوء يوم القيامة مختصة بالكافر وذالك ينفي حصول هذه الماهية فى حق غيرهم۔ (کبیر)

الذین اوتوا العلم۔ یعنی انبیاء و مرسلین اور ان کے متبعین صادقین۔

وهم الانبياء عليهم السلام والمومنون الذين اوتوا علمًا بدلائل التوحيد (روح) قال يحيي بن سلام هم المؤمنون۔ (بحر)

الخزی۔ کے تحت میں ساری صورتیں تفضیح و رسوائی کی اور السوء کے تحت میں ساری صورتیں جسمانی عذاب کی آگئیں۔

۳۸ یعنی موت کے وقت تک شرک و کفر میں مبتلا رہے تھے۔

ای حال کونهم مستمرين على الشرك۔ (روح)

۳۹ اس پر ہیبت اور ہولناک منظر سے دوچار ہو کر منکرین حق اب خوشامدانہ لہجہ میں عرض کرنا شروع کریں گے کہ بھلا ہماری کیا مجال تھی جو ہم شرک میں مبتلا ہوتے! ـــــ کہاں تو دنیا میں اتنا اکڑے ہوئے رہتے تھے، اور کہاں اب خوشامد پر اتر آئیں گے۔

ما کنا نعمل من سوء۔ یعنی اپنے خیال و عقیدے میں تو ہم کوئی بری بات نہیں کر رہے تھے۔

المراد ما كنا عاملين السوء فى اعتقادنا اى كان اعتقادنا ان عملنا غير سيئ۔ (روح)

۴۰ (تو اب تمہارے اقرار و انکار سے ہوتا کیا ہے، تمہارا حال تو عالم الغیب پر خود ہی خوب روشن ہے) ایسے زجر کے موقعوں پر بندوں کو اللہ کی صفت علیم ہی کی یاد دلانا قرآن مجید کا ایک مؤثر معمول ہے۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِّلَّذِينَ

اور جو لوگ بچتے رہتے ہیں ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے؟ تو وہ کہتے

أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ

ہیں بڑی خیر (نازل فرمائی ہے) ۴۲ جن لوگوں نے نیکی کی ان کیلئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور عالمِ آخرت تو اور بھی بہتر ہے ۴۳

وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٠﴾

اور اہلِ تقویٰ کا وہ گھر واقعی کیا ہی اچھا ہے ۴۳ الف

۴۱ یعنی ان لوگوں کا جو رعونت نفس کی بنا پر قبولِ حق سے انکار کرتے رہتے ہیں۔

فلبئس میں ل تاکید کا ہے۔

واللام فی فلبئس لام التاکید۔ (بحر)

مثوی المتکبرین۔ ان الفاظ سے گویا یہ ظاہر کردیا کہ تکبر کی قدرتی جزا دوزخ ہی ہے۔

ووصف التکبر دلیل علی استحقاق صاحبه النار۔ (بحر)

اور ادھر یہ بھی اشارہ ہوگیا کہ کفر وانکار والحاد کی تہ میں کبر نفس ہی مخفی ہوتا ہے۔

فادخلوا ابواب جهنم۔ یعنی اپنی اپنی منزل وطیفہ کے مطابق جہنم کے مختلف دروازوں سے اس کے مختلف درجوں میں داخل ہو۔

خطاب لکل صنف منهم ان يدخل بابا من ابواب جهنم۔ (روح)

خالدین فیها۔ یہاں تمام اہلِ جہنم کو سنا دیا کہ درجاتِ عذاب گو نسبتہً کم اور زائد ہوں لیکن خلود ودوام بہرحال سب کے لئے ہے، رہائی ومخلصی کی صورت کسی کے لئے نہیں۔

فادخلوا..... فیها۔ یہ پوری خبر اہل جہنم کے لئے کس درجہ مایوس کن ہوگی! کیا کچھ ان کے دل پر نہیں گزر گئی ہوگی۔

۴۲ یعنی ایسا کلام جو سرتاسر خیر وبرکت ہی ہے۔

للذین اتقوا۔ یعنی وہ لوگ جو کفر وشرک سے بچے رہتے ہیں۔

قال اصحابنا يريد للذين اتقوا الشرك وايقنوا انه لا اله الا الله محمد رسول الله(کبیر)

یعنی المومنین۔ (بیضاوی)

آیت ۲۴ میں ابھی مکذبین قرآن کا ذکر آچکا ہے کہ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا چیز اتری ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ "اساطیر اولین" اب ٹھیک ان کے مقابل گروہ مومنین کا ذکر ہے کہ جب ان سے قرآن کی بابت سوال کیا جاتا ہے تو وہ جواب میں اسے سرتاسر خیر وبرکت بتاتے ہیں۔

جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَہَا تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ لَہُمۡ فِیۡہَا

ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں یہ داخل ہوں گے۔ ان (باغوں) کے نیچے ندیاں بہ رہی ہوں گی انھیں

مَا یَشَآءُوۡنَ ؕ کَذٰلِکَ یَجۡزِی اللّٰہُ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۱﴾

ہر چیز (مل جائے گی) جو کچھ وہ چاہیں گے۔ اللہ اسی طرح کا عوض اہلِ تقویٰ کو دیتا ہے ۴۴ے

۴۳ے اس دنیا کی بھلائی سے تو مراد یہاں کی کل نعمتیں ہو سکتی ہیں، مثلاً فتح و مال غنیمت، نیکنامی فارغ البالی تندرستی اطمینانِ قلب وغیرہ، اور پھر سب سے بڑھ کر اجرِ آخرت کا وعدہ و بشارت اور عالم آخرت اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر بہتر اس لحاظ سے ہوگا کہ اول تو وعدۂ اجر کے تحقق وظہور کا مقام وہی ہوگا، اور پھر وہاں کی نعمتیں کیا بہ لحاظ کمیت و مقدار کیا بہ لحاظ دوام و قیام، اور کیا بہ لحاظ کیفیت و نوعیت، دنیا کی نعمتوں سے کوئی نسبت ہی نہ رکھتی ہوں گی۔

الذین احسنوا۔ یعنی اہلِ ایمان۔

ھولاء مومنون۔ (ابن جریر۔ عن قتادہ)

فی ھذہ الدنیا حسنۃ۔ ایمان والوں سے بھلائی کا وعدہ اس دنیا میں قرآن مجید میں صراحت سے موجود ہے اور ایمان کے منافی کوئی چیز بندہ نے نہ اختیار کی تو کم سے کم سکونِ قلب و راحتِ روح تو کہیں گئی ہی نہیں۔

۴۳ے الف اور گھر ہے ہی اتنا اچھا کہ اس کی صفات کن کن لفظوں اور کن طریقوں سے بیان ہوئی ہیں۔

۴۴ے المتقین یہ وہی ہیں جن کا ذکر ایک آیت قبل للذین اتقوا سے آچکا ہے، یعنی اہلِ ایمان و تقویٰ اور انھیں مایوس دل اور شکستہ خاطر کسی حال میں بھی نہ ہونا چاہیئے۔

لھم فیھا ما یشاءون۔ ایک بڑی گہری اور اصولی حقیقت ان دو مختصر لفظوں کے اندر آگئی ہے، جنت میں جو ہوا بھی چلے گی، سب اہلِ جنت کی مرضی کے مطابق ہی چلے گی، جو کچھ بھی جس کا جی چاہے گا سب مل کر رہے گا، ہر تمنا پوری ہو کر، ہر آرزو حاصل ہو کر، ہر حسرت نکل کر رہے گی، ایک ایک نعمت اور اس کے جزئیات و تفصیلات کہاں تک بیان کئے جا سکتے ہیں، بس ایک جامع جواب ہر مذاق اور ہر درجہ کے سائلین کے لئے آگیا۔

تجری من تحتھا الانھار۔ آیت کا یہ ٹکڑا قرآن مجید میں بڑی کثرت سے دہرایا گیا ہے، ایک مسلم فاضل نے عرصہ ہوا اپنی ایک تحریر میں لکھا ہے کہ اس منظر کا پورا لطف بغیر ملک شام کا سفر کئے نہیں آئے گا اس لئے اس تفسیر کو بس مولانا ابوالحسن علی ندوی سے لکھ کر دریافت کیا کہ آپ کے شاہدانی تاثرات کیا ہیں، مولانا کا جواب آیا ذیل میں درج ہے:۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ

(یعنی وہ لوگ) جن کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ پاک ہوتے ہیں ۴۵ فرشتے) کہتے جاتے ہیں تم پر

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾

سلام ہو تم جنت میں داخل ہو جاؤ اپنے اعمال کے سبب سے ۴۶

..... صاحب نے بالکل صحیح لکھا ہے میں نے شام میں جنّت تجری من تحتها الانہر کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے صرف شہر دمشق سے سات نہریں گذرتی ہیں جن میں ایک مشہور نہر یردہ ہے جس کا ذکر اشعار عرب میں بہت آیا ہے، بہت سے گھروں سے لوگوں نے نہر کو گذارا ہے اس سے سیرابی و آبپاشی کا کام بھی لیتے ہیں اور صفائی کا بھی' اور غوطۂ دمشق تو انھیں نہروں کے لئے مشہور ہے ان میں بہت سے پہاڑی چشمے ہیں اور انھیں سے آبپاشی ہوتی ہے؟

جنّت عدن ۔ باغ سدا بہار و گلشن بے خزاں ۔

ای استقرار وثبات ۔ (راغب)

کذالك یجزی اللہ المتقین ۔ ایک عام قانون الٰہی ان الفاظ میں بیان کر دیا ہے یعنی یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہ ہوگی اہلِ تقویٰ و احسان کے لئے جزائے حسن تو ہمارا عام قاعدہ ہی ہے ۔

۴۵ (ہر کفر و شرک کی آلودگی سے)

معناہ علی ما روی عن ابی معاذ طاهرین من دنس الشرك وهو المناسب لجعله فی مقابلة ظالمی انفسهم (روح) قال ابو معاذ طاهرین من الشرك بالكلمة الطیبة (بحر) طاهرین من ظلم انفسهم بالكفر ۔ (مدارك)

یعنی یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو آخر وقت تک توحید و ایمان پر قائم رہتے ہیں طیبین مراد معصومین کے نہیں ــــ یہاں ٹھیک ان طبقات کا مقابلہ ہو رہا ہے جن کا ذکر آیت نمبر ۲۸ میں آچکا ہے کہ فرشتے ان کی جانیں سختی اور عذاب سے نکال رہے ہوں گے ۔

طیبین ۔ جو لوگ کفر و شرک فسق و فجور کی آلودگیوں سے پاک رہے ہیں، ان کی روحیں صحیح معرفت و محبتِ الٰہی سے معمور رہتی ہیں، اور یہ قدرۃً اپنی جانیں بڑے سرور و شوق کے ساتھ جان آفریں کو سپرد کرتے ہیں

۴۶ فرشتوں کا زبان سے یہ کہتے جانا ظاہر ہے کہ مومنین کی تعظیم و اکرام کے لئے ہوگا ۔

یقولون سلام علیکم ادخلوا الجنۃ ۔ محققین کا بیان ہے کہ منامی، رویائی یا روحانی حیثیت سے تو مومن وفات پاتے ہی جنت میں داخل ہو جاتا ہے' (خود برزخ جس عالم کا نام ہے' وہ آخرت ہی کی ایک ہلکی، منامی' رویائی شکل ہے) البتہ پوری طرح مادی اور جسمانی طور پر قیامت کے بعد جنت میں داخل ہوگا ۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ

یہ (منکرین) تو بس اسی کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں، یا آپ کے پروردگار کا فیصلہ آجائے ۴۷

كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ

ایسا ہی ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان کے قبل تھے۔

وھو وقت ارواحهم قاله ابن مسعود ومحمد بن كعب ومجاهد والاكثرون جعلوا التبشير بالجنة دخولاً مجازاً (بحر) قال ابن مسعود اذا جاء ملك الموت لقبض روح المؤمن قال ربك يقرئك السلام۔ (قرطبی)

بما كنتم تعملون۔ یعنی جنت میں یہ آپ کی باریابی خود بخود یا کسی کے طفیل میں یا کسی کے طفیل میں یا کسی احسان سے نہیں ہو رہی ہے بلکہ خود آپ ہی کے حسنِ عمل و شیوۂ طاعت کا ثمرہ ہے ــــــ یہ کہہ کہہ کر مومنین اہلِ جنت کے دل کو اور زیادہ مسرور کیا جائے گا۔

اس تصریح اور ان نصوص کے درمیان جن میں یہ کہا گیا ہے کہ جنت تو صرف افضالِ الٰہی سے ملے گی کوئی تعارض و تناقض نہیں، سببِ حقیقی تو بے شک وہی رحمتِ الٰہی ہی ہے لیکن سببِ قریب و سببِ ظاہری ان لوگوں کا حسنِ عمل ہے۔

جنت میں جاکر جو جو نعمتیں حاصل ہوں گی ان کا تو خیر ذکر ہی نہیں، انتقالِ روح کے وقت خود یہ پیام اور خالق ذوالجلال کی طرف سے سلام کس درجہ جاں بخش و جانفزا و لطف انگیز ہوگا ــــــ اور ہم دنیا دار لوگ جو اگرچہ غرقِ عصیاں ہیں لیکن کفر و شرک کی ظلمت سے بہرحال پاک ہیں اور توحید و رسالت کے تصدیق کرنے والے ہیں، عجب نہیں کہ ان متقین صدیقین کی نعمتوں اور سرفرازیوں سے کوئی شاید اپنے ظرف و بساط کے مطابق پا جائے۔

۴۷ (جس کے بعد قبول ایمان کی گنجائش ہی نہ باقی رہ جائے)

ذکر ان منکرین معاندین کا ہے جو وضوحِ حق کے بعد بھی اپنی ضد اور ہٹ پر قائم ہیں۔

ھل۔ نفی کے معنی میں یا ما مرادف ہے۔

ای ما ينتظر كفار مكة (روح) ای ما ينظرون (قرطبی)

تاتيهم الملئكة۔ یعنی موت یا عذاب کے فرشتے آجائیں جس کے بعد ایمان قبول نہیں ہوتا۔

لقبض ارواحهم (روح عن مجاهد وقتادة) لقبض ارواحهم (ابن جرير)

یاتی امر ربك۔ یعنی قیامت برپا ہو جائے یا عذاب دنیوی نازل ہو جائے۔

ای العذاب المستاصل او القيامة (کشاف مدارك) ای القيامة (روح عن مجاهد وقتادة)

قال بعضهم المراد بالعذاب الدنيوی۔ (روح)

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمْ

ان پر اللہ نے ظلم (ذرا بھی) نہیں کیا تھا بلکہ وہ آپ ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ۴۸ے آخر انھیں ان کے

سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ ع

اعمال کی سزائیں ملیں ۴۹ے اور انھیں اسی (عذاب) نے گھیر لیا جس پر وہ تمسخر کرتے تھے

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ

اور شرک کرنے والے کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی کی بھی پرستش نہ کرتے ۔

نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ

(نہ) ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اس کے بدون (حکم) کسی چیز کو حرام کرسکتے ۵۰ے ایسی ہی

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾

(حرکت) وہ لوگ بھی کرچکے ہیں جو انکے قبل ہوئے ہیں ۵۱ے سو پیغمبروں کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے (اور بس) ۵۲ے

۴۸ے یعنی کفر و شرک و فسق، غرض سزا کے سارے کام جان جان کر کرتے تھے۔
كذالك فعل الذين من قبلهم یعنی ان کے اگلوں نے کفر و عناد پر اصرار کیا تھا، اور انھیں بھی سزا ملی تھی۔

وماظلمهم.... یظلمون۔ ایک بار پھر اس حقیقت کی توضیح ہے کہ ظلم کسی بندہ پر بھی از خود نہیں ہو جاتا، بلکہ اس کے کرتوت کا ثمرہ ہوتا ہے۔

۴۹ے (خواہ اسی زندگی میں، خواہ بعد موت، خواہ دونوں جگہ)
جزائے اعمال عالمِ آخرت میں تو یقینی ہے اور اس عالم ظاہری میں بھی کبھی کبھی مل جاتی ہے۔

۵۰ے مشرکین کہتے تھے کہ خدا کو اگر ہمارے طریقے ناپسند ہیں تو وہ ہمیں روک ہی کیوں نہیں دیتا، اس نے ہمیں ان چیزوں پر قدرت ہی کیوں دیدی؟ ـــــ یہ احمق حق تعالیٰ کی مشیتِ تکوینی (یا بندوں کی قوتِ اختیار و آزادیٔ عمل) اور اس کی رضا و حکم کے درمیان کوئی فرق ہی نہیں کرتے یہ گمراہی آج تک عام ہی چلی آرہی ہے۔

كانوا به يستهزءون۔ عالمِ غیب کے حقائق سے مشرکوں کو انکار ہی نہیں تھا، بلکہ وہ انھیں ناقابلِ یقین اور سرے سے قابلِ مضحکہ سمجھتے تھے، جیسا کہ منکرین جدید بھی سمجھ رہے ہیں۔

۵۱ے یعنی یہی مغالطہ زمانہ ماضی کے گمراہوں کو بھی پیش آچکا ہے، حالانکہ اگر ذرا بھی سوچیں تو

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا

اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک پیام رساں بھیجا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان (کی راہ)

الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ

سے بچو ۵۳ سو ان میں وہ بھی ہوئے جنھیں اللہ نے ہدایت دی اور وہ بھی جن پر گمراہی ثابت

الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

ہو کر رہی۔ تو زمین پر چلو پھرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا (برا)

الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾

انجام ہوا ۵۴

یہی سوال الٹ کر خود ان پر بھی عائد ہوتا ہے — آخر ان کے عقائد کی رو سے بھی تو خدا کو کچھ چیزیں پسند ہیں اور کچھ ناپسند تو وہ قادر مطلق اپنی ناپسندیدہ چیزوں کو واقع ہی کیوں ہونے دیتا ہے؟

۵۲ (اور اس فریضہ سے وہ ہر دور اور زمانہ میں پوری طرح ادا ہو چکے)

ھل۔ یہاں بھی نفی کے مفہوم میں اور ما کے مرادف ہے۔

ای لیس علیھم الا التبلیغ۔ (قرطبی وجلالین)

البلغ المبین۔ پوری تبلیغ یہ کہ جو دعوے ہوں وہ واضح ہوں، ان میں کوئی گنجلک یا خفا باقی نہ رہ جائے اور ہر دعوی پر دلیلیں صحیح روشن اور عام فہم قائم ہو جائیں۔

۵۳ (سو یہ توحید اور دین حق کی تعلیم کوئی نئی نہیں شروع سے چلی آ رہی ہے۔)

رسولاً۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر ملک و قوم میں مستقلاً کوئی رسول ہی (اصطلاحی معنی میں) آیا ہو البتہ یہ ضروری ہے کہ ہر قوم تک پیمبری تعلیم پہنچ گئی ہو، خواہ اس کے کسی نائب ہی کے ذریعے سے رسول یہاں اصطلاحی معنی میں نہیں لفظی معنی میں ہے، ایلچی، قاصد یا پیام رساں درست ہیں۔

ہندوستان میں بھی پیمبر کبھی آئے ہیں یا نہیں؟ یہ سوال ایک مدت سے چھڑا ہوا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ہر سرزمین کی طرح یہاں بھی پیمبر کی بعثت کا احتمال تو بہر حال ہے اور فلاں فلاں شخصیتوں کے ساتھ ان حالات میں معلوم ہونے کی بنا پر حسن ظن رکھ لینے میں بھی مضائقہ نہیں، لیکن جزم و یقین کے ساتھ کسی شخصیت کو پیمبر قرار دے لینا، جب تک کہ ان کی پیمبری پر کوئی مستقل دلیل نہ مل جائے صحیح نہیں۔

الطاغوت۔ منجملہ ان الفاظ کے ہے کہ جن کا ترجمہ اردو میں ایک لفظ سے ہونا دشوار ہے۔ لفظ پر حاشیہ پ۳ آیۃ ومن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ کے ذیل میں گزر چکا۔

اِنۡ تَحۡرِصۡ عَلٰی هُدٰىهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِیۡ مَنۡ یُّضِلُّ وَمَا لَهُمۡ

اگر آپ کو ان کے راہ راست پر آجانے کا ہوکا ہے تو اللہ ایسے کو راہ نہیں دکھاتا جسے وہ (اس کے عناد کے باعث) گمراہ

مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ﴿۳۷﴾ وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَیۡمَانِهِمۡ ۙ لَا یَبۡعَثُ

کر چکا ہے اور نہ ان کا کوئی حمایتی ہوگا ۵۵ اور یہ بڑے زور وشور سے خدا کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے،

اللّٰهُ مَنۡ یَّمُوۡتُ ؕ بَلٰی وَعۡدًا عَلَیۡهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ

خدا اسے دوبارہ نہیں اٹھائے گا ۵۶ کیوں نہیں وہ اٹھائے گا اس وعدہ کو اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے لیکن

لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۸﴾

اکثر لوگ (اس کا بھی) علم نہیں رکھتے ۵۷

۵۴ (اور تاریخ وعلم الآثار سے بڑے کر دیکھو کہ وہ سرکش وخدا فراموش قوموں کا کیا انجام بیان کر رہی ہیں)

فسیروا۔ خطاب مشرکوں سے ہے۔

ایها المشرکون المکذبون۔ (روح)

فن تاریخ اور فن اثریات کی بنیادیں اگر مذہبی ہوں یعنی ان کے مطالعہ سے غرض اگر دینی حقائق کی تصدیق وتوثیق اور کمالِ قدرت الٰہی کے دلائل کی تلاش ہو تو یہ علوم وفنون خود عبادت بن جائیں۔

فمنهم ... الضللة۔ پیغمبر علیہ السلام کو تسکین دی ہے کہ آپ زیادہ غم وتردد نہ کیجئے، ضلالت وہدایت کے یہ معاملات تو قدیم سے چلے آرہے ہیں۔

۵۵ (سو آپ صبر سے کام لیجئے)

اب پھر خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے آپ کی افراط شفقت علی الخلق کی بنا پر آپ کو اس حقیقت پر توجہ دلائی جارہی ہے کہ جو لوگ خود اپنی ہدایت کی پروا نہیں رکھتے، اُن کے لئے قانونِ تکوینی بدلا نہیں جائے گا وہ بدستور یوں ہی گمراہی میں پڑے رہیں گے، ورنہ ظاہر ہے کہ اللہ کی خوشی کی بات اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ سب ایمان لے آئیں۔

۵۶ (اور یہ حشر ونشر جزا وسزا سب ڈھکوسلے ہیں)

جاہلیت عرب کے "روشن خیال" آج ہی کل کے "روشن خیالوں" کی طرح آپس میں بڑے زور وشور اور دعوے کے ساتھ کہا کرتے تھے، کہ کیسا حشر ونشر یہ کچھ بھی ہونا ہوانا نہیں، محض خوش اعتقادیاں ہیں۔

۵۷ ان آزاد خیالوں کی تردید میں ارشاد ہو رہا ہے کہ تمہاری لغو ولایعنی تکذیب آخرت سے ہوتا کیا ہے، یہ عقیدۂ جزا وسزا تو دینِ حق کے بنیادی عقائد میں ہے اور عقیدۂ توحید کا ایک لازمی تتمہ ہے۔

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ

(اور یہ دوبارہ اٹھانا اس لیے ہوگا) تاکہ جس امر کے باب میں یہ لوگ اختلاف کرتے تھے اس کا ان کے روبرو اظہار کرے

كَانُوا كَاذِبِينَ ﴿٣٩﴾ إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ

اور تاکہ اہل کفر یقین کرلیں کہ وہ (واقعی) جھوٹے ہی تھے ۵۹ ہم جب کسی چیز (کے پیدا کرنے) کا ارادہ کرلیتے ہیں تو بس اسے

كُنْ فَيَكُونُ ﴿٤٠﴾ ع

ہمارا اتنا ہی کہنا ہوتا ہے کہ ہو جا بس وہ ہو جاتی ہے ۵۹

بلیٰ۔ نفی کے جواب میں ہے، یعنی ایسا کیوں نہ کرے گا۔ ضرور کرے گا۔

لایجاب النفی ای بلیٰ یبعثہم۔ (مدارک)

۵۸ (اور انبیاء و مومنین ہی سچے تھے)

ارشاد ہے کہ یہ وقوع معاد تو عین حکمت ہے، وہیں تو ان کافروں پر پوری طرح ظاہر ہو کر رہے گا کہ اس دار ابتلاء میں جن جن مسائل کے باب میں وہ اہل حق سے جھگڑتے رہتے تھے ان میں وہ کس قدر ناحق پر تھے اور وہیں ان پر شہوداً وعیاناً یہ روشن ہو کر رہے گا کہ وہ خود سرتاسر باطل پر اور انبیاء و مومنین حق پر تھے۔

لیبین۔ میں ل کا تعلق فعل مقدر یبعثہم سے ہے۔

واللام متعلقۃ بالفعل المقدر بعد بلیٰ ای یبعثہم لیبین لھم۔ (بحر)

لھم۔ کی ضمیر جمع غائب ہر مرنے والے کافر و مومن پر شامل ہے۔ من یموت آیت ۳۸ میں آچکا ہے۔

ای من یموت وھو شامل للمومنین والکفار۔ (بحر)

۵۹ (سوائے قادر مطلق کو مردہ اجسام میں دوبارہ جان ڈال دینا کیا مشکل؟ اور اس میں شبہ عقلی ہو ہی کیا سکتا ہے؟)

قولنا اور نقول سے یہ لازم نہیں آتا کہ حق تعالیٰ اس کلمۂ کن کا (جو خود ایک دو حرفی حادث لفظ ہے) تلفظ بھی کرتے ہوں، مراد صرف اس قدر ہے کہ چھوٹی بڑی کوئی سی بھی چیز ہو اس کی تکوین کے لئے اس کے وجود میں آجانے کے لئے حق تعالیٰ کا محض ارادہ کافی ہے۔ ادھر ارادۂ الٰہی اس سے متعلق ہوا اور ادھر معاً اور فی الفور وہ شئے عدم سے وجود میں آگئی۔

لشیء۔ شئے کا اطلاق اس سے قبل اس کے وجود ہی کے ہوں اس لئے کہ علم الٰہی میں تو بہر حال اس کا وجود ہوتا ہی ہے۔

قال ابن الانباری۔ اوقع لفظ الشیء علی المعلوم عند اللہ قبل الخلق کانہ بمنزلۃ ما وجد وشوھد۔ (قرطبی)

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ

اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے ہجرت کی بعد اس کے کہ اُن پر ظلم ہو چکا تھا ۶۰ ہم ان کو دنیا میں (بھی)

فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

بہت اچھا ٹھکانا دیں گے اور اجر آخرت تو (کہیں) بڑھ کر ہے کاش انھیں خبر ہوتی ۶۱

اور متکلمین نے الفاظ آیت سے قرآن مجید کی غیر مخلوقیت سے بھی استدلال کیا ہے تفصیل اس کی قرطبی میں دیکھئے جس کا آغاز یوں کیا ہے۔

وفی الاٰیۃ دلیل علی ان القرآن غیر مخلوق

لشیءٍ اور لہ دونوں میں ل تبلیغ کا ہے۔

والظاھر ان اللام فی لشیءٍ وفی لہ للتبلیغ۔ (بحر)

۶۰ (مشرکین معاندین کی طرف سے)

من بعد ما ظلموا۔ ہجرت یعنی اپنے وطن کی سرزمین کو مع وہاں کے دوستوں، عزیزوں وغیرہ بےشمار مرغوبات و مالوفات کے چھوڑ دینا ہمیشہ ہی نفس کو شاق گزرتا ہے، اور شدید مظلومیت اور بیچارگی کے بعد تو نفس پر یہ دشواری کئی گنی اور بڑھ جاتی ہے۔

فی اللہ۔ یعنی اللہ کے واسطے یا اللہ کی راہ میں۔

لاقامۃ دینہ (جلالین) فی حقہ ولوجھہ (مدارک۔ بیضاوی)

والذین ھاجروا۔ یہاں ذکر اُن مومنین سابقین و صادقین کا ہے جنھوں نے کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے نہ صرف شہر مکہ بلکہ ملک حجاز اور سارے علاقۂ عرب کو چھوڑ کر ایک دور دراز ملک حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی۔

ھؤلاء اصحاب محمد ظلمھم اھل مکۃ فاخرجوھم من دیارھم حتی لحق طوائف منھم بالحبشۃ۔ (ابن جریر۔ عن قتادۃ)

ھاجروا فی اللہ۔ اس قید سے فقہاء و مفسرین نے یہ بھی نکالا ہے کہ ہجرت شریعت میں معتبر و معزز وہی ہے جو دین الٰہی کی خاطر ہو، ورنہ محض ہجرت تو محض انتقال وطن کے مرادف و ہم سطح ہے۔

ودل تعالٰی بقولہ والذین ھاجروا فی اللہ ان الھجرۃ اذا لم تکن للہ لم تکن لہ موقع، وکانت بمنزلۃ الانتقال من بلد الی بلد (کبیر) وفی اللہ دلیل علی اخلاص العمل للہ۔ (بحر)

فی یہاں ل کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔

قیل فی بمعنی اللام ای للہ (قرطبی)

۶۱ یعنی کاش ان بے خبر کافروں کو آخرت کے اجر بے نہایت اور راحت دائمی کا کچھ اندازہ ہوتا،

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ

اور (مہاجرین ایسے ہیں) جو صبر کرتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ۶۲ اور ہم نے آپ کے قبل مرد ہی رسول

اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ

بنا کر (دلائل اور کتابوں کے ساتھ) بھیجے ہیں ۶۳ جن پر ہم وحی بھیجا کرتے ہیں۔

کانوا یعلمون۔ میں ضمیر غائب کافروں کی جانب ہے۔

الضمیر للکفار (کشاف) عائد إلی الکفار۔ (کبیر)

فی الدنیا حسنۃ۔ چنانچہ مہاجرین مکہ کو بھی مدینہ پہونچ کر بالآخر ہر طرح کی حکومت و عزت حاصل ہوگئی، اور ریاست مکہ ہی نہیں، سارا صوبۂ حجاز، کل ملک عرب، بلکہ اطراف مشرق و مغرب بھی انھیں کے زیرنگیں آگئے۔

وھی الغلبۃ علی اھل مکۃ الذین ظلموھم وعلی العرب قاطبۃ وعلی أھل المشرق والمغرب (کبیر)

قرآن حسنۃ (بھلائی) کی خواہ وہ دنیا کی ہو یا آخرت کی، کہیں کی بھی، تحقیر کسی حال میں نہیں کرتا، بلکہ ہمیشہ ترغیب ہی دیتا رہتا ہے، البتہ یہ بھی وہ ہر جگہ واضح کرتا رہتا ہے کہ اس دائمی زندگی میں جو سکھ چین عیش نصیب ہوگا وہ اس عارضی، فانی، آنی، دنیا کے ہر عیش، ہر لذت، ہر راحت سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہوگا۔

۶۲ (چنانچہ وطن چھوڑتے وقت یہ بھی خیال نہیں کرتے کہ کیا کھائیں گے، کہاں سے پائیں گے۔)

خیال رہے کہ یہ سفر بیسویں صدی کے وسط آخر کا نہیں، ساتویں صدی عیسوی کے شروع کا تھا، خشکی اور تری دونوں کے راستے کو طے کرکے مکہ سے سیکڑوں میل دور حبشہ کا تھا، آج پُر تکلف ریل گاڑیوں اور موٹروں اور پُر تعیش جہازوں میں نہ تھا۔

الذین صبروا۔ یعنی ہر طرح کی تکلیفوں اور ناخوشگوار واقعات پر صبر سے کام لیتے رہتے ہیں۔

۶۳ (نہ کہ کسی فرشتہ، جن یا فوق البشر کو رسول بنا کر)

مشرکین عرب دیوتا، اوتار وغیرہ کے تخیل سے تو خوب آشنا تھے، لیکن نفسِ رسالت، یا کسی بشر محض کا پیمبری سے سرفراز ہوجانا ان کی سمجھ سے باہر تھا، اس میں وہ بار بار الجھتے تھے، اور ذات مصطفوی پر اپنے نزدیک بڑا اصولی اور گہرا اعتراض یہی کرتے تھے کہ یہ کھاتے پیتے، چلتے پھرتے، بشر ہوکر کیسے نبی ہوگئے؟ یہ انھیں منکروں کو سنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہو رہا ہے کہ انسانوں کے لئے سلسلۂ نبوت تو ازل سے برابر بشر کے ذریعہ سے قائم ہے۔

رجالا۔ قرآن میں بجائے بشر کے لفظ رجال کا آیا ہے، اور اس نے قدرۃً یہ بحث پیدا کردی ہے کہ آیا عورت کے لئے مرتبۂ رسالت و نبوت کی گنجائش ہے؟ لفظ سے یہ استدلال اور بالکل صحیح استدلال کیا گیا ہے کہ مرتبۂ نبوت مردوں کے لئے محدود و محصور ہے، اور کسی عورت کے لئے اس منصب کی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی۔

دلت الآیۃ علی انہ تعالی ما ارسل أحدا من النساء۔ (کبیر)

فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ

سو اگر تم لوگوں کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ دیکھو ۶۴ؔ

وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

اور ہم نے آپ پر بھی یہ نصیحت نامہ اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں پر ظاہر کر دیں جو کچھ ان کے پاس بھیجا گیا ہے

وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور تاکہ وہ غور و فکر سے کام لیا کریں ۶۵ؔ

سورۂ یوسف کی آیت ۱۰۹ میں بھی ایسے ہی الفاظ آئے ہیں، وہاں کا حاشیہ بھی ملاحظہ کر لیا جائے۔

بالبینٰت والزبر۔ امام رازیؒ نے فرمایا اور بہت صحیح فرمایا کہ ان دو مختصر لفظوں کے اندر سارا خلاصۂ رسالت آگیا۔ البینات کے اندر سارے معجزات و شواہد صدق پیمبر اور الزبر کے اندر اصل احکام و ہدایات۔

نقطة جامعة لكل ما تكامل به الرسالة لأن مدار أمرها على المعجزات الدالة على صدق من يدعى الرسالة وهي البينات وعلى التكاليف التي يبلغها الرسول من الله تعالى إلى العباد وهي الزبر الأولى (كبير) للدلالة على الصدق والثانية لبيان الشرائع والتكاليف۔ (روح)

بالبینٰت۔ البینات کے معنی دلائل و شواہد بالکل درست ہیں۔

ای بالحجج والدلائل۔ (ابن کثیر)

۶۴ؔ خطاب مشرکین عرب سے ہے، اور ان سے ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ جنھیں تم بھی اہل علم سمجھتے ہو، یعنی اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ ذرا انھیں سے اس مسئلہ کے متعلق پوچھ گچھ کر کے اپنا اطمینان کر لو، مسئلۂ رسالت میں اور بشر ہی کے رسول ہونے میں، تو وہ بھی مسلمانوں ہی کے ہم زبان ہیں۔

أهل الذكر کے معنی اہلِ کتاب کے، صحابہ، تابعین، ائمۂ لغت و اکابر مفسرین سب سے منقول ہیں۔

ای اهل الکتاب من الیهود والنصاریٰ (ابن جریر عن ابن عباسؓ الحسن والسدی) واهل الذکر أهل الكتاب۔ (کشاف)

خود الذکر کے معنی کتاب و کتاب الٰہی کے ہیں۔

الذکر الکتاب فيه تفصيل الدين ووضع الملل (قاموس) وكل كتاب من الانبياء ذكر (تاج) الذكر الكتب المتقدمة (راغب) قيل للكتب الذكر لأنه موعظة وتنبيه للغافلين (كشاف)

۶۵ؔ (ان مضامین قرآنی کے اندر)

الذکر۔ سے مراد یہاں قرآن مجید ہی ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ

کیا وہ لوگ جو سازشی منصوبے باندھتے رہتے ہیں اس امر سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں

أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ

دھنسا دے یا ان پر عذاب ایسے موقع سے آپڑے کہ انہیں گمان بھی نہ ہو ۶۶ یا انہیں ان کے چلتے پھرتے

فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾

پکڑ لے سو یہ لوگ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔ ۶۷ء

لتبین للناس۔ یعنی تاکہ آپ ان مضامین کو اپنی تشریح و توضیح کے ساتھ خلق سے روشناس کر دیں ـــــ یہ آیت قرآنی بھی متعدد دوسری آیات کی طرح اس باب میں نص ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت محض حامل وحی یا "خطارساں" کی نہیں بلکہ شارح اور بیان کرنے والے کی بھی ہے، قرآن مجید کے حقائق و اسرار کے حل کرنے کا حق سب سے زیادہ آپؐ ہی کو حاصل ہے، اور رسولؐ کا فرض جس طرح تبلیغ وحی ہے تبیین وحی بھی اس کے فرائض میں داخل ہے، اور جو لوگ سنت و حدیث رسولؐ سے بے نیازی برتتے ہیں وہ فہم قرآن سے اپنے کو محروم رکھ رہے ہیں۔

ما نزل الیھم۔ قرآن مجید کی اصل مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ و واسطہ سے ساری نوع انسانی ہے۔

اور الناس کے معنی میں کافۃ کا مفہوم شامل ہے۔

۶۶ء چنانچہ معرکۂ بدر میں ہوا بھی یہی کہ سرداران قریش کو اس کا گمان تک نہ تھا کہ ہم لوگ باایں سازوسامان اور بایں کثرت تعداد، تھوڑے سے اور وہ بھی بے سروسامان مسلمانوں کے ہاتھوں ایسی بری طرح شکست کھا جائیں گے۔

الذین مکروا السیات۔ یعنی وہ لوگ جو اسلام اور رسول اسلامؐ کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے رہتے ہیں۔

والأقرب أن المراد سعیھم فی ایذاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ علی سبیل الخفیۃ (کبیر)

یخسف اللہ بھم الارض۔ مطلب یہ ہے کہ ان پر کوئی بھی ناگہانی زمینی مصیبت آپڑے۔

۶۷ء متمرد و سرکش انسان اپنی پوری کوشش اور ساری قوتیں صرف کر کے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر دیکھ لے، حق تعالیٰ کا کسی معاملہ میں ذرا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا، آخر کار خود ہی ہار کر، تھک کر، مجبور ہو کر بیٹھ جانا پڑے گا۔

یاخذھم فی تقلبھم۔ یعنی نزول عذاب کے لئے اسے کسی خاص اہتمام کی ضرورت

اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا

یا انھیں گھٹاتے گھٹاتے پکڑ لے ۔ لیکن تمہارا پروردگار بڑا شفیق ہے بڑا رحمت والا ہے ۶۸ ۔ کیا انہوں نے

اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَاۗىِٕلِ

اللہ کی پیدا کی ہوئی ان چیزوں کو نہیں دیکھا جن کے سائے داہنی طرف اور بائیں طرف جھکتے ہیں

سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

تابع ہیں وہ اللہ کے اور عاجز ہیں ۶۹

تھوڑے ہی ہے، وہ ان کے جس حال میں چاہے انھیں گرفتار کرلے۔

۶۸ (چنانچہ فوراً ہی عذاب کی گرفت میں نہیں لے لیتا، بلکہ رجوع و توبہ کے لئے بار بار مہلت دیتا ہے)

والمعنی أنه یمهل فی اکثر الأمر لأنه رؤف رحیم فلا یعاجل بالعذاب ۔ (کبیر)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر طرح انسان کی ہلاکت و بربادی پر قادر ہے، چاہے اس کا ظاہری ذریعہ کوئی طبعی سبب مثل زلزلہ وغیرہ کے ہو، چاہے وہ کسی قوی زبردست دشمن کو مسلط کردے، چاہے وہ یونہی چلتے پھرتے ہلاک کردے، اور چاہے پہلے سے جتا کر، بتلا کر، متنبہ کرکے کوئی سامان ہلاکت کا پیدا کردے۔

یاخذهم علی تخوف ۔ یعنی بار بار بلائیں لاکر، تدریجاً لوگوں کو ہلاک کردے۔

ای یأخذهم علی أن ینقصهم شیئاً بعد شیء فی أنفسهم وأموالهم حتی یهلکوا ۔ (کشاف)

تنقص شیئاً فشیئاً حتی یهلک الجمیع (جلالین) التخوف ظهور الخوف من الانسان ۔ (راغب)

اور اس مصدر سے جو فعل متعدی آتا ہے، اس کے معنی اثر و خوف سے گھٹاتے کے ہیں۔

وتخوفناهم هوای تنقصنا هم تنقصاً اقتضاء الخوف ۔ (راغب)

اور زمخشری نے قبیلۂ ہذیل کے ایک شیخ کے حوالہ سے حضرت عمرؓ خلیفۂ ثانی کے زمانے میں تخوف کے معنی تنقص نقل کئے ہیں۔

۶۹ یعنی کیا یہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ تکوینی طور پر اس کائنات کی ایک ایک چیز یہاں تک کر سایہ دار چیزوں کے سائے بھی حکم الٰہی کے مطیع و منقاد ہیں ۔۔۔ مشرک جاہلی قوموں میں سایہ کے متعلق بھی عجیب عجیب توہمات گھڑ رکھے ہیں، قرآن ان سب کا قلع قمع کرکے بتاتا ہے کہ سارے سائے اور سایہ دار چیزیں قانونِ الٰہی ہی کے محکوم ہیں۔

اولم یروا ۔ استفہام پہلو زجر و ملامت کا بھی لئے ہوئے ہے۔

الاستفهام هنا معناه التوبیخ وقیل یجوز أن یکون معناه التعجب ۔ (بحر)

اولم یروا ۔ ایک قرأت بجائے یروا کے تروا کی ہے اس لئے کہ خطاب جمیع خلق سے براہ راست ہے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ

اور اللہ ہی کی مطیع ہیں ٧٠ جتنی چلنے والی چیزیں آسمان میں ہیں اور جتنی زمین میں ہیں اور فرشتے بھی

وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٤٩﴾

اور وہ (اپنی) بڑائی نہیں کرتے ٧١

ظِلٰلُه. مفسرین قدیم نے لکھا ہے کہ سایہ کے موجبات ومسببات، حرکت سایہ کے اسباب، پھر سایہ کے خواص یہ سب حکم الٰہی ہی سے ہیں۔

سُجَّدًا لِّلّٰهِ. سجدًا یہاں اپنے اصلی ولغوی معنی میں ہے، یعنی فرماں بردار، جیسا کہ ہر مخلوق کو اپنے خالق اور فاعل حکیم کے روبرو ہونا ہی چاہیئے۔

هذا السجود تسخير وهو الدلالة الصامتة الناطقة المنبهة على كونها مخلوقة وانها خلق فاعل حكيم (راغب) المراد بهذا السجود الانقياد والتواضع (كبير) وقال الزجاج يعني سجود الجسم وسجوده انقياده، وهذا عام كل جسم۔ (قرطبی)

وَهُمْ دٰخِرُوْنَ. یعنی یہ سایہ دار چیزیں سب اسی کی مطیع اور فرماں بردار ہیں۔

داخرون اى اذلاء (راغب) اى خاضعون صاغرون۔ (قرطبی)

٧٠ (تکوینی طور پر)

يَسْجُدُ. سجود یہاں بھی اپنے اصلی اور لغوی مفہوم، انقیاد واستسلام کے معنی میں ہے —— آیت کا حاصل یہ ہے کہ مخلوق چھوٹی یا بڑی کوئی سی بھی ہو، اور عالم ارواح یا عالم اجسام میں کہیں بھی ہو، سب کے سب عظمت الٰہی کے آگے سرنگوں ہیں۔

اى كل ماسوى الله سواء كان من عالم الأرواح او من عالم الأجسام فهو منقاد خاضع لجلال الله تعالىٰ وكبريائه۔ (كبير)

٧١ یعنی اللہ کی مطیع ومنقاد جب تکوینی طور پر زمین وآسمان کی ساری ہی زندہ ومتحرک مخلوق ہے، اور سب سے بڑھ کر خود فرشتے جو ایک لحاظ سے اعظم مخلوقات ہیں اور مشرکوں نے انھیں کو دیوی دیوتا کہہ کر خدا کا مدمقابل سمجھا ہے وہ تو خاص طور پر مطیع ومنقاد ہیں، تو ان مشرکوں بیچاروں کی بساط ہی کیا ہے۔

يَسْتَكْبِرُوْنَ کے باب استفعال سے بعض نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ ملائکہ کے دل میں اپنی بڑائی کی طلب تک نہیں پیدا ہوتی چہ جائیکہ خود بڑائی کرنے لگیں۔

لا يطلبون ذلك فضلا عن فعله والاتصاف به۔ (روح)

مِنْ دَآبَّةٍ. دابۃ کے معنی یہاں جاندار کے بھی کئے گئے ہیں، اور متحرک کے بھی، اور پھر انقیاد کے ایک سرے پر دابۃ اور دوسرے سرے پر ملٰئکۃ کو لا کر گویا یہ بتا دیا ہے کہ ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک ہر ذی حیات

يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۩ ﴿٥٠﴾

اور وہ ڈرتے رہتے ہیں اپنے پروردگار سے جو ان پر بالادست ہے اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا انھیں حکم ملتا رہتا ہے۔

زنجیرِ انقیاد میں یکساں جکڑا ہوا ہے۔

بين بهذه الآية أن الحيوانات بأمرها منقادة لله تعالى لأن أخسها الدواب وأشرفها الملائكة۔ (کبیر)

من دابة۔ کا تعلق آیت میں جس طرح ارض (زمین) سے ہے اسی طرح السمٰوٰت (اجرام فلکی) سے بھی ہے' اس لئے بالکل جائز ہے کہ علاوہ فرشتوں کے متحرک وجاندار مخلوق انسان کی طرح سیاروں یا آسمانوں پر بھی ہو۔

۴۷ یہ سب دیوتا پرستی اور ملائکہ پرستی کی تردید میں ارشاد ہو رہا ہے۔

من فوقهم۔ فوق سے یہاں کھلی ہوئی مراد فوقیتِ معنوی یا غلبہ ہے' ورنہ سمت یا جہت کے محض فوق سے تو خوف پیدا ہونے کی کوئی صورت نہیں۔

المراد بالفوقية الفوقية بالقهر والقدرة لانها هي الموجبة للخوف (کبیر) اى غالبا عليهم بالقهر (جلالین) قيل المعنى يخافون قدرة ربهم التى هى فوق قدرتهم۔ (قرطبی)

راغب نے فوق کے استعمال کے چھ مواقع بتائے ہیں' مکان' زمان' جسم' عدد' منزلت اور انھیں میں سے ایک معنی فوقیت بہ اعتبار قہر وغلبہ کے رکھے ہیں۔

توریت موجودہ میں بعض فرشتوں کو عاصی و نافرمان فرشتہ کہہ کر پیش کیا گیا ہے' قرآن مجید اس تخیل کی جڑ ہی کاٹے دیتا ہے ــــ قرآن فرشتوں کو بار بار تمام تر معصوم ہستی کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔

وهى دلالة قاهرة قاطعة على عصمة الملائكة عن جميع الذنوب۔ (کبیر)

اور ابلیس کا زمرۂ ملائکہ میں ہونا مسلمانوں میں تمام تر یہود و نصاریٰ کے دفتر سے آیا ہے۔

يخافون ربهم۔ سوال یہ ہوا ہے کہ جب ملائکہ سے معصیت کا امکان ہی نہیں تو وہ پروردگار سے ڈرتے کیوں رہتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ یہ خوف وہ نہیں جو اپنی معصیت سرکشی سے پیدا ہوتا ہے' بلکہ یہ وہ خوف ہے جو محض عظمتِ الٰہی کے احساس اور حق تعالیٰ کی ہیبت و اجلال سے پیدا ہوتا ہے ــــ اسی قسم کا خوف جو عوام سے کہیں زیادہ خواص اور اہلِ معرفت کے دلوں میں اور سب سے بڑھ کر حضرات انبیاء کے سینوں میں موج زن رہا کرتا ہے امام المفسرین رازیؒ نے بہت خوب فرمایا ہے:۔

ذلك الخوف خوف الاجلال هكذا روى عن ابن عباسؓ والدليل على صحته قوله تعالىٰ انما يخشى الله من عباده العلماء وهذا يدل على أنه كلما كانت معرفة الله اتم كان الخوف منه الأعظم وهذا الخوف لا يكون إلا خوف الاجلال والكبرياء (کبیر)

اور جب عصمتِ ملائکہ کی یہ ایک اصل سمجھ میں آگئی' تو اس سے خود بخود بہت سے بے سند اور غلط لیکن

١٢ ع ٦
النحل ١٦

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ

اور اللہ نے کہہ رکھا ہے کہ دو معبود نہ قرار دینا ۷۳ خدا تو بس وہی ایک ہے سو تم لوگ

فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا

صرف مجھی سے ڈرتے رہو ۷۴ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اسی کا دین واجب الاطاعت ہے ۷۵

زبان زد عوام قصوں کی جڑ کٹی جاتی ہے، جن میں فرشتوں کو کبائر کے مرتکب کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے،
ہاں قصۂ ہاروت و ماروت کو تاویل کے بعد جواز کے درجہ میں رکھا جا سکتا ہے۔

۷۳ (جیسا کہ مجوس نے اور بعض اور بد دین فرقوں نے قرار دے رکھا ہے)
قرآن مجید جس طرح شرک کی اور ہر صورت کو مٹا رہا ہے، اسی طرح ثنویت کو بھی، ثنویت مجوسیت
کے نام سے دنیا میں ایک معروف مذہب ہے جس کے ماننے والے دو خداؤں کے قائل ہیں، ایک یزدان
یعنی خدائے نور و خیر دوسرا اہرمن یعنی خدائے ظلمت و شر۔ ہندوستان میں انھیں لوگوں کو پارسی کہتے ہیں اور
اس کا بڑا مرکز شہر بمبئی ہے، جہاں ان کی تعداد آخری تخمینہ کے بموجب ایک لاکھ ہے، یہ اپنے کو منسوب
زرتشت کی جانب کرتے ہیں۔ یہ ان کے عقیدہ میں پیمبر تھے، اور ان کا زمانہ حضرت مسیحؑ سے کئی سال
قبل کا ہے، مزید تفصیر کے لئے ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن نیز اس کی اردو تفسیر میں سورۂ حج کی آیت ۱۷
کا حاشیہ مجوسی۔

وَقَالَ اللّٰهُ۔ یعنی اللہ نے اپنی مخلوق کو پیمبروں کے ذریعہ یہ حکم دے رکھا ہے۔

۷۴ (کہ میں ہی ہر طرح کے انجام اور عقاب پر قادر ہوں)
ھو۔ (صیغۂ غائب) کے معاً بعد ایای (صیغۂ متکلم) کی طرف انتقال صفت التفات کہلاتا ہے،
اور عربی اسلوب بلاغت میں ایک اعلیٰ صفت ہے ۔۔۔ اور اتنی بات تو اردو خوانوں کے سمجھ میں بھی آسکتی
ہے کہ تخویف و ترہیب کے موقع پر صیغۂ غائب سے کہیں زیادہ زور و اثر صیغۂ متکلم میں پیدا ہو جاتا ہے۔

وھو من طریقۃ الالتفات وھو ابلغ فی الترھیب من قولہ ایاہ فارھبوہ۔ (کشاف)

الٰہ واحد۔ وہ اکیلا اور بالکل بلا شریک تنہا خدا ہے، مادہ، روح وغیرہ کوئی چیز بھی شریک الوہیت نہیں۔
آیت سے مقصود الوہیت کا اثبات نہیں، توحید کا اثبات اور ثنویت کی تردید ہے۔

للدلالۃ علی أن المقصود اثبات الوحدانیۃ دون الالٰھیۃ، أو للتنبیہ علی أن الوحدۃ لازم
الالٰھیۃ۔ (بیضاوی)

۷۵ (پھر اس میں کسی دوسرے دین کی شرکت کے کیا معنی)
واصب۔ کے معنی واجب و ثابت و دائم کے ہیں۔

الواصب الواجب الثابت (کشاف) قال ابن عباس واصبا واجبا (قرطبی) ومعنی الواصب

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ

تو کیا (پھر بھی) غیر اللہ سے ڈرتے ہو۔ اور تمہارے پاس جو بھی کوئی نعمت ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے پھر

اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾

جب تمہیں تکلیف پہونچتی ہے تو اسی (اللہ) سے فریاد کرتے ہو۔

الدائم أي حق الانسان أن يطيعه دائماً في جميع أحواله (راغب) وقيل اي تجب طاعة الله وأن تجب إليه فيها۔ (قرطبی)

اور دین واصب سے مراد جزائے دائمی سے بھی لی گئی ہے، یعنی عذاب وثواب۔

وله الجزاء ثابتة دائماً سرمداً لا يزول يعني والثواب والعقاب (کشاف) فتوعد لمن اتخذ الهين وتنبيه أن جزاء من فعل ذلك عذاب لازم شديد۔ (راغب)

اي له تعالى الجزاء دائماً لا ينقطع ثوابه للمطيع وعقابه للعاصي (روح) معناه دائماً قال الفراء وحكاه الجوهري۔ (قرطبی)

۷۶ شرک کی اصل وبنیاد عموماً اسی غیر اللہ کے خوف پر ہوتی ہے، مشرک انسان سمجھتا ہے کہ فلاں فلاں طاقتیں ایسی ہیں جو مجھے نقصان پہونچا سکتی ہیں، سو انھیں راضی رکھنے کے لئے ان کے آگے یوں نذر ماننی چاہئے، یوں بھینٹ چڑھانا چاہئے، وقس علیٰ ہذا، (ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن) قرآن نے اسی پر ضرب لگائی ہے۔

۷۷ (اس کے رفع کرنے کو)

یہاں اس حقیقت کو یاد دلایا ہے کہ جو اور جس قسم کی بھی نعمت انسان کو حاصل ہے اس کا سرچشمہ ذات خداوندی ہی ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ انسان کو خود بھی اس کا احساس ہے، چنانچہ جب اس پر مصیبت پڑتی ہے تو وہ بے ساختہ خدا ہی کو یاد کرنے لگتا ہے۔

ما بکم۔ ما فراء نحوی کے بقول جزا کے معنی میں ہے۔

قال الفراء ما بمعنى الجزاء (قرطبی)

فخر المفسرین رازیؒ آیت کے تحت میں لکھتے ہیں کہ آج یکم محرم ۶۰۲ھ کو جب میں اس آیت کی تفسیر لکھ رہا ہوں صبح کے وقت شدید زلزلہ آیا اور لوگ دعاء وتضرع میں مصروف ہو گئے، لیکن جب زلزلہ ختم ہو گیا تو اسے بھول بھال کر پھر غفلت میں پڑ گئے، اور اپنے کام کاج میں لگ گئے۔

تجـٔرون۔ یعنی گڑگڑاتے ہو، دہائی دیتے ہو، فریاد کرتے ہو، جٔار کے لفظی معنی جنگلی جانوروں کے چلانے کے ہیں۔

اي ترفعون أصواتكم بالاستغاثة و تتضرعون إليه بالدعاء (کبیر) والجؤار في الاصل صياح الوحش واستعمل في رفع الصوت بالدعاء والاستغاثة۔ (روح)

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ

پھر جب وہ تم سے تکلیف کو ہٹا دیتا ہے تو تم میں کا ایک گروہ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے

يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ٭ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ ۴۷۹

لگتا ہے۔ حاصل یہ کہ اسکی ناشکری کرتے ہیں جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے ۴۷۸ سو (خیر) چند روزہ عیش کرو پھر تو عنقریب تمکو معلوم ہی ہو جائیگا

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْئَلُنَّ

اور یہ جن کے بارے میں انھیں کوئی علم نہیں ان کا حصہ لگاتے ہیں ان چیزوں میں جو ہم نے انھیں دے رکھی ہیں ۴۸۰ قسم ہے اللہ کی تم جو کچھ گڑھتے رہتے ہو اس کی

عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ

ضرور تم سے بازپرس ہو گی ۴۸۱ اور اللہ کے لئے انھوں نے بیٹیاں قرار دے رکھی ہیں۔ سبحان اللہ!

۴۷۸ (اپنی نعمتوں میں سے) ـــــ اور رفع تکلیف تو خود ہی ایک بڑی نعمت ہے۔

نعمۃ۔ صورۃً واحد ہے، لیکن معنیً جمع ہے، اسم جنس کے معنی ہیں۔

لیکفروا۔ میں ل عاقبت کا ہے، یعنی انجام یہ ہوتا ہے، نتیجہ وحاصل اس کا یہ ہوتا ہے۔

اللام لام العاقبۃ (روح) قیل اللام لام کی وقیل لام العاقبۃ۔ (قرطبی)

فریق منکم۔ یعنی تم میں سے کچھ لوگ، انسان کا شرک پسند طبقہ۔

۴۷۹ (کہ اس شرک وکفر کا انجام کیا ہوتا ہے۔)

سوف۔ عنقریب یعنی مرتے ہی۔

۴۸۰ یعنی یہ مشرکین ہماری نعمتوں میں جو ہم نے انھیں دے رکھی ہیں' ان معبودوں کا بھی حصہ لگاتے ہیں، جن کے معبود ہونے ہی پر کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ـــــ ذکر مشرکین عرب کا ہو رہا ہے، ان کے ان خصوصیات کا ذکر سورۃ الانعام پ میں آچکا ہے۔

لما لا یعلمون۔ وہ جن کی بابت ان کے پاس نہ کوئی علم ہے نہ ثبوت ہے نہ تحقیق ہے، بس بلا دلیل وحجت اندھا دھند انھیں اپنا دیوتا مانتے جانتے ہیں ـــــ "علم" قرآن مجید میں کثرت سے علم صحیح وقطعی (نہ کہ ظنی وتخمینی) اور دلیل کے معنی میں آیا ہے۔

۴۸۱ (اے مشرکو!)

موقع تہدید پر صیغہ ایک طرف تو غائب سے مخاطب کا، اور دوسری طرف متکلم سے غائب کا ہو گیا۔

تاللہ۔ زور وتاکید کے موقع پر قسم کا لانا عربی اسلوب بیان کی ایک صنعت ہے' ہر زبان کا محاورہ الگ ہوتا ہے، اردو میں تاکید کے لئے "ضرور ضرور" لاتے ہیں۔

وَلَهُم مَّا يَشْتَهُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ

اور اپنے لئے وہ (رکھا ہے) جسکے لئے ان کا جی چاہتا ہے ۸۲ء اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوش خبری سنائی جاتی ہے تو اس کا

مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٥٨﴾ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ

چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ (دل ہی دل میں) گھٹتا رہتا ہے ۸۳ء اور بری خبر پر وہ لوگوں سے چھپا چھپا پھرے۔

أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ

آیا اس (مولود) کو ذلت کی حالت میں لئے رہے یا اسے مٹی میں گاڑ دے؟ ۸۴ء

تاللہ۔ حرف قسم کا ت کے ساتھ لانا لفظ اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔
لتسئلن۔ باز پرس سے مواخذۂ حشر مراد ہے۔

۸۲ء یعنی اولاد نرینہ ــــ مطلب یہ ہوا کہ ایک تو حق تعالیٰ کی جانب اولاد کا انتساب خود ہی کیسی جہالت وسفاہت ہے، اور پھر اولاد میں بھی حق تعالیٰ کے لئے وہ صنف جسے اپنے نزدیک حقیر و ذلیل جانتے ہو، یعنی لڑکے کے بجائے لڑکیاں، اور بیٹوں کو اپنے لئے مخصوص رکھتے ہو۔

ویجعلون للہ البنٰت۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہ بلا قریش کے قبائل بنی خزاعہ اور بنی کنانہ میں زائد تھی، وہی ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔

نزلت فی خزاعة وکنانة فانهم أن الملائکة بنات اللہ (قرطبی) هم خزاعة وکنانة (روح)

۸۳ء (کہ کیسی عار وننگ کی چیز خاندان میں آئی)

ظل۔ سے اشارہ ادھر بھی ہو گیا کہ چہرہ اداس رہنے اور سیاہ پڑ جانے کی حالت سارے دن رہتی ہے۔

ویعتبر به عما یفعل بالنهار (راغب) ویقال ظللت عمل کذا ظلولًا اذا عملته بالنهار دون اللیل (صحاح) اظل تکون بمعنی صار و بمعنی أقام نهارًا علی صفة التی تسند إلی اسمها (بحر) دام النهار کله (بیضاوی)

اور لسان العرب میں ہے کہ ظل اور بات دو متقابل الفاظ ہیں ظل اس کام کے لئے آتا ہے جو دن میں ہو اور بات اس کے لئے جو رات میں ہو۔

ولا تقول العرب ظل یظال الا لکل عمل بالنهار کما لا یقولون بات یبیت الا باللیل (لسان)

اور اردو مترجمین میں سے یعنی دو فاضل بزرگوں نے بھی اس پہلو کا لحاظ رکھا ہے "سارے دن رہے منہ اس کا سیاہ" عبدالقادر دہلوی "سارے دن اس کا چہرہ بے رونق رہے" تھانوی ؒ

۸۴ء (یہ سوال مشرک باپ کے دل میں برابر گردش کرتا رہتا ہے۔)

عرب میں قبیلہ تمیم اس بلا میں خاص طور پر مبتلا تھا، لیکن دنیا کی تاریخ میں اور بھی مشرک قوموں نے

أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٥٩﴾ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ

ہائے کیسی بری تجویز کرتے رہتے ہیں ۸۵؎ ۔ بری حالت ہے ان لوگوں کے لئے جو آخرت پر ایمان نہیں

مَثَلُ السَّوْءِ ۖ وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٠﴾

رکھتے ۔ اور اللہ کے لئے اعلیٰ صفات ثابت ہیں ۸۶؎ اور وہ بڑا زبردست ہے بڑا حکمت والا ہے ۸۷؎

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِم مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِن دَابَّةٍ

اور اگر اللہ لوگوں پر ان کی زیادتی کے سبب (فوراً) داروگیر کرتا رہتا تو زمین پر کوئی حرکت کرنے والا جانور نہ چھوڑتا ۸۸؎

وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ

لیکن وہ انھیں ایک میعاد معین تک مہلت دئے ہے ۔

بہ کثرت اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر کر دیا ہے ۔

ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے :-

" دختر نوزاد کو زندہ دفن کر دینے کا دستور بہت عام رہا ہے" (جلد ۸ ص) ملاحظہ ہو انگریزی تفسیر القرآن ۔

دختر کشی کے اسباب و محرکات دوگانہ تھے، کہیں تو لڑکی کا وجود باعثِ عار سمجھتے تھے، اور شرم و حیا

کے مارے اسے مار ڈالتے تھے، اور کہیں اس کے بارِ مصارف کے خیال سے ۔

۸۵؎ (کہ اول تو خدا کو صاحب اولاد ٹھہرایا، اور اس میں بھی اس کے لئے بیٹی تجویز کی)

یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ لڑکی کے نام سے اتنی چڑھ، اور اس کے ساتھ یہ تنفاوت کا برتاؤ، سب انکی

عقل کی کیسی بدترین تجویزیں ہیں ۔

۸۶؎ یعنی تمام صفاتِ کمال و جمال، خصوصاً قدرتِ کاملہ اور نزاہت ۔

مثل السوء ۔ دنیا میں بری حالت یہ کہ ایسے شدید جہل و حمق میں مبتلا رہے، اور آخرت میں

یہ کہ ہر طرح کی عقوبت و ذلت کے شکار ہوں گے ۔

۸۷؎ چنانچہ اسم عزیز کے تقاضہ سے ہر وقت سزا دینے پر قادر، لیکن اسم حکیم کے تقاضہ سے

سزائے شرک کو موت کے وقت تک ملتوی کر دیا ہے ۔

۸۸؎ یعنی بدکار تو بہر حال اپنی بدی کی پاداش میں ہلاک کر ہی دئے جاتے، اور جب وہ باقی

ہی نہ رہ جاتے، تو نیک کاروں کا وجود بھی بے معنی رہ جاتا ــــ اگر دنیا میں ظلم اور ظالم کا وجود نہ باقی رہے تو

کوئی انصاف کس کے مقابلہ میں کرے گا؟ دنیا میں کوئی مفلس نہ باقی رہے، تو صفتِ فیاضی کے ظہور کی کیا

صورت باقی رہے گی؟ مصیبت زدوں کے وجود سے دنیا خالی ہو جائے تو کوئی ہمدردی اور شفقت کے لئے

ع ۱۳

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾

پھر جب اس کی وہ میعاد آجائے گی تو اس سے وہ نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکیں گے۔ اور نہ آگے بڑھ سکیں گے ف۸۹

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ

اور اللہ کے لئے وہ چیزیں قرار دیتے ہیں جنھیں خود (اپنے لئے) ناپسند کرتے ہیں، اور ان کی زبانیں جھوٹ کہتی جاتی ہیں

لَهُمُ الْحُسْنٰى ۭ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿٦٢﴾

کہ ان کے لئے بھلائی (ہی) ہے ف۹۰ لازم ہے کہ ان کے لئے دوزخ ہو اور بے شک یہ لوگ سب سے پہلے بھیجے جائیں گے ف۹۱

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ

اللہ کی قسم ہم (رسولوں کو) آپ کے قبل کی بھی امتوں کی طرف بھیج چکے ہیں لیکن شیطان نے ان کے اعمال

الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ

انھیں خوشنما کر دکھائے ف۹۲

کس کو تلاش کرے گا؟ —— غرض انسانی آبادی تو ساری کی ساری یوں ختم ہو جاتی، اور جب کوئی انسان زندہ نہ رہتا تو پھر حیوانات کی ضرورت بھی نہ رہ جاتی، جو تمام تر انسان ہی کی خدمت کے لئے ہیں۔

دابۃ۔ کے معنی انسان کے لئے گئے ہیں لیکن مفہوم کا عموم بہتر سمجھا گیا ہے جس میں ہر جاندار آجائے۔

قال ابو عبیدۃ عنی الانسان خاصۃ والاولی اجراؤھا علی العموم۔ (راغب)

علیھا۔ ضمیر ہا۔ ارض (زمین) کی جانب ہے۔

ای علی الأرض (بیضاوی) الکنایۃ فی قولہ علیھا عائدۃ إلی الأرض۔ (کبیر)

بظلمھم۔ ظلم یہاں ہر قسم کے کفر و معصیت کو شامل ہے۔

ای بسبب کفرھم ومعاصیھم۔ (روح) کفرھم ومعاصیھم۔ (بیضاوی)

ف۸۹ (بلکہ ٹھیک ٹھیک قدرتی پروگرام کے مطابق ہی ہلاک ہو کر رہیں گے۔)

ویجعلون للہ مایکرھون۔ مشرکانہ مذہبوں پر نظر ہو تو اندازہ ہو کہ ان لوگوں نے کیسی کیسی پست بلکہ سرتاسر گندی باتیں اپنے دیوی دیوتاؤں بلکہ خود معبود اعظم کے حق میں گڑھ رکھی ہیں

ف۹۰ کسی اخروی زندگی کے اول تو یہ قائل ہی نہیں، اور جو قائل ہیں بھی تو وہاں اپنے لئے چین ہی چین سمجھ رہے ہیں۔

ف۹۱ (دوزخ میں)

فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ وَمَا أَنْزَلْنَا

سو وہ آج بھی ان کا رفیق ہے، اور انھیں کے لئے عذاب دردناک ہے ۹۳ اور ہم نے آپ پر کتاب

عَلَيْكَ الْكِتٰبَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ ۙ وَهُدًى

بس اس لئے نازل کی ہے کہ جس امر میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں آپ اس کو ان پر واضح کر دیں نیز

وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٦٤﴾

ایمان والے لوگوں کی ہدایت و رحمت کی غرض سے ۹۴

یعنی یہ لوگ تو دوسرے اہل جہنم کے لئے بہ طور مقدمۃ الجیش کے ہوں گے۔

مفرطون۔ فرط اسے کہتے ہیں جو اپنے ساتھیوں سے آگے دوڑ کر انھیں پانی تک پہنچائے۔

مفرطون۔ ای معجلون قال الواحدی وھو الاختیار ووجھہ ما قال ابو زید وغیرہ

فرط الرجل اصحابہ یفرطھم فرطاً وفروطاً اذا تقدمھم الی الماء لیصلح الدلاء۔ (کبیر)

۹۲ (اس لئے وہ لوگ پیمبروں کی تعلیمات سے غیر متأثر رہ کر اپنے کفریات ہی کو پسند کرتے رہے۔)

دیکھئے حاشیہ ۸۱ تا اللہ پر۔

زین.... اعمالھم۔ شیطانی تحریک اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ ایسی چیزوں کو جو واقعی حسن و زیبائی سے خالی ہیں، ظاہری و عارضی خوشنمائی دیدیتی ہے، چنانچہ جتنے بھی شیطانی اعمال ہیں ان کا جائزہ لے ڈالئے سب میں یہی چیز مشترک ملے گی، شرابی کو فوری اور عارضی لذت شراب میں محسوس ہوتی ہے، سینما باز کو سنیما میں، جواری کو جوئے میں، وقس علیٰ ہذا، اس سے بچنے کا آسان اور مؤثر طریقہ صرف اپنی عقل اور قوتِ فکر کا صحیح استعمال ہے، جہاں انسان نے غور و تامل سے کام لیا، اور اشیاء کا اصلی حسن و قبح اس کی نظر میں ظاہر ہونے لگا، شیطانی ترغیبات کی کشش بھی اس کے لئے از خود مفقود ہو جاتی ہے۔

۹۳ (اور یہ پچھلے بھی انھیں اگلوں کی طرح کفر کر رہے ہیں، تو یہ سزا بھی لامحالہ انھیں کی سی پائیں گے، آپ ان کے لئے غم و تردد میں نہ پڑیئے۔)

المراد منہ کفار مکۃ (کبیر)

الیوم۔ آج یعنی اسی دنیا میں۔

فھو ولیھم الیوم۔ یعنی شیطان ان کا رفیق رہ کر انھیں طرح طرح کی پٹی پڑھاتا رہتا ہے۔

۹۴ یعنی یہ کتابِ الٰہی، مؤمنین کے حق میں سراسر ہدایت و رحمت ہے، اور آپ پر یہ اس لئے نازل ہوئی، تاکہ آپ ان اہلِ باطل اور اہلِ حق کے درمیان جو معتقدات نزاعی ہیں، مثلاً توحید یا معاد، اس باب میں مسلکِ حق کی خوب توضیح و تشریح کر دیں۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ

اور اللہ نے اوپر سے پانی اتارا پھر اس سے زمین کو اس کے خشک ہونے کے بعد جلا دیا،

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِي

بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے (بڑی) نشانی ہے جو سنتے ہیں ۹۵ اور بے شک تمہارے لئے

الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ

مویشیوں میں بڑا سبق ہے ۹۶

لتبین ۔ نے ایک بار پھر اس حقیقت کو صاف کر دیا کہ پیمبر کا منصب محض من وعن پیام پہونچا دینے کا نہیں بلکہ اس کی شرح وترجمانی کر دینے کا بھی ہے ۔۔۔ تبیین کی وسعت، تبیین لسانی وتبیین عملی دونوں پر شامل ہے، اور حدیث وسنتِ رسول دونوں پر، اور ان کا مرتبۂ فہم قرآن میں نص قرآنی کے متعا بعد ہی پہونچ جاتا ہے ۔

لہم ۔ ضمیرِ ھم کس کی طرف راجع ہے، الناس یعنی کل نوعِ انسانی کی جانب، نہ کہ مخصوص قریش واہلِ مکہ کے لئے، مگر ظاہر ہے کہ براہ راست تخاطب انھیں سے ہے ۔

راجعًا إلى الناس مطلقًا لعدم اختصاص ذلك لقريش ويدخلون فيه دخولاً أوليًا (روح)

۹۵ (ان باتوں کو ہوش وگوش سے)

من السماء ۔ میں سماء کا ترجمہ اوپر سے پوری طرح آجاتا ہے، اور مترجم تھانویؒ نے یہی لفظ اختیار کیا ہے ۔

واللہ .... الارض ۔ اوپر سے پانی برسانا اور اس سے زمین خشک وغیرہ کو ازسرنو سرسبز کر دینا جو روزمرہ کا مشاہدہ ہے، یہ کام سب حق تعالیٰ ہی کا ہے، کسی دیوی دیوتا کا نہیں، اور نہ انسان کے اپنے بس کا ۔

بعد موتھا ۔ یہ موت اپنے مجازی معنی میں ہے، قرآن مجید کے متعدد مقامات کی طرح ۔

لاٰیۃ ۔ یعنی اللہ کی قدرت، ربوبیت، صناعی کی بڑی دلیل ہے ۔

نباتات کی حیاتِ تازہ ونو سے حشر وبعثِ اجساد کی طرف ہر فطرتِ سلیم والے کا ذہن آسانی سے منتقل ہو سکتا ہے ۔

۹۶ ان گھر یلو جانوروں کی ساخت وترکیب اور ان کے اعضاء کے افعال میں جو صدہا عجائب ہیں، تفصیلات بیالوجی (حیاتیات) اور زولوجی (حیوانیات) کے ہر متعلم پر روشن ہیں، یہ سب صناعیاں اور حکمتیں پتہ کس چیز کا دیتی ہیں؟ ایک صانعِ اعظم کا، ایک حکیم مطلق کا ۔

لعبرۃ ۔ عبرۃ ۔ کہتے ہیں معلوم سے مجہول اور مشاہدہ سے غیر مشاہدہ تک پہونچنے کو ۔

والعبرة مختصة بالحالة التي يتوصل بها من معرفة المشاهد إلى ما ليس بمشاهد (راغب)

اور یہاں اس سے طرح طرح کے سبق اللہ کی قدرت، عظمت، حکمت اور وحدانیت وغیرہ کے نکل سکتے ہیں

نُسْقِيكُمْ مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا

ان کے پیٹ میں جو کچھ ہوتا ہے گوبر اور خون (کے قسم) سے اس کے درمیان سے خالص اور پینے والوں کے لئے

سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ

خوشگوار دودھ ہم تمہیں پینے کو دیتے ہیں ؏۹۷ اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں میں (بھی تمہارے لئے سبق

تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

ہے) تم ان سے نشہ کی چیزیں اور کھانے کی عمدہ چیزیں بناتے ہو بے شک اس میں (بڑی) نشانی ہے

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں ؏۹۸

ای دلالۃ علی قدرۃ اللہ و وحدانیتہ و عظمتہ۔ (قرطبی)

؏۹۷ جہاں سے گوبر اور خون وغیرہ گندی چیزیں اور فضلے پیدا ہوتے رہتے ہیں، وہیں سے دودھ کی سی نفیس و پاکیزہ نعمت انسان کے لئے تیار کر دینا جس کے آگے بڑے سے بڑے کیمیا داں اور کیمیا ساز مع اپنی ساری تجربہ کارگاہوں کے دنگ رہ جائیں، اگر ایک کھلی ہوئی دلیل ایک صناع اعظم کے وجود پر نہیں تو اور کیا ہے؟

بطونہ۔ میں ضمیر واحد مذکر غائب اس چیز کے لئے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، اور یہ معنی لے کر انعام کے لئے بجائے مؤنث کے ضمیر واحد مذکر جائز ہے، کسائی اور مبرد نے یہی کہا ہے اور قرآن ہی سے اس کی سندیں بھی پیش کی ہیں۔

ای فی بطونہ ما ذکرنا، وھذا جواب الکسائی، وقال المبرد وھذا شائع فی القرآن۔ (کبیر)

لبنا خالصا۔ آیت سے دودھ وغیرہ کے جواز انتفاع پر بھی استدلال کیا گیا ہے۔

فی ھذہ الآیۃ دلیل علی جواز الانتفاع بالالبان من الشرب وغیرہ۔ (قرطبی)

سائغا۔ سائغ وہ مشروب جو لذت یا آسانی کے ساتھ حلق سے اترے۔

معناہ جاریا فی حلوقہم لذیذا ھنیئا (کبیر) سھل المرور فی الحلق۔ (کشاف)

؏۹۸ (کہ ایک ہی مادہ سے کہاں ایک طرف مسکرات جیسی گندی چیزیں تیار کر دیں اور کہاں دوسری طرف لطیف و پاکیزہ مشروبات و ماکولات عرق و شربت مربے وغیرہ)

لقوم یعقلون۔ قرآن مجید نے عقل کو ایک نعمت عظیم قرار دیا ہے اور بار بار ایسے ہی موقع بہ موقع پر اس کا ذکر کیا ہے، فارسی شاعروں کی طرح نہیں کہ عشق کے مقابلہ میں عقل کو لا کر اس کی تحقیر و تذلیل کی ہو

وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا

اور آپ کے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں القاء کیا کہ تو گھر بنالے پہاڑوں میں (بھی) اور

وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾

درختوں میں (بھی) اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں ان میں (بھی) ۹۹

سکراً ورزقاً حسناً ۔ گویا ایک ہی مادہ میں، سم و تریاق دونوں کی خاصیتیں رکھدیں۔

النخل والاعناب ۔ انگور اور کھجور دونوں کی شرابیں مشہور شرابیں ہیں، عرب میں بھی مشہور تھیں، اور آج یورپ میں بھی مشہور ہیں۔

انگور اور کھجور دونوں آج بہترین میوے ہیں اور عرب میں تو خصوصیت کے ساتھ ہوتے تھے' ان کے طبی وغذائی منافع کا ذکر کچھ اوپر گزر چکا ہے' اور کچھ انگریزی تفسیر القرآن میں ملے گا۔

سکراً ۔ سکر کے لفظ پر سوال پیدا ہوا ہے کہ نشہ کا ذکر محل مدح پر قرآن مجید نے کیسے کر دیا؟ —— جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو یہاں مقصود مدح نہیں، بلکہ ذکر صرف اس کا ہے کہ خرمے اور انگور سے فلاں فلاں کام لئے جا سکتے ہیں، اور مخاطب صرف مؤمنین نہیں بلکہ کافر بھی شامل ہیں، اور وہ برابر ان پھلوں سے نشہ کا کام لیتے رہتے ہیں' اس لئے اس ذکر میں مطلق مضائقہ نہیں' دوسرے یہ کہ آیت مکی ہے' اور نشہ کی حرمت اس وقت تک ہوئی نہیں تھی، اس پر بھی قرآن مجید نے سکر کو رزق حسن سے علیحدہ و ممتاز کر کے ظاہر کر دیا کہ یہ دو بالکل مختلف قسم کے کام انھیں پھلوں سے لئے جا سکتے ہیں۔

۹۹ چنانچہ شہد کی مکھیاں اپنا چھتا انھیں مقامات پر لگاتی ہیں۔

ان مکھیوں کا چھتا بھی صنعت و کاریگری کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہوتا ہے' معلوم ہوتا ہے کسی اعلیٰ مہندس یا انجینیر نے اسے تیار کیا ہے۔

اوحی ۔ وحی یہاں اصطلاحی و شرعی مفہوم میں نہیں' جو وحی نبوت کے مرادف ہے' بلکہ اپنے عام و وسیع لغوی معنی میں ہے، دل میں بات ڈال دینے کے مرادف، چاہئے تو اسے الہام فطری کہہ لیجئے۔

واصل الوحی الاشارۃ السریعۃ (راغب) ای انہ تعالیٰ قرر فی انفسھا ھذہ الاعمال العجیبۃ (کبیر)

ماہرین نفسیات انگریزی میں جس شے کو (INSTINET) ا (جبلت) سے تعبیر کرتے ہیں' وہ وحی حیوانی ہی کا دوسرا نام ہے، اور علامہ راغب نے اس مفہوم کو "تسخیر" سے ادا کیا ہے۔

النحل ۔ شہد کی مکھی اپنی فراست، دانائی، عقلی توانائی کے ساری حیوانی دنیا میں مشہور و ممتاز ہے' فرنگی ماہرین فن نے کتابوں پر کتابیں ان مکھیوں کی فراست و دانائی اور حسن انتظام و تدبیر پر لکھ ڈالی ہیں، اور ماہرین فن نے دنیا میں مکھی کی ۲۰ ہزار قسمیں بیان کی ہیں، حق تھا کہ اس ننھی سی مخلوق کی ذہانت خاصہ کو وحی الٰہی اپنی جانب منسوب کرتی۔

ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ

پھر ہر (قسم کے) پھلوں سے (رس) چوستی پھر، پھر اپنے پروردگار کے راستوں میں فرمانبرداری سے چلی جا۔

يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ

اس کے پیٹ کے اندر سے ایک مشروب نکلتا ہے کہ اس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں ۔

مما یعرشون ۔ سے مراد عمارتیں بھی ہو سکتی ہیں اور انگور وغیرہ کی ٹٹیاں بھی ، شہد کی کمھیاں اپنا چھتا ہمیشہ بلند ہی جگہ پر لگاتی ہیں کسی عمارت کی چھت یا دیوار ، یا کسی درخت کی شاخ پر ۔

من الجبال ۔ پہاڑی کمھیوں کا شہد معمولی کمھیوں کے شہد سے الگ اور ممتاز ہوتا ہے ۔

من الجبال ، من الشجر ، مما یعرشون ۔ من ہر جگہ تبعیضیہ ہے ، یعنی یہ مراد نہیں کہ کمھی اپنا چھتا ہر پہاڑ ، ہر درخت ، ہر اونچی عمارت پر لگاتی ہے ، بلکہ مراد یہ ہے کہ ان چیزوں میں سے جو بھی اسے مناسب معلوم ہوتی ہیں ان پر لگاتی ہیں ۔

بیوتا ۔ چھتے پر " بیت " کا اطلاق بھی بہت پر معنی ہے ، اپنی صنعت گری کے لحاظ سے اس پر واقعی انسان کے بنائے ہوئے " گھر " ہی کا اطلاق ہوتا ہے ۔

۱۰۰ اے ان کمھیوں کا ایک ایک پھل پھول پر رس چوسنے کے لئے بیٹھتے رہنا اور میلوں کا سفر طے کر کے ، بغیر راستہ بھولے بھٹکے اپنے چھتے کی طرف واپس آجانا ، حیوانات کی ایک مشہور و مشاہد حقیقت ہے ۔

کل الثمرات ۔ کے معنی ہر ہر پھل کے نہیں ، کل کا اطلاق جس طرح " سب " پر ہوتا ہے اسی طرح عربی میں اکثر یا بیشتر ، یا بالعموم پر بھی ہوتا ہے ۔

وقد جاء بمعنى بعض (قاموس) موضوع كل الاحاطة بالجميع ، قد تستعمل فى معنى البعض (نهاية) وقد تستعمل للتكثير المبالغة ۔ (اقرب)

سبل ربك ۔ فضا جس میں بظاہر کوئی متعین راہ ، سڑک ، گلی ، پگڈنڈی وغیرہ نہیں ہوتی ، کمھیوں کا بالکل ٹھیک راستہ سے اپنے چھتے پر واپس آجانا ، عین الہام فطری کا نتیجہ ، اور ربوبیت کاملہ کی ایک واضح دلیل ہے ۔ سبل کی اضافت رب کی جانب اس ربوبیت کے پہلو کو واضح کرنے کے لئے ہے ۔

ذللا ۔ ترکیب میں فاسلکی کا حال واقع ہوا ہے ، یعنی فرماں برداری کے ساتھ چلی جا ۔

وقال قتادة وعبد الرحمن بن زيد اى مطيعة ، فجعلاه حالا من السالكة (ابن كثير)

اى مطيعة منقادة يا لتسخير (معالم)

حیوانات میں الہام فطری عجائب عقل انسانی سے کچھ کم نہیں ہوتے ۔

۱۰۱ اے کوئی آٹھ قسم کے شہد تو اکیلے ملک عرب ہی میں ہوتے ہیں ، اور ہندوستان اور پاکستان میں سرخ شہد ، زرد شہد ، سفید شہد ، سیاہی مائل شہد ، غرض مختلف رنگوں کا شہد تو شاید ہر ایک کے مشاہدہ میں آچکا ہے ۔

فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٦٩﴾

اس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے ۱۰۲ بے شک اس کے اندر (بڑی) نشانی ہے ان کے لئے جو غور و فکر سے کام لیتے رہتے ہیں ۱۰۳

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ ۚ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ

اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر وہ تمہیں وفات دیتا ہے اور تم میں سے کوئی لوٹا دیا جاتا ہے ناکارہ عمر کی

لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ؕ

طرف جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باخبری کے بعد چیزوں سے بے خبر ہو جاتا ہے ۱۰۴

شراب۔ اس شیریں مشروب کو شہد کہتے ہیں، پھولوں کا رس جو مکھیاں چوس کر لاتی ہیں، وہ ابتداء میں پھولوں کی ناصاف شکر ہوتی ہے، مکھیاں اس کو اپنے خصوصی نظام ہضم کے ذریعہ نہایت لطیف قسم کی شکر میں تبدیل کر دیتی ہے شہد میں ۴۰ تا ۵۰ فیصدی یہی شکر ہوتی ہے اور پھر ۳۰ تا ۳۷ فیصدی ایک دوسرے قسم کی شکر ہوتی ہے، باقی حصوں میں تحلیل کرنے والے اجزاء، خمیر کرنے والے اجزاء، دیگر کیمیاوی اجزاء اور نمکیات تیں ہوتے ہیں۔

۱۰۲ (بہت سے بیماریوں سے)

شہد کے منافع اور فضائل طب یونانی، طب ہندی (ویدک) طب افرنگی (ڈاکٹری) سب کو مسلّم ہیں اور یہاں اگر اس کے فوائد نقل کئے جائیں تو خود ایک مستقل مقالہ ہو جائے، اس کے فوائد تو شروع ہی سے مسلّم چلے آتے ہیں، اور ویدک اور طب یونانی کی کتابوں میں برابر درج ہیں، ادھر چند سال سے یورپ بھی ادھر زیادہ متوجہ ہوا ہے اور جرمن، سوئزرلینڈ، فرانس اور روس کے ڈاکٹروں نے علی الخصوص اس کے جو معالجاتی تجربے، منھ کے ذریعہ سے دینے اور انجکشن سے اندر پہونچانے کے کئے ہیں، ان سے ثابت ہوا کہ امراض دوران خون، امراض تنفس، امراض جگر، امراض صدر، امراض شرائین، امراض امعاء، امراض چشم، امراض جلد وغیرہ سب میں یہ نہایت درجہ مفید ہے، اور ڈاکٹر زکی علی مبارک ایک طبی مقالہ کے آخر میں لکھتے ہیں، کہ درحقیقت شہد ایک قدرتی نعمت ہے، جو بہت سی ایسی ضرورتوں میں کام آتی ہے، جنھیں پوری طرح بیان نہیں کیا جا سکتا مختلف امراض کے لئے اس کا استعمال روز بروز بڑھ رہا ہے، اور جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، ہندوستان کے لئے ایک ایسی نعمت غیر مترقبہ ہے، جو ایک اعلیٰ غذا بھی ہے اور بہت سے امراض کی دوا بھی۔

۱۰۳ (اور یہ خیال میں لاتے ہیں کہ قدرت حق نے ایک زہریلے نیش زن جانور سے کیسی حیرت انگیز شفاء بخش چیز پیدا کر دی ہے۔)

لآیۃ۔ نشانی حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بے انتہا کی ——— فرنگیوں نے مکھیوں کی فراست و صنعت گری پر ان کے چھتوں کی عجیب و غریب صناعی پر اور شہد کے غذائی و دوائی منافع پر مقالے نہیں، کتابوں کی کتابیں لکھ ڈالی ہیں، یہ سب اگر لآیۃ لقوم یتفکرون کی ہی تفسیر نہیں تو اور کیا ہے ——— لیکن

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝٧٠ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ

بے شک اللہ بڑا علم والا ہے بڑا قدرت والا ہے ۱۰۵ اور اللہ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر مال کے

فِي الرِّزْقِ ۚ

معاملہ میں فضیلت دے رکھی ہے ۱۰۶

افسوس ہے کہ ان "محققین فاضلین" کو بھی کبھی توفیق "تفکر" کی نہ ہوئی کہ اپنی ان تحقیقات عالیہ سے کوئی بھی سبق معرفت رب کا حاصل کرتے۔

۱۰۴ (جیسا کہ پیرانہ سالی مفرط کے وقت اکثر مشاہدہ میں آتا رہتا ہے۔

یہ پیدا کرنے کا، موت دینے کا، بعض کو پیر فرتوت بنا دینے کا، سارا کام صرف حق تعالیٰ ہی کا ہے کوئی اس میں اس کا شریک و سہیم نہیں ــــ یہ نہیں کہ پیدائش کا دیوتا کوئی اور ہے، موت کا کوئی اور، اور زندہ رکھنے کا کوئی اور۔

ارذل العمر۔ یعنی عمر کی وہ منزل کہ جب نہ قوت جسمانی ہی برقرار رہے اور نہ قوت دماغی، اردو محاورہ میں اسی کو پیر فرتوت یا بوڑھا پھوس ہونا کہتے ہیں ــــ منطق و فلسفہ، ادب، لغت، تاریخ، جغرافیہ، اور سائنس وغیرہ سارے علوم فنون کے ماہروں اور فاضلوں کو نوے سال کی عمر میں دیکھیے کہ وہ ان علوم سے کیسے معرّیٰ اور خالی الذہن ہو کر رہ جاتے ہیں، دین کے کسی خادم پر اول تو اس درجہ کا اثر عموماً ہوتا نہیں، اور اگر ہو بھی جاتا ہے، تو اس سے اس کی آخرت کو مطلق ضرر نہیں، اس کا اجر اس کی معذوری کے زمانہ میں برابر بلا ادنیٰ کمی کے ثبت ہوتا جاتا ہے۔

لکی۔ میں لام عاقبت یا نتیجہ کا ہے۔

اللام للصیرورۃ والعاقبۃ۔ (روح)

ثم یتوفٰکم۔ یہاں یمیتکم نہیں ارشاد ہوا ہے جس کے معنی مطلق موت دیدینے کے ہیں بلکہ یتوفٰکم فرمایا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ تمھاری مدت پوری کر کے تمھیں اپنی طرف بلا لیتا ہے، بندہ کی اپنے رحیم و شفیق خالق کی طرف یہ مراجعت کوئی قہر و غضب کی علامت، اور کوئی ڈرنے، بھاگنے بچنے، وحشت کرنے اور پناہ مانگنے کی چیز نہیں، سفر حیات کے قدرتی و طبعی تکملہ کا نام ہے۔

۱۰۵ وہ علیم اپنی صفتِ علم کے اقتضاء سے ہر شخص کی ضرورت و مصلحت کا، اور ان کی اہمیت و صلاحیت کا علم رکھتا ہے، اور وہ قدیر اپنی صفتِ قدرت کے اقتضاء سے ویسا ہی اس کا انتظام بھی کر دیتا ہے

۱۰۶ (تکوینی مصلحتوں سے)

آیت سے اس حقیقت پر پوری طرح روشنی پڑ گئی ہے کہ مال و دولت میں عدم مساوات فطری و طبعی ہے، اور تقسیم دولت میں کامل مساوات کا دعویٰ بجائے خود بے بنیاد اور خلاف فطرت ہے۔

فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰی مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ

سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنا مال اپنے زیر دستوں کو کبھی اس طرح پھیر دینے والے نہیں کہ وہ سب

فَهُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴿٧١﴾

اس باب میں برابر ہو جائیں ١٠٦ تو کیا پھر بھی اللہ کی نعمت سے یہ لوگ انکار کرتے ہیں ١٠٨

فقہاء و مفسرین نے آیت سے مالک اور غلام کے درمیان نفی مساوات صراحت سے نکالی ہے۔

قال ابوبکر قد تضمنت الآیۃ انتفاء المساواۃ بین المولی وبین عبدہ فی الملک (جصاص)

"اشتراکیین" کے استدلال میں اصل مغالطہ یہ ہے کہ خود افراد کو جن کے درمیان دولت تقسیم ہوتی ہے باہم مساوی، ہم سطح سمجھ لیا گیا ہے' اور یہی مفروضہ سرے سے غلط ہے، قوم کے افراد ایک دوسرے کے مساوی اور یکساں ہیں کہاں؟ نہ عمر، صحت، جثہ اور جسمانی قوی کے لحاظ سے' نہ عقل، فہم، ہنرمندی اور دماغی صلاحیتوں کے لحاظ سے۔ نہ اپنی ضرورتوں کے لحاظ سے' نہ اپنی اخلاقی، روحانی صلاحیتوں کے لحاظ سے' نہ جذبات کے لحاظ سے نہ ملکات کے لحاظ سے' غرض کسی بھی معیار سے باہم مساوی نہیں۔۔۔ پھر آخر تقسیم دولت میں مساوات کا مطالبہ شرعی یا نقلی حیثیت سے نہیں، خود عقلی و تجربی حیثیت سے بھی کیا معنی رکھتا ہے؟

ما ملکت ایمانھم۔ کا اصل مفہوم تو غلاموں اور باندیوں کا ہے' یہاں وہ سارے زیر دست مراد ہو سکتے ہیں جو بہ طور مزدور، مملوک' اہلِ حرفہ کے کام کرتے ہیں۔

رادّی۔ اس لفظ سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ سرمایہ داروں' مالداروں کو جو دولت حاصل ہوتی ہے وہ اصلاً ان ہی مزدوروں' اجیروں کے ذریعہ سے تو حاصل ہے۔

فضل کے لفظ سے ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ مالداری بھی ایک نعمتِ الٰہی ہے' اور ہر صورت میں قابل ترک و احتراز نہیں

١٠٧ (بلکہ ایسی مساوات تو فطرت بشری پر ایک بار ہے)

قرآن مجید جہاں ایک طرف نظام سرمایہ داری کا حامی نہیں' اور یہ ہرگز دیکھنا نہیں چاہتا کہ ملک کے اندر کچھ لوگ تو لکھو کھا اور کروڑوں کے مالک اور امیر کبیر ہوں' اور بڑی آبادی اپنی ضروریات زندگی بھی مشکل سے فراہم کر سکتی ہو' وہاں دوسری طرف تقسیم دولت میں مساواتِ کاملہ کا بھی قائل نہیں' اور مزدکیت یا سوشلزم اور کمیونزم کو بھی ہوا دینے والا نہیں۔

افراط و تفریط دونوں سے بچ کر اس کا اپنا ایک مستقل مسلک معاشی توازن و اعتدال کا ہے جس میں امیر و غریب کی درجہ بندی قائم رہے گی لیکن ایک طرف ظلم، تمکنت، بیجا عیش پرستی، اور دوسری طرف تنگ دستی اور بذلت کا وجود بھی باقی نہ رہے گا۔

١٠٨ شرک پر اصرار کئے جانا عین نعمت الٰہی اور سب سے بڑی نعمت الٰہی کو ٹھکرانا ہے' نظیر و مثال سے استدلال شناعتِ شرک پر کیا گیا ہے' جب محض مجازی مالکوں کو مساوات اپنے مملوکوں اور زیر دستوں

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ

اور اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لئے بیویاں بنائیں اور تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے

اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ

بیٹے اور پوتے پیدا کئے ف۱۰۹ اور تمہیں لذیذ چیزیں کھانے کو دیں ف۱۱۰

کے ساتھ گوارہ نہیں، تو مشرکین کس نظیر سے فائدہ اٹھا کر پروردگار مالک حقیقی کو اس کے مخلوق و مربوب بندوں کے ہم سطح کئے دیتے ہیں؟

بنعمة الله۔ نعمتِ الٰہی توحید سے بڑھ کر اور کون ہو سکتی ہے؟ یہ نعمۃ اسم جنس ہے اور معنی جمع (نعمتوں) کے دیتا ہے، لیکن ساری نعمتوں کی سرتاج تو نعمت توحید ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔

ای بالاشتراك به (معالم) قال مجاهد فی هذه الاية هذا مثل الالهية الباطلة (ابن کثیر)

یجحدون۔ جحد انکار کی اس قسم کو کہتے ہیں جو غلط فہمی یا سوء اجتہاد کا نتیجہ نہ ہو، بلکہ ضد اور ہٹ دھری سے پیدا ہو، یعنی دل قائل ہو گیا ہو، لیکن زبان برابر انکار کئے جائے، توحید ہے اتنی صاف اور سادہ چیز کہ ہر سلیم الفطرت انسان دل سے قائل اس کا ہوتا ہے، اور محض سخن پروری اور رسم پرستی ہے جو اسے شرک پر قائم رکھتی ہے۔

الجحود نفی ما فی القلب اثباته واثبات ما فی القلب نفيه۔ (راغب)

مشرکین عرب دل سے دلائل توحید کے قائل ہو گئے تھے، لیکن اپنی بات کی پچ اور ہٹ دھری میں توحید سے برابر انکار کئے چلے جاتے تھے۔

ف۱۰۹ (اور اس طرح تمہاری بقائے نوعی کا سامان کر دیا۔)

من انفسکم۔ یعنی تمہاری ہی جنس و نوع سے ـــــ یہ یاد دلا کر کہ تمہاری بیویاں تمہیں میں سے ہیں تمہاری ہی ہم جنس ہیں، کوئی بیگانہ اور حقیر و ذلیل مخلوق نہیں، گویا شوہروں اور بیویوں میں بالواسطہ حسنِ معاشرت کی اور تاکید کر دی۔

حفدة۔ حافد کے عام معنی پوتے کے ہیں۔

المراد بالحفدة على ما روى عن الحسن والأزهرى وجاء فی رواية عن ابن عباس واختاره ابن العربی أولاد الأولاد۔ (روح)

لیکن ایک معنی خادم، مددگار وغیرہ کے بھی لئے گئے ہیں۔

روی عن ابن عباس ان الحفدة الخدم والأعوان وقال الحسن من أعانك فقد حفدك وقال مجاهد وقتادة وطاؤس الحفدة الخدم۔ (جصاص)

امام رازیؒ نے متعدد معانی و مفہومات بیان کر کے لکھا ہے کہ لفظ کے عموم میں ان سارے مفہوموں کی

أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُونَ ﴿۷۲﴾

تو کیا پھر بھی یہ لوگ باطل پر ایمان رکھیں گے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے رہیں گے ۱۱۱

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ

اور یہ لوگ اللہ کے سوا ان چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو نہ آسمان سے رزق پہونچانے کا

وَالْأَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۷۳﴾ فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْأَمْثَالَ ط

اختیار رکھتی ہیں اور نہ زمین ہی سے کسی چیز کا اور نہ ایسا کر ہی سکتی ہیں ۱۱۲ سو تم اللہ کے لئے مثالیں نہ گھڑو ۔

إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۷۴﴾

بے شک اللہ ہی علم رکھتا ہے اور تم علم نہیں رکھتے ۱۱۳

وسعت کو شامل رکھا جائے۔

والأولى دخول الكل فيه لما بينا أن اللغة يحتمل للكل بحسب المعنى المشترك الذي ذكرناه (كبير)

من ازواجکم ۔ یہ یاددہانی بہت پُر معنی ہے کہ بیٹے اور پوتے کی سی عظیم نعمتیں بیویوں کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہیں ــــ قرآن نے خاندان کے اِلف و رِفق اور حسن سلوک و حُسن معاشرت کے مختلف پہلوؤں پر کتنے طریقوں سے زور دیا ہے، اور کس طرح خاندان کو سب سے ابتدائی اجتماعی اکائی قرار دیا ہے ۔

۱۱۰ (اور اس طرح تمہاری بقائے شخصی کا سامان کر دیا ۔)

الطیبات ۔ یہاں اپنے لغوی معنی میں ہے یعنی نفیس و لذیذ کے مرادف ۔

اى اللذائذ وهو معناها اللغوى (روح) اى اللذائذ ۔ (بيضاوى)

من الطیبات ۔ یں من تبعیض کا ہے ۔

من للتبعيض ۔ (بيضاوى ۔ روح)

۱۱۱ (اس کے سچے دین کے منکر رہ کر ۔)

افبالباطل ۔ ف سے مراد ہے پھر بھی یعنی اللہ کی توحید و ربوبیت کے سارے دلائل و شواہد سننے اور جاننے کے بعد افبالباطل یومنون ۔ یعنی بے بنیاد و وہمی چیزوں پر، مثلاً بتوں کی معبودیت پر ایمان لاتے ہیں ۔

۱۱۲ یعنی نہ صرف یہ کہ بالفعل اختیار نہیں رکھتے، بلکہ سرے سے اس کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے اگر چاہیں جب بھی یہ قدرت نہیں حاصل کر سکتے ۔

رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ ۔ آسمان سے سامانِ رزق یہی کہ مثلاً ابر، بارش برساتی ہوائیں ۔

وَالْأَرْضِ ۔ زمین سے رزق یہی کہ زمین کو قابلِ کاشت بنانا، اس میں روئیدگی کی قوت پیدا کرنا وغیرہا ۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ

اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے کہ ایک تو غلام مملوک ہے کہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا ۱۱۱۴ اور ایک

رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ

وہ ہے جسے ہم نے اپنے پاس سے خوب روزی دے رکھی ہے تو وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے ۱۱۱۵

۱۱۱۳ (صحیح مثال اپنے متعلق وہی بیان کر سکتا ہے، اور صحیح صفات اپنی وہی بتا سکتا ہے، تم جب اپنی نافہمی سے کوشش کروگے، ایسی ہی الٹی پلٹی باتیں کروگے۔)

مشرکین کا ایک مایۂ ناز استدلال اس وقت بھی تھا، اور اب بھی ہے کہ آخر دنیا کے بادشاہوں کی خدمت میں براہ راست عرض و معروض کون کر سکتا ہے، درمیانی واسطوں کی، عرض بیگیوں کی، امیروں وزیروں کی ضرورت پڑتی ہی ہے، پھر جو سب سلاطین کا سلطان اور شہنشاہ اعظم ہے، اس سے براہ راست اور بلا واسطہ تعلق پیدا کرنا کیوں کر ممکن ہے؟ اور ہم جوان مورتیوں کی، اور ان ستاروں کی پرستش کرتے ہیں تو وہ بھی اسی لئے کہ وہ اس رب الارباب کے خادم اور اس کے ہاں مقرب ہے۔

استدلال کی خرافات بالکل ظاہر ہے، دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ بھی آخر انسان ہی ہوتا ہے، بشر ہی کے سے محدود و ناقص قویٰ رکھتا ہے، وہ تو اس پر مجبور ہے کہ دوسروں کی اعانت حاصل کرے، اور اس لئے لازمی طور پر ان کا دباؤ کچھ نہ کچھ محسوس کرے، اس کے برخلاف کہاں رب العالمین جو ہر قید سے باوراء، ہر اقتباس سے غیر محدود، ہر حدود و نہایت سے برتر ہے، دونوں کا کوئی مقابلہ ہے؟ دونوں کے درمیان کوئی مماثلت ہے؟ اس بے نیاز ہستی کو محتاج ہستیوں پر کسی طرح قیاس کیا جا سکتا ہے؟ مغالطہ قیاس مع الفارق کی اس سے زیادہ کھلی ہوئی مثال اور کیا ہوگی؟ —— آیت کی یہ توضیح امام رازیؒ کے مذاق کے مطابق تھی۔

عام مفسرین نے امثال کو مثل کی جمع قرار دے کر معنی یہ کئے ہیں کہ مخلوقات خصوصاً بتوں اور مورتیوں میں سے کسی شے کو اس کے مثل نہ بناؤ۔

قال المفسرون یعنی لا تشبھوہ بخلقہ (کبیر) لا تشبھوا بہ ھذہ الجمادات (قرطبی)

قرآن نے بار بار اس کی تعلیم دی ہے کہ صفات باری کا صحیح علم خود باری تعالیٰ ہی کو ہے، اور یہ علم بس قرآن ہی سے حاصل کرنا چاہئے، انسان کا اٹکل پچو علم ہمیشہ ناقص ہی ہوگا جیسا کہ مشرکوں کے علم سے ظاہر ہو رہا ہے۔

۱۱۱۴ (کہ کسی مال میں تصرف کر سکے، بجز اپنے مالک کی اجازت کے)

غلام کے لئے تو خیر مالک کی اجازت کے بعد امکان تصرف باقی ہے، معبودان باطل میں تو مالک کی اجازت سے بھی مالکیت میں دخل پانے کا امکان نہیں۔

ضرب اللّٰہ مثلاً۔ اور اس مثال سے مقصود بطلان شرک ہے۔

۱۱۱۵ (جب اور جس طرح چاہے، کوئی اس کی روک ٹوک کرنے والا نہیں۔)

هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَضَرَبَ

کیا (ایسے لوگ باہم) برابر ہو سکتے ہیں ۱۱۶ ساری تعریف تو اللہ ہی کیلئے ہے ۱۱۷ لیکن اکثر ان (مشرکین) میں سے علم ہی نہیں رکھتے ۱۱۸ اور

اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ

اللہ (ایک اور) مثال بیان کرتا ہے کہ دو شخص ہیں ایک ان میں سے گونگا ہے کسی چیز پر قادر نہیں۔

وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ

اور وہ اپنے مالک پر وبال جان ہے۔ اور وہ جہاں اسے بھیجتا ہے وہ کوئی کام درست کر کے نہیں لاتا ۱۱۹

یعنی ایک طرف تو غلام ہے بے اختیار و دست بستہ، اور دوسری طرف مالک ہے خود مختار و مطلق العنان۔

رزقاً حسناً۔ سے مراد مال کثیر۔

رزقه الله مالاً كثيراً۔ (بیضاوی)

۱۱۶ ظاہر ہے کہ "نہیں" جب مالک مجازی و مملوک مجازی مساوی نہیں ہو سکتے، جو اپنی اصل و خلقت کے لحاظ سے بالکل ایک ہیں، اور باہم فرق محض اعتباری و اضافی رکھتے ہیں تو مالک حقیقی و مملوک حقیقی کیونکر یکساں و مساوی ہو سکتے ہیں، جن کے درمیان کوئی شے بطور قدر مشترک ہے ہی نہیں۔

هَلْ يَسْتَوٗنَ ۔ ذکر ایک ہی صفات کے لوگوں کا ہو رہا ہے، مقصود یہاں دو فرد نہیں بلکہ ان متضاد صفات کے کل اشخاص ہیں، ایک ایک طرف، دوسری دوسری طرف صیغہ بھی اسی لئے بجائے تثنیہ کے جمع کا آیا ہے۔

والمراد بما ذكر من اتصف بالأوصاف المذكورة من الجنسين المذكورين لا فردان معينان منهما۔ (روح)

۱۱۷ (نہ کہ اصنام اور معبودان باطل کے لئے)

کامل الذات والصفات اور مستحق عبادت وہی ایک ہے، اور نعمتوں کے دینے میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

المعنى أن كل الحمد لله وليس شيء من الحمد للاصنام (كبير) اى هو المستحق للحمد دون ما يعبدون من دونه أن لا نعمة للاصنام۔ (بحر)

۱۱۸ (اتنی موٹی اور بدیہی بات کا کہ محسن حقیقی و منعم حقیقی تو بس اللہ تعالیٰ ہی ہے)

اکثرهم۔ ضمیر جمع مذکر غائب مشرکین کی جانب ہے۔

ان لوگوں کا عدم علم حقیقت چونکہ عدم تدبر اور عدم توجہ کا نتیجہ ہے اس لئے ایسے لوگ معذور بھی قرار نہیں دیئے جا سکتے۔

۱۱۹ گویا اس درجہ خرف لایعقل ہے کہ خود تو کیا کرتا، مالک کی تعلیم کے باوجود بھی کوئی کام درست نہیں کر پاتا،

احدهما ابكم۔ یعنی علاوہ غلام ہونے اور ہر طرح معذور ہونے کے گونگا بھی ہے، اور تکلم پر غیر قادر،

هَلْ يَسْتَوِي هُوَ ۙ وَمَنْ يَّأْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ

کیا یہ شخص اور ایسا شخص باہم برابر ہو سکتے ہیں جو اچھی باتوں کی تعلیم دیتا ہے اور وہ خود سیدھے راہ

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ

پر ہے ۱۲۰ الله ہی کے لئے (خاص) ہیں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں ۱۲۱ اور قیامت کا معاملہ

اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾

بس ایسا ہو گیا جیسے آنکھ کا جھپکنا، بلکہ اس سے بھی جلد تر۔ حق یہ ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۱۲۲

جو نہ اپنی کہہ سکے اور دوسرے کی سن سکے۔

ابکم۔ کے ایک معنی اہل لغت سے، لایعقل اور سماعت و بصارت سے محروم ہونے کے بھی منقول ہیں۔

عن ابن العربی الابکم الذی لا یعقل (کبیر) قال الزجاج الابکم المطبق الذی لا یسمع ولا یبصر (کبیر) الابکم الذی ولد اخرس فلا یفهم ولا یفهم۔ (کشاف)

پیدائشی گونگا بہرہ بھی ہوتا ہے، جو نہ کسی کی سنتا ہے اور نہ اپنی کسی کو سنا سکتا ہے۔

البکم الخرس المخارق للخلقۃ ویلزمہ الصمم (روح) فکانہ قیل احدھما اخرس اصم لا یفہم ولا یفہم (روح)

لا یقدر علی شیء۔ نہ اپنے متعلق قدرت، نہ اپنے سے غیر کے متعلق قدرت۔

لا یقدر علی شیء من الاشیاء المتعلقۃ بنفسہ او غیرہ بحدس او فراسۃ لسوء فہمہ وادراکہ (روح)

تمثیل کا مقصود مشرک کی تمام تر بے بسی کو ظاہر کرنا ہے۔

وھو کل علی مولاہ۔ کَلّ وہ ہے جو دوسرے پر بار ہو کر رہے، اس کے لئے وبال جان بن جائے۔

الکل الذی ھو عیال وثقل علی صاحبہ (لسان) ای ثقل علی ولیہ وقرابتہ۔ (قرطبی)

۱۲۰ یعنی ناطق ہے، عاقل ہے، فاعل مختار ہے، قوت علمی و عملی کا جامع ہے، اتنی ایک باتیں ایک مختصر سے قرآنی جملہ کے اندر آگئیں۔

۱۲۱ (جو ایک فرع ہے حق تعالیٰ کے علم کامل و محیط کی۔)

لله۔ کی ترکیب ہی سے اشارہ ہو گیا کہ یہ علم غیب خاصیت صرف حق تعالیٰ کی ہے، جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔

للّٰہ تعالیٰ خاصۃ لا لاحد غیرہ استقلالاً ولا اشتراکاً۔ (روح) یفید الحصر معناہ ان العلم بھذہ الغیوب لیس الا للّٰہ (کبیر) ای یختص بہ علم ما یناسب فیما عن العباد۔ (کشاف)

۱۲۲ (اور اس کے علم کی طرح اس کی قدرت بھی کامل اور ہر شے پر حاوی ہے۔)

آیت کے شروع میں بیان حق تعالیٰ کے کمال علم کا ہے، اور آخر آیت میں بیان کمال قدرت کا،

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ

اور اللہ ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا، اس حال میں کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے۔ اور تمہارے لئے

لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٨﴾

سماعت اور بینائی اور دل پیدا کئے تاکہ تم شکر گزار بنو ١٢٣ الف

دونوں کے درمیان ذکر قیامت کا ہے، جو قبلِ وقوع دیکھئے تو ایک مثال ہے کمالِ علم کی، اور بعدِ وقوع کے لحاظ سے نظر کیجئے تو ایک مثال ہے کمالِ قدرت کی۔

الا کلمح البصر۔ یعنی ایسا ہی آناً فاناً، عام محاورۂ انسانی میں کسی شے کے فی الفور واقع ہو جانے کے لئے طریقِ تعبیر یہی ہے۔

... الغرض من التشبیہ بیان سرعتہ لابیان مقدار زمان وقوعہ وتحدیدہ (روح) والمراد منہ تقریر کمال القدرۃ۔ (کبیر)

او ھو اقرب۔ او یہاں بل کا مرادف ہے، اظہارِ شک وتردد کے لئے نہیں، بلکہ "بلکہ" کے معنی میں اظہارِ ترقی کے لئے۔

او قال الفراء بمعنی بل (روح) قیل بمعنی بل (بیضاوی) لاشبھۃ فی انہ لیس المراد طریقۃ الشک بل المراد ھو أقرب (کبیر) لیس أو للشک بل للتمثیل بایھما اراد الممثل (قرطبی)

امر الساعۃ۔ یعنی قیامت کا آجانا، مردوں میں جان پڑ جانا۔

١٢٣ الف (یہ خیال کر کے کہ اس نے ان آلات کے ذریعہ سے تمہاری بے علمی علم سے بدل دی)

جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ۔ سماعت اس لئے دی کہ حق تعالیٰ کے احکام سنو، آنکھیں اس لئے دیں کہ حق تعالیٰ کی قدرت وحکمت کے نمونے مشاہدہ کرو، اور دل اس لئے کہ حق تعالیٰ کی عظمت کا احساس اور اس پر غور وتدبر کرو۔

جعل لکم السمع لتسمعوا مواعظ اللّٰہ والأبصار لتبصروا دلائل اللّٰہ والافئدۃ لتعقلوا عظمۃ اللّٰہ۔ (کبیر)

السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ۔ سماعت اور بصارت کی تخصیص شاید اس لئے کہ آلاتِ علم وذرائعِ معرفت میں اہم ترین یہی دو ہیں، اور دل کی تخصیص اس کے حواس ظاہری وباطنی سب اسی کے تابع ہیں، غرض قرآنی نقطۂ نظر سے مسئولیت وذمہ داری کے لحاظ سے اشرف ترین اعضاء جسم میں تین ہیں، کان، آنکھ، قلب یا اِخبار، مشاہدہ وفہم۔

وجعل لکم الخ۔ و ہمیشہ ترتیب زمانی ہی کے لئے نہیں آتا، اس لئے یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ جعل لکم السمع والأبصار والأفئدۃ کو اخرجکم من بطون امھتکم کے بعد کیوں لایا گیا۔

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِىْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا

کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کی فضا میں (قدرت کے) مسخر ہیں، انھیں کسی (اور) نے نہیں

اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ

تھام رکھا ہے بجز اللہ کے ۱۲۴ے بیشک اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لئے ۱۲۵ے اور اللہ ہی نے تمہارے

مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ

لئے تمہارے گھر وجہ سکون بنائے، اور تمہارے لئے گھر جانوروں کے چمڑے کے بنائے جنھیں تم

بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ

اپنے کوچ کے دن اور اپنے مقام کے دن ہلکا پاتے ہو ۱۲۶ے

لا تعلمون شیئا۔ جب بچے کی حالت اس کے عین پیدائش کے وقت کی یعنی اس کی کامل بے علمی وبے بساطی کی مستحضر رہے، اس وقت آیت کے اس جزء کی پوری قدر ہوگی۔

بیان خلقتِ انسانی کا ہوا، اور حفاظت بشری سے ہے۔

۱۲۴ے یعنی اس صانع مطلق ہی نے اس کا جسم اس ہیئت وضع کا بنایا ہے کہ باوجود ثقل کے، ہوائے لطیف ورقیق میں اُڑتے پھرتے ہیں، اور جب چاہتے ہیں ساکن ہو جاتے ہیں، کوئی جسم ہوا میں معلق کہاں رہ سکتا ہے؟ لیکن صانعِ مطلق نے پرندوں کے جسم کو ایسا بنایا کہ وہ بھاری ہونے کے باوجود اپنے کو ہوا میں تھامے ہوتے ہیں۔

آیت میں ضمناً طیور پرستی کی بھی تردید آ گئی، یعنی پرند غریب معبود ہونے کی صلاحیت تو کیا رکھتے اپنے کو ہوا میں سنبھال بھی نہیں سکتے بغیر اذنِ خداوندی کے۔

مشرک قوموں نے پرندوں تک کو بھی بغیر معبود بنائے نہیں چھوڑا ہے، باز، شکرا، اُلّو اور بہت سے پرندوں کی پرستش ہو چکی ہے، اور بھجنگا، راج ہنس، نیل کنٹھ وغیرہ کا تقدس تو آج بھی ہندوستان میں دیکھا جا سکتا ہے۔

۱۲۵ے (حق تعالیٰ کی حکمت، قدرت، اور ربوبیت کی۔)

خوب غور کر لیا جائے قرآن ایسے تمام مقامات پر ان "محققین فاضلین" کا کوئی بھی حصہ نہیں بتاتا جو حیوانات پر کتابیں لکھتے ہیں، طیور و طیران پر علمی تحقیقات کرتے رہتے ہیں، اور پرندوں کی ساخت ترکیب وعادت کے ماہر فن سمجھے جاتے ہیں ـــــ ان مخلوقات کو اللہ کی نشانیاں سمجھنے کی سعادت تو صرف "اہلِ ایمان" کے حصہ میں آئی ہے۔

وَمِنۡ اَصۡوَافِهَا وَاَوۡبَارِهَا وَاَشۡعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيۡنٍ ﴿۸۰﴾

اور ان کے اون اور ان کے روئیں اور ان کے بالوں سے (تمہارے) گھر کا سامان اور ایک مدت تک چلنے والی فائدہ کی چیزیں بنا ئیں ١٢٧

١٢٦ (اور اس لئے سفر میں ان کا لادنا، اکھاڑنا، نصب کرنا سب سہل معلوم ہوتا ہے۔)

جعل لکم من بیوتکم سکنا۔ یہ حالتِ حضر کا ذکر ہے، اور اس کے معاً بعد خیموں کی سفری زندگی کا بیان ہے ـــــ گویا انسانی معاشرت کی دونوں حالتوں کی مکمل تصویر آگئی۔

من بیوتکم سکنا۔ یہ اینٹ اور پتھر اور مٹی اور چونے اور لکڑی کے گھر، بیشتر انسانی آبادی کے لئے مسکن اور انسان کے لئے راحتِ قلب وسکونِ خاطر کا کتنا بڑا ذریعہ اور سبب ہیں، اس کی قدر کو اس غریب کے دل سے پوچھے، جو بیچارہ بے گھرا ہو، اور اپنا چھوٹا بڑا کوئی مکان بھی نہ رکھتا ہو ـــــ جس طرح ہم بچپن سے کپڑے پہنے رہنے کے اس قدر عادی ہوگئے ہیں کہ ہمیں اس کا وزن تک محسوس نہیں ہوتا، اسی طرح مکان بھی چونکہ چھوٹا بڑا کوئی نہ کوئی اپنی حیثیت وبساط کے لائق ہم میں سے ہر شخص رکھتا ہی ہے اس لئے اس کا پورا اندازہ ہی نہیں ہونے پاتا کہ مکان ہے کتنی بڑی نعمت ـــــ یہ قرآن مجید ہی کا کام تھا جو اسے وجہ سکون ومایۂ تسکین پکار کر کہہ دے۔

من جلود الانعام بیوتاً۔ یہ سفری مکان یا خیمے ڈیرے عموماً چرمی اور پوستینی ہی ہوا کئے ہیں۔

تستخفونها یوم ظعنکم ویوم اقامتکم۔ یہ خیمے اور ڈیرے محض تعیش کا سامان نہیں اور صرف شکار وغیرہ تکلفات ہی کے کام میں نہیں آتے، بلکہ دنیا کی ایک خاصی بڑی آبادی کا مستقل مسکن بھی ہیں ـــــ عرب اہلِ بادیہ نے جس طرح نسلوں پہ نسلیں، خیموں، ڈیروں ہی میں گزار دیں، اہلِ تاریخ پر مخفی نہیں، یہود کی بھی قدیم عربی نسل مدتوں خیمہ بدوش ہی رہی، آج بھی دنیا کی نیم وحشی "خانہ بدوش" قوموں سے اکثر کا، اور بڑی سے بڑی متمدن قوموں کے ایک خاصے حصہ کا گزر خیموں ہی پر رہا کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی توریت میں بھی خیموں ڈیروں کے حوالے کثرت سے آئے ہیں۔

١٢٧ اس کے اندر کمل، دھسے، شال، دوشالے، کملیاں، جوتے، کوڑے، موزے، تھیلے، تھیلیاں، چرمی صراحیاں، بکس، بیگ، گھوڑے کی کاٹھیاں اور ساز، اور ہر قسم کا چرمی اور ریشمی سامان آگیا۔

اثاثا ومتاعا۔ متاع کا مفہوم اثاث سے وسیع تر ہے، اور سامانِ تجارت، اسبابِ آرائش وزیب وغیرہ سب پر شامل ہے، اور امام رازیؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ اثاث تو وہ ہے جو انسان کی پوشش اور دوسری ضروریات میں کام آتا ہے، اور متاع وہ سامان ہے جن سے مکانوں میں فرش اور زینت کا کام لیا جاتا ہے۔

الأثاث ما یکتسی به المرء ویستعمله فی الغطاء والوطاء والمتاع ما یفرش فی المنازل ویزین به (کبیر)

آیت سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ بال، کھال وغیرہ کا انتفاع مردہ جانوروں سے بھی جائز ہے۔

فیه الدلالة علی جواز الانتفاع بما یؤخذ منها من ذلك بعد الموت إذ لم یفرق بین أخذها بعد الموت وقبله۔ (جصاص)

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا

اور تمہارے لئے اپنی بعض مخلوقات کے سائے بنائے اور تمہارے لئے پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں ۱۲۸ الف

وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ

اور تمہارے لئے (وہ) پیراہن بنائے جو تمہاری حفاظت گرمی سے کرتے ہیں اور (وہ) پیراہن جو تمہاری حفاظت (تمہارے آپس کی

بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

جنگ میں) کرتے ہیں ۱۲۹ الف (اللہ) اسی طرح اپنی نعمتیں تم پر پوری کرتا ہے تاکہ تم فرمانبردار رہو ۱۳۰ الف

اِلٰی حِیْنٍ۔ اللہ ہر جگہ انسان کے سامان زینت کو اپنی نعمتوں کے طور پر گنا کر یہ بھی یاد دلاتا جاتا ہے کہ سارا سامان عارضی وفانی و چند روزہ ہے بقا ان میں سے کسی چیز کو بھی نہیں۔

۱۲۸ الف (مثلاً غار، کہ سردی گرمی سے، بارش سے، دشمن سے، جنگلی جانوروں سے، سب ہی سے پناہ گاہ کا کام دیتے ہیں۔)

مِمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا۔ درختوں کے، عمارتوں کے، ٹیلوں اور پہاڑوں کے سائے سے انسان کا آسائش اٹھانا بالکل ظاہر ہے۔

۱۲۹ الف یہ سب اللہ کی مختلف نعمتوں ہی کی تفصیل ہو رہی ہے۔

سَرَابِيْلَ۔ سربال کا لفظ عام ہے ہر قسم کے پیراہن کے لئے۔

القمیص من أی جنس۔ (راغب)

یہاں اس قمیص یا بالائی جسم کی پوشش کی دو خاص قسمیں ارشاد ہو رہی ہیں۔

سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ۔ ایک وہ پوشش جو موسم کی سختیوں سے جسم کو محفوظ رکھے ____ سردی کو چھوڑ کر یہاں صرف گرمی کی تخصیص کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ سردی سے حفاظت کا ذکر کچھ ہی اوپر آچکا ہے ____ ولکم فیھا دفء اور دوسری بات یہ کہ مخاطبین اول عرب تھے اور عرب میں لباس کی اصلی ضرورت بادِ سموم کی تند لپٹ اور آفتاب گرم کی کڑی کرنوں ہی سے بچنے کے لئے ہی تھی۔

قال عطاء الخراسانی المخاطبون بھذا الکلام ھم العرب وبلادھم حارۃ فکانت حاجتھم الی مایدفع الحر فوق حاجتھم الی مایدفع البرد۔

سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ۔ پوشش کی دوسری قسم ہے، مراد ہیں جنگی پیراہن، زرہ جوشن وغیرہ۔

۱۳۰ الف (کم سے کم ان نعمتوں ہی کے اعتراف میں)

ان نعمتوں میں سے بعض تو کھلی ہوئی بالکل قدرتی اور غیبی ہیں، اور دوسری جو انسانی صناعی

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٨٢﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ

لیکن اگر یہ روگردانی کئے ہیں تو آپ کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہونچا دینے کے سوا اور کچھ بھی نہیں ۱۳۱ یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو

اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٣﴾ ع وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ

پہچانتے ہیں اور پھر ان سے انجان ہو جاتے ہیں اور اکثر تو ان میں کافر ہیں ۱۳۲ اور جس دن ہم اٹھائیں گے ہر امت

أُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿٨٤﴾

میں سے ایک گواہ پھر کافروں کو نہ اجازت دی جائے گی ۱۳۳ اور نہ ان سے (اللہ کو) راضی کرنے کی فرمائش کی جائے گی ۱۳۴

ع ١١ / ١٧

اور دستکاری کی رہین منت ہیں، ان کا بھی مادہ تو اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا، اور ان کے بارے میں جو انسان کو سلیقہ و ترتیب و ترکیب ملا ہے وہ بھی عطیۂ الٰہی ہی ہے۔

۱۳۱ (تو آپ ان کے لئے غم و تردد میں ہرگز نہ پڑیں۔)

فان تولوا۔ ف سے اشارہ ادھر ہو گیا کہ وضوحِ دلائل کے بعد بھی اگر یہ توحید و ایمان سے برگشتہ رہیں، صیغۂ مخاطب سے غائب کی طرف انتقال کو عربی فن بلاغت میں صنعتِ التفات کہتے ہیں، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے، قرآن نے اس حقیقت کو بار بار واضح کیا ہے کہ پیمبر کا کام صرف تبلیغ و تلقین ہے، کسی بات کا زبردستی کسی کے دل میں اتار دینا یا کسی عقیدہ کا بہ جبر کسی کے سر چیپک دینا اس کے اختیار میں نہیں۔

۱۳۲ (جو زبانی بھی اقرار توحید نہیں کرتے، بلکہ سرے سے منکرِ حق ہیں۔)

ای الجاحد ون غیر المعترفین۔ (کشاف)

یعرفون نعمۃ اللہ۔ یہ لوگ معذور نہیں کہ سرے سے اللہ کی ان نعمتوں کو پہچان بھی نہ سکے ہوں۔

ثم ینکرونھا۔ یعنی اپنی عملی زندگی میں اللہ منعم حقیقی کی طرف سے انجان بن کر غیر اللہ کے ساتھ معاملہ اللہ کا سا کرنے لگتے ہیں، ان اسبابِ قریبی ظاہری اور مادی کو سببِ حقیقی قرار دینے لگتے ہیں۔

۱۳۳ (کہ اب کچھ عذر معذرت پیش کر سکیں۔)

من کل امۃٍ شھیدًا۔ یہ گواہ اسی امت رسول کا ہوگا، یہ شہادت دے گا کہ میں نے تمام احکام کی تبلیغ پوری کر دی تھی، اس پر بھی امت منکر و باغی رہی، اور امت کے جو گروہ زمانہ رسول کے بعد آئیں گے، ان پر گواہی دینے والے نائب رسول ہوں گے۔

اُمۃ۔ امۃ سے مراد ظاہر ہے کہ امت دعوت ہے، یعنی وہ قوم جو نبی کے پیام کی مخاطب رہی یہ مراد نہیں کہ جنھوں نے اس پیام کو قبول بھی کیا۔

۱۳۴ اور وجہ بالکل ظاہر ہے، آخرت صرف دار الجزاء ہے، دار العمل نہیں، قرآن مجید نے یہ بدیہی لیکن ذہن سے بار بار نکل جانے والی حقیقت بار بار مستحضر کرائی ہے۔

وَاِذَا رَاَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوا الۡعَذَابَ فَلَا یُخَفَّفُ عَنۡہُمۡ وَلَا ہُمۡ

اور جب ظالم لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو وہ نہ ان سے ہلکا کیا جائے گا اور نہ انھیں مہلت

یُنۡظَرُوۡنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا شُرَکَآءَہُمۡ قَالُوۡا رَبَّنَا

دی جائے گی ۱۳۵؎ اور جب مشرکین اپنے شریکوں کو دیکھیں گے تو بول اٹھیں گے اے ہمارے

ہٰۤؤُلَآءِ شُرَکَآؤُنَا الَّذِیۡنَ کُنَّا نَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِکَ ۚ فَاَلۡقَوۡا اِلَیۡہِمُ

پروردگار یہی ہیں ہمارے وہ شرکاء جنھیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارتے رہتے تھے، پھر وہ (شرکاء) ان کی طرف

الۡقَوۡلَ اِنَّکُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ ﴿۸۶﴾ وَاَلۡقَوۡا اِلَی اللّٰہِ یَوۡمَئِذِ ِۣ السَّلَمَ

مخاطب ہو کر کہیں گے کہ تم (بڑے) جھوٹے ہو ۱۳۶؎ اور (مشرکین) اس روز اللہ سے صلح (واطاعت) کی

وَضَلَّ عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۸۷﴾

طرح ڈال چلیں گے اور جو کچھ بہتان ہذیان وہ کہا کرتے رہتے تھے وہ سب ان سے غائب ہو جائے گی ۱۳۷؎

۱۳۵؎ (کہ عذاب شروع ہی کچھ دیر میں کیا گیا ہے، یا یہ کہ وہ لوگ اس درمیان میں کچھ سعی و تدبیر کر لیں)

الذین ظلموا۔ ظالم سے مراد کافر ہیں، یعنی اپنے حق میں ظلم کرنے والے اور قرآن کی اصطلاح بہت عام ہے۔

ای الذین اشرکوا (ابن کثیر) ای کفروا (معالم)

واذا را الذین ظلموا العذاب۔ یعنی جب وہ عذاب ان پر آپڑے گا۔

فلا یخفف عنھم۔ ذرا بھی کمی نہ کی جائے گی، چاہے کتنا ہی وہ روئیں پیٹیں چلائیں۔

۱۳۶؎ (تم حقیقۃً تو پرستار صرف اپنے نفس اور اپنی ہوا و ہوس کے تھے، اور اپنی پرستاری کو منسوب ہماری جانب کر دیتے تھے)

شرکاء ھم۔ شرکاء ونا۔ شرکوں سے مراد ان کے وہی دیوی دیوتا، ٹھاکر وغیرہ ہیں جنھیں یہ شریکِ خدائی سمجھا کرتے تھے۔

۱۳۷؎ (اور جتنے بہلاوے اپنے عقائدِ باطلہ کی بنا پر قائم کر رکھے تھے ان میں سے کوئی بھی ان کے کام نہ آئے گا) اپنے بڑے بڑے شاندار نظریات کا بطلان، اپنی بڑی بڑی رعب افگن "تھیوریوں" کی دھجیاں اڑتے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

والقوا الی اللہ یومئذ السلم۔ یہ اطاعت اور خوشامد کی راہ اس وقت اختیار کریں گے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ

جو لوگ کفر کرتے رہے اور دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکتے رہے، ان کے لئے ہم ایک سزا پر دوسری

الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ

سزا بڑھا دیں گے بہ عوض ان کے مفسدوں کے ۱۳۸ اور (وہ دن بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جس دن

شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ

ہم ہر امت سے ایک ایک گواہ ان ہی میں سے اٹھائیں گے اور ان (سب) لوگوں کے مقابلہ میں آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے ۱۳۹

جب اپنے کو ہر طرح مجبور و مضطر پالیں گے —— آخرت میں ان کا یہ طریق استسلام و اطاعت دنیا کے ٹھیک طریق استکبار و اعراض کے مقابل ہوگا۔

ما كانوا يفترون۔ افترا یا گھڑت یہی کہ ہمارے یہ معبود ہمیں بچا لیں گے، ہمارے کام آجائیں گے۔

وضل عنهم۔ یہی چیزیں تو سب ان سے بالکل گم ہو جائیں گی، ان خیالات و اوہام کی واقفیت کا کہیں شائبہ بھی نہ ملے گا۔

اى بطل ما كانوا يأملون به ان الهتهم تشفع لهم عند الله تعالى۔ (کبیر)

۱۳۸ پہلی سزا مبتلائے کفر بننے پر ہوگی، اور دوسری سزا دوسروں کو مبتلائے کفر کرنے پر ملے گی۔

اى ازدادوا على كفرهم صد غيرهم عن الايمان، فهم فى الحقيقة ازدادوا كفرا على كفر فلا جرم يزيدهم الله تعالى عذابا على عذاب۔ (کبیر)

فوق العذاب۔ یہ پہلا عذاب تو وہی کفر والا ہے۔

استحق بكفرهم۔ (بیضاوی)

زدناهم عذابا بما كانوا يفسدون۔ یہ زائد عذاب سزائے اضلال و اغواء ہوگی۔

بكونهم مفسدين بصدهم۔ (بیضاوی)

۱۳۹ یعنی آپ کی شہادت عالمگیر ہوگی، سب کے مقابلہ میں حجت ہوگی —— شہادت تو ظاہر ہے کہ آپ بھی اپنی ہی امتِ دعوت کے متعلق دیں گے، لیکن آپ کی امتِ دعوت تو ساری انسانی آبادی ہے اس لئے قدرۃً آپ کی شہادت بھی عالم گیر ہوگی۔

فى كل امة شهيدا۔ ملاحظہ ہو اوپر کا حاشیہ ۱۳۳

من انفسهم۔ لفظ عام ہے گواہ یا پیمبران امتوں کے خواہ ہم نسب ہوں یا ہم وطن ہوں۔

وجئنا بك شهيدا على هٰؤلاء۔ هٰؤلاء۔ سے عام طور پر مراد امتِ محمدی سے لی گئی ہے۔

امتك (بیضاوی۔ مدارک) اى الذين بعثت اليهم۔ (معالم)

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى

اور ہم نے آپ پر کتاب اتاری ہے ہر بات کو کھول دینے والی اور مسلموں کے حق میں

وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿٨٩﴾ ع

ہدایت اور رحمت اور بشارت ۱۴۰ ے

ع ۱۲ ۱۸

بعض نے ھؤلاء سے مراد انبیاء سابقین کو ہی لیا ہے، یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سب انبیاء علیہم السلام پر گواہ ہیں لیکن محققین نے اس قول کو ضعیف ہی قرار دیا ہے۔

ھولاء الشھداء علی الانبیاء فبعید۔ (کبیر)

فی کل امۃ۔ امۃ سے مراد ہر دور (قرن) یا جماعت ہے۔

واعلم أن الأمۃ عبارۃ من القرن والجماعۃ۔ (کبیر)

۱۴۰ ے یعنی اس کتاب اعظم سے نفع دنیوی واخروی، مادی وروحانی، تو بس وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں، جو اس کے ماننے والے ہوں گے، جو پہلے اس کی تصدیق تو کریں، نہ ماننے والوں کے لئے اس کا وجود اس کے عدم کے برابر ہے ــــــ پیدائشی نابینا کے لئے آفتاب عالمتاب کا عدم وجود یکساں ہے۔

تبیانا لکل شیءٍ۔ کل شیءٍ سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں، جن کا تعلق اعتقاد اور عمل سے ہے، یعنی دین وشریعت کے سارے اجزاء اجمالاً یا تفصیلاً اس کے اندر آگئے ہیں۔

یعنی بہ کل شیءٍ من أمور الدین بالنص والدلالۃ (جصاص) بیانا بلیغا لکل شیءٍ من أمور الدین علی التفصیل أو الاجمال بالاحالۃ إلی السنۃ أو القیاس۔ (بیضاوی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دقائق احکام کی تشریح کی ہے، وہ سب احکام الٰہی ہی سے ماخوذ ومستنبط ہیں، اور اسی لئے نبی کا حکم بھی خدا ہی کا حکم بھی سمجھا گیا ہے۔

فما من حادثۃ جلیلۃ ولا دقیقۃ الا وﷲ فیھا حکم قد بینہ فی الکتاب نصا أو دلیلا فما بینہ النبی صلعم فانما صدر عن الکتاب۔ (جصاص)

اور فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ اجماع اور اجتہاد وقیاس فقہاء سے جو احکام ومسائل ثابت ہیں، وہ بھی سب اسی تبیان کتاب اللہ کے تحت میں داخل ہیں۔

ما حصل علیہ الاجماع فمصدرہ أیضا عن الکتاب لأن الکتاب قد دل علی صحۃ حجۃ الاجماع وما أوجبہ القیاس واجتھاد الرای وسائر ضروب الاستدلال من الاستحسان وقبول خبر الواحد جمیع ذلک من تبیان الکتاب (جصاص) وأما الفقھاء فانھم قالوا القرآن انما کان تبیانا لکل شیءٍ لأنہ یدل علی أن الاجماع وخبر الواحد والقیاس حجۃ، فاذا ثبت حکم من الاحکام باحد ھذہ الأصول کان ذلک الحکم ثابتا بالقرآن (کبیر) اما فی الاحکام المنصوصۃ فظاھر وکذا فی ما ثبت

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ

بے شک اللہ عدل کا اور حسن سلوک کا اور اہل قرابت کو دیتے رہنے کا حکم دیتا ہے اور کھلی ہوئی

عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾

برائی سے اور مطلق برائی سے اور ظلم (وسرکشی) سے ممانعت کرتا ہے وہ تمہیں (یہ) پند دیتا ہے اسلئے کہ تم نصیحت قبول کرو [۱۴۱]

بالسنۃ والاجماع وبقول الصحابۃ أو بالقیاس لأن مرجع الکل الی الکتاب (مدارک)

بشری للمسلمین۔ متقین اور مؤمنین صالحین ہی کے لئے نہیں ہر ادنیٰ "مسلم" کے حق میں بھی بشارت ہوگی، کتنی قدر اس کی حشر کے دن ہوگی۔

۱۴۱ے یہ آیت شریف، جہاں تک کہ تعلیماتِ اسلام کا تعلق ہے، قرآن مجید کی اہم ترین اور کلیدی آیات میں ہے ایک معجزانہ ایجاز و جامعیت کے ساتھ اس کے اندر دین و شریعت کے اہم ترین اوامر و نواہی دونوں آگئے ـــــ احکام ایجابی بھی اور احکام سلبی بھی۔

کتاب اللہ کا وصف تبیانا لکل شئ ابھی ابھی بیان ہوا تھا، یہ آیت اسی "تبیانیت" کی بہترین مثال و نمونہ ہے، امام رازیؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ صحابی اور قتادہؒ تابعی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے ہر خیر اور شر کے بیان کو اس آیت کے اندر اکٹھا کر دیا ہے، کہ کوئی عقیدہ، خلق، نیت، عمل، معاملہ، اچھا یا برا ایسا نہیں جو امراً یا نہیاً، ایجاباً یا سلباً، اس کے اندر نہ آگیا ہو، اور خود بھی آیت کو ہر طرح جامع احکام قرار دیا ہے۔

جمع فی ھذہ الآیۃ ما یتصل بالتکلیف فرضًا ونفلاً وما یتصل بالأخلاق والآداب عمومًا وخصوصًا (کبیر) وعن ابن مسعودؓ ان اجمع آیۃ فی القرآن لخیر وشر ھذہ الآیۃ وعن قتادۃ لیس من خلق حسن کان فی الجاھلیۃ یعمل ویستحب الا امر اللّٰہ تعالیٰ بہ فی ھذہ الایۃ ولیس من خلق شئ إلا نھی اللّٰہ تعالیٰ فی ھذہ الآیۃ۔ (کبیر)

حضرات تابعین کے بھی خیال میں سارے دستور حیات کا ایک جامع و مکمل خاکہ اس آیت کے اندر آگیا ہے، اور شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے وقت سے یہ آیت اہل سنت کے خطبات جمعہ میں داخل ہوگئی، کہ ہر ہفتہ متواتر اُمّت کے کان اس صدائے حق سے آشنا ہوتے رہیں، اور اس وقت سے آج تک یہ آیت اُمّت کے خطباتِ جمعہ کا جزء بنی چلی آرہی ہے۔

بالعدل۔ عدل سے مراد ہے قوائے علمی و عملی میں اعتدال و توسط، عقائد و اعمال، اخلاق و معاملات کے سارے شخصی مامورات اس کے اندر آگئے۔

ای بالتوسط فی الامور اعتقادًا وعملاً وخلقًا۔ (بیضاوی)

والاحسان۔ احسان سے مراد وہ نیکیاں ہیں جن کا نفع دوسروں تک متعدی ہے، اس خصوصیت

کے لحاظ سے اس کا ذکر الگ کرکے کیا گیا، اور اسی میں اپنے اعمال وطاعات کو بہترین انداز سے ادا کرنا بھی آگیا۔

ای احسان الطاعات وھو ما یعب الکمیۃ أو یعب الکیفیۃ (بیضاوی) ای احسان الاعمال والعبادۃ ای الاتیان بھا علی الوجہ اللائق وھو ما یعب الکیفیۃ .... أو یعب الکمیۃ۔ (روح)

العدل والاحسان۔ عدل سے مراد اگر فرائض وواجبات لئے جائیں تو احسان سے مراد ہوگی ان میں حسن کاری پیدا کرنا، اور اسی کو اصطلاح شریعت میں عبادت نافلہ کہتے ہیں ـــ احسان کا عطف عدل پر کرکے اور دونوں کو امر کے تحت رکھ دینے سے بعض نکتہ سنجوں نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ احسان بھی عدل ہی کی طرح ضروری ہے، اور تفسیر قرطبی میں ایک حکایت درج ہے کہ خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی کے دربار میں اس کے عامل کے خلاف شکایت لے کر کچھ لوگ پہونچے، عامل مذکور نے سارے الزامات کا جواب دیا اور ثابت کردیا کہ اس نے کوئی ظلم نہیں کیا تھا، اس پر فریادیوں میں سے ایک شخص نے کھڑے ہوکر کہا کہ اے امیر المؤمنین اس سے تو بس اتنا ثابت ہوا کہ ہم پر ظلم نہیں ہوا، یعنی ہمارے ساتھ معاملہ عدل ہوا، لیکن اللہ نے عدل کے ساتھ ساتھ احسان کو بھی تو لازم کیا ہے، سو وہ ہمارے ساتھ کہاں ہوا، خلیفہ اس نکتہ پر دنگ رہ گیا اور فیصلہ عامل کے خلاف کردیا۔

وایتائ ذی القربی۔ یہ بھی اسی احسان کی اہم ترین اور افضل ترین شکل ہے۔

ای اعطاء الاقارب ما یحتاجون إلیہ۔ (بیضاوی)

ان تین۳ ماموارت کے مقابل منہیات بھی تین۳ ہی ہیں۔

عن الفحشاء۔ فحشاء ایسی برائی ہے جو کھلی ہوئی اور صریح ہے، یعنی علانیہ پبلک میں کی جاتی ہے، اس کے تحت میں وہ سب برائیاں آگئیں جو قوت شہویہ کی افراط سے پیدا ہوتی ہیں۔

عن الفحشاء ای عن الافراط فی متابعۃ القوۃ الشھوانیۃ (بیضاوی) ای الافراط فی متابعۃ القوۃ الشھویۃ کالزنا.... (روح)

المنکر۔ منکر عام ہے ہر ایسے امر کو جو شعائرِ اسلامی سے باہر ہو، اس کے تحت میں وہ سب معاصی آگئے جو قوتِ غضبیہ کی افراط سے پیدا ہوتے ہیں۔

ما ینکر علی متعاطیہ فی اثارۃ القوۃ الغضبیۃ (بیضاوی) ما ینکر علی متعاطیہ من الافراط فی اظہار القوۃ الغضبیۃ (روح)

والبغی۔ بغی وہ ظلم وسرکشی ہے جس کا ضرر دوسروں تک پہونچے، اس کے ماتحت وہ سب حرکتیں آگئیں جو قوتِ وہمیہ کے غلبہ وافراط سے ظاہر ہوتی ہیں۔

الاستعلاء والاستیلاء علی الناس والتجبر علیھم (بیضاوی) ای الاستعلاء والاستیلاء علی الناس والتجبر علیھم وھو من آثار القوۃ الوھمیۃ الشیطانیۃ.... (روح)

لعلکم تذکرون۔ اس وعظ سے مقصود یہ ہے کہ تم اپنے میں تذکر وتنبیہ پیدا کرو۔

معناہ أن المقصود من ھذا الوعظ أن یقدموا علی تحصیل ذلک التذکر (کبیر) طلبا لأن تتعظوا بذلک وتنتبھوا۔ (روح)

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ

اور پورا کرو اللہ کے عہد کو جب تم عہد کر چکے ہو ۱۴۲ اور قسموں کو بعد اس کے استحکام کے مت توڑو

تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا

درانحالیکہ تم اللہ کو گواہ بنا چکے ہو ۱۴۳ بے شک اللہ جانتا ہے

تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ

جو کچھ کہ تم کرتے ہو ۱۴۴ اور تم اس (عورت) کی طرح نہ ہو جانا جس نے اپنا سوت کاتنے پیچھے اسے

قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ

تار تار نوچ ڈالا ۱۴۵ کہ تم بھی اپنی قسموں کو باہمی فساد کا ذریعہ بنانے لگو اس غرض سے کہ

هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ

ایک گروہ دوسرے سے بڑھ جائے ۱۴۶

۱۴۲ (خواہ صراحۃً، خواہ دلالۃً والتزاماً)

عهد الله ۔ اس کے عموم میں ہر وہ عہد آگیا جو شریعت کے موافق ہو، خواہ حقوق اللہ سے متعلق ہو، خواہ حقوق العباد سے متعلق ہو۔ اس کے اطلاق سے باہر صرف وہ عہد رہ جاتے ہیں جو خلاف شریعت ہیں۔

المراد منه كل عهد يلتزمه الانسان باختياره (کبیر) قال القاضي العهد يتناول كل امر يجب الوفاء بمقتضاه (کبیر)

۱۴۳ (ان معاہدات کا، ان ہی قسموں کے ذریعہ سے)

بعد توكيدها ۔ اللہ کا واسطہ درمیان میں لا کر معاہدہ اور مؤکد و مستحکم ہو جاتا ہے۔

اى بعد توثيقها بذكر الله ۔ (بیضاوی)

۱۴۴ (اور معاوضہ بھی ہر صورت میں اسی کے مطابق دے گا)

المراد فيه ازيكم على ما تفعلون ۔ (کبیر)

وفاءِ عہد کے کرنے اور نقضِ عہد سے بچنے کی پوری تاکید اس تنبیہ میں آگئی۔

۱۴۵ (کہ کہیں تم بھی اس کی طرح اپنی قسموں کو بعد ان کی پختگی کے توڑ ڈالنے لگو۔)

روایتوں میں آتا ہے کہ مکہ میں ایک دیوانی عورت تھی، دن بھر محنت و مشقت سے سوت کاتتی، اور پھر بیدردی سے اپنے ہاتھ سے تکا بوٹی کر ڈالتی۔

إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ؕ

اللہ اسی سے تو تمہاری آزمائش کرتا رہتا ہے۔

اولین مخاطبینِ قرآن اس سے خوب واقف تھے اس کی مثال دے کر فرمایا ہے کہ کہیں تم اپنا حال اس کا سا نہ کرلینا

۱۴۶ (کثرت یا ثروت میں یا اور کسی اعتبار سے۔)

اربٰی۔ کے معنی ہیں عدد یا مال میں بڑھ جائے۔

ای ازید عدداً او فرماً لاً (کشاف) وھذہ الزیادۃ قد تکون فی العدد وفی القوۃ وفی الشرف (کبیر)

یعنی مثلاً کافروں کے دو گروہوں میں باہم مخالفت ہوئی، اور تمہاری ایک فریق سے صلح ہے، لیکن تم نے پلہ دوسری طرف جھکتا ہوا دیکھا، تو تمہیں بھی خیال آیا کہ اس پہلے گروہ سے ٹوٹ کر اسی دوسرے کے ساتھ ہو لیا جائے ــــــ یہ صورت شریعت کی نظر میں ممنوع اور سخت ناپسندیدہ ہے۔

تتخذون ایمانکم دخلاً بینکم۔ کہ اس عہد شکنی اور حلف کی خلاف ورزی سے دوستوں میں بے اعتباری بڑھے گی اور دشمنوں میں ناگواری۔

دخلاً۔ دخل کے معنی دغل کی طرح فساد اور چھپی ہوئی عداوت کے ہیں۔

الدخل کنایۃ عن الفساد والعداوۃ المستنبطۃ کالدغل (راغب) ای مفسدۃ ودغلاً۔ (کشاف)

بعد قوۃ۔ یعنی اس سوت کو خوب مضبوط بٹ چکنے کے بعد۔

ای بعد ان فتلتہ فتلاً شدیداً لأن العرب تسمی شدۃ الفتل قوۃ (جصاص) من بعد ابرام واحکام (بیضاوی)

فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ کسی عہد یا عبادت کو اپنے اوپر لازم کر لینے کے بعد پھر اسے پورا نہ کرنا سوت کات چکنے کے بعد اسے نوچ ڈالنا ہی ہے۔

فمن عقد علی نفسہ عقداً أو أوجب قربۃ أو دخل فیہا أن لا یتمہا فیکون بمنزلۃ التی نقضت غزلہا بعد قوۃ (جصاص)

فقہاء نے یہیں سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ نفلی عبادت بھی شروع کر چکنے کے بعد اسے اتمام تک پہونچانا واجب ہو جاتا ہے۔

وھذا یوجب أن کل من دخل فی صلاۃ تطوع أو صوم نفل أو غیر ذلک من القرب ان لا یجوز لہ الخروج منہ قبل اتمامہ۔ (جصاص)

فرنگی قوموں نے قرآن مجید کی صرف اسی ہدایت پر عمل کر لیا ہوتا، تو آج دنیا کا نقشہ کتنا مختلف اور کتنا زیادہ پر امن ہوتا، نہ یہ روز روز کے نئے نئے معاہدے ہوتے کہ آج پُرقوت فلاں قوم ہے تو ساتھ اس کا دیدیا گیا، اور قدیم معاہد قوم سے عہد توڑ لیا گیا، اور نہ اس کے نتیجے میں یہ روز روز کی جنگ اور بد امنی دنیا پر مسلط رہتی۔

وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٢﴾

اور (ان کی حقیقت) تمہارے اوپر ظاہر کر دے گا قیامت کے دن جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو ١٤٧

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ

اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے

وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَلَتُسْـَٔـلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا

اور جسے چاہتا ہے راہ دکھا دیتا ہے ١٤٨ اور جو کچھ تم کرتے ہو ضرور اسکے باب میں تم سے سوال ہو کر رہے گا۔ ١٤٩ اور اپنی قسموں کو

اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا

باہمی فساد کا ذریعہ نہ بناؤ کہیں (کسی اور کا) قدم اسکے جمنے کے بعد نہ پھسل جائے۔ ١٥٠

١٤٧ (اور مختلف راہیں اختیار کرتے رہے تھے)

یبلوکم اللہ بہ۔ بہ میں ضمیر یا تو فقرہ ان تکون امۃ الخ کی طرف ہے یعنی ایک گروہ کی افزائش قوت و ثروت سے آزماتا ہے' اور یا یہ مراد ہو کہ اللہ اپنے اس امر و نہی سے تمہیں آزماتا ہے۔

الضمیر لقولہ ان تکون امۃ (کشاف) أی بما یامرکم وینہاکم (کبیر) والضمیر فی "بہ" یحتمل أن یعود علی الوفاء الذی امر اللہ بہ ویحتمل ان یعود علی الرباء۔ (قرطبی)

یبلوکم۔ یعنی آزمائش کہ دیکھیں اب بھی پاس وفا کون رکھتا ہے اور پلہ جھکتے دیکھ کر کون دوسری طرف خود سے جھک جاتا ہے ــــ فقہاء نے لکھا ہے کہ عہد کے بعد نقضِ عہد اگر آسان اور مفید نظر آئے جب بھی ایفائے عہد لازم ہے۔

لیبینن لکم یوم القیامۃ۔ قیامت کے دن کا فیصلہ عملاً و عیاناً ہوگا، ورنہ دلائل کے لحاظ سے تو آج بھی ہو چکا ہے۔

١٤٨ یعنی اگر اس کی مشیت تکوینی یہی ہوتی کہ کوئی گمراہ ہوتے ہی نہ پائے تو سب کو ایک ہی طریقہ پر لازمی طور پر چلا دیتا، اور مذہب و ملت کا کوئی اختلاف پیدا ہی نہ ہونے دیتا، لیکن اس کی حکمتِ بالغہ کو یہ تو منظور ہی نہیں ــــ اس نے تو ہدایت و ضلالت کا قانون ہی دوسرا رکھا ہے۔

١٤٩ (سو تم کہیں جبریت کے قریب میں نہ آجانا، اور اپنے کو مجبور محض نہ سمجھ بیٹھنا، تم فاعل مختار اور اپنے افعال کے ذمہ دار بنا کر بھیجے گئے ہو، تمہیں عقل، شعور، ارادہ، اختیار سے سرفراز کیا گیا ہے، تم سے ایک ایک عمل کی بابت سوال ہوگا۔)

دنیا میں ایسے مذاہب بھی موجود ہیں، جو وجودِ باری کے پوری طرح قائل و مُقر ہیں، لیکن کسی قسم کے

وَتَذُوقُوا السُّوٓءَ بِمَا صَدَدتُّمْ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلَكُمْ عَذَابٌ

اور تم کو تکلیف بھگتنا پڑے بسبب اس کے کہ تم (دوسروں کو) مانع ہوئے اللہ کی راہ سے اور تم ہی کو بڑا

عَظِيمٌ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ إِنَّمَا عِندَ اللَّهِ

عذاب ہوگا ۱۵۱ اور اللہ کے عہد کو (دنیا کے) تھوڑے سے نفع کے عوض میں نہ بیچ ڈالو ۱۵۲ بے شک اللہ

هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٩٥﴾

کے پاس جو کچھ ہے وہ تمہارے حق میں کہیں بہتر ہے اگر تم علم (صحیح) رکھتے ہو ۱۵۳

محاسبۂ آخرت کے قائل نہیں۔

۱۵۰ (اور وہ دوسرے عہد شکنی میں تمہاری تقلید کرنے لگیں)

ولا تتخذوا ایمانکم دخلاً بینکم۔ اس طرح کہ اپنے عہدوں اور قسموں کو توڑنا شروع کردو۔

دخلاً۔ دخل کے معنی فساد اور مخفی عداوت کے ہیں، چند سطر قبل اس پر حاشیہ گزر چکا ہے۔

۱۵۱ ایک تو خود اپنی معصیت کے سبب سے اور دوسرے اس لئے کہ دوسرے لوگ تمہاری ہی مثال دیکھ کر نقضِ عہد کے مرتکب ہوئے ـــــ اس عذاب سے عذاب آخرت مراد ہے۔

وتذوقوا السوء۔ السوء سے اس سیاق میں مراد دنیوی مصیبتیں، قتل، اسیری، جلاوطنی وغیرہ ہیں۔

والمراد من السوء العذاب الدنیوی من القتل والاسر والنھب والجلاء وغیر ذلک (روح)

السوء۔ لفظاً صیغۂ واحد ہے، مراد مجموعۂ مصائب ہے۔

مراعاۃ للمجموع أو للفظ الجمع علی الوجه الکثیر۔ (روح)

۱۵۲ اجر آخرت کے مقابلہ میں دنیا کا کثیر ترین نفع بھی ہر حال میں قلیل ہی ہے، یہ مراد نہیں کہ دنیا کا نفع اگر کثیر ہو رہا ہو تو احکام کی خلاف ورزی جائز ہے، مراد یہ ہے کہ اجر آخرت کو دنیا کے کسی معاوضہ پر بھی ہرگز فروخت نہ کر دینا۔

بعھد اللہ۔ عہد اللہ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعتِ ایمانی ہے جس کے اندر سارے ہی احکامِ شریعت آگئے۔

المراد به عند کثیر بیعة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علی الایمان۔ (روح)

یعنی ہر گناہ سے کسی نہ کسی طرح کی عہد شکنی اللہ و رسول سے لازم آتی ہے۔

۱۵۳ (کہ اجر آخرت کیا قدر و قیمت رکھتا ہے۔)

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ

جو کچھ تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا، اور جو اللہ کے پاس ہے باقی رہنے والا ہے ۱۵۴ اور جو لوگ ثابت قدم

صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ

رہے ہم ان کا اجر انہیں ضرور دے کر رہیں گے، جو کچھ وہ اچھے کام کرتے رہے ہیں اس کے عوض میں ۱۵۵ نیک عمل جو کوئی بھی

صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ

کرے گا مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے ۱۵۶

ما عند اللہ۔ جو کچھ اللہ کے یہاں ہے یعنی اجر آخرت۔

ھو خیر لکم۔ دنیا کی ہر لذت، ہر راحت، ہر نعمت سے کہیں بڑھ چڑھ کر۔

۱۵۴ یعنی دنیا کا سارا ذخیرہ، اولاً تو وہ ہے ہی کتنا، اور پھر جتنا ہے سریع الزوال کیسا ہے آناً فاناً ختم ہو جاتے والا اور اجر آخرت اول تو بے حساب و بے نہایت اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ دائم، لازوال غیر منقطع۔

موجودہ "مہذب" دنیا عقائد میں جس شئے کو سب سے زیادہ اور یکسر بھولی ہوئی ہے، وہ یہی آخرت کی نعمتیں اور ان کی اہمیت ہے فسق و معصیت کی طرف لے جانے والی، اور تقویٰ و طاعت کی طرف سے بے پروا کر دینے والی سب سے بڑھ کر یہی آخرت فراموشی ہے، اور اسی لئے قرآن مجید صدہا مختلف پیرایوں سے اسی کی یاد دلاتا رہتا ہے کیا اچھا ہو اگر انسان اس آیت کو اپنے کردار و عمل کا مستقل معیار بنالے یعنی اس بات کو دل میں اتار لے کہ اس دنیا میں جو کچھ وہ پانے والا ہے، جاہ و منصب، مال دولت، شہرت و اعزاز، اعلیٰ علمی ڈگریاں، سائنسی کمالات بڑے بڑے بینک بڑے سے بڑے خزانے اور ذخیرے سب فانی اور بہت جلد مٹ جانے والے ہیں، اور جو کچھ اللہ کے پاس پہونچ چکا ہے عبادات و طاعات، اخلاص و ایثار بس وہی کام آنے والا اور باقی رہ جانے والا ہے فکر انسان اس کی نہ کرے کہ وہ یہاں چھوڑ کیا جا رہا ہے، صرف اسی کو سوچے کہ اپنے ساتھ لئے کیا جا رہا ہے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ آیت صریح ہے آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے کے باب میں۔

۱۵۵ ترہیب و تخویف کے ساتھ ساتھ قرآن مجید ترغیب و تشویق سے بھی کیسا کام لیتا رہتا اور ہر نیک کار کو جنت کا مشتاق کس کس طرح بناتا رہتا ہے۔

الذین صبروا۔ یعنی جو لوگ احکام دین پر قائم و ثابت قدم رہے اور اس کے لئے ہر کڑی جھیل لے گئے صیغۂ مخاطب سے صیغۂ غائب کی طرف دفعۃً انتقال عربی کے مشہور و معلوم اسلوب بلاغت طریق التفات کے مطابق ہے۔

لنجزین۔ ن ثقیلہ تاکید کلام کے لئے ہے۔

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٧﴾ فَإِذَا قَرَأْتَ

اور ہم انھیں ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ضرور اجر دیں گے ۱۵۷ تو جب آپ قرآن پڑھنے

الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٩٨﴾

لگیں تو شیطان مردود (کے اثر) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے ۱۵۸

نون العظمۃ (روح)

۱۵۶ (اسی دنیا میں جیسا کہ انبیاء و مؤمنین متقین کی پاکیزہ زندگیاں خود اس پر گواہ ہیں۔)

من ذکر او انثیٰ۔ اس تصریح نے اس حقیقت کو ایک بار پھر روشن کر دیا کہ اجرِ اعمال کے لحاظ سے عورت اسلام کی نظر میں مرد سے کم نہیں، اس کے مساوی ہی ہے اور مشرک قوموں نے عورت کو حق تعالیٰ کی نظر میں جو ایک پست و حقیر مخلوق ٹھہرایا ہے اس کی پوری تردید ہوگئی —— یہ تو ماضی کا قصہ تھا لیکن کیا عجب ہے کہ جاہلیت جدید کبھی دنیا کو اس عقیدہ کی جانب بھی لے جائے کہ نظامِ فطرت میں عورت نہیں بلکہ مرد پست و حقیر ہے تو قرآن مجید کی یہ آیت اس وہم کی تردید کے لئے بھی کافی ہوگی۔

وھو مؤمن۔ یہ ایمان تو پہلی اور بنیادی شرط ہے عمل صالح کی، بغیر اس کے کوئی عمل صالح حقیقۃً عمل صالح ہی نہیں، صرف صورۃً صالح کہا جا سکتا ہے، اہل سنت نے یہیں سے معتزلہ کے برخلاف یہ دلیل حاصل کی ہے کہ عمل اور چیز ہے اور ایمان اور۔

وھو یدل علی ان العمل لیس من الایمان۔ (مدارک)

حیوۃ طیبۃ۔ مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اس بشارت سے یہ مراد نہیں کہ مومن صالح کو کبھی فقر یا مرض طاری نہ ہوگا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اطاعت کی برکت سے اس کے قلب میں ایسا نور پیدا ہوگا، جس سے وہ ہر حال میں شاکر و صابر اور تسلیم و رضا سے رہے گا، اور سکون و جمعیت خاطر کی اصل یہی رضا ہے۔

۱۵۷ (آخرت میں)

گویا ایمان و عمل صالح یا مؤمنانہ زندگی کا ایک معاوضہ تو جس کا نام حیات طیبہ ہے، نقد اسی دنیا میں مل جائے گا، اور پھر دوسرا اور اس سے کہیں بڑا معاوضہ آخرت میں نصیب آئے گا، نیز ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۵۵

۱۵۸ (دل سے تو ضرور اور بہتر یہ ہے کہ زبان سے بھی)

فاستعذ باللہ۔ استعاذہ کی حقیقت ہے دل سے حق تعالیٰ پر نظر رکھنا، اور اس کا یہ درجہ شریعت میں واجب ہے، اور زبان سے بھی کلماتِ استعاذہ کا دُہرانا مسنون ہے۔

فاذا قرات القرآن۔ فقہاء مفسرین نے لکھا ہے کہ قراتِ قرآن کے وقت شیطان کا دخل و تصرف یوں ہی بہت کم ہوتا ہے (بلکہ بعض آیتوں اور سورتوں سے تو شیطان کے فرار کی تاثیر منقول ہے) تو جب ایسے خاص الخاص عمل میں استعاذہ ضروری ہوا، تو دوسرے اعمال صالحہ میں اس کی ضرورت

إِنَّهُۥ لَيْسَ لَهُۥ سُلْطَٰنٌ عَلَى ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٩٩﴾

اس کا کچھ بھی زور ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان لے آئے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ﴿۱۵۹﴾

إِنَّمَا سُلْطَٰنُهُۥ عَلَى ٱلَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُۥ وَٱلَّذِينَ هُم بِهِۦ مُشْرِكُونَ ﴿١٠٠﴾ ع

اس کا زور تو بس انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اسے دوست بنائے رکھتے ہیں اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے رہتے ہیں ﴿۱۶۰﴾

جس درجہ کی ہوگی ظاہر ہی ہے ـــــ قلب میں اگر اکڑ اور کجی باقی ہے اور دل اثر پذیری پر تیار نہیں تو قرآن کی تلاوت بیکار رہے گی، اس لئے کم سے کم اس وقت تو قلب میں توجہ کو خوب پیدا کرنا لازمی ہے، تاکہ استفادۂ قرآن میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔

فاذا قرأت القرآن الخ۔ مراد یہ ہے کہ جب قرآن پڑھنے کا ارادہ ہو تو پہلے استعاذہ کرلے، یہ مراد نہیں کہ جب قرآن پڑھ چکے تو اس کے بعد استعاذہ کرلے۔

معناہ إذا قرأت فقدم الاستعاذۃ قبل القرأۃ وحقیقۃ معناہ إذا اردت القرأۃ فاستعذ (جصاص) ای فاذا اردت قرأۃ القرآن فعبر عن ارادۃ الفعل بلفظ الفعل لانہا سبب لہ (معالم)

اور محاورۂ قرآن میں یہ اسلوب بیان عام ہے، مثلاً ان آیتوں میں واذا حکمتم فاعدلوا، فاذا سالتموھن متاعًا فاسئلوھن من وراء حجاب، إذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقۃ وغیرھا۔ ان سب موقعوں پر ارادۂ فعل کو فعل کے قائم مقام کی حیثیت دی گئی ہے۔

اور جب شیطان مردود سے استعاذہ رسول پاک ﷺ تک کے لئے ہے جو سارے پاکوں کے سردار ہیں تو ظاہر ہے کہ ہم آلودۂ عصیاں امتیوں کے لئے ضرورت کس درجہ مؤکد ہوگی۔

۱۵۹ف یہ نص صریح ہے اس باب میں کہ اہلِ ایمان و اہلِ توکل پر شیطان کا وسوسہ مؤثر نہیں ہوتا، شیطان میں ہرگز قدرت اس کی نہیں کہ وہ بہ جبر کسی سے گناہ کرا سکے۔

یہ صاف اعلانِ الٰہی ہے کہ جب تک تم خود ہی شیطان کے دوست نہ بن جاؤ اور اس کے وسوسوں کو دل میں جگہ نہ دینے لگو وہ تم پر قابو نہیں پا سکتا، اور اس کے حملوں سے بچنے کا نسخہ ایمانِ کامل اور توکل کامل ہے۔ مرشد تھانویؒ نے اس حدیث کو نقل کرکے کہ مومن جب شیطان پر غالب آنا چاہے تو شیطان اس کے مقابلہ میں ایک چیونٹی سے بھی زیادہ کمزور نکلتا ہے لکھا ہے کہ اس کا مشاہدہ جب جی چاہے کرلیا جائے۔

۱۶۰ف (کہ ان لوگوں کا طریقِ عمل ٹھیک ان مومنین متوکلین کے مقابل ہوتا ہے) وہ مومن یہ مشرک، ان کی شان میں علی ربھم یتوکلون، یہ الذین یتولونہ کے مصداق۔

سادہ دل ایمان والوں کو تسلی دی ہے کہ خواہ مخواہ شیطان سے مرعوب نہ ہوں، اور اس کا خوف اپنے دل پر نہ بیٹھنے دیں، اس کا بس ہی مومنین متوکلین پر کب چل سکتا ہے، اس کا بس تو بس ان ہی پر چلتا ہے جو پہلے ہی سے اس کی جانب جھکے ہوئے ہیں۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ

اور جب ہم کسی آیت کو دوسری آیت کی جگہ بھیج دیتے ہیں، اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے جو کچھ وہ بھیجتا رہتا ہے

اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾

تو یہ لوگ کہنے لگتے ہیں کہ تم خود تراشے گھڑ لینے والے ہو ١٦١ اصل یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر بے علم ہیں ١٦٢

به مشرکون ۔ میں ضمیر واحد مذکر غائب حق تعالیٰ کی جانب ہے۔

فیه قولان الأول انه راجع الی ربهم (کبیر) جوزان یکون الضمیر للرب تعالیٰ شانه، وروی ذلک عن مجاهد ۔ (روح)

بعض نے ابلیس کی جانب ہی لی ہے، اور بہ کو من اجلہ کا مرادف قرار دیا ہے یعنی اس کے سبب سے۔

انما ارادهم من أجله مشرکون بالله وهذا کما یقال صار فلان بك عالما ای من اجلك (ابن قتیبہ)

والقول الثانی انه راجع إلی الشیطان والمعنی بسببه (کبیر) ای بسبب الشیطان وإغوائه إیاهم (روح) والذین هم من اجله مشرکون (قرطبی)

١٦١ (اے مدعی نبوت ورسالت)

واذا .... آیۃ ۔ شلاً کسی آیت کے حکم کی تعمیم میں تخصیص پیدا کر دیتے ہیں، یا اس کے برعکس تخصیص میں تعمیم، نسخ آیات پر مفصل حاشیہ بقرہ پارہ ١ میں وما ننسخ من آیۃ او ننسھا کے تحت میں گزر چکا۔

واللہ اعلم بما ینزل یعنی یہ تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ مکلفین ومخاطبین کے اعتبار سے کون سا حکم کس وقت مناسب وپر مصلحت ہے۔

قالوا انما انت مفتر ۔ یہ بکواس معاندین رسول کی ہوتی تھی، جب کبھی وہ کوئی ایسا حکم سنتے، جو ان کے خیال میں کسی سابق حکم کے معارض ہوتا تو جھٹ یہی کہنے لگتے کہ یہ کیا؟ یہ تو تم اپنے قصد و ارادہ سے، اور اپنی مصلحت وقت دیکھ کر احکام میں ادل بدل کرتے رہتے ہو ـــ گویا تبدیلی کا انتساب ایک انسان کی جانب تو ہو سکتا تھا لیکن حق تعالیٰ کی طرف سے ہونے کا کوئی امکان ہی نہ تھا اتنی موٹی سی بات جس طرح ان جاہلین قدیم کی سمجھ میں نہیں آتی تھی، بہت سے جاہلین جدید کی بھی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے اور یہ لوگ بھی محض ان "ترمیمات" کے وقوع سے نتیجہ یہ نکال رہے ہیں کہ قرآن خدا کا نہیں انسان کا کلام ہے

١٦٢ (کہ اپنے غایت جہل و نافہمی سے احکام کے ارتقاء و ترتیب کو ـــ ارتقاء باعتبار مخاطبین ومکلفین کے دلیل سمجھ لیا افترا کی)

اکثرهم ۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ ان میں سے کچھ صاحب علم بھی تھے اکثر قرآن مجید میں کل کے مرادف بھی آیا ہے، اور اگر اکثر کا مفہوم "زیادہ تر" تک محدود رکھا جائے تو مراد یہ ہوگی۔

.... منهم من یعلم ذلك وانما ینکر عنادًا ۔ (روح)

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ

آپ کہہ دیجئے کہ اسے روح القدس نے آپ کے پروردگار کے پاس سے حکمت کے موافق اتارا ہے تاکہ

اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ

ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے حق میں ہدایت اور بشارت بن جائے ۱۶۳ اور ہم خوب جانتے

يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ

ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ انھیں تو ایک آدمی سکھلا جاتا ہے ۱۶۴

ترجمہ لا یعلمون بجائے بے علم کے "بے علمے" قصداً اظہار تحقیر کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔

۱۶۳ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم مل رہا ہے کہ آپ حقیقت حال بیان کر دیجئے کہ یہ کلام جسے تم میرا فرض کر رہے ہو حق تعالیٰ کا کلام ہے، جسے فرشتۂ مقرب جبرئیل امین، حکمت الٰہی کے مطابق میرے پاس لا رہے ہیں، اور اس ترتیب و تدریج میں ایک مصلحت یہی ہے کہ اہل ایمان کے قدم توحید پر اور زیادہ جمتے رہیں، اور ان کی تربیت ایک خاص آئین حکمت کے مطابق ہوتی رہے۔

نزلہ۔ میں ضمیر قرآن کی جانب ہے۔

روح القدس۔ یعنی فرشتۂ جبرئیل، حاشیہ سورۂ بقرہ میں وایدہ بروح القدس کے تحت میں گزر چکا ہے، یہ قرآنی لفظ مسیحیوں کی اصطلاح روح القدس سے بالکل ہی مختلف ہے۔

بالحق۔ آئین حکمت کے ماتحت و مطابق۔

ای ملتبسا بالحکمۃ۔ (مدارک، بیضاوی)

۱۶۴ یہ ایک ابن الحضرمی کا رومی نصرانی غلام تھا، ابن ہشام نے اس کا نام جبر لکھا ہے، مروہ کے قریب اس کی دوکان تھی، انجیل وغیرہ سے واقف تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو شروع ہی سے توجہ و دلچسپی کے ساتھ سنتا تھا، تو آپ بھی کبھی کبھی اس کے پاس جا بیٹھتے تھے، تو بس اتنی سی بات پر عقل کے دشمنوں کو ایک شگوفہ ہاتھ آگیا، بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہ دو غلام تھے، جو مکہ میں شمشیر سازی کا کام کرتے تھے، اور توریت و انجیل بھی پڑھا کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرتے تو وہاں رک جاتے، بعض نافہموں نے ایک دن خود ان ہی سے پوچھ دیا کہ کیا تم ہی انھیں قرآن سکھاتے ہو؟ وہ بولے "ہم بھلا انھیں سکھا سکتے ہیں؟" "ہم تو خود ہی ان سے سیکھتے ہیں!"

یقولون انما یعلمہ بشر۔ عجب کج فہم لوگ تھے، قرآن کے حیرت انگیز اثر، اس کے اعلیٰ مطالب اس کی حکیمانہ تعلیمات، اس کی معجزانہ بلاغت کو دیکھتے تو یہ تو کہہ اٹھتے کہ یہ ان صاحب کا کلام نہیں ہو سکتا، کوئی نہ کوئی انھیں سکھا تا ضرور ہے، اور اب ان کا حمق اس "کوئی نہ کوئی" کی تلاش

لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ

(حالانکہ) جس شخص کی جانب اس کی ناحق نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ (کلام) تو فصیح عربی

مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَا یَهْدِیْهِمُ

زبان (میں) ہے ۱۶۵ اور بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اللہ انہیں ہدایت (بھی)

اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۰۴﴾

نہیں کرتا اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے ۱۶۶

کرنے لگتا، اور اس پر جو اسی میں کبھی اس کا نام لے دیتے، کبھی اُس کا! ہر طرف ٹھوکریں کھاتے رہتے، اور یہ تو نکر کبھی خود حق تعالیٰ ہی کے نام فرض کر لیتے۔

ٹھیک وہی بھول بھلیاں جس میں آج بڑے بڑے "روشن خیال" مستشرقین بھٹکتے پھر رہے ہیں۔

ملاحظہ ہو پ سورۃ الفرقان وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ۔ کا حاشیہ۔

۱۶۵ عرب کے اہلِ زبان سے خطاب ہے کہ قرآن مجید کی معنوی بلندیوں تک تمہارا ذہن اگر نہیں پہنچتا تو خیر، لیکن یہ کیا قیامت ہے کہ اس کی معجزانہ فصاحت و حسن انشاء کا بھی تم لحاظ نہیں کرتے، اور ایسے جمیل و بلیغ کلام کو منسوب ایسے شخص کی جانب کر رہے ہو، جو سرے سے اہل زبان ہی نہیں۔

اعجمی۔ وہ ہے جو صاف گفتگو اور اظہار مافی الضمیر پر قادر نہ ہو خواہ نسلاً عرب ہی ہو۔

قال ابو الفتح الموصلی ع ج م وضع فی کلام العرب للابهام والاخفاء وضد البیان والایضاح (کبیر) قال الفراء الاعجم الذی فی لسانه عجمة وان کان من العرب (کبیر۔ قرطبی) وقال ابو علی القاری الاعجم الذی لا یفصح سواء کان من العرب أو من العجم (کبیر۔ قرطبی) الاعجم من فی لسانه عجمة عربیا أو کان غیر عربی۔ (راغب)

اور ابن قتیبہ نے ادب الکاتب میں "اعجمی" اور "عجمی" کے درمیان فرق بتایا ہے کہ عجمی تو وہ ہے جو غیر عرب ہو۔ خواہ فصیح اللسان ہو، اور اعجمی وہ ہے جو فصاحت پر قادر نہ ہو، خواہ بادیہ عرب ہی کا باشندہ کیوں نہ ہو۔

فالاعجمی الذی لا یفصح وان کان نازلا بالبادیة، والعجمی منسوب إلی العجم وإن کان فصیحا۔

یلحدون إلیه۔ الحاد کے معنی راہِ حق و صواب سے ہٹ جانے کے ہیں، اور ملحد کو اسی لئے ملحد کہتے ہیں کہ وہ راہِ حق اور تمام ادیان سے ہٹا ہوا ہوتا ہے۔

یقول لحد والحد إذا مال عن القصد ومنه یقال للعادل عن الحق ملحد (کبیر) ومنه الملحد لانه أمال مذهبه عن الأدیان کلها۔ (کبیر)

إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ

جھوٹ افترا کرنے والے تو بس یہی لوگ تو ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور یہی لوگ پورے

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٠٥﴾ مَن كَفَرَ بِاللَّهِ مِن بَعْدِ إِيمَانِهِ

جھوٹے لپاڑیئے ہیں ۱۶۷ ۔ جو کوئی اللہ سے اپنے ایمان (لانے) کے بعد کفر کرے

إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِن مَّن شَرَحَ

بجز اس صورت کے کہ اس پر زبردستی کی جائے درانحالیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (تو وہ مستثنیٰ ہے)

بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٦﴾

لیکن جس کا سینہ کفر ہی سے کھل جائے تو ان ہی لوگوں پر اللہ کا غضب ہوگا اور ان ہی کیلئے عذاب دردناک ہوگا ۱۶۸

ھذا لسان عربی مبین ۔ یہ کلام معجزانہ حد تک فصیح ہے ہر اہل زبان، مومن ہو یا منکر، بیّن طور پر دیکھ سکتا ہے۔

۱۶۶ ۔ (آخرت میں)

ان الذین لا یومنون بایات اللہ ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آیاتِ الٰہی سے دیدہ دانستہ منھ پھیرے رہتے ہیں۔

لا یھدیھم اللہ ۔ یعنی اللہ ایسے لوگوں کے سر توفیق ہدایت زبردستی نہیں چپکا دیتا۔ طالب ہیں ارادی ضد و استکبار تو بہرحال نہ ہونا چاہیئے۔

۱۶۷ ۔ (کہ جو صادق اور سرتاسر صدق ہے اسے کاذب و مفتری بتا رہے ہیں اور خالق کے کلام کو مخلوق کا کلام ٹھہرا رہے ہیں۔)

اولئک ھم الکذبون ۔ یعنی پکے جھوٹے اول نمبر کے لپاڑیئے۔

الکاملون فی الکذب ۔ (کشاف)

یعنی محققین نے یہاں یہ نکالا ہے کہ کذب ایک بدترین کبیرہ ہے انما کے کلمۂ حصر کے ساتھ کذب کا ذکر آنا گویا یہ معنی رکھتا ہے کہ کذب کا ارتکاب تو بس ان ہی لوگوں سے ممکن ہے، جو سرے سے آیاتِ الٰہی پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔

فی ھذہ الآیة دلالة قویة علی أن الکذب من أکبر الکبائر وأفحش الفواحش والدلیل أن کلمة انما للحصر، والمعنی ان الکذب والفریة لا یقدم علیھا إلا من کان غیر مومن بآیات اللہ تعالی وإلا من کان کافراً، وھذا انھدید فی النھایة ۔ (کبیر)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ

یہ اس سبب سے ہوگا کہ انھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی تھی، اور اللہ کفراختیار

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

کرنے والے لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا ۱۶۹ل

۱۶۸ل ایمان کے بعد ارتداد کی سزا شریعت میں بہت ہی سخت ہے اور بہت ہی سخت ہونا چاہیے بھی — بغاوت سے بڑھ کر دنیا کے سارے قانونِ تعزیرات میں اور سنگین جرم ممکن کون ہے؟ اور بغاوت بھی وفاداری کے عہد وپیمان مؤکد کے بعد۔

من کفر باللہ۔ رسالت سے انکار، قرآن کے کلام الٰہی ہونے سے انکار، عقیدۂ حشر سے انکار، یہ سب ہی کفر باللہ میں آگیا۔

الا من اکرہ۔ یعنی اسے ڈرا دھمکا کر یا مبتلائے عذاب کر کے اسے زبان سے انکار پر مجبور کر دیا گیا ہے، ایسا شخص وعید سے مستثنیٰ ہے۔

اکراہ۔ کے شرائط وغیرہ کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملے گی، باب الاکراہ میں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جو شخص قدرت رکھتا ہو وہ اگر قتل یا قطع عضو کی دھمکی دے تو کلمۂ کفر کا زبان سے تلفظ جائز ہو جائے گا، لیکن جب کہ ڈرانے والا اس پر قادر نہ ہو، یا خوف صرف مار پیٹ کا دلایا جائے تو یہ عذر کافی نہ ہوگا۔

الاکراہ المبیح لذلك هو أن يخاف على نفسه أو بعض أعضائه التلف ان لم يفعل ما امره به فابيح له في هذه الحال أن يظهر كلمة الكفر۔ (جصاص)

وقلبه مطمئن بالایمان۔ دل ایمان پر مطمئن ہو، یعنی عقیدہ میں فتور نہ آنے پائے، اور دل سے اس فعلِ کافرانہ کو بُرا سمجھے۔

من شرح بالکفر صدرًا۔ یعنی وہ مذہبِ کفر ہی کو صحیح اور مستحسن سمجھنے لگے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ چونکہ وسوسہ میں یہ شرحِ صدر نہیں ہوتا اور نہ اپنے اوپر اختیاری ہوتا ہے اس لئے وسوسہ میں کوئی پہلو ذم کا نہیں۔

۱۶۹ل یعنی اللہ کفر اختیاری کرنے والوں پر زبردستی توفیقِ ہدایت چپکا نہیں دیا کرتا۔

ذلك۔ یعنی یہی اللہ کا غضب وعذاب۔

ای ذلك الغضب (قرطبی) الوعيد لهم۔ (جلالین)

استحبوا الحیاۃ الدنیا علی الآخرۃ۔ استحبوا کے لفظ میں عزم وقصد شامل ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا کو عمداً آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ طَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ وَ سَمۡعِہِمۡ وَ اَبۡصَارِہِمۡ ۚ

یہ تو وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور جن کی سماعت پر اور ان کی بینائی پر اللہ نے مہر لگا دی

وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡغٰفِلُوۡنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا جَرَمَ اَنَّہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ ہُمُ

ہے اور یہی لوگ تو (اپنے انجام سے بالکل) غافل ہیں ۱۷۰ لامحالہ آخرت میں یہی لوگ بالکل ہی گھاٹے میں

الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیۡنَ ہَاجَرُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا فُتِنُوۡا ثُمَّ

رہنے والوں میں ہوں گے ۱۷۱ پھر بے شک آپ کا پروردگار ان لوگوں کے حق میں جنھوں نے بعد اسکے کہ (سخت)

جٰہَدُوۡا وَ صَبَرُوۡۤا ۙ اِنَّ رَبَّکَ مِنۡۢ بَعۡدِہَا لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع

آزمائش میں پڑ چکے تھے ہجرت کی پھر جہاد کیا اور ثابت قدم رہے تو آپ کا پروردگار بیشک ان اعمال کے بعد بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۱۷۲

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ دنیا کی جسقدر محبت درجۂ طبعی میں ہے اور عین مقتضائے بشریت ہے، وہ اس حکم میں شامل نہیں، یہ بھی فرمایا کہ آیت حُبّ دنیا کے مذموم ہونے کے باب میں نصِ صریح ہے جس طرح کہ اس باب میں کہ جب دنیا مذموم وہ ہے جس میں دنیا کو آخرت پر ترجیح دی گئی ہو۔

۱۷۰ (اپنے اختیاری حبِ دنیا اور آخرت فراموشی کی بنا پر)

طبع..... ابصارھم۔ دل اور کان اور آنکھ پر مہر لگنے پر حاشیہ سورۂ بقرہ (پارہ اول) کے پہلے رکوع کے خاتمہ پر آچکا ہے، یہ مہر لگنے کا عمل حق تعالیٰ کی طرف سے بطور تکوینی علت العلل کے ہوتا ہے، بندہ کے اختیاری کفر کے نتیجہ کے طور پر۔

اولئک ھم الغافلون یعنی پرلے سرے کے غافل، غفلت میں حد سے گزر جانے والے، تھوڑی غفلت و فراموشی تو امرِ طبعی ہے، سزا اس پر نہیں۔

ای الکاملون فی الغفلۃ الذی لا غفل منھم [illegible] (بیضاوی)

۱۷۱ جس نے بیج سرے سے ڈالا ہی نہیں، وہ کھیت کاٹے گا کیا؟ ——— آخرت تو صرف دار الجزاء کا نام ہے، جب دار العمل میں کوئی عمل حسن سرے سے ہوا ہی نہیں تو جزائے عمل کیسی؟

لاجرم۔ کا لفظ آیت میں بہت اہم ہے، منکروں کا جو انجام آخرت میں ہوگا وہ قدرتی اور لازمی نتیجہ ان کے کرتوتوں کا ہوگا۔

۱۷۲ (وہ غفور مغفرت و رحمت تو نفس ایمان ہی پر مرتب کر دیتا ہے، پھر ان اعمال شاقہ کے امتحان سے گزرنے پر وہ رحیم مغفرت و رحمت کے درجاتِ عالیہ و کاملہ کیوں نہ عنایت کر دے گا)

للذین ھاجروا۔ ہجرت سے مراد ہجرتِ مدینہ تو ظاہر ہی ہے لیکن ہجرتِ حبشہ بھی لی جا سکتی

ع ۱۴

يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

(یہ جزاوسزا اسی روز ہوگی) جس روز ہر شخص اپنی ہی طرفداری میں گفتگو کرے گا، اور ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا بدلہ ملے گا اور ان پر ظلم (ذرا) نہ کیا جائے گا ۱۷۳ئ

بعد ما فتنوا. آزمائشوں سے کھلا ہوا اشارہ آغازِ ظہورِ اسلام کے شدائدِ شاقہ کی جانب ہے۔ نفس ابتلاء سے کفر بھی مراد ہو سکتا ہے۔

جاھدوا. جہاد اپنے لغوی معنی میں ہر جہادِ نفس پر شامل ہے قتالِ اصطلاحی کا مرادف نہیں ہے، اور رہا جاھدوا تو عام ہے ہر ہجرت مقبول اس کے عموم میں جگہ پا سکتی ہے۔

من بعدھا. ضمیر اعمال سابقہ مذکورہ یعنی آزمائش میں پڑنے، اور ہجرت اور جہاد اور ثابت قدمی کی طرف ہے۔

ای المذکورات من الفتنة والهجرة والجهاد والصبر (روح) ای الفتنة (جلالین)

سوال یہ اٹھایا گیا ہے کہ سورة تو مکی ہے، پھر اس میں ہجرت وجہاد کا ذکر کیا؟ ـــ لیکن اول تو ابن عطیہ کی روایت میں ہے کہ آیت مدنی ہے، (اور مکی سورتوں میں مدنی آیتوں کی آمیزش کی مثالیں قرآن میں کثرت سے ہیں) اور ہجرت سے مراد ہجرت حبشہ تو بآسانی مراد ہو ہی سکتی ہے، اور جہاد اپنے لغوی معنی (جد وجہد) میں، پھر ان سب کے علاوہ صیغۂ ماضی سے اخبارِ مستقبل کی مثالیں بھی قرآن مجید میں شاذ نہیں۔

۱۷۳ئ وہ وقت انصافِ کامل کا ہوگا، دنیا کی طرح وہاں خیر وشر کو مخلوط اور حق وباطل کو باہم ملتبس رکھنے کی قطعاً حاجت نہ ہوگی۔

یوم .... نفسھا. وہ گھڑی ایسی نفسی نفسی کی ہوگی کہ کسی کو کسی دوسری طرف توجہ کرنے کی مہلت ہی کب ہوگی۔

وھم لا یظلمون. یعنی نیکی کے بدلہ میں کمی نہ ہوگی، گو زیادتی ہو جائے، اور بدی کے بدلہ میں زیادتی نہ ہوگی، گو کمی ہو جائے۔ (تھانویؒ)

عن نفسھا. اس دوسرے نفس کے معنی عین یا ذات کے ہیں، اور پہلا نفس شخص کے مرادف ہے۔

یقال لعین الشئ وذاته نفسه (کشاف) والنفس الجملة کما ھی فالنفس الأولی ھی الجملة والثانية عینھا وذاتھا. (کشاف)

تجادل. مجادلہ یہاں عذر ومعذرت اور صفائی پیش کرنے کے معنی میں ہے۔

ومعنی المجادلة عنھا الاعتذار منھا. (کشاف)

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا

اور اللہ بستی والوں کی مثال بیان کرتا ہے وہ امن (واطمینان) میں رہتے تھے ان کے کھانے کا سامان بہ فراغت

رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا

ان کے پاس ہر طرف سے آتا رہتا، لیکن انھوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی، اس پر اللہ نے انھیں ایک محیط

اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ

قحط اور خوف کا مزہ چکھایا بہ سبب ان کے کرتوتوں کے ۱۷۴ اور ان کے پاس ایک رسول بھی

رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ان ہی میں سے آیا تھا، سو اس کو انھوں نے جھٹلایا پس انھیں عذاب نے آپکڑا، اس حال میں کہ وہ (اپنے حق میں) ظالم تھے ۱۷۵

۱۷۴ مثال سے مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ کفر و انکار کے نتائج اس دنیا میں بھی کیسے سخت اور ہولناک ہو سکتے ہیں۔

ضرب اللہ مثلاً۔ مثال سے مقصود نتائج کفر پر متنبہ کرنا ہے۔

آمنۃ.... بانعم اللہ۔ آیت سے ظاہر ہو گیا کہ دنیا میں امن و فراغت سے رہنا، اور کافی سامان معیشت بہم پہونچتے رہنا، حق تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے، تحقیر کے نہیں شکر گزاری کے قابل۔

اذاقہا.... یصنعون۔ آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ دنیوی نعمتوں کی ناشکری بھی عذاب کا مستحق بنا دیتی ہے۔

فکفرت بانعم اللہ۔ یہ ناشکری انھوں نے عقائد کفر و شرک کو اختیار کرنے سے کی۔

۱۷۵ (سوائے اہل مکہ ڈرو، کہ کہیں تمہارا بھی یہی حال نہ ہو جائے۔)

تاریخ کا بیان ہے کہ یہ انجام واقع ہو کر رہا، اور فاذاقہا اللہ لباس الجوع والخوف کی بات اہل مکہ کے حق میں ان کے انکار رسول کے پاداش میں پوری ہو کر رہی۔

لباس الجوع۔ مکہ میں قحط شدید پڑا، جانور مرنے لگے، آدمی جان سے گزرنے لگے۔

والخوف۔ مکہ بالآخر مسلمانوں ہی کے ہاتھ پر فتح ہوا، قریش کے بڑے بڑے سرداروں کا سرنگوں ہوا۔

وھم ظالمون۔ عذاب الٰہی نے ان کی گرفت عین اس حال میں کی کہ وہ ارتکاب کفر و تکذیب میں مبتلا تھے۔

ای حال التباسھم بالظلم وھو الکفران والتکذیب۔ (روح)

منھم۔ یعنی خود ان ہی کی جنس و قوم سے۔ جس کے ایک ایک حال سے یہ خوب واقف تھے۔

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ

سو جو چیزیں تمھیں اللہ نے جائز اور لذیذ دے رکھی ہیں ان میں سے کھاؤ۔ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو

اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿١١٤﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ

اگر تم (واقع میں) خاص اسی کی پرستش کرتے ہو ١٧٦ اس نے تو تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا

وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ

گوشت اور جس کو غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو حرام کیا ہے، لیکن جو کوئی بے قرار ہو جائے

غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٥﴾

نہ یہ کہ طالب لذت ہو اور نہ یہ کہ حد سے تجاوز کرنے والا ہو تو بے شک اللہ مغفرت والا ہے رحمت والا ہے ١٧٧

ای من جنسهم بعرفونه باصله ونسبه ...... (روح)

١٧٦ یعنی اگر خدا پرست اور توحید کے قائل ہو تو مشرکوں کی طرح اپنے دل سے فلاں فلاں چیز کو ناجائز و حرام مت ٹھہرالو، بلکہ جو چیزیں اللہ کی شریعت نے جائز کی ہیں، انھیں جائز ہی سمجھے رہو، انھیں اللہ کی نعمت سمجھ کر برتو، اور حق تعالیٰ کا شکر زبان سے اور عمل سے ادا کرتے رہو۔

مادی نعمتوں سے لذت حاصل کرنے اور پھر ان پر شکر ادا کرنے کی جو اہمیت دین توحید میں ہے، آیت سے ظاہر ہے، راہبوں، جوگیوں، سنیاسیوں، اور ترک دنیا کو کمالِ عبدیت سمجھنے والے درویشوں کے نظریئے اہلِ توحید کے لئے قائم کئے ہوئے خدائی معیار سے بہت ہی دور ہیں۔

١٧٧ (اور اس نے اپنی ان ہی صفاتِ عفو و رحمت کے تقاضہ سے اس اضطرار کی حالت میں حرام غذاؤں کو بھی بہ قدر ضرورت جائز کر دیا۔)

انما حرم علیکم الخ یہاں ذکر ان چیزوں کا ہے جن کی حِلّت و حرمت مشرکین میں زیر بحث تھی ـــ حدیث نبویؐ سے جو دوسری چیزیں حرام ثابت ہوئی ہیں، وہ اس کے علاوہ ہیں، انما کا حصر محض اضافی ہے، یعنی حرام وہ چیزیں نہیں جنھیں تم نے اپنے دل سے حرام ٹھہرا لیا ہے، البتہ حرام تو بس یہ چیزیں ہیں، باقی جو چیزیں کسی دوسری دلیلِ شرعی سے حرام ٹھہرائی گئی ہیں، ان سے یہاں کوئی تعرض ہی نہیں۔

والحصر اضافی علی ما قال غیر واحد ای انما حرم اکل هذه الاشیاء دون ما تزعمون من البحائر والسوائب ونحوها۔ (روح)

المیتة ـ والدم ـ ولحم الخنزیر ـ وما اهل لغیر الله به ـ ان سب پر حاشئے پ سورۃ الانعام

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ اَلۡسِنَتُكُمُ الۡكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ

اور اپنی زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے یہ مت کہہ دیا کرو، کہ یہ چیز حلال ہے اور فلاں

هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفۡتَرُوۡا عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ

حرام جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگادو گے ۱۷۸ بے شک جو لوگ

يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُوۡنَ ؕ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ

اللہ پر جھوٹی تہمتیں لگاتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے یہ عیش چند روزہ

قَلِيۡلٌ ۖ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱۱۷﴾

ہے۔ اور ان ہی کے لئے دردناک عذاب ہے ۱۷۹

ہیں گزر چکے۔

فمن اضطر۔ یعنی جو شخص بھوک اور فاقہ کی شدت سے نڈھال ہوجائے۔

غیر باغ ولا عاد۔ حاشیہ پ سورہ الانعام میں گزر چکا۔

۱۷۸ یعنی جب خدائی شریعت میں وہ مضمون ہے ہی نہیں، جو تم بنا رہے ہو تو تمہارا اس کو خدائی شریعت کی جانب منسوب کرنا اسے خدا پر گھڑنا ہی تو ہوا۔

ما تصف السنتکم۔ یعنی اس پر کوئی دلیل صحیح تو قائم ہے نہیں، محض زبانی دعوی ہی دعوی ہیں۔

لتفتروا۔ میں ل عاقبت کا ہے، یعنی تمہارے اس قول کا حاصل یہی افتراء علی اللہ۔

واللام من التعلیل الذی لا یتضمن معنی الغرض (کشاف) واظن أن هذا اللام لیس لام الغرض بل کان لام العاقبة (کبیر) اللام لام العاقبة والصیرورة۔ (روح)

ولا تقولوا.... حرام۔ ترجمۂ متن میں جو ترکیب اختیار کی گئی ہے، وہ کسائی نحوی اور زجاج نحوی کے قول کے مطابق ہے، اور بہت سے مفسرین کی اختیار کردہ۔

ای لا تقولوا هذا حلال وهذا حرام لأجل وصف السنتکم الکذب وإلی هذا ذهب الکسائی والزجاج (روح)

۱۷۹ ایسے مجرموں کو حقیقۃً فلاح وعافیت کہاں نصیب؟ یہ عیش جو انہیں بظاہر نصیب ہو رہا ہے تمام تر عارضی وفانی ہے، پلک جھپکتے آنکھیں کھل جائیں گی، اس وقت حقیقت معلوم ہوگی، کاش یہ دنیا ہی کا بے ثبات اور آناً فاناً ختم ہوجانے والا عیش کچھ پائدار ہوتا۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ

اور جو لوگ دین یہود اختیار کئے ہوئے ہیں ان پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی تھیں جن کا بیان ہم آپ سے

قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ

اس کے قبل کر چکے ہیں اور ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی، بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر زیادتی کرتے رہے۔ ۱۸۰ پھر

اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ

آپ کا پروردگار ان لوگوں کے حق میں جو نادانی سے (کوئی) برا کام کر گزرتے پھر اس کے بعد توبہ کرلے

بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ ع

اور اپنی حالت درست کرلے تو آپ کا پروردگار اس (توبہ) کے بعد بڑا مغفرت والا ہے بڑا رحمت والا ہے ۱۸۱

۱۵ ع ۲۱

لا یفلحون۔ فلاح نہیں پاتے آخر کار۔

۱۸۰ یعنی جو ماکولات یہود پر بطور سزا حرام کر دیئے گئے، ان کے باب میں حقیقۃً سارا قصور ان ہی کا تھا، زیادتی ہماری طرف سے ذرا بھی نہیں ہوئی، یہاں تک کہ صورۃً بھی۔

وعلی الذین ھادوا ما قصصنا علیک من قبل۔ ملاحظہ ہوں سورۃ الانعام، آیت ۱۴۶ وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر کے حاشیے۔

۱۸۱ (چنانچہ وہ غفور نادانوں، نافرمانوں کے بھی قصوروں سے درگزر کر دے گا، اور وہ رحیم انہیں مورد رحمت بنائے گا۔)

ثم تابوا من بعد ذلک واصلحوا۔ یعنی حسب احکام و قواعد شرعی، ماضی سے متعلق توبہ اور حال سے متعلق اصلاح کرنا۔

للذین عملوا..... واصلحوا۔ ملاحظہ ہوں سورۃ النساء، آیت ۱۷ کے حاشیے۔

السوء۔ اس کے تحت میں چھوٹی بڑی ہر قسم کی برائی و معصیت آگئی، یہاں تک کہ کفر و شرک بھی۔

ھو ما یسیئ صاحبہ من کفر او معصیۃ ویدخل فیہ الافتراء علی اللہ، وعن ابن عباس انہ الشرک، والتعمیم اولی (روح)

من بعد ذلک۔ یعنی توبہ کے بعد۔

ای من بعد التوبۃ۔ (بیضاوی)

من بعدھا۔ ضمیر توبہ و اصلاح کی جانب ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا ؕ وَ لَمْ یَكُ مِنَ

بے شک ابراہیم بڑے مقتدا اللہ کے فرماں بردار (اور اسی کی طرف) یک رخ رہنے والے تھے اور

الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۲۰﴾

وہ مشرکوں میں نہ تھے ۱۸۲ء

ای التوبة کما قال غیر واحد ولعل الاصلاح مندرج فی التوبة (روح) من بعد التوبة (کشاف)

ثم تابوا۔ میں ثم تاکید اور زور دینے کے لئے ہے۔

للتوکید والمبالغة (روح)

بجہالة۔ ہر معصیت و نافرمانی کی آخری بنیاد اسی نافہمی و نادانی ہی پر تو ہوتی ہے۔

التقیید بالجہالة قیل لبیان الواقع لأن کل من یعمل السوء لا یعمله إلا بجہالة (روح)

۱۸۲ء (تو تم کس منہ سے اس کی پیروی اور ان کی نسل میں ہونے کا دعوی کر رہے ہو اے مشرکین عرب!) تم تو ہر معاملہ میں ان کی بالکل ضد ہو، وہ قانت: فرماں بردار تھے، تم نافرمان، وہ مؤمن حنیف' اللہ کی طرف یکسوئی سے لگے ہوئے' اور ایک رخ تھے' اور تم ادھر سے منہ موڑے ہوئے' دنیا طلبی پر گرے ہوئے' وہ موحد تھے، تم مشرک' تمہارے ان کے درمیان رشتۂ اشتراک ہی کیا؟

ابراھیم۔ حضرت ابراہیمؑ پر حاشیہ سورۃ بقرہ پ ۱ ۱۲۴ میں گزر چکا۔

اُمّة۔ یعنی اللہ کی عبادت و فرماں برداری اور طاعات و حسنات میں پوری ایک جماعت کے قائم مقام اور برابر۔

ای قائما مقام جماعة فی عبادة اللّٰہ (راغب) ای کان وحدہ أمة من الامم لکمال فی جمیع صفات الخیر (کشاف) قال ابن عباسؓ ای کان عندہ علیہ السلام من الخیر ما کان عند امة وھی الجماعة الکثیرة۔ (روح)

دوسرے معنی امام یا مقتدا کے ہیں، جو امور خیر میں بطور نمونہ کے کام دے دیں، ابو عبیدہ لغوی نے بھی معنی لئے ہیں' اور مشہور صحابی عبداللہ بن مسعودؓ اور فراء لغوی سے معلم خیر کے معنی منقول ہیں۔

الأمة الامام وبہ فسر ابو عبیدة (تاج) وقال الفراء کان امة ای معلما للخیر وبہ فسر ابن مسعود ایضا (تاج) امة یعنی ماموم ای یومہ الناس لیاخذ وا منہ الخیر (کشاف) فھو الامام الذی یقتدی بہ (ابن کثیر) الامة الرجل الجامع للخیر (قرطبی) وقال بن مسعود ان الامة الذی یعلم الناس الخیر۔ (قرطبی)

حنیفا۔ ہر مذہب باطل سے ہٹ کر دین حق کی طرف جھکے ہوئے' اور اسی پر ثابت و قائم۔

مائلا عن کل دین باطل إلی الدین الحق غیر زائل عنہ۔ (روح)

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٢١﴾ وَاٰتَيْنٰهُ

(اللہ) کی نعمتوں کے بڑے شکر گزار، (اللہ نے) ان کو چن لیا تھا اور انھیں سیدھی راہ پر ڈال دیا تھا ١٨٣

فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٢٢﴾ ؕ

اور ہم نے دنیا میں بھی انھیں بھلائی دی تھی، اور آخرت میں تو وہ صالحین میں ہیں ہی ١٨٤

١٨٣ (چنانچہ ان ہی کے نقش قدم پر چلنے اور ان ہی کی ملتِ حنیف اختیار کرنے میں آج بھی فلاح ونجات ہے)

اجتبٰہ۔ حضرت ابراہیمؑ خلیل دنیا کے تین مشہور زبردست مذہبوں کے آج بھی مسلم مقتدا وپیشوا ہیں، اسلام کے، یہودیت کے، نصرانیت کے۔

شاکرا لانعمہ۔ کہاں وہ اتنے شکر گزار بندے تھے اور کہاں تم ایسے ناشکرے نکلے۔۔۔۔ بعض محققین نے کہا کہ شکر گزاری اتنا بڑا وصف ہے کہ نام لے کر قرآن مجید نے دو ہی بندوں کو شکر گزار بتایا ہے، ایک حضرت ابراہیمؑ کو، دوسرے نوحؑ کو۔

لم یثن بالشکر من أولیاءہ إلا علی اثنین۔ (راغب)

انعم۔ سوال یہ ہوا ہے کہ یہ تو جمع قلت ہے اور حضرت ابراہیمؑ پر تو بڑی کثرت سے نعمتیں نازل ہوئی تھیں، پھر ان کے لئے یہ جمع قلت کیسے آئی؟ امام رازیؒ نے سوال کے جواب میں کہا ہے کہ اس جمع قلت کا تعلق تو شاکرًا آپؑ کی شکر گزاری سے ہے، تو جب آپؑ قلیل نعمتوں تک کے لئے شکر گزار رہتے تھے، تو پھر بڑی اور کثیر نعمتوں کی شکر گزاری کا پوچھنا ہی کیا؟

المراد منہ کان شاکرا لجمیع نعم اللہ إن کانت قلیلۃ فکیف الکثیر۔ (کبیر)

ضمناً یہ بھی نکل آیا کہ آپؑ بڑی نعمتوں سے مجتنب و محترز نہیں بلکہ ان سے لطف و نفع اٹھانے والے تھے۔

١٨٤ آیت علاوہ دوسری آیات کے اس باب میں نص قاطع ہے کہ دنیوی نعمتوں سے سرفرازی مراتب اخروی کے ذرا بھی منافی ہیں۔

دھذا الدفع توھم إن مالدیتہ فی الدنیا ینقص مقامہ فی الآخرۃ۔ (روح)

فی الدنیا حسنۃ۔ دنیا میں جتنی بھی نعمتیں ہو سکتی ہیں سب حضرتؑ کی ذات میں جمع ہو گئی تھیں۔۔۔ صاحب مال، صاحب اولاد، پاکیزہ رو، پاکیزہ خو، حوصلہ مند، فیاض ومہمان نواز، صابر وشاکر، سب ہی کچھ آپ تھے، مفسرین ہی نہیں، مؤرخین کا بیان بھی کچھ ایسا ہی ہے۔

فی الآخرۃ لمن الصالحین۔ اور صالح بھی کیسے؟ صالحیت کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز، صالحین کے سرور وسردار۔

ثُمَّ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ

پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیمؑ کے طریقہ پر چلئے جو بالکل یک رخ تھے، اور وہ مشرکوں

مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۲۳﴾ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبۡتُ عَلَى الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ ؕ

میں سے نہ تھے ۱۸۵ الف سبت (کا احترام) تو بس ان ہی لوگوں پر عائد کیا گیا تھا جنھوں نے اسکے باب میں اختلاف کیا تھا ۱۸۶ الف

من الصالحین۔ من معنی میں مع کے ہے۔

من بمعنی مع ای مع الصالحین۔ (قرطبی)

۱۸۵ الف (تو پھر اے مشرکو، تم اپنے کو طریق ابراہیمی کا پیرو کس منھ سے کہتے ہو؟)

ثم اوحینا الخ۔ ثم یہاں اظہارِ فضیلت کے لئے ہے، یعنی علاوہ ان فضائل کے، سب سے بڑی فضیلت انھیں ہم نے یہ دی کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے طریقہ پر چلنے کا حکم دیا۔

فی ثم ھذہ ما فیھا من تعظیم منزلۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اجلال محلہ والایذان بان اشرف ما اوتی خلیل اللہ ابراھیم من الکرامۃ واجل ما اوتی من النعمۃ اتباع رسول اللہ صلعم ملتہ۔ (کشاف)

ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفًا۔ اور وہ طریقۂ ابراہیم حنیف توحید کامل کا تھا —— چنانچہ اب وہ طریقۂ ابراہیمی طریقۂ محمدیؐ میں منحصر اور اس کے مرادف ہو کر رہ گیا ہے۔

المراد من ملۃ ابراھیم التوحید و نفی الشرک۔ (روح)

یہ حکم اتباعِ رسول کریم صلعم کو مل رہا ہے، فقہاء نے اس سے استنباط کیا ہے کہ فاضل تر کے لئے فاضل کی پیروی جائز ہو سکتی ہے۔

فی ھذہ الآیۃ دلیل فی جواز اتباع الأفضل للمفضول۔ (قرطبی)

حنیفًا۔ سب سے یکسو، یک رخ، یعنی غیر اللہ سے رشتہ بالکل توڑے ہوئے، ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۸۲

ملۃ ابراھیم حنیفًا۔ وما کان من المشرکین۔ سب پر حاشیے سورۂ بقرہ پ ۱ رکوع ۱۵ میں گزر چکے ہیں، سورۃ الانعام میں بھی اسی سے ملتی ہوئی ایک آیت آچکی ہے۔

یہاں چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملتِ ابراہیمیؑ کی تجدید کا حکم مل رہا ہے اس لئے حضرت ابراہیمؑ کی اس خصوصیت کو پھر دہرا دیا ہے کہ آپ کی ملت بس توحید اور نفی شرک ہی کی تو تھی۔

۱۸۶ الف (اپنے پیمبروں کی ہدایات واحکام سے)

جعل السبت۔ یعنی ان لوگوں پر اس روز کا تعطل تو بطور سزا عائد کیا گیا تھا، اصل دینِ ابراہیمی میں نہ تھا۔

السبت۔ ہفتہ کا ساتواں دن سنیچر یا شنبہ، جو شریعت یہود میں ایک مقدس دن تھا،

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ

اور بے شک آپ کا پروردگار ان کے درمیان اس بارے میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا جس بارے میں

يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٢٤﴾ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ

یہ اختلاف کرتے رہتے ہیں۔^١٨٧^ آپ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف بلائیے حکمت سے اور اچھی نصیحت

الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ

سے اور ان کے ساتھ بحث کیجیے پسندیدہ طریقہ سے۔^١٨٨^

جس میں ہر دنیوی مشغولیت سے احتراز واجب تھا، سبت پر حاشیہ پ۱ سورۂ بقرہ آیت ۶۵ میں گزر چکا ہے

فیہ ۔ یعنی اسی سبت کی مخالفت کی تھی۔

ای خالفوا فیہ ۔ (معالم)

^١٨٧^ یہ اختلافات خواہ آپس کے ہوں، یا ان کے پیمبروں کی ہدایات سے۔

آیت کے مفہوم میں اس خاکسار مؤلف کو شرح صدر نہ ہو سکا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

یہاں پر اشارہ اس سخت شرائط کی جانب ہے جو احکام سبت کے سلسلہ میں یہود پر عائد کیے گئے تھے،

ان ہی کی نافرمانیوں اور اپنے پیمبروں سے مخالفت کی بنا پر اور پر ذکر دین ابراہیمی کا ہے، اس پر یہ سختیاں

کچھ نہ تھیں، مقصود شاید یہاں تنبیہ کرنا ہے کہ ان کی شرارتوں کا وبال ان پر ہو رہا ہے۔

یوم السبت کے احکام اور یہودیوں کی طرف سے ان احکام کی خلاف ورزی کا ذکر عہد عتیق

کے مختلف حصوں میں کثرت سے ہے۔

لیحکم ۔ اس فیصلہ سے فیصلۂ عملی ومشاہدی یعنی ترتب اجر وعذاب مراد ہے، ورنہ دلائل

وشواہد کے لحاظ سے تو فیصلہ آج بھی موجود ہے۔

والمعنی انہ تعالیٰ لیحکم یوم القیامۃ للمحقین بالثواب وللمبطلین بالعقاب (کبیر)

^١٨٨^ (جس میں شدت وخشونت نہ ہو۔)

بالحکمۃ ۔ (یعنی دلائل علمی کے ساتھ۔)

الموعظۃ الحسنۃ ۔ یعنی ترغیب وترہیب سے ان کے جذبات اعلیٰ کو ابھار کے۔

وجادلھم بالتی ھی احسن ۔ یعنی جب بحث آ ہی پڑے تو شائستہ عنوان سے گفتگو کیجیے

آیت سے روشنی اس حقیقت نفسیاتی پر پڑ گئی کہ انسان تین طرح کے ہوتے ہیں اور ان سے

گفتگو میں ان ہی کی ذہنیت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

چنانچہ ایک طبقہ تو ان لوگوں کا ہے جنھیں کوئی ضد وعناد نہیں ہوتا، اور یہ لوگ ذہین وخوش فکر

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ

بے شک آپ کا پروردگار (بھی) خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہی ہدایت

بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ

پائے ہوؤں کو (بھی) خوب جانتا ہے ۱۸۹ اور اگر تم لوگ بدلہ لینا چاہو تو انھیں اتنا ہی دکھ پہنچاؤ جتنا دکھ تمھیں پہنچایا گیا ہے ۱۹۰

ہوتے ہیں، ان کے مقابلہ میں طریق حکمۃ اختیار کیا جائے۔

اور دوسرا طبقہ اہلِ غفلت کا ہوتا ہے' ان سے مخاطبت میں موعظۂ حسنہ سے کام لیا جائے۔

تیسرا گروہ ضدی جھگڑالو لوگوں کا ہوتا ہے' ان سے جدال احسن کیا جائے یعنی بحث و مناظرہ بطریق پسندیدہ۔

حافظ ابن قیم نے صراحت کے ساتھ اسی تفسیر کو صحیح قرار دیا ہے۔

جعل الله سبحانه مراتب الدعوة بحسب مراتب الخلق فالمستجيب القابل الذکی لا یعاند الحق ولا یاباه یدعی بطریق الحکمة. والقابل الذی عنده نوع غفلة وتاخر یدعی بالموعظة الحسنة وهی الأمر النهی المقرون بالترغیب والترهیب، والمعاند الجاحد یجادل بالتی هی احسن. هذا هو الصحیح فی معنی هذه الآیة.

اور جن لوگوں نے قرآن مجید کی اس سادہ و فطری تقسیم مراتب کو یونانی منطق کی سہ گانہ تقسیم، قیاس برہانی، قیاس خطابی، و قیاس جدلی پر منطبق کرنا چاہا ہے، ان کی حافظ موصوف نے تردید اور بالکل بجا طور پر قطعی تردید کر دی ہے۔

لا ما یزعم اسیر منطق الیونان أن الحکمة قیاس البرهان وهی دعوة الخواص والموعظة الحسنة قیاس الخطابة وهی دعوة العوام. وبالمجادلة بالتی هی أحسن القیاس الجدلی وهو رد شغب المشاغب بقیاس جدلی مسلم المقدمات. وهذا باطل وهو مبنی علی اصول الفلسفة وهو مناف لاصول المسلمین وقواعد الدین من وجوه کثیرة. (تفسیر القیم)

۱۸۹ (تو یہ کس نے مانا اور کس نے نہ مانا، اس کا فیصلہ اللہ ہی پر چھوڑ دیجیے، آپ اس فکر میں نہ پڑیئے۔)

کتنی حکیمانہ تعلیم ہے' اور جب یہ ارشاد پیمبر کو مخاطب کر کے ہے' تو افرادِ امت کا کیا ذکر ہے۔

اگر ہم اس سبق کو دل میں اتار لیں تو کتنی تشویشاتِ قلب سے بچ جائیں۔

۱۹۰ (اور ان حدود سے آگے نہ بڑھو)

انتقام کا وقت بھی نازک ہوتا ہے، مظلوم کا نفس جوشِ انتقام میں عموماً حد سے آگے بڑھ جاتا ہے' اور اب خود ظالم ہو جاتا ہے' قرآن مجید نے اس اشتعال کے وقت جذبات پر قابو رکھنے کی بار بار تاکید کی ہے' اور انتقام کو حدود کے اندر رکھنے کا خاص اہتمام فرمایا ہے۔

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ (۱۲۶) وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ

اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھا ہے[۱۹۱]۔ آپ صبر کئے رہئے اور آپ کا صبر تو بس اللہ ہی کی توفیق سے ہے[۱۹۲]

وان عاقبتم۔ خطاب ایمحض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں عام امت سے ہے۔ شریعت میں عام فطرت بشری کا لحاظ کرکے انتقام لینا جائز رکھا گیا ہے ——— اور اس مقام کا نام اصطلاحِ سلوک میں مقامِ رخصت ہے۔

وان عاقبتم الخ۔ ترکیب کلام خود کہہ رہی ہے کہ بہتر اور افضل تو انتقام نہ لینا ہی ہے، لیکن اگر اس پر نہ قدرت ہو اور مجرم کو سزا دینے ہی پر تُل جاؤ تو اتنی احتیاط تو بہرحال ضروری ہے کہ سزا بس جرم ہی کے متناسب ہی اس سے زائد ہرگز نہ ہونے پائے ——— جیسے مریض سے طبیب کہتا ہے کہ بدپرہیزی اگر کرنا ہی ہے تو فلاں مقدار سے زائد نہ ہو۔

یعنی ان رغبتم فی ابتغاء القصاص فاقنعوا بالمثل ولا تزیدوا علیہ (کبیر) دلیل علی أن الأولی لہ أن لا یفعل۔ (کبیر)

ماعوقبتم بہ۔ عقاب کے عام معنی کسی جرم سابق پر سزا کے ہیں، یہاں یہ لفظ بہ طریق مشاکلت استعمال ہوا ہے جس کی توضیح شروع تفسیر میں ہوچکی ہے، جیسے اللہ کے لئے ایسے ہی مواقع پر مکر، کید، خدع وغیرہ کا استعمال۔

ای مثل ما فعل بکم وقد عبر عنہ بالعقاب علی طریقۃ اطلاق اسم المسبب علی السبب نحو کما تدین تدان علی نہج المشاکلۃ (بح)

صیغہ کا مجہول لانا بھی قابل غور ہے، ذہن کو توجہ نفس واقعۂ مظلومیت کی طرف دلائی گئی ہے، نہ کہ ظالم افراد یا ان کی شخصیت کی طرف۔

۱۹۱ے (کہ اس سے خوب مراتبِ قُرب بڑھتے ہیں۔)

اسی مقام کا نام اصطلاحِ سلوک میں عزیمت ہے ——— اسلام نے بالکل صحیح طور پر اور عین فطرت بشری کے مطابق ایک طرف تو اجازت انتقام لے لینے کی دیدی ہے، لیکن دوسری طرف بلند مقام صبر و تحمل عفو و درگزر کا رکھ کر ترغیب اسی کی دی ہے۔

لھو۔ ضمیر ہو یا تو ان لوگوں کے صبر کی جانب ہے یا جنس صبر کی جانب۔

اما أن یرجع الضمیر الی صبرھم أو أن یرجع الی نفس الصبر۔ (کشاف)

متعدد مفسرین نے یہاں یہ لکھ دیا ہے کہ یہ آیت آیتِ قتال سے منسوخ ہے، لیکن جیسا کہ فخر المفسرین رازیؒ نے فرمایا، اور بالکل صحیح فرمایا کہ اس کو جہاد و قتال کے مسئلہ سے کوئی سروکار ہی نہیں، اس میں تو ایک اخلاقی تعلیم حُسنِ ادب کی، اور لوگوں کے ساتھ زیادتی نہ کرنے کی دی گئی ہے، اور وہ اپنی جگہ قائم ہے۔

وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ وَلَا تَكُ فِي ضَيۡقٖ مِّمَّا يَمۡكُرُونَ ﴿١٢٧﴾

اور آپ ان پر غم نہ کیجئے اور ان چالوں سے جو یہ لوگ چلتے رہتے ہیں تنگ دل نہ ہو جئے ۱۹۳ ف

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحۡسِنُونَ ﴿١٢٨﴾

بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ (رہتا) ہے جو تقویٰ اختیار کئے رہتے ہیں اور جو لوگ کہ نیک کار ہیں ۱۹۴ ف

وهذا في غاية البعد لأن المقصود من هذه الآية تعليم حسن الأدب في كيفية الدعوة إلى الله تعالى وترك التعدى وطلب الزيادة، ولا تعلق بهذه الأشياء بآية السيف۔ (کبیر)

فقہاء نے یہیں سے نکالا ہے کہ قصاص لینے سے بڑھ کر مرتبہ عفو کر دینے کا ہے۔

وقد دلت على أن العفو عن القاتل والجاني افضل من إستيفاء القصاص (جصاص)

۱۹۲ ف (جیسا کہ ہر شخص کا بھی صبر توفیقِ الٰہی ہی سے ہوتا ہے۔)

مفسر تھانویؒ نے کہا ہے کہ بدون توفیقِ الٰہی کوئی شخص نہ صبر کر سکتا ہے نہ اور کوئی طاعت حسنہ لیکن توفیق کے مراتب بھی مختلف ہوتے ہیں، گو نفس توفیق مشترک رہتی ہے، انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہ توفیق الٰہی خاص اور زائد ہوتی ہے، اور ان کے اعمال میں مؤثر رہتی ہے۔

واصبر۔ یعنی آپ صبر کئے رہئے، جیسا کہ اب تک بھی کئے رہے ہیں، اور آپ کیوں نہ کرتے آپ تو عزیمت کے بلند ترین مقام پر سرفراز تھے۔

باللہ۔ یعنی اللہ کے لطف و توفیق سے۔

اى بتوفيقه وتثبيته وربطه على قلبك۔ (کشاف)

اى بعون الله وتوفيقه (عکبری) وقال غير واحد اى إلا بتوفيقه ومعونته (روح)

اللہ اللہ! رسولؐ عالی صبر تک بس اللہ ہی کے فضل و توفیق سے پہونچتے ہیں۔

۱۹۳ ف (اور یقین رکھئے کہ ان کی بڑی سی بڑی چالیں بھی آپؐ کو ضرر نہ پہونچا سکیں گی)

ولا تحزن عليهم۔ یعنی ان کے حال پر زیادہ غم و تاسف نہ کیجئے، اس سے رسول رؤف رحیم کے قلب مبارک کی نرمی اور لطافت پر بھی روشنی پڑ گئی، اتنی شدید مخالفتوں مزاحمتوں کے باوجود آپ کے دل میں منکروں کی طرف سے ہمدردی قائم تھی، اور قرآن کریم کو اس سے بار بار روکنا پڑتا تھا۔

۱۹۴ ف (پھر آپ تو تقویٰ و احسان دونوں کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر ہیں، آپ کو تو اللہ کی معیت سب سے بڑھ کر حاصل رہے گی۔)

مع الذين۔ حق تعالیٰ کی یہ معیت متقین کے ساتھ اس معنی میں ہوتی ہے کہ وہ انھیں گناہوں سے بچاتا رہتا، اور طاعتوں کی توفیق دیتا رہتا ہے، اور اپنی رحمت و فضل سے انھیں گھیرے رہتا ہے۔

ومعینہ نصرتہ فی الماموروعصمتہ فی المحظور (مدارک) الی بالعون والنصرۃ (معالم)

معینہ بالرحمۃ والفضل والموتبۃ (کبیر) والمراد بالمعیۃ الولایۃ الدائمۃ۔ (روح)

الذین اتقوا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو احکام الٰہی کی تعمیل کرتے رہتے ہیں، اور گناہوں سے بچتے رہتے ہیں۔

الذین اجتنبوا المعاصی۔ (کشاف)

اس میں اشارہ خصوصی حقوق اللہ کی ادائیگی کا آگیا۔

اشارۃ إلی التعظیم لأمر اللہ تعالیٰ۔ (کبیر)

گویا منفی اعتبار سے ان کی روحانی واخلاقی زندگی مکمل ہوتی ہے۔

الذین ھم محسنون۔ یہ لوگ صرف اجتناب معاصی پر بس نہیں کرتے، گناہوں سے بچتے ہی نہیں رہتے بلکہ اعمال حسنہ پوری حسن کاری کے ساتھ ادا کرتے رہتے ہیں، اور حقوق العباد کی ادائے کی پر بھی پوری توجہ رکھتے ہیں، اس میں خلق اللہ کے ساتھ حسن سلوک کی فضیلت آگئی۔

اشارۃ إلی الشفقۃ علی خلق اللہ۔ (کبیر)

اور اس روحانی واخلاقی زندگی کا مثبت پہلو بھی آگیا۔

عربی کا "محسن" اردو کے "محسن" (احسان کرنے والے) سے الگ ہے' اور اس کا قریب ترین اردو ترجمہ حسن کار ہوسکتا ہے۔

محققین عارفین نے یہیں سے نکالا ہے کہ فن سلوک کا خلاصہ یہی دو چیزیں ہیں، ایک امر الٰہی کی تعظیم دوسرے خلق الٰہی کے ساتھ شفقت۔

ذلک یدل علی أن کمال السعادۃ للانسان فی ھذین الامرین أعنی التعظیم لأمر اللہ تعالیٰ والشفقۃ علی خلق اللہ تعالیٰ۔ (کبیر)

اور بعض صوفیہ نے اپنی زبان میں یوں کہا ہے کہ حضرت حق کے ساتھ معاملۂ صدق' اور خلق کے ساتھ معاملۂ خُلق بس یہی طریقت کی معراج ہے۔

وعبر عنہ بعض المشائخ فقال کمال الطریق صدق مع الحق وخلق مع الخلق (کبیر)

یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایسے لوگوں کی زندگی منفی ومثبت پہلوؤں کی جامع ہوتی ہے۔

اللہ کی معیت سے بڑھ کر اور کون سی دولت ممکن ہے؟ اور متقین اور محسنین کو بشارت اسی دولتِ عظمیٰ کی مل رہی ہے۔

صداقت نامہ

مجلس نشریاتِ قرآن کراچی کے مطبوعہ تفسیر ماجدی جلد دوم سورۃ الانعام تا سورۃ النحل کے متن قرآن کریم کو بغور پڑھا۔ تصدیق کی جاتی ہے کہ اس کے متنِ قرآن پاک میں اعراب کی انشاء اللہ غلطی نہیں ہے۔

(مہر و دستخط)
Research & Reference Officer Auqaf
Hyderabad & Sukkur Divisions
HYDERABAD.